ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ
وہ عظیم کتاب جس میں شک کی گنجائش نہیں یہ پرہیزگاروں کیلئے ہدایت ہے
(البقرہ: ۲)
تفسیر مدارک التنزیل
وحقائق التاویل
مع ترجمہ قرآن المسمی بہ
برکات القرآن
تصنیف
علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی متوفی ۷۱۰ھ
مترجم
علامہ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی
(سابق مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور)
ناشر
فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

یہ وہ عظیم کتاب ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے (یہ) پرہیزگاروں کیلئے ہدایت ہے

(البقرۃ: ۲)

تفسیر مدارک التنزیل

تسمیہ

وحقائق التاویل

مع ترجمہ قرآن المسمٰی بہ

برکات القرآن

جلد دوئم

(یونس تا العنکبوت)

تصنیف

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی متوفی ۷۱۰ھ

مترجم

علامہ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی

(سابق مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور)

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور
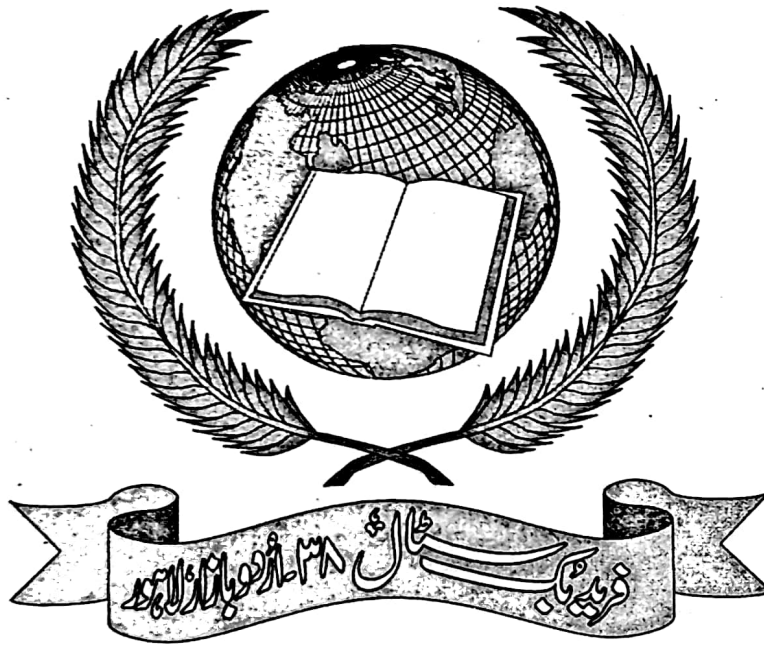
تصحیح : حافظ محمد اکرم ساجد، شاہد محمود
مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز، لاہور
الطبع الاوّل : شعبان 1430ھ / جولائی 2009ء

Farid Book Stall
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال ۳۸۔اُردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۳۱۲۱۷۳۔۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۲۲۴۸۹۹
ای میل : info@faridbookstall.com
ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر مدارک التنزیل (جلد دوئم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۂ یونس مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی ایک سونو آیات‘ گیارہ رکوع ہیں

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ② اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③

الٓرٰ‘ یہ حکمت والی مستحکم کتاب کی آیتیں ہیں ○ کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے انہیں میں سے ایک ممتاز مرد پر وحی نازل کی کہ آپ لوگوں کو ڈرائیں اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیں کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بلند مقام ہے‘ کافروں نے کہا کہ بے شک یہ کھلا جادوگر ہے ○ بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا‘ پھر وہ عرش پر غالب ہوا‘ وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے‘ کوئی شفاعت کرنے والا نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد‘ یہی اللہ تمہارا رب ہے‘ سو تم اسی کی عبادت کرو‘ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ○

نزولِ قرآن کی حکمت‘ قدرتِ الٰہی کے دلائل اور نیک و بد کا انجام

سورت یونس علیہ السلام کی آیات ایک سونو (۱۰۹) ہیں۔ یہ سورت اور اسی طرح اس کے بعد والی سورتیں سورت نور تک مکی ہیں[1]

۱-﴿ الٓرٰ ﴾ [یہ اور اسی طرح کے دیگر حروف میں حمزہ‘ علی کسائی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں امالہ کیا جاتا ہے] اور یہ حروف مقطعات (کفارِ عرب کو لاجواب کرنے کے لیے) بطور چیلنج بیان کیے جاتے ہیں ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ﴾ یہ اس کتاب کی آیات ہیں۔ ”تِلْكَ“ سے ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن پر یہ سورت مشتمل ہے اور ”اَلْكِتَابِ“ سے یہی سورت مراد ہے ﴿ الْحَكِيْمِ ﴾ حکمت والی کتاب‘ کیونکہ یہ بے شمار حکمتوں پر مشتمل ہے یا یہ معنی ہے کہ جھوٹ اور عیب سے منزہ محکم و

[1] واضح رہے کہ میرے پاس ”تفسیر مدارک التنزیل“ کے تین نسخے موجود ہیں: (۱) دار الکتب العربیۃ الکبریٰ‘ مصر کا مطبوعہ ”تفسیر خازن“ کے حاشیہ پر چار جلدوں میں (۲) قدیمی کتب خانہ‘ کراچی کا مطبوعہ الگ دو جلدوں میں (۳) مکتبۂ رحمانیہ‘ لاہور کا مطبوعہ الگ تین جلدوں میں‘ یہ مذکورہ بالا ترجمہ پہلے دونسخوں کی عبارت کا ہے جب کہ تیسرے نسخے میں یہ عبارت نہیں ہے کیونکہ اس نسخے کے کئی مقامات پر طباعتی خامی کی وجہ سے کچھ نہ کچھ خامی رہ جاتی ہے یا عبارت چھوٹ جاتی ہے‘ اس لیے ایسے مقامات پر آگاہی کے بعد پہلے دونسخوں کی عبارت کے مطابق ترجمہ کر دیتا ہوں تا کہ کوئی کمی نہ رہ جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

مضبوط کتاب ہے۔

٢۔ ﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا ﴾ [اس میں ہمزہ کفار کے تعجب کا انکار کرنے کے لیے ہے] اور ان کے تعجب کے غلط ہونے پر تعجب دلانا مقصود ہے کہ کیا ان لوگوں کو اس پر تعجب ہوا ﴿ اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ ﴾ کہ ہم نے انہیں میں سے ایک (محترم ومکرم) مرد پر وحی نازل کی ہے [پھر یہ "کَانَ" کا اسم ہے اور "عَجَبًا"، "کَانَ" کی خبر ہے اور "لِلنَّاسِ" میں لازم محذوف کے ساتھ متعلق ہے جو "عَجَبًا" کی صفت ہے پھر جب یہ مقدم ہوگیا تو حال بن گیا] ﴿ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ ﴾ [یہ اصل میں "بِاَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ" ہے یا یہ "اَنْ" مفسرہ ہے] کیونکہ اس کا وحی کرنا قول (کہنے) کے معنی میں ہے یعنی ہم نے انہیں میں سے ایک مرد کو وحی کے ذریعے فرمایا کہ آپ لوگوں کو ڈرائیں ﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ ﴾ اور آپ ان لوگوں کو خوشخبری سنادیں جو ایمان لائے ہیں کہ بے شک ان کے لیے (بلند مقام ہے)۔ [اصل میں "بِاَنَّ لَهُمْ" ہے] اور "لِلنَّاسِ" میں لام کا معنی یہ ہے کہ ان لوگوں نے آپ کی نبوت کو اپنے لیے عجوبہ قرار دے دیا اور اس سے تعجب کرنے لگے اور جس پر انہیں تعجب تھا (١) وہ یہ کہ ایک بشر کی طرف وحی کی جاتی ہے (٢) اور یہ کہ انہیں کی جماعت میں سے (مالی اعتبار سے ایک عام) آدمی نبی بنایا گیا ہے ان کے مال دار سرداروں میں سے کسی دولت مند بڑے سردار کو کیوں نہیں بنایا گیا چنانچہ وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ تعجب ہے انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو ابوطالب کے یتیم بھتیجے کے سوا کوئی نہیں ملا (٣) اور یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے سامنے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کا ذکر کیا کرتے تھے اور دوزخ سے ڈراتے اور جنت کی خوشخبری دیتے تھے حالانکہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز تعجب خیز نہیں کیونکہ سابقہ امتوں کی طرف جس قدر نبی و رسول بھیجے گئے تھے وہ سب کے سب انہیں کی طرح انسان تھے اور کسی یتیم یا غریب کو رسول بنانا بھی تعجب خیز نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جس ہستی کو نبوت کے لیے منتخب کرتا ہے تو اس میں نبوت کے تمام اسباب جمع فرما دیتا ہے اور دولت مند ہونا اور دنیا میں مقدم ہونا نبوت کے اسباب میں سے نہیں ہے۔ بے شک مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا صرف نیکی اور بدی پر جزاء اور سزا دینے کے لیے ہے اور یہ بہت بڑی حکمت ہے تو تعجب کیسا؟ بے شک انسانی عقلوں میں تو روزِ جزاء کا انکار کرنا ہی انوکھی اور تعجب کی بات ہے ﴿ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ان کے رب کے پاس (ان کے لیے) سچائی کا مقام ہے یعنی سبقت وفضیلت اور عظمت وشان کا مقام اور چونکہ چلنا اور سبقت کرنا قدم کے ذریعے ہوتا ہے اس لیے نیک کوشش اور نیکی میں سبقت کرنے کو "قَدَم" کہا گیا ہے جیسا کہ نعمت کو عربی میں "یَد" یعنی ہاتھ کہا جاتا ہے کیونکہ نعمت ہاتھ سے عطا کی جاتی ہے اور اسی طرح نعمت کو "بَاع" یعنی بازو بھی کہا جاتا ہے کیونکہ صاحبِ نعمت اپنے بازو پھیلا کر نعمت وبخشش عطا کرتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے: "لِفُلَانٍ قَدَمٌ فِي الْخَيْرِ" کہ فلاں آدمی نیکی میں سبقت کرنے والا اور آگے بڑھنے والا ہے [اور "قَدَمٌ" کی "صِدْقٍ" کی طرف اضافت صرف فضیلت کے اضافہ پر مبالغہ کرنے کے لیے ہے (کیونکہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف مبالغہ کے لیے ہوتی ہے)] اور اس لیے کہ یہ بہت بڑی سبقت (وجیت اور بڑی کامیابی) ہے یا اس سے سچائی کا مقام (جنت) مراد ہے یا سعادت و نیک بختی میں سبقت کرنا مراد ہے ﴿ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ کافروں نے کہا کہ بے شک یہ کھلا جادوگر ہے۔ [نافع مدنی ابوعمرو بصری اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "لَسِحْرٌ" ہے کہ یہ کتاب قرآن مجید کھلم کھلا جادو ہے اور جن کی قراءت میں "لَسَاحِرٌ" ہے تو اس سے رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ ہے] گویا کافروں نے کہا: بے شک یہ رسول جادوگر ہے (نعوذ باللہ من ذالک) اور یہ ان کے عاجز ہو جانے کی اور اس کے اعتراف کی دلیل ہے اگرچہ وہ آپ کو جادوگر کہنے میں جھوٹے تھے۔

۳۔ ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ بے شک تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمام آسمانوں اور زمین کو چھے دنوں میں پیدا فرمایا' پھر وہ عرشِ معظم پر مستوی ہوا یعنی وہ عرشِ اعظم پر غالب و قادر اور اس پر قابض ہو گیا کیونکہ دیّان (یعنی اللہ تعالیٰ) مکان کی قیود سے پاک ہے اور معبود برحق حدود سے منزہ ہے ﴿یُدَبِّرُ﴾ وہی فیصلہ کرتا ہے اور وہی حکمت کے تقاضے کے مطابق تقدیر مقرر کرتا ہے ﴿الْاَمْرَ﴾ یعنی تمام مخلوق کے ہر معاملہ کی اور آسمانوں اور زمین اور عرشِ اعظم کے نظام کے تمام اُمور کی (وہی تدبیر کرتا ہے) اور جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق اور عرشِ اعظم پر اپنی قدرت وغلبہ کا ذکر کیا جو کہ اس کی عظمت و کبریائی اور بادشاہی پر دلالت کرتے ہیں تو ان کے بعد اس جملہ کا ذکر کیا تا کہ اس کی عظمت پر مزید دلیل قائم ہو جائے اور تا کہ یہ ثابت ہو جائے کہ تمام اُمور میں سے کوئی امر اور تمام معاملات میں سے کوئی معاملہ اس کی تقدیر اور اس کی قضاء سے باہر نہیں ہے اور اسی طرح یہ ارشاد ہے: ﴿مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ﴾ اس کی اجازت سے پہلے کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا (بلکہ اس کی اجازت ملنے کے بعد اس کے محبوب بندے شفاعت کریں گے) یہ ارشاد بھی اس کی عزت وعظمت اور اس کی کبریائی کی دلیل ہے ﴿ذٰلِكُمُ﴾ وہ عظیم الشان موصوف جس کی مذکورہ بالا صفات بیان کی گئی ہیں وہ ﴿اللّٰهُ رَبُّكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ ہے جو تمہارا پروردگار ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے ﴿فَاعْبُدُوْهُ﴾ سو تم اسی کو واحد و یکتا مانو اور اس کے ساتھ کسی مخلوق کو شریک نہ ٹھہراؤ خواہ وہ انسان ہو یا فرشتہ ہو چہ جائے کہ ایک بے جان جماد ہو جو نہ نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے ﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ تو تم غور و فکر کر کے نصیحت حاصل کیوں نہیں کرتے اور تم تدبر سے کام کیوں نہیں لیتے تا کہ تم مصالح و منافع کے وجود سے مصلح و نافع کے وجود پر استدلال کرو۔

اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾

تم سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے' اللہ کا وعدہ سچا ہے' بے شک وہی پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے' پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا تا کہ وہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ جزاء دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے کھولتا ہوا گرم پانی ہے اور دردناک عذاب ہے اس لیے کہ وہ کفر کرتے تھے ○ وہی ہے جس نے سورج کو چمکانے والا اور چاند کو روشن بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کر دیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب کو جان سکو' اللہ ہی نے ان سب چیزوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے' وہ اہل علم قوم کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانیاں تفصیل سے بیان کرتا ہے ○

۴۔ ﴿اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا﴾ تم سب نے اسی کی طرف لوٹ جانا ہے یعنی تم آخرت میں صرف اسی اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جاؤ گے' پس تم اس کی ملاقات کے لیے تیاری کرتے رہو [اور "مرجع" کا معنی رجوع کرنا اور لوٹنا ہے یا رجوع

کی جگہ (میدانِ محشر) مراد ہے اور "جَمِیعًا" ضمیر "کُمْ" مجرور سے حال ہے] ﴿وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا﴾ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق اور سچا ہے [اور "وَعْدَ" مصدر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد "اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ" کی تاکید ہے اور "حَقًّا" بھی مصدر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَعْدَ اللّٰهِ" کی تاکید ہے] ﴿اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ﴾ بے شک وہی پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ اس کو زندہ کرے گا۔ یہ ایک الگ نیا جملہ ہے جس کا معنی یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانے کے وجوب کی علت و دلیل ہے ﴿لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے یعنی مخلوق کو پیدا کرنے، پھر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کی حکمت یہی ہے کہ مکلفین کو ان کے اعمال پر جزا دی جائے ﴿بِالْقِسْطِ﴾ انصاف کے ساتھ [اور یہ "یَجْزِیَ" کے ساتھ متعلق ہے] یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے عدل و انصاف کے ساتھ جزاء عطا کرے اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان کا اجر ان کو پورا پورا دے دے یا یہ معنی ہے کہ ان کو ان کے عدل و انصاف پر جزاء عطا کرے یعنی اس لیے کہ انہوں نے انصاف کیا اور انہوں نے عدل سے کام لیا اور چونکہ وہ ایمان لائے ہیں، اس لیے انہوں نے ظلم نہیں کیا کیونکہ شرک ظلم ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ" (لقمان: ۱۳) "بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے"۔ اور درج ذیل ارشاد کے مقابلہ میں یہ توجیہ زیادہ بہتر ہے ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے لیے پینے کو کھولتا ہوا گرم پانی اور دردناک عذاب ہوگا اس لیے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

۵۔ ﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا﴾ وہی تو ہے جس نے سورج کو چمکانے والا اور چاند کو روشن بنایا۔ ["ضِیَآءً" اصل میں "ضِوَآءً" تھا، واؤ کو ماقبل مکسور ہونے کی وجہ سے "یا" سے تبدیل کر دیا گیا ہے اور قاری قنبل نے واؤ کو ہمزہ سے تبدیل کر کے "ضِئَآءً" پڑھا ہے کیونکہ حرکت ہمزہ کے لیے زیادہ بہتر ہے اور "ضِیَآءً" نور سے زیادہ قوی ہے اس لیے اس کو سورج کے لیے قرار دیا] ﴿وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے چاند کی یعنی اس کی سیر کی منزلیں مقرر کر دی ہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے چاند کو منزلوں والا بنایا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: "وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ" (یٰسین: ۳۹) "اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر دی ہیں"۔ ﴿لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ﴾ تاکہ تم سالوں کی گنتی پوری کرو یعنی سالوں کی اور مہینوں کی گنتی پوری کرو لیکن مہینوں کی بجائے صرف سالوں کی گنتی پر اس لیے اکتفاء کیا کہ سال مہینوں پر مشتمل ہوتا ہے (تو گویا سالوں کے ضمن میں مہینوں کا ذکر آ گیا ہے) ﴿وَالْحِسَابَ﴾ اور تاکہ تم (نمازِ پنجگانہ، عیدین، جمعۃ المبارک، اشراق، چاشت، اوابین اور تہجد کی نمازوں کے) اوقاتِ مقررہ اور (روزوں، حج، قربانی، فطرانہ اور تشریق کے) ایام و مدتیں معلوم کرو ﴿مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان مذکورہ بالا چیزوں کو برحق پیدا فرمایا ہے جو بہت بڑی حکمت پر مبنی ہیں اور ان کو بے کار و بے فائدہ پیدا نہیں فرمایا ﴿یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ﴾ وہ آیتوں کو تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ [ابن کثیر مکی، ابوعمرو بصری اور امام حفص کی یہی قراءت ہے جب کہ ان کے علاوہ دوسروں کی قراءت میں نون کے ساتھ "نُفَصِّلُ" ہے] ﴿لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴾ ایسے لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں اور وہ علم کے ذریعے ان آیات میں غور و فکر کر کے استفادہ کرتے ہیں۔

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۝۶ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا

وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷ اُولٰٓئِکَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝۸ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝۹

بے شک رات اور دن کے تبدیل ہونے میں اور ان چیزوں میں جن کو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے خوفِ خدا رکھنے والی قوم کے لیے نشانیاں ہیں O بے شک جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے اور اس پر مطمئن ہو گئے اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غافل ہو چکے ہیں ان سب کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے ان بد اعمال کی وجہ سے جو وہ کرتے تھے O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے نعمتوں سے پُر باغات کی طرف ان کی رہ نمائی فرمائے گا' جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں O

٦- ﴿اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ﴾ بے شک رات اور دن کے بدلنے میں (یعنی) ان میں سے ہر ایک کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں یا ان دونوں کے (نور و ظلمت کے اعتبار سے) رنگ بدلنے میں ﴿وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو مخلوقات اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے (ان مذکورہ بالا تمام چیزوں میں) ﴿لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ﴾ البتہ قدرتِ الٰہی کی زبردست نشانیاں ہیں' خوفِ خدا رکھنے والے لوگوں کے لیے۔ ڈرنے والوں کا ذکر خاص کر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ لوگ آخرت سے ڈرتے ہیں اور انہیں یہی خوف و ڈر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔

٧- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ بے شک جو لوگ ہماری ملاقات کی بالکل توقع نہیں رکھتے اور حقائق کو سمجھنے سے غافل ہو جانے کی بناء پر ان کے دلوں میں اس کا خیال تک نہیں آتا یا یہ کہ جو ہم سے اچھی ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے جیسا کہ سعادت مند اور نیک بخت لوگ اس کی امید رکھتے ہیں یا یہ کہ جو لوگ ہم سے بُری ملاقات کا خوف نہیں رکھتے جس سے ڈرنا واجب و ضروری ہے ﴿وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ اور وہ آخرت کی بجائے دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے اور انہوں نے دائمی و باقی رہنے والی بہت بڑی آخرت کے مقابلے میں فانی اور تھوڑی سی دنیا اختیار کر لی ﴿وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا﴾ اور وہ لوگ اس پر مطمئن ہو گئے اور انہوں نے اس میں مشغول ہو کر اس طرح سکون حاصل کر لیا گویا وہ دنیا سے کبھی نہیں جائیں گے' چنانچہ انہوں نے مضبوط و مستحکم عمارتیں بنا لیں اور انہوں نے طویل اور لمبی آرزوئیں قائم کر لیں ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غافل و بے خبر ہو گئے اور ان میں غور و فکر نہیں کرتے [اس پر وقف نہیں کیا جائے گا کیونکہ ''اِنَّ'' کی خبر اگلی آیت ہے]۔

٨- ﴿اُولٰٓئِکَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ﴾ انہیں لوگوں کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے [چنانچہ ''اُولٰٓئِکَ'' مبتدا ہے اور ''مَاْوٰىهُمْ'' دوسرا مبتدا ہے اور ''اَلنَّارُ'' اس کی خبر ہے اور مبتدا اور خبر مل کر جملہ ہوا اور یہ جملہ ''اُولٰٓئِکَ'' کی خبر ہوا اور ﴿بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾ میں ''با'' محذوف کے متعلق ہے جس پر کلام دلالت کر رہا ہے اور وہ ''جُوْزُوْا'' ہے] (ترجمہ) ان کو دوزخ کی سزا ان اعمال کے سبب دی جائے گی جو وہ کماتے رہے۔

٩- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو ان کا رب ان کے ایمان کے سبب ان کی رہ نمائی فرمائے گا اور ان کے ایمان کے سبب صحیح راستے پر

چلنے کے لیے ان کو استقامت کی توفیق عطا فرمائے گا اور ان کو صحیح راہ پر قائم رکھے گا جو انہیں اجر و ثواب تک پہنچا دے گا اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے ''تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ'' کو اس کا بیان اور اس کی تفسیر قرار دیا کیونکہ سعادت کے سبب کو اپنانا گویا سعادت کو پانا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے نور ایمان کی برکت سے آخرت میں جنت کی راہ کی طرف ان کی رہنمائی فرمائے گا اور اسی وجہ سے حدیث شریف میں ہے کہ بے شک مؤمن جب اپنی قبر سے باہر نکلے گا تو اس کے عمل کو حسین ترین صورت میں اس کے سامنے پیش کیا جائے گا اور وہ اس سے کہے گا: میں تیرا عمل ہوں، پھر وہ قائد اور نور بن کر اس کو جنت میں لے جائے گا اور کافر جب اپنی قبر سے باہر نکلے گا تو اس کے عمل کو بدترین صورت میں اس کے سامنے پیش کیا جائے گا اور وہ اس سے کہے گا: میں تیرا عمل ہوں، پھر وہ اس کو لے کر روانہ ہو جائے گا یہاں تک کہ وہ اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کر دے گا[1] اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ صرف ایمان نجات کے لیے کافی ہے کیونکہ صرف ''بِاِیْمَانِهِمْ'' ارشاد فرمایا گیا ہے اور اس کے ساتھ عمل صالح کو شامل نہیں کیا گیا ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو نعمتوں سے بھرپور باغات میں داخل فرمائے گا، جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں گی۔ [''فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ''، ''تجری'' کے ساتھ متعلق ہے یا پھر ''الْاَنْهٰرُ'' سے حال ہے]۔

دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰﴾ وَ لَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ لَقُضِیَ اِلَیْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾

ع ۱

اس میں ان کی یہ دعا ہو گی کہ اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے اور اس میں ان کی باہمی ملاقات ''السلام علیکم'' سے شروع ہو گی، اور ان کی آخری دعا یہ ہو گی کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے O اور اگر اللہ لوگوں پر برائی کو جلدی بھیج دیتا جس طرح وہ بھلائی کو جلدی چاہتے ہیں تو البتہ ان کا وعدہ ان پر پورا ہو چکا ہوتا، سو ہم ان لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں جو ہماری ملاقات کی توقع نہیں رکھتے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں O

۱۰- ﴿دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ﴾ یعنی بہشتوں میں ان کی دعا یہی ہو گی کہ اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے۔ یہاں ''دَعْوٰهُمْ'' سے ان کا دعا کرنا مراد ہے کیونکہ ''اَللّٰهُمَّ'' میں اللہ تعالیٰ کے لیے ندا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں یعنی وہ لوگ اپنے اس قول ''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ'' کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے اور یہ دعا روحانی لذت حاصل کرنے کے لیے ہو گی عبادت کے لیے نہیں ﴿وَ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ﴾ اور بہشتوں میں ''السلام علیکم'' کہہ کر ان کی تعظیم کی جائے گی یعنی وہ ایک دوسرے کا استقبال و احترام سلام کرنے کے ساتھ کریں گے یا یہ کہ فرشتے ان کو سلام کہہ کر ان کا احترام و استقبال کریں گے [اور اس صورت میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہو گی] یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اعزازاً ان کو سلام کرے گا ﴿وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ﴾ اور ان کی دعا جو تسبیح کی صورت میں ہو گی اس کا اختتام اس پر ہو گا

[1] رواہ ابن جریر فی تفسیرہ ج ۱۱ ص ۸۸

﴿ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے یعنی وہ کہیں گے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَO" ["اَنْ" ثقیلہ سے خفیفہ ہے اور اس کی اصل "اَنَّهُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" ہے اور اس میں ضمیر شان کی ہے] اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ اہل جنت کے کلام کا آغاز تسبیح سے ہوگا اور اس کا اختتام حمد و ثناء پر ہو گا' پس وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی تنزیہ سے ابتداء کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کے شکر پر اختتام کریں گے اور ان کے درمیان جو وہ چاہیں گے' گفتگو کریں گے۔

کفار کے بد رویوں کے باوجود دنیا میں انہیں ڈھیل دینے اور تنبیہ کرنے کا تذکرہ

۱۱۔﴿ وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر بُرائی کو جلدی بھیج دیتا جیسا کہ وہ لوگ بھلائی کو جلدی چاہتے ہیں [اصل میں "تَعْجِیْلَهٗ لَهُمْ بِالْخَیْرِ" تھا' پھر اس کی جگہ "اِسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ" کو اس لیے رکھا گیا تا کہ یہ بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ بھلائی طلب کرنے پر ان کو جلدی عطا فرما دیتا ہے] اور یہاں لوگوں سے اہل مکہ مراد ہیں کیونکہ انہوں نے کہا تھا: "اَللّٰهُمَّ اِنْ کَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍO" (الانفال:۳۲) "اے اللہ! اگر یہ (نبی' قرآن' اسلام) تیری طرف سے برحق ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے یا ہم پر دردناک عذاب بھیج دے"۔ یعنی اگر ہم ان پر بُرائی جلدی بھیج دیتے جس کی انہوں نے دعا مانگی تھی جیسا کہ ہم ان کے لیے بھلائی میں جلدی کرتے ہیں اور ہم ان کی بھلائی کی دعا قبول کر لیتے ہیں ﴿ لَقُضِیَ اِلَیْهِمْ اَجَلُهُمْ ﴾ تو ان کا وعدہ ان پر ضرور پورا ہو چکا ہوتا' وہ ضرور مار دیئے جاتے اور انہیں ہلاک کر دیا جاتا [ابن عامر شامی کی قراءت میں "لَقَضٰی اِلَیْهِمْ اَجَلَهُمْ" مبنی بر فاعل (فعل ماضی معروف) ہے' اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے] (ترجمہ) اللہ تعالیٰ ان پر ان کی موت کا فیصلہ ضرور کر دیتا ﴿ فَنَذَرُ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِیْ طُغْیَانِهِمْ ﴾ پھر ہم ان لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہ وہ اپنی سرکشی یعنی اپنے کفر و شرک اور اپنی گمراہی میں ﴿ یَعْمَهُوْنَ ﴾ متردد و متحیر رہیں اور بھٹکتے رہیں [اور اس کے اپنے ماقبل کے ساتھ اتصال اور تعلق کی وجہ یہ ہے کہ "وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ" تعجیل (جلدی کرنے کی) کی نفی کے معنی پر مشتمل ہے] گویا کہا گیا ہے کہ ہم ان پر بُرائی جلدی نہیں بھیجتے اور نہ ان کے لیے ان کی موت کا فیصلہ کرتے ہیں بلکہ ہم انہیں ان کی سرکشی میں چھوڑ دیتے ہیں یعنی ہم انہیں مہلت دے دیتے ہیں اور ان کی سرکشی کے باوجود ہم ان پر حجت قائم کرنے کے لیے ان پر اپنی نعمتیں بہا دیتے ہیں۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَآ اِلٰی ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْمُسْرِفِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۳﴾

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنی کروٹ پر لیٹے یا بیٹھے یا کھڑے ہو کر (ہر حال میں) ہمیں پکارتا ہے' پھر

جب ہم اس کی تکلیف کو اس سے دور کر دیتے ہیں تو یوں چل پڑتا ہے کہ گویا کسی تکلیف پہنچنے پر اس نے ہمیں پکارا ہی نہیں تھا' اسی طرح حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے جو اعمال وہ کرتے تھے آراستہ کر دیئے گئے O اور بے شک ہم نے تم سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم کیے' حالانکہ ان کے رسول ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تھے اور وہ ایمان نہیں لاتے تھے' ہم مجرموں کو اسی طرح بدلا دیتے ہیں O

۱۲- ﴿ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ ﴾ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور انسان سے یہاں کافر مراد ہے [اور ''مَسَّ'' بہ معنی ''اَصَابَ'' ہے یعنی پہنچنا] ﴿ دَعَانَا ﴾ تو وہ ہمیں پکارتا ہے یعنی وہ کافر تکلیف ملنے پر اس کے ازالے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے ﴿ لِجَنْۢبِهٖۤ ﴾ لیٹے ہوئے [یہ محلاً حال ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد آنے والے دونوں حال اس پر معطوف ہیں] ﴿ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ﴾ یعنی وہ لیٹے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے ہمیں پکارتا رہتا ہے اور ان احوال کے ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ مصیبت زدہ ہمیشہ دعا میں مشغول رہتا ہے اور دعا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتا' یہاں تک کہ تکلیف و مصیبت اس سے دور ہو جائے' پس وہ اپنے تمام حالات میں ہم سے دعا مانگتا رہتا ہے' خواہ وہ بیٹھنے سے عاجز آ کر لیٹا ہوا ہو یا کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہونے کی بناء پر بیٹھا ہوا ہو یا چلنے پھرنے کی طاقت نہ رکھنے کی وجہ سے صرف کھڑا ہوا ہو ﴿ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ ﴾ پھر جب ہم اس کی تکلیف کو اس سے دور کر دیتے ہیں اور اس کو زائل کر دیتے ہیں ﴿ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ﴾ تو وہ گزر جاتا ہے گویا اس نے تکلیف پہنچنے پر ہمیں پکارا ہی نہیں تھا یعنی تکلیف پہنچنے سے پہلے کی اپنی حالت پر رواں دواں ہو جاتا ہے اور مشقت کی حالت کو بھول جاتا ہے یا یہ کہ وہ عاجزی و انکساری اور آہ وزاری کے مقام سے پھر جاتا ہے' اس کی طرف لوٹ کر نہیں آتا گویا اس کے لیے اس کے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہیں [اور اصل میں ''كَاَنَّهٗ لَمْ يَدْعُنَا'' تھا' پھر اس میں تخفیف کی گئی اور شان کی ضمیر حذف کر دی گئی] ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ اسی زیب و زینت کی طرح ﴿ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴾ حد سے بڑھنے والوں کے لیے آراستہ کر دیئے گئے یعنی کفر میں حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے شیطان نے اپنے وسوسے سے آراستہ کر دیئے ﴿ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ وہ اعمال جو وہ لوگ کرتے تھے کہ ذکر سے روگردانی کرنا اور کفر کی پیروی کرنا۔

۱۳- ﴿ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ اور اے اہلِ مکہ! بے شک ہم نے تم سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا ﴿ لَمَّا ظَلَمُوْا ﴾ جب انہوں نے ظلم یعنی شرک کیا [اور یہ ''اَهْلَكْنَا'' کا ظرف ہے] اور ﴿ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ ﴾ [اس میں واؤ حال کے لیے ہے] یعنی انہوں نے حق کو جھٹلا کر ظلم کیا حالانکہ ان کے پاس ان کے رسول ﴿ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ واضح معجزات لے کر آئے تھے ﴿ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ﴾ اور وہ لوگ بالکل ایمان لانے والے نہیں تھے' اگر چہ انہیں زندہ رکھا جاتا اور انہیں ہلاک نہ کیا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں جانتا تھا کہ وہ اپنے کفر پر اصرار کرتے رہیں گے [اور یہ ''ظَلَمُوْا'' پر معطوف ہے یا یہ جملہ معترضہ ہے اور اس میں لام نفی کی تاکید کے لیے ہے] یعنی بے شک ان کی ہلاکت کا سبب ان کا رسولوں کی تکذیب کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ رسولوں کی بعثت کے ذریعے ان پر حجت لازم کرنے کے بعد ان کو مہلت دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ اس سزا کی طرح یعنی ہلاک کرنے کی طرح ﴿ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ ہم مجرموں کو سزا دیں گے اور یہ اہلِ مکہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانے کے سبب ان کے جرائم پر وعید اور دھمکی ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَ لَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین میں جانشین بنایا تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو O اور جب ان کے سامنے ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں' تو وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آئیں یا اس کو تبدیل کر دیں' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میرے لیے جائز نہیں کہ میں اس کو اپنی طرف سے تبدیل کر دوں' میں صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے' اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں اس کو تم پر تلاوت نہ کرتا اور نہ وہ تمہیں اس سے آگاہ کرتا' اور یقیناً میں اس سے پہلے تم میں دراز عمر گزار چکا ہوں' تو تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے O

۱۴- ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ پھر ہم نے ان کے بعد زمین پر تمہیں جانشین بنایا۔ یہ خطاب ان لوگوں کو ہے جن کی طرف سیّد عالم حضرت محمد عربی ﷺ کو بھیجا گیا ہے یعنی جن قوموں کو ہم نے ہلاک کیا ان کے بعد ہم نے زمین پر تمہیں جانشین بنایا ﴿لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو یعنی تا کہ ہم دیکھیں کہ تم نیک عمل کرتے ہو یا بُرے عمل' پھر ہم تمہارے ساتھ تمہارے اعمال کے مطابق معاملہ کریں گے [اور "کَیْفَ"، "تَعْمَلُوْنَ" کی وجہ سے نصب کی جگہ پر واقع ہے "نَنْظُرَ" کی وجہ سے نہیں کیونکہ اس میں استفہام کا معنی یہ ہے کہ اس پر اس کے عامل کا مقدم ہونا ممنوع ہے] اور اب اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ہماری نظر میں ہو' سو تم دیکھو اور سوچو کہ تم کیسے عمل کرتے ہو' آیا تم پہلے لوگوں سے عبرت حاصل کرتے ہو یا تم اپنی موجودہ حالت پر اتراتے ہو؟ اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا سرسبز وشاداب اور بڑی شیریں ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا جانشین بنانے والا ہے' پس وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔[1]

۱۵- ﴿وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ﴾ اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔ [اس میں "بَیِّنَاتٍ" حال ہے] ﴿قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے۔ جب قرآن مجید میں سرکشوں کے لیے وعید اور بتوں کی عبادت کی مذمت بیان کی گئی تو کافر غضب ناک ہو گئے اور انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ ﴿ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَاۤ﴾ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لائیے جس میں ایسی باتیں نہ ہوں جو ہمیں غصہ دلا دیں تو

[1] رواہ احمد ج ۳ ص ۱۹' مسلم رقم الحدیث: ۲۷۴۲' الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۱' ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۰

ہم آپ کی پیروی کریں گے ﴿ اَوْ بَدِّلْهُ ﴾ یا اس کو بدل دیں اور وہ اس طرح کہ عذاب کی آیت کی جگہ رحمت کی آیت کو رکھ دیں اور معبودوں کا ذکر اور ان کی عبادت کی مذمت کا ذکر ختم کر دیں کیونکہ یہ انسان کی قدرت کے تحت داخل ہے کہ وہ عذاب کی آیت کی جگہ رحمت کی آیت کو رکھ دے اور معبودوں کا ذکر ختم کر دے تو اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا گیا کہ تبدیل کرنے کے بارے میں ان کو یہ جواب دیں ﴿ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ میرے لیے یہ جائز نہیں ﴿ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ﴾ کہ میں اس کو اپنی طرف سے تبدیل کر دوں ﴿ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ﴾ میں پیروی نہیں کرتا مگر صرف اسی کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے یعنی میں بغیر کسی کمی اور زیادتی کے اور بغیر کسی ردّ و بدل کے صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کی پیروی کرتا ہوں کیونکہ مجھے جو احکامات دیئے جاتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں' میری اپنی طرف سے نہیں ہوتے کہ میں ان میں تبدیلی کر دوں ﴿ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ ﴾ بے شک میں ڈرتا ہوں اگر میں اپنی طرف سے تبدیل کر کے اپنے رب کی نافرمانی کروں ﴿ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴾ بڑے دن یعنی قیامت کے دن کے عذاب سے اور لیکن دوسرا قرآن لانے پر تو انسان قدرت و طاقت نہیں رکھتا کیونکہ اس سے عاجز ہونا کفار پر واضح طور پر ظاہر ہو چکا تھا' مگر وہ عجز کا اعتراف نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے: ''لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ'' (الانفال:۳۱) ''اگر ہم چاہتے تو اس جیسا قرآن ہم کہہ دیتے''۔ اور یہ احتمال بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ''آپ اس کے علاوہ اور قرآن لے آئیں یا اس کو تبدیل کر دیں'' سے وہ لوگ وحی کے ذریعے تبدیلی چاہتے ہوں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشادِ باری تعالیٰ کے مطابق انہیں بتا چکے کہ ''بے شک میں ڈرتا ہوں' اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں بڑے دن کے عذاب سے'' سو اس سوال سے ان کی غرض صرف مکر و فریب تھا اور وہ اس طرح کہ (۱) اس موجودہ قرآن کے بجائے دوسرا قرآن لانے کے سوال سے ان کی غرض یہ تھی کہ آپ اپنی طرف سے پیش کرتے ہیں' اس لیے آپ اس قرآن جیسا دوسرا قرآن بنا کر لانے پر قادر ہیں' لہٰذا اس کی جگہ دوسرا قرآن لائیے (۲) اس قرآن مجید میں تبدیلی کرنے کے سوال سے ان کی غرض آپ کا امتحان تھا کہ اگر آپ نے ان کے مطالبے پر اس قرآن مجید میں تبدیلی کر دی تو پھر یا تو اللہ تعالیٰ آپ کو ہلاک کر دے گا جس سے ان کو آپ سے نجات مل جائے گی یا اللہ تعالیٰ آپ کو ہلاک نہیں کرے گا تو پھر وہ آپ کا مذاق اڑائیں گے اور اس تبدیلی کو آپ کے خلاف بطورِ حجت پیش کریں گے اور کہیں گے: ہماری یہ بات صحیح نکلی کہ آپ تو اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتے ہیں۔

۱۶- ﴿ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو میں اس کو تم پر نہ پڑھتا یعنی میں اس قرآن مجید کی تلاوت و تبلیغ صرف اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور اس کے ارادے سے کرتا ہوں اور قرآن مجید کا اظہار عادات سے بالاتر عجیب ترین امر ہے اور وہ یہ کہ ایک بے پڑھا آدمی نمودار ہوا' جس نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور نہ وہ اہل علم کی محفلوں میں شریک ہوا' اس کے باوجود وہ تمہارے سامنے ایک زبردست فصیح و بلیغ کتاب (قرآن مجید) پڑھ کر سنانے لگا' جو ہر فصیح کلام پر غالب ہے اور ہر منظوم و منثور کلام پر فوقیت و برتری رکھتی ہے اور وہ کتاب اصول و فروع کے تمام علوم پر مشتمل ہے اور ایسی غیبی خبروں سے آراستہ و بھرپور ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ﴿ وَلَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ﴾ اور نہ اللہ تعالیٰ تمہیں میری زبان سے قرآن کی خبر دیتا ﴿ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ﴾ بے شک میں قرآن مجید کے نازل ہونے سے پہلے اپنی عمر کا دراز حصہ تمہارے درمیان گزار چکا ہوں یعنی میں تمہارے درمیان چالیس سال تک یقیناً قیام کر چکا ہوں اور تم میرے بارے میں اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے اس قرآن مجید جیسا کسی قسم کا کوئی کلام پیش نہیں کیا' سو تم مجھ پر اس کو اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کرنے کا الزام لگا کر مجھ پر بہتان تراشتے ہو ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ تو کیا تم عقل سے کام نہیں

لیتے ہوتا کہ تم جان لیتے کہ یہ قرآن صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے' میرے جیسے انسان کی طرف سے نہیں اور کفار نے آپ سے فریب کرتے ہوئے کہا تھا کہ آپ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آئیں تو یہ اس کا جواب ہے کہ یہ تمہارا مجھ پر بہتان وافتراء ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾

پھر اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے' بے شک مجرم فلاح نہیں پائیں گے O اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ انہیں نفع دے سکتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ بت اللہ کے ہاں ہماری شفاعت کریں گے' (اے محبوب!) فرمادیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جو نہ آسمانوں میں اس کے علم میں ہے اور نہ زمین میں' وہ تو ان تمام چیزوں سے پاک اور بلند ہے جن کو وہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں O

۱۷- ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ پس اس سے بڑا ظالم کون ہے' جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔ اس آیت مبارکہ میں ایک احتمال یہ ہے کہ اس سے مشرکین کا اللہ تعالیٰ پر یہ بہتان لگانا مراد ہو کہ وہ شریک اور اولاد رکھتا ہے اور (دوسرا احتمال یہ ہے کہ) کفار نے حضور پر قرآن گھڑنے کا جو بہتان لگایا تھا' اس سے براءت مراد ہو ﴿اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ﴾ یا اس کی آیات (یعنی) قرآن مجید کو جھٹلایا۔ اس میں اس بات کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والا اور اس کی آیات کو جھٹلانے والا کفر میں برابر ہیں ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ بے شک مجرم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔

۱۸- ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ﴾ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گی' اگر یہ لوگ ان کی عبادت کرنا چھوڑ دیں ﴿وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾ اور نہ وہ ان کو نفع دیں گی اگر یہ لوگ ان کی عبادت کرتے رہیں ﴿وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ﴾ اور وہ لوگ کہتے ہیں: یہ معبود یعنی بت ﴿شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کرنے والے ہیں یعنی دنیا میں اور دنیا کی زندگی میں کیونکہ وہ لوگ مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کے قائل نہیں تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ'' (النحل: ۳۸) ''اور انہوں نے اپنی پوری کوشش سے اللہ کی قسمیں کھائیں کہ جو مرجاتا ہے اللہ اس کو دوبارہ نہیں اٹھائے گا'' یا یہ کہ قیامت کے دن وہ ہماری سفارش کریں گے' اگر دوبارہ اٹھنا ہوگا تو ﴿قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ﴾ اے محبوب! آپ فرمادیں کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو یہ خبر دیتے ہو کہ بت اس کے پاس تمہاری سفارش کریں گے اور یہ وہ خبر ہے جو اللہ کے لیے معلوم نہیں ہے حالانکہ وہ تمام معلومات کا عالم ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے لیے معلوم نہیں تو وہ کچھ نہیں ہے ﴿فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ﴾ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نفی کی تاکید کے لیے ہے' اس لیے کہ جو چیز

آسمانوں میں اور زمین میں نہیں ہے تو وہ معدوم ہے اور وہ کچھ نہیں ہے ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ وہ ان سے پاک ہے اور بلند ہے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں (یعنی) اس کی ذات اقدس اس سے پاک ہے کہ اس کے لیے کوئی شریک ہو [اور قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت کے ساتھ ''تُشْرِكُوْنَ'' ہے اور اس میں ''مَا'' موصولہ ہے یا پھر مصدریہ ہے] یعنی اللہ تعالیٰ ان شریکوں سے پاک ہے جن کو مشرکین اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے شرک کرنے سے پاک ہے۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِیْۤ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾

ع ۲

اور تمام لوگ ایک ہی امت تھے' پھر انہوں نے اختلاف کیا' اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو جس بات میں وہ اختلاف کرتے ہیں اس میں ان کے درمیان ضرور فیصلہ ہو چکا ہوتا O اور وہ کہتے ہیں کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا جاتا' تو (اے محبوب!) آپ فرما دیجئے کہ بے شک غیب تو صرف اللہ ہی کے لیے ہے' سو تم انتظار کرو' بے شک میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں O اور جب ہم لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اسی وقت ہماری آیتوں میں فریب کرنے لگتے ہیں' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اللہ تدبیر کرنے میں بہت جلدی کرنے والا ہے' بے شک ہمارے فرشتے لکھ لیتے ہیں تم جو فریب کاریاں کرتے ہو O

۱۹- ﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ اور پہلے تمام لوگ صرف ایک امت تھے کہ سب کے سب مؤحد تھے اور ایک دین پر متفق تھے' ان میں باہمی کوئی اختلاف نہیں تھا اور یہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا تھا یہاں تک کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا یا طوفان کے بعد جب کافروں میں سے کوئی کافر زندہ نہ رہا' سب تباہ و برباد ہو گئے (تو پھر حضرت نوح علیہ السلام کے کشتی والے مسلمان ساتھی باقی رہ گئے جو سب کے سب ایک دین پر متفق تھے) ﴿فَاخْتَلَفُوْا﴾ پھر انہوں نے اختلاف کیا تو کئی مذاہب میں بٹ گئے ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ﴾ اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی اور وہ یہ کہ ان کے درمیان باہمی اختلافات کا فیصلہ قیامت تک مؤخر رہے گا ﴿لَقُضِیَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ تو البتہ بہت جلد ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا جس میں وہ لوگ اختلاف کرتے ہیں (یعنی) جس میں انہوں نے اختلاف کیا تھا اور اہل حق کو اہل باطل سے ممتاز کر دیا جاتا اور اس کی بات کسی حکمت کی بناء پر پہلے سے طے ہو چکی تھی اور وہ یہی کہ یہ دنیا عمل کا گھر ہے اور آخرت کا گھر ثواب اور سزا کا گھر ہے۔

۲۰- ﴿وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے

ان نشانیوں میں سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں کی جاتی جس کا انہوں نے مطالبہ کیا ہے ﴿فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰہِ﴾ سو اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ بے شک غیب تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے یعنی علم غیب کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی مخصوص ہے (اس کے بتائے بغیر کوئی نہیں جانتا) پس مطالبہ کی نشانیوں کے نازل کرنے کی رکاوٹ وممانعت وہی جانتا ہے کوئی اور نہیں ﴿فَانْتَظِرُوْا﴾ سو تم نے جس نشانی کے نزول کا مطالبہ کیا ہے اس کے نزول کا تم انتظار کرو ﴿اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ﴾ بے شک میں بھی انتظار کرنے والوں میں سے ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے عناد اور آیات کے انکار کرنے پر تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے۔

۲۱-﴿وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَۃً﴾ اور جب ہم نے لوگوں کو (یعنی) اہل مکہ کو رحمت کا مزہ چکھایا کہ خوشحالی اور مالی وسعت سے نوازا ﴿مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْھُمْ﴾ ان کو تکلیف پہنچنے کے بعد یعنی قحط وبھوک پہنچنے کے بعد ﴿اِذَا لَھُمْ مَّکْرٌ فِیْٓ اٰیَاتِنَا﴾ اسی وقت وہ ہماری آیتوں میں مکروفریب کرنے لگ جاتے ہیں یعنی انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کر کے اور ان کو رد کر کے ان کے ساتھ مکروفریب کیا۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر سات سال تک قحط و خشک سالی کو مسلط کر دیا یہاں تک کہ وہ لوگ مرنے کے قریب پہنچ گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے بارش نازل کر کے ان پر رحم فرمایا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا تو وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں زبانِ طعن دراز کرنے لگے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے لگے اور آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرنے لگے [اور اس آیت مبارکہ میں پہلا ''اِذَا'' شرط کے لیے ہے اور دوسرا اس کا جواب ہے اور وہ مفاجات کے لیے (یعنی اچانک کے معنی میں ہے)] اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے: ''وَاِنْ تُصِبْھُمْ سَیِّئَۃٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ اِذَا ھُمْ یَقْنَطُوْنَ'' (الروم:۳۶) ''اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے اس سبب کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے تو اچانک وہ لوگ مایوس ہو جاتے ہیں''۔ یعنی اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ مایوس ہو جاتے اور جب ہم ان لوگوں کو رحمت وخوشحالی کا مزہ چکھاتے تو مکروفریب کرتے اور ''مَکْرٌ'' کا معنی ہے: خفیہ سازش کرنا اور اس کو چھپائے رکھنا یعنی مخلوق سے چھپا کر سازش تیار کرنا اور ''مَسَّتْھُمْ'' کا معنی یہ ہے کہ تکلیف ان میں رل مل گئی یہاں تک کہ انہوں نے تکلیف کا اثر اپنے اندر محسوس کیا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے صرف یہ فرمایا کہ ﴿قُلِ اللّٰہُ اَسْرَعُ مَکْرًا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو جلد مکروفریب کرنے کے ساتھ متصف نہیں فرمایا کیونکہ کلمہ مفاجات (اِذَا جس کا معنی اچانک ہے وہ) اس پر دلالت کرتا ہے' گویا فرمایا کہ جب ہم نے تکلیف پہنچنے کے بعد ان پر رحم فرمایا تو فوراً انہوں نے مکروفریب شروع کر دیا اور انہوں نے تکلیف پہنچنے کی وجہ سے اپنے سروں کو دھونے سے پہلے ہی مکروفریب کی طرف فوراً دوڑ لگا دی ﴿اِنَّ رُسُلَنَا﴾ بے شک ہمارے بھیجے ہوئے محافظ فرشتے ﴿یَکْتُبُوْنَ مَا تَمْکُرُوْنَ﴾ لکھ لیتے ہیں جو کچھ تم مکروفریب کرتے ہو۔ اس میں تنبیہ ہے' اے اہل مکہ! تم جو مکروفریب کو پوشیدہ خیال کرتے ہو وہ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے اور وہ تم سے ضرور انتقام لے گا [اور سہل کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ (''یَمْکُرُوْنَ'') ہے]۔

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ ۚ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ

لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

وہی تو ہے جو تمہیں دریاؤں اور جنگلوں میں چلاتا ہے' یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو' اور وہ ان کو نرم ہوا کی مدد سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں تو ان پر سخت تیز آندھی آن پہنچی اور ان کو ہر طرف سے لہروں نے گھیر لیا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ بے شک انہیں گھیر لیا گیا ہے' تو وہ اسی وقت اللہ سے دعا کرنے لگے دین میں اس کے مخلص بن کر کہ اگر تو نے ہمیں اس سے نجات دے دی تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے O

۲۲- ﴿هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ وہی تو ہے جو تمہیں جنگلوں اور دریاؤں میں چلاتا ہے' وہی تمہیں پیدل اور سواریوں اور دریاؤں میں چلنے والی کشتیوں کے ذریعے مسافتیں طے کرانے کے لیے چلاتا ہے یا وہی تمہارے اندر سیر کرنے کی قدرت وطاقت پیدا کرتا ہے [ابن عامر شامی کی قراءت میں "يَنْشُرُكُمْ" ہے] ﴿حَتّٰى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ﴾ یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ کشتیاں ان کو لے کر چلتی ہیں جو ان میں سوار ہوتے ہیں [اور یہاں "وَجَرَيْنَ بِهِمْ" میں خطاب کی بجائے غیب کی طرف صرف مبالغہ کرنے کے لیے رجوع کیا گیا ہے] ﴿بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ﴾ پاکیزہ ہوا یعنی نرم و معتدل ہوا کے ساتھ' نہ تیز آندھی کے ساتھ اور نہ بالکل ہلکی و کمزور ہوا کے ساتھ ﴿وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ﴾ اور وہ لوگ اس ہوا پر اس کے نرم و موافق چلنے کی وجہ سے خوش ہو گئے تو ان کشتیوں پر یا اس پاکیزہ و نرم ہوا پر بہت تیز یعنی سخت آندھی آن پہنچی ﴿وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ﴾ اور ان لوگوں کو دریا کی تمام اطراف سے یا پانی کی تمام جگہوں سے موجوں اور لہروں نے گھیر لیا اور "موج" کا معنی ہے: پانی کی اوپر کی سطح پر اٹھنے والی لہریں ﴿وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ﴾ اور انہوں نے یقین کر لیا کہ بلاشبہ انہیں گھیر لیا گیا ہے اور انہیں ہلاک کر دیا جائے گا جیسا کہ دشمن ہلاک کرنے کے لیے گھیر لیتے ہیں ﴿دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ تو وہ اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگے جب کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے دین کو خالص کر لیا اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا کیونکہ وہ لوگ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے علاوہ کسی کو نہیں پکارتے' وہ کہتے ہیں: ﴿لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ﴾ کہ اگر تو نے ہمیں اس ہولناک طغیانی یا اس تیز ترین سخت آندھی سے نجات دے دی ﴿لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ تو البتہ ہم تیری نعمت پر شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے' تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور تیری اطاعت پر کمربستہ ہو جائیں گے اور دریا میں سیر کرنے کے لیے کشتی میں ہونے کو غایت قرار نہیں دیا گیا [لیکن جملہ شرطیہ کا مضمون جو "حَتّٰى" کے بعد واقع ہو' وہ غایت کے قائم مقام ہے] گویا کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سیر کراتا ہے یہاں تک کہ جب یہ حادثہ پیش آتا ہے اور اسی طرح سخت آندھی آ جاتی ہے اور دریا کی موجیں گھیر لیتی ہیں اور ہلاکت کا یقین ہونے لگتا ہے اور نجات کی دعا کی جاتی ہے [اور "اِذَا" کا جواب "جَآءَتْهَا" ہے اور "دَعَوُا"، "ظَنُّوْا" سے بدل ہے کیونکہ ان کا دعا کرنا ہلاکت کے لیے غالب گمان کے لوازمات میں سے ہے' اس لیے وہ اس کے ساتھ ملتبس ہے]۔

فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

پھر جب اللہ ان کو نجات دے دیتا تو وہ اسی وقت زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگ جاتے' اے لوگو! بے شک تمہاری بغاوت کا وبال صرف تمہاری اپنی جانوں پر ہے' دنیا کی زندگی کا فائدہ (حاصل کرلو)' پھر تم نے ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے' سو ہم تمہیں بتادیں جو کچھ تم عمل کرتے رہے ہو O

۲۳- ﴿فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو نجات دے دیتا ہے تو فوراً وہ لوگ زمین میں ناحق بغاوت کرنا شروع کردیتے ہیں اور باطل و ناجائز فساد پھیلاتے ہیں یعنی مہمل فساد پھیلاتے ہیں ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ﴾ اے لوگو! بے شک تمہاری بغاوت کا وبال صرف تمہاری جانوں پر ہوگا یعنی تمہارا ظلم تمہاری ہی طرف لوٹے گا' جیسا کہ ارشاد ہے: ''مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا'' (فصلت:۴۶) ''جس نے نیک عمل کیا تو اس نے اپنی ہی جان کے لیے کیا اور جس نے بُرا عمل کیا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا''۔ ﴿مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ [یہ امام حفص کی قراءت ہے' اصل میں ''تَتَمَتَّعُوْنَ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا'' ہے یعنی تم دنیا کی زندگی کا فائدہ اٹھالو اور ''عَلٰى اَنْفُسِكُمْ''، ''بَغْيُكُمْ'' کی خبر ہے اور دیگر قراء نے مرفوع (عین پر پیش مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا) پڑھا ہے' اس لیے کہ یہ ''بَغْيُكُمْ'' کی خبر ہے اور ''عَلٰى اَنْفُسِكُمْ'' اس کا صلہ ہے جیسے ارشاد ہے: ''فَبَغٰى عَلَيْهِمْ'' (القصص:۷۶) ''پس قارون نے ان پر سرکشی کی''۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک تمہاری بغاوت و سرکشی کا وبال تمہارے جیسے سرکشوں پر ہی پڑے گا (نہ کہ مسلمانوں پر) یا یہ کہ ''عَلٰى اَنْفُسِكُمْ''، ''بَغْيُكُمْ'' کی پہلی خبر ہے اور ''مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا'' اس کی خبر کے بعد دوسری خبر ہے یا پھر ''مَتَاعُ'' مبتدا مضمر کی خبر ہے' اصل میں ''هُوَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا'' ہے] اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نیکی پر سب سے زیادہ جلدی ثواب ملتا ہے وہ ہے رشتہ داروں سے تعلق جوڑنا اور جس بُرائی پر سب سے زیادہ جلد عذاب ہوتا ہے' وہ ہے بغاوت و سرکشی کرنا اور جھوٹی قسم اٹھانا[1]

اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ دو بُرائیاں ایسی ہیں جن کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں دے دیتا ہے (۱) بغاوت و سرکشی (۲) والدین کی نافرمانی[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ اگر ایک پہاڑ دوسرے پر بغاوت کرے گا تو اُسے توڑ دیا جائے گا اور حضرت محمد بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ جس شخص میں تین بُرائیاں ہوں گی ان کا وبال اس شخص پر ضرور پڑے گا: (۱) بغاوت (۲) عہد شکنی (۳) دھوکہ دینا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ'' (یونس:۲۳) ''بے شک تمہاری بغاوت کا وبال صرف تمہاری جانوں پر پڑے گا''۔ نیز ارشاد فرمایا: ''وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ'' (الفاطر:۴۳) ''اور بُری تدبیر کا وبال اسی کے کرنے والے پر نازل ہوگا''۔ ''فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ'' (الفتح:۱۰) ''سو جو شخص عہد شکنی کرتا ہے تو بلاشبہ عہد شکنی کا نقصان اسی کی ذات پر پڑتا ہے''۔ ﴿ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ پھر تم نے ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے' سو ہم تمہیں بتادیں گے جو کچھ تم اعمال کرتے رہے ہو اور تمہیں ان پر سزا دیں گے۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ

[1] قال الحافظ: اخرجہ اسحاق فی مسندہ (حاشیۃ الکشاف ج ۲ ص ۳۳۹)

[2] قال الحافظ: اخرجہ اسحاق فی مسندہ والطبرانی (حاشیہ ج ۲ ص ۳۴۰)

الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾

بے شک دنیا کی زندگی کی مثال اس پانی کی طرح ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اس کے ساتھ زمین سے اُگنے والی تمام چیزیں گھنی ہو کر نکل آئیں جن کو انسان اور مویشی کھاتے ہیں' یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگار حاصل کر لیا اور خوب آراستہ ہو گئی اور اس کے مالکوں نے خیال کر لیا کہ وہ یقیناً اس (سے نفع اٹھانے) پر قادر ہو گئے ہیں' تو اس پر رات یا دن کو ہمارا حکم آن پہنچا اور ہم نے اس کو ایسی کاٹی ہوئی بنا دیا کہ گویا کل کچھ بھی نہ تھی' اسی طرح ہم اپنی آیات کو ان لوگوں کے لیے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں O اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے' اور جس کو وہ چاہتا ہے اس کی سیدھی راہ کی طرف رہ نمائی کرتا ہے O

۲۴- ﴿ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ ﴾ بے شک دنیا کی زندگی کی مثال اس پانی کی مانند ہے جس کو ہم نے آسمان یعنی بادل میں سے اتارا ﴿ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ ﴾ پس زمین کی انگوری اس پانی کے ذریعے اُگ کر گھنی ہو گئی یعنی پانی کے سبب زمین کی انگوریاں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ایسے مل گئیں جیسے ایک دوسرے سے پنجہ ملا کر کھڑی ہیں ﴿ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ ﴾ جس میں سے کچھ لوگ کھاتے ہیں یعنی دانے' پھل اور سبزیاں ﴿ وَالْاَنْعَامُ ﴾ اور کچھ چوپائے کھاتے ہیں یعنی گھاس وغیرہ ﴿ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا ﴾ یہاں تک کہ جب اُگنے والی سبزہ زار انگوریوں سے زمین اپنی زیب و زینت لینے لگی اور اس کے رنگ و نقوش گوناگوں ہو گئے ﴿ وَازَّيَّنَتْ ﴾ اور وہ خوب آراستہ ہو گئی [اور یہ اصل میں ''تَزَيَّنَتْ'' تھا پھر ''تا'' کو ''زا'' میں مدغم کیا گیا اور یہ فصیح کلام ہے] اُگنے والی سبزہ زار انگوری کی وجہ سے خوب آراستہ ہونے پر زمین کی دلہن کے ساتھ تمثیل قرار دی گئی ہے جب وہ مختلف رنگ برنگے عمدہ اور بہترین لباس زیب تن کر لیتی ہے اور اس کے علاوہ گوناگوں زیورات سے آراستہ ہو جاتی ہے ﴿ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ ﴾ اور زمین کے مالکوں نے پختہ خیال کر لیا کہ بے شک وہ اس سے نفع اٹھانے پر قادر ہیں وہ اس کے پھل حاصل کرنے والے اور اس کا غلہ اٹھانے والے ہیں ﴿ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا ﴾ تو اس پر رات کے وقت یا دن کو ہمارا حکم یعنی عذاب آن پہنچا اور وہ یہ کہ بعض بیماریوں کی وجہ سے زمین کا کھیت خراب کر دیا جاتا ہے' اس کے بعد کہ اس کے مالک مطمئن تھے اور انہیں یقین تھا کہ ان کی کھیتی صحیح سلامت ہے ﴿ فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا ﴾ پس ہم نے اس زمین کی کھیتی کو جڑ سے اکھیڑ کر کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کر دیا' جس کو کھیتی سے کاٹ کر کھلیان میں لے جا کر چورا چورا کر دیا جاتا ہے ﴿ كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ ﴾ گویا وہ کھیتی پیدا ہی نہیں ہوئی تھی یعنی جیسے وہاں اُگی ہی نہیں تھی [ان مقامات پر مضاف محذوف ہے جس کے بغیر چارہ نہیں تاکہ معنی صحیح رہے] ﴿ بِالْاَمْسِ ﴾ کل۔ یہ قریب وقت کی مثل ہے گویا کہا گیا کہ وہ کھیتی ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوئی ﴿ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾

اسی طرح ہم آیتوں کو ان لوگوں کے لیے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو مثالوں کے بیان میں غور وفکر کرتے ہیں اور ان سے نفع حاصل کرتے ہیں [اور یہ مرکب تشبیہ سے ہے] کیونکہ دنیا کے جلد ختم ہونے اور گونا گوں نعمتوں کے بعد فنا ہو جانے کی اجتماعی حالت کو زمین سے اُگنے والی انگوریوں کی اجتماعی حالت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ بھی خوب اُگنے اور گھنی ہونے کے بعد بہت جلد خشک ہو جاتی ہے اور جلد از جلد مٹ جاتی ہے حالانکہ وہ پہلے اپنے سبزے اور اس کی رونق کی وجہ سے بہت آراستہ ہو کر بھلی معلوم ہوتی ہے اور تشبیہ کا حکم یہ ہے کہ دنیا کی زندگی کا حسن عارضی ہے' ایک دن بوڑھی اور پرانی ہو کر ختم ہو جائے گی' جس طرح زمین سے اُگنے والا سبزہ اپنی عمدگی ورونق اور زیبائش کے باوجود آخر کار بوڑھا اور پرانا ہو جاتا ہے' جیسا کہ پانی کی عمدگی اچھے برتن میں قائم رہتی ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے کہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْعُمْرَ كَاْسٌ سَلَافَةٌ　　فَاَوَّلُهٗ صَفْوٌ وَّاٰخِرُهٗ كَدَرْ

"کیا تم دیکھتے نہیں کہ زندگی پرانے پیالے کی طرح ہے' جس کا شروع عمدہ اور اچھا تھا' اس کا آخر گدلا اور خراب نکلا"۔

اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ مٹی کا ڈھانچہ (یعنی انسان) دین ودنیا کی بھلائیوں سے آراستہ کیا گیا ہے جیسا کہ زمین کی انگوریاں مختلف رنگوں سے آراستہ کی گئی ہیں' پھر پاکیزہ اور عمدہ مٹی (یعنی مسلمان) اُنس ومحبت کے باغات' اور روحانیت کے خوشبودار پھول' اور زہد وتقویٰ کی کلیاں' اور جود وکرم کی سخاوتیں' اور محبت وشفقت کے عمدہ دانے اور حقیقت وطریقت کے باغات اُگاتی ہے اور ناپاک وخراب مٹی (یعنی کافر ومشرک) بدترین گھاس (نالائق جانشین) اور گناہوں کی کمزور گھاس' اور کفر وشرک کے کانٹے' اور بخل وکنجوسی کی فنا ہونے والی گھاس' اور ہلاکت کا ایندھن اور کھیل کی کاس پیدا کرتی ہے' پھر جس طرح وقت آنے پر کھیت کو کاٹا جاتا ہے' اسی طرح اس (انسان) کو وعدہ کے دن اللہ تعالیٰ واپس بلالے گا اور اس کی زندگی اس کو دھوکہ دے کر زائل ہو جائے گی' پھر جس طرح ایک خوب صورت لہلہاتی کھیتی وقت آنے پر زرد اور پیلی ہو جاتی ہے' اسی طرح انسان کا جسم بھی آخر کار قبر میں دفن ہو کر مٹی میں برابر ہو جاتا ہے گویا وہ پیدا ہی نہیں ہوا تھا' یہاں تک کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے (یعنی حشر ونشر) کا موسم اور جزاء وسزا اور حساب وکتاب کے وعدہ کا دن آ جائے گا اور اسی طرح دنیا کا مال پانی کی مانند ہے جس کا فائدہ تھوڑا ہوتا ہے اور نقصان زیادہ ہوتا ہے اور ضرورت سے زیادہ کو ترک کر دینا بہت لازمی اور ضروری ہے' جس طرح پانی میں داخل ہونے والا اس کی تری سے نہیں بچ سکتا اور مال کو روک کر رکھنا اور اس کو جمع کرتے رہنا مالک کے لیے ہلاکت کا باعث ہوتا ہے' پس نصاب سے کم مال تھوڑے سے پانی کی طرح ہے جس کو بلا روک ٹوک عبور کیا جا سکتا ہے اور نصاب کا مال اس دریا کی طرح ہے جو عبور کرنے والے مسافر اور اس کی منزل مقصود کی راہ میں حائل ہو جاتا ہے' جس کو بغیر پُل کے عبور نہیں کیا جا سکتا اور وہ پُل زکوٰۃ ہے اور اس کی عمارت عطیات وصدقات کا خرچ کرنا ہے' پھر جب پُل (یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی) میں خلل آ جائے گا تو مال ودولت کے ڈھیر کی موجیں اس کو غرق کر دیں گی اور اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "اَلزَّكٰوةُ قَنْطَرَةُ الْاِسْلَامِ" "زکوٰۃ دین اسلام کا پل ہے' اور اسی طرح مال کمینوں کا مددگار ہوتا ہے لیکن بزرگوں کا نہیں' جس طرح پانی پست جگہ میں جمع ہوتا ہے بلند جگہ میں نہیں اور اسی طرح مال بخیلوں کے پاس جمع ہوتا ہے' سخیوں کے پاس نہیں جیسا کہ پانی بغیر بند باندھے جمع نہیں رہ سکتا بلکہ ختم ہو جاتا ہے اور ضائع ہو جاتا ہے اور ہتھیلی کے پانی کی طرح باقی نہیں رہتا۔

۲۵- ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور وہ جنت ہے اور اللہ تعالیٰ کے

لے رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۲)

کے صفاتی نام ''سلام'' کی طرف ''دار'' کی اضافت اس کی تعظیم کی خاطر ہے (یعنی اللہ کا گھر جیسے بیت اللہ میں تشریفی اضافت ہے) یا ''سلام'' سے سلامتی مراد ہے کیونکہ جنت میں رہنے والے ہر قسم کے دکھ درد اور تکلیف سے سلامت و محفوظ رہیں گے اور بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ جنت میں چونکہ جنتی آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے یا ان کو فرشتے سلام کریں گے' اس لیے اس کو دارالسلام کہا گیا ہے' ارشاد ہے کہ ''اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا'' (الواقعہ:۲۶) ''مگر (انہیں جنت میں) سلام سلام کہا جائے گا''۔ ﴿ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے سیدھی راہ کی طرف ہدایت کی توفیق عنایت فرما دیتا ہے یعنی اسلام کی طرف یا سنت کی راہ کی طرف' پس دعوت رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک پر رہنمائی کے ذریعے عام تھی اور ہدایت خدا کے لطف سے توفیق اور عنایت کے ساتھ خاص ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو سلامتی کے گھر کی طرف دعوتِ عام دیتا ہے مگر اس میں صرف ہدایت یافتہ بندے داخل ہوں گے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے لیے بھلائی ہے اور مزید بھی ہے' اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی چڑھے گی اور نہ ذلت' یہی لوگ جنتی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ اور جن لوگوں نے بُرے عمل کیے ان کی سزا بُرائی کے برابر ہو گی' اور ان پر ذلت چھا جائے گی' اللہ کے عذاب سے انہیں کوئی بچانے والا نہیں ہو گا' گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کا ٹکڑا چڑھا دیا گیا ہے' یہی لوگ دوزخی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

۲۶- ﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا ﴾ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نیکی کی کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے ﴿ الْحُسْنٰى ﴾ بہترین ثواب ہے اور وہ جنت ہے ﴿ وَزِيَادَةٌ ﴾ اور اس سے بڑھ کر رب تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو گا جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق' حضرت حذیفہ' حضرت عبد اللہ ابن عباس' حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بیان کیا ہے اور بعض تفاسیر میں ہے کہ تمام مفسرینِ کرام کا اس بات پر اتفاق اور سب کا اجماع ہے کہ ''زِيَادَةٌ'' سے اللہ تعالیٰ کا دیدار مراد ہے اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اے اہل جنت! کیا تم کچھ اور چاہتے ہو تا کہ میں تمہیں اور زیادہ عنایت کر دوں؟ تو جنتی حضرات کہیں گے: یا اللہ! کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور کیا آپ نے ہمیں دوزخ کی آگ سے نجات نہیں دی؟ حضور نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ حجاب کو اٹھا دے گا تو جنتی حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے' پس جنت میں انہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بڑھ کر زیادہ محبوب کوئی چیز عنایت نہیں کی جائے گی[1] پھر حضور علیہ

[1] رواہ مسلم فی کتاب الایمان رقم الحدیث:۲۹۷' الترمذی فی کتاب الجنۃ باب:۱۶' ابن ماجہ فی کتاب المقدمۃ باب:۱۳

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: "لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ" اور صاحب "کشاف" پر تعجب ہے کہ اس نے یہ حدیث مبارکہ ان الفاظ کے ساتھ ذکر نہیں کی اور کہہ دیا کہ یہ حدیث مدفوع (غیر مقبول) ہے حالانکہ یہ حدیث مبارکہ مرفوع (خود حضور کا فرمان) ہے اور بے شک اس حدیث مبارکہ کو صاحب "مصابیح" نے "صحاح" میں بیان کیا ہے اور بعض نے فرمایا کہ "زِيَادَةٌ" سے بندوں کے دلوں میں محبت مراد ہے اور بعض نے فرمایا کہ "زِيَادَةٌ" سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت و بخشش اور اس کی رضا مراد ہے ﴿وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ﴾ اور نہ ان کے چہروں پر سیاہ غبار چڑھے گا اور نہ ذلت و خواری کا اثر اور معنی یہ ہے کہ جنتیوں کو کوئی ایسی پریشانی اور مصیبت و تکلیف لاحق نہیں ہوگی جو دوزخیوں کو لاحق ہوگی ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ یہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

۲۷۔﴿وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ﴾ [یہ "لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا" پر معطوف ہے] "اَیْ وَلِلَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ" یعنی اور ان لوگوں کے لیے جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا اور شرک کی تمام اقسام کا ارتکاب کیا ﴿جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا﴾ برائی کا بدلا اسی کے برابر ملے گا [اور اس میں "بَا" زائد ہے (یعنی تحسین کلام کے لیے ہے فضول نہیں)] جیسا کہ ارشاد ہے: "وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا" (الشوریٰ: ۴۰) "اور برائی کا بدلا اسی کی مثل برائی ہے"۔ یا تقدیر عبارت یوں ہوگی: "جَزَآءُ سَيِّئَةٍ مُقَدَّرٌ بِمِثْلِهَا" یعنی برائی کا بدلا اسی کے مثل مقرر کیا گیا ہے ﴿وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ اور ان پر ذلت و خواری چھا جائے گی ﴿مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ﴾ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کو کوئی بچانے والا نہیں ہوگا یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا ﴿كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا﴾ گویا ان کے چہروں کو سیاہ رات کے ٹکڑوں نے ڈھانپ لیا ہے یعنی ان کے چہروں پر سیاہ رات کے پردے چڑھا دیئے گئے ہیں یعنی ان کے چہرے کالے سیاہ ہوں گے [" قِطَعًا" جمع ہے اس کا واحد "قِطْعَةٌ" ہے اور یہ "اُغْشِيَتْ" کا دوسرا مفعول ہے اور ابن کثیر مکی اور علی کسائی کی قراءت میں "قِطْعًا" ("طا" ساکن کے ساتھ) ہے جیسا کہ اس ارشاد میں ہے کہ "فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ" (ھود: ۸۱) "پس آپ اپنے گھر والوں کو راتوں رات لے جائیں"۔ اور اس قراءت میں "مُظْلِمًا"، "قِطْعًا" کی صفت ہوگی (کیونکہ دونوں مفرد ہیں) اور پہلی قراءت پر "الیل" سے حال ہوگا اور اس میں "اُغْشِيَتْ" عامل ہوگا اس لیے کہ "من الیل"، "قِطَعًا" کی صفت ہوگی پس گویا اس کو موصوف کی طرف لے جانا اس کی صفت کی طرف لے جانے کی طرح ہے یا "مِنَ الَّيْلِ" میں فعل کا معنی عامل ہے] ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ یہی لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾

ع ۳ ۱۰ ۸

اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم ان لوگوں سے کہیں گے جنہوں نے شرک کیا کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو' پھر ہم ان کے درمیان جدائی ڈال دیں گے اور ان کے شریک ان سے کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے○ سو ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے بے شک ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے○ وہاں ہر جان جانچ لے گی جو کچھ اس نے پہلے کیا تھا اور انہیں اللہ کی طرف لوٹا دیا جائے گا جو ان کا حقیقی مالک ہے اور ان سے گم ہو جائیں گے جو وہ افترا گھڑتے تھے○

۲۸۔﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ﴾ اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے یعنی ہم کفار وغیر ہم سب کو قیامت کے دن جمع کریں گے [اس میں ''جَمِيْعًا'' حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ ﴾ پھر ہم ان لوگوں سے کہیں گے جنہوں نے شرک کیا کہ تم یہیں اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو یعنی تم لوگ لازمی طور پر اپنی جگہ ٹھہرے رہو اور یہ جگہ چھوڑ کر کہیں نہ جاؤ یہاں تک کہ تم دیکھ لو کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جاتا ہے ﴿ اَنْتُمْ ﴾ تم خود [''مَكَانَكُمْ'' کی ضمیر کی تاکید کے لیے یہ ضمیر لائی گئی ہے تاکہ یہ ''مَكَانَكُمْ'' کے عامل فعل محذوف ''اَلْزِمُوْا'' کے قائم مقام ہو جائے] ﴿ وَشُرَكَآؤُكُمْ ﴾ اور تمہارے شریک [یہ ''اَنْتُمْ'' پر معطوف ہے] ﴿ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ﴾ سو ہم ان کے درمیان جدائی ڈال دیں گے اور ہم ان کی وہ دوستیاں اور وہ تعلقات توڑ دیں گے جو دنیا میں ان کے درمیان قائم تھے ﴿ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ ﴾ اور ان کے اہل عقل شریک جن کی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کی تھی' وہ کہیں گے یا ان کے بت جن کو اللہ تعالیٰ گویائی کی توفیق عطا فرمائے گا' وہ کہیں گے: ﴿ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴾ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ تم شیطانوں کی عبادت کرتے تھے' جنہوں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کے شریک بناؤ' پس تم نے ان کی اطاعت کر لی اور وہ یہ ارشاد ہے: ''وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ○ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ○'' (سبا: ۴۰۔۴۱) ''اور جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع فرمائے گا' پھر فرشتوں سے فرمائے گا: کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے○ وہ عرض کریں گے: تو ہر عیب سے پاک ہے تو ہمارا دوست ہے وہ نہیں بلکہ وہ لوگ جنّوں کی عبادت کرتے تھے' ان میں اکثر لوگ انہیں پر یقین رکھتے ہیں○''۔

۲۹۔﴿ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ﴾ پس ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے [اور ''شَهِيْدًا'' تمیز ہے] ﴿ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴾ بے شک ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے [یہ ''اِنْ' اِنَّ'' ثقیلہ سے خفیفہ ہے اور لام اس کے درمیان اور ''اِنْ'' نافیہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے لایا گیا ہے]۔

۳۰۔﴿ هُنَالِكَ ﴾ اُس جگہ (میدانِ محشر) میں یا اس وقت (یعنی بروزِ قیامت) [اس بناء پر کہ اسم مکان کو اسم زمان کے لیے استعارہ کیا گیا ہے (یعنی مانگ لیا گیا ہے)] ﴿ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ ﴾ ہر جان آزمالے گی یعنی ہر جان جانچ لے گی اور مزہ چکھے گی ﴿ مَّآ اَسْلَفَتْ ﴾ اس نے جو اعمال آگے بھیجے تھے' سو وہ پہچان لے گی' اس کے عمل کیسے ہیں' آیا بُرے ہیں یا اچھے' آیا مفید ہیں یا نقصان دہ' آیا مقبول ہیں یا مردود ہیں؟ علامہ زجاج نے کہا کہ ہر جان جان لے گی جو کچھ اس نے آگے بھیجا ہے۔ [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''تَبْلُوْا'' کی بجائے ''تَتْلُوْا'' ہے] یعنی ہر جان انہیں اعمال کے تابع ہو گی جو اس نے آگے بھیجے ہیں' اس لیے کہ اس کا عمل وہی ہے جو اس کو جنت کی راہ یا دوزخ کی راہ پر لے جائے گا' یا یہ معنی ہے کہ ہر جان اپنے اعمال نامہ میں پڑھ لے گی جو عمل اس نے آگے بھیجا ہے خواہ وہ عمل نیک ہو یا بُرا ہو [علم نحو کے امام اخفش سے اسی طرح منقول ہے] ﴿ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ﴾ اور انہیں ان کے حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا یا جائے

گا' جو اپنی ربوبیّت میں ان کا سچا مالک ہے کیونکہ جس کو وہ لوگ اپنا مالک ومولیٰ مانتے ہیں' اس کی ربوبیّت کی کوئی حقیت نہیں ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ وہ سچا مالک ہے جو ان کے حساب وکتاب اور ان کے اجر وثواب کا متولی ہے یا وہ ایسا سچا عادل ہے جو کسی پر ظلم نہیں کرتا ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ اور ان سے گم ہو جائیں گے جو کچھ وہ افتراء باندھتے تھے' اور ان سے وہ ضائع ہو جائیں گے جن کو وہ اللہ تعالیٰ کا شریک پکارا کرتے تھے' یا یہ کہ ان کے معبودانِ باطلہ کے بارے میں سفارش کے من گھڑت اور جھوٹے عقیدے باطل ہو جائیں گے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ط فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ج فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ج فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ج فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تمہیں زمین اور آسمان سے رزق کون دیتا ہے؟ یا کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ اور زندہ کو مردہ سے کون نکالتا ہے؟ اور مردہ کو زندہ سے کون نکالتا ہے؟ اور تمام امور کا انتظام کون کرتا ہے؟ پس وہ کہیں گے کہ اللہ' تو (اے محبوب!) فرما دیجئے تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو O سو وہی تمہارا اللہ ہے جو تمہارا سچا پروردگار ہے' پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہے؟ پھر تم کہاں پھر جاتے ہو O اسی طرح آپ کے رب کی بات ان لوگوں پر سچی ثابت ہو گئی جنہوں نے نافرمانی کی کہ بے شک وہ ایمان نہیں لائیں گے O

اللہ تعالیٰ کی قدرت وتخلیق کے دلائل

۳۱- ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ (اے کفارِ مکہ! بتاؤ) تمہیں زمین اور آسمان سے رزق کون دیتا ہے یعنی آسمان سے بارش کے ذریعے اور زمین سے کھیتوں اور دیگر نباتات کے ذریعے تمہیں رزق کون پہنچاتا ہے؟ ﴿اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ﴾ یا کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور وہ کون ہے جو ان دونوں کی تخلیق پر اور ان کو عجیب وغریب فطرت سے ایک انداز پر برابر ویکساں پیدا کرنے پر قدرت وطاقت رکھتا ہے یا وہ کون ہے جو کثرت سے واقع ہونے والی آفات وبلیّات سے عرصۂ دراز تک ان کی حفاظت کرتا ہے حالانکہ یہ دونوں اتنی لطیف ونرم ہیں کہ حقیری تکلیف سے دُکھنے لگ جاتی ہیں ﴿وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ اور کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ یعنی حیوان کو اور چوزے کو اور کھیت کو اور مسلمان کو اور عالم کو نطفہ سے اور انڈے سے اور دانے سے کون پیدا کرتا ہے اور اس کے برعکس نطفہ کو حیوان وانسان سے اور انڈے سے چوزے کو اور دانے سے کھیت کو مؤمن سے کافر کو اور عالم سے جاہل کو کون پیدا کرتا ہے ﴿وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ اور تمام جہان کے اُمور کی تدبیر و انتظام کون کرتا ہے؟ اس سے پہلے مخصوص چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد اس جملے میں عمومی ذکر فرمایا گیا ہے ﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ﴾

تو وہ فوراً کہیں گے: (مذکورہ بالا تمام اُمور کا خالق و فاعل صرف) اللہ تعالیٰ ہے (یعنی) آپ کے سوال کے وقت وہ لوگ آپ کو یہی جواب دیں گے کہ بے شک ان تمام اُمور پر صرف اللہ تعالیٰ قادر ہے ﴿فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ تو آپ فرما دیجئے کہ (اے لوگو!) تو کیا تم عبودیت میں شرک کرتے ہوئے ڈرتے نہیں ہو؟

۳۲۔ ﴿فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ﴾ پس یہی تمہارا اللہ تعالیٰ ہے یعنی جس کی یہ قدرت ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے ﴿رَبُّكُمُ الْحَقُّ﴾ تمہارا سچا رب ہے جس کی ربوبیّت اتنی زبردست ثابت ہے کہ جس میں اس شخص کو کسی قسم کا شک وشبہ نہیں رہتا جس نے تحقیق سے غور وفکر کیا ﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ﴾ تو حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں یعنی حق اور گمراہی کے درمیان کوئی واسطہ نہیں' پس جو حق سے بھٹک گیا وہ گمراہی میں پڑ گیا ﴿فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ﴾ تو تم حق سے گمراہی کی طرف اور توحید سے شرک کی طرف کیوں پھرے جا رہے ہو۔

۳۳۔ ﴿كَذٰلِكَ﴾ اس حق کی طرح ﴿حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ﴾ آپ کے رب تعالیٰ کی بات ثابت ہو چکی ہے۔ [ابن عامر شامی اور نافع مدنی کی قراءت میں "كَلِمَاتُ" ہے] یعنی جس طرح یہ ثابت اور واضح ہو چکا ہے کہ بے شک حق کے بعد گمراہی ہے یا جس طرح یہ واضح ہو چکا ہے کہ بے شک وہ لوگ حق سے پھر چکے ہیں' اسی طرح آپ کے رب تعالیٰ کی بات ثابت ہو چکی ہے ﴿عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا﴾ ان لوگوں پر جنہوں نے نافرمانی کی اور اپنے کفر میں سرکشی کی اور وہ اس میں انتہائی حد تک نکل گئے ﴿اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ کہ بے شک وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ [یہ "كَلِمَةُ" سے بدل ہے] یعنی ان کا ایمان نہ لانا ثابت ہو چکا ہے یا یہ کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا حکم ثابت ہو چکا ہے کہ ان کا ایمان یقیناً نہیں ہونے والا یا کلمہ سے مراد عذاب کا وعدہ ہے اور "اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ" اس کی علّت ہے یعنی اس لیے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کر دے' پھر فنا کے بعد اس کو دوبارہ پیدا کر دے؟ فرما دیجئے اللہ ہی پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے' پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا تو تم کہاں پھرے جا رہے ہو○ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف رہ نمائی کرے' فرما دیجئے کہ اللہ ہی حق کی طرف رہ نمائی کرتا ہے' تو کیا جو حق کی طرف رہ نمائی کرتا ہے وہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کی اتباع کی جائے یا وہ جو ہدایت نہیں پاتا مگر یہ کہ اُسے ہدایت دی جائے' سو تمہیں کیا ہوا ہے' تم کیسے فیصلے کرتے ہو○ اور ان میں اکثر لوگ پیروی نہیں

کرتے مگر محض گمان کی' بے شک گمان حق کے مقابلے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا' بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں O

۳۴۔﴿ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ (اے کفارِ مکہ!) کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کر دے' پھر اس کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر دے۔ کفارِ مکہ کے حشر ونشر کے منکر ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ''ثُمَّ يُعِيْدُهٗ'' کا ذکر اس لیے فرمادیا کہ مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر کے زندہ ہونے کے دلائل اس قدر واضح ہو چکے ہیں کہ اس کو امر مسلّم (متفقہ تسلیم شدہ مسئلہ) قرار دے دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں کفارِ مکہ میں کچھ لوگ دوبارہ پیدا ہو کر زندہ ہونے کا اقرار کرتے تھے اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ انسان کے علاوہ باقی مخلوق کا اعادہ دن رات اور نزولِ بارش اور نباتات کے اعادہ کی طرح ہو ﴿ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ﴾ اے محبوب! آپ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے' پھر اس کو وہی دوبارہ پیدا کر کے زندہ فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم نبی کو حکم دیا کہ آپ خود ان کی طرف سے جواب دیں یعنی ان کا تکبر وغرور ان کو کلمۂ حق کہنے کی دعوت نہیں دے گا' پس آپ خود ہی ان کی طرف سے کلمۂ حق بیان کر دیجئے ﴿ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴾ تو اب تم سیدھی راہ سے منہ پھیر کر کدھر جا رہے ہو؟

۳۵۔﴿ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ﴾ اے محبوب! فرمادیجئے کہ کیا تمہارے شریکوں میں ایسا کوئی ہے جو حق کی طرف رہ نمائی کرے ﴿ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ﴾ اے محبوب! فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ حق کی طرف راہ نمائی فرماتا ہے تو کیا جو حق کی طرف ہدایت دیتا ہے وہ زیادہ لائق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے یا وہ جو بالکل ہدایت نہیں پاتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ہدایت عطا کی جائے۔ [''هَدَاهُ لِلْحَقِ وَاِلَى الْحَقِّ'' دونوں طرح کہا جاتا ہے تو اس آیت مبارکہ میں دونوں لغتیں جمع کر دی گئی ہیں اور ''هَدٰى بِنَفْسِهٖ'' کہا جاتا ہے کہ فلاں نے خود ہدایت حاصل کی' یہاں ''هَدٰى'' بہ معنیٰ ''اِهْتَدٰى'' ہے' جیسا کہ ''شَرٰى'' بہ معنیٰ ''اِشْتَرٰى'' ہے۔ قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''يَهْدِيْ'' (یا مفتوح' ھا ساکن اور دال مخفف) ہے اور ''اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْ'' میں ''يَهِدِّيْ'' بہ معنیٰ ''يَهْتَدِيْ'' ہے اور ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی اور ورش کی قراءت میں ''لَا يَهَتَدِيْ'' یا اور ھا مفتوح اور دال مشدد کے ساتھ ہے اور ابو عمرو بصری کی قراءت بھی یہی ہے مگر یہ ھا کی فتح کو اشمام کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یحییٰ کے علاوہ امام عاصم کی قراءت میں یا مفتوح اور ھا مکسور کے ساتھ ہے اور اس کی اصل ''يَهْتَدِيْ'' ہے اور حضرت عبد اللہ کی قراءت بھی یہی ہے' پھر ''تَا'' کو دال میں مدغم کیا گیا اور ''تَا'' کی حرکت کے ساتھ ''يَا'' کو مفتوح پڑھا گیا ہے اور یحییٰ کی قراءت میں ''يَا'' اور ''هَا'' مکسور اور دال مشدد کے ساتھ ''لَا يِهِدِّيْ'' ہے اور یہ حرکت مابعد (دال مکسور) کی وجہ سے ہے اور ورش کے علاوہ نافع مدنی کی قراءت میں ''هَا'' ساکن اور دال مشدد کے ساتھ ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ واحد لاشریک ہے' وہی حق کی ہدایت دیتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی نے مکلفین میں عقل ودانش اور فہم وفراست ودیعت فرمائی ہے اور اسی نے ان دلائل میں نظر وفکر کرنے کی قدرت وطاقت ان کو عطا کی ہے' جو دلائل اس نے اپنی توحید کے لیے مقرر کیے ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں توفیق بخشی ہے اور رسولوں کو بھیجنے کے ساتھ شریعتوں پر ان کو توفیق عطا کی اور انہیں الہام فرمایا تو کیا تم جن شریکوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو ان میں کوئی ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی طرح حق کی طرف راہ نمائی کرے اور لوگوں کو حق کی ہدایت عنایت کرے؟ پھر فرمایا: تو کیا جو حق کی طرف راہ نمائی کرتا ہے وہ زیادہ حق

دار ہے کہ اس کی اتباع کی جائے یا جو ہدایت نہیں پاتا یعنی جو خود ہدایت پر نہیں ہے یا یہ کہ وہ کسی اور سے بھی ہدایت حاصل نہیں کرتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت عطا فرما دے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بتوں میں سے کوئی نہیں ہے جو کسی مکان کی طرف راہ نمائی حاصل کر سکے تا کہ وہ اس کی طرف منتقل ہو سکے مگر یہ کہ اس کی راہ نمائی کی جائے اور اس کو وہاں سے منتقل کر دیا جائے یا یہ معنی ہے کہ وہ نہ خود ہدایت پر ہیں اور نہ اُن سے ہدایت حاصل کرنا صحیح ہے' مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو موجودہ حالت سے ایسی حالت کی طرف منتقل فرما دے کہ اُسے جان دار بولنے والا ہدایت یافتہ بنا دے ﴿فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾ تو تمہیں کیا ہو گیا ہے تم باطل کے ساتھ فیصلے کیوں کر کرتے ہو' کیونکہ تم بتوں کے بارے میں یہ گمان رکھتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں۔

۳۶- ﴿وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ﴾ اور ان میں اکثر لوگ پیروی نہیں کرتے' اپنے ان اقوال میں کہ ان کے بت معبود ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان لوگوں کی سفارش کریں گے اور یہاں اکثر سے تمام لوگ مراد ہیں [کیونکہ قاعدہ ہے کہ ''لِلْاَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ''] ﴿اِلَّا ظَنًّا﴾ مگر بغیر کسی دلیل کے محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور وہ یہ کہ مشرکین عرب اپنے بڑوں کی محض اس گمان پر پیروی کرتے تھے کہ ان کے نظریات صحیح ہیں ﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ﴾ بے شک محض گمان و تخمین حق سے یعنی یقینی علم سے بے نیاز نہیں کرتا اور نہ گمان یقین کا مقابلہ کر سکتا ہے ﴿شَيْئًا﴾ [مصدر کی جگہ میں ہے] ''اَیْ اِغْنَاءً'' یعنی محض گمان کچھ فائدہ نہیں دیتا ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں یعنی وہ محض گمان و خیال کی پیروی کرتے ہیں اور حق کو ترک کرتے ہیں۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾

اور یہ قرآن کی شان نہیں کہ اُسے اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے گھڑ کے پیش کیا جائے لیکن یہ تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اور تفصیل بیان کرنے والا ہے اس کتاب کی (جو لوحِ محفوظ میں ہے) جس میں کوئی شک و شبہ نہیں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے O کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کو نبی کریم نے خود بنا لیا ہے' (اے محبوب!) فرما دیجئے: تو تم اس جیسی کوئی سورت بنا کر پیش کرو اور تم اللہ کے سوا جس کو بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو O بلکہ انہوں نے اس کو جھٹلا دیا جس کے علم کا وہ احاطہ نہیں کر سکے اور ابھی تک ان پر اسے جھٹلانے کا انجام نہیں آیا' اسی طرح ان سے پہلے کافروں نے بھی جھٹلایا تھا' پس دیکھئے ظالموں کا انجام کیسا ہوا O

قرآن کی شان اور منکرین کی مذمت

۳۷۔﴿ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے گھڑ کر پیش کیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف سے گھڑا جائے اور معنی یہ ہے کہ یہ صحیح اور سلامت نہیں کہ قرآن مجید جیسی عظیم الشان اور سراسر معجزہ کتاب کی طرح کوئی اور کتاب گھڑ کر پیش کی جا سکے ﴿ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ اور لیکن یہ قرآن مجید پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اس سے وہ کتابیں مراد ہیں جو اس قرآن مجید سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی تھیں ﴿ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ ﴾ اور یہ قرآن مجید ان احکام وفرائض اور مشروعات کو بیان کرتا ہے جو لکھے جا چکے اور فرض کیے گئے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ'' (النساء:۲۴) ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے (مذکورہ احکام) تمہارے اوپر لکھ دیئے گئے ہیں''۔ ﴿ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ اس قرآن مجید میں کوئی شک و شبہ نہیں' یہ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے [یہ کلام حرف استدراک (لٰكِنْ) کے تحت داخل ہے] گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور لیکن یہ قرآن مجید تصدیق کرنے والا اور تفصیل بیان کرنے والا' شک وشبہ سے بَری اور پاک ہے' تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل ہونے والا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے یہ مراد ہو: اور لیکن یہ قرآن مجید پروردگارِ عالم کی طرف سے تصدیق کرنے والا اور اسی کی طرف سے بیان کرنے والا ہے' اس میں کوئی شک نہیں ہے [تو اب ''مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ'' ''تصديق'' اور ''تفصيل'' کے ساتھ متعلق ہوگا اور ''لَا رَيْبَ فِيْهِ'' جملہ معترضہ ہوگا' جیسے تم کہتے ہو: ''زَيْدٌ لَا شَكَّ فِيْهِ كَرِيْمٌ'' ''زید کے بارے میں کوئی شک نہیں کہ وہ مہربان ہے]۔

۳۸۔﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ﴾ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن مجید کو رسولِ عربی نے خود گھڑ لیا ہے ﴿ قُلْ ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ (اے کافرو!) اگر اس طرح کا معاملہ ہے جس طرح تم لوگ خیال کرتے ہو ﴿ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ ﴾ تو تم بھی اسی طریقے پر کوئی ایک سورت گھڑ کر لاؤ جو فصاحت و بلاغت میں اور حسنِ نظم میں اس قرآن مجید کے مشابہ اور مساوی ہو کیونکہ تم بھی ممتاز عربی دان ہو ﴿ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے ماسوا جس کو بلا سکتے ہو بلا لو یعنی تم قرآن مجید کی مثال پیش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق میں سے جس سے مدد لے سکتے ہو لے لو ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ اس قرآن مجید کو رسول نے خود گھڑ لیا ہے۔

۳۹۔﴿ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ﴾ بلکہ انہوں نے اس کو جھٹلا دیا جس کے علم کا وہ احاطہ نہیں کر سکے اور ابھی تک ان کے پاس اس کا انجام نہیں آیا' بلکہ وہ لوگ قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کرنے اور اس کی حقیقت معلوم کرنے سے پہلے اور اس میں غور وفکر کرنے اور اس کے مطالب ومعانی سے واقفیت حاصل کرنے سے پہلے محض اس کو سنتے ہی فوراً اس کی تکذیب کرنے اور اس کو جھٹلانے کے لیے جلدی کرتے اور یہ اس لیے کرتے تھے کہ ان میں سے دین اسلام کے خلاف بہت زیادہ نفرت تھی اور وہ اپنے آبائی دین کو چھوڑنے سے بہت بھاگتے تھے' اس لیے قرآن مجید کی شان معلوم کرنے سے پہلے اس کی تکذیب کرنے میں جلدی کرنے پر اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت بیان فرمائی اور کلمہ توقع لائے تاکہ یہ بتایا جائے کہ انہوں نے قرآن مجید کے اعجاز اور اس کی رفعتِ شان اور بُعدِ رتبی کو جان لیا تھا' جب انہیں بار بار چیلنج کیا گیا اور انہوں نے قرآن مجید کے معارضہ ومقابلہ کے لیے اپنی تمام قوتوں کو آزما لیا اور انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے سے اپنے عجز و بے بسی کو پہچان لیا تو انہوں نے بغاوت وسرکشی اور حسد و کینے کی بناء پر اس کو جھٹلا دیا ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ جس طرح کفارِ مکہ نے قرآن پاک اور رسولِ خدا کی تکذیب کی اور ان کو جھٹلایا اسی طرح ﴿ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ان سے

پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی یعنی گزشتہ امتوں کے کافروں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ان کو جھٹلایا تھا اور یہ بھی جائز ہے کہ ''وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ'' کا معنی یہ ہو کہ قرآن کریم میں دی گئی غیبی خبروں کی تاویل ابھی تک ان کے پاس نہیں آئی' یعنی اس کا انجام یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جاتا کہ آیا یہ سچا ہے یا جھوٹا ہے؟ یعنی یہ کتاب (قرآن مجید) دو جہتوں سے معجزہ ہے' ایک فصاحت و بلاغت کی جہت سے معجزہ ہے اور دوسرا اس میں بیان کی گئی غیبی خبروں کی جہت سے معجزہ ہے' سو کافروں نے اس کے عاجز کر دینے کی حد تک پہنچے ہوئے حسن نظم میں غور کرنے سے پہلے اور اس کی مغیبات کی خبروں کو آزمانے سے پہلے اس کی تکذیب میں جلدی کی ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ پس دیکھئے ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔

ع ۱

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۴۰ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۴۱ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ۴۲ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ۴۳

اور ان میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور آپ کا رب فساد پھیلانے والوں کو خوب جاننے والا ہے O اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیں کہ میرا عمل میرے لیے اور تمہارا عمل تمہارے لیے' میں جو عمل کرتا ہوں تم اس سے بَری ہو اور تم جو عمل کرتے ہو اس سے میں بیزار ہوں O اور ان میں کچھ لوگ آپ کی بات کان لگا کر سنتے ہیں' تو کیا آپ بہرے کو سنائیں گے؟ اور اگر چہ وہ نہ سمجھتے ہوں O اور ان میں سے بعض لوگ آپ کی طرف دیکھتے ہیں' تو کیا آپ اندھوں کو راہ دکھائیں گے اور اگر چہ وہ کچھ بھی نہ دیکھتے ہوں O

۴۰- ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ﴾ اور ان میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں یعنی نبی کریم ﷺ پر یا قرآن مجید پر ایمان لاتے ہیں' یعنی اس کی تصدیق کرتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے لیکن بغض و عناد کی وجہ سے اس کو جھٹلاتے ہیں ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ﴾ اور ان میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اس کی تصدیق کرتے ہیں بلکہ اس میں شک کرتے ہیں یا یہ آیت مبارکہ مستقبل کے لیے ہے یعنی ان میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے اور ان میں سے کچھ لوگ کفر پر اڑے رہیں گے اور ایمان نہیں لائیں گے ﴿وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ﴾ اور آپ کا رب تعالیٰ فسادیوں کو یعنی عناد رکھنے والوں کو یا کفر پر اصرار کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے۔

۴۱- ﴿وَاِنْ كَذَّبُوْكَ﴾ اور اگر کفار آپ کی تکذیب پر اور آپ کے جھٹلانے پر اڑ جائیں اور آپ ان کی طرف سے دعوتِ حق قبول کرنے سے مایوس ہو جائیں ﴿فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ﴾ تو آپ ان سے فرما دیں کہ میرے عمل کی جزاء میرے لیے ہو گی ﴿وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ﴾ اور تمہارے اعمال کی جزاء تمہارے لیے ہو گی ﴿اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ تم میرے عمل سے بَری ہو اور میں تمہارے اعمال سے بَری ہوں' پس ہر کوئی اپنے عمل پر پکڑا جائے گا اور ہر ایک بندہ اپنے اپنے عمل کا جواب دِہ ہو گا۔

۴۲۔ ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ﴾ اور ان میں سے کچھ لوگ آپ کی باتیں بہ ظاہر غور سے سنتے ہیں جب آپ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے ہیں اور احکامِ دین کی تعلیم دیتے ہیں لیکن وہ انہیں اپنے ذہنوں میں محفوظ نہیں کرتے (بلکہ ایک کان سے سنتے ہیں تو دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں) اور نہ وہ ان کو قبول کرتے ہیں' پس وہ لوگ کانوں سے بہرے لوگوں کی طرح ہیں ﴿ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے اگر چہ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں (یعنی) کیا آپ یہ امید رکھتے ہیں کہ آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں اگر چہ وہ لوگ اپنے بہرے پن کے ساتھ ساتھ عقل و دانش بھی نہ رکھتے ہوں کیونکہ عقل مند بہرا شخص بسا اوقات سمجھ جاتا ہے اور جب اس کے کان میں آواز کی بھنبھناہٹ پہنچتی ہے تو وہ راہ نمائی حاصل کر لیتا ہے' پھر جب عقل و سماعت دونوں کا نہ ہونا جمع ہو جائے (کہ نہ عقل رہے اور نہ سماعت رہے) تو کام تمام ہو جاتا ہے۔

۴۳۔ ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ﴾ اور ان میں سے کچھ لوگ آپ کی طرف دیکھتے ہیں اور وہ آپ کی صداقت کے دلائل کا معائنہ کرتے ہیں اور آپ کی نبوت کی علامات کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن وہ تصدیق نہیں کرتے ﴿ اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴾ تو کیا آپ اندھوں کو راہ دکھائیں گے اگر چہ وہ کچھ بھی نہ دیکھ سکتے ہوں (یعنی) کیا آپ کا خیال ہے کہ آپ اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں اگر چہ بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت بھی ختم ہو جائے کیونکہ ایسا اندھا جس کے دل میں بصیرت ہو وہ کبھی آگاہی حاصل کر لیتا ہے لیکن جو شخص اندھا بھی ہو اور نورِ بصیرت سے بھی محروم ہو اس کا راہِ راست سے واقفیت حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے' بلکہ ناممکن ہوتا ہے یعنی ایسے لوگوں کے بارے میں حق و صداقت کی تصدیق کرنے اور اسے قبول کرنے کے متعلق مایوسی اس طرح ہوتی ہے جس طرح اندھوں اور بہروں کے بارے میں ہوتی ہے' جن میں نہ عقل ہو اور نہ بصیرت ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾

بے شک اللہ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ○ اور جس دن اللہ ان کو جمع کرے گا تو (وہ خیال کریں گے) گویا وہ دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے' بے شک جن لوگوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا وہ نقصان میں رہے اور وہ ہدایت پانے والے نہ ہوئے ○ اور اگر ہم آپ کو عذاب کا بعض حصہ دکھا دیں جس کا ہم اُن سے وعدہ کر رہے ہیں یا ہم آپ کو دنیا سے اٹھا لیں تو پھر بھی انہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے' پھر جو

کچھ وہ کر رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے O اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے' پھر جب ان کے پاس ان کا رسول آ جاتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا O

۴۴- ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا اور لیکن لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "لٰكِنِ" بغیر تشدید کے مخفف ہے اور "النّاسُ" مرفوع ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے استدلال کا آلہ سلب کر کے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود ہی استدلال کو ترک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا کیونکہ انہوں نے بے جان مورتیوں کی عبادت شروع کر دی حالانکہ وہ خود زندہ تھے۔

۴۵- ﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ ﴾ [امام حفص کی قراءت میں "يـا" کے ساتھ ہے[1]] اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو اٹھائے گا ﴿ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ ﴾ گویا وہ لوگ (خیال کریں گے کہ وہ) دن کی صرف ایک گھڑی ٹھہرے ہیں (یعنی) وہ لوگ دنیا میں اپنے ٹھہرنے اور زندگی بھر رہنے کی مدت کو بہت کم تصور کریں گے یا وہ قیامت کے ہولناک مناظر کو دیکھ کر اپنی قبر میں رہنے کی برزخی زندگی کو بہت کم تصور کریں گے ﴿ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ﴾ وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان لیں گے گویا وہ تھوڑی سی دیر ٹھہرے اور یہ باہمی تعارف اس وقت ہوگا جب وہ قبروں سے نکلیں گے' پھر جب ان پر میدانِ محشر میں حساب و کتاب اور جواب دہی کی شدت طاری ہوگی تو ان کا باہمی تعارف ختم ہو جائے گا [اور "كَـاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْا" "يَحْشُرُهُمْ" میں "هُـمْ" سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ ان لوگوں کے مشابہ ہوں گے جو صرف دن کی ایک گھڑی دنیا میں ٹھہرے تھے [اور "كَاَنْ" ثقیلہ (كَاَنَّ) سے مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے' اصل میں "كَاَنَّهُمْ" ہے اور "يَتَعَارَفُوْنَ" ایک حال کے بعد دوسرا حال ہے یا یہ جملہ مستأنفہ (الگ مستقل جملہ) ہے' اس سے پہلے "هُمْ" ضمیر مقدر ہے (یعنی) "هُمْ يَتَعَارَفُوْنَ" ہے] ﴿ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ﴾ بے شک جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے ملنے کو جھٹلایا وہ نقصان میں رہے۔ قول مراد ہے: "اَىْ يَتَـعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ قَآئِلِيْنَ ذَالِكَ" یعنی وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو یہ کہتے ہوئے پہچان لیں گے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے ملنے اور اس کے پاس حاضر ہونے کو جھٹلایا ہے وہ گھاٹے میں رہے یا پھر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گواہی ہے کہ یہ لوگ گھاٹے میں ہیں اور معنی یہ ہے کہ بے شک ان لوگوں نے اپنی تجارت اور اپنے کاروبار میں ایمان کو کفر کے عوض میں فروخت کر دیا ﴿ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴾ اور وہ تجارت کے لیے صحیح راہ پانے والے نہیں تھے حالانکہ وہ اس کو پہچاننے والے تھے اور یہ ایک الگ جملہ ہے اور اس میں تعجب کا معنی ہے' گویا کہا گیا ہے کہ انہوں نے کتنا بڑا گھاٹے کا سودا کیا۔

۴۶- ﴿ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ ﴾ اور اگر ہم آپ کو اس کا بعض حصہ دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں (یعنی) عذاب میں سے کچھ حصہ ﴿ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ ﴾ یا ان کو عذاب دینے سے پہلے ہم آپ کو اپنے پاس اٹھا لیں ﴿ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ﴾ تو انہیں ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا پڑے گا۔ [یہ "نَتَوَفَّيَنَّكَ" کا جواب ہے اور "نُرِيَنَّكَ" کا جواب محذوف ہے] "اَىْ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ فِى الدُّنْيَا فَذَاكَ" یعنی اور اگر ہم دنیا میں ان پر اس عذاب کا بعض حصہ نازل کر کے آپ کو دکھا دیں جس کا ہم انہیں وعدہ دے رہے ہیں تو یہی مقصود ہے (اور ہم اس پر قادر ہیں) یا وہ

---

[1] جب کہ ابن عامر شامی' ابوعمرو بصری' ابن کثیر مکی' نافع مدنی' حمزہ' علی کسائی' ابوجعفر' یعقوب اور خلف کی قراءت میں نون کے ساتھ "نَحْشُرُهُمْ" ہے۔ (معجم القراءات القرآنیہ ج ۳ ص ۷۷)

عذاب آپ کو دکھانے سے پہلے ہم آپ کو اپنے پاس اٹھالیں تو ہم انہیں آخرت میں عذاب دے دیں گے ﴿ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر گواہ ہے جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں۔ یہاں ذکر گواہی کا کیا گیا ہے لیکن مراد اس کا مقتضا ہے اور وہ عذابِ الٰہی ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال پر ضرور سزا دے گا جو وہ کرتے رہے [اور بعض اہل علم نے کہا کہ حرف ''ثُمَّ'' یہاں واؤ کے معنی میں ہے]۔

٤٧۔﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ﴾ اور ہر ایک امت کے لیے رسول ہوا ہے جو ان کی طرف بھیجا گیا تاکہ وہ رسول ان لوگوں کو عقیدۂ توحید سے آگاہ کرے اور ان کو دینِ حق کی دعوت دے ﴿ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ ﴾ پھر جب وہ رسول معجزات و دلائل لے کر ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا اور انہوں نے اس کی پیروی نہیں کی ﴿ قُضِىَ بَيْنَهُمْ ﴾ تو اس نبی اور اس کے جھٹلانے والوں کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ﴿ بِالْقِسْطِ ﴾ انصاف کے ساتھ چنانچہ رسول کو نجات دے دی گئی اور تکذیب کرنے والوں کو عذاب میں مبتلا کر دیا گیا یا یہ کہ قیامت کے روز تمام امتوں میں سے ہر امت کے لیے رسول ہوگا جس کی طرف وہ امت منسوب ہوگی اور اسی کے نام پر اسے بلایا جائے گا اور موقف کے میدان میں ان کا رسول تشریف لائے گا تاکہ وہ ان کے ایمان اور کفر کی گواہی دے اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے ﴿ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور نہ ان میں سے کسی کو اس کے گناہ کے بغیر عذاب دیا جائے گا۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٤٩﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٥١﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا اگر تم سچے ہو O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میں ذاتی طور پر اپنی جان کے لیے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں سوائے اس کے جو اللہ چاہے ہر امت کے لیے ایک وقت (مقرر) ہے جب ان کا وقت آ جاتا ہے تو نہ وہ ایک گھڑی پیچھے ہو سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا تم بتلا سکتے ہو اگر تم پر اس کا عذاب رات کو یا دن کو آ جائے تو وہ کون سی چیز ہے جس کے لیے مجرم جلدی چاہتے ہیں O کیا جب وہ (عذاب) واقع ہو جائے گا تو پھر تم اس پر ایمان لاؤ گے تم اب ایمان لاتے ہو حالانکہ تم ہی اس کو جلدی طلب کر رہے تھے O

شانِ نزول: اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا: ''وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ'' اور اگر ہم آپ کو اس عذاب کا بعض حصہ دکھا دیں جس کا ہم انہیں وعدہ دے رہے ہیں تو کافروں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فوراً مطالبہ شروع کر دیا کہ جس عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے وہ لے آئیں تو یہ (درج ذیل) آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

٤٨۔﴿ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ﴾ اور وہ کہنے لگے کہ یہ وعدہ یعنی عذاب کا وعدہ کب پورا ہوگا ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اگر تم سچے ہو کہ عذاب یقیناً نازل ہونے والا ہے اور انہوں نے یہ بات حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور

مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہی تھی۔

٤٩- ﴿ قُلْ ﴾ اے محمد (ﷺ)! ان لوگوں سے فرما دیجئے کہ ﴿ لَّآ اَمۡلِكُ لِنَفۡسِيۡ ضَرًّا ﴾ میں ذاتی طور پر اپنی ذات کے لیے کسی نقصان کا مالک نہیں ہوں (یعنی) بیماری یا فقر و فاقہ اور غربت و محتاجی میں سے ﴿ وَّلَا نَفۡعًا ﴾ اور نہ میں ذاتی طور پر اپنی ذات کے لیے کسی فائدہ کا مالک ہوں (یعنی) صحت و تندرستی یا مال داری و دولت مندی میں سے ﴿ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ﴾ مگر جس قدر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے [یہ استثناء منقطع ہے] یعنی لیکن ان چیزوں میں سے جس چیز کو اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی ہو گی تو میں (اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اپنے آپ) تمہیں عذاب دینے اور ضرر و نقصان پہنچانے کا کیسے اختیار رکھتا ہوں[1]

﴿ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ فَلَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا يَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴾ ہر امت کے لیے وقت مقرر ہے جب ان کا وقت آ جائے گا تو وہ ایک لمحہ بھی نہ پیچھے ہو سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے (یعنی) ہر امت کے لیے عذاب کا وقت مقرر و معین ہے جو لوحِ محفوظ میں لکھا جا چکا ہے' پھر جب ان کے عذاب کا وقت آ جائے گا تو وہ نہ ایک لمحہ آگے جا سکیں گے اور نہ ایک لمحہ پیچھے ہو سکیں گے' سو تم جلدی نہ چاہو۔

٥٠- ﴿ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ اَتٰٮكُمۡ عَذَابُهٗ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ کا عذاب تم پر آ جائے ﴿ بَيَاتًا ﴾ سو جانے کے وقت اور وہ رات کا وقت ہے حالانکہ تم اس وقت غافل و بے خبر سو رہے ہو گے اور تمہیں پتا بھی نہ چلے گا ﴿ اَوۡ نَهَارًا ﴾ یا دن کے وقت جب کہ تم طلبِ معاش اور کاروبار میں مشغول ہو گے ﴿ مَّاذَا يَسۡتَعۡجِلُ مِنۡهُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴾ تو کس بناء پر مجرم لوگ اس کو جلدی چاہتے ہیں' یعنی عذاب کو اور معنی یہ ہے کہ بے شک ہر قسم کا عذاب ناپسند کیا جاتا ہے اور وہ موجب نفرت ہوتا ہے تو پھر کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے تم اسے جلدی چاہتے ہو حالانکہ اس (عذاب) کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اسے جلدی چاہنے کا سبب ہو [اور ''مَاذَا'' میں استفہام ''اَرَءَيۡتُمۡ'' کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ معنی یہ ہے کہ تم مجھے خبر دو کہ کون سی وجہ ہے جس کے سبب مجرم لوگ عذاب کو جلدی چاہتے ہیں اور شرط کا جواب محذوف ہے اور وہ ہے: ''تَنۡدَمُوۡا عَلَى الۡاِسۡتِعۡجَالِ'' کہ تم جلدی چاہنے پر پچھتاؤ گے یا ''تَعۡرِفُوۡا الۡخَطَاَ فِيۡهِ'' کہ تم اس کے بارے میں اپنی غلطی کو جان جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ نے ''مَاذَا يَسۡتَعۡجِلُوۡنَ مِنۡهُ'' نہیں فرمایا کیونکہ اس سے جلدی نہ کرنے کے موجب پر دلالت مراد ہے اور وہ ہے جرم کا ارتکاب کرنا یا ''مَاذَا يَسۡتَعۡجِلُ مِنۡهُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ'' شرط کا جواب ہے' جیسے: ''اِنۡ اَتَيۡتُكَ مَاذَا تُطۡعِمُنِيۡ'' اگر میں تیرے پاس آ جاؤں تو آپ مجھے کیا کھلائیں گے؟ پھر یہ جملہ ''اَرَءَيۡتُمۡ'' کے ساتھ متعلق ہے یا پھر (درج ذیل آیت مبارکہ کا پہلا حصہ یعنی)]

٥١- ﴿ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ ﴾ [شرط کا جواب ہے] تو کیا جب عذاب آ جائے گا' پھر تم اس پر ایمان لاؤ گے

---

[1] علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت مبارکہ کے تحت یہ استدلال کیا ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے نفع و نقصان کی مؤثر قدرت و طاقت حاصل ہوتی ہے لیکن یہ بات درست نہیں کہ بندے کو بالکل کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ جبریہ فرقے نے کہا اور نہ یہ بات درست ہے کہ بندے کو اختیار تو ہوتا ہے لیکن وہ مؤثر نہیں ہوتا جیسا کہ اشاعرہ نے کہا اور نہ یہ بات درست ہے کہ بندے کو ہر حال میں مؤثر قدرت و اختیار حاصل ہوتا ہے خواہ اللہ تعالیٰ چاہے یا نہ چاہے جیسا کہ معتزلہ نے کہا تھا بلکہ اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ میں اپنے آپ نفع و نقصان میں سے کسی چیز پر ذاتی اختیار نہیں رکھتا مگر جس قدر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اسی قدر میں نفع و نقصان پر قدرت و اختیار رکھتا ہوں' سو میرا اختیار اللہ تعالیٰ کی مشیئت پر موقوف ہے۔
(تفسیر روح المعانی جز ۱۱ ص ۱۳۰' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

[اور "مَتٰی ذَا یَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ" جملہ معترضہ ہے] اور معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا عذاب تم پر آ جائے تو تم اس کے آ جانے کے بعد اس پر ایمان لاؤ گے حالانکہ اس وقت ایمان لانا تمہیں فائدہ نہیں دے گا [اور "ثُمَّ" پر حرف استفہام کا دخول اس طرح ہے جس طرح: "اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰی"۔ (الاعراف:٩٧) اور "اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰی"۔ (الاعراف:٩٨) میں "فا" پر اور "واؤ" پر اس کا دخول ہے] ﴿ آٰلْـٰٔنَ ﴾ [اس سے پہلے "قِیْلَ" مراد ہے] یعنی جب وہ عذاب کے آ جانے کے بعد ایمان لائیں گے تو ان سے کہا جائے گا: کیا تم اب اس پر ایمان لاتے ہو ﴿ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴾ حالانکہ اس سے پہلے تم جھٹلانے اور مذاق اڑانے کی خاطر اسی عذاب کے مطالبے کی جلدی کرتے تھے۔ [قاری نافع مدنی کی قراءت میں "آٰلْـٰٔنَ" میں لام کے بعد ہمزہ حذف کر کے اس کی حرکت لام کو دے کر "آلَانَ" ہے]۔

ثُمَّ قِیْلَ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَیَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿٥٣﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿٥٤﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾ هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٦﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ تم دائمی عذاب کا مزہ چکھو تمہیں سزا نہیں دی جائے گی مگر جس قدر تم کمایا کرتے تھے O اور وہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں: کیا وہ حق ہے؟ آپ فرما دیں: ہاں! میرے رب کی قسم! بے شک وہ حق ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو O اور اگر زمین کے تمام خزانے ظلم کمانے والی جان کے لیے ہو جائیں تو وہ ان کو اپنے بدلے میں دے دے اور وہ اپنی ندامت کو چھپائیں گے جب وہ عذاب کو دیکھیں گے اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا O سن لو! بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سن لو! بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

٥٢- ﴿ ثُمَّ قِیْلَ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ﴾ ["آٰلْـٰٔنَ" سے پہلے پوشیدہ "قِیْلَ" پر معطوف ہے] پھر ظالموں سے کہا جائے گا: ﴿ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ﴾ کہ تم دائمی عذاب چکھو ﴿ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴾ تمہیں سزا نہیں دی جائے گی مگر اس کفر و شرک اور تکذیب کے سبب جن کا تم ارتکاب کرتے تھے۔

٥٣- ﴿ وَیَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ ﴾ اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں اور آپ سے (عذاب کی) خبر معلوم کرنے کے لیے سوال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ﴿ اَحَقٌّ هُوَ ﴾ کیا وہ حق ہے؟ اور یہ سوال مذاق اڑانے اور انکار کرنے کی بناء پر کیا گیا ہے [اور "هُوَ" ضمیر عذاب موعود کی طرف لوٹتی ہے (یعنی) جس عذاب کا وعدہ دیا جا رہا ہے کیا وہ حق ہے؟] ﴿ قُلْ ﴾ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)!

ان سے فرما دیجئے کہ ﴿ اِیْ وَرَبِّیْٓ ﴾ جی ہاں! مجھے اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ کی قسم ہے! ﴿ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ﴾ بے شک یہ عذاب برحق ہے ضرور ہو کر رہے گا ﴿ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴾ اور تم (اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے کہ عذاب کو ختم کر کے اپنے اوپر سے ٹال دو اور وہ تمہیں ہر حال میں ضرور پہنچے گا۔

٥٤- ﴿ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ ﴾ اور اگر ہر جان کے لیے جس نے ظلم کیا کہ اس نے کفر و شرک کا ارتکاب کیا [اور یہ "ظَلَمَتْ"، "نفس" کی صفت ہے] یعنی اگر ہر ظلم و ستم اور کفر و شرک کرنے والی جان کو حاصل ہو جائے ﴿ مَا فِی الْاَرْضِ ﴾ جو کچھ زمین میں ہے (یعنی) آج دنیا میں جو کچھ خزانے اور اموال ہیں وہ سب کے سب کافر و مشرک کو حاصل ہو جائیں ﴿ لَافْتَدَتْ بِهٖ ﴾ تو وہ سب کچھ اپنی جان چھڑانے کے لیے معاوضے میں دے دے گا۔ [اور "فَدَاهُ فَافْتَدٰى" کہا جاتا ہے اور "افتداہ" بھی کہا جاتا ہے سب کا معنی یہ ہے کہ اس نے فدیہ دیا اور معاوضہ ادا کیا] ﴿ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ﴾ اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ ندامت و پشیمانی کو ظاہر کریں گے جیسا کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو ظاہر کرے تو اس وقت کہا جاتا ہے: "اَسَرَّ الشَّیْئَ" یا یہ معنی ہے کہ جب وہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ ندامت و شرمندگی کو چھپائیں گے اور سخت حیرت کی وجہ سے بولنے سے عاجز آ جائیں گے [چنانچہ کہا جاتا ہے کہ "اسرّ" لغتِ اضداد میں سے ہے (یعنی جس لفظ کے دو متضاد معنی ہوں جیسے اسرار کا معنی اظہار و اخفا اور بیع کا معنی خرید و فروخت ہے)] ﴿ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ﴾ اور ان کے درمیان یعنی ظالموں اور مظلوموں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا' اس کی دلیل ظلم کا ذکر ہے اور وہ ﴿ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴾ ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

٥٥- پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد اپنے (درج ذیل) ارشاد میں اعلان فرما دیا کہ تمام بادشاہی اسی کے لیے ہے ﴿ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ خبردار! بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' سو فدیہ کیسے قبول کیا جائے گا اور بے شک وہی ثواب عنایت فرمانے والا ہے اور وہی سزا دینے والا ہے اور اس نے جو کچھ جزا اور سزا کا وعدہ فرمایا ہے وہ حق ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ ﴾ خبردار! بے شک ثواب اور سزا دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ﴿ حَقٌّ ﴾ برحق اور سچا ہے جو ہر حال میں پورا ہو گا ﴿ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

٥٦- ﴿ هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ﴾ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے کیونکہ وہ زندہ کرنے اور موت دینے پر قادر و غالب ہے اور اس کے سوا ان دونوں پر کوئی قادر نہیں ہے ﴿ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے (یعنی) اور تم اسی کے پاس حساب و کتاب اور جزاء و سزا کے لیے لوٹ کر جاؤ گے' سو اسی سے ڈرنا چاہیے اور اسی سے امید رکھنی چاہیے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ۬ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ﴿٥٨﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ

حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ
يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾

اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت اور دلوں کی بیماری کے لیے شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت ورحمت آ چکی ہے O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر پس اسی پر انہیں خوش ہونا چاہیے' یہ اس سب سے بہتر ہے جو کچھ وہ جمع کر رہے ہیں O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اللہ نے تمہیں جو کچھ رزق دیا ہے' پھر تم نے اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال ٹھہرا لیا ہے' (اے محبوب!) فرمائیے کہ کیا تمہیں اللہ نے اس کی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر بہتان لگاتے ہو O اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا قیامت کے دن کے متعلق کیا گمان ہے' بے شک اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے O

قرآنِ مجید کی فضیلت وشانِ اولیائے کرام اور کفار کی مذمت

۵۷- ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے ایک نصیحت آ چکی ہے یعنی بے شک تمہارے پاس ایسی کتاب (قرآن مجید) آ چکی ہے جو تمام فوائد کی جامع ہے' اس میں وعظ ونصیحت ہے اور توحید پر تنبیہ ہے اور نصیحت وہ ہوتی ہے جو ہر مرغوب و پسندیدہ عمل کی طرف دعوت دے اور ہر قابل نفرت اور ناپسندیدہ عمل سے روکے کیونکہ امر کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ مامور بہ (جس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا) حسن وعمدہ ہو' پس وہ مرغوب و پسندیدہ ہی ہو سکتا ہے اور نیز وہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کی ضد سے روکا جائے اور وہ قبیح و بُرا عمل ہے اور نہی میں اسی بنیاد پر روکا جاتا ہے (کہ منہی عنہ یعنی جس سے روکا جاتا ہے وہ قبیح و بُرا عمل ہوتا ہے) ﴿ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ﴾ اور قلبی بیماریوں کے لیے شفاء ہے یعنی تمہارے دلوں کو فاسد و بدعقائد سے بچانے کے لیے شفاء ہے ﴿ وَهُدًى ﴾ اور گمراہی سے بچانے کے لیے ہدایت ہے ﴿ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور اہل ایمان کے لیے رحمت ہے (یعنی) تم میں سے جو ایمان لایا اس کے لیے رحمت ہے۔

۵۸- ﴿ قُلْ ﴾ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) فرما دیجئے کہ ﴿ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت کے ملنے پر' سو اسی پر انہیں خوش ہونا چاہیے۔ [اصل کلام: "بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَلْيَفْرَحُوْا بِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا" ہے] اور تکرار فعل محض تاکید وتقریر کے لیے اور صرف اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کے ملنے پر خوشی منانے کے وجوب کے لیے ہے' ان کے علاوہ دنیاوی فوائد ومنافع کے ملنے پر فرحت وخوشی کا اظہار کرنا اور اس کا جشن منانا واجب نہیں [اور دو فعلوں میں سے ایک فعل کو اس لیے حذف کر دیا گیا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں مذکور فعل اس پر دلالت کر رہا ہے اور حرف "فا" اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ یہ شرط کے معنی پر مشتمل ہے] گویا کہا گیا ہے کہ اگر لوگ کسی چیز پر خوش ہونا چاہتے ہیں تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی رحمت کے ملنے پر خوش ہوا کریں[1]

[1] یاد رکھئے کہ حضور سرورِ کائنات' فخرِ موجودات' باعثِ تخلیقاتِ علیہ الصلوٰۃ والتحیات اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم بھی ہیں' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یا یہ معنی ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت کے ملنے پر خوب اہتمام کریں اور اس پر خوشی کا اظہار کریں اور ان دونوں سے کتاب اللہ (یعنی قرآن مجید) اور دینِ اسلام مراد ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو اسلام کی ہدایت عطا فرمادی اور اس کو قرآن مجید کا علم سکھا دیا' پھر اس نے فقر و فاقہ اور غربت کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ اس شخص کی دونوں آنکھوں کے درمیان قیامت تک فقر و فاقہ اور غربت لکھ دے گا۔[1]

اور پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی ﴿هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ یہ اس سب سے بہتر ہے جو وہ لوگ جمع کر رہے ہیں [اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "یَجْمَعُوْنَ" کی بجائے "تا" کے ساتھ "تَجْمَعُوْنَ" ہے اور قاری یعقوب کی قراءت میں "تا" کے ساتھ "فَلْتَفْرَحُوْا" ہے]۔

۵۹۔ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیا تم مجھے خبر دو گے کہ ﴿مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو رزق نازل فرمایا ہے [حرف "مَا" منصوب ہے "اَنْزَلَ" کی وجہ سے یا "اَرَءَيْتُمْ" کی وجہ سے منصوب ہے یعنی تم مجھے اس کی خبر دو] ﴿فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا﴾ پھر تم نے اس میں سے کچھ کو حرام اور کچھ کو حلال قرار دے دیا کہ تم نے اس کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا اور تم نے کہا: یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے جیسا کہ ارشاد ہے: "مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ" (الانعام: ۱۳۹) "ان مویشیوں کے پیٹوں میں جو کچھ ہے وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ (مردہ) پیدا ہو گا تو اس میں سب شریک ہوں گے"۔ بے شک تمام رزق زمین سے پیدا ہوتے ہیں لیکن جب ان کے اسباب آسمان سے متعلق ہیں مثلاً بارش ہوتی ہے تو اس کے سبب زمین سے کھیتی اُگتی ہے اور سورج کی روشنی سے پھل اور اناج وغیرہ پک کر تیار ہوتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○ (الجمعہ: ۴)

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے اسے اپنا فضل عطا فرما دیتا ہے' اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○

اور آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (الانبیاء: ۱۰۷)

اور ہم نے صرف آپ کو تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے ○

لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت پر خوشی کا اظہار کرنا اور شرعی حدود کے اندر رہ کر جشن عید میلاد النبی ﷺ منانا' صدقات و خیرات کرنا اور روزہ رکھنا اور ولادت و سیرت پر تقریریں کرنا' نعتیں پڑھنا عین اسلام کے مطابق ہے اور اس آیت مبارکہ میں فضل و رحمت سے قرآن مجید اور اسلام مراد لینا بھی صحیح ہے کہ اس سے پہلے قرآن مجید کے چند فضائل کا تذکرہ کیا گیا ہے' لیکن عموم الفاظ کے اعتبار سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد لینا بھی صحیح ہے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کا فضل بھی ہیں اور رحمت بھی ہیں' چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کیا گیا ہے کہ فضل اور رحمت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو رحمت کے ساتھ موصوف کیا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: "وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" "اور ہم نے صرف آپ کو تمام جہانوں کے لیے پیکرِ رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

(تفسیر روح المعانی جز ۱۱ ص ۱۴۱' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

[1] رواہ ابو القاسم بن بشران فی امالیہ: (الدر المنثور ج ۴ ص ۳۶۸)

ہیں تو اس لیے رزق کے نزول کی نسبت آسمان کی طرف کی گئی ﴿ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ ﴾ [یہ ''اَرَءَ یْتُمْ'' کے ساتھ متعلق ہے اور ''قُلْ'' صرف تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے] اور معنی یہ ہے کہ تم مجھے بتاؤ کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حلال و حرام کرنے کی اجازت دے دی ہے تو تم اس لیے یہ کام اس کی اجازت سے کرتے ہو ﴿ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴾ یا تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو کہ حلت و حرمت کی نسبت اس کی طرف کر دیتے ہو [یا پھر ہمزہ انکار کے لیے ہے اور ''اَمْ'' منقطعہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے: بلکہ کیا تم لوگ اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتے ہو؟ یہ افتراء و بہتان کی تاکید کے لیے ہے] اور اس آیت مبارکہ میں احکام کے متعلق سوال کرنے کی بجائے اپنی طرف سے انہیں جائز قرار دینے کے بارے میں سخت ڈانٹ ڈپٹ اور شدید دھمکی دی گئی ہے اور یہ آیت مبارکہ مسائل و احکام میں احتیاط کو واجب قرار دینے کا باعث ہے اور یہ کہ کوئی شخص اپنی طرف سے یوں نہ کہا کرے کہ یہ جائز ہے اور یہ ناجائز ہے جب تک اسے کامل یقین اور مستند علم سے حاصل نہ ہو جائے ورنہ وہ شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء و بہتان تراشنے والا ہوگا۔

۶۰۔ ﴿ وَمَا ظَنُّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کو منسوب کرتے ہیں ان کا قیامت کے دن کے متعلق کیا خیال ہے [اور ''یَوْمَ الْقِیٰمَةِ'' مفعول فیہ ہونے کی بناء پر ''ظَنُّ'' کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ ظن و گمان اسی کے بارے میں واقع ہے] یعنی کون سی ایسی چیز ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا الزام لگانے والوں کو قیامت کے دن کے متعلق گمان میں ڈال دیا ہے کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے گا حالانکہ وہ بدلے کا دن ہے جس میں نیکی کرنے والوں کو ثواب عنایت کیا جائے گا اور بُرائی کرنے والوں کو سخت سزا دی جائے گی اور یہ بہت بڑی دھمکی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اس دن کے معاملے کو مبہم رکھا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل و کرم فرمانے والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل جیسی نعمت عطا فرمائی اور پیغمبروں کے ذریعے پیغام رسانی اور حلال و حرام کی تعلیم دے کر ان پر بے حد مہربانی فرمائی ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴾ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ اس نعمت پر شکر ادا نہیں کرتے اور شریعت کی جن تعلیمات کی طرف ان کی رہ نمائی کی گئی ہے ان کی پیروی نہیں کرتے۔

وَمَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَیْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ ؕ وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَلَاۤ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرَ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۱﴾ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۴﴾

اور آپ کسی حال میں نہیں ہوتے اور نہ آپ اس کی طرف سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور (اے لوگو!) نہ تم

کوئی عمل کرتے ہو مگر ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب تم اس میں مشغول ہوتے ہو اور آپ کے رب سے ذرّہ برابر بھی کوئی چیز نہ زمین میں پوشیدہ رہتی ہے اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی چیز اور نہ بڑی چیز مگر وہ روشن کتاب میں موجود ہے ○ خبردار! بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے ○ انہیں کے لیے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں خوشخبری ہے، اللہ کے فرمودات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، یہ بہت بڑی کامیابی ہے ○

٦١- ﴿وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ﴾ اور آپ کسی عمل میں مشغول نہیں ہوتے اور نہ آپ اس کی طرف سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں (مگر ہم آپ پر نگہبان و گواہ ہوتے ہیں) [اس میں حرف ''مَا'' نافیہ ہے اور یہ خطاب حضور نبی ﷺ کو ہے اور ''شان'' بہ معنی امر (یعنی کوئی کام یا عمل) ہے اور ''مِنْهُ'' میں ضمیر ''تنزیل'' کی طرف راجع ہے، گویا فرمایا گیا ہے: ''وَمَا تَتْلُوْ مِنَ التَّنْزِيْلِ مِنْ قُرْاٰن'' کیونکہ کتاب اللہ کا ہر جز قرآن ہے اور اضمار قبل الذکر کتاب اللہ کی تفخیم و تعظیم کے لیے ہے یا پھر ''مِنْهُ'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے] (یعنی اے محبوب!) اور آپ کسی عمل میں مشغول نہیں ہوتے اور نہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں (مگر ہم آپ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں اور ہم آپ پر گواہ ہوتے ہیں) ﴿وَلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ﴾ اور تم سب کے سب جن و انس کوئی عمل نہیں کرتے ﴿اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا﴾ مگر ہم تم پر گواہ اور نگہبان ہوتے ہیں، ہم تمہاری ہر طرح نگرانی کرتے ہیں ﴿اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ﴾ جب تم اس (عمل) میں مصروف ہوتے ہو [یہ ''اَفَاضَ فِي الْاَمْرِ'' سے ہے، جب کوئی شخص کسی کام میں مشغول ہو جاتا ہے] ﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ﴾ اور آپ کے رب تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز ذرّہ برابر بھی پوشیدہ اور دور نہیں ہے، یہاں تک کہ چھوٹی سے چھوٹی چیونٹی کے برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ [قاری علی کسائی کی قراءت میں زا کے نیچے کسرہ (زیر) کے ساتھ (وَمَا يَعْزِبُ) ہے] ﴿فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے کوئی چھوٹی چیز اور نہ بڑی مگر وہ ایک روشن کتاب یعنی لوحِ محفوظ میں موجود و مکتوب ہے۔ [قاری حمزہ کی قراءت میں ''وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ'' (را پر پیش کے ساتھ) مبتدا اور خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہیں جب کہ اس کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں لام نفی جنس کی وجہ سے دونوں منصوب (را پر زبر) ہیں اور یہاں آسمان سے پہلے زمین کو مقدم کیا گیا ہے اور سورۂ سبا میں زمین سے پہلے آسمان کو مقدم کیا گیا ہے کیونکہ واوَ عطف کے لیے ہے اور اس کا حکم تثنیہ کے حکم کی طرح ہے]

٦٢- ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ﴾ خبردار! بے شک اللہ تعالیٰ کے ولی (۱) وہ حضرات ہوتے ہیں جو عبادت و ریاضت اور اطاعت و فرماں برداری کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا روحانی قرب حاصل کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں عزت و کرامت عطا فرما کر ان کو اپنا دوست و محبوب بنا لیتا ہے (۲) یا وہ حضرات ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے برہانِ حق عطا فرما دی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت کا خود متولی و منتظم ہو جاتا ہے (اس لیے تو شیطان نے اعتراف کر لیا تھا کہ ''اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ'' الحجر: ۴۰) اور وہ حضرات اللہ تعالیٰ کے حقوق و فرائض کو قائم رکھنے اور اس کی مخلوق پر رحمت و شفقت کرنے کے لیے کمربستہ ہو جاتے ہیں (اور وہ خالق و مخلوق کے حقوق کی خوب نگرانی کرتے ہیں) (۳) یا وہ حضرات ہوتے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کے ساتھ باہمی محبت و دوستی کرتے ہیں، نہ ان میں ایک دوسرے سے رشتہ داریاں ہوتی ہیں اور نہ مالی اور دنیاوی فوائد ان کے پیشِ نظر ہوتے ہیں (۴) یا وہ مؤمن

حضرات ہوتے ہیں جو تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کر لیتے ہیں جس کی دلیل (ذیل میں آنے والی) دوسری آیت مبارکہ ہے ﴿لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ نہ ان پر کوئی خوف و ڈر ہوگا جبکہ دوسرے لوگ خوف زدہ ہوں گے ﴿وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ اور نہ وہ غمگین ہوں گے' جبکہ دوسرے لوگ غم زدہ اور پریشان ہوں گے۔

٦٣۔ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ وہ لوگ جو ایمان دار ہیں۔[یہ ''اَعْنِیْ'' فعل پوشیدہ کی وجہ سے منصوب ہے یا اس لیے کہ یہ ''اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ'' کی صفت ہے یا پھر یہ مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے' یعنی ''هُمُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا''] ﴿وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ (اولیائے کرام) وہی لوگ ہیں جو ایمان دار ہوں اور وہ پرہیز گار ہوں کہ وہ کفر و شرک اور دیگر گناہوں سے بچتے رہتے ہوں۔

٦٤۔ ﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ انہیں کے لیے خوشخبری ہے' دنیا کی زندگی میں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں کئی مقامات پر پرہیز گار مؤمنین کو خوشخبری سنائی ہے۔[1]

حضور نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا کہ دنیا میں بشارت سے مراد وہ نیک خواب ہیں جن کو نیک مسلمان دیکھتا ہے یا اس کو دکھائے جاتے ہیں۔[2]

اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے کہ سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا اور بشارتیں باقی ہیں اور نیک خواب نبوت کے اجزاء میں سے چھیالیسواں حصہ ہے۔[3]

اور یہ اس لیے کہ وحی کے نزول کی مدت تئیس (٢٣) سال ہے جس میں سے چھ ماہ آپ کو خواب میں لوگوں کو ڈرانے کا حکم دیا جاتا رہا اور تئیس سال میں سے چھ ماہ اس کا چھیالیسواں حصہ بنتا ہے یا دنیا میں اولیائے کرام کے لیے بشارت و

---

[1] چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا○ (الاحزاب:٤٧)

اور اے محبوب! مؤمنوں کو خوشخبری سنا دیجئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے بہت بڑا فضل ہے○

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ○ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ. (الشوریٰ:٢٢۔٢٣)

اور جو لوگ ایمان لائے او انہوں نے نیک عمل کیے وہ بہشتوں کے باغات میں ہوں گے' انہیں ان کے پاس جو وہ چاہیں گے ملے گا' یہی بہت بڑا فضل ہے○ یہ وہ انعام ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو سناتا ہے جو ایمان دار ہیں اور نیکوکار ہیں۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ. (البقرہ:٢٥)

اور اے محبوب! آپ ان لوگوں کو خوشخبری سنا دیں جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے کہ بے شک انہیں کے لیے بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔

[2] رواہ البخاری فی کتاب بدء الوحی باب:٣' کتاب تفسیر سورت:٩٦ باب:١' مسلم فی کتاب الصلوٰۃ رقم الحدیث:٢٠٧۔٢٠٨' ابوداؤد فی کتاب الصلوٰۃ باب:١٤٨' الترمذی فی کتاب الرؤیا باب:٢۔٣' النسائی فی کتاب التطبیق باب:٨' الدارمی فی کتاب الصلوٰۃ باب:٧٧

[3] رواہ البخاری فی کتاب التعبیر باب:٣۔٤۔١٠۔٢٦' مسلم فی کتاب الرؤیا حدیث:٦۔٧۔٨۔٩' ابوداؤد فی کتاب الادب باب:٨٨' الترمذی فی کتاب الرؤیا باب:١۔٢۔٦' ابن ماجہ فی کتاب الرؤیا باب:١۔٣۔٦۔٩' الدارمی فی کتاب الرؤیا باب:٢' المؤطا فی کتاب الرؤیا حدیث:١۔٣' احمد فی مسندہ ج ٢ ص ١٨۔٥٠۔٢١٩' ج ٤ ص ١٠۔١١۔

خوشخبری یہ ہے کہ لوگ ان سے محبت و پیار کریں گے اور حسنِ عقیدت رکھیں گے اور ان کا ذکر خیر و حسنِ تعریف اور ذکر جمیل کریں گے یا یہ کہ انہیں جاں کنی (موت) کے وقت بشارت و خوشخبری دی جائے گی کہ انہیں جنت میں ان کا ٹھکانا دکھایا جائے گا۔[1] ﴿وَفِی الْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت میں ان کو جنت کی خوشخبری سنائی جائے گی[2] ﴿لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے کلمات تبدیل نہیں ہوتے اور اس کے ارشادات و فرمودات میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور اس کے وعدوں کے خلاف ہرگز نہیں ہوگا ﴿ذٰلِكَ﴾ انہیں دنیا و آخرت کی جو خوشخبریاں دی گئی ہیں ["ذَالِكَ" سے اسی کی طرف اشارہ ہے] ﴿هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ وہی بہت بڑی کامیابی ہے [اور یہ دونوں جملے معترضہ ہیں اور جملہ معترضہ کے بعد کلام کا واقع ہونا لازم نہیں ہوتا (جیسا کہ) تم کہتے ہو: فلاں آدمی حق و سچ بولتا ہے اور حق زیادہ واضح اور روشن ہوتا ہے اور (یہ کہہ کر) تم خاموش ہو جاتے ہو]۔

وَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ؕ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿٦٥﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ ؕ وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾

اور ان کی باتیں آپ کو غم میں نہ ڈالیں' بے شک تمام عزت اللہ کے لیے ہے' وہ سب کچھ سننے والا' خوب جاننے والا

[1] جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ (حٰمٓ السجدۃ: ٣٠)

بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے' پھر وہ اس پر قائم رہے تو (موت کے وقت) ان پر فرشتے اترتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ تم (موت سے) نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور تمہیں اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ○

[2] چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ (الحدید: ١٢)

جس دن آپ مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان (کے ایمان و اطاعت) کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب (جنت کی طرف رہنمائی کرتا ہوا) دوڑتا ہوا جا رہا ہے (اور ان سے فرمایا جائے گا کہ) آج تمہیں ان جنتوں کی بشارت ہو جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں تم ان میں ہمیشہ رہو گے' یہی بہت بڑی کامیابی ہے ○

ہےO خبردار! بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں وہ حقیقت میں شریکوں کی پیروی نہیں کرتے' وہ پیروی نہیں کرتے مگر محض گمان کی' وہ لوگ صرف خیالی اندازے لگاتے ہیںO وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات کو بنایا تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو روشن کرنے والا بنایا' بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں جو خیر خواہی سے سنتے ہیںO انہوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے اس کی ذات پاک ہے' وہ بے نیاز ہے' اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اس پر تمہارے پاس کوئی سند نہیں ہے' کیا تم اللہ کے متعلق ایسی بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتےO

۶۵- ﴿وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ﴾ اور آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں (یعنی) آپ ان کے جھٹلانے اور ڈرانے دھمکانے پر پریشان نہ ہوں اور کفار آپ کو شہید کرنے کے متعلق اور آپ کے دینِ حق کو مٹانے کے بارے میں جو باہمی مشورے سے منصوبے بناتے ہیں آپ ان پر غم نہ کریں ﴿إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا﴾ بے شک عزت و غلبہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔[یہ جملہ مستأنفہ (مستقل الگ جملہ) ہے' علت و سبب بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے] گویا (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے) عرض کیا گیا کہ میں غم کیوں نہ کروں تو جواب میں فرمایا گیا ہے کہ ''إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا'' بے شک غلبہ و قہر سب اللہ تعالیٰ کے ملک میں ہیں' ان دونوں میں سے کسی کا کوئی مالک نہیں' نہ یہ کفار مالک ہیں اور نہ ان کے علاوہ کوئی اور مالک ہے بلکہ ان سب پر اللہ تعالیٰ ہی غالب ہے اور وہی ان کے خلاف آپ کی مدد کرے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِيْ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌO'' (المجادلہ:۲۱) ''اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ بے شک میں ضرور غالب آؤں گا اور میرے رسول' بے شک اللہ بڑی قوت والا' بہت غالب ہے''۔ نیز فرمایا: ''إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْأَشْهَادُO'' (المؤمن:۵۱) ''بے شک ہم اپنے رسولوں کی ضرور مدد کریں گے اور ان لوگوں کی جو ایمان پر قائم رہیں گے' دنیا کی زندگی میں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے''۔ یا یہ معنی ہے کہ ہر عزت والا اسی (اللہ تعالیٰ) کی وجہ سے عزت حاصل کرتا ہے اور اسی کی وجہ سے معزز و غالب ہوتا ہے' سو وہی آپ کو اور آپ کے دین کو اور آپ کے ماننے والوں کو عزت و غلبہ نصیب فرمائے گا [اور ''وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ'' پر وقف کرنا واجب و لازم ہے تاکہ ''إِنَّ الْعِزَّةَ'' کفار کا مقولہ نہ ہو جائے اور ''جَمِيعًا'' حال واقع ہو رہا ہے] ﴿هُوَ السَّمِيعُ﴾ وہ ان کی تمام باتیں خوب سننے والا ہے جو کچھ وہ لوگ (آپ کے بارے میں) کہتے رہتے ہیں ﴿الْعَلِيمُ﴾ وہ آپ کے متعلق ان کی تدبیروں اور ان کے تمام عزائم کو خوب جاننے والا ہے اور وہی ان کی کارروائیوں پر ان سے بدلا لے گا۔

۶۶- ﴿أَلَا إِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ﴾ خبردار! بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی اہل عقول حضرات اور وہ فرشتے اور جن وانس مراد ہیں اور ان کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے تاکہ یہ بتایا جائے کہ جب یہ عقل مند ہستیاں اللہ تعالیٰ کی مملوک ہیں اور اس کی سلطنت میں رعایا ہیں اور ان میں سے کوئی بھی رب ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور نہ ان میں سے اس کا کوئی شریک ہو سکتا ہے تو ان کے علاوہ دوسری بے عقل اشیاء بہ طریق اولیٰ اس کی شریک نہیں ہو سکتیں ﴿وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ﴾ اور جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں' وہ اپنے شریکوں کی اتباع نہیں کرتے [اس میں ''مَا'' نافیہ ہے] یعنی وہ لوگ حقیقت میں شریکوں کی پیروی نہیں کرتے اگرچہ وہ لوگ انہیں معبود سمجھ کر اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے اور ان کا نام شرکاء رکھا ہوا تھا کیونکہ ربوبیت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکت ناممکن اور محال ہے ﴿إِنْ يَتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ﴾ وہ تو صرف اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ ان

کے گمان میں یہ بت اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں ﴿وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ﴾ اور وہ تو صرف اپنی عقل سے تکے لگاتے ہیں اور باطل اندازوں سے ان کو خدا کا شریک خیال کرتے ہیں [یا پھر حرف ''ما'' نافیہ کی بجائے استفہامیہ (سوالیہ) ہے یعنی وہ کس چیز کی پیروی کرتے ہیں؟ اور اس بناء پر ''شُرَکَآءَ''، ''یَدْعُوْنَ'' کی وجہ سے منصوب ہوگا اور پہلی صورت میں ''یَتَّبِعُ'' کی وجہ سے منصوب ہوگا اور اس کا حق ''وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَکَآءَ شُرَکَآءَ'' ہے لیکن ان میں سے ایک ''شُرَکَآءَ'' پر اس لیے اکتفاء کیا گیا ہے کہ مذکور اس پر دلالت کرتا ہے اور ''شُرَکَآءَ''، ''یَدْعُوْنَ'' کا مفعول ہے یا لفظ ''مَا'' موصول ہے اور ''مَنْ'' پر معطوف ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں' جن کی کفار پیروی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت و پرستش میں لگے رہتے ہیں اور ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتِ عامہ اور اپنی عظیم ترین قدرت وطاقت پر اپنے بندوں کو تنبیہ کرتے ہوئے (درج ذیل) ارشاد فرمایا:

۶۷- ﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ﴾ وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات کو بنایا تاکہ تم اس میں راحت وسکون حاصل کرو یعنی اللہ تعالیٰ نے رات کو تمہارے لیے تاریک بنایا تاکہ تم دن بھر کے کاروبار اور چلنے پھرنے کی تھکاوٹ و مشقت کی وجہ سے اس میں آرام وسکون حاصل کرو ﴿وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا﴾ اور اس نے دن کو روشن کرنے والا اور دکھانے والا بنایا تاکہ تم اپنے رزق و معاش کے مقاصد و مکاسب حاصل کرنے کے لیے اس میں دیکھ بھال کر سکو ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ﴾ بے شک اس میں اس قوم کے لیے (قدرتِ الٰہی کی زبردست) نشانیاں موجود ہیں' جو عبرت ونصیحت حاصل کرنے کے جذبے سے غور وفکر کے ساتھ سنتی ہے۔

۶۸- ﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ﴾ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیٹا بنالیا ہے' وہ تو اس سے پاک ہے۔[''سُبْحَانَهٗ'' میں اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا بنانے کے عیب سے براءت بیان کی گئی ہے کہ وہ اس عیب سے پاک ہے] اور کفار کے اس احمقانہ کلمہ کہنے پر تعجب وحیرت کا اظہار کیا گیا ہے ﴿هُوَ الْغَنِیُّ﴾ وہ (سب سے) بے نیاز و بے پرواہ ہے۔ اس سے بیٹے کی علت بیان کی گئی ہے کیونکہ اولاد یا کمزور طلب کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعے تقویت حاصل کرے یا فقیر و محتاج طلب کرتا ہے تاکہ اس سے مدد حاصل کرے یا ادنیٰ وکم ترین طلب کرتا ہے تاکہ اس کے سبب عزت وشرف اور وقار حاصل کرے اور یہ تمام حاجت و ضرورت کی علامت ہیں' سو جو سب سے بے نیاز و بے پرواہ ہے اور کسی کا محتاج نہیں ہے اس سے اولاد کی نفی واجب ولازم اور ضروری ہے' اس لیے کہ اولاد والد کا حصہ ہوتی ہے تو اس سے اس کا مرکب ہونا لازم آتا ہے اور ہر مرکب ممکن ہوتا ہے اور ہر ممکن اپنے وجود میں غیر کا (یعنی مُوجد کا) محتاج ہوتا ہے اور وہ حادث ہوتا ہے (جب کہ اللہ تعالیٰ قدیم اور واجب ہے) سو قدیم کے لیے اولاد کا ہونا ناممکن ومحال ہے ﴿لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کے ملک میں ہے اور بنوت (بیٹا ہونا) اس کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی ﴿اِنْ عِنْدَکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا﴾ تمہارے اس قول پر تمہارے پاس کوئی حجت ودلیل نہیں ہے [اور حرف ''بـا'' کا حق یہ ہے کہ وہ ''اِنْ عِنْدَکُمْ'' کے متعلق ہو' اس بناء پر کہ قول ''سلطان'' کے لیے مکان ہو اور جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''مَا عِنْدَکُمْ بِاَرْضِکُمْ مَوْزٌ'' کہ تمہاری سرزمین پر کیلے بالکل نہیں ہوتے] تو گویا فرمایا گیا ہے کہ تم جو کچھ کہتے ہو اس میں تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور جب ان سے دلیل وبرہان کی نفی کر دی گئی تو انہیں بے علم و جاہل قرار دے دیا گیا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ کیا تم لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ (۶۹) مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ (۷۰) وَ اتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكُمْ مَّقَامِیْ وَ تَذْكِیْرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَیْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَیَّ وَ لَا تُنْظِرُوْنِ (۷۱)

(اے محبوب!) فرما دیجئے: بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گےO دنیا میں (عارضی) فائدہ ہے' پھر انہیں ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے' پھر وہ جو کفر کرتے تھے اس کے عوض ہم انہیں سخت ترین عذاب کا مزہ چکھائیں گےO اور آپ انہیں نوح کی خبر پڑھ کر سنائیے' جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! اگر میرا قیام کرنا اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ نصیحت کرنا تم پر گراں گزرتا ہے تو میں نے اللہ پر بھروسا کیا ہوا ہے' سو تم سب اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر میرے خلاف اپنا منصوبہ پختہ کرلو' پھر تمہارا منصوبہ تم پر پوشیدہ نہ رہے' پھر تم میرے خلاف جو کرنا چاہتے ہو کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دوO

۶۹- ﴿قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کر کے اس پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں اور اس پر بہتان تراشی کرتے ہیں ﴿لَا یُفْلِحُوْنَ﴾ وہ جہنم کی آگ سے کبھی نجات حاصل نہیں کرسکیں گے اور نہ وہ جنت حاصل کرنے میں کبھی کامیاب ہوں گے۔

۷۰- ﴿مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا﴾ دنیا میں عارضی فائدہ ہے یعنی ان کے اس افتراء و بہتان تراشی کا فائدہ دنیا میں بہت تھوڑا ہے کیونکہ اس کے ذریعے کفر میں ان کی ریاست و قیادت اور اس کی مدد سے حضور نبی کریم ﷺ کی عداوت و دشمنی کچھ عرصہ قائم رہے گی (پھر سب کچھ ختم) ﴿ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ﴾ پھر انہیں ہماری طرف لوٹ کر ضرور آنا ہے پھر ہم ان کو سخت ترین دائمی عذاب چکھائیں گے ﴿بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ﴾ اس لیے کہ وہ کفر و شرک کرتے تھے' یعنی ان کے کفر کے سبب (دائمی عذاب ملے گا)۔

حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام کی تبلیغ پر ان کی قوموں کی سرکشی اور ان کا انجام

۷۱- ﴿وَ اتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ﴾ اور اے محبوب! آپ انہیں (یعنی کفارِ مکہ کو) حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان کی قوم سمیت قصہ پڑھ کر سنائیے [اور اس پر وقف کرنا لازم ہے کیونکہ اگر ملا کر پڑھا جائے گا تو "اِذْ" "وَاتْلُ" کا ظرف بن جائے گا حالانکہ تقدیر عبارت یہ ہے: "وَاذْكُرْ"] ﴿اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكُمْ﴾ اور اے محبوب! وہ وقت یاد کیجئے جب حضرت نوح نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! اگر تم پر دشوار اور سخت بھاری ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ" (البقرہ:۴۵) "اور بے شک یہ نماز بہت گراں اور سخت بھاری ہے' مگر عاجزی اختیار کرنے والوں پر نہیں"۔ ﴿مَّقَامِیْ﴾ میرا ٹھہرنا اور رہائش رکھنا یعنی میرا وجود اور میری ذات کیونکہ یہاں حضرت نوح کی

ذات مراد ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ'' (الرحمٰن:۴۶) ''اَیْ خَافَ رَبَّهٗ'' (الرحمٰن:۴۶) یعنی'' اور اس شخص کے لیے دو جنتیں ہوں گی جو اپنے رب سے ڈر گیا''۔ یا یہ معنی ہے کہ تمہارے درمیان میرا ساڑھے نو سو سال ٹھہرنا اور قیام کرنا یا میرا کھڑا ہونا ﴿وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اور میرا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ تمہیں نصیحت کرنا' کیونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جب مجمع عام کو وعظ و نصیحت اور تبلیغ فرمانے لگتے تو کھڑے ہو کر ان کو وعظ سناتے تا کہ ان کا مقام و مرتبہ واضح ہو جائے اور ان کا کلام غور سے سنا جائے ﴿فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ﴾ سو میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیا ہوا ہے یعنی پس میں نے اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر دیا ہے ﴿فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ﴾ پس تم اپنا معاملہ پختہ کرلو [یہ ''اَجْمَعَ الْاَمْرَ'' سے ماخوذ ہے] یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کام کی پکی نیت کر لے اور اس کا پختہ عزم کر لے ﴿وَشُرَكَآءَكُمْ﴾ [واؤ بہ معنی ''مع'' ہے] یعنی تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر اپنا معاملہ پختہ کرلو ﴿ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً﴾ پھر تمہارا معاملہ (یعنی میرے قتل کرنے کا منصوبہ) تم پر باعثِ غم و رنج نہ بن جائے [اور ''غم'' اور ''غمة'' ''کرب'' اور ''کربة'' کی طرح ہے یا یہ کہ تمہارا منصوبہ تم پر پوشیدہ نہ رہ جائے اور ''غُمَّةً'' بہ معنی ''سُتْرَةً'' ہے یعنی پوشیدہ' یہ ''غَمٌّ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص چھپ چھپا کر سازش کرتا ہے اور اسی محاورے سے یہ حدیث ہے کہ ''لَا غُمَّةَ فِيْ فَرَائِضِ اللّٰهِ ''یعنی اللہ تعالیٰ کے فرائض میں کوئی اخفا اور پردہ نہیں ہوتا بلکہ انہیں علانیہ ادا کیا جاتا ہے] اور معنی یہ ہے کہ مجھے ہلاک کرنے کا تمہارا ارادہ تم سے پوشیدہ نہ ہو بلکہ کھلم کھلا اور علانیہ تم میرے خلاف میرا مقابلہ کرو ﴿ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَيَّ﴾ پھر تم اپنا وہ منصوبہ میرے خلاف پورا کرلو جو تم میرے خلاف سازش کرنا چاہتے ہو' یعنی میری ہلاکت کے بارے میں تمہارے پاس جو منصوبہ ہے تم اسے ادا کرلو جیسا کہ ایک آدمی اپنے دشمن کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے یا یہ کہ تم سے جو کچھ ہوسکتا ہے تم وہ کر گزرو ﴿وَلَا تُنْظِرُوْنِ﴾ اور تم مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

پھر اگر تم منہ پھیر لو گے تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگا' میری اجرت صرف اللہ کے ذمۂ کرم پر ہے' اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں (اللہ ہی کے) فرماں برداروں میں سے رہوں ○ پھر کافروں نے انہیں جھٹلا دیا تو ہم نے انہیں اور کشتی میں سوار ان کے ساتھیوں کو نجات دے دی اور ہم نے انہیں ان کا جانشین بنایا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو ہم نے غرق کر دیا' پس آپ دیکھیں کہ جن لوگوں کو ڈرایا گیا تھا ان کا انجام کیسا (بُرا) ہوا ○ پھر ہم نے نوح کے بعد کئی رسولوں کو

ان کی اپنی قوم کی طرف بھیجا' سو وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اس پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ تھے جس کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے' اسی طرح ہم حد سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں O

۷۲- ﴿ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ ﴾ پھر اگر تم نے میرے وعظ و نصیحت اور میری یاد دہانی سے منہ پھیر لیا ﴿ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِّنْ أَجْرٍ ﴾ تو میں نے تم سے کوئی اجرت نہیں مانگی کہ جس کی وجہ سے تم پر منہ پھیرنا واجب و لازم ہو گیا ہو یا یہ معنی ہے کہ میں نے تم سے کوئی اجرت نہیں مانگی کہ تمہارے منہ پھیر لینے سے میری وہ اجرت ختم ہو جاتی کیونکہ ﴿ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ ﴾ میری اجرت صرف اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر واجب ہے اور اجرت سے وہ ثواب مراد ہے جو اللہ تعالیٰ آخرت میں مجھے عطا فرمائے گا یعنی میں نے تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نصیحت کی ہے' دنیا کے اغراض میں سے کسی غرض کے لیے نہیں کی اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ دینی علم اور قرآن مجید کی تعلیم پر معاوضہ لینا منع ہے ﴿ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کے لیے سرِ تسلیم خم کرنے والوں میں سے رہوں [اور ''إِنْ أَجْرِيَ'' میں ''یَا'' مفتوح کے ساتھ نافع مدنی' ابن عامر شامی' ابو عمرو اور حفص کی قراءت میں ہے]۔

۷۳- ﴿ فَكَذَّبُوهُ ﴾ سو انہوں نے حضرت نوح کو جھٹلایا اور انہوں نے آپ کے جھٹلانے پر اصرار کیا اور آپ کی تکذیب پر اڑے رہے ﴿ فَنَجَّيْنَاهُ ﴾ تو ہم نے حضرت نوح کو غرق ہونے سے نجات دی ﴿ وَمَنْ مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلَائِفَ ﴾ اور ان کو (بھی ہم نے نجات دی) جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے اور ہم نے ان کو غرق کر کے ہلاک ہونے والوں کا جانشین بنا دیا ﴿ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ﴾ اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا' سو اے محبوب! آپ غور سے دیکھیں کہ جن لوگوں کو ڈرایا گیا تھا' ان کا انجام کیسا (بھیانک) ہوا۔ قوم نوح کے کافروں کو غرق ہونے کی جو سزا دی گئی تھی' آیتِ مبارکہ کے اس حصہ میں اس کے بڑے خطرناک ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور ان لوگوں (یعنی کفارِ مکہ) کو ڈرانا مقصود ہے جن کو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا تھا اور اس سے آپ کو تسلی دینا بھی مقصود ہے۔

۷۴- ﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ ﴾ پھر ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کئی رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا یعنی حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت ابراہیم' حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم الصلوٰۃ والسلام ﴿ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ﴾ پس یہ سارے انبیائے کرام ان کے پاس ایسے واضح اور مضبوط و مستحکم دلائل لے کر تشریف لائے تھے جو ان حضرات کے دعوائے نبوت کو ثابت کرنے والے تھے ﴿ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ﴾ سو وہ لوگ اس پر ایمان نہیں لائے تھے جس کو انہوں نے انبیاء کی آمد سے پہلے جھٹلا دیا تھا بلکہ وہ لوگ واضح دلائل آ جانے کے بعد بھی کفر پر ڈٹے رہے' مراد یہ ہے کہ وہ لوگ رسول کی آمد سے جاہل تھے' کچھ نہیں جانتے تھے اور حق کو جھٹلانے والے تھے لیکن رسولوں کی آمد کے بعد اور اس سے پہلے ان کی دونوں حالتوں میں کوئی فرق نہیں پڑا' گویا ان کے پاس کسی رسول کو نہیں بھیجا گیا ﴿ كَذَٰلِكَ ﴾ اس چھاپ اور اس مہر کی طرح ﴿ نَطْبَعُ عَلَى قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ﴾ ہم تکذیب میں حد سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَٰذَا لَسِحْرٌ

مُّبِیْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓی اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَکُمْ ؕ اَسِحْرٌ ھٰذَا ؕ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا وَتَکُوْنَ لَکُمَا الْکِبْرِیَآءُ فِی الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَکُمَا بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۸﴾

پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ اور ہارون کو اپنی آیتوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیج دیا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے ○ کیونکہ جب ان کے پاس حق آ گیا تو انہوں نے کہا: بے شک یہ تو ضرور کھلا جادو ہے ○ موسیٰ نے کہا کہ جب تمہارے پاس حق آ گیا ہے' تو کیا تم اس کے بارے میں یہ کہتے ہو کہ کیا یہ جادو ہے؟ اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتے ○ انہوں نے کہا کہ تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ تم ہمیں اس (دین) سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور زمین میں تم دونوں کی حکومت قائم ہو جائے' اور ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں ○

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت و آمد پر فرعونیوں کی سرکشی اور ان کا انجام

۷۵- ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی وَھٰرُوْنَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ بِاٰیٰتِنَا﴾ پھر ہم نے ان رسولوں کے بعد موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف اپنی آیات کے ساتھ بھیجا یعنی نو معجزات کے ساتھ بھیجا ﴿فَاسْتَکْبَرُوْا﴾ سو انہوں نے اس کے قبول کرنے سے تکبر کیا اور سب سے بڑا تکبر یہ ہے کہ بندے اپنے رب کے رسولوں کی رسالت و نبوت کو اس کے واضح ہو جانے کے بعد غیر اہم اور حقیر سی چیز تصور کریں اور اس کو قبول کرنے سے تکبر و غرور کریں ﴿وَکَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ﴾ اور وہ مجرم لوگ تھے (یعنی) کفار جو بہت بڑے گنہگار تھے اور اس لیے انہوں نے آیاتِ الٰہی سے تکبر کیا اور ان کو مسترد کرنے کی جرأت کی۔

۷۶- ﴿فَلَمَّا جَآءَھُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا﴾ سو جب ان کے پاس حق آن پہنچا اور انہوں نے پہچان لیا کہ یہ یقیناً حق ہے اور یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے ﴿قَالُوْٓا﴾ تو انہوں نے خواہشاتِ نفسانی کی محبت کی وجہ سے کہہ دیا کہ ﴿اِنَّ ھٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ بے شک یہ ضرور کھلم کھلا جادو ہے۔

۷۷- ﴿قَالَ مُوْسٰٓی اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَکُمْ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم لوگ حق کے بارے میں کہتے ہو (کہ یہ جادو ہے) جب یہ تمہارے پاس آ گیا [یہ استفہام انکاری ہے اور ان کا مقولہ محذوف ہے: "اَیْ ھٰذَا سِحْرٌ" یعنی یہ جادو ہے' پھر حضرت موسیٰ نے دوسرے استفہامِ انکاری کے لیے جملہ مستأنفہ بیان کیا] اور فرمایا کہ ﴿اَسِحْرٌ ھٰذَا﴾ کیا یہ جادو ہے؟ [یہ مبتدا و خبر ہیں] ﴿وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ﴾ اور جادوگر کبھی فلاں نہیں پاتے یعنی وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

۷۸- ﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا﴾ انہوں نے کہا کہ کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ ہمیں اس (دین) سے پھیر دیں جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے (یعنی) بتوں کی عبادت سے یا فرعون کی عبادت سے (آپ ہمیں روکنا چاہتے ہیں) ﴿وَتَکُوْنَ لَکُمَا الْکِبْرِیَآءُ﴾ اور بڑھائی و سرداری تمہارے لیے ہو جائے یعنی بادشاہی کیونکہ بادشاہ ہی عظمت و کبریائی اور سربلندی و بڑھائی کے ساتھ متصف ہوتے ہیں ﴿فِی الْاَرْضِ﴾ سرزمینِ مصر میں ﴿وَمَا نَحْنُ لَکُمَا بِمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور نہ ہی ہم اس کی تصدیق کرنے والے ہیں جس کو تم دونوں لے کر آئے ہو [حماد اور یحییٰ کی قراءت میں "وَیَکُوْنَ" ہے]۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُم بِهِ السِّحْرُ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٨١﴾ وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿٨٢﴾ فَمَا آمَنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّن قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ مِّن فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَن يَفْتِنَهُمْ ۚ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٨٣﴾

اور فرعون نے کہا کہ تم تمام علم والے ماہر جادوگروں کو میرے پاس لاؤO پھر جب جادوگر آ گئے تو موسیٰ نے ان سے فرمایا: تم ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہوO سو جب انہوں نے ڈال دیا تو موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم جو کچھ لے کر آئے ہو وہ جادو ہے' بے شک عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دے گا' بے شک اللہ فساد پھیلانے والوں کے عمل کو درست نہیں ہونے دیتاO اور اللہ اپنے فرامین کے ذریعے حق کو حق ثابت کر دیتا ہے اگرچہ جرم کرنے والے لوگ برا منائیںO سو موسیٰ پر ان کی قوم میں سے صرف چند آدمی ایمان لائے فرعون اور اس کے درباریوں کے اس ڈر کی وجہ سے کہ وہ لوگ ان کو تکلیف پہنچائیں گے' اور بے شک فرعون زمین پر سرکش ہو چکا تھا' اور بے شک وہ زیادتی کرنے والوں میں سے تھاO

۷۹- ﴿ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيمٍ ﴾ اور فرعون نے (اپنے درباریوں سے) کہا کہ تم ہر قسم کے بڑے علم والے جادوگر کو میرے پاس لے کر آؤ [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''سَحَّارٍ'' ہے]۔

۸۰- ﴿ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ﴾ پھر جب جادوگر آ گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم ڈالو جو تم ڈالنے والے ہو۔

۸۱- ﴿ فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُم بِهِ السِّحْرُ ﴾ سو جب انہوں نے (اپنی رسیاں اور لاٹھیاں) ڈال دیں تو حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ تم جو کچھ لے کر آئے ہو وہ جادو ہے۔ [اس میں ''مَا'' موصولہ مبتدا واقع ہو رہا ہے اور ''جِئْتُمْ بِهِ'' اس کا صلہ ہے اور ''اَلسِّحْرُ'' خبر ہے یعنی جو کچھ تم لے کر آئے ہو وہ جادو ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ معجزات میں سے وہ معجزہ جادو ہے جس کو فرعون اور اس کی قوم نے جادو قرار دے دیا ہے۔ قاری ابو عمرو کی قراءت میں وقف کے بعد استفہام کے ساتھ ''آالسِّحْرُ'' ہے' پس اس قراءت کی بناء پر حرف ''مَا'' استفہامیہ ہے یعنی تم کس چیز کو لائے ہو؟ کیا وہ جادو ہے؟] ﴿ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو عنقریب مٹا دے گا اور اس کا بطلان ظاہر فرما دے گا ﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ فسادیوں کے عمل کو درست نہیں ہونے دیتا (یعنی) اس کو ثابت وقائم نہیں رکھتا بلکہ اس کو تباہ و برباد کر دیتا اور اس کو ختم کر دیتا ہے۔

۸۲- ﴿ وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ حق کو حق ثابت کر دے گا' اپنے اوامر و فیصلہ جات سے یا اسلام کو نصرت و مدد کے ذریعے غالب فرما دے گا ﴿ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴾ اور اگرچہ مجرم لوگ برا منائیں اور اس کو ناپسند کریں۔

٨٣- ﴿ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓی اِلَّا ذُرِّیَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ ﴾ پھر فرعون اور اس کے درباریوں کے خوف کی وجہ سے حضرت موسیٰ پر ان کی قوم میں سے صرف چند نوجوان ایمان لائے تھے (یعنی) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ حق کے آغاز میں بنی اسرائیل کے نوجوانوں میں سے صرف ایک گروہ ایمان لایا تھا' گویا فرمایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ کی قوم کی اولاد میں سے کچھ اولاد ایمان لے آئی تھی اور وہ اس لیے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے بڑے لوگوں کو حق کی دعوت دی تو انہوں نے فرعون کے خوف سے آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا اور فرعون کے خوف کے باوجود ان بڑوں کی اولاد میں سے نوجوانوں کے ایک گروہ نے آپ کی دعوت قبول کر لی اور ایمان لے آئے [یا پھر "مِنْ قَوْمِهٖ" میں ضمیر "فرعون" کی طرف لوٹتی ہے اور "ذُرِّیَّةٌ" سے آلِ فرعون کا مؤمن اور فرعون کی بیوی حضرت آسیہ اور فرعون کے خازن اور اس کی بیوی اور فرعون کو کنگھی کرنے والی عورت مراد ہیں اور "وَمَلَا۟ئِهِمْ" میں ضمیر "فرعون" کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ فرعون بہ معنی آلِ فرعون ہے' جیسے ربیعہ اور مضر کہا جاتا ہے (حالانکہ اس سے ربیعہ اور مضر کی آل و اولاد مراد ہوتی ہے) یا اس لیے کہ فرعون اپنے ان ساتھیوں سمیت ضمیر کا مرجع ہے جو اس کو اہم معاملات میں مشورہ دیا کرتے تھے یا یہ ضمیر "ذُرِّیَّةٌ" کی طرف لوٹتی ہے] یعنی فرعون اور بنی اسرائیل کے اکابر کے خوف کے باوجود چند نوجوان حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے تھے کیونکہ بنی اسرائیل کے اکابر ان نوجوانوں کو ایمان لانے سے روکتے تھے' انہیں ان کے بارے میں اور اپنے بارے میں فرعون کا خوف طاری رہتا تھا' جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: ﴿ اَنْ یَّفْتِنَهُمْ ﴾ کہ فرعون ان کو کسی فتنہ میں ڈال دے گا' اس سے مراد یہ ہے کہ فرعون ان لوگوں کو بہت سخت سزا دے گا ﴿ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ ﴾ اور بے شک فرعون سرزمینِ مصر پر بہت غالب و جابر اور زبردست سرکش ہو چکا تھا ﴿ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴾ اور بے شک وہ ظلم و فساد میں اور تکبر و غرور اور سرکشی میں اور ربوبیّت کے دعویٰ کرنے میں حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا۔

وَقَالَ مُوْسٰی یٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَیْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَی اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۷﴾

اور موسیٰ نے فرمایا: اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر تم بھروسا کرو اگر تم فرماں بردار ہو ○ پس انہوں نے کہا: ہم نے اللہ ہی پر بھروسا کیا' اے ہمارے رب! ہمیں ظالم قوم کی آزمائش میں نہ ڈال ○ اور آپ اپنی رحمت سے ہمیں کافر قوم سے نجات عطا فرما ○ اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنی قوم کے لیے مصر میں مکانات تیار کراؤ اور تم اپنے (عبادت کے) گھروں کو قبلہ رخ بناؤ اور نماز قائم کرو اور مؤمنوں کو خوشخبری سنا دیجئے ○

٨٤- ﴿ وَقَالَ مُوْسٰی یٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ ﴾ اور حضرت موسیٰ نے فرمایا: اے میری قوم! اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو (یعنی اگر) تم اس کی اور اس کی آیتوں کی تصدیق کرتے ہو ﴿ فَعَلَیْهِ تَوَكَّلُوْۤا ﴾ تو تم اسی پر بھروسا کرو اور فرعون سے نجات پانے کے لیے تم اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دو اور اسی کی ذات پر اعتماد رکھو ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ ﴾ اگر تم مسلمان ہو' اللہ

تعالیٰ کی ذات پر توکل و بھروسا کرنے کے لیے اسلام کا ہونا شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے نفوس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں یعنی وہ اپنے آپ کو خالص اور سالم اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دیں جس میں شیطان کا کوئی حصہ اور عمل دخل نہ ہو کیونکہ توکل کسی غیر شرعی چیز کے ساتھ مخلوط نہیں ہو سکتا۔

۸۵۔﴿ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ﴾ سو انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسا کیا اور یہ بات انہوں نے اس لیے کہی تھی کہ یہ لوگ مخلص مسلمان تھے، خصوصاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا توکل قبول فرمالیا اور ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو نجات عطا فرمادی اور یہ لوگ جس سے ڈرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو ہلاک کر دیا اور اس کی سرزمین پر ان کو جانشین مقرر فرما دیا، پس جو شخص اپنے رب تعالیٰ پر صحیح اور خالص توکل کرنا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ غیر کی آمیزش کو چھوڑ کر اخلاص کو اپنانے کی کوشش کرے ﴿ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ظالموں کی قوم کے لیے آزمائش نہ بنا۔ دراصل "القوم الظالمین"، "فِتْنَةً لَّهُمْ" کی جگہ پر آیا ہے یعنی ان کو ہم پر مسلط نہ کر دے کہ وہ ہمیں عذاب میں مبتلا کر دیں یا وہ ہمیں ہمارے دین کے بارے میں کسی فتنہ میں ڈال دیں یعنی ہمیں گمراہ کر دیں اور راہِ حق سے گمراہ کرنے والے کو فاتن کہتے ہیں۔

۸۶۔﴿ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ اور تو ہمیں اپنی رحمت سے کافروں کی قوم سے نجات عطا فرما یعنی تو اپنی رحمت سے ہمیں ان کے غلام رہنے سے اور ان کے زیرِ حکم پابند رہنے سے نجات عطا فرما۔

۸۷۔﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا ﴾ اور ہم نے حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں مصر میں اپنی قوم کے لیے مکانات تعمیر کرو، جب کوئی شخص اپنے رہنے کے لیے مکان بنالیتا ہے تو "تَبَوَّاَ الْمَكَانَ" کہتے ہیں جیسے جب کوئی آدمی کسی جگہ کو اپنا وطن بنالے تو "تَوَطَّنَهُ" کہا جاتا ہے اور معنی یہ ہے کہ تم دونوں اپنی قوم کے رہائشی مکانات میں سے کچھ گھر ایسے تعمیر کرو کہ وہ عبادت کرنے اور نماز ادا کرنے کے لیے ان گھروں کی طرف لوٹ کر آیا جایا کریں ﴿ وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً ﴾ اور تم اپنے گھروں کو قبلہ رخ بناؤ یعنی تم اپنی مساجد کو قبلہ رُو بناؤ اور قبلہ سے خانہ کعبہ مراد ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے ساتھی کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے تھے اور دراصل شروع میں انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ کافروں سے چھپ کر اپنے گھروں میں نمازیں پڑھا کریں تاکہ کافروں پر ان کی عبادت ظاہر نہ ہو جائے ورنہ وہ لوگ ان کو تکلیف پہنچائیں گے اور وہ فتنہ برپا کر کے ان کو ان کے دین سے پھیر دیں گے جیسا کہ مکہ مکرمہ میں اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان بھی چھپ کر عبادات ادا کیا کرتے تھے ﴿ وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ اور تم اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو تاکہ تم امن و امان سے رہو ﴿ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور اے موسیٰ! آپ مؤمنوں کو خوشخبری سنا دیں [پہلے تثنیہ سے مخاطب کیا گیا، پھر جمع سے، پھر آخر میں واحد سے مخاطب کیا گیا] اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کے لیے جگہوں کا انتخاب و اختیار انبیائے کرام علیہم السلام کے سپرد کیا گیا تھا، پھر جمع اس لیے لایا گیا کہ مساجد بنانا اور ان میں نمازیں ادا کرنا جمہور پر واجب و لازم ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بشارت دینے کے لیے اس لیے مخصوص کیا گیا ہے، تاکہ بشارت کی عظمت ظاہر ہو جائے اور جس کے ساتھ خوشخبری دی گئی، اس کی اہمیت واضح ہو جائے۔

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى

قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

اور موسیٰ نے عرض کیا: اے ہمارے رب! بے شک تو نے دنیا کی زندگی میں فرعون اور اس کے درباریوں کو زیب و زینت اور مال دے رکھا ہے' اے ہمارے رب! تا کہ وہ (لوگوں کو) تیرے راستے سے بہکا دیں' اے ہمارے رب! تو ان کے مال و دولت کو تباہ و برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے' پس وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں O اللہ نے فرمایا: بے شک تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے' سوتم ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کی راہ پر نہ چلو جو کچھ نہیں جانتے O

۸۸- ﴿وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً﴾ اور حضرت موسیٰ نے عرض کیا: اے ہمارے پروردگار! بے شک تو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو زیب و زینت دے دی ہے۔ ''زِيْنَةً'' سے ہر وہ چیز مراد ہے جس سے زیبائش و آرائش حاصل کی جائے خواہ وہ لباس ہو خواہ زیور ہو یا بستر ہوں یا گھر کی خوبصورتی کا سامان ہو یا اس کے علاوہ ڈیکوریشن کا سامان ہو ﴿وَّاَمْوَالًا﴾ یعنی نقدی اور دیگر نعمتیں اور جائیداروغیرہ ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ﴾ دنیا کی زندگی میں اے ہمارے پروردگار! تا کہ وہ تیرے راستے سے گمراہ کر دیں۔ [اہل کوفہ کی قراءت میں ''لِيَضِلُّوْا'' (یا پر پیش کی بجائے زبر) ہے یعنی تا کہ لوگ تیری اطاعت وفرماں برداری سے بہک جائیں اور ''الدنیا'' پر وقف کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ''لِيُضِلُّوْا'' ''اٰتَيْتَ'' کے ساتھ متعلق ہے اور ''رَبَّنَا'' کا تکرار ہے اور پہلا ''رَبَّنَا'' آہ وزاری میں عاجزی کا اظہار کرنے کے لیے ہے] شیخ ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ لوگوں کو اس کی راہ سے بھٹکا دیں گے تو اس نے ان کو جو کچھ دینا تھا دے دیا تا کہ یہ لوگوں کو اس کی راہ سے بہکا سکیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: ''اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا'' (آل عمران:۱۷۸) ''بے شک ہم انہیں صرف اس لیے مہلت دیتے ہیں تا کہ وہ اپنے گناہوں میں اضافہ کریں'' پس یہ آیت مبارکہ معتزلہ کے خلاف حجت ہے (کہ ہدایت وضلالت دونوں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں) ﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ﴾ اے ہمارے پروردگار! ان کے مالوں کو برباد کر دے یعنی ان کو ہلاک کر دے اور ان کے نشانات مٹا دے کیونکہ وہ لوگ تیری نافرمانی کرنے پر تیری ہی نعمتوں سے مدد لیتے ہیں اور ''الطمس'' کا معنی مٹانا اور ہلاک کرنا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان کے دراہم ودنانیر سب کے سب پتھر بن گئے تھے اگر چہ ان کی شکل وصورت اور نقش ونگار وہی پہلے والے تھے اور بعض اہل علم نے کہا کہ ان کے باقی اموال بھی اسی طرح ہو گئے تھے ﴿وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ اور ان کے دلوں پر سختی کر (یعنی) ان کے دلوں پر مہر لگا دے اور ان کو سخت بنا دے ﴿فَلَا يُؤْمِنُوْا﴾ پس وہ ایمان نہ لائیں۔ [یہ اس دعا کا جواب ہے جو ''اُشْدُدْ'' ہے] ﴿حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں (یعنی) دردناک عذاب دیکھ لینے تک ایمان نہ لائیں اور اسی طرح ہوا کیونکہ وہ ڈوب جانے تک ایمان نہیں لائے تھے اور یہ مایوسی وناامیدی کا ایمان تھا اس لیے وہ قبول نہیں کیا گیا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے ایمان سے مایوس ہو گئے تو پھر ان کے خلاف دعائے ضرر کی' اس لیے کہ آپ کو وحی کے ذریعے معلوم ہو چکا تھا کہ یہ لوگ اب ایمان نہیں لائیں گے ورنہ ان کے ایمان نہ لانے کے علم سے پہلے آپ کے لیے ایسی ہلاکت کی دعا کرنا جائز نہیں تھا کیونکہ آپ کو ان کی طرف اس لیے بھیجا گیا تھا کہ آپ ان کو ایمان لانے کی دعوت دیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل

ہے کہ کسی غیر کے خلاف کفر پر موت کی دعا کرنا کفر نہیں ہے۔

۸۹- ﴿قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کے خلاف دعائے ضرر کرتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام اس پر آمین کہتے تھے' سو اس سے ثابت ہوا کہ آمین کہنا بھی دعا ہے' اس لیے اس کو آہستہ کہنا ہی بہتر ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تمہاری دعا مستجاب ہو چکی ہے' لہٰذا تم دونوں نے جو کچھ طلب کیا ہے وہی ہو گا لیکن اس کے مقررہ وقت پر ہو گا ﴿فَاسْتَقِیْمَا﴾ پس تم دونوں استقامت اختیار کرلو اور دعوت و تبلیغ کے جس مشن کو تم نے شروع کر رکھا ہے اس پر ثابت قدم رہو ﴿وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اور تم دونوں ان لوگوں کے راستے پر نہ چلو جو کچھ نہیں جانتے (یعنی) تم جہلاء کے راستے پر نہ چلو جو مہلت دینے کی حکمت و مصلحت کو اور اجابت و قبولیتِ دعا کی صداقت کو نہیں جانتے کیونکہ ان کی دعا اور اس کی قبولیت کے درمیان چالیس سال گزر گئے تھے۔ [قاری ابن عامر شامی کی قراءت کے مطابق ''وَلَا تَتَّبِعَانِ'' میں التقائے ساکنین کی وجہ سے نون مخفف مکسور ہے اس لیے کہ یہ نون تثنیہ کے مشابہ ہے اور بعض اہل علم نے اس کو غلط قرار دیا ہے کیونکہ نون خفیفہ کے لیے ساکن ہونا واجب و ضروری ہے اور بعض نے فرمایا کہ یہ نہی نہیں ہے بلکہ یہ خبر ہے اور اس میں ان کی اس حالت کی خبر دی گئی ہے جس پر وہ دونوں قائم تھے یا پھر یہ حال واقع ہو رہا ہے] اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ''فَاسْتَقِیْمَا غَیْرَ مُتَّبِعَیْنَ'' سو تم دونوں ثابت قدم رہو در آں حالیکہ تم جاہلوں کے راستے پر نہیں چلتے ہو۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾

ع ۱۰ / ۱۴

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا عبور کرا دیا' سو فرعون اور اس کے لشکر نے بغاوت و سرکشی کی وجہ سے ان کا تعاقب کیا' یہاں تک کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو کہنے لگا: میں ایمان لایا ہوں کہ اس (خدا) کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں O (اسے کہا گیا کہ) کیا تو اب ایمان لایا ہے؟ اور اس سے پہلے تو نافرمان رہا اور تو فساد پھیلانے والوں میں سے رہا O سو آج ہم تیری لاش کو (ڈوبنے سے) بچالیں گے تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے تو نشانی رہے' اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں O

۹۰- ﴿وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا عبور کرا دیا۔ یہ ہمارے احناف کی دلیل ہے کہ افعال مخلوق ہیں ﴿فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ﴾ تو فرعون اور اس کے لشکر نے ان کا تعاقب کیا اور وہ ان تک پہنچ گئے جیسے کہا جاتا ہے: ''تَبِعْتُهٗ حَتّٰی اَتْبَعْتُهٗ'' میں نے اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ میں نے اس کو پالیا ﴿بَغْیًا﴾ فرعون اور اس کا لشکر بغاوت و سرکشی اور حد سے تجاوز کرنے والا تھا اور تکبر و غرور اور بہت زیادتی کرنے والا تھا ﴿وَّعَدْوًا﴾ اور ظلم و ستم کرنے والا

تھا[اور یہ دونوں حال واقع ہونے کی بناء پر یا مفعول لہ کی بناء پر منصوب ہیں] ﴿حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدۡرَکَهُ الۡغَرَقُ﴾ یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا۔[اس پر وقف کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ''قَالَ اٰمَنۡتُ'' حرف شرط ''اِذَا'' کا جواب ہے اور قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''اٰمَنۡتُ'' کا بدل ہونے کی وجہ سے استئناف کی بناء پر ''اِنَّهٗ'' (ہمزہ مکسور) ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں حرف ''بِـا'' کے محذوف ہونے کی بناء پر جو ایمان پر صلہ تھا مفتوح (اَنَّـهٗ) ہے] ﴿قَالَ اٰمَنۡتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیۡۤ اٰمَنَتۡ بِهٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِیۡلَ وَاَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ﴾ فرعون نے کہا کہ میں ایمان لایا ہوں کہ بے شک اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں اسلام قبول کرنے والوں میں سے ہوں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام ایک چیز ہیں کیونکہ فرعون نے پہلے ''اٰمَنۡتُ'' کہا' پھر اس نے ''وَاَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ'' کہا اور فرعون نے ایمان قبول ہونے کی حرص پر ایک معنیٰ کو تین مرتبہ تین عبارتوں میں دہرایا (اوّل: 'اٰمَنۡتُ. دوم: اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیۡ اٰمَنَتۡ بِهٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِیۡلَ. سوم: وَاَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ) پھر بھی اس کا ایمان قبول نہیں کیا گیا کیونکہ اس نے قبولیتِ ایمان کا وقت ضائع کر لیا تھا اور وہ حالتِ اضطراری سے پہلے حالتِ اختیاری میں ایک مرتبہ بھی ایمان لے آتا تو کافی ہو جاتا۔

٩١-﴿ آٰلۡـٰٔنَ ﴾ کیا تو اب اضطرار کے وقت میں ایمان لاتا ہے جب کہ دریا کی بے رحم موجوں نے تجھے ہر طرف سے گھیر لیا ہے اور تو اپنے آپ سے مایوس و ناامید ہو گیا ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون سے یہ اس وقت فرمایا تھا جب دریا کی موجوں نے اس کو ہر طرف سے گھیر لیا تھا اور وہ ڈوبنے لگا تھا (کیونکہ اس وقت زندگی کی امید منقطع ہو گئی تھی)[اور ''آٰلۡـٰٔنَ'' کا عامل ''اَتُؤۡمِنُ'' ہے] ﴿وَقَدۡ عَصَیۡتَ قَبۡلُ وَکُنۡتَ مِنَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ﴾ اور بے شک تو اس سے پہلے نافرمان بنا رہا اور نافرمانیاں کرتا رہا اور تو فسادیوں میں سے ایک فسادی بنا رہا (یعنی) تو ایمان سے گمراہ کرنے والے گمراہوں میں سے تھا۔

مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام فرعون کے پاس ایک فتویٰ لے کر آئے اور اس سے دریافت کیا کہ اے بادشاہ! اس غلام کے بارے میں تمہارا کیا حکم ہے جس نے اپنے آقا اور مالک کے مال میں پرورش پائی اور اس کی نعمتوں میں پلا بڑھا' پھر اس نے اپنے مالک کی نعمتوں کی ناشکری کی اور اپنے مالک کے حق کا انکار کر دیا اور اس کو چھوڑ کر خود مالک بن گیا' فرعون نے اس کے جواب میں لکھا کہ ابو العباس الولید بن مصعب (فرعون کا نام ہے) کہتا ہے کہ ایسے غلام کی سزا جو اپنے مالک پر سرکشی کرتا ہے اور اس کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے' یہی ہے کہ اسے دریا میں غرق کر دیا جائے' پھر جب فرعون دریا میں ڈوبنے لگا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کا لکھا ہوا فتویٰ اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا جس کو دیکھ کر فرعون نے پہچان لیا۔

٩٢-﴿ فَالۡیَوۡمَ نُنَجِّیۡکَ بِبَدَنِکَ ﴾ سو آج ہم تیری لاش کو ڈوبنے سے بچا لیں گے اور ہم تجھے زمین کی بلند اور اونچی جگہ پر پھینک دیں گے' چنانچہ پانی کی موجوں نے اس کو دریا کے ساحل پر پھینک دیا' گویا وہ ایک بیل ہے[اور ''بِبَـدَنِکَ'' محلاً حال ہے] یعنی میں تجھے اس حال میں دریا سے باہر پھینک دوں گا کہ تجھ میں روح نہیں ہوگی یا یہ کہ میں تجھے ننگا باہر پھینک دوں گا کہ تیرے بدن پر لباس نہیں ہوگا یا یہ کہ میں تیرا شاہانہ جُبہ اتار لوں گا' فرعون کی عادت تھی کہ وہ اپنے لباس کے اوپر ایک سنہری جُبہ پہنتا تھا اور وہ اسی جبہ کے ساتھ پہچانا جاتا تھا[اور حضرت سراج الامہ امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ''بِاَبۡدَانِکَ'' ہے اور یہ اہل عرب کے اس قول کی طرح ہے کہ ''هُوَ بِاَجۡرَامِهٖ''] یعنی میں تیرے تمام بدن کو جس کے تمام اجزاء مکمل ہوں گے دریا سے باہر پھینک دوں گا یا یہ کہ میں تجھے تیرے پورے شاہانہ لباس کے ساتھ دریا سے

باہر پھینک دوں گا کیونکہ وہ اسی لباس کے درمیان برآمد ہوتا تھا ﴿ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً ﴾ تاکہ تو اپنے بعد باقی بچ جانے والے لوگوں کے لیے نشان (عبرت) بن جائے اور وہ بنی اسرائیل تھے (جو ڈوبنے سے بچ گئے تھے) اور وہ اپنے دلوں میں یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ فرعون کی شان دریا میں غرق ہونے سے بہت بلند ہے (یعنی وہ غرق نہیں ہو سکتا) اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ہلاک ہونے کی خبر سنائی تو انہوں نے آپ کی تصدیق نہ کی اور ان کو یقین نہ آیا' سو اللہ تعالیٰ نے اس کی لاش کو دریا کے کنارے بلند جگہ پر پھینک دیا یہاں تک کہ تمام بنی اسرائیلیوں نے اس کو دیکھا (اور یقین کرلیا) اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ "لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ" کا معنی ہے کہ تاکہ تو اپنے بعد آنے والی قوموں کے لیے (عبرت کی) نشانی بن جائے اور نشانی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں پر ظاہر ہو جائے کہ فرعون خدا نہیں ہے' اس کا ایک بندہ ہے اور اس نے ربوبیت کا جو دعویٰ کیا تھا وہ ناممکن ومحال ہے اور اتنا بڑا بادشاہ اور مال دار ہونے کے باوجود اپنے رب کی نافرمانی کرنے پر فرعون کا آخر کار جو انجام ہوا تم نے دیکھ لیا اب دوسروں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ ﴿ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ ﴾ اور بے شک اکثر لوگ ہماری آیتوں سے غافل و بے خبر ہیں۔

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٩٣﴾ فَإِن كُنتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ فَاسْأَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٩٤﴾

اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو بہترین اور خوشگوار مقام پر جگہ دی اور ہم نے ان کو پاکیزہ رزق دیا' پھر انہوں نے اختلاف نہ کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم آ گیا' بے شک آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے ○ پھر اگر (بہ فرضِ محال) آپ کو اس میں شک ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ لیں جو آپ سے پہلے کتاب کو پڑھتے ہیں' بے شک آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس حق آیا ہے' سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں ○

بنی اسرائیل کی ناشکری اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حق پر قائم رہنے کی تلقین

۹۳- ﴿ وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو بہترین جگہ عنایت کر دی (یعنی) بہترین وعمدہ ترین اور خوشگوار ودل پسند جگہ دی اور وہ سرزمینِ مصر اور مملکتِ شام مراد ہے ﴿ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ فَمَا اخْتَلَفُوا ﴾ اور ہم نے ان کو پاکیزہ رزق عطا فرمایا' پھر انہوں نے اپنے دین میں اختلاف نہیں کیا ﴿ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْعِلْمُ ﴾ یہاں تک کہ ان کے پاس علم آن پہنچا تھا یعنی تورات اور انہوں نے اس میں بے جا تاویلیں کر کے اختلاف برپا کر دیا جیسا کہ امتِ محمد مصطفےٰ ﷺ نے قرآن مجید کی آیات میں بے جا تاویلیں کر کے اختلاف برپا کر دیا (اور بتوں کے بارے میں نازل شدہ آیات کو انبیاء واولیاء پر چسپاں کر دیا) یا اس سے حضور سرورِ دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی بعثت وآمد کا علم مراد ہے اور بنی اسرائیل کے اختلاف سے اہل کتاب (یہود ونصاریٰ دونوں) مراد ہیں اور انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی نبوت ورسالت کا یقینی علم آ جانے کے بعد آپ کی شان میں اختلاف کیا کہ آپ واقعی وہی ہیں یا آپ وہ نہیں ہیں ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ﴾ بے شک آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمادے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے تھے اور حق والوں کو اہل باطل سے ممتاز فرمادے گا اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء دے گا کہ اہل حق کو اجر وثواب عنایت فرمائے گا اور اہل باطل کو عذاب کی سزا دے گا۔

۹۴۔﴿فَإِن كُنتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ فَاسْأَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكَ﴾ پھر اگر آپ کو اس کے متعلق شک ہو جو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھیں جو آپ سے پہلے کتاب کو پڑھتے ہیں۔ جب پہلے بنی اسرائیل کا ذکر کیا گیا اور وہ لوگ اپنی اپنی کتاب (تورات وانجیل) کو خوب پڑھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ وصف بھی بیان فرمایا کہ ان کے پاس علم آ چکا ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت کی صداقت کے متعلق تورات و انجیل میں لکھا ہوا تھا اور وہ لوگ حضور کو اس طرح جانتے اور پہچانتے تھے جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو جانتے اور پہچانتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کے علم کو قرآن مجید کی صحت اور حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی نبوت ورسالت کی صحت کے ساتھ مستحکم کیا جائے اور اس میں مبالغہ کیا جائے' چنانچہ فرمایا کہ اگر بہ فرضِ محال اور بر تقدیر محال آپ کو شک وشبہ ہونے لگے اس لیے کہ جس کو شک وشبہ واقع ہو جائے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے حل کے لیے دین کے قوانین اور اس کے دلائل کی طرف رجوع کیا جائے یا علماء سے بحث ومباحثہ کے ذریعے حل کیا جائے' سو آپ اپنے شک کو دور کرنے کے لیے اہل کتاب کے علماء سے دریافت کیجئے' پس جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے' اس کی صحت کو چونکہ یہ علماء یقیناً خوب جانتے ہیں اس لیے آپ جیسی ہستی کی مراجعت کے لیے وہ صلاحیت رکھتے ہیں چہ جائے کہ آپ کے علاوہ کوئی اور ہو' چنانچہ اہل کتاب کے علماء کو علمی مہارت کے ساتھ موصوف کرنے کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نازل کیے گئے کلام کی صحت ہے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شک کے ساتھ موصوف کرنا مقصود نہیں' اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا: ﴿لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ﴾ بے شک آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس حق آ گیا یعنی آپ کے پاس واضح آیات اور روشن دلائل کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کے پاس جو کچھ آ چکا ہے وہ حق ہے' جس میں شک کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے ﴿فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ﴾ سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں اور اس پر عطف کی وجہ سے وقف نہیں کیا جائے گا۔

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٩٨﴾

اور نہ آپ ان لوگوں میں سے ہو جائیں جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلا دیا ورنہ آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے

ہو جائیں گے O بے شک جن لوگوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے O اور اگر چہ تمام نشانیاں ان کے پاس آ جائیں یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں O سو ایسی کوئی بستی نہیں ہوئی جو (عذاب کے آثار دیکھ کر) ایمان لائی ہو تو اس کے ایمان نے کوئی فائدہ دیا ہو سوائے یونس کی قوم کے' جب وہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے ذلت ناک عذاب کو دنیا کی زندگی میں ان سے ہٹا لیا اور ہم نے ایک مدت تک ان کو سامانِ زندگی دے دیا O

۹۵- ﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ اور آپ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا ورنہ آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے' یعنی جس طرح اب تک آپ نے نہ شک کیا ہے اور نہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا ہے' پس آپ اپنے اسی حال پر ثابت قدم رہیں اور اسی روش پر قائم و دائم رہیں یا یہ خطاب صرف فعل پر برانگیختہ کرنے اور ہوشیار و محتاط رہنے کے طریقے پر کیا گیا ہے' جیسا کہ یہ دو (درج ذیل) ارشاد ہیں: ''فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ'' (القصص:۸۶) ''سو آپ کافروں کے مددگار ہرگز نہ بنیں''۔ ''وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ'' (القصص:۸۷) ''اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے ہرگز نہ روکیں اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف نازل کی جا چکیں''۔ اور اس لیے کہ آپ حق پر بہت زیادہ قائم و دائم اور ثابت قدم رہیں اور شک و تکذیب وغیرہ سے بچتے رہیں اور اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت مبارکہ کے نزول کے وقت فرمایا کہ میں نہ شک کرتا ہوں اور نہ میں کسی سے دریافت کرتا ہوں بلکہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک یہ حق ہے[1] یا پھر خطاب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کیا گیا ہے مگر اس سے مراد آپ کی امت ہے یعنی مسلمانو! اگر تمہیں اس میں شک ہے جو کچھ ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے (تو تم اہل کتاب سے پوچھ کر تصدیق کر لو) جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا'' (النساء:۱۷۴) ''اور ہم نے تمہاری طرف واضح نور نازل کیا ہے''۔ یا یہ خطاب ہر سننے والے کے لیے عام ہے جس پر شک کا طاری ہونا ممکن ہو سکتا ہے' جیسے عرب کا مقولہ ہے کہ جب تمہارا کوئی بھائی درشت و سخت ہو جائے تو تم نرم ہو جاؤ [یا حرف ''اِنْ'' نفی کے لیے ہے یعنی سو آپ کو بالکل شک نہیں ہے] پس آپ اہل کتاب سے دریافت کر لیجئے یعنی ہم آپ کو اہل کتاب سے سوال کرنے کا حکم اس لیے نہیں دیتے کہ آپ کسی قسم کا شک کرتے ہیں بلکہ صرف اس لیے حکم دیتے ہیں تاکہ آپ کا یقین زیادہ ہو جائے جیسا کہ پرندوں کو مرنے کے بعد زندہ ہوتے دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یقین زیادہ ہو گیا تھا [پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حرفِ ''اِنْ'' نفی کے لیے اس وقت ہوتا ہے جب اس کے بعد حرفِ ''اِلَّا'' ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ'' (الملک:۲۰) ''کافر لوگ نہیں ہیں مگر محض دھوکے اور فریب میں''۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لازمی اور ضروری نہیں ہے' کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو نہیں دیکھتے: ''اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ'' (فاطر:۴۱) ''اس (اللہ تعالیٰ) کے سوا انہیں کوئی نہیں روک سکتا''۔ پس اس آیت مبارکہ میں حرفِ ''اِنْ'' نفی کے لیے ہے حالانکہ اس کے بعد حرفِ ''اِلَّا'' نہیں ہے]۔

۹۶- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک جن لوگوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے (یعنی) جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی وہ بات ثابت ہو چکی ہے جو اس نے لوحِ محفوظ میں لکھ دی ہے اور فرشتوں کو اس کی خبر دے دی ہے کہ یہ لوگ کفر کی موت مریں گے' وہ ایمان نہیں لائیں گے یا اللہ تعالیٰ کی بات سے یہ ارشاد مراد ہے: ''لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ'' (الاعراف:۱۸) ''البتہ میں تم سب سے دوزخ کو ضرور بھر دوں گا''۔ [اور ''لَا

[1] رواہ ابن جریر فی تفسیرہ ج ۱۱ ص ۱۶۸

یُؤْمِنُوْنَ'' پر وقف نہیں کیا جائے گا کیونکہ ''وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ'' کا اپنے ماقبل کے ساتھ تعلق اور ربط ہے]۔

۹۷۔ ﴿وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ اور اگر چہ ان کے پاس تمام نشانیاں آ جائیں یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں یعنی مایوسی وناامیدی کے وقت وہ ایمان لائیں گے اور وہ ان کو نفع نہیں دے گا یا قیامت کے وقت ایمان لائیں گے اور وہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی نجات کا بیان

۹۸۔ ﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ﴾ تو ہم نے جن بستیوں کو ہلاک کیا ان میں سے کسی ایک بستی والوں نے کفر سے توبہ کر کے عذاب کا معائنہ کرنے سے پہلے خالص ایمان کیوں نہیں لائے اور انہوں نے تاخیر کیوں کر دی جیسا کہ فرعون نے تاخیر کر دی تھی یہاں تک کہ اس کی روح حلق تک آن پہنچی ﴿فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ﴾ کہ اس کا ایمان اُسے فائدہ دیتا کہ حالتِ اختیار میں ایمان قبول کرنے کی وجہ سے اس کا ایمان اس کی طرف سے قبول کر لیا جاتا ﴿اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ﴾ ماسوا حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے [یہ استثناء منقطع ہے یعنی لیکن حضرت یونس علیہ السلام کی قوم (کو ان کے ایمان نے فائدہ دیا تھا) یا یہ استثناء متصل ہے اور جملہ نفی کے معنی میں ہے] گویا کہا گیا ہے کہ ہلاک ہونے والی بستیوں میں سے کوئی بستی ایمان نہیں لائی تھی ماسوا حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے [اور اس کا منصوب ہونا اصل استثناء کی وجہ سے ہے] ﴿لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ﴾ جب یہ لوگ ایمان لائے تو ہم نے ان سے دنیا کی زندگی میں ذلت ناک عذاب دور کر دیا اور ہم نے انہیں ایک مدت تک نفع دیا (یعنی) موت کے وقت تک۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو سرزمین موصل کے علاقہ نینویٰ کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا اور آپ نے عرصۂ دراز تک ان کو تبلیغ فرمائی لیکن انہوں نے دعوتِ حق کو قبول نہ کیا اور آپ کو جھٹلا دیا تو حضرت یونس علیہ السلام ان سے ناراض ہو کر وہاں سے چلے گئے' پھر جب ان لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو اپنے گاؤں میں نہ پایا تو انہیں عذابِ الٰہی کے نزول کا خوف دامن گیر ہوا اور وہ ڈر گئے اور انہوں نے موٹے ٹاٹ کے لباس پہن لیے اور وہ چالیس راتوں تک مسلسل چیختے چلاتے اور روتے رہے اور وہ تمام لوگ خود بھی اور اپنے اپنے بیوی بچوں اور اپنے اپنے جانوروں کو لے کر بستی سے باہر کھلے میدان میں پہنچ گئے اور انہوں نے عورتوں کو ان کے بچوں سے جدا کر دیا اور جانوروں کو اپنی اولاد سے دور کر دیا اور ایک دوسرے سے لپٹ کر رونے لگے اور انہوں نے اسلام میں داخل ہو کر اپنے خالص ایمان کا اظہار کیا اور آئندہ کے لیے کفر و شرک اور نافرمانی سے مستقل سچی توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آ گیا اور ان پر مہربان ہو کر انہیں معاف فرمایا اور آنے والا عذاب موقوف کر کے ان سے دور کر دیا اور وہ دس محرم الحرام جمعۃ المبارک کا روز تھا اور ان کی توبہ یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ انہوں نے تمام مظالم واپس کر دیئے یہاں تک کہ اگر کسی شخص نے اپنے دوسرے شخص کا پتھر لے کر اپنی تعمیر کی دیوار میں لگا دیا تھا تو اس نے وہ بھی واپس کر دیا اور بعض اہل علم نے بیان فرمایا کہ جب ان پر عذاب کے نازل ہونے کا وقت قریب آ گیا تو وہ اپنے گھروں سے نکل کر اپنے اہل علم سرداروں میں سے ایک بوڑھے سردار کے پاس آئے اور سارا ماجرا بیان کیا تو اس نے ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ یہ دعا کرو: ''يَا حَيُّ حِيْنَ لَا حَيَّ'' اے ہمیشہ کے لیے زندہ رہنے والے خدا! جب کوئی زندہ نہیں رہے گا'' وَيَا حَيُّ مُحْيِ الْمَوْتٰى ''اور اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور مُردوں کو زندہ کرنے والے'' وَيَا حَيُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ''اور اے ہمیشہ زندہ رہنے والے! تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنے والا عذاب ان سے دور فرما دیا اور حضرت الشیخ خواجہ فضیل قدس اللہ رُوحَہٗ سے منقول ہے کہ ان لوگوں نے دعا کرتے ہوئے یہ کہا تھا:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّ ذُنُوْبَنَا قَد عَظُمَتْ وَجَلَّتْ وَاَنْتَ اَعْظَمُ مِنْهَا وَاَجَلُّ اِفْعَلْ بِنَا مَا اَنْتَ اَهْلُهٗ وَلَا تَفْعَلْ بِنَا مَا نَحْنُ اَهْلُهٗ" "اے اللہ! بے شک ہمارے گناہ بہت بڑے بڑے ہیں' لیکن تو ان سے بہت بڑا ہے اور تو سب سے بڑا بزرگ ترین ہے' تو ہمارے ساتھ وہی کر جو تیری شان کے لائق ہے اور تو ہمارے ساتھ وہ معاملہ نہ کر جس کے ہم مستحق ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۞ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۞ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۞

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے' تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے یہاں تک کہ وہ تمام لوگ مسلمان ہو جائیں ۞ اور کسی شخص کے لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر ایمان لائے' اور اللہ انہیں لوگوں پر عذاب مسلط کرے گا جو عقل سے کام نہیں لیتے ۞ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم لوگ غور سے دیکھو کہ آسمانوں میں اور زمین میں کیا (کیا دلائلِ قدرت) ہیں' اور آیتیں اور ڈرانے والے اس قوم کو کوئی فائدہ نہیں دیتے جو ایمان دار نہیں ۞

۹۹۔ ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے' کوئی بھی ایمان سے باہر نہ رہتا بلکہ تمام لوگ شامل ہو جاتے [﴿جَمِيْعًا﴾ حال ہے] (یعنی) سب کے سب ایمان پر جمع ہو جاتے اور اس پر متفق ہو جاتے اور اس کے بارے میں بالکل اختلاف نہ کرتے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور اپنی مشیّت و ارادے کے نافذ و جاری ہونے کی خبر دی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یقیناً روئے زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے لیکن اللہ تعالیٰ جن لوگوں کے بارے میں جانتا تھا کہ وہ اپنے اختیار سے ایمان لے آئیں گے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ ایمان لے آئیں اور جن لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ اپنے اختیار سے کفر کو پسند کریں گے اور وہ ایمان نہیں لائیں گے ان کے متعلق ان کے کفر کو چاہا (ہر نیک و بد کام اللہ تعالیٰ کے چاہنے اور ارادے سے ہوتا ہے لیکن اس کی مرضی اور پسند صرف نیک کاموں میں ہوتی ہے) اور معتزلہ کا قول ہے کہ یہاں مشیّت سے مراد جبر و اکراہ کی مشیّت ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ لوگون میں جبر کے ساتھ زبردستی ایمان پیدا کر دیتا تو وہ مجبور ہو کر ضرور ایمان لے آتے لیکن اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ لوگ اپنے اختیار سے ایمان لے آئیں سو وہ ایمان نہیں لائے' جس کی دلیل اس کا یہ ارشاد ہے: ﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے یہاں تک کہ سب کے سب مسلمان ہو جائیں یعنی ایمان کے لیے جبر و اکراہ کی مشیّت آپ کو حاصل نہیں بلکہ یہ تو میرے لیے ہے۔ معتزلہ کا یہ قول فاسد و غلط ہے کیونکہ ایمان بندے کا فعل ہے اور اس کا فعل اس کی قدرت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور یہ قدرت اختیار کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتی اور ہمارے (احناف کے) نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا کریم و لطیف ہے' اگر ان کو قدرت عطا فرما دیتا تو وہ سب کے سب لوگ اپنے اختیار سے ایمان قبول کر لیتے لیکن اللہ تعالیٰ ان کے متعلق جانتا تھا کہ وہ

ایمان نہیں لائیں گے اس لیے ان کو قدرت عطا نہیں فرمائی اور قدرت سے مراد توفیق ہے [اور "اَفَاَنْتَ" میں حرف استفہام (سوالیہ حرف) نفی کے معنی میں ہے] یعنی اے محمد (ﷺ)! آپ بذاتِ خود اختیار نہیں رکھتے کہ آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں کیونکہ ایمان تو تصدیق و اقرار سے ثابت ہوتا ہے اور تصدیق پر جبر و اکراہ ممکن نہیں۔

۱۰۰۔ ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اور کسی شخص کے اختیار میں نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ایمان لائے (یعنی) اس کی مشیت یا اس کے فیصلے یا اس کی توفیق و ہدایت یا اس کے علم کے بغیر ﴿وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ عذاب کو یا ناراضگی کو یا شیطان کو مقرر کر دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ شیطان کو مسلط کر دیتا ہے ﴿عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ ان لوگوں پر جو عقل سے کام نہیں لیتے کہ وہ اپنی عقلوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ [حماد اور یحییٰ کی قراءت میں "وَنَجْعَلُ" ہے]

کفارِ مکہ کو دعوتِ فکر

۱۰۱۔ ﴿قُلِ انْظُرُوْا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم دلیل و عبرت حاصل کرنے کی نگاہ سے غور کے ساتھ دیکھو ﴿مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کھیتوں اور پھلوں کے اُگنے اور رات دن کے بدلنے کے سبب آسمانوں اور زمین میں کتنی عبرتیں اور نشانیاں موجود ہیں ﴿وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ﴾ اور (قدرت کی) نشانیاں اور ڈرانے والے رسول یا ڈرانے والی چیزیں فائدہ نہیں دیتیں۔ [حرف "مَا" نافیہ ہے] ﴿عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کو جو ایمان نہیں لاتی (یعنی) جن کے ایمان کی امید نہیں ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ښ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

تو کیا یہ لوگ صرف انہیں لوگوں کے دنوں کی طرح کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، اے محبوب! فرما دیجئے کہ سو تم انتظار کرو بے شک میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں O پھر ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں، اسی طرح ہمارے ذمۂ کرم پر ثابت ہو چکا ہے کہ ہم مؤمنوں کو نجات دیتے ہیں O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں شک میں ہو تو میں ان کی عبادت ہرگز نہیں کروں گا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو اور لیکن میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جانیں قبض کرے گا، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان والوں سے رہوں O اور یہ کہ آپ اپنا چہرۂ انور دینِ توحید کی طرف سیدھا رکھیں، اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو

جائیں O

۱۰۲۔ ﴿فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ تو کیا یہ لوگ انہیں لوگوں کے دنوں کی طرح کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی (کفارِ مکہ) اللہ تعالیٰ کے ان واقعات وحوادث کا انتظار کر رہے ہیں جو گزشتہ نافرمان قوموں پر گزر چکے جیسا کہ عرب کے گزشتہ واقعات وحوادث کو ایّامِ العرب کہا جاتا ہے ﴿قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم بھی انتظار کرو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

۱۰۳۔ ﴿ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا﴾ [یہ محذوف کلام پر معطوف ہے جس پر ''اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ'' دلالت کرتا ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ ہم نافرمان امتوں کو ہلاک کر دیتے ہیں' پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں' یہ گزشتہ احوال کی حکایت بیان کی گئی ہے ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ﴾ اور ہم ان کو بھی نجات دے دیتے ہیں جو ان رسولوں پر ایمان لا چکے ہوتے ہیں ﴿كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اسی طرح ہمارے ذمۂ کرم پر لازم ہے کہ ہم مسلمانوں کو نجات دے دیں یعنی جس طرح گزشتہ اہل ایمان کو نجات دی اسی طرح ہم تم میں سے اہل ایمان کو نجات دیں گے اور مشرکین کو ہلاک کر دیں گے [اور ''حَقًّا عَلَيْنَا'' جملہ معترضہ ہے یعنی ہم پر یہ واجب ولازم ہو چکا ہے۔ قاری علی کسائی اور امام حفص کی قراءت میں ''نُنْجِيْ'' تخفیف کے ساتھ (یعنی جیم پر شد کے بغیر) ہے]۔

اہل مکہ کو نصیحت آموز انتباہ

۱۰۴۔ ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اے لوگو! (یعنی) اے اہلِ مکہ! ﴿اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ﴾ اگر تمہیں میرے دین کی صحت اور اس کے درست و برحق ہونے میں شک ہے تو یہ میرا دین ہے تم اس کا وصف سن لو' پھر حضور نے اس کا وصف بیان کیا اور فرمایا: ﴿فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ سو میں ان کی عبادت ہرگز نہیں کروں گا جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو یعنی بتوں کی پرستش ﴿وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ﴾ اور لیکن میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جانیں قبض کرے گا اور تم پر موت طاری کرے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کو موت دینے کے وصف کے ساتھ اس لیے موصوف کر کے بیان کیا ہے کہ آپ کفارِ مکہ کو آگاہ کر دیں کہ اللہ تعالیٰ ہی اس لائق ہے کہ اس کا خوف رکھا جائے اور اس کی نافرمانی سے بچا جائے اور صرف اسی کی عبادت کی جائے نہ کہ ان بتوں کی جو کسی چیز پر قدرت واختیار نہیں رکھتے ﴿وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان والوں میں سے رہوں [اصل میں ''بِاَنْ اَكُوْنَ'' ہے] یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی (ایمان) پر قائم رہنے کا حکم دیا ہے (ایک تو) اس لیے کہ اس نے مجھے عقلِ سلیم عطا کی ہے اور (دوسرا) اس لیے کہ اس نے اپنی کتاب میں مجھے اس کی وحی بھیجی ہے۔

۱۰۵۔ ﴿وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ﴾ [اصل میں ''وَاُوْحِيَ اِلَيَّ اَنْ اَقِمْ'' الخ ہے یعنی اور میری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ آپ اپنا منہ دین کی طرف سیدھا رکھیں تا کہ یہ ارشادِ باری تعالیٰ ''اُمِرْتُ'' کے مشابہ ہو جائے] یعنی آپ اپنے چہرۂ انور کے ساتھ اس دین پر متوجہ ہو کر قائم رہیں جس پر قائم رہنے کا آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یا یہ کہ آپ پوری طرح اسی دین کی طرف متوجہ رہیں' دائیں اور بائیں بالکل توجہ نہ فرمائیں ﴿حَنِيْفًا﴾ تمام باطل ادیان سے منہ موڑ کر صرف دینِ حق کی طرف یکسو ہو کر متوجہ رہیں۔ [یہ دین سے یا پھر ''وَجْهَ'' سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور شرک

کرنے والوں سے نہ ہو جائیں۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

اور تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو جو تمہیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ وہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں' پھر اگر تم نے ایسا کیا تو تم اس وقت ظالموں میں سے ہو جاؤ گے O اور اگر اللہ تمہیں تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں' اور اگر وہ تمہیں بھلائی پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں' وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس پر اپنا فضل پہنچا دیتا ہے' اور وہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے لوگو! بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے' سو جس نے ہدایت اختیار کی تو اس نے اپنے فائدے کے لیے ہدایت اختیار کی' اور جو گمراہ ہو گیا تو اس کی گمراہی کا وبال اسی کی جان پر ہوگا' اور میں تمہاری حفاظت پر نگران مقرر نہیں ہوں O اور آپ صرف اسی کی پیروی کیجئے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور صبر سے کام لیجئے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ فرما دے' اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے O

۱۰۶- ﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی عبادت نہ کرو جو تمہیں فائدہ نہیں دے سکتا' اگر چہ تم اس کی عبادت کرتے رہو ﴿وَلَا يَضُرُّكَ﴾ اور نہ وہ تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے اگر تم اس کی عبادت ترک کر دو اور اسے ذلیل و رسوا کر دو ﴿فَاِنْ فَعَلْتَ﴾ [اصل میں عبارت اس طرح ہے: ''فَاِنْ دَعَوْتَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ'' پھر اختصار کی خاطر ''فَاِنْ فَعَلْتَ'' کے ساتھ کنایہ کیا گیا ہے] پھر اگر تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کی جو تمہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں ﴿فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ تو تم اس وقت ظالموں میں سے ہو جاؤ گے [''اِذًا'' شرط کے لیے جزاء ہے اور مقدر سوال کا جواب ہے] گویا سوال کرنے والے نے بتوں کی عبادت کرنے والوں سے سوال کیا اور ان کو ظالموں میں سے قرار دیا کیونکہ شرک سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں ہے۔

۱۰۷- ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے بیماری وغیرہ ﴿فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ﴾ تو اس تکلیف اور بیماری کو اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی دور کرنے والا نہیں ہے ﴿وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ﴾ اور اگر وہ تمہیں خیر و عافیت عطا کرنا چاہے ﴿فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ تو اس کے فضل و کرم اور اس کی مراد کو کوئی ردّ کرنے والا اور روکنے والا نہیں ہے ﴿يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اسے خیر و عافیت عطا فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

نے اس آیت مبارکہ کے ذریعے اپنے بندوں پر اپنی ذاتِ اقدس کے علاوہ باقی ہر ایک کی رغبت اور ہر ایک سے خوف اور ہر ایک پر اعتماد رکھنے کو ختم فرما دیا ہے ﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ﴾ اور وہی بلاؤں کو مٹانے والا ہے ﴿الرَّحِيْمُ﴾ وہ عنایت کے ساتھ معاف فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت سے منع کرنے کے بعد اس کے ساتھ ہی بتوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں' البتہ اللہ تعالیٰ ہی یقیناً نفع اور نقصان دینے والا ہے' لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ تمہیں نقصان پہنچائے تو اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے ماسوا اس واحد لاشریک خدا کے۔ ہر کوئی یہ کام نہیں کر سکتا تو بے جان خدا یہ کام کیونکر کر سکتے ہیں؟ جن کو کوئی شعور نہیں ہے اور اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی بھلائی عطا کرنا چاہے تو اس کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے' جو فضل و کرم اور احسان کرنے کا اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ارادہ فرما چکا ہے تو بے بس بت کیونکر اس کو رد کر سکتے ہیں؟ بلکہ وہی (اللہ تعالیٰ ہی) اس کا حق دار ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے کسی اور کی نہیں' اور یہ درج ذیل ارشاد سے زیادہ بلیغ ہے: ''اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ'' (الزمر:۳۸) ''اگر اللہ تعالیٰ مجھے تکلیف دینا چاہے تو کیا وہ بت اس تکلیف کو کھول (یعنی دور کر) دیں گے یا اگر اللہ تعالیٰ مجھے رحمت عطا کرنا چاہے تو کیا وہ بت اس کی رحمت کو روک دیں گے؟'' اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں سے ایک میں صرف مَس (چھونے) کا ذکر فرمایا ہے اور دوسرے میں صرف ارادہ کا ذکر فرمایا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے خیر و شر میں سے ہر ایک میں دو چیزوں کا ذکر کرنا چاہا ہے' ارادہ و اصابۃ اور بے شک وہ ان میں سے جس کا ارادہ کر لیتا ہے اس کو رد کرنے والا کوئی نہیں ہوتا اور ان میں سے جس کو وہ اپنے بندے پر پہنچاتا ہے اس کو کوئی زائل کرنے والا نہیں ہوتا' پھر اللہ تعالیٰ نے کلام مختصر کر کے صرف مَس (چھونے) کا ذکر فرمایا اور یہ ان میں سے کسی ایک میں پہنچانا مراد ہے اور دوسرے میں ارادہ کرنا مراد ہے تا کہ جس کا ذکر کیا گیا ہے' وہ اس پر دلیل بن جائے' جس کو ترک کر دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد ''يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ'' میں خیر کے ساتھ اصابۃ (پہنچانے) کا ذکر فرمایا ہے۔

۱۰۸- ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اے لوگو! (یعنی) اے مکہ مکرمہ کے باشندو! ﴿قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ بے شک تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے (اور وہ حق) قرآن مجید ہے یا پھر رسول اکرم ﷺ ہیں ﴿فَمَنِ اهْتَدٰى﴾ سو جس نے ہدایت کو اختیار کر لیا اور حق کی پیروی کی ﴿فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ﴾ تو اس نے اپنے فائدے کے لیے ہدایت اختیار کی کیونکہ اس کے اختیار کرنے کا نفع اور فائدہ صرف اسی کی ذات کو ہوگا ﴿وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا﴾ اور جو گمراہ ہو گیا تو گمراہی کا وبال اسی کی ذات پر پڑے گا اور جس نے گمراہی کو اختیار کیا اور اس کو (ہدایت پر) ترجیح دی تو اس کا نقصان وہ خود اٹھائے گا اور اس کی سزا اسی کی ذات کو ملے گی [اور ''لِنَفْسِهٖ'' کا لام نفع کے معنی پر دلالت کر رہا ہے اور ''عَلَيْهَا'' میں ''عَلٰى'' ضرر اور نقصان کے معنی پر دلالت کر رہا ہے] ﴿وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ﴾ اور میں تم پر کوئی نگران' محافظ مقرر نہیں ہوں کہ تمہارا معاملہ میرے سپرد کر دیا گیا ہو بلکہ میں تو یقیناً صرف خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا ہوں۔

۱۰۹- ﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ﴾ اور (اے محبوب!) اس کی اتباع اور پیروی کیجئے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور کفار مکہ کے تکذیب کرنے اور جھٹلانے پر اور ان کے ایذاء اور دکھ دینے پر صبر کیجئے ﴿حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ﴾ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلاف آپ کی مدد کرنے اور آپ کو ان پر غلبہ عطا کرنے کا فیصلہ فرما دے ﴿وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ﴾ اور

وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے کیونکہ وہی تمام چھپے اسرار ورموز سے آگاہ ہے' سو وہ فیصلہ کرنے میں کسی دلیل اور کسی گواہ کا محتاج نہیں ہے۔

سورۂ ھود مکیۃ ۱۱ — بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ — آیاتہا ۱۲۳ رکوعاتہا ۱۰

سورۂ ھود مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی ایک سو تئیس آیات' دس رکوع ہیں

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَكِيۡمٍ خَبِيۡرٍ ۙ﴿۱﴾ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِىۡ لَـكُمۡ مِّنۡهُ نَذِيۡرٌ وَّبَشِيۡرٌ ۙ﴿۲﴾ وَّاَنِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ يُمَتِّعۡكُمۡ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤۡتِ كُلَّ ذِىۡ فَضۡلٍ فَضۡلَهٗ ؕ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ كَبِيۡرٍ ﴿۳﴾ اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۴﴾

الٓرٰ' یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں حکمت سے لبریز ہیں' پھر بڑی حکمت والے بہت خبر رکھنے والے خدا کی طرف سے تفصیل بیان کی گئی ہے○ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' بے شک میں اس کی طرف سے تمہارے لیے ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں○ اور یہ کہ تم اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرو' پھر تم اسی کی طرف رجوع رکھو وہ تمہیں مقررہ وقت تک بہترین خوشحال زندگی عطا فرمائے گا اور فضیلت رکھنے والے ہر آدمی کو اپنا فضل عنایت فرمائے گا' اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں○ تم نے اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے○

۱-﴿الٓرٰ كِتٰبٌ﴾ ''اَیْ هٰذَا كِتَابٌ'' یعنی یہ کتاب ہے [پس ''كِتَابٌ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے] ﴿اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ﴾ یہ کتاب کی صفت ہے یعنی اس کتاب کی آیتیں مضبوط عمارت کی طرح منظم ومربوط اور مضبوط و مستحکم ہیں' ان میں کوئی نقص اور خلل واقع نہیں ہے ﴿ثُمَّ فُصِّلَتۡ﴾ پھر وہ آیتیں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں' جس طرح نفیس موتیوں کے ساتھ ہاروں کو مزین وآراستہ کیا جاتا ہے' اسی طرح قرآن مجید کی آیات کو توحید کے دلائل اور احکام اور مواعظِ حسنہ اور سبق آموز قصوں کے ساتھ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے یا قرآن مجید کو الگ الگ سورتوں اور آیتوں میں مفصل بیان کیا گیا ہے یا نزول میں تھوڑا تھوڑا کر کے حسبِ ضرورت بیان کیا گیا ہے اور ایک دم سارا قرآن نازل نہیں کیا گیا یا یہ کہ اس میں ان چیزوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے جن کی بندوں کو ضرورت ہوتی ہے یعنی ان کو واضح طور پر بھی بیان کیا گیا ہے اور مختصر طور پر بھی بیان کیا گیا ہے [اور ''ثُمَّ'' کا معنی یہاں وقت میں تراخی (یعنی تاخیر) کے لیے نہیں بلکہ حال کے لیے ہے] ﴿مِنۡ لَّدُنۡ حَكِيۡمٍ خَبِيۡرٍ﴾ [یہ کتاب کی دوسری صفت ہے یا خبر کے بعد خبر ہے یا پھر ''اُحْكِمَتْ'' اور ''فُصِّلَتْ'' کا صلہ ہے] یعنی اس کتاب کے تمام احکام اور ان کی تفصیل بہت بڑے حکمت والے تمام حالات کی خبر رکھنے والے خدا کی طرف سے ہیں۔

۲-﴿اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ﴾ [یہ مفعول لہ ہے] یعنی تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یا یہ ''اَنْ'' مفسرہ ہے کیونکہ آیات کی تفصیل میں قول کا معنی پایا جاتا ہے' گویا کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو'

اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یا پھر یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی کی عبادت نہ کرو ﴿ اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ ﴾ یعنی بے شک میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈر سنانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔

۳- ﴿ وَّ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ﴾ اور یہ کہ تم اپنے رب تعالیٰ سے مغفرت و بخشش مانگو یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم عقیدۂ توحید اختیار کرو اور (کفر و شرک پر) مغفرت و بخشش مانگو ﴿ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ﴾ پھر تم اس کی طرف رجوع کرو یعنی تم کفر و شرک کرنے کی وجہ سے اس سے بخشش طلب کرو' پھر اطاعت و فرماں برداری کرنے کے لیے اس کی طرف رجوع کرو ﴿ یُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا ﴾ وہ تمہیں بہترین خوشحال زندگی عطا فرمائے گا اور وہ تمہیں دنیا میں بہترین حسب خواہش منافع و فوائد عنایت فرمائے گا' فراخ روزی والی زندگی مہیا کرے گا اور تم پر مسلسل نعمتیں برساتا رہے گا ﴿ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ مقرر و معین مدت تک یعنی تمہاری وفات تک ﴿ وَّ یُؤْتِ كُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ﴾ اور اللہ تعالیٰ آخرت میں ہر اس شخص کو جو اعمال میں فضیلت رکھتا تھا' اس کے اعمال سے بڑھ کر محض اپنے فضل و کرم سے بہت زیادہ جزائے خیر عطا فرمائے گا اور اس میں کسی قسم کی ذرہ برابر بھی کمی نہیں کرے گا ﴿ وَ اِنْ تَوَلَّوْا ﴾ [اصل میں ''وَاِنْ تَتَوَلَّوْا'' ہے] (یعنی) اور اگر تم منہ پھیر لو گے ﴿ فَاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ كَبِیْرٍ ﴾ تو میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں اور وہ قیامت کا دن ہے۔

۴- ﴿ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' پس وہ تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اپنی بارگاہ میں (حساب و کتاب کے لیے) حاضر کرنے پر قادر ہے۔

اَلَاۤ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُؕ اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْۙ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَۚ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۵

خبردار! یقیناً وہ لوگ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں تا کہ وہ اس سے چھپ جائیں' خبردار! جب وہ اپنے کپڑوں سے اپنے آپ کو ڈھانپ لیتے ہیں' اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں' بے شک وہ سینوں کے حالات کو خوب جاننے والا ہے ○

۵- ﴿ اَلَاۤ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ ﴾ خبردار! بے شک وہ لوگ اپنے سینوں کو دہرا کرتے ہیں یعنی وہ حق سے پھر جاتے ہیں اور اس سے روگردانی کرتے ہیں کیونکہ جو شخص کسی چیز پر متوجہ ہوتا ہے تو اپنے سینہ کے ساتھ اس کی طرف رخ موڑ لیتا ہے اور جو شخص کسی چیز سے روگردانی کرتا ہے تو اس سے پھر جاتا ہے اور اس سے اپنا سینہ موڑ لیتا ہے اور اس سے اپنا منہ پھیر لیتا ہے ﴿ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ﴾ تا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے آپ کو چھپائے رکھنے کی طلب کر لے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان ان کے گناہوں پر آگاہ نہ ہو جائیں ﴿ اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ ﴾ خبردار ہو جاؤ! جب کہ وہ اپنے آپ کو اپنے کپڑوں میں ڈھانپ لیتے ہیں' اس وقت وہ اپنے آپ کو چھپانا چاہتے ہیں جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''وَ اِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ الخ'' (نوح:۷) ''اور بے شک میں نے جتنی بار انہیں بلایا تا کہ تو ان کو بخش دے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں داخل کر لیں اور اپنے اوپر اپنے کپڑے اوڑھ لیے''۔ ﴿ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ وہ لوگ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں یعنی ان کے اپنے دلی ارادوں کو چھپانے سے اور انہیں ظاہر کرنے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں کچھ فرق نہیں پڑتا'

لہٰذا چھپ جانے کے ارادے سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا اپنے سینوں کو دوہرا کرنے اور حق سے روگردانی کرنے اور اپنے آپ کو اپنے کپڑوں میں ڈھانپ لینے سے پوری طرح آگاہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس ان کا نفاق انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی ﴿ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ بے شک وہ سینوں کے اندر جو کچھ ہے اسے خوب جاننے والا ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷

اور زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمۂ کرم پر ہے اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کے سپرد ہونے کی جگہ کو جانتا ہے' ہر چیز روشن کتاب میں ہے O اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور اس کا عرش پانی کے اوپر تھا تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کس کے عمل نیک ہیں' اور اگر آپ فرمادیں کہ تم مرنے کے بعد یقیناً اٹھائے جاؤ گے تو کافر کہیں گے: یہ تو نہیں مگر کھلا جادو ہے O

۶- ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ اور زمین پر کوئی جاندار نہیں مگر اس کا رزق فضل و کرم کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے لیکن بطور وجوب نہیں ﴿ وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس کے ٹھکانے کو جانتا ہے یعنی زمین پر اس کے مکان کو اور اس کے مسکن کو جانتا ہے ﴿ وَمُسْتَوْدَعَهَا ﴾ اور اس کی امانت گاہ کو کہ وہ باپ کی پشت یا ماں کے شکم یا انڈے کے اندر قرار پکڑنے سے پہلے جہاں بطور امانت رکھا گیا تھا (یعنی عالمِ ارواح میں) ﴿ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ہر چیز روشن کتاب میں تحریر ہے (یعنی) جانداروں میں سے ہر ایک جاندار اور اس کا رزق اور اس کا ٹھکانا اور اس کے سپرد ہونے کی جگہ لوحِ محفوظ میں ہے یعنی اس کا ذکر اس میں لکھ دیا گیا ہے اور واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔

۷- ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ اور وہی ہے جس نے تمام آسمانوں اور تمام زمینوں اور جو کچھ ان دونوں میں ہے' سب کو پیدا فرمایا ﴿ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ﴾ چھے دنوں میں اتوار سے لے کر جمعۃ المبارک تک تا کہ انسانوں کو تعلیم دی جائے کہ تمام کاموں کو جلد بازی کی بجائے تدریج و تاخیر کے ساتھ (آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر) کیا جائے ﴿ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ﴾ اور اس کا عرش پانی پر تھا' یعنی پانی کے اوپر تھا۔ مطلب یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے عرش کے نیچے پانی کے سوا کوئی مخلوق نہیں تھی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے عرش اور پانی مخلوق (یعنی پیدا) ہو چکے تھے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ پانی کا آغاز سبز یاقوت کی تخلیق کے ساتھ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سبز یاقوت پیدا فرما کر اس کی طرف ہیبت و رعب کی نظر سے دیکھا جس کی وجہ سے وہ پانی بن گیا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ہوا کو پیدا فرمایا اور پانی کو اس کی پشت پر رکھا' پھر عرش کو پانی کے اوپر رکھا اور عرش کو پانی کے اوپر ٹھہرانے میں مفکرین کے لیے بہت بڑی

عبرت ہے ﴿لِيَبْلُوَكُمْ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان لے یعنی آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کو ان میں امتحان لینے والے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور ان چیزوں کو خود اپنے آپ کے لیے پیدا نہیں کیا گیا ﴿اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ تم میں سے کس کے عمل نیک ہیں اور کون لوگ اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ نیک عمل والا وہ ہے جو عقل سلیم کے اعتبار سے بہتر ہو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے بہت بچنے والا ہو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری میں بہت جلدی کرنے والا ہو اور جب یہ طریقہ ممتحن کے امتحان کے مشابہ ہوا تو اس لیے اللہ تعالیٰ نے "لِيَبْلُوَكُمْ" فرمایا یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ وہی معاملہ کرے جو تمہارے حالات کا امتحان لینے والا تمہارے ساتھ معاملہ کرتا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ﴿وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ اور اگر آپ فرمادیں کہ بے شک تمہیں مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا تو کافر کہیں گے کہ یہ صرف کھلا جادو ہے۔ کافروں نے یہ اشارہ قرآن مجید کی طرف کیا تھا کیونکہ قرآن مجید نے ہی مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جانے کا اعلان فرمایا' سو جب انہوں نے قرآن مجید کو جادو قرار دے دیا تو حشر ونشر اور حساب وکتاب وغیرہ جو اس کے اندر مندرج ہیں سب کا انکار ہو گیا۔ [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں "سِحْرٌ" کی بجائے "سَاحِرٌ" ہے اور اس میں رسول اکرم ﷺ مراد ہیں اور "ساحر" کا مطلب ہے: جھوٹا اور باطل]

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝۹ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝۱۰ ع ۲

اور اگر ہم مقررہ مدت تک ان سے عذاب کو مؤخر کر دیں تو وہ ضرور کہیں گے کہ اس عذاب کو کس نے روکا ہے؟ خبردار! جس دن ان پر عذاب آئے گا تو ان سے ہرگز نہیں پھیرا جائے گا اور وہی عذاب انہیں گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ○ اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں' پھر ہم اس کو اس سے چھین لیتے ہیں' تو بے شک وہ بہت مایوس و ناشکرا ہو جاتا ہے ○ اور اگر ہم اس کو فقر وفاقہ کی تکلیف پہنچنے کے بعد نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ ضرور کہتا ہے کہ مجھ سے تکلیفیں دور ہو گئیں' تو یقیناً وہ بدترین اترانے والا (اور) فخر جتانے والا بن جاتا ہے ○

۸- ﴿وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ﴾ اور اگر ہم ان سے عذاب کو مؤخر کر دیں (یعنی) آخرت کے عذاب کو یا بدر کے دن کے عذاب کو ﴿اِلٰۤى اُمَّةٍ﴾ اوقات میں سے ایک مجموعہ وقت تک ﴿مَّعْدُوْدَةٍ﴾ مقرر و معین یا تھوڑے دنوں تک اور معنی یہ ہے کہ ایک معین وقت تک ﴿لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ﴾ البتہ وہ لوگ ضرور کہیں گے کہ عذاب کے نزول کو کون روک دیتا ہے؟ یہ محض دین کا مذاق اڑانے اور عذاب کے آنے کو جھٹلانے کے لیے فوراً کہہ دیں گے ﴿اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ﴾ سن لو! جس دن ان پر عذاب آئے گا ﴿لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ﴾ تو وہ عذاب ان سے ہرگز دور نہیں کیا جائے گا [اور "مَصْرُوْفًا"

کے سبب "یَوْمَ" منصوب ہے] (اصل میں عبارت اس طرح ہے) "اَیْ لَیْسَ الْعَذَابُ مَصْرُوْفًا عَنْھُمْ یَوْمَ یَاْتِیْھِمْ" یعنی عذاب ان سے دور نہیں کیا جائے گا جس دن ان پر آئے گا ﴿ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ اور ان کو وہ عذاب گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور جس کو وہ جلدی کرتے تھے [اور "یَسْتَعْجِلُوْنَ" کی جگہ "یَسْتَھْزِءُوْنَ" کو اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ لوگ محض مذاق اڑانے کے لیے عذاب جلد از جلد طلب کرتے تھے]۔

۹- ﴿ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ﴾ اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں' کوئی نعمت دے کر' صحت وتندرستی اور امن وسکون اور وسعت وخوشحالی۔ ["اَلْاِنْسَان" میں لام جنس کا ہے' اس سے مطلق انسان مراد ہے (مسلم ہو یا کافر ہو) اور "لَئِنْ" میں "لام" قسمیہ ہے] ﴿ ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ﴾ پھر ہم اس سے اُسے چھین لیتے ہیں (یعنی) پھر ہم اس سے وہ نعمت ختم کر دیتے ہیں ﴿ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ ﴾ [یہ قسم کا جواب ہے] بے شک وہ چھینی ہوئی نعمت کی مانند دوبارہ ملنے سے بہت مایوس و ناامید ہو جاتا ہے' اس کی اُمید اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی وسعت سے منقطع ہو جاتی ہے اور وہ بے صبرا ہو جاتا ہے اور وہ اس کی قضاء کو تسلیم نہیں کرتا ﴿ كَفُوْرٌ ﴾ بہت ناشکرا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر بھی شکر ادا نہیں کرتا جو اس کو اس سے پہلے ملتی رہیں' وہ ان سب کو بہت جلد بھلا دیتا ہے۔

۱۰- ﴿ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ ﴾ اور ہم اس کو مصیبت پہنچنے کے بعد کوئی نعمت عنایت کر دیں (اور) جو فقر و غربت اس کو پہنچی تھی اس کے بعد ہم اس پر مال و دولت کی خوشحالی وسیع و کشادہ کر دیں ﴿ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ﴾ تو وہ ضرور کہے گا کہ مجھ سے تمام برائیاں اور مصیبتیں دور ہو گئی ہیں یعنی وہ مصائب و آلام جنہوں نے مجھے بدحال کر دیا تھا ﴿ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ ﴾ بے شک وہ بہت مغرور و متکبر ہو جاتا ہے ﴿ فَخُوْرٌ ﴾ وہ لوگوں پر ان نعمتوں کی وجہ سے فخر جتانے والا اور تکبر کرنے والا بن جاتا ہے' جو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں میں سے اس کو عطا فرما دی ہیں' بے شک اس کو فخر و غرور شکر ادا کرنے سے دور کر دیتا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾

سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے صبر کیا اور نیک عمل کیے' یہی لوگ ہیں جن کے لیے بخشش اور بہت بڑا ثواب ہے ○ تو کیا آپ کی طرف جو وحی نازل کی جاتی ہے اس میں سے آپ کچھ چھوڑ دیں گے؟ اور آپ کا سینہ اس کے ساتھ (اس خوف سے) تنگ ہو جاتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ اُن پر خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا یا اُن کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ بے شک آپ تو صرف ڈر سنانے والے ہیں' اور اللہ ہر چیز کا کارساز ہے ○ کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کو خود گھڑ لیا ہے' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم اس کی مثل دس سورتیں بنا کر لاؤ اور تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کو بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے

ھو ۲۷ O

۱۱- ﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ﴾ ماسوا ان کے جنہوں نے محنت ومشقت اور مصیبت میں صبر کیا ﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور انہوں نے نیک کام کیے اور انہوں نے نعمت کے ملنے اور خوشحالی پر شکر ادا کیا ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ﴾ انہیں لوگوں کے لیے ان کے گناہوں پر مغفرت وبخشش ہے ﴿ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴾ اور بہت بڑا ثواب ہے یعنی جنت ہے۔

۱۲- شانِ نزول: مشرکینِ مکہ بلا سوچے سمجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتراض کرتے ہوئے بطور عناد وبغض آپ سے معجزات کا مطالبہ کرتے لیکن رشد وہدایت حاصل کرنے کے لیے نہیں کیونکہ اگر وہ لوگ رشد وہدایت حاصل کرنے والے ہوتے تو آپ جو معجزات لے کر تشریف لائے تھے ان میں سے صرف ایک معجزہ ان کی ہدایت کے لیے کافی ہو جاتا اور ان کے اعتراضات میں سے ایک یہ تھا کہ "لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ"۔ ان پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل کیا گیا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ اور وہ لوگ قرآن مجید کو معجزہ شمار نہیں کرتے تھے اور اس کو (حضور کی طرف سے من گھڑت اور) معمولی سمجھتے' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک اس بناء پر تنگ ہو جاتا تھا کہ ان کے سامنے جو بھی کلامِ الٰہی پیش کیا جائے گا وہ اس کو قبول نہیں کریں گے اور وہ اس پر ہنسیں گے تو اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل آیت مبارکہ میں) آپ کو ادائے رسالت کی ترغیب دی اور ان کے اعتراض کرنے' اپنی باتوں کے ذریعے مذاق اڑانے اور انکار کرنے کی پرواہ نہ کرنے کی ترغیب دی ﴿ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا یُوْحٰٓى اِلَیْكَ ﴾ تو کیا آپ کی طرف جو وحی نازل کی جاتی ہے' اس میں سے آپ کچھ چھوڑ دیں گے؟ یعنی کیا آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی کو ان کے سامنے پیش کرنے اور انہیں اس کی تبلیغ کرنے کے مشن کو محض اس خوف سے ترک کر دیں گے کہ وہ لوگ اس کو رد کر دیں گے اور وہ اس کو معمولی قرار دے کر اس کے ساتھ سستی کا برتاؤ کریں گے[1] ﴿ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ ﴾ اور ان کے سامنے تلاوت کرنے پر آپ کا سینۂ مبارک اس وحی کے ساتھ تنگ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے "ضَآئِقٌ" کی بجائے "ضَیِّقٌ" نہیں فرمایا تاکہ یہ اس بات کی دلیل بن جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینۂ اقدس کا تنگ ہونا عارضی تھا مستقل نہیں تھا' اس لیے کہ آپ کا سینۂ اقدس تمام لوگوں کے سینوں سے بہت زیادہ فراخ وکشادہ تھا اور اس لیے کہ آپ کا وحی کو ترک کرنا بہت ہی مشکل وناممکن تھا ﴿ اَنْ یَّقُوْلُوْا ﴾ "مَخَافَةَ اَنْ یَّقُوْلُوْا" (یعنی) اس خوف کی وجہ سے کہ وہ لوگ کہیں گے: ﴿ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ﴾ ان پر خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا (یعنی) اس رسول پر وہ خزانہ کیوں نہیں نازل کیا گیا' جس کا ہم نے سوال کیا تھا تاکہ ہم اسے خرچ کرتے اور ان کے ساتھ گواہی دینے کے لیے فرشتے کیوں نہیں آئے تاکہ ہم ان کی نبوت ورسالت کی تصدیق کرتے اور ان پر وہ کیوں نازل کیا جاتا ہے جو ہم نہیں چاہتے اور نہ ہم اس کا سوال

[1] خبردار! اس آیتِ مبارکہ سے یہ تصور نہ کیا جائے کہ نعوذ باللہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرائضِ تبلیغ میں بعض احکام کو ترک کرنے کی توقع تھی کیونکہ آپ معصوم ہیں اور آپ سے کسی گناہ کا صدور ناممکن ہے جب کہ تبلیغی احکام کا چھپانا یا نہ بتانا بہت بڑا گناہ ہے' نیز "لَعَلَّ" کا لفظ صرف ترجی (متوقع کام) کے معنی میں نہیں آتا بلکہ کبھی تبعید کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی بعض نازل کردہ احکام کی تبلیغ کو ترک کرنا آپ سے بہت ناممکن ہے اور کبھی استفہامِ انکاری کے معنی میں بھی آتا ہے (ترجمہ میں یہی معنی لیا گیا ہے) جیسے حدیث شریف میں آتا ہے: "لَعَلَّنَا اَعْجَلْنَاكَ" کیا ہم نے تمہیں جلدی میں ڈال دیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ آپ کسی کی خاطر احکامِ الٰہی کی تبلیغ میں کچھ بھی ترک نہیں فرمائیں گے۔ (ماخوذ از تفسیر روح المعانی ج ۱۲ ص ۱۹' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور) بلکہ اس آیت مبارکہ کا مفہوم وہی ہے جو مصنف علیہ الرحمۃ نے اس کے شانِ نزول میں بیان کیا ہے۔

کرتے ہیں ﴿ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ﴾ بے شک آپ تو صرف ڈر سنانے والے ہیں یعنی آپ پر کچھ لازم نہیں سوائے اس کے کہ آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے اس کے ساتھ آپ لوگوں کو ڈرائیں اور جس چیز کی تبلیغ کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کی لوگوں کو تبلیغ کریں اور آپ پر کچھ لازم نہیں آئے گا' اگر انہوں نے اس کو رد کر دیا یا اس کو معمولی قرار دے دیا ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا محافظ ہے' جو کچھ وہ لوگ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو محفوظ کر لیتا ہے اور وہ ان کے ساتھ وہی کچھ کرے گا جو ان کے ساتھ کرنا ضروری ولازمی ہے' پس آپ اس پر بھروسہ رکھیں اور اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دیں اور آپ پر شرح صدر اور وسعتِ قلب کے ساتھ وحی الٰہی کی تبلیغ کرنا واجب ہے' سو آپ ان کے تکبر کی طرف توجہ کیے بغیر اور ان کی حماقت، بے وقوفی اور ان کے استہزاء و مذاق اڑانے کی پروا کیے بغیر اپنا فریضۂ تبلیغ جاری رکھئے۔

۱۳- ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ ﴾ "اَمْ" منقطعہ ہے (یعنی) کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ ﴿ افْتَرٰىهُ ﴾ انہوں (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اس (قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے [اس میں "ہ" ضمیر "مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ" کی طرف لوٹتی ہے] ﴿ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم دس سورتیں بنا کر لاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے کفار کو دس سورتیں بنا کر لانے کا چیلنج دیا' پھر (جب وہ نہ لا سکے تو) ایک سورت لانے کا چیلنج دیا جیسا کہ آزمانے والا شخص اپنے دوست کو تحریر میں کہتا ہے کہ تم دس سطریں ایسی لکھو جیسی میں لکھتا ہوں' پھر جب اس پر واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا دوست اس سے عاجز ہے تو اس سے کہتا ہے کہ میں تجھ سے صرف ایک سطر کے لکھنے پر اکتفاء کرتا ہوں ﴿ مِّثْلِهٖ ﴾ حسن و خوبی' فصاحت و بلاغت' عظمت و بزرگی اور معنوی جامعیت میں قرآن مجید کی سورتوں کی مثل ہوں [اور "مِثْلِهٖ" کا معنی "اَمْثَالِهٖ" ہے کہ کفار کی بنائی ہوئی سورتوں میں سے ہر ایک قرآن مجید کی سورتوں کی طرح ہو] ﴿ مُفْتَرَيٰتٍ ﴾ [یہ "عَشْرِ سُوَرٍ" کی دوسری صفت ہے] جب کافروں نے حضور سے کہا کہ قرآن کو آپ نے خود بنایا ہے اور آپ نے اپنی طرف سے گھڑ کر اس کو پیش کر دیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے تو آپ نے ان کے ساتھ لگام ڈھیلی کر دی اور فرمایا کہ چلو فرض کرو کہ اس کو میں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے تو تم بھی اس جیسا کلام اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کرو کیونکہ تم بھی میری طرح عرب کے فصحاء سے تعلق رکھتے ہو ﴿ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ اور تم معارضہ و مقابلہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کو معاونت کے لیے بلا سکتے ہو بلا لو ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ یہ قرآن مجید (نعوذ باللہ من ذالک) من گھڑت ہے۔

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

پھر اگر وہ تمہارے اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکتے تو تم جان لو کہ وہ اللہ کے علم کے ساتھ نازل کیا گیا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' تو کیا تم اسلام پر قائم رہو گے O جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتے ہیں تو ہم اس دنیا میں انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلا دے دیں گے اور اس میں انہیں کم کر کے نہیں دیا جائے گا O یہی وہ لوگ

ہیں جن کے لیے آخرت میں ماسوا دوزخ کی آگ کے اور کچھ نہیں ہوگا' اور انہوں نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ سب ضائع ہو گیا اور وہ جو کچھ عمل کرتے تھے وہ سب برباد ہو گئےO

۱۴۔﴿فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰہِ وَاَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ﴾ پھر اگر کفارِ مکہ تمہارا چیلنج قبول نہ کریں تو یقین رکھو کہ بے شک یہ قرآن صرف اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ نازل کیا گیا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے یعنی یہ قرآن مجید مخلوق کو عاجز کرنے والی ایسی عظیم الشان نظم کے ساتھ ملتبس ہو کر نازل کیا گیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور غیبوں کی ایسی خبروں کے ساتھ ملا کر نازل کیا گیا ہے کہ جن تک رسائی کی سبیل ان کفار کے بس میں نہیں ہے اور تم اس وقت یہ جان لو کہ اکیلے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں کیونکہ اس کی توحید واجب و لازم ہے اور اس کے ساتھ شرک کرنا بہت بڑا ظلم ہے [اور ''قُلْ'' کے ساتھ مفرد خطاب کے بعد اس آیت مبارکہ میں ''فَاعْلَمُوْا'' اور ''لَکُمْ'' میں جمع کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و تکریم کے لیے جمع کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے یا پھر یہ خطاب رسول اکرم اور مسلمانوں کے لیے ہے کیونکہ یہ ان سے گفتگو کرتے تھے یا یہ خطاب مشرکین کے لیے ہے اور ''لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا'' کی ضمیر ''مَنِ اسْتَطَعْتُمْ'' کی طرف لوٹتی ہے] یعنی اگر تمہارے وہ معبود جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو معارضہ کرنے کی خاطر تمہاری مدد کرنے کی بات قبول نہ کریں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ ان کے معبود اس سے عاجز ہیں تو تم جان لو کہ بے شک یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے علم ہی سے نازل کیا گیا ہے یعنی اس کی اجازت سے یا اس کے حکم سے ﴿فَھَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ تو کیا تم اس مضبوط و مستحکم حجت و دلیل کے بعد اسلام کی پیروی کرو گے اور جس نے اس خطاب کو مسلمانوں کے لیے قرار دیا ہے تو (ان کے نزدیک) اس کا معنی یہ ہے کہ تم اس علم پر ثابت قدم رہو جس پر تم قائم ہو اور وہ یقین میں مزید پختہ ہو گئے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تم عقیدۂ توحید پر قائم رہو اور ''فَھَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ'' کا معنی ہے کہ کیا تم مخلص ہو؟

۱۵۔﴿مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا نُوَفِّ اِلَیْھِمْ اَعْمَالَھُمْ فِیْھَا وَھُمْ فِیْھَا لَا یُبْخَسُوْنَ﴾ جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش چاہتا ہے تو ہم اس میں انہیں ان کے اعمال پورے پورے دے دیں گے اور وہ اس کو کم نہیں دیئے جائیں گے (یعنی) ہم دنیا میں انہیں ان کے اعمال اجرتیں بغیر کسی کمی کے کامل اور پوری پوری دے دیں گے اور وہ صحت و تندرستی اور مال و دولت اور رزق دنیا میں انہیں عطا کر دیا گیا اور وہ لوگ کفار ہیں یا منافقین مراد ہیں۔

۱۶۔﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْھَا﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور انہوں نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ سب برباد ہو گیا (یعنی) انہوں نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ آخرت میں ضائع ہو جائے گا یعنی آخرت میں انہیں ثواب نہیں ملے گا کیونکہ انہوں نے اپنے اعمال سے آخرت کو نہیں چاہا اور بے شک انہوں نے اپنے اعمال سے تو صرف دنیا کو چاہا اور انہوں نے جو چاہا تھا اس کا بدلا انہیں (دنیا میں) پورا پورا دے دیا گیا ﴿وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ اور باطل ہو گیا جو کچھ وہ لوگ عمل کرتے تھے یعنی ان کا عمل فی نفسہٖ باطل تھا کیونکہ وہ لوگ کسی صحیح غرض کے لیے عمل نہیں کرتے تھے اور باطل عمل پر ثواب نہیں ملتا۔

اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَیَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ وَمِنْ قَبْلِہٖ کِتٰبُ مُوْسٰٓی اِمَامًا وَّرَحْمَۃً ؕ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ مِنَ الْاَحْزَابِ

فَالنَّارُ مَوۡعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡهُ ۚ اِنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۷﴾

تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل رکھتا ہو اور اللہ کی طرف سے اس کے پیچھے گواہ آتا ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت تھی' یہ لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں' اور تمام گروہوں میں سے جو اس کا انکار کرتا ہے اس کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے' سو تم اس کے بارے میں شک میں نہ رہو' بے شک وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے O

۱۷-﴿اَفَمَنۡ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ﴾ تو کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر قائم ہے (یعنی) کیا وہ شخص جو دنیا کی زندگی چاہتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے واضح اور روشن دلیل پر قائم ہے یعنی مرتبہ و شان میں دنیادار دین دار تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ وہ ان کے برابر ہو سکتے ہیں کیونکہ دونوں فریقوں کے درمیان واضح تضاد اور فرق ہے اور ''اپنے رب کی دلیل پر قائم'' سے وہ لوگ مراد ہیں جو یہودیوں میں سے ایمان لائے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور اس کے دیگر ساتھی وغیرہ کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے روشن دلیل پر ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برہان و دلیل اور اس بیان پر قائم ہیں کہ دین اسلام سچا دین ہے اور برحق ہے اور وہ عقل کی دلیل ہے ﴿وَيَتۡلُوۡهُ﴾ اور اس برہان کے پیچھے آتا ہے ﴿شَاهِدٌ﴾ ایک گواہ جو اس کے صحیح و برحق ہونے کی گواہی دیتا ہے اور وہ قرآن مجید ہے ﴿مِّنۡهُ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا قرآن مجید کی طرف سے' سو بلاشبہ اس کا ابھی ذکر گزرا ہے ﴿وَمِنۡ قَبۡلِهٖ﴾ اور قرآن کریم سے پہلے ﴿كِتٰبُ مُوۡسٰٓى﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب اور وہ تورات ہے یعنی قرآن مجید سے پہلے بھی اس برہان کے پیچھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات شریف آئی تھی ﴿اِمَامًا﴾ وہ ایسی کتاب تھی جس کی دینی احکام میں پیروی کی جاتی تھی وہ دین میں سب کی مقتدا تھی ﴿وَّرَحۡمَةً﴾ اور جن کے لیے وہ نازل کی گئی تھی ان کے لیے بہت بڑی نعمت و رحمت تھی [اور یہ دونوں کلمے حال واقع ہو رہے ہیں] ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ یہی لوگ یعنی جو اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے روشن دلیل رکھتے ہیں ﴿يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ﴾ وہ قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں ﴿وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِهٖ﴾ اور جو اس قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں ﴿مِنَ الۡاَحۡزَابِ﴾ تمام گروہوں میں سے یعنی اہل مکہ کے گروہ اور وہ گروہ جو ان کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں ﴿فَالنَّارُ مَوۡعِدُهٗ﴾ تو دوزخ کی آگ ان کا ٹھکانا اور ان کے ٹھہرنے کی جگہ ہے ﴿فَلَا تَكُ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡهُ﴾ سو تم اس قرآن کے متعلق یا اس ٹھکانے کے وعدے کے متعلق شک میں نہ رہو ﴿اِنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ﴾ بے شک وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَـرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعۡرَضُوۡنَ عَلٰى رَبِّهِمۡ وَيَقُوۡلُ الۡاَشۡهَادُ هٰٓؤُلَۤاءِ الَّذِيۡنَ كَذَبُوۡا عَلٰى رَبِّهِمۡ‌ ۚ اَلَا لَـعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَ يَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۱۹﴾

أُولَٰٓئِكَ لَمۡ يَكُونُواْ مُعۡجِزِينَ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَمَا كَانَ لَهُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِنۡ أَوۡلِيَآءَۘ يُضَٰعَفُ لَهُمُ ٱلۡعَذَابُۚ مَا كَانُواْ يَسۡتَطِيعُونَ ٱلسَّمۡعَ وَمَا كَانُواْ يُبۡصِرُونَ ﴿٢٠﴾

وقف لازم

اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے' یہ لوگ اپنے رب کے حضور پیش کیے جائیں گے اور گواہ کہیں گے: یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے رب پر جھوٹ بولا تھا' سن لو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے O جو اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں' اور وہی لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں O یہ لوگ زمین میں (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں تھے اور نہ اللہ کے سوا ان کا کوئی حمایتی ہے' ان کو دُگنا عذاب دیا جائے گا' وہ نہ سن سکتے تھے اور نہ وہ دیکھتے تھے O

۱۸- ﴿وَمَنۡ أَظۡلَمُ مِمَّنِ ٱفۡتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًاۚ أُوْلَٰٓئِكَ يُعۡرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمۡ﴾ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور یہی لوگ اپنے رب تعالیٰ کے حضور میں پیش کیے جائیں گے (یعنی) ان کو موقف میں روک لیا جائے گا اور ان کے اعمال پیش کیے جائیں گے ﴿وَيَقُولُ ٱلۡأَشۡهَٰدُ هَٰٓؤُلَآءِ ٱلَّذِينَ كَذَبُواْ عَلَىٰ رَبِّهِمۡ﴾ اور گواہ کہیں گے: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ پر جھوٹ بولا تھا اور نبیوں اور فرشتوں میں سے گواہ ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ بے شک یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر بہت جھوٹ بولتے تھے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد اور شریک بنا لیے تھے ﴿أَلَا لَعۡنَةُ ٱللَّهِ عَلَى ٱلظَّٰلِمِينَ﴾ خبردار! ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے جو اپنے پروردگار پر جھوٹ بولتے ہیں [اور "اَشۡهَادٌ"، "شَاهِدٌ" کی جمع ہے جیسے "اَصۡحَابٌ"، "صَاحِبٌ" کی جمع ہے یا "اَشۡهَاد"، "شَهِيۡدٌ" کی جمع ہے جیسے "شَرِيۡفٌ" کی جمع "اَشۡرَاف" ہے]۔

۱۹- ﴿ٱلَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ﴾ جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں کہ وہ دوسرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے منع کرتے ہیں ﴿وَيَبۡغُونَهَا عِوَجًا﴾ اور وہ لوگ اس میں کجی کو تلاش کرتے ہیں کہ وہ لوگ اس کو ٹیڑھا میڑھا بیان کرتے ہیں حالانکہ وہ مستقیم وسیدھا راستہ ہے یا اس دین کے ماننے والوں کو دین سے پھیر کر ٹیڑھے اور غلط راستے پر لگا دیتے ہیں ﴿وَهُم بِٱلۡأٓخِرَةِ هُمۡ كَٰفِرُونَ﴾ اور وہی لوگ ہی آخرت کا انکار کرنے والے ہیں [اور دوسری ضمیر "هُمۡ" آخرت سے ان کے انکار کرنے کی تاکید اور آخرت کے ساتھ کفر کرنے کے اختصاص کی تاکید کے لیے ہے]۔

۲۰- ﴿أُوْلَٰٓئِكَ لَمۡ يَكُونُواْ مُعۡجِزِينَ فِي ٱلۡأَرۡضِ﴾ یہ لوگ زمین میں عاجز کرنے والے نہیں تھے (یعنی) یہ لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو اس سے عاجز نہیں کر سکتے کہ وہ ان کو سزا دیتا' اگر اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینا چاہتا ﴿وَمَا كَانَ لَهُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِنۡ أَوۡلِيَآءَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے لیے کوئی حمایت کرنے والا نہیں تھا جو ان کی حمایت کرتا اور اللہ تعالیٰ سے چھڑانے کے لیے ان کی مدد کرتا اور وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا لیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو مہلت دینے اور اس (قیامت کے) دن تک ان سے عذاب کو مؤخر کرنے کا ارادہ فرما لیا اور یہ گواہوں کے کلام میں سے ہے ﴿يُضَٰعَفُ لَهُمُ ٱلۡعَذَابُ﴾ ان کو دگنا عذاب دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے بہکا دیا تھا۔ [ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "یُضَعَّفُ" (عین مشدّد کے ساتھ باب تفعیل سے) ہے] ﴿مَا كَانُواْ يَسۡتَطِيعُونَ ٱلسَّمۡعَ﴾ وہ لوگ سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے یعنی حق کو سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے ﴿وَمَا كَانُواْ يُبۡصِرُونَ﴾ اور وہ لوگ حق کو نہیں دیکھتے تھے۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ وَضَلَّ عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَاجَرَمَ اَنَّھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّھِمْ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ کَالْاَعْمٰی وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِیْرِ وَالسَّمِیْعِ ھَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ ع
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖٓ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈال دیا اور وہ جو کچھ افترا کرتے تھے وہ سب ان سے ضائع ہو گئے O بلاشبہ یقیناً وہ لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور انہوں نے اپنے رب کی طرف عاجزی اختیار کی' یہی لوگ جنتی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O دونوں گروہوں کی مثال ایک اندھے اور بہرے اور دوسرے دیکھنے اور سننے والے کی طرح ہے' کیا وہ دونوں مثال میں برابر ہو سکتے ہیں' تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے O اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا' (انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا:) بے شک میں تمہیں واضح اور صاف ڈر سنانے والا ہوں O

۲۱- ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال دیا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے عوض میں بتوں کو خرید لیا تھا ﴿وَضَلَّ عَنْھُمْ﴾ اور انہوں نے جو کچھ خریدا تھا وہ ان سے ضائع ہو گیا اور ان سے تباہ و برباد ہو گیا اور یہ ﴿مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ﴾ وہی ہے جو وہ افتراء کرتے تھے' بتوں کے معبود ہونے اور ان کی شفاعت کے مفید ہونے کی۔

۲۲- ﴿لَاجَرَمَ اَنَّھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ﴾ بلاشبہ وہ لوگ آخرت میں یقیناً بہت نقصان اٹھانے والے ہیں' لوگوں کو روکنے اور منع کرنے کے سبب۔ [اور ''لَا جَرَمَ'' میں کئی اقوال ہیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ ''لَا'' سابق کلام کی نفی کے لیے آتا ہے یعنی اس طرح معاملہ نہیں ہوگا جس طرح انہوں نے گمان کیا ہوا ہے اور ''جَرَمَ'' کا معنی ''کَسَبَ'' ہے اور اس کا فاعل مضمر ہے اور (اَنَّھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ) محلاً منصوب ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''کَسَبَ قَوْلُھُمْ خُسْرَ اَنَّھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ'' انہوں نے اپنی ہی بات سے آخرت کے لیے نقصان کمایا' اور دوسرا معنی یہ ہے کہ ''لَا جَرَمَ'' دو مرکب کلمے ہیں اور ان کا معنی ''حَقًّا'' ہو گیا ہے اور ''اَنَّ'' مرفوع کے محل میں واقع ہے' اس بناء پر کہ یہ حق کا فاعل ہے یعنی ان کا نقصان ثابت ہو گیا ہے اور اس کا تیسرا معنی ''لَا مَحَالَۃَ'' ہے' یعنی ضرور اور یقیناً]

۲۳- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّھِمْ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور وہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف جھک گئے اور انہوں نے اسی کے ذکر میں اطمینان و سکون پایا اور وہ نہایت عاجزی و انکساری اور تواضع کے ساتھ اس کی عبادت میں منہمک ہو کر سب سے الگ تھلک ہو گئے [اور ''اَخْبَتُوْا''، ''خَبْتٌ'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی فراخ زمین (یا) نشیب کی زمین ہے] ﴿اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ﴾ یہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

۲۴۔﴿ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ﴾ دونوں فریقوں (کافر ومؤمن) کی مثال اندھے اور بہرے اور دیکھنے اور سننے والے کی طرح ہے' اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے گروہ کو اندھے اور بہرے کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور مؤمنوں کے گروہ کو دیکھنے اور سننے والے کے ساتھ تشبیہ دی ہے ﴿ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ ﴾ یعنی کیا وہ دونوں فریق برابر و یکساں ہو سکتے ہیں ﴿ مَثَلًا ﴾ مثال وتشبیہ میں [اور یہ تمییز کی بناء پر منصوب ہے] ﴿ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے اور مثال کے بیان سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے تبلیغی کارنامے اور کافروں کی اپنی کارستانیوں پر طوفان میں غرق ہونے کا بیان

۲۵۔﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (اور حضرت نوح نے اپنی قوم سے فرمایا:) بے شک میں تمہارے لیے کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں یعنی ''بِاَنِّيْ'' ہے اور معنی یہ ہے کہ ہم نے (حضرت) نوح کو اس کلام کے ساتھ ملا کر بھیجا ہے اور وہ کلام یہ ارشاد ہے: ''اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ'' [اس میں الف مکسور ہے' پھر جب اس کے شروع میں حرفِ جار مل جاتا ہے تو مفتوح پڑھا جاتا ہے (جیسے ''بِاَنِّيْ'') جیسا کہ ''كَاَنَّ'' میں ہے اور معنی کسر (یعنی زیر) کی بناء پر کیا جاتا ہے اور ابن عامر شامی' نافع مدنی' عاصم' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں قول مراد لینے کی وجہ سے الف کو مکسور پڑھا جاتا ہے]۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾

کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' بے شک میں تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں ○ تو ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ ہم تجھے صرف اپنے جیسا بشر دیکھتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی نہیں کرتے مگر وہ لوگ جو بہ ظاہر نظر میں ہم میں سے خسیس ترین ہیں' اور ہم اپنے اوپر تمہارے لیے کوئی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں ○ (حضرت نوح نے) فرمایا: اے میری قوم! کیا تم بتاؤ گے کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت عنایت کر رکھی ہے' سو وہ تم پر مخفی کر دی گئی ہے' کیا ہم اسے تم پر لازم کر دیں گے حالانکہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو ○

۲۶۔﴿ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ﴾ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو [''اَنْ'' مفسرہ ہے اور ''اَرْسَلْنَا'' کے ساتھ متعلق ہے یا ''نَذِيْرٌ'' کے ساتھ متعلق ہے] ﴿ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴾ بے شک مجھے تم پر دردناک دن کے عذاب کا ڈر ہے [''يَوْمٍ'' کو ''اَلِيْمٍ'' کے ساتھ موصوف کرنا مجازی اسناد ہے کیونکہ عذاب کا درد دن میں واقع ہوا تھا]۔

۲۷- ﴿فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ﴾ پھر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا۔ ''مَلَأ'' سے سردار مراد ہیں کیونکہ انہوں نے لوگوں کے دلوں کو اپنے رعب و دبدبہ سے بھر دیا تھا اور یہی لوگ مجالس ومحافل کے لیڈر ہوا کرتے تھے یا اس لیے کہ اس قوم کے یہ سردار معاملات میں اپنی آراء بہترین اور صائب و درست انداز میں پیش کرنے اور دور اندیشیوں اور اپنی عقل مندیوں کے اعتبار سے بھرپور صلاحیت رکھتے تھے ﴿مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا﴾ ہم تمہیں نہیں دیکھتے مگر اپنے جیسا بشر۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ کوئی رئیس اور سردار یا کوئی فرشتہ پیغمبر ہونا چاہیے تھا ﴿وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا﴾ اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری اتباع صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو ہم میں سے خسیس ترین اور کم ترین لوگ ہیں [''اَرَاذِلُ''، ''اَرْذَل'' کی جمع ہے] ﴿بَادِیَ﴾ [ابوعمرو کی قراءت میں ہمزہ کے ساتھ (بَادِئَ) ہے] ﴿الرَّاْیِ﴾ [ابوعمرو کی قراءت میں ہمزہ کے بغیر (رَایِ) ہے یعنی تمہاری اتباع صرف ظاہری رائے رکھنے یا پہلی رائے دینے والوں نے کی ہے' ''بَدَا یَبْدُوْ'' سے ماخوذ ہے' جب کوئی چیز ظاہر ہو جائے یا ''بَدَاَ یَبْدَاُ'' سے ماخوذ ہے' جب کوئی شخص کسی چیز کو پہلی دفعہ کرتا ہے اور اس کا نصب ظرف کی بناء پر ہے' اس کی اصل ''وَقْتَ حُدُوْثِ ظَاهِرِ رَاْیِهِمْ اَوْ اَوَّلِ رَاْیِهِمْ'' (یعنی) ان کی ظاہری رائے کے نمودار ہونے کے وقت یا ان کی پہلی رائے کے نمودار ہونے کے وقت اور مضاف الیہ کو مضاف کے قائم مقام کیا گیا ہے] ان کی مراد یہ تھی کہ ان لوگوں کا تمہاری اتباع کرنا ایک ایسا عمل ہے جو بغیر غور وفکر اور بغیر سوچے سمجھے اچانک ان کے ساتھ پیش آیا ہے اور اگر وہ لوگ غور وفکر کرتے تو تمہاری پیروی نہ کرتے اور انہوں نے ایمان لانے والوں کو خسیس وکم ترین صرف ان کی غربت اور دنیاوی اسباب میں ترقی کی بجائے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے سمجھا تھا' کیونکہ وہ جاہل و نادان لوگ تھے' وہ دنیا کے ظاہری ٹھاٹ باٹھ کی زندگی کے ماسوا اور کچھ نہیں جانتے تھے' پس ان کے نزدیک معزز ومحترم وہی ہوتا تھا جو دنیاوی شان وشوکت اور مال و دولت کا مالک ہوتا جیسا کہ تم اسلام کے نام لیوا اکثر دنیاداروں کو دیکھو گے کہ وہ غریب و نادار مسلمانوں کے بارے میں یہی اعتقاد رکھتے ہیں اور وہ احترام واہانت کی بنیاد اسی دولت وغربت پر رکھتے ہیں اور ان کے ذہنوں سے یہ بات نکل گئی کہ صرف دنیا کی ترقی کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کا مقرب ومعزز نہیں بنا دیتی' وہ تو صرف اس کو اللہ تعالیٰ سے دور کر دیتی ہے اور اس کو بلند شان نہیں کرتی بلکہ وہ اس کو پست و ذلیل کر دیتی ہے ﴿وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ﴾ اور ہم مال و دولت اور رائے وغیرہ میں اپنے اوپر تمہارے لیے کوئی فضیلت نہیں دیکھتے' انہوں نے اس سے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی اتباع کرنے والے مراد لیے ﴿بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ﴾ بلکہ ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں یعنی حضرت نوح کو دعوتِ دین دینے میں اور ان کی پیروی کرنے والوں کو دعوتِ دین قبول کرنے اور اس کی تصدیق کرنے میں یعنی تم نے چودھراہٹ ولیڈری حاصل کرنے کی غرض سے دعوتِ دین اور اسے قبول کرنے پر اتفاق کر لیا ہے۔

۲۸- ﴿قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ﴾ حضرت نوح نے فرمایا: اے میری قوم! تم مجھے خبر دو کہ ﴿اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ﴾ اگر میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے واضح دلیل اور مضبوط برہان پر قائم ہوں اور اس کی طرف سے ایک گواہ ہو جو میرے دعویٰ کے صحیح ہونے کی گواہی دے ﴿وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ﴾ اور اس نے اپنے پاس سے مجھے رحمت یعنی نبوت عطا فرما دی ہے ﴿فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ﴾ اور وہ تم پر مخفی کر دی گئی ہے [ایک قراءت میں عین مفتوح اور میم مکسور مخفف کے ساتھ مجرد باب سے ''فَعَمِیَتْ'' ہے یعنی تم سے پوشیدہ ہے اور قاری حمزہ' علی کسائی اور حفص کی قراءت میں ''فَعُمِّیَتْ'' (عین مضموم اور میم مکسور مشدّد کے ساتھ باب تفعیل سے) ہے یعنی تم پر مخفی کر دی گئی ہے] یعنی تم اس روشن دلیل سے اندھے کر دیئے گئے ہو اس لیے تم ہدایت حاصل نہیں کر سکتے جیسا کہ کسی قوم کا رہبر جنگل میں اندھا ہو جائے تو وہ قوم ھادی کے بغیر باقی رہ جائے گی اور

اس کی حقیقت یہ ہے کہ جس حجت کو رہبر و راہنما بنایا گیا ہے' اسی طرح اس کو اندھا اور مخفی بھی بنایا گیا ہے اس لیے (حجت سے) اندھا نہ خود ہدایت حاصل کرتا ہے اور نہ دوسرے کو ہدایت دیتا ہے ﴿ اَنُلْزِمُکُمُوْھَا ﴾ کیا ہم اسے یعنی رحمت و نبوت کو قبول کرنا تمہارے اوپر لازم کر دیں گے ﴿ وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴾ حالانکہ تم اسے ناپسند کرنے والے ہو اور نہ اس کو چاہتے ہو [اور '' نُلْزِمْکُمُوْھَا '' میں واؤ میم کی تکمیل کے لیے داخل کی گئی ہے اور ابوعمرو سے منقول ہے کہ اس کی پہلی میم ساکن ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حرکت ہلکا سا جھٹکا ہوتی ہے' اس لیے راوی نے اس کو سکون گمان کر لیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ اعرابی حرکت کو ترک کرنا ماسوا شعری ضرورت کے جائز نہیں ہے]۔

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ
اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ
اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ
يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور اے میری قوم! میں اس پر تم سے مال نہیں مانگتا' میرا اجر و ثواب نہیں ہے مگر اللہ کے ذمۂ کرم پر اور میں (اپنے پاس سے) ایمان والوں کو دور نہیں کروں گا' بے شک وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو O اے میری قوم! اگر میں ان کو دور کر دوں تو اللہ سے مجھے کون بچائے گا' تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے O اور میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جان لیتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ یقیناً میں فرشتہ ہوں اور نہ میں ان لوگوں کے لیے کہتا ہوں جن کو تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں کہ اللہ ان کو ہرگز کوئی بھلائی عطا نہیں فرمائے گا' اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے' بے شک میں (بفرضِ محال ایسا کہوں تو) اس وقت ضرور میں حد سے بڑھ جانے والوں میں سے ہو جاؤں گا O

۲۹۔ ﴿ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ ﴾ اور اے میری قوم! میں تم سے اس پر یعنی رسالت کی تبلیغ پر سوال نہیں کرتا کیونکہ '' اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ '' سے یہی مفہوم ثابت ہوتا ہے ﴿ مَالًا ﴾ اجرت کا کہ اگر تم ادا کرنا چاہو تو تم پر بوجھ بن جائے یا اگر تم مجھے اجرت دینے سے انکار کر دو تو مجھ پر بوجھ بن جائے ﴿ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ﴾ میرا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے۔ [نافع مدنی' ابن عامر شامی' ابوعمرو بصری اور امام حفص کی قراءت میں '' اِنْ اَجْرِیَ '' میں '' یا '' مفتوح ہے (جب کہ باقی قراء کی قراءت میں '' یَا '' ساکن ہے)] ﴿ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اور میں ان لوگوں کو (اپنے پاس سے ہرگز) دور نہیں کروں گا جو ایمان لائے ہیں۔ جب حضرت نوح کی قوم کے سرداروں نے آپ سے درخواست کی کہ ان مسلمانوں کو اپنے پاس سے دور کر دیں تو وہ آپ پر ایمان لے آئیں گے کیونکہ ان کو غریب مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں تھا تو حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو یہی جواب دیا (جو اس آیت مبارکہ میں مذکور ہے) ﴿ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ ﴾ یقیناً وہ اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کریں گے' پس اگر میں نے ان کو دھتکار دیا اور اپنے پاس سے دور کر دیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں

میری شکایت کریں گے ﴿ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴾ اور لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جاہل و نادان ہو کیونکہ تم مسلمانوں پر احمقانہ الزام لگاتے ہو اور تم ان کو رذیل و خسیس اور کم ترین کہہ کر بلاتے ہو یا تم اپنے رب تعالیٰ کی ملاقات کرنے اور اس کے حضور پیش ہونے سے ناواقف و جاہل ہو یا تم اس بات سے ناواقف و جاہل ہو کہ یہ مسلمان تم سے یقیناً بہت بہترین ہیں۔

٣٠- ﴿ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ﴾ اور اے میری قوم! اگر میں نے ان مسلمانوں کو اپنے پاس سے دور کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں میری بھلا کون مدد کرے گا (اور) مجھے اس کے انتقام سے کون بچائے گا ﴿ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ تو کیا تم لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

٣١- ﴿ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ ﴾ اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں تم پر مال و دولت کے بل بوتے پر فضیلت و برتری کا دعویٰ کرتا ہوں حتیٰ کہ تم میری فضیلت کا انکار کر دو اور تم یہ کہو: ''وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ'' (ھود:٢٧) ''اور ہم اپنے اوپر تمہارے لیے کوئی فضیلت نہیں دیکھتے''۔ ﴿ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ﴾ اور نہ میں از خود غیب جان لیتا ہوں تاکہ میں اپنے پیروکاروں کی جانوں اور ان کے دلوں کی پوشیدہ کیفیات سے آگاہ ہو جاؤں [اور یہ ''عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ'' پر معطوف ہے] یعنی نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں اپنے آپ غیب جان لیتا ہوں ﴿ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ ﴾ اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ بے شک میں فرشتہ ہوں حتیٰ کہ تم مجھ سے یہ کہو: ''مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا'' (الشعراء:١٥٤) ''تم صرف ہمارے جیسے بشر ہو''۔[1]

﴿ وَلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ ﴾ اور میں ان لوگوں کے لیے جن کو تمہاری نگاہیں کم ترین سمجھتی ہیں یہ نہیں کہتا (یعنی) جن مسلمانوں کو تم ان کی غربت کی وجہ سے حقیر و ذلیل سمجھتے ہو ان کے متعلق میں یہ فیصلہ نہیں کروں گا کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں انہیں ہرگز کوئی بھلائی عطا نہیں کرے گا' اس بناء پر کہ (تمہارے گمان میں) یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک

---

[1] واضح رہے کہ آیت مبارکہ :٢٧ میں گزر چکا ہے کہ کافر سرداروں نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا کہ ہم تمہیں اپنے جیسا بشر دیکھتے ہیں جب کہ بشر انسان کی ظاہری شکل و صورت اور ظاہری بناوٹ کو کہتے ہیں تو گویا کفار کی نظر انبیائے کرام کی ظاہری بشریت پر تھی لیکن ان کی حقیقت سے محروم تھے اس لیے کفار نے انبیائے کرام کو حقارت سے بشر کہا اور نہ وہ صرف بشر کہتے ''مِثْلَنَا'' نہ کہتے' لیکن انہوں نے انبیائے کرام کو صرف بشر نہیں کہا بلکہ اپنے جیسا بشر کہا' جس سے واضح ہو گیا کہ انہوں نے انبیائے کرام کو افضل الخلق بنو نوع انسان سے ہونے کی بناء پر بشر نہیں کہا بلکہ محض عام انسانوں کی طرح بشر کہا' جس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ پیغمبروں کو اپنے جیسا بشر کہنا کفار کا گستاخانہ طریقہ ہے کیونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام عام انسانوں کی طرح بشر نہیں ہوتے بلکہ یہ حضرات عالی شان' تمام گناہوں سے پاک اور معصوم' خدا کے برگزیدہ نمائندے اور بے شمار فضیلتوں اور کرامتوں کے حامل ہونے کے ساتھ منصب نبوت پر فائز ہوتے ہیں' جس کی وجہ سے تمام مخلوق سے ممتاز اور افضل و اعلیٰ صاحب وحی بشر ہوتے ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم سے فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ. (الکہف:١١٠) اے محبوب! فرما دیں کہ میں بہ ظاہر تمہاری طرح بشر ہوں (لیکن) میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

یعنی میں صاحبِ وحی بشر ہوں' اس آیت مبارکہ سے واضح کر دیا گیا کہ نبی و رسول صرف بشر یا صرف مثلِ بشر نہیں ہوتا بلکہ وہ صاحبِ وحی اور صاحبِ نبوت عظیم الشان بے مثل بشر ہوتا ہے۔ والحمد للّٰہ علٰی ذالك

بچ دکم تر ہیں وہ صرف تمہاری مدد کرے گا اور تمہاری خواہش کے مطابق حکم نازل فرمائے گا ﴿لَنۡ یُّؤۡتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیۡرًا﴾ ﴿اَللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے اعتقاد کی سچائی کے بارے میں اور بے شک میرے ذمے صرف ان کے ظاہری اقرار کو قبول کرنا ضروری ہے کیونکہ میں ان کے پوشیدہ اسرار پر مطلع نہیں ہوں ﴿اِنِّیۡۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ﴾ بے شک میں اگر یہ بات کہوں تو اس وقت میں حد سے بڑھ جانے والوں میں سے ہو جاؤں گا [اور "ازدرآء" "باب افتعال سے ہے" "زَرٰی عَلَیۡهِ" سے ہے' یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی پر عیب لگاتا ہے اور یہ اصل میں "تَزۡتَرِیۡ" تھا' پھر "تا" کو دال سے تبدیل کر دیا گیا (اور "تَزۡدَرِیۡ" بن گیا)]۔

قَالُوۡا یٰنُوۡحُ قَدۡ جٰدَلۡتَنَا فَاَکۡثَرۡتَ جِدَالَنَا فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا یَاۡتِیۡکُمۡ بِهِ اللّٰهُ اِنۡ شَآءَ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا یَنۡفَعُکُمۡ نُصۡحِیۡۤ اِنۡ اَرَدۡتُّ اَنۡ اَنۡصَحَ لَکُمۡ اِنۡ کَانَ اللّٰهُ یُرِیۡدُ اَنۡ یُّغۡوِیَکُمۡ ؕ هُوَ رَبُّکُمۡ ۟ وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۳۴﴾ؕ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ اِنِ افۡتَرَیۡتُهٗ فَعَلَیَّ اِجۡرَامِیۡ وَاَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ ﴿۳۵﴾ ع ۳

انہوں نے کہا: اے نوح! بے شک تم نے ہم سے جھگڑا کیا ہے اور تم نے ہم سے بہت زیادہ جھگڑا کیا ہے تو تم لے آؤ وہ عذاب جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو اگر تم سچے ہو ○ (حضرت نوح نے) فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو بلاشبہ اس کو وہی تم پر لائے گا اور تم (اس کو) عاجز نہیں کر سکتے ○ اور میری نصیحت تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی' اگر میں ارادہ کر لوں کہ میں تمہیں نصیحت کروں اگر اللہ تمہیں گمراہ کرنا چاہتا ہو' وہی تمہارا مالک ہے' اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا ○ کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اس کو خود گھڑ لیا ہے' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر میں نے اسے خود گھڑ لیا ہے تو میرا جرم مجھ پر ہے اور میں تمہارے ان جرائم سے بَری ہوں جو تم کرتے ہو ○

۳۲- ﴿قَالُوۡا یٰنُوۡحُ قَدۡ جٰدَلۡتَنَا فَاَکۡثَرۡتَ جِدَالَنَا فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ﴾ انہوں نے کہا: اے نوح! تم نے ہم سے یقیناً جھگڑا کیا ہے اور بہت زیادہ جھگڑا کیا ہے' سو تم جس عذاب کا ہم سے وعدہ کرتے ہو اسے لے آؤ اگر تم اپنے وعدے میں سچے ہو۔

۳۳- ﴿قَالَ اِنَّمَا یَاۡتِیۡکُمۡ بِهِ اللّٰهُ اِنۡ شَآءَ﴾ حضرت نوح نے فرمایا کہ بے شک اس عذاب کو صرف اللہ تعالیٰ لائے گا' اگر وہ چاہے گا یعنی عذاب کا لانا میرے سپرد نہیں اور وہ صرف اس (اللہ تعالیٰ) کے سپرد ہے جس کے ساتھ تم کفر کرتے ہو ﴿وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ﴾ اور تم (اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے یعنی تم اس سے بھاگنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

۳۴- ﴿وَلَا یَنۡفَعُکُمۡ نُصۡحِیۡۤ﴾ اور میری نصیحت تمہیں نفع نہیں دے گی اور یہ (ایک تو) گمراہی کے مقام کی نشاندہی کر رہی ہے تا کہ اس سے بچا جائے (ورنہ نصیحت مفید نہیں ہو گی) اور (دوسرا) رشد و ہدایت کی نشاندہی کر رہی ہے تا کہ اس کی پیروی کی جائے (اور نصیحت سے فائدہ اٹھایا جائے) [قاری نافع مدنی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں "وَلٰکِنِّیۡۤ اِنِّیۡۤ" اور "نُصۡحِیَ" (تینوں کے آخر میں "یا" پر فتح یعنی زبر ہے)] ﴿اِنۡ اَرَدۡتُّ اَنۡ اَنۡصَحَ لَکُمۡ اِنۡ کَانَ اللّٰهُ یُرِیۡدُ اَنۡ یُّغۡوِیَکُمۡ﴾

اگر میں تمہیں نصیحت کرنا چاہوں (لیکن) اگر اللہ تعالیٰ تمہیں بہکانا چاہے یعنی وہ تمہیں گمراہ کر دے [اور یہ شرط پر شرط داخل ہے اور دوسری شرط حکم میں مقدم ہے جیسا کہ مشہور و معروف ہے (کہ شرط جزا سے مقدم ہوتی ہے)] اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ لَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ''. اگر اللہ تعالیٰ تمہیں گمراہ کرنا چاہتا ہو تو میری نصیحت تمہیں ہرگز کوئی فائدہ نہیں دے گی اگر میں تمہیں نصیحت کرنا چاہتا ہوں اور یہ ہمارے (حنفیوں کے) لیے واضح اور روشن ترین دلیل ہے کہ معصیت اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کی مشیئت کے تحت داخل ہے ﴿هُوَ رَبُّكُمْ﴾ وہ تمہارا مالک ہے سو وہ اپنے ارادہ سے فیصلہ کر کے تمہارے بارے میں تصرف و اختیار استعمال کرتا ہے ﴿وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور تم اسی کے حضور میں لوٹائے جاؤ گے پس وہ تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں جزا عطا فرمائے گا۔

۳۵- ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ﴾ [''اَمْ'' بہ معنیٰ ''بَلْ'' ہے] بلکہ کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ (حضرت نوح نے) اس کو خود گھڑ لیا ہے ﴿قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ﴾ (اے نوح!) فرما دو کہ اگر میں نے اس کو گھڑا ہے تو میرا جرم میرے ذمے ہے یعنی اگر (بفرضِ محال) یہ صحیح ہے کہ میں نے اس کو خود گھڑ کر پیش کیا ہے تو میرے اس جرم و افتراء اور گھڑنے کا وبال مجھ پر پڑے گا۔ [''اجرام'' کا معنیٰ ''افتریٰ'' ہے چنانچہ ''اَجْرَمَ الرَّجُلُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ آدمی کوئی جرم کر لیتا ہے] ﴿وَاَنَا بَرِيْٓءٌ﴾ اور میں بے قصور ہوں یعنی افتریٰ کا جرم ثابت نہیں ہے اور میں اس سے بَری ہوں اور ﴿مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ﴾ کا معنیٰ یہ ہے کہ تم میری طرف افتراء کی نسبت کر کے جو جرم کر رہے ہو میں تمہارے اس جرم سے بیزار اور بَری ہوں اور تمہاری روگردانی کرنے اور مخالفت و عداوت کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾

اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ بے شک آپ کی قوم میں سے ہرگز کوئی ایمان نہیں لائے گا ماسوا اس کے جو ایمان لا چکا سو آپ اس پر غمگین نہ ہوں جو کچھ وہ کرتے رہے ○ اور آپ ہمارے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنایئے اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارے میں مجھ سے بات نہ کیجئے بے شک وہ ضرور غرق کیے جائیں گے ○ اور نوح کشتی بنانے لگے اور جب آپ کی قوم کے سردار آپ کے پاس سے گزرتے تو وہ آپ کا مذاق اڑاتے آپ نے فرمایا: اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو بلاشبہ عنقریب ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے جس طرح تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو ○ سو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے ○

۳۶- ﴿وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾ اور حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی

کی گئی کہ آپ کی قوم میں سے ہرگز کوئی ایمان نہیں لائے گا ماسوا ان کے جو ایمان لا چکے ہیں۔اس آیت مبارکہ میں ان کے ایمان سے ناامیدی اور مایوسی کا اظہار کیا گیا ہے اور یقیناً ان کے ایمان کی توقع نہیں رہی اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان کے لیے تجدد و حدوث کا حکم ہے' گویا فرمایا: بے شک جو شخص ایمان لا چکا ہے وہی آنے والے وقت میں ایمان لائے گا اور اسی بناء پر وہ زیادتی خارج ہو جاتی ہے جو قرآن مجید پر ایمان لانے میں ذکر کی گئی ہے ﴿فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ سو آپ اس پر غمگین نہ ہوں جو کچھ وہ کرتے رہے' پس آپ عاجز و مسکین غم کھانے والے کی طرح غم نہ کھائیے [اور''اِبْتِنَاسٌ'' باب افتعال سے ہے اور''بُـؤْسٌ'' سے مشتق ہے اور وہ حزن وغم اور فقر و غربت ہے] اور معنی یہ ہے کہ پس آپ ان کے ان کرتوتوں پر غمگین نہ ہوں جو انہوں نے آپ کے ساتھ کیے کہ انہوں نے آپ کی نبوت کا انکار کیا اور آپ کو جھٹلایا اور آپ کو ایذائیں اور تکلیفیں دیں' پس اب آپ کے دشمنوں سے انتقام لینے کا وقت آ گیا ہے۔

۳۷۔﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ اور (اے نوح!) آپ ہمارے سامنے کشتی تیار کیجئے۔[''بِـاَعْيُنِنَا'' حال کی جگہ پر واقع ہے] یعنی اے نوح علیہ السلام! آپ بے خوف وخطر کشتی تیار کیجئے کیونکہ آپ دشمنوں سے محفوظ ہیں اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ آپ ہماری نگرانی میں ملبوس و محفوظ ہیں' گویا حضرت نوح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نگران فرشتے مقرر ہیں جو ان کو اس سے بچائیں گے کہ آپ کشتی بنانے میں صحیح طریقے سے پھر جائیں (یا ٹیڑھا بنا دیں) ﴿وَوَحْيِنَا﴾ اور ہماری وحی کے مطابق (کشتی تیار کیجئے) سو ہم آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں اور ہم آپ کو الہام کرتے ہیں کہ آپ نے کشتی کیونکر اور کیسے تیار کرنی ہے' چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنانا نہیں جانتے تھے کہ کس طرح بنائی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ کشتی پرندے کے سینے اور اس کی بغلوں کی طرح بنائی ہے ﴿وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ اور مجھ سے ظالموں کے بارے میں بات نہ کرنا اور آپ اپنی قوم کے بارے میں مجھ سے دعا نہ کرنا اور نہ ان سے عذاب کے دفاع کی مجھ سے سفارش کرنا ﴿اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ﴾ بے شک ان کو ہر حال میں غرق کیا جائے گا کیونکہ غرق کرنے کا حکم ان پر جاری کیا جا چکا ہے اور اس کا فیصلہ ہو چکا ہے اور قضاء و قدر کا قلم خشک ہو چکا ہے' اب ان سے عذاب روکنے کی کوئی سبیل نہیں رہی۔

۳۸۔﴿وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ﴾ اور حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنانے لگے۔یہ ماضی کے واقعہ کا بیان ہے (یعنی حضرت نوح نے کشتی بنائی) ﴿وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ﴾ اور جب بھی آپ کی قوم کے سردار آپ کے پاس سے گزرتے تو آپ کا مذاق اڑاتے اور آپ کے کشتی بنانے کے عمل پر ہنستے اور یہ اس لیے کہ حضرت نوح علیہ السلام پانی سے بہت دور گھنے جنگل میں کشتی بناتے تھے (جہاں کشتی نہیں چل سکتی تھی) تو اس لیے وہ لوگ آپ پر ہنستے تھے اور وہ آپ سے کہتے: اے نوح! پہلے آپ صرف نبی تھے اور اب آپ اس کے بعد بڑھئی اور مستری بھی بن گئے ﴿قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ﴾ حضرت نوح نے جواب میں فرمایا کہ اگر آج تم ہمارا مذاق اڑانے لگے ہو تو ہم جب تمہیں ہلاک ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے ﴿كَمَا تَسْخَرُوْنَ﴾ جس طرح تم کشتی کو دیکھ کر ہمارا مذاق اڑاتے ہو۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ السلام نے ساکھو کے درخت کی لکڑی سے دو سال میں ایک کشتی بنائی تھی اور اس کی لمبائی تین سو ہاتھ تھی یا بارہ سو ہاتھ تھی اور اس کی چوڑائی پچاس ہاتھ تھی یا پھر اس کی لمبائی چھ سو ہاتھ تھی اور اس کی اونچائی تیس ہاتھ تھی (ہاتھ کی انگلیوں سے لے کر کاندھے تک ایک ہاتھ کہلاتا ہے) اور حضرت نوح علیہ السلام نے اس کشتی کی تین منزلیں بنائی تھیں' پھر آپ نے سب سے نچلی منزل میں جنگلی جانور اور درندے اور کیڑے مکوڑے

اور درمیانی منزل میں چوپائے اور مویشی سوار کیے اور سب سے بالائی منزل میں خود حضرت نوح اور آپ کے ساتھی کھانے پینے کے ضروری سامان وغیرہ کے ساتھ سوار ہوئے اور آپ کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کا جسد مبارک بھی سوار کیا گیا تھا اور حضرت نوح نے اس کو مردوں اور عورتوں کے درمیان حائل کر کے پردہ بنا دیا تھا۔

۳۹۔﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ﴾ سو عنقریب تم جان جاؤ گے کہ کس پر عذاب نازل ہوتا ہے جو اس کو ذلیل ورسوا کر دے گا [مَنْ یَّاْتِیْهِ "تَعْلَمُوْنَ" کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اصل میں "فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ الَّذِیْ یَاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ" ہے اور اس سے مذاق اڑانے والے لوگ مراد ہیں اور عذاب سے دنیا کا عذاب مراد ہے اور وہ ہے طوفان میں غرق کیا جانا] ﴿وَیَحِلُّ عَلَیْهِ﴾ اور اس قوم پر نازل ہو گا ﴿عَذَابٌ مُّقِیْمٌ﴾ قائم ودائم رہنے والا عذاب (یعنی ہمیشہ کا عذاب) اور اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَنَادٰی نُوْحُ ابْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۴۲﴾

قرأ حفص بفتح المیم وامالۃ الراء

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آن پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا' تو ہم نے (نوح سے) فرمایا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے جوڑوں میں سے دو دو (ایک مادہ اور ایک نر) سوار کر لیجئے اور اپنے گھر والوں کو بھی ماسوا ان کے جن پر پہلے حکم لگ چکا اور ان کو بھی سوار کر لیجئے جو ایمان لا چکے ہیں' اور ان کے ساتھ بہت ہی کم لوگ ایمان لائے تھے ○ اور نوح نے فرمایا کہ تم اس کشتی میں سوار ہو جاؤ' اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ ہی کے نام سے ہے' بے شک میرا رب بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے ○ اور وہ کشتی انہیں پہاڑوں جیسی لہروں میں لے کر چلنے لگی' اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ اپنے باپ کے دین سے دور تھا کہ تو ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ رہ ○

۴۰۔﴿حَتّٰۤی﴾ [یہ وہ حرف ہے جس سے کلام کا آغاز ہوتا ہے اور اس کو شرط و جزاء والے جملے پر داخل کیا جاتا ہے اور یہ ارشادِ باری تعالیٰ "وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ" کی غایت وغرض بیان کرنے کے لیے ہے] یعنی اور حضرت نوح کشتی تیار کرتے رہے یہاں تک کہ عذاب کے وعدے کا وقت آ گیا [اور ان دونوں کے درمیان کا کلام "یَصْنَعُ" سے حال ہے] یعنی (جب) آپ کشتی بنانے لگے تھے تو اس وقت یہ حال تھا کہ جب آپ کی قوم کے سردار آپ کے پاس سے گزرتے تو وہ آپ کا مذاق اڑاتے [اور "كُلَّمَا" کا جواب "سَخِرُوْا مِنْهُ" ہے اور "قَالَ" سائل کے سوال کی تقدیر پر ایک الگ نیا کلام ہے یا "قَالَ"، "كُلَّمَا" کا جواب ہے اور "سَخِرُوْا"، "مَرَّ" سے بدل ہے یا پھر "مَلَاٌ" کی صفت ہے] ﴿اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا﴾ جب ہمارا عذاب آ گیا ﴿وَفَارَ التَّنُّوْرُ﴾ اور تنور جوش مارنے لگا اور یہ عذاب کی شدت اور اس کے انتہائی سخت ترین ہونے سے کنایہ ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ پانی نے روٹیوں کے تنور میں سے جوش مارا اور ابلنے لگ گیا اور یہ پتھر

سے بنا ہوا تھا اور یہ حضرت حوا مرحومہ کا تھا اور ترکہ میں منتقل ہوتا ہوا حضرت نوح علیہ السلام تک پہنچا تھا اور بعض حضرات نے کہا کہ تنور سے روئے زمین مراد ہے ﴿قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا﴾ ہم نے فرمایا کہ آپ اس کشتی میں سوار کر لیجئے ﴿مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ ہر جنس سے دو دو جوڑے (ایک نر اور ایک مادہ) اس کی تفسیر سورۃ المؤمنون میں بیان کی جائے گی ﴿وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ﴾ اور آپ اپنے بیوی بچوں کو (کشتی میں سوار کر لیجئے) ماسوا ان کے جن پر پہلے سے بات ثابت ہو چکی ہے۔[اس کا ''اِثْنَيْنِ'' پر عطف ہے] ﴿وَمَنْ اٰمَنَ﴾ [اس کا عطف ''اَهْلَ'' پر ہے] یعنی اور آپ اپنے اہل وعیال کو اور ان کے علاوہ مسلمانوں کو سوار کر لیجئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کے اہل وعیال میں سے ان کو مستثنیٰ قرار دیا جن پر اللہ تعالیٰ کا فرمان پہلے جاری ہو چکا کہ وہ دوزخیوں میں سے ہیں (جیسے حضرت نوح کی بیوی واعلہ اور آپ کا بیٹا کنعان جو ایمان نہیں لائے تھے) اور ان کے بارے میں دوزخی ہونے کا فرمانِ الٰہی اس علم کی بناء پر جاری ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے یہ معلوم تھا کہ وہ اپنی مرضی سے کفر اختیار کریں گے' اس لیے اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے ارادے میں ان کے دوزخی ہونے کا فرمان سبقت کر چکا اور بندوں کا خالق و مالک (یعنی اللہ تعالیٰ) اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ کائنات میں اس کے ارادے کے خلاف واقع ہو جائے ﴿وَمَا اٰمَنَ مَعَهٗ إِلَّا قَلِيْلٌ﴾ اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ کل آٹھ آدمی تھے' خود حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی ایک بیوی اور ان کے تین بیٹے اور بیٹوں کی بیویاں اور بعض نے فرمایا کہ کل دس افراد تھے' پانچ مرد اور پانچ عورتیں اور بعض نے فرمایا کہ ایمان لانے والے مرد اور عورتیں بہتر (۷۲) افراد تھے اور حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام' حام اور یافث اور ان کی بیویاں بھی ایمان لانے والوں میں شامل تھے' اس طرح کل اٹھہتر (۷۸) افراد ہو گئے' جن میں آدھے مرد تھے اور آدھی عورتیں تھیں۔

۴۱-﴿وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا﴾ اور حضرت نوح علیہ السلام نے (اہل ایمان سے) فرمایا کہ تم اس (کشتی) میں سوار ہو جاؤ' اللہ تعالیٰ کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے۔[''بِسْمِ اللّٰهِ''،''اِرْكَبُوْا'' کے ساتھ متصل ہے' واؤ سے حال ہے] یعنی تم اس میں اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہوئے سوار ہو جاؤ یا اس کے چلنے کے وقت اور ٹھہرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سوار ہو جاؤ یا تو اس لیے کہ کشتی کا چلنا اور لنگر انداز ہونا مقرر وقت پر ہوتا تھا [یا اس لیے کہ یہ دونوں ''اِجْرَاء'' اور ''اِرْسَاء'' کی طرح مصدر ہیں' ان سے ان کا مضاف وقت حذف کر دیا گیا ہے جیسے اہل عرب کا قول ہے: ''خُفُوْقُ النَّجْمِ'' ستارے کے ڈوبنے کا وقت' اور یہ بھی جائز ہے کہ ''بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا'' مستقل جملہ ہو اور یہ اپنے ماقبل کے ساتھ متعلق نہ ہو اور یہ مبتدا خبر ہو] یعنی حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم دیا' پھر ان کو بتایا کہ اس کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ تعالیٰ کے نام کو یاد کرنے پر ہوگا یعنی اس کا چلنا اور لنگر انداز ہونا صرف اللہ تعالیٰ کے نام سے ہوگا' چنانچہ جب حضرت نوح علیہ السلام چاہتے کہ کشتی چل پڑے تو ''بِسْمِ اللّٰهِ'' پڑھتے تو کشتی چل پڑتی اور جب آپ چاہتے کہ کشتی ٹھہر جائے تو ''بِسْمِ اللّٰهِ'' کہتے تو کشتی رک جاتی۔[''مَجْرٖهَا'' میں میم مفتوح اور ''راء'' مکسور ہے' ''جَرْیٌ'' سے مشتق ہے یا تو یہ مصدر ہے یا ظرف زمان ہے' یہ حمزہ' علی کسائی اور حفص کی قراءت میں ہے] ﴿إِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ﴾ بے شک میرا رب ان میں سے ایمان لانے والوں کو ضرور بخش دے گا ﴿رَّحِيْمٌ﴾ وہ بہت مہربان ہے کہ اس نے اپنے مومنوں کو نجات دی۔

۴۲-﴿وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ﴾ اور وہ ان کو لے کر چلنے لگی۔[یہ جملہ محذوف کے ساتھ متصل ہے' جس پر ''اِرْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ'' دلالت کر رہا ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ وہ لوگ اس میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سوار ہو گئے اور وہ ان کو لے کر چلنے

لگی یعنی کشتی چلنے لگی اور وہ اس میں سوار تھے ﴿فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ﴾ پہاڑ جیسی بلند و بالا موجوں میں۔[''موج'' سے مراد طوفان کی موجیں ہیں اور یہ ''مَوْجَةٌ'' کی جمع ہے جیسے ''تَمْرٌ'' جمع ہے اور ''تَمْرَةٌ'' واحد ہے]اور یہ وہ پانی ہے جو جوش کے وقت لہروں کی صورت میں زمین سے اوپر کی طرف زور سے اچھلتا اور چڑھتا ہے جس میں سخت ترین آندھی شامل ہوتی ہے طوفان کی ہر موج کو اوپر نیچے تہ بہ تہ ہونے اور بلندی کی طرف چڑھنے میں پہاڑوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ﴿وَنَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ﴾ اور حضرت نوح نے اپنے بیٹے کنعان کو پکارا اور بعض نے کہا کہ اس کا نام یام تھا اور جمہور علمائے محققین اس بات پر متفق ہیں کہ وہ حضرت نوح کا حقیقی بیٹا تھا اور بعض نے فرمایا کہ وہ آپ کی بیوی کا بیٹا تھا ﴿وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ﴾ اور وہ اپنے باپ حضرت نوح سے اور ان کی کشتی سے بہت دور مکان میں تھا۔[''مَعْزِلٍ'' ''مَفْعِلٍ'' کے وزن پر (ظرف مکان) ہے جیسے ''عَزَلَ عَنْهُ'' کہا جاتا ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کو دور کر دے] یا وہ اپنے باپ حضرت نوح کے دین سے بہت دور تھا ﴿يٰبُنَيَّ﴾ اے میرے بیٹے ![امام عاصم کی قراءت میں ''یا'' مفتوح ہے یائے اضافت سے تبدیل کردہ الف پر اکتفاء کرنے کی وجہ سے جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''یَا بُنَيَّا''. اس کے علاوہ کی قراءت میں ''یا'' مکسور ہے یائے اضافت پر اکتفاء کرنے کی بناء پر] ﴿ارْكَبْ مَّعَنَا﴾ تو ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا یعنی پہلے اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جا اور پھر ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا ﴿وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور کافروں کے ساتھ نہ ہو جا۔

قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿٤٣﴾ وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٤٥﴾

اس نے کہا: میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا' آپ نے فرمایا کہ آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے ماسوا اس کے جس پر وہ خود رحم فرمالے' اور ان دونوں (باپ' بیٹے) کے درمیان موج حائل ہو گئی' پس وہ ڈوب جانے والوں میں سے ہو گیا O اور فرمایا گیا کہ اے زمین! تو اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان! تو تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور فیصلہ پورا کر دیا گیا اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور ظالموں کی قوم کے لیے ہلاکت ہے O اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا کہ بے شک میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے O

۴۳-﴿قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ﴾ اس نے کہا کہ میں عنقریب پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا اور مجھے غرق ہونے سے روک لے گا ﴿قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ﴾ حضرت نوح نے فرمایا کہ آج اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے مگر جس پر وہ مہربان ہو جائے اور وہ رحم فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے یا یہ کہ آج طوفان سے کوئی بچانے والا نہیں مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرما دے یعنی کوئی مکان بچانے والا اور پناہ گاہ نہیں ہے

ماسوا ان مسلمانوں کے مکان کے جن پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور یہ اس لیے کہ جب کنعان نے پہاڑ کو پانی سے بچانے والی پناہ گاہ قرار دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمادیا کہ آج پہاڑ وغیرہ میں سے کوئی مکان بطور پناہ گاہ تجھے نہیں بچا سکے گا ماسوا ایک پناہ گاہ کے اور یہ مکان ان کی پناہ گاہ ہے' جن پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور ان کو نجات دی' یعنی وہ کشتی ہے [یا یہ استثناء منقطع ہے] گویا فرمایا گیا ہے: لیکن جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرما دے تو وہی محفوظ رہے گا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ'' (النساء:۱۵۷) ''ان کے پاس کوئی یقینی علم نہیں ہے مگر وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں''۔ ﴿وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ﴾ اور حضرت نوح اور ان کے بیٹے کے درمیان یا ان کے بیٹے اور پہاڑ کے درمیان طوفان کی موجیں حائل ہو گئیں ﴿فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ﴾ پس وہ ڈوب جانے والوں میں سے ہو گیا (یعنی ان کے ساتھ ڈوب گیا) یا پھر اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو چکا تھا (یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ کنعان کفر اختیار کر کے کافروں کے ساتھ ڈوب جائے گا)۔

٤٤۔ ﴿وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ﴾ اور فرمایا گیا کہ اے زمین! تو اپنا پانی نگل لے اور پی لے [اور ''بَلْعٌ'' کا معنی پینا اور جذب کر لینا ہے] ﴿وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ﴾ اور اے آسمان! تو (اپنا پانی) روک لے ﴿وَغِیْضَ الْمَآءُ﴾ اور پانی کم ہو گیا۔ [''غِیْضَ'' کا معنی ''نَقَصَ'' (یعنی کم ہو گیا) ہے' یہ ''غَاضَهٗ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب پانی کم ہو جائے اور یہ فعل لازم اور فعل متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے] ﴿وَقُضِیَ الْاَمْرُ﴾ اور فیصلہ کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی کافر قوم کو ہلاک کرنے کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کر دیا ﴿وَاسْتَوَتْ﴾ اور وہ کشتی پورے چھ ماہ تمام روئے زمین کا چکر لگا کر ٹھہر گئی اور رُک گئی ﴿عَلَى الْجُوْدِیِّ﴾ جودی پہاڑ پر اور یہ پہاڑ عراق کے مشہور شہر موصل کے پاس ہے ﴿وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اور فرمایا گیا کہ ظالموں کی قوم کے لیے ہلاکت ہے یعنی حضرت نوح کی قوم کے لیے ہلاکت ہے جنہیں غرق کیا گیا۔ [جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''بَعُدَ بُعْدًا'' (گویا ''بُعْدًا'' مصدر ہے اور فعل مقدر کی تاکید کے لیے ہے) اس کلام سے اہل عرب کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص بہت دور جا پڑا یعنی موت کے منہ میں چلا گیا اور ہلاک و برباد ہو گیا اور اس لیے یہ جملہ بددعا کرنے کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے] یہ آیت مبارکہ اپنی لفظی اور معنوی جامعیت اور فصاحت و بلاغت کی حامل ہونے کی وجہ سے چار جہات سے قابل غور ہے' ایک علم البیان کے اعتبار سے اور وہ یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں مجاز' استعارہ' کنایہ اور دیگر وہ اُمور جو ان کے ساتھ متعلق ہیں ان میں غور کیا جائے' چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے معنی و مفہوم بیان کرنا چاہا تو (فرمایا کہ) ہم نے چاہا کہ زمین سے جتنا (پانی طوفان کے لیے) پھوٹ کر نکلا تھا ہم اس کو اس کی تہ کی طرف لوٹا دیں' سو وہ واپس لوٹ گیا اور یہ کہ ہم آسمان کے طوفان کو ختم کر دیں' سو وہ بھی ختم ہو گیا اور یہ کہ ہم آسمان سے نازل ہونے والے پانی کو روک دیں' چنانچہ وہ رک گیا (اور زمین خشک ہو گئی) اور یہ کہ ہم حضرت نوح کا معاملہ پورا کر دیں اور وہ اس وعدہ کو پورا کرنا ہے جو ہم نے ان سے فرمایا تھا کہ ان کی نافرمان قوم کو پانی میں غرق کر دیا جائے گا' سو وہ بھی پورا کر دیا گیا ہے اور یہ کہ ہم ان کی کشتی کو جودی پہاڑ پر برابر ٹھہرا دیں گے' سو وہ بھی ٹھہر چکی اور یہ کلام تشبیہ پر مبنی ہے اور مامور سے وہ عمل مراد ہے جس سے آمر کی کمال ہیبت کے سبب نافرمانی نہیں ہو سکتی اور مقصود کے حصول کے لیے جس تکوینی امر کا نفاذ لازمی اور ضروری ہے اس سے آمر کے اقتدار و اختیار کے اظہار کے لیے تشبیہ مراد ہے کیونکہ تمام آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ کے تکوینی امر کے لیے مسخر و مطیع اور فرماں بردار ہیں' اللہ تعالیٰ ان میں جو چاہے حکم نافذ کر دے کیونکہ ان میں تبدیل و تغیر کر کے اس کے ارادے کو کوئی روکنے والا نہیں ہے' گویا یہ (زمین و آسمان) اہلِ تمیز اور اہل عقل ہیں کیونکہ انہوں

نے اپنے رب کو یقیناً پہچان لیا ہے جیسا کہ اس کو پہچاننے کا حق ہے اور انہوں نے اپنے رب کے حکم پر اطاعت وفرماں برداری کے وجوب کو خوب اچھی طرح جان لیا ہے اور اس کے حکم پر مکمل یقین حاصل کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مراد حاصل کرنے کے لیے ان پر اپنی جدو جہد خرچ کرنے کو واجب ولازم کر دیا گیا ہے [پھر اللہ تعالیٰ نے اس کلام کے نظم کو تشبیہ پر مبنی قرار دیا ہے اور ارشاد فرمایا: ''وَقِيْلَ'' یہ ایسے ارادے سے بطور مجاز فرمایا گیا ہے کہ جس کے سبب ''قائل'' کا قول واقع ہوا ہے اور مجاز کا قرینہ جماد (یعنی بے جان چیز) کو خطاب کرنا قرار دیا گیا ہے اور وہ ''يَا اَرْضُ وَ يَا سَمَآءُ'' (اے زمین! اور اے آسمان!) ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ تشبیہ کے لیے بطور استعارہ ان دونوں کو مخاطب کر کے ''يَا اَرْضُ وَيَا سَمَآءُ'' فرمایا' پھر اللہ تعالیٰ نے زمین کی گہرائی میں پانی کے چلے جانے کے لیے ''اِبْلَعِيْ'' (نگل لیجئے) کو بطور استعارہ استعمال فرمایا' جو کھانے کی چیزوں میں جذب کرنے اور نگلنے کے عمل کے لیے آتا ہے کیونکہ ان دونوں میں مشابہت ہے اور وہ ہے مخفی قرار گاہ کی طرف جانا (جیسے کھانا پیٹ میں چلا جاتا ہے' اسی طرح پانی زمین کی تہ میں چلا جاتا ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے پانی کو غذا کے مشابہ قرار دے کر اس کو بطور استعارہ غذا کے لیے استعمال کیا کیونکہ زمین نباتات کی پیداوار دینے میں پانی سے تقویت حاصل کرتی ہے جیسا کہ کھانا کھانے والا کھانے سے تقویت حاصل کرتا ہے (تو گویا پانی زمین کی غذا ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''مَآءَ كِ'' جس میں بطور مجاز پانی کی اضافت ونسبت زمین کی طرف کی گئی ہے کیونکہ پانی کا تعلق زمین کے ساتھ اس طرح ملا ہوا ہے' جس طرح ملکیت کا تعلق مالک کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے بارش کو روکنے کے لیے ''اِقْلِعِيْ'' فرمایا' جو فاعل کا اپنے فعل کو ترک کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں میں عدم تاخیر میں مشابہت ہے' پھر ارشاد فرمایا: ''وَ غِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ'' ان جملوں میں جس نے پانی کو ختم کیا اس کی تصریح نہیں فرمائی اور نہ فیصلہ کرنے والے اور کشتی کو برابر ٹھہرانے والے کی تصریح وتوضیح فرمائی' نیز اللہ تعالیٰ نے ''وَقِيْلَ بُعْدًا'' فرمایا' مگر قائل کی وضاحت نہیں فرمائی جیسا کہ ''يَا اَرْضُ وَ يَاسَمَآءُ'' کے شروع میں ''قِيْلَ'' فرمایا' مگر قائل کی وضاحت نہیں فرمائی کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں کنایہ کا راستہ اختیار کیا گیا ہے اور بلاشبہ یہ بڑے اہم ترین اُمور قدر وطاقت رکھنے والے فاعل کے بغیر اور زبردست مُکَوِّن وبنانے والے کے بغیر معرضِ وجود میں نہیں آ سکتے اور یقیناً ان سب کا صرف ایک خدا ہے' جس کے فعل میں اس کا کوئی شریک نہیں' لہٰذا کسی کا وہم وخیال اس طرف نہیں جا سکتا کہ خدائے واحد لاشریک کے سوا کسی اور نے ''يَا اَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيَا سَمَآءُ اَقْلِعِيْ'' کہا ہو اور نہ اس کے سوا کوئی اور پانی کو ختم کرنے والا اور فیصلہ کرنے والا اور کشتی کو ٹھہرانے والا ہو سکتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو جھٹلانے کی راہ پر چلنے والوں اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں کو تنبیہ کرنے اور ان پر ناراضگی کا اظہار کرنے کے لیے کلام کو تعریض کے ساتھ ختم فرمایا اور یہ سخت ترین عذاب صرف ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے انہیں دیا گیا۔

اور دوسرا علم المعانی کے اعتبار سے غور کیا جائے اور وہ یہ ہے کہ اس کے ہر کلمہ کے فائدے میں اور اس کے تمام جملوں کے درمیان ہر ایک تقدیم وتاخیر کی حکمت ومصلحت میں غور وفکر کیا جائے اور وہ یہ کہ حروفِ ندا میں سے حرف ''يَا'' کو اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ سب سے زیادہ استعمال ہوتا ہے اور وہ منادیٰ کے دور ہونے پر دلالت کرتا ہے' جس کا اللہ تعالیٰ کی عظمت وسلطنت کے اظہار کا مقام تقاضا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عزت وغلبہ کا اظہار ہوتا ہے (کہ قریب وبعید سب پر اللہ تعالیٰ کی حکومت وسلطنت نافذ ہے) اور جس منادیٰ کو دور سے ندا کی گئی ہے اس کا دُور ہونا اس کی اپنی حقارت وکمتری کے سبب ہے اور اللہ تعالیٰ نے ''يَا اَرْضِيْ'' (اے میری زمین!) نہیں فرمایا تا کہ اس کی حقارت وکمتری میں اضافے کا اظہار

ہو کیونکہ اضافت قرب کا تقاضا کرتی ہے نیز اختصار کے پیش نظر ''یَا اَیَّتُهَا الْاَرْضُ'' نہیں فرمایا گیا اور لفظ ''اَرْض'' اور ''سَمَآء'' کو اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ زیادہ خفیف و آسان ہیں نیز زیادہ استعمال ہونے والے ہیں اور ''اِبْتَلِعِیْ'' کی بجائے ''اِبْلَعِیْ'' کو اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ زیادہ مختصر ہے نیز اس کے درمیان اور ''اَقْلِعِیْ'' کے درمیان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ باہمی مشابہت ہے اور اسی اختصار کی وجہ سے ''اَقْلِعِیْ عَنِ الْمَطَرِ'' نہیں فرمایا اور اسی طرح اختصار کی وجہ سے ''یَا اَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَ كِ فَبَلَعَتْ'' اور ''یَا سَمَآءُ اَقْلِعِیْ فَاَقْلَعَتْ'' نہیں فرمایا اور اسی بناء پر ''غُیِّضَ'' (غین مضمون و یا مشدد باب تفعیل سے ہے) کی بجائے ''غِیْضَ'' (غین مکسور و ''یَا'' ساکن باب ''ضَرَبَ یَضْرِبُ'') کو اختیار کیا گیا ہے اور ''الْمَآءُ'' فرمایا گیا ہے مگر ''مَآءُ الطُّوْفَانِ'' نہیں فرمایا گیا اور ''الْاَمْرُ'' فرمایا گیا ہے لیکن ''اَمْرُ نُوْحٍ وَّقَوْمِهٖ'' نہیں فرمایا گیا تو اس کی ایک حکمت اختصار کرنا مقصود ہے اور دوسرا یہ کہ ان دونوں کلموں میں لامِ عہد اس طویل عبارت سے بے نیاز کر دیتا ہے اور ''سُوِّیَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ'' (فعل ماضی مجہول مبنی للمفعول) نہیں فرمایا گیا جیسا کہ ''قِیْلَ وَغِیْضَ'' میں فرمایا گیا ہے تو اس کی وجہ سفینہ کے ساتھ فعل مبنی للفاعل کا اعتبار کرتے ہوئے ارشادِ باری تعالیٰ ''وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ'' میں مطابقت کا ارادہ کیا گیا ہے (تا کہ دو جملوں میں فعل معروف اور ان کا فاعل سفینہ بن جائے) پھر اختصار کے ساتھ ساتھ تاکید کے حصول کی خاطر ''بُعْدًا لِّلْقَوْمِ'' فرمایا گیا ہے اور ''لِیَبْعُدَ الْقَوْمُ'' نہیں فرمایا گیا۔ واضح ہو کہ یہ بحث کلموں کی ترکیب و ترتیب میں غور و فکر کرنے کی حیثیت سے تھی لیکن جملوں کی ترتیب میں نظر و فکر یہ ہے کہ ندا کو امر پر مقدم کیا گیا ہے اور ''یَا اَرْضُ ابْلَعِیْ'' اور ''یَا سَمَآءُ اَقْلِعِیْ'' فرمایا گیا ہے لیکن ''اِبْلَعِیْ یَا اَرْضُ'' اور ''اَقْلِعِیْ یَا سَمَآءُ'' نہیں فرمایا گیا تا کہ حرف تنبیہ کو مقدم کر کے جہاں مامور حقیقی ہو (یعنی ذوالعقول ہو) وہاں کلام کا مقتضیٰ جاری و ساری رکھا جائے کیونکہ جو امر حرفِ تنبیہ (ندا وغیرہ) کے بعد وارد ہوگا وہ منادیٰ کی ذات میں راسخ و مستحکم ہو جائے گا کہ اس کے ساتھ استعارہ ترشیحیہ کے معنی کا ارادہ کیا جائے گا پھر زمین کے حکم کو آسمان کے حکم پر مقدم کیا گیا اور حکم کرنے کی ابتداء زمین سے کی گئی ہے کیونکہ طوفان کا آغاز زمین سے ہوا تھا پھر اس کے بعد ''وَغِیْضَ الْمَآءُ'' ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ پانی کے قصے کے ساتھ ملا ہوا ہے اور اس کو اختتامیہ کے طور پر لیا گیا ہے پھر جو قصے کا اصل مقصود ہے وہ ذکر کیا گیا ہے اور وہ ارشادِ باری تعالیٰ ''وَقُضِیَ الْاَمْرُ'' ہے یعنی کافروں کو ہلاک کرنے اور حضرت نوح کو اور کشتی میں سوار ان کے ساتھیوں کو نجات دینے کا وعدہ پورا کر دیا گیا ہے اور تم اس پر عبرت حاصل کرو۔

اور فصاحتِ معنویہ کے اعتبار سے نظر و فکر یہ ہے کہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ معانی کی تفہیم کے لیے نظم کا انتخاب بہت لطیف اور عمدہ کیا گیا ہے اور ان کی ادائیگی کے لیے مختصر مگر واضح الفاظ بیان کیے گئے ہیں جن میں ایسی کوئی پیچیدگی نہیں ہے جو مراد حاصل کرنے میں فکر و سوچ کو منتشر و پراگندہ کر دے اور نہ ایسے مغلق و مشکل الفاظ ہیں جو مقصود تک رسائی کی رکاوٹ بنتے ہوں اور فصاحتِ لفظیہ کے اعتبار سے نظر و فکر یہ ہے کہ اس کے الفاظ جیسا کہ دیکھتے ہو عربی ہیں اور عربی لغت کے مطابق استعمال کیے گئے ہیں اور قابل نفرت ترکیب سے صحیح و سلامت اور محفوظ ہیں اور مشکل و دشوار ترتیب سے بہت بعید ہیں اور خوشگوار و عمدہ اور مٹھاس آمیختہ ہیں اور سلیس و رواں اور ہر قسم کی عبارتی الجھن سے پاک صاف ہیں اور اس کا ہر ایک لفظ پانی کی طرح رواں اور شہد کی طرح میٹھا اور ہوا کی طرح نرم ہے اور اسی وجہ سے تمام معاندین اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کی قدرت و طاقت قرآنی آیت کی طرح کوئی آیت بنا کر لانے سے قاصر ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوبی ہے کہ اتنی عظیم الشان کتاب نازل فرمائی اور حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی عالم اس کی آیات میں سے کسی آیت میں غور و فکر کرے گا تو بہترین

اور عمدہ لطائف ونکات اور خوبیاں حاصل کرے گا' جن کی گنتی کی گنجائش نہیں اور ہم ہرگز یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ آیت مبارکہ صرف انہیں خوبیوں پر موقوف ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہیں بلکہ ممکن ہے کہ جو کچھ ترک کر دیا گیا ہے وہ اس سے زیادہ ہو جو لکھا گیا ہے]۔

٤٥- ﴿وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ﴾ اور حضرت نوح نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! حضرت نوح کا اپنے رب کو پکارنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب سے دعا کی اور وہ دعا یہ ہے: "رَبِّ" حضرت نوح نے اس دعا کے ساتھ اس کے بعد کا جملہ ملا کر اپنے گھر والوں کو نجات دلانے کے لیے اپنے رب سے وعدہ پورا کرنے کا تقاضا کیا ﴿اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ﴾ بے شک میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے یعنی میرے گھر کے افراد میں سے ایک فرد ہے کیونکہ کنعان آپ کا حقیقی بیٹا تھا یا آپ کا پروردہ تھا' اس لیے وہ آپ کے گھر کا ایک فرد تھا ﴿وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ﴾ اور بے شک آپ کا وعدہ سچا ہے اور ہر وہ وعدہ جو تو کسی سے کرتا ہے وہ حق و سچ اور ثابت ہوتا ہے' جس کے پورا کرنے میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا' بلکہ وہ ضرور پورا ہوتا ہے اور بے شک تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ تو میرے گھر والوں کو نجات عطا فرمائے گا تو میرے بیٹے کا کیا حال ہوگا ﴿وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ﴾ اور تو سب سے بڑا حاکم ہے یعنی تو تمام حکام سے زیادہ جاننے والا ہے اور ان سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے کیونکہ کسی حاکم کو کسی دوسرے پر صرف علم اور عدل وانصاف کی بناء پر فضیلت و برتری حاصل ہوتی ہے اور تمہارے زمانے میں حکومت کے پیروکاروں میں سے بہت سے لوگ جہالت و ظلم میں مستغرق ملیں گے' لیکن ان کا لقب "اقضی القضاۃ" (سب سے زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والا) ہوگا۔ جس کا معنی "اَحْكَمُ الْحَاكِمِیْنَ" بنتا ہے' سو تم عبرت پکڑو اور عبرت حاصل کرو۔

قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۴۷﴾ قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَ عَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۴۸﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح! بے شک وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے' کیونکہ وہ عمل کا نیک نہیں ہے' سو جس بات کا تجھے علم نہیں اس کا مجھ سے سوال نہ کیجئے' بے شک میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ کہیں تم نادانوں میں سے نہ ہو جاؤO نوح نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں تجھ سے وہ سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں' اور اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گاO فرمایا گیا کہ اے نوح! تم ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اور برکتوں کے ساتھ اتر جاؤ جو تم پر ہیں اور ان میں سے کچھ جماعتوں پر ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں' اور کچھ اور جماعتیں ہوں گی جن کو ہم عنقریب کچھ فوائد دیں گے' پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گاO

٤٦- ﴿قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح! بے شک وہ تمہارے گھر والوں میں سے نہیں

ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کے گھر والوں میں سے کنعان کے نہ ہونے کی علّت وسبب بیان کیا اور فرمایا: ﴿اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ﴾ بے شک وہ نیک عمل نہیں ہے اور اس میں خبردار کر دیا گیا ہے کہ دین کا رشتہ نسب کے رشتہ پر یقیناً غالب ہے اور بے شک تمہارا نسب تمہارے دین سے وابستہ ہے اور اگر دینی رشتہ دار حبشی ہو اور تم قرشی ہو تو بھی تمہارے ساتھ اس کا رشتہ قائم رہے گا اور جو شخص تمہارے دین پر نہیں ہے وہ اگرچہ تمہارے اقارب کے ساتھ رشتہ میں جُڑا ہوا ہو لیکن وہ تم سے بہت دور ہے اور کنعان کی مذمت میں مبالغہ کرنے کے لیے اس کی ذات کو عمل غیر صالح قرار دیا گیا ہے جیسا کہ خنسآء کا قول ہے: ''فَاِنَّمَا هِیَ اِقْبَالٌ وَّاِدْبَارٌ'' پس بے شک وہ (زمانہ) آنے جانے والا ہے (یہاں بھی ''عَمَلٌ'' کی طرح مصدر کو بطور مبالغہ مبتدا پر محمول کر کے خبر قرار دیا گیا ہے) یا پھر تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اِنَّهٗ ذُوْ عَمَلٍ غَیْرُ صَالِحٍ'' بے شک وہ نیک عمل کرنے والا نہیں ہے' اور اس میں تنبیہ ہے کہ حضرت نوح کے گھر والوں میں سے جس نے نجات حاصل کی ہے اس نے اپنے نیک عمل کی وجہ سے نجات حاصل کی ہے نہ کہ اس لیے کہ وہ آپ کے گھر والوں میں سے تھا اور اس کو یاد رکھو کہ جب اس سے نیک سیرتی اور دین داری ختم ہو گئی تو اس کو اس کے باپ کے رشتے نے کوئی فائدہ نہیں دیا [قاری علی کسائی (اور قاری یعقوب) کی قراءت میں ''عَمِلَ غَیْرَ صَالِحٍ'' (عَمِلَ فعل ماضی مکسور العین ''غَیْرَ'' بناء بر مفعولیت منصوب) ہے] حضرت علامہ الشیخ ابو منصور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا آپ کے دین پر تھا لیکن وہ منافقت سے کام لیتا تھا' ورنہ ممکن نہیں کہ آپ یہ کہتے کہ بے شک میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی نجات کی درخواست کرتے کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس طرح سوال کرنے سے یہ کہہ کر منع فرما دیا کہ ''وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ'' (ہود: ۳۷) ''اور تم مجھ سے ظالموں کے بارے میں بات نہ کرنا' بے شک وہ یقیناً غرق کیے جائیں گے''۔ لہٰذا حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے اپنے بیٹے کی نجات کی درخواست اس لیے کرتے رہے کہ وہ آپ کے سامنے اپنے اسلام کا اظہار کرتا تھا جیسا کہ ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے منافقین آپ کی موافقت کا اظہار کرتے تھے اور اپنے دلوں میں آپ کی مخالفت وعداوت کو چھپاتے تھے اور آپ کو یہ بات معلوم نہیں تھی' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر مطلع اور آگاہ فرما دیا اور ارشادِ باری تعالیٰ ''اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ'' کا مطلب یہ ہے کہ بے شک وہ تمہارے گھر والوں میں سے نہیں ہے یعنی ان لوگوں میں سے نہیں ہے جن کی نجات کا میں نے وعدہ فرمایا ہے اور یہ وہ حقیقی مسلمان ہیں جو ظاہر و باطن میں ایمان پر قائم ہیں ﴿فَلَا تَسْـَٔلْنِ﴾ سو آپ مجھ سے سوال نہ کریں۔ [اہل کوفہ کے نزدیک نون کے نیچے کسرہ یائے محذوفہ کے عوض میں ہے جب کہ ابو عمرو بصری (اور ابو جعفر اور ورش اور یعقوب) کی قراءت میں یائے ثابتہ کے ساتھ ''فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ'' (نون مکسور اور ''یا'' مفتوح کے ساتھ) ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں ''فَلَا تَسْـَٔلَنِّیَ'' (لام مفتوح' نون مشدّد مکسور اور یائے متکلم مفتوح) ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فَلَا تَسْـَٔلَنِّ'' (لام مفتوح اور نون مشدّد مکسور بغیر یائے متکلم کے) ہے کیونکہ ''یَا'' کو حذف کر کے اس کے عوض میں نون مشدّد کے نیچے کسرہ دے دیا گیا ہے اور یہ نون تاکید کا نون ہے اور ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''فَلَا تَسْـَٔلَنَّ'' (لام ونون دونوں مفتوح اور نون مشدّد) ہے] ﴿مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ جس چیز کا تجھے علم نہیں ہے کہ اس کے متعلق سوال کرنا جائز ہے یا نہیں ﴿اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ﴾ بے شک میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ کہیں تم نادانوں میں سے ہو جاؤ۔ یہ اس طرح ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ'' (الانعام: ۳۵) ''سو اے محبوب! آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے''۔

۴۷- ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ حضرت نوح نے عرض کیا: اے میرے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں تجھ سے ایسا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے یعنی میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں مستقبل میں تجھ سے ایسا سوال کروں جس کے صحیح ہونے کا مجھے علم نہیں ہے' یہ صرف تیرا ادب واحترام کرنے اور تیری نصیحت قبول کر کے اس پر عمل کرنے کے لیے ہے ﴿وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ﴾ اور اگر تو میری کوتاہی کو نہیں بخشے گا ﴿وَتَرْحَمْنِیْٓ﴾ اور (اگر) تو مجھ پر رحم نہیں فرمائے گا اور اس طرح کی کوتاہی کی طرف لوٹنے سے نہیں بچائے گا ﴿اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

۴۸- ﴿قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا﴾ فرمایا گیا: اے نوح! ہماری طرف سے سلام کے ساتھ یا غرق ہونے سے سلامتی وحفاظت کے ساتھ اتر جائیے ﴿وَبَرَكٰتٍ عَلَیْكَ﴾ اور تم پر برکتیں ہی برکتیں ہوں اور یہ زیادہ سے زیادہ بڑھنے والی بھلائیاں مراد ہیں اور یہ بھلائیاں آپ کے حق میں ہیں اور آپ کی اولاد کی کثرت کے بارے میں ہیں اور آپ کے پیروکاروں کے بارے میں ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد میں سب سے زیادہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پیدا فرمائے اور آپ کی نسل میں سے باقی امتوں میں دین کے پیشوا پیدا فرمائے ﴿وَعَلٰٓی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ﴾ اور (یہ برکتیں) ان لوگوں پر ہوں جو آپ کے ساتھ (اسلام قبول کر کے کشتی میں سوار ہوئے) ہیں۔ [اس میں حرف "مِنْ" بیان کے لیے ہے اور "اُمَم" سے وہ لوگ مراد ہیں جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے کیونکہ وہ بہت سے گروہ تھے یا انہیں "اُمم" اس لیے کہا گیا ہے کہ ان سے بہت سی امتیں اور جماعتیں پیدا ہوئی تھیں یا پھر حرف "مِنْ" ابتدائیہ ہے یعنی آپ کے ساتھ سوار ہونے والوں میں سے پیدا ہونے والی امتوں پر (بھی برکتیں ہوں) اور وہ آخر زمانہ تک پیدا ہونے والی امتیں مراد ہیں اور "اُمم" کو جمع لانے کی یہی وجہ ہے] ﴿وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ﴾ اور کچھ گروہ ایسے ہوں گے جن کو ہم دنیا میں مال و دولت اور رزق میں خوشحالی اور زندگی میں آسودگی کے فوائد دیں گے۔ ["اُمَمٌ" مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے "سَنُمَتِّعُهُمْ" اس کی صفت ہے اور خبر محذوف ہے' اس کی تقدیری عبارت اس طرح ہے: "وَمِمَّنْ مَّعَكَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ" ہے اور اس کی خبر مقدم کو اس لیے حذف کر دیا گیا ہے کہ پہلا "مِمَّنْ مَّعَكَ" اس پر دلالت کر رہا ہے] ﴿ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا یعنی آخرت میں اور معنی یہ ہے کہ ہماری طرف سے سلام اور برکتیں آپ پر ہوں گی اور جو آپ کے ساتھ ہیں' ان میں سے پیدا ہونے والے مسلمانوں پر ہوں گی اور جو لوگ آپ کے ساتھ سوار ہیں ان میں سے کچھ گروہ پیدا ہوں گے جو دنیا میں خوب فائدہ اٹھائیں گے' پھر دوزخ کی آگ میں ڈالے جائیں گے اور حضرت نوح علیہ السلام اپنے بعد تمام انبیائے کرام کے باپ ہیں اور طوفان کے بعد پیدا ہونے والی تمام مخلوق آپ سے اور کشتی میں سوار آپ کے ساتھیوں میں سے پیدا ہوئی تھی۔

اور حضرت محمد بن کعب سے منقول ہے کہ اس سلام میں قیامت تک آنے والے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں داخل ہیں اور اس کے بعد دنیا کا فائدہ حاصل کرنے والوں اور عذابِ آخرت میں مبتلا ہونے والوں میں تمام کافر داخل ہیں۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ

عَلَیۡہِ اَجۡرًا ؕ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۵۱﴾

یہ غیب کی خبروں میں سے ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، جن کو اس سے پہلے نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم، سو آپ صبر کیجئے، بے شک نیک انجام پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے O اور (ہم نے) عاد کی طرف ان کے قومی بھائی ہود کو (بھیجا)، انہوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تم تو نہیں مگر بہتان باندھنے والے O اے میری قوم! میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، میری اجرت صرف اس ذات کے ذمہ کرم پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے O

۴۹- ﴿تِلۡكَ﴾ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کی طرف اشارہ ہے [اور یہ مبتدا ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے اور اس کے بعد آنے والے جملے اس کی خبریں ہیں اور وہ یہ ہیں] ﴿مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡهَاۤ اِلَیۡكَ ۚ مَا كُنۡتَ تَعۡلَمُهَاۤ اَنۡتَ وَلَا قَوۡمُكَ﴾ یہ غیب کی خبریں جنہیں ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں جن کو آپ اس سے پہلے نہیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم جانتی تھی یعنی یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ایک غیبی خبر ہے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، جو آپ کو اور آپ کی قوم کو معلوم نہیں تھا ﴿مِنۡ قَبۡلِ هٰذَا﴾ اس وقت سے پہلے یا آپ کی طرف وحی بھیجنے سے پہلے اور آپ کو اس کی خبریں بیان کرنے سے پہلے ﴿فَاصۡبِرۡ﴾ پس نبوت و رسالت کی تبلیغ پر اور اپنی قوم کے اذیت و تکلیف پہنچانے پر صبر کیجئے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے صبر کا مظاہرہ کیا تھا اور آپ اپنے لیے اور اپنے جھٹلانے والوں کے لیے اسی طرح کے انجام کی توقع رکھیں جس طرح حضرت نوح اور ان کی قوم کے لیے ہوا تھا (کہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب و کامران کرے گا اور ان کی قوم کی طرح آپ کی قوم کفارِ مکہ کو ناکام و نامراد اور ہلاک کر دے گا) ﴿اِنَّ الۡعَاقِبَةَ﴾ بے شک کامیابی و کامرانی پانے میں اور مدد و نصرتِ الٰہی اور فتح و غلبہ حاصل کرنے میں بہترین انجام ﴿لِلۡمُتَّقِیۡنَ﴾ شرک و کفر سے بچنے والے پرہیزگاروں کے لیے ہوتا ہے۔

حضرت ھود کی تبلیغ اور سرکشوں کا انجام

۵۰- ﴿وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمۡ﴾ اور عاد کی طرف ان کے قومی بھائی (یعنی) ان میں سے ایک فرد کو (ہم نے بھیجا) [''اَخَاهُمۡ'' منصوب ہے کیونکہ یہ ''اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا'' پر معطوف ہے ''اَیۡ وَاَرۡسَلۡنَا اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمۡ''] ﴿هُوۡدًا﴾ یعنی اور ہم نے عاد کی طرف ان کے قومی بھائی حضرت ھود علیہ السلام کو بھیجا۔ [''هُوۡدًا'' عطف بیان ہے] ﴿قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ﴾ حضرت ھود نے فرمایا: اے میری قوم! تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو (یعنی) تم اللہ تعالیٰ کو واحد لاشریک مان کر اس کی عبادت کرو ﴿مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ﴾ کہ اس کے علاوہ تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں۔ [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''غَیۡرُهٗ'' جار مجرور ''مِنۡ اِلٰهٍ'' کے محل کی صفت ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''اِلٰهٍ'' کے لفظ سے صفت ہونے کی بناء پر ''غَیۡرِهٖ'' مجرور (یعنی ''را'' کے نیچے زیر) ہے] ﴿اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا مُفۡتَرُوۡنَ﴾ تم نہیں ہو مگر بہتان باندھنے والے کیونکہ تم اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتے ہو کہ اس کے لیے بتوں کو تم شریک قرار دیتے ہو۔

۵۱- ﴿یٰقَوۡمِ لَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ اَجۡرًا ؕ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ﴾ اے میری قوم! میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، میری اجرت صرف اس ذاتِ اقدس کے ذمۂ کرم پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ ہر نبی اور رسول نے اپنی اپنی قوم کو یہی بات کہہ کر مخاطب کیا ہے کیونکہ ان کی شان ہی یہی ہے کہ وہ نصیحت و خیر خواہی کریں اور یہ تب خالص ہوگی کہ جب

اس سے طمع و لالچ اور خواہش ختم ہو چکی ہو اور جب تک ان میں سے کسی چیز کا وہم رہے گا تو اس وقت تک نصیحت مفید و نفع بخش نہیں ہو سکے گی ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے کیونکہ تم اس شخصیت کی نصیحت کو رد کر رہے ہو جو اپنی اجرت کا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے طلب گار ہے اور وہ آخرت کا اجر و ثواب ہے اور اس سے بڑھ کر تہمت کو دور کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝

اے میری قوم! تم اپنے رب سے بخشش مانگو پھر تم اس کی طرف رجوع کرو وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا اور وہ تمہاری قوت پر اور قوت کا اضافہ فرما دے گا اور تم مجرم بن کر منہ نہ پھیر لو O انہوں نے کہا: اے ھود! تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں لائے اور ہم صرف تمہارے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں O ہم تو نہیں کہتے مگر صرف یہی کہ ہمارے بعض معبودوں نے تمہیں جنون زدہ کر دیا ہے' ھود نے فرمایا: بے شک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں یقیناً ان سے بیزار ہوں جن کو تم (اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہو O اس کے سوا' سو تم سب مل کر میرے خلاف سازش کرو' پھر تم مجھے مہلت نہ دو O

۵۲- ﴿ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ﴾ اے میری قوم! تم اپنے رب سے بخشش طلب کرو (یعنی) اس پر ایمان لاؤ ﴿ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ﴾ پھر تم غیر اللہ کی عبادت سے منہ موڑ کر صرف اسی کی طرف رجوع کرو ﴿ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ ﴾ وہ تم پر بادل بھیجے گا یعنی وہ تم پر بارش برسائے گا ﴿ مِّدْرَارًا ﴾ [یہ حال واقع ہو رہا ہے] یعنی پے در پے مسلسل اور موسلا دھار کثرت سے بارش برسائے گا ﴿ وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ ﴾ اور وہ تمہاری قوت میں اور قوت کا اضافہ فرما دے گا اور قوت میں اضافہ کرنے اور کثرت سے بارش برسانے سے صرف ان کو ایمان کی طرف مائل کرنا مقصود ہے کیونکہ وہ لوگ کھیتی باڑی کرنے والے اور اس میں باغات لگانے والے تھے اور انہیں پانی کی اشد ضرورت ہوتی تھی اور وہ قوت و طاقت اور محنت و ریاضت کی شدت پر مکمل بھروسا رکھتے تھے اور بعض نے کہا کہ قوت سے مال و دولت میں اضافہ کرنا مراد ہے یا نکاح کرنے کی طاقت مراد ہے اور بعض نے کہا کہ تین سال تک مسلسل ان پر بارش بند رہی' جس سے قحط سالی و خشک سالی پھیل گئی اور ان کی عورتیں بانجھ ہو گئیں' چنانچہ حضرت ھود علیہ السلام نے ان سے ایمان لانے اور استغفار کرنے پر بارش اور اولاد کا وعدہ فرمالیا۔

حضرت حسن ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لائے' پھر جب آپ فارغ ہو کر وہاں سے جانے لگے تو حضرت امیر معاویہ کے ایک دربان نے آپ سے عرض کیا کہ میں ایک مال دار اور دولت مند آدمی ہوں لیکن میں بے اولاد ہوں' آپ برائے کرم مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتائیں

جس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم اپنے اوپر استغفار پڑھنا لازم کرلو (یعنی زیادہ سے زیادہ استغفار کیا کرو)' چنانچہ وہ دربان کثرت استغفار کرنے لگا حتیٰ کہ وہ ایک دن میں سات سو مرتبہ استغفار کرنے لگا جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کو دس بیٹے عطا فرمائے' پھر جب یہ خبر حضرت معاویہ کو پہنچی تو انہوں نے اپنے دربان سے کہا کہ تم نے حضرت حسن سے یہ کیوں نہیں پوچھ لیا کہ انہوں نے یہ وظیفہ کہاں سے حاصل کیا' پھر جب حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوبارہ حضرت امیر معاویہ کے پاس تشریف لائے تو اس شخص نے آپ سے اس وظیفہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت کر کے فرمایا: کیا تم نے حضرت ہود کا یہ قول نہیں سنا کہ ''وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ'' کہ اللہ تعالیٰ تمہاری افرادی قوت میں مزید اضافہ فرما دے گا' اور فرمایا کہ کیا تم نے حضرت نوح علیہ السلام کا قول نہیں سنا کہ انہوں نے اپنی قوم کو استغفار کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ'' (نوح:١٢) ''اور اللہ تعالیٰ مال و دولت اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا''۔ ﴿وَلَا تَتَوَلَّوْا﴾ اور تم مجھ سے اور میری اس تبلیغ سے منہ نہ پھیرلو جس کی طرف میں تمہیں دعوت دیتا ہوں ﴿مُجْرِمِيْنَ﴾ تم اپنے گناہوں اور جرائم پر اصرار کرنے والے مجرم نہ بنو۔

٥٣۔ ﴿قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ﴾ کافروں نے کہا: اے ہود! تم تو ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لے کر نہیں آئے (جس پر ہمیں یقین ہو) یہ ان کی طرف سے سراسر جھوٹ ہے اور یہ ان کے انتہائی بغض و عناد اور ہٹ دھرمی کا اظہار ہے' جیسا کہ قریشِ مکہ نے ہٹ دھرمی سے رسولِ خدا ﷺ کے متعلق کہا تھا: ''لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ'' (الرعد:٧) ''ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟'' حالانکہ آپ کے معجزات بے حد و بے شمار تھے ﴿وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ﴾ اور ہم آپ کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ [''تَارِكِيْ اٰلِهَتِنَا'' میں پوشیدہ ضمیر سے ''عَنْ قَوْلِكَ'' حال واقع ہو رہا ہے] گویا کہا گیا ہے کہ اور ہم اپنے معبودوں کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے حالانکہ ہم تو تمہارے قول سے منہ پھیرنے والے ہیں ﴿وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں' اور ہمارے جیسے لوگوں کے لیے تمہارے جیسے آدمی کی تصدیق کرنا اور ایمان لانا صحیح نہیں ہے' انہوں نے دعوت قبول کرنے سے آپ کو مایوس کرنے کے لیے یہ بات کہی تھی۔

٥٤۔ ﴿اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ﴾ ہم نہیں کہتے مگر صرف یہی کہ ہمارے بعض معبودوں نے تمہیں بُری تکلیف پہنچائی ہے۔ [اس میں ''اِنْ'' حرفِ نفی ہے جس کی وجہ سے تمام باتوں کی نفی کر دی گئی ماسوا ایک بات کے اور وہ ان کی یہ بات ہے کہ ہمارے بعض معبودوں نے دیوانگی اور پاگل پن کی بُری تکلیف تمہیں پہنچادی ہے] تقدیر عبارت یہ ہے کہ ہم صرف یہی بات کہتے ہیں' یعنی ہمارے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ ہمارے بعض معبودوں کی بددعا کی یہ سزا ہے کہ تمہیں دیوانگی اور پاگل پن کی بیماری لگ چکی ہے ﴿قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں یقیناً ان سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہو۔

٥٥۔ ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اس کے سوا یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا جن بتوں کو تم معبود قرار دے کر اس کا شریک ٹھہراتے ہو ان سے میں بیزار ہوں اور معنی یہ ہے کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں ان سے یقیناً بیزار ہوں جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو اور تم بھی گواہ رہو کہ بے شک میں ان سے بیزار ہوں اور شہادت کے لیے فعل امر لایا گیا ہے جیسا کہ کوئی آدمی اس شخص سے کہتا ہے جس کے ساتھ اس کے تعلقات کشیدہ ہو چکے ہوں کہ میں تم سے ہرگز دوستی اور محبت نہیں کروں گا

محض اس کا مذاق اڑانے اور اس کی توہین کرنے کے لیے ﴿ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ﴾ پس تم سب میرے خلاف سازش کرلو تم بھی اور تمہارے معبود بھی ﴿ ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴾ پھر تم مجھے مہلت نہ دو کیونکہ مجھے تمہاری اور تمہارے فریب کی کوئی پرواہ نہیں ہے اور میں تمہاری اذیتوں اور تکلیفوں سے نہیں ڈرتا' اگر چہ تم میرے خلاف ایک دوسرے کے مددگار بن جاؤ' بھلا تمہارے معبود مجھے کیسے نقصان پہنچائیں گے کیونکہ وہ صرف بے جان مورتیاں ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور وہ مجھ سے کیسے انتقام لے سکیں گے جب کہ میں ان سے بدلا لے چکا ہوں اور میں ان کی عبادت سے روک چکا ہوں' بایں طور کہ وہ مجھے دیوانہ بنا دیتے اور میری عقل چھین لیتے۔

إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ ۚ مَا مِنْ دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَنَجَّيْنَاهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾

بے شک میں نے اللہ پر بھروسا کیا ہے جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے' زمین پر چلنے والا کوئی ایسا جاندار نہیں مگر اس نے اس کی پیشانی سے پکڑا ہوا ہے' بے شک میرا رب ہی سیدھے راستے پر (چلنے کی راہ نمائی کرتا) ہےO سو اگر تم منہ پھیر لو گے تو بے شک میں نے تمہیں وہ پیغام پہنچا دیا ہے جس کے ساتھ مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا' اور میرا رب تمہارے علاوہ کسی اور قوم کو تمہارا جانشین بنا دے گا' اور تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے' بے شک میرا رب ہر چیز کا محافظ ہےO اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے ھود کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے نجات دے دی' اور ہم نے انہیں (یعنی کافروں کو) سخت عذاب دیاO

۵۶- ﴿ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ ۚ مَا مِنْ دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ﴾ بے شک میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیا ہے جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے' کوئی جاندار نہیں مگر اس نے اس کو پیشانی سے پکڑ رکھا ہے اور جب حضرت ہود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے اور اس کی حفاظت پر اعتماد کرنے اور کافروں کے مکر وفریب سے بچنے کے لیے اس کی کارسازی کا ذکر کیا تو اس کا ایسا وصف بیان فرمایا جو اس پر توکل کرنے کو واجب ولازم کر دیتا ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا ان کا اور ان کی قوم کا رب ہونا اور ہر جاندار کا اس کے قبضہ اور اس کے ملک میں ہونا ہے اور اس کی سلطنت وغلبہ کے تحت ہونا ہے اور پیشانی سے پکڑنا بھی اس کی تمثیل ہے ﴿ إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴾ بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ہے (یعنی) بے شک میرا رب حق پر قائم ہے' اس سے اعراض نہیں فرماتا یا یہ کہ بے شک میرا رب سیدھے راستے کی طرف رہ نمائی فرماتا ہے۔

۵۷- ﴿ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ﴾ پھر اگر تم روگردانی کرو گے تو بے شک میں نے تمہیں وہ پیغام پہنچا دیا ہے جس کے ساتھ میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں' لہٰذا تم پر حجت ثابت ولازم ہو گئی ہے (اور اب انکار کی

گنجائش نہیں رہی) ﴿ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ﴾ اور میرا رب تعالیٰ تمہاری جگہ تمہارے علاوہ کسی اور قوم کو جانشین بنا دے گا۔[یہ ایک مستقل الگ کلام ہے] یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کر دے گا اور ایک اور قوم لے آئے گا جو تمہارے مکانوں اور تمہارے مالوں میں تمہارے جانشین بنیں گے ﴿ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا ﴾ اور تم روگردانی کر کے اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کا کوئی ضرر و نقصان ہرگز نہیں پہنچا سکتے کیونکہ اس کو نقصان پہنچانا اور اس کی مخالفت کرنا ناممکن و ناجائز اور محال ہے اور البتہ تم صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچاؤ گے ﴿ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴾ بے شک میرا رب تعالیٰ ہر چیز پر محافظ ہے' وہ ہر چیز پر نگہبان و نگران ہے' لہٰذا تمہارے تمام اعمال اس سے مخفی و پوشیدہ نہیں ہیں اور نہ وہ تمہارے مؤاخذے سے غافل و بے خبر ہے یا جو ذاتِ اقدس تمام چیزوں پر نگہبان و نگران ہو اور سب کی محافظ ہو اور تمام چیزیں نقصانات سے بچنے کے لیے اسی کی حفاظت کی محتاج ہوں اس جیسی (قادر و غالب) ذاتِ اقدس کو تمہارے جیسے (کمزور و محتاج) نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

۵۸- ﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ﴾ اور جب ہمارا حکم (عذاب) آ گیا تو ہم نے حضرت ہود کو اور ان لوگوں جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے نجات دے دی اور وہ لوگ چار ہزار تھے ﴿ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ﴾ اپنی رحمت سے یعنی اپنے فضل و کرم سے (ہم نے انہیں نجات دی) ان کے عمل کی وجہ سے نہیں یا یہ کہ ایمان کی برکت سے ہم نے ان پر انعام فرمایا ﴿ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴾ اور ہم نے ان کو سخت ترین عذاب سے نجات بخشی [اور "نَجَّيْنَا" کا تکرار صرف تاکید کے لیے ہے یا پھر دوسرے عذابِ آخرت سے نجات دینے کے لیے ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر زیادہ سخت عذاب اور کوئی نہیں ہے]۔

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝۵۹ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝۶۰ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝۶۱

ع ۵ / ۱۱

اور یہ عاد ہیں' جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش عناد رکھنے والے کے حکم کی پیروی کی ○ اور اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت میں بھی' خبردار! بے شک عاد نے اپنے رب کا انکار کیا' جان لو قوم عاد کے لیے ہلاکت ہے ○ اور ثمود کی طرف ان کے قومی بھائی صالح کو (ہم نے بھیجا) انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! تم صرف اللہ کی عبادت کرو کہ تمہارے لیے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' اسی نے تمہیں زمین سے پیدا فرمایا اور اسی نے تمہیں اس میں آباد فرمایا' سو تم اسی سے بخشش طلب کرو' پھر اسی کی طرف رجوع کرو' بے شک میرا رب بہت نزدیک (دعائیں) قبول فرمانے والا ہے ○

۵۹- ﴿ وَتِلْكَ عَادٌ ﴾ اور یہ عاد ہیں۔ کافروں کی قبروں اور ان کے آثار و نشانات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (اے میرے محبوب کے امتیو!) تم زمین میں سیر و سیاحت کرو اور ان لوگوں کے تباہ شدہ آثار و بقیہ

نشانات کو غور سے دیکھو اور اس سے عبرت حاصل کرو؛ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات کو بیان کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ ﴿ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ ﴾ انہوں نے اپنے رب تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور چونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ایک رسول حضرت ہود علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی تو انہوں نے یقیناً اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں کی نافرمانی کی کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ'' (البقرہ:٢٨٥) ''ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے''۔ ﴿ وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴾ اور انہوں نے ہر سرکش و منکر کے حکم کی پیروی کی۔ اس سے ان کے سردار اور رسولوں کو جھٹلانے کی طرف دعوت دینے والے لیڈر مراد ہیں کیونکہ قوم کے یہی سردار لوگوں کو ناحق کاموں پر مجبور کرتے تھے اور یہی لوگ اپنے رب تعالیٰ سے بغض و عناد رکھتے تھے اور نافرمانی و سرکشی کرتے تھے اور ان کے حکم کی اتباع کا معنی ہے: ان کی اطاعت و فرماں برداری کرنا۔

٦٠- ﴿ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾ اور اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی ہے اور قیامت کے دن بھی اور جب انہوں نے رسولوں کو چھوڑ کر اپنے سرداروں کی پیروی کی تو دنیا و آخرت میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی ﴿ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ ﴾ خبردار! بے شک عاد (اور اس کے پیروکاروں نے) اپنے رب کریم کا انکار کیا' خبردار! عاد کے لیے ہلاکت ہے۔ [حرف ''اَلَا'' کا تکرار ان کے کفر کے اعلان اور ان پر بددعا کے ساتھ ساتھ ان کے معاملے سے ڈرانے اور ان سے عبرت حاصل کرنے اور ان کی سی حالت سے بچنے کے لیے کیا گیا ہے اور ''بُعْدًا'' کے ساتھ ان کی ہلاکت کے بعد دعائے ضرر کی گئی ہے اور وہ ہلاکت کی دعا ہے تاکہ اس بات کی دلیل بن جائے کہ وہ لوگ ہلاکت ہی کے مستحق تھے] ﴿ قَوْمِ هُوْدٍ ﴾ [یہ عاد کے لیے عطف بیان ہے] اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ عاد کی دو قومیں ہوئی ہیں' ایک عاد قدیم اور عاد اولیٰ اور یہی قومِ ہود ہے اور یہ قصہ انہیں لوگوں کا بیان کیا گیا ہے اور دوسری قوم عادِ ارم ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کے تبلیغی کارنامے اور منکرین کا بُرا انجام

٦١- ﴿ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ﴾ اور قومِ ثمود کی طرف ان کے قومی بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو (بھیجا گیا)' انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' جس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں' اسی نے تمہیں زمین سے پیدا فرمایا ہے' اس کے سوا تمہیں کسی نے پیدا نہیں کیا اور ان کا زمین سے پیدا ہونے کا یہ معنی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا' پھر حضرت آدم سے ان کو پیدا کیا گیا ہے ﴿ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں آباد کیا اور اس نے تمہیں اس کو آباد کرنے والا معمار بنایا اور اس نے تم سے اس کی تعمیر و ترقی کو چاہا [یا یہ ''عُمْرٌ'' سے ماخوذ ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے اس میں تمہاری عمریں بڑھا دیں اور قومِ ثمود کی عمریں تین سو سال سے لے کر ایک ہزار سال تک ہوتی تھیں اور فارس کے بادشاہوں نے لوگوں پر ظلم و ستم کرنے کے باوجود اپنی اس سرزمین پر بہت بڑی نہریں کھدوائیں اور اس میں بہت سے باغات و درخت لگوائے اور اس میں بڑی اونچی اونچی عمارتیں اور بلڈنگیں تعمیر کرائیں' چنانچہ ان کے زمانہ کے انبیائے کرام میں سے ایک محترم نبی نے اپنے رب سے ان کی تعمیرات کا سبب دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ انہوں نے میرے شہروں کو تعمیر و آباد کیا تو میرے بندوں نے ان میں اپنی زندگیاں گزاریں ﴿ فَاسْتَغْفِرُوْهُ ﴾ سو تم ایمان لا کر اس سے اس کی مغفرت و بخشش کا سوال کرو اور اس سے معافی مانگو ﴿ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ ﴾ پھر تم اس کی طرف رجوع کرو بے شک میرا رب تعالیٰ بہت ہی نزدیک ہے (یعنی) میرے رب تعالیٰ کی رحمت بہت نزدیک ہے ﴿ مُّجِیْبٌ ﴾ وہ ہر اس شخص کی

دعا قبول کرنے والا ہے جو اس سے سچے دل سے خلوص کے ساتھ دعا کرتا رہتا ہے۔

قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ اٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَیْتُهٗ قف فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ ﴿۶۳﴾ وَ یٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِیْبٌ ﴿۶۴﴾

کافروں نے کہا کہ اے صالح! اس سے پہلے تو تم ہماری امیدوں کا سہارا تھے کیا تم ہمیں روکتے ہو کہ ہم ان کی عبادت کریں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے رہے ہیں اور بے شک جس کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو اس کے بارے میں ہم مضطرب کر دینے والے شک میں مبتلا ہیں O فرمایا: اے میری قوم! کیا تم بتا سکتے ہو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور مجھے میرے رب نے اپنی رحمت سے نوازا ہے تو اللہ کے عذاب سے مجھے کون بچائے گا اگر میں نے اس کی نافرمانی کی سو تم تو سوائے گھاٹے کے میرا کچھ نہیں بڑھاؤ گے O اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی ہے پس تم اسے چھوڑ دو وہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور تم اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ ورنہ تم کو بہت جلد عذاب پکڑ لے گا O

۶۲۔ ﴿ قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ ﴾ انہوں نے کہا کہ اے صالح! اس سے پہلے تم ہمارے درمیان میں ہماری قیادت کرنے کے لیے اور تمام اہم معاملات میں مشورے دینے کے لیے ہمارا مرکز و سہارا بن چکے تھے یا ہم امید رکھتے تھے کہ تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ گے اور جس راستے پر ہم گامزن ہیں اس میں تم ہماری موافقت کرو گے ﴿ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ﴾ کیا تم ہمیں ان معبودوں کی عبادت کرنے سے روکتے ہو جن کی ہمارے باپ دادے عبادت کرتے رہے۔ [یہ ماضی کے حال کی حکایت ہے] ﴿ وَ اِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ ﴾ اور جس توحید کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں ہم اس کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں ﴿ مُرِیْبٍ ﴾ شبہ میں ڈالنے والا شک۔ [''اَرَابَهُ'' سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کو شک میں ڈال دے] اور اس کا معنی ہے: دل کا مضطرب اور پریشان ہو جانا اور اطمینان و سکون کا چھن جانا۔

۶۳۔ ﴿ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ اٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً ﴾ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اگر میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے واضح دلیل پر قائم ہوں اور میرے رب تعالیٰ نے مجھے اپنی رحمت یعنی نبوت عنایت فرما دی ہے۔ [حضرت صالح علیہ السلام نے یہاں حرف شک (یعنی حرف ''اِنْ'') استعمال کیا ہے] حالانکہ آپ کو کامل یقین تھا کہ آپ اپنے پروردگار کی طرف سے واضح اور روشن ترین دلیل پر قائم ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے مخاطب منکرین تھے (جن کو آپ کی نبوت میں شک تھا) پس گویا آپ نے فرمایا کہ اے کافرو! تم فرض کرو کہ میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے روشن ترین دلیل پر ہوں اور میں حقیقت میں نبی ہوں اور تم غور کرو اگر ایسی

حالت میں مَیں تمہاری پیروی اختیار کرلوں اور میں اپنے رب تعالیٰ کی اس کے احکام میں نافرمانی کرلوں ﴿فَمَنۡ یَّنۡصُرُنِیۡ مِنَ اللّٰهِ﴾ تو مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون بچائے گا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو روکنے کے لیے اس کے مقابلے میں بھلا کون میری مدد کر سکے گا؟ ﴿اِنۡ عَصَیۡتُهٗ﴾ اگر میں نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات کی تبلیغ کرنے میں اور تمہیں بتوں کی عبادت سے منع کرنے میں اس کی نافرمانی کرلی ﴿فَمَا تَزِیۡدُوۡنَنِیۡ غَیۡرَ تَخۡسِیۡرٍ﴾ سو تمہارا ''اَتَنۡهٰنَاۤ اَنۡ نَّعۡبُدَ مَا یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا'' کہنا ماسوا گھاٹے کے میرا اور کچھ نہیں بڑھائے گا کیونکہ یا تمہیں میرے ساتھ خسارے اور نقصان کی طرف منسوب کیا جائے گا یا مجھے تمہارے ساتھ خسارے اور گھاٹے کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

٦٤۔﴿وَیٰقَوۡمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَکُمۡ اٰیَةً﴾ اور اے میری قوم! یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔[''اٰیَةً''''نَاقَةُ اللّٰهِ'' سے حال ہے اس لیے منصوب ہے اور اس کا عامل وہ معنیٰ فعل ہے جس پر اسم اشارہ ''هٰذا'' دلالت کررہا ہے (یعنی اُشِیۡرُ) ''لَکُمۡ'' کا ''اٰیَةً'' سے حال ہونے کا تعلق ہے اور یہ مقدم حال اس لیے ہے کہ اگر اس کو مؤخر کیا جاتا تو یہ ''اٰیَـةً'' سے حال کی بجائے صفت ہو جاتا لیکن جب اس کو مقدم کر دیا گیا تو حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے] ﴿فَذَرُوۡهَا تَاۡکُلۡ فِیۡۤ اَرۡضِ اللّٰهِ﴾ پس تم اس کو چھوڑ دو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر کھائے پیئے اور چرے پھرے یعنی اس کو خوراک کھلانا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے اس کے باوجود کہ اس کا نفع تمہارے لیے ہے[1] ﴿وَلَا تَمَسُّوۡهَا بِسُوۡٓءٍ﴾ اور تم اس کو تکلیف نہ پہنچانا (یعنی) اس کی کونچیں کاٹ کر یا اس کو ذبح کر کے نقصان نہ پہنچانا ﴿فَیَاۡخُذَکُمۡ عَذَابٌ قَرِیۡبٌ﴾ ورنہ تمہیں بہت جلد عذاب پکڑ لے گا۔

فَعَقَرُوۡهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوۡا فِیۡ دَارِکُمۡ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِکَ وَعۡدٌ غَیۡرُ مَکۡذُوۡبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّیۡنَا صٰلِحًا وَّالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَمِنۡ خِزۡیِ یَوۡمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ الۡقَوِیُّ الۡعَزِیۡزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوا الصَّیۡحَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دِیَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ ﴿۶۷﴾ کَاَنۡ لَّمۡ یَغۡنَوۡا فِیۡهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوۡدَاۡ کَفَرُوۡا رَبَّهُمۡ ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّثَمُوۡدَ ﴿۶۸﴾ ع ۸ ۶

سو انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو صالح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ تم اپنے گھروں میں تین دن اور فائدہ اٹھالو

[1] جب حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید و رسالت کی دعوت دی تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو کوئی معجزہ دکھایئے' پھر انہوں نے وہاں ایک معین پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ آپ اس پہاڑ سے ایک موٹے پیٹ والی گابھن اونٹنی نکالئے جو پتھر سے نکلتے ہی بچہ جن دے' آپ نے فرمایا: اگر ایسی اونٹنی اس پہاڑ سے نکل آئے تو پھر تم ایمان لے آؤ گے؟ انہوں نے کہا: ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے دو رکعت نفل نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی' آپ کی دعا قبول ہوگئی' چنانچہ اس پتھر سے بچہ جننے والی اونٹنی کی طرح آواز آنے لگی اور جیسے قوم نے چاہا ویسے ہی اس پہاڑ سے اونٹنی برآمد ہوئی' جو دس ماہ کا گابھن تھی' آتے ہی بچہ جنا' جو ہو بہو ماں کے مشابہ تھا اور یہ اونٹنی اتنا زیادہ دودھ دیتی تھی کہ پوری قوم اس کے دودھ سے سیراب ہوتی تھی جو کہ ڈیڑھ ہزار گھرانے پر مشتمل تھی۔ (ماخوذ از ''تفسیر روح البیان'' اسی آیت مبارکہ: ٦٤' سورۂ ھود کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں' نیز علامہ خازن اور علامہ رازی نے اسی آیت کے تحت اجمال کے ساتھ یہی معجزہ بیان کیا ہے)

یہ وہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہوگا○ پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے صالح (علیہ السلام) کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے اپنی رحمت سے نجات دے دی اور اس دن کی رسوائی سے بچا لیا' بے شک آپ کا رب ہی بڑا طاقت ور' بہت غالب ہے○ اور ظالموں کو ایک ہولناک چنگھاڑ نے دبوچ لیا' پس وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں مردہ حالت میں اوندھے پڑے رہ گئے○ گویا وہ اس میں بسے ہی نہیں تھے' خبردار! بے شک ثمود (کی قوم) نے اپنے رب کا انکار کیا' خبردار! ثمود (کی قوم) کے لیے ہلاکت ہے○

٦٥- ﴿فَعَقَرُوْهَا﴾ پھر انہوں نے بدھ کے روز اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں ﴿فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ﴾ تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اب تم اپنے گھروں میں (صرف تین دن تک) زندگی گزار لو یعنی تم اپنے شہر میں اور شہر کو گھروں سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ انسان گھوم پھر کر اپنے گھر میں واپس آ جاتا ہے یعنی دن بھر کے کاروبار کر کے یا یہ کہ دنیا کے گھر میں زندگی کا کچھ فائدہ اٹھا لو ﴿ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ﴾ تین دن' پھر تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا' چنانچہ ہفتہ کے دن انہیں ہلاک کر دیا گیا تھا ﴿ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ﴾ یہ وہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہوگا یعنی اس میں جھوٹ نہیں بولا گیا بلکہ یہ ایک سچا پکا وعدہ ہے [اصل میں ''مَكْذُوْبٌ فِيْهِ'' تھا (اور اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے) پھر ظرف کو وسعت دے کر حرف جر حذف کر دیا گیا ہے (ضمیر مجرور ''ہٖ'' کو ''مکذوب'' کے ساتھ متصل و مستتر کر دیا گیا) اور اس کو مفعول بہ کے قائم مقام کیا گیا ہے یا ''وَعْدٌ غَيْرُ كَذِبٍ'' ہے' اس بناء پر کہ ''مکذوب'' مصدر ہے اور ''معقول'' کی طرح ہے]۔

٦٦- ﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا﴾ پھر جب ہمارا حکم (یعنی) عذاب یا ہمارا عذاب آ گیا ﴿نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا﴾ تو ہم نے حضرت صالح علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے نجات دے دی۔ حضرت الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس کو بھی نجات دی گئی تھی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نجات دی گئی تھی' اس کے اپنے عمل کی وجہ سے نہیں جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''لَا يَدْخُلُ اَحَدُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ'' یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں کوئی نہیں جا سکے گا ﴿وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ﴾ اور اس دن کی ذلت و رسوائی سے (ہم نے انہیں بچا لیا) [''خــزی'' کو ''یــوم'' کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور ''یــوم'' کے آخر میں جر اضافت کی وجہ سے ہے جب کہ نافع اور علی کسائی کی قراءت میں ''يَـوْمَ'' مفتوح ہے کیونکہ وہ ''اِذْ'' کی طرف مضاف ہے اور وہ مبنی ہے اور ظروف زمان جب اسمائے مبہمہ اور افعال ماضیہ کی طرف مضاف ہوتے ہیں تو مبنی ہوتے ہیں اور ان کا مبنی ہونا مضاف الیہ کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ (نابغہ ذبیانی کا) قول ہے: ''عَلٰى حِيْنَ عَاتَبْتُ الْمُشِيْبَ عَلَى الصِّبَا'' اس بنا پر کہ جب میں نے ایک بوڑھے شخص کو عشق کرنے پر ڈانٹا' اور اس کے شروع میں واؤ عاطفہ ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ''وَنَـجَّيْـنَـاهُ مِنْ خِزْيِ يَوْمَئِذٍ'' یعنی اور ہم نے ان کو ذلت و رسوائی کے دن سے بچا لیا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے انتقام کے ساتھ ہلاک کر دیا جائے اس کی ذلت سے بڑھ کر کوئی ذلت نہیں ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''يَـوْمَـئِذٍ'' سے قیامت کا دن مراد ہو جیسا کہ سخت عذاب کی تفسیر آخرت کے عذاب سے کی گئی ہے] ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ﴾ بے شک آپ کا رب تعالیٰ بڑا ہی قوت و طاقت والا ہے' وہ اپنے دوستوں کو نجات دینے پر پوری طرح خوب قادر ہے ﴿الْعَزِيْزُ﴾ وہ اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے پر زبردست غالب ہے۔

٦٧- ﴿وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ﴾ اور ظالموں کو ایک ہولناک چیخ نے پکڑ لیا اور وہ حضرت جبریل علیہ السلام کی چنگھاڑ تھی ﴿فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴾ پس وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں مردہ اوندھے پڑے رہ گئے۔

۶۸- ﴿ کَاَنۡ لَّمۡ یَغۡنَوۡا فِیۡهَا ﴾ گویا وہ لوگ اپنے گھروں میں کبھی قیام پذیر نہیں رہے ﴿ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوۡدَاۡ کَفَرُوۡا رَبَّهُمۡ ﴾ خبردار! بے شک ثمود (کی قوم) نے اپنے رب تعالیٰ کا انکار کیا۔ [قاری حمزہ اور امام حفص کی قراءت میں "ثَمُوۡدَ" (دال بغیر الف کے مفتوح) ہے] ﴿ اَلَا بُعۡدًا لِّثَمُوۡدَ ﴾ خبردار! ثمود کی قوم کے لیے ہلاکت ہے۔ [قاری علی کسائی کی قراءت میں "لِثَمُوۡدٍ" (دال مکسور تنوین کے ساتھ) ہے اور یہ منصرف اس لیے ہے کہ یہ ایک قبیلہ کا اسم جنس ہے یا بڑے باپ کا نام ہے اور غیر منصرف اس لیے ہے کہ ایک تو معرفہ ہے دوسرا قبیلہ کے معنی میں مؤنث ہے]

وَلَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُنَاۤ اِبۡرٰهِیۡمَ بِالۡبُشۡرٰی قَالُوۡا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنۡ جَآءَ بِعِجۡلٍ حَنِیۡذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَیۡدِیَهُمۡ لَا تَصِلُ اِلَیۡهِ نَکِرَهُمۡ وَاَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِیۡفَةً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰی قَوۡمِ لُوۡطٍ ﴿ؕ۷۰﴾ وَامۡرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِکَتۡ فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ ۙ وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ یَعۡقُوۡبَ ﴿۷۱﴾

اور بے شک ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے انہوں نے سلام کیا' آپ نے بھی سلام کہا' پھر کچھ دیر نہ ٹھہرے کہ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے کر آ گئے ○ پھر جب آپ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں پہنچتے تو انہیں اجنبی سمجھا اور ان کی طرف سے دل میں خوف محسوس کیا' انہوں نے کہا: آپ بالکل نہ ڈریں کیونکہ ہم یقیناً قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں ○ اور اس کی عورت کھڑی ہوئی تھی' سو وہ ہنس پڑی (جب) ہم نے اس کو اسحاق کی خوشخبری سنائی' اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی خوشخبری سنا دی ○

حضرت ابراہیم کی شان اور حضرت لوط کی نافرمان قوم کا بُرا انجام

۶۹- ﴿ وَلَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُنَاۤ ﴾ اور بے شک ہمارے فرشتے حضرت جبریل' حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل یا حضرت جبریل دیگر گیارہ فرشتوں کے ساتھ آئے ﴿ اِبۡرٰهِیۡمَ بِالۡبُشۡرٰی ﴾ حضرت ابراہیم کو بشارت دینے کے لیے اور وہ بیٹے کی ولادت کی بشارت تھی یا حضرت لوط کی قوم کی ہلاکت کی بشارت تھی اور پہلی بشارت زیادہ ظاہر ہے ﴿ قَالُوۡا سَلٰمًا ﴾ انہوں نے کہا: ہماری طرف سے آپ پر خوب خوب سلام ہو ﴿ قَالَ سَلٰمٌ ﴾ حضرت ابراہیم نے فرمایا: تم پر سلام ہو (یعنی) تمہارا کام سلامت ہو۔ [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں "سِلۡمٌ" (سین مکسور لام ساکن بلا الف) بہ معنی سلام ہے] ﴿ فَمَا لَبِثَ اَنۡ جَآءَ بِعِجۡلٍ ﴾ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچھڑے کا گوشت لانے میں دیر نہ لگائی بلکہ آپ نے اس کے لانے میں جلدی کی یا پس اس کے لانے والے نے دیر نہ لگائی اور "عِجۡل" گائے کے بچھڑے کو کہتے ہیں اور حضرت ابراہیم کے مال میں گائیں تھیں ﴿ حَنِیۡذٍ ﴾ گرم ترین پتھر پر بھنا ہوا گوشت۔

۷۰- ﴿ فَلَمَّا رَاٰۤ اَیۡدِیَهُمۡ لَا تَصِلُ اِلَیۡهِ نَکِرَهُمۡ ﴾ پھر جب آپ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں پہنچتے تو ان کو اجنبی سمجھ لیا اور دراصل وہاں کے لوگوں کی عادت تھی کہ جب ان کے پاس آنے والا مہمان ان کے ہاں کھانا کھا لیتا تو وہ لوگ اس سے مطمئن ہو جاتے ورنہ اس سے ڈر جاتے (کہ اس کا آنا ہلاکت و تباہی کا باعث ہوگا) اور ظاہر یہی ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جان لیا تھا کہ یہ فرشتے ہیں مگر کھانا نہ کھانے پر ان کو اجنبی سمجھا' اس لیے آپ کو اندیشہ ہوا کہ

کہیں ان کا نزول کسی ایسے عمل کی وجہ سے تو نہیں جس کے باعث اللہ تعالیٰ آپ پر ناراض ہو گیا ہو یا ان کا نزول آپ کی قوم کو عذاب دینے کے لیے ہو جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: ﴿وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً﴾ اور حضرت ابراہیم نے ان سے خوف محسوس کیا یعنی آپ نے ان سے اپنے دل میں خوف محسوس کیا اور اسے ظاہر نہ فرمایا ﴿قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ﴾ فرشتوں نے کہا: آپ بالکل نہ ڈریں بے شک ہم تو قومِ لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں (یعنی) عذاب دینے کے لیے اور یہ بات صرف اس شخص سے کی جاتی ہے جو بات کہنے والوں کو جانتا اور پہچانتا ہو (اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابراہیم فرشتوں کو جانتے تھے البتہ) انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ فرشتوں کو کس مقصد کے لیے بھیجا گیا ہے اور فرشتوں نے آپ سے ''لَا تَخَفْ'' صرف اس لیے کہا تھا کہ انہوں نے آپ کے چہرۂ مبارک میں تغیّر اور خوف کے اثر کو دیکھ لیا تھا۔

۷۱- ﴿وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ﴾ اور حضرت ابراہیم کی بیوی پردے کے پیچھے کھڑی ہوئی تھیں جو ان کی بات چیت سن رہی تھیں یا (عمر رسیدہ ہونے اور پردے کا حکم نہ ہونے کی وجہ سے) ان کی خدمت کرنے کے لیے ان کے پاس کھڑی ہوئی تھیں ﴿فَضَحِكَتْ﴾ سو وہ خوف کے زائل ہونے یا بدکرداروں اور خبیثوں کی ہلاکت سے یا عذاب کے قریب ہونے کے باوجود قومِ لوط کے غافل ہونے سے خوش ہو کر ہنس پڑیں یا یہ کہ انہیں حیض آ گیا ﴿فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ﴾ تو ہم نے ان کو اسحاق کی خوشخبری سنا دی اور خوشخبری دینے کے لیے عورت کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ عورتیں مردوں کی بہ نسبت بچے کی ولادت پر زیادہ خوش ہوتی ہیں اور اس لیے کہ حضرت سارہ کی کوئی اولاد نہیں تھی جب کہ (حضرت ھاجرہ کے شکم سے) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیٹا موجود تھا اور وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں ﴿وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ﴾ اور حضرت اسحاق کے بعد حضرت یعقوب کی خوشخبری سنا دی۔ [ابن عامر شامی، حمزہ اور حفص کی قراءت میں فعلِ مضمر کی وجہ سے ''يَعْقُوْبَ'' منصوب ہے، جس پر ''فَبَشَّرْنَاهَا'' دلالت کر رہا ہے یعنی سو ہم نے اس کو اسحاق کی خوشخبری سنائی اور ہم نے اسحاق کے بعد اس کو یعقوب عطا فرما دیا اور باقی قراء نے مبتدا ہونے کی بناء پر اس کو مرفوع پڑھا ہے اور اس سے پہلے ظرف کو اس کی خبر قرار دیا ہے جیسے تم ''فِي الدَّارِ زَيْدٌ'' کہتے ہو]

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ؕ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾

اس نے کہا: واہ! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں تو بوڑھی ہو چکی ہوں اور یہ میرا خاوند (بھی) بوڑھا ہو چکا ہے، بے شک یہ تو ایک عجیب چیز ہے ○ فرشتوں نے کہا: کیا تم اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، بے شک وہی تمام محامد کا مستحق ہے (اور) تمام بزرگیوں والا ہے ○ پھر جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور اس کے پاس خوشخبری آ گئی تو وہ ہم سے قومِ لوط کے بارے میں جھگڑا کرنے لگا ○ بے شک ابراہیم نہایت بردبار بہت آہ و بکا کرنے والا

تھے O (ہم نے کہا:) اے ابراہیم! اس سے اعراض کیجئے' بے شک تیرے رب کا حکم آ چکا ہے' اور بے شک ان پر نہ ٹلنے والا عذاب آ کر رہے گا O

۷۲- ﴿قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى﴾ [الف کو یائے اضافت سے تبدیل کیا گیا ہے اور حضرت حسن نے ''یَاوَیْلَتِی'' اصل کے مطابق ''یا'' کے ساتھ پڑھا ہے] (ترجمہ) حضرت سارہ نے کہا کہ واہ ﴿ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ﴾ کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں' کیونکہ ان کی عمر نوّے سال تھی ﴿وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا﴾ اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہو گئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت ایک سو بیس سال تھی۔ [''هٰذَا'' مبتدا ہے اور ''بَعْلِيْ'' اس کی خبر ہے اور ''شَيْخًا'' حال ہے اور اس کا عامل اشارہ ہے جس پر ''ذَا'' دلالت کر رہا ہے یا تنبیہ کا معنی عامل ہے جس پر ''هٰذَا'' دلالت کر رہا ہے] ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ﴾ بے شک یہ بات عجیب چیز ہے کہ دو بوڑھے میاں بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہو' حالانکہ یہ عادت سے بہت دور ہے۔

۷۳- ﴿قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ فرشتوں نے کہا کہ (اے سارہ!) کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم' اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر تعجب کرتی ہے اور فرشتوں نے ان کے تعجب پر اس لیے حیرت کا اظہار کیا کہ حضرت سارہ نزولِ آیات اور ورودِ معجزات اور خارقِ عادات اُمور پیش آنے والے گھر میں رہتی تھیں' سو ان پر لازم تھا کہ وہ سنجیدہ و باوقار رہتیں اور اس طرح جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرتیں' جس طرح نبوت کے گھرانے کی بجائے دیگر گھروں میں تربیت حاصل کرنے والی عورتیں جلد بازی کرتی ہیں' بلکہ وہ تعجب کی بجائے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتیں اور اس کی بزرگی بیان کرتیں اور فرشتوں نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ اے اہل بیت! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔ اس سے فرشتوں کی مراد یہ ہے کہ اے اہل بیتِ نبوت! یہ اور اس طرح کی بے شمار نعمتیں ہیں جن کے ساتھ اللہ رب العزت نے تمہیں محترم و مکرم بنایا ہے اور تمہیں اپنے انعامات کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے' لہٰذا اس بشارت پر حیرت کے ساتھ تعجب کا اظہار نہیں کرنا چاہیے (بلکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور شکر ادا کرنا چاہیے) اور یہ ایک الگ مستقل کلام ہے جس کے ذریعے تعجب کے انکار کی وجہ بیان کی گئی ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ اے سارہ! تم تعجب کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ اس طرح کی رحمت اور برکتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر بہت زیادہ کی گئی ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''رحمت'' سے نبوت مراد ہے اور ''برکات'' سے بنی اسرائیل کی نسل مراد ہے کیونکہ (حضور سیّد عالم ﷺ کے سوا باقی تمام) انبیائے کرام انہیں میں سے تشریف لاتے رہے اور یہ تمام بنی اسرائیل حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے ہیں [اور ''اَهْلَ الْبَيْتِ'' کا نصب ندا کی وجہ سے ہے (کیونکہ نحوی قاعدہ کے مطابق منادی جب مضاف ہو تو منصوب پڑھا جاتا ہے) یا اختصاص کی وجہ سے منصوب ہے] ﴿اِنَّهٗ حَمِيْدٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بروقت انعامات عطا فرمانے کی وجہ سے ہر طرح سے تعریف کیا گیا ہے اور وہ ﴿مَّجِيْدٌ﴾ بڑا بزرگ ہے کہ انتقامات میں مہلت دینے کی وجہ سے اس کا رحم و کرم سب پر عیاں ہے۔

۷۴- ﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ﴾ پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے گھبراہٹ دور ہو گئی اور یہ وہ خوف تھا جو آپ کے مہمانوں (فرشتوں) کے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے آپ نے اپنے دل میں محسوس کیا تھا ﴿وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى﴾ اور ان کے پاس بیٹے کی ولادت کی بشارت آ گئی ﴿يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ﴾ تو وہ ہم سے قومِ لوط کے بارے میں جھگڑنے لگے یعنی جب ان کا دل خوف کے بعد مطمئن ہو گیا اور بشارت کے سبب خوشی سے بھرپور ہو گیا تو آپ مباحثہ کے لیے فارغ ہو گئے [اور ''لَمَّا'' کا جواب محذوف ہے' تقدیر عبارت یہ ہے: ''اَقْبَلَ يُجَادِلُنَا'' یعنی انہوں نے ہم سے جھگڑنا شروع کر دیا

یا صرف ''یُجَادِلُنَا'' جوابِ ''لَمَّا'' ہے اور اس کا جواب فعل مضارع صرف حال کی حکایت کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے فرشتوں سے جھگڑا کرنے لگے اور حضرت ابراہیم کا ان سے جھگڑا یہ تھا کہ فرشتوں نے کہا کہ ''اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ'' (العنکبوت:۳۱) ''بے شک ہم اس بستی میں رہنے والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں''] تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرشتو! تم بھلا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر اس بستی میں پچاس مسلمان موجود ہوں تو کیا تم پھر بھی اسے ہلاک کر دو گے؟ انہوں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: اگر چالیس مسلمان ہوں؟ انہوں نے کہا: پھر بھی نہیں' آپ نے فرمایا: اگر اس میں تیس مسلمان ہوں؟ تو انہوں نے کہا: پھر بھی نہیں' یہاں تک کہ آپ دس تک پہنچ گئے' انہوں نے کہا: پھر بھی نہیں' حضرت ابراہیم نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ اگر اس بستی میں صرف ایک آدمی مسلمان ہو تو کیا تم اس بستی کو ہلاک کر دو گے؟ فرشتوں نے کہا: پھر بھی نہیں' تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ''اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ'' (العنکبوت:۳۲) ''کہ بے شک اس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام موجود ہیں' فرشتوں نے کہا: اس بستی میں جو لوگ رہتے ہیں ہم انہیں خوب جانتے ہیں' البتہ ہم حضرت لوط کو اور ان کے گھر والوں کو ضرور نجات دیں گے''۔

۷۵- ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ﴾ بے شک حضرت ابراہیم بہت بردبار اور بڑے حوصلہ مند تھے' برائی کرنے والے کسی شخص سے جلدی سے انتقام لینے والے نہیں تھے یا آپ اذیّت و تکلیف پہنچانے والے کی اذیت کو بہت برداشت کرنے والے تھے اور نافرمانی کرنے والے سے بہت درگزر کرنے والے تھے ﴿اَوَّاهٌ﴾ اللہ تعالیٰ کے خوف سے بہت آہ و بکا کرنے والے تھے ﴿مُّنِيْبٌ﴾ توبہ کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے اور یہ تمام صفات ان کے نرم دل ہونے اور ان کی شفقت و رحمت پر دلیل ہیں' پس اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ان صفات کے باوجود قومِ لوط کے بارے میں جھگڑنے پر جس چیز نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ابھارا تھا وہ یہ امید تھی کہ قومِ لوط سے عذاب اٹھا لیا جائے گا اور انہیں مہلت دے دی جائے گی' کیونکہ ممکن ہے کہ وہ لوگ عنقریب توبہ کرلیں جیسا کہ آپ نے اسی توبہ کی امید پر اپنے چچا ابو آزر کے لیے مغفرت کی دعا کی تھی' بہر حال فرشتوں نے کہا:

۷۶- ﴿يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا﴾ اے ابراہیم! اس جھگڑے سے آپ اعراض کر لیجئے' اگر چہ آپ کی عادتِ مبارکہ رحم و کرم اور شفقت و نرمی کرنا ہے ﴿اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ﴾ کیونکہ بلاشبہ آپ کے رب تعالیٰ کا امر آ چکا ہے (یعنی) اس کا فیصلہ اور اس کا حکم جاری کر دیا گیا ہے ﴿وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ﴾ اور بے شک ان پر نہ ٹلنے والا عذاب آ کر رہے گا' لہٰذا جھگڑا وغیرہ کرنے سے یہ عذاب نہیں ٹالا جا سکتا [''عَذَابٌ'' اسمِ فاعل کی وجہ سے مرفوع ہے اور وہ ''اٰتِيْهِمْ'' ہے' اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ''وَاِنَّهُمْ يَاْتِيْهِمْ'']۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۭ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۭ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا

نُّرِيۡدُ ﴿۷۹﴾

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان کی وجہ سے غمگین ہو گئے اور ان کی وجہ سے تنگ دل ہو گئے اور فرمایا: یہ دن بہت سخت ہے O اور اس کی قوم اس کے پاس دوڑتی ہوئی آ گئی' اور وہ پہلے سے ہی بدکاریاں کرتے تھے' آپ نے فرمایا: اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں وہ تمہارے لیے پاکیزہ ہیں' سو تم اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو' کیا تم میں کوئی نیک چلن آدمی نہیں ہے O انہوں نے کہا کہ تم یقیناً جانتے ہو کہ ہمیں تمہاری بیٹیوں سے کوئی غرض نہیں ہے' اور ہم جو کچھ چاہتے ہیں تم اسے ضرور جانتے ہو O

۷۷- پھر فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف متوجہ ہو کر روانہ ہو گئے اور حضرت ابراہیم کی بستی اور قوم لوط کی بستی کے درمیان چار فرسخ (بارہ میل) کا فاصلہ تھا۔

﴿وَلَمَّا جَآءَتۡ رُسُلُنَا لُوۡطًا﴾ اور جب ہمارے فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے ان کی شکل وصورت اور ان کے حسن و جمال کو دیکھا تو ﴿سِيۡٓءَ بِهِمۡ﴾ ان کی وجہ سے مغموم و پریشان ہو گئے کیونکہ آپ نے سمجھا کہ یہ بھی انسان ہیں' جس کی وجہ سے آپ کو ان کے متعلق اپنی قوم کی خباثت و بدکرداری کا خوف لاحق ہو گیا اور آپ اپنی قوم سے مقابلہ کرنے اور ان کے دفاع سے عاجز تھے ﴿وَضَاقَ بِهِمۡ ذَرۡعًا﴾ اور آپ کا دل اور سینہ ان کے سبب تنگ ہو گیا ["ذَرْعًا" تمیز ہے یعنی ان کے ہونے کی وجہ سے آپ کا سینہ تنگ ہو گیا] ﴿وَّقَالَ هٰذَا يَوۡمٌ عَصِيۡبٌ﴾ اور حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: یہ دن بہت سخت ہے۔

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم ان کو ہلاک و تباہ نہ کرنا یہاں تک کہ حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کی خباثت و بدکرداری پر چار مرتبہ گواہی دے دیں' چنانچہ آپ ان کو لے کر اپنے گھر کی طرف جب روانہ ہوئے تو ان سے فرمایا کہ کیا تمہیں اس بستی کے لوگوں کی خبر نہیں ملی؟ انہوں نے کہا کہ ان کی کیا خبر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر قسمیہ کہتا ہوں کہ پوری روئے زمین میں سب سے بدترین عمل (یعنی اغلام بازی) اس بستی میں ہوتا ہے' آپ نے یہ بات چار مرتبہ فرمائی اور جب فرشتے آپ کے ساتھ آپ کے گھر میں داخل ہوئے تو آپ کی بیوی کے علاوہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا اور آپ کی بیوی نے گھر سے نکل کر اپنی قوم کو جا کر ان حسین و جمیل اور خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آنے والے مہمان فرشتوں کے بارے میں بتا دیا۔

۷۸- ﴿وَجَآءَهٗ قَوۡمُهٗ يُهۡرَعُوۡنَ اِلَيۡهِ﴾ اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم آپ کے پاس دوڑتی ہوئی آئی' گویا وہ بھاگے جا رہے تھے ﴿وَمِنۡ قَبۡلُ كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ﴾ اور وہ لوگ اس وقت سے پہلے بھی بُرے کام کرتے تھے یہاں تک کہ وہ اس گندے اور خبیث کام کے عادی ہو گئے تھے اور ان کے نزدیک اس بدفعلی کی قباحت و رذالت ختم ہو گئی تھی' اس لیے وہ لوگ علانیہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کی طرف دوڑتے بھاگتے چل پڑے' ان کو شرم و حیاء بھی نہ روک سکی ﴿قَالَ يٰقَوۡمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِىۡ﴾ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں' سو تم ان سے نکاح کر لو۔ دراصل حضرت لوط علیہ السلام نے چاہا کہ اپنی بیٹیوں کے ذریعے اپنے مہمانوں کی عزت بچا لیں اور یہ ان کا انتہائی کرم تھا اور اس زمانہ میں مسلمان لڑکیوں کا نکاح کفار سے جائز تھا' جیسا کہ ابتدائے اسلام میں اس امت میں یہ جائز تھا' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح عتبہ بن ابی لہب اور ابوالعاص سے کیا تھا حالانکہ وہ دونوں کافر تھے اور بعض حضرات

نے فرمایا کہ قوم لوط کے دوسردار تھے جن کی پوری قوم اطاعت وفرماں برداری کرتی تھی' اس لیے حضرت لوط علیہ السلام نے چاہا کہ ان دوسرداروں سے اپنی دو بیٹیوں کا نکاح کر دیں (تا کہ مہمانوں کی عزت بچ جائے) ﴿هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ﴾ وہ تمہارے لیے سب سے زیادہ پاکیزہ ہیں کیونکہ عورتوں کو مردوں کے لیے حلال قرار دیا گیا ہے۔[''هٰٓؤُلَآءِ'' مبتدا ہے' ''بَنَاتِيْ'' عطف بیان ہے اور ''هُنَّ'' ضمیر فاعل ہے اور ''اَطْهَرُ'' مبتدا کی خبر ہے یا پھر ''بَنَاتِيْ'' خبر ہے اور ''هُنَّ اَطْهَرُ'' مبتدا خبر ہیں] ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ سوتم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور خوبصورت مہمان لڑکوں کو چھوڑ دو اور ان کے بدلے میں لڑکیوں کو اختیار کرو ﴿وَلَا تُخْزُوْنِ﴾ اور تم میری توہین نہ کرو اور نہ تم مجھے ذلیل ورسوا کرو۔[اس صورت میں یہ ''خِزْيٌ'' سے ماخوذ ہوگا یا یہ کہ تم مجھے نادم و شرمندہ نہ کرو۔ اس صورت میں ''خَزَايَةٌ'' سے ماخوذ ہوگا جس کا معنی ہے: حیاء کرنا اور قاری ابوعمرو بصری کی قراءت میں وصل کی صورت میں ''یا'' کے ساتھ ''وَلَا تُخْزُوْنِيْ'' ہے] ﴿فِيْ ضَيْفِيْ﴾ میرے مہمانوں کے حق میں' اور یہ اس لیے کہ جب کسی آدمی کے مہمان یا اس کے ہمسایہ کو ذلیل ورسوا کیا جاتا ہے تو درحقیقت خود اسی آدمی کو ذلیل ورسوا کیا جاتا ہے اور حضرت لوط علیہ السلام کا یہ ارشاد فرمانا انتہائی کرم اور حقیقی مروت میں سے ہے ﴿اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ﴾ کیا تم میں سے کوئی شخص نیک چلن نہیں ہے' یعنی کیا تم میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو راہِ حق اور اچھے عمل کی رہ نمائی کرے اور بُرے عمل سے روکے؟

۷۹- ﴿قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ﴾ انہوں نے کہا کہ آپ یقیناً جانتے ہیں کہ ہمیں آپ کی بیٹیوں سے کوئی حاجت نہیں ہے کیونکہ لڑکیوں سے نکاح کرنا ہمارے مذہب سے خارج عمل ہے' سو ہمارا مذہب لڑکوں سے حاجت پوری کرنا ہے ﴿وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ﴾ اور ہم جو کچھ چاہتے ہیں آپ اس کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان لوگوں کا مقصد لڑکوں کے پاس جانا اور انہیں سے اپنی شہوت کو پورا کرنا تھا۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾

آپ نے فرمایا: کاش! مجھے تمہارے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط قلعہ کی پناہ لے لیتا ○ فرشتوں نے کہا: بے شک ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں وہ لوگ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے' پس آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے کسی حصہ میں چلے جائیں اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے ماسوا آپ کی بیوی کے' بے شک اس کو وہی عذاب پہنچنے والا ہے جو ان کو پہنچے گا' بے شک ان کے وعدہ کا وقت صبح ہے' کیا صبح قریب نہیں ○ پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اس بستی کو اُلٹ پُلٹ کر دیا اور ہم نے اس پر مسلسل کنکر کے پتھر برسائے ○ جو تمہارے رب کی طرف سے نشان لگائے ہوئے تھے' اور وہ ظالموں سے کچھ دور نہیں ○

۸۰-﴿قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ﴾ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: کاش! میرے پاس تمہارے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط پناہ گاہ میں پناہ لے لیتا۔[''لَوْ'' کا جواب محذوف ہے] یعنی اگر ایسا ہوتا تو میں تمہارا ضرور مقابلہ کرتا اور یہ کام ضرور کر کے رہتا اور اس کا معنی یہ ہے کہ کاش! میں تمہارے مقابلے میں ذاتی قوت وطاقت رکھتا یا میں کسی طاقت ور کی پناہ لے لیتا جس کا مضبوط سہارا لیا جاتا اور میں اس کے ذریعے روک سکتا تو وہ مجھے تم سے بچالیتا' بہر حال آپ نے قوی وعزیز کو سختی ومضبوطی اور حفاظت میں پہاڑ کے قلعہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

۸۱-ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب قوم کے لوگ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پر آ پہنچے تو آپ نے اپنا دروازہ بند کر لیا اور گھر کے اندر سے انہیں واپس چلے جانے کی تلقین کرتے رہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بارے میں بیان فرمایا ہے اور آپ ان سے جھگڑتے رہے' یہاں تک کہ ان لوگوں نے دیوار پھلانگ لی اور جب فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی کو دیکھا تو ﴿قَالُوْا یٰلُوْطُ﴾ انہوں نے کہا: اے لوط! بے شک آپ کا سہارا اور آپ کی پناہ گاہ بہت مضبوط ومستحکم ہے ﴿اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ﴾ بے شک ہم آپ کے رب تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں' سو آپ دروازہ کھول دیجئے اور ہمیں اور ان کو چھوڑ دیجئے' چنانچہ حضرت لوط نے دروازہ کھول دیا اور وہ لوگ اندر داخل ہو گئے اور حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کو عذاب دینے کے لیے اپنے رب تعالیٰ سے اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی' چنانچہ حضرت جبریل نے اپنا ایک پَر ان کے چہروں پر مارا اور ان کی بینائی ختم کر دی اور ان کو اندھا کر دیا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''فَطَمَسْنَآ اَعْیُنَھُمْ'' (القمر:۳۷) ''سو ہم نے ان کی آنکھوں کی بینائی زائل کر دی''۔ چنانچہ وہ لوگ راستہ نہیں دیکھ سکتے تھے اور وہ باہر نکلتے ہوئے کہتے جاتے تھے کہ بچو! بچو! کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں جادوگر ہیں ﴿لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْکَ﴾ وہ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے۔[یہ جملہ موضحہ ہے جو اپنے ماقبل کی وضاحت کرتا ہے] اور چونکہ وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تھے' اس لیے یہ لوگ حضرت لوط علیہ السلام تک نہیں پہنچ سکتے تھے اور نہ وہ آپ کو نقصان پہنچا سکتے تھے ﴿فَاَسْرِ بِاَھْلِکَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ﴾ سو آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے کسی حصہ میں یہاں سے چلے جائیے (یعنی) رات کا کچھ حصہ گزر جانے پر یا اس کا نصف حصہ گزر جانے پر۔[حجازی قراءت میں الف وصل کے ساتھ (ہمزہ کے بغیر) ''فَاسْرِ'' ہے اور ''سَرٰی'' (فعل مجرد) سے ماخوذ ہے] ﴿وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْکُمْ اَحَدٌ﴾ اور تم میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے اور نہ اس مال ودولت کا دل میں خیال لائے جو پیچھے چھوڑ دیا ہے یا کوئی اپنے پیچھے نہ دیکھے یا تم میں سے کوئی شخص پیچھے نہ رہ جائے ﴿اِلَّا امْرَاَتَکَ﴾ ماسوا تمہاری بیوی کے۔[یہ ''فَاَسْرِ بِاَھْلِکَ'' سے مستثنیٰ ہے اور ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''اَحَدٌ'' سے بدل ہونے کی بناء پر مرفوع ہے] اور اس کو حضرت لوط علیہ السلام کے گھر والوں میں سے نکالنے کے بارے میں دو روایتیں ہیں' ایک یہ کہ حضرت لوط علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ اس کو اس کی قوم کے ساتھ پیچھے رہنے دیں کیونکہ یہ انہی کو چاہتی ہے' اس لیے حضرت لوط علیہ السلام اس کو لے کر نہیں چلے تھے اور ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت لوط اس کو اپنے گھر والوں کے ساتھ لے کر نکلے تھے اور حکم دیا تھا کہ کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہیں دیکھے گا ماسوا ان کی بیوی کے' پھر جب اس نے عذاب کی ہولناک آواز سنی تو پیچھے مڑ کر دیکھا اور کہا: ہائے میری قوم! تو ایک پتھر آ کر اس کو لگا جس سے وہ ہلاک ہو گئی اور قراءتوں کا اختلاف روایتوں کے اختلاف کی وجہ سے ہوا ہے ﴿اِنَّہٗ مُصِیْبُھَا مَآ اَصَابَھُمْ﴾ یعنی بے شک حکم یہ ہے کہ جو عذاب ان لوگوں کو پہنچے گا وہی عذاب اس عورت کو بھی پہنچے گا۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے فرشتوں سے دریافت فرمایا کہ ان لوگوں کی ہلاکت کا

وعدہ کس وقت پر ہے؟ فرشتوں نے جواب میں عرض کیا: ﴿ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ﴾ بے شک ان کی ہلاکت کا وقت صبح کا ٹائم ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس سے جلدی چاہتا ہوں تو فرشتوں نے عرض کرتے ہوئے کہا: ﴿ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴾ کیا صبح کا وقت نزدیک نہیں ہے؟

۸۲- ﴿ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا ﴾ پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اس کی بستی کو تہ و بالا کر دیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس بستی کے نیچے اپنا ایک پَر داخل کیا یعنی زمین کی تہ میں پانی کے حصے سے ان کی بستیوں کو اٹھایا' پھر جبریل ان کو آسمان کی بلندی تک اوپر لے گئے یہاں تک کہ آسمان والوں نے کتوں کے بھونکنے کی آواز اور مرغ کے چیخنے کی آواز کو سن لیا تھا' پھر حضرت جبریل نے ان کو الٹا کر نیچے پھینک دیا اور اس کے بعد ان کے اوپر پتھر برسائے گئے' جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴾ اور ہم نے اس پر کنکر یلے پتھروں کی بارش برسا دی۔ اصل میں کلمہ ''سنگ ِگل'' (مٹی میں سے تیار کردہ سخت پتھر) تھا' اس کی عربی ''سِجِّيْل'' بنائی گئی ہے' اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: ''حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ'' (الذاریات: ۳۳) ''مٹی میں سے تیار کردہ پتھر''۔ ﴿ مَّنْضُوْدٍ ﴾ [یہ ''سِجِّيْل'' کی صفت ہے] یعنی یہ پتھر مسلسل اور لگا تار برستے رہے یا یہ کہ ان کو ایک دوسرے پر ڈھیر لگا کر عذاب دینے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔

۸۳- ﴿ مُّسَوَّمَةً ﴾ [یہ ''حِجَارَةً'' کی صفت ہے] یعنی ایسے پتھر جن پر عذاب دینے کے لیے نشان لگائے گئے تھے۔ بعض نے فرمایا کہ ہر ایک پتھر پر اس شخص کا نام لکھ دیا گیا تھا جس پر وہ پتھر پھینکا جاتا تھا ﴿ عِنْدَ رَبِّكَ ﴾ آپ کے رب تعالیٰ کے پاس (یعنی) اس کے خزانوں میں یا اس کے حکم سے ﴿ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴾ اور وہ ظالموں سے کوئی بعید چیز نہیں تھی اور آیتِ مبارکہ کے اس حصہ میں اہل مکہ کے لیے سخت وعید ہے کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ ''ظالمین'' سے آپ کی امت کے ظالم مراد ہیں اور ان میں سے کوئی ظالم ایسا نہیں مگر وہ عذاب کے پتھر کا نشانہ ضرور بنے گا اور وہ پھر لحہ بہ لحہ گرتا رہتا ہے [یا ''هِيَ'' کی ضمیر ''قُرٰی'' کی طرف لوٹتی ہے] یعنی وہ بستی مکہ مکرمہ کے ظالموں کے قریب ہے' یہ لوگ سیر و سیاحت اور سفر کے دوران اس کے پاس سے گزرتے رہتے ہیں۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ۬ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾

اور مدین کی طرف ان کے قومی بھائی شعیب کو (ہم نے بھیجا)' انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے' اور تم ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو' بے شک میں تمہیں خوشحال دیکھتا ہوں اور میں تم پر گھیرنے والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ○ اور اے میری قوم! تم انصاف کے ساتھ ناپ اور تول پورا کیا کرو اور تم لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو اور نہ تم زمین میں فساد پھیلایا کرو ○ اللہ کا بچا ہوا (حلال مال) تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان دار

ہو اور میں تم پر محافظ نہیں ہوں O

حضرت شعیب علیہ السلام کی تبلیغ اور نافرمان قوم کا بُرا انجام

۸۴۔﴿ وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ﴾ اور مدین کی طرف ان کی برادری کے بھائی حضرت شعیب علیہ السلام کو (ہم نے) بھیجا)' مدین ان کے شہر کا نام ہے یا پھر ان کے بڑے بزرگ جناب مدین بن ابراہیم علیہ السلام کا نام ہے یعنی ہم نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مدین کے باشندوں کی طرف بھیجا یا بنو مدین کی طرف بھیجا ﴿ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ﴾ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی عبادت کے لائق نہیں ﴿ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ ﴾ اور تم ناپ اور تول میں کمی نہ کرو یعنی جن چیزوں کو ناپ کر بھر کر دیا جاتا ہے' ان کو کم کر کے نہ دو اور جن چیزوں کو تول کر دیا جاتا ہے ان کو تو لیتے وقت کم کر کے نہ دو ﴿ اِنِّیْ اَرٰکُمْ بِخَیْرٍ ﴾ بے شک میں تمہیں خوشحال دیکھتا ہوں کیونکہ تمہارے پاس مال و دولت کی اتنی وسعت و فراوانی ہے کہ تمہیں کم تول کر ناپنے کی ضرورت ہی نہیں یا یہ کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتوں میں دیکھ رہا ہوں' جن کا حق یہ ہے کہ تم ناپ تول میں کمی کر رہے ہو' اس کے برعکس تم لوگوں کے ساتھ انصاف کرتے اور ناپ اور تول پورا اور مکمل کرتے ﴿ وَاِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ﴾ اور بے شک میں تم پر گھیرنے والے یعنی ہلاک کرنے والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاُحِیْطَ بِثَمَرِہٖ'' (الکہف: ۴۲) ''اور اس کے باغ کا پھل ہلاک و تباہ کر دیا گیا'' [احاطہ کی اصل ''اَحَاطَۃُ الْعَدُوِّ'' سے ہے] یعنی دشمن کو گھیر کر ہلاک کر دینا اور اس سے یا تو دنیا میں جڑ سے اکھیڑنے والا عذاب مراد ہے یا پھر آخرت کا عذاب مراد ہے۔

۸۵۔﴿ وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ ﴾ اور اے میری قوم! تم انصاف کے ساتھ ناپ اور تول پورا اور مکمل کیا کرو' اللہ تعالیٰ نے پہلے ناپ اور تول میں کمی کرنے کے بدترین عمل سے منع کیا جس پر وہ لوگ عمل کر رہے تھے پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ناپ اور تول کو پورا کرنے کا حکم دیا' جو تمام عقول میں بہترین عمل ہے تاکہ لوگوں کو اس میں زیادہ سے زیادہ رغبت ہو اور اس کے حکم کو عدل و انصاف کے ساتھ مقید کر کے بیان کیا گیا تاکہ ناپ اور تول کا پورا کرنا کمی و بیشی کے بغیر عدل و انصاف اور برابری کی سطح پر ہو جائے ﴿ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ ﴾ اور تم لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دو۔ ''بخس'' کا معنی کم کرنا ہے' چونکہ وہ لوگوں کی جو چیزیں خرید لیتے ان کی مقررہ قیمت سے کم کر کے دیتے تھے اس لیے ان کو اس سے منع کیا گیا تھا ﴿ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴾ اور تم زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ ''عَثٰی'' اور ''عَیْثٌ'' کا معنی ہے: بدترین اور سخت ترین فساد پھیلانا جیسے چوری کرنا' لوٹ مار کرنا اور ڈاکہ زنی کرنا اور شاہراہوں پر مسافروں پر حملہ کر کے لوٹ مار کرنا اور یہ بھی جائز ہے کہ قیمتوں میں کمی کرنا اور ناپ تول میں کمی کرنا' ان کی طرف سے زمین میں فساد برپا کرنا مراد ہو۔

۸۶۔﴿ بَقِیَّتُ اللّٰہِ ﴾ جو چیزیں تم پر حرام کی گئی ہیں ان سے بچنے کے بعد جو حلال چیزیں تمہاری بچ گئی ہیں وہ ﴿ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾ تمہارے لیے بہتر ہیں اگر تم ایمان دار ہو (یعنی) شرط یہ ہے کہ تم ایمان لے آؤ' ہاں! اللہ تعالیٰ کی بچی ہوئی چیزیں کافروں کے لیے بہتر ہیں اس لیے کہ وہ مقررہ قیمتوں میں اور ناپ تول میں کمی کرنے سے سلامت رہیں گے مگر ان کا فائدہ عذاب سے نجات اور حصولِ ثواب میں ایمان کے ساتھ ظاہر ہوگا اور ایمان نہ ہونے کی صورت میں یہ فائدے حاصل نہیں ہوں گے کیونکہ ایمان نہ لانے والا (یعنی کافر) کفر کی تاریکیوں میں ڈوبا رہتا ہے اور اس

میں ایمان کی تعظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان اور اس کی کبریائی و بزرگی پر تنبیہ ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ اگر تم میری تصدیق و تائید کرتے ہو جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں اور میں جس کے ساتھ تمہیں نصیحت کر رہا ہوں ﴿ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں ان کے لیے میں تم پر محافظ نہیں ہوں بلکہ ناپ تول وغیرہ کمی کرنے کے عملِ بد کو ترک کر کے تم خود ان کی حفاظت کر سکتے ہو۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝۸۷ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝۸۸

انہوں نے کہا: اے شعیب! کیا تمہاری نمازیں تمہیں حکم دیتی ہیں کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے رہے یا ہم اپنے مالوں میں جو کرنا چاہتے ہیں وہ چھوڑ دیں' بے شک آپ بہت بردبار' نہایت نیک آدمی ہیںO انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور مجھے اس نے اپنی طرف سے بہترین رزق عطا فرمایا ہے' اور میں نہیں چاہتا کہ تمہاری مخالفت کر کے وہ کام کروں جس سے میں تمہیں منع کرتا ہوں' مجھ سے جہاں تک ہو سکتا ہے میں اصلاح کے سوا کچھ نہیں چاہتا' اور میری توفیق نہیں ہے مگر اللہ کے ساتھ' اور میں نے صرف اسی پر بھروسا کیا ہے اور میں صرف اسی کی طرف رجوع کرتا ہوںO

۸۷- ﴿ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ ﴾ [ابوبکر کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں جمع کے ساتھ "صَلَوٰاتُكَ" ہے] (ترجمہ) کافروں نے کہا: اے شعیب! کیا آپ کی نمازیں اور توحید ﴿ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ﴾ آپ کو حکم دیتی ہیں کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے یا ہم اپنے مالوں میں جو کچھ کرنا چاہتے ہیں اسے چھوڑ دیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کثرت کے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے اور ان کی قوم کہا کرتی تھی کہ تمہیں یہ نمازیں کیا فائدہ دیتی ہیں؟ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ نمازیں خوبیوں اور نیکیوں کا حکم دیتی ہیں اور بُرے کاموں سے منع کرتی ہیں' چنانچہ آپ کا مذاق اڑانے کے لیے کہا کہ کیا آپ کی نمازیں آپ کو حکم دیتی ہیں کہ آپ ہمیں حکم دیں کہ ہم ان کی عبادت کرنا چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے یا ہم اپنے مالوں میں اضافہ کرنا چھوڑ دیں' جو ہم ناپ تول اور لین دین میں کمی و بیشی کرنا چاہتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ نمازیں مجازاً حکم دینے والی ہوں' جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے مجازاً ان کا نام منع کرنے والی رکھا ہے[1] ﴿ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴾ بے شک آپ بڑے

[1] چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ. بے شک نماز بے حیائی اور بُرائی سے منع کرتی ہے۔

(العنکبوت:۴۵)

بردبار اور بہت نیک چلن آدمی ہیں یعنی بے وقوف و احمق اور گمراہ ہیں۔ دراصل انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ تمسخرو استہزاء کرنے اور آپ کا مذاق اڑانے کے لیے اچھے القاب کہہ کر ان ناموں سے برعکس معنی مراد لیے ہیں یا یہ معنی ہے کہ بے شک آپ ہمارے نزدیک عقل مند اور نیک چلن آدمی ضرور ہیں لیکن آپ کو ہمارے ساتھ ایسا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے جس کا آپ کی سیرت وطبیعت تقاضا کرتی ہے۔

۸۸۔﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ﴾ حضرت شعیب نے فرمایا: اے میری قوم! کیا تم مجھے بتا سکتے ہو اگر میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رزق عطا فرما دیا ہو ﴿رِزْقًا حَسَنًا﴾ بہترین رزق یعنی نبوت و رسالت یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے (نبوت و رسالت عطا کرنے کے ساتھ) لوگوں کے مال میں اور ناپ تول میں کمی کیے بغیر حلال مال عطا فرمایا [اور ''اَرَءَيْتُمْ'' کا جواب محذوف ہے] یعنی مجھے تم بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح حجت اور روشن دلیل پر ہوں اور میں حقیقت میں واقعی نبی ہوں تو کیا میرے لیے یہ جائز اور صحیح ہے کہ میں تمہیں بتوں کی عبادت چھوڑنے اور گناہوں سے رکنے کا حکم نہ دوں حالانکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام صرف اس لیے بھیجے جاتے ہیں کہ وہ لوگوں کو بتوں کی عبادت کرنے سے اور گناہوں سے منع کریں اور ''خَالَفَنِيْ فُلَانٌ اِلٰى كَذَا'' اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ فلاں آدمی اس کام کو خود کرنا چاہتا ہو اور تم اس سے روگردان ہو اور ''خَالَفَنِيْ عَنْهُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب تم خود وہ کام کرنا چاہتے ہو لیکن وہ اس سے روگردان ہو اور جیسے تم سے کوئی آدمی ملے جو پانی سے آ رہا ہو اور تم اس سے پانی کے مالک کے بارے میں دریافت کرو تو وہ کہے کہ ''خَالَفَنِيْ اِلَى الْمَآءِ'' اس سے اس کا مقصد ہوگا کہ وہ پانی کی طرف جا چکا ہے اور میں وہاں سے واپس آ چکا ہوں اور اسی معنی میں یہ ارشاد ہے: ﴿وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ﴾ اور میں نہیں چاہتا کہ میں تمہاری مخالفت کر کے وہ کام کروں جس سے میں تمہیں منع کرتا ہوں یعنی جن بُری خواہشات سے میں نے تمہیں منع کیا ہے ان کو بڑھ کر میں حاصل کر لوں تا کہ میں ان چیزوں کے ذریعے تمہاری جگہ خود فوائد حاصل کر لوں (ایسا نہیں ہے) ﴿اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ﴾ میں صرف اصلاح کرنا چاہتا ہوں (یعنی) میرا تمہیں بُرائی سے منع کرنا اور نیکی کا حکم دینا اور تمہیں وعظ ونصیحت کرنے کا مقصد صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ میں تمہاری اصلاح کرنا چاہتا ہوں ﴿مَا اسْتَطَعْتُ﴾ مجھ سے جہاں تک ہو سکے گا [''مَا'' مصدریہ ظرف کے قائم مقام ہے] یعنی استطاعت کی مدت تک میں تمہاری اصلاح کرتا رہوں گا اور جہاں تک ممکن ہوا میں تمہاری اصلاح کی خاطر جدوجہد جاری رکھوں گا اور اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کروں گا ﴿وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ اور مجھے توفیق نہیں ملتی مگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے (یعنی) میں حق کو پہنچانے کے لیے جو کچھ کرتا ہوں اور جو کچھ چھوڑتا ہوں اس میں مجھے توفیق عنایت نہیں کی جاتی مگر اللہ تعالیٰ کی اعانت اور اس کی تائید سے ﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ﴾ میں نے صرف اسی پر بھروسا کیا ہے اور میں خوشی اور تنگی میں صرف اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ

وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا ۖ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ﴿٩١﴾

اور اے میری قوم! تمہیں میری مخالفت ایسا مجرم نہ بنادے کہ تمہیں وہی عذاب پہنچے جیسا نوح کی قوم کو یا ہود کی قوم کو یا صالح کی قوم کو پہنچ چکا ہے' اور لوط کی قوم بھی تم سے کچھ دور نہیں O اور تم اپنے رب سے معافی مانگو' پھر اس کی طرف رجوع کرو' بے شک میرا رب بے حد مہربان' بہت محبت کرنے والا ہے O کافروں نے کہا: اے شعیب! تم جو کچھ کہتے ہو اس میں سے بہت سی باتیں ہم نہیں سمجھتے اور بے شک ہم تمہیں اپنے درمیان کمزور دیکھتے ہیں' اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیتے' اور تم ہم پر غالب نہیں آسکتے O

۸۹-[''جَرَمَ''، ''کَسَبَ'' کی طرح ایک مفعول کی طرف بھی متعدی ہوتا ہے اور دو مفعولوں کی طرف بھی متعدی ہوتا ہے] اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ماخوذ ہے: ﴿وَيَا قَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي أَن يُصِيبَكُم﴾ اے میری قوم! میری مخالفت وعداوت تمہیں ایسا مجرم نہ بنادے کہ تمہیں (اسی طرح عذاب) پہنچے یعنی تم میری مخالفت وعداوت اور دشمنی کی وجہ سے ایسے جرائم کا ارتکاب نہ کر بیٹھو کہ تمہیں اسی طرح عذاب پہنچے ﴿مِّثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ﴾ جس طرح قوم نوح کو غرقابی کا عذاب یا قوم ہود کو ہولناک تیز وسخت آندھی کا عذاب یا قوم صالح کو دہشت ناک چیخ کا عذاب پہنچا تھا ﴿وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنكُم بِبَعِيدٍ﴾ اور قوم لوط زمانے کے اعتبار سے تم سے زیادہ دور نہیں ہے کیونکہ وہ تم سے تھوڑا عرصہ پہلے زمانہ قریب میں ہلاک کیے گئے ہیں اور مکان کے اعتبار سے بھی وہ تم سے زیادہ دور نہیں کیونکہ ان کے مکانات و رہائش گاہیں تم سے قریب ہیں یا جس سبب کی وجہ سے گزشتہ قومیں ہلاکت وتباہی کی مستحق ہوئی تھیں' اس میں تم سب برابر کے شریک ہو اور وہ کفر وشرک ہے جس میں تم سب یکساں مبتلا ہو' لہٰذا اس میں دور ونزدیک' تھوڑے وزیادہ اور مرد وعورت سب برابر ہیں کیونکہ یہ ہلاکت وتباہی' ہولناک آواز کے مراکز پر وارد ہوتی ہے اور وہ گھوڑوں کے ہنہنانے اور گدھوں کے رینکنے اور انہیں کی طرح دیگر جانوروں کی آوازیں ہیں۔

۹۰-﴿وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ﴾ اور تم اپنے رب تعالیٰ سے مغفرت وبخشش طلب کرو' پھر اس کی طرف رجوع کرو بے شک میرا رب تعالیٰ مسلمانوں میں سے توبہ کرنے والے ظالموں پر بھی بے حد مہربانی فرمائے گا کہ ان کو بخش دے گا ﴿وَدُودٌ﴾ وہ نیک بندوں میں سے اہل وفا کے ساتھ بہت محبت و پیار کرتا ہے۔

۹۱-﴿قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ﴾ کافروں نے کہا: اے شعیب! آپ جو کچھ کہتے ہیں اس میں سے بہت سی باتوں کو ہم نہیں سمجھ سکتے یعنی آپ جو کچھ کہتے ہیں ہم ان کو صحیح نہیں سمجھتے ورنہ آپ کا کلام نہ سمجھا جاتا حالانکہ آپ تو خطیب الانبیاء ہوئے ہیں ﴿وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا﴾ اور بے شک ہم تمہیں اپنے درمیان کمزور خیال کرتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ مقابلہ کی قوت وطاقت نہیں رکھتے اور نہ ہمارے درمیان تمہاری کوئی عزت ہے' لہٰذا اگر ہم تمہیں تکلیف پہنچانا چاہیں تو تم ہم سے بچنے کی طاقت نہیں رکھتے ﴿وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ﴾ اور اگر تمہارا قبیلہ اور خاندان نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر کے مار دیتے اور یہ بدترین قتل ہوتا اور حضرت شعیب علیہ السلام کا قبیلہ بھی ان کا ہم مذہب تھا' پس اس لیے انہوں نے ان کی خاطر آپ سے نرمی کا اظہار کیا اور ان کی عزت واحترام کی وجہ سے آپ سے رعایت برتی تھی ﴿وَمَا أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ﴾ اور تم ہمارے ہاں کوئی معزز ومحترم انسان نہیں ہو یعنی ہمارے ہاں تمہاری کوئی عزت نہیں اور نہ تم ہمارے

محترم ومکرم بزرگ ہوتا کہ ہم احترام کی خاطر تمہارے قتل سے باز آجاتے اور ہم تمہیں سنگسار کرنے سے اپنے ہاتھ اٹھا لیتے بلکہ ہمارے ہاں صرف تمہارا قبیلہ معزز ومحترم ہے کیونکہ وہ ہمارے اہل دین میں سے ہے [اور ''اَنْتَ'' ضمیر پر حرف نفی (مَا) کا داخل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ کلام فاعل کے بارے میں واقع ہوا ہے فعل کے بارے میں نہیں] گویا کہا گیا ہے کہ تم ہمارے ہاں معزز نہیں ہو بلکہ تمہارا قبیلہ ہمارے ہاں بہت معزز ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۙ ﴿۹۴﴾

فرمایا: اے میری قوم! کیا میرا قبیلہ تم پر اللہ سے زیادہ طاقت ور ہے؟ اور تم نے اس کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے' بے شک میرے رب نے تمہارے تمام اعمال کا احاطہ کیا ہوا ہےO اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو بے شک میں اپنا کام کر رہا ہوں' عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر ایسا عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے' اور تم انتظار کرو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوںO اور جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے شعیب کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے نجات دی اور ظالموں کو ایک ہولناک چیخ نے پکڑ لیا' پس وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل مردہ پڑے رہ گئےO

۹۲-﴿قَالَ﴾ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا: ﴿يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اے میری قوم! کیا میرا قبیلہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے زیادہ معزز ومکرم ہے اور اگر ''وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ'' کی بجائے ''وَمَا عُـزِّزْتَ عَلَيْنَا'' کہا جاتا تو پھر یہ جواب صحیح نہ ہوتا اور باقی رہا یہ کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے صرف ''اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ'' فرمایا ہے حالانکہ کلام تو آپ کے بارے میں اور آپ کے قبیلے کے بارے میں ہو رہا ہے' نہ کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ ان کافروں کے ہاں صرف آپ کا قبیلہ معزز ومحترم تھا' نہ کہ آپ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور پیغمبر ہیں' اس لیے اُن لوگوں کا آپ کی توہین کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی توہین کرنا ہے اور جب آپ کی بجائے آپ کا قبیلہ ان کے ہاں معزز ومحترم ہے تو گویا آپ کا قبیلہ ان کے ہاں اللہ تعالیٰ سے زیادہ معزز ومکرم ہوا' کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے کہ ''مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' (النساء:۸۰) ''جو رسول کی اطاعت وفرماں برداری کرتا ہے تو یقیناً اسی نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری کی''۔ ﴿وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا﴾ اور تم نے اللہ تعالیٰ کو پسِ پشت ڈال دیا اور اس کو تم نے بھلا دیا ہے اور اس کو تم نے پسِ پشت پھینکی گئی چیز کی طرح کر دیا جو کسی صورت میں معتبر وقابلِ قبول نہیں ہوتی [اور ''ظِهْرِيٌّ''، ''ظَهْر'' کی طرف منسوب ہے اور اس کے شروع میں کسرہ (زیر) ''نسب'' کے تغیرات کی وجہ سے پڑھا جاتا ہے' جیسے اہل عرب ''اَمْس'' کی طرف نسبت کر کے ''اِمْسِيّ'' کہتے ہیں] ﴿اِنَّ

رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ﴾ بے شک میرا رب تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو محیط ہے کہ اس نے تمہارے تمام اعمال کا اپنے علم کے ذریعے یقیناً احاطہ کر رکھا ہے' سوان اعمال میں سے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

۹۳-﴿ وَیٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ ﴾ اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو۔[یہ "مکانۃ" "مکان" کے معنی میں ہے' چنانچہ کہا جاتا ہے کہ "مَکَانٌ وَمَکَانَۃٌ" اور "مَقَامٌ وَمَقَامَۃٌ" (چونکہ سب کا ایک معنی ہے کہ کسی جگہ ٹھہرنا' اس لیے ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں) یا "مَکُنَ فَھُوَ مَکِیْنٌ" کا مصدر ہے جب کوئی شخص کسی چیز پر قدرت و غلبہ حاصل کر لیتا ہے] یعنی تم جس طریقہ پر کفر و شرک اور میری عداوت و دشمنی کر رہے ہو تم اپنے اسی طریقے پر قائم ہو کر عمل کرتے رہو یا یہ کہ تم سے میری عداوت و دشمنی جہاں تک ہو سکتی ہے تم پوری طاقت کے ساتھ اس پر عمل کرتے رہو ﴿ اِنِّیْ عَامِلٌ ﴾ بے شک میں اسی ہمت کے مطابق کام کرتا رہوں گا' جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور تائید سے مجھے عنایت فرمائی ہے اور اس نے جس قدر مجھے قدرت و طاقت بخشی ہے ﴿ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَمَنْ ھُوَ کَاذِبٌ ﴾ عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر عذاب آتا ہے' جو اسے رسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے ["مَنْ" استفہامیہ ہے جو "تَعْلَمُوْنَ" کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ وہی اس کا عامل ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ عنقریب تم جان لو گے کہ ہم میں سے کس پر وہ عذاب آئے گا جو اس کو رسوا کر دے گا یعنی اس کو ذلیل و خوار کر دے گا اور ہم میں سے کون جھوٹا ہے [یا پھر "مَنْ" موصولہ ہے جس میں عمل کیا گیا ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ عنقریب تم اس بد بخت کو جان لو گے جس پر ایسا عذاب نازل ہوگا جو اس کو ذلیل و رسوا کرے گا اور تم اس کو بھی جان لو گے جو تمہارے گمان میں اور تمہارے دعویٰ میں جھوٹا ہے [اور "سوف" کے شروع میں حرف "فا" کا داخل کرنا ایسے حرف کے ساتھ وصلِ ظاہر ہے جو وصل کے معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے (اور وہ حرف "فا" ہے جو تعقیب مع الوصل کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہ حرف "فا" سورۃ الانعام:۱۳۵ میں استعمال کیا گیا ہے جب کہ یہاں) وصلِ تقدیری کو جملہ مستأنفہ کے ساتھ بیان کرنے کے لیے حرف "فا" کو "سوف" سے زائل کر دیا گیا ہے' یہ جملہ سوالِ مقدر کا جواب ہے] گویا کافروں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ جب ہم اپنی جگہ پر عمل کریں گے اور آپ اپنی جگہ پر عمل کریں گے تو پھر کیا ہوگا؟ حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر عذاب آتا ہے' جو اسے رسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے؟ [اور دونوں وجہوں کے ساتھ کلام کو لانا بلاغت میں تفنن (یعنی کلام کے مختلف انداز) کے اظہار کے لیے ہے اور ان دونوں میں (حرف "فا" کے بغیر) جملہ مستأنفہ لانا زیادہ بلیغ ہے ﴿ وَارْتَقِبُوْٓا ﴾ اور تم اپنے انجام کا انتظار کرو اور میں تم سے جو کچھ کہتا ہوں' اس (کی صداقت) کا انتظار کرو ﴿ اِنِّیْ مَعَکُمْ رَقِیْبٌ ﴾ بے شک میں تمہارے ساتھ منتظر ہوں اور "رَقِیْب" بہ معنی "رَاقِب" ہے جیسے "ضَرِیْب" بہ معنی "ضَارِب" یا "رَقِیْب" بہ معنی "مُرَاقِب" ہے جیسے "عَشِیْر" بہ معنی "مُعَاشِر" ہے یا "رَقِیْب" بہ معنی "مُرْتَقِب" ہے جیسے "رَفِیْع" بہ معنی "مُرْتَفِع" ہے]۔

۹۴-﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ ﴾ اور جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے (حضرت) شعیب کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے اپنی رحمت سے نجات عطا فرمائی اور ظالموں کو ہولناک چنگھاڑ نے پکڑ لیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے ان پر سخت ہولناک آواز نکالی' جس سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے تمام کافر ہلاک ہو گئے [اور باقی رہا یہ سوال کہ عاد اور مدین کے قصے کے آخر میں "وَلَمَّا جَآءَ" (واؤ عاطفہ کے ساتھ) ذکر کیا گیا ہے جب کہ ثمود اور لوط علیہ السلام کی قوم کے قصے کے آخر میں "فَلَمَّا جَآءَ" (فا کے ساتھ) ذکر کیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں واقعات وعدہ کے بعد ذکر کیے گئے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ" (ہود:۸۱) "ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ" (ہود:۶۵) سو حرف "فا" کو اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ سبب بیان کرنے کے لیے ہے جیسے تمہارا یہ قول کہ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے' پس جب وعدہ آ جائے گا تو ایسا ایسا ہو گا لیکن دوسرے دونوں واقعات پہلے واقع ہوئے ہیں' لہٰذا ان دونوں کا حق یہ ہے کہ ان کا اپنے ماقبل پر حرف جمع کے ساتھ عطف کیا جائے جیسا کہ قصہ کا قصہ پر عطف کیا جاتا ہے] ﴿فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴾ سو وہ لوگ اپنے گھروں میں اوندھے منہ مردہ پڑے رہ گئے۔ "جاثم" کا معنی ہے: اپنی جگہ میں ایسے چمٹ جانا کہ وہاں سے اٹھنا محال ہو یعنی حضرت جبریل علیہ السلام نے ان پر زوردار ہیبت ناک آواز نکالی تو ان میں سے ہر ایک کی روح اچانک جسم سے نکل گئی۔

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

گویا وہ ان میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے' خبردار! مدین کے لیے ہلاکت ہے جیسا کہ ثمود ہلاک ہوئے تھے O اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا O فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس تو انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی' اور فرعون کا حکم صحیح نہیں تھا O قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے آئے گا اور ان کو دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا' اور وہ بہت بُرا گھاٹ ہے جس پر (ان کو) لایا جائے گا O اور اس دنیا میں اور قیامت کے دن میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی ہے' بہت بُرا انعام ہے جو (انہیں) دیا جائے گا O

۹۵- ﴿كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا﴾ گویا وہ اپنے گھروں میں کبھی زندہ نہیں رہے' نہ کاروبار کرتے رہے' نہ اپنے گھروں میں آتے جاتے رہے ﴿اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ﴾ خبردار! مدین والوں کے لیے ہلاکت ہے ["بَعُدَ" بہ معنی "بَعِدَ" ہے اور وہ ہلاکت ہے جیسے "رَشُدَ" بہ معنی "رَشِدَ" ہے کیا تم اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے] ﴿كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ﴾ جیسا کہ ثمود والے ہلاک ہو گئے۔ [اور اس کو "كَمَا بَعُدَتْ" بھی پڑھا گیا اور دونوں قراءتوں میں معنی ایک ہے اور وہ قریب کی ضد ہے مگر اہل عرب نے ہلاکت کے اعتبار سے دونوں میں فرق کیا ہے جیسا کہ انہوں نے خیر اور شر کے زمانوں کے درمیان فرق کیا ہے' چنانچہ انہوں نے کہا: "وَعَدَ" (وعدہ کیا) اور "اَوْعَدَ" (دھمکی دی)]۔

حضرت موسیٰ کی بعثت پر فرعونیوں کی سرکشی اور ان کا عبرت ناک انجام

۹۶- ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا ["سُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ" سے عصا مبارک مراد ہے کیونکہ وہ سب سے زیادہ روشن تھا]۔

۹۷- ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ﴾ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف (حضرت موسیٰ کو

مبعوث کیا گیا) لیکن انہوں نے یعنی درباریوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی ﴿ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴾ اور فرعون کا حکم صحیح نہیں تھا اور اس سے فرعون کے پیروکاروں کو جاہل و نادان قرار دیا گیا ہے کہ وہ فرعون کی اندھی تقلید کرتے ہوئے اس کے حکم پر عمل پیرا ہو گئے حالانکہ وہ کھلم کھلا اور علانیہ گمراہ تھا اور یہ اس لیے کہ اس نے خدائی دعویٰ کر رکھا تھا حالانکہ یہ بھی ان کی طرح ایک انسان تھا اور اس نے علانیہ ظلم و بدی کا ارتکاب کیا جو شیطان ہی سے حاصل ہوتے ہیں اور اس طرح کا انسان تو ویسے ہی خدائی سے کوسوں دور ہوتا ہے اور اس سے واضح ہوا کہ فرعونیوں نے مختلف نشانیوں اور روشن ترین معجزات کا معائنہ بھی کیا اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے حضرت موسیٰ کے کمالات بھی دیکھے اور معلوم کر لیا کہ بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام رشد و ہدایت اور حق کے ساتھ بھیجے گئے ہیں' پھر بھی انہوں نے آپ کی پیروی سے انحراف کر کے ایسے گمراہ شخص فرعون کی پیروی اختیار کر لی جس کا کوئی حکم صحیح نہیں تھا یا اس سے یہ مراد ہے کہ فرعون کا کوئی عمل صالح اور اچھا نہیں تھا' جس کا انجام قابل ستائش ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا (درج ذیل) ارشاد

۹۸- ﴿ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ اسی کی تفسیر اور اس کی وضاحت ہے' یعنی ایسے شخص کا حکم اور عمل کیسے صحیح ہو سکتا ہے جس کا انجام یہ ہو گا یعنی فرعون قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے ہو گا اور قوم اس کے پیچھے ہو گی (اور وہ ان کو دوزخ میں ڈال دے گا) [اور لفظ ''رُشْد'' ہر پسندیدہ اور قابل تعریف عمل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس طرح ''غَيٌّ'' کا لفظ ہر ناپسندیدہ اور قابل مذمت عمل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: ''قَدَمَهٗ'' بہ معنی ''تَقَدَّمَهٗ'' کہ وہ اس کے آگے ہو گا] ﴿ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ﴾ اور ان کو دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا یعنی داخل کر دے گا [اور یہاں ماضی کا لفظ ''اَوْرَدَ'' اس لیے لایا گیا ہے کہ ماضی موجود یقینی کام پر دلالت کرتی ہے تو گویا فرمایا گیا ہے کہ فرعون اپنی قوم کے آگے ہو گا اور ان کو یقیناً دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا یعنی جس طرح فرعون دنیا میں گمراہی کے کاموں میں اپنی قوم کا رہبر و رہنما اور قائد بنا ہوا تھا' اسی طرح وہ آخرت میں ان کا قائد بن کر ان کے آگے آگے ہو گا اور وہ لوگ اس کے پیچھے ہوں گے ﴿ وَبِئْسَ الْوِرْدُ ﴾ اور دوزخ کتنا بُرا گھاٹ ہے اور کس قدر اترنے اور داخل ہونے کی بدترین جگہ ہے اور ﴿ الْمَوْرُوْدُ ﴾ جو (فرعون اور اس کی قوم) اس میں اتارے جائیں گے۔ فرعون کو اس قائد کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو پانی کے گھاٹ کی طرف جانے والے پیاسوں کے آگے ہوتا ہے اور اس کے پیروکاروں کو پانی کی طرف جانے والے پیاسوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' پھر ارشاد فرمایا: ''وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ'' یعنی اور فرعون اور اس کی قوم جس گھاٹ پر وارد ہوں گے وہ بدترین جگہ ہے اور وہ دوزخ کی آگ ہے کیونکہ گھاٹ پر اترنے کا مقصد پیاس بجھا کر تسکین حاصل کرنا ہوتا ہے جب کہ دوزخ کی آگ اس کی ضد ہے۔

۹۹- ﴿ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً ﴾ اور اس میں یعنی دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لازم کر دی گئی ہے ﴿ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ اور قیامت کے دن یعنی فرعون اور اس کی قوم کو دنیا میں بھی لعنتی قرار دیا گیا ہے (کہ تمام امتیں ان پر لعنت کرتی ہیں) اور قیامت کے دن بھی انہیں لعنتی قرار دیا جائے گا (کہ تمام اہل محشر ان پر لعنت بھیجیں گے) ﴿ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴾ اور کتنی بُری مہمانی ہے' جو مہمانوں کو دی گئی ہے یعنی کتنی بُری مدد ہے جو ان کی اعانت میں کی گئی ہے یا کتنا بُرا انعام ہے جو انہیں عطا کیا گیا ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآىِٕمٌ وَّ حَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾

یہ ان بستیوں کی خبریں ہیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں ان میں سے بعض باقی ہیں اور بعض مٹ گئی ہیںO اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا' پھر وہ اللہ کو چھوڑ کر جن معبودوں کی عبادت کرتے تھے وہ ان کو کوئی فائدہ نہ دے سکے جب آپ کے رب کا حکم آ گیا اور انہوں نے ان کی ہلاکت کے سوا اور کچھ نہیں بڑھایاO اور آپ کے رب کی گرفت اسی طرح کی ہوتی ہے جب وہ بستی والوں کی ان کے ظلم پر گرفت کرتا ہے' بے شک اس کی گرفت سخت دردناک ہوتی ہےO

۱۰۰- ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ﴾ یہ تباہ شدہ بستیوں کی خبروں میں سے ایک خبر ہے جس کو ہم آپ پر بیان کررہے ہیں۔[''ذٰلِكَ'' مبتدا ہے''مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى'' خبر ہے اور''نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ'' خبر کے بعد خبر ہے] ﴿مِنْهَا﴾ ان تباہ شدہ بستیوں میں سے ﴿قَآىِٕمٌ وَّ حَصِيْدٌ﴾ کچھ قائم ہیں یعنی بعض کے آثار ونشانات باقی ہیں' جیسے کھیتی اپنے تنے پر کھڑی ہوتی ہے اور کچھ مٹ چکی ہیں اور ان کے آثار ونشانات ختم ہو گئے ہیں' جیسے کھیتی کھیت سے کاٹ لی گئی ہو [اور یہ جملہ مستأنفہ ہے جس کا محل اعراب کوئی نہیں ہے]۔

۱۰۱- ﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے ان کو ہلاک کر کے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا ﴿وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ اور لیکن انہوں نے اپنی ہلاکت کے اسباب کفر وشرک اور دیگر گناہوں کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا ﴿فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ سو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن معبودوں کی عبادت کرتے تھے' انہوں نے ان کو کچھ فائدہ نہیں دیا اور نہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے۔[یہاں''يَدْعُوْنَ'' بہ معنی''يَعْبُدُوْنَ'' ہے اور یہ ماضی کے حال کا بیان ہے] ﴿لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ﴾ جب آپ کے رب تعالیٰ کا حکم یعنی اس کا عذاب آ پہنچا [اور ''لَمَّا''، ''اَغْنَتْ'' کی وجہ سے منصوب ہے] ﴿وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ﴾ اور ان کے بتوں نے ان کی ہلاکت کے سوا ان میں کوئی اور اضافہ نہیں کیا۔[''تَتْبِيْب'' کا معنی''تخسير'' یعنی ہلاکت ہے''تَبَّ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی ہلاک وتباہ ہو جائے اور''تَبَّبَهٗ غَيْرُهٗ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کو ہلاک وتباہ کردے اور اس کو خسارے اور نقصان میں ڈال دے] یعنی کافروں کو غیر اللہ کی عبادت نے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ ان کو ہلاک و برباد کر دیا اور فائدے کی بجائے نقصان پہنچایا۔

۱۰۲- ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ [کاف محلاً مرفوع (خبر مقدم) ہے] اور مذکورہ گرفت کی طرح ﴿اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى﴾ آپ کے رب تعالیٰ کی گرفت و پکڑ ہوتی ہے' جب وہ بستیوں کو یعنی بستیوں کے باشندوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے ﴿وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾ حالانکہ وہ ظلم کرنے والی ہوتی ہیں [یہ''قُرٰى'' سے حال ہے (یعنی ان میں رہنے والے لوگ ظالم ہوتے ہیں)] ﴿اِنَّ

﴿اَخْذَهٗۤ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو اپنی پکڑ اور گرفت میں لے لیتا ہے اس پر اس کی گرفت اور پکڑ بہت سخت دردناک ہوتی ہے اور یہ مکہ وغیرہ کی تمام بستیوں کے کفار ظالموں کے لیے وعید و دھمکی ہے کہ ہر ظالم پر واجب ولازم ہے کہ وہ توبہ کرنے میں جلدی کرے اور مہلت سے مغرور نہ ہو۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِؕ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَ مَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍؕ ﴿۱۰۴﴾ یَوْمَ یَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖۚ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌۙ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ﴿۱۰۷﴾

بے شک اس میں اس شخص کے لیے ضرور نشانی ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے' یہ وہ دن ہوگا جس میں سب لوگوں کو جمع کیا جائے گا' اور اس دن سب حاضر کیے جائیں گے ○ اور ہم اس کو مؤخر نہیں کر رہے مگر ایک مقررہ مدت تک کے لیے ○ جب وہ دن آئے گا تو اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں بول سکے گا' تو ان میں سے کچھ بدبخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت ہوں گے ○ پھر جو لوگ بدبخت ہوں گے وہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے اس میں ان کی چیخ و پکار ہوگی ○ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان وزمین رہیں گے مگر جتنا آپ کا رب چاہے گا' بے شک آپ کا رب جو چاہتا ہے اس کو خوب کرگزرتا ہے ○

۱۰۳-﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہلاک شدہ امتوں کے جو واقعات و قصے بیان کیے ہیں ان میں ﴿لَاٰیَةً﴾ سبق آموز عبرت ہے ﴿لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ﴾ ہر اس شخص کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈر گیا اور وہ اس کی صحت اور اس کے وجود پر یقینی اعتقاد رکھتا ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ قیامت کے دن کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آخرت کا عذاب اس پر دلالت کرتا ہے ﴿یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌۙ لَّهُ النَّاسُ﴾ اس دن تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا۔[''اَلنَّاسُ'' ''مَجْمُوْعٌ'' کی وجہ سے مرفوع ہے جیسا کہ اس کا فعل بھی رفع ہی دیتا' جب تم یوں کہتے ہو: ''یُجْمَعُ لَهُ النَّاسُ'' اور باقی رہا یہ کہ اسم مفعول کو اس کے اپنے فعل پر کیوں ترجیح دی گئی ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم مفعول قیامت کے دن لوگوں کے جمع ہونے کے معنی کے ثبوت پر دلالت کرتا ہے] اور نیز وہ لوگوں کی طرف جمع کیے جانے کی نسبت کو ثابت کرتا ہے اور یہ کہ لوگ اس سے کبھی جدا نہیں ہوسکیں گے بلکہ انہیں ہر حال میں حساب و کتاب اور جزاء وسزا کے لیے جمع کیا جائے گا ﴿وَ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ﴾ اور وہ حاضری کا دن ہے یعنی اس میں تمام لوگوں کو حاضر کیا جائے گا [پھر ظرف میں وسعت دے کر اس کو مفعول بہ کے قائم مقام کر دیا گیا ہے] یعنی قیامت کے دن تمام مخلوقات کو میدانِ محشر میں حاضر کیا جائے گا' اس سے کوئی شخص چھپ نہیں سکے گا۔

۱۰۴-﴿وَ مَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ﴾ اور ہم اس کو یعنی مذکورہ بالا دن (قیامت کے دن) کو مؤخر نہیں کریں گے' مگر ایک مقررہ مدت کے لیے۔[''اَجَل'' کا لفظ تاخیر کی پوری مدت پر اور اس کی انتہاء پر بولا جاتا ہے اور ''عَدّ'' صرف مدت کے معنی میں بولا جاتا ہے' نہ اس کی ابتداء کے لیے اور نہ اس کی انتہاء کے لیے' پس ارشادِ باری تعالیٰ ''اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ''

کا یہ معنٰی ہوگا: مگر مقررہ مدت کی انتہا تک کے لیے مضاف محذوف کے ساتھ یا یہ معنٰی ہے کہ ہم اس دن کو مؤخر نہیں کریں گے مگر اس مدت کی انتہاء تک کے لیے جو ہم نے دنیا کی بقاء کے لیے مقرر کر رکھی ہے]۔

۱۰۵- ﴿يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ﴾ جب وہ دن آئے گا تو کوئی شخص نہیں بول سکے گا۔ [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''یَا'' کے ساتھ (یَاْتِیْ) ہے اور ابوعمرو بصری' نافع مدنی اور علی کسائی نے وصل کی حالت میں اس کی موافقت کی ہے اور یا کو ثابت رکھنا اصل ہے کیونکہ کوئی ایسی علّت نہیں ہے جو یا کے حذف کو واجب کرتی ہو اور یا کو حذف کر کے اس کے عوض میں کسرہ پر اکتفاء کرنا بنو ہذیل کی لغت میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے اور اس کی مثال یہ (درج ذیل آیت) ہے: ''مَا كُنَّا نَبْغِ'' (الکہف:۶۴) اور ''یَاْتِ'' کا فاعل ضمیر ہے' جو ارشادِ باری تعالیٰ ''يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ'' (ہود:۱۰۳) کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ ''یَوْمَ'' کی طرف جو ''یَاْتِ'' کا مضاف ہے اور ''یَوْمَ'' ''اُذْکُرْ'' محذوف کی وجہ سے منصوب ہے یا ارشادِ باری تعالیٰ ''لَا تَكَلَّمُ'' کی وجہ سے منصوب ہے جو اصل میں ''لَا تَتَكَلَّمُ'' ہے] ﴿إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ مگر اس کی اجازت سے یعنی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کسی کی شفاعت و سفارش نہیں کرے گا مگر اس کی اجازت کے بعد کوئی کسی کی شفاعت کر سکے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ'' (البقرہ:۲۵۵) ''کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کر سکے مگر اس کی اجازت ملنے کے بعد''۔[1] ﴿فَمِنْهُمْ﴾ [''هُمْ'' ضمیر اہلِ محشر کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ ''لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ'' اس پر دلالت کر رہا ہے اور ''اَلنَّاس'' کا ذکر ''مَجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ'' (ہود:۱۰۳) میں گزر چکا ہے۔] پس ان لوگوں میں سے بعض ﴿شَقِيٌّ﴾ بدبخت ہوں گے جن کو عذاب دیا جائے گا ﴿وَّسَعِيْدٌ﴾ یعنی ان لوگوں میں سے بعض نیک بخت ہوں گے یعنی ان پر انعام کیا جائے گا۔

۱۰۶- ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ﴾ پھر لیکن جو لوگ بدبخت ہوں گے وہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے' جس میں چیخ و پکار ہوگی۔ گدھے کی وہ پہلی آواز جو وہ زور سے ہینگتے وقت نکالتا ہے' اُسے ''زفیر'' کہا جاتا ہے ﴿وَّشَهِيْقٌ﴾ اور اس کے آخر میں دھیمی دھیمی آواز سے خاموش ہو جاتا ہے تو اُسے ''شَهِيْقٌ'' کہا جاتا ہے یا لمبے لمبے زور سے سانس باہر نکالنے اور اسے واپس لوٹانے کو ''زفیر'' اور ''شهيق'' کہا جاتا ہے [اور یہ جملہ حال کے محل میں واقع ہے اور اس کا عامل مستقر ہے جو ''اَلنَّار'' میں ہے]۔

۱۰۷- ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ [یہ حالِ مقدرہ ہے] ﴿مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ جب تک تمام آسمان اور زمینیں رہیں گے۔ [یہ محلاً منصوب ہے] یعنی آسمانوں اور زمین کے دوام کی مدت تک اور اس سے آخرت کے زمین و آسمان مراد ہیں اور وہ ہمیشہ کے لیے دائمی پیدا کیے گئے ہیں اور اس بات پر دلیل کہ آخرت کے لیے زمین و آسمان ہوں گے' یہ ارشاد ہے: ''يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ'' (ابراہیم:۴۸) ''اس روز یہ زمین دوسری زمین سے اور یہ آسمان دوسرے آسمانوں سے تبدیل کر دیئے جائیں گے''۔ اور بعض نے کہا کہ جب تک فوق و تحت قائم رہیں گے اور یہ اس لیے کہ اہلِ آخرت کے لیے سایا ضروری ہے اور جو ان پر سایا دار رہے گا وہ یا آسمان ہوگا یا عرش ہوگا اور ہر وہ

[1] واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد قرآن و احادیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل حضرات کرام مسلمانوں کی سفارش کریں گے: (۱) حضور سیّد عالم ﷺ (۲) دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام (۳) فرشتے (۴) صالحین (یعنی اولیائے کرام) (۵) علمائے دین (۶) شہدائے اسلام (۷) حفاظِ قرآن (۸) خود قرآنِ مجید (۹) ماہِ رمضان کے روزے (۱۰) مسلمانوں کے فوت ہو جانے والے نابالغ بچے۔ غوثوی

چیز جوتم پر سایا کرے گی تو وہ آسمان کہلائے گا یا اس سے مطلق تابید و دوام اور انقطاع کی نفی مراد ہے جیسے اہل عرب کا قول ہے: ''مَا لَاحَ کَوْکَبٌ'' اور دیگر تابید و دوام کے کلمات ﴿اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ﴾ مگر آپ کا رب جتنا چاہے۔ یہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہنے سے استثناء ہے اور یہ اس لیے کہ دوزخی ہمیشہ صرف دوزخ کی آگ میں نہیں رہیں گے بلکہ انہیں طبقۂ زمھریر کا عذاب بھی دیا جائے گا (اور یہ ناقابل برداشت ٹھنڈا ہوگا) نیز دوزخ کی آگ کے عذاب کے علاوہ انہیں مختلف اقسام کے عذاب دیئے جائیں گے یا ''مَاشَآءَ بہ'' بہ معنیٰ ''مَنْ شَآءَ'' ہے (ترجمہ یہ ہوگا) کہ اللہ تعالیٰ جن کو چاہے گا ان کو دائمی عذابِ دوزخ سے نکال لے گا اور یہ وہ لوگ ہوں گے (جو بغیر توبہ مر گئے' انہیں گناہوں کی سزا دے کر پھر) دوزخ کی آگ سے نکال لیا جائے گا اور انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا اور ان کو جہنمی کہا جائے گا اور ان کو جنتیوں سے بھی مستثنیٰ قرار دیا جائے گا کیونکہ یہ لوگ ان سے جدا ہو کر ایک لمبا عرصہ دوزخ کی آگ میں رہے' پس یہ لوگ نہ پورے کے پورے بد بخت ہوں گے کہ ان کو ہمیشہ کے لیے دوزخ کی آگ میں رکھا جائے اور نہ وہ پورے سعادت مند و نیک بخت ہوں گے کہ دوزخ کی آگ انہیں بالکل نہ چھوئے گی اور حضرت ابن عباس اور حضرت ضحاک اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہی منقول ہے ﴿اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ بے شک آپ کا رب تعالیٰ بد بخت اور نیک بخت کے ساتھ جو چاہے گا وہی کرے گا۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝۱۰۸ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۝۱۰۹ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝۱۱۰

ع ۹

اور لیکن جو لوگ نیک بخت ہوں گے تو وہ جنت میں رہیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین ہوں گے مگر جتنا آپ کا رب چاہے گا' یہ نہ ختم ہونے والی بخشش ہے○ سو اس کے بارے میں ہرگز شک نہ کیجئے جس کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں' یہ اسی طرح عبادت کرتے ہیں جس طرح اس سے پہلے ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے' اور بے شک ہم ان (کے عذاب) کا حصہ بغیر کسی کمی کے ان کو ضرور پورا پورا دیں گے○ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی' پھر اس میں اختلاف کیا گیا' اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا' اور بے شک وہ لوگ تردّد پیدا کرنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں○

۱۰۸- ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا﴾ [امام حفص' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''سُعِدُوْا'' (سین پر پیش فعل ماضی مجہول) ہے اور ''سَعِدَ يَسْعَدُ'' لازم اور متعدی دونوں طرح آتا ہے] (ترجمہ:) اور لیکن جن کو سعادت مند و نیک بخت رکھا گیا ﴿فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ﴾ وہ جنت میں جائیں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب تک تمام آسمان اور زمین قائم رہیں گے مگر آپ کا رب جو چاہے گا (اس سے بڑی نعمتیں عطا فرمائے گا)' یہ جنت کی نعمتوں میں ہمیشہ رہنے سے استثناء ہے اور یہ اس لیے کہ جنتیوں کو جنت اور اس کی نعمتوں کے علاوہ ان سے بڑھ کر

بڑی نعمت عطا کی جائے گی اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رضا اور خوشنودی یا اس کا معنی یہ ہے کہ مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا اس کو جنت میں داخل کرنے سے پہلے اس کے گناہوں کے برابر عذاب دے گا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا کہ دونوں آیتوں میں اہل جنت کے لیے استثناء کیا گیا ہے اور اس کا معنی وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے کیونکہ جو گنہگار مسلمان دوزخ کی آگ میں داخل کیا جائے گا' وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا بلکہ اس کو وہاں سے نکالا جائے گا اور وہ جنت میں بھی ہمیشہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ ابتداء میں جنت میں داخل نہیں ہوا اور جب معتزلہ نافرمان و گنہگار کو دوزخ سے نکالے جانے کے قائل نہیں تو اس عنوان پر بیان کی گئی احادیثِ مبارکہ سے ان کی تردید ہو جاتی ہے اور ان کے کھلم کھلا اس گناہ کے لیے یہی کافی ہے ﴿عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ﴾ ایسی بخشش جو کبھی ختم ہونے والی نہیں بلکہ دائمی انعام جس کی کوئی انتہاء نہیں ہوگی' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ'' (حٰم السجدہ:۸) ''ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر و ثواب ہوگا''۔ [اور یہ مصدر کی بناء پر منصوب ہے یعنی ''اُعْطُوْا عَطَآءً'' انہیں جنتی انعامات خوب عطا کیے جائیں گے] بعض حضرات نے فرمایا کہ فرقہ جہمیہ نے چار آیات کا انکار کیا: (۱) ''عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ'' (ھود: ۱۰۸) دائمی انعام (۲) ''اُكُلُهَا دَآئِمٌ'' (الرعد:۳۵) ''اس کے پھل ہمیشہ رہیں گے''۔ (۳) ''وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ'' (النحل: ۹۶) ''اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گا''۔ (۴) ''لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ'' (الواقعہ:۳۳) ''نہ (وہ میوے) ختم ہوں گے اور نہ (ان سے) روکا جائے گا''۔

۱۰۹- جب اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کے واقعات وقصص بیان فرمائے اور ان پر نازل ہونے والے اپنے غضب کا ذکر فرمایا اور ان کے لیے جو عذاب تیار کیا گیا اس کا ذکر فرمایا تو اب ارشاد فرمایا: ﴿فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ﴾ سو اے مسلمانو! اس کے بارے میں شک و شبہ میں نہ رہیے جس کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں' یعنی ان واقعات وقصص کے نازل ہونے کے بعد تم بت پرستوں کے بُرے انجام کے متعلق شک میں نہ رہو کیونکہ جس طرح مشرکینِ مکہ سے پہلے لوگوں کو بت پرستی کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا گیا' ان کو بھی اسی طرح عذاب میں مبتلا کیا جائے گا' اس آیتِ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور مشرکین سے انتقام لینے کا وعدہ کیا گیا ہے اور ان کو دھمکی دی گئی ہے' پھر ارشاد فرمایا: ﴿مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ﴾ یہ لوگ عبادت نہیں کرتے مگر اسی طرح کرتے ہیں جس طرح اس سے پہلے ان کے آباء واجداد کرتے رہے۔ مراد یہ ہے کہ شرک و بت پرستی میں ان کا وہی حال ہے جو ان کے باپ دادا کا حال تھا اور ان کے آباء واجداد پر جو عذاب کیا گیا تھا اس کی خبر آپ تک پہنچ چکی ہے' سو عنقریب ان پر بھی اسی طرح کا عذاب نازل ہونے والا ہے [اور یہ جملہ مستأنفہ ہے' اس کا مقصد شک و شبہ سے نہی (روکنے) کی علّت بیان کرنا ہے اور ''مِمَّا'' اور ''كَمَا'' میں لفظ ''مَا'' مصدر یہ ہے یا پھر موصولہ ہے] یعنی ان کی عبادت و پرستش ان کے آباء واجدا کی عبادت و پرستش کی طرح ہے یا یہ کہ جس طرح وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے' اسی طرح یہ بھی بتوں کی عبادت کرتے ہیں ﴿وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ﴾ اور بے شک ہم ان کے حصہ کا عذاب ان کو پورا پورا دیں گے' جیسا کہ ہم نے ان کے باپ دادا کو ان کے عذاب کا حصہ پورا پورا دیا تھا ﴿غَيْرَ مَنْقُوْصٍ﴾ کسی قسم کی کمی کے بغیر۔ [یہ ''نَصِيْبَهُمْ'' سے حال ہے یعنی بغیر کسی کمی کے ان کو پورا اور مکمل عذاب کا حصہ ملے گا]۔

۱۱۰- ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی تورات عطا کی تھی ﴿فَاخْتُلِفَ فِيْهِ﴾ پھر اس میں اختلاف کیا گیا' چنانچہ ایک قوم تو اس پر ایمان لے آئی اور ایک قوم نے اس کے ساتھ

کفر و انکار کیا جیسا کہ قرآن مجید کے بارے میں اختلاف کیا گیا اور اس سے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے ﴿ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ ﴾ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے ہی یہ بات طے نہ ہو چکی ہوتی کہ اللہ تعالیٰ ان کو جلد عذاب میں مبتلا نہیں فرمائے گا ﴿ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ﴾ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے درمیان یا آپ کی قوم کے درمیان ہلاک کرنے والے عذاب کا فیصلہ کر دیا جاتا ﴿ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ﴾ اور بے شک یہ لوگ قرآن مجید کے بارے میں یا عذاب کے نزول کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہیں ﴿ مُرِيبٍ ﴾ شک و شبہ اور الجھن میں ڈالنے والا اور دل کو مضطرب و متردّد کر دینے والا۔ [یہ "اَرَابَ الرَّجُلَ" کہ آدمی کو شک میں ڈال دیا' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص شک و شبہ میں مضطرب ہو جائے' یہ اسنادِ مجازی ہے]

وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١١﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٢﴾ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿١١٣﴾ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۚ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ ﴿١١٤﴾

اور بے شک آپ کا رب ان سب کو ان کے اعمال کا بدلا پورا پورا دے گا' بے شک وہ ان کے تمام اعمال سے باخبر ہے○ پس آپ کو جس طرح حکم دیا گیا ہے اسی پر قائم رہیے اور وہ بھی جو توبہ کر کے آپ کے ساتھ ایمان لائے اور تم لوگ زیادتی نہ کرنا' بے شک وہ تمہارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے○ اور تم ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ تمہیں آگ کا عذاب پہنچے گا' اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی بھی حمایتی نہیں ہوگا' پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی○ اور تم دن کے دونوں طرفوں میں اور رات کی کچھ ساعتوں میں نماز قائم رکھو' بے شک نیکیاں بُرائیوں کو مٹا دیتی ہیں' یہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے○

۱۱۱- ﴿ وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ﴾ ["كُلًّا" کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے' یعنی اصل میں "وَاِنَّ كُلَّهُمْ" ہے یعنی اس میں شک کرنے والے تمام لوگ اور "اِنَّ" مشدّد ہے جب کہ ابوعمرو بصری اور علی کسائی کی قراءت میں "لَمَّا" مخفف (یعنی بغیر شد کے "لَمَا") ہے اور لفظِ "مَا" زائدہ (یعنی معنی سے خالی صرف تحسینِ کلام کے لیے) ہے' اس کو اس لیے لایا گیا ہے تا کہ اس کے حرفِ "اِنَّ" کے لام اور "لَيُوَفِّيَنَّهُمْ" کے لام کے درمیان فاصلہ کیا جائے اور یہ محذوف قسم کا جواب ہے اور "لَمَّا" میں حرفِ لام قسم کی تاکید کے لیے ہے اور معنی یہ ہے کہ اور بے شک اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ آپ کا پروردگار ان سب کو ان کے اعمال کا بدلا ضرور دے گا (یعنی) ایمان و کفر اور نیک و بد تمام اعمال کا بدلا انہیں ضرور ملے گا اور قاری ابوبکر کی قراءت میں پہلے کے برعکس ہے کہ ("اِنَّ" مخفف "اِنْ" اور "لَمَّا" مشدد ہے) اور ابن کثیر مکی اور نافع مدنی کی قراءت میں اس بناء پر دونوں کو مخفف پڑھا گیا ہے کہ ان میں ثقیلہ کا عمل خفیفہ کو دے دیا گیا ہے' اس کے اصل کا اعتبار کر کے اور وہ اس کا ثقیلہ ہونا ہے اور اس لیے بھی کہ "اِنَّ" فعل کے مشابہ ہے اور فعل حذف سے پہلے بھی اور حذف کے بعد بھی اپنا عمل جاری رکھتا ہے' جیسے "لَمْ يَكُنْ" اور "لَمْ يَكُ" ہے' لہٰذا مشبہ بہ بھی ایسا ہی ہوگا اور مذکورہ بالا قاریوں کے علاوہ

باقیوں کے نزدیک دونوں مشدّد ہیں اور یہ مشکل ہے اور اس کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں سب سے بہتر یہ ہے کہ یہ "لَمَمْتُ الشَّیْئَ" سے ماخوذ ہے کہ میں نے چیز کو جمع کیا' پھر جب "لَمًّا" پر وقف کیا گیا تو "لَمَّا" ہوگیا' پھر وصل کو وقف کے قائم مقام کر دیا گیا اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ "دَعْوٰی" اور "تَتْرٰی" کی طرح ہو اور اس میں الف تانیث کے مصادر میں سے ہو اور امام زہری نے "وَاِنْ کُلًّا لَمًّا" تنوین کے ساتھ پڑھا ہے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اَکْلًا لَّمًّا" (الفجر:۱۹) اور یہ اسی کی تائید کرتا ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک دونوں مجموعوں میں ہر ایک' گویا فرمایا گیا ہے کہ "وَاِنَّ کُلًّا جَمِیْعًا" اور بے شک سب کے سب' جیسے ارشاد ہے: "فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ" (الحجر:۳۰) "پس تمام وسب فرشتوں نے سجدہ کیا"۔ اور صاحب ایجاز نے کہا کہ "لَمَّا" میں ظرف کا معنی ہے اور یہ کلام میں اختصار کے لیے داخل کیا گیا ہے] گویا فرمایا گیا کہ بے شک جب سب کو (قبروں سے) اٹھایا جائے گا تو اس وقت آپ کا رب ان کو ان کے اعمال کا بدلا ضرور دے گا [اور کسائی نے کہا کہ "لَمَّا" کا مشدّد ہونا میرے علم میں نہیں ہے] ﴿اِنَّهٗ بِمَا یَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ﴾ بے شک وہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

استقامت کا حکم' ظلم کی ممانعت' نمازوں کا فائدہ' نہی عن المنکر کی اہمیت

۱۱۲- ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ﴾ سو آپ خوب استقامت اختیار کیجئے جس طرح استقامت اختیار کرنے کا آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ اس سے کبھی انحراف نہ کیجئے ﴿وَمَنْ تَابَ مَعَكَ﴾ [یہ "اِسْتَقِمْ" میں پوشیدہ ضمیر پر معطوف ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ضمیر فاصل پر معطوف ہو] یعنی "فَاسْتَقِمْ اَنْتَ وَلْیَسْتَقِمْ مَنْ تَابَ عَنِ الْکُفْرِ وَرَجَعَ اِلَی اللّٰہِ مُخْلِصًا" یعنی آپ بھی استقامت اختیار کیجئے اور وہ بھی استقامت اختیار کر لیں جنہوں نے کفر و شرک سے توبہ کر لی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف خالص رجوع کر لیا ہے ﴿وَلَا تَطْغَوْا﴾ اور (اے مسلمانو!) تم سرکشی نہ کرو اور نہ تم اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرو ﴿اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے' وہی تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے گا' پس تم صرف اسی سے ڈرو۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پر اس آیتِ مبارکہ سے بڑھ کر کوئی آیتِ کریمہ زیادہ باعثِ مشقت و دشوار نازل نہیں ہوئی اور اس لیے آپ نے فرمایا کہ سورتِ ھود نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے[1]۔

۱۱۳- ﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا﴾ اور تم ظلم و ستم ڈھانے والوں کی طرف نہ جھکو۔ حضرت الشیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ خطاب کفار کے پیروکاروں کے لیے ہے یعنی تم اپنے ظالم قائدین اور اپنے بڑوں کے ظلم میں ان کی طرف رغبت و محبت اور قلبی میلان نہ رکھو اور تم نہ اس میں رغبت رکھو جس کی طرف وہ تمہیں بلاتے ہیں ﴿فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ ورنہ تمہیں آگ کا عذاب پہنچے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ (یہ خطاب مسلمانوں کو ہے اور) ظالموں کی طرف جھکنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے کفر و شرک پر راضی رہنا اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم مشرکوں کے ساتھ نہ مل جاؤ اور موفق سے بیان کیا گیا ہے کہ اس نے ایک امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھی' جب امام صاحب نے یہی آیتِ مبارکہ تلاوت کی تو بے ہوش ہو گئے' پھر

[1] اس آیت مبارکہ کے تحت علامہ الشیخ اسماعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ شیخ الاسلام حضرت ابوعلی سنوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم سرورِ عالم ﷺ کی خواب میں زیارت کی اور میں نے آپ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے سورت ھود نے بوڑھا کر دیا ہے' کیا یہ صحیح ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! یہ صحیح ہے' میں نے عرض کیا: کیا یہ انبیائے کرام کے قصص کی وجہ سے ہوا یا کفار کی ہلاکت کی وجہ سے ہوا؟ آپ نے فرمایا: ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں' بلکہ مجھے استقامت کے حکم نے بوڑھا کر دیا۔ (روح البیان' پارہ:۱۲' ص ۲۵۷' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

جب انہیں افاقہ ہوا تو ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس آیت مبارکہ کی وعید اس شخص کے بارے میں ہے جو ظالم کی طرف راغب ہوا اور ظالم کے ظلم کے باوجود اس کی طرف مائل ہوا کہ اس کو آگ چھوئے گی تو ظالم کا کیسا انجام ہوگا؟ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دینِ حق کو نہی کے دو ''لَا'' کے درمیان کر دیا ہے ایک ''وَلَا تَطْغَوْا''. اور تم اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کرو دوسرا ''وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا''. اور تم ظالموں کی طرف مائل نہ ہو جاؤ۔

اور حضرت امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دوزخ میں ایک وادی ہے جس میں صرف وہ قراء اور علماء رہیں گے جو دنیاوی جاہ وجلال اور مال و دولت کے لالچ میں بادشاہوں کی چاپلوسی کرنے کے لیے ان سے ملاقاتیں کرتے تھے اور حضرت امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت وہ عالم ہے جو خوشامد کرنے کے لیے حاکمِ وقت کے پاس آتا جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ظالم کی بقاء اور درازیٔ عمر کی دعا کی تو اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو اس کی سرزمین پر پسند کیا اور حضرت امام سفیان سے جنگل میں پیاس کی شدت سے ہلاکت کے قریب پہنچے ہوئے ظالم کے بارے میں پوچھا گیا کہ آیا اس کو پانی پلایا جائے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اس ظالم کو ہرگز پانی نہ پلایا جائے' پھر آپ سے اس کی موت کے بارے میں پوچھا گیا' آپ نے فرمایا: اس کو پیاس کی حالت میں مرنے دو ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ﴾ [یہ ''فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ'' سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی پس تمہیں آگ چھوئے گی اور اس وقت تم ایسی حالت میں ہو گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا اور اس کا معنی یہ کہ تمہارا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہوگا جو تمہیں اس کے عذاب سے بچانے کی طاقت رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کے عذاب سے تمہیں کوئی نہیں بچا سکے گا ﴿ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد نہیں فرمائے گا کیونکہ وہ تمہیں عذاب دینے کا حکم دے چکا [اور ''ثُمَّ'' کا معنی استبعاد یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کرنا بہت دور ہے]۔

۱۱۴- ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ﴾ اور تم دن کے دونوں حصوں میں یعنی صبح وشام نماز قائم کرو ﴿وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ﴾ اور رات کی کچھ ساعتوں میں [''زُلَفٌ'' جمع ہے جس کا واحد ''زُلْفَةٌ'' ہے اور اس سے دن کی آخری ساعات واوقات مراد ہیں (جو سورج ڈھلنے کے بعد شروع ہوتی ہیں) اور یہ ''اَزْلَفَهٗ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی کو قریب کرتا ہے اور صبح کی نماز سے مراد فجر کی نماز ہے اور ''عشیہ'' کی نماز سے ظہر وعصر کی نمازیں مراد ہیں' اس لیے کہ سورج کے زوال کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک کے اوقات کو بھی ''عَشِيَّةٌ'' کہا جاتا ہے اور ''زُلَفِ لَيْلٍ'' سے مغرب وعشاء کی نمازیں مراد ہیں اور ''طَرَفَيِ النَّهَارِ'' کا منصوب ہونا ظرف کی بناء پر ہے کیونکہ یہ وقت کی طرف مضاف ہے' جیسا کہ تمہارا یہ قول ہے کہ ''اَقَمْتُ عِنْدَهٗ جَمِيْعَ النَّهَارِ''. میں اس کے پاس تمام دن ٹھہرا رہا' ''وَاَتَيْتُهٗ نِصْفَ النَّهَارِ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ'' اور میں اس کے پاس صبح' دوپہر اور شام آیا ہوں' ان تمام کو نصب دی گئی ہے کیونکہ یہاں مضاف کو مضاف الیہ کا حکم دیا گیا ہے] ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ بے شک نیکیاں بُرائیوں کو دور کر دیتی ہیں یعنی بے شک پانچوں نمازیں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ بے شک پانچوں نمازیں ان کے درمیان ہونے والے گناہوں کو مٹا دیتی ہیں[۱] یا نیکیاں۔ حضور سرورِ کائنات مفخرِ موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بُرائی ہونے کے بعد تم نیکی کر لیا کرو کہ نیکی بُرائی کو مٹا دیتی ہے[۲] یا

۱ رواہ مسلم فی کتاب الطہارۃ حدیث:۱۶' احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۴۰۰' کنز العمال رقم الحدیث:۱۸۹۵۷

۲ رواہ الترمذی فی کتاب البر' باب:۵۵' الدارمی فی کتاب الرقاق' باب:۷۳' احمد فی مسندہ ج ۵ ص ۱۵۳-۱۵۸-۱۶۹

''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ' وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ' وَاللّٰهُ اَكْبَرُ'' (پڑھنا مراد ہے کہ ان کلمات کو پڑھنے سے گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے) ﴿ذٰلِكَ﴾ [یہ ''فَاسْتَقِمْ'' اور اس کے بعد کی طرف اشارہ ہے یا پھر] قرآن مجید کی طرف اشارہ ہے کہ یہ استقامت اختیار کرنا اور یہ قرآن مجید ﴿ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ﴾ نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور صبر کیجئے بے شک اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتاO سو تم سے پہلی قوموں میں ایسے اچھے لوگ کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد سے روکتے مگر وہ بہت تھوڑے تھے' یہ وہی تھے جن کو ہم نے ان میں سے نجات عطا کی تھی' اور ظالموں نے اسی عیش وعشرت کی پیروی کی جس سے وہ نوازے گئے تھے اور وہ لوگ مجرم تھےO اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ وہ بستیوں کو بلاوجہ ظلم سے ہلاک کر دے حالانکہ اس کے باشندے نیک ہوںO اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک امت بنا دیتا اور وہ لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہےO

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ حضرت عمرو بن غزیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی' جو کھجوریں فروخت کرتے تھے۔ ایک دن ایک عورت ان کے پاس کھجوریں لینے آئی تو انہوں نے اس عورت سے کہا کہ عمدہ اور بہترین کھجوریں گھر کے اندر رکھی ہیں' اندر آجاؤ' چنانچہ وہ عورت گھر کے اندر داخل ہوگئی تو انہوں نے اس کا بوسہ لے لیا' پھر آپ نادم وشرمندہ ہوگئے اور روتے ہوئے حضور سیّد عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ ذکر کیا تو یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا کہ کیا تم نے ہمارے ساتھ حاضر ہو کر نمازِ عصر ادا کی ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! حضور نے فرمایا: یہی نماز تمہارے گناہ کا کفارہ ہے' چنانچہ آپ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ اسی ایک شخص کے لیے خاص ہے؟ حضور نے فرمایا: بلکہ یہ تمام لوگوں کے لیے عام ہے[1]

۱۱۵- ﴿وَاصْبِرْ﴾ اور آپ کو جس کا حکم دیا گیا ہے اس کے بجالانے پر اور جس سے آپ کو منع کیا گیا ہے اس سے رکنے پر صبر کیجئے کیونکہ صبر اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتا ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ سو بے شک اللہ تعالیٰ نیکوں کا اجر وثواب ضائع نہیں کرتا۔ [اللہ تعالیٰ اپنے ارشاد ''فَاسْتَقِمْ'' سے لے کر ''وَاصْبِرْ'' تک ایسا کلام لایا ہے جو تمام اوامر و نواہی پر مشتمل ہے اور اس کے علاوہ نیکیوں کا فائدہ بھی بیان فرما دیا ہے]۔

۱۱۶- ﴿فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ [''لَوْلَا'' بہ معنیٰ ''هَلَّا'' ہے اور یہ ترغیب دینے اور کسی کام کے کرنے پر اکسانے اور راغب کرنے کے معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے اور یہ فعل کے ساتھ مخصوص ہے] (ترجمہ:) سو تم سے

[1] رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۳

پہلے ہلاک شدہ قوموں میں کیوں موجود نہیں رہے ﴿اُولُوْا بَقِيَّةٍ﴾ فضیلت و شرافت رکھنے والے نیک لوگ اور فضیلت و بزرگی رکھنے والے نیک لوگوں کو "بقیہ" سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ آدمی اپنی پیداوار اور اپنی کمائی میں سے اس چیز کو بچا کر باقی رکھتا ہے جو اس میں سے افضل و اعلیٰ اور بہترین و عمدہ ہو پس اس لیے یہ کلمہ فضیلت و بزرگی کے معنی کے لیے ضرب المثل بن گیا ہے [چنانچہ "فُلَانٌ مِنْ بَقِيَّةِ الْقَوْمِ" بولا جاتا ہے یعنی تمام قوم میں سے بہترین و معزز شخص اور اسی سے عرب کا یہ قول ہے: "اَلزَّوَايَا خَبَايَا وَفِي الرِّجَالِ بَقَايَا". خیموں میں عورتیں پردہ نشین ہوتی ہیں اور مردوں میں عمدہ و بہترین سردار ہوتے ہیں] ﴿يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ﴾ کہ وہ (لوگوں کو) فساد کرنے سے روکتے۔ اللہ تعالیٰ نے سرور کونین رسول الثقلین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو اور آپ کی امت کو تعجب دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں جن امتوں کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے ان تمام امتوں میں کوئی دین دار اور عقل مند جماعت نہیں تھی جو اپنی اپنی نافرمان قوموں کو کفر وشرک اور گناہوں سے منع کرتی ﴿اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ﴾ [یہ استثناء منقطع ہے] یعنی وہ بہت کم لوگ تھے جنہیں ہم نے گزشتہ ہلاک شدہ قوموں میں سے نجات بخشی تھی جو نافرمان و کافروں کو فساد پھیلانے سے روکتے تھے اور ان کے علاوہ باقی تمام لوگ نہی عن الفساد (فساد روکنے کے) تارک تھے [اور "مِمَّنْ اَنْجَيْنَا" میں حرف "مِنْ" بیان کے لیے ہے تبعیض کے لیے نہیں کیونکہ نجات صرف فساد سے روکنے والوں نے حاصل کی تھی جس کی دلیل یہ (درج ذیل) ارشاد ہے: "اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا". (الاعراف:۱۶۵) "ہم نے ان لوگوں کو نجات عطا فرما دی جو برائی سے روکتے تھے اور ہم نے ان لوگوں کو پکڑ لیا جنہوں نے ظلم و ستم ڈھایا تھا"۔] ﴿وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ یعنی برائی سے روکنے کے عمل کو ترک کرنے والوں نے ظالموں کا اتباع کیا۔ [اور یہ پوشیدہ ضمیر پر معطوف ہے] یعنی بہت کم لوگ تھے جن کو ہم نے ان میں سے نجات دی کیونکہ انہوں نے لوگوں کو فساد سے روکا اور ظالموں نے اپنی شہوات کی پیروی کی [پس یہ "نَهَوْا" پر معطوف ہے (جو "مِمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ" کے بعد پوشیدہ ہے)] ﴿مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ﴾ یعنی انہوں نے ان نعمتوں اور خواہشوں کی پیروی کی جن سے انہیں نوازا گیا کیونکہ وہ لوگ لیڈر اور وڈیرے بننے کی خواہش میں اور عیش و عشرت کے اسباب اپنانے کی طلب میں املاک و اموال کے حصول کے پیچھے لگ گئے اور خواہشاتِ نفسانی کے پجاری بن گئے اور انہوں نے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے عمل کو چھوڑ دیا اور انہوں نے اس تبلیغی مشن کو پسِ پشت ڈال دیا ﴿وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ اور وہ مجرم لوگ تھے۔ [یہ جملہ معترضہ ہے (اس میں ان کو ہلاک کرنے کا سبب بیان کیا گیا ہے)] اور ان پر یہ حکم لگایا ہے کہ بے شک یہ جرائم کا ارتکاب کرنے والی مجرم قوم تھی۔

۱۱۸- ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى﴾ اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ وہ بستیوں کو ہلاک کر دے۔ [اس میں لام نفی کی تاکید کے لیے ہے] ﴿بِظُلْمٍ﴾ ظلم کے ساتھ۔ [یہ فاعل سے حال ہے] یعنی یہ صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ بستیوں پر ظلم کر کے انہیں ہلاک کر دے ﴿وَّاَهْلُهَا﴾ اور ان میں رہنے والی قومیں ﴿مُصْلِحُوْنَ﴾ نیک و پارسا ہوں۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کا ظلم و ستم کے عیب سے مبراء و منزہ ہونا اور پاک ہونا بیان کیا گیا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ظلم سے مراد شرک ہے یعنی اللہ تعالیٰ بستیوں کو ان میں رہنے والوں کے محض شرک کے سبب ہلاک نہیں کرتا جب کہ وہ آپس کے باہمی معاملات میں نیک ہوں اور اپنے شرک میں دوسرے فسادات کو نہ ملاتے ہوں۔

۱۱۸- ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ اور اگر آپ کا رب تعالیٰ چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک امت بنا دیتا یعنی تمام انسان اپنے اختیار سے ایمان پر اور عبادات و اطاعت پر متفق و متحد ہو جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا اور

معتزلہ نے کہا ہے کہ یہ جبر کی مشیت ہے اور یہ امتحان و آزمائش کو اٹھا دیتی ہے' اس لیے یہ جائز نہیں ﴿ وَلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ ﴾ اور وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے کفر و ایمان میں یعنی لیکن اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ لوگ آپس میں اختلاف کرتے رہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم تھا کہ لوگ اپنے اختیار سے اختلاف کریں گے۔

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

ماسوا ان کے جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا' اور ان کو اس لیے پیدا فرمایا' اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہوگئی کہ میں ضرور جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا O اور ہم رسولوں کی تمام خبریں اس لیے آپ سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے ذریعے ہم آپ کے قلب مبارک کو مضبوط کر دیں' اور اس میں آپ کے پاس حق آ گیا اور مومنوں کے لیے نصیحت اور عبرت ہے O اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے آپ انہیں فرما دیں کہ تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو' بے شک ہم بھی اپنی جگہ پر عمل کر رہے ہیں O اور تم بھی انتظار کرو' بے شک ہم بھی انتظار کر رہے ہیں O

۱۱۹- ﴿ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ﴾ مگر جس پر آپ کے رب تعالیٰ نے رحم فرما دیا (یعنی) مگر جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اختلاف سے بچا لیا' سو وہی لوگ دینِ حق پر متفق و متحد رہیں گے' اس میں کبھی اختلاف نہیں کریں گے ﴿ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی کے لیے پیدا فرمایا یعنی ان لوگوں نے اختلاف وغیرہ میں سے جس پر چلنا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی کے لیے پیدا فرما دیا' پس ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا تھا کہ انسانوں میں سے کون سے لوگ اتفاق و اتحاد کو اختیار کریں گے اور کون سے لوگ اختلاف و افتراق کو اختیار کریں گے' چنانچہ جنہوں نے اتفاق کو اختیار کرنا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کو اتفاق کے لیے پیدا فرما دیا اور جنہوں نے اختلاف کو اختیار کرنا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کو اختلاف کے لیے پیدا فرما دیا اور اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا کہ جنہوں نے اتفاق و اتحاد اختیار کرنا تھا ان کو اختلاف کے لیے پیدا کر دیا ہو اور جنہوں نے اختلاف و افتراق کو اختیار کرنا تھا ان کو اتفاق و اتحاد کے لیے پیدا کر دیا ہو۔ ''شرح التاویلات'' میں اسی طرح مذکور ہے ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ ﴾ اور آپ کے رب تعالیٰ کا فرمان پورا ہوا اور یہ وہی فرمان ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا تھا کہ ﴿ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴾ میں تمام نافرمان جنوں اور انسانوں سے دوزخ کو ضرور بھر دوں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اکثر جن و انس باطل کو اختیار کریں گے۔

۱۲۰- ﴿ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ﴾ اور ہم رسولوں کی تمام خبریں آپ پر بیان کر دیتے ہیں جن کے ساتھ ہم آپ کے قلب مبارک کو مضبوط و مستحکم کر دیتے ہیں۔ [''كُلًّا'' کے لام پر تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے' گویا فرمایا گیا ہے: ''وَ كُلَّ نَبَاٍ'' اور یہ ''نَقُصُّ عَلَیْكَ'' کا مفعول بہ ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور ''مِنْ''

اَنۡبَآءِ الرُّسُلِ'' میں حرف ''مِنْ'' بیانیہ ہے کیونکہ یہ ''کُلًّا'' کا بیان ہے اور ''مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ'' یہ جملہ ''کُلًّا'' سے بدل ہے] ﴿وَجَآءَكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ﴾ اور اس سورت میں یا ان قصوں میں جو آپ پر بیان کیے گئے ہیں آپ کے پاس حق آ گیا ہے ﴿وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور مؤمنوں کے لیے بہت بڑی نصیحت اور عبرت و یاددہانی ہے اور حضور کے قلب اطہر کے مضبوط کرنے کا معنی یہ ہے کہ آپ کے یقین میں اضافہ کیا جائے کیونکہ دلائل کی کثرت دل کو زیادہ مضبوط و مستحکم بنا دیتی ہے۔

١٢١- ﴿وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ اور اے محبوب! اہل مکہ وغیرہم میں سے جو لوگ ایمان نہیں لاتے آپ ان سے فرما دیجئے کہ ﴿اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ﴾ تم اپنے حال پر اور اپنے طریقے پر عمل کرو جس پر تم قائم ہو (یعنی اگر تم ایمان نہیں لاتے تو نہ لاؤ) ﴿اِنَّا عٰمِلُوْنَ﴾ بے شک ہم اپنے حال اور طریقے پر عمل کرنے والے ہیں۔

١٢٢- ﴿وَانْتَظِرُوْا﴾ اور تم ہم پر مصائب و آلام اور گردشِ زمانہ کا انتظار کرو ﴿اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہارے جیسے نافرمانوں اور کافروں پر عذاب نازل کرنے کا جو وعدہ کیا ہے بلاشبہ ہم تم پر اسی طرح کے عذاب کے نزول کا انتظار کر رہے ہیں۔

وَلِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَیْهِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝١٢٣ ع

اور اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کے غیب اور اسی طرف تمام اُمور لوٹائے جاتے ہیں' سو آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر بھروسا رکھئے' اور آپ کا رب تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے ○

١٢٣- ﴿وَلِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے تمام آسمانوں اور زمینوں کا غیب کیونکہ ان دونوں میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں ہے' سو اس لیے تمہارے اعمال بھی اس سے مخفی و پوشیدہ نہیں ہیں ﴿وَاِلَیْهِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ﴾ اور تمام اُمور و معاملات اسی ذاتِ اقدس کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو لازمی طور پر آپ کے معاملات اور ان کے معاملات بھی اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے' پھر وہ آپ کے لیے ان سے انتقام لے گا۔[''یُرْجَعُ'' (یا مضموم' را ساکن' جیم مفتوح کے ساتھ) امام حفص اور نافع مدنی کی قراءت ہے] ﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ﴾ سو آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی کی ذاتِ اقدس پر بھروسا رکھئے کیونکہ یقیناً وہی آپ کو کافی ہے اور وہی آپ کا کفیل و ضامن ہے ﴿وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور آپ کا رب تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے' یعنی آپ اور یہ لوگ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوتے ہیں اور وہ تم سب پر غالب ہے (لہٰذا کسی کا کوئی عمل اس سے مخفی نہیں) [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ (''تَعْمَلُوْنَ'' ہے ''یَعْمَلُوْنَ'' نہیں) ہے] بعض مفسرین نے فرمایا کہ تورات شریف کا اختتام اس سورت ھود کے اختتام کی طرح اسی آیت مبارکہ پر ہوا اور حدیث شریف میں ہے: ''مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّكُوْنَ اَقْوَى النَّاسِ فَلْیَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى'' جو شخص چاہتا ہے کہ تمام لوگوں سے زیادہ بہادر و طاقت ور ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ پر ضرور بھروسا کر لے[1]

[1] رواہ الحاکم فی المستدرک ج ۴ ص ۲۷۰' الدیلمی فی الفردوس رقم الحدیث: ۵۸۶۸

سورۃ یوسف مکیۃ ۱۲ — رکوعاتہا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سورۂ یوسف مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی ایک سو گیارہ آیات بارہ رکوع ہیں

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ﴿۱﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖۗ وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ﴿۳﴾ اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ﴿۴﴾ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۵﴾

الرٰ' یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں○ بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو○ ہم آپ سے بہترین قصہ بیان کرتے ہیں اس لیے کہ ہم نے آپ کی طرف اس قرآن کو وحی کے ذریعے نازل کیا ہے' اور بے شک آپ اس سے پہلے ناواقف لوگوں میں سے تھے○ جب یوسف نے اپنے والد سے کہا کہ اے میرے باپ! بے شک میں نے گیارہ ستاروں اور ایک سورج اور ایک چاند کو دیکھا ہے میں نے ان کو دیکھا کہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں○ اس نے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے ساتھ کوئی زبردست فریب کریں گے' بے شک شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے○

قرآن مجید کے عربی میں نازل ہونے کی حکمت اور حضرت یوسف کے خواب کی تعبیر کا بیان

ابن عامر شامی کے نزدیک سورت یوسف کی آیات ایک سو گیارہ ہیں جب کہ ابن کثیر مکی کے نزدیک ایک سو بارہ ہیں۔

۱- ﴿الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ﴾ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ [''تِلْكَ'' سے اس سورت کی آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور ''کتاب مبین'' سے اس سورت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یعنی یہ آیات وہ ہیں جو اس سورت میں آپ کی طرف نازل کی گئی ہیں' اس سورت کی آیتیں ایسی واضح ہیں کہ عرب میں معجزہ ہونے میں ان کا معاملہ بالکل ظاہر ہے یا یہ وہ آیات ہیں کہ جو شخص ان میں غور و فکر کرے گا اس پر ظاہر ہو جائے گا کہ بے شک یہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہیں کسی انسان کی طرف سے نہیں بنائی گئیں یا یہ کہ یہ آیات ایسی واضح ہیں کہ عرب پر اس کے معانی مشتبہ اور مخفی نہیں رہ سکتے کیونکہ یہ قرآن مجید ان کی اپنی زبان عربی میں نازل ہوا ہے یا کہ یہودیوں نے حضور سید عالم ﷺ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے متعلق جو سوال کیا تھا' اس کے جواب میں اس قصہ کو اس سورت میں کھول کر واضح کر دیا گیا ہے]

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہودیوں کے علماء نے مشرکینِ مکہ سے کہا تھا کہ تم (حضرت سرورِ کونین رسول الثقلین جناب) محمد (مصطفیٰ ﷺ) سے سوال کرو کہ آل یعقوب ملک شام سے ملک مصر کی طرف کیوں منتقل ہوئے تھے؟ اور تم ان سے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے بارے میں دریافت کرو جس پر سورۂ یوسف نازل ہوئی۔

۲- ﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا﴾ بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے یعنی ہم نے اس کتاب کو جس میں

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے' نازل کیا ہے درآں حالیکہ یہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے اور قرآن مجید کے بعض حصہ (سورۂ یوسف) کو قرآن مجید کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ اسم جنس ہے جو کل قرآن مجید پر بھی اور اس کے بعض حصہ پر بھی بولا جاتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ تاکہ تم اس کو سمجھو (اور) تاکہ تم اس کے معانی و مطالب کو سمجھ سکو جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْ لَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ'' (حٰمٓ السجدہ:۴۴)''اور اگر ہم اس کو عجمی زبان کا قرآن بنا دیتے تو کفار ضرور کہتے کہ اس کی آیات کو کھول کر وضاحت سے کیوں نہیں بیان کیا گیا' کیا یہ کتاب عجمی قرآن ہے اور نبی عربی ہے''۔

۳۔﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾ ہم آپ پر سب سے بہترین قصہ بیان کرتے ہیں (یعنی) ہم سب سے اچھا بیان آپ کے لیے بیان کرتے ہیں [اور ''قَاصٌّ'' اس کو کہا جاتا ہے جو قصہ کو اس کی اصل حقیقت کے مطابق بیان کرے' یہی علامہ زجاج سے منقول ہے اور بعض نے کہا کہ ''اَلْقَصَص'' مصدر ہے اور ''اقتصاص'' کے معنی میں ہے (یعنی روایت کرنا) جیسے کہتے ہو: ''قَصَّ الْحَدِيْثَ'' کہ فلاں آدمی نے حدیث کو روایت کیا'' ''يَقُصُّهٗ قَصَصًا'' وہ اس کو اچھی طرح روایت کرے گا اور یہ ''فِعْلًا'' بہ معنی مفعول ہے' جیسے ''نَفْض'' بہ معنی ''منفوض'' ہے اور ''حَسْب'' بہ معنی ''محسوب'' ہے' پس پہلی صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم آپ سے بہترین واقعہ اور سب سے اچھی روایت بیان کرتے ہیں] ﴿بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ﴾ اس لیے کہ ہم نے یہ قرآن مجید آپ کی طرف بذریعہ وحی نازل کیا ہے یعنی یہ سورت (یوسف) ہمارے وحی کرنے کے سبب نازل ہوئی ہے [اور اس بناء پر (کہ ''مَا'' مصدر یہ ہے اور ''اَوْحَيْنَا'' مصدری معنیٰ ''بِاِيْحَائِنَا'' کے ہے) ''اَحْسَنَ'' منصوب ہے جیسے مصدر فعل کے بعد منصوب ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی مصدر (اَلْقَصَص) کی طرف مضاف ہے اور ''مقصوص'' (یعنی جو قصہ بیان کیا گیا ہے) محذوف ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ''بِمَا اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ'' اس سے بے نیاز کر دیتا ہے] اور بہترین قصہ ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو انوکھے اور نرالے انداز میں اور عجیب و غریب طریقے پر بیان کیا ہے' چنانچہ تم پہلی کتابوں میں اس قصہ کا بیان اس طرح نہیں دیکھو گے' جس طرح اس کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے اور اگر ''القصص'' سے ''مقصوص'' مراد ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ جو باتیں اور قصے بیان کیے جاتے ہیں' ان میں سے سب سے اچھا قصہ ہم آپ پر بیان کرتے ہیں اور یہ قصہ سب سے اچھا اس لیے ہے کہ بہت سی عبرتوں اور حکمتوں اور ایسے عجیب و غریب نادر نکات و مسائل پر مشتمل ہے' جو اس طرح قرآن مجید کے علاوہ پہلی کتابوں میں بھی موجود نہیں ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ قصہ صرف اس باب میں سب سے بہترین قصہ ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''فُلَانٌ اَعْلَمُ النَّاسِ'' کہ فلاں آدمی تمام لوگوں میں بڑا عالم ہے یعنی اپنے فن میں بڑا عالم ہے [اور ''القصص''. ''قَصَّ اَثَرَهٗ'' سے مشتق ہے] جب کوئی شخص کسی آدمی کے پیچھے چلتا ہو تو اس وقت یہی بولا جاتا ہے اس لیے کہ جو شخص کوئی بات یا واقعہ بیان کرتا ہے اس کو جو کچھ یاد ہوتا ہے اس کو ترتیب دیتے ہوئے تھوڑا تھوڑا کر کے ایک دوسرے کے پیچھے الفاظ دہراتا ہوا زبان سے دل کی بات بیان کرتا رہتا ہے ﴿وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ اور بے شک آپ اس (وحی) سے پہلے البتہ اس قصہ کے متعلق ناواقف لوگوں میں سے تھے۔[''مِنْ قَبْلِهٖ'' کی ضمیر ''مَا اَوْحَيْنَا'' کی طرف لوٹتی ہے اور ''اِنْ'' کو ثقیلہ (اِنَّ) سے خفیفہ (نون مشدد کی بجائے نون ساکن) کر دیا گیا ہے اور لام ''اِنْ'' خفیفہ اور ''اِنْ'' نافیہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے لایا گیا ہے] یعنی بے شک شان یہ ہے اور بات یہ ہے کہ آپ کی طرف وحی بھیجنے سے پہلے آپ اس واقعہ کے بارے میں ناواقف لوگوں میں سے تھے۔

٤- ﴿اِذْ قَالَ﴾ [یہ ''اَحْسَنَ الْقَصَصِ'' سے بدل الاشتمال ہے کیونکہ وقت قصص پر مشتمل ہے یا تقدیر عبارت یوں ہے: ''اُذْكُرْ اِذْ قَالَ''] ﴿يُوْسُفُ﴾ اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب (حضرت) یوسف نے عرض کیا [یوسف عبرانی زبان کا لفظ ہے' عربی زبان کا نہیں ہے کیونکہ اگر یہ عربی ہوتا تو منصرف ہوتا' اس لیے کہ اس صورت میں یہ معرفہ ہونے کے علاوہ دوسرے سبب سے خالی ہے] [1] ﴿لِاَبِيْهِ﴾ اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے ﴿يٰۤاَبَتِ﴾ اے میرے ابو جان! [ابن عامر شامی کی قراءت ''يَا اَبَتَ'' ہے (تا مفتوح ہے) اور یہ تا تانیث کی ہے' جو یائے اضافت کے عوض میں لائی گئی ہے کیونکہ ان دونوں میں باہمی مناسبت ہے' اس لیے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اسم کے آخر میں زائد ہوتی ہے' یہی وجہ ہے کہ تائے تانیث وقف کی حالت میں ''هَا'' سے تبدیل ہو جاتی ہے اور مذکر کے آخر میں بھی تائے تانیث ملانا جائز ہے' جیسے ''رَجُلٌ رَبْعَةٌ'' (نیز طلحة) اور تا کے نیچے کسرہ تو اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ یائے محذوفہ پر دلیل بن جائے اور (ابن عامر شامی کی قراءت میں) تا پر فتحہ اس لیے دیا گیا ہے کہ ''يَا اَبَتَا'' سے الف حذف کیا گیا ہے اور الف سے پہلے ''تا'' پر فتح باقی رکھا گیا ہے (تاکہ الف کے محذوف ہونے پر دلیل بن جائے) جیسا کہ ''يَـا غُـلَامِ'' میں آخری یا کو حذف کر دیا گیا ہے (کیونکہ یہ اصل میں ''يَا غُلَامِيْ'' تھا)] ﴿اِنِّيْ رَاَيْتُ﴾ بے شک میں نے خواب میں دیکھا۔ [یہ ''رُؤْيَا'' (خواب میں دیکھنا) سے ماخوذ ہے' ''رُؤْيَةٌ'' (آنکھ سے دیکھنا) سے ماخوذ نہیں ہے] ﴿اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا﴾ گیارہ ستاروں کو۔ نبی کریم ﷺ کے بیان کے مطابق ان کے نام یہ ہیں: (۱) جریان (۲) ذیال (۳) طارق (۴) قابس (۵) عمودان (٦) فلیق (۷) مصبح (۸) ضروح (۹) فرغ (۱۰) وثاب (۱۱) ذوالکتفین ﴿وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ اور سورج کو اور چاند کو۔ ان دونوں سے حضرت یوسف کے ماں' باپ مراد ہیں اور ستاروں سے آپ کے بھائی مراد ہیں [اور بعض حضرات نے کہا کہ واو بہ معنی ''مَعَ'' ہے یعنی میں نے خواب میں ستاروں کو سورج اور چاند کے ساتھ دیکھا ہے] ﴿رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ﴾ میں نے خواب میں ان کو دیکھا کہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں [اور اس ارشاد میں سورج' چاند اور ستاروں کو عقلاء کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان کو ایسے وصف کے ساتھ متصف کیا گیا ہے' جو عقلاء کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ سجدہ کرنا ہے اور نیز خواب کو دوبارہ دُہرایا گیا ہے' اس لیے کہ پہلے فعل کا تعلق ان کی ذات کے ساتھ ہے اور دوسرے فعل کا تعلق ان کے حال کے ساتھ ہے یا پھر دوسرا فعل الگ مستقل کلام ہے' جو مقدر سوال کا جواب ہے] گویا حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سے پوچھا کہ تم نے سورج' چاند اور ستاروں کو خواب میں کس حالت میں دیکھا؟ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں نے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں یعنی عاجزی کے ساتھ میرے سامنے جھکے ہوئے ہیں [اور یہ ''سَاجِدِيْنَ'' حال واقع ہو رہا ہے] اور خواب دیکھنے کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر مبارک بارہ سال تھی اور حضرت یوسف کے خواب کے درمیان اور مصر میں آپ کے پاس آپ کے بھائیوں کی آمد کے درمیان چالیس (۴۰) سال یا اسّی (۸۰) سال کا عرصہ گزر گیا تھا۔

٥- ﴿قَالَ يٰبُنَيَّ﴾ [امام حفص کی قراءت میں ''بُنَيَّ'' (یا مفتوح کے ساتھ) ہے] حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! ﴿لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ﴾ آپ اپنا خواب اپنے بھائیوں سے ہرگز بیان نہ کرنا۔ [یہ ''رُؤْيَـا'' بہ معنی ''رُؤْيَـةٌ'' کے ہے' مگر یہ حالتِ بیداری میں دیکھنے کے بجائے خواب میں دیکھنے کے ساتھ مخصوص ہے اور ان دونوں کے درمیان تانیث کے حرفوں (الف مقصورہ اور تائے تانیث) کے ساتھ فرق کیا گیا ہے' جیسا کہ ''قُرْبَةٌ''

---

[1] جب کہ عبرانی ہونے کی صورت میں ''يُوْسُفُ'' غیر منصرف ہے کیونکہ ایک سبب اس کا عجمی ہونا ہے اور دوسرا سبب اس کا معرفہ ہونا ہے۔

اور ''قُرْبٰی'' میں ہے] ﴿ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ﴾ پس وہ تمہارے خلاف زبردست سازش کریں گے' یہ نہی کا جواب ہے یعنی اگر تم نے اپنے خواب کا واقعہ ان کے سامنے بیان کر دیا تو وہ تمہارے ساتھ کوئی گہری سازش کریں گے۔ دراصل حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب سن کر یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت کے لیے منتخب کرے گا اور انہیں دین و دنیا کی شرافتیں اور عزتیں عطا فرمائے گا' اس لیے حضرت یعقوب کو ان کے بارے میں بھائیوں کے حسد کا اندیشہ اور خوف لاحق ہوا [اور باقی رہا یہ کہ حضرت یعقوب نے ''فَيَكِيدُوكَ'' نہیں فرمایا' جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ ''فَكِيدُونِي''. (ہود:۵۵) تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسے فعل کے معنی کو متضمن ہے جو لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے تاکہ یہ کید و مکر کے معنی کے افادہ کے ساتھ جس فعل کو متضمن ہے اس فعل کے معنی کا بھی افادہ کرلے کیونکہ اس طرح یہ خوف دلانے میں زیادہ مؤکد و بلیغ ہو جائے گا اور یہ ''فَيَحْتَالُوا لَكَ'' کی طرح ہو جائے گا' جس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ تمہارے خلاف گہری سازش کریں گے' کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اس فعل کو مصدر کے ساتھ مؤکد کیا گیا ہے اور وہ مصدر ''كَيْدًا'' ہے] ﴿ إِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴾ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے' جس کی عداوت بالکل ظاہر ہے کیونکہ یہ شیطان لوگوں کو حسد و بغض اور مکر و فریب کرنے پر ابھارتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوبَ كَمَآ أَتَمَّهَا عَلٰٓى أَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْحٰقَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦﴾ ع لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِينَ ﴿٧﴾ إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلٰٓى أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۚ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٨﴾

ع ۱۱

اسی طرح تمہارا رب تمہیں منتخب فرمائے گا اور وہ تمہیں خوابوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا اور وہ تم پر اور یعقوب کی آل پر اپنی نعمت پوری کرے گا جس طرح اس نے اس سے پہلے تمہارے پردادا ابراہیم اور دادا اسحاق پر اپنی نعمت کو پورا کیا تھا' بے شک آپ کا رب خوب جاننے والا' بہت حکمت والا ہے O بے شک یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں سوال کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں O جب بھائیوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارا ہے حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں' بے شک ہمارے باپ ان کی محبت میں کھلم کھلا گم ہو چکے ہیں O

٦- ﴿ وَكَذٰلِكَ ﴾ اور اس اعزاز و برگزیدگی کی طرح جس پر تمہارا خواب دلالت کرتا ہے ﴿ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ ﴾ تمہارا پروردگار تمہیں (نبوت کے لیے) چن لے گا اور تمہیں اپنا برگزیدہ بنا لے گا [اور ''اجتباء'' کا معنی ''اصطفاء'' یعنی چن لینا' منتخب کرنا اور برگزیدہ بنا لینا ہے' یہ باب افتعال ہے۔ یہ ''جَبَيْتُ الشَّيْئَ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم کسی چیز کو اپنے لیے حاصل کرلو اور ''جَبَيْتُ الْمَآءَ فِي الْحَوْضِ'' کا معنی ہے کہ میں نے (اونٹوں کے لیے) پانی کو حوض میں جمع کرلیا ہے] ﴿ وَيُعَلِّمُكَ ﴾ [یہ جملہ مستأنفہ ہے (یعنی یہ الگ مستقل جملہ ہے) اور یہ تشبیہ کے حکم میں داخل نہیں ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ ''وَهُوَ يُعَلِّمُكَ'' اور وہ تمہیں تعلیم دے گا ﴿ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ﴾ باتوں کے انجام کی یعنی وہ تمہیں خوابوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا اور ''تاویل'' کا معنی ہے: تعبیر بیان کرنا اور تفسیر و تشریح کرنا اور حضرت یوسف علیہ السلام تمام لوگوں

میں سب سے زیادہ خوابوں کی تعبیروں کو جانتے تھے یا یہ کہ حضرت یوسف انبیائے کرام کے ارشادات اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتب کی تشریح وتعبیر اور ان کی تفسیر خوب جانتے تھے [اور ''اَحَادِیْث'' کا لفظ ''حدیث'' کا اسم جمع ہے اور ''اُحْدُوْثَۃ'' کی جمع نہیں ہے] ﴿ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تم پر اور اولادِ یعقوب پر اپنی نعمت مکمل اور پوری کرے گا اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ انہیں آخرت کی نعمت کے ساتھ دنیا کی نعمت بھی عطا فرمائے گا یعنی دنیا میں ان کو نبی اور بادشاہ بنائے گا اور انہیں دنیا سے منتقل کر کے جنت میں بلند درجوں پر فائز فرمائے گا اور ''ال'' سے ''اھل'' یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور نسل وغیرہ مراد ہے [اور ''ال'' کی اصل بھی ''اَھْل'' ہے کیونکہ اس کی تصغیر ''اُھَیْل'' ہے یہ ''ال'' کا لفظ صرف انہیں حضرات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو دینی یا دنیاوی عزت و بزرگی کے حامل ہوتے ہیں' جیسے ''اٰلُ النَّبِی'' (پیغمبر کی اولاد ونسل) اور ''اٰلُ الْمَلِكِ'' (بادشاہ کی اولاد ونسل) اور ''اٰلُ الْحَجَامِ'' نہیں کہا جاتا (یعنی نائی کی اولاد ونسل) لیکن ''اَھْلُ الْحَجَامِ'' کہا جاتا ہے] اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے ستاروں کی روشنی سے استدلال کر کے یہ جان لیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نبی ہوں گے اور ان کے بھائی بھی نبی بنیں گے' اس لیے تو آپ نے ''وَعَلٰی اٰلِ یَعْقُوْبَ'' فرمایا ﴿ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ ﴾ جیسا کہ اس نے اس سے پہلے تمہارے اجداد پر اپنی نعمت مکمل کی تھی اور اس سے دادا (حضرت اسحاق علیہ السلام) اور دادے کا باپ (یعنی پردادا' حضرت ابراہیم علیہ السلام) مراد ہیں ﴿ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ﴾ حضرت ابراہیم وحضرت اسحاق علیہما السلام۔ [یہ ''لِاَبَوَیْكَ'' کے لیے عطف بیان ہے] ﴿ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ ﴾ بے شک آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ اس کے انتخاب کا حق دار کون ہے ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ وہ بڑا دانا اور صاحبِ حکمت ہے' تمام اشیاء کو ان کے اصل اور مناسب وموزوں مقامات پر رکھتا ہے۔

قصۂ یوسف میں دلائلِ قدرت' برادرانِ یوسف کا آپ کو اپنے باپ سے منصوبہ کے تحت لے جا کر کنویں میں پھینکنے اور قافلے کا کنویں سے نکال کر مصر لے جانے کا بیان

۷- ﴿ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ ﴾ بے شک حضرت یوسف اور اس کے بھائیوں کے بارے میں یعنی ان کے قصے میں اور ان کے واقعہ میں ﴿ اٰيٰتٌ ﴾ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بہت سی دلیلیں اور نشانیاں پائی جاتی ہیں اور ہر چیز میں اس کی حکمت ودانائی عیاں ہے۔ [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''اٰیَۃٌ'' ہے] ﴿ لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴾ سوال کرنے والوں کے لیے (یعنی) ہر اس شخص کے لیے جو ان کے قصے کے بارے میں سوال کرتا اور اس کو معلوم کرنا چاہتا ہو یا (سیّد عالم فخر آدم و بنی آدم رحمت دو عالم حضرت) محمد مصطفےٰ ﷺ کی نبوت ورسالت پر ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں اور دلیلیں موجود ہیں' یہودیوں میں سے جنہوں نے اس قصے کے متعلق آپ سے سوال کیا تھا حضور نے بغیر کسی کتاب میں پڑھے اور بغیر کسی شخص سے سنے ہوئے پورا قصہ ٹھیک ٹھیک بیان فرما دیا اور آپ سے سوال کرنے والوں کے نام یہ ہیں: یہودا' روبین' شمعون' لاوی' زبولون' یشجر اور ان کی ماں کا نام لیا بنت لیان ہے' دان' نفتالی اور جاد' آشر گھر کی دو لونڈیوں زلفہ اور بلہ سے پیدا ہوئے تھے' پھر جب لیا فوت ہو گئیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی چھوٹی بہن راحیل سے شادی کر لی' جن سے دو صاحبزادے بنیامین اور حضرت یوسف علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔

۸- ﴿ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا ﴾ جب بھائیوں نے کہا کہ البتہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں [''لَیُوْسُفُ'' میں لام ابتداء کا ہے اور اس میں تاکید کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ مضمونِ جملہ کی تحقیق وتاکید کرنے کے لیے آتا ہے] اور برادرانِ یوسف کا مقصد یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے دونوں

صاحبزادوں حضرت یوسف اور بنیامین سے سب سے زیادہ محبت و پیار کرنا یقینی امر ہے' یہ ایک ایسی تحقیقی بات ہے جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے اور باقی رہا یہ کہ بھائیوں نے ''وَاَخُوْهُ'' کہا' حالانکہ وہ خود بھی حضرت یوسف کے بھائی تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت یوسف اور بنیامین دونوں کی ماں ایک تھی [اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ ''اَحَبُّ'' واحد ہے جب کہ محبوب ترین حضرت یوسف اور ان کے بھائی بنیامین تثنیہ یعنی دو ہیں' تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسم تفضیل ''اَفْعَلْ'' جب حرف ''مِنْ'' کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو اس میں واحد وتثنیہ اور مذکر و مؤنث کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جاتا' البتہ جب یہ لام تعریف کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو پھر فرق کرنا واجب و لازم ہو جاتا ہے اور جب یہ مضاف استعمال کیا جاتا ہے تو دونوں امر جائز ہوتے ہیں] ﴿وَنَحْنُ عُصْبَةٌ﴾ حالانکہ ہم پوری جماعت ہیں یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام محبت و پیار میں ان دونوں کو ہم پر ترجیح دیتے ہیں اور ان دونوں سے زیادہ پیار کرتے ہیں حالانکہ یہ دونوں چھوٹے بچے ہیں اور کاروبارِ زندگی میں ہاتھ بٹانے کے قابل نہیں ہیں' جب کہ ہم دس جوان مرد ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی رفاقت میں ان کے دکھ درد دور کرنے اور کاروبارِ زندگی چلانے کے لیے اور معاملات کے لیے ہم کافی ہیں' لہٰذا ہم دس بھائی ان دونوں سے زیادہ محبت و پیار اور شفقت و مہربانی کے حق دار ہیں کیونکہ ہم کثرتِ تعداد اور فوائد و منافع کے اعتبار سے ان دونوں پر فضیلت و ترجیح رکھتے ہیں ﴿اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِ ﴾ بے شک ہمارے باپ ان کی محبت میں اتنے زیادہ اور واضح گم ہو چکے ہیں کہ ہمیں کم توجہ دے کر دنیا کے معاملات کی تدبیر و منصوبہ بندی میں کوتاہی کر گئے اور اگر یہ لوگ اپنے باپ کو دین کے معاملات میں ضلالت و کوتاہی کا مرتکب قرار دیتے تو کافر ہو جاتے اور ''عُصْبَةٌ'' دس یا دس سے زیادہ افراد کو کہا جاتا ہے۔

اقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ ⑨ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ⑩ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰی یُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ⑪ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑫ قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ⑬

یوسف کو قتل کر دو یا اس کو کہیں دور زمین میں پھینک دو تمہارے باپ کی توجہ تمہاری طرف ہو جائے گی اور اس کے بعد تم نیک قوم بن جانا O ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: تم یوسف کو قتل نہ کرو اور اُس کو کنویں کی گہرائی میں ڈال دو کہ اس کو کوئی مسافر قافلہ لے جائے گا اگر تم کچھ کرنے ہی والے ہو O انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے اور بے شک ہم اس کے خیر خواہ ہیں O آپ اسے کل صبح ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ وہ پھل وغیرہ کھائے اور کھیلے کودے اور بے شک ہم اس کی حفاظت کریں گے O فرمایا: تمہارا اس کو لے جانا یقیناً مجھے غم میں ڈال دے گا اور مجھے اس بات کا بھی خوف ہے کہ اس کو بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے بے خبر ہو جاؤ O

۹-﴿اِقْتُلُوْا یُوْسُفَ﴾ برادرانِ یوسف نے اپنے قول ''اِذْ قَالُوْا'' کے بعد جو کچھ بیان کیا' اس میں سے ایک یہ

بات بھی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کر دو' گویا انہوں نے آپ کو قتل کرنے پر اتفاق کر لیا تھا مگر ان میں سے ایک بھائی نے کہا: ﴿ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ ﴾ حضرت یوسف کو قتل نہ کرو اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کا حکم دینے والا شمعون تھا اور باقی بھائی اس پر راضی تھے اس لیے سب کو قتل کا حکم دینے والا قرار دیا گیا ﴿ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا ﴾ یا ان کو کسی ایسی اجنبی اور نامعلوم جگہ پر پھینک دو جو آبادی سے بہت دور ہو [اور "اَرْضًا" کو نکرہ اور مبہم لانے کا یہ معنی ہے کہ وہ سرزمین ہر قسم کے وصف سے خالی ہو اور غیر معروف اور اوپری جگہ ہو' اسی ابہام کی وجہ سے اس کو ظروفِ مبہمہ کی طرح نصب دی گئی] ﴿ يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ ﴾ تمہارے باپ کا چہرہ تمہاری طرف متوجہ رہے گا (یعنی) وہ بالکل خالص تمہاری طرف متوجہ رہیں گے اور تمہارے علاوہ کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے اور مراد یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت صرف برادرانِ یوسف کے ساتھ مخصوص ہو جائے گی جس میں ان کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوگا [اور "وَجْهُ" (چہرہ) کے ذکر کرنے کا معنی یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام پوری طرح ان کی طرف متوجہ رہیں گے کیونکہ جب کوئی آدمی کسی چیز پر متوجہ ہوتا ہے تو وہ اپنے چہرے کے ساتھ اس کی طرف توجہ کر لیتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ "وَجْهُ" سے ذات مراد ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ" (الرحمٰن: ۲۷) "اور صرف آپ کے رب تعالیٰ کی ذات بابرکات باقی رہ جائے گی"۔] ﴿ وَتَكُوْنُوْا ﴾ [مجزوم ہے کیونکہ یہ "يَخْلُ لَكُمْ" پر معطوف ہے] اور تم ہو جاؤ ﴿ مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ اس کے بعد یعنی قتل کے ذریعے اس کا بدلا لینے یا جلاوطن کرنے کے بعد یا اس کو قتل کرنے یا بہت دور علاقۂ غیر میں پھینکنے کے بعد (تم نیک قوم بن جانا) [بہرحال ضمیر "اُقْتُلُوْا" کے یا "اِطْرَحُوْا" کے مصدر کی طرف لوٹتی ہے] ﴿ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ﴾ نیک قوم بن جانا کہ (حضرت) یوسف پر ظلم و ستم ڈھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں توبہ کر لینا تاکہ تمہارے باپ کے نزدیک تمہارا حال نیک اور صحیح ہو جائے۔

۱۰- ﴿ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ ﴾ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا اور وہ یہودا تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں اسی شخص کی رائے ان سب سے بہتر تھی ﴿ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ ﴾ تم یوسف کو قتل نہ کرو کیونکہ قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے ﴿ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ﴾ اور تم اس کو کنویں کی گہرائی میں ڈال دو اور وہ اس جگہ میں دیکھنے والے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ اور اوجھل رہیں گے۔ [قاری نافع مدنی کی قراءت میں اس آیت مبارکہ میں اور اسی طرح اس کے بعد آیت مبارکہ (۱۵) میں "غَيَابَات" ہے] ﴿ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ ﴾ بعض راہ چلتے مسافر اقوام کے لوگ انہیں اٹھا لے جائیں گے ﴿ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴾ اگر تم نے اس کے ساتھ کچھ کرنا ہے۔

۱۱- ﴿ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴾ انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! آپ کو کیا ہوا کہ آپ (حضرت) یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں یعنی آپ حضرت یوسف کے بارے میں ہم سے خوف زدہ کیوں ہیں حالانکہ ہم اس سے بھلائی کرنا چاہتے ہیں اور ہم اس پر شفقت کریں گے اور انہوں نے یہ ارادہ اس وقت ظاہر کیا' جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ مکر و فریب کرنے کا پختہ عزم کر لیا تھا اور وہ خیر خواہی کا ارادہ ظاہر کر کے اپنے باپ حضرت یعقوب کو ان کی اپنی رائے سے ہٹانا چاہتے تھے اور انہیں اپنے بیٹے حضرت یوسف کو ان لوگوں سے محفوظ رکھنے کی جو عادت بن چکی تھی' اس عادت سے انہیں ہٹانا چاہتے تھے اور اس آیت مبارکہ میں اس بات پر دلیل پائی جاتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی طرف سے کوئی ایسا خطرہ محسوس کر لیا تھا جس کی وجہ سے ان پر واجب و لازم ہو گیا کہ وہ حضرت یوسف کے متعلق ان کے بھائیوں پر اعتماد اور بھروسا بالکل نہ کریں۔

۱۲- ﴿ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ ﴾ آپ اس کو کل صبح ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ وہ کھائے پئے (یعنی) ہم پھل فروٹ وغیرہ کھانے میں تفریح منائیں گے [''رَتْعٌ'' کا معنی خوشحالی اور آسودگی ہے] ﴿ وَیَلْعَبْ ﴾ اور کھیلے کودے (یعنی) ہم مباح کھیلوں کے ذریعے غم غلط کریں گے' جیسے شکار کرنا اور تیراندازی کرنا اور دوڑ لگانا [قاری نافع مدنی اور اہل کوفہ قراء کی قراءت میں دونوں فعلوں کے شروع میں ''یا'' ہے یعنی ''یَرْتَعْ وَیَلْعَبْ'' ہیں جب کہ ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں دونوں فعلوں کے شروع میں ''یَا'' کی بجائے نون (نَرْتَعْ وَنَلْعَبْ) ہے اور اہل حجاز کے نزدیک ''یَرْتَعِ'' عین ساکن کی بجائے مکسور (عین کے نیچے زیر) ہے کہ یہ ''اِرْتَعٰی یَرْتَعِیْ'' باب افتعال سے ہے اور ''رَعْیٌ'' سے مشتق ہے] ﴿ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ اور بے شک ہر قسم کے دکھ درد اور تکلیف پہنچنے پر ہم ان کی حفاظت کریں گے۔

۱۳- ﴿ قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ ﴾ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک مجھے غم و رنج میں ڈال دے گا یہ کہ تم اُسے لے جاؤ یعنی تمہارا انہیں لے جانا مجھے غمگین کر دے گا [اور ''لَیَحْزُنُنِیْ'' میں لام ابتداء کا ہے] ﴿ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴾ اور مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اُسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے بے خبر ہو جاؤ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی طرف اپنی معذرت پیش کی کہ ان لوگوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو لے جانا آپ کو غمگین کر دے گا کیونکہ آپ اس کے بغیر ایک لحہ بھی صبر نہیں کر سکتے اور یہ کہ آپ کو اپنے اس بیٹے کے بارے میں بھیڑیا کی دشمنی کا خطرہ ہے کہ یہ لوگ اپنے کھانے پینے اور کھیل کود میں مصروف ہو کر حضرت یوسف سے غافل و بے خبر ہو جائیں گے۔

قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾

انہوں نے کہا کہ اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا حالانکہ ہم پوری جماعت ہیں تب تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والے ہو جائیں گے○ پھر جب وہ اس کو اپنے ساتھ لے گئے اور وہ سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ وہ اس کو گہرے کنویں میں ڈال دیں' اور ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ آپ انہیں ان کی اس کارروائی کے بارے میں ضرور بتائیں گے اور وہ (آپ کو) نہیں پہچانیں گے○ اور وہ شام کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے○ کہنے لگے: اے ہمارے باپ! بے شک ہم آپس میں دوڑ لگاتے ہوئے بہت آگے نکل گئے اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تو اس کو بھیڑیا کھا گیا' اور آپ ہماری بات پر یقین نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچ بولتے ہیں○

۱٤- ﴿ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ ﴾ انہوں نے کہا: اگر (حضرت) یوسف کو بھیڑیا کھا گیا۔ [''لَئِنْ'' میں لام کو قسم کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور قسم محذوف ہے جس کی تقدیر ''وَاللّٰهِ لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ'' ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا] ﴿ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ﴾ حالانکہ ہم پوری جماعت ہیں یعنی ہم مضبوط و متحد جماعت ہیں اور ہم دفاع کی مکمل

قدرت و طاقت رکھتے ہیں۔ [اس میں واؤ حال کے معنی میں ہے] ﴿ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴾ تب تو بے شک ہم ضرور خسارہ پانے والے اور نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ [یہ جواب قسم ہے اور شرط کی جزاء کے قائم مقام ہے] یعنی اگر ہم اپنے ایک آدمی کی بھی حفاظت نہ کر سکے تب تو ہماری شجاعت و بہادری اور قوت و ہوشیاری ختم ہو گئی اور ہم نے یقیناً بہت بڑا نقصان اٹھایا اور برادرانِ یوسف نے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دوسرے عذر (یوسف کو بھیڑیا کے کھا جانے) کا جواب دیا' لیکن پہلے عذر (یوسف کو لے جانے پر باپ کے غمگین ہونے) کا جواب نہیں دیا کیونکہ یہ دوسرا عذر ہی تھا جس نے ان کے غیظ و غضب کو بھڑکایا تھا۔

۱۵۔ ﴿ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ﴾ پھر جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر چلے گئے اور انہوں نے باہم اتفاق کر لیا کہ وہ حضرت یوسف کو کنویں کی گہرائی میں ڈال دیں گے یعنی انہوں نے حضرت یوسف کو کنویں میں ڈالنے کا پختہ ارادہ کر لیا اور یہ کنواں حضرت یعقوب علیہ السلام کی رہائش گاہ سے تین فرسخ (تقریباً نو میل) کے فاصلے پر تھا [اور ''لَمَّا'' کا جواب محذوف ہے] یعنی انہوں نے حضرت یوسف کو جو تکلیف دینی تھی وہ دی' چنانچہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت یوسف کے بھائیوں کے اصرار کرنے پر حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کو جانے کی اجازت دے دی تو وہ خوش ہو گئے اور حضرت یعقوب کے سامنے حضرت یوسف کو بڑے محبت و پیار کے ساتھ لے کر روانہ ہوئے' لیکن جب جنگل میں پہنچے تو انہوں نے حضرت یوسف کے سامنے اپنی عداوت و دشمنی کو ظاہر کر دیا اور وہ حضرت یوسف کو مارنے لگ گئے اور قریب تھا کہ وہ لوگ آپ کو مار مار کر قتل کر دیتے' لیکن ان کے ایک بھائی یہودا نے انہیں منع کیا اور کہا کہ تم سب نے میرے ساتھ یہ طے کیا ہے کہ (حضرت) یوسف کو قتل نہیں کریں گے بلکہ اس کو کسی گہرے کنویں میں ڈال دیں گے' چنانچہ جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنا چاہا تو حضرت یوسف ان کے کپڑوں سے لپٹ گئے مگر انہوں نے حضرت یوسف کے ہاتھ اپنے کپڑوں سے چھڑا لیے اور حضرت یوسف کو کنویں کی دیوار کے ساتھ لٹکا دیا گیا اور انہوں نے اس سے پہلے حضرت یوسف کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے اور انہوں نے ان کا کرتا اتار لیا تاکہ اس کو خون سے آلودہ کر کے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کو دھوکہ دے سکیں (کہ اسے بھیڑیا کھا گیا) اور انہوں نے حضرت یوسف کو کنویں میں گرا دیا' جس کی گہرائی میں پانی موجود تھا اور حضرت یوسف جب اس میں گر گئے تو انہوں نے کنویں میں پڑے ہوئے بھاری پتھر پر پناہ لی اور اس پر کھڑے ہو کر رونے لگ گئے اور یہودا آپ کو کھانا وغیرہ لا کر دیتے رہے اور ایک یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نارِ نمرود میں ڈالا گیا تھا تو اس وقت آپ کا کرتا بھی اتار لیا گیا تھا اور حضرت جبریل علیہ السلام بہشت سے ریشمی کرتا لے کر آپ کے پاس پہنچے تھے اور انہوں نے وہ کرتا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنا دیا تھا' پھر بعد ازاں حضرت ابراہیم نے یہ کرتا اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو بطور تبرک عنایت فرما دیا تھا اور حضرت اسحاق نے یہ کرتا اپنے بیٹے حضرت یعقوب کو عنایت فرما دیا تھا اور حضرت یعقوب نے رخصت کرتے وقت اس کرتے کا تعویذ بنا کر حضرت یوسف کے گلے میں لٹکا دیا تھا' چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ کرتا حضرت یوسف کے گلے سے نکال کر کھولا اور آپ کو پہنا دیا ﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ ﴾ اور ہم نے یوسف کی طرف وحی کی (یعنی پیغام بھیجا) بعض علمائے دین نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بچپن میں وحی بھیجی گئی تھی جس طرح کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی طرف بچپن میں وحی بھیجی گئی تھی اور بعض علمائے دین نے فرمایا کہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام بلوغت کو پہنچنے والے تھے ﴿ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا ﴾ البتہ تم انہیں ان کے اس واقعہ کی خبر ضرور سناؤ گے یعنی تم اپنے بھائیوں کو ایک دن ضرور

بتاؤ گے جو کچھ انہوں نے تمہارے ساتھ ظلم وستم روا رکھے ہیں ﴿ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ اور وہ اس وقت آپ کو نہیں جانتے ہوں گے کہ آپ ہی یوسف ہیں کیونکہ آپ اس وقت بہت بڑی شان کے مالک ہوں گے اور آپ بہت بڑی سلطنت کے بادشاہ ہوں گے اور یہ اس طرح ہوا کہ یہ لوگ جب غلہ خریدنے کے لیے مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو حضرت یوسف نے انہیں پہچان لیا اور انہوں نے آپ کو نہیں پہچانا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک پیالہ منگایا اور اس پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا' پھر اس کو ٹھونکا اور اس سے آواز نکلی تو حضرت یوسف نے فرمایا کہ بے شک یہ پیالہ مجھے بتا رہا ہے کہ تمہارے باپ کی طرف سے تمہارا ایک بھائی ہے جس کو یوسف کہا جاتا ہے اور تم نے اس کو ایک گہرے کنویں میں ڈال دیا اور تم نے اپنے باپ سے کہا کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے اور تم نے اس کو تھوڑی سی قیمت کے عوض فروخت کر دیا ہے یا ''وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ''، ''اَوْحَيْنَا'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی ہم نے حضرت یوسف کو وحی کے ساتھ مانوس کیا اور ہم نے ان کے دل مبارک سے وحشت وگھبراہٹ کو دور کر دیا اور وہ اس سے بے خبر رہے۔

۱٦- ﴿ وَجَآءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴾ اور وہ لوگوں کی نظروں سے چھپنے اور معذرت پیش کرنے کے لیے اپنے باپ کے پاس شام کے وقت روتے ہوئے آئے۔ [''يَبْكُوْنَ'' حال ہے] حضرت اعمش سے روایت ہے کہ حضرت یوسف کے بھائیوں کے جھوٹا رونے کے بعد اب کسی رونے والے کی تصدیق نہ کی جائے اور نہ اس پر اعتبار کیا جائے۔

۱۷- پھر جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے رونے کی آواز سنی تو گھبرا گئے اور فرمایا: اے میرے بیٹو! تمہیں کیا ہو گیا ہے' کیا تمہاری بکریوں میں کوئی آفت پہنچ چکی ہے' تمہارا کوئی نقصان ہو گیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس میں سے کچھ نہیں ہوا' آپ نے فرمایا: پھر تمہیں کیا ہوا ہے اور یوسف کہاں ہے؟ ﴿ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ﴾ انہوں نے کہا: اے ہمارے ابو جان! بے شک ہم دوڑتے ہوئے بہت آگے نکل گئے اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تو انہیں بھیڑیا کھا گیا یعنی ہم دوڑ کے مقابلے میں یا تیر اندازی کے مقابلے میں بہت آگے دور جنگل میں نکل گئے [اور بابِ افتعال اور بابِ تفاعل دونوں اشتراک کے معنی میں یکساں استعمال ہوتے ہیں جس طرح ''اِرْتَمٰی'' اور ''تَرَامٰی'' وغیرہ ہیں] ﴿ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴾ اور آپ ہماری بات کی تصدیق نہیں کریں گے اگرچہ ہم آپ کے نزدیک سچ بولنے والوں اور بااعتماد لوگوں میں سے ہی ہوں کیونکہ آپ کو حضرت یوسف سے بہت شدید محبت ہے' پس یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ آپ ہمارے بارے میں اچھا گمان نہیں رکھتے اور نہ آپ ہماری بات پر اعتماد رکھتے ہیں۔

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝۱۸ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۹ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ۝۲۰

اور وہ یوسف کے کرتے پر جھوٹا خون بھی لگا کر لے آئے' آپ نے فرمایا: بلکہ تمہارے دلوں نے تمہارے لیے ایک

بات گھڑ لی ہے' پس صبر کرنا ہی اچھا ہے' اور اللہ میری مدد فرمائے گا اس پر جو کچھ تم بیان کر رہے ہو O اور ایک قافلہ سفر کرتا ہوا آیا اور انہوں نے پانی لانے والے کو بھیجا تو اس نے اپنا ڈول کنویں میں ڈالا تو کہنے لگا: ارے خوشخبری ہو کہ یہ ایک لڑکا ملا ہے اور انہوں نے یوسف کو سامانِ تجارت کے طور پر چھپا لیا' اور اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کرتے تھے O اور یوسف کے بھائیوں نے آپ کو گنتی کے چند ناقص درہموں کے عوض میں فروخت کر ڈالا' اور وہ لوگ اس کے بارے میں کچھ رغبت نہیں رکھتے تھے O

۱۸- ﴿وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ﴾ اور وہ حضرت یوسف کے کُرتے پر جھوٹا خون لگا کر آ گئے۔ [''کَذِبٍ'' ''ذِی کَذِبٍ'' کے معنی میں ہے' یا ''دَمٍ'' کو بطور مبالغہ مصدر کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے] گویا وہ خون سراسر بعینہٖ جھوٹ تھا کہ جیسا کہ کذّاب کو کہا جاتا ہے کہ وہ بعینہٖ اور بذاتِ خود سراپا جھوٹ ہے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف کے بھائیوں نے بکری کے بچے کو ذبح کیا اور انہوں نے اس کا خون حضرت یوسف کے کرتے پر لگا دیا اور ان سے غلطی یہ ہوگئی کہ وہ اسے پھاڑنا بھول گئے اور صحیح سلامت خون آلود کر کے لے آئے۔

اور روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کی خبر سنی تو بلند آواز سے چیخ ماری اور فرمایا کہ کُرتا کہاں ہے؟ اور آپ نے وہ کُرتا لیا اور اپنے چہرے مبارک پر ڈال لیا اور رونے لگے گئے' یہاں تک کہ آپ کا چہرہ مبارک کرتے کے خون سے سرخ ہو گیا اور آپ نے کرتا دیکھ کر فرمایا کہ آج تک میں نے اس طرح کا بھیڑیا نہیں دیکھا' یہ کتنا بردبار اور عقل مند بھیڑیا ہے کہ اس نے میرے بیٹے کو تو کھا لیا اور ان کے جسم پر پہنے ہوئے کُرتے کو ذرہ بھر نہیں پھاڑا' اور بعض علمائے دین نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کُرتے مبارک میں تین علامات تھیں: ایک یہی کہ اس کُرتے مبارک کا صحیح سلامت ہونا حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے جھوٹے ہونے کی دلیل بن گیا اور دوسرا یہ کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں رو رو کر نابینا ہو گئے اور آپ کے چہرۂ انور پر حضرت یوسف علیہ السلام کا کُرتا مبارک ڈالا گیا تو آپ بینا ہو گئے اور تیسرا یہ کہ حضرت یوسف کا اپنا کُرتا مبارک حضرت یوسف کی پاک دامنی کی دلیل بن گیا' جب حضرت یوسف کے پیچھے سے یہ کُرتا مبارک پھٹ گیا۔[1] [اور ''عَلٰى قَمِيْصِهٖ'' اعرابی محل ظرف کی بناء پر منصوب ہے] گویا فرمایا کہ وہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے کُرتے کے اوپر خون لگا کر آ گئے ﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا﴾ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ تمہارے

---

[1] ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جنگل میں جا کر ایک بھیڑیا شکار کر کے پکڑ لیا اور اسے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا اور کہنے لگے: یہ وہی بھیڑیا ہے جو حضرت یوسف کو کھا گیا ہے۔ حضرت یعقوب نے فرمایا: اے بھیڑیا! کیا تو نے میرے بیٹے اور میرے دل کے ٹکڑے کو کھا لیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس بھیڑیے کو قوتِ گویائی عطا فرمائی اور وہ بول پڑا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں نے آپ کے بیٹے کو نہیں کھایا اور نہ میں نے اسے کبھی دیکھا ہے: ''وَلَا يَحِلُّ لَنَا اَنْ نَّاْكُلَ لُحُوْمَ الْاَنْبِيَآءِ'' اور ہمارے لیے پیغمبروں کا گوشت کھانا حلال نہیں ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ تو یہاں سرزمین کنعان میں کیسے آیا تھا؟ تو اس نے جواب میں کہا: میں صلہ رحمی کی بناء پر یہاں اپنے رشتہ داروں سے ملنے آیا ہوں مگر آپ کے بیٹے مجھے پکڑ کر آپ کے پاس لے آئے' چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس بھیڑیے کو چھوڑ دیا۔ (تفسیر خازن ج ۳ ص ۹' تفسیر صاوی جز ۲ ص ۲۲۱' تبیان القرآن ج ۵ ص ۷۱۹ بہ حوالہ الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۱۳۳۔ ۱۳۴' تفسیر خزائن العرفان ص ۲۸۵)۔

ولوں نے تمہارے لیے ایک بہت بڑی بات آراستہ یا آسان کر دی ہے کہ تم نے اتنی بڑی بات کا ارتکاب کر لیا ہے ﴿ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ﴾ سواب صبر کرنا اچھا ہے۔ [یہ خبر ہے یا پھر مبتدا ہے اس لیے کہ یہ موصوف ہے ''اَیْ فَاَمْرِیْ صَبْرٌ جَمِیْلٌ'' سو میرا کام صبر جمیل ہے یا ''فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ اَجْمَلُ'' ''سواب صبر جمیل ہی اچھا ہے اور صبر جمیل وہ ہوتا ہے جس میں مخلوق کی طرف کسی قسم کا شکوہ نہ کیا جائے] ﴿ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ مددگار ہے اس پر جو کچھ تم بیان کرتے ہو یعنی حضرت یوسف کی ہلاکت کی جو خبر تم بیان کرتے ہو اسے برداشت کرنے پر اور ان کے بارے میں جھوٹ بول کر جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اس پر صبر کر کے میں اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتا ہوں۔

۱۹- ﴿ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ ﴾ اور ایک قافلہ مدین سے مصر کی طرف سفر کرتے ہوئے آیا اور یہ قافلہ حضرت یوسف کو کنویں میں ڈالنے کے تین دن بعد آیا تھا اور وہ راستہ بھول گئے اور اس کنویں کے نزدیک آکر اُترے اور یہ کنواں آبادیوں سے دور ایک جنگل میں تھا اور اس کنویں کا پانی پہلے نمکین تھا' پھر حضرت یوسف علیہ السلام کو اس میں ڈالنے کے بعد اس کا پانی میٹھا ہو گیا ﴿ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ ﴾ اور انہوں نے پانی لانے والے کو بھیجا جو اپنی قوم کو سیراب کرنے کے لیے پانی پر جاتا اور پانی لے کر آتا تھا' اس شخص کا نام مالک بن ذعر خزاعی تھا ﴿ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ﴾ تو اس نے اپنا ڈول کنویں میں ڈالا (یعنی) اس نے اپنا ڈول کنویں کی گہرائی تک پہنچایا تاکہ وہ پانی سے بھر جائے' چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام ڈول سے لپٹ گئے اور اس نے ڈول اوپر کھینچا تو حضرت یوسف کو دیکھ کر پکارا ﴿ قَالَ يٰبُشْرٰى ﴾ کہنے لگا: اے خوشخبری۔ [کوفیوں کی قراءت میں ''بُشْرٰی'' (بروزن ''فُعْلٰی'') ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری خوشی کا وقت ہے (کہ ایسی عظیم الشان نعمت مل گئی ہے) ان کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں ''بُشْرَایَ'' ہے کہ ''بُشْرَا'' یائے متکلم کی طرف مضاف ہے یا یہ اس کے غلام کا نام ہے اور اپنی طرف نسبت کر کے اس کو پکارا کہ اے میرے بشریٰ!] ﴿ هٰذَا غُلٰمٌ ﴾ یہ ایک حسین و جمیل لڑکا ہے۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ وہ حضرت یوسف کو لے کر چلا گیا اور جب اپنے ساتھیوں کے نزدیک پہنچا تو وہ بہ آواز بلند پکارا اور ان کو حضرت یوسف کی خوشخبری سنائی ﴿ وَاَسَرُّوْهُ ﴾ اور انہوں نے حضرت یوسف کو چھپا لیا۔ [''اَسَرُّوْا'' کی ضمیر پانی لانے والے اور اس کے ساتھیوں کی طرف لوٹتی ہے یعنی انہوں نے حضرت یوسف کو قافلہ سے چھپا لیا تاکہ وہ شرکت کا دعویٰ نہ کر سکیں یا یہ ضمیر برادرانِ یوسف کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ انہی لوگوں نے قافلہ والوں سے کہا تھا کہ یہ ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے تم اس کو ہم سے خرید لو اور حضرت یوسف علیہ السلام اس خوف سے کہ کہیں بھائی انہیں قتل نہ کر دیں خاموش رہے ﴿ بِضَاعَةً ﴾ [یہ حال ہے] یعنی انہوں نے حضرت یوسف کو تجارت کے سامان کے طور پر چھپا لیا تھا اور ''بِضَاعَة'' اس مال کو کہا جاتا ہے جو تجارت کے لیے مخصوص کیا جاتا ہے یعنی الگ کر لیا جاتا ہے ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے کردار کو خوب جانتا ہے (یعنی) برادرانِ یوسف کے وہ تمام بُرے اعمال جو انہوں نے اپنے باپ اور اپنے بھائی کے ساتھ روا رکھے تھے' ان کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

۲۰- ﴿ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ ﴾ اور انہوں نے حضرت یوسف کو ناقص اور کم قیمت پر فروخت کر دیا۔ [''بخس'' کا معنی ہے: قیمت سے کم جس کا نقصان ظاہر ہو یا کھوٹی قیمت اور ''شَرَوْا'' بہ معنی ''بَاعُوْا'' ہے] ﴿ دَرَاهِمَ ﴾ یہ ''ثمن'' سے بدل ہے ﴿ مَعْدُوْدَةٍ ﴾ گنتی کے درہم' تھوڑے سے درہم' بہر حال درہموں کو گنا جاتا تھا اور ان کا وزن نہیں کیا جاتا تھا اس لیے کہ وہ لوگ چالیس سے کم درہموں کو گنا کرتے تھے اور چالیس یا چالیس سے زیادہ درہموں کو تول کر لین دین کرتے تھے اور حضرت یوسف کی قیمت بیس درہم لگائی تھی ﴿ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴾ اور وہ لوگ اس میں کم رغبت رکھتے تھے اور

یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں اپنے ہاتھ میں مقبوضہ مال کی قدر و قیمت بہت کم لگتی' اس لیے وہ اس مال کو کم قیمت پر فروخت کر دیتے ہیں یا ''وَشَرَوْهُ'' کا معنی ''اِشْتَرَوْهُ'' ہے یعنی قافلہ والوں نے حضرت یوسف کو ان کے بھائیوں سے خرید لیا اور وہ اس میں کسی قسم کی کوئی رغبت نہیں رکھتے تھے کیونکہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ یہ بھاگا ہوا غلام ہے اور ایک یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ حضرت یوسف کے بھائیوں نے قافلہ والوں کا تعاقب کیا کہ وہ حضرت یوسف سے پختہ عہد لیں کہ وہ بھاگ کر کہیں نہیں جائے گا [اور ''فِيهِ''، ''اَلزَّاهِدِيْنَ'' کا صلہ نہیں ہے یعنی وہ رغبت رکھنے والے نہیں تھے کیونکہ صلہ موصول سے مقدم نہیں ہوتا بلکہ یہ بیان ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ وہ کسی چیز میں رغبت نہیں رکھتے تھے تو فرمایا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں رغبت نہیں رکھتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۫ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

اور مصر کے جس شخص نے حضرت یوسف کو خریدا اس نے اپنی عورت کو کہا کہ اُسے عزت و احترام کے ساتھ رکھ' ممکن ہے کہ اس سے ہمیں فائدہ پہنچے یا ہم اُسے بیٹا بنا لیں' اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس سرزمین پر جگہ دے دی' اور تا کہ ہم اسے خوابوں کی تعبیر سکھا دیں' اور اللہ اپنے امر پر غالب ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O اور جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچ گئے تو ہم نے اس کو حکم اور علم عطا فرمایا' اور ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلا دیتے ہیں O

حضرت یوسف کا عزیز مصر کے پاس پہنچنے اور آپ پر لگائے گئے الزام سے براءت کا بیان

۲۱- ﴿وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ﴾ اور مصر کے جس شخص نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا اس نے (اپنی عورت سے) کہا۔ اس کا نام قطفیر ہے اور لقب عزیز ہے اور یہ وہی شخص ہے جو مصر کے تمام خزانوں کا نگران تھا اور اس وقت بادشاہ ریان بن ولید تھا اور یہ بادشاہ حضرت یوسف پر ایمان لے آیا تھا اور آپ کی زندگی میں وہ فوت ہو گیا تھا اور عزیز مصر نے حضرت یوسف کے وزن کے برابر سونا' چاندی اور آپ کے وزن کے برابر ریشم اور آپ کے وزن کے برابر مُشک آپ کے عوض میں دے کر آپ کو خریدا تھا اور اس وقت حضرت یوسف کی عمر سترہ سال تھی اور حضرت یوسف اس کے گھر میں تیرہ سال قیام پذیر رہے اور جب وقت کے بادشاہ ریان بن ولید نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وزیر اعظم مقرر کیا' اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو علم و حکمت عطا فرمایا اس وقت آپ کی عمر تینتیس سال تھی اور جب حضرت یوسف کا انتقال ہوا اس وقت آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس سال تھی ﴿لِامْرَاَتِهٖٓ﴾ اپنی عورت کے لیے' جس کا نام راعیل یا زلیخا تھا [اور اس کا لام ''قَالَ'' کے ساتھ متعلق ہے لیکن ''اشتراہ'' کے ساتھ متعلق نہیں ہے] ﴿اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ﴾ حضرت یوسف کی رہائش گاہ اور ان کی قیام گاہ کو کریم' حسین و پسندیدہ بنایا' جس کی دلیل حضرت یوسف کا یہ ارشاد ہے: ''اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ'' (یوسف: ۲۳) ''بے شک وہ میرا امُربی ہے' اس نے مجھے بہترین رہائش گاہ مہیا کر رکھی ہے''۔

اور حضرت ضحاک سے منقول ہے کہ اس سے عمدہ اور پاکیزہ کھانا پینا اور نرم و گداز لباسِ فاخرہ اور نرم و نازک اور بہترین بستر مراد ہے ﴿عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ﴾ ممکن ہے کہ وہ ہمیں فائدہ پہنچائے اور نفع بخش ثابت ہو (یعنی) ممکن ہے کہ جب وہ ماہر کاری گر بن جائے اور کاروبار کرنے کو پسند کرلے اور کاروباری لین دین کو سمجھنے لگے تو ہم اپنی بعض ضروریات میں اس سے امداد حاصل کریں اور اس سے رہ نمائی لیں ﴿اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ یا ہم اس کو بیٹا بنالیں گے (یعنی) ہم اس کو متبنّٰی (منہ بولا یا لے پالک) بیٹا بنالیں گے یا ہم اس کو بیٹے کا قائم مقام بنالیں گے اور دراصل قطفیر بانجھ تھا اور اولاد کے قابل نہیں تھا اور اس نے اپنی فراست سے حضرت یوسف میں ذہانت و معاملہ فہمی کو محسوس کر لیا تھا' اس لیے اس نے یہ بات کہی تھی ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اس سے پہلے حضرت یوسف کا اپنے بھائیوں کے قتل سے اور کنویں سے نجات حاصل کرنے اور عزیزِ مصر کے دل کا آپ کے لیے مہربان ہونے کی طرف اشارہ ہے [اور کاف منصوب ہے] یعنی جس طرح ہم نے حضرت یوسف کو اس سے پہلے نجات دی اور عزیزِ مصر کو ان پر مہربان کیا اسی طرح ﴿مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ﴾ ہم نے یوسف کو جگہ دی یعنی جس طرح ہم نے انہیں نجات دی اور ہم نے ان پر عزیزِ مصر کو مہربان کیا اسی طرح ہم نے ان کو جگہ دی ﴿فِی الْاَرْضِ﴾ یعنی سرزمینِ مصر میں اور ہم نے ان کو بادشاہ بنادیا تا کہ وہ اس میں اپنے اوامر ونواہی کے ذریعے اپنا اختیار استعمال کریں ﴿وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ﴾ اور تا کہ ہم انہیں خوابوں کی تعبیر سکھادیں۔ یہ نجات دینے اور سرزمینِ مصر میں جگہ دینے اور اقتدار عطا کرنے کی حکمت ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے ہر امر پر غالب ہے' وہ جو چاہتا ہے اُسے کوئی نہیں روک سکتا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ حضرت یوسف کے معاملے پر غالب ہے' اس نے حضرت یوسف کے لیے جو چاہا اس کو پورا کیا لیکن حضرت یوسف کے بھائیوں نے جو چاہا وہ پورا نہ ہونے دیا ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن بہت سے لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

۲۲-﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ﴾ اور جب حضرت یوسف اپنی جوانی کو پہنچ گئے (یعنی) وہ اپنی قوت کی استعداد و صلاحیت کی انتہاء کو پہنچ گئے اور وہ اٹھارہ سال ہے یا اکیس سال ہے ﴿اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا۔ یہاں حکم سے حکمت مراد ہے اور حکمت یہ ہے کہ علم کے مطابق عمل کرنا اور ان چیزوں سے اجتناب و پرہیز کرنا جن کے بارے میں علم نہ ہو یا لوگوں کے درمیان حق وصداقت کے مطابق فیصلے کرنا یا احکامِ شرعیہ کو دلائلِ تفصیلیہ کے ساتھ جاننا ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اور اسی طرح ہم نیکوں کو جزائے خیر عطا کیا کرتے ہیں اور یہ جملہ اس بات پر تنبیہ کر رہا ہے کہ حضرت یوسف اپنے عمل میں بے شک نیک تھے اور اپنی جوانی کے آغاز ہی میں یقیناً متقی و پرہیز گار تھے۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ
قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ
بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۲۴﴾

اور جس عورت کے گھر میں یوسف تھے اس نے خود اس سے اس کی مرضی کے خلاف خواہش کی اور تمام دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی: لو جلدی آ ؤ' یوسف نے فرمایا: اللہ کی پناہ! بے شک وہ میری پرورش کرنے والا ہے اس نے مجھے اچھی طرح

رکھا ہوا ہے' بے شک ظلم کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے O اور بے شک اس عورت نے اس کے ساتھ پختہ ارادہ کر ہی لیا تھا' اور یوسف اگر اپنے رب کی واضح دلیل نہ دیکھ لیتے تو اس عورت کا ارادہ کر لیتے' اسی طرح ہوا تا کہ ہم یوسف سے اس بُرائی اور بے حیائی کو پھیر دیں' بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا O

۲۳- ﴿ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ﴾ حضرت یوسف جس عورت کے گھر میں تھے' اس نے حضرت یوسف کو خود ان کی مرضی کے خلاف ورغلایا یعنی اس عورت نے حضرت یوسف سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کے ساتھ جماع کریں [اور ''مراودۃ'' باب مفاعلہ ہے اور یہ ''رَادَ یَرُوْدُ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص آئے اور جائے] گویا معنی یہ ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف کو دھوکہ دیا یعنی اس عورت نے ایسا کام کیا جیسا کہ دھوکے باز کسی مطلوب چیز کو حاصل کرنے کے لیے اپنے ساتھی کے ساتھ دھوکہ کرتا ہے جب کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کا ساتھی بھی اس کے ہاتھ سے نہ نکل جائے' چنانچہ وہ سازش تیار کرتا ہے تا کہ وہ اپنے ساتھی پر غالب آ جائے اور اس سے اپنا مطلب حاصل کر لے اور زلیخا نے بھی یہی سازش تیار کی کہ حضرت یوسف اس کا مطلب بھی پورا کریں اور اس سے جدا بھی نہ ہوں ﴿ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ ﴾ اور اس نے تمام دروازے بند کر دیئے اور وہ کل سات دروازے تھے ﴿ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ﴾ اور وہ کہنے لگی: ادھر میرے پاس آ جاؤ۔ [یہ ''تَعَالِ'' اور ''اَقْبِلْ'' کا اسم ہے (دونوں کا معنی ہے: ادھر آ ؤ) اور یہ مبنی بر فتح ہے۔ ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''هَيْتُ'' ہے اور یہ مبنی برضمہ (تا پر پیش) ہے جب کہ نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''هِيْتَ'' (ھا کے نیچے زیر اور تا پر زبر) ہے اور ''لَكَ'' میں لام بیان کے لیے ہے' گویا کہا گیا ہے کہ میں تم سے یہ کہتی ہوں (کہ جلدی ادھر آ ؤ) جیسا کہ تم کہو: ''هَلُمَّ لَكَ''] ﴿ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ ﴾ حضرت یوسف نے (زلیخا کے جواب میں) فرمایا کہ اللہ کی پناہ (یعنی) میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں ﴿ اِنَّهٗ ﴾ بے شک معاملہ یہ ہے اور بات یہ ہے کہ وہ ﴿ رَبِّيْٓ ﴾ میرا مُربّی' میرا سردار ہے اور میرا مالک و بادشاہ ہے' اس سے حضرت یوسف کی مراد قطفیر یعنی عزیزِ مصر تھا ﴿ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ﴾ اس نے مجھے اچھی طرح رکھا' جب اس نے (اے زلیخا!) تجھ سے کہا تھا: ''اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ'' تو اس کو اچھی طرح عزت سے رکھ تو کیا اس کا صلہ یہی ہے کہ میں اس کی اہلیہ کے بارے میں اس سے خیانت کروں؟ (مجھ سے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا) ﴿ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ کیونکہ ظالم لوگ (یعنی) خیانت کرنے والے لوگ کبھی فلاں نہیں پاتے یا زانی لوگ کبھی فلاح نہیں پاتے یا حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قول ''اِنَّهٗ رَبِّيْٓ'' سے اللہ تعالیٰ مراد لیا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ''مُسَبِّبُ الْاَسْبَابِ'' (یعنی تمام سبب پیدا کرنے والا) ہے۔

۲۴- ﴿ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ﴾ اور بے شک زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ اپنی طبعی خواہش کو پورا کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا ﴿ وَهَمَّ بِهَا ﴾ اور حضرت یوسف علیہ السلام کی طبع مبارک بشری تقاضے کے تحت اس کی طرف مائل ہونے لگی تو آپ اپنے نفس پر قابو پا کر رک گئے۔ حضرت حسن بصری کا یہی قول ہے۔ حضرت شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ''هَمَّ بِهَا'' کا معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف نے بشری تقاضے کی بناء پر اس کے ساتھ صرف فطری خصلت کا خیال فرمایا لیکن انسان کے دل میں خیال کا پیدا ہونا اس کے اختیار میں نہیں ہے اور نہ اس پر پکڑ ہوتی ہے اور اگر حضرت یوسف کا همّ اور ارادہ زلیخا کے همّ اور ارادہ کی طرح ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ کہہ کر حضرت یوسف کی تعریف نہ فرماتا کہ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں [1]

﴿ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ﴾ اگر حضرت یوسف اپنے رب تعالیٰ کی حجت و دلیل نہ دیکھ لیتے [اس کا جواب محذوف

[1] حقیقت تو یہ ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنی طبعی خواہش پوری کرنے کا پختہ عزم کر لیا تھا' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے "اَیْ لَکَانَ مَا کَانَ" یعنی اگر حضرت یوسف اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے تو البتہ وہی کچھ ہو جاتا جو کچھ ہونا تھا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ "وَهَمَّ بِهَا" اس کا جواب ہے اور یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ "لَوْ لَا" کا جواب اس سے پہلے نہیں آ سکتا' اس لیے کہ "لَوْ لَا" شرط کے حکم میں ہے' جس کا کلام کے شروع میں آنا ضروری ہے[1] اور "برهان" کا معنی حجت و دلیل ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ "وَهَمَّ بِهَا" ارشادِ باری تعالیٰ: "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ" کے قسم کے حکم میں داخل ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ "وَهَمَّ بِهَا" اس سے خارج اور الگ ہو' لہٰذا قراءت کرنے والے قاری کا حق بنتا ہے کہ جب وہ "وَهَمَّ بِهَا" کو قسم کے حکم سے خارج سمجھے اور اس کو مستقل الگ کلام قرار دے تو وہ "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ" میں "بِهٖ" پر وقف کرے اور "وَهَمَّ بِهَا" سے قراءت کا آغاز کرے]اور اس تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ زلیخا کے ھم میں اور حضرت یوسف کے ھم میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ھم کی ایک تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے پائجامہ کا ازار بند کھول دیا اور عزیزِ مصر کی بیوی کے دو قدموں کے درمیان اپنے دونوں قدموں کو ملا کر بیٹھ گئے اور وہ عورت اپنی پشت کے بل سیدھی لیٹی ہوئی تھی (نعوذ باللہ من ذالک) اور "برهان" کی یہ تفسیر بیان کی گئی ہے کہ حضرت یوسف نے اس حالت میں دو دفعہ یہ آواز

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) لیکن آپ اس کی طرف ذرہ بھر راغب نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ نے برہانِ الٰہی دیکھ کر زلیخا سے جان چھڑانے کا پختہ عزم کر لیا تھا' جس پر درج ذیل قرآنی ارشادات واضح دلائل ہیں: (۱) جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا: "هَيْتَ لَكَ" کہ جلدی کرو میرے پاس آؤ تو حضرت یوسف نے فرمایا: "مَعَاذَ اللّٰهِ" کہ میں اس بُرے عمل سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں (۲) حضرت یوسف نے فرمایا: "اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ". بے شک عزیزِ مصر میرا مُربی و محسن ہے جس نے مجھے بڑے احترام سے اپنے پاس خوب اچھی طرح رکھا ہوا ہے' اس لیے میں اس کے ساتھ خیانت نہیں کروں گا (۳) نیز حضرت یوسف نے فرمایا:

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (یوسف:۲۳) بے شک ظالم لوگ یعنی زانی کبھی کامیاب نہیں ہوتے ○

(۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ. اسی طرح ہوا تاکہ ہم یوسف سے اس بُرائی اور بے حیائی کو پھیر دیں۔

(۵) نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ○ بے شک (حضرت) یوسف ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں ○

والحمد للہ علٰی ذالک

[1] علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ "لَوْ لَا" کا جواب اس سے مقدم ہے اگرچہ "لَوْ لَا" کے جواب کا اس سے مقدم آنے کی ممانعت پر کوئی دلیل قائم نہیں کی گئی بلکہ حروفِ شرط کے جوابات کی تقدیم کے جواز میں اختلاف ہے' چنانچہ کوفیوں نے اور بصریوں میں سے علامہ ابوزید انصاری اور علامہ ابوالعباس مبرد نے کہا ہے کہ حروفِ شرط کے جوابات کا ان حروف سے پہلے آنا بھی جائز ہے (تو "لَوْ لَا" کے جواب کا اس سے پہلے آنا بہ طریق اولیٰ جائز ہوا) بلکہ ہم یہ کہتے ہیں (علامہ مظہری نے بھی یہی جواب لکھا ہے) کہ "لَوْ لَا" کا جواب محذوف ہے جس پر اس کا ماقبل دلیل ہے' اصل میں "لَوْ لَا اَنْ رَّاٰی بُرْهَانَ رَبِّهٖ لَهَمَّ بِهَا" ہے یعنی اگر حضرت یوسف اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے تو البتہ اس کا ارادہ کر لیتے۔

(تفسیر روح المعانی جز ۱۲ ص ۲۱۴' مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

سنی کہ اے یوسف! اس عورت سے بچ جا' پھر تیسری مرتبہ یہ آواز سنی کہ اے یوسف! اس عورت سے اعراض کیجئے
دور ہو جائیے' لیکن اتنی آواز نے بھی کچھ اثر نہ کیا (یہ سب بکواس ہے) یہاں تک کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت
سامنے کردی گئی' اس وقت حضرت یعقوب اپنی انگلیاں اپنے دانتوں میں دبا کر حیرت و افسوس کا اظہار کر رہے تھے
بالکل باطل ہے[1] اور اس کے باطل و غلط ہونے پر (درج ذیل آیات مبارکہ) دلالت کرتی ہیں: (۱) ارشاد باری تعالیٰ
ہے: هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي. اس عورت نے مجھے میری اپنی مرضی کے خلاف ورغلانے کی کوشش کی اور اگر حضرت یوسف
سے ایسی شرمناک حرکات صادر ہوتیں تو آپ کبھی بھی اپنی ذات کی براءت و صفائی بیان نہ فرماتے (۲) ارشاد باری تعالیٰ
ہے: كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ. اسی طرح ہوا تا کہ ہم اس سے اس بُرائی اور بے حیائی کو پھیر دیں اور اگر
اسی طرح ہوا ہوتا تو پھر بُرائی کو آپ سے نہیں پھیرا گیا (۳) ارشاد ہے: ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ. (حضرت
یوسف نے فرمایا:) یہ اس لیے کہ عزیز مصر کو معلوم ہو جائے کہ بے شک میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس سے خیانت نہیں
کی' اور اگر اسی طرح ہوتا جس طرح مذکورہ واقعہ بیان کیا گیا ہے تو پھر اس کی غیر موجودگی میں اس سے خیانت کرنا لازم آتا ہے
اور ارشاد ہے: مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ. ہم نے یوسف علیہ السلام میں کوئی بُرائی نہیں پائی' نیز ارشاد ہے: اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ
الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ. (زلیخا نے کہا کہ) اب حق واضح ہو گیا ہے' میں نے ہی یوسف کو ورغلایا
تھا اور بے شک وہ ضرور سچے لوگوں میں سے ہیں' اور اس لیے بھی کہ اگر حضرت یوسف سے کوئی ایسی حرکت صادر ہوتی تو
ان کی توبہ اور استغفار کا ضرور ذکر کیا جاتا جیسا کہ حضرت آدم' حضرت نوح' حضرت ذوالنون اور حضرت داؤد علیہم السلام کی
توبہ و استغفار کا ذکر کیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو اپنا مخلص بندہ ذکر فرمایا ہے' پس قطعی طور پر اور یقینی طور پر
معلوم ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس مقام میں یقیناً ثابت قدم رہے اور آپ نے بڑے عزم والے حضرات کی طرح
اپنے نفس سے ڈٹ کر جہاد کیا اور حرمت کے دلائل میں گہری نظر رکھی' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعریف و ثناء

---

[1] کیونکہ یہ واقعہ عصمت انبیاء کے خلاف ہے' نیز حضرت یوسف علیہ السلام کی مدح میں بیان کی گئیں قرآنی آیات کے خلاف ہے' جن
سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ سے ایسی قبیح حرکات ناممکن ہیں' البتہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کو نظر آنا اور
عصمتِ نبوی کی یاددہانی کرانا اور اس شرمناک عمل پر بروقت تنبیہ کرنا تفاسیر سے صحیح ثابت ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حسن
بصری' حضرت سعید بن جبیر' حضرت مجاہد' حضرت عکرمہ اور حضرت ضحاک رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا فرمان ہے کہ حضرت یوسف
کے سامنے گھر کی چھت میں شگاف ہو گیا اور آپ نے دیکھا کہ حضرت یعقوب حیرت زدہ ہو کر اپنی انگلیاں دانتوں میں دبائے ہوئے
ہیں' نیز حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا کہ جب حضرت یوسف نے حضرت یعقوب کو
دیکھا تو حضرت یعقوب نے فرمایا: اے یوسف! کیا تم احمقوں جیسا عمل کرو گے؟ حالانکہ تمہارا نام تو انبیائے کرام علیہم السلام کی
جماعت میں لکھا جا چکا ہے' چنانچہ حضرت سعید بن جبیر' حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت
یعقوب نے اپنا ہاتھ مبارک حضرت یوسف کے سینۂ اقدس پر پھیرا تو حضرت یوسف کی تمام خواہشاتِ نفسانی انگلیوں کے پوروں سے
خارج ہو گئیں۔ (تفسیر مظہری ج ۵ ص ۱۵۴ مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' لباب التاویل المعروف تفسیر خازن ج ۳ ص ۱۴' مطبوعہ
دارالکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر روح المعانی ج ۱۲ ص ۲۱۴-۲۱۵' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۲۰' مطبوعہ
دارالفکر' بیروت' تفسیر جلالین مع حاشیہ تفسیر صاوی ج ۲ ص ۲۲۴' مطبوعہ مصطفےٰ البابی الحلبی' مصر' تفسیر الحسنات ج ۳ ص ۲۸۵'
مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

کے مستحق قرار پائے ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ [یہ کاف تشبیہ محلاً منصوب ہے یعنی جس طرح ہم نے حضرت یوسف کو ثابت قدم رکھا یا یہ کاف محلاً مرفوع ہے یعنی معاملہ اسی طرح ہوا] ﴿ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ ﴾ تا کہ ہم یوسف سے عزیزِ مصر کے ساتھ خیانت کی بُرائی کو پھیر دیں ﴿ وَالْفَحْشَآءَ ﴾ اور ہم یوسف سے زنا کی بُرائی کو دور کر دیں ﴿ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ بے شک حضرت یوسف ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں [قاری نافع مدنی اور اہل کوفہ کی قراءت میں ''اَلْمُخْلَصِيْنَ'' لام مفتوح کے ساتھ ہے یعنی وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے لیے مخلص بندے بنا دیا جب کہ ان کے علاوہ دیگر قاریوں کی قراءت میں لام مکسور کے ساتھ ہے یعنی جن لوگوں نے اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا اور ''مِنْ عِبَادِنَا'' کا معنی ہے کہ ہمارے بعض بندے یعنی یہ (حضرت یوسف) ہمارے مخلص بندوں کی جماعت میں سے ایک مخلص بندے ہیں]۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾

اور وہ دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے اور اس نے یوسف کا کُرتا پیچھے سے پھاڑ ڈالا اور ان دونوں نے زلیخا کے شوہر کو دروازے کے پاس پایا' زلیخا نے کہا کہ جو شخص تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے اس کی سزا اور کیا ہو سکتی ہے مگر یہی کہ اس کو قید کیا جائے یا دردناک سزا دی جائے○ یوسف نے فرمایا: اسی عورت نے مجھے میری مرضی کے خلاف ورغلانے کی کوشش کی اور اس کے اپنے رشتہ داروں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر یوسف کا کُرتا آگے سے پھٹا ہوا ہے تو وہ عورت سچی ہے اور وہ جھوٹوں میں سے ہیں○ اور اگر یوسف کا کُرتا پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو وہ عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہیں○

۲۵- ﴿ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ ﴾ اور وہ دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑ پڑے اور ان دونوں نے دروازے کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ زلیخا حضرت یوسف کو پکڑنے کے لیے پیچھے دوڑی اور حضرت یوسف اپنی عزت و ناموس بچانے اور اس سے جان چھڑانے کے لیے آگے دوڑے۔ [حرف جار محذوف ہے (اصل میں ''اِلَى الْبَابِ'' ہے) اور فعل کو براہِ راست متعدی کر دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ''۔ (الاعراف:۱۵۵) یا ''اِسْتَبَقَا'' ''اِبْتَدَرَ'' کے معنی کو متضمن ہے (''اِبْتَدَرَ'' کا معنی ہے: جلدی کرنا)] چنانچہ حضرت یوسف اس عورت سے بھاگے اور آپ نے چاہا کہ جلد از جلد دروازہ تک پہنچ جائیں تا کہ باہر نکل جائیں اور زلیخا نے آپ کے پیچھے جلدی کی تا کہ وہ آپ کو دروازہ سے باہر نکلنے سے روک سکے [اور یہاں باب واحد لایا گیا ہے اور اگرچہ اس سے پہلے ''وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ'' میں جمع لایا گیا ہے اور یہ اس لیے کہ یہاں صرف بیرونی دروازہ مراد ہے جہاں سے گھر سے نکلنے کے لیے باہر جاتے ہیں] اور جب حضرت

یوسف علیہ السلام باہر بھاگنے لگے تو تالوں کی کنڈیاں خود بخود ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے لگیں' یہاں تک کہ آپ باہر نکل گئے ﴿ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ ﴾ اور زلیخا نے حضرت یوسف کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی کہ اس نے حضرت یوسف کو پکڑنے کے لیے پیچھے سے ان کی قمیص کو کھینچا تو وہ پھٹ گئی یعنی کُرتا اس وقت پھٹا جب حضرت یوسف اس سے دروازہ کی طرف دوڑے اور اس نے آپ کو روکنے کے لیے آپ کا تعاقب کیا ﴿ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ﴾ اور ان دونوں نے زلیخا کے شوہر کو دروازے کے پاس پایا اور وہ دونوں زلیخا کے شوہر قطفیر کے سامنے آ گئے جب کہ وہ اندر داخل ہونا چاہتا تھا' سو جب زلیخا نے اپنے خاوند کو دیکھا تو اس نے اپنے شوہر کے سامنے اپنی حرام کاری کے ارادے کو تہمت سے بچانے کے لیے اور حضرت یوسف کو اس امید پر ڈرانے کے لیے سازش کی کہ حضرت یوسف اس سے ڈر کر اور اس کے مجبور کرنے پر اس کے ساتھ بُرے عمل کا ارتکاب کر لیں جیسا کہ اس نے ﴿ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ کہا کہ جو شخص تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے اس کی سزا نہیں ہوگی مگر یہی کہ اُسے قید کیا جائے یا اُسے دردناک عذاب دیا جائے۔ [''مَا'' نافیہ ہے ''اَیْ لَیْسَ جَزَآؤُهٗ اِلَّا السِّجْنُ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ''] یعنی اس کی سزا نہیں ہوگی مگر قید کرنا یا دردناک عذاب دینا اور یہ کوڑوں کے ساتھ مارنا ہے اور زلیخا نے حضرت یوسف کے نام کا ذکر کر کے وضاحت نہیں کی کہ انہوں نے اس کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کیا ہے کیونکہ زلیخا نے اس عبارت سے عموم کا ارادہ کیا ہے یعنی ہر وہ شخص جو تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے تو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے قید کیا جائے یا اُسے دردناک سزا دی جائے' اس لیے کہ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ڈرانے کے لیے جو ارادہ کیا' اس کے لیے یہ کلام زیادہ بلیغ ہے۔

٢٦- اور جب زلیخا نے حضرت یوسف کو قید کرنے یا دردناک سزا دینے کی تجویز پیش کی اور ان پر اپنا دفاع کرنا واجب ولازم ہو گیا تو ﴿ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ ﴾ حضرت یوسف نے فرمایا کہ اسی (زلیخا) نے میری مرضی کے خلاف مجھے پھسلانے اور اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی تھی اور اگر یہ دفاع کرنا ضروری نہ ہوتا تو حضرت یوسف اس کی پردہ پوشی فرما لیتے اور اس کو رسوا نہ کرتے ﴿ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ﴾ اور زلیخا کے خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی اور یہ اس کا چچازاد بھائی تھا اور اللہ تعالیٰ نے زلیخا کے خاندان میں سے ایک شخص کی زبانی اس لیے گواہی دلوائی تا کہ زلیخا پر حجت و دلیل واجب ہو جائے (اور وہ انکار نہ کر سکے) اور حضرت یوسف کی پاک دامنی مزید مستحکم و مضبوط ہو جائے اور بعض علمائے دین نے فرمایا کہ وہ گواہ زلیخا کا ماموں زاد بھائی تھا اور وہ اس وقت بچہ تھا اور جھولے میں تھا اور اس کی بات کو گواہی اس لیے قرار دیا گیا تھا کہ اس نے اس طرح بات کی جس طرح گواہی دینے والا گواہی دیتا ہے' جس سے حضرت یوسف کی بات سچ ثابت ہو گئی اور زلیخا کی بات جھوٹی ثابت ہو گئی ﴿ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ اگر حضرت یوسف کا کُرتا آگے سے پھٹا ہوا ہے تو زلیخا سچی ہے اور وہ جھوٹوں میں سے ہیں۔

٢٧- ﴿ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ اور اگر حضرت یوسف کا کُرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو زلیخا جھوٹی ہے اور حضرت یوسف سچوں میں سے ہیں اور اصل میں بات یوں ہے کہ ایک گواہ نے گواہی دی اور کہا کہ اگر ان کی قمیص (آگے مذکورہ بالا ترجمہ دیکھئے) اور حضرت یوسف کے کرتے کا آگے سے پھٹنا اس بات کی دلیل ہے کہ زلیخا سچی ہے اس لیے کہ حضرت یوسف اس کے پیچھے جلدی دوڑے ہوں تا کہ اس کو پکڑ لیں اور اپنی قمیص کے اگلے حصے پر گر گئے ہوں گے اور قمیص قدموں کے نیچے آ کر پھٹ گئی ہوگی اور اس لیے بھی کہ حضرت یوسف اس کے سامنے آ گئے ہوں گے اور وہ اپنے آپ کو بچانے کے لیے دفاع کرتے ہوئے آپ کو پیچھے دھکیل رہی ہوگی' جس کی وجہ سے حضرت یوسف کا

کرتہ آگے سے پھٹ گیا ہوگا [لیکن ''قبل'' اور ''دبر'' کو اس لیے نکرہ لایا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو ایک جہت سے زلیخا کے لیے ''قبل'' کہا جاتا ہے اور ایک جہت سے اس کے لیے ''دبر'' کہا جاتا ہے اور ''اِنْ'' جو کہ مستقبل کے لیے آتا ہے اور ''کَانَ'' جو کہ ماضی کے لیے آتا ہے ان دونوں کو اس آیت مبارکہ میں اس لیے جمع کر دیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ بے شک حضرت یوسف کا کرتہ پھٹ چکا ہے]۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾

پھر جب عزیز مصر نے یوسف کا کرتا دیکھا تو وہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا تو اس نے (اپنی بیوی سے) کہا کہ بے شک یہ تمہاری سازش ہے' بے شک تمہاری سازش بہت بڑی ہے○ اے یوسف! آپ اس سے درگزر کیجئے' اور (اے زلیخا!) تو اپنی غلطی کی معافی مانگ' بے شک تو خطا کاروں میں سے ہے○ اور شہر کی عورتوں نے کہا کہ عزیز کی بیوی اپنے نوجوان (غلام) کو اسی کی اپنی مرضی کے خلاف پھسلاتی ہے' بے شک یوسف کی محبت اس کے دل میں داخل ہو چکی ہے' بے شک ہم اسے صریح غلطی میں دیکھتی ہیں○

۲۸۔﴿فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ﴾ پھر جب زلیخا کے شوہر قطفیر نے حضرت یوسف کے کرتے کو دیکھا کہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے اور اس نے حضرت یوسف کی پاک دامنی کو اور ان کی صداقت کو اور زلیخا کے جھوٹ کو جان لیا تو ﴿قَالَ اِنَّهٗ﴾ قطفیر نے زلیخا سے کہا کہ بے شک تمہارا یہ کہنا کہ جو شخص تمہاری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے سوا اور کوئی نہیں ہونی چاہیے کہ اسے قید کر لیا جائے یا دردناک سزا دی جائے یا تمہارا یہ معاملہ حضرت یوسف کو حاصل کرنے کا ایک حیلہ ہے ﴿مِنْ كَيْدِكُنَّ﴾ یہ سب تمہارے مکر و فریب ہیں [اور ''کُنَّ'' کا خطاب زلیخا اور اس کی دیگر ہم جماعت خواتین کے لیے ہے (اس لیے جمع لایا گیا ہے)] ﴿اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ﴾ بے شک تمہارے مکر و فریب بہت بڑے ہوتے ہیں' کیونکہ ان عورتوں کے مکر و فریب بہت باریک ہوتے ہیں اور ان کے حیلے اور بہانے بہت بڑے ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ مردوں پر غالب آ جاتی ہیں اور ان میں سے کم از کم مکر و فریب کرنے والیوں کے پاس بھی ایسے مکر و فریب ہوتے ہیں جو ان کے علاوہ باقیوں کے پاس نہیں ہوتے اور بعض علمائے دین فرماتے ہیں کہ بے شک میں جتنا شیطان کے مکر و فریب سے ڈرتا ہوں اس سے زیادہ میں عورتوں کے مکر و فریب سے ڈرتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا''۔ (النساء:۷۶) بے شک شیطان کا مکر و فریب کمزور ہے' اور اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ''۔ (یوسف:۲۸) بے شک تم عورتوں کے مکر و فریب بہت بڑے ہوتے ہیں۔

۲۹۔﴿يُوْسُفُ﴾ [اصل میں ''يَا يُوْسُفُ'' ہے' اس سے حرف ندا حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ منادیٰ قریب ہے بات کو خوب سمجھنے والا ہے اور اس میں منادیٰ کو قریب کرنے اور اس کو نرم کرنے کے لیے حرف ندا حذف کر دیا گیا ہے] اے

یوسف! ﴿اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا﴾ اس معاملہ سے درگزر کیجئے اور اس کی پردہ پوشی فرمایئے اور اس واقعہ کو کسی سے بیان نہ کیجئے' پھر عزیز مصر نے (اپنی بیوی) راعیل سے کہا (راعیل نام ہے' زلیخا اس کا لقب ہے) ﴿وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِــٕیْنَ﴾ اور تو اپنے گناہ کی معافی مانگ' بے شک تو ہی خطا کاروں میں سے ہے کہ قصداً گناہ کرنے والی قوم میں سے ایک تو بھی ہے' "خَطِئَ" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی جان بوجھ کر گناہ کرتا ہے اور باقی "مِنَ الْخَاطِئِیْنَ" مذکر کا لفظ فرمایا گیا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر غالب قرار دیا گیا ہے اور چونکہ عزیز مصر بردبار اور حوصلہ مند اور کم غیرت مند تھا' اس لیے اس نے صرف اتنی سی بات پر اکتفاء کیا۔

خواتینِ مصر کا زلیخا کو خطا کار قرار دینا اور حضرت یوسف کی پاک دامنی بیان کرنا

۳۰۔ ﴿وَقَالَ نِسْوَةٌ﴾ اور عورتوں کی ایک جماعت نے کہا اور وہ کل پانچ عورتیں تھیں (۱) بادشاہ کو شراب پلانے والے کی بیوی (۲) نان بائی کی بیوی (۳) جانوروں کے اصطبل کے نگران کی بیوی (۴) جیلر کی بیوی (۵) دربان کی بیوی [اور "نِسْوَةٌ" اسم مفرد ہے جو "مَرْاَةٌ" کی جمع کے لیے آتا ہے اور یہ مؤنث غیر حقیقی ہے' اس لیے "قَالَتْ" نہیں فرمایا اور اس میں دو لغتیں ہیں: ایک نون کے نیچے زیر کے ساتھ اور دوسری نون پر پیش کے ساتھ] ﴿فِی الْمَدِیْنَةِ﴾ مصر کے شہر میں ﴿امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ﴾ عزیز مصر کی بیوی' اس سے قطفیر مراد ہے' عربی زبان میں "عزیز" کا معنی بادشاہ ہے ﴿تُرَاوِدُ فَتٰىهَا﴾ وہ اپنے ایک نوجوان کو ورغلاتی ہے [یعنی اپنے غلام کو "فَتَایَ" اور "فَتَاتِیَ" کہا جاتا ہے یعنی میرا غلام اور میری لونڈی] ﴿عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ خود اس نوجوان کی مرضی کے خلاف تاکہ وہ اس نوجوان سے اپنی نفسانی شہوت پوری کرے ﴿قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا﴾ بے شک اس عورت کے دل میں اس نوجوان کی محبت گھر کر چکی ہے یعنی حضرت یوسف کی محبت زلیخا کے دل کے پردے کو چیر اس کے اندرونی حصے فؤاد تک جا پہنچی ہے اور شغاف دل کے پردے کو کہا جاتا ہے یا دل کے اوپر نرم جلد کو شغاف کہا جاتا ہے اور اسی کو دل کی زبان بھی کہا جاتا ہے ["حُبًّا" تمیز ہے] ﴿اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ بے شک ہم اس عورت کو راہِ حق سے دور صریح غلطی میں پاتی ہیں (کیونکہ نکاح کے بغیر کسی پاک دامن کو پھسلا کر نفسانی شہوت پوری کرنے کی کوشش کرنا بہت صریح غلطی ہے)۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَیْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ اٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّیْنًا وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَیْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ ؕ وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَ لَىٕنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَیُسْجَنَنَّ وَ لَیَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ ﴿۳۲﴾

پھر جب زلیخا نے ان کی چال سنی تو ان کو دعوت کا پیغام بھیجا اور ان کے لیے مسندیں تیار کیں اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی اور اس نے (یوسف سے) کہا: ان کے سامنے آ جایئے' سو جب انہوں نے حضرت یوسف کو دیکھا

تو ان کی بڑائی کا اقرار کیا اور اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالا اور کہنے لگیں کہ اللہ ہی کے لیے پاکی ہے یہ انسان نہیں ہے' یہ تو صرف معزز فرشتہ ہے O پس یہ وہی ہے' جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی ہو' اور بے شک میں نے اس کو اس کی اپنی مرضی کے خلاف ورغلایا ہے لیکن اس نے اپنی عصمت کو بچا لیا' اور اگر اس نے وہ کام نہ کیا جس کا میں اُسے حکم دیتی ہوں تو اس کو ضرور قید کیا جائے گا اور وہ ضرور ذلت اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا O

۳۱- ﴿ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ ﴾ پھر جب راعیل (عرف زلیخا) نے ان عورتوں کی غیبت کی باتیں اور ان کا یہ کہنا سن لیا کہ عزیز کی بیوی اپنے کنعانی غلام پر عاشق ہو چکی ہے اور وہ غلام اس بات پر اس سے راضی نہیں اور غیبت کو مکر اس لیے کہا گیا ہے کہ غیبت بھی مکر و فریب کی طرح چھپ کر اس کی غیر موجودگی میں کی جاتی ہے جیسا کہ مکر و فریب کرنے والا اپنا فریب چھپاتا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ زلیخا اپنے عشق کے راز کو ان سے چھپاتی تھی' لیکن انہوں نے اسے اس پر ظاہر کر دیا ﴿ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ ﴾ زلیخا نے ان کی طرف پیغام بھیجا اور ان کو دعوت پر بلا لیا اور کہا گیا ہے کہ زلیخا نے چالیس عورتوں کو دعوت پر بلایا تھا جن میں سے پانچ مذکورہ بالا عورتیں تھیں ﴿ وَاَعْتَدَتْ ﴾ [''عتاد'' سے ماخوذ ہے] اور اس نے تیار کر دیئے ﴿ لَهُنَّ مُتَّكَاً ﴾ ان کے لیے ریشمی گاؤ تکیے جن پر وہ عورتیں ٹیک لگا کر بیٹھیں' زلیخا نے اس صورت کو اختیار کیا کہ وہ عورتیں تکیے لگا کر بیٹھیں اور چھریاں ان کے ہاتھوں میں ہوں تاکہ وہ حضرت یوسف کو دیکھتے ہی حیران و مدہوش ہو جائیں اور اپنے آپ کو بھول جائیں اور اپنے ہاتھوں کو ایک دوسرے پر ماریں گی تو ان کے ہاتھ کٹ جائیں گے کیونکہ تکیہ لگا کر بیٹھا ہوا شخص جب کسی چیز کی وجہ سے حیران و مبہوت ہوتا ہے تو وہ اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارتا ہے ﴿ وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا ﴾ اور اس نے ان عورتوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی اور اس زمانے میں لوگ چھریوں کے ساتھ کھاتے تھے جیسا کہ عجمی لوگ کرتے ہیں ﴿ وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ﴾ [ابوعمرو بصری' عاصم اور حمزہ کی قراءت میں ''تَا'' کو مکسور پڑھا گیا ہے اور دوسرے قراء کے نزدیک ''تَـا'' کو مضموم پڑھا گیا ہے] اور زلیخا نے حضرت یوسف سے کہا کہ آپ ان کے سامنے تشریف لائیں ﴿ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ ﴾ پھر جب ان عورتوں نے حضرت یوسف کو دیکھا تو وہ آپ کی بڑائی بیان کرنے لگیں اور وہ آپ کے عمدہ ترین اور بہترین حسن و جمال میں مبہوت و مدہوش ہو گئیں کیونکہ حضرت یوسف کے حسن و جمال کی فضیلت دیگر لوگوں پر ایسی تھی جیسے آسمان کے ستاروں پر چودھویں رات کے چاند کو فضیلت حاصل ہوتی ہے اور حضرت یوسف حسن و جمال میں حضرت آدم کے حسن و جمال کے مشابہ تھے' جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا تھا (تو اس وقت حضرت آدم بہت حسین و جمیل تھے) اور حضرت یوسف جب مصر کے بازاروں میں چلتے تھے تو آپ کے چہرے مبارک کی چمک اور روشنی دیواروں پر دیکھی جاتی تھی اور بعض اہل علم نے بیان کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حسن و جمال ان کی جد امجد حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے وراثت میں ملا تھا [اور بعض کے نزدیک ''اَكْبَرْنَ'' بہ معنیٰ ''حِضْنَ'' ہے یعنی حضرت یوسف کو دیکھتے ہی ان عورتوں کے رحموں سے شہوت کے غلبہ کی وجہ سے خون جاری ہو گیا اور اس کے آخر میں ''ھا'' سکتہ کے لیے ہے کیونکہ ''اَلنِّسَآءُ قَدْ حِضْنَهٗ'' نہیں بولا جاتا' اس لیے کہ یہ فعل مفعول کی طرف متعدی نہیں ہوتا اور جب عورت کو حیض کا خون جاری ہو جاتا ہے تو ''اَكْبَرَتِ الْمَرْاَةُ'' کہا جاتا ہے اور حقیقت میں یہ نشانی ہوتی ہے کہ لڑکی بالغہ ہو گئی ہے کیونکہ لڑکی حیض کے خون جاری ہو جانے پر بچپن کی حد سے نکل جاتی ہے اور گویا ابوطیب نے اسی تفسیر سے اپنا یہ قول اخذ کیا ہے کہ لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صاحب حسن و جمال عورت کو برقع میں چھپاؤ کیونکہ اگر تم نے اس کو بے پردہ کر دیا تو پہلے پردہ میں رہنے والی نیک اور پارسا عورتوں کو بھی خون جاری ہو جائے گا] ﴿ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ﴾ اور انہوں نے اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالا (یعنی)

ان کو زخمی کر دیا جیسا کہ تم کہو کہ میں گوشت کاٹ رہا تھا کہ میں نے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا' اس سے تمہاری مراد یہ ہو کہ تم نے اپنا ہاتھ زخمی کر دیا یعنی وہ عورتیں اپنے ہاتھوں میں لیے ہوئے کھانے کو کاٹنا چاہتی تھیں' لیکن جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو مدہوش ہو گئیں اور انہوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے ﴿وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ﴾ اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے پاکی ہے۔[''حَاشَا'' استثناء کے باب میں تنزیہ و تقدیس اور پاکیزگی کے معنی کا فائدہ دیتا ہے جیسے تم کہو: ''اَسَاءَ الْقَوْمُ حَاشَا زَيْدٍ''. پوری قوم نے بُرائی کی ماسوا زید کے (یعنی زید اس بُرائی سے پاک ہے) اور یہ حروف جارہ میں سے ایک حرف جار ہے' پس یہ پاک اور بَری ہونے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے' پس ''حَاشَا لِلّٰهِ'' کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ بَری اور پاک ہے اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''حَاشَا لِلّٰهِ'' (آخر میں الف) ہے' جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''سَقْيًا لَكَ'' گویا فرمایا کہ براءت ہے' پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ یہ اس ذات کے بیان کے لیے ہوتا ہے جو بَری اور پاک ہو اور اس کے علاوہ دوسرے قراء کی قراءت میں ''حَاشَ لِلّٰهِ'' ہے جو آخر میں الف محذوف کے ساتھ ہے] اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عجز و کمزوری کی صفات سے پاک و بَری ہے اور حضرت یوسف کی طرح حسین و جمیل کے پیدا کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر تعجب کا اظہار ہے ﴿مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ﴾ یہ بشر نہیں ہے' یہ تو نہیں مگر معزز فرشتہ۔ خواتینِ مصر نے حضرت یوسف سے بشریت کی نفی اس لیے کر دی کہ آپ کا حسن و جمال عجیب و غریب اور بے مثال تھا اور انہوں نے حضرت یوسف کو فرشتہ قرار دے دیا اور اس پر یقینی حکم ثابت کر دیا اور یہ اس لیے کیا کہ لوگوں کی طبیعت میں یہ بات راسخ اور پختہ ہو چکی ہے کہ فرشتہ سے زیادہ کوئی حسین و جمیل نہیں ہوتا جس طرح لوگوں کے دلوں میں یہ بات راسخ ہو چکی ہے کہ شیطان سے زیادہ کوئی قبیح و بدصورت نہیں ہے۔

۳۲-﴿قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ﴾ زلیخا نے کہا: سو یہ وہی ہے جس کے متعلق تم مجھے ملامت کرتی تھیں (یعنی) زلیخا ان عورتوں سے کہنے لگی: یہ وہی کنعانی غلام ہے جس کی شکل و صورت تم نے اپنے دلوں میں متعین کر رکھی ہے' پھر تم مجھے ملامت کرتی ہو یعنی تم نے اس کی شکل و صورت کا ایسا حسین و جمیل تصور قائم نہیں کیا جیسا کہ اس کے حسن و جمال کے تصور کا حق ہے ورنہ تم مجھے اس کے عشق و محبت میں خود رفتہ پا کر مجھے ہرگز ملامت نہ کرتیں بلکہ تم مجھے اس کے عشق و محبت میں معذور سمجھتیں ﴿وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ﴾ اور بے شک میں نے اس کو اس کی اپنی مرضی کے خلاف پھسلایا' سو وہ بچ گیا اور ''استعصام'' مبالغہ کا معنی دینے کے لیے بنایا گیا ہے' جو اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بہت بڑی کوشش اور زبردست تحفظ کر کے اپنے آپ کو ان کی سازش سے بچا لیا' گویا وہ خود سراپا عصمت بن گئے تھے اور وہ اپنی اس عصمت کو بڑھانے کے لیے پوری کوشش کرتے ہیں اور یہ بیان واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس معنی سے بَری ہیں جو اس گروہ نے ''ھم'' اور ''بُرْھَان'' کا بیان کیا' پھر ان خواتین نے حضرت یوسف سے درخواست کرتے ہوئے کہا کہ آپ اپنی مالکہ زلیخا کی بات مان لیں اور اس کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لیں تو یہ بات سن کر زلیخا نے کہا: ﴿وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ﴾ اور اگر اس نے (حضرت یوسف نے) وہ کام نہ کیا جس کا میں اسے حکم دیتی ہوں۔[ضمیر ''مَا'' کی طرف لوٹتی ہے اور ''مَا'' موصولہ ہے اور معنی یہ ہے کہ ''مَا اٰمُرُ بِهٖ'' یعنی جس کام کا میں حکم دیتی ہوں' پھر حرف جارہ حذف کر دیا گیا ہے جیسا کہ یہ قول ہے: ''اَمَرْتُكَ بِالْخَيْرِ'' میں نے تجھے نیکی کا حکم دیا ہے' یا پھر ''مَا'' مصدریہ ہے اور ضمیر ''یوسف'' کی طرف لوٹتی ہے] یعنی اگر اس نے میرے حکم پر عمل نہ کیا یعنی میرے حکم کا موجب اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ﴿لَيُسْجَنَنَّ﴾ اسے ضرور قید کیا جائے گا ﴿وَلَيَكُوْنًا﴾ [الف نون تاکید خفیفہ سے تبدیل کیا ہوا ہے] اور

البتہ وہ ضرور ہو جائیں گے ﴿مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ﴾ ذلیل لوگوں میں سے (یعنی) وہ چوری کرنے والوں' خون بہانے والوں اور بھاگ جانے والوں میں سے ہو جائیں گے جیسا کہ اس نے (یعنی حضرت یوسف نے) میرا دل چرا لیا ہے اور مجھ سے بھاگ گیا ہے اور اس نے فراق و جدائی کے صدمے سے میرا خون بہایا ہے' سو اب یوسف کے لیے یہاں کھانے پینے اور سونے کا انتظام نہ کیا جائے' جس طرح اس نے مجھ سے ہر چیز روک لی ہے اور جو شخص میرے جیسی حسینہ جمیلہ کے ساتھ ریشمی لباس میں امیرانہ تخت نشین ہونے پر راضی نہیں تو اس کو قیدی بنا کر چٹائی پر حسرت و افسوس کے ساتھ زندگی گزارنا پڑے گی۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٣٣﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٣٥﴾

ع ۱۴

یوسف نے کہا کہ اے میرے رب! مجھے اس کام سے قید زیادہ پسند ہے جس کی طرف وہ مجھے بلاتی ہیں' اور اگر آپ نے ان کا مکر و فریب مجھ سے نہ پھیرا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں نادانوں میں سے ہو جاؤں گا O سو اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی اور اس سے ان عورتوں کا مکر و فریب پھیر دیا' بے شک وہ بہت کچھ سننے والا خوب جاننے والا ہے O پھر عصمتِ یوسف کی نشانیاں دیکھنے کے بعد ان کے لیے یہی ظاہر ہوا کہ یوسف کو ایک عرصہ تک ضرور قید میں رکھا جائے O

۳۳-جب حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا کی دھمکی آمیز گفتگو کو سنا تو ﴿قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ﴾ آپ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! جس قبیح فعل کی طرف یہ عورتیں مجھے دعوت دے رہی ہیں اس سے قید میں رہنا مجھے زیادہ پسند ہے۔ اس جگہ دعوت کی نسبت ان عورتوں کی طرف کی گئی ہے کیونکہ انہوں نے آپ سے کہا تھا کہ اے یوسف! اگر تم اپنی مالکن کی بات قبول کر لیتے تو تمہیں کیا ہو جاتا یا یہ کہ ان میں سے ہر ایک عورت نے آپ کو آزمائش میں ڈال دیا تھا کہ ہر عورت چوری چھپے آپ کو اپنی طرف راغب ہونے کی دعوت دیتی تھی تو آپ نے اپنے رب کی طرف پناہ لی اور عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھے قید میں رہنا گناہ کے ارتکاب سے زیادہ پسند ہے ﴿وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ﴾ اور اگر تو نے ان کے مکر و فریب کو مجھ سے دور نہ کیا۔ حضرت یوسف نے عصمت و پاک دامنی کی طلب میں اپنی گھبراہٹ و پریشانی کا اظہار اللہ تعالیٰ سے کیا ﴿اَصْبُ اِلَيْهِنَّ﴾ تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا [اور ''صبوۃ'' کا معنی خواہشِ نفسانی کی طرف مائل ہونا ہے اور اسی سے ''صبا'' ماخوذ ہے] اس لیے کہ نفوسِ انسانی اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کیونکہ اس کی ہوا نہایت خوش اور روح کو لبھانے والی ہوتی ہے ﴿وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ اور میں نادانوں میں سے ہو جاؤں گا (یعنی) ان لوگوں میں سے جو علم کے مطابق عمل نہیں کرتے کیونکہ جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا وہ اور جو کچھ نہیں جانتا وہ دونوں برابر ہوتے ہیں یا یہ کہ میں بے وقوف لوگوں میں سے ہو جاؤں گا۔

۳۴- پھر جب اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَيْدَهُنَّ" میں پھیرنے کی طلب کا معنی اور دعا کا معنی پایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ﴾ تو اس کے رب نے اس کی بات کو قبول کر لیا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کی دعا کو قبول فرما لیا ﴿فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے ان کا مکر و فریب پھیر دیا۔ بے شک وہی اپنی بارگاہ میں پناہ لینے والوں کی دعائیں خوب سننے والا ہے ﴿الْعَلِيْمُ﴾ حضرت یوسف کے حال کو اور ان عورتوں کے حال کو خوب جاننے والا ہے۔

۳۵- ﴿ثُمَّ بَدَا لَهُمْ﴾ پھر ان کے لیے ظاہر ہوا۔[اس کا فاعل پوشیدہ ہے کیونکہ اس پر وہ کلام دلالت کر رہا ہے جو اس کی تفسیر و تشریح کرتا ہے اور وہ "لَيَسْجُنُنَّهٗ" ہے اور معنی یہ ہے کہ ان کے لیے عیاں ہوا یعنی ان کے لیے رائے ظاہر ہوئی اور "لَهُمْ" میں ضمیر عزیز مصر اور اس کے دیگر ساتھیوں کے لیے ہے] ﴿مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ﴾ ان نشانیوں کے بعد جو انہوں نے دیکھی تھیں اور یہ وہ شواہد ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی پر دلالت کرتے ہیں جیسے کُرتے کا پھٹ جانا اور خواتین کے ہاتھوں کا کٹ جانا اور بچے کا گواہی دینا وغیرہ وغیرہ ﴿لَيَسْجُنُنَّهٗ﴾ وہ آپ کو ضرور قید کر دیں کیونکہ لوگوں کی قیل و قال پر پردہ ڈالنے اور حالات کو کنٹرول کرنے کے لیے یہی منصوبہ ان کے لیے ظاہر ہوا اور یہ تب ہوتا ہے جب عورت اپنے شوہر کو اپنی بات پر قائل کر لے اور عزیز مصر بھی اپنی بیوی زلیخا کا تابع اور فرماں بردار و نوکر بنا ہوا تھا اور اس کی لگام اس کی بیوی کے ہاتھ میں تھی اور زلیخا کو امید تھی کہ قید حضرت یوسف کو خوار کر دے گی اور آپ زلیخا کے سامنے مجبور ہو کر فرماں بردار غلام بن کر رہیں گے یا اس پر لوگوں کی نگاہوں کا خوف طاری ہو جائے گا اور لوگ ان کے بارے میں مختلف گمان کریں گے تو لوگوں سے ندامت اور ناامیدی کا خوف اس کو زلیخا کی پناہ لینے پر مجبور کر دے گا یہاں تک کہ ہاتھ سے نکل جانے کے خوف سے زلیخا حضرت یوسف کو قید خانہ کے پردے میں رکھنے پر راضی ہو گئی تھی تا کہ وہ ان کے حالات سے آگاہ ہو کر تسلی حاصل کرتی رہے کیونکہ ان کے دیدار سے وہ محروم ہو جائے گی ﴿حَتّٰى حِيْنٍ﴾ ایک مدت تک' گویا زلیخا نے چاہا کہ حضرت یوسف کچھ عرصہ تک قید خانہ میں قید رہیں یہاں تک کہ وہ دیکھیں کہ انہیں اب کیا کرنا ہے۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۳۶ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۳۷

اور یوسف کے ساتھ قید خانہ میں بادشاہ کے دو غلام بھی داخل ہوئے' ان میں سے ایک نے کہا: بے شک میں اپنے آپ کو خواب میں شراب نچوڑتے ہوئے دیکھتا ہوں' اور دوسرے نے کہا: بے شک میں اپنے آپ کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جس میں سے پرندے کھا رہے ہیں' آپ ہمیں اس کی تعبیر بتا دیجئے' بے شک ہم آپ کو نیک لوگوں میں سے خیال کرتے ہیں○ آپ نے فرمایا: جو کھانا تمہیں دیا جاتا ہے وہ تمہارے پاس نہیں پہنچے گا مگر میں

اس کے آنے سے پہلے تم دونوں کو اس کی تعبیر بتادوں گا' یہ ان علوم میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھادیئے ہیں' بے شک میں نے اس قوم کا دین ترک کررکھا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں O

حضرت یوسف کا اپنے دو قیدی ساتھیوں کے خوابوں کی تعبیر بیان کرنا اور دینِ حق کی تبلیغ کرنا

۳۶-﴿ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ﴾ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید خانہ میں دو نوجوان داخل ہوئے۔ وہ دونوں بادشاہ کے غلام تھے' ایک اس کا خاص باورچی تھا جو کھانا تیار کر کے کھلاتا تھا' دوسرا شراب پلانے والا خاص ملازم تھا۔ ان دونوں پر بادشاہ کو زہر دینے کا الزام تھا' چنانچہ جس وقت حضرت یوسف کو جیل میں داخل کیا گیا تھا' اسی وقت ان دونوں کو بھی جیل میں داخل کیا گیا تھا[کیونکہ لفظ ''مَعَ'' صحبت کے معنی پر دلالت کرتا ہے(کہ یہ دونوں یوسف کے ساتھ اکٹھے داخل کیے گئے) جیسے تم کہو: ''خَرَجْتُ مَعَ الْاَمِيْرِ'' کہ میں امیر کے ساتھ نکلا ہوں' اس سے تمہاری مراد یہ ہو کہ اس کی صحبت ومعیت میں نکلا ہوں' پس ثابت ہو گیا کہ جیل میں ان دونوں کا داخلہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ساتھ اکٹھے ہوا تھا] ﴿ قَالَ اَحَدُهُمَآ ﴾ ان دونوں میں سے ایک نے یعنی بادشاہ کو شراب پلانے والے نے کہا: ﴿ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ ﴾ بے شک میں نے اپنے آپ کو دیکھا یعنی خواب میں دیکھا[اور یہ ماضی کے حال کی حکایت ہے] ﴿ اَعْصِرُ خَمْرًا ﴾ میں شراب نچوڑ رہا ہوں یعنی انگور نچوڑ رہا ہوں۔ انگور کو شراب کا نام مستقبل کے اعتبار سے دیا گیا ہے(کہ انگور سے شراب تیار کی جائے گی) یا عمان کی زبان میں انگور کو خمر کہا جاتا ہے ﴿ وَقَالَ الْاٰخَرُ ﴾ اور دوسرے نے کہا: یعنی بادشاہ کے باورچی نے کہا: ﴿ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ﴾ بے شک میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جس سے پرندے کھا رہے ہیں' آپ ہمیں اس کی تعبیر بتا دیں جس کو ہم نے خواب میں دیکھا ہے ﴿ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ بے شک ہم آپ کو نیکوکاروں میں سے دیکھتے ہیں (یعنی) ان لوگوں میں سے جو خواب کی تعبیر اچھی طرح بتاتے ہیں یا یہ کہ ہم آپ کو قیدیوں کے ساتھ نیکی کرنے والا دیکھتے ہیں کیونکہ آپ بیماروں کا علاج کرتے ہیں' ان کو دوائی دیتے ہیں اور آپ غمگین و پریشان حال انسانوں کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں اور آپ محتاجوں کو کھانا وغیرہ کھلاتے ہیں اور ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرتے ہیں' پس ہم نے جو خواب دیکھا ہے آپ اس کی تعبیر بتا کر ہم پر احسان کیجئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں نے حضرت یوسف کا امتحان لینے کے لیے محض بہانا بنایا تھا' چنانچہ شراب پلانے والے نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا میں ایک باغ میں ہوں اور ایک درخت کے نیچے کھڑا ہوں جس پر انگور کی بیل چڑھی ہوئی ہے اور اس پر انگور کے تین گچھے لٹکے ہوئے ہیں' پس میں نے ان کو توڑا اور بادشاہ کے پیالے میں نچوڑ لیا اور میں نے نچوڑا ہوا انگور کا جوس بادشاہ کو پلا دیا ہے اور باورچی نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا میرے سر پر تین ٹوکریاں ہیں' جن میں مختلف اقسام کے کھانے ہیں' پھر اچانک شکاری پرندے آجاتے ہیں' جو اس کھانے کو نوچنے لگ جاتے ہیں۔

۳۷-﴿ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ ﴾ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں جو کھانا دیا جاتا ہے وہ تمہارے پاس نہیں پہنچے گا مگر میں تم دونوں کو اس خواب کی تعبیر (اس کے آنے سے پہلے) بتادوں گا' یعنی اس کی حقیقت اور اس کی کیفیت بیان کردوں گا کیونکہ یہ خواب مشکل کی تفسیر وتشریح کی طرح ہوتا ہے ﴿ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ﴾ اس سے پہلے کہ وہ کھانا تمہارے پاس پہنچے اور جب دونوں ساتھیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر دریافت کی اور آپ کو محسن قرار دے کر انہوں نے آپ کو صفتِ احسان کے ساتھ موصوف کیا تو حضرت یوسف نے اس میں غور وفکر کیا اور اس کے نتیجہ تک پہنچ گئے تو آپ نے اپنے آپ کو ایسے وصف کے ساتھ موصوف کیا جو علماء کے علم سے بڑھ کر ہے اور وہ ہے

غیب کی خبر دینا اور جو کھانا قید خانہ میں ان دونوں کے پاس لایا جاتا تھا' اس کے آنے سے پہلے حضرت یوسف نے ان کو بتا دیا اور دونوں کے لیے اس کھانے کی صفت بھی بیان فرما دی اور فرمایا کہ آج تمہارے پاس فلاں صفت کا کھانا اور فلاں فلاں کھانا پیش کیا جائے گا' چنانچہ جس طرح حضرت یوسف نے فرمایا اسی طرح کا کھانا پیش کیا گیا اور آپ نے خالصۃً ان کو شرک سے توحید کی طرف منتقل کرنے کے لیے یہ کام کیا' یہاں تک کہ آپ نے ان دونوں کے سامنے (تعبیر بتانے سے پہلے) توحید کا ذکر کیا اور ان پر ایمان پیش کیا اور ان کے سامنے توحید و ایمان کی اچھائی اور خوبی بیان فرمائی اور ان کے سامنے شرک کی قباحت و بُرائی بیان فرمائی اور اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ جب کسی عالم کے علمی مقام و مرتبہ سے لوگ ناواقف ہوں تو وہ عالم اپنے آپ کو ایسے علمی وصف کے ساتھ موصوف کر کے بیان کر سکتا ہے جس کے سبب لوگوں میں اس کا علمی مرتبہ بلند ہو جائے اور حضرت یوسف کی غرض یہی تھی کہ لوگ ان کے علم سے فائدہ اٹھائیں ورنہ حضرت یوسف کا مقصد خود ستائی یا اپنی پاک بازی بیان کرنا نہیں تھا ﴿ذٰلِكُمَا﴾ یہ دونوں ساتھیوں کے لیے تاویل (یعنی تعبیر) کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ خوابوں کی تعبیر اور غیبوں کی خبریں دینا ﴿مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ﴾ ان علوم میں سے ہیں جو میرے رب نے مجھے سکھا دیئے ہیں (اور) ان کے ساتھ میری طرف وحی فرمائی ہے اور میں یہ باتیں تم سے نہ کہانت کی وجہ سے کہہ رہا ہوں اور نہ ستارہ شناسی کی بناء پر کہہ رہا ہوں ﴿اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ بے شک میں نے اس قوم کا دین ترک کر رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ [یہ بھی جائز ہے کہ یہ مستقل الگ کلام شروع کیا گیا ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ پہلے کلام کی علت ہو] یعنی یہ باتیں مجھے میرے رب نے بتا دی ہیں اور اسی نے ان کو میری طرف وحی کے ذریعے بھیجا ہے' اس لیے کہ میں نے ان لوگوں کے دین کو چھوڑ رکھا ہے اور وہ لوگ مصر کے باشندے ہیں اور وہ دونوں جوان بھی انہی لوگوں کے دین پر تھے۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾

اور میں اپنے باپ دادا ابراہیم' اسحاق اور یعقوب کے دین کا پیروکار ہوں' ہمارے لیے جائز نہیں ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں' یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے ○ اے قید خانہ کے دو ساتھیو! کیا بہت سے الگ الگ خدا بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے ○

۳۸- ﴿وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾ اور میں نے اپنے باپ دادا حضرت ابراہیم' حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کے دین کی پیروی اختیار کر رکھی ہے اور وہ دینِ حنیف ہے (جو باطل سے پاک اور خالص توحید پر مبنی دین ہے) اور ملت کا تکرار محض تاکید کے لیے ہے اور حضرت یوسف نے اپنے خاندان کا اس لیے ذکر فرمایا تاکہ آپ اپنے دونوں ساتھیوں کو بتائیں کہ آپ یقیناً نبوت کے گھرانے سے ہیں اور ان دونوں کو پہچان کرا دیں کہ آپ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور پیغمبر ہیں' آپ کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے' اس لیے آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبوں کی خبریں ذکر کیا کرتے ہیں تاکہ ان دونوں کی رغبت آپ کی بات کی پیروی کرنے میں مضبوط و مستحکم ہو جائے اور کافر قوم کے دین کو چھوڑنے کا مقصد یہ

ہے کہ شروع ہی سے اس کو چھوڑ رکھا ہے کبھی اس کو اختیار نہیں فرمایا اور یہ مطلب نہیں کہ آپ پہلے انہیں کے دین پر تھے پھر اس کو چھوڑ دیا ہے (ہرگز نہیں) ﴿مَا كَانَ لَنَآ﴾ ہم انبیائے کرام کی جماعت کے لیے یہ صحیح نہیں ہے ﴿اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں یعنی کوئی چیز ہو خواہ بت ہوں یا کوئی اور چیز ہو ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ توحید ﴿مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے ہم پر اور دوسرے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ملنے پر شکر ادا نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور وہ سمجھتے نہیں۔

۳۹۔ ﴿يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ﴾ اے قید خانہ میں رہنے والو! جیسے ارشاد ہے: ''اَصْحٰبُ النَّارِ'' (البقرہ:۸۱) ''دوزخ والے''۔ اور ''اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ'' (البقرہ:۸۲) ''بہشت والے''۔ ﴿ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ کیا جدا جدا خدا بہتر ہیں یا ایک اللہ تعالیٰ جو سب پر غالب ہے؟ مراد یہ ہے کہ تعداد میں اور کثرت میں مختلف اور الگ الگ خدا یعنی کیا مختلف خدا ہوں کبھی یہ خدا تم سے عبادت و بندگی چاہے اور کبھی یہ خدا تم سے عبادت و بندگی چاہے کیا یہ تمہارے لیے بہتر ہیں یا یہ کہ تمہارے لیے ایک خدا ہو جو سب پر غالب ہے؟ وہ کبھی مغلوب نہیں ہوتا اور ربوبیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ مثال ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں اور بتوں کی عبادت کرنے والوں کے لیے بیان فرمائی ہے۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ؕ ۞

اس کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ محض نام ہیں جنہیں تم نے خود اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیا ہے اللہ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نہیں اتاری حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے اسی نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا تم کسی اور کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے O اے قید خانہ کے دو ساتھیو! لیکن تم میں سے ایک پس وہ تو اپنے مالک کو شراب پلائے گا اور لیکن دوسرا پس وہ پھانسی دیا جائے گا پھر اس کے سر سے پرندے کھائیں گے اس معاملے کا فیصلہ کر دیا گیا ہے جس کے متعلق تم دونوں دریافت کرتے تھے O

۴۰۔ ﴿مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً﴾ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے وہ تو نہیں مگر چند نام ہیں۔ اس میں خطاب دونوں قیدیوں کے لیے ہے اور ان لوگوں کے لیے ہے جو اہل مصر میں سے ان قیدیوں کے دین پر تھے ﴿سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ﴾ تم نے اور تمہارے باپ دادا نے از خود ان کے نام گھڑ لیے ہیں یعنی تم نے ان چیزوں کے نام اللہ اور معبود رکھ لیے ہیں جو الوہیت وعبادت کے مستحق ہی نہیں ہیں پھر تم نے ان کی عبادت شروع کر دی تو گویا تم صرف ناموں کی عبادت کرتے ہو نہ کہ مسمیات کی [اور ''سَمَّيْتُمُوْهَا'' کا معنی ہے: ''سَمَّيْتُمْ بِهَا'' کیونکہ ''سَمَّيْتُهٗ زَيْدًا'' اور

''سَمَّیۡتُہٗ بِزَیۡدٍ'' دونوں طرح بولا جاتا ہے] ﴿ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بِہَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان ناموں کی کوئی سند اور دلیل نہیں اتاری ﴿ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ﴾ دین اور عبادت کے معاملات میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حکم چلتا ہے کسی اور کا حکم نہیں چلتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے جو اہم ترین حکم دیا ہے' اُسے بیان کیا' چنانچہ فرمایا: ﴿ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ ؕ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت ہرگز نہیں کرو گے' یہی سیدھا اور مضبوط دین ہے' یہی ثابت شدہ دین ہے جس پر براہین و دلائل دلالت کرتے ہیں ﴿ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴾ اور بہت سے لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کو کفر و شرک کرنے پر سزا ضرور ملے گی اگرچہ وہ جاہل اور اَن پڑھ ہو بشرطیکہ اس کے لیے اس کا علم حاصل کرنا ممکن ہو۔

۴۱- پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے خوابوں کی تعبیر بیان فرمائی اور فرمایا کہ ﴿ یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ اَمَّاۤ اَحَدُکُمَا ﴾ اے قید خانہ کے دو ساتھیو! لیکن تم دونوں میں ایک جس سے شراب پلانے والا مراد ہے ﴿ فَیَسۡقِیۡ رَبَّہٗ خَمۡرًا ﴾ سو وہ اپنے آقا کو شراب پلائے گا یعنی وہ اپنے کام پر دوبارہ بحال ہو جائے گا (یہاں ''رَبّ'' بہ معنی ''سَیِّد'' کے ہے (یعنی آقا)) ﴿ وَ اَمَّا الۡاٰخَرُ ﴾ اور لیکن دوسرا یعنی نان بائی اور باورچی ﴿ فَیُصۡلَبُ فَتَاۡکُلُ الطَّیۡرُ مِنۡ رَّاۡسِہٖ ﴾ تو اس کو سولی پر لٹکایا جائے گا اور پرندے اس کے سر سے کھائیں گے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے پہلے شخص سے فرمایا تھا کہ تم نے جو انگور اور اس کا حسن و جمال دیکھا ہے' اس سے مراد بادشاہ ہے اور اس کے پاس تیری پوزیشن اور اعتماد بہت اچھا ثابت ہو گا لیکن تین شاخیں جو تم نے دیکھی تھیں تو اس سے مراد تین دن ہیں' پس اب تم صرف تین دن قید خانہ میں رہو گے' پھر تم رہا ہو کر باہر نکلو گے اور جس عہدے پر کام کرتے تھے' اسی پر دوبارہ بحال ہو جاؤ گے اور حضرت یوسف نے دوسرے آدمی سے فرمایا کہ تم نے جو روٹیوں کی تین ٹوکریاں دیکھی تھیں اس کا مقصد تین دن ہیں' پھر تم مجرم کی حیثیت سے قید خانہ سے نکال کر قتل کر دیئے جاؤ گے اور جب باورچی نے اپنے سولی پہ چڑھنے کی بات سنی تو کہنے لگا: میں نے تو کوئی خواب وغیرہ نہیں دیکھا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ قُضِیَ الۡاَمۡرُ الَّذِیۡ فِیۡہِ تَسۡتَفۡتِیٰنِ ﴾ وہ فیصلہ کر دیا گیا ہے جس کے متعلق تم مجھ سے دریافت کرتے تھے یعنی اب وہ یقینی طور پر ہو کر رہے گا اور وہ فیصلہ پورا ہو چکا جس کے متعلق تم دونوں اپنے معاملہ کے بارے میں اور اپنے مقدمہ کے بارے میں مجھ سے پوچھتے تھے یعنی اس معاملہ کا کیا انجام ہو گا اور وہ ان میں سے ایک کا ہلاک ہو جانا ہے اور دوسرے نے نجات حاصل کرنی ہے۔

وَ قَالَ لِلَّذِیۡ ظَنَّ اَنَّہٗ نَاجٍ مِّنۡہُمَا اذۡکُرۡنِیۡ عِنۡدَ رَبِّکَ ۫ فَاَنۡسٰہُ الشَّیۡطٰنُ ذِکۡرَ رَبِّہٖ فَلَبِثَ فِی السِّجۡنِ بِضۡعَ سِنِیۡنَ ﴿۴۲﴾ؑ وَ قَالَ الۡمَلِکُ اِنِّیۡۤ اَرٰی سَبۡعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاۡکُلُہُنَّ سَبۡعٌ عِجَافٌ وَّ سَبۡعَ سُنۡۢبُلٰتٍ خُضۡرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّہَا الۡمَلَاُ اَفۡتُوۡنِیۡ فِیۡ رُءۡیَایَ اِنۡ کُنۡتُمۡ لِلرُّءۡیَا تَعۡبُرُوۡنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ ۚ وَ مَا نَحۡنُ بِتَاۡوِیۡلِ الۡاَحۡلَامِ بِعٰلِمِیۡنَ ﴿۴۴﴾

ع ۱۵

یوسف نے اس شخص سے فرمایا جس کے متعلق آپ کو گمان تھا کہ ان دونوں میں سے وہی رہائی پائے گا کہ تم اپنے بادشاہ کے پاس میرا ذکر کرنا' سو شیطان نے اس کو اپنے بادشاہ کے پاس یوسف کا ذکر کرنا بھلا دیا تو یوسف کئی سال قید خانہ میں ٹھہرے رہے O اور بادشاہ نے کہا: بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز خوشے ہیں اور دوسرے سوکھے' اے سردارو! مجھے تم میرے خواب کی تعبیر بیان کرو اگر تم خواب کی تعبیر بیان کر سکتے ہو O انہوں نے کہا کہ یہ پریشان خوابیں ہیں' اور ہم خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے O

۴۲۔﴿ وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا ﴾ اور حضرت یوسف نے اس شخص سے فرمایا جس کے متعلق آپ کو گمان تھا کہ دونوں میں سے وہی رہائی حاصل کرے گا اور گمان کرنے والے حضرت یوسف علیہ السلام تھے اور آپ کی تعبیر محض اجتہاد کے طریقہ پر تھی اور اگر وحی کے طریقے پر ہوتی تو پھر گمان کرنے والا شراب پلانے والا ہوتا یا پھر ظن بہ معنی یقین ہے ﴿ اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ﴾ تم اپنے بادشاہ کے پاس میرا ذکر کرنا۔ تم اپنے بادشاہ کے پاس میری صفت بیان کرنا اور اس کے سامنے میرا واقعہ بیان کرنا کہ ایک نوجوان ظلم کے طور پر قید خانہ میں محبوس ہے' ممکن ہے کہ اس کو میرے اوپر رحم آ جائے اور مجھے اس پریشانی سے رہائی دلا دے ﴿ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ﴾ سو شیطان نے اس کو بھلا دیا (یعنی) شراب پلانے والے کو بھلا دیا ﴿ ذِكْرَ رَبِّهٖ ﴾ اپنے بادشاہ سے ذکر کرنے کو یعنی یہ کہ وہ رہائی پانے والا حضرت یوسف کا اپنے بادشاہ سے تذکرہ کرنا بھول گیا یا یہ کہ حضرت یوسف کو اپنے اللہ تعالیٰ کا یاد کرنا بھلا دیا کیونکہ آپ نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ساقی کے سپرد کر دیا اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی یوسف پر رحم فرمائے' اگر وہ ''اُذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ'' نہ کہتے تو قید خانہ میں سات سال محبوس نہ رہتے۔[1] ﴿ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ﴾ تو یوسف کئی سال قید خانہ میں رہے' یعنی جمہور اہل اسلام کے نزدیک سات سال رہے۔ [اور ''بِضْعَ'' تین سے لے کر نو تک کے لیے بولا جاتا ہے]

مصر کے بادشاہ کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف کا اس کی تعبیر بیان کرنا

۴۳۔﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ﴾ اور بادشاہ نے کہا: بے شک میں خواب دیکھتا ہوں کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جن کو سات دُبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات ہرے بھرے خوشے ہیں اور دوسرے (سات) سوکھے ہیں۔ دراصل جب حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا وقت قریب آ گیا تو مصر کے بادشاہ ریان بن الولید نے ایک عجیب و غریب ہولناک خواب دیکھا' چنانچہ اس نے خواب میں دیکھا کہ سات موٹی تازی گائیں ایک خشک نہر سے نکلی ہیں اور ان کے پیچھے سات کمزور دُبلی پتلی گائیں نکلیں اور موٹی تازہ گائیوں کو نگل گئیں اور اس نے سات ہرے بھرے سبز خوشے دیکھے جن کے دانے تیار ہو چکے تھے اور دوسرے سات خوشے سوکھے ہیں جو کھیتی سے کاٹ دیئے گئے ہیں اور پرانے ہو چکے ہیں' چنانچہ یہ خشک خوشے سبز و تر و تازہ خوشوں سے لپٹ گئے یہاں تک کہ وہ ہرے خوشوں پر غالب آ گئے اور اب بادشاہ اس کی تعبیر چاہتا تھا اور اس کی اپنی قوم میں کوئی شخص نہ ملا جو اس خواب کی تعبیر اچھی طرح بیان کر سکے اور بعض مفسرین کرام نے بیان کیا کہ حضرت یوسف کی مصیبت کا آغاز بھی آپ کے اپنے ایک خواب سے ہوا اور آپ کی رہائی اور نجات پانے کا سبب بھی ایک خواب ہوا۔ [اور ''سِمَانٌ''، ''سَمِیْنٌ'' اور ''سَمِیْنَةٌ'' کی جمع ہے اور ''عِجَاف'' کا معنی ہے: کمزور و دُبلی پتلی اور ''عجف'' اس کمزور چیز کو کہتے ہیں جس کے بعد کوئی موٹی تازی چیز نہ آئے اور ''افعل'' اور ''فعلاء'' کی جمع ''فِعَالٌ'' کے وزن پر نہیں آتی اور ''عجفاء'' (بروزن فعلاء) کی جمع ''عجاف''

[1] رواہ ابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ (الدر المنثور ج ۴ ص ۵۴۱)

(بروزن "فِعَال") کا سبب یہ ہے کہ اس کو اپنی نقیض پر محمول کیا گیا ہے اور وہ "یِسمَانٌ" ہے اور اہل عرب کا طریقہ ہے کہ ایک نظیر کو دوسری نظیر پر اور ایک نقیض کو دوسری نقیض پر محمول کرتے ہیں اور اس آیت مبارکہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ خشک اور سوکھے خوشے بھی سبز خوشوں کی طرح سات ہی تھے کیونکہ کلام اس بات پر مبنی ہے کہ ان سوکھے خوشوں کی تعداد اتنی مقرر ہے جتنی تعداد موٹی گائیوں اور کمزور گائیوں اور سبز خوشوں کی ہے' پس "اُخَر" کا مطلب لازمی طور پر سات ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ: "وَاُخَرُ یابِسَاتٍ" بہ معنیٰ "وَسَبْعًا اُخَرَ" ہے] ﴿ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ ﴾ اے سردارو! اس سے مراد علماء اور حکماء میں سے بڑے ماہر سردار ہیں ﴿ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ﴾ تم مجھے میرے خواب کی تعبیر بیان کرو' اگر تم لوگ خواب کی تعبیر بیان کر سکتے ہو ["لِلرُّؤْیَا" میں لام بیان کا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَكَانُوْا فِیْهِ مِنَ الزَّاهِدِیْنَ" اس میں "فِیْهِ" بیان کے لیے ہے یا اس لیے کہ جب مفعول بہ اپنے فعل سے مؤخر ہوتا ہے تو اس کے فعل کا عمل اس میں قوی ہوتا ہے لیکن جب مفعول بہ اپنے فعل سے مقدم ہو تو اس کے فعل کا عمل اس میں قوی نہیں رہتا تو اس صورت میں مفعول بہ پر لام جارہ داخل کر کے فعل کے عمل کو قوی کیا جاتا ہے جیسے تم کہو: "عَبَرْتُ الرُّؤْیَا" میں نے خواب کی تعبیر نکالی اور "لِلرُّؤْیَا عَبَرْتُ" میں نے خواب کے لیے تعبیر نکالی یا "لِلرُّؤْیَا" "كَانَ" (یعنی كُنْتُمْ) کی خبر ہے' جیسے تمہارا یہ قول ہے: "كَانَ فُلَانٌ لِهٰذَا الْاَمْرِ" جب کہ وہ مستقل و متمکن ہو اور "تَعْبُرُوْنَ" دوسری خبر ہے یا پھر حال ہے اور "عَبَرْتُ الرُّؤْیَا" کی حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس خواب کے انجام میں اور اس کے معاملہ کے نتیجے میں غور و فکر کیا جیسا کہ جب تم نہر کو عبور کر لو یہاں تک کہ اس کے آخری کنارے تک پہنچ جاؤ تو کہو "عَبَرْتُ النَّهْرَ" کہ میں نے نہر کو عبور کر لیا ہے اور اسی طرح "اَوَّلْتُ الرُّؤْیَا" کا معاملہ ہے جب تم اس کے انجام اور اس کے مرجع میں غور و فکر کرو اور (اہل لغت کے نزدیک) "عَبَرْتُ الرُّؤْیَا" تخفیف کے ساتھ (یعنی "بَا" کو شد کے بغیر) پڑھنا ہی معتبر و ثابت ہے اور تم ان (میں سے بعض) کو دیکھو گے کہ وہ "عَبَّرْتُ" (تشدید کے ساتھ) اور تعبیر اور "مُعَبِّر" کو نہیں جانتے]۔

٤٤- ﴿ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ﴾ انہوں نے کہا: یہ پریشان خواب ہیں' اصل میں "هِیَ اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ" یعنی یہ خیالی باتوں کی ملاوٹ کے اور جھوٹے خواب ہیں اور جو ایسے خواب ہوتے ہیں وہ نفس کے کہے ہوئے خیالات اور شیطانی وسوسے ہوتے ہیں [اور اصل (لغت) میں "اَضْغَاثٌ" کا معنی مختلف پودوں کو ملا کر ایک گٹھا تیار کرنا اور گھاس کے مختلف تنکوں خشک و تر کو جمع کر کے ایک مُٹھا تیار کرنا ہے اور اس کا واحد "ضِغْثٌ" ہے' پھر اس کو خیالی اور جھوٹی باتوں پر مشتمل خوابوں کے لیے استعمال کیا جانے لگا اور اس کی اضافت بہ معنیٰ "مِنْ" ہے "اَیْ اَضْغَاثٌ مِنْ اَحْلَامٍ" یعنی نیند میں آنے والی خیالی اور جھوٹی باتیں پریشان خوابوں میں سے ہیں اور "اَحْلَامٌ" جمع ہے' اس کا واحد "حُلْمٌ" ہے' یہ جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ خواب کو باطل اور جھوٹا ثابت کرنے کے وصف میں اضافہ کیا جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ بادشاہ نے لوگوں کے سامنے اس خواب کے ساتھ کوئی اور خواب بھی بیان کیا ہو] ﴿ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ﴾ اور ہم خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔ "اَحلام" سے ان کی مراد باطل اور جھوٹے خواب ہیں' چنانچہ انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس ان خوابوں کی کوئی تعبیر نہیں ہے کیونکہ تعبیر تو صحیح اور سچے خوابوں کی ہوتی ہے یا پھر انہوں نے اپنی علمی کم مائیگی کا اعتراف کیا اور یہ کہ بے شک وہ خوابوں کی تعبیر کے ماہر نہیں ہیں۔

وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿٤٥﴾

یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ۝۴۶ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًاۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ۝۴۷

اور اس شخص نے کہا جس نے ان دو قیدیوں میں سے رہائی حاصل کی تھی اور اسے ایک مدت کے بعد یاد آیا کہ میں تمہیں اس کی تعبیر کی خبر لا دوں گا' سوتم مجھے بھیج دو O اے یوسف! اے صدیق! آپ ہمیں تعبیر بتا دیجئے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جن کو سات دُبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات ہری بھری بالیاں ہیں اور دوسری (سات) سوکھی ہیں' تا کہ میں لوگوں کی طرف واپس جاؤں تا کہ وہ جان لیں O یوسف نے فرمایا کہ تم سات سال تک مسلسل کھیتی باڑی کرو گے' سوتم جو کچھ کاٹو اسے اس کی بالیوں میں رہنے دینا مگر تھوڑا سا غلہ کہ جتنا تم اس میں سے کھا سکو O

۴۵- ﴿وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا﴾ اور قید خانہ کے دو ساتھیوں میں سے جس نے قتل سے نجات حاصل کی تھی اس نے کہا ﴿وَادَّكَرَ﴾ [دال کے ساتھ زیادہ فصیح و بلیغ ہے اور اس کی اصل ''اِذْتَکَرَ'' ہے جس میں ذال کو دال سے تبدیل کیا گیا اور ''تَا'' کو دال سے تبدیل کر دیا گیا' پھر پہلی دال کو دوسری دال میں ادغام کیا گیا کیونکہ یہ متقارب الحرفین ہیں اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ''وَاذَّکَرَ'' ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ''تَا'' کو ذال سے تبدیل کیا تھا اور ذال کو ذال میں مدغم کر دیا گیا] یعنی اس نے حضرت یوسف اور آپ کی مشاہدہ کی گئیں کرامات کو یاد کیا ﴿بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ مدتِ دراز کے بعد اور وہ یہ کہ جب بادشاہ نے اپنے خواب کے بارے میں دریافت کیا اور بادشاہ پر اس کے خواب کی تعبیر مشکل ہو گئی تو قید خانہ سے نجات پانے والے نے حضرت یوسف کو یاد کیا اور اس کے خوابوں کی تعبیر بتانے کو اور اپنے خواب کو اور اپنے ساتھی کے خواب کو یاد کیا اور اسے یہ بھی یاد آ گیا کہ حضرت یوسف نے اس سے مطالبہ کیا تھا کہ بادشاہ کے پاس جا کر میرا تذکرہ کرنا ﴿اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ﴾ میں تمہیں اس کی تعبیر لا کر بتا دوں گا اور میں تمہیں اس شخص کے متعلق بتا دوں گا جس کے پاس خوابوں کی تعبیر کا علم ہے ﴿فَاَرْسِلُوْنِ﴾ سوتم مجھے بھیج دو۔ [قاری یعقوب کی قراءت میں ''یَا'' کے ساتھ (فَاَرْسِلُوْنِیْ) ہے] یعنی تم مجھے اس کی طرف بھیج دو تا کہ میں اس کے پاس جا کر خواب کی تعبیر کے متعلق پوچھوں' چنانچہ ان لوگوں نے اس شخص کو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف بھیج دیا اور وہ شخص حضرت یوسف کے پاس پہنچا اور کہا:

۴۶- ﴿یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ﴾ اے یوسف! اے بہت سچ بولنے والے! صدیق کا کلمہ صدق و سچ بولنے میں مبالغہ کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اس شخص نے آپ کو صدیق (بہت سچ بولنے والا) اس لیے کہا تھا کہ اس نے آپ کے حالات کو بغور دیکھا تھا اور آپ کے بہت سچ بولنے کو پہچان چکا تھا' چنانچہ حضرت یوسف نے اس آنے والے آدمی کے خواب کی تعبیر اور اس کے دوسرے ساتھی کے خواب کی تعبیر بالکل سچ بیان فرمائی تھی اور جیسے آپ نے تعبیر بتائی تھی' ویسے ہی ان کا انجام ہوا تھا ﴿اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ﴾ آپ ہمیں تعبیر بتائیں کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جن کو سات کمزور دُبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات

ہرے بھرے سبز خوشے ہیں اور (سات) دوسرے خشک اور سوکھے ہیں تا کہ میں لوگوں کی طرف واپس لوٹ جاؤں یعنی بادشاہ کی طرف اور اس کے پیروکاروں کی طرف ﴿ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ تا کہ بادشاہ اور دیگر لوگ اور آپ کی فضیلت اور آپ کے علمی مقام کو جان لیں اور آپ کو اپنے پاس طلب کر لیں اور آپ کو اس قید کی محنت و مشقت سے رہائی دلا دیں۔

٤٧- ﴿ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ ﴾ حضرت یوسف نے فرمایا کہ تم سات سال خوب کھیتی باڑی کرو۔ [یہ خبر امر کے معنی میں ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" (الصف: ۱۱) "تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جان سکو"۔ اور اس کی دوسری دلیل یہ ارشاد ہے کہ "فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖ" سو تم اس کھیتی کو اس کے خوشوں میں رہنے دو؛ اور امر کو خبر کی صورت میں صرف مامور بہ میں مبالغہ کرنے کے لیے لایا گیا ہے تو گویا اس کو موجود قرار دیا گیا ہے؛ پھر اس کے متعلق خبر دی گئی ہے] ﴿ دَاَبًا ﴾ [ہمزہ کے سکون کے ساتھ بھی قراءت ہے[1] اور امام حفص نے ہمزہ کو فتح کی حرکت دے کر پڑھا ہے اور یہ دونوں صورتوں میں "دَاَبَ فِي الْعَمَلِ" کا مصدر ہے (اس نے کام میں مسلسل خوب محنت کی) اور یہ مامورین سے حال ہے] یعنی "دَائِبِيْنَ" تم ہمیشہ سات سال تک مسلسل محنت کرتے رہو ﴿ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖۤ ﴾ سو تم جو کچھ کاٹو تو اسے اس کی بالیوں میں چھوڑ دو تا کہ اس کو دیمک نہ کھائے ﴿ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴾ مگر ضرورت کے مطابق اس میں سے اتنا صاف کر لو جتنا تم ان سالوں میں کھاتے رہو۔

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾

پھر اس کے بعد سات سال بہت سخت آئیں گے کہ تم نے جو کچھ ان (سات سالوں) کے لیے جمع کر رکھا ہوگا سب کھا جائیں گے مگر تھوڑا سا جس کو تم محفوظ رکھو گے ○ پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگوں کے لیے بارش خوب برسے گی اور وہ اس میں رس نچوڑیں گے ○ اور بادشاہ نے کہا کہ اس (یوسف) کو میرے پاس لاؤ؛ جب اس کے پاس قاصد پہنچا تو اس نے فرمایا کہ تو اپنے مالک (بادشاہ) کے پاس واپس چلا جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے؟ جنہوں نے اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالا تھا؛ بے شک میرا رب ان کے مکر و فریب کو خوب جاننے والا ہے ○

٤٨- ﴿ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ ﴾ پھر اس کے بعد سات سال سخت قحط کے آئیں گے ﴿ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ ﴾ تم ان سالوں کے لیے پہلے سے یعنی خوشحالی کے سالوں میں جو کچھ جمع کر رکھا ہوگا وہ سب کھا جائیں گے۔ ["يَّاْكُلْنَ" میں "سَبْعٌ شِدَادٌ" کی طرف اسناد مجازی ہے؛ ان سخت سالوں کے باشندوں کے کھانے کو ان سالوں کی طرف

[1] اور یہ قراءت ابن کثیر مکی؛ ابن عامر شامی؛ نافع مدنی؛ حمزہ؛ علی کسائی؛ ابوعمرو بصری؛ ابوجعفر؛ خلف اور یعقوب کی ہے۔
(معجم القراءات القرآنیۃ ج ۳ ص ۱۷۴)

مسند کیا گیا ہے] ﴿ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴾ مگر اس میں سے تھوڑا سا بچ جائے گا جسے تم نے بیج وغیرہ کے لیے محفوظ کر کے رکھا ہو گا اور تم نے چھپا کر رکھا ہو گا۔

۴۹۔ ﴿ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ ﴾ پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا یعنی چودہ سال کے بعد ایک ایسا سال آئے گا ﴿ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ ﴾ جس میں لوگوں کے لیے خوب بارشیں ہوں گی۔["يُغَاثُ" "غَوْثٌ" سے ماخوذ ہے یعنی ان کی فریادیں اور دعائیں قبول کر لی جائیں گی یا یہ "غَيْثٌ" سے بنا ہے یعنی بہت بارشیں برسیں گی "غِيْثَتِ الْبِلَادُ" اس وقت بولا جاتا ہے جب ملک میں بہت بارش ہو] ﴿ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴾ اور وہ اس میں انگور زیتون اور کشمش نچوڑیں گے اور اس سے مختلف مشروبات اور تیل تیار کریں گے۔[قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "تَعْصِرُوْنَ" ہے] بہر حال موٹی تازی گائیوں اور ہرے بھرے خوشوں کی تعبیر خوشحالی کے سال ہیں اور دُبلی پتلی گائیوں اور سوکھے خوشوں کی تعبیر قحط کے سال ہیں، پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بیان کرنے سے فارغ ہونے کے بعد انہیں خوشخبری سنائی کہ آٹھواں سال بڑا مبارک آئے گا، جس میں خیر کثیر ہو گی اور بڑی بڑی نعمتیں ہاتھ آئیں گی اور حضرت یوسف نے یہ سب کچھ وحی کے ذریعے بیان فرمائی تھیں۔

بادشاہِ مصر کا حضرت یوسف کو خواب کی تعبیر سننے کے لیے بلانا، پھر حکومت سپرد کر دینا

۵۰۔ ﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ ﴾ اور بادشاہ نے کہا کہ اس کو میرے پاس لے کر آؤ، پھر جب قاصد ان کے پاس پہنچا تا کہ وہ آپ کو قید خانہ سے نکال کر بادشاہ کے پاس لے جائے تو ﴿ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ ﴾ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تو اپنے رب یعنی بادشاہ کے پاس واپس چلا جا ﴿ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ﴾ اور اس سے ان عورتوں کا حال پوچھ، جنہوں نے اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالا تھا۔ بے شک حضرت یوسف علیہ السلام اپنی جگہ ثابت قدم رہے اور بادشاہ کے بلانے پر جلدی نہیں کی اور پہلے خواتین مصر کے بارے میں سوال کیا تا کہ آپ پر لگائے گئے الزام سے آپ کا بے قصور ہونا ظاہر ہو جائے اور آپ پر جو تہمت لگائی تھی اور جس کی وجہ سے آپ کو قید خانہ میں رکھا گیا تھا، اس سے آپ کی براءت ثابت ہو جائے تا کہ حاسدین آپ پر طعن و تشنیع کر کے آپ کی طرف قبیح عمل کی نسبت نہ کر سکیں اور عزیزِ مصر کے نزدیک حضرت یوسف کا جو مقام و مرتبہ ہے، اس کو ختم کرنے کے لیے حسد کرنے والے اس الزام کو بطور سیڑھی استعمال نہ کر سکیں اور تا کہ حاسدین یہ نہ کہہ سکیں کہ حضرت یوسف ایک بہت بڑے جرم اور بہت بڑے گناہ کی وجہ سے سات سال تک قید خانہ میں رہے اور اس میں اس بات پر دلیل موجود ہے کہ تہمت سے بچنے کے لیے جدوجہد کرنا واجب و لازم ہے جیسا کہ تہمت کے مواقع سے بچنا واجب و ضروری ہے اور حضور سرورِ کائنات فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے کرم اور صبر پر تعجب ہے اور اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے، جب ان سے دُبلی پتلی گائیوں اور موٹی تازی گائیوں کے خواب کی تعبیر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس کو حل فرما دیا اگر میں ان کی جگہ پر ہوتا تو پہلے قید خانہ سے نکلنے اور رہائی پانے کی شرط لگاتا، پھر میں ان کو خواب کی تعبیر بتاتا اور پھر مجھے ان پر تعجب ہے کہ جب ان کے پاس قاصد آیا اور بتایا کہ آپ کو بادشاہ نے بلایا ہے تو آپ نے قاصد سے فرمایا کہ تو واپس اپنے بادشاہ کے پاس چلا جا، اگر میں ان کی جگہ پر ہوتا اور جتنا عرصہ وہ قید میں گزار چکے تھے اتنا عرصہ میں قید کاٹ چکا ہوتا تو میں بادشاہ کے بلانے پر جلدی کرتا اور میں نکلنے کے لیے دروازے کی طرف جلدی پہنچ جاتا اور میں کسی قسم کا کوئی عذر نہ کرتا اور حضرت یوسف کا یہ کرم ہے اور ان کا یہ حسنِ ادب ہے کہ آپ نے قاصد کے

سامنے اپنی مالکن زلیخا کا نام نہیں لیا حالانکہ وہی آپ کی قید و بند اور سزا کا سبب بنی تھی اور آپ نے صرف اپنے ہاتھوں کو کاٹنے والیوں کا ذکر کیا ﴿اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ﴾ بے شک میرا رب ان کے مکر وفریب کو خوب جاننے والا ہے یعنی بے شک ان کا فریب بہت خطرناک ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا' وہی ان کو اس فریب کاری پر سزا دے گا۔

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ٘ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۲﴾

بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلا کر) کہا کہ تمہارا کیا معاملہ ہے؟ جب کہ تم نے یوسف کو اس کی اپنی مرضی کے خلاف ورغلایا' انہوں نے کہا کہ پاکی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' ہمیں یوسف کے بارے میں کوئی بُرائی معلوم نہیں ہوئی' عزیزِ مصر کی بیوی نے کہا کہ اب تو حق ظاہر ہو گیا ہے' میں نے اس کو اس کی مرضی کے خلاف ورغلایا تھا اور بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہیںO (یوسف نے فرمایا:) یہ میں نے اس لیے کیا تا کہ عزیز جان لے کہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس سے خیانت نہیں کی اور بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کے مکر وفریب کو نہیں چلنے دیتاO

۵۱۔ جب قاصد حضرت یوسف علیہ السلام کو پیغام پہنچا کر واپس بادشاہ کے پاس لوٹ آیا تو بادشاہ نے اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالنے والی عورتوں کو بلایا اور عزیزِ مصر کی بیوی (زلیخا) کو بھی بلایا' پھر ﴿قَالَ﴾ اس نے ان عورتوں سے کہا کہ ﴿مَا خَطْبُكُنَّ﴾ تمہارا کیا معاملہ ہے؟ ﴿اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ جب تم نے یوسف کو اسی کی اپنی مرضی کے خلاف ورغلانا چاہا تو کیا تم نے اس کی طرف سے اپنی طرف رغبت ومیلان کو محسوس کیا؟ ﴿قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ﴾ انہوں نے کہا: پاکی تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ یہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کیسے پاک دامن انسان پیدا کیے ہیں ﴿مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ﴾ ہم حضرت یوسف کے بارے میں کوئی بُرائی یعنی کوئی گناہ نہیں جانتیں ﴿قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ عزیزِ مصر کی بیوی نے کہا کہ اب تو حق واضح طور پر ظاہر ہو گیا ہے اور ثابت ہو گیا ہے' میں نے ہی ان کو ان کی مرضی کے خلاف ورغلایا تھا ﴿وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ اور بے شک حضرت یوسف علیہ السلام اپنے اس قول: "هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ". کہ اس عورت نے مجھے میری اپنی مرضی کے خلاف ورغلایا' میں ضرور سچے ہیں۔ ان خواتینِ مصر کا اپنے آپ یہ اعتراف کرنا کہ حضرت یوسف کسی ایسی چیز کے ساتھ ملوث نہیں ہیں جس کی وجہ سے آپ پر کسی قسم کی تہمت کا الزام لگایا جائے' اب آپ کی براءت و پاک دامنی کے ثبوت کے لیے کسی دوسری گواہی کی مزید ضرورت نہیں۔

۵۲۔ پھر جب قاصد دوبارہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا اور عورتوں کی گفتگو اور عزیزِ مصر کی بیوی کا اقرار اور اپنے خلاف گواہی دینے کی خبر سنائی تو اس وقت حضرت یوسف نے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ سب کچھ یعنی میرا قید خانہ سے باہر نکلنے سے انکار کرنا اور اپنی براءت و پاک دامنی کے ظاہر ہونے تک جیل میں برقرار رہنا صرف اس لیے تھا ﴿لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ

اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ ﴾ تا کہ عزیز جان لے کہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں اور اس کی پسِ پشت اس کے حرم میں خیانت نہیں کی [''بِالْغَيْبِ'' فاعل سے یا مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے' اس معنی پر کہ میں اس سے غائب ہوں یا وہ مجھ سے غائب ہے یا یہ کہ بادشاہ جان لے کہ میں نے عزیز سے خیانت نہیں کی] ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ ﴾ یعنی اور تا کہ معلوم ہو جائے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴾ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا اور نہ اس کو سیدھا کرتا ہے اور گویا یہ عزیزِ مصر کی بیوی پر تعریض و تشنیع اور طنز ہے کہ اس نے اپنے خاوند کی امانت میں خیانت کی۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ؕ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

اور میں اپنے آپ کو ہر طرح سے بَری قرار نہیں دیتا' بے شک نفس تو بُرائی کا بہت بڑا حکم دینے والا ہے سوائے اس کے جس پر میرے رب نے رحم کیا' بے شک میرا رب بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اور بادشاہ نے کہا کہ اس کو میرے پاس لاؤ میں اس کو صرف اپنی ذات کے لیے مخصوص رکھوں گا' پھر جب بادشاہ نے اس سے گفتگو کی تو کہا: (اے یوسف!) بے شک آپ آج سے ہمارے نزدیک معزز و معتبر امانت دار ہیں O (حضرت یوسف نے) فرمایا کہ تم مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دو' بے شک میں بہت حفاظت کرنے والا' بہت علم رکھنے والا ہوں O اور اسی طرح ہم نے یوسف کو سرزمینِ مصر کا اقتدار عطا فرمایا کہ وہ اس ملک میں جہاں جی چاہے وہاں ٹھہریں' ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچاتے ہیں اور نیکی کرنے والوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کرتے O

۵۳- پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اور عاجزی اختیار کریں اور اپنے نفس کو کم تر ثابت کریں تا کہ آپ اپنے نفس کے لیے تزکیہ کرنے والے نہ ہو جائیں اور تا کہ آپ لوگوں پر واضح طور پر بیان کر دیں کہ آپ کے اندر جو کچھ امانت و دیانت کا کمال موجود ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق دینے اور اس کی طرف سے آپ کو محفوظ و معصوم رکھنے کی وجہ سے ہے' اس لیے آپ نے فرمایا: ﴿ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ﴾ اور میں اپنے نفس کو لغزش سے بَری قرار نہیں دیتا اور نہ میں اس کے لیے کُلی طور پر براءت و پاک دامن ہونے کی گواہی دیتا ہوں اور نہ میں اس کو تمام افعال میں ہر حال میں مُزکّی و پاکیزہ قرار دیتا ہوں یا نہ میں اس حادثہ میں اپنے نفس کو خواہشِ نفسانی کے ارادہ سے کُلی طور پر پاکیزہ قرار دیتا ہوں' جس کا ذکر ہم نے اس سے پہلے کر دیا ہے کہ یہ بشری وسوسہ ہوتا ہے' اس میں پکا ارادہ اور پختہ عزم نہیں ہوتا ﴿ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ ﴾ بے شک نفس تو بُرائی کا بہت حکم دینے والا ہے۔ یہاں مخصوص نفس مراد نہیں بلکہ جنسِ نفس مراد ہے یعنی بے شک یہ تمام نفوس بہ حیثیت نفس ہونے کے بُرائی کا حکم دیتے ہیں اور اس پر اُبھارتے ہیں کیونکہ ان میں شہوات رکھی گئی ہیں ﴿ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ﴾ مگر جس پر میرا رب کریم رحم فرما دے (یعنی) مگر بعض مخصوص حضرات جن پر میرا رب کریم عصمت

عنایت فرما کر رحم فرمادے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''مَا رَحِمَ'' زمان کے معنی میں ہو یعنی مگر میرے رب کریم کی رحمت کے وقت یعنی بے شک نفس ہر وقت بُرائی کا حکم دیتا ہے مگر عصمت (خدائی حفاظت) کے وقت نہیں [یا یہ استثناء منقطع ہے] یعنی لیکن میرے رب کریم کی رحمت ہی ہے جو بُرائی کو پھیر سکتی ہے اور بعض نے کہا کہ یہ عزیز کی بیوی (زلیخا) کا کلام ہے یعنی یہ سب کچھ میں نے اس لیے کیا ہے تا کہ حضرت یوسف کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کے بارے میں خیانت کی بات نہیں کی' نہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس پر جھوٹ بولا ہے بلکہ جب مجھ سے ان کے بارے میں پوچھا گیا ہے تو میں نے حق و سچ بیان کر دیا ہے (کہ میں نے انہیں پھسلانا چاہا لیکن وہ سچے ہیں) اور میں اس کے باوجود اپنے نفس کو خیانت سے بَری اور پاک قرار نہیں دیتی کیونکہ میں تو حضرت یوسف سے اس وقت سے خیانت کر چکی ہوں جب میں نے ان پر تہمت لگائی تھی اور میں نے کہا تھا کہ اس شخص کی سزا کیا ہونی چاہیے جو تمہاری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کر چکا ہے مگر یہی کہ اسے قید کر دیا جائے اور زلیخا کا حضرت یوسف کو قید سے ڈرانے کا مقصد صرف اس سے معذرت کرنا تھا جو اس کی طرف سے حضرت یوسف کو ورغلانے کی زیادتی ہوئی تھی' بے شک ہر نفس بُرائی کا حکم دیتا ہے' مگر جس پر میرا رب کریم رحم فرما دے (یعنی) ماسوا اس نفس کے جس پر اللہ تعالیٰ عصمت و حفاظت کے ذریعے رحم کر دے' جیسے حضرت یوسف کا نفس معصوم و محفوظ رہا ﴿اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ بے شک میرا رب بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ زلیخا نے اپنے رب سے مغفرت و بخشش طلب کی اور اس سے رحمت کی درخواست کی' اس زیادتی کی وجہ سے جس کی وہ مرتکب ہوئی تھی اور بے شک اس کو حضرت یوسف کا کلام بھی قرار دیا گیا ہے حالانکہ بہ ظاہر اس پر کوئی دلیل نہیں' اس لیے کہ معنی اس کی طرف لے جاتا ہے [اور بعض حضرات نے کہا: یہ قرآن مجید کی تقدیم و تاخیر میں سے ہے یعنی ارشادِ باری تعالیٰ: ''ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ'' دوسرے ارشاد: ''فَاسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ'' کے ساتھ متصل ہے]۔

۵٤- ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ﴾ اور بادشاہ نے کہا کہ اس کو میرے پاس لے کر آؤ' میں اس کو اپنا خاص اور مقرب بنالوں گا اور میں اس کو خالص اپنے لیے منتخب کرلوں گا ﴿فَلَمَّا كَلَّمَهٗ﴾ پھر جب اس نے حضرت یوسف سے گفتگو کی اور اس نے آپ میں (رشد و ہدایت اور عقل و ذہانت اور دور اندیشی جیسی خوبیوں کا مشاہدہ کیا) جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھیں تو ﴿قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ﴾ بادشاہ نے حضرت یوسف سے کہا کہ بے شک آج سے آپ ہمارے ہاں معزز و مکرم اور امانت دار و معتمد ہیں کہ آپ کو ہر چیز کا نگران و امانت دار قرار دیا جاتا ہے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے: جب قاصد آپ کے پاس آیا تو اس کے ساتھ ستر دربان اور ستر سواریاں تھیں اور حضرت یوسف کے لیے شاہی لباس بھیجا گیا تھا اور قاصد نے عرض کیا: اے یوسف! آپ بادشاہ کی درخواست قبول کیجئے' چنانچہ جب آپ قید خانہ سے باہر آنے لگے تو آپ نے قیدیوں کے لیے دعائے خیر فرمائی کہ اے اللہ! تو ان لوگوں پر نیک لوگوں کے دلوں کو نرم کر دے اور انہیں خبروں سے محروم نہ کرنا' بہر حال حضرت یوسف علیہ السلام واقعات کی خبروں کے لیے تمام لوگوں سے زیادہ علم رکھنے والے تھے اور آپ نے نکلتے وقت قید خانہ کے دروازے پر لکھا: یہ مصیبتوں کا گھر ہے اور زندوں کے لیے قبرستان ہے اور دشمنوں کے لیے خوشی کا گھر ہے اور دوستوں کی تجربہ گاہ ہے' پھر آپ نے غسل فرمایا اور قید کی میل کچیل سے پاک و صاف ہوئے اور نیا لباس پہنا' پھر جب بادشاہ کے دربار میں داخل ہوئے تو کہا: ''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِخَیْرِكَ مِنْ خَیْرِهٖ وَاَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ وَقُدْرَتِكَ مِنْ شَرِّهٖ'' اے اللہ! بے شک میں تجھ سے تیری بھلائی کے وسیلے سے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور میں تیری عزت و قدرت کے وسیلے سے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں' پھر آپ نے بادشاہ پر سلام

پیش کیا اور آپ نے عبرانی زبان میں اس کے لیے دعا فرمائی تو بادشاہ نے کہا: یہ کون سی زبان ہے؟ حضرت یوسف نے فرمایا: یہ میرے خاندان کی زبان ہے اور بادشاہ نے ستر زبانوں میں گفتگو کی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اس کے ساتھ ستر زبانوں میں گفتگو کر کے اس کی تمام باتوں کے جوابات دیئے' جس سے اس کو بہت تعجب ہوا اور کہا: اے صدیق! بے شک میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے خواب کی تعبیر براہِ راست آپ سے سنوں تو حضرت یوسف نے فرمایا کہ تم نے خواب میں اس قسم کی گائیں دیکھی تھیں' پھر آپ نے ان کے رنگ ڈھنگ اور ان کے دیگر احوال اور ان کے نکلنے کی جگہ بیان فرمائی اور آپ نے خوشوں کی کیفیت بیان کی اور بادشاہ نے جس حالت و کیفیت پر ان خوشوں کو دیکھا تھا وہ بیان فرمائی اور بادشاہ سے فرمایا کہ اب تم پر لازم ہے کہ تم کھانے کے تمام غلہ جات کو صحت افزاء اور ٹھنڈے مقامات پر جمع کر کے محفوظ کر لو' پھر قحط سالی میں مخلوق خدا ہر طرف سے تمہارے پاس آئے گی اور وہ تم سے غلہ کی صورت میں خوراک خریدیں گے اور اسی طرح تمہارے پاس بہت بڑا خزانہ جمع ہو جائے گا' جو تجھ سے پہلے کسی کے پاس جمع نہیں ہوا تھا۔ بادشاہ نے کہا: اس کام کے لیے میرا ہاتھ کون بٹائے گا اور کون اتنا بڑا غلہ جات کا ذخیرہ جمع کرے گا؟ تو

۵۵۔ ﴿قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ﴾ حضرت یوسف نے فرمایا کہ تم مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دو اور تم مجھے اپنی سرزمین یعنی ملک مصر کے خزانوں کا متولی و نگران مقرر کر دو ﴿اِنِّیْ حَفِیْظٌ﴾ تم جو کچھ میرے پاس محفوظ رکھنا چاہو گے میں یقیناً اس کی نہایت امانت داری کے ساتھ حفاظت کروں گا ﴿عَلِیْمٌ﴾ میں تصرف و استعمال کے تمام طریقوں کو خوب جاننے والا ہوں۔ حضرت یوسف نے اس آیت مبارکہ میں اپنی ذات کو امانت و حفاظت اور کفایت کے ساتھ متصف فرمایا اور مملوک کے یہ دونوں مطالبے اس مالک سے تھے جو آپ کو متولی و نگران مقرر کرنے لگا تھا اور حضرت یوسف نے یہ اس لیے فرمایا تھا تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کر سکیں اور حق کو قائم کر سکیں اور عدل و انصاف کو جاری و ساری کر کے پورے ملک میں عدل پھیلا دیں اور اقتدار و اختیار کو حاصل کر لیں کیونکہ انبیائے کرام کو اسی مقصد کے لیے بندوں کی طرف بھیجا جاتا ہے اور اس لیے بھی کہ آپ جانتے تھے کہ آپ کے سوا اور کوئی شخص اس کام کو سنبھالنے کے لیے آپ کا قائم مقام نہیں ہو سکتا' سو آپ نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے یہ عہدہ طلب کیا تھا' نہ ملک کی محبت میں اور نہ دنیا کی چاہت میں اور حدیث شریف میں ہے: اللہ تعالیٰ میرے بھائی یوسف پر رحم فرمائے اگر ''اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ'' نہ کہتے تو اسی وقت حاکمِ مصر بنا دیئے جاتے' لیکن اس کہنے کی وجہ سے ایک سال تاخیر کر دی گئی۔ مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ظالم بادشاہ کی طرف سے کسی عہدے کو قبول کر کے حاکم بننا جائز ہے اور سابق بزرگ ظالم بادشاہ کی طرف سے قضا کا عہدہ قبول فرما لیتے اور جب اللہ تعالیٰ کا نبی یا کوئی عالم یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنے اور ظلم و ستم کو دفع کرنے کے لیے اور کوئی راہ نہیں ہے' سوائے کافر بادشاہ یا فاسق و نافرمان بادشاہ کے اقتدار و اختیار دینے کے تو اس نبی یا عالم کے لیے جائز ہے کہ اس بادشاہ سے احکامِ الٰہی کے نفاذ اور ظلم کے دفاع کے لیے مدد حاصل کرے اور اقتدار و عہدہ قبول کر لے اور بعض نے کہا کہ بادشاہ اپنی رائے کے مطابق حکم صادر کرتا تھا اور اس کی ہر رائے اٹل ہوتی تھی اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں تھا اور وہی بادشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کے تابع فرمان ہو کر رہ گیا تھا۔

۵۶۔ ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور اس ظاہری قدرت و اختیار کی طرح ﴿مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ﴾ ہم نے حضرت یوسف کو سرزمین مصر پر با اختیار بنا دیا اور مصر کا ملک اس وقت تین سو بیس کلومیٹر لمبا اور تین سو بیس کلومیٹر چوڑا تھا اور ''التمکین'' کا معنی قدرت و اختیار عطا کرنا ہے اور قوت و شدت عطا کرنا ہے ﴿یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ﴾ آپ اس میں سے جہاں چاہیں'

ٹھہریں یعنی ہر جگہ جہاں چاہیں اپنی رہائش گاہ بنالیں انہیں کوئی نہیں روک سکتا کیونکہ آپ پورے ملک مصر پر غالب حکمران ہیں اور تمام ملک مصر آپ کی سلطنت میں داخل ہے۔[ابن کثیر مکی کی قراءت میں "نَشَآءُ" کی بجائے "یَشَآءُ" ہے]
﴿نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا﴾ ہم اپنی رحمت عطا کرتے ہیں کہ ہم اپنی عطا کے سبب دنیا میں ملک و دولت اور اس کے علاوہ دیگر نعمتیں پہنچاتے ہیں ﴿مَنْ نَّشَآءُ﴾ جس کو ہم چاہتے ہیں (یعنی) حکمت جس کا تقاضا کرتی ہو کہ ہم اس کو اپنی رحمت و نعمت پہنچانا چاہیں ﴿وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر وثواب دنیا میں ضائع نہیں کرتے۔

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿٥٩﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿٦١﴾

اور آخرت کا اجر وثواب ان لوگوں کے لیے ضرور بہت بہتر ہے جو ایمان لائے اور وہ تقویٰ اختیار کرتے رہے O اور حضرت یوسف کے بھائی (کنعان سے مصر میں) آئے اور وہ یوسف کے دربار میں داخل ہوئے تو آپ نے ان کو پہچان لیا اور وہ آپ کو نہ پہچان سکے O اور جب یوسف نے ان کا سامان تیار کرا دیا تو فرمایا کہ تم اپنے باپ کی طرف سے اپنے سوتیلے بھائی کو میرے پاس لے آؤ' کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ میں پورا ماپ دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں O پھر اگر تم اس کو میرے پاس نہ لائے تو تمہارے لیے میرے پاس کوئی غلہ نہیں ہوگا اور نہ تم میرے پاس آنا O انہوں نے کہا کہ ہم عنقریب اس کے باپ سے اس کے لانے کی خواہش کریں گے اور بے شک ہم یہ کام ضرور کریں گے O

۵۷- ﴿وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ اور ان لوگوں کے لیے آخرت کا اجر وثواب ضرور بہتر ہے جو سچے دل سے ایمان لائے اور انہوں نے کفر و شرک اور بُرائی اور بے حیائی کے کاموں کو چھوڑے رکھا اور پرہیز گاری کرتے رہے۔ اس سے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے علاوہ قیامت تک آنے والے مؤمنین مراد ہیں۔

حضرت سفیان بن عُیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مؤمن کو اس کی نیکیوں پر دنیا میں اور آخرت میں دونوں میں اجر وثواب دیا جاتا ہے اور نافرمان و گنہگار کو اس کے فلاحی اور خیر کے کاموں کا اجر وثواب صرف دنیا میں جلد سے جلد دے دیا جاتا ہے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا' پھر انہوں نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ بادشاہ نے حضرت یوسف کی تاج پوشی کی اور اپنی انگوٹھی حضرت یوسف کو پہنائی اور انہیں اپنی مہر پیش کی اور ان کے گلے میں تلوار لٹکائی اور اس نے آپ کے لیے سونے کا ایک تخت بچھوایا' جس پر موتی اور جواہرات جُڑے ہوئے تھے' چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے فرمایا کہ تخت سے آپ کی شاہی مضبوط و مستحکم ہوگی اور لیکن مہر تو اس کے ذریعے سے آپ کے تمام معاملات حسن تدبیر سے انجام پذیر ہوئے اور لیکن تاج واپس کر لیجئے کیونکہ نہ یہ میرا لباس ہے اور نہ میرے آباء واجداد کا لباس ہے' پھر آپ تخت پر جلوہ گر ہوئے اور بادشاہ آپ کے قریب آیا

اور اس نے تمام شاہی اختیارات آپ کے سپرد کر دیئے اور اپنے پورے ملک کا انتظام و انصرام آپ کے ہاتھ میں دے دیا اور قطفیر (زلیخا کے شوہر) کو معزول کر دیا' پھر وہ کچھ عرصہ بعد مر گیا اور بادشاہ نے اس کی بیوی (زلیخا) کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے کر دیا' چنانچہ جب حضرت یوسف زلیخا کے پاس شبِ زفاف گزارنے تشریف لے گئے تو اس سے فرمایا کہ کیا یہ طریقہ اس سے بہتر نہیں جس کا تو مجھ سے مطالبہ کرتی تھی؟ اور حضرت یوسف نے زلیخا کو باکرہ (کنواری) پایا (کیونکہ زلیخا کا شوہر قطفیر نامرد تھا) حضرت یوسف کے اس سے دو بیٹے ہوئے: (۱) افرائیم (۲) میشا۔[1]

اور حضرت یوسف نے پوری مملکتِ مصر میں عدل و انصاف کو قائم کیا اور تمام لوگ مرد بھی اور عورتیں بھی آپ سے محبت کرنے لگے اور حضرت یوسف کے ہاتھ پر بادشاہ نے اور بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور قحط کے سالوں میں سے پہلے سال میں حضرت یوسف نے اہلِ مصر سے دراہم و دنانیر لے کر غلہ فروخت کیا' یہاں تک کہ ان کے پاس نقدی میں سے کچھ بھی باقی نہ رہا اور قحط کے دوسرے سال میں لوگوں نے اپنے تمام زیورات و جواہرات دے کر غلہ حاصل کیا' پھر تیسرے سال تمام جانور دے کر غلہ خریدا' پھر چوتھے سال میں اپنے غلام اور لونڈیاں دے کر لوگوں نے غلہ خریدا' پھر پانچویں سال اپنے تمام گھر اور زمینیں' جائیدادیں دے کر غلہ خریدا' پھر چھٹے سال اولاد فروخت کر کے غلہ حاصل کیا' پھر ساتویں سال اپنے آپ کو حضرت یوسف کی غلامی میں فروخت کر کے غلہ حاصل کیا' یہاں تک کہ تمام لوگ آپ کے غلام بن گئے' پھر حضرت یوسف نے تمام اہلِ مصر کو آزاد کر دیا اور ان کی تمام جائیدادیں واپس کر دیں اور حضرت یوسف غلہ خریدنے والوں میں سے کسی کو ایک اونٹ کے سامان سے زیادہ نہیں دیتے تھے۔

حضرت یوسف کے بھائیوں کا آپ کے پاس غلہ خریدنے کے لیے آنا

۵۸-اور جس طرح مصر میں قحط پڑا تھا' اسی طرح کنعان کی سرزمین پر بھی قحط پڑا تھا' چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو کنعان سے مصر روانہ کیا تاکہ وہ وہاں سے غلہ خرید کر لائیں اور اسی کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ﴾ اور حضرت یوسف کے بھائی آ گئے تو وہ حضرت یوسف کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت یوسف نے ان کو بغیر تعارف کے پہچان لیا ﴿وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ﴾ اور وہ حضرت یوسف کو نہیں پہچان سکے تھے کیونکہ حضرت یوسف عام لباس تبدیل کر کے شاہی لباس میں ملبوس تھے اور اس لیے بھی کہ حضرت یوسف پردے کے پیچھے تھے اور اس لیے کہ طویل مدت گزر چکی تھی اور وہ چالیس سال کا عرصہ ہے۔

۵۹-ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو دیکھا اور ان سے عبرانی زبان میں گفتگو کی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم مجھے بتاؤ کہ تم کون لوگ ہو اور تمہارا کیا کام ہے؟ انہوں نے کہا: ہم شام کے رہنے والے لوگ ہیں اور ہم بکریوں کے پالنے والے لوگ ہیں' ہمارے ملک میں شدید قحط ہے' سو ہم آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ ہم آپ سے غلہ خریدیں گے تو حضرت یوسف نے فرمایا: شاید تم جاسوسی کرنے آئے ہو کہ تم ہمارے ملک کی عورتوں کو دیکھنے آئے ہو تو بھائیوں نے عرض کیا کہ اللہ کی پناہ! ہم تو بیٹے کے گم ہونے کی وجہ سے غمگین و پریشان نبی کے بیٹے ہیں' وہ بیٹا ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارا تھا اور گم شدہ کا ایک ماں جایا بھائی ہے' جس کو ہمارے باپ اپنے پاس رکھتے

---

[1] نیز درج ذیل تفاسیر میں بھی یہ واقعہ موجود ہے: تفسیر جلالین وحاشیہ تفسیر صاوی جز ۲ ص ۲۴۲' مکتبہ مصطفیٰ البابی' مصر' تفسیر لباب التاویل عرف خازن جز ۳ ص ۲۸' مکتبہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر مظہری ج ۵ ص ۱۷۴' ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۴۲' مکتبہ دار الفکر' بیروت

ہیں جس سے ان کو انس حاصل ہو جاتا ہے تو حضرت یوسف نے فرمایا کہ تم اگر واقعی سچے ہو تو اس بھائی کو لے کر آؤ ﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ﴾ اور جب حضرت یوسف نے ان کا سامان تیار کرا دیا اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک اونٹ کا سامان غلہ دے دیا [اور ایک قراءت میں بطور شاذ جیم کو مکسور پڑھا گیا ہے] ﴿قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ﴾ فرمایا کہ تم اپنے باپ کی طرف سے اپنے بھائی کو لے کر آؤ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ بے شک میں غلہ ماپنے کا پیمانہ مکمل اور پورا پورا بھر کر دیتا ہوں اور میں تمام مہمان نوازوں میں سے بہترین مہمان نواز ہوں؟ چنانچہ حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو اپنے پاس اچھی طرح ٹھہرایا اور ان کی بہترین مہمان نوازی کی اور یہ گفتگو فرما کر ان کو دوبارہ واپس آنے کی رغبت دی۔

٦٠- ﴿فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي﴾ پھر اگر تم اس کو لے کر میرے پاس نہیں آؤ گے تو میرے پاس تمہارے لیے کوئی غلہ نہیں ہوگا اور میں تمہیں خوراک فروخت نہیں کروں گا ﴿وَلَا تَقْرَبُونِ﴾ اور تم میرے پاس نہ آنا یعنی اگر تم اس کو میرے پاس لے کر نہیں آؤ گے تو تم (میرے انعامات سے) محروم کر دیئے جاؤ گے اور تم میرے مقرب نہیں بن سکو گے [پس یہ جملہ بھی جزاء کے حکم میں داخل ہے اور ''فَلَا كَيْلَ لَكُمْ'' کے محل پر معطوف ہونے کی بناء پر مجزوم ہے یا پھر یہ نہی کے معنی میں ہے (یعنی اور تم میرے قریب نہ آؤ)]۔

٦١- ﴿قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ﴾ انہوں نے کہا: ہم عنقریب اس کے باپ سے اس کی خواہش کریں گے (یعنی) عنقریب ہم اس کو لانے کے لیے اس کے باپ سے کوئی چال چلیں گے اور ہم کوئی حیلہ بہانہ کریں گے تاکہ ہم اس کو اس کے باپ سے چھین لیں ﴿وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ﴾ اور بے شک ہم یہ کام ضرور اور ہر حال میں کریں گے' ہم نہ اس میں کوئی کوتاہی کریں گے اور نہ سستی کریں گے۔ حضرت یوسف نے فرمایا کہ تم اپنے کسی بھائی کو یہاں گروی کر کے چھوڑ جاؤ' چنانچہ وہ اپنے بھائی شمعون کو حضرت یوسف کے پاس چھوڑ کر چلے گئے اور ان تمام بھائیوں میں سے حضرت یوسف کے بارے میں یہی شمعون سب سے زیادہ بہتر رائے رکھتے تھے۔

وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٦٢﴾ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٦٣﴾ قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِن قَبْلُ ۖ فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٦٤﴾

اور یوسف نے اپنے نوکروں سے فرمایا: تم ان کی پونجی ان کے سامان میں رکھ دو تاکہ جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس جائیں تو اس کو پہچان لیں تاکہ وہ دوبارہ لوٹ آئیں O پھر جب وہ اپنے باپ کے پاس لوٹ کر گئے تو انہوں نے کہا: اے ہمارے ابا جان! ہم سے غلہ روک لیا گیا ہے' سو آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیں کہ ہم غلہ لائیں گے اور بے شک ہم اس کی حفاظت کریں گے O یعقوب نے فرمایا: کیا میں اس کے متعلق اسی طرح اعتبار کرلوں جس طرح میں نے اس سے پہلے اس کے بھائی کے متعلق تمہارا اعتبار کیا تھا' پس اللہ سب سے بہترین حفاظت فرمانے والا ہے' اور وہ سب سے

زیادہ مہربان ہے O

٦٢- ﴿ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ ﴾ [''فِتْيَانٌ'' اہل کوفہ کی قراءت ہے ماسوا ابوبکر کوفی کے ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ''فِتْيَةٌ'' ہے اور یہ دونوں صورتوں میں ''فَتٰی'' کی جمع ہے جیسے ''اِخْوَةٌ'' اور ''اِخْوَانٌ'' ''اَخٌ'' کی جمع ہیں اور ''فِعْلَةٌ'' کے وزن پر قلت کے لیے آتے ہیں اور ''فِعْلَانٌ'' کے وزن پر کثرت کے لیے آتے ہیں] اور حضرت یوسف علیہ السلام نے غلہ ماپ کر دینے والے اپنے نوجوان غلاموں سے فرمایا کہ ﴿ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ ﴾ تم ان کی پونجی کو ان کی بوریوں میں رکھ دو' ان کے برتنوں میں رکھ دو اور وہ پونجی جوتے تھے یا رنگا ہوا چمڑا تھا یا پھر چاندی کے سکے تھے (جو انہوں نے غلہ کی قیمت میں ادا کیے تھے) اور یہی صحیح ہے کہ بوریوں میں چھپانے کے یہی زیادہ مناسب اور زیادہ لائق ہے ﴿ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ ﴾ شاید وہ اس کو پہچانیں (یعنی) وہ قیمت واپس کرنے کا حق پہچان لیں یا وہ حضرت یوسف کے احسان وکرم کو پہچان لیں کہ آپ نے انہیں غلہ بھی دیا اور رقم بھی واپس کر دی ﴿ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ ﴾ جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس لوٹ کر پہنچیں گے اور اپنی بوریوں کو کھولیں گے ﴿ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ امید ہے کہ وہ واپس لوٹ آئیں گے (یعنی) ممکن ہے کہ ان کا اپنی رقم کو پہچاننا ہمارے پاس دوبارہ لوٹ آنے کا سبب بن جائے یا جب کبھی وہ (غلہ کی قیمت ادا کرنے کے لیے) رقم نہیں پائیں گے تو اس وجہ سے وہ دوبارہ واپس لوٹ آئیں گے یا ان کی اپنی دیانت داری امانت کی رقم واپس کرنے کے لیے انہیں ہمارے پاس دوبارہ لے آئے یا حضرت یوسف نے اپنے کرم کی وجہ سے اپنے باپ اور اپنے بھائیوں سے غلہ کی قیمت لینا مناسب نہ سمجھا ہو۔

٦٣- ﴿ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ ﴾ پھر جب وہ اپنے باپ کی طرف خوراک لے کر لوٹ آئے اور انہوں نے اپنے باپ کو وہ سب کچھ بتایا جو حضرت یوسف نے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا ﴿ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ ﴾ انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! ہم سے غلہ روک لیا گیا ہے۔ ان کی مراد حضرت یوسف کا یہ فرمان تھا کہ ''فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ'' پھر اگر تم اسے میرے پاس نہیں لاؤ گے تو تمہارے لیے میرے پاس کوئی غلہ نہیں ہوگا کیونکہ جب ان کو غلہ روک دینے سے ڈرایا گیا تو گویا غلہ روک دیا گیا ﴿ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ ﴾ سو آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ ہم غلہ لے کر آئیں (یعنی) ہم بھائی کے لے جانے سے غلہ کی رکاوٹ کو ختم کر دیں گے اور ہم اپنی ضرورت کے مطابق خوراک کے لیے اناج لے کر آئیں گے [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''يَكْتَلْ'' ہے یعنی ہمارا بھائی بھی اناج لے کر آئے گا' پھر ہم اس کے اناج کو اپنے اناج کے ساتھ جمع کر لیں گے] ﴿ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے کہ کہیں اس کو کسی قسم کی مصیبت نہ پہنچے۔

٦٤- ﴿ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ﴾ حضرت یعقوب نے فرمایا: کیا میں تم پر اس کے متعلق اسی طرح اعتماد کرلوں جس طرح اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تم پر اعتماد کیا تھا' یعنی تم نے حضرت یوسف کے متعلق بھی کہا تھا: ''اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ'' کل اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ کھائے پیئے اور کھیلے کودے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کریں گے' جیسا کہ تم وہی بات اس کے بھائی کے متعلق کہہ رہے ہو' پھر تم نے اپنی ضمانت میں خیانت کی تھی تو اب اسی طرح کے معاملے میں مجھے کون یقین دلائے گا؟ پھر آپ نے فرمایا: ﴿ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ﴾ پس اللہ تعالیٰ ہی بہترین حفاظت فرمانے والا ہے' سو ہم بنیامین کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہیں اور آپ نے اپنا بیٹا بنیامین ان کے سپرد کر دیا۔ [ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں

''حَافِظًا'' ہے اور یہ حال واقع ہو رہا ہے یا یہ تمیز ہے اور جنہوں نے اس کو'' حِفْظًا'' پڑھا ہے تو اس صورت میں یہ صرف تمیز بن سکتا ہے اس کے سوا کچھ نہیں بن سکتا] ﴿وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ﴾ اور وہ سب سے زیادہ مہربان ہے' سو مجھے قوی امید ہے کہ وہ بنیامین کی حفاظت فرما کر مجھ پر احسان فرمائے گا اور مجھ پر دو مصیبتیں جمع نہیں فرمائے گا۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب حضرت یعقوب نے ''فَاللّٰهُ خَیْرٌ حَافِظًا'' فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مجھے اپنی عزت و بزرگی کی قسم! میں دونوں بھائیوں کو آپ کے پاس ضرور لوٹا دوں گا۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَیْهِمْ ؕ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِیْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَیْنَا ۚ وَنَمِیْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَیْلَ بَعِیْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَیْلٌ یَّسِیْرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۶۶﴾

اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے اپنی پونجی پائی جو انہیں واپس کر دی گئی ہے' انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! ہمیں اور کیا چاہیے کہ یہ ہے ہماری پونجی' جو ہمیں واپس کر دی گئی ہے' اور ہم اپنے گھر والوں کے لیے خوراک لائیں گے اور ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ہم ایک اونٹ کا غلہ زیادہ لائیں گے' یہ غلہ تھوڑا ہے O یعقوب نے فرمایا کہ میں اسے تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا یہاں تک کہ تم اللہ کی طرف سے میرے ساتھ پختہ عہد کرو کہ تم اس کو میرے پاس ضرور لے کر آؤ گے مگر یہ کہ تمہیں گھیر لیا جائے' پھر جب انہوں نے آپ کو پکا وعدہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ تم جو کچھ کہتے ہو اس پر اللہ نگران ہے O

۶۵- ﴿وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَیْهِمْ ؕ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِیْ﴾ اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے اپنی پونجی کو پایا جو انہیں واپس کر دی گئی ہے' انہوں نے کہا: اے ہمارے ابو جان! ہم اور کیا چاہتے ہیں۔ [''مَا'' نفی کے لیے ہے یعنی ہم گفتگو میں اور کچھ نہیں چاہتے اور نہ ہم حق سے تجاوز کرنا چاہتے ہیں یا ہمارے ساتھ جو احسان کیا گیا ہے' اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں چاہتے یا ہم آپ سے مزید اور رقم نہیں چاہتے یا پھر ''مَا'' استفہام کے لیے ہے یعنی ہم اس کے علاوہ اور کیا چاہتے ہیں کہ ﴿هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَیْنَا﴾ یہ ہے ہماری رقم جو ہمیں واپس کر دی گئی ہے [یہ جملہ مستأنفہ ہے جو ''مَا نَبْغِیْ'' کی وضاحت کر رہا ہے اور اس کے بعد والا جملہ اس پر معطوف ہے] یعنی بے شک ہماری پونجی ہمیں واپس کر دی گئی ہے' سو ہم اس سے اپنی ضروریات میں مدد لیں گے ﴿وَنَمِیْرُ اَهْلَنَا﴾ اور ہم (حسبِ وعدہ) دوبارہ بادشاہ کے پاس جا کر اپنے گھر والوں کے لیے غلہ لائیں گے یعنی ہم ان کے لیے وہاں سے خوراک لے کر آئیں گے۔ ''مِیْرَةٌ'' اس خوراک کو کہا جاتا ہے جو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کی جائے ﴿وَنَحْفَظُ اَخَانَا﴾ اور ہم آتے ہوئے بھی اور جاتے ہوئے بھی اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے' لہٰذا اس کو کوئی ایسی مصیبت نہیں پہنچے گی جس کا آپ کو خوف ہے ﴿وَنَزْدَادُ كَیْلَ بَعِیْرٍ﴾ اور ہم اپنے بھائی کو ساتھ لے جانے کی وجہ سے ایک اونٹ کا بوجھ غلہ زیادہ لے کر آئیں گے ﴿ذٰلِكَ كَیْلٌ یَّسِیْرٌ﴾ یہ غلہ تھوڑا ہے اور بادشاہ کے لیے اتنا غلہ دینا بہت آسان اور تھوڑا ہے' وہ اس کو بہت بڑا بوجھ نہیں سمجھے گا۔

۶۶۔ ﴿قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ حضرت یعقوب نے فرمایا کہ میں اس کو تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا یہاں تک کہ تم مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پختہ عہد دو اور معنی یہ ہے کہ یہاں تک کہ تم مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا عہد دو جس پر میں یقین کر سکوں یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ آپ کے بیٹے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر یقین دلائیں' باقی رہا یہ کہ حضرت یعقوب نے اللہ تعالیٰ کی قسم کو اپنے لیے یقین واعتماد کا باعث قرار دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ وعدوں کو مضبوط و مستحکم اور پختہ کیا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دے رکھی ہے تو یہ اس کی طرف سے اجازت ہے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''حَتّٰی تُؤْتُوْنِ'' کی بجائے ''حَتّٰی یُؤْتُوْنِ'' ہے] ﴿لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖۤ﴾ تم اس کو میرے پاس ضرور لے کر آؤ گے [یہ قسم کا جواب ہے اس لیے کہ معنی یہ ہے: یہاں تک کہ تم قسم کھاؤ کہ تم اس کو میرے پاس ضرور لے کر آؤ گے] ﴿اِلَّاۤ اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ﴾ مگر یہ کہ تمہیں گھیر لیا جائے (یعنی) مگر یہ کہ تم مغلوب ہو جاؤ اور تم اس کو نہ لاسکو [اور یہ مفعول لہ اور کلام مثبت ہے اور وہ یہ ارشاد ہے: ''لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖ'' جو نفی کی تاویل میں ہے یعنی تم اس کو لانے سے ہرگز نہیں رُکو گے مگر یہ کہ تمہیں گھیر لیا جائے یعنی تم رکاوٹ کی علتوں میں سے کسی علت کی وجہ سے نہیں رکو گے ماسوا ایک علت کے اور وہ یہ کہ تمہیں گھیر لیا جائے اور یہ مفعول لہ سے اعم العام میں سے استثناء ہے اور اعم العام استثناء نہیں ہوتا مگر صرف نفی میں ہوتا ہے' سو اس کی نفی کے ساتھ تاویل کرنا ضروری ہے] ﴿فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ﴾ پھر جب انہوں نے آپ سے پختہ عہد لیا۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ انہوں نے یہ قسم کھائی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی قسم جو (سید الانبیاء) محمد مصطفیٰ ﷺ کا رب ہے! (وہ ضرور بنیامین کو واپس لے کر آئیں گے) ﴿قَالَ﴾ بعض حضرات نے اس پر سکتہ (یعنی بغیر سانس توڑے وقف) کیا ہے کیونکہ معنی یہ ہے کہ حضرت یعقوب نے فرمایا کہ ﴿اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ﴾ ہم جو باہمی معاہدہ کر رہے ہیں کہ میں بنیامین کو تمہارے سپرد کر دوں گا اور تم اسے ہر حال میں واپس لے کر آؤ گے' اس پر اللہ تعالیٰ نگہبان و محافظ ہے اور وہی اس کی حقیقتِ حال سے خبردار ہے مگر سکتہ کرنے سے قول اور مقول کے درمیان فاصلہ ہو جائے گا اور یہ ناجائز ہے' پس بہتر یہی ہے کہ ان کے درمیان آواز کے ذریعے فرق کیا جائے' سو تلاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کو پوری قوت کے ساتھ پڑھنے کا ارادہ کر لے۔

وَقَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

ع ۸/۱۱

اور یعقوب نے فرمایا: اے میرے بیٹو! تم ایک دروازے سے داخل نہ ہونا اور تم الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا' اور میں تمہیں اللہ کی تقدیر سے کچھ نہیں بچا سکتا' حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے' میں نے اسی پر بھروسا کیا ہے' اور بھروسا کرنے والوں کو صرف اسی پر بھروسا کرنا چاہیے ○ اور جب وہ داخل ہوئے جیسا کہ ان کو ان کے باپ نے حکم دیا تھا' اور کوئی چیز انہیں

اللہ کی تقدیر سے نہیں بچا سکتی مگر یعقوب کے دل میں ایک خواہش تھی جسے اس نے پورا کیا' اور بے شک وہ بہت بڑے علم والے ہیں اس لیے کہ ہم نے انہیں علم دیا تھا اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے O

٦٧- ﴿وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ﴾ اور حضرت یعقوب نے فرمایا: اے میرے بیٹو! تم ایک دروازے سے داخل نہ ہونا اور تم الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا۔ جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹوں پر نظر بد کا اندیشہ تھا کیونکہ یہ تمام بھائی بہت حسین وجمیل تھے اور ان کے حسن و جمال کی عظمت مصر میں مسلم تھی اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہلی دفعہ مصر کے شہر میں مختلف دروازوں سے داخل ہونے کا حکم نہیں دیا تھا کیونکہ پہلی دفعہ یہ لوگ غیر معروف تھے' مصری ان سے ناواقف تھے۔ بہر حال ہمارے (اہل سنت احناف) کے نزدیک نظر کا لگنا برحق اور سچ ہے اور اس کا وجود ثابت ہے کیونکہ کسی چیز کو دیکھنے اور اس پر تعجب کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ اس میں نقصان اور خلل پیدا کر دیتا ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے تھے' چنانچہ آپ ارشاد فرماتے: ''اُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ هَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ''[1] میں ہر زہریلے جانور کے شر سے اور ہر نظرِ بد لگانے والی آنکھ سے تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں' اور (ابوعلی محمد بن عبد الوہاب بن سلام معتزلی) الجبائی نے نظر بد لگنے کا انکار کیا ہے اور یہ قول اس حدیث نبوی سے مردود ہو جاتا ہے جس کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔

بعض اہل علم نے کہا کہ میں یہ بات یقیناً پسند کرتا ہوں کہ (جن کو نظرِ بد لگائی جاتی ہے) ان کا ادراک ان کے دشمنوں (یعنی نظر بد لگانے والوں) کو نہ ہونے دیا جائے ورنہ وہ ان کو ہلاک کرنے کے لیے کوئی چال چلیں گے ﴿وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقدیر کو تم سے کچھ بھی دور نہیں کر سکتا یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہیں مصیبت پہنچانے کا ارادہ کر چکا ہے تو میری تدبیر تمہیں نفع نہیں دے گی اور نہ وہ مصیبت تم سے دور ہوگی جس سے بچنے کے لیے میں نے تمہیں مختلف دروازوں سے داخل ہونے کا مشورہ دیا ہے بلکہ وہ مصیبت تمہیں ہر حال میں یقیناً پہنچے گی ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ حکم صرف اللہ ہی کے لیے ہے' اسی پر میں نے بھروسا کیا ہے اور بھروسا کرنے والوں کو صرف اسی پر بھروسا کرنا چاہیے۔ ''توکل'' کا معنی یہ ہے کہ اپنے ہر کام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دینا اور اسی پر کامل اعتماد کرنا۔

٦٨- ﴿وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ﴾ اور جب وہ (مصر میں) داخل ہوئے جہاں سے ان کے باپ نے ان کو حکم دیا تھا یعنی وہ مختلف دروازوں سے داخل ہوئے ﴿مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ ان کا مختلف دروازوں سے داخل ہونا اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے انہیں کچھ نہ بچا سکا کیونکہ الگ الگ ہونے کے باوجود انہیں وہ مصیبت پہنچ کر رہی جس نے انہیں رسوا کر دیا اور وہ ہے: ان پر چوری کا الزام جس کی وجہ سے وہ رسوا ہو گئے اور ان کے بھائی کا گرفتار ہو جانا' دوسری مصیبت ثابت ہوئی جس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کے سامان میں بادشاہ کا پیالہ پایا گیا تھا اور ان کے باپ پر دوہری مصیبت آن پڑی ﴿اِلَّا حَاجَةً﴾ [استثناء منقطع ہے] یعنی لیکن ایک خواہش تھی ﴿فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا﴾ حضرت

---

[1] رواہ البخاری فی کتاب الانبیاء باب:۱۰' مسلم فی کتاب الذکر حدیث:۵۴-۵۵' ابوداؤد فی کتاب الطب باب:۱۹' الترمذی فی کتاب الطب باب:۱۸' ابن ماجہ فی کتاب الطب باب:۳۵-۳۶-۴۶' الدارمی فی کتاب الاستئذان باب:۴۸' الموطأ فی کتاب الشعر حدیث:۹-۱۱' احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۱۸۱-۲۹۰' ج ۴ ص ۵۷

یعقوب علیہ السلام کے دل میں جو انہوں نے پوری کی اور وہ آپ کی اپنی اولاد پر شفقت ہے ﴿وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ﴾ اور بے شک حضرت یعقوب بڑے علم والے تھے یعنی آپ کا ارشاد ''وَمَا اُغْنِیْ عَنْكُمْ'' علم کی علامت ہے اور آپ کا یہ علم بھی کہ تقدیر سے تدبیر و احتیاط بے نیاز نہیں کر سکتی ﴿لِّمَا عَلَّمْنٰهُ﴾ اس لیے کہ ہم نے ان کو تعلیم دی تھی ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اور بہت سے لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى یُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَایَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَیْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِیْنَ ﴿۷۳﴾

اور جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی (اور) فرمایا: بے شک میں تمہارا بھائی ہوں سو تو اس کا غم نہ کھا جو کچھ وہ کرتے رہے O پھر جب یوسف نے ان کا سامان تیار کرا دیا تو پانی پینے کا پیالہ اپنے بھائی (بنیامین) کے سامان میں رکھ دیا' پھر ایک منادی نے آواز دی: اے قافلے والو! بے شک تم چور ہو O انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا: تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے O انہوں نے بتایا کہ ہم بادشاہ کا پیالہ کھو بیٹھے ہیں اور جو اس کو لائے گا اس کے لیے ایک اونٹ غلہ ہوگا اور میں اس کا ضامن ہوں O یوسف کے بھائیوں نے کہا: اللہ کی قسم! یقیناً تمہیں معلوم ہے کہ ہم سرزمین مصر میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں O

حضرت یوسف سے بنیامین کی ملاقات اور حضرت یوسف کا اس کو اپنے پاس رکھنے کے لیے تدبیر کرنے کا بیان

۶۹- ﴿وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى یُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَیْهِ اَخَاهُ﴾ اور جب وہ حضرت یوسف کے پاس داخل ہوئے تو آپ نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس جگہ دی اور بنیامین کو بغل میں لے کر اپنے ساتھ چمٹا لیا اور ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے حضرت یوسف سے کہا: یہ ہمارا بھائی (بنیامین) ہے' جس کو ہم حسب وعدہ آپ کے پاس لے آئے ہیں' حضرت یوسف نے فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا ہے' پھر آپ نے ان کو مہمان خانہ میں ٹھہرایا اور ان کو بڑی عزت و احترام کے ساتھ رکھا' پھر آپ نے ان کے لیے خصوصی ضیافت کا انتظام کیا اور ان میں دو دو بھائیوں کو دستر خوان پر بٹھایا تو بنیامین اکیلے رہ گئے اور رو پڑے اور کہا: اگر میرا بھائی یوسف زندہ ہوتا تو مجھے اپنے ساتھ بٹھاتا' چنانچہ حضرت یوسف نے فرمایا کہ تمہارا بھائی اکیلا رہ گیا ہے' پھر آپ نے بنیامین کو اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھا لیا اور دونوں اکٹھے مل کر کھانا کھانے لگے اور حضرت یوسف نے بنیامین سے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرو گے کہ میں تمہارے ہلاک ہو جانے والے بھائی کی جگہ تمہارا بھائی بن جاؤں؟ بنیامین نے کہا کہ آپ جیسا بھائی کس کو ملے گا؟ لیکن آپ کو میرے باپ حضرت یعقوب اور میری ماں راحیل نے تو جنم نہیں دیا' یہ بات سن کر حضرت یوسف رو پڑے اور بنیامین کو گلے سے لگا لیا' پھر ﴿قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ﴾ حضرت یوسف نے اس سے فرمایا: بے شک میں تمہارا بھائی یوسف ہی ہوں ﴿فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ سو تم اس پر غم نہ کرو جو کچھ وہ ماضی میں

ہمارے ساتھ کرتے رہے کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے اور ہمیں بھلائی پر جمع کر دیا ہے اور میں نے تمہیں جو کچھ بتایا ہے تم انہیں نہ بتانا۔

مروی ہے کہ بنیامین نے حضرت یوسف سے کہا کہ اب میں آپ سے ہرگز جدا نہیں ہوں گا۔ حضرت یوسف نے فرمایا کہ تمہیں یقیناً یہ معلوم ہے کہ میرے والد صاحب میری وجہ سے کتنے غمگین ہیں' اگر میں نے تمہیں روک لیا تو ان کا غم و رنج اور زیادہ ہو جائے گا اور تمہیں روکنے کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ میں تمہاری طرف ایسی بات منسوب کر دوں جس پر تم تعریف کے قابل نہیں رہو گے۔ بنیامین نے کہا: مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں' آپ کو جو مناسب نظر آتا ہے آپ وہی کر گزریں۔ حضرت یوسف نے فرمایا: پھر میں اپنا پیالہ تمہارے سامان میں چھپا دوں گا' پھر منادی تمہیں پکار کر کہے گا کہ تم نے چوری کی ہے تاکہ تمہیں ان کے ساتھ روانہ کرنے کے بعد پھر تمہیں اپنے پاس واپس لانے کے لیے میرے لیے کوئی تدبیر مہیا ہو جائے تو بنیامین نے کہا کہ آپ یہ کام ضرور کیجئے۔

۷۰- ﴿فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ﴾ پھر جب حضرت یوسف نے ان کا اسباب و سامان تیار کرا دیا اور ان کے لیے پورا پورا غلہ بھروا دیا ﴿جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ﴾ تو آپ نے اپنا پیالہ اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا اور ''سقایه'' اس برتن کو کہا جاتا ہے جس میں پانی پیا جاتا ہے اور یہ ایک پیالہ ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس پیالہ میں بادشاہ کو پانی پلایا جاتا تھا' پھر طعام کی عزت (اور بھائیوں کے احترام کی خاطر) اس میں غلہ بھر کر دیا گیا اور یہ پیالہ چاندی یا سونے سے تیار کیا گیا تھا جس کی بناوٹ مور کی شکل سے ملتی جلتی تھی ﴿ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ﴾ پھر ایک منادی نے ندا دی اور بلند آواز سے پکارا' یعنی اس نے اعلان کیا۔ [''أَذَّنَ'' کا معنی ہے: کثرت کے ساتھ بار بار اعلان کرنا اور اسی سے ''مُؤَذِّنٌ'' ماخوذ ہے کیونکہ وہ بار بار اعلان کرتا ہے]

مروی ہے کہ جب انہوں نے مصر سے کنعان کوچ کرنا شروع کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں روانہ کیا یہاں تک کہ وہ چل پڑے تو پھر حضرت یوسف نے اپنے نوکروں کو حکم دیا اور انہوں نے ان کو پکڑ لیا اور وہیں روک لیا' پھر ان سے کہا گیا: ﴿أَيَّتُهَا الْعِيرُ﴾ اے قافلے والو! ''عیر'' اس اونٹ کو کہا جاتا ہے' جس پر بھاری سامان لادا جاتا ہے کیونکہ یہ سامان اٹھا کر چلتا رہتا ہے یعنی وہ بھاری سامان لے کر جاتا بھی ہے اور آتا بھی ہے اور یہاں اس سے ''اصحاب العیر'' (یعنی قافلے والے لوگ) مراد ہے ﴿إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ﴾ بے شک تم ضرور چور ہو۔ یہ اشارہ ہے کہ انہوں نے حضرت یوسف کو ان کے باپ سے چرا لیا تھا (کیونکہ وہ اپنے باپ کو دھوکہ دے کر حضرت یوسف کو لے گئے تھے)۔

۷۱- ﴿قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ﴾ اور انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم کیا چیز گم کر بیٹھے ہو۔

۷۲- ﴿قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم بادشاہ کے پانی پینے کا پیالہ گم پاتے ہیں اور یہ ایک پیمانہ تھا ﴿وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ﴾ اور جو شخص یہ پیالہ لے کر آئے گا' اس شخص کو ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر غلہ دیا جائے گا اور اس کا میں ضامن ہوں' یہ بات منادی نے کہی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ ایک اونٹ کے سامان کا میں کفیل ہوں اور میں اس کو ادا کروں گا جو بادشاہ کا پیالہ لے کر آئے گا اور اونٹ کے بوجھ سے وہ طعام اور غلہ مراد ہے جو اس شخص کے لیے مقرر کیا گیا تھا جو پیالہ لے کر آئے گا۔

۷۳- ﴿قَالُوا تَاللَّهِ﴾ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! (ہم چور نہیں)' اس قسم میں تعجب کا معنی ہے کیونکہ چوری جیسے بدترین عمل کو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا تھا ﴿لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ﴾ بے شک تم جانتے ہو کہ ہم

سرزمین مصر میں فساد پھیلانے (یعنی چوری کرنے) نہیں آئے۔ حضرت یوسف کے بھائیوں نے چوری کا الزام لگانے والوں کے علم کو بطور گواہ اس لیے پیش کیا کہ ان تمام بھائیوں کی دین داری اور امانت داری کے دلائل ان کے نزدیک ثابت ہو چکے تھے کیونکہ یہ حضرات جب مصر کے بازار میں داخل ہوئے تو ان کی بوریوں کے منہ باندھے ہوئے تھے' تاکہ اہل بازار میں سے کسی شخص کی خوراک یا گندم وغیرہ شامل نہ کر لی جائے اور اس لیے بھی کہ انہوں نے وہ پونجی بھی واپس کر دی تھی جس کو انہوں نے اپنے سامان میں پایا تھا ﴿وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ﴾ اور ہم چوری کرنے والے نہیں ہیں اور نہ ہمیں کبھی چوری کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

انہوں نے کہا: تو اس کی کیا سزا ہوگی اگر تم جھوٹے ہوئے O بھائیوں نے کہا کہ جس کے سامان میں پیالہ پایا جائے گا وہی اس کی سزا ہوگا' ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں O تو یوسف نے اپنے بھائی کے سامان سے پہلے ان کے سامان کی تلاشی شروع کی' پھر اس کو اپنے بھائی کے سامان سے نکال لیا' اسی طرح ہم نے یوسف کو تدبیر سکھائی' وہ اپنے بھائی کو بادشاہی قانون میں نہیں لے سکتا تھا مگر یہ کہ اللہ چاہے' ہم جس کے چاہتے ہیں بہت سے درجے بلند کر دیتے ہیں' اور ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا ہوتا ہے O

۷۴۔ ﴿قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗ﴾ انہوں نے کہا: تو اس کی کیا سزا ہے؟ [اس میں ضمیر "صواع" (پیالے) کی طرف لوٹتی ہے یعنی اس پیالے کے چوری کرنے کی کیا سزا ہے؟] ﴿اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ﴾ اگر تم اپنے انکار میں اور چوری سے براءت کے دعویٰ میں جھوٹے ہوئے۔

۷۵۔ ﴿قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ﴾ انہوں نے کہا: اس کی سزا وہی شخص ہے جس کے سامان میں پیالہ پایا جائے یعنی اس پیالے کی چوری کی سزا اسی شخص کو گرفتار کرنا ہے جس کے سامان میں پیالہ پایا جائے گا اور حضرت یعقوب کی آل میں چور کا یہی حکم تھا کہ اس کو ایک سال تک غلام بنا لیا جائے' سو اس لیے انہوں نے اس کی سزا میں یہ فتویٰ دیا [اور ان کا یہ کہنا: "فَهُوَ جَزَآؤُهٗ" حکم کی تقدیر ہے یعنی خود چور کو گرفتار کر لینا ہی چوری کی سزا ہے اور کچھ نہیں یا "فَهُوَ جَزَآؤُهٗ" مبتدا ہے اور جملہ شرطیہ اس کی خبر ہے] ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ ہم اسی طرح ظالموں کو یعنی چوروں کو غلام بنا کر سزا دیتے ہیں۔

۷۶۔ ﴿فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ﴾ سو حضرت یوسف نے اپنے بھائی کے سامان کی تلاشی لینے سے پہلے ان کے سامان کی تلاشی شروع کی (یعنی) تہمت سے بچنے کے لیے حضرت یوسف نے بنیامین کے سامان کی تلاشی لینے سے

پہلے ان کے سامان کی تلاشی شروع کی یہاں تک کہ جب بنیامین کے سامان تک پہنچے تو فرمایا کہ میں اس کے متعلق گمان نہیں کرتا کہ اس نے کوئی چیز لی ہو تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم اس کو نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ آپ ان کے سامان کو بھی دیکھیں کیونکہ یہ آپ کی شخصیت کے لیے اور ہماری ذات کے لیے پاکیزگی کا باعث ہو گا ﴿ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ﴾ پھر حضرت یوسف نے اس کو یعنی پیالے کو اپنے بھائی (بنیامین) کے سامان میں سے نکال لیا۔ [''صواع'' کی ضمیر کو کئی مرتبہ مذکر لایا گیا ہے' پھر یہاں اس کو مؤنث لایا گیا ہے کیونکہ ضمیر تانیث ''سِقَايَة'' کی طرف لوٹتی ہے یا پھر اس لیے کہ ''صواع'' مذکر و مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے] ﴿كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ﴾ اسی طرح یعنی اس عظیم منصوبہ کی طرح ہم نے حضرت یوسف کو بہت بڑی تدبیر بتائی یعنی یہ تدبیر ہم نے حضرت یوسف کو سکھائی تھی۔ [''كَذَٰلِكَ'' میں کاف جارہ محلاً منصوب ہے] ﴿مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ﴾ حضرت یوسف بادشاہِ مصر کے قانون میں اپنے بھائی کو نہیں لے سکتے تھے۔ یہ ''کید'' کی تفسیر اور اس کا بیان ہے کیونکہ بادشاہ کے قانون میں یعنی اس کی سیرت میں چور کے لیے یہ حکم تھا کہ اس نے جس قدر مال چوری کیا ہے اس کا ڈبل اس سے وصول کیا جائے لیکن اس کے قانون میں چور کو پکڑ کر بطور غلام اپنے پاس رکھ لینا نہیں تھا ﴿إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ﴾ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائی کو اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور اس کے ارادے کے بغیر نہیں لے سکتے تھے ﴿نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ﴾ ہم جس کو چاہتے ہیں اس کے علم میں درجے اور مرتبے میں بلند کر دیتے ہیں جس طرح ہم نے حضرت یوسف کو علم و فہم میں بلند درجے اور مرتبے عنایت فرما دیئے ہیں۔ [کوفیوں کی قراءت میں ''دَرَجَاتٍ'' تنوین کے ساتھ ہے] ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾ اور ہر علم والے سے بڑھ کر ایک بڑا علم والا ہوتا ہے جو اپنے علم میں اس سے بڑھ کر درجے اور مرتبے میں بلند و بالا ہوتا ہے یا یہ کہ تمام علماء سے علم میں بڑھ کر ایک بہت بڑا صاحبِ علم موجود ہے جو ان کے علاوہ ہے اور وہ اللہ عزوجل ہے۔

قَالُوٓا إِن يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُۥ مِن قَبْلُ ۚ فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِى نَفْسِهِۦ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ أَنتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۖ وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ﴿٧٧﴾ قَالُوا۟ يَٰٓأَيُّهَا ٱلْعَزِيزُ إِنَّ لَهُۥٓ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُۥٓ ۖ إِنَّا نَرَىٰكَ مِنَ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿٧٨﴾ قَالَ مَعَاذَ ٱللَّهِ أَن نَّأْخُذَ إِلَّا مَن وَجَدْنَا مَتَٰعَنَا عِندَهُۥٓ إِنَّآ إِذًا لَّظَٰلِمُونَ ﴿٧٩﴾

ع ۱۱

بھائیوں نے کہا کہ اگر یہ چوری کرتا ہے تو اس سے پہلے یقیناً اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے' تو یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھا اور اس کو ان کے سامنے ظاہر نہیں فرمایا' (دل میں) کہا: تم بدترین جگہ پر ہو' اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم بیان کرتے ہو○ انہوں نے کہا: اے عزیز! بے شک اس کا باپ بہت بوڑھا ہو چکا ہے' پس آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو لے لیں' بے شک ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں○ یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ کہ ہم (کسی اور کو) لے لیں سوائے اس کے جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے' بے شک ہم اس وقت ضرور ظالم ہوں گے○

۷۷- ﴿ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ﴾ انہوں نے کہا: اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف) بھی چوری کر چکے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف اشارہ کرنا تھا۔ ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک روز ایک کنیسہ میں داخل ہوئے اور وہاں سے سونے کی بنی ہوئی تمام چھوٹی چھوٹی تصویریں اٹھالیں جن کی لوگ عبادت کرتے تھے اور ان کو زمین میں دفن کر دیا (تا کہ لوگ بت پرستی چھوڑ دیں) اور ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ گھر میں ایک مرغی تھی جو آپ نے پکڑ کر ایک بھیک مانگنے والے سائل کو دے دی اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم کا ایک کمر بند تھا جو آپ کی اولاد میں سب سے بڑے کو وراثت میں ملتا تھا' چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کو ملا (جب کہ بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے' ان کے دست بردار ہونے کے بعد حضرت اسحاق کو ملا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب) پھر حضرت اسحاق کے بعد ان کی بیٹی کو ملا کیونکہ وہ اولاد میں سب سے بڑی بیٹی تھیں اور وہ چونکہ حضرت یوسف کی پھوپھی تھیں' اس لیے ان کی والدہ کے انتقال کے بعد انہوں نے حضرت یوسف کی پرورش وتربیت کی تھی اور وہ حضرت یوسف سے بہت محبت کرتی تھیں اور ایک لمحہ ان کے بغیر صبر نہیں کر سکتی تھیں' پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام جوان ہونے لگے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے چاہا کہ اب ان کو اپنی بہن سے واپس لے لیں مگر وہ بی بی محبت کے مارے واپس نہیں کرنا چاہتی تھیں' چنانچہ اس نے یہ منصوبہ بنایا کہ رات کے وقت سوتے میں حضرت یوسف کے کپڑوں کے نیچے چپکے سے وہ کمر بند باندھ دیا اور صبح اعلان کیا کہ حضرت اسحاق کا کمر بند گم ہو گیا ہے' سو دیکھو اور تلاش کرو کس نے لے لیا؟ تو تلاش کرنے پر حضرت یوسف کے کپڑوں کے نیچے بندھا ہوا مل گیا تو انہوں نے کہا: اب یوسف میرے قبضے میں رہے گا' چنانچہ حضرت یعقوب نے ان کو انہیں کے پاس چھوڑ دیا اور حضرت یوسف ان کی وفات تک انہیں کے پاس رہے۔

اور مروی ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے کارندوں نے بنیامین کے سامان سے پیالہ برآمد کر لیا تو تمام بھائیوں کے سر ندامت وحیاء سے جھک گئے اور وہ بنیامین کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے کہنے لگے: اے راحیل کے بیٹے! تو نے ہمیں رسوا کر دیا اور ہمارے چہروں کو سیاہ کر دیا' اے بنی راحیل! تمہاری طرف سے ہمیشہ ہم پر بلائیں اور مصیبتیں اترتی رہیں' تم نے یہ پیالہ کب اٹھایا تھا؟ بنیامین نے جواب میں فرمایا کہ بنی راحیل ہی وہ لوگ ہیں جن پر تمہاری طرف سے ہمیشہ مصیبتیں نازل ہوتی رہیں' تم میرے بھائی کو لے گئے اور اسے تم نے ہلاک کر دیا اور یہ پیالہ میرے سامان میں اسی نے رکھا ہے جس نے تمہارے سامان میں رقم رکھ دی تھی ﴿ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ ﴾ سو حضرت یوسف نے اس کو یعنی ان کی اس بات کو اپنے دل میں چھپا لیا کہ اس نے چوری کی تھی گویا آپ نے ان کی اس بات کو سنا ہی نہیں ﴿ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ﴾ اور حضرت یوسف نے ان کی بات کو ان کے سامنے ظاہر نہیں فرمایا ﴿ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ﴾ حضرت یوسف نے (دل میں) کہا کہ تم بدترین جگہ پر ہو یعنی تم چوری کرنے میں بدترین درجہ میں ہو کیونکہ تم نے اپنے بھائی یوسف کو اس کے باپ سے چرایا تھا [اور "مَكَانًا" تمییز ہے] ﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم بیان کرتے ہو (یعنی) جو کچھ تم کہتے ہو یا جو کچھ تم جھوٹ بولتے ہو۔

۷۸- ﴿ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا ﴾ انہوں نے کہا: اے عزیز مصر! بے شک اس کا باپ عمر میں بوڑھا ہے اور قدر ومنزلت میں بزرگ ترین ہے ﴿ فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ﴾ پس آپ اس کی جگہ اور اس کے بدلے میں ہم میں سے کسی ایک کو بطور گروی رکھ لیں یا غلام بنا لیں کیونکہ اس کا باپ اس کے گم شدہ بھائی کی جگہ اب اسی سے تسلی حاصل کرتا ہے

﴿اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ بے شک ہم آپ کو اپنے اوپر احسان کرنے والا خیال کرتے ہیں' سو آپ اپنا احسان پورا کیجئے یا یہ کہ آپ کی عادتِ کریمہ احسان و کرم کرنا ہے' پس آپ اپنی عادتِ کریمہ کو جاری رکھئے اور اس کو تبدیل نہ کیجئے۔

۷۹- ﴿قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ﴾ حضرت یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ کہ ہم کسی اور کو پکڑ لیں' سوائے اس کے جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے: ''اَیْ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مَعَاذًا مِنْ اَنْ نَّاْخُذَ'' یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں اس سے کہ ہم کسی اور کو گرفتار کر لیں [چنانچہ مصدر کو مفعول بہ کی طرف مضاف کر دیا گیا ہے اور حرف ''مِنْ'' حذف کر دیا گیا ہے] ﴿اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ﴾ بے شک ہم اس وقت ظالم ہو جائیں گے۔ [''اِذًا'' جواب اور جزا ہے] کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اس کی جگہ کسی اور کو ہم گرفتار کر لیں تو ہم ظالم ٹھہریں گے اور یہ اس لیے کہ تمہارے فتویٰ کے فیصلے کی روشنی میں صرف اسی کو گرفتار کر کے غلام بنایا جائے گا جس کے سامان میں سے پیالہ برآمد کیا گیا ہے' پس اگر ہم اس کے علاوہ کسی اور کو گرفتار کر لیں گے تو یہ تمہارے مذہب میں ظلم ہو گا' لہٰذا تم ایسی کارروائی کا مطالبہ نہ کرو جس کے بارے میں تم جانتے ہو کہ یہ ظلم و زیادتی ہے۔

فَلَمَّا اسْتَیْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِیًّا ؕ قَالَ كَبِیْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَیْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِیْ یُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى یَاْذَنَ لِیْۤ اَبِیْۤ اَوْ یَحْكُمَ اللّٰهُ لِیْ ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِیْكُمْ فَقُوْلُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَ مَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَ مَا كُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ ﴿۸۱﴾

پھر جب وہ اس سے ناامید ہو گئے تو الگ ہو کر سرگوشی کرنے لگے' ان میں سے بڑے نے کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بے شک تمہارے باپ نے تم سے اللہ کا مضبوط عہد لیا تھا اور اس سے پہلے تم یوسف کے معاملے میں کوتاہی کر چکے ہو' سو اب میں اس سرزمین سے ہرگز نہیں جاؤں گا یہاں تک کہ میرے باپ مجھے اجازت دے دیں یا اللہ تعالیٰ میرے لیے کوئی فیصلہ فرما دے' اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے O تم اپنے باپ کے پاس واپس چلے جاؤ اور ان سے کہو کہ اے ہمارے ابا جان! بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کر لی ہے اور ہم نے گواہی نہیں دی مگر جس بات کا ہمیں علم ہے اور ہم غیب کے نگہبان نہیں O

بنیامین کے گرفتار ہو جانے پر بھائیوں کا ردِ عمل اور دوبارہ آنے پر حضرت یوسف سے تعارف

۸۰- ﴿فَلَمَّا اسْتَیْـَٔسُوْا﴾ پھر جب وہ مایوس و ناامید ہو گئے [اور اس میں سین اور تا کا اضافہ مبالغہ کرنے کے لیے کیا گیا ہے جیسا کہ ''اِسْتَعْصَمَ'' میں گزر چکا ہے] ﴿مِنْهُ﴾ حضرت یوسف سے اور اس سے کہ حضرت یوسف ان کی بات قبول کر لیں ﴿خَلَصُوْا﴾ وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو گئے' خالص بھائیوں کی جماعت رہ گئی اور ان میں ان کے علاوہ کوئی شامل نہیں تھا ﴿نَجِیًّا﴾ اس حال میں کہ وہ اپنے مسئلہ پر باہمی سرگوشی کرنے لگے یا وہ راز و نیاز کی گفتگو کرنے والی جماعت تھی یعنی وہ ایک دوسرے کے ساتھ آپس میں سرگوشی کرنے لگے اور باہمی مشورہ کرنے لگے یا وہ خالص راز و نیاز کے ساتھ آپس میں

ایک دوسرے سے مشورہ کرنے اور اس میں پوری جدوجہد کرنے اور پورے اہتمام کے ساتھ اپنی کوششیں صرف کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے' گویا وہ اپنے آپ میں سرگوشی کرنے کی صورت اور اس کی حقیقت کو اپنائے ہوئے تھے' اس لیے ''نجی'' بہ معنی ''مناجی'' ہے جیسے ''سمیر'' بہ معنی ''مسامر'' ہے اور یہ بہ معنی مصدر ہے اور وہ ''تناجی'' ہے (ایک دوسرے کے ساتھ باہم سرگوشی کرنا) اور وہ اپنے معاملے میں غور وفکر کرنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ باہمی سرگوشی کرنے لگے کہ اب وہ کس طرح جائیں گے اور اپنے بھائی کے بارے میں اپنے باپ سے کیا کہیں گے ﴿قَالَ كَبِيْرُهُمْ﴾ ان میں سے عمر میں سب سے بڑے نے کہا: اور وہ روبیل ہے یا عقل و دانش اور رائے میں جو سب سے زیادہ بڑا تھا اس نے کہا اور وہ یہودا ہے یا ان کے سردار نے کہا اور وہ شمعون ہے ﴿اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ﴾ کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک تمہارے باپ نے تم سے اللہ تعالیٰ کا پختہ عہد لیا تھا اور اس سے پہلے تم حضرت یوسف کے بارے میں کوتاہی کر چکے ہو [''مَـا'' صلہ کا ہے یعنی اس سے پہلے تم حضرت یوسف کی شان میں کوتاہی کر چکے ہو اور تم نے اپنے باپ سے کیے ہوئے عہد کی حفاظت نہیں کی یا ''مَـا'' مصدر یہ ہے اور مصدر کا محل مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور اس کی خبر ظرف ہے اور وہ ''مِنْ قَبْلُ'' ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف کے بارے میں تم سے پہلے بھی کوتاہی واقع ہو چکی ہے] ﴿فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ﴾ سو میں مصر کی سرزمین سے ہرگز نہیں جاؤں گا اور نہ میں اس کو چھوڑوں گا ﴿حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ﴾ یہاں تک کہ میرا باپ مجھے اپنے پاس واپس آنے کی اجازت دے دے ﴿اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ﴾ یا اللہ تعالیٰ میرے لیے اس جگہ سے نکلنے کا فیصلہ صادر فرما دے یا موت کا یا ان کے ساتھ جنگ کا ﴿وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ﴾ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے کیونکہ وہ صرف عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔

۸۱- ﴿اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ﴾ تم اپنے باپ کے پاس واپس لوٹ جاؤ اور کہو: اے ہمارے باپ! بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے [اور ایک قراءت میں ''سُرِّقَ'' (فعل ماضی مجہول از باب تفعیل) ہے یعنی اس کو چوری کی طرف منسوب کر دیا گیا] ﴿وَمَا شَهِدْنَاۤ﴾ اور ہم نے اس کے خلاف چوری کی گواہی نہیں دی ﴿اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا﴾ مگر اس کی چوری کے بارے میں جسے ہم جانتے ہیں اور یقیناً پیالہ اسی کے سامان میں سے برآمد کیا گیا ہے ﴿وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ﴾ اور ہم غیب کے محافظ نہیں ہیں اور جب ہم نے آپ کو پختہ عہد دیا تھا تو اس وقت ہمیں معلوم نہیں تھا کہ وہ مستقبل میں چوری کرے گا۔

وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور اس شہر کے باشندوں سے دریافت کر لیجئے جس میں ہم ٹھہرے تھے اور اس قافلے سے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں'

اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں O فرمایا: بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑ لی ہے' سو صبر کرنا اچھا ہے' عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس لائے گا' بے شک وہ بہت علم والا' بہت دانا ہے O اور آپ نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: ہائے افسوس! یوسف پر اور ان کی آنکھیں غم کے مارے سفید ہو گئیں اور وہ غم و غصہ پیتے رہے O انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! آپ یوسف کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ نڈھال ہو جائیں گے یا اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے O

۸۲- ﴿ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا ﴾ اُس بستی والوں سے پوچھ لیجئے جس میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔ ''قَرْيَة'' سے مصر مراد ہے یعنی آپ اہل مصر کے پاس قاصد بھیج دیجئے اور ان سے اس قصے کی حقیقت دریافت کر لیجئے ﴿ وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ﴾ اور ان قافلے والوں سے (پوچھ لیجئے) جس میں ہم آئے ہیں اور وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پڑوس میں سے کنعان کی قوم تھی ﴿ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم اپنی گفتگو میں ضرور سچے ہیں۔

۸۳- پس وہ لوگ اپنے باپ کے پاس واپس لوٹ گئے اور انہوں نے اپنے باپ سے وہی کچھ کہا جو انہیں ان کے بھائی نے کہا تھا ﴿ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ﴾ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ بلکہ تمہارے دلوں نے تمہارے لیے ایک بات گھڑ لی ہے جس کا تم ارادہ کر چکے تھے ورنہ اس آدمی نے کیسے جان لیا کہ چور کو غلام بنا لیا جاتا ہے اگر تم خود فتویٰ نہ دیتے اور تم اس کو نہ بتلاتے ﴿ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ﴾ سو صبر کرنا ہی اچھا ہے' عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس لائے گا۔ حضرت یوسف کو اور ان کے بھائی بنیامین کو اور برادرانِ یوسف کے بڑے بھائی کو (جو مصر میں از خود رک گئے تھے ان سب کو اللہ تعالیٰ میرے پاس لائے گا) ﴿ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ ﴾ بے شک وہ سب کچھ جانتا ہے' وہ رنج و غم اور حسرت و افسوس میں مبتلا میرے حال سے خوب واقف ہے ﴿ الْحَكِيْمُ ﴾ وہ بڑی حکمت والا ہے' اس نے کسی حکمت و مصلحت کی بناء پر مجھے اس میں مبتلا کر رکھا ہے۔

۸۴- ﴿ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ ﴾ اور حضرت یعقوب نے (بنیامین پر چوری کے الزام کی اور ان کے بڑے بھائی کی خبر سن کر) ان سے منہ پھیر لیا اور وہ جو خبر لائے تھے اس سے نفرت و ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کے لیے حضرت یعقوب نے ان سے اعراض کر لیا ﴿ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ ﴾ اور حضرت یعقوب نے فرمایا: ہائے افسوس! حضرت یوسف کی جدائی ہو۔ [''اَسَفٌ'' سخت ترین حزن و غم اور شدید حسرت کے معنی میں آتا ہے' حضرت یعقوب نے ''اَسَفٌ'' کو اپنی ذات کی طرف مضاف کر کے ''يَا اَسَفِيْ'' پڑھا' پھر یائے متکلم مضاف الیہ کو الف سے تبدیل کر دیا گیا ہے اور حضرت یوسف اور ''اَسَفٌ'' کے درمیان باہم مشابہ ہونے کا تکلف نہیں کیا گیا اور اسی کی طرح (درج ذیل ارشادات ہیں:) ''اِثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ'' (التوبہ:۳۸) ''تم زمین پر بوجھل ہو گئے ہو کیا تم نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پسند کر لی؟'' ''وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ'' (الانعام:۲۶) ''اور وہ اس سے لوگوں کو روکتے ہیں اور وہ خود اس سے دور بھاگتے ہیں''۔ ''وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا'' (الکہف:۱۰۴) ''اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ یقیناً اچھے کام کر رہے ہیں''۔ ''وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ'' (النمل:۲۲) ''اور میں سبا سے آپ کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں''۔] اور باقی رہا یہ سوال کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صرف حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی پر غم و افسوس کا اظہار کیا' لیکن بنیامین پر اور ان کے بڑے بھائی پر غم و رنج اور افسوس کا اظہار کیوں نہیں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کی جدائی کا رنج و غم اور افسوس اتنا گہرا اور درد ناک ہو گیا تھا کہ موجودہ خبر کے سنتے وقت دوسرے بیٹوں کی بجائے حضرت یوسف کی جدائی کا رنج و غم پھر سے تازہ اور تیز ہو گیا اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ حفاظت کے معاہدہ کے باوجود حضرت یوسف

کے متعلق کوتاہی کرنے کے سبب حضرت یعقوب کے نزدیک موجودہ خبر کے باعث برادرانِ یوسف کا اعتماد دوبارہ ختم ہو گیا ﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ﴾ اور ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں کیونکہ حضرت یعقوب نے اپنے محبوب ترین بیٹے حضرت یوسف کی جدائی کے غم میں بہت زیادہ آنسو بہائے تھے اور کثرتِ آنسو آنکھ کی سیاہی کو مٹا دیتی ہے اور اس کو گدلی سفیدی میں تبدیل کر دیتی ہے اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی بالکل ختم ہو گئی تھی اور بعض نے فرمایا کہ حضرت یعقوب کی بینائی بالکل ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ بہت کمزور ہو گئی تھی جس کے سبب آپ کو بہت کم دکھائی دیتا تھا ﴿مِنَ الْحُزْنِ﴾ غم و رنج کی وجہ سے کیونکہ رونے کا سبب غم و رنج تھا' جس کی وجہ سے آنکھیں سفید ہو گئی تھیں تو گویا یہ حادثہ غم کی وجہ سے پیدا ہوا تھا اور بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ حضرت یوسف کی جدائی کے وقت سے لے کر ان کی ملاقات تک تقریباً اسّی سال حضرت یعقوب کی آنکھیں خشک رہیں اور اس وقت پوری روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت یعقوب سے زیادہ معزز کوئی نہیں تھا اور یہ جائز ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کو بھی اتنا غم و رنج پہنچا ہو کیونکہ انسان کو ایسی حالت پر پیدا کیا گیا ہے کہ وہ غم کے وقت اپنے آپ پر کنٹرول نہیں رکھتا' اس لیے اس کے صبر کرنے پر اس کی تعریف کی جاتی ہے اور بے شک رسول اللہ ﷺ اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کی وفات پر رو پڑے اور فرمایا کہ دل غمگین ہے اور آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں اور ہم ایسی بات نہیں کہتے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے اور اے ابراہیم! بے شک ہم آپ کی موت پر بہت غمگین ہیں[1] بے شک مذموم و بُرا صرف چیخنا چلانا اور نوحہ کرنا اور سینوں اور چہروں پر طمانچے مارنا اور کپڑے پھاڑنا ہے ﴿فَهُوَ كَظِيْمٌ﴾ سو وہ اپنی اولاد پر غصے سے بھرے ہوئے تھے' لیکن کسی ایسی بات کا اظہار نہیں کیا جو انہیں بُرا لگتا ["كَظِيْمٌ" بروزن فعیل بہ معنی مفعول ہے جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: "اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ" (القلم:۴۸) "جب اس نے اس حال میں پکارا کہ اس کا دل غم و غصہ سے بھرا ہوا تھا"۔ یہ "كَظَمَ السِّقَاءَ" سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب ڈول کا منہ پانی سے بھر جانے کے بعد باندھ دیا جاتا ہے]۔

۸۵۔ ﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا﴾ [اصل میں "لَا تَفْتَأُ" ہے' پھر حرف نفی حذف کر دیا گیا ہے اس لیے لتباس نہیں ہوتا کیونکہ اگر یہ مثبت ہوتا تو لام اور نون کے بغیر نہ ہوتا اور "لَا تَفْتَأُ" کا معنی "لَا تَزَالُ" ہے] برادرانِ یوسف نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ تو ہمیشہ ﴿تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا﴾ حضرت یوسف کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ بیمار ہو کر قریب المرگ ہو جائیں گے ﴿اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ﴾ یا آپ جان دے دیں گے۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾

فرمایا: بے شک میں اپنے دکھ اور غم کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے جو کچھ جانتا ہوں

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ۱۳۰۳' مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱۵

وہ تم نہیں جانتے O اے میرے بیٹو! جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو' بے شک اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر کافر لوگ O پھر جب وہ یوسف کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا: اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے اور ہم تھوڑا سا سرمایہ لے کر آئے ہیں' سو آپ ہمیں پورا غلہ ماپ کر دے دیجئے اور ہم پر احسان بھی کیجئے' بے شک اللہ تعالیٰ صدقہ وخیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے O

۸٦- ﴿قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ اور حضرت یعقوب نے فرمایا کہ بے شک میں اپنی سخت ترین پریشانی اور اپنے رنج وغم کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں۔ ''بَثٌّ'' سخت ترین پریشانی کو کہا جاتا ہے جس پر صبر نہ ہو سکے تو وہ اس کو لوگوں پر ظاہر کر دے یعنی وہ اس کو لوگوں میں پھیلا دے یعنی میں تم میں اور تمہارے علاوہ کسی سے اپنی شکایت بیان نہیں کرتا' بے شک میں تو صرف اپنے رب تعالیٰ سے شکایت کرتے ہوئے اس سے دعا کرتا ہوں اور میں اسی سے التجا کرتا ہوں کہ وہ میری شکایت دور کر دے اور مجھے غم ورنج سے خلاصی عنایت فرمائے۔

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے آپ کی بینائی صرف اس لیے زائل کی کہ ایک دفعہ آپ نے ایک بکری ذبح کی تھی اور اس کو تیار کر کے جب آپ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مل کر کھانے لگے تو آپ کے دروازہ پر ایک مسکین آ کھڑا ہوا' مگر آپ نے اسے کھانا نہیں کھلایا تھا جب کہ تمام مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ انبیائے کرام علیہم السلام محبوب ہیں' پھر مساکین محبوب ہیں' پس کھانا تیار کرو اور مساکین کو کھانا کھانے کی دعوت دو اور بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک دفعہ بچے سمیت ایک مرغی خریدی تھی' پھر بچے کو فروخت کر دیا اور مرغی اپنے بچے کے فراق میں رو رو کر اندھی ہو گئی تھی ﴿وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے اور میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی رحمت سے یہ جانتا ہوں کہ وہ مجھے ایسی جگہ سے خلاصی اور نجات عطا فرمائے گا' جہاں سے مجھے گمان بھی نہیں ہوگا اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب میں حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی روح مبارک قبض کر لی ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ نہیں' اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ زندہ سلامت ہیں' پس آپ ان کو تلاش کریں اور حضرت جبریل نے آپ کو یہ دعا سکھائی: ''يَا ذَا الْمَعْرُوْفِ الدَّائِمِ الَّذِيْ لَا يَنْقَطِعُ اَبَدًا وَلَا يُحْصِيْهِ غَيْرُكَ فَرِّجْ عَنِّيْ'' ''اے ہمیشہ بھلائی کرنے والے خدا! جس کی بھلائی کبھی ختم نہ ہوگی اور تیرے سوا اس کو کوئی شمار نہیں کر سکتا' میری مصیبت کھول دے۔

۸۷- ﴿يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ﴾ اے میرے بیٹو! جاؤ اور تم حضرت یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور ان دونوں کے بارے میں معلومات حاصل کرو اور ان کی خبر کا پتا لگاؤ [اور یہ باب تفعّل ''احساس'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: حواس سے معلوم کرنا] ﴿وَلَا تَايْــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ اور تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اور اس کی طرف سے کشادگی عطا کرنے سے ناامید نہ بنو ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک حقیقتِ واقعی اور اصل صورتِ حال یہ ہے کہ ﴿لَا يَايْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے مگر کافر لوگ کیونکہ جو ایمان لایا ہے وہ جانتا ہے کہ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی نعمت میں زندگی گزار رہا ہے لیکن کافر تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کو نہیں پہچانتا اور نہ اس کی نعمت میں ہوتا ہے' پس وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے۔

۸۸- چنانچہ حضرت یعقوب کے بیٹے اپنے باپ سے اجازت لے کر دوبارہ مصر جانے کے لیے اپنے گھر سے روانہ ہو

گئے ﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَیْهِ﴾ تو جب وہ حضرت یوسف کے پاس پہنچے ﴿قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ﴾ تو انہوں نے کہا: اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو فقر و فاقہ کی تکلیف پہنچ چکی ہے' جس کی سختی کے باعث اور بھوک کی وجہ سے ہم سب لوگ کمزور و ناتواں ہو گئے ہیں ﴿وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ﴾ اور ہم بالکل تھوڑی سی پونجی لائے ہیں' ہر تاجر اس کو قبول نہیں کرتا کیونکہ اتنی حقیر و قلیل ہے کہ اس میں تاجر رغبت نہیں رکھتے۔[یہ ''اَزْجَیْتَهٗ'' سے ماخوذ ہے جب تم اسے دفع کرو اور اسے دھتکار دو] بعض نے کہا کہ وہ چند کھوٹے درہم تھے جنہیں قبول نہیں کیا جاتا تھا مگر نقصان کے ساتھ اور بعض نے کہا کہ وہ پونجی صرف تھوڑا سا پشم اور تھوڑا سا گھی تھا ﴿فَاَوْفِ لَنَا الْكَیْلَ﴾ سو آپ ہمیں پورا پورا غلہ عنایت کیجئے جو ہمارا حق بنتا ہے ﴿وَ تَصَدَّقْ عَلَیْنَا﴾ کھوٹی پونجی سے اغماض و چشم پوشی فرما کر ہم پر احسان کیجئے یا ہمارے حق سے ہمیں زیادہ عنایت فرمائیے یا آپ ہمیں ہمارا بھائی عطا فرما دیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ وَ اَخِیْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْۤا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ یُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا یُوْسُفُ وَ هٰذَاۤ اَخِیْ٘ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَ یَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕیْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ٘ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۹۲﴾

آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا (سلوک) کیا تھا جب کہ تم نادان تھے O انہوں نے کہا: کیا آپ ہی یوسف ہیں؟ فرمایا: میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے' بے شک اللہ نے ہم پر احسان فرمایا ہے' بے شک جو تقویٰ اور صبر اختیار کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ یقیناً نیکوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کرتا O انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور بے شک ہم ضرور خطا کار ہیں O یوسف نے فرمایا: آج تم پر کچھ ملامت نہیں' اللہ تمہیں معاف فرما دے' اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے O

۸۹- جب انہوں نے کہا کہ ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے اور انہوں نے حضرت یوسف سے آہ و زاری کی' گڑگڑائے اور آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ ان پر صدقہ و خیرات کریں جس کے باعث حضرت یوسف کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور آپ ان کو اپنا تعارف کرائے بغیر اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے' چنانچہ ﴿قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ وَ اَخِیْهِ﴾ حضرت یوسف نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی بنیامین کے ساتھ کیا کیا تھا؟ یعنی کیا اس کی قباحت و بُرائی کو جانتے ہو جو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کو ایذائیں پہنچانے کے لیے کیا تھا؟ ﴿اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ﴾ جب تم نادان تھے' تم اس کی قباحت کو نہیں جانتے تھے یا جب تم نادانی اور کم عقلی کی حد میں تھے اور حضرت یوسف کے بھائی بنیامین کے ساتھ تکلیف دِہ رویہ یہ تھا کہ انہوں نے بنیامین کو اپنے حقیقی بھائی جو باپ اور ماں دونوں طرف سے بھائی تھا کی جدائی کا صدمہ پہنچایا اور انہوں نے اس کو اور بہت سی مختلف اقسام کی تکلیفیں پہنچائیں۔

۹۰-﴿ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ﴾ انہوں نے کہا: کیا آپ ہی یوسف ہیں؟[اہل کوفہ اور ابن عامر شامی کی قراءت میں دو ہمزوں کے ساتھ ''اَاِنَّكَ'' ہے اور ''لَاَنْتَ'' میں لام ابتدا کا ہے اور ''اَنْتَ'' مبتدا ہے اور ''يُوْسُفُ'' اس کی خبر ہے اور مبتدا خبر مل کر جملہ ''اِنَّ'' کی خبر ہے] ﴿ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ﴾ آپ نے فرمایا: میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اور حضرت یوسف نے اپنے تعارف کے ساتھ اپنے بھائی کا بھی ذکر فرما دیا حالانکہ انہوں نے آپ سے ان کی اپنی ذات کے بارے میں دریافت کیا تھا تو یہ اس لیے کیا کہ بھائی کے ذکر میں ان کے سوال کا بیان ہے ﴿ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے جدائی کے بعد الفت کے ساتھ ہم پر احسان فرمایا۔ حضرت یوسف نے اللہ تعالیٰ کے احسان کا ذکر سلامت و کرامت کے ساتھ بیان فرمایا اور ملامت کے ساتھ آغاز نہیں فرمایا ﴿ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ ﴾ بے شک جو شخص بے حیائی اور بُرائی کے کاموں سے پرہیز کرتا ہے ﴿ وَيَصْبِرْ ﴾ اور گناہوں سے بچنے پر اور اطاعت و فرماں برداری کرنے پر صبر کرتا ہے ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کرتا[اصل میں ''اَجْرَهُمْ'' ہے لیکن ''محسنین'' کو ضمیر کی جگہ پر رکھا گیا ہے کیونکہ وہ ''مُتَّقِيْنَ'' اور ''صَابِرِيْنَ'' دونوں پر مشتمل ہے]اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جو شخص اپنے مولا کی نافرمانی سے پرہیز کرتا ہے اور اس کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے تو وہ اس کا اجر و ثواب نہ دنیا میں برباد کرتا ہے اور نہ آخرت میں ضائع کرے گا۔

۹۱-﴿ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا ﴾ انہوں نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے علم، حلم، تقویٰ اور حسنِ صبر کے ساتھ آپ کو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور آپ کو مذکورہ خوبیوں کے باعث ہم سے بہتر کیا ہے ﴿ وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴾ اور بے شک ہم خطا کار تھے اور ہمارا معاملہ اور ہمارا حال یقیناً یہی ہے کہ ہم خطا کار اور جان بوجھ کر گناہ کا ارتکاب کرنے والے تھے ہم نے نہ تقویٰ اختیار کیا اور نہ صبر سے کام لیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے بادشاہی کے ذریعے آپ کو عزت عطا فرمائی اور ہمیں آپ کے سامنے مسکین بنا کر ذلیل کیا۔

۹۲-﴿ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ﴾ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ آج تم پر کوئی ملامت نہیں نہ تم پر کوئی عار ہے۔[''اَلْيَوْمَ'' ''تَثْرِيْبَ'' کے ساتھ متعلق ہے یا پھر ''يَغْفِرُ'' کے ساتھ متعلق ہے]اور معنی یہ ہے کہ آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے حالانکہ آج کا دن تمہیں تمہارے کرتوتوں پر ملامت کرنے کا دن ہے تو اس دن کے علاوہ باقی دنوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ پھر حضرت یوسف نے کلام کا آغاز کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے سو حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کے لیے ان کی کوتاہیوں پر بخشش کی دعا دی ہے۔[''غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ'' اور ''يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ'' لفظ ماضی اور مضارع دونوں دعا دینے کے لیے بولے جاتے ہیں]یا یہ معنی ہے کہ آج اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے گا تو گویا حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو اللہ تعالیٰ کی جلد ملنے والی مغفرت و بخشش کی خوشخبری سنائی ہے۔

اور ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن کعبہ معظمہ کے دروازے میں کھڑے ہو کر قریش مکہ سے فرمایا کہ آج تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟ انہوں نے کہا: ہم آپ کے ساتھ نیک گمان رکھتے ہیں کیونکہ آپ خود کریم اور کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں اور آج آپ ہم پر پوری طرح قادر و غالب ہیں، جیسے چاہیں کریں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: آج میں وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ''لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ'' آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔

اور مروی ہے کہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اسلام قبول کرنے کے لیے حضور کے پاس آنے لگے تو حضرت

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا کہ جب تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ تو کہنا: ''لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ'' چنانچہ جب حضرت ابوسفیان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو وہی الفاظ دوہرائے تو نبی محترم رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ وَلِمَنْ عَلَّمَكَ''. اللہ تعالیٰ تجھے بخش دے اور اس کو بھی بخش دے جس نے تجھے یہ طریقہ سکھایا۔

اور ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت یوسف کے بھائیوں نے آپ کو پہچان لیا تو انہوں نے آپ کے پاس اپنا نمائندہ بھیجا کہ آپ صبح وشام اپنے کھانے پر ہمیں بلاتے ہیں لیکن ہم آپ سے شرم وحیاء محسوس کرتے ہیں کیونکہ ہم سے آپ کے بارے میں کوتاہی ہو چکی ہے تو حضرت یوسف نے فرمایا کہ اگرچہ میں مصر کا بادشاہ ہوں' لیکن اہل مصر مجھے پہلی ملاقات کی نگاہ سے دیکھتے ہیں (یعنی غلام تصور کرتے ہیں) اور کہتے ہیں کہ پاک ہے وہ ذات جس نے بیس درہم میں بکنے والے غلام کو تخت شاہی پر پہنچا دیا اور اب میں تمہاری وجہ سے یقیناً (ان کی نگاہوں میں) معزز ہو گیا ہوں کہ تمام لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پوتے کی نسل میں سے ہوں ﴿وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ﴾ اور وہ سب سے زیادہ رحم وکرم فرمانے والا ہے یعنی جب میں نے تم پر رحم کیا ہے حالانکہ میں محتاج وتنگ دل بندہ ہوں تو تمہارا بے نیاز بہت بخشنے والے خدا کے بارے میں کیا خیال ہے؟

اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰی وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا ۚ وَاْتُوْنِیْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

تم میری یہ قمیض لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو وہ بینا ہو جائیں گے' اور تم اپنے تمام گھر والوں کو میرے پاس لے آؤO اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ نے فرمایا: بے شک میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ سمجھوO انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! بے شک آپ اپنی پرانی محبت میں گرفتار ہیںO پھر جب خوشخبری دینے والا آ گیا تو اس نے وہ قمیض یعقوب کے چہرہ پر ڈال دی تو ان کی بینائی واپس لوٹ آئی' فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک میں اللہ کی طرف سے جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتےO

حضرت یوسف کی قمیض کی کرامت اور حضرت یعقوب کی ملاقات کا بیان

۹۳- پھر حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں سے اپنے باپ کے حالات دریافت کیے تو انہوں نے بتایا کہ حضرت یعقوب بہت زیادہ رونے کی وجہ سے نابینا ہو گئے ہیں' حضرت یوسف نے فرمایا کہ ﴿اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا﴾ تم میری یہ قمیض لے جاؤ۔ بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ قمیض مبارک وہی تھی جو (حضرت ابراہیم علیہ السلام سے) وراثت در وراثت ہوتی ہوئی بہ صورت تعویذ حضرت یوسف نے پہنی ہوئی تھی اور یہ کرتا مبارک جنت سے بھیجا گیا تھا اور حضرت یوسف علیہ

السلام کو حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا کہ یہ کُرتا مبارک اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس بھیج دیں کیونکہ اس میں جنت کی خوشبو بسی ہوئی تھی اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ قمیض مبارک جس مصیبت زدہ اور بیمار پر ڈالی جاتی وہ شفایاب اور تندرست ہو جاتا تھا[1]

﴿فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا﴾ پس تم یہ قمیض میرے باپ کے منہ مبارک پر ڈال دو وہ بینا ہو جائیں گے۔[یہاں ''یَاْتِ'' بہ معنی ''یَصِیْرُ'' کے ہے یعنی وہ بینا ہو جائے گا' جیسے تم کہو: ''جَآءَ الْبِنَآءُ مُحْکَمًا اَیْ صَارَ'' اس جملے میں ''جَآءَ'' بہ معنی ''صَارَ'' ہے' یعنی یہ عمارت مضبوط و مستحکم ہو گئی ہے یا یہ بہ معنی ''یَاْتِ اِلَیَّ وَھُوَ بَصِیْرٌ'' کے ہے یعنی حضرت یعقوب میرے پاس اس حال میں آئیں گے کہ وہ بینا ہو چکے ہوں گے] یہودا نے کہا کہ یہ شفایاب کرنے والی قمیض مبارک بھی میں ہی اٹھا کر لے جاؤں گا جیسا کہ ظلم و جفاء کی خون آلود قمیض لے کر میں اپنے باپ کے پاس گیا تھا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہودا یہ قمیض مبارک اٹھا کر ننگے پاؤں اور ننگے سر تھکے ماندے مصر سے کنعان پہنچے تھے اور ان دونوں شہروں کے درمیان تقریباً دوسو چالیس میل کی مسافت تھی ﴿وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ﴾ اور تم اپنے تمام گھر والوں کو لے کر میرے پاس آ جاؤ تاکہ وہ میرے ملک کی یادگاروں اور اہم ترین اثاثوں کو دیکھ کر خوش ہو جائیں جیسا کہ میری ہلاکت کی خبریں سن کر وہ غمگین و پریشان ہوئے تھے۔

۹۴- ﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ﴾ اور جب قافلہ روانہ ہوا اور مصر کی شہری حدود سے باہر نکلا۔[''فَصَلَ مِنَ الْبَلَدِ فُصُوْلًا''. اس وقت بولا جاتا ہے جب قافلہ شہر سے باہر نکل جائے اور اس کی آبادی سے تجاوز کر جائے] ﴿قَالَ أَبُوهُمْ﴾ ان کے پاس حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کی اولاد (یعنی اپنے پوتوں سے) اور اپنے پاس موجود اپنی قوم کے لوگوں سے فرمایا: ﴿إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ﴾ بے شک میں حضرت یوسف کی خوشبو پاتا ہوں' کیونکہ جب یہودا کرتا لے کر مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کے کُرتے کی خوشبو کو حضرت یعقوب کے مشام تک پہنچا دیا جب کہ

[1] علامة الشیخ اسماعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت مبارکہ کے تحت ''تفسیر روح البیان'' میں لکھا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''اِذْھَبُوْا بِقَمِیْصِیْ'' سے وہی قمیض مبارک مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی کیونکہ جب نمرود نے حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو جنتی قمیض مبارک دے کر بھیجا اور ایک گہوارہ بھی' چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم کو قمیض مبارک پہنا کر اس گہوارہ میں بٹھایا' پھر دونوں اکٹھے بیٹھ کر باتیں کرتے رہے' پھر وہی قمیض مبارک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو پہنائی اور حضرت اسحاق نے حضرت یعقوب کو اور حضرت یعقوب نے اس کو سونے (یا چاندی) کی چھوٹی سی ڈبیا میں بند کر کے اس کا تعویذ بنا کر حضرت یوسف کے گلے میں ڈالا تاکہ ان پر بدنظر کا اثر نہ ہو۔ یہی راز ہے کہ اولیائے کرام و مشائخ عظام کے خرقۂ خلافت میں جو کہ وہ اپنے مریدین کو نوازتے ہیں تاکہ خرقہ کی برکت مریدین کے ارواح پر اثرانداز ہو اور وہ حب دنیا اور اس کے تصرف کے اندھے پن سے محفوظ رہیں۔ مزید لکھتے ہیں: ''یَقُوْلُ الْفَقِیْرُ ھٰذَا مِنْ سُنَّةِ الْمَشَائِخِ قَدَّسَ اللّٰہُ اَسْرَارَھُمْ فَاِنَّھُمْ لَبِسُوْا الْخِرْقَةَ وَاَلْبَسُوْھَا تَبَرُّکًا وَّتَیَمُّنًا وَّھُمْ قَدْ فَعَلُوْا بِالْاِلْھَامِ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَاِشَارَةٍ فَلَیْسَ لِاَحَدٍ اَنْ یَّدَّعِیَ اَنَّہٗ مِنَ الزِّیَادَاتِ وَالْقَبِیْحَةِ''. فقیر کہتا ہے کہ مشائخ عظام کا طریقہ کار ہے کہ وہ خرقۂ خلافت پہنتے ہیں اور دوسروں کو پہناتے ہیں' وہ اس سے تبرک و فیض حاصل کرتے ہیں اور وہ حضرات یہ کام از خود نہیں کرتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام اور اشارہ پا کر یہ کام کرتے ہیں' پس کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کو بدعت قبیحہ اور دین میں اضافہ قرار دے۔ غوثی

یہ آٹھ دن کا سفر تھا ﴿لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ﴾ اگر تم مجھے کم عقل نہ سمجھو۔ [''تنفید'' ''فند'' کی طرف منسوب ہونے کو کہتے ہیں اور ''فند'' کا معنی ہے: بڑھاپے کی وجہ سے کمزور عقل ہونا اور عقل میں نقص کا پیدا ہو جانا' اس لیے بہت زیادہ بوڑھے شیخ کو ''شَیْخٌ مُفَنَّدٌ'' کہا جاتا ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم مجھے ناقص العقل نہ سمجھو (کیونکہ انبیائے کرام تمام نقائص و عیوب سے پاک ہوتے ہیں) تو تم میری ضرور تصدیق و تائید کرو گے۔

۹۵- ﴿قَالُوْا﴾ انہوں نے کہا' یعنی پوتوں اور نواسوں نے (حضرت یعقوب سے) کہا کہ ﴿تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ﴾ اللہ کی قسم! بے شک آپ اپنی پرانی محبت میں خود رفتہ ہو چکے ہیں کیونکہ آپ شروع ہی سے (دیگر بیٹوں کی محبت سے بڑھ کر) حضرت یوسف کی شدید محبت میں گم ہو کر بہ ظاہر راہِ اعتدال سے ہٹ کر گفتگو شروع کر دیتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ اب آپ حضرت یوسف کی پرانی محبت میں غیر ارادی تقصیر میں ہیں (کیونکہ) ان کے نزدیک حضرت یوسف اس دنیا سے انتقال کر کے موت کی آغوش میں جا چکے تھے۔

۹۶- ﴿فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ﴾ پھر جب خوشخبری دینے والا یعنی جب یہودا کُرتا لے کر آیا تو ﴿اَلْقٰىهُ عَلٰی وَجْهِهٖ﴾ اس نے وہ کُرتا حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرۂ مبارک پر ڈال دیا یا حضرت یعقوب نے اس سے کُرتا لے کر اپنے چہرۂ انور پر ڈالا ﴿فَارْتَدَّ بَصِیْرًا﴾ تو وہ بینائی کے لوٹ آنے پر دوبارہ بینا ہو گئے۔ [''رَدَّهٗ فَارْتَدَّ'' اور ''اِرْتَدَّهٗ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی چیز جانے کے بعد دوبارہ اپنے اصل پر واپس لوٹ آئے] ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ﴾ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا یعنی میرا یہ فرمانا: ''اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ'' کہ بے شک میں حضرت یوسف کی خوشبو پاتا ہوں یا آپ کا یہ ارشاد: ''وَلَا تَیْاَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ'' اور تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ' اور آپ کا یہ ارشاد ﴿اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ بے شک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ [یہ الگ کلام شروع کیا گیا ہے اس پر قول واقع نہیں ہوا (یعنی پچھلے قول کا مقولہ نہیں ہے) یا اس پر قول واقع ہوا ہے (یعنی پہلے قول کا مقولہ ہو سکتا ہے) اور اس سے مراد حضرت یعقوب کا یہ قول ہے: ''اِنَّمَآ اَشْكُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ''. بے شک میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔]

مروی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خوشخبری دینے کے لیے آنے والے اپنے بیٹے یہودا سے پوچھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کیسے ہیں؟ یہودا نے بتایا کہ وہ مصر کے بادشاہ ہیں' تو آپ نے فرمایا: میں بادشاہت کو کیا کروں؟ مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے انہیں کس دین پر کاربند پایا ہے؟ یہودا نے جواب میں کہا کہ حضرت یوسف دینِ اسلام پر قائم ہیں' تو حضرت یعقوب نے فرمایا: اب اللہ تعالیٰ کی نعمت تمام ہوئی۔

قَالُوْا یٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕیْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰٓی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ؕ

انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! آپ ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے بے شک ہم ہی خطا کار ہیں○

آپ نے فرمایا: عنقریب میں تمہارے لیے اپنے رب سے بخشش طلب کروں گا' بے شک وہی بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہےO پھر جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے قریب جگہ دی اور کہا کہ اگر اللہ نے چاہا تو تم مصر کے شہر میں امن وامان کے ساتھ داخل ہو جاؤO

۹۷- ﴿قَالُوْا يٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـٕيْنَ﴾ انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! آپ ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے' بے شک ہم خطا کار ہیں یعنی آپ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ وہ ہمارے ایسے تمام گناہ بخش دے جو آپ کے حقوق اور آپ کے صاحبزادے کے حقوق کے منافی ہم سے صادر ہوئے تھے' بے شک ہم نے سچے دل سے توبہ کر لی اور اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے۔

۹۸- ﴿قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: میں عنقریب تمہارے لیے اپنے پروردگار سے بخشش کی دعا کروں گا' بے شک وہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔ حضرت یعقوب نے دعائے مغفرت کو سحری کے وقت تک یا جمعۃ المبارک کی رات تک مؤخر فرما دیا یا اس لیے کہ سچی توبہ کرنے میں ان کے حالات معلوم کر لیے جائیں یا اس لیے کہ حضرت یوسف سے پوچھ لیا جائے کہ انہوں نے اپنے ان بھائیوں کو معاف کر دیا ہے۔

۹۹- پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی کے پاس اپنی قمیض مبارک بھیجنے کے ساتھ بہت سا سامان تیار کر کے اور دو سو سواریاں بھیج دیں تا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے تمام اہل وعیال اور خدام کو لے کر کنعان سے مصر آ جائیں' پھر جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے قافلے سمیت مصر کی حدود کے قریب پہنچ گئے تو حضرت یوسف اور بادشاہ چار ہزار فوج اور اعلیٰ حکام اور سردارانِ مصر بلکہ عوامِ مصر کے ساتھ اکٹھے ہو کر حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کے استقبال کرنے کے لیے اپنی اپنی رہائش گاہ سے باہر نکلے اور انہوں نے حضرت یعقوب کا استقبال کیا اور آپ اس وقت سواری سے اتر کر اپنے صاحبزادے یہودا کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے سہارا لے کر پیدل چل رہے تھے ﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ﴾ سو جب حضرت یعقوب اپنے اہل وعیال سمیت حضرت یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے قریب جگہ دی اور اپنے ساتھ ملا لیا ﴿اَبَوَيْهِ﴾ اپنے ماں باپ کو اور ان دونوں کو اپنے گلے لگا لیا۔ بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ حضرت یوسف کی والدہ اس وقت زندہ' صحیح سلامت باقی تھیں (حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے) اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ آپ کی والدہ (بنیامین کی ولادت کے بعد حالتِ نفاس میں تھیں کہ) انتقال کر گئی تھیں اور آپ کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام نے آپ کی خالہ لیا سے شادی کر لی تھی اور خالہ کو ماں کہا جاتا ہے جس طرح چچا کو ''اَب'' یعنی باپ کہا جاتا ہے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِلٰـهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ''. (البقرہ: ۱۳۳) ''حضرت یعقوب کے بیٹوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ہم تمہارے باپ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کی معبود کی عبادت کریں گے''۔ حضرت یعقوب کا اپنے اہل وعیال سمیت مصر کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے حضرت یوسف کے پاس داخل ہونے اور پہنچنے کا معنی یہ ہے کہ جب حضرت یوسف نے اپنے لشکر سمیت شہر کی حدود سے باہر نکل کر آپ کا استقبال کیا تو اس نے انہیں اس خیمہ میں ٹھہرایا تھا جو استقبال کے لیے شہر کی سرحد کے قریب نصب کیا گیا تھا یا اس محل میں آپ حضرات کو ٹھہرایا گیا تھا جو وہیں پر تیار کیا گیا تھا' پھر جب یہ مہمانانِ گرامی حضرت یوسف کے پاس پہنچے تو آپ نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس بلا لیا اور ان سے گلے لگ کر ملے ﴿وَقَالَ﴾ اور استقبال اور ملاقات کرنے کے بعد حضرت یوسف نے اپنے ماں باپ اور ان کے ساتھ دیگر

مہمانوں کو کہا کہ ﴿ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ﴾ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم مصر کے شہر میں اس کے باشندوں سے مطمئن ہو کر امن و امان کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہ اس لیے کہ کنعان کے لوگ حکومتِ مصر کی اجازت کے بغیر یا عام قحط کے بغیر مصر میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔

مروی ہے کہ جب حضرت یوسف حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملنے لگے تو حضرت یعقوب نے فرمایا: ''اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مُذْهِبَ الْاَحْزَانِ''۔ اے غموں کے دور کرنے والے! تم پر سلام ہو اور حضرت یوسف نے سلام کا جواب دینے کے بعد عرض کیا کہ اے میرے ابو جان! آپ میرے فراق میں اس قدر زیادہ روتے رہے کہ آپ کی بینائی جاتی رہی' کیا آپ کو معلوم نہیں کہ قیامت میں ہم ضرور اکٹھے ہوں گے؟ حضرت یعقوب نے فرمایا: کیوں نہیں! مجھے معلوم ہے' لیکن مجھے یہ ڈر تھا کہ کہیں آپ کا دین چھین نہ لیا جائے جو میرے اور تمہارے درمیان دیوار کی طرح حائل ہو جائے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد جب مصر میں داخل ہوئے تو اس وقت ان کی تعداد مرد و عورتیں ملا کر بہتر تھی اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے روانہ ہوئے تو اس وقت بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ پانچ سو ستر سے زائد تھی اور یہ تعداد بچوں اور بوڑھوں کے علاوہ تھی اور بچوں کی تعداد دو لاکھ کئی ہزار پر مشتمل تھی۔

وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۰۰﴾

اور اس نے اپنے ماں باپ کو تخت پر اونچی جگہ بٹھایا اور وہ سب ان کے سامنے سجدہ میں گر گئے' اور یوسف نے کہا: اے میرے باپ! یہ ہے میرے پہلے خواب کی تعبیر' بے شک میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا' اور بے شک اس نے مجھ پر احسان کیا جب اس نے مجھے قید خانہ سے نکالا اور تمہیں گاؤں سے لے آیا اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا' بے شک میرا رب جس کے لیے چاہتا ہے ضرور عمدہ تدبیر فرماتا ہے' بے شک وہی سب کچھ جاننے والا خوب دانا ہے○

۱۰۰- ﴿وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا﴾ اور حضرت یوسف نے اپنے ماں باپ کو شاہی تخت پر اونچی جگہ پر بٹھایا اور وہ سب کے سب حضرت یوسف کے سامنے سجدہ میں گر گئے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ جب یہ مہمانانِ گرامی مصر میں داخل ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو اپنی مجلس خاص (شاہی محل) میں عمدہ ترین شاہی تختوں پر سب کو برابر بٹھایا اور جب سب حضرات شاہی محل میں جمع ہو گئے اور اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تو حضرت یوسف نے اپنے ماں باپ کو خصوصی احترام و اعزاز دیا اور ان دونوں کو اپنے بلند ترین مخصوص شاہی تخت پر بٹھایا (جس پر خود بہ نفس نفیس بیٹھا کرتے تھے) ﴿وَخَرُّوْا لَهٗ﴾ اور وہ آپ کے سامنے گر گئے یعنی گیارہ بھائی اور دونوں ماں باپ حضرت یوسف کو (تعظیمی سجدہ کرنے کے لیے) آپ کے سامنے ﴿سُجَّدًا﴾ سجدہ ریز ہو گئے' اور اس زمانہ میں سجدہ کرنا ان کے نزدیک

تعظیم وتکریم کے قائم مقام تھا جیسے آج کل کسی معزز ومحترم کے لیے کھڑا ہونا اور اس سے مصافحہ کرنا اور اس کے ہاتھ کو چوم لینا اور علامہ زجاج نے کہا کہ اس وقت تعظیم کرنے کا طریقہ یہی تھا کہ معزز ومحترم اور معظم ہستی کو سجدہ کیا جائے (اس لیے کہ یہ سجدہ تعظیمی ہوتا تھا اور سجدۂ عبادت کسی شریعت میں غیر خدا کے لیے جائز نہیں رہا) اور بعض نے کہا ہے کہ پیشانیاں زمین پر رکھ کر سجدہ ریز ہونا مقصود نہیں تھا بلکہ صرف تعظیم کے لیے رکوع کی حد تک جھکنا مقصود تھا مگر قرآن مجید میں اس جگہ ان کا سجدہ کرنے کے لیے حضرت یوسف کے سامنے گرنے کا ذکر اس قول کی تردید کرتا ہے (اس لیے یہ غلط ہے) اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ وہ گرے تو حضرت یوسف کے لیے تھے لیکن سجدۂ شکر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے تھا اور اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت کا اظہار بھی ہے البتہ ان کے بھائیوں کے نبی ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے ﴿وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا﴾ اور حضرت یوسف نے کہا: اے میرے ابو جان! یہ ہے میرے پہلے (بچپن کے) خواب کی تعبیر جس کو میرے رب تعالیٰ نے سچا کر دکھایا اور حضرت یوسف کے خواب دیکھنے اور اس کی تعبیر کے پورا ہونے کے درمیان چالیس سال یا اسّی سال یا چھتیس سال یا بائیس سال کی مدت کا فاصلہ تھا ﴿وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ﴾ اور بے شک میرے رب نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے [اور ''اَحْسَنَ اِلَيْهِ'' اور ''اَحْسَنَ بِهٖ'' دونوں طرح بولا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں آدمی کے ساتھ احسان کیا اور اسی طرح ''اَسَآءَ اِلَيْهِ وَاَسَآءَ بِهٖ'' بولا جاتا ہے کہ فلاں نے فلاں کے ساتھ بُرائی کی] ﴿اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ﴾ جب اس نے مجھے قید خانہ سے نکال کر نجات عطا فرمائی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے یہاں کنویں سے نجات پانے کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا کہ آپ اپنے بھائیوں کو فرما چکے تھے کہ ''لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ''. آج تم پر کوئی ملامت نہیں ﴿وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ﴾ اور وہ تمہیں دیہات سے لایا ہے۔ [''بَدْوٌ'' اور ''بَادِيَةٌ'' شہر کے برعکس چھوٹے قصبے یا گاؤں کو کہا جاتا ہے] کیونکہ اولادِ حضرت یعقوب کا ذریعۂ معاش جانور پالنا تھا اس لیے جانوروں کی چراگاہوں کی مناسبت پر کہیں ایک جگہ مستقل ٹھکانا نہ ہوتا تھا بلکہ جہاں پانی کا چشمہ اور سرسبز چراگاہ حاصل ہوتی وہیں خیمہ لے کر منتقل ہو جاتے تھے ﴿مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ﴾ اس کے بعد کہ میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان شیطان نے فساد ڈال دیا تھا اور ان کے دلوں میں نفرت کا بیج بو کر میرے خلاف اکسایا تھا ﴿اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ﴾ بے شک میرا رب تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے بہترین منصوبہ بندی فرماتا ہے اور اس کے لیے عمدہ ترین تدبیر سرانجام دیتا ہے ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ بے شک وہی خوب جاننے والا ہے' سب سے بڑی حکمتوں والا ہے۔ تمہاری تمناؤں اور امیدوں کو مقررہ مدت تک مؤخر کرنے یا اختلاف و جدائی کے بعد دوبارہ آپس میں اتفاق و ملاپ کرانے کی حکمتوں کو وہی خوب جانتا سمجھتا ہے۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

اے میرے رب! بے شک تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی ہے اور تو نے مجھے خوابوں کی تعبیر نکالنے کا علم سکھایا ہے' اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! دنیا و آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے' تو مجھے وفات تک مسلمان رکھنا اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ شامل رکھنا○ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے آپ کی طرف بھیجتے ہیں' اور آپ اس وقت ان کے پاس نہیں تھے جب انہوں نے مل کر اپنے منصوبے پر اتفاق کر لیا تھا اور وہ سازش کر رہے تھے○ اور آپ خواہ کتنا چاہیں اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے○ اور آپ اس پر ان سے کوئی اجرت نہیں مانگتے' یہ تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے○

۱۰۱۔﴿رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ﴾ اے میرے رب کریم! بے شک آپ نے مجھے مصر کے ملک کی حکومت عطا فرمائی اور آپ نے مجھے باتوں کے انجام تک رسائی حاصل کرنے کا علم عنایت فرمایا (یعنی) کتب الٰہیہ کی تفسیر و تشریح کا علم یا خوابوں کی تعبیر کا علم سکھا دیا [اور اس میں دونوں جگہ حرف ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے اس لیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو تمام دنیا کی حکومت نہیں دی گئی تھی اور نہ تمام خوابوں کی تعبیر بتلائی گئی تھی بلکہ بعض خوابوں کی تعبیر کا علم دیا گیا تھا] ﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے۔ [یہ حرف ندا (محذوف و پوشیدہ) کی وجہ سے منصوب ہے] ﴿اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ آپ ہی دنیا و آخرت میں میرے کارساز ہیں' تو مجھے دونوں جہانوں کی نعمتوں سے نواز تا رہ اور فانی ملک کو باقی رہنے والے ملک کے ساتھ ملا دے ﴿تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا﴾ مجھے زندگی کے آخری دم تک مسلمان رکھنا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے لیے حالتِ اسلام میں موت کی درخواست کی کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تھا: ''يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ'' (البقرہ: ۱۳۲) ''اے میرے بیٹو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ دین پسند فرما لیا ہے سو تم حالتِ اسلام پر ہی مرنا''۔

حضرت ضحاک فرماتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے مخلص مسلمان کی حالت میں موت دینا۔ علامہ تستری سے منقول ہے کہ مجھے حالت اسلام میں موت دینا کیونکہ میرے اسلام کا معاملہ تیرے سپرد ہے اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت و پاک دامنی مسلمہ حقیقت ہے' جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور باقی حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ دعا کرنا محض اس لیے ہے کہ آپ کی قوم اور آپ کے بعد آنے والے تمام وہ لوگ جن کے حسن خاتمہ کی گارنٹی نہیں دی گئی' وہ سب کے سب آپ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے حسن خاتمہ اور بزرگانِ دین کی دائمی سنگت کی دعا کیا کریں کیونکہ انہیں انبیائے کرام علیہم السلام کی ظاہری زندگی کو دیکھا کرتی ہیں ﴿وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾ اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ شامل رکھنا۔ صالحین سے حضرت یوسف کے آباء و اجداد مراد ہیں (یعنی مجھے اپنے باپ دادا کے ساتھ جنت میں داخل کرنا) یا پھر عموم کے طور پر تمام نیک لوگ مراد ہیں (یعنی مجھے نیک لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل کرنا)۔

مروی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا ہاتھ مبارک تھام کر ان کو اپنی سلطنت کے تمام خزانے دکھانے کے لیے دورہ کرایا' چنانچہ آپ اپنے والد گرامی کو سونے اور چاندی کے خزانوں میں لے گئے اور کپڑوں کے خزانے دکھائے اور اسلحہ جات کے خزانوں میں لے گئے یہاں تک کہ آپ اپنے والد گرامی کو کاغذ کے کارخانوں میں لے

گئے' حضرت یعقوب علیہ السلام نے اتنے بڑے بڑے خزانے دیکھ کر فرمایا کہ جب تمہارے پاس اتنے بڑے کاغذ کے خزانے ہیں تو تمہیں کس نے منع کیا تھا کہ تم نے مجھے آٹھ منازل کے فاصلے پر خط لکھ کر اپنی موجودگی سے آگاہ نہیں کیا؟ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کیا کہ مجھے حضرت جبریل علیہ السلام نے خط نہ لکھنے کا حکم دیا تھا' حضرت یعقوب نے پوچھا کہ تم نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی تھی؟ حضرت یوسف نے عرض کی: حضور! آپ کا ان سے یارانہ اور تعلق مجھ سے زیادہ پرانا ہے تو آپ بلا کر خود ہی پوچھ لیجئے' چنانچہ حضرت یعقوب نے حضرت جبریل کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا تھا' کیونکہ آپ نے کہا تھا: ''وَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ''. اور مجھے یوسف کے بارے میں خوف ہے کہ کہیں اسے بھیڑیا کھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہیں مجھ سے خوف کیوں نہیں ہوا؟

مروی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام' حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس ان کی معیّت میں چوبیس سال قیام پذیر رہے' پھر آپ وصال فرما گئے اور وصال سے پہلے وصیت کر گئے کہ وصال کے بعد انہیں ان کے والد گرامی حضرت اسحاق علیہ السلام کے ساتھ ان کے پہلو میں ملک شام میں دفن کیا جائے' چنانچہ جب آپ انتقال کر گئے تو آپ کو ملک شام میں باپ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا' پھر حضرت یوسف اپنے باپ کو دفن کرنے کے بعد واپس مصر لوٹ آئے اور اپنے والد ماجد کے بعد تیئیس سال تک حیاتِ ظاہری کے ساتھ زندہ و سلامت رہے' پھر جب آپ کا کام پورا ہو گیا تو دائمی بادشاہ نے آپ سے آپ کی روح کا مطالبہ کیا تو آپ نے حکمِ الٰہی کو ترجیح دے کر موت کی تمنا کی اور بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے پہلے کسی نبی نے موت کی تمنا نہیں کی اور نہ آپ کے بعد کسی نبی نے موت کی تمنا کی' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو خوش کر کے پاک صاف حالت میں وفات دی' چنانچہ آپ کے وصال کے بعد اہل مصر میں اختلاف برپا ہو گیا اور وہ لوگ آپ کے دفن میں جھگڑنے لگے کیونکہ ہر ایک چاہتا تھا کہ آپ کو اس کے محلّہ میں دفن کیا جائے' یہاں تک کہ انہوں نے آپس میں جنگ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا لیکن پھر انہوں نے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ آپ کے لیے سنگ مرمر کا ایک صندوق بنایا جائے اور انہوں نے آپ کو صندوق میں رکھا اور دریائے نیل میں ایسی جگہ میں دفن کیا جہاں دریا کا پانی حضرت یوسف کے مزار مبارک کے اوپر سے گزر جاتا تھا' پھر وہ پانی بہتا ہوا مصر میں داخل ہوتا تھا تا کہ سب لوگ اپنے اپنے محلے میں پانی لے جانے کے لیے راستے بنا سکیں یہاں تک کہ چار سو سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کا تابوت مبارک یہاں سے بیت المقدس منتقل کر دیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دو بیٹے ہوئے: حضرت افرائیم اور حضرت میشا' اور حضرت افرائیم کے ہاں حضرت نون پیدا ہوئے اور حضرت نون سے حضرت یوشع پیدا ہوئے' جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادمِ خاص تھے اور اس کے بعد عمالقہ میں سے فرعونی مصر کے وارث بن گئے' پھر بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام اور آپ کے آباء و اجداد کے بقایا دین پر ان کی ماتحتی میں اپنی زندگیاں بسر کرتے رہے۔

۱۰۲- ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات کی طرف اشارہ ہے اور یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے [اور یہ مبتدا ہے] ﴿مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ﴾ غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے آپ کی طرف بھیجتے ہیں [یہ دونوں (مذکورہ بالا ''ذٰلِكَ'' مبتدا کی) خبریں ہیں] ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ﴾ اور آپ ان کے پاس اس وقت موجود نہیں تھے یعنی آپ اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے پاس نہیں تھے ﴿اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ﴾ جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالنے کے ارادے کا پختہ عزم کر چکے تھے ﴿وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ﴾ اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف سازش کرنے میں لگے ہوئے تھے اور وہ آپ کو ہلاک کرنے کے خواہاں تھے اور اس کا معنی یہ ہے کہ

بے شک یہ غیب کی خبر ہے جو آپ کو صرف وحی سے حاصل ہوئی ہے' یہ وحی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ حضرت یعقوب کی اولاد کے پاس حاضر نہیں تھے جب وہ اپنے بھائی حضرت یوسف کو کنوئیں میں ڈالنے پر متفق ہو چکے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نیک خواہش اور کفار کی ہٹ دھرمیوں کا بیان

۱۰۳- ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور اگر چہ آپ ان کے ایمان پر کتنے ہی خواہش مند ہوں ان میں سے زیادہ تر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ یہاں ''النّاس'' سے بطور عموم تمام لوگ مراد ہیں یا پھر صرف اہل مکہ مراد ہیں' یعنی اے محبوب! آپ اگر چہ ان کے ایمان لانے کے لیے مکمل اور پوری جدو جہد اور کوشش کر لیں تو بھی وہ لوگ ایمان لانے والے نہیں۔

۱۰۴- ﴿وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ﴾ اور آپ تو ان سے اس تبلیغ پر یا قرآن مجید پر کوئی اجرت اور صلہ نہیں مانگتے ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ﴾ یہ قرآن مجید تو کچھ نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سراسر نصیحت ہے ﴿لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ تمام جہانوں کے لیے' اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اپنے رسولوں میں سے ایک عظیم الشان رسول کی زبان پر لوگوں کو نجات حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾
وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ
غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾
قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ
اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور آسمانوں اور زمین میں کتنی نشانیاں ہیں جن پر وہ گزرتے ہیں اور وہ ان سے منہ پھیر لیتے ہیں ○ اور ان میں اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر وہ مشرک ہیں ○ کیا وہ لوگ اس سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب چھا جائے یا اچانک ان پر قیامت آ جائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو ○ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ یہ ہے میرا راستہ جس پر میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں' میں اور میرے پیروکار روشن دلیل پر ہیں' اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ○

۱۰۵- ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ﴾ اور کتنی علامتیں اور دلیلیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے پر اور اس کی دوسری صفات پر اور اس کی توحید پر دلالت کرتی ہیں ﴿فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا﴾ آسمانوں میں اور زمین میں جن پر وہ لوگ گزر جاتے ہیں (یعنی) ان علامات و نشانات پر اور اس سرزمین پر وہ لوگ آتے جاتے گزرتے ہیں اور ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں (لیکن عبرت حاصل نہیں کرتے) ﴿وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ﴾ اور وہ لوگ ان آیات و علامات سے منہ پھیر لیتے ہیں اور ان سے عبرت و سبق حاصل نہیں کرتے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اہل مکہ گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کے عبرت ناک انجام سے سبق حاصل نہیں کرتے اور نہ ان لوگوں کے تباہ شدہ مکانات کے کھنڈرات کے پاس گزرتے وقت عبرت

حاصل کرتے ہیں۔

١٠٦۔﴿ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴾ اور ان میں سے زیادہ تر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے مگر وہ مشرک رہتے ہیں یعنی مشرکینِ عرب میں سے زیادہ لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اگر چہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا اقرار کرتے ہیں کہ بے شک انہیں اسی نے پیدا کیا ہے' نیز تمام آسمانوں اور تمام زمینوں کا وہی پیدا کرنے والا ہے لیکن وہ لوگ بتوں کی عبادت و پرستش کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں' چنانچہ جمہور مفسرین اس پر متفق ہیں کہ یہ آیتِ مبارکہ یقیناً مشرکینِ عرب کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ یہ لوگ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا خالق ہے اور ان کا رازق ہے اور جب ان پر کوئی سخت مصیبت آن پڑتی تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے لیکن اس کے باوجود وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیروں کو اس کا شریک ٹھہراتے اور مجموعۂ شرک میں سے ایک یہ شرک بھی ہے جس کا فرقہ قدریہ قائل ہے کہ بندہ کو تخلیق کی قدرت حاصل ہے اور خالص توحید یہی ہے جس کے اہلِ سنت قائل ہیں اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں۔

١٠٧۔﴿ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ ﴾ تو کیا مشرکین اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ایسا عذاب آ جائے جو ان پر چھا جائے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا عذاب شامل ہو ﴿ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً ﴾ یا ان پر اچانک قیامت آ جائے۔[''السّاعة'' سے قیامت مراد ہے اور ''بَغْتَةً'' حال ہے یعنی اچانک] ﴿ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ اور وہ قیامت کے آنے سے غافل و بے خبر ہوں۔

١٠٨۔﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے (یعنی) یہ راستہ جو ایمان اور توحید کی طرف دعوت دیتا ہے میرا راستہ ہے۔[''اَلسَّبِيْلُ'' اور ''اَلطَّرِيْقُ'' دونوں مذکر بھی اور مؤنث بھی استعمال ہوتے ہیں] پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے راستے کی تفسیر (درج ذیل) ارشاد سے بیان فرما دی ﴿ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ ﴾ میں روشن دلیل پر قائم ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں یعنی میں اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف واضح حجت اور روشن دلیل کے ساتھ دعوت دیتا ہوں' کمزور اور مبہم وغیر واضح دلیل کے ساتھ نہیں ﴿ اَنَا ﴾ [''اَدْعُوْا'' میں پوشیدہ ضمیر کی تاکید ہے] میں ﴿ وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ﴾ اور میری پیروی کرنے والے۔[یہ اس پر عطف ہے] یعنی میں بھی اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دیتا ہوں اور جو میری پیروی کرنے والے ہیں وہ لوگ بھی اسی دین کی دعوت دیتے ہیں [یا پھر ''اَنَا'' مبتدا ہے اور ''عَلٰى بَصِيْرَةٍ'' خبر مقدم ہے اور ''وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ''، ''اَنَا'' پر معطوف ہے جو ابتداء کی خبر دیتا ہے] وہ یہ کہ بے شک رسول اکرم ﷺ کی پیروی کرنے والے واضح ترین حجت اور برہان پر قائم ہیں' کسی قسم کی خواہش پر نہیں] ﴿ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جملے میں اللہ تعالیٰ کو مشرکین کے شریکوں سے پاک اور بلند و بالا قرار دیا ہے ﴿ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ اور میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کو شریک ٹھہرانے والوں میں سے نہیں ہوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٩﴾ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ

الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾

اور ہم نے آپ سے پہلے شہروں میں رہنے والوں میں سے صرف مَردوں کو رسول بنا کر بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی کے ذریعے پیغامات بھیجتے رہے' تو کیا انہوں نے زمین میں سیر وسیاحت نہیں کی سو وہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا' اور بے شک آخرت کا گھر پرہیز گاروں کے لیے بہترین ہے' تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے O جب تمام رسول (اپنی اپنی قوم کے ایمان سے) مایوس ہو گئے اور لوگوں نے گمان کیا کہ یقیناً ان سے جھوٹ بولا گیا ہے تو ہماری مدد انہیں آن پہنچی' پھر ہم نے جس کو چاہا نجات دے دی' اور ہمارا عذاب مجرم قوموں سے نہیں ہٹایا جاتا O

۱۰۹- ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے ہیں وہ سب مرد ہوا کرتے تھے' فرشتوں کو نبی و رسول بنا کر دنیا میں نہیں بھیجا گیا (تو اب پھر مطالبہ کیسا) کیونکہ کفار کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارا رب رسول یا نبی بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو بھیج دیتا یا یہ معنی ہے کہ سابق انبیائے کرام میں کوئی عورت نبی یا رسول بنا کر نہیں بھیجی گئی بلکہ سب کے سب مرد بھیجے گئے ﴿نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾ ہم ان کی طرف وحی بھیجتے رہے۔[امام حفص کی قراءت میں نون (جمع متکلم) کے ساتھ ''نُوْحِيْ'' ہے] ﴿مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾ وہ (انبیائے کرام و رسل عظام) شہروں میں رہنے والے لوگوں میں سے (تشریف لاتے) تھے کیونکہ وہ زیادہ تر اہل علم اور بردبار ہوتے ہیں اور دیہاتی لوگوں میں جہالت و اکھڑ پن اور ظلم و جفا ہوتی ہے ﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ تو کیا انہوں نے زمین میں سیر وسیاحت نہیں کی کہ وہ خود دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا بُرا انجام ہوا ﴿وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے ضرور بہتر ہے جنہوں نے کفر و شرک کو چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آئے ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ [ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ (اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ) ہے]۔

۱۱۰- ﴿حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ﴾ یہاں تک کہ جب پیغمبر اپنی اپنی قوم کے ایمان سے مایوس و ناامید ہو گئے ﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا﴾ اور انہوں نے گمان کیا کہ بے شک انہیں جھٹلا دیا گیا ہے (یعنی) بے شک رسولوں نے یہ یقین کرلیا کہ انہیں یقیناً ان کی قوموں نے جھٹلا دیا ہے [اور اہل کوفہ کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ''كُذِبُوْا'' ہے[1]] یعنی جن لوگوں کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا تھا ان لوگوں نے گمان کیا کہ رسولوں نے ان سے جھوٹ بولا ہے یعنی وعدہ خلافی کی ہے یا یہ معنی ہے کہ جن لوگوں کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا تھا' انہوں نے یہ گمان کیا کہ رسولوں کی طرف سے ان سے جھوٹ بولا گیا ہے یعنی رسولوں نے ان سے جھوٹ بولا کہ ان کی مخالفت کی صورت میں لوگوں کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی اور انہوں نے اس بارے میں ان سے سچ نہیں بولا ﴿جَآءَهُمْ نَصْرُنَا﴾ تو اچانک انبیائے کرام اور ان پر ایمان لانے والوں کے لیے ہماری مدد آن پہنچی جس کا کسی کو گمان بھی نہیں تھا ﴿فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ﴾ پس ہم نے جس کو چاہا نجات دے دی یعنی پیغمبروں اور ان پر ایمان لانے والوں کو ہم نے نجات دی۔[ابن عامر شامی اور امام عاصم کی قراءت میں ''فَنُجِّيَ'' نون اور جیم مشدد اور یائے مفتوحہ کے ساتھ ماضی مبنی للمفعول کے لفظ پر ہے اور فاعل کے قائم مقام (مَنْ) ہے اور باقی قاریوں کے نزدیک ''فَنُنْجِيْ'' دونون کے ساتھ جن میں دوسرا ساکن ہے اور جیم مکسور یا ساکن (فعل مضارع معروف جمع متکلم) ہے] ﴿وَلَا

[1] جب کہ ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی' نافع مدنی اور ابوعمرو بصری اور دیگر قراء کی قراءت میں ذال مشدد کے ساتھ ''كُذِّبُوْا'' ہے۔

﴿يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ﴾ اور ہمارا عذاب مجرم قوموں سے نہیں ہٹایا جا سکتا (یعنی) ہمارا عذاب کافروں سے ہرگز دور نہیں کیا جائے گا۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾

بے شک ان قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے یہ کوئی من گھڑت بات نہیں ہے بلکہ یہ (قرآن) اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور یہ ایمان والوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے○

۱۱۱۔ ﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ بے شک ان کے قصوں میں سبق آموز عبرت ہے عقل والوں کے لیے یعنی سابق انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی امتوں کے قصوں میں یا حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصوں میں عقل مندوں کے لیے سبق آموز عبرت ہے کہ انتہائی محبت کے باوجود کس بے نیازی سے گہرے کنویں میں منتقل کیا گیا اور پھر ایک چٹائی سے کس شان کے ساتھ تختِ شاہی پر فائز کیا گیا' پس صبر کا انجام سلامتی و کامیابی اور عزت و کرامت ہے اور جب کہ مکر و فریب کا انجام ذلت و رسوائی اور ندامت و شرمندگی ہے ﴿مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ﴾ قرآن مجید کوئی من گھڑت بات نہیں ہے جیسا کہ کفار نے گمان کیا ﴿وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ بلکہ یہ ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں ﴿وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اور ہر چیز کی تفصیل بیان کرتا ہے جس کی دین میں ضرورت ہوتی ہے کیونکہ یہ وہ بنیادی قانون ہے جو سنت' اجماع اور قیاس کا واحد سہارا ہے ﴿وَهُدًى﴾ اور یہ قرآنِ مجید گمراہی سے نکال کر راہِ حق کی طرف ہدایت دینے والا ہے ﴿وَرَحْمَةً﴾ اور عذابِ الٰہی سے بچا کر رحمتِ خداوندی کا مستحق بنانے والا ہے ﴿لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ ایسی قوم کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اور اس کے تمام نبیوں پر ایمان رکھتی ہے [اور ''لٰکِنْ'' کا مابعد منصوب ہے کیونکہ یہ ''کَانَ'' کی خبر پر معطوف ہے] رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے غلاموں کو سورۂ یوسف سکھایا کرو' سو جو غلام اس کی تلاوت کرے گا اور اپنے اہل و عیال کو اس کی تعلیم دے گا اور اپنے غلاموں کو تعلیم دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی سکراتِ موت کو آسان کر دے گا اور اس کو ایسی قوت عطا فرمائے گا جس کی برکت سے وہ کسی مسلمان سے حسد نہیں کرے گا۔ حضرت الشیخ ابو منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصے کے ذریعے قریشِ مکہ کی ایذاؤں اور تکلیفوں پر رسول اللہ ﷺ کو صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے' گویا فرمایا کہ حضرت یوسف کے بھائی دین میں ان کے موافق تھے اور بھائی بھی تھے اور انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ مکر و فریب کیا' سازشیں تیار کیں اور آپ کو تکلیفیں پہنچائیں' لیکن اس کے باوجود حضرت یوسف نے صبر کیا تو اے محبوب! آپ کے دشمن کفارِ مکہ دین میں آپ کے مخالف ہیں' لہٰذا آپ کا زیادہ حق بنتا ہے کہ آپ ان کی تکلیفوں پر صبر کریں۔

حضرت وہب بن منبّہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب بھی نازل فرمائی' اس میں سورۂ یوسف کو مکمل نازل فرمایا جیسا کہ قرآن مجید میں نازل فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

سورۃ الرعد مدنی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی تینتالیس آیات' چھ رکوع ہیں

الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ②

الٓمّٓرٰ' یہ کتابِ الٰہی کی آیات ہیں' اور جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے (وہ سب) حق ہے لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے○ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کر رکھا ہے جنہیں تم دیکھتے ہو' پھر وہ سلطنت کے اقتدار کے ساتھ عرش پر غالب ہوا اور اس نے سورج اور چاند کو تابع فرمان کر دیا' اور ہر ایک مقرر مدت تک چل رہا ہے' وہی تمام معاملات کا انتظام کرتا ہے وہی آیات کو تفصیل سے بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب تعالیٰ کی ملاقات پر یقین کر لو○

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل اور کفار کے احمقانہ روّیے کا بیان

سورت رعد مکی ہے اور اس کی تینتالیس آیات کوفی ہیں اور پینتالیس آیات شامی ہیں۔

۱-﴿ الٓمّٓرٰ ﴾ الف سے ''اَنَا'' لام سے ''اَللّٰہُ'' میم سے ''اَعْلَمُ'' اور ''رَا'' سے ''اَرٰی'' مراد ہے' جس کا مجموعہ ''اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ وَاَرٰی'' ہے یعنی میں اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہوں اور میں ہی سب کچھ دیکھتا ہوں اور یہ روایت حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ﴾ یہ کتابِ الٰہی کی آیتیں ہیں۔[''تِلْكَ'' سے سورت کی آیتوں کی طرف اشارہ ہے اور ''کتاب'' سے سورت مراد ہے یعنی یہ آیات اس کامل سورت کی ہیں جو اس باب میں عجیب وبرالی اور انوکھی سورت ہے] ﴿ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے یعنی پورا قرآن مجید ﴿ الْحَقُّ ﴾ وہ سب حق ہے [''اَلْحَقُّ'' خبر ہے ''وَالَّذِیْ'' مبتدا کی] ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے (بلکہ) وہ تو کہتے ہیں کہ (حضرت سیّد الانبیاء) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کو خود گھڑ کر بیان کیا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے (درج آیات میں) ایسے دلائل بیان کیے ہیں جو ایمان لانے کو واجب و لازم کر دیتے ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

۲-﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کر رکھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا ہی بلند کیا ہے یہ نہیں کہ نیچے رکھا گیا ہو' پھر ان کو بلند کیا گیا ہو [اور ''اَللّٰہُ'' مبتدا ہے اور ''اَلَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ'' اس کی خبر ہے اور ''بِغَیْرِ عَمَدٍ'' حال ہے اور یہ ''عِمَادٌ'' کی یا پھر ''عَمُوْدٌ'' کی جمع ہے] ﴿ تَرَوْنَهَا ﴾ جن کو تم دیکھ رہے ہو۔[اس کی ضمیر ''اَلسَّمٰوٰتِ'' کی طرف لوٹتی ہے یعنی تم خود اپنی آنکھوں سے اسی طرح بغیر ستونوں کے آسمانوں کو دیکھ رہے ہو' پس مزید بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں یا اس کی ضمیر ''عَمَدٍ'' کی طرف لوٹتی ہے' سو یہ محلاً مجرور ہے' اس بناء

پر کہ یہ ”عَمَدٍ“ کی صفت ہے یعنی بغیر ستونوں کے کہ تم انہیں دیکھ رہے ہو] ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ پھر وہ اقتدار و اختیار اور شاہانہ اثر و نفوذ کے ساتھ عرش پر غالب ہوا ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ اور اس نے اپنے بندوں کے منافع و فوائد کے لیے اور اپنے ممالک اور شہروں کی مصلحتوں اور بھلائیوں کے لیے سورج اور چاند کو تابع فرمان کر دیا ﴿كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ہر ایک مقرر مدت تک چل رہا ہے اور وہ مدت دنیا کا خاتمہ ہے ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ وہ اپنی ربوبیت کے اور اپنی سلطنت و بادشاہی کے اُمور کی تدبیر کرتا ہے ﴿يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ﴾ وہ اپنی کتابوں میں نازل کی گئی آیات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ﴾ تا کہ تم اپنے رب تعالیٰ کی ملاقات پر یقین کر لو کہ تمہیں اس مُدبّر و مُفصّل ذاتِ اقدس کی بارگاہ میں ضرور لوٹ کر جانا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۴

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے ' اور اسی نے ہر قسم کے پھلوں کے دو دو جوڑے بنائے وہی رات سے دن کو چھپاتا ہے ' بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں O اور زمین میں مختلف حصے ہیں ایک دوسرے کے آس پاس اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جو ایک ہی جڑ سے کئی کئی اُگے ہوئے اور الگ الگ جڑوں سے اُگے ہوئے (یہ سب) ایک پانی سے سیراب کیے جاتے ہیں ' اور ہم کھانے میں مزے دار ہونے کے اعتبار سے ان میں سے بعض پھلوں کو بعض پر فضیلت دے دیتے ہیں ' بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں O

۳- ﴿وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ﴾ اور وہی تو ہے جس نے زمین کو پھیلایا۔ [”مَدَّ“ بہ معنی ”بَسَطَ“ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو شرقاً غرباً جنوباً شمالاً ہر طرف پھیلا کر خوب وسیع و عریض اور فراخ بنا دیا)] ﴿وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں مضبوط پہاڑوں کو گاڑ دیا اور اس میں دریا اور نہریں جاری کر دیں ﴿وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں ہر قسم کے پھلوں کو دو دو طرح بنایا ہے ' یعنی سیاہ سفید اور میٹھا کھٹا اور چھوٹا بڑا اور اسی طرح (بحری بری ' بستانی پہاڑی ' گرم سرد ' خشک تر ' سب طرح ذائقے دار بنایا) ﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ﴾ وہ رات سے دن کو ڈھانپ دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ رات کی جگہ دن کو اس (کی تاریکی) کا لباس پہنا دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ سیاہ تاریک ہو جاتا ہے جب کہ اس سے پہلے خوب سفید و روشن اور روشن کرنے والا ہوتا ہے [قاری حمزہ ' علی کسائی اور ابوبکر کی قراءت میں ”يُغَشِّي“ (شین مشدد کے ساتھ) ہے] ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ بے شک اس میں قدرتِ الٰہی کی نشانیاں ہیں ' ایسی قوم کے لیے جو غور و فکر کرتی ہے ' سو وہ جانتے ہیں کہ بے شک اس کائنات کا ایک صانع (بنانے والا)

علیم (خوب جاننے والا)' حکیم (سب سے بڑا دانا)' قادر (تمام قدرتوں کا مالک) ہے۔

٤۔ ﴿ وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ ﴾ اور زمین میں مختلف ٹکڑے اور حصے ہیں جو ایک دوسرے کے آس پاس آپس میں باہم ملے ہوئے ہیں جن میں سے بعض زرخیز اور عمدہ ہوتے ہیں جب کہ اس کے ساتھ ہی دوسرا حصہ شور والا ہوتا ہے اور بعض زیادہ سے زیادہ پیداوار دیتے ہیں جب کہ بعض کم اور بہت تھوڑی پیداوار دیتے ہیں اور بعض حصے بہت سخت ہوتے ہیں اور بعض نرم ہوتے ہیں اور یہ دلیل ہے کہ ان کا بنانے والا بہت بڑی قدرت کا مالک ہے' وہی ہر چیز کی تدبیر کرتا ہے' وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے' وہی تمام افعال کو کسی نہ کسی حکمت و مصلحت پر مبنی سرانجام دیتا ہے ﴿ وَّجَنّٰتٌ ﴾ اور باغات ہیں۔[یہ "قِطَعٌ" پر معطوف ہے] ﴿ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ ﴾ انگوروں کے اور کھیتیاں ہیں اور کھجوروں کے درخت ہیں کئی کئی ایک ہی جڑ سے اُگے ہوئے ہیں اور کئی الگ الگ اُگے ہوئے ہیں۔[ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری اور امام حفص کی قراءت میں "قِطَعٌ" پر معطوف ہونے کی وجہ سے "زَرْعٌ" اور "نَخِيْلٌ" وغیرہ مرفوع ہیں جب کہ دوسروں کی قراءت میں "اَعْنَاب" پر معطوف ہونے کی بناء پر مجرور ہیں اور "صِنْوَانٌ" جمع ہے' اس کا واحد "صِنْوٌ" ہے اور یہ وہ کھجور ہوتی ہے جس کی جڑ ایک ہوتی ہے لیکن تنے دو ہوتے ہیں اور امام حفص سے صاد مضموم کے ساتھ "صُنْوَانٌ" منقول ہے اور یہ دونوں لغتیں مستعمل ہیں] ﴿ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ﴾ وہ سب ایک ہی پانی سے سیراب کی جاتی ہیں۔[امام عاصم اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "یَا" کے ساتھ ہے (ابن کثیر مکی' نافع مدنی اور ابوعمرو کی قراءت میں "تَا" کے ساتھ "تُسْقٰی" ہے)] ﴿ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ ﴾ اور ہم ان میں سے بعض کو دوسرے بعض پر فضیلت دیتے ہیں [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "یَا" کے ساتھ (یُفَضِّلُ) ہے] ﴿ فِي الْاُكُلِ ﴾ پھلوں میں (کیونکہ بعض پھل مٹھاس میں' ذائقے میں' غذائیت میں' ہاضمے میں' شکل وصورت میں دوسروں سے بہتر ہوتے ہیں)[قاری نافع مدنی اور ابن کثیر مکی کی قراءت میں کاف ساکن ہے] ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴾ بے شک اس میں عقل مند قوم کے لیے قدرتِ الٰہی کی نشانیاں ہیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جس طرح زمین کے ٹکڑے مختلف ہیں' بعض نہری ہیں تو بعض بارانی ہیں اور بعض حصے پھولوں اور پھلوں کے اعتبار سے دوسرے حصوں سے مختلف ہوتے ہیں' اسی طرح انسانی قلوب بھی اپنے آثار و اعمال اور اپنے انوار و برکات اور اپنے اسرار و رموز کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۵﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۶﴾

اور اگر آپ تعجب کریں تو ان کا یہ کہنا زیادہ عجیب ہے کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کیے جائیں گے' یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا' اور یہی لوگ ہیں جن کی گردنوں میں زنجیریں ہوں گی

اور یہی لوگ دوزخی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O اور وہ لوگ آپ سے بھلائی سے پہلے بُرائی کی طلب میں جلدی کرتے ہیں اور ان سے پہلے سزائیں دینے کی بہت سی مثالیں گزر چکی ہیں' اور بے شک آپ کا رب لوگوں کو ان کے ظلم پر بخشنے والا ہے' اور بے شک آپ کا رب بہت سخت عذاب دینے والا ہے O

۵- ﴿وَاِنْ تَعْجَبْ﴾ اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اگر آپ کفار کی طرف سے حشر ونشر اور قیامِ قیامت کے انکار کرنے کی باتوں پر تعجب کرتے ہیں ﴿فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ﴾ تو تعجب کے زیادہ لائق ان کا یہ قول ہے۔[یہ مبتدا وخبر ہیں] یعنی پس ان کا قول اس لائق ہے کہ اس سے تعجب کیا جائے اس لیے کہ جو ذاتِ اقدس ان چیزوں کے پیدا کرنے پر قدرت رکھتی ہے جن کا شمار کر کے ابھی آپ کے سامنے ذکر کیا گیا ہے تو اس ذاتِ بابرکات کے لیے ان چیزوں کا دوبارہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہے' سو ان کا انکار کرنا عجائبات میں سے عجیب ترین ہے ﴿ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ کیا جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو کیا ہم یقیناً دوبارہ نئی پیدائش میں اُٹھیں گے؟[''قَوْلُهُمْ'' سے بدل ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے اور امام عاصم اور قاری حمزہ نے دونوں جملوں میں ہر ایک کو دو دو ہمزوں کے ساتھ پڑھا ہے] ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا یہی کافر لوگ اپنے کفر میں سرکش ہیں ﴿وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ﴾ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں زنجیریں پڑیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو زنجیروں میں جکڑے جانے کے ساتھ متصف کیا ہے یا یہ وعیدات میں سے ایک وعید ہے (یعنی دھمکی دی گئی ہے) ﴿وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ اور یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے [''اُولٰٓئِكَ'' کا تکرار اس معاملے کی سنگینی پر دلالت کرتا ہے]۔

٦- ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ﴾ اور وہ لوگ بھلائی سے پہلے بُرائی کی طلب میں آپ سے جلدی کرتے ہیں کہ خیر و عافیت سے پہلے وہ آپ سے اللہ تعالیٰ کا غضب و عذاب طلب کرتے ہیں اور یہ اس لیے کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار مکہ کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا تو انہوں نے آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے اپنے لیے عذابِ الٰہی کا مطالبہ کر دیا اور درخواست کی کہ آپ ان پر عذاب لے آئیں ﴿وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ﴾ اور بے شک ان سے پہلے عبرت ناک مثالیں گزر چکی ہیں یعنی جھٹلانے والوں کی سزاؤں کی مثالیں گزر چکی ہیں تو یہ کفارِ مکہ ان سے عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے تا کہ وہ مذاق نہ اڑائیں۔[''مَثُلَةٌ'' کا معنی سزا ہے کیونکہ مجرم کو اس کے جرم کے مساوی سزا دی جاتی ہے تو سزا اور جس جرم پر سزا دی گئی ہے ان میں مماثلت پائی جاتی ہے' جیسے ارشاد ہے: ''وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا''۔ (الشوریٰ:۴۰) ''اور بُرائی کا بدلا اسی کے برابر بُرائی ہے''۔] ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ﴾ اور بے شک آپ کا رب تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم پر بخشنے والا ہے یعنی اس کے باوجود کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے [اور یہ حال کے محل میں واقع ہے یعنی درآں حالیکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں]۔ حضرت امام سدی نے فرمایا کہ اس سے مسلمان مراد ہیں اور یہ کتاب الٰہی کی سب سے زیادہ امید افزا آیت مبارکہ ہے کیونکہ ظلم کے باوجود مغفرت و بخشش کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ توبہ کے بغیر ہے کیونکہ توبہ ظلم کو زائل کر دیتی ہے اور اسے ختم کر دیتی ہے ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ اور بے شک آپ کا رب کافروں کو سخت ترین سزا دینے والا ہے یا یہ دونوں مسلمانوں کے بارے میں ہیں لیکن یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ معلق ہیں یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿٧﴾ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۖ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ﴿٨﴾ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ﴿٩﴾ سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ﴿١٠﴾

اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟' بے شک آپ تو صرف ڈرسنانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک ھادی ہے O اللہ اس کو خوب جانتا ہے جو ہر مادہ اپنے پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے اور اس کو بھی جانتا ہے جو بچے دانیاں گھٹتی ہیں اور بڑھتی ہیں' اور ہر چیز اس کے ہاں ایک خاص اندازے سے ہے O وہ ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے' وہ بڑا بلند و بالا ہے O تم میں سے جو آہستہ بات کرے اور جو بلند آواز سے کہے اور جو رات کو چھپ جائے اور دن کو سرِ عام چلنے والا ہو اس کے لیے سب برابر ہیں O

۷۔ ﴿ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ﴾ اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے کوئی نشانی (معجزہ) کیوں نہیں نازل کی گئی؟ اصل میں کفارِ مکہ نے عناد و بغض کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ پر نازل کی گئیں آیات و نشانیوں کو معتبر قرار نہیں دیا' اس لیے انہوں نے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی نشانیوں جیسی نشانیوں کا مطالبہ کیا مثلاً عصا کا سانپ بن جانا اور مُردوں کو زندہ کرنا وغیرہ وغیرہ' بہر حال رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا کہ ﴿ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ ﴾ بے شک آپ صرف ڈرسنانے والے ہیں (یعنی) بے شک آپ تو کفار کو بُرے انجام سے ڈرانے اور خوف دلانے والے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپ اپنے علاوہ دوسرے رسولوں کی طرح خیر خواہ بن کر انہیں نصیحتیں کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں اور آپ پر صرف یہی لازم ہے کہ آپ وہ دلائل و معجزات پیش کریں جو آپ کی نبوت و رسالت پر دلالت کریں کہ بے شک آپ ڈرسنانے والے رسول و نبی ہیں (اور آپ دلائل و معجزات پیش کر چکے ہیں' لہٰذا ان کا مطالبہ پورا کرنا ضروری نہیں) اور آپ کی نبوت و رسالت کی صحت کتنی نشانیوں سے حاصل ہو چکی ہے اور اس دعویٰ کی صحت کے حصول کے لیے تمام آیات و معجزات یکساں اور برابر ہیں ﴿ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴾ اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کوئی نہ کوئی نبی ہر قوم کے لیے ہادی و رہ نما اور رہبر بن کر آتا رہا ہے جو انہیں دین اسلام کی طرف رہ نمائی کرتا رہا اور انہیں مخصوص دلیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دیتا رہا لیکن وہ کافروں کی مشیت و مرضی پر نہیں چلتا تھا اور نہ ان کے فیصلوں کا پابند ہوتا تھا۔

۸۔ ﴿ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ﴾ اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے' جسے ہر مادہ اٹھاتی ہے اور جو رحموں میں گھٹتا بڑھتا ہے اسے بھی جانتا ہے [اس آیت مبارکہ میں تینوں جگہ میں ''مَا'' موصولہ ہے] یعنی مادہ جو بچہ اپنے پیٹ میں اٹھائے ہوئے ہیں اور جس حال میں وہ بچہ ہے خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی ہو' مکمل ہو یا ناقص ہو اور خوبصورت ہو یا بدصورت ہو' لمبا ہو یا چھوٹا' اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور جس کو بچے دانیاں گھٹاتی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے جو کم و

بیش ماں کے رحم میں ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے: ''غَاضَ الْمَآءُ''. پانی خشک ہو گیا اور ''غَضْتُهٗ اَنَا'' میں نے اس کو کم کر دیا (لازم و متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے) اور اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے جسے بچہ دانیاں بڑھاتی ہیں اور اس سے مراد بچے کی تعداد ہے کہ وہ ایک ہے دو ہیں تین ہیں اور چار ہیں یا اس سے بچے کی جسامت مراد ہے کہ وہ مکمل ہے یا ناقص ہے یا اس سے ولادت کی مدت مراد ہے کہ وہ چھے ماہ سے کم ہے یا اس سے زیادہ ہے اور ہمارے (احناف) کے نزدیک حمل کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال تک ہے اور امام شافعی کے نزدیک چار سال تک ہے اور امام مالک کے نزدیک پانچ سال تک ہے۔ [یا اس آیتِ مبارکہ میں تینوں جگہ ''مَـا'' مصدریہ ہے] یعنی اللہ تعالیٰ ہر مادہ کے حمل کو جانتا ہے اور وہ رحموں کے گھٹنے اور بڑھنے کو جانتا ہے ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ﴾ اور ہر ایک چیز اس کے ہاں ایک خاص اندازے کے مطابق ہے جس سے نہ تجاوز کر سکتی ہے اور نہ اس سے گھٹ سکتی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ O'' (القمر: ۴۹) ''بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک خاص اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے O''۔

۹۔ ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ﴾ اللہ تعالیٰ تمام پوشیدہ چیزوں کو خوب جاننے والا ہے جو مخلوقات کے حواس سے پوشیدہ ہیں ﴿وَالشَّهَادَةِ﴾ اور تمام ظاہر چیزوں کو جاننے والا ہے جن کا لوگ مشاہدہ کرتے ہیں ﴿الْكَبِيْرُ﴾ وہ بڑی بلند شان والا ہے اس کے علاوہ ہر چیز اس سے شان و مرتبہ میں کم تر ہے ﴿الْمُتَعَالِ﴾ وہ اپنی قدرت و اختیار کے ساتھ ہر چیز پر غالب اور بلند و بالا ہے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی صفات سے بلند و بالا اور ان سے منزہ و پاک ہے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں ''یا'' کے ساتھ (الْمُتَعَالِی) ہے]۔

۱۰۔ ﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ﴾ تم میں سے جو شخص آہستہ بات کہتا ہے اور جو اس کو بلند آواز سے کہتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے برابر ہیں یعنی وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے ﴿وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ﴾ اور جو شخص رات کو چھپ جانے والا ہے ﴿وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ﴾ اور وہ دن میں کھلے راستے پر چلنے والا ہے اور دن کے اجالے میں جانے والا ہے۔ [کہا جاتا ہے: ''سَرَبَ فِي الْاَرْضِ سُرُوْبًا''. فلاں شخص زمین کے کھلے راستے پر چلا اور ''سَارِبٌ'' کا عطف ''مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ'' پر ہے صرف ''مُسْتَخْفٍ'' پر نہیں یا پھر عطف تو ''مُسْتَخْفٍ'' پر ہے لیکن ''مَنْ'' تثنیہ کے معنی میں ہے]۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا
مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ⑪ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا
وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ⑫

انسان کے لیے اس کے آگے اور پیچھے بدل بدل کر آنے والی فرشتوں کی جماعتیں مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتی ہیں بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں اور جب اللہ کسی قوم کو تکلیف دینے کا ارادہ کر لے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور ان کے لیے اس کے سوا کوئی کارساز نہیں O وہی ڈرانے اور امید دلانے

کے لیے تمہیں بجلی دکھاتا ہے اور وہی پانی سے بھرے بادلوں کو پیدا کرتا ہےO

۱۱۔ ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ اس انسان کے لیے اس کے آگے اور اس کے پیچھے بدل بدل کر آنے والے فرشتوں کی جماعتیں مقرر ہیں‘ جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتی ہیں۔[''لَهٗ'' کی ضمیر ''مَنْ'' کی طرف لوٹتی ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ اس انسان کے لیے جو آہستہ بات کرے اور جو بلند آواز سے بات کرے اور جو رات کی تاریکی میں چھپ جائے اور جو دن کے اجالے میں کھلے عام راستوں پر چلے‘ فرشتوں کی جماعتیں مقرر ہیں جو اس کی حفاظت کے لیے آگے پیچھے اپنی ڈیوٹی پر آتی جاتی رہتی ہیں [اور ''مُعَقِّبَاتٌ'' اصل میں ''مُعْتَقِبَاتٌ'' تھا‘ پھر ''تَا'' کو قاف میں مدغم کر دیا گیا یا پھر ''عَقَّبَهٗ'' سے ماخوذ ہے اور ''مُفَعِّلَاتٌ'' (عین مشدد) کے وزن پر ہے جب کوئی کسی کے پیچھے آ جائے کیونکہ مقررہ فرشتے انسان کے پاس حفاظت کے لیے اپنی باری پر ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں یا اس لیے کہ جو کچھ کلام کیا جاتا ہے فرشتے اس کا فوراً تعاقب کرتے ہیں اور اس کو لکھ لیتے ہیں اور ''يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ'' اکٹھی دو صفتیں ہیں اور ''مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ''، ''يَحْفَظُوْنَهٗ'' کا صلہ نہیں ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے باری باری فرشتوں کی ڈیوٹیاں مقرر ہیں یا یہ معنی ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے اس کی حفاظت کرتے ہیں یعنی محض اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس کی حفاظت کا حکم دیا ہے یا یہ معنی ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کی ناراضگی سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں کیونکہ انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے تو فرشتے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا کرتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی خیر و عافیت اور نعمت و خوشحالی کی حالت کو نہیں بدلتا ہے ﴿حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ جب تک وہ خود اپنی اچھی حالت کو گناہوں کی بہتات سے تبدیل نہیں کرتی ﴿وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ﴾ اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ بُرائی یعنی عذاب کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کو کوئی رد نہیں کر سکتا (یعنی) پھر اس کو کوئی چیز دفع نہیں کر سکتی ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں‘ جو ان کے کام میں حمایت کرے اور ان سے عذابِ الٰہی کو دور کر دے۔

۱۲۔ ﴿هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾ اللہ وہ ہے جو تمہیں خوف اور امید دلانے کے لیے بجلی دکھاتا ہے۔ [''خَوْفًا'' اور ''طَمَعًا''، ''برق'' سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہیں] گویا بجلی کی ذات میں خوف بھی ہوتا ہے اور امید بھی ہوتی ہے یا یہ کہ وہ بجلی خوف والی اور امید والی ہوتی ہے۔

یا مخاطبین (''کُمْ'' ضمیر) سے حال ہیں یعنی تم بجلی کو دیکھ کر ڈرنے والے اور امید رکھنے والے ہوتے ہو اور اس کا معنی یہ ہے کہ بجلی کے چمکتے وقت کڑک کے گرنے کا خوف ہوتا ہے اور بارش کی امید کی جاتی ہے۔ ابوطیب شاعر نے کہا: جوان آدمی سیاہ بادل کی طرح ہوتا ہے جس سے خوف بھی ہوتا ہے اور امید بھی کی جاتی ہے (اسی طرح) سیاہ بادل سے بارش کی امید کی جاتی ہے اور کڑک سے ڈرا بھی جاتا ہے یا یہ معنی ہے کہ بارش سے وہ لوگ ڈرتے ہیں جن کو اس سے نقصان ہوتا ہے جیسے مسافر‘ کھجور اور انگور کے باغات اور وہ لوگ جن کے مکان کچے ہوتے ہیں‘ بارش سے چھتیں ٹپکتی ہیں اور ان ممالک کے باشندے جن کو بارش سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا جیسے اہل مصر اور وہ لوگ بارش کی امید رکھتے ہیں جنہیں اس سے فائدہ ہوتا ہے (جیسے مقیم حضرات اور دیگر کھیتی باڑی کرنے والے جن کی کھیتیوں کو بارش سے فائدہ ہوتا ہے) ﴿وَيُنْشِئُ السَّحَابَ﴾ اور وہی بادلوں کو تیار کر کے چلاتا ہے۔ [''اَلسَّحَابَ'' اسم جنس ہے اور اس کا واحد ''سَحَابَةٌ'' ہے] ﴿الثِّقَالَ﴾ پانی سے پُر ہونے کے سبب بوجھل اور بھاری بادل [''ثِقَال'' جمع ہے جس کا واحد ''ثَقِيْلَةٌ'' ہے جیسے کہو: ''سَحَابَةٌ ثَقِيْلَةٌ'' بھاری بادل

اور ''سَحَابٌ ثِقَالٌ'' پانی سے لدے ہوئے بادل]۔

وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَ هُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَ مَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَ مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾

اور گرج (کا فرشتہ) اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتا ہے اور تمام فرشتے اس کے خوف سے (اس کی تسبیح کرتے ہیں) اور وہ بجلی کے کڑکے بھیجتا ہے' پھر وہ جس پر چاہتا ہے اس پر گرا دیتا ہے اور وہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں' اور وہ سخت ترین گرفت کرنے والا ہے ○ اسی سے دعا کرنا حق ہے' اور جو لوگ اس کو چھوڑ کر غیروں سے دُعا کرتے ہیں وہ ان کی کوئی بات قبول نہیں کرتے مگر جیسے کوئی شخص اپنی دونوں ہتھیلیاں پانی کی طرف پھیلا دے تا کہ وہ اس کے منہ میں پہنچ جائے اور وہ اس کو پہنچنے والا نہیں' اور کافروں کی دُعا ضائع ہو کر بے کار ہو جاتی ہے ○

۱۳- ﴿وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ﴾ اور رعد نامی فرشتہ اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ بارش کی اُمید رکھنے والے بندوں میں سے رعد (گرج) کی آواز سننے والے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں یعنی وہ لوگ بلند آواز سے چیخ کر ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ'' پڑھتے ہیں۔

حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ رعد ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر کیا گیا ہے' اس کے پاس آگ کے گرز ہوتے ہیں جن کے ساتھ وہ بادلوں کو چلاتا اور ہانکتا ہے۔[1]

اور وہ آواز جو بادلوں سے سنی جاتی ہے وہ رعد فرشتے کی بادلوں کو چلانے کے لیے سخت دھمکی آمیز آواز ہوتی ہے یہاں تک کہ بادل وہیں جا کر رکتے ہیں جہاں تک انہیں جانے کا حکم دیا جاتا ہے ﴿وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ﴾ اور فرشتے اس کے خوف سے (یعنی) فرشتے اس کے رعب و دبدبہ اور اس کی ہیبت وجلال کی وجہ سے تسبیح بیان کرتے ہیں ﴿وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور وہ کڑک کو بھیجتا ہے' پھر وہ جس پر چاہتا ہے اسے گرا دیتا ہے۔ ''صَاعِقَة'' اس چنگارے مارتی ہوئی آگ کو کہا جاتا ہے جو آسمان سے گرتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں نافذ ہونے والے اپنے علم کا ذکر کیا اور بتایا کہ ظاہر اور پوشیدہ اس کے نزدیک برابر ہیں اور ان دلائل کا ذکر کیا جو اس کی زبردست قدرت پر اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ﴾ حالانکہ وہ لوگ اب بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں یعنی جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو جھٹلایا ہے وہی اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں کیونکہ انہوں نے رسول اکرم نبی معظم ﷺ کی ان تمام باتوں کا انکار کر دیا جن کو حضور نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ متصف کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے قیامت کے دن مرنے کے بعد سب کو اٹھائے گا اور تمام مخلوق کو دوبارہ زندہ کر کے حساب و

[1] رواہ الترمذی فی کتاب تفسیر سورت: ۱۳' باب: ۱' رقم الحدیث: ۳۱۱۷' احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۲۷۴' نسائی فی الکبریٰ رقم الحدیث: ۹۰۷۲

کتاب کرے گا مگر کافروں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ". (یٰسین:۷۸)" بھلا ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جب کہ وہ بالکل گل سڑ جائیں گی؟" اور انہوں نے بتوں کو شریک ٹھہرا کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کر دیا اور انہوں نے یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کے لیے بعض اجسام کو ثابت مانا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں [یا اس میں واوَ حال کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کی جھگڑنے کی حالت میں جس پر چاہتا ہے بجلی کی کڑک گرا دیتا۔ ہے]۔

شانِ نزول: اور اس کا واقعہ یوں ہوا کہ لبید بن ربیعہ عامری کا ماں کی طرف سے بھائی اربد بن قیس اور عامر بن طفیل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کے لیے ایک وفد کی صورت میں بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ ہمیں بتائیے کہ ہمارا رب تعالیٰ کیسا ہے؟ سونے چاندی کا ہے' پیتل کا ہے یا لوہے کا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی گستاخی پر یہ سزا دی کہ عامر بن طفیل پر اونٹ والی غدود کی بیماری ڈال دی (جس کی وجہ سے اس کے جسم پر دردناک غدود نکل آئیں) اور وہ اس کی تکلیف سے سلولیہ کے گھر میں چیختا چلاتا مر گیا اور اللہ تعالیٰ نے اَربد بن قیس پر بجلی کی ایک خوف ناک کڑک گرا دی' جس نے آن کی آن میں وہیں اس کا خاتمہ کر دیا اور وہ ہلاک ہو گیا (اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی)۔[1]

﴿وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ﴾ اور وہ سخت گرفت کرنے والا ہے یعنی سخت سے سخت پکڑنے والا۔ [" محال " کا معنی ہے: کسی کے خلاف سخت ترین حیلہ کرنا' منصوبہ بندی کرنا اور اسی سے "تَمَحَّلَ لِكَذَا" ماخوذ ہے کہ فلاں آدمی نے اس طرح کے کام کے لیے بڑی جدوجہد اور مشقت و محنت کے ساتھ حیلہ کیا' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص حیلہ اور مکر وفریب استعمال کرنے کے لیے زبردست تکلف کرتا ہے اور اس میں اپنی پوری محنت وکوشش خرچ کر دیتا ہے اور "مَحَّلَ بِفُلَانٍ" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کے خلاف سازش کرتا ہے اور بادشاہ کے پاس اس کی چغل خوری کرتا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے کے لیے زبردست اور سخت ترین نقصان دِہ منصوبہ تیار کرتا ہے جہاں انہیں گمان بھی نہیں ہوتا]۔

۱۴-﴿لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ﴾ سچی پکار اسی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ [" دعوة " کی " حق " کی طرف اضافت کی گئی ہے جو باطل کی ضد ہے تاکہ یہ دلالت کرے کہ دعوت و پکار حق کے ساتھ مخصوص ہے] اور بے شک یہ دعا اور پکار باطل سے بہت کوسوں دور ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کی جائے تو وہ دعا کو قبول فرما لیتا ہے اور دعا کرنے والے کو اس کے سوال کے مطابق عطا کرتا ہے' سو دعا حق کے لیے مخصوص ہے کیونکہ وہی اس کے لائق ہے کہ دعا کے وقت اسی کی طرف توجہ کی جائے اس لیے کہ اسی سے دعا کرنے میں فائدہ اور نفع ہے بہ خلاف اس کے جو نفع نہ دیتا ہو اور نہ اس سے دعا کرنا مفید ہو [اور اربد بن قیس کے قصے کی بناء پر" شَدِيْدُ الْمِحَالِ "اور" لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ " کا ماقبل کے ساتھ متصل ہونا بالکل ظاہر ہے] کیونکہ اس پر بجلی کی کڑک کا گرانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حیلہ اور خفیہ منصوبہ تھا' جس سے وہ بے خبر رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے خلاف اور اس کے ساتھی عامر بن طفیل کے خلاف دعائے ضرر فرمائی کہ "اَللّٰهُمَّ اخْسِفْهُمَا بِمَا شِئْتَ". اے اللہ! تو جیسے چاہے ان دونوں کو زمین میں دھنسا دے' چنانچہ آپ کی دعائے ضرر ان کے بارے میں قبول کر لی گئی' سو یہ دعا حق کی دعا تھی اور پہلی تفسیر کی بناء پر یہ کافروں کے لیے وعید (دھمکی) ہے' اس لیے کہ وہ لوگ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جھگڑتے رہے اور آپ کے خلاف سازشیں کرتے رہے اور ان کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی قبولیت کا اظہار

[1] رواہ ابویعلیٰ فی مسندہ رقم الحدیث:۳۳۴۱۔ ۲۳۴۲'الطبری فی تفسیرہ ج ۱۳ ص ۱۲۵'الواحدی فی اسباب النزول ص ۱۸۳'ذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ج ۷ ص ۴۲

ہے کہ بے شک آپ نے ان کے خلاف دعائے ضرر فرمائی ہے ﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ﴾ اور جولوگ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو پکارتے ہیں وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتے کہ ان کی مطلوبہ حاجات کو پورا نہیں کر سکتے ﴿اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ﴾ مگر اس شخص کی طرح جو اپنی ہتھیلیوں کو پانی کی طرف پھیلائے تا کہ پانی اس کے مُنہ میں پہنچ جائے۔[یہ استثناء مصدر سے یعنی ''اِسْتِجَابَةٌ'' سے ہے جس پر ''لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ'' دلالت کرتا ہے کیونکہ فعل اپنے حروف کے ساتھ مصدر پر دلالت کرتا ہے اور اپنے صیغے کے ساتھ زمانہ پر دلالت کرتا ہے اور اپنی ضرورت کے تحت مکان اور حال پر دلالت کرتا ہے' پس جائز ہے کہ ان میں سے ہر ایک استثناء فعل سے ہو رہا ہو تو تقدیر عبارت یوں ہوگی: ''لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ اِسْتِجَابَةً اِلَّا اِسْتِجَابَةً كَاِسْتِجَابَةِ بَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ'' کہ وہ بت کافروں کی کسی حاجت کو قبول نہیں کریں گے مگر جیسے پانی کی طرف اپنے ہاتھوں کو پھیلانے والے کی حاجت کی طرح ان کی حاجت رائیگاں جائے گی]یعنی جیسے پانی کی طلب میں اس کی طرف اپنے ہاتھوں کو پھیلانے والے کی حاجت کی طرح کہ پانی اس کے منہ میں پہنچ جائے حالانکہ پانی بے جان ہے' ہاتھوں کو پھیلانے والے کی حاجت کو نہیں سمجھتا اور نہ اس کی پیاس کو جانتا ہے اور نہ اس کی حاجت سے آگاہ ہے اور نہ وہ اس کی دعا قبول کرنے کی قدرت واختیار رکھتا ہے اور نہ اس کے منہ میں پہنچ سکتا ہے اور اسی طرح کفار جو بے جان بتوں کو پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کو نہیں سمجھتے اور نہ ان کی دعا کو قبول کرتے ہیں اور نہ وہ ان کو نفع دینے کی قدرت رکھتے ہیں[اور ''لِيَبْلُغَ'' میں لام ''بَاسِطِ كَفَّيْهِ'' کے متعلق ہے]﴿وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ﴾ اور وہ پانی اس کے مُنہ میں پہنچنے والا نہیں ہے ﴿وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ اور کافروں کا بتوں کو پکارنا نہیں مگر گمراہی میں ہے''ضلال'' کا معنی ہے: ضائع ہونا اور نفع و فائدہ نہ دینا کیونکہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے تو اللہ تعالیٰ ان کی پکار کا جواب نہ دیتا اور اگر وہ بتوں کو پکارتے تو وہ ان کے جواب کی طاقت نہیں رکھتے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۩ ﴿۱۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

السجدۃ ۲

اور جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں وہ سب خوشی سے اور ناخوشی سے اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سائے بھی صبح و شام ○ (اے محبوب!) فرمایئے کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟' خود ہی فرما دیجئے کہ اللہ ہے' (اے محبوب!) فرمایئے کہ کیا تم نے اللہ کو چھوڑ کر ان کو کارساز بنا لیا جو اپنے لیے نہ فائدہ کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ نقصان کا' آپ فرما دیجئے کہ کیا نابینا اور بینا برابر ہو سکتا ہے؟ کیا اندھیرے اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں؟ انہوں نے اللہ کے لیے جن کو شریک ٹھہرالیا ہے کیا

انہوں نے اللہ کی مخلوق کی طرح کچھ پیدا کیا ہے کہ ان پر مخلوق مشتبہ ہوگئی ہے؟ فرما دیجئے کہ ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے سب پر غالب ہےO

۱۵- ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور آسمانوں اور زمین میں رہنے والے تمام باشندے عبادت و اطاعت کا سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کو کرتے ہیں ﴿طَوْعًا﴾ یعنی فرشتے اور مؤمنین اپنی خوشی سے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں [یہ حال ہے] ﴿وَّكَرْهًا﴾ یعنی کفار و منافقین شدت وسختی اور تنگی و مصیبت کے وقت مجبوری کی وجہ سے ناخوش ہو کر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں ﴿وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ اور ان کے سائے بھی خوشی اور ناخوشی سے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں [اور ''ظِلٰلُهُمْ''، ''مَنْ'' پر معطوف ہے اور یہ ''ظِلٌّ'' کی جمع ہے اور ''ظِلٌّ'' کا معنی سایا ہے اور ''غُدُوٌّ''، ''غَدَاة'' کی جمع ہے جس کا معنی صبح سویرے ہے اور ''اصال''، ''اَصِيْل'' کی جمع ہے جس کا معنی شام کا وقت ہے] بعض اہل علم نے فرمایا کہ ہر چیز کا سایا صبح و شام اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سجدہ کرتا ہے اور کافر کا سایا ناخوش اور مجبوراً سجدہ کرتا ہے جب کہ کافر ناخوش و مجبور ہوتا ہے اور مؤمن کا سایا خوشی سے سجدہ کرتا ہے جب کہ مؤمن خود خوش ہوتا ہے۔

۱۶- ﴿قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ﴾ اے محبوب! (کفارِ مکہ سے) پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین کا مالک وخالق اور مربی کون ہے؟ آپ خود ہی اعلان فرما دیجئے کہ اللہ ہے۔ یہ کفار کے اعتراف و اقرار کا بیان ہے کیونکہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا کہ بتاؤ کہ آسمانوں اور زمین کا مربی اور خالق و مالک کون ہے؟ تو ان کے لیے اس کے ماسوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ وہ کہہ دیں کہ سب کا خالق و مالک اور پروردگار صرف اللہ ہے اس کی دلیل حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ قراءت ہے: ''قَالُوا اللّٰهُ'' کہ کفار نے جواب میں کہا کہ زمین و آسمان کا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے یا پھر یہ تلقین ہے یعنی اگر کفار اس کا کوئی جواب نہ دیں تو آپ انہیں تلقین کریں کہ ان کا رب اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اس کے علاوہ اس کا جواب نہیں ہوسکتا ﴿قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیا تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں کو اپنا حمایتی اور مددگار بنا لیا ہے (یعنی) کیا تم نے اللہ تعالیٰ کو آسمانوں اور زمین کا رب جاننے کے بعد اس کے ماسوا (بتوں) کو اپنا معبود بنا لیا ہے جو ﴿لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ اپنے لیے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتے اور جو اپنی جانوں کے لیے اتنی قوت و اختیار نہیں رکھتے کہ انہیں فائدہ پہنچائیں یا ان سے ضرر و نقصان کو دور کر دیں تو بھلا وہ اپنے علاوہ دوسروں کو کیا فائدہ پہنچا سکیں گے حالانکہ تم نے ان بتوں کو ساری کائنات کے خالق و مالک اور رازق نیکیوں پر اجر وثواب عنایت فرمانے والے اور گناہوں پر عذاب دینے والے اللہ تعالیٰ پر ترجیح دے دی ہے تو تمہاری گمراہی کتنی واضح ہے ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیا نابینا اور بینا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یعنی کافر و مسلمان برابر نہیں ہو سکتے یا یہ معنی ہے: وہ جو کچھ نہیں دیکھ سکتا اور وہ ذاتِ اقدس جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے برابر کیسے ہو سکتے ہیں ﴿اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ﴾ یا کیا اندھیرے اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں؟ (یعنی) کفر کی ملتیں اور ایمان و توحید کی ملت کیسے برابر ہوسکتی ہیں [امام حفص کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی قراءت میں ''يَسْتَوِيْ'' ہے] ﴿اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ﴾ کیا کافروں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کر رکھے ہیں بلکہ انہوں نے شریکِ خدا مقرر کر رکھے ہیں [اور ہمزہ کا معنی انکار ہے] ﴿خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی طرح کچھ پیدا کیا ہے [اور یہ ''شُرَكَآءَ'' کی صفت ہے] یعنی بے شک کفار نے ایسوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیا جنہوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی طرح خود پیدا کیے گئے ہیں ﴿فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ﴾ تو ان پر اللہ تعالیٰ کی مخلوق شریکوں کی مخلوق کے ساتھ مشتبہ ہوگئی ہے یہاں تک کہ وہ کہنے لگے

کہ یہ بت بھی مخلوق پر اس طرح قدرت و اختیار رکھتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ اس پر قدرت واختیار رکھتا ہے' سو وہ بھی عبادت کے مستحق ہیں اس لیے ہم نے ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا لیا ہے اور ہم ان کی اس طرح عبادت کرتے ہیں' جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے لیکن کافروں نے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عاجز و بے بس بتوں کو شریک بنا لیا جو مخلوق جتنی بھی قدرت وطاقت نہیں رکھتے' چہ جائے کہ وہ ان پر قدرت و اختیار رکھتے جن پر اللہ تعالیٰ قدرت و اختیار رکھتا ہے ﴿ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے یعنی اجسام اور اعراض سب کا اللہ تعالیٰ خالق ہے' اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی خالق نہیں اور نہ یہ درست ہو سکتا ہے کہ مخلوق میں اس کا کوئی شریک ہو' اس لیے عبادت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں اور جس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے افعال کو پیدا نہیں کرتا اور بندے اپنے افعال کو خود پیدا کرتے ہیں تو ان کے قول پر مخلوق مشتبہ ہو جائے گی ﴿ وَّهُوَ الْوَاحِدُ ﴾ اور وہ تمام مخلوق کی تربیت و پرورش کرنے میں یکتا ہے ﴿ الْقَهَّارُ ﴾ وہی سب پر زبردست غالب ہے اور اس کے ماسوا سب اس کے مربوب و مملوک ہیں اور سب اسی سے مقہور و مغلوب ہیں۔

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۬ؕ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۚ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ ؕ ﴿١٧﴾

اسی نے آسمان سے پانی برسایا تو ندی نالے اپنی گنجائش کے مطابق بہنے لگ گئے اور سیلاب نے اُبھرنے والے جھاگ کو اٹھا لیا' اور زیور یا کوئی سامان بنانے کے لیے جب اسے آگ میں تپاتے ہیں تو اس میں سے بھی اسی طرح کا جھاگ اُبھرتا ہے' اسی طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان کرتا ہے' پس رہا جھاگ تو وہ سوکھ کر رائیگاں چلا جاتا ہے' اور لیکن جو لوگوں کو فائدہ دیتا ہے سو وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے' اسی طرح اللہ مثالیں بیان کرتا ہے O

١٧- ﴿ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ﴾ اسی نے آسمان سے پانی نازل فرمایا یعنی اسی واحد و قہار اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو برسایا ﴿ فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ ﴾ سو تمام وادیاں اور ندیاں بہہ نکلیں۔ [''أَوْدِيَةٌ'' ''وَادٍ'' کی جمع ہے اور وادی اس نشیبی جگہ کو کہا جاتا ہے جس میں پانی بہ کثرت رواں دواں رہتا ہے۔ ''أَوْدِيَةٌ'' کو نکرہ لایا گیا ہے کیونکہ بارش زمین کے مختلف علاقوں میں باری باری کے طریق پر آتی ہے' پس بعض وادیاں بہتی ہیں اور بعض نہیں بہتیں] ﴿ بِقَدَرِهَا ﴾ اپنے اندازے کے مطابق یعنی وادیاں اس مقدار میں بہتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس قدر بارش وہاں کے لوگوں کے لیے مفید ہے اور نقصان دِہ نہیں ہے ﴿ فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا ﴾ پس سیلاب کا ریلہ جھاگ کو اوپر اٹھاتا ہوا بہتا ہے'' زبد '' اس خس و خاشاک کو کہا جاتا ہے جو پانی کی بالائی سطح پر جمع ہو کر پانی پر تیرنے لگتا ہے جس کو اُردو میں جھاگ کہا جاتا ہے اور معنی یہ ہے کہ جھاگ پانی کے اوپر بلند ہو جاتا ہے ﴿ رَّابِيًا ﴾ سیلانی پانی کے اوپر اٹھنے والا بلند و بالا پھولا ہوا جھاگ اور کوڑا وغیرہ ﴿ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ﴾ اور ان چیزوں میں سے بعض چیزیں وہ ہیں جن کو لوگ آگ پر دہکاتے ہیں۔ [ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ہے اور ''مِمَّا'' اصل میں ''مِنْ مَّا'' ہے اور ''مِنْ'' ابتدا کی غایت بیان کرنے کے لیے ہے یعنی

ان میں سے بھی پانی کی جھاگ کی طرح میلا کچیلا جھاگ پیدا ہوتا ہے یا پھر ''مِنْ''، تبعیض کے لیے ہے یعنی اس میں سے کچھ جھاگ بن جاتا ہے۔''فِی النَّارِ''،''عَلَیْہِ'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی معدنی اجسام میں سے جنہیں لوگ آگ پر دہکانے کے لیے رکھتے ہیں وہ آگ سے پگھل کر بھی اپنی اصل حالت میں ثابت رہتے ہیں ﴿ابْتِغَآءَ حِلْیَةٍ﴾ سونے چاندی کے زیورات بنانے کے ارادے سے۔[یہ مصدر ہے اور ''یُوْقِدُوْنَ'' کی ضمیر سے حال ہے] ﴿اَوْ مَتَاعٍ﴾ لوہے، پیتل اور تانبے وغیرہ سے تیار کردہ دوسرا سامان کہ ان دھاتوں سے برتن وغیرہ تیار کیے جاتے ہیں اور ان سے گھروں سے سفر میں فائدہ اٹھایا جاتا ہے [اور یہ ''حِلْیَةٍ'' پر معطوف ہے یعنی سونے چاندی سے تیار کردہ زیب و زینت] ﴿زَبَدٌ مِّثْلُهٗ﴾ سیلانی پانی کے اوپر اٹھنے والی جھاگ کی طرح آگ پر ان دھاتوں کے دھکانے سے ان کا زنگ اور میل کچیل پگھل کر اوپر اٹھنے والا جھاگ بن جاتا ہے۔[''زَبَدٌ'' مبتدا ہے اور ''مِثْلُهٗ'' اس کی صفت ہے اور ''مِمَّا یُوْقِدُوْنَ'' اس کی مقدم خبر ہے] یعنی ان دھاتوں کو جب آگ پر پگھلایا جاتا ہے تو ان سے بھی ویسا جھاگ پیدا ہوتا ہے جیسا پانی کے اوپر جھاگ اُبھر آتا ہے ﴿كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ حق اور باطل کو بیان کرتا ہے یعنی حق اور باطل کی مثال بیان کرتا ہے ﴿فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً﴾ لیکن جھاگ تو وہ بے کار پھینک دیا جاتا ہے۔[''جُفَآءً''،''یَذْهَبُ'' کی ضمیر سے حال ہے یعنی حقیر چیز اور یہ وہ جھاگ ہوتی ہے جس کو اُبال کے وقت ہنڈیا باہر پھینکتی ہے اور طغیانی کے وقت سمندر اور دریا باہر پھینکتا ہے اور ''جَفْءٌ'' کا معنی ہے: پھینکنا اور اسی سے ''جَفَاتُ الرَّجُلَ'' کہ میں نے فلاں آدمی کو پچھاڑ دیا (یعنی میں نے اسے نیچے گرا دیا)] ﴿وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ﴾ اور لیکن پانی اور زیورات اور برتنوں میں سے جو چیزیں لوگوں کو نفع پہنچاتی ہیں ﴿فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ﴾ تو وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہیں چنانچہ پانی چشموں میں اور کنوؤں میں اور دانوں میں اور پھلوں میں جذب ہو کر قائم رہتا ہے اور اسی طرح جواہرات ایک عرصۂ دراز تک زمین میں باقی رہتے ہیں ﴿كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ حق باطل سے واضح ہو جائے۔

بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ مثال ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حق اور اہل حق کے لیے اور باطل اور باطل پرستوں کے لیے بیان کیا ہے سو اللہ تعالیٰ نے حق اور اہل حق کی مثال پانی کے ساتھ بیان کی جو آسمان سے برستا ہے جس سے لوگوں کی وادیاں رواں دواں ہو جاتی ہیں جس سے وہ زندگی پاتے ہیں اور انہیں کئی قسم کے منافع اور فوائد حاصل ہو جاتے ہیں اور لوگ دھاتوں سے تیار کردہ زیورات اور برتن اور مختلف آلات تیار کر کے ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور یہ زمین میں باقی رہتے ہیں اور پانی بھی لوگوں کے منافع میں ثابت رہتا ہے اور اسی طرح جواہرات کافی عرصہ تک باقی رہتے ہیں اور باطل کو جلد از جلد ختم ہو جانے میں اور جلد از جلد مٹ جانے میں سیلابی ریلے کی جھاگ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کو باہر پھینک دیا جاتا ہے اور دھات کے اس جھاگ کے ساتھ باطل کو تشبیہ دی گئی ہے کہ جب اسے پگھلایا جاتا ہے تو جھاگ ابھر کر خود بخود بجھ جاتا ہے اور جمہور مفسرین کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مثال قرآن مجید اور دلوں اور حق اور باطل کے لیے بیان کی ہے چنانچہ پانی سے قرآن مجید مراد ہے جس سے مردہ دلوں کو زندگی ملتی ہے جس طرح پانی سے اجسام کو زندگی ملتی ہے اور وادیوں سے قلوب مراد ہیں اور ''بِقَدَرِهَا'' کا معنی یہ ہے کہ دل کی تنگی اور وسعت کی مقدار کے مطابق اور ''زَبَدٌ'' سے نفس کے خیالات اور شیطان کے وسوسے مراد ہیں اور صاف ستھرا پانی جس سے لوگ نفع حاصل کرتے ہیں اس کو حق کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو جس طرح جھاگ جلد مٹ جاتی ہے اور صرف صاف پانی باقی رہ جاتا ہے اسی طرح نفس کے خیالات اور شیطان کے وسوسے ختم ہو جاتے ہیں اور حق جیسا تھا ویسے ہی باقی رہ جاتا ہے اور رہے سونے چاندی کے زیورات تو ان کو

عمدہ احوال و کردار اور پاکیزہ اخلاق کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' لیکن لوہے' پیتل اور تانبے کو ان اعمال کے لیے مثال قرار دیا گیا ہے' جو اخلاص کے ساتھ متصف ہیں اور نجات حاصل کرنے کے لیے ان کو ادا کیا جاتا ہے کیونکہ اعمال کے ذریعے ہی ثواب حاصل کیا جاتا ہے اور عذاب سے بچا جاتا ہے جیسا کہ یہ جواہرات کہ ان میں سے بعض نفع حاصل کرنے کے آلات ہیں اور بعض جنگ میں دفاع کرنے کے آلات ہیں اور رہا جھاگ تو اس سے ریاء اور خلل اور اکتاہٹ اور کاہلی و سستی مراد ہے۔

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ۬ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۙ ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۙ ﴿۲۰﴾

(حاشیہ: وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم — ع — النصف)

جنہوں نے اپنے رب کا حکم مانا ان ہی کے لیے بھلائی ہے' اور جنہوں نے حکم نہیں مانا اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے برابر اور بھی ہو تو وہ اس سب کو فدیہ دے دیں' یہی لوگ ہیں جن کے لیے بہت بُرا حساب ہوگا' اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا' اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O تو کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ یقیناً حق ہے' اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھا ہے' بے شک نصیحت صرف عقل والے حاصل کرتے ہیں O جو اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں اور پختہ کیا ہوا عہد نہیں توڑتے O

۱۸- ﴿لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى﴾ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کی بات کو قبول کر لیا بھلائی ہے یعنی جنہوں نے رب کی بات کا جواب دیا۔ [یہ ''یَضْرِبُ'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی اسی طرح اللہ تعالیٰ ان مؤمنوں کی مثالیں بیان کرتا ہے جنہوں نے اپنے رب کا حکم قبول کر لیا [''حُسْنٰی''، ''استجابوا'' کے مصدر کی صفت ہے یعنی اصل میں ''اِسْتَجَابُوْا اِسْتَجَابَةَ الْحُسْنٰی'' ہے] ﴿وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ﴾ اور جن لوگوں نے اس کی بات کو قبول نہیں کیا یعنی ان کافروں کے لیے جنہوں نے رب تعالیٰ کی بات کو قبول نہیں کیا یعنی یہ دونوں جملے دو فریقوں کی مثال ہیں ﴿لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ﴾ اگر جو کچھ زمین میں مال و دولت ہے وہ سب ان کافروں کے ملک میں دیا جائے اور اس کے برابر اور مال و دولت انہیں دیا جائے تو وہ اپنی جانیں چھڑانے کے لیے اس کے معاوضے میں دے دیں گے۔ یہ ایک نیا الگ کلام شروع کیا گیا ہے جس میں حق بات قبول نہ کرنے والوں کا ذکر کیا گیا ہے یعنی اگر یہ لوگ دنیا کے تمام اموال کے مالک بن جائیں اور اس کے ساتھ اسی قدر مزید اموال کے مالک بن جائیں تو یہ لوگ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لیے یہ سارا مال دے دیں گے' اس کی وجہ یہ ہے کہ کلام امثال پر پورا ہو چکا [اور اس کے بعد نیا مستقل کلام شروع ہوا ہے اور ''اَلْحُسْنٰی'' مبتدا ہے اور ''لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا'' اس کی خبر ہے اور معنی یہ ہے کہ ان کے لیے بہترین ثواب ہے اور وہ جنت ہے اور ''وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا'' مبتدا ہے اور ''لَوْ اَنَّ لَهُمْ''، مکمل کلام اس کی خبر ہے] ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بہت بُرا حساب ہے کہ حساب لینے میں سختی کی جائے گی اور

حدیث شریف میں ہے کہ جس سے سخت حساب لیا گیا وہ عذاب میں گرفتار کر لیا گیا [1] ﴿ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ﴾ حساب کے بعد ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ﴿ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴾ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے [مذموم محذوف ہے یعنی جہنم]۔

ایفائے عہد کرنے والوں اور عہد شکنوں کا تعارف اور ان کے انجام کا بیان

۱۹۔﴿ اَفَمَنْ یَّعْلَمُ ﴾ تو کیا وہ شخص جو جانتا ہے۔[اس میں ''فا'' سے پہلے ہمزہ انکاری داخل کیا گیا ہے جس کے ذریعے مماثلت بیان کرنے کے بعد اس شخص کے بارے میں شک وشبہ واقع ہونے کا انکار کیا گیا ہے جو یہ جانتا ہے کہ] ﴿ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ ﴾ بے شک آپ کے پروردگار کی جانب سے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے حق ہے، پس اس نے تسلیم کر لیا' وہ اس جاہل کے حال سے بہت دور ہے جو اندھے پن کی وجہ سے کچھ نہیں دیکھتا اور نہ وہ حق کو قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد سے یہی مراد ہے:﴿ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ﴾ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو اندھا ہے جس طرح پانی اور اس کی جھاگ میں اور خالص سونے اور اس کے میل کچیل میں فرق ہے ﴿ اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ بے شک عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں یعنی جن لوگوں نے اپنی عقول کے فیصلوں پر عمل کیا اور انہوں نے غور وفکر کیا اور بصیرت حاصل کی۔

۲۰۔﴿ الَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ ﴾ جو لوگ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں۔[یہ مبتدا ہے اور ''اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ'' اس کی خبر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ''وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ'' مبتدا ہے اور ''اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ'' (الرعد:۲۵) اس کی خبر ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ ''اُولُوا الْاَلْبَاب'' کی صفت ہے لیکن پہلی توجیہ زیادہ صحیح ہے] اللہ تعالیٰ کے عہد سے وہ عہد مراد ہے جو میثاق کے دن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا اور گواہی دی تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا'' (الاعراف:۱۷۲) ''اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی ذات پر گواہ بنایا (اور پوچھا:) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں' سب نے کہا: کیوں نہیں! تو ہی ہمارا رب ہے ہم گواہ ہیں''۔﴿ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ ﴾ اور وہ لوگ عہد کو پختہ کر کے توڑتے نہیں (یعنی) جس عہد کو انہوں نے قول واقرار سے مضبوط و مستحکم کر کے اپنے ذمے لے لیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے علاوہ دوسرے معاہدے؟ ان کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اور ان کے درمیان اور دوسرے بندوں کے درمیان لازم کیے گئے ان سب کو قبول کر لیا [یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے]۔

وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾

اور جو رشتۂ قرابت کو جوڑتے ہیں جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور بُرے

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث:۶۵۳۶' الترمذی رقم الحدیث:۲۴۲۶

عذاب کا خوف رکھتے ہیں O اور جو اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے لیے صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے انہیں جو رزق دیا ہے اس سے وہ پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں اور وہ بھلائی کے ذریعے بُرائی کو دفع کرتے ہیں اور انہی کے لیے آخرت کا گھر ہے O ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن میں وہ خود بھی داخل ہوں گے اور ان کے وہ باپ دادا اور بیویاں اور اولاد بھی جو نیک ہیں اور فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے آئیں گے O

۲۱- ﴿ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ ﴾ اور وہ لوگ رشتہ داری کے تعلق کو جوڑتے ہیں جس کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اس سے رشتہ داروں اور قرابت داروں سے تعلقات قائم کرنا مراد ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ کی قرابت اور ایمان لانے کے ذریعے ثابت ہونے والی تمام مسلمانوں کی قرابت سے تعلق جوڑنا داخل ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ'' (الحجرات:۱۰) ''بے شک تمام مسلمان آپس میں باہم بھائی ہیں''۔ ان کے ساتھ اپنی ہمت کے مطابق نیکی کرنا اور ان کی مدد کرنا اور ان سے مصیبت کو دور کرنا اور ان پر شفقت کرنا اور انہیں سلام کہنا اور بیماروں کی عیادت کرنا ضروری اور لازم ہے اور اسی میں ساتھیوں کے حقوق کی رعایت کرنا اور خادموں، نوکروں اور سفر کے دوستوں سے محبت وشفقت سے پیش آنا، ان کے حقوق کا خیال کرنا بھی شامل ہے ﴿ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ﴾ اور وہ لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں یعنی اس کی ہر وعید (دھمکی) سے ڈرتے ہیں ﴿ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴾ اور وہ حساب کی سختی سے خصوصی طور پر ڈرتے ہیں، چنانچہ وہ اپنے آپ کا محاسبہ خود کرتے ہیں، اس سے پہلے کہ ان کا محاسبہ کیا جائے۔

۲۲- ﴿ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ﴾ اور جو لوگ اپنی جانوں اور اپنے مالوں میں آنے والی مصیبتوں اور سخت ترین تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں ﴿ ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ ﴾ اپنے پروردگار کی رضا طلب کرنے کے لیے نہ اس لیے کہ اس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ کتنا صابر آدمی ہے اور نازل ہونے والی مصیبتوں کو کس قدر برداشت کرنے والا ہے اور پھسلنے والے مقامات پر کس قدر قائم رہنے والا ہے اور نہ ایسا ہو کہ جزع وفزع اور بے صبری کرنے پر اس کی مذمت کی جائے ﴿ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ﴾ اور وہ ہمیشہ نماز قائم کرتے ہیں ﴿ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ ﴾ اور ہم نے انہیں جو کچھ رزق دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں یعنی حلال رزق خرچ کرتے ہیں اگر چہ حرام مال بھی ہمارے ہاں رزق میں شامل ہے ﴿ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً ﴾ پوشیدہ اور علانیہ۔ یہ تمام نفلی صدقات کو شامل ہے کیونکہ ان کو چھپ کر پوشیدہ صدقہ کرنا افضل وبہتر ہے اور یہ صدقاتِ واجبہ کو بھی شامل ہے کیونکہ ان کو تہمت سے بچنے کے لیے علانیہ صدقہ کرنا افضل وبہتر ہے ﴿ وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ ﴾ اور وہ بھلائی کے ساتھ بُرائی کو دفع کرتے ہیں اور وہ اپنے اوپر غیروں کی لگائی گئی بُرائی کا شیریں کلامی اور نرم گفتگو کے ذریعے دفاع کرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ جب انہیں محروم رکھا جاتا ہے تو وہ عطا کرتے ہیں اور جب ان پر ظلم کیا جاتا ہے تو وہ معاف کر دیتے ہیں اور جب ان سے تعلق توڑ لیا جاتا ہے تو وہ اس تعلق کو از سر نو جوڑتے ہیں اور جب ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ فوراً توبہ کر لیتے ہیں اور جب وہ (دنیاوی دھندوں میں مصروف ہو کر اللہ تعالیٰ سے) دور ہو جاتے ہیں تو وہ بہت جلد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیتے ہیں اور جب وہ کسی بُرائی کو دیکھ لیتے ہیں تو فوراً اس کو تبدیل کرنے کا حکم دے دیتے ہیں، سو یہ آٹھ اعمال ہیں جو جنت کے آٹھوں دروازوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے دنیا کا انجام آخرت کا بہترین گھر ہے اور وہ جنت ہے کیونکہ یہ جنت ہی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ دنیا کا انجام ہو اور اپنے رہنے والوں کے لیے مرکز رجوع ہو۔

۲۳- ﴿ جَنّٰتُ عَدْنٍ ﴾ ہمیشہ رہنے والی بہشتیں ہیں [یہ ''عُقْبَى الدَّارِ'' سے بدل ہے یعنی آخرت کے گھر سے مراد

ہمیشہ کی بہشتیں ہیں] ﴿ یَدۡخُلُوۡنَهَا ﴾ جن میں وہ خود بھی جائیں گے ﴿ وَمَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَاَزۡوَاجِهِمۡ وَذُرِّیّٰتِهِمۡ ﴾ اور جو ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے ایمان لائے اور نیکی اختیار کی وہ بھی ان جنتوں میں جائیں گے [اور لام پر پیش کے ساتھ ''صَلُحَ'' بھی پڑھا گیا ہے جب کہ لام پر زبر پڑھنا زیادہ فصیح و بلیغ ہے اور ''مَنۡ'' محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ ''یَدۡخُلُوۡنَهَا'' کی ضمیر پر معطوف ہے اور یہ جائز ہے اگرچہ اس کی تاکید نہیں لائی گئی کیونکہ ضمیر مفعول فاصل ہے اور علامہ زجاج نے کہا کہ ممکن ہے کہ مفعول معہ ہو اور ان کو صلاح کے ساتھ موصوف کیا] تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ نسب بذاتِ خود نفع نہیں دیتا (جب تک ایمان نہ ہو) اور ان میں سے ہر ایک کے باپ دادے مراد ہیں گویا فرمایا گیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ایمان دار آباء وامہات (جنتوں میں ان کے ساتھ جائیں گے) ﴿ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ یَدۡخُلُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ مِّنۡ كُلِّ بَابٍ ﴾ اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس دس رات کی مقدار میں تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی خوشخبری سنانے اور دیگر تحائف و انعامات لے کر داخل ہوا کریں گے۔

سَلٰمٌ عَلَیۡكُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِیۡثَاقِهٖ وَیَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَیُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ ؕ وَفَرِحُوۡا بِالۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ؕ وَمَا الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا فِی الۡاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

(اور کہیں گے:) تم پر سلام ہو کیونکہ تم نے صبر کیا سو آخرت کا گھر بہت اچھا ہے O اور جو لوگ پختہ اقرار کرنے کے بعد اللہ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ نے جس تعلق کو جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ اسے توڑ دیتے ہیں اور وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں انہی لوگوں کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے بدترین گھر ہے O اللہ جس کے لیے چاہتا ہے اس کا رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کا چاہتا ہے اس کا رزق) تنگ کر دیتا ہے اور وہ لوگ دنیا ہی کی زندگی سے خوش ہو گئے اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں صرف عارضی اور محدود سامان ہے O

۲۴- ﴿ سَلٰمٌ عَلَیۡكُمۡ ﴾ [یہ حال کی جگہ پر واقع ہے] کیونکہ معنی یہ ہے کہ فرشتے ان کے پاس داخل ہوتے وقت کہیں گے کہ تم پر سلام ہو یا یہ معنی ہے کہ فرشتے سلام کرتے ہوئے داخل ہوں گے ﴿ بِمَا صَبَرۡتُمۡ ﴾ اس لیے کہ تم نے صبر کیا۔ [یہ محذوف کے ساتھ متعلق ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''هٰذَا بِمَا صَبَرۡتُمۡ'' یعنی یہ اجر و ثواب خواہشاتِ نفسانی پر تمہارے صبر کرنے کے سبب ہے یا اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کرنے کے سبب ہے یا یہ معنی ہے کہ ہم تمہارے صبر کی وجہ سے تم پر سلام پیش کرتے ہیں اور تمہارا احترام کرتے ہیں اور پہلی توجیہ زیادہ بہتر ہے] ﴿ فَنِعۡمَ عُقۡبَى الدَّارِ ﴾ سو آخرت کا گھر بہت اچھا ہے اور وہ بہشتیں ہیں۔

۲۵- ﴿ وَالَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِیۡثَاقِهٖ ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پختہ کر لینے کے بعد توڑ دیتے ہیں (یعنی) اس کے بعد کہ انہوں نے اس کو اقرار و اعتراف اور قبول کر لینے کے ذریعے پختہ کر لیا تھا ﴿ وَیَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَیُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ﴾ اور جس رشتہ کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اس کو وہ لوگ توڑ دیتے

ہیں اور کفر و شرک اور ظلم و ستم کے ذریعے وہ لوگ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے لعنت ہے (یعنی) رحمتِ الٰہی سے دور کر دیئے گئے ہیں ﴿ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴾ اور ان کے لیے بہت بُرا گھر ہے۔ اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ اس سے دنیا میں ان کا بُرا انجام مراد ہو کیونکہ یہ آخرت کے گھر کے مقابلے میں مذکور ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ''الدار'' سے دوزخ مراد ہو اور اس کی بُرائی سے دوزخ کا عذاب مراد ہو۔

۲۶- ﴿ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ﴾ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ اور فراخ کر دیتا ہے اور وہی تنگ کر دیتا ہے یعنی وہ جس کے لیے چاہتا ہے اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا خود ہی جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے اس کے سوا کوئی اور نہیں کرتا ﴿ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ اور وہ لوگ دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے۔ انہیں دنیا میں جو رزق کی فراخی اور وسعت نصیب ہوئی وہ اس پر خوش ہو گئے' اترانے لگے اور تکبر و غرور کرنے لگ گئے اور وہ اس لیے خوش نہیں ہوئے تھے کہ انہیں اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے انعامات ملنے پر خوشی حاصل ہوئی اور نہ انہوں نے اس کے مقابلے میں شکر ادا کیا تاکہ انہیں آخرت کی نعمتوں کی صورت میں اجر و ثواب عنایت کیا جاتا ﴿ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴾ اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں کچھ نہیں مگر عارضی سامان ہے۔ کفار پر یہ بات مخفی تھی کہ دنیا کی نعمتیں آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتیں مگر معمولی سی' جس سے تھوڑا سا فائدہ حاصل ہوتا ہے جیسے سوار معمولی سامان اپنے پاس رکھتا ہے اور وہ سامان تھوڑی سی کھجوریں اور تھوڑے سے ستو ہوتے ہیں۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝۲۷ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝۲۸ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝۲۹

اور جو لوگ کافر ہو چکے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہی پر ڈال دیتا ہے اور اپنی طرف اس کی راہ نمائی کرتا ہے جو رجوع کرے ○ وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں' یاد رکھو! اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے ○ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لیے خیر و پاکیزگی ہے اور بہترین ٹھکانا ہے ○

کافروں کے اعتراضات اور مسلمانوں کی شان' حضور کی بعثت کا مقصد اور کفار پر وبال کا بیان

۲۷- ﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ اور کافر کہتے ہیں کہ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی؟ یعنی ایسی نشانی جس کا مطالبہ کیا گیا ہے ﴿ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ معجزات کے ظاہر ہونے کے بعد دیگر آیات و معجزات کے مطالبے پر جس کو چاہتا ہے

گمراہ کر دیتا ہے ﴿ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنی طرف اس کی رہنمائی کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کر لے اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کی طرف اس کی رہنمائی کرتا ہے جو اپنے دل سے اس کی طرف رجوع کرے۔

۲۸- ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ یہ وہی لوگ ہیں جو ایمان لائے [یا یہ محلاً منصوب ہے "مَنْ اَنَابَ" میں سے "مَنْ" سے بدل ہے] ﴿ وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ اور ان کے دل ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے سکون حاصل کرتے ہیں یا قرآن مجید سے سکون پاتے ہیں یا اس کے وعدہ سے مطمئن ہوتے ہیں ﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ سن لو! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو سکون وچین ملتا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سبب مسلمانوں کے دلوں کو قرار اور چین نصیب ہوتا ہے۔

۲۹- ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔ [یہ مبتدا ہے] ﴿ طُوْبٰى لَهُمْ ﴾ ان کے لیے بھلائی ہے۔ [یہ مبتدا کی خبر ہے اور "طوبیٰ" مصدر ہے "طَابَ" سے ماخوذ ہے جیسے "بُشْرٰی" اور "طُوْبٰی لَكَ" کا معنی ہے: "اَصَبْتَ خَيْرًا وَّطِيْبًا" تم نے بھلائی اور پاکیزگی کو پالیا اور یہ محلاً منصوب ہے یا پھر مرفوع ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: "طَيِّبًا لَّكَ وَطِيْبٌ لَّكَ" تمہارے لیے خوشی مبارک ہو: "سَلَامًا لَّكَ وَسَلَامٌ لَّكَ" تمہارے لیے سلامتی ہے اور "لَهُمْ" میں لام بیان کے لیے ہے، جس کی مثال "سَقْيًا لَّكَ" ہے تمہارے لیے سیرابی ہو اور "طُوْبٰی" میں واؤ "یا" سے تبدیل کی گئی ہے کیونکہ اس کا ماقبل مضموم ہے جیسے "مُوْقِنٌ" ہے] ﴿ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴾ اور بہترین ٹھکانا ہے (یعنی) لوٹ کر جانے کی بہترین جگہ ہے اور اس میں نون پر رفع اور نصب دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اور نصب اس کے محل پر دلالت کرتا ہے [(یعنی لفظاً مرفوع ہے اور محلاً منصوب ہے)]۔

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾

اسی طرح ہم نے آپ کو ایسی امت میں بھیجا ہے جس سے پہلے ساری امتیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ انہیں وہ کلام پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے حالانکہ وہ رحمان کا انکار کرتے ہیں، آپ فرمایئے کہ وہی میرا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اسی کی ذات پر میں نے بھروسا کیا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے O

۳۰- ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ جس طرح ہم پہلے سابقہ امتوں کی طرف رسولوں کو بھیجتے رہے، اسی طرح ﴿ اَرْسَلْنٰكَ ﴾ ہم نے آپ کو ایسی رسالتِ عامہ کے ساتھ بھیجا ہے جس کی بہت بڑی شان ہے اور باقی تمام بھیجی گئی رسالتوں سے افضل ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت بیان فرمائی کہ اس نے اپنے رسول کو کیسے بھیجا، چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ ﴾ یعنی ہم نے آپ کو ایسی امت میں بھیجا ہے جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکیں تو یہ تمام امتوں سے آخری امت ہے اور آپ تمام نبیوں سے آخری نبی ہیں ﴿ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ﴾ تاکہ انہیں وہ پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے (یعنی) تاکہ آپ انہیں وہ عظیم الشان کتاب (قرآن مجید) پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجی ہے ﴿ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴾ اور ان کی حالت یہ ہے کہ وہ کفر کرتے ہیں ﴿ بِالرَّحْمٰنِ ﴾ رحمان کے ساتھ جو بہت مہربان ہے جس کی رحمت ہر چیز کو محیط ہے ﴿ قُلْ هُوَ رَبِّيْ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ وہی میرا رب ہے اور وہ

ہی ہر چیز کا رب ہے ﴿ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے یعنی وہی اکیلا میرا رب ہے جو شریکوں سے بہت بلند و بالا اور پاک ہے ﴿ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ ﴾ میں نے تمہارے خلاف مدد لینے میں صرف اسی ذات پر بھروسا کیا ہوا ہے ﴿ وَاِلَیْہِ مَتَابِ ﴾ اور میرا رجوع صرف اسی کی طرف ہے' سو وہی تمہاری ایذاؤں اور تکلیفوں کے برداشت کرنے پر مجھے اجر و ثواب عنایت فرمائے گا [اور قاری یعقوب کی قراءت میں حالتِ وقف اور حالتِ وصل میں ''مَتَابِ'' کی بجائے ''مَتَابِیْ'' اور ''عِقَابِ'' کی بجائے ''عِقَابِیْ'' اور ''مَاٰبِ'' کی بجائے ''مَاٰبِیْ'' ہے]۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِہِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِہِ الْاَرْضُ اَوْ کُلِّمَ بِہِ الْمَوْتٰی ؕ بَلْ لِّلّٰہِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا ؕ اَفَلَمْ یَایْـَٔسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰہُ لَہَدَی النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا تُصِیْبُہُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَۃٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِہِمْ حَتّٰی یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۳۱﴾ ع ۴

اگر قرآن ایسا ہوتا جس سے پہاڑ چلائے جاتے یا زمین ٹکڑوں میں تقسیم کی جاتی یا اس کے ذریعہ مُردوں سے باتیں کی جاتیں (تو کافر پھر بھی ایمان نہ لاتے) بلکہ ہر چیز کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے' تو کیا مسلمان اس بات سے مایوس نہیں ہوئے کہ اگر اللہ چاہے تو تمام انسانوں کو ہدایت دے دے' اور کافر جو کچھ کرتے رہتے ہیں اس کی وجہ سے ان پر ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت آتی رہے گی یا ان کے گھروں کے قریب آتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ جائے' بے شک اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا O

۳۱- ﴿ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِہِ الْجِبَالُ ﴾ اور اگر یہ قرآن ایسا ہوتا کہ اس کی برکت سے پہاڑ اپنی اصل قرار گاہ سے چلائے جاتے ﴿ اَوْ قُطِّعَتْ بِہِ الْاَرْضُ ﴾ یا اس کے ذریعے زمین کاٹی جاتی یہاں تک کہ وہ پھٹ جاتی اور مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتی ﴿ اَوْ کُلِّمَ بِہِ الْمَوْتٰی ﴾ یا اس کی وجہ سے مُردوں سے باتیں کی جاتیں اور آپ سنتے اور ان کا جواب دیتے تو یہ قرآن مجید ان کاموں کے لیے باقی تمام کتابوں سے زیادہ موزوں اور مناسب تھا کیونکہ یہ قرآنِ مجید وعظ و نصیحت میں اور لوگوں کو خوف دلانے اور ڈرانے میں انتہاء کو پہنچا ہوا ہے [بہرحال ''لَوْ'' کا جواب محذوف ہے] یا اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اس قرآن مجید کے ذریعے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جاتے اور زمین پھٹ کر ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتی اور مُردے زندہ ہو کر باتیں کرتے اور آپ انہیں ان کے مستقبل کے بارے میں بتا دیتے تو پھر بھی کفارِ مکہ ایمان نہ لاتے اور نہ وہ اس قرآن مجید سے آگاہی حاصل کرتے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃَ وَکَلَّمَہُمُ الْمَوْتٰی وَحَشَرْنَا عَلَیْہِمْ کُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ'' (الانعام:۱۱۱) ''اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے نازل کر دیتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز ان کے سامنے جمع کر دیتے تو وہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے''۔
﴿ بَلْ لِّلّٰہِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا ﴾ بلکہ ساری قوت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے (یعنی) ہر چیز پر پوری قدرت و طاقت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور وہ ان تمام معجزات کو دکھانے پر پوری طرح قادر ہے جن کا کفارِ مکہ نے مطالبہ کیا ہے ﴿ اَفَلَمْ یَایْـَٔسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ﴾ تو کیا مسلمان مایوس نہیں ہوئے؟ (یعنی) کیا اہل ایمان کو معلوم نہیں؟ [اور یہ معنی نخع کی قوم کی لغت میں ہے اور بعض

اہل علم حضرات نے کہا کہ ''یَایْئَس'' بہ معنی علم استعمال کیا جاتا ہے اس لیے کہ ''یَایْئَس'' ''علم کے معنی کو متضمن ہے کیونکہ کسی چیز سے مایوس ہو جانا اس بات کو جان لینا ہے کہ یہ کام نہیں ہو گا جیسا کہ نسیان (بھولنا) ترک کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ نسیان ترک کے معنی کو متضمن ہے جس کی دلیل حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ قراءت ہے: ''اَفَلَمْ یَتَبَیَّنْ'' اور بعض نے کہا کہ یہ کاتب نے لکھ دیا ہے اور وہ ناعس ہے جس نے سین کے دندانے برابر کر دیئے اور یہ قول خدا کی قسم! جھوٹا الزام ہے جس میں کوئی شک نہیں] ﴿اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَی النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا تُصِیْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ﴾ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دیتا اور کافروں پر ان کے کفر و شرک اور ان کے بُرے اعمال کی وجہ سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت نازل ہوتی رہے گی جو انہیں خوف زدہ کرتی رہے گی اس وجہ سے کہ ہر وقت ان پر اللہ تعالیٰ مختلف مصائب و آلام اور بلائیں ان کی جانوں میں اور ان کے اموال میں اور ان کی اولاد میں بھیجتا رہے گا ﴿اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِهِمْ﴾ یا وہ مصیبت ان کے گھروں کے قریب اترے گی یا وہ مصیبت خود ان کے قریب اترے گی جس سے وہ خوف زدہ ہو جائیں گے اور اس کے شرارے ان پر گریں گے اور اس کی بُرائیاں ان کو پہنچیں گی ﴿حَتّٰی یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِ﴾ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آ جائے یعنی ان کی موت یا قیامت یا یہ معنی ہے کہ چونکہ کفارِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عداوت و دشمنی کی اور آپ کو جھٹلایا تو اس لیے ان پر یہ مصیبت نازل ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کے لشکر نے مکہ مکرمہ کے اردگرد غارت گری کی اور ان سے ان کے مال چھین لیے یا اے محمد (ﷺ)! آپ حدیبیہ کے دن تشریف لا کر ان کے گھروں کے قریب اتر گئے ﴿حَتّٰی یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِ﴾ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آن پہنچا یعنی مکہ مکرمہ فتح ہو گیا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا یعنی اس کے وعدہ میں خلف جائز نہیں۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَیْتُ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَیْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰی كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِیْلِ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

اور بے شک آپ سے پہلے (بھی) رسولوں کا مذاق اڑایا گیا تو میں نے کافروں کو مہلت دے دی' پھر میں نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا' سو میرا عذاب کیسا رہا ○ تو کیا وہ جو ہر شخص کے اعمال پر جو اس نے کمائے نگران ہے (اس جیسا ہو سکتا ہے جو ایسا نہیں)' اور انہوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں' فرمایئے کہ تم ان کے نام بتاؤ' یا تم اس کو ایسی خبر دیتے ہو جو روئے زمین پر اس کے علم میں نہیں یا یونہی سرسری بات کہہ دیتے ہیں' بلکہ کافروں کے لیے ان کی فریب کاریاں خوشنما بنا دی گئی ہیں اور انہیں راہ (حق) سے روک دیا گیا ہے' اور جس کو اللہ گمراہی پہ ڈال دے تو اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا ○

رسولوں کی تکذیب اور شرک پر عذاب' اہل تقویٰ کے لیے انعام

۳۲۔﴿ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ اور بے شک آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا ہے تو میں نے کافروں کو مہلت دے دی۔[''اَمْلَيْتُ''، ''اِمْلَاءٌ'' سے ماخوذ ہے اور ''اِمْلَاءٌ'' کا معنی ہے: مہلت دینا] اور ایک لمبی مدت تک کسی کو عیش و عشرت اور امن و خوشحالی میں چھوڑ دینا ﴿ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴾ پھر میں نے ان کو پکڑ لیا' سو میرا عذاب کیسا سخت رہا' اور یہ کفارِ مکہ کے لیے بہت بڑی وعید اور دھمکی ہے اور انہوں نے مذاق اڑانے کے لیے رسول اللہ ﷺ سے جن معجزات کا مطالبہ کیا تھا' ان کا یہ جواب ہے اور نیز یہ آیت مبارکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے تسلی ہے۔

۳۳۔﴿ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ ﴾ تو کیا وہ جو ہر شخص کے اعمال کا محافظ ہے؟ یہ مشرکینِ مکہ پر حجت قائم کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہراتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ جو ہر شخص کے اعمال پر نگران ہے خواہ وہ نیک یا بد ہو ﴿ بِمَا كَسَبَتْ ﴾ جو اس نے کمایا۔ اللہ تعالیٰ اس کے نیک اور بد تمام اعمال کو جانتا ہے اور وہ ہر شخص کے لیے اس کا بدلا تیار رکھتا ہے اس جیسا ہو سکتا ہے جو اس طرح نہیں ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ سے شریکوں کی نفی کرنا ہے ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے شریک بنا رکھے ہیں یعنی بتوں کو شریکِ خدا بنا رکھا ہے ﴿ قُلْ سَمُّوْهُمْ ﴾ اے محبوب! ان سے فرمایئے کہ تم ان کے نام بتاؤ یعنی تم اس کے لیے ان بتوں کے نام لو وہ کون ہیں؟ اور ان کے نام بتاؤ' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ ﴾ کیا تم اس کو ایسی بات بتاتے ہو جو روئے زمین پر اس کے علم میں نہیں ہے۔[''اَمْ'' منقطعہ بہ معنی ''بَلْ'' ہے] (یعنی) بلکہ تم اس کو اس کے شریکوں کی خبر دیتے ہو جو پوری روئے زمین پر اس کے علم میں نہیں ہیں جب کہ وہ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کو خوب جاننے والا ہے تو جب وہ اس کے علم میں نہیں ہیں تو پھر حقیقت میں ان کا وجود ہی نہیں ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے لیے شریکوں کی نفی کرنا ہے ﴿ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ﴾ یا یونہی سرسری بات کہتے ہو بلکہ کیا تم ان کے نام زبانی کلامی شرکاء (خدا کے شریک) رکھتے ہو جس کی کوئی حقیقت نہیں' جیسے ارشاد ہے: ''ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ'' (التوبہ:۳۰) ''یہ ان کے منہ کی بنائی ہوئی باتیں ہیں''۔ نیز ارشاد فرمایا: ''مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ'' (یوسف:۴۰) ''تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ محض چند نام ہیں جو تم نے خود تراش لیے ہیں''۔ ﴿ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ ﴾ بلکہ کافروں کے لیے ان کے شرک کرنے کی وجہ سے اسلام کے خلاف ان کی فریب کاریاں خوشنما بنا دی گئی ہیں ﴿ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ﴾ اور انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک دیا گیا ہے۔[اہل کوفہ کی قراءت میں ''صُدُّوْا'' میں صاد مضموم ہے (کیونکہ فعل ماضی مجہول ہے) جب کہ ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں صاد مفتوح ہے (اس بناء پر کہ یہ فعل ماضی معروف ہے)] اور اس کا معنی یہ ہے کہ اور کافروں نے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے سے منع کیا اور روکا ﴿ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی کی راہ پر ڈال دیتا ہے اس کے لیے کوئی رہبر نہیں ہوتا جو اس کو ہدایت دینے کی قدرت و طاقت رکھتا ہو۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾
مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِىْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۖ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۖ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ۖ

تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب بہت ہی سخت ہے' اور اللہ (کے عذاب) سے انہیں کوئی بچانے والا نہیں ہوگا O جس جنت کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے' اس کی شان یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں' اس کے پھل اور اس کا سایا ہمیشہ قائم رہیں گے' یہ پرہیزگاروں کا انجام ہے' اور کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے O اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی تھی وہ تو اس پر خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور بعض گروہ اس کے بعض حصے کا انکار کرتے ہیں' آپ فرما دیجئے کہ بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں' میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور مجھے اسی کی طرف جانا ہے O

۳۴۔ ﴿لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں قتل ہونے اور قیدی بننے اور مختلف مصائب و آلام کو جھیلنے کا عذاب ہوگا ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ﴾ اور آخرت کا عذاب دائمی ہونے کی بناء پر ضرور زیادہ سخت ہوگا ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ﴾ اور ان کو کوئی بچانے والا نہیں ہوگا (یعنی) ان کی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی حفاظت کرنے والا نہیں ہوگا۔

۳۵۔ ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ﴾ اس جنت کی مثال جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے (یعنی) اس بہشت کی شان جو مثال میں انوکھی اور نرالی ہے [اور یہ مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یعنی "فِيْمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ"] اس میں جو کچھ تم پر تلاوت کیا جاتا ہے جنت کی مثال یا اس کی خبر ہے ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جس کے نیچے نہریں جاری ہیں' جیسے تم کہتے ہو: "صِفَةُ زَيْدٍ اَسْمَرُ" کہ زید کی صفت یہ ہے کہ وہ گندم گوں ہے یارات کا قصہ گو ہے ﴿اُكُلُهَا دَآئِمٌ﴾ اس کے پھل ہمیشہ رہنے والے دائمی وجود والے ہیں جو کبھی ختم نہ ہوں گے ﴿وَّظِلُّهَا﴾ اور اس کا سایا دائمی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا جیسا کہ دنیا میں سورج سے ختم ہو جاتا ہے ﴿تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ یہ پرہیزگاروں کا انجام ہے یعنی پرہیزگاروں کے تقویٰ کا انجام یہ جنت ہے جس کی شان بیان کی گئی ہے یعنی یہ ان کے عمل کی انتہا ہے ﴿وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ﴾ اور کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔

نزولِ قرآن پر اہل کتاب کا مختلف ردعمل اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی اتباع کی ممانعت کا بیان

۳۶۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا کی' وہ اس پر خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے یہود میں سے اسلام قبول کر لیا تھا جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام اور اسی طرح ان کے ساتھی اور نصاریٰ میں سے سرزمین حبشہ کے رہنے والے ﴿وَمِنَ الْاَحْزَابِ﴾ اور بعض گروہ سے مراد وہ کفار ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت و دشمنی میں مختلف گروہ تیار کر رکھے تھے جیسے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی اور سید اور عاقب اور ان کے گروہ کے دوسرے ساتھی ﴿مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ﴾ جو اس قرآن مجید کے کچھ حصے کا انکار کرتے ہیں کیونکہ وہ لوگ ان واقعات اور بعض احکام و معانی کا انکار نہیں کرتے تھے جو ان کی کتابوں میں

درج تھے، بلکہ وہ لوگ حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کرتے تھے اور اس کے علاوہ ان احکام کا انکار کرتے تھے جن میں انہوں نے تحریف کر دی تھی اور ان کو تبدیل کر دیا تھا ﴿قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور میں اس کے ساتھ (کسی کو) شریک نہ ٹھہراؤں' یہ اہلِ کتاب میں سے منکرین کے لیے جواب ہے یعنی اے محبوب! آپ منکرین سے فرما دیں کہ میری طرف جو وحی کی جاتی ہے اس میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں' لہٰذا تمہارا اس کتاب سے انکار کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی توحید کا انکار کرنا ہے' پس اب تم غور و فکر کرو کہ تم کس کا انکار کر رہے ہو' اس کے باوجود کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا واجب و لازم ہے اور یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے ﴿اِلَیْهِ اَدْعُوْا﴾ میں خاص اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں' اس کے علاوہ میں کسی کی طرف دعوت نہیں دیتا ﴿وَاِلَیْهِ مَاٰبِ﴾ اور مجھے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے' اس کے علاوہ کسی غیر کی طرف نہیں اور تم بھی اسی طرح کہتے ہو' سو تمہارے انکار کا کوئی معنیٰ نہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَمَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

ع ۱۱

اور اسی طرح ہم نے اس کتاب کو حکمت سے لبریز عربی زبان میں نازل کیا' اور اگر (بہ فرضِ محال) آپ ان کی خواہشات کی پیروی کریں گے اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آ چکا' تو اللہ کے مقابلے میں آپ کا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا ہوگا○ اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کے لیے بیویاں اور اولاد مقرر کر دی' اور کسی رسول کی یہ شان نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ لائے' ہر وقت کے لیے تحریر ہے○ اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے' اور کتاب کی اصل اس کے پاس ہے○

۳۷- ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ﴾ اور جس طرح ہم نے تورات و انجیل کو نازل کیا تھا اسی طرح ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کی توحید کو ماننے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی طرف اور اس کے دین کی طرف دعوت دی گئی ہے اور دار الجزاء (قیامت کے دن) سے ڈرایا گیا ہے ﴿حُكْمًا عَرَبِيًّا﴾ عربیّت کی حکمت (فصاحت و بلاغت) سے یہ قرآن لبریز ہے' عربی زبان میں ترجمہ کر کے بھیجا گیا ہے [اور یہ حال واقع ہونے کی بناء پر منصوب ہے]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کو مشترکہ اُمور کی طرف دعوت دیا کرتے تھے' اس لیے آپ سے فرمایا کہ ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَمَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ اور اگر (بہ فرضِ محال) آپ ان کی خواہشات کی پیروی کریں گے' اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آ چکا یعنی مستحکم براہین اور مضبوط دلائل کے ساتھ علم حاصل کر لینے کے بعد ﴿مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ﴾ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آپ کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا ہوگا یعنی کوئی مددگار آپ کی مدد نہیں کرے گا

اور نہ کوئی بچانے والا آپ کو اس سے بچا سکے گا۔

تنبیہ: اور یہ خطاب ترہیب وتنبیہ کے باب سے ہے جس کے ذریعے سامعین کو دین اسلام پر قائم رہنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اس بات پر برانگیختہ کیا گیا ہے کہ دین اسلام کو دلائل کے ساتھ مضبوطی سے تھام لینے کے بعد کسی قسم کے شک وشبہ کے وقت پاؤں میں لغزش نہیں آنی چاہیے ورنہ رسول اللہ ﷺ تو اپنی جگہ پر نہایت ثابت قدمی کے ساتھ قائم تھے۔

کفار کے اعتراض کا جواب اور نسخ کے جواز کا ثبوت اور حضور ﷺ کے لیے تسلی

۳۸۔ شانِ نزول: کفار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ عیب لگایا کرتے تھے کہ آپ نکاح کر کے بیویاں اور بچے رکھتے ہیں اگر آپ نبی ہوتے تو بیویاں اور بچے نہ رکھتے اور من پسند معجزات کا آپ سے مطالبہ کرتے تھے اور نسخ کا انکار کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) آیات نازل فرما کر ان کے اعتراض کا جواب دیا: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو بھیجا اور ہم نے ان کے لیے بیویاں اور بچے مقرر کیے (یعنی) ان کے ہاں بھی عورتیں اور اولادیں تھیں ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اور کسی رسول کی یہ شان نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ لا کر دکھا دے یعنی قوم کے مطالبے پر معجزات کو پیش کرنا کسی نبی اور رسول کے ذاتی اختیار میں نہیں ہے بلکہ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کیا گیا ہے ﴿لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ ہر وقت کے لیے ایک حکم اور ایک فیصلہ بندوں کے ذمے لکھ دیا جاتا ہے یعنی بندوں پر وہی حکم فرض کیا جاتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ تقاضا کرتی ہے۔

۳۹۔ ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ جس کو منسوخ کرنا چاہتا ہے اسے منسوخ کر دیتا ہے (نسخ کا معنی ہے: کسی چیز کے حکم کی اختتامی مدت کو بیان کرنا) ﴿وَيُثْبِتُ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس کے بدلے جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے یعنی اس کو بغیر منسوخ کے ترک کر دیتا ہے یا اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے فرشتوں کے دفتر ناموں سے مٹا دیتا ہے اور اس کے علاوہ ثابت رکھتا ہے یا توبہ کرنے والوں کا کفر مٹا دیتا ہے اور ان کا ایمان ثابت رکھتا ہے یا جس کی موت کا وقت آ جاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ مار دیتا ہے اور اس کا برعکس بھی کر دیتا ہے [اور نافع مدنی' ابن عامر شامی' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں (''يُثْبِتُ'' بجائے تخفیف کے ''ثا'' مفتوح اور ''با'' مشدد مکسور باب تفعیل سے) ''يُثَبِّتُ'' ہے] ﴿وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ اور کتاب کی اصل اس کے پاس ہے یعنی ہر کتاب کی اصل اسی کے پاس ہے اور وہ لوحِ محفوظ ہے' اس لیے کہ ہر ہونے والا کام اس میں لکھا ہوا ہے۔

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾

اور اگر ہم آپ کو اس کا کچھ حصہ دکھا دیں جو ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے یا ہم آپ کو اٹھا لیں تو بے شک آپ کے

ذمے صرف پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارے ذمے ہےO اور کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ بے شک ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے آ رہے ہیں' اور اللہ تعالیٰ فیصلہ فرماتا ہے تو اس کے فیصلے کو کوئی پلٹنے والا نہیں' اور وہ جلد حساب لینے والا ہےO اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے (بھی) مکر وفریب کیے' سو تمام خفیہ تدبیریں اللہ ہی کے لیے ہیں' ہر شخص جو کام بھی کرتا ہے وہ اسے خوب جانتا ہے' اور عنقریب کافر جان لیں گے کہ آخرت کے گھر کا نیک انجام کن لوگوں کے لیے ہےO

۴۰- ﴿وَاِنۡ مَّا نُرِیَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِیۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّیَنَّكَ﴾ اور اگر ہم آپ کو اس کا بعض حصہ دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے یا ہم آپ کو اٹھا لیں اور اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم آپ کو (سرزمینِ بدر میں) ان کے مارے جانے کی جگہیں دکھا دیں گے اور ہم نے ان پر عذاب نازل کرنے کا ان سے جو وعدہ کیا ہے وہ آپ کو دکھا دیں گے یا ہم آپ کو اس سے پہلے اپنے پاس اٹھا لیں گے ﴿فَاِنَّمَا عَلَیۡكَ الۡبَلٰغُ﴾ سو آپ پر صرف پہنچا دینا لازم ہے (یعنی) پس آپ کے ذمے صرف پیغام پہنچا دینا واجب ہے اور بس ﴿وَعَلَیۡنَا الۡحِسَابُ﴾ اور حساب لینا ہمارے ذمے ہے (یعنی) ان سے حساب لینا اور ان کے اعمال پر ان کو سزا دینا ہمارے ذمے ہے' آپ پر کچھ لازم نہیں' لہٰذا ان کا آپ سے منہ پھیر لینا آپ کو غمگین نہ کر دے اور آپ ان کی روگردانی پر پریشان نہ ہوں اور نہ ان کے لیے عذاب میں جلدی کیجئے۔

۴۱- ﴿اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا﴾ اور کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم کافروں کے علاقوں کی زمین کو اس کے کناروں سے کم کرتے آ رہے ہیں وہ اس طرح کہ ہم ان علاقوں پر مسلمانوں کو فتح و کامیابی اور غلبہ نصیب کر رہے ہیں اور ہم دار الحرب (یعنی کافروں کے ملک) کو گھٹا رہے ہیں اور ہم دار الاسلام (مسلمانوں کے ملک) میں اضافہ کر رہے ہیں اور یہ فتح و نصرت اور غلبہ و کامیابی کی نشانیوں میں سے ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کے ذمے صرف وہ پیغام پہنچانا لازم ہے جس کی ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی ہے اور اس کے علاوہ کسی چیز پر آپ پریشان نہ ہوں' سو ہم ان کے مقابلے میں آپ کو کافی ہیں اور ہم نے آپ سے جو فتح و نصرت اور کامیابی و کامرانی کا وعدہ کیا ہے وہ ہم ضرور پورا کریں گے ﴿وَاللّٰهُ یَحۡكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكۡمِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ فیصلہ فرماتا ہے اور اس کے فیصلے کو کوئی پلٹنے والا نہیں (یعنی) اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو کوئی نہیں پھیر سکتا اور ''مُعَقِّب'' اس کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز پر بار بار حملہ کر کے اس کو مٹا دے جس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کے پیچھے سے آ کر اسے مٹا دے' اسی وجہ سے صاحبِ حق کو معقب کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے قرض کا تقاضا کرنے کے لیے اپنے مقروض کا تعاقب کرتا ہے اور اپنے قرض کا مطالبہ کرنے کے لیے اس کا پیچھا کرتا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ اور سربلندی اور ترقی دینے کا اور کفر کو ذلیل و پست کرنے اور اس کو مغلوب کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے جس کو روکا نہیں جا سکتا [اور ''لَا مُعَقِّبَ لِحُكۡمِهٖ'' حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے' گویا فرمایا گیا ہے: اور اللہ تعالیٰ فیصلہ فرماتا ہے کہ اس کا حکم نافذ ہو کر رہے گا' جیسے تم کہو: ''جَآءَ نِیۡ زَیۡدٌ لَا عَمَامَةَ عَلٰی رَاۡسِهٖ وَلَا قَلَنۡسُوَةَ لَهٗ''. میرے پاس زید آیا' اس کے سر پر نہ پگڑی تھی اور نہ ٹوپی تھی' جس سے تمہارا مقصد یہ بتانا ہو کہ وہ ننگے سر ہے] ﴿وَهُوَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ﴾ اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے' سو اللہ تعالیٰ دنیا میں (قید' قتل اور جلاوطنی کے) عذاب کے بعد آخرت میں بہت کم وقت میں ان سے حساب لے لے گا۔

۴۲- ﴿وَقَدۡ مَكَرَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ﴾ اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی مکر وفریب کیا تھا یعنی گزشتہ امتوں کے کافروں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ مکر وفریب کیا تھا اور ''مکر'' کا معنی یہ ہے کہ کسی کو پوشیدہ طور پر نقصان پہنچانے کا ارادہ کرنا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی خفیہ تدبیر کا ذکر کر کے ان کے مکر وفریب کو کالعدم قرار دے دیا' چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ﴾ پس تمام خفیہ تدبیریں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۗ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴾ وہ اسے جانتا ہے جو ہر شخص کماتا ہے اور عنقریب کافروں کو معلوم ہو جائے گا کہ آخرت کے گھر کا اچھا انجام کن کے لیے ہے یعنی نیک انجام' اس لیے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو ہر شخص کمار ہا ہے اور اس نے ہر شخص کے لیے اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا تیار کر رکھی ہے' سو یہی اس کی خفیہ تدبیر ہے اس لیے کہ وہ ان کو ایسی سزا دے گا کہ انہیں معلوم بھی نہیں ہو گا اور وہ اس منصوبہ سے غافل ہیں جو ان کے خلاف تیار کیا جا رہا ہے [اہل حجاز اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''اَلْکَافِرُ'' ہے جس سے جنسِ کافر مراد ہے]۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۗ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

ع ۶ / ۱۲

اور کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں' آپ فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے' اور اس کی جس کے پاس کتاب کا علم ہے O

۴۳- ﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں۔ ان کافروں سے کعب بن اشرف اور یہود کے سردار مراد ہیں' انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تھا کہ آپ رسول نہیں ہیں اور اسی وجہ سے حضرت عطار حمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ سورت مکی ہے ماسوا اس آیت مبارکہ کے ﴿ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ﴾ اے میرے محبوب! فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے کیونکہ اس نے میری نبوت و رسالت کے دلائل بیان فرما کر ان کو واضح طور پر ظاہر کر دیا ہے [اور حرف ''بَا'' فاعل پر داخل کیا گیا ہے اور ''شَهِيْدًا'' تمیز ہے] ﴿ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴾ اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ ہے اور ''الکتاب'' سے لوحِ محفوظ مراد ہے' جس کی دلیل وہ قراءت ہے جس میں ''وَمِنْ عِنْدِهٖ عِلْمُ الْكِتَابِ'' ہے یعنی کتاب کا علم اسی کی طرف سے ہے اس لیے کہ اس کو وہی جانتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنے لطف سے سکھا دے اور بعض نے فرمایا: ''مَنْ'' سے اہل کتاب کے وہ علماء مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا کیونکہ وہ اپنی کتابوں میں پڑھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت اور شان کی گواہی دیتے تھے' چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن سلام نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ میرے حق میں نازل ہوئی ہے اور بعض نے فرمایا کہ ''مَنْ'' سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں [اور یہ ''مَنْ'' لفظ ''اللّٰه'' پر معطوف ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہے یا جار و مجرور کے محل پر معطوف ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے کیونکہ تقدیر عبارت یوں ہے: ''كَفَى اللّٰهُ وَعِلْمُ الْكِتَابِ''. اور یہ ظرف میں فعل مقدر کے ساتھ مرفوع ہے' پس یہ فاعل ہے اس لیے کہ ظرف ''مَنْ'' کا صلہ ہے اور ''مَنْ'' یہاں پر بہ معنی ''اَلَّذِيْ'' ہے اور مقدر عبارت یوں ہے: ''مَنْ ثَبَتَ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ'' اور یہ اس لیے کہ ظرف جب صلہ واقع ہوتا ہے تو فعل والا عمل کرتا ہے' جیسے ''مَرَرْتُ بِالَّذِيْ فِي الدَّارِ اَخُوْهُ'' سو اس میں ''اَخُوْهُ'' فاعل ہے' جیسا کہ تم کہتے ہو: ''بِالَّذِيْ اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ اَخُوْهُ''. ''مَنْ'' میں میم کو کسرہ کے ساتھ قراءت میں علم مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہو گا]۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۂ ابراہیم مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی باون آیات، سات رکوع ہیں

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۗ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۳﴾

الٓرٰ، یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں، تمام خوبیوں کے مالک غالب اللہ کے راستے کی طرف○ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز جس کی ملکیت میں ہے، اور کافروں کے لیے سخت عذاب کی وجہ سے بہت بڑی ہلاکت ہے○ جو آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی سے پیار کرتے ہیں اور وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ اس میں کجی چاہتے ہیں، یہی لوگ بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں○

رسولوں کی بعثت کا مقصد اور بنی اسرائیل پر انعامات کا تذکرہ

۱- ﴿الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ﴾ یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے [''كِتَابٌ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے، اصل میں ''هٰذَا كِتَابٌ'' ہے، یہ کتاب یعنی یہ سورت اور وہ جملہ جو اس کے بعد ہے (یعنی) ''اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ'' محلاً مرفوع ہے کہ ''کتاب'' نکرہ کی صفت ہے] ﴿لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں (یعنی) آپ ان کو دعوتِ اسلام دے کر گمراہی کے اندھیرے سے نکال کر ہدایت کی روشنی کی طرف لے آئیں ﴿بِاِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ ان کے رب کی اجازت سے (یعنی) اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی طرف سے اسبابِ ہدایت آسان و نرم کرنے کی وجہ سے اور یہ معنیٰ ''اذن'' سے مستعار لیا گیا ہے جو پردے کو نرم کرنے کا معنی رکھتا ہے، یہ وہی توفیق ہے جو اللہ تعالیٰ لوگوں کو عطا فرما دیتا ہے ﴿اِلٰى صِرَاطِ﴾ راستے کی طرف [یہ تکرارِ عامل ''النور'' سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿الْعَزِيْزِ﴾ انتقام و بدلا لینے پر غالب ہے ﴿الْحَمِيْدِ﴾ انعام دینے پر لائق حمد و ثناء ہے۔

۲- ﴿اللّٰهِ﴾ [نافع مدنی، ابن عامر شامی کی قراءت میں اس بناء پر مرفوع ہے کہ (یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے، اصل میں) ''هُوَ اللّٰهُ'' ہے ان دونوں کے علاوہ دیگر حضرات کی قراءت میں اس بناء پر مجرور ہے کہ یہ ''الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ'' پر معطوف ہے] ﴿الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب کا سب تخلیق و پیدائش اور ملک کے اعتبار سے اسی (اللہ تعالیٰ) کے لیے ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے کفر کے اندھیروں سے ایمان کی روشنی کی طرف نکلنے والوں کا ذکر کیا تو کافروں کو ''ویل'' (بربادی) سے ڈرایا دھمکایا [اور یہ ''وَاْلٌ'' کی نقیض ہے اور ''وَاْلٌ'' کا معنی نجات ہے (تو ''وَيْلٌ'' کا معنی ہلاکت و بربادی ہوا) اور یہ ہلاک کی طرح معنوی اسم ہے] چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ﴾ اور کافروں کے لیے سخت عذاب کی وجہ سے ہلاکت و بربادی ہے [اور یہ مبتدا خبر ہے اور (درج ذیل آیت ''اَلَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ'') صفت ہے]۔

۳۔﴿ اَلَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ ﴾ جو لوگ پسند کرتے ہیں اور وہ ترجیح دیتے ہیں ﴿ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ﴾ دنیا کی زندگی کو آخرت پر ﴿ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے (یعنی) اس کے دین سے لوگوں کو روکتے ہیں ﴿ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ﴾ اور وہ اس میں کجی چاہتے ہیں (یعنی) وہ اللہ تعالیٰ کی راہ کے لیے کجی اور ٹیڑھا پن طلب کرتے ہیں [اور اصل میں ''وَیَبْغُوْنَ لَهَا'' تھا' پھر حرف جار کو محذوف کر دیا گیا اور فعل کو ضمیر سے ملا دیا۔ ''اَلَّذِیْنَ'' مبتدا ہے اور اس کی خبر ہے ﴿ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ﴾] یہی لوگ حق سے بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں [اور ''ضلال'' کو ''بُعْد'' کے ساتھ موصوف کرنا اسنادِ مجازی میں سے ہے اور حقیقت میں ''بُعْد''' ''ضَآلّ'' (گمراہ) کے لیے ہے کیونکہ وہی گمراہ شخص راہِ حق سے دور ہوتا ہے اس لیے اس کے فعل کو اس کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے جیسے تم کہتے ہو: ''جَدَّ جِدُّهٗ'' اس نے خوب کوشش کی یا مجرور ہے اور ''کَافِرِیْنَ'' کی صفت ہے یا مخصوص بالذم کی بناء پر منصوب ہے یا مرفوع ہے' میری مراد ''اَلَّذِیْنَ'' پر ہے یا ''هُمُ الَّذِیْنَ'' ہے]۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ؕ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۴ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی اپنی قوم کی زبان میں تاکہ وہ ان کے لیے (احکامِ دین) کھول کر بیان کرے' پھر اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہی پر ڈال دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت دے دیتا ہے' اور وہ سب پر غالب ہے بڑی حکمت والا ہے○ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں' اور ان کو اللہ کے مخصوص دنوں کی یاد دہانی کرائیں' بے شک ان دنوں میں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے نشانیاں ہیں○

٤۔﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ ﴾ اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں (یعنی) مگر وہ رسول ان کی زبان میں گفتگو کرتا تھا ﴿ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ﴾ تاکہ وہ جس تعلیم کے ساتھ اور جس چیز کے لیے بھیجا گیا ہے اس کو ان لوگوں کے سامنے انہیں کی زبان میں واضح طور پر بیان کر دے' پس ان کے لیے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت باقی نہ رہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے یہ نہ کہہ سکیں کہ جس کے ساتھ ہمیں خطاب کیا گیا ہے ہم اس کو نہیں سمجھ سکے' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہمارے رسولِ اکرم ﷺ تو یقیناً تمام انسانوں کی طرف بھیجے گئے ہیں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا'' (الاعراف:۱۵۸) ''اے محبوب! اعلان فرما دو کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں''۔ بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو تمام انسانوں اور تمام جنات کی طرف ''رَسُوْلُ الثَّقَلَیْنِ'' بنا کر بھیجے گئے ہیں اور ان سب کی زبانیں اور بولیاں مختلف ہیں تو اگر اہل عرب کے پاس حجت نہیں رہے گی تو دوسروں کے لیے حجت ہوگی' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کا نزول دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کو تمام قوموں کی زبانوں میں نازل کیا جاتا جس سے بہت طویل

کتاب بن جاتی یا ان میں سے کسی ایک قوم کی زبان میں نازل کیا جاتا تو پھر اس کو تمام زبانوں میں نازل کرنے کی ضرورت نہ رہتی کیونکہ اس کا ترجمہ ان زبانوں کے قائم مقام ہو جاتا اور طوالت سے بھی کفالت کر جاتا' پس قرآن مجید کا ایک زبان میں نازل ہونا متعین ہو گیا اور آپ کی قوم کی زبان اس کے لیے بہ طریق اولیٰ متعین ہو گی کیونکہ وہ لوگ اپنی زبان کے زیادہ قریب ہیں اور اس لیے بھی کہ اس طرح قرآن تحریف و تبدیلی سے زیادہ دور رہے گا ﴿فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کرتا ہے) جو گمراہی کے سبب کو اختیار کرتا ہے ﴿وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے جو ہدایت کے سبب کو اختیار کر لیتا ہے ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ﴾ اور وہ سب پر غالب ہے لیکن اس کی مشیّت اور ارادے پر کوئی غالب نہیں ہے ﴿الْحَكِيْمُ﴾ وہ بڑا صاحبِ حکمت اور زبردست دانا ہے' سو وہ صرف ذلت کے اہل لوگوں کو رسوا کرتا ہے۔

۵- ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ﴾ اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا (یعنی) نو معجزات دے کر بھیجا گیا ﴿اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ﴾ [اصل میں ''بِاَنْ اَخْرِجْ'' ہے یا ''اَخْرِجْ'' ہے کیونکہ اس ''اِرْسَال'' یعنی بھیجنے میں قول کا معنی شامل ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا ہے اور ہم نے ان سے فرمایا ہے کہ آپ اپنی قوم کو نکال لیجئے ﴿مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ اندھیروں سے روشنی کی طرف ﴿وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ﴾ اور ان کو اللہ تعالیٰ کے دن یاد دلایئے اور ان کو ان مصائب و آلام اور ان حوادثات سے ڈرایئے جو ان سے پہلی امتوں پر پیش آ چکے یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور قومِ عاد اور قومِ ثمود وغیرہ اور انہیں میں سے عرب کے وہ دن ہیں جن میں قتل و غارت اور جنگیں اور لڑائیاں ہوتی رہیں یا پھر انعام و اکرام کے دن مراد ہیں جیسے بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایا کرنا اور ان پر من و سلویٰ کا اترنا اور ان کے لیے دریا کو چیر کر راستے بنانا ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ بے شک ان میں ہر شخص کے لیے قدرتِ الٰہی کی نشانیاں ہیں جو مصیبتوں اور تکلیفوں پر بہت صبر کرنے والا اور عنایات پر بہت شکر گزار ہے' گویا فرمایا: ہر مؤمن کے لیے ان واقعات میں قدرت کی نشانیاں موجود ہیں کیونکہ ایمان کے دو حصے ہیں: ایک حصہ تکلیفوں پر صبر کرنا اور دوسرا حصہ انعامات پر شکر ادا کرنا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تمہیں فرعونیوں سے نجات بخشی وہ تمہیں بہت بُرا عذاب چکھاتے تھے اور وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور وہ تمہاری بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی ○ اور جب تمہارے پروردگار نے اعلان کر دیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں ضرور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک میرا عذاب بڑا سخت ہے ○

٦-﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ﴾ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تمہیں فرعون کی قوم سے نجات دی وہ تمہیں بُرا عذاب دیتے تھے [''اِذْ'' ''نِعْمَةَ'' کا ظرف ہے اور وہ انعام کے معنی میں ہے یعنی جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم پر انعام کیا تھا یہ ''نِعْمَةَ اللّٰهِ'' سے بدلِ اشتمال ہے یعنی تم اپنی نجات کے وقت کو یاد کرو] ﴿ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ ﴾ اور وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے۔ [سورۃ البقرہ میں (واؤ کے بغیر) ''يُذَبِّحُوْنَ'' ہے (آیت:۴۹) اور سورۃ الاعراف میں ''يُقَتِّلُوْنَ'' (آیت:۱۴۱) بغیر واؤ کے ہے اور یہاں واؤ کے ساتھ ہے۔ اصل کلام یہ ہے کہ جہاں واؤ کو چھوڑ دیا گیا ہے وہاں ذبح کرنے کو ''عذاب'' کی تفسیر اور اس کا بیان قرار دیا گیا ہے اور جہاں واؤ کو ثابت رکھا گیا ہے وہاں ذبح کرنے کو ''عذاب'' کی جنس سے زائد قرار دیا گیا ہے گویا وہ دوسری جنس ہے] ﴿ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴾ اور وہ تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی اور ''ذٰلِكُمْ'' سے عذاب بلاء اور مشقت کی طرف اشارہ ہے یا پھر بلاء اور نجات ونعمت (دونوں) کی طرف اشارہ ہے جیسے ارشاد ہے: ''وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً'' (الانبیاء:۳۵) ''اور ہم امتحان لینے کی غرض سے تمہیں بُری اور اچھی چیزوں کے ساتھ آزماتے ہیں''۔

بنی اسرائیل کو نعمتوں پر شکر کرنے کی تلقین اور کفار کے احمقانہ رویے کے باوجود انبیائے کرام کی ہمدردانہ تبلیغ

٧-﴿ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ ﴾ اور جب تمہارے پروردگار نے اعلان فرمایا یعنی آگاہ کر دیا۔ [''تَاَذَّنَ'' اور ''آذَنَ'' کی نظیر ''تَوَعَّدَ'' اور ''اَوْعَدَ'' ہے کہ فلاں شخص نے وعدہ کی خوب یقین دہانی کرائی اور ''تَفَعَّلَ'' میں ''اَفْعَلَ'' سے معنی کا زیادہ ہونا ضروری ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ اور جب تمہارے پروردگار نے خوب زبردست اعلان فرمایا کہ اس کے پاس شک وشبہ ختم ہو گیا اور یہ اعلان بھی انہیں باتوں میں سے ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمائی تھیں [اور یہ جملہ ''نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ'' پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے] گویا فرمایا گیا: اور جب حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اپنے اوپر کی گئی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو اور اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے اعلان فرمایا اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب تمہارے پروردگار نے اعلان کیا اور فرمایا: ﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ ﴾ اے بنی اسرائیل! میں نے تمہیں دشمن سے نجات دینے کی جو نعمت وغیرہ عطا کی ہے اگر تم اس پر شکر ادا کرو گے ﴿ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ﴾ تو میں ضرور نعمت پر نعمت زیادہ کر دوں گا تو شکر کرنا موجودہ نعمت کی قید ہے اور گم شدہ اور غیر موجود نعمت کے لیے شکار ہے اور بعض حضرات نے فرمایا: جب کسی نعمت پر شکر کا نغمہ سنو تو مزید نعمت تیار سمجھو۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم اطاعت میں کوشش کے سبب میرا شکر ادا کرو گے تو میں ثواب میں زیادہ دینے کا اہتمام کروں گا ﴿ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ ﴾ اور میں نے تمہیں جو نعمتیں عطا کی ہیں اگر تم ان پر میری ناشکری کرو گے تو ﴿ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴾ بے شک جس نے میری نعمتوں پر ناشکری کی اس کے لیے میرا عذاب بڑا سخت ہے دنیا میں تو اس سے نعمت چھین لی جائے گی اور آخرت میں مسلسل بُرا عذاب جھیلنا ہوگا۔

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝٨ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ۛ وَالَّذِيْنَ

مع

مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَ قَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ۝۹

اور موسیٰ نے فرمایا: اگر تم اور روئے زمین کے تمام لوگ کفر کرو گے تو بے شک اللہ بے پرواہ ہے تمام تعریفوں کے لائق ہے ۝ کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے حضرت نوح اور عاد اور ثمود کی قوم میں سے تھے اور جو لوگ ان کے بعد ہوئے انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے تھے تو انہوں نے اپنے ہاتھوں کو اپنے مونہوں پر رکھ لیا اور کہا: بے شک تم جو کچھ دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور تم جس چیز کی طرف دعوت دیتے ہو اس کے بارے میں ہم یقیناً سخت گہرے شک میں ہیں ۝

۸- ﴿ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ ﴾ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے بنی اسرائیل! اگر تم کفر اختیار کرلو ﴿ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ﴾ اور روئے زمین کے تمام باشندے (یعنی) تمام انسان کفر اختیار کرلیں ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے شکر سے ضرور بے نیاز و بے پرواہ ہے ﴿ حَمِيْدٌ ﴾ وہ تمام تعریفوں کے لائق ہے اگرچہ تعریف کرنے والے اس کی تعریف نہ بھی کریں اور تم خود اپنے آپ کو نقصان پہنچاؤ گے کیونکہ تم ناشکری کی وجہ سے اس بھلائی سے محروم ہو جاؤ گے جو تمہارے لیے بہت ضروری ہے۔

۹- ﴿ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴾ کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد کی اور ثمود کی قوم گزر چکی ہیں۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے کلام ہے یا پھر سرورِ کونین رسولِ ثقلین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے زمانے کے لوگوں کے لیے خطاب کا آغاز ہو رہا ہے ﴿ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ اور وہ لوگ جو ان کے بعد ہوئے انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ [یہ جملہ مبتدا خبر ہے جو معترضہ واقع ہوا ہے یا "اَلَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ" پر معطوف ہے اور "لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ" جملہ معترضہ ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ لوگ اتنے زیادہ ہیں کہ ان کی تعداد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا] اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جناب عدنان سے لے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام تک درمیان میں تیس پشتیں ہیں لیکن ان کی تفصیل کو صحیح طرح لوگ نہیں جانتے اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیتِ مبارکہ کے نزول کے وقت ارشاد فرمایا کہ نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا ہے[1] ﴿ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر تشریف لائے ﴿ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ ﴾ تو انہوں نے اپنے ہاتھوں کو ان کے مونہوں پر رکھ دیا۔ ["اَيْدِيَهُمْ" اور "فِيْ اَفْوَاهِهِمْ" کی دونوں ضمیریں کفار کی طرف لوٹتی ہیں] یعنی انہوں نے تعجب کے طور پر اپنی انگلیوں کو اپنے دانتوں سے پکڑ لیا یا انہوں نے غصے کی وجہ سے اپنی انگلیوں کو اپنے دانتوں سے چبایا یا پھر دوسری ضمیر (یعنی "فِيْ اَفْوَاهِهِمْ" کی) انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف لوٹتی ہے یعنی کافروں کی قوم اپنے ہاتھ رسولوں کو خاموش کرنے کے لیے ان کے مونہوں کی طرف لے گئی تاکہ جس کے ساتھ انہیں بھیجا گیا ہے اس کو بیان نہ کرسکیں ﴿ وَقَالُوْٓا اِنَّا

[1] رواہ ابن سعد فی الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۵۶ 'رواہ ابن جریر فی تفسیرہ ج ۱۳ ص ۱۸۷

کَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَیْهِ ﴾ اور انہوں نے کہا کہ جس کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کو نہیں مانتے اور جس کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کو واحد لاشریک مانو اس کے بارے میں تو ہم یقیناً ایسے شک میں مبتلا ہیں ﴿ مُرِیْبٍ ﴾ جو دلوں کو مضطرب و بے قرار کرنے والا سخت گہرا شک ہے۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَدْعُوْكُمْ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ⑩

ان کے رسولوں نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے وہ تمہیں بلاتا ہے تا کہ تمہارے گناہوں کو بخش دے اور تمہیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دے دے کافروں نے کہا کہ تم تو صرف ہماری طرح انسان ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں اس سے روک دو جس کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے سو تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لے کر آؤ○

۱۰۔﴿ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ ﴾ ان کے رسولوں نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے؟[ہمزہ ظرف پر انکار کے لیے داخل کیا گیا ہے کیونکہ گفتگو شک میں نہیں ہو رہی بلکہ وہ تو مشکوک فیہ میں ہو رہی ہے اور وہ شک وشبہ کا بالکل احتمال نہیں رکھتا کیونکہ اس کی ذاتِ اقدس پر دلائل ظاہر و عیاں ہیں اور یہ ان کے قول ''وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ'' کا جواب ہے] ﴿ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَدْعُوْكُمْ ﴾ وہ تمام آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے وہ تو تمہیں ایمان کی دعوت دیتا ہے ﴿ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ ﴾ تا کہ جب تم ایمان لے آؤ تو وہ تمہارے گناہ بخش دے [اور حرف ''مِنْ'' صرف کفار کے خطاب میں آتا ہے] جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَاتَّقُوْهُ وَاَطِیْعُوْنِ○ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ''. (نوح:۳۔۴) ''اور تم اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو○ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا''۔ نیز ارشاد ہے: ''یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ''. (الاحقاف:۳۱) ''اے ہماری قوم! اللہ تعالیٰ کی جانب بلانے والے کی دعوت کو قبول کرو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا''۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے خطاب میں ارشاد فرمایا: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○'' (الصف:۱۰۔۱۲) ''اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے دے○ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو○'' ''یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ'' وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور وہ تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی اور ہمیشہ کے باغات میں نہایت عمدہ اور پاکیزہ محلات ہوں گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے○ (الصف:۱۰۔۱۲)[اس میں حرف ''مِنْ'' کے بغیر ''یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ'' ہے ''مِنْ ذُنُوْبِكُمْ'' نہیں ہے اور اس کے علاوہ بھی تلاش کرنے پر اور آیات سے معلوم کیا جا سکتا ہے اور یہ دونوں خطابوں کے درمیان فرق کرنے کے لیے کیا گیا ہے] اور تا کہ قیامت کے دن دونوں فریقوں (مسلمانوں اور کافروں) کے درمیان برابری نہ ہو جائے ﴿ وَیُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ﴾ اور تا کہ اللہ تعالیٰ ایک مقررہ وقت تک تمہیں

مہلت دے دے ایسے وقت تک جس کا اللہ تعالیٰ ذکر فرما چکا ہے اور اس کی مقدار بیان کر چکا ہے ﴿قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ کافروں کی قوم نے کہا: تم نہیں ہو مگر ہماری طرح بشر ہمارے اور تمہارے درمیان فضیلت کی کوئی چیز نہیں ہے اور تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے' لہٰذا ہمیں چھوڑ کر تمہیں نبوت کے ساتھ کیوں مخصوص کیا جاتا ہے؟ ﴿تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ تم ہمیں ان سے روکنا چاہتے ہو جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے رہے تھے یعنی تم بتوں کی پرستش سے روکنا چاہتے ہو ﴿فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ سو تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لاؤ حالانکہ ان کے رسول واضح اور روشن دلیلیں اور معجزات ان کے سامنے پیش کر چکے تھے اور واضح دلیل سے ان کی مراد وہ معجزہ تھا جو انہوں نے صرف تعصب وعناد اور عداوت ودشمنی کے طور پر طلب کیا تھا۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ⑫ ع

ان سے ان کے رسولوں نے فرمایا کہ ہم تمہاری ہی طرح انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے' اور ہماری یہ شان نہیں کہ ہم اللہ کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس کوئی معجزہ لے کر آئیں' اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے ○ اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ پر بھروسا نہ کریں اور یقیناً اسی نے ہمیں ہماری ہدایت کی راہیں دکھلائی ہیں' اور تم ہمیں جو بھی دکھ دو گے ہم اس پر ضرور صبر کریں گے' اور بھروسا کرنے والوں کو صرف اللہ پر بھروسا کرنا چاہیے ○

١١- ﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ ان سے ان کے رسولوں نے فرمایا کہ ہم تو تمہاری طرح انسان ہی ہیں (ہم فرشتوں اور جنوں کی انواع سے نہیں ہیں) انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تسلیم کیا کہ وہ حضرات بھی انہی کی طرح ہیں تو انسان ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اسے ایمان اور نبوت عطا فرما کر اس پر احسان فرماتا ہے (جس کی وجہ سے وہ بندہ دوسروں سے ممتاز وافضل ہو جاتا ہے) جیسا کہ اس نے ہم پر احسان فرمایا ﴿وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اور ہماری یہ شان نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس کوئی معجزہ لا کر دکھائیں۔ یہ دراصل کافروں کے قول (فَاْتُوْا بِسُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ) کا جواب ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس معجزے کا تم نے مطالبہ کیا ہے وہ ہمارے سپرد نہیں ہے اور نہ ہمارے اختیار میں ہے بلکہ وہ یقیناً ایک ایسا عمل ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور اس کے ارادے کے ساتھ متعلق ہے ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں سے تمام مسلمانوں کو توکل اختیار کرنے کا حکم دیا اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلے توکل کے لیے اپنی جانوں کا قصد فرمایا' گویا انہوں نے فرمایا کہ ہمارا فرض ہے کہ تمہارے عناد وبغض پر اور تمہاری عداوت ودشمنی پر صبر کرتے ہوئے ہم صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا کریں' کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل) ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے؟

۱۲- ﴿وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسا نہ کریں' اس کا معنی یہ ہے کہ ہمارے پاس کون سا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسا اور توکل نہ کریں حالانکہ اس نے ہم پر اتنا بڑا احسان فرمایا ہے جو ہم پر واجب کرتا ہے کہ ہم اس پر بھروسا کریں ﴿وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا﴾ اور بے شک اسی نے ہمیں ہمارے راستے کی رہ نمائی فرمائی اور اسی نے ہم میں سے ہر ایک کو اپنے راستے کی ہدایت کی توفیق عنایت فرمائی' جس راستے پر دین میں چلنا واجب ہے۔ حضرت ابوتراب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ توکل یہ ہے کہ بدن کو عبودیت میں لگا دینا اور دل کو ربوبیت میں مشغول رکھنا اور عطاء و بخشش پر شکر ادا کرنا اور مصیبت کے وقت صبر کرنا ﴿وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا﴾ اور تم جو اذیتیں اور تکلیفیں ہمیں دو گے ہم ان پر ضرور صبر کریں گے۔[یہ پوشیدہ قسم کا جواب ہے] یعنی انبیائے کرام علیہم السلام نے ان کی تکلیفوں پر صبر کرنے کی قسم کھائی اور یہ کہ وہ ان کو اسلام کی دعوت دینے سے نہیں رکیں گے ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ اور بھروسا کرنے والے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھتے ہیں یعنی توکل کرنے والے اپنے توکل پر ثابت قدم رہتے ہیں تاکہ تکرار نہ ہو جائے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱٤﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱٦﴾

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا: ہم ضرور تمہیں اپنے علاقے سے نکال دیں گے یا تم لازمی طور پر ہمارے دین میں لوٹ آؤ' تو ان کے رب نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ضرور ظالموں کو ہلاک کر دیں گے O اور ہم ان کے بعد اس علاقہ میں ضرور تمہیں آباد کریں گے' یہ وعدہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو میری بارگاہ میں کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور میرے عذاب سے خوف زدہ رہا O اور انہوں نے فتح و نصرت کو طلب کیا اور ہر سرکش و عناد رکھنے والا ناکام ہوا O اس کے پیچھے دوزخ ہے اور ان کو پیپ کا پانی پلایا جائے گا O

کافروں کے دھمکانے پر رسولوں کو تسلی بخش خوشخبری اور کفار کا عبرت ناک انجام

۱۳- ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ﴾ [ابوعمرو کی قراءت میں "وَقَدْ هَدٰنَا سُبْلَنَا" میں "با" ساکن کر کے "سُبْلَنَا" اور "لِرُسْلِهِمْ" میں سین ساکن کر کے "لِرُسْلِهِمْ" پڑھا گیا ہے] اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ﴿لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ﴾ ہم اپنی سرزمین یعنی اپنے شہروں اور علاقوں سے تمہیں ضرور نکال دیں گے ﴿اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا﴾ یا تم ضرور بہ ضرور ہمارے مذہب میں واپس لوٹ آؤ یعنی دو کاموں میں سے ایک کام ضرور ہوگا' تمہیں نکال دینا یا پھر واپس لوٹ آنا اور انہوں نے اس پر قسم کھائی تھی اور "عـود" کا معنی ہے: واپس ہونا اور یہ عرب کے کلام میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے یا انہوں نے ہر رسول کو اور اس پر ایمان لانے والے کو اس کے ساتھ مخاطب کیا' پھر خطاب میں جماعت کو واحد پر غلبہ دے دیا گیا ﴿فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ تو ان رسولوں کی طرف ان کے رب تعالیٰ نے وحی بھیجی اور فرمایا کہ میں ظالموں کو ضرور ہلاک کروں گا۔ یہاں قول پوشیدہ ہے یا وحی کرنے کو قول کا قائم مقام کر دیا گیا ہے

کیونکہ وحی بھی قول کی ایک قسم ہے۔

۱۴۔﴿وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ اور ان کے بعد اس سرزمین پر ہم تمہیں ضرور آباد کریں گے یعنی ظالموں کی سرزمین اور ان کے گھروں میں تمہیں آباد کیا جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی پڑوسی کو اذیت و تکلیف پہنچائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اسی پڑوسی کو اس کے گھر کا وارث بنا دے گا ﴿ذٰلِكَ﴾ ظالموں کو ہلاک کرنا اور مظلوموں کو ان کی جگہ آباد کرنا یعنی یہ معاملہ برحق ہے ﴿لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ﴾ اس کے لیے جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا (یعنی) میرا موقف اور وہ موقفِ حساب ہے یا مقام زائد ہے (اصل میں ''لِمَنْ خَافَنِيْ'' ہے' جو مجھ سے ڈرتا رہا) یا وہ علم کے ساتھ میری نگرانی سے ڈر گیا جیسا کہ ارشاد ہے: ''اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ'' (الرعد: ۳۳) ''تو کیا جو ہر شخص پر نگران ہے جو کچھ اس نے کمایا''۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک یہ پرہیزگاروں اور خوفِ خدا رکھنے والوں کے لیے حق ہے ﴿وَخَافَ وَعِيْدِ﴾ اور وہ میرے عذاب سے ڈر گیا [قاری یعقوب کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''وَعِيْدِيْ'' ہے]۔

۱۵۔﴿وَاسْتَفْتَحُوْا﴾ اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دشمنوں کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی اور اس سے فتح و نصرت طلب کی [اور یہ ''اَوْحٰى اِلَيْهِمْ'' پر معطوف ہے] ﴿وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ﴾ اور ہر سرکش ناکام ہوا اور ہر متکبر' اکڑنے والا نامراد ہوا ﴿عَنِيْدٍ﴾ حق سے کنارہ کشی کرنے والا اور اس کا معنی یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مدد کی گئی اور وہ کامیاب و کامران ہو گئے اور ہر سرکش و ہٹ دھرم اور حق کا دشمن ناکام و نامراد ہو گیا اور وہ ان کی قوم کے لوگ تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''وَاسْتَفْتَحُوْا'' کی ضمیر کفار کی طرف لوٹتی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کفار نے اپنی طرف سے یہ گمان کر کے کہ وہ حق پر ہیں اور رسول باطل پر ہیں (نعوذ باللّٰه من ذالك) اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت طلب کی اور ان میں سے ہر بڑا سرکش و معاند ناکام و نامراد ہوا اور فتح طلب کرنے کے باوجود کامیاب و کامران نہ ہو سکا۔

۱۶۔﴿مِّنْ وَّرَآئِهٖ﴾ اس کے پیچھے' اس کے آگے ﴿جَهَنَّمُ﴾ دوزخ ہوگی اور یہ ہر سرکش' ضدی' ہٹ دھرم' متکبر کے حال کا وصف بیان ہوا ہے اور یہ اس کا دنیا میں حال ہے کیونکہ وہ اسی دنیا میں دوزخ کے لیے نامزد ہو گیا ہے تو گویا جہنم اس کے آگے ہے اور وہ اس کے کنارے پر پہنچ چکا ہے یا یہ آخرت میں اس کے حال کا وصف بیان ہوا ہے' جب وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور حساب و کتاب کے لیے موقف پر کھڑا کیا جائے گا ﴿وَيُسْقٰى﴾ [یہ محذوف پر معطوف ہے] جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ اس کے پیچھے دوزخ ہوگی جس میں دوزخیوں کو ڈالا جائے گا اور انہیں دوزخ میں پلایا جائے گا ﴿مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ﴾ پیپ کا پانی' جو دوزخیوں کے چمڑوں سے بہے گا [اور ''صَدِيْدٍ''، ''مَآءٍ'' کا عطف بیان ہے کیونکہ ''مَآءٍ'' (پانی) مبہم اور غیر واضح ہے تو ''صَدِيْدٍ'' سے اس کی وضاحت کر دی گئی ہے]۔

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ

يُّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ وَيَاۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ﴿۱۹﴾

وہ اس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پئے گا اور وہ اس کو پی نہیں سکے گا اور ہر طرف سے اس پر موت آئے گی اور وہ مر نہیں سکے گا' اور اس کے پیچھے سخت ترین عذاب ہوگا O جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ان کے اعمال کی مثال اس راکھ کی طرح ہے جس کو آندھی کے دن تیز ہوا نے بکھیر دیا' انہوں نے جو کچھ کمایا اس میں سے کسی چیز کو وہ حاصل نہیں کر سکیں گے' یہ انتہائی دور کی گمراہی ہے O کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے تمام آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے؟ اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے O

۱۷- ﴿يَّتَجَرَّعُهٗ﴾ وہ اسے گھونٹ گھونٹ کر کے پئے گا ﴿وَلَا يَكَادُ يُسِيۡغُهٗ﴾ اور وہ اس کو آسانی سے نہیں پی سکے گا اور نہ قریب ہے کہ وہ اس کو پی سکے تو آسانی سے کیسے پی سکے گا جیسا کہ ارشاد ہے: ''لَمۡ يَكَدۡ يَرٰهَا'' (النور: ۴۰) ''وہ اسے کچھ نہیں دکھائی دیتا''۔ یعنی وہ دیکھنے کے قریب ہی نہیں تو وہ اسے کیسے دیکھ سکے گا ﴿وَيَاۡتِيۡهِ الۡمَوۡتُ مِنۡ كُلِّ مَكَانٍ﴾ اور اس پر ہر جگہ سے موت آئے گی یعنی موت کے اسباب ہر طرف سے اس پر آن پہنچیں گے یا یہ معنی ہے: اس کے جسم کے ہر ایک جوڑ اور ہر جگہ سے اس پر موت طاری ہوگی اور یہ دراصل بندے کو ڈرانا اور قیامت کی ہولناکی بیان کرنا مقصود ہے کہ جب موت اس کے جسم کے ہر بال اور پور پور پر طاری ہوگی اور روح جسم کے ذرے ذرے سے نکلے گی تو اس کو کس قدر اذیت و تکلیف پہنچے گی یعنی اگر وہاں (قیامت میں) موت ہوتی تو کافروں میں سے ہر کوئی ہلاک ہو جاتا ﴿وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ﴾ اور وہ مرے گا نہیں کیونکہ کافر کو موت آ جائے تو عذاب سے نجات پا لے گا ﴿وَمِنۡ وَّرَآئِهٖ﴾ اور اس کے پیچھے اور اس کے آگے (ہر طرف سے) ﴿عَذَابٌ غَلِيۡظٌ﴾ سخت ترین غلیظ عذاب ہوگا یعنی ہر وقت اس پر عذاب نازل ہوتا رہے گا اور ہر آنے والا عذاب پہلے سے زیادہ سخت ترین اور غلیظ ترین ہوگا اور حضرت قاضی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ وہ عذاب یہ ہوگا کہ ان کی سانسیں توڑ دی جائیں گی اور ان سانسوں کو اجسام میں بند کر دیا جائے گا (جس کی وجہ سے کفار سانس نہیں لے سکیں گے)۔

۱۸- ﴿مَثَلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ﴾ ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا۔ [یہ مبتدا ہے' اس کی خبر محذوف ہے' اصل میں ''فِيۡمَا يُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ'' ہے] یعنی کافروں کی مثال تم پر تلاوت کی جاتی ہے اور مثال اس صفت کی بیان کی جاتی ہے جو انوکھی اور نرالی ہو اور ارشادِ باری تعالیٰ ''اَعۡمَالُهُمۡ كَرَمَادٍ''۔ ایک الگ مستقل جملہ ہے جو مقدر سوال کا جواب ہے گویا کسی سائل نے کہا کہ ان کی مثال کیسی ہے؟ تو جواب میں فرمایا گیا: ﴿اَعۡمَالُهُمۡ كَرَمَادِ ۨاشۡتَدَّتۡ بِهِ الرِّيۡحُ﴾ ان کے اعمال ایسی راکھ کی طرح ہیں جس کو تیز ہوا نے اڑا کر بکھیر دیا ہو۔ [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''الرِّيَاحُ'' ہے] ﴿فِيۡ يَوۡمٍ عَاصِفٍ﴾ سخت آندھی کے دن میں۔ [''عصف'' کو ''یوم'' کی صفت اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ ''یوم'' اس کے لیے ظرف ہے اور ''عصف'' کا معنی آندھی ہے جیسے یہ قول ہے: ''يَوۡمٌ مَاطِرٌ'' بارش کا دن' اور کفار کے اچھے اعمال جیسے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا اور غلاموں کو آزاد کرنا اور قیدیوں کو رہا کرانا اور مہمانوں کے لیے اونٹ ذبح کرنا وغیرہ یہ تمام اعمالِ خیر ضائع ہونے میں بغیر بنیاد کے تعمیر کردہ عمارت کے مشابہ ہیں' نیز وہ راکھ کی طرح ہیں جس کو تیز آندھی نے اڑا کر بکھیر دیا ہو اور وہ بنیاد و اساس اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا ہے ﴿لَا يَقۡدِرُوۡنَ مِمَّا كَسَبُوۡا عَلٰى شَيۡءٍ﴾ انہوں نے جو اعمال کمائے ان میں سے وہ قیامت کے دن کچھ نہیں پا سکیں گے یعنی وہ ثواب میں سے کوئی حصہ وغیرہ نہیں

دیکھیں گے جیسے ہوا میں بکھیری گئی راکھ میں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا ﴿ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ﴾ یہی بہت دور کی گمراہی ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ راہِ حق سے یا اجر وثواب سے بہت دور گمراہی میں جا پڑے ہیں۔

۱۹- ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ [یہ بہ معنیٰ ''اَلَمْ تَعْلَمْ'' ہے] یعنی کیا تمہیں معلوم نہیں؟ یہ ہر انسان کو خطاب ہے ﴿اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے۔ [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں مضاف کے ساتھ ''خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' ہے] ﴿بِالْحَقِّ﴾ حکمتِ بالغہ اور امر عظیم کے ساتھ (پیدا فرمایا ہے) اور ان کو بے فائدہ اور بے کار پیدا نہیں فرمایا ﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں لے جائے اور (تمہاری جگہ) نئی مخلوق لے آئے یعنی وہ اس پر قادر ہے کہ موجودہ لوگوں کو فنا کر کے ختم کر دے اور ان کی جگہ انہی کی شکل وصورت میں ایک دوسری مخلوق پیدا فرما دے یا پھر پہلی مخلوق سے مختلف شکل وصورت میں پیدا فرما دے' محض یہ بتانے کے لیے کہ وہ موجود کو معدوم اور نیست ونابود کرنے اور معدوم وغیر موجود کے ایجاد و پیدا کرنے پر قادر ہے۔

وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿٢٠﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٢١﴾

اور یہ اللہ تعالیٰ پر کوئی مشکل نہیں O اور وہ تمام لوگ اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے تو کمزور اپنے بڑوں سے کہیں گے: بے شک ہم تمہاری پیروی کرتے تھے تو کیا تم اللہ کے عذاب سے ہمیں بچا سکتے ہو؟ وہ کہیں گے: اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم ضرور تمہیں ہدایت دیتے' اب ہمارے لیے برابر ہے کہ گھبرائیں یا ہم صبر کریں ہمارے لیے کوئی جائے فرار نہیں ہے O

۲۰- ﴿وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ﴾ اور یہ کام کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی متعذر و مشکل نہیں۔

۲۱- ﴿وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ اور سب لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور اس کو لفظ ماضی سے محض اس لیے لایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے یہ خبر دی ہے کہ یہ پروگرام سچا ہے' ایسا ضرور ہوگا' بلکہ گویا یہ ہو چکا ہے اور موجود ہے اور اسی طرح یہ (درج ذیل) ارشاد ہے: ''وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ'' (الاعراف:۴۴) ''اور جنتی حضرات پکاریں گے''۔ ''وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ'' (الاعراف:۵۰) ''اور جہنمی لوگ پکاریں گے''۔ اور اس کے علاوہ بھی کئی آیات میں مستقبل کے لیے لفظ ماضی استعمال کیا گیا ہے اور ''بَرَزُوْا لِلّٰهِ'' کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن بھی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مخفی اور پوشیدہ نہیں رہے گی' یہاں تک کہ ہر چیز اس کے سامنے ظاہر اور حاضر ہو جائے گی' بے شک یہ لوگ بے حیائی کے کاموں کے ارتکاب کے وقت نگاہوں سے چھپتے پھرتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ کام اللہ تعالیٰ سے مخفی اور پوشیدہ ہے لیکن جب قیامت کا دن ہوگا تو یہ تمام لوگ اپنے جسموں کے ساتھ ظاہر ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے اور جان لیں گے کہ بے شک کوئی چھپنے والی چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے پوشیدہ نہیں یا پھر جب قبروں سے اُٹھ کر نکلیں گے تو اللہ تعالیٰ کے حساب اور اس کے حکم کے لیے سب ظاہر ہو جائیں گے ﴿فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا﴾ پس کمزور لوگ یعنی رائے میں کمزور لوگ

کہیں گے اور وہ ادنیٰ درجے کے گھٹیا لوگ ہوں گے اور سرداروں کی پیروی کرنے والے لوگ ہوں گے [اور "الضُّعَفٰٓؤُ" میں ہمزہ سے پہلے واؤ کو اس لیے لکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ ہمزہ سے پہلے الف کو پُر کر کے واؤ کی طرف اس کو مائل کرتے ہیں] ﴿لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا﴾ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے تکبر کیا تھا اور ان سے قوم کے چودھری اور سردار مراد ہیں' پس جنہوں نے قوم کے عوام اور کمزور لوگوں کو بہکایا اور ان کو انبیائے کرام علیہم السلام کی بات سننے اور ان کی پیروی کرنے سے منع کیا تھا ﴿اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا﴾ بے شک ہم تمہارے تابع اور پیروکار تھے۔ ["تَابِعٌ" کی جمع "تَبَعٌ" ہے' جیسے "خَادِمٌ" کی "خَدَمٌ" ہے اور "غَائِبٌ" کی "غَيَبٌ" ہے یا پھر "ذُوْ تَبَعٍ" ہے (پیروی کرنے والے) اور "تَبَعٌ" اتباع کرنا ہے' جیسے کہا جاتا ہے کہ "تَبِعَهٗ تَبَعًا" فلاں آدمی نے اس کی پیروی کی] ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ تو کیا تم لوگ ہمیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کچھ بچا سکتے ہو' سو ہم جس عذاب میں مبتلا ہیں' اس میں سے کچھ دور کرنے پر تم قدرت و اختیار رکھتے ہو [اور اس میں پہلا حرفِ "مِنْ" بیان کے لیے ہے اور دوسرا حرفِ "مِنْ" بعض کے معنی کے لیے ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ کیا تم ہم سے کچھ حصہ جو کہ عذابِ الٰہی ہے دور کر سکتے ہو؟ یا پھر دونوں جگہ حرفِ "مِنْ" بعض کے معنی میں ہے] یعنی تو کیا تم چیز کا بعض حصہ جو کہ عذابِ الٰہی کا بعض ہے' ہم سے دور کر سکتے ہو؟ اور جب کمزور و ادنیٰ عوام کا قول سرداروں کو دھمکانے اور بہکانے پر انہیں ڈانٹنے کے لیے ہوگا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کے سردار اور لیڈر قیامت کے دن انہیں خدا کے عذاب سے بچانے کی قدرت نہیں رکھتے تو ﴿قَالُوْا﴾ ان کے سردار معذرت پیش کرتے ہوئے ان کو جواب میں کہیں گے: ﴿لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ﴾ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم ضرور تمہیں ہدایت دیتے یعنی اگر اللہ تعالیٰ دنیا میں ایمان کی طرف ہمیں ہدایت دیتا تو ہم ضرور تمہیں ایمان کی طرف ہدایت کرتے یا یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ عذاب سے نجات حاصل کرنے کا راستہ بتا دیتا تو ہم تمہیں ضرور بتا دیتے یعنی ہم عذاب کو تم سے دور کر دیتے اور ہم تمہیں نجات کے راستے پر چلا دیتے جیسا کہ ہم نے تمہیں (دنیا میں) ہلاکت و تباہی کے راستے پر چلایا تھا ﴿سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا﴾ اب ہمارے لیے برابر ہے کہ ہم واویلا کریں' شور مچائیں یا صبر کریں (یعنی) جزع فزع اور واویلا کرنا اور صبر کرنا دونوں ہمارے لیے یکساں غیر مفید ہیں [اور ہمزہ اور "اَمْ" دونوں برابری کے معنی کے لیے ہیں]۔ مروی ہے کہ کفار دوزخ کی آگ میں آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے: آؤ ہم سب مل کر چیخ و پکار اور واویلا کریں' چنانچہ وہ پانچ سو سال تک چیخ و پکار کریں گے مگر ان کی چیخ و پکار انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی' پھر کہیں گے: آؤ ہم سب مل کر صبر کریں' چنانچہ پانچ سو سال تک صبر کریں گے لیکن ان کا صبر بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا' پھر کہیں گے کہ ہم واویلا کریں یا ہم صبر کریں ہمارے لیے دونوں برابر ہیں اور یہ اپنے ماقبل کے ساتھ متصل ہے کیونکہ کمزور پیروکاروں کا اپنے سرداروں کو عتاب کرنا اس سے واویلا کرنا ہوگا جس میں وہ مبتلا ہوں گے تو ان کے سردار جواب میں کہیں گے کہ اب ہم واویلا کریں یا صبر کریں ہمارے لیے برابر ہے' وہ اس قول سے اپنے آپ کو اور اپنے پیروکاروں کو مراد لیں گے کیونکہ وہ سب کے سب گمراہی کے عذاب میں اکٹھے مبتلا ہوں گے' وہ سب اس میں جمع ہو کر کہیں گے کہ اب چیخ و پکار کرنے اور ایک دوسرے کو ڈانٹنے کا کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ صبر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ﴿مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ﴾ اب ہم چیخ و پکار کریں یا صبر کریں ہمیں نہ کوئی بچانے والا ہے اور نہ کوئی یہاں سے نکال کر لے جانے والا ہے اور ممکن ہے کہ یہ کمزور پیروکار' عوام اور متکبر سرداروں کا اکٹھا کلام ہو۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ

فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ؕ اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۲﴾

اور جب فیصلہ ہو جائے گا تو شیطان کہے گا: بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے (بھی) تم سے وعدہ کیا تھا' سو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی' اور میری طرف سے تم پر کوئی دباؤ نہیں تھا مگر میں نے تمہیں دعوت دی تو تم نے میری بات مان لی' سو اب تم مجھے ملامت نہ کرو' اور تم اپنے آپ کو ملامت کرو نہ میں تمہارا فریاد رس ہوں اور نہ تم میرے فریاد رس ہو' بے شک میں اس سے بیزار ہوں جو تم نے اس سے پہلے مجھے شریک بنا لیا تھا' بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے ○

شیطان کے اعلانِ حق پر کفار کی رسوائی اور مسلمانوں کی کامیابی کا بیان

۲۲- ﴿وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ﴾ اور جب تمام معاملات کا فیصلہ ہو جائے گا تو شیطان کہے گا (یعنی) جب جنتیوں کے لیے جنت کا اور جہنمیوں کے لیے جہنم کا فیصلہ ہو جائے گا اور حساب و کتاب سے فراغت ہو جائے گی اور جنتی لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جہنمی جہنم میں داخل ہو جائیں گے اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت شیطان دوزخ کی آگ کے منبر پر خطبہ دینے کے لیے کھڑا ہو جائے گا اور جہنمیوں سے کہے گا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور وہ ہے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا اور اعمال کے مطابق صلہ ملنا' سو اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ آج تمہارے ساتھ پورا کر دیا ﴿وَوَعَدْتُّكُمْ﴾ اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ مرنے کے بعد دوبارہ کوئی زندگی نہیں ہوگی اور نہ حساب و کتاب ہوگا اور نہ جزاء و سزا ہوگی ﴿فَاَخْلَفْتُكُمْ﴾ سو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی (یعنی) میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا ﴿وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ اور مجھے تم پر کوئی تسلط و غلبہ حاصل نہیں تھا ﴿اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ﴾ لیکن میں نے وسوسے اور سبز باغ دکھا کر تمہیں گمراہی کی طرف بلایا تھا [اور یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ دعوت دینا سلطان کی جنس سے نہیں ہے] ﴿فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ﴾ پس تم نے میری بات کو مان لیا اور میری دعوت کو فوراً قبول کر لیا ﴿فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ﴾ تو اب تم مجھے ملامت نہ کرو اس لیے کہ جو شخص انسانوں کی عداوت و دشمنی کے لیے پیدا ہوا ہے وہ جب کسی انسان کو بُرے کام کی طرف بلائے گا تو اسے ملامت نہیں کی جائے گی' اس کے باوجود کہ خدائے رحمٰن تم سے یقیناً فرما چکا ہے کہ "لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ" (الاعراف: ۲۷) "شیطان تمہیں کسی فتنے میں نہ ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا تھا"۔ ﴿وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ﴾ اور تم اپنے آپ کو ملامت کرو کیونکہ تم نے بغیر برہان اور دلیل کے بلا سوچے سمجھے میری پیروی اختیار کر لی تھی اور معتزلہ نے کہا کہ یہ آیتِ مبارکہ دلیل ہے کہ انسان شقاوت یا سعادت حاصل کرنے میں خود مختار ہے اور وہ اس میں کسی ایک کو اپنے لیے خود حاصل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف انسان میں عمل کی قدرت پیدا کرنا ہوتی ہے اور شیطان کی طرف سے صرف بُرے عمل کو خوشنما بنانا ہوتا ہے لیکن معتزلہ کا یہ قول باطل ہے کیونکہ ارشاد ہے: "لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَیْنٰكُمْ" (ابراہیم: ۲۱) اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تمہیں ضرور ہدایت دیتے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ﴿مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ﴾ میں تمہارا فریاد رس نہیں ہوں اور تم میرے فریاد رس نہیں ہو' لہٰذا ہم ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتے اور نہ ایک دوسرے

کی مدد کر سکتے ہیں اور ''اِصْرَاخ'' کا معنی ہے: فریاد رسی کرنا اور مدد کرنا۔ [قاری حمزہ کی قراءت میں ''خا'' کی اتباع میں ''یا'' مکسور ہے جب کہ دوسروں کی قراءت میں ''یَا'' مفتوح ہے تا کہ دو کسروں کے بعد ایک کسرہ اور دو ''یَا'' کا اجتماع لازم نہ آ جائے اور یہ ''مُصْرِخٌ'' کی جمع ہے پس پہلی ''یَا'' جمع کی ہے دوسری ''یَا'' ضمیر متکلم ہے] ﴿اِنِّیْ کَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَکْتُمُوْنِ﴾ بے شک میں اس سے بیزار ہوں جو تم نے مجھے شریک بنالیا تھا۔ [قاری ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''یَا'' کے ساتھ ''اَشْرَکْتُمُوْنِیْ'' ہے اور ''مَا'' مصدریہ ہے] ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ [یہ ''اَشْرَکْتُمُوْنِیْ'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی آج کے دن سے پہلے دنیا میں جو تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنالیا تھا میں آج اس سے بیزار ہو چکا ہوں' جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکْفُرُوْنَ بِشِرْکِکُمْ'' (الفاطر:١٤) ''اور وہ (بت) قیامت کے دن تمہارے شرک سے منکر ہو جائیں گے''۔ بت پرستوں کے شریک بنانے سے بتوں کے کفر کا معنی اس سے بیزاری کا اظہار کرنا اور شرک سے انکار کرنا مقصود ہے' جیسے ارشاد ہے: ''اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْکُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کَفَرْنَا بِکُمْ''. (الممتحنہ:٤) ''بے شک ہم تم سے اور ان سے جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو بیزار ہیں' ہم تمہارے منکر ہیں''۔ [یا پھر ''مِنْ قَبْلُ''' ''کَفَرْتُ'' کے ساتھ متعلق ہے اور ''مَا'' موصولہ ہے] یعنی میں اس سے پہلے اس وقت سے بیزار ہوں جب میں نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا' اس لیے کہ تم نے مجھے اس کا شریک بنالیا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ عزوجل ہے' جیسے کہو: ''اَشْرَکَنِیْ فُلَانٌ'' یعنی فلاں آدمی نے مجھے اس کا شریک ٹھہرالیا ہے اور ان کا شیطان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانے کا یہ معنی ہے کہ انہوں نے ان تمام اُمور میں شیطان کی اطاعت اختیار کر لی جو وہ ان کی نگاہوں میں بت پرستی کے بارے میں خوشنما و خوبصورت بنا دیتا تھا اور یہ شیطان کی آخری بات ہے اور درج ذیل اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے کہ ﴿اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے اور بعض نے کہا کہ یہ ابلیس ملعون کے کلام کا تتمہ ہے اور اللہ عزوجل نے محض حکایت کے طور پر اس کو بیان فرما دیا جو شیطان کافروں سے اس وقت (قیامت کے دن) کہے گا تا کہ سننے والوں پر لطف و کرم ہو جائے کہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں۔

وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا بِاِذْنِ رَبِّہِمْ ؕ تَحِیَّتُہُمْ فِیْہَا سَلٰمٌ ﴿٢٣﴾ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُہَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُہَا فِی السَّمَآءِ ﴿٢٤﴾ تُؤْتِیْۤ اُکُلَہَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّہَا ؕ وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّہُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ﴿٢٥﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ ایسی بہشتوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ اپنے رب کے حکم سے ان میں ہمیشہ رہیں گے' اس میں ان کی باہمی ملاقاتی دعا سلام ہو گی O کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاک کلمہ کی کیسی مثال بیان کی جیسے پاک درخت جس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں (پہنچی ہوئی) ہیں O وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دیتا رہتا ہے' اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں O

۲۳-﴿ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' انہیں ایسی جنتوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے [اس کا ''بَرَزُوْا'' پر عطف ہے] ﴿ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ﴾ اپنے پروردگار کے حکم سے۔[یہ ''اُدْخِلَ'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی فرشتے انہیں اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اس کے حکم سے جنت میں داخل کریں گے ﴿ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴾ اس میں ان کی ملاقات کی دعا سلام کرنا ہوگی (یعنی) جنت میں جنتی لوگ ایک دوسرے سے ملتے وقت آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے یا جنت میں جنتی لوگوں کو فرشتے سلام کریں گے۔

کلمۂ توحید کی شان اور قبر کے ثواب وعذاب کا ثبوت

۲۴-﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا ﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مثال بیان فرمائی ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف کی اور اس کو وضاحت سے بیان فرمایا ﴿ كَلِمَةً طَيِّبَةً ﴾ پاکیزہ کلمہ کی۔[یہ پوشیدہ فعل کی وجہ سے منصوب ہے ''اَیْ جَعَلَ كَلِمَةً طَيِّبَةً'' یعنی اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کلمہ کو قرار دیا] ﴿ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ ﴾ پاکیزہ درخت کی طرح اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد (ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا) کی تفسیر وتشریح ہے' جیسے کہا جاتا ہے: امیر نے زید کو معزز بنایا کہ اس کو شاہی پوشاک پہنائی اور اس کو گھوڑے پر سوار کیا [یا ''مَثَلًا'' اور ''كَلِمَةً''، ''ضَرَبَ'' کی وجہ سے منصوب ہیں۔ ''اَیْ ضَرَبَ كَلِمَةً طَيِّبَةً مَثَلًا''. یعنی اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کلمہ کی مثال بیان فرمائی ہے یعنی اس کو مثال قرار دیا' پھر ارشاد فرمایا: ''كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ'' اس بناء پر کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ''اَیْ هِيَ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ'' یعنی یہ پاکیزہ کلمہ کی طرح ہے] ﴿ اَصْلُهَا ثَابِتٌ ﴾ اس کی جڑ مضبوط ہے یعنی زمین کی گہرائی میں کہ اس کی جڑیں زمین کی گہرائی میں پھیلی ہوئی ہیں ﴿ وَّفَرْعُهَا ﴾ اور اس کی شاخیں (یعنی) اس کی بلندی اور اس کا سر ﴿ فِي السَّمَآءِ ﴾ آسمان میں پہنچا ہوا ہے اور پاکیزہ کلمہ سے توحید کا کلمہ مراد ہے' جس کی بنیاد دل سے اس کی تصدیق کرنا ہے اور اس کی شاخ زبان سے اقرار کرنا ہے اور اس کا پھل دیگر ارکانِ اسلام (نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ) پر عمل کرنا ہے اور جس طرح درخت درخت ہی رہتا ہے اگر چہ وہ پھل نہ دے' اسی طرح مسلمان اگر چہ عمل نہ بھی کرے (تو کافر نہیں ہو جائے گا بلکہ) مسلمان ہی رہے گا (لیکن گنہگار مسلمان ہوگا) اور درختوں کا مقصد پھل دینا ہوتا ہے اور آگ کا ایندھن صرف وہی درخت بنتے ہیں جو پھل دینے کے موسم میں پھل دینے سے بے وفائی کرتے رہتے ہیں (یعنی پھل نہیں دیتے) اور ہر عمدہ پھل دینے والے درخت کو پھل دار درخت کہا جاتا ہے جیسے کھجور اور انجیر وغیرہ کے درخت اور جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ عمدہ پھل دینے والا پاکیزہ درخت صرف کھجور ہے (کیونکہ اس کا پھل پورا سال استعمال کے قابل رہتا ہے) چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مؤمن کے لیے ایک درخت کی مثال بیان کی ہے تم مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ چنانچہ صحابہ کرام جنگل کے درختوں کے بارے میں سوچنے لگ گئے اور میں اس وقت چھوٹا سا لڑکا تھا اور میرے دل میں خیال آیا کہ وہ درخت کھجور کا درخت ہوگا اور میں نے چاہا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے کہہ دوں کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں چونکہ سب لوگوں میں چھوٹا تھا' اس لیے خاموش رہا یہاں تک کہ سید الانبیاء رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگو! سنو! وہ کھجور کا درخت ہے (جب میں نے اس کے بعد اپنے والد سے ذکر کیا) تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! اگر تم یہ بات اس وقت بتا دیتے تو مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ قیمتی اور زیادہ پیاری لگتی[1]

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ۶۱' مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۱

۲۵-﴿ تُؤْتِیْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ ﴾ وہ اپنا پھل ہر وقت دیتا ہے (یعنی) وہ اپنا پھل ہر اس وقت دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے پھل دینے کے لیے مقرر کیا ہوا ہے ﴿ بِاِذْنِ رَبِّهَا ﴾ اپنے رب کے حکم سے (یعنی) اپنے خالق کی توفیق اور اس کی تخلیق وتکوین سے ﴿ وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں اس لیے کہ مثالوں کے بیان کرنے سے فہم وفراست اور سمجھ زیادہ ہو جاتی ہے اور یاد کرنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے اور معانی کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔

وَ مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِیْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِیْثَةِ اِ۟جْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ۝۲۶ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِۚ وَ یُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ ﲷ وَ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ۠۝۲۷ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ۝۲۸ جَهَنَّمَۚ یَصْلَوْنَهَاؕ وَ بِئْسَ الْقَرَارُ۝۲۹ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِیْرَكُمْ اِلَى النَّارِ۝۳۰

اور ناپاک کلمہ کی مثال ناپاک درخت جیسی ہے جس کو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا ہو اس کے لیے کوئی استحکام نہیں ○ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں حق پر قائم رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر وناشکری میں تبدیل کر دیا اور انہوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں اتار دیا ○ (یعنی) دوزخ میں وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے ○ اور انہوں نے اللہ کے مساوی شریک بنا لیے تا کہ اس کی راہ سے بہکا دیں فرما دیں کہ تم عارضی فائدہ اٹھا لو پھر تم نے دوزخ کی آگ میں جانا ہے ○

۲۶-﴿ وَ مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِیْثَةٍ ﴾ اور ناپاک وگندے کلمہ کی مثال اس سے کفر کا کلمہ مراد ہے ﴿ كَشَجَرَةٍ خَبِیْثَةِ ﴾ ناپاک اور گندے درخت کی طرح ہے۔ اس سے ہر وہ درخت مراد ہے جس کا پھل عمدہ اور پاکیزہ نہ ہو اور حدیث شریف میں ہے کہ بے شک وہ اندرائن (تُمّہ) کا درخت ہے[1] ﴿ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ ﴾ وہ زمین کے اوپر سے اکھیڑ دیا گیا ہے (یعنی) اس کو جڑ سمیت اکھیڑ دیا گیا اور "اجتثاث" کا مطلب ہے: کسی چیز کی جڑ سمیت بیخ کنی کرنا اور یہ "اَصْلُهَا ثَابِتٌ" کے مقابلے میں ہے ﴿ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴾ اس کو زمین پر کسی قسم کا قرار نہیں یعنی استحکام نہیں جیسے کہا جاتا ہے: "قَرَّ الشَّیْءُ قَرَارًا" کہ فلاں چیز خوب مضبوط ہو گئی ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ "ثَبَتَ ثُبُوْتًا" ثابت وقائم ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس قول کو بھی مشابہ قرار دیا جاتا ہے جو کسی دلیل کے ساتھ مضبوط نہ کیا گیا ہو پس وہ مٹنے والا اور قائم نہ رہنے والا ہے۔

۲۷-﴿ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ثابت اور قائم رکھتا ہے یعنی انہیں ہمیشہ حق پر قائم ودائم رکھتا ہے ﴿ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ﴾ قولِ ثابت سے مراد "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کہنا ہے ﴿ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﴾ دنیا کی زندگی میں یہاں تک کہ جب انہیں ان کے دین کے بارے میں آزمائش میں ڈالا گیا تو وہ دین سے نہیں پھرے اور نہ

[1] رواہ الترمذی رقم الحدیث:۳۱۱۹

ان کے قدم ڈگمگائے بلکہ وہ اپنے دین پر اس طرح قائم رہے جس طرح وہ لوگ قائم رہے تھے جن کو ''اصحاب اُخدُود'' نے آزمائش میں ڈال دیا تھا ﴿ وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾ اور آخرت میں' اور جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کو قبر میں نکیرین کے سوالات کے جوابات کی تلقین کرنا اور انہیں حق بات اختیار کرنے کی توفیق دینا مراد ہے' چنانچہ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مؤمن کی روح قبض کرنے کا ذکر کیا اور ارشاد فرمایا کہ پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کی قبر میں بیٹھ جاتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''مَنْ رَّبُّكَ؟ وَمَا دِيْنُكَ؟ وَمَنْ نَّبِيُّكَ؟'' یعنی تیرا رب کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟ تو مسلمان ترتیب وار جوابات دیتے ہوئے کہتا ہے: ''رَبِّیَ اللّٰهُ''. میرا رب اللہ ہے'' وَدِيْنِيَ الْإِسْلَامُ''. اور میرا دین اسلام ہے'' وَنَبِيِّيْ مُحَمَّدٌ ﷺ '' اور میرے نبی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں' سو آسمان سے پکارنے والا پکارے گا کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے' پس اس ارشاد کا یہی مقصد ہے کہ '' يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ''. اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حق بات پر قائم رکھتا ہے' پھر دونوں فرشتے کہتے ہیں کہ تم نے نیک بخت بن کر زندگی گزاری ہے اور تم قابلِ تعریف موت مرے ہو' تم دلہن کی طرح سو جاؤ۔[1] ﴿ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے' سو آزمائش کے موقعوں پر انہیں حق بات پر قائم نہیں رکھتا' چنانچہ سب سے پہلے انہیں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور آخرت میں سب سے زیادہ گمراہ ہوں گے اور سب سے زیادہ پھسلنے والے ہوں گے ﴿ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے' لہٰذا مؤمنوں کو ثابت قدم رکھنے پر اور ظالموں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

کفرانِ نعمت کا وبال اور نماز و سخاوت اور مظاہر قدرتِ الٰہی کا بیان

۲۸- ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ ﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو تبدیل کر دیا یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر کو ﴿ كُفْرًا ﴾ ناشکری میں تبدیل کر دیا کیونکہ اس نعمت پر جو شکر ان پر واجب تھا انہوں نے اس کی جگہ ناشکری کو اختیار کر لیا تو گویا انہوں نے شکر کو ناشکری میں تبدیل کر دیا اور انہوں نے اس کو بدل دیا اور وہ اہل مکہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء سیّد الانام حضرت محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل عزت بخشی' لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس عظیم الشان نعمتِ کبریٰ پر شکر ادا کرنے کی بجائے اس کے ساتھ کفر کیا اور ناشکری کا روّیہ اختیار کر لیا حالانکہ ان پر اس نعمت کا شکر ادا کرنا لازم تھا ﴿ وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴾ اور انہوں نے اپنی قوم کے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر و ناشکری اختیار کرنے میں ان کی پیروی کی تھی ان کو ہلاکت کے گھر میں اتار دیا۔

۲۹- ﴿ جَهَنَّمَ ﴾ یعنی دوزخ میں پہنچا دیا۔ [یہ ''دار البوار'' کا عطف بیان ہے] ﴿ يَصْلَوْنَهَا ﴾ وہ سب اس میں داخل ہوں گے ﴿ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴾ اور دوزخ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

۳۰- ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا ﴾ اور انہوں نے عبادت میں یا نام رکھنے میں اللہ تعالیٰ کے برابر شریک بنا لیے ﴿ لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴾ تاکہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹکا دیں۔ [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''یا'' مفتوح ہے] ﴿ قُلْ تَمَتَّعُوْا ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم دنیا میں کچھ عرصہ کے لیے عیش و عشرت کی زندگی گزار لو اور اس سے مراد ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دینا اور ان کو تنہا کر دینا ہے اور حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تمتع کا مطلب ہے کہ بندہ جہاں تک ہو سکے اپنی خواہشات کو پورا کرلے ﴿ فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴾ پس تم نے دوزخ کی آگ میں جانا ہے

[1] رواہ احمد ج ۴ ص ۲۸۷' ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۵۳' الترمذی فی کتاب الجنائز باب: ۷۰

(یعنی) تمہیں اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿٣١﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿٣٢﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿٣٣﴾

(اے محبوب!) میرے ان بندوں سے فرمایئے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ نماز قائم کریں اور ہم نے انہیں جو رزق دیا ہے وہ اس میں سے چھپا کر اور علانیہ خرچ کیا کریں اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید وفروخت ہو گی اور نہ دوستی کام آئے گی O اللہ وہ ہے جس نے تمام آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اس نے آسمان سے پانی برسایا' پھر اس کے ذریعے پھلوں میں سے تمہارے لیے رزق پیدا فرمایا' اور کشتیوں کو تمہارے تابع کر دیا تا کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی رہیں' اور اس نے دریاؤں کو تمہارے بس میں کر دیا O اور اس نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے فرماں بردار بنا دیا وہ ہمیشہ رواں دواں رہتے ہیں' اور اس نے رات اور دن کو تمہارے لیے اطاعت گزار بنا دیا O

٣١- ﴿قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے محبوب! آپ میرے ان بندوں سے فرما دیں جو ایمان لے آئے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اضافت کے ذریعے بندوں کو مخصوص فرما کر ان کو بہت بڑا اعزاز وشرف عطا فرمایا ہے۔[ابن عامر شامی' حمزہ' علی کسائی اور اعشیٰ کی قراءت میں ''یا'' ساکن ہے] ﴿يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ﴾ وہ نماز قائم کریں اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے اس میں سے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں۔[اس کا مقولہ محذوف ہے کیونکہ ''قُلْ'' مقولے کا تقاضا کرتا ہے اور وہ ''اَقِيْمُوْا'' ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''قُلْ لَّهُمْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفِقُوْا''. اے محبوب! ان کے لیے فرما دیجئے کہ تم نماز قائم کرو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو' اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ فعل امر ہیں اور یہی مقولہ ہیں اور اصل میں ''لِيُقِيْمُوْا وَلِيُنْفِقُوْا'' ہے تا کہ وہ نماز قائم کریں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں' پھر لام امر کو اس لیے حذف کر دیا گیا ہے کہ ''قُلْ'' اس پر دلالت کرتا ہے اور اگر شروع میں لام حذف کر کے ''يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا'' کہا جاتا تو جائز نہ ہوتا] ﴿سِرًّا وَّعَلَانِيَةً﴾ پوشیدہ اور علانیہ۔[حال کی بناء پر منصوب ہیں ''اَیْ ذُوْ سِرٍّ وَعَلَانِيَةٍ'' یعنی درآں حالیکہ چھپا کر اور علانیہ خرچ کرنے والے ہوں یا ظرف کی بناء پر منصوب ہیں یعنی پوشیدہ وقت میں اور علانیہ وقت میں یا پھر مصدر کی بناء پر منصوب ہیں] یعنی چھپا کر خرچ کرنا اور کھلم کھلا خرچ کرنا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ نفلی صدقہ چھپا کر دینا چاہیے اور فرض اور واجب صدقہ کھلم کھلا دینا چاہیے ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ﴾ اس دن کے آنے سے پہلے کہ جس میں نہ خرید وفروخت ہو گی اور نہ دوستی کام آئے گی یعنی اس دن نہ خرید وفروخت نفع دے گی اور نہ دوستی فائدہ دے گی۔''خلال'' اور ''مخالّة'' کا معنی دوستی کرنا ہے اور اس دن صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خرچ کرنا نفع دے گا۔[ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں دونوں فتح کے ساتھ (لَا

بَیْعٌ وَّلَا خِلَالٌ) ہیں' باقی حضرات کی قراءت میں رفع اور تنوین کے ساتھ ہیں]۔

۳۲-﴿اَللّٰهُ﴾ [یہ مبتدا ہے] ﴿الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ [یہ اس کی خبر ہے] اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمام آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا ﴿وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اور اس نے آسمان سے پانی نازل کیا (یعنی) بادلوں سے بارش کو برسایا ﴿فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ﴾ پھر اس نے اس کے سبب پھلوں میں سے تمہارے لیے رزق پیدا فرمایا۔ رزق کے لیے بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بارش کے ذریعے تمہارے لیے رزق پیدا فرمایا' وہ پھلوں کی مختلف اقسام ہیں[یا "مِنَ الثَّمَرَاتِ"، "اَخْرَجَ" کا مفعول ہے اور "رِزْقًا" مفعول سے حال ہے] ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے کشتیوں کو تمہارے تابع کر دیا تاکہ وہ سمندر اور دریا میں اس کے حکم سے چلتی رہیں اور اس نے دریاؤں کو تمہارے کنٹرول میں کر دیا۔

۳۳-﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ﴾ اور اس نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مطیع بنا دیا' درآں حالیکہ وہ مسلسل چلتے رہتے ہیں۔ ["دَآئِبَیْنِ" شمس و قمر سے حال ہے] یعنی وہ ہمیشہ اپنی اپنی سیر گاہوں میں رواں دواں رہتے ہیں اور وہ دونوں روشنی دیتے ہیں اور اندھیروں کو دور کرتے ہیں اور وہ زمین کے قابلِ اصلاح حصوں کو اپنی حرارت و شبنم سے سنوارتے ہیں اور اجسام و ابدان اور درختوں' پودوں وغیرہما کی نشوونما کی تربیت کرتے ہیں ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ﴾ اور اس نے تمہارے لیے رات کو اور دن کو اطاعت گزار بنا دیا ہے جو ایک دوسرے کے آگے پیچھے آتے رہتے ہیں کہ تم دن کو معاش کے ذرائع حاصل کرو اور رات کو آرام و سکون حاصل کرو۔

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۶﴾

ع ۱۷

اور ہر چیز میں سے جو کچھ تم نے اس سے مانگا اس نے تمہیں دے دیا' اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم ان کو شمار نہ کر سکو گے' بے شک انسان بڑا ظالم' بہت ہی ناشکرا ہے O اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن و امان والا بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت کرنے سے بچائے رکھنا O اے میرے پروردگار! بے شک انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے' سو جس نے میری پیروی کی تو وہ یقیناً مجھ سے ہے' اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تو بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O

۳۴-﴿وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ﴾ اور ہر چیز میں سے جو کچھ تم نے اس سے مانگا اس نے تمہیں عطا فرمایا ["مِنْ" تبعیض کے لیے ہے یعنی اس سے جو کچھ مانگا اس میں سے کچھ تمہیں دے دیا یا یہ معنی ہے کہ اور ہر چیز میں سے جو تم نے اس سے مانگا وہ بھی دے دیا اور جو تم نے نہیں مانگا وہ بھی تمہیں دے دیا' پس "مَا" موصوفہ ہے اور جملہ اس کی صفت ہے اور دوسرا جملہ محذوف ہے اس لیے کہ باقی محذوف پر دلالت کرتا ہے' جیسے ارشاد ہے: "سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمُ الْحَرَّ". (النحل:۸۱) "ایسا

لباس جو تمہیں گرمی سے بچاتا ہے''۔ ابوعمرو سے ''مِنْ كُلٍّ'' تنوین کے ساتھ منقول ہے اور ''مَا سَاَلْتُمُوْهُ'' میں مَا نفی کا ہے اور یہ حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے یعنی اس نے یہ تمام چیزیں تمہیں بغیر مانگے عطا فرمادیں یا پھر ''مَا'' موصولہ ہے] یعنی اس نے تمہیں ان تمام چیزوں میں سے وہی کچھ عطا فرمایا جس کی تمہیں ضرورت تھی' پس گویا تم نے زبانِ حال سے اس سے جو کچھ مانگا یا جو تم نے اس سے طلب کیا ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرو تو تم ان کو شمار نہیں کرسکو گے (یعنی) تم ان کی گنتی کی اور ان کی انتہاء تک پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب لوگ اجمالی طور پر ان کو شمار کرنا چاہیں اور لیکن رہی تفصیل تو اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ﴾ بے شک انسان بہت بڑا ظالم ہے کیونکہ نعمت کے ملنے پر شکر ادا کرنے سے غافل رہ کر اس نعمت پر ظلم کرتا ہے ﴿كَفَّارٌ﴾ بہت سخت نعمت کا ناشکرا ہے یا شدت وسختی اور مصیبت وتکلیف میں اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرتا ہے اور چیخ وپکار اور واویلا کر کے بہت بڑا ظلم کرتا ہے اور نعمت کے ملنے پر بہت بڑا ناشکرا ہے کہ مال ودولت جمع کرتا ہے اور روک کر رکھتا ہے [اور ''الانســـان'' میں لام جنس کے لیے ہے' پس ظلم وکفرانِ نعمت کی یہ خبر صرف انہیں لوگوں کو شامل ہے جن میں یہ دو خرابیاں موجود ہوں گی]۔

حرم شریف کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چند دعاؤں کا بیان

۳۵۔﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ﴾ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا۔ [اصل میں ''وَاذْكُرْ اِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ'' ہے' اور اس وقت کو یاد کیجئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی] ﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾ اور اے میرے پروردگار! اس شہر کو یعنی اس حرمت وعزت والے شہر مکہ مکرمہ کو امن والا بنادے۔ ''اٰمِنًا'' بہ معنی ''ذَا اَمْنٍ'' ہے اور اس دعا میں اور جو سورۃ البقرہ میں دعا کی گئی ہے' ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ سورۃ البقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ درخواست کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس حرمت والے شہر کو ان شہروں میں سے بنادے جن کے باشندے امن و سکون سے رہے ہیں اور اس دوسری دعا میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حرمت والے شہر کو خوف وڈر کی حالت سے نکال کر امن و امان کی حالت میں کردے گویا فرمایا کہ یہ شہر خوف وڈر سے پُر ہے' پس اے اللہ! تو اس کو امن والا بنادے ﴿وَّاجْنُبْنِيْ﴾ اور مجھے بچا کے رکھ اور مجھے دور رکھ یعنی مجھے ثابت قدم رکھنا اور بتوں کی عبادت سے اجتناب کرنے پر مجھے ہمیشہ قائم رکھنا جیسا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا تھا: ''وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ''. (البقرہ:۱۲۸) ''یعنی ہمیں اسلام پر ثابت قدم رکھنا اور اس پر قائم ودائم رکھنا''۔ ﴿وَبَنِيَّ﴾ اور میرے بیٹوں کو۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صلبی اور حقیقی بیٹے مراد ہیں ﴿اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾ [اصل میں ''مِنْ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ'' ہے] بتوں کی عبادت کرنے سے (ہمیں محفوظ رکھنا)۔

۳۶۔﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ اے میرے پروردگار! بے شک انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ بتوں کو سبب کے طور پر گمراہ کرنے والا اقرار دیا گیا ہے کیونکہ لوگ انہیں کے سبب گمراہ ہو جاتے تھے تو گویا انہوں نے ان کو گمراہ کر دیا ﴿فَمَنْ تَبِعَنِيْ﴾ سو جس نے میری پیروی کی اور میری ملت پر قائم رہا اور میری طرح مؤحد مسلمان بن کر رہا ﴿فَاِنَّهٗ مِنِّيْ﴾ تو وہ مجھ سے ہے یعنی وہ میرے ساتھ بہت زیادہ مخصوص ہو جانے کی وجہ سے میرا جزو اور میرا حصہ ہے ﴿وَمَنْ عَصَانِيْ﴾ اور جس نے کفر وشرک ترک کر کے صرف اعمال میں میری نافرمانی کی ﴿فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ تو بے شک تو بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہے یا یہ معنی ہے کہ جس نے کفر وشرک اختیار کر کے میری نافرمانی کی' اگر تو وہ توبہ کرلے اور ایمان لے آئے تو تو بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْىٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا یَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾

اے ہمارے پروردگار! بے شک میں نے تیرے حرمت والے گھر کے نزدیک اپنی بعض اولاد کو ایک ایسی وادی میں بسا دیا ہے جس میں کھیتی باڑی نہیں ہوتی' اے ہمارے پروردگار! تا کہ وہ نماز قائم کریں' سوتو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں میں سے رزق عطا فرما تا کہ وہ شکر ادا کریں O اے ہمارے پروردگار! بے شک تو جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں' اور اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے' نہ زمین میں اور نہ آسمان میں O

۳۷- ﴿رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ﴾ اے ہمارے پروردگار! بے شک میں نے اپنی اولاد کو بسا دیا ہے (یعنی) میری بعض اولاد اور اس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولا در اولا د مراد ہے ﴿بِوَادٍ﴾ اس سے مکہ مکرمہ کی وادی مراد ہے ﴿غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ﴾ بے آب و گیاہ وادی جس میں کھیتی باڑی بالکل نہیں ہوتی ﴿عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ﴾ تیرے عزت و حرمت والے گھر کے پاس اور وہ بیت اللہ شریف ہے' اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نقصان پہنچانے اور اس کی توہین کرنے کو حرام قرار دے دیا ہے اور اس کا احترام ہر شخص پر لازم کر دیا ہے اور اس مکان شریف کے اردگرد چاروں سمتوں کے علاقہ کو حرم قرار دے دیا ہے یا اس لیے کہ بیت اللہ شریف کو ہلاکت خیز توڑ پھوڑ اور ویران ہونے سے محفوظ رکھا گیا ہے اور جس سرکش نے اس کو ویران کرنے کا سوچا اس کو خوف زدہ کر کے نا کام و نامراد لوٹا دیا گیا یا اس لیے کہ یہ محترم گھر ہے' اس کی حرمت سب سے زیادہ بڑی ہے یا اس لیے کہ اس میں طوفان کا داخلہ حرام کر دیا گیا ہے یعنی بیت اللہ شریف کو طوفان سے محفوظ رکھا گیا جیسا کہ اس کا نام عتیق رکھا گیا کیونکہ اس بابرکت گھر کو طوفان کی تباہ کاری سے آزاد (یعنی محفوظ) رکھا گیا ﴿رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اے ہمارے رب! تا کہ وہ نماز قائم کریں [لام "اَسْكَنْتُ" کے ساتھ متعلق ہے] یعنی میں نے اپنی اولاد کو اس ویران وادی میں صرف اس لیے آباد کیا ہے تا کہ تیرے حرمت وعزت والے اس گھر کے پاس وہ نماز قائم کریں اور تا کہ وہ اس گھر کو تیری عبادت اور تیرے ذکر سے آباد رکھیں ﴿فَاجْعَلْ اَفْىٕدَةً مِّنَ النَّاسِ﴾ سو لوگوں کے دلوں کو (اس گھر کی طرف مائل) کر دے (یعنی) لوگوں کے دلوں میں سے کچھ دلوں کو اس کی طرف مائل کر دے [اور "مِنْ" تبعیض کے لیے ہے] کیونکہ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اگر تمام لوگوں کے دلوں کو اس گھر کی طرف مائل کر دیا جاتا تو فارس اور ترک اور ہندو پاک اور روم کے لوگ تمہیں (یعنی اہل مکہ کو) گھیر لیتے اور وہاں رش کی وجہ سے ٹھہرنے کے لیے جگہ نہ ملتی [یا پھر "مِنْ" ابتدا کے لیے ہے جیسے "اَلْقَلْبُ مِنِّیْ سَقِیْمٌ" میرا دل بیمار ہے' اس سے مراد "قَلْبِیْ" ہے تو گویا کہا گیا ہے کہ "اَفْىٕدَةُ نَاسٍ" اور اس مثال میں مضاف الیہ کو نکرہ کیا گیا ہے کیونکہ "اَفْىٕدَة" نکرہ ہے اور یہ آیت مبارکہ میں بھی نکرہ ہی ہے تا کہ بعض دلوں کو شامل رہے] ﴿تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ﴾ ان کی طرف راغب ہو جائیں (یعنی) لوگ مکہ مکرمہ میں میری اولاد کی طرف دوڑتے ہوئے دور دراز ممالک سے آئیں اور محبت وشوق کے سبب لوگ ان کی طرف

تیزی سے اڑتے ہوئے پہنچیں ﴿ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ ﴾ اور پھلوں میں سے ان کو رزق عطا فرما یعنی اس وادی میں پھلوں میں سے جو کچھ پیدا ہوتا ہے اس میں سے میری اولاد کو اور ان کے ساتھ آباد ہونے والوں کو عطا فرما وہ اس طرح کہ لوگ دور دراز ممالک سے ان کی طرف کھنچے چلے آئیں ﴿ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴾ تا کہ وہ نعمت کے ملنے پر شکر ادا کریں کہ انہیں مختلف اقسام کے پھل ایسی وادی میں عطا کیے گئے ہیں جس میں نہ درخت ہیں اور نہ پانی ہے۔

۳۸- ﴿ رَبَّنَآ ﴾ اے ہمارے پروردگار! ندا کو بار بار لانا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پناہ حاصل کرنے اور اس کے حضور میں عاجزی وانکساری اختیار کرنے کی دلیل ہے ﴿ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ﴾ بے شک تو وہ بھی جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور وہ بھی جو ہم ظاہر کرتے ہیں (یعنی) تو پوشیدہ اور چھپی ہوئی چیزوں کو اسی طرح جانتا ہے جس طرح تو عیاں اور ظاہر چیزوں کو جانتا ہے ﴿ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے زمین میں اور نہ آسمان میں۔ یہ اللہ عزوجل کا کلام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق وتائید میں بیان کیا گیا ہے یا پھر یہ کلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے [اور حرفِ "مِنْ" استغراق کے لیے ہے] گویا فرمایا گیا کہ تمام کائنات میں کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے (بلکہ ہر چیز اس پر عیاں ہے)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ڛ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ لا مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ ۭ

ع ۱۸

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے' بے شک میرا پروردگار دعا کو خوب سننے والا ہے O اے میرے پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنائے رکھنا' اے ہمارے پروردگار! اور تو میری دعا قبول فرما O اے ہمارے پروردگار! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور مؤمنوں کو بخش دے جس دن حساب قائم ہو گا O اور تم اللہ کو ظالموں کے اعمال سے غافل نہ سمجھو' بے شک وہ تو صرف اس دن تک کے لیے ان کو ڈھیل دے رہا ہے جس میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی O اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے بھاگ رہے ہوں گے' خود ان کی اپنی نگاہ ان کی طرف نہیں پھرے گی' ان کے دل جرأت سے خالی ہوں گے O

۳۹- ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود (بیٹے) عطا فرمائے۔ ["عَلَى الْكِبَرِ" میں "عَلٰی" بہ معنی "مَعَ" کے ہے اور یہ محلاً حال ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے (بیٹے) عطا فرمائے حالانکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں] ﴿ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ﴾ مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی' اس وقت آپ کی عمر مبارک ننانوے سال تھی اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے وقت آپ کی عمر مبارک ایک سو بارہ سال تھی اور دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ

حضرت اسماعیل کی ولادت کے وقت آپ کی عمر مبارک چونسٹھ سال تھی اور حضرت اسحاق کی ولادت کے وقت آپ کی عمر مبارک نوے سال تھی اور بڑھاپے کی حالت کا ذکر صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ ایسی حالت میں بیٹے کی بخشش بہت بڑا احسان ہوتا ہے کیونکہ یہ بچے کی پیدائش سے مایوسی کا وقت ہوتا ہے اور مایوسی کے بعد حاجت کے پورا ہونے میں کامیاب ہونا عظیم ترین احسانات میں سے ہے اور اس لیے کہ اس بڑی عمر میں بچے کی پیدائش حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے قدرتِ الٰہی کی نشانی تھی ﴿اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ﴾ بے شک میرا رب دعا کو خوب سننے والا ہے (یعنی) دعا کا قبول فرمانے والا ہے جیسے تمہارا یہ کہنا کہ بادشاہ نے فلاں آدمی کی بات سن لی ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بادشاہ اس آدمی کی بات کو قبول کر لے اور اسی سے ''سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ'' ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بات سن کر قبول فرمالی جس نے اس کی تعریف کی' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی اور اس سے بیٹے کی درخواست کی اور عرض کیا: ''رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ''. (الصافات:۱۰۰) ''اے میرے پروردگار! مجھے نیک بیٹا عطا فرما''۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے آپ کی دعا قبول فرما کر بہت بڑا اعزاز بخشا [اور ''سمیع'' کی ''الدعآء'' کی طرف اضافت صفت کی اپنے مفعول کی طرف اضافت کے قبیل سے ہے اور اس کی اصل ''لَسَمِیْعٌ الدُّعَآءِ'' ہے اور علامہ سیبویہ نے ''فَعِیْلٌ'' کو مبالغہ کے صیغوں میں ذکر کیا ہے جو فعل جیسا عمل کرتے ہیں جیسے تمہارا یہ کہنا کہ ''ھٰذَا رَحِیْمٌ اَبَاہُ'' کہ یہ شخص اپنے باپ پر بڑا مہربان ہے]۔

۴۰۔﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ﴾ اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو ہمیشہ نماز قائم کرنے والا قرار دے دے (یعنی) اور میری بعض اولاد کو۔ [اور یہ ''اِجْعَلْنِیْ'' میں محلاً منصوب ضمیر متکلم پر معطوف ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حرف ''مِنْ'' کے ذریعے بعض اولاد کی تخصیص صرف اس لیے کی تھی کیونکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے بتانے سے یہ جان لیا تھا کہ ان کی اولاد میں بھی کفار ہوں گے] حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں کچھ لوگ ہمیشہ کے لیے قیامت تک ہر زمانے میں اصل فطرت یعنی دین اسلام پر قائم رہیں گے ﴿رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾ اے ہمارے پروردگار! میری دعا قبول فرما [ابن کثیر مکی کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں ''یا'' کے ساتھ (دُعَاءِ یْ) ہے' قاری ابو عمرو اور حمزہ نے وصل کی حالت میں اس کی موافقت کی ہے اور باقی قراء نے ''یا'' کے بغیر پڑھا ہے یعنی میری دعا یا میری عبادت قبول فرما (وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ. (مریم:۴۸)) ''اور میں تم سے اور ان سب سے جن سے تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دعا کرتے ہو' الگ ہوتا ہوں اور میں صرف اپنے رب سے دعا کرتا ہوں''۔]

۴۱۔﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ﴾ اے ہمارے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے یعنی حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام کو بخش دے یا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ماں باپ کے ایمان سے مایوس ہونے اور منع کرنے سے پہلے یہ کہا تھا[1] ﴿وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ اور مؤمنوں کو بخش دے جس دن حساب قائم ہوگا یعنی جس دن اہل حساب کھڑے ہوں گے' جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''وَاسْئَلِ الْقَرْیَةَ'' (یوسف:۸۲) ''اور شہر والوں سے پوچھئے''

[1] واضح رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین یعنی حقیقی ماں باپ مؤحد تھے اور کفر و شرک سے پاک تھے' کیونکہ امام بخاری نے اپنی ''صحیح بخاری'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں حضرت آدم کی اولاد میں سے ہر زمانے میں بہترین خاندانوں میں بھیجا گیا ہوں یہاں تک کہ میں اس خاندان میں سے بھیجا گیا ہوں جس میں (پیدا ہوا) ہوں' نیز امام طبرانی' امام بیہقی' امام ابو نعیم اور امام ترمذی نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ظالم کفار کی بداعمالیاں اور ان کا انجام

۴۲- ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے اعمال سے بے خبر نہ سمجھو۔ اس آیت مبارکہ میں مظلوموں کو تسلی دی گئی ہے اور ظالموں کو ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے اور یہ خطاب رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ دوسروں کو ہے اور اگر یہ خطاب رسول اکرم نبی معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے تو اس سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے عقیدہ اور اپنے اسی طریق کار پر ثابت قدم رہنا ہے جس پر آپ پہلے ہی سے قائم ودائم ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی غافل و بے خبر نہیں ہوتا' جیسے ارشاد ہے: ''وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ''. (الانعام:۱۴) ''اور شرک کرنے والوں میں سے کبھی نہ ہونا''۔ ''فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ''. (الشعراء:۲۱۳) ''سو آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کسی معبود کی کبھی عبادت نہ کرنا''۔ اور جیسا کہ حکمِ الٰہی آیا ہے کہ ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ''. (النساء:۱۳۶) ''اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ اور اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سے بیان کیا ہے کہ حضور سیّد عالم رسولِ اکرم نبی اعظم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کی تو اس میں سے بنی آدم کو منتخب فرمایا اور بنی آدم میں سے عرب کو اور عرب میں سے مضر کو اور مضر میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا' سو میں ہمیشہ بہترین خاندانوں میں سے بہترین خاندانوں کی طرف منتقل ہوتا ہوا آیا ہوں اور قرآن مجید میں ہے کہ مسلمان خواہ غلام ہی کیوں نہ ہو' پھر بھی وہ آزاد مشرک سے بہتر ہے اسی طرح مسلمان عورت لونڈی ہی کیوں نہ ہو پھر بھی وہ آزاد مشرکہ سے بہتر ہے۔ (البقرہ:۲۲۱) اب یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت آدم سے لے کر حضرت عبد اللہ تک اور حضرت حوا سے لے کر حضرت آمنہ تک ہمیشہ مسلمان خاندانوں میں تشریف لاتے رہے کیونکہ وہ اپنے اپنے زمانے میں بہترین تھے' لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین کو مؤحد و مسلم ماننا واجب ہو گیا تاکہ وہ مذکورہ بالا قرآن مجید و حدیث مبارکہ کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہترین خاندان میں شامل رہیں ورنہ حضور کے یہ ارشادات کہ میں بہترین خاندانوں میں آیا ہوں' غلط ہو جائیں گے' نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا ہوا آیا ہوں اور قرآن مجید میں ہے: ''اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ''. (التوبہ:۲۸) ''بے شک مشرک لوگ سراپا ناپاک ہیں''۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام آباء واجداد بہ شمول والدین ابراہیم علیہ السلام مؤحد تھے مشرک نہیں کیونکہ وہ حضرات پاک تھے اور مشرک ناپاک ہیں۔ باقی جہاں تک آزر کا تعلق ہے تو امام ابن ابی شیبہ' امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم نے بعض صحیح سند کے ساتھ حضرت مجاہد سے بیان کیا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نہیں تھے' نیز امام ابن المنذر نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن جریج سے آیت مبارکہ ''وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ''. (الانعام:۷۴) کے تحت بیان فرمایا ہے کہ آزر آپ کے باپ نہیں تھے' حضرت ابراہیم کے والد تیرح یا تارخ بن شاروخ بن ناحور بن فالخ تھے اور امام ابن ابی حاتم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سدی سے بیان کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام آزر تھا؟ تو فرمایا: نہیں! بلکہ ان کا نام تارخ تھا اور عرب میں ''عَمٌّ'' (چچا) کو ''اَبٌ'' (باپ) کہنا مشہور و معروف ہے جیسا کہ قرآن مجید (البقرہ:۱۳۳) میں حضرت اسماعیل کو حضرت یعقوب کا باپ کہا گیا ہے حالانکہ وہ چچا تھے (اُردو زبان میں دادا ابو' تایا ابو اور چچا ابو کہا جاتا ہے) پھر آزر نارِ نمرود کی ایک چنگاری سے جل کر ہلاک ہو گیا تھا جس پر حضرت ابراہیم نے اس کے لیے دعائے مغفرت ترک کر دی تھی اور اس سے بیزار ہو گئے تھے اور حضرت ابراہیم نے یہ دعا اس کے مرنے اور ترک دعائے مغفرت کے پچاس سال سے زائد عرصہ کے بعد مکہ مکرمہ میں مانگی تھی جو حقیقی والدین کے لیے تھی۔ یہ مذکورہ بالا دلائل علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''مسالک الحنفاء'' کے مختلف مقامات سے ماخوذ ہیں۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲) اس کی مکمل تفصیل اور دلائل ہماری کتاب ''دلائل النجات لاصول سیّد الکائنات'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ غفرلہٗ

کے رسول پر ایمان لاؤ''۔اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وعید وتہدید (یعنی ڈرانے دھمکانے) کے طور پر انتباہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کے کرتوتوں سے پوری طرح باخبر ہے' وہ ان کے ظالمانہ اعمال کو خوب جانتا ہے اور اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور بے شک وہ ان کو تھوڑے اور بہت ہر قسم کے ظلم پر سزا دے گا' جیسا کہ ارشاد ہے:'' وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ''۔ (البقرہ: ۱۸۳) ''اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہے''۔ ﴿ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ ﴾ بے شک وہ ان کو مہلت دے رہا ہے یعنی ان کو عذاب دینے میں اس دن تک کے لیے تاخیر کر رہا ہے ﴿ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴾ جس میں آنکھیں یعنی ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور قیامت کے ہولناک مناظر دیکھنے کی وجہ سے وہ اپنی اپنی جگہوں میں پرسکون ہو کر ٹھہر نہیں سکیں گے۔

۴۳-﴿ مُهْطِعِيْنَ ﴾ وہ (قبروں سے نکلنے پر خوف زدہ ہو کر) بلانے والے کی طرف بہت تیز دوڑ پڑیں گے ﴿ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ ﴾ اپنے سروں کو اٹھا کر ﴿ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ﴾ ان کی پلکیں ان کی طرف نہیں جھپکیں گی (یعنی) ان کی خود اپنی آنکھیں ان کی طرف نہیں لوٹیں گی کہ وہ اپنے آپ کو دیکھ سکیں ﴿ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴾ اور ان کے دل خیر و بھلائی سے خالی ہوں گے' خوف وگھبراہٹ کی وجہ سے کسی چیز کو محفوظ نہیں رکھ سکیں اور'' ھـو آء ''اس خلاء کو کہا جاتا ہے جس کو مادی اجسام نے پُر نہ کیا ہو' اس لیے خالی دلوں کو'' ھو آء '' کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے' چنانچہ'' قَلْبُ فُلَانٍ هَوَآءٌ '' کہ فلاں آدمی کا قلب خالی ہے' اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ بزدل ہو جائے نہ اس کے دل میں قوت ہو اور نہ اس میں جرأت ہو اور بعض نے کہا کہ وہ ایسے خول ہوں گے جن میں عقل وفہم نہیں ہوگی۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾

اور آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرایئے جب ان پر عذاب آئے گا تو ظالم لوگ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں تھوڑی سی مہلت دے دے' تاکہ ہم تیری دعوت کو قبول کر لیں اور رسولوں کی پیروی کر لیں' (جواب دیا جائے گا:) کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم پر کوئی زوال نہیں آئے گا○ اور تم نے ان لوگوں کے گھروں میں سکونت اختیار کی تھی جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور تمہارے لیے واضح ہو چکا ہے کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا اور ہم نے تمہارے لیے مثالیں بیان کر دیں○ اور بے شک انہوں نے اپنی چال بہت چلی اور ان کی چال کی سزا اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے' اور بے شک ان کی چال ایسی تھی کہ اس سے پہاڑ بھی ہل جاتے○

۴۴-﴿ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ ﴾ اور لوگوں کو اس دن سے یعنی قیامت کے دن سے ڈرایئے' جب ان پر عذاب آئے گا ['' يَوْمَ ''،'' اَنْذِرْ '' کا دوسرا مفعول ہے' ظرف نہیں ہے کیونکہ اس دن میں'' انذار '' نہیں ہوگا] ﴿ فَيَقُوْلُ

﴿الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا﴾ تو جنہوں نے ظلم کیا تھا وہ لوگ یعنی کفار کہیں گے: ﴿رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ﴾ اے ہمارے پروردگار! ہمیں تھوڑی مدت کے لیے مہلت دے دے تا کہ ہم تیری دعوت کو قبول کر لیں اور رسولوں کی پیروی کر لیں یعنی تو ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے اور زمانۂ قریب کی ایک مقررہ مدت تک مہلت دے دے تا کہ ہم نے تیری دعوت قبول کرنے میں اور تیرے رسولوں کی اتباع کرنے میں جو کوتاہیاں کی ہیں ان کا تدارک کر سکیں تو ان سے کہا جائے گا: ﴿اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ﴾ کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم پر کبھی زوال نہیں آئے گا یعنی تم دنیا میں قسمیں کھایا کرتے تھے کہ تم جب مر جاؤ گے تو اسی حالت پر خوش وخرم رہو گے اور تمہیں کچھ نہیں ہوگا اور نہ تم دوسرے گھر کی طرف کبھی منتقل ہو گے یعنی تم نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر میدانِ محشر میں حساب و کتاب کے لیے اٹھ کر جانے کا انکار کر دیا تھا' جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ''. (النحل:۳۸)''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پکی قسمیں کھا کر کہا کہ جو شخص مر جائے گا' اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا''۔[اور ''وَمَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ''. قسم کا جواب ہے اور اس کو خطاب کے لفظ کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اَقْسَمْتُمْ'' کی وجہ سے لایا گیا ہے ورنہ اگر قسم کھانے والوں کے لفظ کی حکایت بیان کی جاتی تو ''مَا لَنَا مِنْ زَوَالٍ'' کہا جاتا' یا پھر ''یوم'' سے عنقریب عذاب میں مبتلا کر کے انہیں ہلاک کرنے کا دن مراد ہے] یا ان کی موت کا دن مراد ہے' جس میں موت کی سکرات کی سختی کے ذریعے انہیں تکلیف دِہ عذاب دیا جائے گا اور ان سے فرشتے بغیر کسی خوشخبری کے ملاقات کریں گے تو اس روز یہ کفار درخواست کریں گے کہ ان کا پروردگار انہیں ایک قریب مدت تک مہلت دے دے۔

۴۵۔﴿وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ اور تم نے ان لوگوں کے مکانوں میں سکونت اختیار کی جنہوں نے کفر اختیار کر کے اپنی جانوں پر بہت بڑا ظلم کیا[اور کہا جاتا ہے کہ ''سَكَنَ الدَّارَ وَسَكَنَ فِيْهَا''. فلاں آدمی نے گھر میں سکونت اختیار کر لی اور وہ اس میں ٹھہر گیا اور اسی سے ''وَسَكَنْتُمْ'' ہے کیونکہ ''سُكْنٰى'' ''سکون'' سے ماخوذ ہے اور ''سکون'' کا معنی ہے: ٹھہر جانا اور اصل میں یہ حرف ''فِيْ'' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جیسے ''قَرَّ فِي الدَّارِ' وَاَقَامَ فِيْهَا''. فلاں آدمی گھر میں ٹھہر گیا اور اس میں اقامت پذیر ہو گیا' لیکن جب آدمی خاص سکونت کی طرف منتقل ہو جائے جس میں اسے پوری طرح تصرف واختیار حاصل ہو تو پھر ''سَكَنَ الدَّارَ'' کہا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''تَبَوَّاَهَا'' فلاں آدمی نے اس گھر کو مستقل ٹھکانا بنا لیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ''سکون'' سے مشتق ہو] یعنی یہ کفار دورانِ سفر ان میں (یعنی قومِ عاد' قومِ ثمود وغیرہ کے بوسیدہ' ٹوٹے پھوٹے مکانوں میں) سکون وقرار حاصل کرتے اور وہ ان میں خوش دلوں کے ساتھ مطمئن ہو جاتے اور وہ اپنے سے پہلے گزشتہ قوموں کے ظالمانہ کرتوتوں سے اور ظلم وفساد کرنے والے اُن ظالموں کی سیرت سے بے پرواہ ہو جاتے اور جن مظالم کی وجہ سے پہلے لوگ اللہ تعالیٰ کے مختلف عذابوں میں گرفتار ہوئے تھے ان کو بیان نہیں کرتے تھے اور ان کے ظلم وستم پر کیسی سزا ملی' اس کو یاد نہ کرتے تا کہ انہیں عبرت حاصل ہوتی اور وہ بُرے انجام سے ڈر جاتے ﴿وَتَبَيَّنَ لَكُمْ﴾ اور تم پر واضح اور ظاہر ہو چکا ہے خبروں کے ذریعے یا مشاہدہ کرنے کے سبب[اور ''تَبَيَّنَ'' کا فاعل پوشیدہ ہے جس پر کلام دلالت کرتا ہے یعنی تم پر ان کا حال ظاہر ہو چکا ہے] ﴿كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ﴾ ہم نے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا یعنی ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان سے انتقام لیا[''كَيْفَ'' فاعل نہیں ہے کیونکہ استفہام میں اس کا ماقبل عمل نہیں کرتا اور ''كَيْفَ'' صرف ''فَعَلْنَا'' کی وجہ سے منصوب ہے] ﴿وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ﴾ اور ہم نے تمہارے لیے مثالیں بیان کیں یعنی ہم نے ان کے حالات وکردار بیان کیے اور جو کچھ انہوں نے کیا اور ان کے ساتھ جو کچھ کیا گیا وہ بیان کیا اور یہ عبرت حاصل کرنے کے

لیے ہر ظالم کے لیے بیان کردہ مثالوں کی طرح ہے۔

٤٦۔ ﴿ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ ﴾ اور بے شک انہوں نے بہت بڑی چال چلی یعنی ان کی سازش بہت خطرناک تھی جس میں انہوں نے اپنی پوری جدوجہد اور محنت و مشقت اور سرتوڑ کوشش کی اور انہوں نے یہ سازش کفر کو قائم رکھنے اور اسلام کو مٹانے کے لیے کی تھی ﴿ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ﴾ اور ان کے مکروفریب اور سازش کرنے کی سزا اللہ تعالیٰ کے پاس ہے [اور "مکر" کو پہلے کی طرح "ھُمْ" ضمیر فاعل کی طرف مضاف کیا گیا ہے] اور معنی یہ ہے کہ ان کا مکروفریب اللہ تعالیٰ کے پاس تحریر ہو چکا ہے سو وہ انہیں اس پر ایسی تدبیر اور منصوبہ بندی کے ساتھ سزا دے گا جو ان کی فریب کاری سے بڑھ کر خطرناک ہوگی [یا پھر "مکر" اپنی "ھُمْ" ضمیر مفعول کی طرف مضاف ہے] یعنی ان کا مکروفریب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ان کو اس کی ضرور سزا دے گا اور سزا ان کو عذاب دینا ہے جو ان پر ایسی حالت میں آئے گا کہ انہیں اس کی خبر بھی نہ ہوگی ﴿ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴾ [پہلا لام مکسور ہے اور دوسرا لام منصوب ہے] اور اصل میں یہ ہے کہ اگرچہ کفارِ مکہ کا مکروفریب حضور نبی کریم ﷺ کے مشن کو نا کام و ختم کرنا تھا' پھر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہاڑ کے ساتھ تعبیر کیا گیا کیونکہ آپ کی شان پہاڑ کی طرح بہت بلند اور سب سے عظیم ترین ہے [اور "کَانَ" تامہ ہے اور "اِنْ" نافیہ ہے اور اس کا لام تاکید کے لیے ہے' جیسے ارشاد فرمایا: "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ" (الانفال: ٣٣) "اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ انہیں عذاب دے حالانکہ آپ ان میں تشریف فرما ہوں"۔] اور معنی یہ ہے کہ ان کے مکروفریب کی وجہ سے پہاڑوں کا اپنی جگہ سے ہل جانا اس بناء پر محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے قوانین کے لیے پہاڑ مثال ہیں کیونکہ یہ ثبات و استحکام اور مضبوطی میں بلند و بالا پہاڑوں کے قائم مقام ہیں [اس کی دلیل حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ قراءت ہے: (وَمَا كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ) اور ان کے مکروفریب ایسے نہیں تھے کہ ان سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جاتے اور قاری علی کسائی (اور ابن جریج) کی قراءت میں پہلا لام مفتوح اور دوسرا لام مرفوع (یعنی لَتَزُوْلُ) ہے یعنی بے شک ان کا مکروفریب اس قدر سخت ہے کہ اس سے پہاڑ بھی ضرور ہل جاتے اور اپنی جگہوں سے اُکھڑ جاتے' بہرحال اس صورت میں "اِنْ" مخففہ (ساکن) "اِنَّ" مثقلہ (مشدد) سے تبدیل شدہ ہے اور لام تاکید کے لیے ہے]۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿٤٩﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٥١﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٥٢﴾

پس تم اللہ کے بارے میں ایسا گمان ہرگز نہ کرو کہ وہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا' بے شک اللہ زبردست انتقام لینے والا ہے ○ جس دن یہ زمین دوسری زمین سے تبدیل کر دی جائے گی اور آسمان (بھی) اور سب لوگ زبردست واحد لاشریک اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے لیے نکل کھڑے ہوں گے ○ اور تم اس دن مجرموں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں

جکڑے ہوئے ہوں گے O ان کے کُرتے تارکول کے ہوں گے اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپ لے گی O تا کہ اللہ ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلا دے دے' بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے O یہ بات لوگوں تک پہنچانا ہے اور تا کہ اس کے ذریعے انہیں ڈرایا جائے اور وہ جان لیں کہ بے شک وہ صرف اکیلا عبادت کا مستحق ہے اور تا کہ عقل والے نصیحت حاصل کریں O

۴۷۔ ﴿ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ کو اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا مت خیال کرو یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا". (غافر:۵۱) "بے شک ہم اپنے رسولوں کی ضرور مدد فرمائیں گے"۔ نیز ارشاد فرمایا: "كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ". (المجادلہ:۲۱) "اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ میں ضرور غالب رہوں گا اور میرے رسول غالب رہیں گے"۔ ["مُخْلِفَ"، "لَا تَحْسَبَنَّ" کا دوسرا مفعول ہے اور "مُخْلِفَ" کو "وَعْدَهٗ" کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور یہ اس کا دوسرا مفعول ہے اور پہلا مفعول "رُسُلَهٗ" ہے اور اصل میں "مُخْلِفَ رُسُلَهٗ وَعْدَهٗ" ہے اور دوسرے مفعول کو پہلے مفعول پر اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا] جیسے ارشاد ہے: "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ". (آل عمران:۹) "بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا"۔ پھر فرمایا: "رُسُلَهٗ" تا کہ تمام لوگوں کو آگاہ کر دے کہ بے شک جب وہ کسی سے وعدہ خلافی نہیں کرتا تو بھلا وہ اپنے رسولوں سے کیسے وعدہ خلافی کرے گا؟ وہ حضرات تو اس کے پسندیدہ اور منتخب پیغمبر ہیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اسے کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا ﴿ ذُوانْتِقَامٍ ﴾ وہ اپنے دوستوں کے لیے اپنے دشمنوں سے زبردست انتقام لینے والا ہے۔

۴۸۔ ﴿ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ ﴾ اس دن زمین کو دوسری زمین سے اور آسمانوں کو دوسرے آسمانوں سے تبدیل کر دیا جائے گا ["يَوْمَ" انتقام کے لیے ظرف ہے یا پھر "اُذْكُرْ" پوشیدہ کا ظرف ہے اور معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن اس زمین کو جسے تم جانتے اور پہچانتے ہو دوسری اجنبی اور غیر معروف زمین سے تبدیل کر دیا جائے گا اور ان آسمانوں کو دوسرے آسمانوں سے بدل دیا جائے گا اور "غَيْرَ السَّمٰوٰتِ" کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس کا ماقبل اس پر دلالت کر رہا ہے اور تبدیل کا معنی بدلنا ہے اور یہ بدلنا کبھی ذوات میں ہوتا ہے جیسے "بَدَّلْتُ الدَّرَاهِمَ دَنَانِيْرَ" کہ میں نے درہموں کو دیناروں سے بدل لیا ہے' اور کبھی اوصاف میں ہوتا ہے' جیسے تمہارا یہ قول: "بَدَّلْتُ الْحَلْقَةَ خَاتِمًا". میں نے حلقہ کو انگوٹھی سے بدل لیا' جب تم اس کو پگھلا کر برابر کر کے انگوٹھی بنا لو تو وہ ایک شکل سے دوسری شکل میں منتقل ہو جائے گا اور زمین و آسمان کے تبدیل ہونے میں مختلف اقوال ہیں] چنانچہ بعض نے فرمایا کہ زمین وہی رہے گی لیکن اس کی صفات تبدیل ہو جائیں گی اور وہ اس طرح کہ زمین کے تمام پہاڑ' عمارتیں' ٹیلے' دریا اور درخت وغیرہ ختم کر کے زمین کو برابر چٹیل میدان بنا دیا جائے گا اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ زمین وہی رہے گی لیکن اس کی صفات تبدیل ہو جائیں گی اور آسمان کا تغیر و تبدل اس طرح ہو گا کہ اس کے ستارے جھڑ کر منتشر ہو جائیں گے اور سورج و چاند کو گہن لگ جائے گا اور وہ بے نور ہو جائیں گے اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس میں شگاف اور دروازے ہو جائیں گے اور بعض نے فرمایا کہ یہ زمین ختم ہو جائے گی اور اس کی جگہ دوسری زمین سے تبدیل ہو جائے گی اور اسی طرح یہ آسمان دوسرے آسمانوں سے تبدیل ہو جائیں گے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کا حشر سفید زمین پر کیا جائے گا' جس پر کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا ہو گا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس زمین کو چاندی کی زمین سے

تبدیل کر دیا جائے گا اور ان آسمانوں کو سونے کے آسمانوں سے تبدیل کر دیا جائے گا ﴿وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ اور تمام لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکل کر اس اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو جائیں گے جو اکیلا سب پر زبردست غالب ہے جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے: ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ'' (غافر:۱۶) ''آج کس کی بادشاہی ہے اکیلے اللہ تعالیٰ کی ہے جو سب پر زبردست غالب ہے''۔ کیونکہ جب بادشاہی صرف ایک ایسی ذات کی ہوگی جو سب پر زبردست اور بہت غالب ہے جب کہ اس پر کوئی غالب نہیں اور اس کے علاوہ کوئی فریادرس نہیں ہوگا تو معاملہ نہایت سخت سنگین اور بہت تکلیف دِہ ہوگا۔

۴۹۔ ﴿وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ﴾ اور تم مجرموں (یعنی) کافروں کو دیکھو گے ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اُس دن (یعنی) قیامت کے دن ﴿مُّقَرَّنِيْنَ﴾ وہ ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے یا وہ شیطانوں کے ساتھ جکڑے ہوں گے یا یہ معنی ہے کہ ان کے ہاتھوں کو ان کے پاؤں کے ساتھ ملا کر زنجیروں میں باندھ دیا جائے گا ﴿فِي الْاَصْفَادِ﴾ [یہ ''مُقَرَّنِیْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی انہیں ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ دیا جائے گا (''اَصْفَاد''، ''صَفَد'' کی جمع ہے' زنجیر میں باندھنا) یا اس کے متعلق نہیں ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ لوگ زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ دیئے جائیں گے اور ''اصفاد'' کا معنی ہے: قید کرنا اور گرفتار کرنا' باندھنا یا لوہے کی زنجیریں اور بیڑیاں۔

۵۰۔ ﴿سَرَابِيْلُهُمْ﴾ ان کی قمیصیں اور کرتے ﴿مِّنْ قَطِرَانٍ﴾ رال کے ہوں گے۔ ''قطران'' اس سیّال سیاہ مادہ کو کہا جاتا ہے جو ابہل نامی درخت سے نچوڑا جاتا ہے' پھر اسے پکا کر قدرے گاڑھا کیا جاتا ہے' پھر یہ (بدبودار سیاہ گاڑھا تیل) خارشی اونٹ پر لگایا جاتا ہے اور یہ اپنی حرارت کی وجہ سے اونٹ کی خارش کو جلا کر ختم کر دیتا ہے اور اس کی حالت یہ ہے کہ اس کو آگ جلد پکڑتی ہیں اور اس کو آگ لگانے سے بہت تیزی کے ساتھ بھڑک اٹھتی ہیں اور یکدم آگ بھڑک کر مشتعل ہو جاتی ہے اور اس کا رنگ سیاہ کالا ہوتا ہے اور بدبودار ہوتا ہے اور یہ دوزخیوں کے چمڑوں پر لیپ کر کے لگایا جائے گا یہاں تک کہ وہ لیپ ان کے لیے قمیصوں اور کُرتوں کی طرح ہو جائے گا تا کہ ان بدنصیبوں پر اس سیاہ بدبودار تارکول کی تکلیف و دکھ اور اس کی جلن اکٹھی ہو جائیں اور آگ تیزی سے ان کے چمڑوں میں پہنچ کر جلانا شروع کر دے اور گندا رنگ اور بدبودار ہوا ان کا جینا دوبھر کر دے گا اور جس طرح دوزخ کی آگ میں تیز جلانے کے اعتبار سے مختلف درجات ہوں گے' اسی طرح اس سیاہ بدبودار تیل کی مختلف کوالٹیز ہوں گی اور ہر وہ چیز جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے یا جس کے ساتھ آخرت کے بارے میں ڈرایا ہے اس کے درمیان اور اسی کی جنس سے جس کا ہم مشاہدہ کریں گے' اس کے درمیان اس قدر فرق ہوگا جس کی مقدار کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا' گویا ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ تو محض نام ہیں اور مسمیات (وہ اصل چیزیں جن کے یہ نام ہیں وہ تو) وہاں (آخرت میں) ہوں گے' ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں اس کے غضب اور اس کے عذاب سے۔ حضرت زید نے حضرت یعقوب سے نقل کیا ہے کہ ان کی قراءت میں (مِنْ قِطْرٍ اٰنٍ) ہے جس کا معنی ''پگھلا ہوا تانبا'' ہے جس کی حرارت اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہو] ﴿وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ﴾ اور آگ ان کے چہروں کو ڈھانپ لے گی (یعنی) آگ اپنے بلند شعلوں کی وجہ سے ان کے چہروں پر چڑھ کر گھیر لے گی اور چہرہ کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ یہ ظاہری بدن کے تمام اعضاء میں سے بڑھ کر معزز و محترم اور سب سے زیادہ اہم ترین ہے جیسے باطن میں دل اہم ترین ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ'' (سورۃ الھمزہ:۷) ''کہ آگ دلوں تک پہنچ جائے گی''۔

۵۱۔ ﴿لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کا بدلا دے جو اس نے کمایا یعنی اللہ تعالیٰ مجرموں

کے ساتھ وہی کچھ کرے گا جو وہ مجرموں کے ساتھ کرتا ہے تاکہ ہر مجرم و نافرمان شخص کو اس کے کیے کا بدلا دے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر نافرمان و مجرم اور فرماں بردار کو اس کی کمائی پر جزا دے گا' اس لیے کہ جب وہ مجرموں کو ان جرائم پر سزا دے گا تو اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ مؤمنوں کو ان کی اطاعت و فرماں برداری پر ضرور اجر و ثواب عطا فرمائے گا ﴿ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے' وہ اپنے تمام بندوں کا حساب آنکھ جھپکنے سے بھی جلد لے لے گا۔

٥٢- ﴿ ھٰذَا ﴾ یعنی یہ سب کچھ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد (وَلَا تَحْسَبَنَّ) سے لے کر (سَرِیْعُ الْحِسَابِ) تک بیان کیا ہے ﴿ بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ ﴾ لوگوں کے لیے پیغام رسانی کی اطلاع ہے (اور) یاد دہانی کرانے اور نصیحت کرنے کے لیے کافی ہے ﴿ وَلِیُنْذَرُوْا بِہٖ ﴾ اور تاکہ اس پیغام رسانی کے ذریعے لوگوں کو ڈرایا جائے اور انہیں خوفِ خدا دلایا جائے [اور یہ محذوف فعل پر معطوف ہے یعنی تاکہ لوگ نصیحت حاصل کر سکیں] ﴿ وَلِیَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ﴾ اور تاکہ لوگ جان لیں کہ بے شک صرف وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے کیونکہ جس سے لوگوں کو ڈرایا گیا ہے جب وہ اس سے ڈر جائیں گے تو یہ خوف انہیں غور و فکر کرنے کی دعوت دے گا یہاں تک کہ وہ عقیدۂ توحید تک پہنچ جائیں گے کیونکہ خوف و ڈر تمام بھلائیوں اور نیکیوں کی بنیاد ہے ﴿ وَلِیَذَّکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ اور تاکہ عقل و فہم رکھنے والے حضرات نصیحت حاصل کر سکیں۔

رکوعاتہا ٦	بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○	سورۃ الحجر مکیۃ

سورۃ الحجر مکی ہے　اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○　اس کی ننانوے آیات' چھ رکوع ہیں

الٓرٰ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ ①

الٓرٰ' یہ کتاب اور روشن قرآن کی آیتیں ہیں ○

کفارِ مکہ کے طرزِ عمل کا بیان اور قرآن مجید کی حفاظت کا اعلان

١- ﴿ الٓرٰ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴾ یہ کتاب اور روشن اور واضح قرآن مجید کی آیتیں ہیں (تِلْکَ) سے ان آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن پر یہ سورت مبارکہ مشتمل ہے اور ''کتاب'' اور ''قرآن مبین'' سے یہی سورت مراد ہے اور ''قرآن'' کو نکرہ صرف تعظیم کے لیے لایا گیا ہے (یعنی عظیم الشان قرآن) اور معنی یہ ہے کہ یہ ایک ایسی کتاب کی آیات ہیں جو کتاب ہونے میں کامل ترین ہے یعنی روشن ترین اور واضح ترین قرآن ہے' اس آیت مبارکہ میں واؤ تفسیر یہ ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ یہ کتاب حسن و کمال اور علم بیان کی تمام خوبیوں کی جامع ہے۔

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ② ذَرْھُمْ یَاْکُلُوْا وَیَتَمَتَّعُوْا وَیُلْھِھِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ③ وَمَآ اَھْلَکْنَا مِنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا وَلَھَا کِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ④ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّۃٍ اَجَلَھَا وَمَا یَسْتَاْخِرُوْنَ ⑤ وَقَالُوْا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْہِ الذِّکْرُ اِنَّکَ لَمَجْنُوْنٌ ⑥ لَوْ مَا تَاْتِیْنَا بِالْمَلٰٓئِکَۃِ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ⑦

الجزء ١٤

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝٨

ایک وقت آئے گا جب کافر بہت آرزو کریں گے کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے O آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں وہ کھائیں پئیں اور دنیا کا فائدہ اٹھالیں اور امید انہیں غافل رکھے گی' سو عنقریب وہ جان لیں گے O اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے انجام کی ایک تحریر معلوم تھی O کوئی امت اپنے مقررہ وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے ہو سکتی ہے O اور انہوں نے کہا: اے وہ جس پر ذکر (قرآن) نازل کیا گیا ہے بلاشبہ تم دیوانہ ہو O آپ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لاتے اگر آپ سچے ہیں O ہم فرشتے نازل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ اور انہیں (کافروں کو) اس وقت مہلت نہیں دی جاتی O

٢-﴿رُبَمَا﴾ [نافع مدنی اور عاصم کوفی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (یعنی "بَا" بغیر شد کے) ہے' ان دونوں کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں "بَا" مشدد کے ساتھ (رُبَّمَا) ہے اور اس میں حرفِ "مَا" کافہ ہے (جس نے "رُبَّ" کا عمل روک دیا ہے) کیونکہ یہ حرف اپنے مابعد کو جر دیتا ہے اور یہ اسم نکرہ کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے لیکن جب حرفِ "مَا" وغیرہ کے ذریعے اس کے عمل کو روک دیا جائے تو اس کے بعد فعل ماضی اور اسم آ جاتا ہے] اور "رُبَمَا" کا معنی ہے: بہت ﴿يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ آرزو کریں گے وہ لوگ جو کافر ہو گئے۔ [یہاں "رُبَمَا" کے بعد فعل مضارع کا آنا صرف اس لیے جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستقبل کی خبر بھی اپنے ثبوت میں اور اپنے متحقق ہونے میں ماضی کی یقینی خبر کی طرح ہوتی ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے بہت آرزو کر لی کیونکہ ان کی آرزو کا ثبوت یقینی ہے' وہ ہر حال میں آرزو کریں گے اور ان کی یہ آرزو سکراتِ موت کے وقت ہو گی یا پھر قیامت کے دن ہو گی جب وہ اپنا حال اور مسلمانوں کا حال دیکھیں گے تو آرزو کریں گے کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے یا جب وہ گنہگار مسلمانوں کو دیکھیں گے کہ انہیں دوزخ کی آگ سے نکالا جا رہا ہے تو کافر آرزو کریں گے کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے ﴿لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ﴾ کاش! وہ مسلمان ہوتے۔ [یہ ان کی آرزو کی حکایت ہے اور اس کو غیب کے جملے کے ساتھ اس لیے لایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی ہے' جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ "حَلَفَ بِاللّٰهِ لَيَفْعَلَنَّ". فلاں شخص نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ وہ ضرور کرے گا اور اگر "حَلَفَ بِاللّٰهِ لَاَفْعَلَنَّ". فلاں آدمی نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ میں ضرور کروں گا اور "لَوْ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ". کاش! ہم مسلمان ہوتے' کہا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا] اور "رُبَّ" کا معنی یہاں قلیل اس لیے مراد لیا گیا ہے کہ قیامت کی ہولناکیاں ان کو آرزو کرنے سے غافل و بے خبر کر دیں گی' پھر جب وہ لوگ عذاب کی تکلیفوں سے افاقہ پائیں گے تو اس وقت آرزو کریں گے کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے اور جس نے کہا کہ "رُبَّ" یہاں کثرت کے معنی میں ہے' یہ اس کی بھول ہے کیونکہ یہ اس کے برعکس ہے جس کو اہل لغت جانتے اور پہچانتے ہیں' اس لیے کہ یہ قلیل اور تھوڑا کے معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

٣-﴿ذَرْهُمْ﴾ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ یہ حکم ان کی اہانت و تذلیل کے لیے دیا گیا ہے یعنی ان کے جہالت سے باز آنے اور ایمان قبول کرنے سے آپ اپنی امید ختم کر لیجئے اور آپ انہیں اس راہ سے جس پر وہ قائم ہیں منع کرنا اور وعظ و نصیحت کے ذریعے انہیں باز رہنے کی تلقین کرنا چھوڑ دیجئے اور آپ انہیں ان کے حال پر رہنے دیجئے کہ ﴿يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا﴾ وہ کھائیں پئیں اور دنیا سے اپنا فائدہ حاصل کر لیں ﴿وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ﴾ اور انہیں امید نے غافل کیا ہوا ہے

(یعنی) انہیں فانی امیدوں اور آرزؤں نے ایمان لانے سے غافل کیا ہوا ہے ﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ سو عنقریب وہ اپنے اعمال کی بُرائی کو جان لیں گے اور اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ دنیاوی لذتوں اور عیش وعشرت اور فانی نعمتوں کو اختیار کرنا اور ایسی چیزوں کو اختیار کرنا جن سے امیدیں طویل ہو جائیں' مؤمنوں کے اخلاق میں سے نہیں ہے۔

٤۔ ﴿وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ﴾ اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے لیے لکھا ہوا معلوم ہے [''وَلَهَا كِتَابٌ'' جملہ ''قَرْيَة'' کی صفت واقع ہو رہا ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ موصوف اور صفت کے درمیان واؤ کا واسطہ نہ ہوتا' جیسا کہ درج ذیل ارشاد میں ہے: ''وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ'' (الشعراء:٢٠٨) ''اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی مگر اس کے لیے ڈرانے والے بھیجے گئے''۔ اور یہاں واؤ کو صرف موصوف کے ساتھ صفت کے اتصال کی تاکید کے لیے درمیان میں لایا گیا ہے کیونکہ صفت بغیر واؤ کے موصوف کے ساتھ متصل ہوتی ہے تو اس لیے واؤ کو تاکید کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور وجہ یہ ہے کہ یہ جملہ ''قَرْيَةٍ'' کا حال ہو جائے گا کیونکہ یہ موصوفہ کے حکم میں ہے' گویا فرمایا گیا: ''وَمَا اَهْلَكْنَا قَرْيَةً مِّنَ الْقُرٰى''۔ اور ہم نے بستیوں میں سے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے لیے لکھا ہوا معلوم ہے۔ یہ وصف کے حکم میں نہیں ہے اور یہ ارشاد: ''كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ اَیْ مَكْتُوْبٌ مَّعْلُوْمٌ'' یعنی لکھا ہوا جانا ہوا' اور یہ اس کا انجام ہے جو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے اور واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے' کیا تم درج ذیل ارشاد نہیں دیکھتے]؟

٥۔ ﴿مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا﴾ کوئی امت اپنے مقررہ وقت سے جو اس کے لیے لکھ دیا گیا ہے نہ آگے بڑھ سکتی ہے ﴿وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ﴾ اَیْ عَنْهُ. اور نہ وہ پیچھے ہو سکتی ہے یعنی اس مقررہ وقت سے [اور ''عَنْهُ'' کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ معلوم ہے اور ''اُمَّة'' کے لیے پہلے (''اَجَلَهَا'' میں) مؤنث ضمیر لائی گئی ہے' پھر (''يَسْتَاْخِرُوْنَ'' میں) اس کو مذکر ذکر کیا گیا ہے کہ پہلے لفظ پر محمول کیا گیا ہے جب کہ دوسری دفعہ معنی پر محمول کیا گیا ہے]۔

٦۔ ﴿وَقَالُوْا﴾ اور انہوں نے کہا: یعنی کفار نے کہا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ﴾ اے وہ شخص جس پر ذکر یعنی قرآن مجید نازل کیا گیا ہے! ﴿اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ﴾ بے شک تم دیوانہ ہو۔ انہوں نے سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو مراد لیا ہے اور ان کی طرف سے آپ کو یہ خطاب مذاق اڑانے اور استہزاء کرنے کے لیے تھا جیسا کہ فرعون نے کہا تھا: ''اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ''. (الشعراء:٢٧) ''بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے' ضرور دیوانہ ہے''۔ اور کفارِ عرب آپ پر قرآن مجید کے نزول کا اقرار کیسے کرتے حالانکہ وہ تو آپ کو جنون ودیوانگی کی طرف منسوب کرتے تھے اور انہوں نے اس کے برعکس جو آپ پر نزولِ ذکر کی نسبت کی ہے' وہ صرف آپ کا مذاق اڑانے اور ٹھٹھا مذاق کرنے کے لیے تھی اور حضور کا مذاق اڑانا ان کا مشہور مشغلہ تھا اور درج ذیل دونوں ارشاد اسی قبیل سے ہیں: ''فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ''. (آل عمران:٢١) ''پس (اے محبوب!) انہیں دردناک عذاب کی بشارت سنا دیں''۔ نیز ارشاد ہے: ''اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ''. (ھود:٨٧) ''بے شک تم تو بڑے عقل مند نیک چلن ہو''۔ اور معنی یہ ہے کہ بے شک تم دیوانوں کا کلام بولتے ہو کیونکہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر ذکر یعنی قرآن نازل کیا ہے۔

٧۔ ﴿لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتے؟ [حرفِ ''لَوْ'' کو ''لَا'' اور ''مَا'' کے ساتھ مرکب کر کے (جیسے ''لَوْ لَا'' اور ''لَوْ مَا'') کسی چیز کے ممتنع ہونے پر دلالت کرنے کے لیے آتا ہے' اس بناء پر کہ اس چیز کا غیر موجود ہے یا یہ حرفِ ''لَوْ'' تخصیص یعنی مخاطب کو کسی کام پر اکسانے اور اس کی ترغیب

دینے کے لیے ہے اور ''هَلْ''. ''لَا'' کے ساتھ مرکب ہو کر تخصیص کے لیے آتا ہے اور بس] اور معنی یہ ہے: ''هَلَّا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ يَشْهَدُوْنَ بِصِدْقِكَ''. آپ ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتے جو آپ کی نبوت ورسالت کی صداقت و حقانیت کی گواہی دیں یا یہ کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمارے پاس عذاب کے فرشتے کیوں نہیں لاتے جو آپ کے جھٹلانے پر ہمیں عذاب دیں؟

۸۔﴿مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ہم فرشتوں کو نازل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ (یعنی) ہم فرشتوں کو حکمت و مصلحت کے مطابق بہ وقتِ ضرورت نازل کرتے ہیں (لوگوں کے بے کار مطالبے پر نہیں)[یہ قراءت ابوبکر کوفی کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی ہے جب کہ ابوبکر کی قراءت میں ''تُنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ'' (دونوں کی بجائے ایک ''تا'' اور نون فعل واحد مؤنث فعل مضارع مجہول باب تفعیل سے) ہے اور ان کے علاوہ دوسروں کی قراءت میں ''تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ'' (فعل واحد مؤنث مضارع معروف از باب تفعیل) ہے اصل میں ''تَتَنَزَّلُ'' ہے]﴿وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ﴾ اور اس وقت انہیں مہلت نہیں دی جاتی [''اِذًا'' ان کے لیے جواب ہے اور مقدر شرط کی جزا ہے] اور مقدر عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر ہم فرشتوں کو نازل کر دیتے تو پھر اس وقت انہیں مہلت نہ دی جاتی اور نہ ان سے عذاب مؤخر کیا جاتا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ ع ۱

بے شک ہم نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں O اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بھی گزشتہ امتوں میں پیغمبر بھیجے تھے O اور ان کے پاس رسول نہیں آتے تھے مگر وہ لوگ ان کا مذاق اڑاتے تھے O اسی طرح ہم اسے مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں O کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور پہلے لوگوں کا طریقہ یقیناً گزر چکا ہے O اور اگر ہم ان پر آسمان کا ایک دروازہ کھول دیتے اور وہ اس پر چڑھ جاتے O البتہ وہ یہی کہتے کہ ہماری آنکھیں باندھ دی گئی ہیں بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جس پر جادو کیا گیا ہے O

۹۔﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ﴾ بے شک ہم نے اس ذکر (یعنی) قرآن مجید کو نازل کیا ہے ﴿وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ اور بے شک ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اس سے کفار کے انکار کی تردید کی گئی ہے اور ان کے استہزاء کا جواب ہے جو انہوں نے مذاق اڑانے کے لیے کہا تھا کہ (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ. (الحجر:۶)) ''اے وہ شخص جس پر ذکر (قرآن) نازل کیا گیا ہے!'' اور اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّا نَحْنُ''. سو اللہ تعالیٰ نے ان پر تاکید کے ساتھ بیان کیا کہ بے شک یہ قرآن مجید یقینی طور پر نازل کیا گیا ہے اور بے شک اسی نے اس قرآن مجید کو شیطانوں سے محفوظ نازل فرمایا اور وہی ہر وقت اس کی کمی وبیشی اور تحریف وتبدیلی سے حفاظت کرنے والا ہے اس کے برعکس سابقہ کتب کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے

خود نہیں لیا تھا بلکہ ان کی حفاظت پادریوں اور عالموں کی ذمہ داری تھی' چنانچہ انہوں نے سرکشی کرتے ہوئے آپس میں اختلاف شروع کر دیا' جس کی وجہ سے ان میں تبدیلی اور تحریف واقع ہوگئی' لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت اپنے علاوہ کسی کے سپرد نہیں فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد: ''وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ'' کو اس بات کی دلیل قرار دیا کہ دیگر قرآنی آیات کی طرح یہ آیت بھی اسی کی طرف سے نازل کی گئی ہے کیونکہ اگر یہ انسان کے کلام میں سے ہوتی یا آیت نہ ہوتی تو اس میں بھی زیادتی اور کمی داخل ہو جاتی جیسا کہ اس کے سوا ہر کلام میں داخل ہو جاتی ہے یا ''لَهٗ'' کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹتی ہے یعنی بے شک ہم رسول کریم کی حفاظت کریں گے جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ'' (المائدہ: ۶۷) ''اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا''۔

۱۰- ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ﴾ اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے اگلی امتوں میں بھیجے تھے یعنی بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو پہلی امتوں میں بھیجا تھا' اور ''شِيْعَة'' کا معنی گروہ ہے جب وہ ایک مذہب اور ایک طریقہ پر متفق ہوں۔

۱۱- ﴿وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ﴾ [اس آیت مبارکہ میں ماضی کے حال کی کہانی بیان کی گئی ہے کیونکہ حرف ''مَا'' جب فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تو اس وقت فعل مضارع صرف حال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور جب فعل ماضی پر داخل ہوتا ہے تو اس وقت فعل ماضی حال کے قریب معنی میں استعمال ہوتا ہے] اور ان کے پاس رسول نہ آتے ﴿اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ مگر وہ لوگ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ اس آیت مبارکہ سے حضور نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کفارِ مکہ کی بے ہودہ باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں کیونکہ جُہال کا ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے۔

۱۲- ﴿كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ ہم اسی طرح اس کو مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں یعنی جس طرح ہم نے کفر کو یا مذاق اڑانے کے رویہ کو پہلی امتوں اور گروہوں میں داخل کیا تھا' اسی طرح ہم اس کو یعنی کفر کو یا مذاق اڑانے کو آپ کی امت میں سے ایسے تمام مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں جنہوں نے کفر و استہزاء کو اختیار کیا ہوا ہے۔ [''سَلَكْتُ الْخَيْطَ فِي الْاِبْرَةِ وَاَسْلَكْتُهٗ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب تم نے دھاگے کو سوئی میں داخل کیا ہو اور یہ آیت مبارکہ معتزلہ پر حجت ہے کہ تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے خواہ وہ نیک ہوں یا بد ہوں' بندہ صرف افعال کا سبب ہے خالق نہیں]۔

۱۳- ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ وہ لوگ اس پر (یعنی) اللہ تعالیٰ پر یا اس ذکر (قرآن) پر ایمان نہیں لائیں گے [اور یہ جملہ حال ہے] ﴿وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ اور بے شک پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے (یعنی) کفار کو ہلاک کرنے کا طریقہ گزر چکا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان میں جاری فرما دیا ہے کہ جب وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا اور یہ کفارِ مکہ کے لیے حضور کی نبوت و رسالت کے جھٹلانے پر دھمکی اور ڈراوا ہے۔

۱۴- ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ اور اگر ہم ان پر آسمان کا ایک دروازہ کھول دیتے (یعنی) اگر ہم ان کے لیے واضح ترین اور صاف صاف ترین معجزہ ظاہر کر دیتے اور وہ آسمان کا ایک دروازہ کھولنا ہے ﴿فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ﴾ اور وہ لوگ اس میں اوپر چڑھ جاتے۔

۱۵- ﴿لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا﴾ تو البتہ وہ لوگ یہی کہتے کہ ہماری آنکھیں باندھ دی گئی ہیں (یعنی) حیرت میں ڈال دی گئی ہیں یا دیکھنے سے روک دی گئیں اور باندھ دی گئی ہیں۔ [ابن کثیر مکی کی قراءت میں (بغیر تشدید کے)

''سُكِرَتْ'' ہے یعنی رک گئیں جیسے نہر بہنے سے رک گئی]اور معنی یہ ہے کہ بے شک یہ مشرکینِ مکہ عناد و دشمنی کی وجہ سے غلو میں اس قدر انتہاء کو پہنچ چکے ہیں کہ اگر آسمان کے دروازوں میں سے کوئی ایک دروازہ ان کے لیے کھول دیا جاتا اور ان کے لیے سیڑھی مہیا کی جاتی جس کے ذریعے آسمان کی طرف اوپر چڑھ جاتے اور انہوں نے جو دیکھنا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے تو پھر بھی وہ یہی کہتے کہ یہ سب کچھ وہم و خیال ہے حقیقت کچھ نہیں اور وہ ضرور یہی کہتے کہ ﴿بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ﴾ بلکہ ہماری تمام قوم پر جادو کر دیا گیا ہے' بے شک (سرورِ کونین حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ہم پر جادو کر دیا ہے یا ضمیر ملائکہ کے لیے ہے یعنی اگر ہم ان کو فرشتے دکھا دیتے جو ان کے سامنے آسمان میں چڑھتے تو پھر بھی وہ یہی کہتے اور ''ظلول'' کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ ان کا آسمان کی طرف چڑھنا دن کے وقت ہوتا کہ وہ واضح طور پر دیکھ سکیں اور اللہ تعالیٰ نے ''اِنَّمَا'' صرف اس لیے ارشاد فرمایا تاکہ یہ اس بات پر رہ نمائی کرے کہ وہ لوگ یہ بات یقین کے ساتھ کہتے کہ ہماری آنکھوں پر صرف جادو کر دیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿١٦﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ﴿١٧﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیْنٌ ﴿١٨﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿١٩﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ ﴿٢٠﴾ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢١﴾

اور بے شک ہم نے آسمان میں ستارے مقرر کیے ہیں اور ہم نے اس کو دیکھنے والوں کے لیے آراستہ کر دیا ہے○ اور ہم نے اس کو ہر مردود شیطان سے محفوظ رکھا ہے○ مگر جس نے چوری چھپے سن لیا تو شعلہ مارنے والا ایک روشن ستارہ اس کا پیچھا کرتا ہے○ اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں ہم نے پہاڑ ڈال دیئے اور ہم نے اس میں ہر مناسب چیز اُگا دی○ اور ہم نے تمہارے لیے اس میں روزی کا سامان بنایا اور ان کے لیے بھی جن کو تم رزق دینے والے نہیں ہو○ اور کوئی چیز ایسی نہیں مگر اس کے تمام خزانے ہمارے پاس ہیں' اور ہم اس کو نہیں اتارتے مگر ایک معلوم اندازے کے مطابق○

اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور اس کے انعامات کا بیان

١٦- ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ﴾ اور بے شک ہم نے آسمان میں (ستارے) بنائے (یعنی) ہم نے آسمان میں (ستارے) پیدا کیے [''جَعَلْنَا'' بہ معنی ''خَلَقْنَا'' ہے] ﴿بُرُوْجًا﴾ ستاروں کو یا محلات کو بنایا جن میں محافظ فرشتے رکھوالی کے لیے مقرر ہیں یا یہ کہ ستاروں کی منزلیں مقرر کر دی ہیں ﴿وَّزَیَّنّٰهَا﴾ اور ہم نے اس کو (یعنی) آسمان کو ستاروں سے آراستہ کیا اور خوب سجایا ﴿لِلنّٰظِرِیْنَ﴾ دیکھنے والوں کے لیے۔

١٧- ﴿وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ﴾ اور ہم نے اس کو یعنی آسمان کو شیطان ملعون یا ستاروں کے ذریعے بھگائے گئے شیطان سے محفوظ بنا دیا ہے۔

١٨- ﴿اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ﴾ مگر جس نے چوری چھپے سن لیا یعنی سنی گئی بات کو چرا لیا [اور ''مَنْ'' استثناء سے محلًّا

منصوب ہے] ﴿فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ﴾ تو شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے (یعنی) ستارہ اس کے پیچھے تعاقب کر کے آگ کا شعلہ پھینکتا ہے تو شیطان ناکام واپس لوٹ آتا ہے ﴿مُّبِیْنٌ﴾ دیکھنے والوں کے لیے ظاہر ہے۔ بعض نے فرمایا: پہلے شیطانوں کو تمام آسمانوں میں جانے کی اجازت تھی اور انہیں آسمانوں پر جانے کی ممانعت نہیں تھی' پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی تو شیطانوں کو تین آسمانوں پر جانے سے روک دیا گیا' پھر جب سیّد الانبیاء حبیبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو تمام شیطانوں کو تمام آسمانوں پر جانے سے روک دیا گیا' اب کوئی شیطان کسی آسمان پر نہیں جا سکتا۔

١٩-﴿وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا﴾ اور زمین کو ہم نے پھیلایا (یعنی) ہم نے زمین کو کعبہ معظمہ کی جگہ سے ہر چہار طرف مساوی بچھا دیا اور جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی کی سطح پر پھیلایا ﴿وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ﴾ اور ہم نے اس میں پہاڑوں کو ڈال دیا' مقصد یہ ہے کہ ہم نے پہاڑوں کو زمین میں گاڑ دیا (تاکہ پہاڑوں کے جم جانے سے زمین ساکن و برقرار رہے) ﴿وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ﴾ اور ہم نے اس میں ہر چیز مناسب پیدا کی' اس کا حکمت کے میزان میں وزن کیا گیا اور اس کو ایسی مقدار میں مناسب اندازے پر پیدا کیا گیا جس کا حکمتِ الٰہی تقاضا کرتی تھی' نہ اس میں زیادتی کی گنجائش ہے اور نہ کمی کی گنجائش ہے یا یہ کہ زمین کی تمام پیداوار کو مفید و نفع بخش اور نعمت ہونے کے معاملات میں مناسب و موزوں پیدا کیا گیا یا اس کا زعفران' سونا چاندی' پیتل اور لوہا وغیرہ کی طرح وزن کیا جاتا ہے اور جن چیزوں کا وزن کیا جاتا ہے ان کو ناپ اور وزن کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔

٢٠-﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ﴾ اور ہم نے تمہارے لیے اس زمین میں روزی کا سامان پیدا کیا ہے' کھانے پینے رہنے سہنے اور پہننے کی جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ تمام مہیا کر دیں۔ [''مَعَایِش'' جمع ہے اور ''مَعِیْشَة'' اس کا واحد ہے جس میں ''یا'' اصلی ہے' اس لیے اس میں ''یا'' کی تصریح ضروری ہے اس کے برعکس ''خَبَـائِث'' وغیرہ میں ہمزہ کی بجائے ''یـا'' کی تصریح کرنا غلط ہے] ﴿وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ﴾ اور جن کو تم رزق دینے والے نہیں ہو [لفظ ''مَـنْ'' ''مَعَایِشَ'' پر معطوف ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے یا ''لَكُمْ'' کے محل پر معطوف ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے زمین میں سامانِ زندگی پیدا کیا اور ہم نے تمہارے لیے ان کو پیدا کیا جن کو تم روزی نہیں دیتے یا یہ معنی ہے کہ ہم نے تمہارے لیے زمین میں سامانِ رزق پیدا کیا اور ان کے لیے بھی ہم نے رزق کا سامان پیدا کیا جن کو تم رزق دینے والے نہیں ہو اور اس سے بیوی' بچے' غلام' لونڈیاں اور نوکر چاکر مراد ہیں جن کے بارے میں لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ انہیں روزی دے رہے ہیں حالانکہ وہ غلطی کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے' وہی اُن کو بھی اور اِن کو بھی رزق دے رہا ہے اور روزی میں مویشی اور دیگر تمام جانور وغیرہ داخل ہیں [اور ''لَكُمْ'' میں ضمیر مجرور پر عطف کر کے ''مَنْ'' کو جر کا محل قرار دینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ حرفِ جار کے اعادہ کے بغیر مجرور ضمیر پر معطوف نہیں ہوتا]۔

٢١-﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ اور کوئی ایسی چیز نہیں مگر اس کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم اس کو نہیں اتارتے مگر ایک معلوم و معین اندازے کے مطابق۔ یہاں خزانوں کا ذکر صرف تمثیل کے لیے ہے اور مطلب و معنی یہ ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے بندے فائدہ حاصل کرتے ہیں مگر اس کے ایجاد کرنے پر اور اس کو پیدا کرنے پر صرف ہم قدرت رکھتے ہیں اور ہم اپنے بندوں کو جو نعمت عطا کرتے ہیں' وہ ایک معلوم مقدار کے مطابق عنایت کرتے ہیں' بہرحال خزانوں کی مثال صرف ہر مقدور و مملوک پر اس کے اقتدار کے اظہار کے لیے

بیان کی گئی ہے۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے بادلوں کو اٹھانے والی ہواؤں کو بھیجا اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا اور ہم نے تمہیں اس سے سیراب کیا' اور تم اس کو جمع کرنے والے نہیں ہو O اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں O اور بے شک ہم تم میں سے آگے بڑھنے والوں کو بھی جانتے ہیں اور بے شک ہم پیچھے رہنے والوں کو بھی جانتے ہیں O اور بے شک آپ کا رب تعالیٰ ہی ان کو جمع کرے گا' بے شک وہ بڑا حکمت والا خوب جاننے والا ہے O اور بے شک ہم نے انسان کو کھنکھناتے گندھے ہوئے گارے سے پیدا کیا O اور ہم نے اس سے پہلے جنوں کو سخت گرم ترین شفاف آگ سے پیدا کیا O

۲۲- ﴿وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ﴾ ''لَوَاقِحَ'' ''لَاقِحَةٌ'' کی جمع ہے (''لَاقِحَةٌ'' کا معنی ہے: بوجھ اٹھانے والی یا حاملہ) یعنی ہم نے پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو اٹھانے والی ہواؤں کو بھیجا' چونکہ یہ ہوائیں بادلوں کو اپنے اندر اٹھالیتی ہیں تو گویا ہوائیں بادلوں سے حاملہ ہوتی ہیں [یہ ''لَقَحَتِ النَّاقَةُ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی یہ ہے کہ اونٹنی حاملہ ہوگئی اور اس کا متضاد ''عقیم'' (بانجھ) ہے۔ قاری حمزہ کی قراءت میں ''الرِّيْحَ'' ہے] ﴿فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ﴾ پھر ہم نے آسمان سے پانی نازل کیا (یعنی بارش کو برسایا) تو ہم نے اس سے تمہیں سیراب کیا اور ہم نے اس سے تمہیں پانی پلایا ﴿وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ﴾ اور تم اس کو جمع کرنے والے نہیں ہو۔ اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے اس چیز کی نفی کر دی ہے' جس کو درج ذیل ارشاد میں اپنی ذات کے لیے ثابت کیا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ''وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ''. اور کوئی چیز نہیں مگر اس کے خزانے ہمارے پاس ہیں' گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پانی کو ہم جمع کرنے والے ہیں' اس بناء پر کہ آسمان میں اس کے پیدا کرنے پر ہم قادر ہیں اور اس کو آسمان سے ہم برساتے ہیں اور تم اس پر قادر نہیں ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت واختیار کی عظمت پر اور بندوں کے عاجز ہونے پر واضح دلیل ہے۔

۲۳- ﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ﴾ اور بے شک البتہ ہم زندہ کرتے ہیں اور ہم مارتے ہیں' یعنی ہم ایجاد و تخلیق کے ذریعے زندگی عنایت کرتے ہیں اور ہم ہی فنا کے ذریعے موت دیتے ہیں یا یہ کہ ہم ہی مدتِ زندگی کے اختتام کے وقت موت دیتے ہیں اور ہم ہی اعمال پر جزاء دینے کے لیے زندہ کریں گے [اس میں تقدیم وتاخیر ہے کیونکہ واؤ مطلق جمع کے لیے آتی ہے ترتیب ضروری نہیں] ﴿وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ﴾ اور ہم وارث ہیں' مقصد یہ ہے کہ تمام مخلوق کی ہلاکت کے بعد صرف ہم باقی رہیں گے اور بعض نے فرمایا کہ میّت کے وارث سے بطور استعارہ وارث کے لفظ کو باقی کے معنی کے لیے لیا گیا ہے کیونکہ میّت کا وارث بھی میّت کے مرنے کے بعد باقی رہتا ہے۔

٢٤- ﴿وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِيْنَ﴾ اور بے شک ہم تم میں سے آگے بڑھنے والوں کو بھی جانتے ہیں اور بے شک ہم پیچھے آنے والوں کو بھی جانتے ہیں' جو پیدائش وموت میں مقدم ہے اور جو پیدائش اور موت میں مؤخر ہے یا جو باپوں کی پشتوں سے خارج ہو چکے ہیں اور جو ابھی تک نہیں آئے یا جو اسلام قبول کرنے میں یا اطاعت و فرماں برداری میں یا باجماعت نماز کی صف میں یا جنگ کی صف میں سبقت و پہل کر چکے ہیں اور جو پیچھے رہ گئے ہیں۔

٢٥- ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ﴾ اور بے شک آپ کا رب ہی ان کو جمع فرمائے گا یعنی وہ اکیلا ان سب لوگوں کے جمع کرنے پر قادر ہے اور وہی ان کی تعداد کا احاطہ رکھتا ہے ﴿اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ بے شک وہی غالب حکمت والا' وسیع علم والا ہے۔

انس اور جن کی تخلیق کا بیان

٢٦- ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ اور بے شک ہم نے انسان یعنی آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا ہے ﴿مِنْ صَلْصَالٍ﴾ خشک مٹی سے جسے پکایا نہیں گیا ﴿مِنْ حَمَاٍ﴾ سیاہ گارے سے' یہ ''صلصال'' کی صفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خشک بجنے والی مٹی سے پیدا کیا جو سیاہ گارے سے تھی یعنی ایسی مٹی جو پانی میں کئی روز رہنے کی وجہ سے اصل رنگ بدل کر سیاہ بدبودار گارا بن چکی تھی ﴿مَسْنُوْنٍ﴾ [بہ معنی ''مُصَوَّرٌ'' (واو پر زبر) ہے] یعنی تصویر اور شکل وصورت بنائی گئی' دراصل پہلی مرتبہ وہ ''تُرَابٌ'' یعنی عام مٹی تھی' پھر اسے پانی میں گوندھا گیا تو ''طِيْنٌ'' یعنی گندھی ہوئی مٹی بن گئی' پھر اسے چند دن پانی میں چھوڑ دیا گیا تو ''حَمَاٍ'' یعنی سیاہ بدبودار مٹی بن گئی' پھر اسے چن لیا گیا اور پانی سے الگ کر لیا گیا تو وہ ''سُلَالَةٌ'' یعنی چنی ہوئی مٹی بن گئی' پھر اس کی تصویر یعنی خالی ڈھانچہ تیار کیا گیا اور اس کو خشک کیا گیا تو وہ ''صلصال'' یعنی بجنے والی مٹی بن گئی' لہٰذا انسان کے لیے ان تمام الفاظ کے استعمال کرنے میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

٢٧- ﴿وَالْجَآنَّ﴾ اور جنوں کے باپ کو (ہم نے پیدا فرمایا) جیسے حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے لیے (باپ ہیں)' یا پھر اس سے ابلیس مراد ہے [اور یہ پوشیدہ فعل کی وجہ سے منصوب ہے' جس کی تفسیر اور وضاحت آگے آنے والا فعل ''خَلَقْنَاهُ'' کر رہا ہے] ﴿خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ﴾ ہم نے اس کو آدم (علیہ السلام) سے پہلے پیدا کیا تھا ﴿مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ سخت گرم ترین تیز آگ سے' جو انسانی مسام میں داخل ہونے والی ہے۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ آگ اس آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے جنوں کو پیدا کیا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٢٨﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٣٠﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٣٣﴾

اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا: بے شک میں کھنکھناتے گندھے ہوئے گارے سے انسان کو پیدا کرنے والا ہوں O پھر جب میں اس کو مکمل بنا لوں اور میں اس میں اپنی برگزیدہ روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدہ

میں گر پڑنا O سو تمام فرشتوں نے مل کر سجدہ کیا O سوائے ابلیس کے اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا O فرمایا: اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا O اس نے کہا: میرے لائق نہیں کہ میں بشر کو سجدہ کروں جس کو تو نے بجنے والے گندھے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے O

۲۸۔﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ اور (اے محبوب!) آپ اس ارشاد کے وقت کو یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا تھا کہ ﴿اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ بے شک میں بجنے والی سیاہ چپی ہوئی مٹی سے ایک انسان بنانے والا ہوں۔

۲۹۔﴿فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ﴾ پھر جب میں اسے برابر کرلوں (یعنی) جب میں اس کی تخلیق (بناوٹ) کو مکمل کرلوں اور میں روح پھونکنے کے لیے اس کو مکمل تیار کرلوں ﴿وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ﴾ اور میں اس میں اپنی برگزیدہ روح پھونک دوں (یعنی) میں اس میں روح داخل کردوں اور میں اس کو زندہ کردوں اور وہاں پھونکنا وغیرہ کچھ نہیں تھا [اور وہ صرف تمثیل وتشبیہ ہے اور روح کی اپنی طرف اضافت ونسبت صرف تخصیص کے لیے ہے] ﴿فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ﴾ تو تم اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا [یہ امر (حکم) ہے جو "وَقَعَ یَقَعُ" سے ہے اصل میں اس کا معنی ہے کہ تم زمین پر گر پڑو یعنی تم حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو اور اس کے شروع میں "فـا" کو اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ یہ "اِذَا" کا جواب ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فعل کے وقت سے پہلے امر کرنا جائز ہے]۔

۳۰۔﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ﴾ پس تمام فرشتوں نے یکدم جمع ہو کر سجدہ کیا تھا [پھر "مَلَآئِكَةُ" کا لفظ جمع ہے اور عام ہے جس میں تخصیص کا احتمال تھا کہ سب فرشتوں میں سے مخصوص فرشتوں نے سجدہ کیا ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد (كُلُّهُمْ) کے ذریعے تخصیص کے احتمال کو ختم فرما دیا اور واضح کر دیا کہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا تھا پھر کل کے ذکر کے بعد گروہ در گروہ اور جدا جدا ہو کر سجدہ کرنے کی تاویل کا احتمال تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد (اَجْمَعُوْنَ) سے اس احتمال کو بھی ختم فرما دیا]۔

۳۱۔﴿اِلَّآ اِبْلِیْسَ﴾ سوائے ابلیس کے۔[استثناء کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ شیطان مردود فرشتوں میں سے تھا کیونکہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوتا ہے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے] اور شیطان مردود فرشتوں میں سے نہیں تھا[1]

اس کا جواب یہ ہے کہ غیر مامور (جسے حکم نہ دیا گیا ہو) ترک امر (حکم نہ ماننے) پر ملعون نہیں ہوتا اور علامہ زمخشری نے "تفسیر کشاف" میں کہا کہ چونکہ شیطان فرشتوں میں رہتا تھا اس لیے فرشتوں کے ساتھ اسے بھی سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا لیکن

[1] جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ". (الکہف:۵۰) "وہ جن قوم میں سے تھا پھر اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی"۔ باقی مدارک کا یہ کہنا کہ جب وہ فرشتوں میں سے نہیں تھا تو سجدہ کرنے کے حکم کا مامور بھی نہ ہوا اور غیر مامور ترکِ حکم سے ملعون نہیں ہوتا حالانکہ شیطان تو ملعون بھی ہے اور مردود بھی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان فرشتوں میں سے نہ ہونے کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے حکم کا مامور تھا کیونکہ وہ فرشتوں میں رہتا تھا چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ". (الاعراف:۱۲) "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے کس چیز نے منع کیا کہ تو نے سجدہ نہیں کیا جب میں نے تجھے حکم دیا تھا؟ شیطان نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے"۔

کثرت کی بناء پر تغلیباً صرف فرشتوں کا نام ذکر کیا گیا' پھر تغلیب کے بعد اس کا استثناء کیا گیا جیسے تمہارا یہ کہنا کہ "رَاَیْتُهُمْ اِلَّا هِنْدًا"۔ میں نے ان سب کو دیکھ لیا ہے ماسوا ہند کے ﴿ اَبٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴾ اس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا (یعنی) وہ فرشتوں کا ساتھ دینے سے رُک گیا [اور "اَبٰی" اس بناء پر مستقل الگ جملہ ہے کہ یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ کسی نے کہا کہ شیطان نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو جواب میں کہا گیا کہ اس نے اس سے انکار کر دیا اور اس سے تکبر کیا اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے: لیکن ابلیس نے انکار کر دیا]۔

٣٢- ﴿ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا؟ [حرف جر بھی "اَنْ" کے ساتھ محذوف ہے' اس کی اصل اس طرح ہے: "مَا لَكَ فِیْ اَنْ لَّا تَكُوْنَ مَعَ السَّاجِدِیْنَ" یعنی سجدہ کرنے سے انکار کرنے میں تیری کیا غرض ہے؟]۔

٣٣- ﴿ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ ﴾ شیطان نے کہا: مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں ایک بشر کو سجدہ کروں ["لِاَسْجُدَ" میں لام نفی کی تاکید کے لیے ہے] یعنی میرے لیے یہ درست نہیں کہ میں ایک انسان کو سجدہ کروں ﴿ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴾ جس کو تو نے بجنے والے سیاہ بدبودار گارے سے پیدا کیا ہے۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿٣٤﴾ وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿٣٥﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿٣٦﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿٣٧﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿٣٩﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿٤٠﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ﴿٤١﴾ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿٤٢﴾

فرمایا: تو اس سے نکل جا بے شک تو مردود ہے O اور بے شک قیامت کے دن تک تجھ پر لعنت رہے گی O اس نے کہا: اے میرے رب! مجھے اس دن تک مہلت دے دے جس دن سب کو اٹھایا جائے گا O فرمایا: بلاشبہ تجھے مہلت دے دی گئی ہے O اس دن تک جس کا وقت معلوم ہے O اس نے کہا: اے میرے رب! جس کی وجہ سے تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں ضرور ان کے لیے زمین میں (بُرائی کو) خوشنما بنا دوں گا اور میں ان سب کو ضرور گمراہ کر دوں گا O ماسوا تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے مخلص ہیں O اللہ نے فرمایا: یہ سیدھا راستہ مجھ تک پہنچتا ہے O بے شک میرے بندوں پر تجھے غلبہ نہیں ملے گا مگر گمراہوں میں سے جس نے تیری پیروی کر لی O

٣٤- ﴿ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس تو یہاں سے نکل جا۔ آسمان سے یا جنت سے یا فرشتوں کی جماعت سے ﴿ فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴾ سو تو بلاشبہ مردود ہے' اللہ تعالیٰ کی رحمت سے راندہ ہوا ہے اور اس کا معنی ہے: ملعون کیونکہ لعنت کا معنی رحمتِ الٰہی سے دور ہونا ہے اور اس سے دور کرنا ہے۔

٣٥- ﴿ وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴾ اور بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت رہے گی۔ قیامت کے دن تک لعنت کی حد بیان کی گئی ہے کیونکہ لوگ اپنے کلام اور بات چیت میں سب سے زیادہ انتہائی دور قیامت کے دن کو قرار

دیتے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ بے شک تو مذموم و بدترین ہے' قیامت تک آسمانوں اور زمین میں تجھ پر لعنت کی بددعا کی جائے گی۔ علاوہ ازیں تجھے عذاب دیا جائے گا' چنانچہ جب وہ دن آئے گا تو تجھے ایسا عذاب دیا جائے گا کہ جس کے سبب اس کے ساتھ لعنت کی ذلت کو بھول جائے گا۔

۳۶۔﴿ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ ﴾ شیطان نے کہا: اے میرے پروردگار! پس تو مجھے مہلت دے دے اور میری عمر لمبی کر دے اور میری زندگی بڑھا دے ﴿ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴾ اس دن تک جب لوگ اٹھائے جائیں گے۔

۳۷۔﴿ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک تو مہلت والوں میں سے ہو گیا ہے۔

۳۸۔﴿ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴾ اس دن تک جس کا وقت معلوم ہے۔ ''یَوْمِ الدِّیْنِ'' اور ''یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ'' اور ''یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ'' کا ایک معنی ہے (قیامت کا دن)' لیکن بلاغت کے طریقہ پر کلام کو چلانے کے لیے مختلف عبارتوں میں بیان کیا گیا ہے اور بعض نے کہا کہ جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے' اس دن تک شیطان کا مہلت مانگنا اس لیے تھا تا کہ اس پر موت نہ آئے کیونکہ حشر کے دن کسی کو موت نہیں آئے گی' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ بات قبول نہیں فرمائی اور اس کو مکلف ہونے کے آخری دنوں تک مہلت دے دی۔

۳۹۔﴿ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ ﴾ شیطان نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے قسم ہے کہ جس کی وجہ سے تو نے مجھے گمراہ کیا ہے۔ [''بَا'' قسم کے لیے ہے اور ''مَا'' مصدریہ ہے اور قسم کا جواب (لَاُزَیِّنَنَّ لَھُمْ) ہے اور معنی یہ ہے کہ مجھے تیرے گمراہ کرنے کی قسم ہے کہ] ﴿ لَاُزَیِّنَنَّ لَھُمْ ﴾ میں ان کے لیے نافرمانی کو ضرور خوبصورت بنا کر پیش کرتا رہوں گا' اور ''بِمَا اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَھُمْ'' کی طرح درج ذیل ارشاد ہے: ''فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّھُمْ''. (ص: ۸۲) ''پس مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا''۔ [اس میں بھی ''بَا'' قسم کے لیے ہے' مگر ان میں سے ایک میں ذات کی قسم ہے اور دوسری میں فعل کی صفت کی قسم ہے اور فقہائے کرام نے ان دونوں کے درمیان فرق واضح کیا ہے' چنانچہ عراقیوں نے کہا کہ ذات کی صفت پر حلف اٹھانا جیسے قدرت' عظمت اور عزت تو یہ قسم کہلائے گی اور فعل کی صفت پر حلف اٹھانا جیسے رحمت اور غضب تو یہ قسم نہیں کہلائے گی' لیکن صحیح ترین بات یہ ہے کہ قسم عرف پر مبنی ہوتی ہے' لہٰذا لوگوں کے عرف میں جس پر حلف اٹھانا قسم کہلائے گی وہ قسم ہوگی اور جس پر حلف اٹھانا عرف میں قسم نہیں کہلائے گی وہ قسم نہیں ہوگی اور یہ آیت مبارکہ معتزلہ پر حجت ہے کہ تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ان کی طرف سے اس کو سبب پر محمول کرنا واضح طور پر آیت مبارکہ کے ظاہر سے اعراض و پھر جانا ہے ﴿ فِی الْاَرْضِ ﴾ دنیا میں جو دھوکے اور فریب کا گھر ہے یا یہ معنی مراد ہے کہ میں (حضرت) آدم کے لیے حیلہ اور بہانا بنانے پر اور میں ان کے لیے درخت سے کھانے کو خوبصورت عمل بنا کر پیش کرنے پر قدرت و اختیار رکھتا ہوں اور یہ آسمان میں ہوگا اور زمین میں ان کی اولاد کے سامنے (برائیوں کو) خوبصورت بنا کر پیش کرنے پر قادر ہوں ﴿ وَلَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴾ اور میں ان سب کو ضرور گمراہ کر دوں گا۔

۴۰۔﴿ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴾ ان میں سے تیرے مخلص بندوں کے سوا۔ [ابو عمرو بصری' ابن کثیر کی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں لام مکسور (یعنی لام کے نیچے زیر) ہے] شیطان نے مخلص بندوں کو اس لیے مستثنیٰ قرار دیا کہ اسے معلوم تھا کہ اس کا مکر وفریب ان مخلص حضرات پر کارگر نہیں ہوگا اور نہ وہ اس کا مکر وفریب اس سے قبول کریں گے۔

۴۱'۴۲۔﴿ قَالَ ھٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ○ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سیدھا راستہ مجھ تک پہنچتا ہے ○ بے شک میرے بندوں پر تجھے غلبہ حاصل نہیں ہوگا سوائے

اس کے جس نے گمراہوں میں سے تیری پیروی کر لی' یعنی یہ سچا راستہ ہے جس کی رعایت کرنا مجھ پر لازم ہے اور وہ یہ کہ تجھے میرے بندوں پر غلبہ حاصل نہیں ہوگا' مگر ان میں سے جس نے اپنی گمراہی کی وجہ سے تیری پیروی اختیار کر لی [بعض نے کہا: ''عَلَیَّ'' بہ معنی ''اِلَیَّ'' ہے۔ قاری یعقوب کی قراءت میں لام مکسور کے ساتھ ''عَلِیٌّ'' ہے (یعنی بلند و بالا) یہ شرف و فضل کے علو سے ماخوذ ہے یعنی یہ سیدھا راستہ فضیلت و بزرگی میں بہت بلند ہے]۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٣﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿٤٤﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٤٥﴾ ؕ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٤٧﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿٤٨﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْۤ اَنِّيْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٤٩﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿٥٠﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٥١﴾

اور بے شک دوزخ ان سب کی وعدہ گاہ ہے ○ اس کے سات دروازے ہیں' ہر دروازے کے لیے ان میں سے ایک حصہ تقسیم کر دیا گیا ہے ○ بے شک پرہیزگار بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے ○ (ان کو کہا جائے گا:) تم ان میں سلامتی کے ساتھ امن والے بن کر داخل ہو جاؤ ○ اور ہم ان کے سینوں میں موجود کینے نکال لیں گے وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے ○ اس میں انہیں نہ تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے ○ آپ میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ بے شک میں بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہوں ○ اور بے شک میرا عذاب بھی بہت ہی دردناک عذاب ہے ○ اور آپ انہیں ابراہیم کے مہمانوں کے بارے میں بتا دیجئے ○

٤٣- ﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ اور بے شک یہ دوزخ ان سب گمراہوں کی وعدہ گاہ ہے [اس میں ''هُمْ'' ضمیر ''غَاوِيْنَ'' کی طرف لوٹتی ہے]۔

٤٤- ﴿لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ﴾ اس کے لیے سات دروازے ہیں' ان میں سے ہر دروازے کے لیے (یعنی) شیطان کے پیروکاروں میں سے ﴿جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ﴾ الگ معلوم حصہ ہے' بعض نے کہا کہ اس سے دوزخ کے دروازے' اس کے طبقے اور اس کے درجے مراد ہیں' پس سب سے اوپر والا طبقہ گنہگار مسلمانوں کے لیے ہوگا' جس میں ان کو ان کے گناہوں کے مطابق عذاب دیا جائے گا' پھر انہیں دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور دوسرا طبقہ یہودیوں کے لیے ہوگا اور تیسرا طبقہ عیسائیوں کے لیے ہوگا اور چوتھا طبقہ فرشتوں اور ستاروں کے پجاریوں کے لیے ہوگا اور پانچواں طبقہ مجوسیوں (آگ کے پجاریوں) کے لیے ہوگا اور چھٹا طبقہ مشرکین کے لیے ہوگا اور ساتواں طبقہ منافقوں کے لیے ہوگا۔

پرہیزگاروں کی شان اور حضرت ابراہیم کے مہمانوں کا بیان

٤٥- ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ﴾ بے شک پرہیزگار لوگ جنتوں اور چشموں میں ہوں گے [اور نافع مدنی اور ابوعمرو بصری اور امام حفص کی قراءت میں عین مضموم (یعنی عین پر پیش) ہے] اور متقی وہ شخص ہے جو ان تمام چیزوں سے بچے جن سے بچنا اور پرہیز کرنا واجب و ضروری ہو' اس بناء پر کہ شریعت میں ان سے منع کیا گیا ہے اور ''کتاب الشرح''

میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد (لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ) میں اگر کبیرہ گناہوں والے داخل ہوں تو متقین سے وہ لوگ مراد ہوں گے جو کبیرہ (بڑے) گناہوں سے بچتے رہے ورنہ اس سے وہ لوگ مراد ہوں گے جو کفرو شرک سے بچتے رہے۔

۴۶- ﴿اُدْخُلُوْهَا﴾ یعنی ان سے کہا جائے گا کہ تم ان (جنتوں) میں داخل ہو جاؤ ﴿بِسَلٰمٍ﴾ سلامتی کے ساتھ۔[یہ حال ہے] یعنی اس حال میں (بہشتوں میں جاؤ کہ) تم سلامتی والے ہو یا تم پر سلام کیا جائے گا کہ فرشتے تمہیں سلام کریں گے ﴿اٰمِنِيْنَ﴾ اس حال میں (داخل ہو جاؤ کہ تم) جنتوں سے نکلنے کے اندیشہ سے اور اس میں آفات و بلیات سے امن والے ہو اور یہ دوسرا حال ہے۔

۴۷- ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ اور ان کے سینوں میں جو کچھ کینہ اور کھوٹ ہوگا وہ ہم نکال لیں گے اور ''غِلٌّ'' کا معنی ہے: دل میں چھپا ہوا بغض و کینہ یعنی اگر ان میں سے کسی کے دل کے اندر دنیا میں آخر تک بغض و کینہ رہا ہو گا تو اللہ تعالیٰ جنت میں وہ کینہ ان کے دلوں سے نکال دے گا اور ان کے دلوں کو ایک دوسرے کے بارے میں پاک صاف کر دے گا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے قوی امید ہے کہ میں' حضرت عثمان غنی' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر (رضی اللہ عنہم) انہیں میں سے ہیں اور بعض نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جنت میں ادنیٰ اور اعلیٰ مختلف درجات ملنے پر ایک دوسرے کے ساتھ حسد کرنے سے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو پاک صاف کر دے گا اور ان کے دلوں سے ہر قسم کا کھوٹ نکال دے گا اور ان کے دلوں میں باہمی محبت و پیار اور اخوت و بھائی چارہ ڈال دے گا ﴿اِخْوَانًا﴾ وہ آپس میں بھائی بھائی بن جائیں گے۔[یہ حال واقع ہو رہا ہے] ﴿عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ﴾ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جنتی حضرات جدھر گھومیں گے' ان کے تخت خود بخود آٹومیٹک گھومتے جائیں گے' چنانچہ وہ تمام حالات میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے رہیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔

۴۸- ﴿لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ﴾ ان کو جنت میں کوئی دکھ اور رنج نہیں پہنچے گا ﴿وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ﴾ اور وہ اس سے نہیں نکالے جائیں گے کیونکہ کامل و تمام نعمت وہی ہوتی ہے جو ہمیشہ کے لیے دی جائے۔

۴۹'۵۰- اور جب اللہ تعالیٰ نے وعدے اور وعید کا ذکر مکمل کر لیا تو اس کے بعد اب فرمایا: ﴿نَبِّئْ عِبَادِيْ اَنِّيْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ﴾ آپ میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ بے شک میں بہت بخشنے والا' نہایت مہربان ہوں ۝ اور بے شک میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے۔ پہلے جو کچھ ذکر کیا گیا ہے یہ اس کی تاکید و تائید ہے اور اس کو لوگوں کے دلوں میں بٹھانا اور بسانا ہے۔ حضور سیّد عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر آدمی اللہ تعالیٰ کی عفو و درگزر کی وسعت و مقدار کو جان لے تو حرام سے کبھی پرہیز نہ کرے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وسعت و سختی کو جان لے تو اپنے آپ کو عبادت میں ہلاک کر دے اور کبھی کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرے[1]۔

۵۱- ﴿وَنَبِّئْهُمْ﴾ اور آپ انہیں بتا دیں اور اپنی امت کو یہ خبر سنا دیں [یہ ''نَبِّئْ عِبَادِيْ'' پر معطوف ہے] تاکہ لوگ قوم لوط پر نازل کیے گئے عذاب کو عبرت بنالیں اور اس کے ذریعے مجرموں پر اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے انتقام کا اندازہ لگالیں اور یقین کر لیں کہ بے شک اس کے پاس اس کا عذاب بڑا ہی دردناک ہے ﴿عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان کے بارے میں یعنی اس کے مہمانوں کی خبر سنا دیں اور اس سے حضرت جبریل علیہ السلام کا گیارہ

[1] رواہ ابن جریر فی تفسیرہ ج ۱۴ ص ۳۹

فرشتوں کو لے کر آنا مراد ہے [اور "ضیف" واحد بھی آتا ہے اور جمع بھی آتا ہے کیونکہ یہ "ضَافَة" کا مصدر ہے]۔

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلٰمًا ؕ قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿٥٣﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿٥٤﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿٥٥﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿٥٦﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٧﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٥٨﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥٩﴾

جب وہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کہا' آپ نے فرمایا: بے شک ہم تم سے خوف محسوس کرتے ہیں ○ انہوں نے کہا کہ آپ بالکل نہ ڈریں بے شک ہم تو آپ کو ایک بڑے علم والے لڑکے کی خوشخبری سنانے آئے ہیں ○ آپ نے فرمایا: کیا تم مجھے خوشخبری سنانے آئے ہو جب کہ مجھے بڑھاپا آ گیا ہے تو تم کس بات کی خوشخبری سنانے آئے ہو؟ ○ انہوں نے کہا: ہم آپ کو سچی خوشخبری دینے آئے ہیں' سو آپ ناامید لوگوں میں سے نہ ہوں ○ فرمایا کہ گمراہوں کے علاوہ اپنے رب کی رحمت سے اور کون ناامید ہو سکتا ہے ○ فرمایا: تو تمہارا کیا کام ہے اے فرشتو! ○ انہوں نے کہا: بے شک ہمیں مجرم قوم کی طرف بھیجا گیا ہے ○ سوائے لوط کے ماننے والوں کے' بے شک ہم ان سب کو نجات دیں گے ○

۵۲- ﴿ إِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ﴾ جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے سلام کہا' یعنی ہم آپ کو سلام کرتے ہیں یا ہم نے آپ کو سلام کہا ہے ﴿ قَالَ ﴾ "اَیْ اِبْرَاهِیْمُ" یعنی حضرت ابراہیم نے فرمایا: ﴿ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴾ بے شک ہم تم سے خائف ہیں کیونکہ انہوں نے کھانا نہیں کھایا تھا یا اس لیے کہ وہ بغیر اجازت کے بے وقت داخل ہوئے۔

۵۳- ﴿ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ ﴾ انہوں نے کہا کہ آپ بالکل نہ ڈریں بے شک ہم تو آپ کو خوشخبری سنانے آئے ہیں ["لَا تَوْجَلْ" بہ معنیٰ "لَا تَخَفْ" ہے (یعنی مت ڈریئے) "اِنَّا نُبَشِّرُكَ" ڈرنے سے نہی (روکنے) کی علت و سبب بیان کرنے کے لیے مستقل الگ جملہ ہے یعنی بے شک آپ کو خوشخبری دی جاتی ہے' اس لیے آپ امن و امان سے رہیں اور بالکل خوف زدہ نہ ہوں۔ قاری حمزہ کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (یعنی شین بغیر شد کے) اور نون مفتوح (نون پر زبر) ہے یعنی "اِنَّا نَبْشِرُكَ" ہے] ﴿ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴾ بڑے علم والے لڑکے کی اور اس سے حضرت اسحاق مراد ہیں جیسا کہ سورۂ ھود (آیت: ۷۱) میں ارشاد ہے: "فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ". پس ہم نے اسے اسحاق کی خوشخبری سنائی۔

۵۴- ﴿ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم مجھے خوشخبری سنانے آئے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا آ گیا ہے یعنی کیا تم مجھے بڑھاپے میں پہنچنے کے باوجود یہ خوشخبری دینے آ گئے ہو کہ میرے لیے اولاد ہو گی یعنی بڑھاپے میں بیٹا ہونا بطور عادت نامعقول اور سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے ﴿ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴾ تو تم کیسی عجیب خوشخبری سنا رہے ہو [یہ اصل میں "مَا" استفہامیہ ہے' جو اس پر تعجب کے معنی دینے کے لیے داخل کیا گیا ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ تم مجھے کیسی عجیب خوشخبری سنا رہے ہو۔ ابن کثیر مکی کی قراءت میں (تُبَشِّرُوْنِ) میں نون مکسور مشدد (یعنی نون کے نیچے زیر

اور پر شد) ہے اور اصل میں "تُبَشِّرُوْنَنِیْ" تھا' پھر جمع کے نون کو دوسرے نون میں مدغم کر دیا گیا ہے' پھر "یَا" کو حذف کر کے کسرہ اس پر دلیل قرار دیا گیا۔ قاری نافع مدنی کی قراءت میں بغیر شد کے تخفیف کے ساتھ نون مکسور ہے (یعنی) "تُبَشِّرُوْنِ" ہے اور یہ اصل میں "تُبَشِّرُوْنَنِیْ" تھا پھر "یَا" کو حذف کر کے کسرہ (زیر) کو اس کا قائم مقام کیا گیا ہے اور اجتماع نُوْنَیْن کی وجہ سے جمع کا نون حذف کر دیا گیا اور باقی قراء کی قراءت میں نون مفتوح (زبر والا نون) ہے اور مفعول اور جمع کے نون کو حذف کر دیا گیا ہے]۔

۵۵- ﴿قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ﴾ انہوں نے کہا: ہم آپ کو سچی خوشخبری دینے آئے ہیں (یعنی) یقینی خبر جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے ﴿فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ﴾ سو آپ نا امید لوگوں میں سے نہ ہوں (یعنی) آپ اس سے مایوس نہ ہوں۔

۵۶- ﴿قَالَ وَمَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اپنے رب تعالیٰ کی رحمت سے بھلا کون نا امید ہو سکتا ہے [اور ابو عمرو بصری اور علی کسائی کی قراءت میں نون کے زیر کے ساتھ "یَقْنِطُ" ہے] ﴿اِلَّا الضَّآلُّوْنَ﴾ سوائے گمراہوں کے (یعنی) ماسوا ان کے جو راہِ حق میں غلطی کرنے والے ہیں یا ماسوا کافروں کے' جیسے ارشاد ہے: "اِنَّهٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ". (یوسف: ۸۷) "بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتی مگر صرف کافر قوم"۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو کر اس سے انکار نہیں کیا لیکن جو عادت جاری و ساری ہے' اس کے مطابق اس عمر میں بچے کے ہونے کو بعید از قیاس سمجھا اور اس کو عجیب خیال فرمایا۔

۵۷- ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَیُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے (بھیجے گئے) فرشتو! تمہارا کیا کام ہے؟ تم کس کام کے لیے آئے ہو؟

۵۸- ﴿قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ﴾ انہوں نے کہا کہ بے شک ہم تو مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

۵۹- ﴿اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ﴾ حضرت لوط علیہ السلام کے ماننے والوں کے سوا۔ "ال" سے آپ پر ایمان لانے والے مؤمنین مراد ہیں [اور استثناء منقطع ہے کیونکہ قوم جرائم کے ساتھ متصف تھی اور مستثنیٰ اس طرح نہیں ہے یا استثناء متصل ہے اور یہ استثناء "مجرمین" میں "هُمْ" ضمیر سے ہوگا] گویا کہا گیا ہے کہ ہم ایسی مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں جس نے تمام جرائم کا ارتکاب کر لیا ہے ماسوا حضرت لوط کے ماننے والوں کے۔ ان کو استثناء کے ذریعے مجرم قوم سے الگ کر لیا گیا ہے اور اب دو مختلف استثناء کی وجہ سے معنی بھی مختلف ہو جائے گا کیونکہ استثناء منقطع کی صورت میں آل لوط کو ارسال کے حکم سے الگ کر دیا گیا یعنی فرشتے صرف مجرم لوگوں کی طرف بھیجے گئے تھے اور آل لوط کی طرف ہرگز نہیں بھیجے گئے اور مجرموں کو عذاب میں مبتلا کرنے اور انہیں ہلاک کرنے کے لیے فرشتوں کو قوم لوط کی طرف بھیجنا اس طرح تھا جس طرح تیر شکار کی طرف بھیجا جاتا ہے' گویا فرمایا کہ بے شک ہم مجرم قوم کو ہلاک کریں گے لیکن آلِ لوط کو ہم نجات دیں گے لیکن استثناء متصل کی صورت میں آلِ لوط ارسال کے حکم میں داخل ہوگی یعنی فرشتے ان سب کی طرف بھیجے گئے تھے تا کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے مجرموں اور نافرموں کو ہلاک کر دیں اور ماننے والوں اور فرماں برداروں کو نجات دے دیں [اور جب استثناء منقطع ہوگا تو "اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِیْنَ" خبر کے قائم مقام ہوگا لیکن استثناء متصل کی صورت میں (اٰلَ لُوْطٍ) خبر ہوگی کیونکہ معنی یہ ہوگا: "لٰكِنَّ اٰلَ لُوْطٍ مُّنَجُّوْنَ". لیکن آل لوط کو نجات دی جائے گی اور جب استثناء متصل ہوگا تو کلام مستقل الگ ہوگا] گویا حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ آلِ لوط کا کیا بنے گا؟ تو فرشتوں نے جواب دیا: ﴿ اِنَّا لَمُنَجُّوۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴾ بے شک ہم ان سب کو نجات دے دیں گے۔

اِلَّا امۡرَاَتَهٗ قَدَّرۡنَاۤ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوۡطِ ۨالۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوۡا بَلۡ جِئۡنٰكَ بِمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ وَاتَّبِعۡ اَدۡبَارَهُمۡ وَلَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ وَّامۡضُوۡا حَيۡثُ تُؤۡمَرُوۡنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ ذٰلِكَ الۡاَمۡرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَاۤءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِيۡنَ ﴿۶۶﴾

ماسوا اس کی بیوی کے ہم نے تقدیر میں طے کر دیا ہے کہ بے شک وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہےO پھر جب بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس پہنچےO تو اس نے فرمایا: بے شک تم اجنبی لوگ ہوO انہوں نے کہا: بلکہ ہم وہ چیز (عذاب) لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کرتے ہیںO اور ہم آپ کے پاس حق کے ساتھ آئے ہیں اور بے شک ہم ضرور سچے ہیںO سو آپ رات کے آخری حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر چلے جائیں اور آپ ان کے پیچھے چلیں اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے وہیں چلے جاؤO اور ہم نے ان کی طرف وحی کر کے اس حکم کا فیصلہ سنا دیا ہے کہ بے شک صبح سویرے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گیO

٦٠- ﴿ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ ﴾ ماسوا ان کی بیوی کے۔ [یہ ''لَمُنَجُّوْهُمْ'' میں مجرور ضمیر سے مستثنیٰ ہے اور استثناء سے استثناء نہیں ہے کیونکہ یہ اس وقت ہوتا ہے جب دونوں کا حکم متحد ہو' مثلاً یوں ارشاد ہوتا کہ ہم مجرم قوم کو ہلاک کر دیں گے ماسوا آلِ لوط اور ماسوا ان کی بیوی کے حالانکہ یہاں دو مختلف حکم دیئے گئے ہیں اس لیے کہ ''اِلَّا اٰلَ لُوْطٍ''. ''اَرْسَلْنَا'' کے ساتھ متعلق ہے یا ''مُجْرِمِيْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے اور ''اِلَّا امْرَاَتَهٗ''. ''مُنَجُّوْهُمْ'' کے ساتھ متعلق ہے تو بھلا استثناء سے استثناء کیسے ہوگا؟ قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''لَمُنْجُوْهُمْ'' (نون ساکن اور جیم بغیر شد کے) تخفیف کے ساتھ ہے اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''قَدَرْنَا'' تخفیف (دال بغیر شد) کے ساتھ ہے] ﴿ قَدَّرۡنَاۤ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ﴾ ہم نے فیصلہ کیا کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی' (یعنی) وہ عذاب میں باقی رہنے والوں میں رہے گی [بعض نے کہا کہ اگر اس کی خبر میں لام نہ ہوتا تو پھر ''اِنَّ'' کے ہمزہ پر زبر ہوتی کیونکہ یہ اپنے اسم اور خبر سے مل کر ''قَدَّرْنَا'' کا مفعول ہے لیکن یہ درج ذیل ارشاد کی طرح ہے: ''وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ''. (الصافات: ١٥٨) ''اور بے شک جنات جانتے ہیں کہ وہ ضرور حاضر کیے جائیں گے''۔] اور اس آیت مبارکہ میں فرشتوں نے تقدیر کے فعل کی نسبت اپنی طرف کی ہے اور یوں نہیں کہا کہ ''قَدَّرَ اللّٰهُ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا' اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے قربِ خاص کی وجہ سے ایسا کیا ہے جیسا کہ بادشاہ کا خاص نمائندہ کہتا ہے کہ ہم نے اس طرح حکم دیا ہے حالانکہ حکم دینے والا بادشاہ ہوتا ہے۔

قومِ لوط کی سرکشی اور ہلاکت کا بیان

٦١'٦٢- ﴿ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۣالْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴾ پھر جب حضرت لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے ۝ تو آپ نے فرمایا: بے شک تم اجنبی لوگ ہو یعنی میں تمہیں نہیں پہچانتا یعنی نہ تو تمہارے اوپر سفر کے آثار نمایاں ہیں اور نہ تم اس شہر کے رہنے والے ہو سو مجھے اندیشہ ہے کہ تم مجھے نقصان پہنچاؤ گے۔

٦٣- ﴿ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں لوگ شک وشبہ کرتے تھے یعنی ہم آپ کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں لائے جس کی وجہ سے آپ ہم سے خطرہ محسوس کررہے ہیں بلکہ ہم آپ کے پاس وہ چیز لائے ہیں جس میں آپ کی خوشی اور اپنے دشمنوں سے نجات ہے اور وہ عذابِ خداوندی ہے جس کے آنے سے آپ ان کو ڈرایا کرتے تھے لیکن وہ اس میں شک کرتے تھے یعنی وہ شک وشبہ میں مبتلا تھے اور آپ کو جھٹلاتے تھے۔

٦٤- ﴿ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ ﴾ اور ہم آپ کے پاس حق کے ساتھ آئے ہیں (یعنی) ہم ان کے عذاب کے متعلق یقین کامل کے ساتھ آئے ہیں ﴿ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴾ اور ہم ان پر عذاب کے نازل ہونے کی خبر دینے میں بالکل ضرور سچے ہیں۔

٦٥- ﴿ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ ﴾ سو آپ اپنے ماننے والوں کو رات کے کسی حصہ میں لے کر یہاں سے تشریف لے جائیں (یعنی) رات کے آخری حصہ میں یا رات کا کافی حصہ گزر جانے کے بعد انہیں یہاں سے لے جائیں ﴿ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ ﴾ اور آپ ان کے پیچھے رہیے اور ان کے پیچھے چلتے رہیے تا کہ آپ ان سب سے آگاہ رہیں اور ان کے حالات سے واقف رہیں ﴿ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ ﴾ اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے تا کہ ان کی قوم پر جو عذاب نازل ہوگا وہ اُسے نہ دیکھ سکیں ورنہ وہ ان کے لیے نرم وہمدرد ہو جائیں گے یا پیچھے مڑ کر دیکھنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے تا کہ سفر مسلسل جاری رکھا جائے اور سستی اور وقفے وقفے سے چلنا ترک کر دیا جائے کیونکہ جو شخص مڑ کر پیچھے دیکھے گا تو اس کی رفتار میں کچھ نہ کچھ وقفہ ضرور آئے گا ﴿ وَامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴾ اور جہاں کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے اُدھر ہی تم چلتے رہو (یعنی) جس علاقے کی طرف تمہیں جانے کا حکم دیا گیا ہے تم اُدھر ہی چلے جاؤ اور وہ شام کا ملک ہے یا پھر مصر کا۔

٦٦- ﴿ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ ﴾ اور ہم نے ان کی طرف وحی بھیج کر اس حکم کا فیصلہ سنا دیا۔ [''قَضَيْنَا'' کو ''اِلٰی'' کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا ہے کہ یہ ''اَوْحَيْنَا'' کے معنی پر مشتمل ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ ہم نے قطعی اور یقینی فیصلہ کر کے (حضرت) لوط علیہ السلام کی طرف وحی بھیج دی تھی اور اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) ارشاد میں اس حکم کی تفسیر و وضاحت بیان فرما دی ﴿ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ ﴾ بے شک ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے مبہم پھر مفسر بیان کرنے میں اس حکم کی عظمت واہمیت کو واضح کرنا ہے اور ''دَابِر'' کا معنی ''پچھلا اور آخری'' ہے یعنی ابتداء سے لے کر آخر تک ان سب کو ہلاک کر دیا جائے گا یہاں تک کہ ان میں سے کوئی شخص صحیح سلامت اور زندہ باقی نہیں رہے گا ﴿ مُّصْبِحِيْنَ ﴾ صبح کے وقت (یعنی) جونہی وہ صبح کے وقت میں داخل ہوں گے (انہیں ہلاک کر دیا جائے گا) [اور یہ ''هٰٓؤُلَآءِ'' سے حال ہے]۔

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝٦٧ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝٦٨ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۝٦٩ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝٧٠ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ

بَنٰتِیْۤ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ﴿٧١﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿٧٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ مُشْرِقِیْنَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ﴿٧٤﴾

اور شہر کے رہنے والے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے (حضرت لوط کے پاس) آئے O آپ نے فرمایا: یہ میرے مہمان ہیں، سوتم مجھے رسوا نہ کرو O اور اللہ سے ڈرو اور مجھے بے عزت نہ کرو O انہوں نے کہا کہ کیا ہم نے آپ کو جہان والوں کے معاملات میں دخل دینے سے منع نہیں کیا تھا O فرمایا: (نکاح کے لیے) میری (قوم کی) یہ بیٹیاں ہیں اگر تم کرنا چاہتے ہو O (اے محبوب!) مجھے آپ کی جان کی قسم! بے شک وہ اپنی مستی میں بھٹک رہے تھے O پھر سورج نکلتے ہی ان کو ایک ہولناک چیخ نے اپنی گرفت میں لے لیا O تو ہم نے اس بستی کو اُلٹ پلٹ کر دیا اور ہم نے ان پر کنکر کے پتھر برسائے O

٦٧-﴿وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ﴾ اور شہر کے رہنے والے آ گئے (یعنی) سدوم کے باشندے جس کے حاکم کی ظلم و ستم میں مثال بیان کی جاتی تھی ﴿یَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ وہ فرشتوں کی بے ریش لڑکوں کی شکل میں آمد پر خوشیاں منانے لگے اس لالچ میں کہ وہ ان کے ساتھ بے حیائی کا کام کریں گے۔

٦٨-﴿قَالَ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ ضَیْفِیْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ﴾ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: بے شک یہ میرے مہمان ہیں پس تم مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو کیونکہ جس نے میرے مہمانوں کو رسوا کیا اس نے یقیناً مجھے رسوا کیا۔

٦٩-﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے بے عزت نہ کرو یعنی تم میرے مہمانوں کو ذلیل کر کے مجھے ذلیل و بے عزت نہ کرو [''تُخْزُوْن'' ''خِزْیٌ'' سے مشتق ہے جس کا معنی توہین کرنا ہے۔ قاری یعقوب کی قراءت میں دونوں ''یا'' کے ساتھ ''فَلَا یَفْضَحُوْن'' اور ''وَلَا یُخْزُوْنِ'' ہیں]۔

٧٠-﴿قَالُوْۤا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ﴾ انہوں نے کہا: کیا ہم نے آپ کو جہان میں رہنے والے لوگوں کے بارے میں منع نہیں کیا کہ آپ ان میں سے کسی کو پناہ نہیں دیں گے یا ان میں سے آپ کسی کا دفاع نہیں کریں گے دراصل وہ لوگ اپنی بُری عادت کے موجب ہر ایک کا تعاقب کرتے تھے اور ہر ایک کو تنگ کرتے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام انہیں بُرے کاموں سے روکتے تھے اور آپ ان کے درمیان اور ہر اس شخص کے درمیان جس کو یہ تنگ کرتے تھے رکاوٹ بن جاتے تھے جس کی وجہ سے انہوں نے آپ کو ڈرایا اور دھمکایا اور انہوں نے کہا: ''لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ''. (الشعراء:١٦٧) ''اے لوط (علیہ السلام)! اگر آپ باز نہ آئے تو تمہیں یہاں سے ضرور نکال دیا جائے گا''۔ یا یہ معنی ہے کہ انہوں نے کہا: کیا ہم نے آپ کو غریبوں (اجنبیوں) کی مہمان نوازی سے منع نہیں کیا تھا؟

٧١-﴿قَالَ هٰۤؤُلَآءِ بَنٰتِیْۤ﴾ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ہیں میری بیٹیاں سوتم ان سے نکاح کر لو اور میرے مہمانوں کا پیچھا چھوڑ دو۔ دراصل اس زمانہ میں مسلمان لڑکیوں کا نکاح کافروں سے جائز ہوا کرتا تھا ﴿اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ﴾ اگر تم اپنی خواہشات کو اُس جائز صورت میں پورا کرنا چاہتے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال قرار دیا ہے مگر اس صورت کو چھوڑ کر جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے تو فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا:

٧٢-﴿لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ﴾ آپ کی زندگی کی قسم! بے شک وہ لوگ اپنے نشے میں مست ہیں یعنی اپنی

گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں جس نے ان کی عقلوں اور ان کی تمیز کو زائل کر دیا ہے' چنانچہ وہ اس غلط رویے کے درمیان جس پر وہ قائم ہیں اور اس صحیح روّیے کے درمیان جس کی طرف آپ ان کی رہ نمائی کرتے ہوئے لڑکوں کو چھوڑ کر لڑکیوں سے نکاح کرنے کی تلقین کرتے ہیں' فرق نہیں کرتے ﴿ یَعۡمَهُوۡنَ ﴾ وہ متحیّر و مدہوش ہیں' تو بھلا وہ آپ کی بات کیسے قبول کریں گے اور آپ کی نصیحت کی طرف کان کیسے دھریں گے؟ یا یہ خطاب رسول اکرم نبی معظم فخر آدم و بنی آدم ﷺ کے لیے ہے اور اس میں آپ کی زندگی کی قسم اٹھائی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی کی زندگی کی قسم نہیں اٹھائی یہ صرف آپ کی تعظیم وتکریم کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی جان کی قسم یاد فرمائی ہے [اور ''عَمر'' اور ''عُمر'' (یعنی عین پر زبر اور پیش) دونوں صورتوں میں ایک معنی ہے اور وہ زندگی ہے' مگر اہل عرب نے مفتوح العین (عین پر زبر والے) کو قسم کے لیے مخصوص کر لیا محض ہلکی حرکت کو اختیار کرنے کے لیے کیونکہ لوگوں کی زبانوں پر قسم بہت بولی جاتی ہے اور اس لیے انہوں نے خبر کو حذف کر دیا ہے] اور اس کی اصل یہ ہے: ''لَعَمْرُكَ قَسَمِيْ''. مجھے آپ کی جان کی قسم!

۷۳- ﴿ فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ ﴾ پھر انہیں ایک ہولناک چیخ نے پکڑ لیا' اور وہ حضرت جبریل علیہ السلام کی چنگھاڑ تھی ﴿ مُشۡرِقِيۡنَ ﴾ جب کہ وہ طلوعِ آفتاب کے وقت میں داخل ہونے والے تھے [''مُشْرِقِيْنَ'' ''شُرُوْق'' سے ماخوذ ہے اور ''شروق'' کا معنی ہے: سورج کے طلوع ہونے اور روشن ہونے کا وقت]۔

۷۴- ﴿ فَجَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا ﴾ سو ہم نے اس کو اوپر نیچے کر دیا' دراصل حضرت جبریل علیہ السلام اس کو اٹھا کر آسمان تک لے گئے' پھر اس کو الٹا کر کے نیچے پھینک دیا [اور ضمیر قومِ لوط علیہ السلام کی بستیوں کی طرف لوٹتی ہیں] ﴿ وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ﴾ اور ہم نے ان پر کنکریلے پتھر برسائے تھے۔

اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيۡلٍ مُّقِيۡمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۷۷﴾ وَاِنۡ كَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَيۡكَةِ لَظٰلِمِيۡنَ ﴿۷۸﴾ فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۷۹﴾ وَلَقَدۡ كَذَّبَ اَصۡحٰبُ الۡحِجۡرِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۸۰﴾ وَاٰتَيۡنٰهُمۡ اٰيٰتِنَا فَكَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِيۡنَ ﴿۸۱﴾ وَكَانُوۡا يَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا اٰمِنِيۡنَ ﴿۸۲﴾

ع ۵ — وقف لازم

بے شک اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں ○ اور بے شک یہ بستی چلتی سڑک پر آباد تھی ○ بے شک اس میں اہل ایمان کے لیے نشانی ہے ○ اور بے شک اَیکہ کے رہنے والے لوگ بڑے ظالم تھے ○ سو ہم نے ان سے بدلا لے لیا' اور بے شک وہ دونوں بستیاں ایک کھلی سڑک پر آباد تھیں ○ اور بے شک حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کو جھٹلایا ○ اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں تو انہوں نے ان سے منہ پھیر لیا ○ اور وہ بے خوف وخطر پہاڑوں کو تراش کر گھر بنایا کرتے تھے ○

۷۵- ﴿ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ ﴾ بے شک اس میں فہم وفراست رکھنے والے اور غور وفکر کرنے والے حضرات کے لیے قدرتِ الٰہی کی نشانیاں ہیں گویا یہ حضرات ظاہری علامات کے سبب چیز کے باطن کو پہچان لیتے ہیں۔

٧٦-﴿ وَاِنَّهَا ﴾ اور بے شک یہ بستیاں یعنی ان کے آثار ونشانات ﴿ لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴾ کھلے اور وسیع راستے پر ثابت وقائم تھے' جن پر لوگ آتے جاتے رہتے تھے اور ابھی تک ان کے نشانات نہیں مٹے تھے اور وہ آنے جانے والے لوگ ان آثار ونشانات کو دیکھتے رہتے تھے اور یہ قریش مکہ کے لیے انتباہ تھا' جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ○ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ○ ''(الصافات: ١٣٧-١٣٨) ''اور بے شک تم ان پر صبح کے وقت گزرتے ہو○ اور شام کو بھی تو کیا تم عقل نہیں رکھتے ؟○ ''۔

٧٧-﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ بے شک اس میں مؤمنوں کے لیے نشانی ہے' کیونکہ وہی اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

٧٨-﴿ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ ﴾ اور بے شک شان اور حال یہ ہے کہ اَیکہ والے یعنی گھنے درختوں کے جنگل والے ﴿ لَظٰلِمِيْنَ ﴾ بڑے ظالم تھے یعنی کافر تھے اور اس سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم مراد ہے (''اِنْ'' اصل میں ''اِنَّ'' ہے)۔

٧٩-﴿ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ﴾ پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور انہیں ہلاک کر دیا کیونکہ انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلا دیا تھا ﴿ وَاِنَّهُمَا ﴾ اور بے شک وہ دونوں یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اور اَیکہ میں رہنے والے ﴿ لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴾ کھلے راستے پر آباد تھے' اور ''اِمَام'' ہر اس چیز کا نام ہے جس کی اقتداء اور پیروی کی جائے۔ راستے کا نام امام رکھا جاتا ہے (کیونکہ مسافر بھی اس کی پیروی کرتے ہوئے منزلِ مقصود تک پہنچتے ہیں) اور وہ دھاگا جس کو راج مستری مکانات تعمیر کرتے وقت استعمال کرتے ہیں اس کو بھی امام کہا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں (امام یعنی مقتدا اور فیتا) کی پیروی کی جاتی ہے۔

قومِ ثمود کا ذکر اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تلقینِ جمیل کرنا اور گستاخوں کا انجام

٨٠-﴿ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ اور بے شک حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یہ قوم ثمود تھی جو حجر کے علاقہ میں آباد تھی' حجر (''حا'' کے نیچے زیر) مدینہ منورہ اور ملک شام کے درمیان ایک وادی کا نام ہے اور ''مُرْسَلِيْنَ'' سے مراد حضرت صالح علیہ السلام ہیں' چونکہ ہر رسول لوگوں کو تمام رسولوں پر ایمان لانے کی دعوت دیتا تھا' اس لیے ان میں سے کسی ایک کو جھٹلانا گویا تمام رسولوں کو جھٹلانے کے مترادف تھا یا اس سے حضرت صالح اور آپ پر ایمان لانے والے تمام مسلمان مراد ہیں جیسا کہ ابن زبیر اور ان کے ساتھیوں کو خبیبون کہا جاتا ہے۔

٨١-﴿ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴾ اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں تو انہوں نے ان سے منہ پھیر لیا یعنی انہوں نے ان سے اعراض کیا اور وہ ان پر ایمان نہیں لائے۔

٨٢-﴿ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا ﴾ اور وہ لوگ پتھروں سے مکانات تراشتے تھے یعنی وہ پہاڑوں میں نقب لگا کر غار نما مکانات بناتے تھے یا وہ پتھروں کو تراش کر ان سے مکانات تعمیر کرتے تھے ﴿ اٰمِنِيْنَ ﴾ بے خوف رہتے تھے کیونکہ ان کے مکانات مضبوط و مستحکم ہونے کی وجہ سے منہدم ہونے سے محفوظ ہوتے تھے' نیز چوروں کی نقب زنی اور دشمنوں کے حملوں سے محفوظ تھے یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف تھے کیونکہ وہ خیال کرتے تھے کہ پہاڑ انہیں عذابِ الٰہی سے بچا لیں گے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَمَا

خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿٨٥﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٦﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿٨٧﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾

پھر ان کو صبح کے وقت ایک ہولناک چیخ نے پکڑ لیاO سو وہ جو کچھ کمایا کرتے تھے اس نے انہیں کچھ فائدہ نہ دیاO اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے (سب کو) حق ہی کے ساتھ پیدا کیا ہے' اور بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے' سو آپ بڑی خوبی کے ساتھ درگزر فرماتے رہیںO بے شک آپ کا رب ہی پیدا کرنے والا' خوب جاننے والا ہےO اور بے شک ہم نے آپ کو بار بار دوہرائی جانے والی سات آیتیں اور بڑی عظمت والا قرآن عنایت کیا ہےO اور آپ اپنی آنکھیں اٹھا کر اس کو نہ دیکھیں جو ہم نے اُن (کافروں میں سے) کئی قسم کے لوگوں کو دنیا کی عارضی دولت دے رکھی ہے اور آپ ان (کے ایمان نہ لانے) پر رنجیدہ نہ ہوں اور آپ اپنے بازو مؤمنوں کے لیے جھکا دیجئےO

٨٣- ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ﴾ پھر انہیں ایک ہولناک چیخ (یعنی) عذاب نے پکڑ لیا تھا ﴿مُصْبِحِيْنَ﴾ بدھ کے دن صبح کے وقت۔

٨٤- ﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ سو انہیں ان چیزوں نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا تھا جو کچھ وہ کمایا کرتے تھے (یعنی) مضبوط و مستحکم پتھروں کے تعمیر کردہ مکانات اور عمدہ و بہترین کثیر اموال کچھ کام نہیں آئے تھے۔

٨٥- ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ (یعنی) ہم نے ان کو حق پر مبنی پیدا کیا' باطل و بے فائدہ اور بے کار پیدا نہیں کیا یا یہ کہ ہم نے ان کو اعمال پر جزا کے دن عدل و انصاف کے سبب پیدا کیا ہے ﴿وَاِنَّ السَّاعَةَ﴾ اور بے شک وہ گھڑی یعنی قیامت جس کی ہر گھڑی اور ہر لحہ توقع رہتی ہے ﴿لَاٰتِيَةٌ﴾ وہ ضرور آئے گی اور اے محبوب! بے شک اللہ تعالیٰ اس میں آپ کے دشمنوں سے انتقام لے گا اور آپ کی نیکیوں پر آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے گا اور ان کی بُرائیوں پر ان کو بدترین سزا دے گا کیونکہ اس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کو پیدا نہیں کیا مگر اسی دن انصاف کرنے کے لیے ﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ﴾ سو آپ بڑی خوبی کے ساتھ درگزر کیجئے اور آپ کفارِ مکہ سے صبر و تحمل کے ساتھ اچھے طریقے پر اعراض فرمایئے اور ان سے منہ مبارک پھیر لیجئے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ آیتِ مبارکہ جہاد کی آیتِ مبارکہ سے منسوخ ہوگئی ہے اور اگر ان کی مخالفت مراد ہے تو پھر منسوخ نہیں ہوگی۔

٨٦- ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ﴾ بے شک آپ کا رب ہی پیدا کرنے والا ہے' اسی نے آپ کو پیدا کیا اور اسی نے ان کو پیدا کیا ﴿الْعَلِيْمُ﴾ وہ آپ کے حال کو اور ان کے حال کو خوب اچھی طرح جاننے والا ہے تمہارے درمیان جو محاذ آرائیاں جاری ہیں وہ اُس سے پوشیدہ نہیں ہیں اور وہی تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔

٨٧- ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا﴾ اور بے شک ہم نے آپ کو سات یعنی سات آیتیں دی ہیں اور اس سے سورتِ فاتحہ

مراد ہے یا سات سورتیں مراد ہیں اور وہ طویل و لمبی ہیں (جو بقرہ سے لے کر اعراف تک چھے سورتیں بالاتفاق مراد ہیں) اور ساتویں سورت میں اختلاف ہے' سو بعض نے کہا کہ سورۂ انفال اور سورۂ براءت ہیں کیونکہ یہ دونوں ایک سورت کے حکم میں ہیں' جس کی دلیل ان کے درمیان بسم اللہ کا شریف نہ ہونا ہے اور بعض نے کہا کہ سورۂ یونس ہے یا قرآن مجید کے سات معانی مراد ہیں (اوامر یعنی احکام' نواہی یعنی ممنوعات' بشارتیں' وعیدیں' مثالیں' انعامات کا شمار کرنا اور سابقہ امتوں کے احوال کا بیان) ﴿مِّنَ الْمَثَانِیْ﴾ [یہ "تثنیہ" سے ماخوذ ہے جس کا معنی تکرار اور دوہرانا ہے کیونکہ سورت فاتحہ ہر نماز میں بار بار دوہرائی جاتی ہے یا یہ "ثناء" سے ماخوذ ہے بہ معنی تعریف کرنا کیونکہ سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی تعریف بیان کی جاتی ہے اور یہ جمع ہے اس کا واحد "مَثْنَاۃٌ" ہے یا "مَثْنِیَۃٌ" ہے اور یہ آیت کی صفت ہے' رہا سورتوں اور سات معانی کو مثانی کہنا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں انبیاء و اُمم کے قصص و واقعات اور مواعظ و نصائح اور بشارتیں و ڈراوے اور وعد اور وعیدیں وغیرہ کو بار بار بیان کیا گیا ہے اور اس لیے بھی کہ ان میں حمد و ثناء ہے گویا اللہ تعالیٰ کی حمد اور تعریف کو بار بار دوہرایا جاتا ہے اور جب "سبع" کو "مثانی" قرار دیا جائے گا تو (مِنْ) بیان کے لیے ہوگا اور جب قرآن مجید کو "مثانی" قرار دیا جائے گا تو (مِنْ) تبعیض کے لیے ہوگا] ﴿وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ﴾ میں چیز کا اپنی ذات پر عطف نہیں ہوگا کیونکہ جب "سَبْع" سے سورۂ فاتحہ یا سات لمبی سورتیں مراد ہوں گی تو جو کچھ ان کے علاوہ ہے اس پر بھی قرآن مجید کا نام بولا جائے گا کیونکہ قرآنِ مجید کا نام جس طرح کُل پر بولا جاتا ہے اسی طرح بعض پر بھی بولا جاتا ہے جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: "بِمَآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ". (یوسف: ٣) "اس وجہ سے کہ ہم نے آپ کی طرف اس قرآن یعنی سورۂ یوسف کو بذریعہ وحی بھیجا ہے"۔ اور جب اس سے سات معانی مراد ہوں گے تو معنی یہ ہوگا: اور بے شک ہم نے آپ کو وہ چیزیں عنایت کی ہیں جن کو سات دوہرائی جانے والی چیزیں کہا جاتا ہے اور بڑی عظمت والا قرآن یعنی یہ اِن دونوں صفتوں کا جامع ہے اور وہ ہے: دوہرایا جانا یا حمد و ثناء اور بڑی عظمت والا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ مکرم محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

٨٨- ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ﴾ آپ اپنی آنکھیں نہ پھیلائیں یعنی آپ اپنی آنکھیں اس طرح اٹھا کر نہ دیکھیں جس طرح کسی چیز میں رغبت رکھنے والا اور اس کی آرزو کرنے والا اپنی آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھتا ہے ﴿اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ اس عارضی سامانِ زندگی کی طرف جو ہم نے ان (کافروں) میں سے بہت سے لوگوں کو دیا ہوا ہے۔ "اَزْوَاج" بہ معنی اقسام ہے کہ کفار میں سے کئی قسم کے لوگوں کو برتنے کے لیے سامانِ زندگی دیا گیا ہے جیسے یہودی اور نصرانی اور مجوسی وغیرہ یعنی بے شک آپ کو وہ عظیم الشان نعمت عنایت کی گئی ہے جو ہر نعمت سے بڑی ہے اور دوسری نعمتیں (جو کافروں کو دی گئی ہیں) وہ اگرچہ بہ ظاہر بڑی ہیں لیکن وہ اس نعمت کے مقابلے میں حقیر ہیں اور وہ نعمتِ عظمیٰ قرآن عظیم ہے' سو آپ پر لازم ہے کہ آپ اس کے سبب بے نیاز ہو جائیں اور آپ اپنی آنکھیں اٹھا کر دنیا کے مال و متاع کی طرف ہرگز نہ دیکھیں اور حدیث شریف میں ہے کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو قرآن مجید کے ذریعے (دوسری چیزوں سے) مستغنی نہیں ہوا۔[1]

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جس آدمی کو قرآن مجید عطا فرمایا گیا ہو' پھر وہ خیال کرلے کہ فلاں کو جو مال و متاع دیا گیا ہے وہ اس تحفہ سے افضل و اعلیٰ ہے جو خود اس کو عنایت کیا گیا ہے تو اس بے وقوف نے عظیم الشان دولت کو حقیر و صغیر قرار دے دیا اور حقیر و صغیر دولت کو عظیم ترین قرار دے دیا ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ﴾ اور آپ

---

[1] رواہ البخاری فی کتاب التوحید باب: ٤٤' ابوداؤد فی کتاب الوتر باب: ٢٠' الدارمی فی کتاب الصلوٰۃ باب: ١٧١' احمد فی مسندہ ج ١ ص ١٧٢-١٧٥-١٧٩

ان پر غم نہ کریں یعنی ان کے مالوں کی آرزو مت کریں اور نہ ان کے اس رویے پر رنجیدہ ہوں کہ وہ ایمان نہیں لائے جس کے سبب اسلام اور مسلمانوں کو تقویت و استحکام حاصل ہوتا ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ اور آپ مسلمانوں کے لیے اپنے بازو جھکا دیجئے اور اپنے ساتھ رہنے والے غریب مسلمانوں کے لیے تواضع اختیار کیجئے اور دولت مندوں کے ایمان سے بے نیاز ہو کر اپنے آپ کو خوش رکھئے۔

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿٨٩﴾ كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿٩٠﴾ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ﴿٩١﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٩٥﴾ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿٩٩﴾

اور فرما دیجئے کہ بے شک میں کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوںO جیسا کہ ہم نے تقسیم کرنے والوں پر نازل کیاO جنہوں نے قرآن مجید کو پارہ پارہ کر دیاO پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور پوچھیں گےO ان کے اعمال کے بارے میں جو وہ کرتے تھےO سو آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کو صاف صاف بیان کر دیجئے اور مشرکین سے منہ پھیر لیجئےO بے شک ہم آپ کو مذاق اڑانے والوں کے مقابلے میں کافی ہیںO جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود ٹھہراتے ہیں پس وہ عنقریب جان لیں گےO اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ آپ کا دل ان باتوں سے یقیناً تنگ ہوتا ہے جو کافر کہتے ہیںO سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے اور سجدہ کرنے والوں میں سے رہیےO اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ آپ پر موت آ جائےO

۸۹-﴿وَقُلْ﴾ ''لَهُمْ''. اور آپ ان سے فرما دیجئے کہ ﴿إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ﴾ بے شک میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں اس لیے کہ میں کھول کر مضبوط دلیل کے ساتھ تمہیں اس بات سے ڈراتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تم پر ضرور نازل ہونے والا ہے۔

۹۰-﴿كَمَا أَنْزَلْنَا﴾ یہ ارشادِ باری تعالیٰ (وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ) کے ساتھ متعلق ہے یعنی ہم نے آپ پر یہ کلام اس طرح نازل کیا ہے جس طرح ہم نے نازل کیا تھا ﴿عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ﴾ تقسیم کرنے والوں پر اور وہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ہیں۔

۹۱-﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ﴾ جنہوں نے قرآنِ مجید کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ [''عِضِينَ'' جمع ہے اس کا واحد ''عِضَةٌ'' ہے اس کی اصل ''عِضْوَةٌ'' ہے یہ ''فِعْلَةٌ'' کے وزن پر ہے ''عَضِيَ الشَّاةُ'' سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بکری کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں] چنانچہ اہل کتاب اپنے بغض و عناد کی وجہ سے قرآن مجید کا جو

حصہ تورات وانجیل کے موافق ہوتا اسے کہتے: یہ حق ہے اور جو حصہ ان کی تحریف شدہ تورات وانجیل کے موافق نہ ہوتا تو اسے کہتے: یہ باطل ہے' سوانہوں نے قرآن مجید کو حق اور باطل کی طرف تقسیم کر دیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور بعض مفسرین کرام نے کہا کہ اہلِ کتاب قرآن مجید کا مذاق اڑاتے تھے' کوئی کہتا: سورۂ بقرہ میرے لیے ہے اور دوسرا کہتا کہ سورۂ آل عمران میرے لیے ہے یا پھر قرآن سے مراد وہ کلامِ الٰہی ہے جس کو وہ اپنی کتابوں میں پڑھتے تھے اور بے شک انہوں نے اس کے ٹکڑے کر دیئے تھے' چنانچہ یہود نے تورات کے بعض حصہ کو تقسیم کیا اور اس کی صحت کا اقرار کیا اور اس کے بعض حصے کو جھٹلا دیا اور نصرانیوں نے انجیل کے بعض حصہ کا اقرار کیا اور بعض کو جھٹلا دیا [اور یہ بھی جائز ہے کہ (اَلَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ) ''النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ'' کے سبب منصوب ہو] یعنی اے محبوب! آپ ٹکڑے کرنے والوں کو ڈرایئے جو قرآن مجید کو کبھی جادو اور کبھی شعر اور کبھی پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں کہہ کر ٹکڑوں میں تقسیم کرتے ہیں' جیسا کہ ہم نے تقسیم کرنے والوں پر نازل کیا اور وہ بارہ افراد تھے' جنھوں نے موسمِ حج کے دنوں میں مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والے ہر راستے پر تقسیم کر کے اپنے آدمی مقرر کر دیئے' چنانچہ وہ لوگ الگ الگ ہو کر داخل ہونے والے راستے پر آنے والوں کے انتظار میں بیٹھ گئے تا کہ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے سے روکیں اور ان کو دین اسلام سے متنفر کریں' کوئی کہتا کہ ہمارے دین سے نکلنے والے اس شخص کے دھوکے میں نہ آ جانا کیونکہ یہ جادوگر ہے اور دوسرا کہتا کہ یہ بہت جھوٹا ہے اور کوئی کہتا: یہ شاعر ہے' سو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو تباہ و برباد کر دیا [اور (لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ) پہلی وجہ پر ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے] کیونکہ جب یہ رسول اکرم ﷺ کے لیے کفار کے جھٹلانے اور ان کی دشمنی کرنے پر تسلی ہے تو اس کو ایسے کلام کے ساتھ پیش کیا گیا جو ان کے کفر پر افسوس کرنے اور ان کی دنیا کی طرف توجہ کرنے سے منع کرنے پر اور تمام تر توجہ مسلمانوں پر مرکوز کرنے کے حکم پر تسلی کے معنی کے لیے سبب ہے۔

٩٢'٩٣- ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے ۝ ان کے متعلق جو کچھ وہ عمل کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ پاک اور اپنی ربوبیّت کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ وہ قیامت کے دن ان تقسیم کرنے والوں میں سے ہر ایک سے اس کے متعلق ضرور پوچھیں گے جو کچھ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یا قرآن مجید کے بارے میں یا کسی بھی کتابِ الٰہی کے بارے میں کہا تھا۔

٩٤- ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ آپ کو جو کچھ حکم دیا جاتا ہے پس آپ اس کو بہ آوازِ بلند سنا دیجئے' اور اس کو واضح طور پر بیان کر دیجئے [اور ''صَدَعَ بِالْحُجَّةِ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی بلند آواز سے دلیل کے ساتھ بات چیت کرتا ہے اور یہ ''صَدِيْع'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: صبح کی روشنی اور اجالا یا یہ معنی ہے کہ پس آپ حق اور باطل کے درمیان فرق واضح کیجئے' یہ ''اَلصَّدْعُ فِي الزُّجَاجَةِ'' (شیشہ میں دراڑ ڈال کر دو حصوں میں جدا کرنا) سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: جدا کرنا اور فرق کرنا' نیز جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے' اس کو واضح کر کے بیان کرنا اور اصل میں ''بِمَا تُؤْمَرُ بِهٖ'' ہے اور معنی یہ ہے کہ اے محبوب! آپ کو جن احکام کی تبلیغ کا حکم دیا جاتا ہے ان کو وضاحت سے بیان کر دیں' پھر حرف جار کو حذف کر دیا گیا' جیسے شاعر کا قول ہے: ''اَمَرْتُكَ الْخَيْرَ فَافْعَلْ مَا اُمِرْتَ بِهٖ''. میں نے تجھے بھلائی اور نیکی کا حکم دیا ہے' پس تمہیں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اسے کر گزرو] ﴿وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور آپ مشرکین سے منہ پھیر لیجئے۔ یہ حکم مشرکوں کی اہانت کے لیے ہے۔

٩٥- ﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ﴾ بے شک ہم آپ کی طرف سے مذاق اڑانے والوں کو کافی ہیں۔

شانِ نزول: جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت کریمہ پانچ افراد کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو رسولِ خدا حبیبِ کبریاء ﷺ کو دکھ دینے میں اور آپ کا مذاق اڑانے میں بہت مبالغہ کرتے تھے اور آپ کو بہت ستاتے تھے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر دیا اور ان میں ایک ولید بن مغیرہ تھا جو ایک دن ایک تیر بنانے والے کے پاس سے گزرا تو ایک تیر اس کے کپڑے میں پھنس گیا' جس کو اس نے از راہِ تکبر الگ نہ کیا جو اس کی ایڑھی کی ایک رگ میں چبھ گیا اور اس نے اس کی رگ کو کاٹ دیا جس کے درد میں مبتلا ہو کر مر گیا اور دوسرا عاص بن وائل تھا جس کے پاؤں میں ایک بڑا سا کانٹا چبھ گیا' جس سے اس کا پاؤں سوجھ گیا اور اس کے درد کی شدت کی وجہ سے مر گیا اور تیسرا اسود بن عبد المطلب تھا جو اندھا ہو گیا اور چوتھا اسود بن یغوث تھا جو درختوں کو ٹکریں مارتا تھا' یہاں تک کہ اس نے اپنا سر زخمی کر لیا تھا اور وہ اپنے چہرے کو کانٹوں پر مارتا تھا یہاں تک کہ سر اور چہرے کے پھٹ جانے کی وجہ سے وہ مر گیا اور پانچواں حارث بن قیس تھا جس کی ناک سے پیپ بہنا شروع ہو گئی اور وہ اسی مرض میں مر گیا۔

۹۶- ﴿الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود ٹھہراتے ہیں ﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب وہ قیامت کے دن اپنے بُرے انجام کو جان لیں گے۔

۹۷- ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ﴾ اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ آپ کا دل مبارک یقیناً ان باتوں سے تنگ ہو جاتا ہے جو کفار آپ کے بارے میں یا قرآن مجید کے بارے میں یا اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہتے ہیں۔

۹۸- ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ﴾ سو آپ اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کیجئے اور آپ سجدہ کرنے والوں میں سے رہیے اور آپ کو جو مصیبت پہنچے اس میں آپ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیجئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اس کی پناہ حاصل کرنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد کرنا اور کثرت سے سجدے کرنا (یعنی نماز پڑھنا) ہے' وہی آپ کو کافی ہے اور وہی آپ سے غم و رنج کو دور کر دے گا۔

۹۹- ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ﴾ اور آپ اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیے' اور اپنے پروردگار کی عبادت کرنے پر ہمیشہ قائم رہیے ﴿حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین یعنی موت آ جائے' معنی یہ ہے کہ آپ جب تک زندہ ہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہیے اور رسول اللہ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب کبھی آپ کو کوئی پریشان کن معاملہ پیش آ جاتا تو آپ فوراً نماز پڑھنا شروع کر دیتے تھے[1]

سورۃ النحل مکیۃ ۔ آیاتہا ۱۲۸ ۔ رکوعاتہا ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورۃ النحل مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی ایک سو اٹھائیس آیات' سولہ رکوع ہیں

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ① يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ③ خَلَقَ

[1] رواہ احمد ج ۱ ص ۲۰۶ ۔ ۲۶۸

الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴﴾ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۵﴾

اللہ کا حکم آن پہنچا' سوتم اس کی جلدی نہ کرو' وہ اس سے پاک و بلند تر ہے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں○ وہ اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے فرشتوں کو وحی کے ساتھ نازل کرتا ہے کہ (لوگوں کو) خبر دار کردو کہ بے شک میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' پس تم مجھ سے ڈرو○ اسی نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے' وہ اس سے بہت بلند تر ہے وہ جو کچھ شریک ٹھہراتے ہیں○ اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا' پھر وہ کھلم کھلا جھگڑالو ہو گیا○ اور چوپائے اسی نے پیدا کیے' جن میں تمہارے لیے گرم لباس ملتا ہے اور دیگر بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں اور انہیں میں سے تم کھاتے ہو○

مختلف انعامات کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بیان

شانِ نزول: کفارِ مکہ سے قیامت کے قائم ہونے اور بدر کے دن عذاب کے نازل ہونے کا جو وعدہ کیا گیا تھا اس کے لیے جلدی کرتے تھے اور وہ وعدے کو جھوٹا ثابت کرنے اور مذاق اڑانے کے لیے کہتے تھے کہ عذاب کب آئے گا اور قیامت کب قائم ہوگی تو ان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ

۱- ﴿اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا یعنی قربِ وقوع کے اعتبار سے اس امر کے قائم مقام ہے جو بالکل قریب زمانہ میں آ کر واقع ہونے والا ہے اور اگرچہ ابھی اس کا انتظار کیا جا رہا ہے ﴿فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ پس تم اس کی جلدی نہ کرو' مشرکین جو شرک کر کے اللہ تعالیٰ کے شریک بناتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے اور اس سے بہت بلند ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شریک سے بَری اور پاک ہے اور اسی طرح ان کے شرک کرنے کے عمل سے بھی پاک ہے اور ان کے جلدی کے مطالبے کے ساتھ اس کے متصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی جلد بازی صرف تمسخر کرنے اور مذاق اڑانے اور وعدۂ الٰہی کو جھٹلانے کی حیثیت سے تھی اور یہ بھی شرک میں سے ہے۔

۲- ﴿یُنَزِّلُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ﴾ وہی فرشتوں کو نازل کرتا ہے۔ [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو کی قراءت میں (زا پر شد کے بغیر) تخفیف کے ساتھ "یُنْزِلُ" (باب افعال سے) ہے] ﴿بِالرُّوْحِ﴾ وحی کے ساتھ یا قرآن مجید کے ساتھ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک دین میں وہی مقام رکھتا ہے جو جسم میں روح کا ہے یا اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک جہالت کی وجہ سے مردہ ہو جانے والے دلوں کو زندہ کرتا ہے ﴿مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا﴾ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر وہ چاہتا ہے یہ کہ تم (لوگوں کو) ڈراؤ۔ "اَنْ" تفسیر یہ ہے کیونکہ وحی کے ساتھ فرشتوں کے نازل کرنے میں قول کا معنی پایا جاتا ہے اور "اَنْذِرُوْا" کا معنی "اَعْلِمُوْا" ہے یعنی تم لوگوں کو آگاہ کردو کہ بات یہ ہے کہ ﴿اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا﴾ بے شک شان یہ ہے کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہ "نَذِرْتُ بِكَذَا" سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم کسی کو خبر دار کرو اور اب معنی یہ ہے کہ تم لوگوں کو میری اس بات سے خبر دار کردو کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ﴿فَاتَّقُوْنِ﴾ سوتم مجھ سے ڈرو' اور صرف مجھ سے خوف کھاؤ [قاری یعقوب کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "فَاتَّقُوْنِیْ" ہے]۔

۳- اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اور اس بات پر کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' ایک تو اس پر آسمانوں اور زمین کی تخلیق دلالت کرتی ہے جس کا اس آیت مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے اور یہ تخلیق ان کارناموں میں سے ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے

علاوہ کوئی قدرت نہیں رکھتا اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ اس نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے' وہ شرک کرنے والوں کے شرک سے بہت بلند تر ہے۔[قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں دونوں جگہ (یعنی آیت نمبر ایک میں اور اس آیت نمبر تین میں) تا کے ساتھ ''تُشْرِكُوْنَ'' ہے اور (اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور مستحق عبادت ہونے پر دوسری دلیل) انسان کی تخلیق ہے اور وہ یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:]

٤۔ ﴿ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴾ اس نے انسان کو نطفہ (پانی کی گندی بوند) سے پیدا کیا ہے' پھر اچانک وہ علانیہ جھگڑالو بن گیا یعنی وہ اچانک بہت بولنے والا یا باتونی اپنے مطلب کے لیے بہت جھگڑنے والا ہے' اپنے مدمقابل مخالف کے سامنے اپنا زبردست دفاع کرنے والا' اپنی حجت و دلیل کو خوب وضاحت سے بیان کرنے والا ہے جبکہ اس سے پہلے محض ایک نطفہ تھا جس میں نہ حس تھی اور نہ حرکت تھی (محض بے جان پانی کا قطرہ تھا) یا یہ کہ وہ اپنے پروردگار سے بہت جھگڑنے والا ہے' اس کے خالق و مالک کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ (مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ. (یٰسین:٧٨)) ''ہڈیوں کو بھلا کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟'' اور یہ انسان کے لیے بے حیائی اور نعمتوں پر ناشکری کرنے میں سرکشی کرنے کی صفت ہے (یعنی کافر بہت بڑا بے حیاء' ناشکرا اور سرکش ہے) اور اللہ تعالیٰ نے انسان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے چوپائے پیدا فرمائے جو اس کی خوراک اور اس کی سواری اور اس کے سامان اور بوجھ اٹھانے اور اس کی باقی حاجات کے کام آتے ہیں۔

(یہ بھی اس کی توحید اور مستحق عبادت ہونے کے ساتھ قدرت کی بھی دلیل ہے) اور وہ یہ ارشاد ہے:

٥۔ ﴿ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ ﴾ اور اس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے۔ وہ آٹھ نر مادہ ہیں (اونٹ' گائے' بکری اور بھیڑ چاروں اجناس کے نر مادہ ملا کر کل آٹھ نر مادہ بنتے ہیں) لیکن ''اَنْعَامَ'' کا استعمال زیادہ تر اونٹ پر ہوتا ہے [اور اس کا نصب (زبر) پوشیدہ فعل کی وجہ سے ہے جس کی تفسیر اور وضاحت اس اسم کے بعد فعلِ ظاہر (خَلَقَهَا) کر رہا ہے' جیسے کہ ارشاد ہے: ''وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ''. (یٰسین:٣٩) ''اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں''۔ یا پھر ''اَلْاِنْسَانَ'' پر عطف ہے ''اَیْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ وَالْاَنْعَامَ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو اور چوپائیوں کو پیدا کیا' پھر ارشاد فرمایا: ''خَلَقَهَا لَكُمْ''. یعنی اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو پیدا نہیں کیا مگر صرف تمہارے فائدے کے لیے] ﴿ فِيْهَا دِفْءٌ ﴾ ان میں گرم لباس ہے۔ ''دِفْءٌ'' اون' پشم اور بالوں سے تیار کیے گئے ہر اس لباس کا نام ہے جس سے گرمی حاصل کی جائے ﴿ وَّمَنَافِعُ ﴾ اور بھی فوائد اور منافع ہیں اور وہ ان کی نسل در نسل بڑھنا اور ان سے دودھ حاصل کرنا (ان پر سواری کرنا' کھیتی کے کام آنا' فروخت کر کے قیمت حاصل کرنا) ﴿ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴾ اور انہیں میں سے تم کھاتے ہو' [ظرف کو مقدم کیا گیا ہے حالانکہ یہ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے] جب کہ ان کے علاوہ بھی جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان جانوروں کا گوشت کھانا اصل ہے' کیونکہ روزمرہ زندگی میں انہیں پر لوگ اعتماد کرتے ہیں اور ان کے علاوہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے جیسے مرغی' بطخ اور بَرّی اور بحری شکار کے جانور اور پرندے وغیرہ لیکن یہ بطور عادت کے نہیں کھائے جاتے (بلکہ علاج معالجے اور لذتِ دہن کے طور پر کھائے جاتے ہیں) اور یہ پھلوں کے قائم مقام جیسے ہیں۔

وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝٦ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝٧ وَّالْخَيْلَ

وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٨ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَاۗىِٕرٌ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝٩ ع هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝١٠

ع

اور ان میں تمہارے لیے خوبصورتی ہے جب تم شام کے وقت واپس لاتے ہو اور جب تم صبح کے وقت چرنے کے لیے چھوڑ دیتے ہو O اور وہ تمہارے بوجھ ایسے شہروں کی طرف اٹھا کر لے جاتے ہیں جہاں تم نہیں پہنچ سکتے مگر بڑی محنت و مشقت کے ساتھ' بے شک تمہارا پروردگار ضرور بہت مہربان' بے حد رحم کرنے والا ہے O اور اسی نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کیے تا کہ تم ان پر سوار ہو اور زینت بھی ہوں' اور وہ کئی ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے O اور درمیانہ راستہ سیدھا اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے اور بعض ٹیڑھے راستے ہیں' اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت عطا فرما دیتا O (اللہ) وہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی کو نازل کیا اسی سے پینے کا پانی ہوتا ہے اور اسی سے درخت اُگتے ہیں جن میں تم جانوروں کو چراتے ہو O

٦- ﴿وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ﴾ اور تمہارے لیے ان میں حسن و زینت ہے' جب تم شام کے وقت ان کو چراگاہوں سے ان کی آرام گاہوں کی طرف واپس گھر لاتے ہو ﴿وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ﴾ اور جب تم صبح کے وقت انہیں چراگاہوں میں لے جا کر چرنے کے لیے چھوڑ دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حسن و جمال کے ساتھ اس طرح احسان کیا ہے جس طرح ان سے نفع حاصل کرنے کے ساتھ احسان کیا ہے کیونکہ مویشیوں کے مالکوں کی یہ اغراض میں سے ہیں' اس لیے کہ چرواہے جب ان کو چرا کر شام کے وقت واپس لاتے ہیں اور پھر صبح کے وقت چرانے کے لیے انہیں لے کر جاتے ہیں تو ان کے صبح و شام آنے جانے سے گھر کے صحنوں کو زیب و زینت ملتی ہے اور جانوروں کے ٹھہرانے سے جگہوں میں رونق رہتی ہے جس سے ان کے مالک مال دار ہونے پر خوش ہو جاتے ہیں اور لوگوں کے نزدیک ان کی عزت و حرمت اور ان کا جاہ و جلال بڑھ جاتا ہے اور واپس لے کر آنے کو لے جانے پر مقدم اس لیے کیا گیا ہے کہ شام کے وقت واپس لے کر آتے وقت ان کا حسن و جمال زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے کیونکہ جانور اپنا پیٹ بھر کر آتے ہیں اور ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

٧- ﴿وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ﴾ اور وہ تمہارے بوجھ (یعنی) مال و اسباب اور سامان اٹھا کر ایسے شہروں کی طرف لے جاتے ہیں جہاں تک تم سخت اور بھاری مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ [ابو جعفر کی قراءت میں شین پر زبر کے ساتھ ''بِشَقِّ'' ہے اور یہ دونوں لغتیں استعمال ہوتی رہتی ہیں' اس کا معنی مشقت اٹھانا ہے اور بعض نے کہا کہ زبر کے ساتھ ''شَقّ'' کا مصدر ہے اور اس کی حقیقت ''شَقٌّ'' کی طرف لوٹتی ہے جس کا معنی دردِ سر' پھٹن اور شگاف بھی آتا ہے' لیکن ''شِقٌّ'' کا معنی نصف اس لیے ہے کہ گویا محنت و مشقت اور جدو جہد کرنے والے شخص کی نصف قوت و طاقت زائل ہو جاتی ہے] اس آیت مبارکہ کا معنی ہے کہ اگر اونٹ پیدا نہ کیے جاتے تو تم محض خالی ہاتھ بھی دوسرے دور دراز کے شہروں میں بغیر محنت و مشقت نہیں پہنچ سکتے تھے تو بھلا تم اپنا سامان اپنی پشتوں پر اٹھا کر دور دراز کے شہروں میں کیسے پہنچ سکتے تھے اور بعض نے کہا کہ ''اَثْقَالَكُمْ'' بہ معنی ''اَبْدَانَكُمْ'' ہے (یعنی یہ اونٹ وغیرہ خود تمہیں اٹھا کر دور دراز کے شہروں میں

لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر محنت ومشقت کے پیدل نہیں پہنچ سکتے)اور جن اور انسان کے لیے" ثَقلانِ " کا لفظ اسی سے لیا گیا ہے اور درج ذیل آیت مبارکہ میں "اثقال" کا معنی اجسام اسی سے لیا گیا ہے ارشاد ہے: "وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا" (الزلزال:٢) "اور قیامت کے روز زمین اپنے اندر سے ان کے یعنی بنی آدم کے جسموں کو نکال دے گی"۔ ﴿اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک تمہارا پروردگار بہت مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے کیونکہ اس نے بوجھ اٹھانے والے جانوروں کو پیدا کر کے اور تجارت اور دیگر کاروبار کے فوائد ومنافع کے حصول کو آسان کر کے تم پر بہت بڑی مہربانی کی ہے اور تم پر بے حد رحم کیا ہے۔

٨- ﴿وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً﴾ اور اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کیے تاکہ ان پر سواری کرو اور وہ تمہارے لیے باعث زینت بنائے۔[یہ "اَلْاَنْعَامَ" پر معطوف ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ جانور تمہاری سواری اور تمہاری زیب وزینت کے لیے پیدا کیے ہیں اور امام الائمہ سراج الامہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا ہے اور اس کو بطور حجت پیش فرمایا کہ گھوڑے کا گوشت کھانا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق کا مقصد سواری کرنا اور زیب وزینت قرار دیا ہے جس سے واضح ہو گیا کہ اس کی پیدائش کا سبب اور اس کی وجہ صرف اس پر سواری کرنا اور اس کا باعث زینت ہونا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں سواری کے جانوروں (خچر اور گدھے) میں کھانے کا ذکر نہیں کیا گیا (جیسا کہ اس سے پہلے آیت:٥ میں کیا گیا ہے) حالانکہ کھانے کا نفع زیادہ قوی اور اہم ترین و اعلیٰ ترین ہے جب کہ یہ آیت مبارکہ نعمت کے بیان کرنے کے لیے ذکر کی گئی ہے اور ایک صاحب حکمت و دانا کے لائق نہیں ہے کہ وہ احسانات کے مقامات میں ادنیٰ نعمتوں کا ذکر تو کرے لیکن اہم ترین و اعلیٰ ترین نعمت کا ذکر چھوڑ دے [اور "زِيْنَةً" مفعول لہ کی بناء پر منصوب ہے اور اس کا "لِتَرْكَبُوْهَا" کے محل پر عطف ہے] اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی بے شمار اقسام پیدا کی ہیں جنہیں تم نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد کا یہی مقصد ہے: ﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت سی ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ اس سے بہت بلند تر ہے کہ اس کے ساتھ کسی غیر کو شریک ٹھہرایا جائے۔

٩- ﴿وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ﴾ اور درمیانی سیدھی راہ اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے۔["السبیل" سے جنس مراد ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَمِنْهَا جَآئِرٌ" اور بعض ٹیڑھے راستے ہیں "قصد" مصدر ہے اور بہ معنی فاعل ہے اور وہ "قاصد" ہے] چنانچہ "سَبِيْلٌ قَصْدٌ وَّقَاصِدٌ" کہا جاتا ہے یعنی سیدھا راستہ گویا وہ اسی سمت کا قصد کرتا ہے جس کا راستہ چلنے والا قصد کرتا ہے وہ اس سے روگردانی نہیں کرتا اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک حق تک پہنچانے والے راستے کی راہنمائی کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر لازم ہے جیسا کہ ارشاد ہے: "اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى". (اللیل:١٢) "بے شک ہدایت دینا ہمارے ذمے ہے"۔ اور "عَلٰى" وجوب کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب ولازم نہیں لیکن اللہ تعالیٰ یہ کام اپنے فضل وکرم سے اپنے ذمے کر لیتا ہے اور "عَلَى اللّٰهِ" بہ معنی "اِلَى اللّٰهِ" ہے (یعنی سیدھا راستہ اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے) اور علامہ زجاج نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ دلائل کے ساتھ سیدھے راستے کو واضح طور پر بیان کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر لازم ہے ﴿وَمِنْهَا جَآئِرٌ﴾ اور کچھ ٹیڑھے راستوں ہیں یعنی راستوں میں سے کچھ راستے استقامت سے پھرے ہوئے ہیں ﴿وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ اس سے ہدایت عامہ کے بعد لطف وکرم اور انعام کی ہدایت کی توفیق دینا مراد ہے۔

١٠- ﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ ﴾ وہی تو (اللہ) ہے جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی نازل کیا اس سے پیا جاتا ہے [''لَكُمْ''۔ ''اَنْزَلَ'' کے ساتھ متعلق ہے یا ''شَرَابٌ'' کی خبر ہے اور یہ وہ پانی ہے جسے پیا جاتا ہے] ﴿ وَّمِنْهُ شَجَرٌ ﴾ اور اس سے درخت اُگتے ہیں یعنی ایسے درخت (گھاس اور پودے وغیرہ) جن کو مویشی چرتے اور کھاتے ہیں ﴿ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ﴾ اس میں تم جانوروں کو چراتے ہو [یہ ''اِسَامَةٌ'' سے مشتق ہے اور ''سَامَتِ الْمَاشِیَةُ'' سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب جانور چرنے گئے ہوں پس وہ جانور سائمہ کہلاتے ہیں یعنی باہر چرنے والے اور ان کا مالک انہیں چرنے کے لیے لے گیا اور یہ (مجرد مصدر) ''سَوْمَةٌ'' سے مشتق ہے اور اس کا معنی علامت اور نشانی ہے کیونکہ جانور چرنے کے ساتھ زمین پر نشانات ظاہر کر جاتے ہیں]۔

یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّیْتُوْنَ وَ النَّخِیْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝١١ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ۙ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝١٢ وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ۝١٣

وہ اسی کے ذریعے کھیتیاں اور زیتون اور کھجور اور انار اور ہر قسم کے پھلوں کو اگاتا ہے بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے ایک خاص نشانی ہے ۝ اور اس نے تمہارے لیے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو اور ستاروں کو اپنے حکم سے مسخر کر دیا ہے بے شک اس میں عقل مند قوم کے لیے نشانیاں ہیں ۝ اور اس نے تمہارے لیے جو چیزیں زمین میں پیدا کی ہیں ان کے رنگ مختلف ہیں بے شک اس میں نصیحت حاصل کرنے والی قوم کے لیے نشانی ہے ۝

١١- ﴿ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّیْتُوْنَ وَ النَّخِیْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ﴾ وہ تمہارے لیے اس (پانی) کے ذریعے کھیتیاں اور زیتون اور کھجور اور انار اور ہر قسم کے پھلوں میں سے کچھ پھل اگاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ''كُلَّ الثَّمَرَاتِ'' نہیں فرمایا اس لیے کہ تمام قسم کے پھل صرف جنت میں ہوں گے اور زمین میں ان تمام پھلوں میں سے کچھ پھل ان کی یاد دہانی کے لیے اگائے ہیں ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾ بے شک اس میں ایسی قوم کے لیے نشانی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں سو وہ لوگ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اور اس کی قدرت پر اور اس کی حکمت پر استدلال کرتے ہیں اور ''اٰیة'' کا معنی ہے: واضح اور روشن دلیل۔

١٢- ﴿ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ۙ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ﴾ اور اس نے تمہارے لیے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو تابع فرمان کر دیا اور ستارے اس کے حکم سے مسخر کیے گئے ہیں۔ [علی کسائی کی قراءت میں سب (یعنی چاروں کلمات) منصوب ہیں اور اصل میں ''وَجَعَلَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ'' ہے اور اس نے ستاروں کو حکم کا پابند کر دیا اور امام حفص کی قراءت میں ''وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ'' فقط مرفوع ہے (پیش والے) اور ابن عامر شامی کی قراءت میں (چاروں کلمات) ''وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ'' مبتدا اور خبر کی بناء پر مرفوع (سب کے آخر میں پیش)

ہیں]﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴾ بے شک اس میں عقل مند قوم کے لیے نشانیاں ہیں۔ ’’ ایات ‘‘،’’ ایۃ ‘‘ کی جمع ہے اور اللہ تعالیٰ نے عقل کا ذکر اس لیے کیا کہ آثارِ علو یہ (آسمانی نشانیاں) اللہ تعالیٰ کی غالب قدرت پر زیادہ واضح رہنمائی کرتی ہیں اور اس کی کبریائی اور عظمت و رفعت کے لیے گواہی کو زیادہ اور خوب بیان کرتی ہیں۔

١٣-﴿ وَمَا ذَرَاَ لَکُمْ فِی الْاَرْضِ ﴾ اور اس نے جو کچھ زمین میں تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔[یہ ’’ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ ‘‘ پر معطوف ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین میں جو کچھ جانور اور درخت اور پھل وغیرہ پیدا کیے ہیں ﴿ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ﴾ اس کے رنگ مختلف ہیں [’’ مُخْتَلِفًا ‘‘ حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ ﴾ بے شک اس میں ایسے لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے جو وعظ و نصیحت قبول کرتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْکُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْکَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ﴿١٤﴾ وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٥﴾ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿١٦﴾ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ﴿١٧﴾ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿١٨﴾

اور وہی تو ہے جس نے دریا کو مسخر کر دیا تا کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور تم اس میں سے زیور نکالو جنہیں تم پہنتے ہو اور دیکھتے ہو کہ اس میں کشتیاں پانی کو چیرتی چلی جاتی ہیں اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو○ اور اس نے زمین میں پہاڑ ڈال دیئے کہ کہیں وہ تمہاری وجہ سے ڈول نہ جائے اور اس نے نہریں اور راستے بنا دیئے تا کہ تم راہ پالو○ اور بہت سی نشانیاں مقرر فرمائیں اور ستاروں سے وہ راہ پاتے ہیں○ تو کیا جو پیدا کرتا ہے وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو پیدا نہیں کرتا' تو تم کیوں نہیں نصیحت حاصل کرتے○ اور اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو تم انہیں شمار نہیں کر سکو گے' بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے○

١٤-﴿ وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْکُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا ﴾ اور وہی ہے جس نے دریا کو مسخر کر دیا تا کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھا سکو اور وہ مچھلی ہے اور اس کو طراوت کے ساتھ موصوف کر کے تازہ کھانے کا اس لیے ذکر کیا کہ یہ باسی ہونے پر جلد خراب ہو جاتی ہے' اس لیے اس کو خراب ہو جانے کے خوف سے جلدی تازہ بہ تازہ کھایا جاتا ہے تا کہ زیادہ دیر ہو جانے سے خراب نہ ہو جائے اور جو شخص قسم اٹھالے کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا وہ اگر مچھلی کھالے تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ قسم کا انحصار عرف عام پر ہوتا ہے اور جس نے اپنے غلام سے کہا کہ یہ رقم لو اور اس کے عوض میں گوشت خرید کر لاؤ اور وہ مچھلی لے کر آ گیا تو مالک انکار کا حق رکھتا ہے ﴿ وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً ﴾ اور تم اس میں سے زیورات نکالتے ہو اور وہ موتی اور مرجان (مونگے) ہیں ﴿ تَلْبَسُوْنَهَا ﴾ جن کو تم پہنتے ہو۔ ان کے پہننے سے مراد ان کی عورتوں کا پہننا ہے لیکن عورتیں چونکہ یہ زیورات مردوں کی خاطر پہنتی ہیں اور مردوں ہی کے لیے آراستہ ہوتی ہیں تو گویا یہ زیورات مردوں ہی کی زینت ہیں اور انہیں کا لباس ہیں ﴿ وَتَرَى الْفُلْکَ مَوَاخِرَ ﴾ اور تم کشتیوں کو دیکھو گے کہ وہ پانی کو چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں یعنی کشتیاں

جب دریا میں چلتی ہیں تو وہ پانی کو پھاڑتی ہوئی اپنا راستہ بناتی چلی جاتی ہیں اور ''مَخر'' کا معنی ہے: کشتی کا اپنے سینے سے پانی کو چیرنا ﴿فِيْهِ﴾ دریا میں ﴿وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اور تاکہ تم اس کا فضل (رزق) تلاش کرو [یہ محذوف فعل پر معطوف ہے] ''اَیْ لِتَعْتَبِرُوْا'' یعنی تاکہ تم عبرت حاصل کرو اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور فضل کی تلاش یا طلب سے تجارت کرنا مراد ہے ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر شکر ادا کرو جو اس نے بحری تجارت کے ذریعے تم پر انعام کی ہیں۔

١٥- ﴿وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ﴾ اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو ڈال دیا یعنی پہاڑوں کو زمین میں گاڑ دیا اور ان کو ثابت وقائم کر دیا ﴿اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ﴾ محض اس اندیشہ کی بناء پر کہ زمین تمہاری وجہ سے اِدھر اُدھر جھک نہ جائے اور کہیں تھرتھرا کر کانپنے نہ لگ جائے یا یہ معنی ہے: تاکہ وہ تمہاری وجہ سے متحرک ومضطرب نہ ہو جائے [لیکن اکثر مضاف محذوف ہوتا ہے]۔ بعض حضرات نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ تھرتھرانے لگ گئی' جس پر فرشتوں نے کہا کہ یہ اپنی پشت پر کسی کو نہیں ٹھہرا سکے گی' جب صبح ہوئی تو اس پر پہاڑ نصب کیے جا چکے تھے اور فرشتوں کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کیسے پیدا کیے گئے ﴿وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا﴾ اور اس نے زمین میں ندیاں اور وادیاں اور راستے بنا دیئے [اور ان کا فعل ''جَعَلَ'' ہے کیونکہ ''اَلْقٰی'' بہ معنی ''جَعَلَ'' ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین میں پہاڑ نصب کر دیئے اور ندیاں اور راستے بنا دیئے)] ﴿لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ تاکہ تم اپنے مقاصد یا اپنے رب تعالیٰ کی توحید کی طرف راہ پالو۔

١٦- ﴿وَعَلٰمٰتٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے علامتیں اور نشانیاں مقرر فرما دیں اور اس سے راستوں کی نشانیاں اور علامتیں مراد ہیں اور وہ چیز مراد ہے جس کے ذریعے راہ چلتا ہوا مسافر رہنمائی حاصل کر سکے خواہ وہ پہاڑ ہوں (یا دریا ہوں یا اشجار ہوں وغیرہ) ﴿وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ اور وہ ستاروں سے راستے معلوم کرتے ہیں۔ ''نجم'' سے جنس یا ثریا (کہکشاں) اور فرقدان اور بنات نعش اور جدی نامی ستارے مراد ہیں (جو قطب شمالی کے قریب اردگرد واقع ہیں جن سے قبلہ کا رخ اور راستوں کی سمت کا تعین کیا جاتا ہے) پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت مبارکہ میں خطاب کے اسلوب اور طریقے کی بجائے غائب کا اسلوب اور طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور اس میں ''بِالنَّجْمِ'' کو مقدم کیا گیا ہے اس کے اور فعل کے درمیان ''هُمْ'' ضمیر غائب فاصل کو داخل کیا گیا ہے گویا فرمایا گیا ہے کہ مخصوص ستاروں سے وہی مخصوص لوگ ہدایت ورہنمائی حاصل کرتے ہیں تو وہ کون لوگ مراد لیے گئے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان سے قریشِ مکہ مراد ہیں' پس یہی لوگ دورانِ سفر ان مخصوص ستاروں کے ذریعے راستوں کے تعین میں رہنمائی حاصل کرتے تھے اور انہیں اس کا علم تھا اور اس طرح کا علم ان کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں تھا' جس کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب تھا اور عبرت وسبق حاصل کرنا ان پر لازم تھا' اس لیے انہیں کو مخصوص کیا گیا۔

١٧- ﴿اَفَمَنْ يَّخْلُقُ﴾ تو کیا جو پیدا کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جو تمام کائنات کو پیدا کرنے والا سب کا خالق ہے ﴿كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ﴾ اس جیسا ہو سکتا ہے جو (کچھ بھی) پیدا نہیں کرتا یعنی بت (جو خالق نہیں بلکہ مخلوق ومصنوع ہیں) اور یہاں لفظ ''مَنْ'' لایا گیا ہے جو کہ اہل علم (اور ذوی العقول) کے لیے آتا ہے' اس لیے کہ کفارِ مکہ کا زعم اور خیال تھا کہ انہوں نے جن خداؤں (یعنی بتوں) کا نام اِلٰہ رکھا ہوا ہے اور جن کی وہ عبادت وپرستش کرتے ہیں وہ بھی اہل علم کے قائم مقام ہیں یا اس لیے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک جو پیدا کرتا ہے وہ اس جیسا نہیں ہو سکتا جو اہل علم میں سے پیدا نہیں کرتا تو بھلا وہ اس جیسا کیسے ہو سکتا ہے جو علم بھی نہیں رکھتا محض جاہل اور بے جان بت ہے اور باقی رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ''اَفَمَنْ لَّا يَخْلُقُ كَمَنْ

یَخْلُقُ ''کیوں نہیں فرمایا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کفار کو الزام دیا گیا ہے جنہوں نے بتوں کی پرستش کی تھی اور ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ قرار دے کر ان کو اِلٰہ قرار دے دیا تھا کیونکہ جب انہوں نے غیر اللہ (یعنی بتوں) کو نام رکھنے میں اور عبادت کرنے میں اللہ تعالیٰ کے مساوی قرار دے دیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو یقیناً مخلوقات کی جنس سے اور اس کے مشابہ قرار دے دیا' سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی بدعقیدگی کا انکار کر کے ارشاد فرمایا: ''اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ''. تو کیا جو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے' بھلا اس جیسا ہو سکتا ہے جو بالکل کسی چیز کا خالق نہیں' مخلوق ہے اور یہ آیت مبارکہ معتزلہ پر حجت ہے کہ تمام افعال کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے ﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ تو کیا تم لوگ دھیان نہیں کرتے تا کہ تم اپنے اس نظریہ کی خرابی کو پہچان لو' جس پر تم بہ ضد ہو کر قائم ہو۔

١٨- ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو تم ان کو شمار نہیں کر سکو گے نہ ان کی تعداد کو تم ضبط کر سکتے ہو اور نہ تمہاری طاقت اس کو پہنچ سکتی ہے تو بھلا ان پر شکر ادا کرنے کے لیے تم ان کے حقوق کو کس طرح ادا کر سکتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کچھ نعمتیں شمار کرنے کے بعد اس کا ذکر اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کیا ہے کہ ان کے علاوہ اتنی بے شمار نعمتیں ہیں کہ نہ ان کا احاطہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کی گنتی کی جا سکتی ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہے' وہ نعمتوں کا شکر ادا کرنے پر تمہاری کوتاہیوں پر درگزر فرمائے گا اور وہ تمہاری کوتاہی کی وجہ سے اپنی نعمتیں تم سے نہیں روکے گا۔

وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿١٩﴾ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿٢١﴾ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٢٢﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۭ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ ﴿٢٣﴾

اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو O اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں وہ کسی کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں O وہ مردے ہیں زندہ نہیں ہیں' اور وہ نہیں جانتے کہ لوگ کب اٹھائے جائیں گے O تمہارا معبود ایک معبود ہے' سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منکر ہوتے ہیں اور وہ متکبر ہوتے ہیں O حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً وہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں' بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا O

١٩- ﴿وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو (یعنی) اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اقوال اور افعال کو خوب جانتا ہے اور یہ (کفار کے لیے) وعید اور دھمکی ہے۔

٢٠- ﴿وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور جو لوگ غیر خدا کی عبادت کرتے ہیں (یعنی) وہ معبود جن کی کفار عبادت کرتے ہیں [امام عاصم کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ (تَدْعُوْنَ) ہے] ﴿لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا

﴿وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ﴾ وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔

۲۱۔﴿اَمْوَاتٌ﴾ (مبتدا محذوف ہے) ''اَیْ هُمْ اَمْوَاتٌ''. یعنی وہ مردے ہیں ﴿غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ زندہ نہیں ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ لوگ کب اٹھائے جائیں گے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے بتوں سے اُلوہیت (معبود ہونے) کی خصوصیات کی نفی فرما دی ہے کہ نہ تو وہ خالق ہیں اور نہ وہ زندہ ہیں کہ کبھی نہیں مریں گے اور نہ وہ حشر ونشر کے عالم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مخلوق کی صفات کو ثابت فرما دیا ہے کہ وہ بلاشبہ مخلوق ہیں' مردے ہیں اور قیامت کے دن سے جاہل ہیں اور (اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ) کا معنی یہ ہے کہ اگر یہ بت حقیقت میں واقعی معبود اور اِلٰہ ہوتے (جیسا کہ کفارِ مکہ کا خیال تھا) تو وہ زندہ ہوتے' مردے نہ ہوتے یعنی ان پر کبھی موت جائز نہ ہوتی حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے (کہ وہ بے جان مردہ مورتیاں ہیں) [اور ''يُبْعَثُوْنَ'' میں ضمیر بتوں کی پرستش کرنے والوں کی طرف لوٹتی ہے] یعنی بت نہیں جانتے کہ ان کے عبادت گزار کب اٹھائے جائیں گے اور اس آیت مبارکہ میں مشرکین کا تمسخر اور مذاق اڑایا گیا ہے کہ ان کے معبود یقیناً نہیں جانتے کہ ان کے پجاریوں کو قبروں سے کب اٹھایا جائے گا تو بھلا ان کو اس وقت کیسے علم ہوگا جب ان کے پجاریوں کو ان کے اعمالِ بد پر سزا دی جائے گی اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد لازمی طور پر اٹھایا جائے گا۔

توحید کے منکر متکبروں کی سازشوں کا بُرا انجام اور پرہیزگاروں کا نیک انجام

۲۲۔﴿اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ﴾ تمہارا معبود ایک معبود ہے یعنی گزشتہ آیات میں جو کچھ گزر چکا ہے اس سے ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور بے شک تمہارا صرف ایک معبود ہے ﴿فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ﴾ سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل توحید کے منکر ہیں ﴿وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور وہ اس سے اور اس کے اقرار سے تکبر کرنے والے ہیں۔

۲۳۔﴿لَا جَرَمَ﴾ یقینی اور تحقیقی بات یہ ہے کہ ﴿اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ لوگ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ اور علانیہ تمام اعمال کو جانتا ہے' پس وہ ان کے اعمال کے مطابق ان کو سزا دے گا اور یہ ان کے لیے وعید (دھمکی) ہے ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ﴾ بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (یعنی) توحید سے تکبر کرنے والے اور وہ مشرکین ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

ع ۳ ۹

اور جب ان سے کہا جاتا کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے؟ تو وہ کہتے کہ پہلے لوگوں کی من گھڑت کہانیاں O تا کہ وہ قیامت کے دن اپنے (گناہوں کے) پورے بوجھ اٹھائیں' اور ان کے بوجھ بھی جن کو بے علمی میں گمراہ کرتے رہے' خبردار ہو جاؤ کہ وہ بہت بُرا بوجھ اٹھا رہے ہیں O بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی مکروفریب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عمارت کو بنیادوں سمیت آ لیا اور ان کے اوپر سے ان پر چھت گر پڑی اور ان پر عذاب (وہاں سے) آیا جہاں کا انہیں شعور بھی نہیں تھا O

٢٤-﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ﴾ اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا (یعنی) جب ان کفارِ مکہ سے کہا جاتا کہ ﴿مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے؟ تو کہتے کہ پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے کہانیاں [''مَاذَا''، ''اَنْزَلَ'' کی وجہ سے منصوب ہے۔ ''اَیْ اَیَّ شَیْءٍ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ'' تمہارے رب نے کس چیز کو نازل کیا ہے یا پھر یہ مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے ''اَیْ اَیُّ شَیْءٍ اَنْزَلَهٗ رَبُّكُمْ'' یعنی کیا چیز ہے جس کو تمہارے رب تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور (اَسَاطِیْرُ) مبتدا محذوف کی خبر ہے] بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ قریشِ مکہ کے ان بارہ سرداروں کا قول ہے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والے ہر راستے پر اپنے آدمی مقرر کر دیئے کہ جو لوگ مکہ معظمہ میں داخل ہوں' انہیں یہ مقرر کردہ آدمی رسول اللہ ﷺ سے متنفر کریں گے' چنانچہ جب مکہ مکرمہ میں ان راستوں سے داخل ہوتے وقت حج کے لیے آنے والے حاجیوں کے وفود ان آدمیوں سے پوچھتے کہ رسول اللہ ﷺ پر کیا نازل کیا گیا ہے تو وہ جواب میں کہتے کہ پہلے لوگوں کی من گھڑت باتیں اور ان کے باطل وجھوٹے قصے کہانیاں اور اس کا واحد ''اسطورۃ'' ہے اور جب وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کرام کو دیکھتے تو یہ حضرات ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے ہونے کی اور برحق نبی ورسول ہونے کی خبر سناتے رہتے تو یہی حضرات خوش نصیب ہیں' جو کہا کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور پر خیر و برکت سے بھرپور سچا کلام نازل کیا ہے۔

٢٥-﴿لِیَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ﴾ تا کہ وہ قیامت کے دن اپنا پورا بوجھ اٹھائیں اور ان لوگوں کا بوجھ بھی اٹھائیں جن کو یہ گمراہ کرتے رہے یعنی انہوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے یہی کہا تھا تو اس لیے انہوں نے اپنی گمراہی کا بوجھ بھی پورا پورا اٹھا لیا اور ان کا بعض بوجھ بھی اٹھا لیا' جو ان کے گمراہ کرنے سے گمراہ ہو گئے اور یہ گمراہ کرنے کا بوجھ ہے کیونکہ گمراہ کرنے والا اور گمراہ ہونے والا دونوں گمراہی میں مشترک ہیں [اور لام علت بیان کرنے کے لیے ہے] ﴿بِغَیْرِ عِلْمٍ﴾ یعنی وہ جن لوگوں کو گمراہ کرتے تھے' وہ لوگ نہیں جانتے تھے کہ انہیں گمراہ کیا جا رہا ہے [یہ مفعول سے حال ہے] ﴿اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ﴾ خبردار ہو جاؤ بہت بُرا بوجھ ہے جو وہ اٹھا رہے ہیں [''مَا'' محلاً مرفوع ہے]۔

٢٦-﴿قَدْ مَكَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْیَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ﴾ بے شک ان سے پہلے لوگوں نے مکروفریب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عمارت کو بنیادوں سمیت الٹ دیا یعنی بنیادوں کی طرف سے اٹھا کر الٹ دیا اور بنیاد سے ستون مراد ہیں اور یہ تمثیل ہے یعنی بے شک گزشتہ امتوں کے کافروں نے مختلف منصوبے اور حیلے تیار کیے تھے تا کہ وہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں کے خلاف فریب کاریاں اور سازشیں کر سکیں' سو اللہ تعالیٰ نے ان کو انہیں منصوبوں اور حیلوں میں ہلاک کر دیا جیسے کسی قوم نے ایک عمارت تیار کی اور اس کے لیے مضبوط ستون تعمیر کیے' پھر اس کو ستونوں سمیت اکھیڑ دیا گیا جس کی وجہ سے کمزور ہو کر اپنے باشندوں پر گر پڑی اور وہ سب مر گئے اور ہلاک ہو گئے اور جمہور مفسرین اس بات

پر متفق ہیں کہ اس سے نمرود بن کنعان مراد ہے' جب اس نے بابل کے شہر میں ایک بہت بڑا محل تیار کرایا تھا جس کی لمبائی پانچ ہزار ہاتھ تھی اور بعض نے کہا کہ دو فرسخ تھی' پھر اللہ تعالیٰ نے بہت سخت تیز آندھی چلائی اور وہ عمارت نمرود پر اور اس کی قوم پر گر پڑی جس سے سب ہلاک ہو گئے اور ''فَاَتَی اللّٰہُ'' کا معنی ہے کہ ان کی ہلاکت کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا ﴿فَخَرَّ عَلَیْھِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِھِمْ وَاَتٰھُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ﴾ پس ان پر ان کے اوپر سے چھت گر پڑی اور ان پر وہاں سے عذاب آیا' جہاں سے انہیں شعور بھی نہیں تھا' نہ انہیں خیال تھا اور نہ انہیں توقع تھی۔

ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُخْزِیْھِمْ وَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَکَآءِیَ الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِیْھِمْ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْیَ الْیَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ۝۲۷ الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا کُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓی اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌۢ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۸ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ ۝۲۹

پھر قیامت کے دن اللہ انہیں رسوا کرے گا اور فرمائے گا: میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم جھگڑتے تھے؟ جنہیں علم دیا گیا تھا' وہ کہیں گے: بے شک آج کے دن ذلت اور رسوائی کافروں پر ہے O انہیں لوگوں کی فرشتے ایسے حال میں جانیں قبض کریں گے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوں گے تو یہ لوگ صلح پیش کریں گے کہ ہم کوئی برائی نہیں کرتے تھے' ہاں! کیوں نہیں! تم جو کچھ اعمال کرتے رہے ہو ان کو بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے O سو اب تم جہنم کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہو' پس تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا بہت بُرا ہے O

۲۷- ﴿ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُخْزِیْھِمْ﴾ پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے روز انہیں رسوا کرے گا کہ انہیں ذلت ناک اور رسوا کن عذاب میں مبتلا کر کے ذلیل وخوار کرے گا اور یہ آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہوگا جو دنیا میں انہیں دیا گیا ﴿وَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَکَآءِیَ﴾ اور فرمائے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اضافت کر کے ان کی اضافت کی حکایت بیان کی ہے کیونکہ مشرکین اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے تھے تاکہ ان کے ساتھ استہزاء وتمسخر اور ان کا مذاق اڑانے کے لیے ان کو بہت سختی کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ پلائے ﴿الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِیْھِمْ﴾ جن کے بارے میں تم جھگڑتے تھے اور تم ایک دوسرے کے ساتھ عداوت ومخالفت کرتے تھے اور تم ان کے بارے میں مسلمانوں سے جھگڑتے تھے [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''تُشَآقُّوْنِ'' (ن کے نیچے زیر ''یا'' محذوف کے ساتھ) ہے] یعنی تم ان (بتوں) کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے تھے کیونکہ مسلمانوں کے ساتھ جھگڑا کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جھگڑا کرنا ہے ﴿قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ وہ حضرات فرمائیں گے جن کو علم دین عطا فرمایا گیا یعنی ان امتوں کے انبیائے کرام علیہم السلام اور علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ جو ان کو ایمان کی دعوت دیتے تھے اور انہیں وعظ ونصیحت کرتے تھے لیکن وہ ان حضرات کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے اور وہ ان حضرات سے جھگڑتے تھے اور انہیں بُرا بھلا کہتے تھے یا اہل علم سے فرشتے مراد ہیں ﴿اِنَّ الْخِزْیَ الْیَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ﴾ بے شک آج ذلت ورسوائی اور بدترین عذاب کافروں پر ہوگا۔

۲۸-﴿اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ﴾ ان لوگوں کی فرشتے اس حال میں جانیں قبض کریں گے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہوں گے [قاری حمزہ کی قراءت میں یہ اور اسی طرح اس کے بعد (آیت نمبر: ۳۲ میں "تَتَوَفّٰى" کی بجائے "یَتَوَفّٰى") "یا" کے ساتھ ہے] ﴿فَاَلْقَوُا السَّلَمَ﴾ تو وہ لوگ صلح پیش کریں گے یعنی صلح وسلامتی اور اطاعت گزار وفرماں بردار بننے کی پیش کش کریں گے یعنی عاجزی اختیار کرلیں گے اور وہ دنیا میں جس باطل نظریہ پر قائم ہو کر مخالفت و جھگڑے کرتے تھے اب اس کے خلاف اظہار کریں گے اور کہیں گے: ﴿مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ﴾ ہم کوئی بُرا عمل نہیں کرتے تھے اور وہ اپنے کفر وشرک اور عداوت و دشمنی سے انکار کر دیں گے' لیکن اہل علم حضرات ان کی تردید کر دیں گے اور کہیں گے: ﴿بَلٰۤى اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ہاں! بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے' پس وہ تمہیں ان پر ضرور سزا دے گا اور یہ کہنا بھی ان کی مصیبت پر خوشی کا اظہار ہوگا اور اسی طرح (درج ذیل قول بھی):

۲۹-﴿فَادْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ﴾ (اے کافرو!) تم دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ' اس میں ہمیشہ رہو' سو تکبر کرنے والوں کے لیے دوزخ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

وَقِیْلَ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا مَاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَیْرًا ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ ۙ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور پرہیز گاروں سے (جب) کہا جاتا کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے' تو وہ کہتے کہ خیر وبرکت نازل کی ہے' جنہوں نے نیکی کی ان کے لیے دنیا میں بھلائی ہے اور آخرت کا گھر ان کے لیے بہت بہتر ہے' اور البتہ پرہیز گاروں کا گھر بہت اچھا ہے ○ ہمیشہ رہنے کے لیے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں' اس میں انہیں وہی ملے گا جو وہ چاہیں گے' اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو اسی طرح صلہ دیتا ہے ○ فرشتے ان کی اس حال میں جانیں قبض کریں گے کہ وہ پاک ہوں گے' فرشتے ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو' تم جو کچھ عمل کرتے تھے اس کے عوض جنت میں داخل ہو جاؤ ○

۳۰-﴿وَقِیْلَ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا مَاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَیْرًا﴾ اور (جب) ان لوگوں سے کہا گیا کہ جنہوں نے کفر وشرک چھوڑ کر تقویٰ اختیار کرلیا کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ خیر وبرکت نازل کی ہے [اور یہ (خَیْرًا) منصوب (جس کے آخر میں زبر ہو) ہے اور "اَسَاطِیْرُ" مرفوع (پیش والا) ہے کیونکہ یہاں اصل میں "اَنْزَلَ خَیْرًا" ہے' سو اس لیے پرہیز گاروں نے سوال کے مطابق جواب دیا ہے اور وہاں اصل میں "هُوَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ" ہے لہٰذا انہوں نے جواب دینے میں سوال سے انحراف کیا ہے] ﴿لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا﴾ ان لوگوں کے لیے

جنہوں نے اس دنیا میں نیکیاں کیں یعنی وہ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک اعمال کیے یا انہوں نے سچے دل سے "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھا ﴿حَسَنَةٌ﴾ بھلائی یعنی اجر وثواب اور امن و عافیت اور فتح و غنیمت ہے یہ مرفوع (یعنی پیش والا) ہے [اور یہ "خَيْرًا" سے بدل ہے اور اہل تقویٰ کے قول کی حکایت ہے یعنی اہل تقویٰ نے یہ بات کہی لیکن اس کے نام "خَيْرًا" کو اس پر مقدم کیا' پھر اس کی حکایت بیان کی یا یہ ایک مستقل الگ کلام ہے جو "خَيْرًا" کہنے والوں کے لیے تیار کیا گیا ہے] اور ان کے قول کو ان کی نیکیوں کے مجموعہ میں سے قرار دیا گیا ہے ﴿وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ﴾ اور آخرت کا گھر ضرور بہترین ہے یعنی آخرت میں ان کے لیے اس سے بہترین اجر وثواب ملے گا جیسا کہ ارشاد ہے: "فَاٰتَاهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ". (آل عمران:۱۴۸) "پس اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی صلہ عطا فرمائے گا اور آخرت کا اجر وثواب بہترین اور اعلیٰ ترین ہوگا"۔ ﴿وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ﴾ اور پرہیز گاروں کا ٹھکانا بہت عمدہ ہوگا (یعنی) آخرت میں بہترین ٹھکانا ہوگا [پھر مخصوص بالمدح کو حذف کر دیا گیا کیونکہ پہلے ذکر گزر چکا ہے]۔

۳۱- ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ۚ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ﴾ عدن کے باغات ہیں وہ ان میں داخل ہوں گے جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں ان کے لیے ان میں وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے' اسی طرح اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو جزائے خیر عطا فرمائے گا ["جَنَّاتُ عَدْنٍ" مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ مخصوص بالمدح ہے اور "يَدْخُلُوْنَهَا" حال ہے]۔

۳۲- ﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کی فرشتے اس حال میں جانیں قبض کریں گے کہ وہ پاک ہوں گے (یعنی) وہ کفر کے ساتھ اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے پاک ہوں گے کیونکہ یہ (ظَالِمِيْ اَنْفُسِهِمْ. (النحل:۲۸)) کے مقابلے میں ہے۔ ﴿يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ﴾ فرشتے ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو۔ بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ جب مسلمان بندے پر موت کا وقت قریب ہوتا ہے تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا وَلِيَّ اللّٰهِ". اے اللہ تعالیٰ کے ولی اور دوست! تم پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ تم پر سلام کہتا ہے اور وہ اس کو جنت کی خوشخبری سناتا ہے اور آخرت میں ان سے کہا جائے گا: ﴿ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ تم جنت میں داخل ہو جاؤ یہ اس کا بدلا ہے جو تم نیک عمل کرتے تھے (یعنی) یہ جنت تمہارے اعمال کا معاوضہ ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ ع

وہ کفار انتظار نہیں کر رہے مگر یہ کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کے رب کا حکم آجائے' اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے کیا' اور اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○ سو ان کے اعمال کی بُرائیاں ان کو پہنچ گئیں اور انہیں اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ○

۳۳- ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ﴾ یہ کفار انتظار نہیں کر رہے ﴿اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ مگر یہ کہ فرشتے ان کی روحوں کو قبض کرنے کے لیے ان کے پاس آجائیں [قاری علی کسائی اور حمزہ کی قراءت میں "یا" کے ساتھ (اَنْ يَّاْتِيَهُمْ) ہے] ﴿اَوْ

﴿یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّكَ﴾ یا آپ کے رب تعالیٰ کا حکم آ جائے یعنی ہلاک کرنے والا عذاب آ جانے یا قیامت آ جائے ﴿كَذٰلِكَ﴾ جس طرح کفارِ مکہ نے کفر و شرک اور آخر الزمان پیغمبر کو جھٹلانے کا رویہ اختیار کیا ہے' اسی طرح ﴿فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں ﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر کے ان پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں کی' لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کرتے تھے کیونکہ انہوں نے ایسے بُرے اعمال کا ارتکاب کیا جن کی وجہ سے وہ از خود تباہی و بربادی کے مستحق ٹھہرے۔

۳۴۔ ﴿فَاَصَابَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا﴾ پس انہوں نے جو کچھ بداعمالیاں کی تھیں وہ ان کو پہنچ گئیں کہ انہیں ان کے بُرے اعمال کی سزا مل گئی ﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اور انہیں اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور انہیں تمسخر کرنے اور مذاق اڑانے کی سزا نے گھیر لیا۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۳۶﴾

اور مشرکین نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرتے اور نہ ہم اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے' ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کیا تھا' سو پیغمبروں کی ذمہ داری صرف پیغام کو واضح طور پر پہنچانا ہے O اور بے شک ہم نے ہر امت کے لیے ایک رسول بھیجا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو' پھر ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے بعض پر گمراہی مسلط ہو گئی' سو تم زمین میں سیر و سیاحت کرو اور غور سے دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا (بُرا) ہوا O

کفارِ مکہ کی بے ہودہ گفتگو اور انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد

۳۵۔ ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا﴾ اور مشرکین نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ ہم اس کے سوا کسی چیز کی عبادت کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اس کے سوا کسی کی عبادت کرتے۔ مشرکین نے یہ گفتگو صرف مسلمانوں کا مذاق اڑانے کے لیے کی تھی اور اگر وہ یہ بات بطورِ عقیدہ کے کہتے تو درست ہوتی ﴿وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ﴾ اور نہ ہم اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے ہیں یعنی بحیرہ اور سائبہ وغیرہ (جو جانور مخصوص شرائط کے ساتھ بتوں کے نام پر نامزد کر کے حرام قرار دیئے جاتے تھے) ﴿كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کیا تھا یعنی انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تھا اور حلال کو حرام ٹھہرا لیا تھا اور انہوں نے بھی

بطور تمسخر کے کفارِ مکہ کی طرح کہا تھا ﴿ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ پس رسولوں کی ذمہ داری صرف پیغامِ الٰہی کو صاف صاف پہنچا دینا ہے (یعنی) ان کا کام لوگوں تک حق کو پہنچانا اور شرک کا بطلان اور اس کی قباحت سے لوگوں کو آگاہ کرنا ہے۔

٣٦- ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ ﴾ اور بے شک ہم نے ہر امت میں ایک پیغمبر بھیجا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس طرح کہ تم اس کو پہلے واحد لاشریک مانو اور اس کی توحید پر ایمان لا کر اس کی عبادت کرو ﴿ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ اور تم شیطان سے بچو یعنی اس کی اطاعت وفرماں برداری اختیار کرنے سے بچو اور اس سے دور رہو ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ ﴾ پھر ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمادی اس بناء پر کہ انہوں نے ہدایت کو پسند کر کے اختیار کر لیا ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ﴾ اور ان میں سے بعض پر گمراہی مسلط ہوگئی یعنی ان پر گمراہی اس لیے لازم ہوگئی تھی کہ انہوں نے از خود گمراہی کو اختیار کر لیا تھا ﴿ فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ سو تم زمین میں سیر وسیاحت کرو اور چلو پھرو اور غور سے دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر دیا اور ان کے گھروں کو ان سے خالی کر دیا' پھر اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل آیت مبارکہ میں) قریش مکہ کے عناد و ہٹ دھرمی کا ذکر کیا اور ان کے ایمان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی حرص وخواہش کا ذکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگاہ کیا کہ کفارِ مکہ اس قسم میں سے ہیں جن پر گمراہی لازم وثابت ہو چکی' چنانچہ ارشاد فرمایا:

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٣٧﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٤٠﴾ ع

اگر آپ ان کی ہدایت کے بہت خواہش مند ہیں تو (یاد رکھئے) اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جس کو وہ گمراہ کر دیتا ہے اور ان کے لیے مددگار نہیں ہوں گے ○ اور انہوں نے اللہ کی پختہ قسمیں کھائیں کہ اللہ تعالیٰ مرنے والوں کو نہیں اٹھائے گا' بلکہ سچا وعدہ اس کے ذمۂ کرم پر ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ تاکہ وہ ان پر واضح کر دے جس میں وہ جھگڑتے ہیں اور تاکہ کفار جان لیں کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں ○ بے شک ہم جس چیز کو چاہتے ہیں اسے ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے ○

٣٧- ﴿ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ ﴾ اگر آپ ان کی ہدایت کے بہت خواہش مند ہیں تو (یاد رکھئے) بے شک اللہ تعالیٰ جس کو گمراہ کر دیتا ہے اسے ہدایت نہیں دیتا۔ [اہل کوفہ کی قراءت میں ''یا'' پر فتح (زبر) اور دال کے نیچے زیر ہے اور باقیوں کے نزدیک ''یا'' پر پیش اور دال پر زبر ہے (فعل مضارع مجہول ''يُهْدٰى'' ہے) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ''مَنْ يُّضِلُّ'' مبتدا ہے اور ''لَا يُهْدٰى'' اس کی خبر ہے] ﴿ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴾ اور ان کے کوئی مددگار نہیں ہوں گے جو ان پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے نفاذ کو روک سکیں اور ان سے وہ عذاب دور کر سکیں جو اللہ تعالیٰ ان کے لیے تیار کر چکا ہے۔

٣٨- ﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بہت پختہ قسمیں کھائیں۔ [یہ (وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا) پر معطوف ہے] ﴿ لَا یَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ یَّمُوْتُ بَلٰی ﴾ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد نہیں اٹھائے گا' کیوں نہیں [''بَلٰی'' نفی کے بعد اثبات کے لیے آتا ہے] یعنی اللہ تعالیٰ ان کو مرنے کے بعد ضرور اٹھائے گا ﴿ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا ﴾ یہ سچا وعدہ اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ضرور پورا ہوگا۔ [''وعدًا'' مصدر مؤکد ہے جس پر ''بَلٰی'' دلالت کر رہا ہے] کیونکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جانا اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور یہ واضح بات ہے کہ اس وعدہ کا پورا ہونا واجب وضروری ہے ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ بے شک اس کا وعدہ برحق ہے' ضرور پورا ہوگا یا اکثر لوگ نہیں جانتے کہ ان کو یقیناً اٹھایا جائے گا۔

٣٩- ﴿ لِیُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِیْ یَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر (قیامت کے دن) واضح کر دے جس میں وہ لوگ (آج) جھگڑا کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا جانا برحق ہے۔ [''لِیُبَیِّنَ لَهُمْ'' اس فعل کے ساتھ متعلق ہے جس پر (بَلٰی) دلالت کر رہا ہے یعنی ''یَبْعَثُهُمْ'' کے ساتھ اور ''لَهُمْ'' کی ضمیر ''مَنْ یَّمُوْتُ'' کی طرف لوٹتی ہے اور یہ مسلمانوں اور کافروں دونوں کو شامل ہے (یعنی مرنے کے بعد اٹھنے پر مسلم وغیر مسلم سب پر واضح ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے جو آج پورا ہو کر رہا)] ﴿ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِیْنَ ﴾ اور تاکہ کافروں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے اس قول میں یقیناً جھوٹے تھے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا۔

٤٠- ﴿ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴾ بے شک جب ہم کسی چیز کو چاہتے ہیں تو ہم اس سے صرف یہ کہتے ہیں کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے ''اَیْ فَهُوَ یَكُوْنُ''. یعنی پس وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے [اور ابن عامر شامی اور علی کسائی کی قراءت میں (فَیَكُوْنَ) کے نون پر (كُنْ) کا جواب ہونے کی وجہ سے زبر ہے اور (قَوْلُنَا) مبتدا ہے اور ''اَنْ'' (نَّقُوْلَ لَهٗ) اس کی خبر ہے اور (كُنْ فَیَكُوْنُ) ''كَانَ'' تامہ کی قسم سے ہیں بہ معنی حدوث اور وجود] یعنی جب ہم کسی چیز کے بنانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس سے صرف اتنا کہتے ہیں کہ پیدا ہو جا تو وہ بغیر کسی توقف کے فوراً ہو جاتی ہے اور اس عبارت کا مقصد بھی یہی ہے کہ بہت جلد وہ چیز موجود ہو جاتی ہے' جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی مراد میں کوئی رکاوٹ نہیں اور بے شک اس کے ارادہ کرتے ہی چیز بغیر کسی وقفہ کے فوراً ہو جاتی ہے جیسے مطاع (جس کی ہر بات کی اطاعت کی جاتی ہے) حکم دینے والے آقا کا حکم ملتے ہی مامور بہ (جس چیز کے کرنے پر حکم دیا گیا ہے) موجود ہو جاتی ہے' جب بھی حکم بجالانے والے اطاعت گزار مامور پر حکم جاری کیا جاتا ہے اور وہاں پھر کہنے کی حاجت نہیں ہوتی اور معنی یہ ہے کہ تمام مقدورات اللہ تعالیٰ کے چاہنے پر اسی سہولت اور آسانی کے ساتھ موجود ہو جاتے ہیں تو بھلا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا اس کے لیے کیسے ناممکن ہو سکتا ہے' وہ تو اس کے بعض مقدورات میں سے ہے۔

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ فَسْــَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٤٣﴾ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ

وقف لازم

لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٤٤﴾

اور جن لوگوں نے ظلم وستم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کی ہم انہیں دنیا میں ضرور بہترین ٹھکانا دیں گے' اور آخرت کا اجر البتہ بہت بڑا ہے' کاش! وہ جان لیتے O جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں O اور ہم نے آپ سے پہلے نہیں بھیجا مگر مردوں کو ہم ان کی طرف وحی نازل کرتے رہے' سوتم اہل علم سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے O روشن دلیلیں اور کتابوں کے ساتھ' اور ہم نے آپ پر ذکر نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کے لیے وہ تمام تعلیمات بیان کردیں جوان کی طرف نازل کی گئی ہیں اور تا کہ وہ لوگ غور وفکر کریں O

ہجرت کا فائدہ' حضور کا منصب' کفار کی مکاری اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان

٤١- ﴿ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ ﴾ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی' یعنی اس کی رضا حاصل کرنے کی خاطر اور اس کی راہ میں اور اس کے حق میں ہجرت کی ﴿ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ﴾ ظلم وستم اور زیادتیاں سہنے کے بعد اور مظالم برداشت کرنے کے بعد مظلوم ہو کر (ہجرت کی) اور وہ خود رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں' جن پر اہل مکہ نے ظلم وستم کیا تو انہوں نے اپنے دین کو محفوظ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا (اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ہجرت کا حکم دیا) چنانچہ ان میں سے بعض نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی' پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو انہوں نے دونوں ہجرتوں کا ثواب جمع کر لیا اور ان میں سے بعض نے براہِ راست مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی ﴿ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ﴾ ہم انہیں دنیا میں ضرور بہترین ٹھکانا عنایت کریں گے۔[''حَسَنَةً'' مصدر کی صفت ہے' اصل میں (''تبوئة حسنة'' ہے) بہترین ٹھکانا یا پھر ''لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مُبَاءَةً حَسَنَةً'' ہے] (یعنی) ہم ان کو یقیناً بہترین ٹھکانا دیں گے اور وہ بہترین ٹھکانا مدینہ شریف ہے جہاں انہیں وہاں کے باشندوں نے پناہ دی اور انہوں نے ان کی ہر طرح مدد کی ﴿ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ﴾ اور آخرت کا اجر وثواب ضرور بہت بڑا ہے اور اس پر وقف کرنا واجب ولازم ہے' اس لیے کہ ﴿ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ کا جواب محذوف ہے اور اس کی ضمیر کفار کی طرف لوٹتی ہے یعنی اگر کفار اس حقیقت کو جان لیتے تو وہ بھی دین اسلام کی طرف ضرور رغبت کرتے یا اس کی ضمیر مہاجرین کی طرف لوٹتی ہے یعنی اگر مہاجرین صحابہ کرام کو (بہت بڑی نعمتوں کے حصول کا) علم ہوتا تو وہ بھی مظالم پر صبر کرنے اور ان نعمتوں کے حصول کی خاطر اور زیادہ محنت وکوشش کرتے۔

٤٢- ﴿ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ﴾ جنہوں نے صبر کیا۔ یہ اصل میں ''هُمُ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا'' ہے یعنی یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ میں کفار کے مظالم پر صبر کیا یا اصل میں ''اَعْنِي الَّذِيْنَ صَبَرُوْا''. میری مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہر مصیبت میں صبر سے کام لیا اور یہ دونوں تعریف کے لیے ہیں یعنی انہوں نے اپنے وطن کی جدائی پر صبر کیا' جو اللہ تعالیٰ کا پاک حرم شریف اور ہر دل کا محبوب ہے تو بھلا اس قوم کے دلوں کی کیا کیفیت ہوگی جو اس حرم شریف میں اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریزیاں کرتے ہوئے اپنے سروں کو پاک سرزمین پر گرا دیتے تھے اور انہوں نے ہر قسم کے مجاہدہ پر اور اپنی روحوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے پر صبر کیا ﴿ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴾ اور وہ لوگ اپنے رب تعالیٰ پر ہی بھروسا کرتے ہیں یعنی وہ اپنا ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے جو مصائب وآلام انہیں پہنچتے ہیں وہ ان پر صبر کرتے ہیں۔

٤٣- شانِ نزول: اور جب قریشِ مکہ نے یہ اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کسی

انسان اور بشر کو اپنا رسول اور پیغمبر بنادے تو ان کے جواب میں یہ درج ذیل آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے رسول بنا کر نہیں بھیجا مگر مردوں کو ہم ان کی طرف وحی بھیجتے رہے (یعنی) فرشتوں کی زبانوں پر وحی نازل کر کے بھیجتے [امام حفص کی قراءت میں "نُوْحِیْ" (نون متکلم کے ساتھ ہے جب کہ باقی ابن کثیر مکی' نافع مدنی' ابوعمرو' خلف' ابن عامر شامی' ابوجعفر اور یعقوب کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "یُوْحی") ہے] ﴿ فَسۡـئَلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ ﴾ سو تم اہلِ ذکر یعنی اہل کتاب سے پوچھو تا کہ وہ تمہیں بتائیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں کی طرف بھی جتنے نبی و رسول بھیجے وہ انسان اور مرد تھے اور کتاب کو ذکر اس لیے کہا گیا کہ یہ غافلوں کے لیے تنبیہ اور نصیحت ہوتی ہے ﴿ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَۙ ﴾ اگر تم خود نہیں جانتے ہو۔

٤٤۔ ﴿ بِالۡبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ﴾ روشن دلیلوں یعنی معجزات اور کتابوں کے ساتھ [اور "با" "رِجَالًا" کے ساتھ متعلق ہے اور اس کی صفت ہے یعنی ہم نے جن مردوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے ان کو معجزات اور کتابوں کے ساتھ متصف کر کے بھیجا ہے یا یہ "با"، "اَرْسَلْنَا" پوشیدہ کے متعلق ہے' گویا کہا گیا ہے کہ رسولوں کو کس کے ساتھ بھیجا گیا؟ تو جواب میں فرمایا گیا کہ ہم نے ان کو معجزات اور کتابوں کے ساتھ بھیجا یا یہ کہ "با"، "نُوْحِیْ" کے متعلق ہے یعنی ہم ان کی طرف معجزات و کتب کی وحی نازل کرتے ہیں یا پھر "لَا تَعْلَمُوْنَ" کے متعلق ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ: "فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ" گزشتہ وجوہ کی بناء پر جملہ معترضہ ہے] ﴿ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ ﴾ اور ہم نے آپ پر ذکر یعنی قرآنِ مجید نازل کیا ہے ﴿ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ ﴾ تا کہ آپ لوگوں سے وہ تمام تعلیمات کھول کر بیان کر دیں جو ان سے تعمیل کرانے کے لیے ان کی طرف نازل کی گئی ہیں' ان میں سے کچھ وہ ہیں جن میں کرنے کے احکام دیئے گئے ہیں اور کچھ وہ جن کے کرنے سے منع کیا گیا ہے اور کچھ وہ جن کے ساتھ وعدے کیے گئے ہیں اور کچھ وہ جن سے ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے ﴿ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ﴾ اور تا کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ یا قرآنِ مجید کی تنبیہات میں غور و فکر کریں' پھر ان کے مطابق زندگی گزاریں۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيۡنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنۡ يَّخۡسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ يَاۡتِيَهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَشۡعُرُوۡنَۙ ﴿۴۵﴾ اَوۡ يَاۡخُذَهُمۡ فِىۡ تَقَلُّبِهِمۡ فَمَا هُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَۙ ﴿۴۶﴾ اَوۡ يَاۡخُذَهُمۡ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَىۡءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الۡيَمِيۡنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمۡ دٰخِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾

تو کیا جو لوگ بُری سازشیں تیار کرتے ہیں وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ایسے وقت میں ان پر عذاب آ جائے کہ انہیں خیال بھی نہ ہو ○ یا ان کو چلتے پھرتے گرفت میں لے لے' سو وہ (خدا کو) عاجز کرنے والے نہیں ○ یا انہیں خوف کی حالت میں پکڑ لے' پس تمہارا رب ضرور بہت مہربان' نہایت رحم فرمانے والا ہے ○ کیا انہوں نے ان چیزوں میں سے کسی چیز کو نہیں دیکھا جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے کہ اس کا سایا دائیں اور بائیں جھکتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں ○

٤٥- ﴿ اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَكَرُوا السَّیِّاٰتِ ﴾ تو کیا وہ لوگ بے خوف ہو گئے ہیں جو بُری تدبیریں کرتے ہیں۔ اصل میں ''اَلْمَكَرَاتِ السَّیِّاٰتِ'' (موصوف صفت) ہے یعنی بدترین سازشیں اور اس سے اہل مکہ مراد ہیں اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف جو سازشیں تیار کی تھیں ان کا تقاضا تو یہ تھا ﴿ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ ﴾ کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دیتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے پہلے لوگوں کے ساتھ کیا تھا ﴿ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴾ یا ان پر ایسی حالت میں عذاب آ جاتا کہ انہیں خبر بھی نہ رہتی یعنی اچانک عذاب آ جاتا۔

٤٦- ﴿ اَوْ یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ ﴾ یا ان کو اللہ تعالیٰ چلتے پھرتے پکڑ لے جب کہ وہ سیر و سیاحت اور تجارتی کاروبار میں چلتے پھرتے ہیں ﴿ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴾ پس وہ (اللہ تعالیٰ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو سکتے۔

٤٧- ﴿ اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ ﴾ یا ان کو حالتِ خوف میں پکڑ لے جب کہ وہ خوف زدہ ہوں اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ ان سے پہلے کسی قوم کو ہلاک کر دے پھر ان کو اس حال میں اپنی گرفت میں لے لے کہ وہ ڈر رہے ہوں اور عذاب کا انتظار کر رہے ہوں اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ'' کے خلاف ہے (اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ''تَخَوُّف'' کا معنی ڈر نہیں بلکہ نقصان میں مبتلا کرنا ہے) ﴿ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴾ سو بے شک تمہارا رب تعالیٰ بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے اس لیے تو وہ تمہارے ساتھ بردباری سے پیش آتا ہے اور تم سے درگزر کر لیتا ہے اور تمہارے عذاب میں جلدی نہیں کرتا باوجود یکہ تم اس کے مستحق ہو اور معنی یہ ہے کہ تمہاری کوتاہیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تمہاری گرفت اس لیے نہیں فرمائی کہ اس کی رأفت و شفقت تمہیں بچا لیتی ہے اور اس کی رحمت تمہاری حمایت کرتی ہے۔

٤٨- ﴿ اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ﴾ اور کیا کفارِ مکہ نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کسی چیز کو نہیں دیکھا۔ [قاری حمزہ علی کسائی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''تَا'' کے ساتھ (لَمْ تَرَوْا) ہے اور ''مَا'' موصولہ ہے ''خَلَقَ اللّٰهُ'' کے ساتھ اور یہ مبہم ہے ''مِنْ شَیْءٍ'' اس کا بیان ہے] ﴿ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ ﴾ اس کا سایا دائیں بائیں جھکتا ہے یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف لوٹ جاتا ہے [اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''تَا'' کے ساتھ (تَتَفَیَّؤُا) ہے] ﴿ عَنِ الْیَمِیْنِ ﴾ دائیں طرف سے۔ ''یمین'' اپنی جمع ''اَیْمَان'' کے معنی میں ہے یعنی دائیں طرفیں ﴿ وَالشَّمَآئِلِ ﴾ بائیں طرفیں یہ ''شمال'' کی جمع ہے ﴿ سُجَّدًا لِّلّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں۔ [یہ ''ظلال'' سے حال ہے] حضرت مجاہد سے منقول ہے کہ جب سورج ڈھلتا ہے تو ہر چیز اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے ﴿ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴾ اور وہ بارگاہِ الٰہی میں عاجزی و انکساری کرنے والے ہیں [اور یہ ''ظِلٰلُهٗ'' کی ضمیر سے حال ہے کیونکہ وہ جمع کے معنی میں ہے اور وہ یہ کہ ہر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اس کا سایا ہوتا ہے اور ''دَاخِرُوْنَ'' کو واؤ اور نون کے ساتھ جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ ''دُخُوْر'' عقلاء کے اوصاف میں سے ہے یا اس لیے کہ اہل عقل حضرات بھی اس کے مجموعہ میں شامل ہیں سو تغلیباً جمع مذکر ذوی العقل کو ذکر کیا گیا] اور معنی یہ ہے کہ کیا کفارِ مکہ نے اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ان اجسام و ابدان کو نہیں دیکھا جس کے سائے دائیں بائیں اطراف میں جھکتے ہیں؟ یعنی ایک جانب سے دوسری جانب پھر جاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہیں ان کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جھکنے کو اپنا مسخر بنا دیا ہے بلکہ اجسام بذاتِ خود بھی اس کے حضور میں جھکنے والے عاجزی اختیار کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان میں جو افعال پیدا کر دیئے ہیں وہ ان کے پابند اور اطاعت گزار ہیں جن میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ ۩ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٥١﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ ﴿٥٣﴾

اور اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں اور جو زمین میں چلنے والے ہیں اور فرشتے (بھی) اور وہ تکبر نہیں کرتے O وہ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں جو ان کے اوپر ہے اور وہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے O اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دو معبود نہ بناؤ' بے شک صرف وہی ایک معبود ہے' سو تم صرف مجھ ہی سے ڈرو O اور اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور صرف اسی کی اطاعت ضروری ہے' تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے غیر سے ڈرتے ہو O اور تمہارے پاس جو کچھ نعمت ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو تم فوراً اس کی طرف پناہ حاصل کرتے ہو O

٤٩- ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ﴾ اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں چلنے والے ہیں' وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور ''مِنْ دَآبَّةٍ'' ان تمام چیزوں کا بیان ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں چلنے والی ہیں' اس بناء پر کہ جس طرح زمین میں انسان وغیرہ چلتے ہیں' اسی طرح آسمانوں میں بھی مخلوق ہے جو ان میں چلتی پھرتی ہے یا یہ ان چیزوں کا بیان ہے جو صرف زمین میں چلتی پھرتی ہیں اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اس سے فرشتے مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَّالْمَلٰٓئِكَةُ﴾ سے وہ فرشتے مراد ہیں جو انسانوں کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ مکلّفین کے سجدہ سے مراد ان کا اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کرنا اور غیر مکلّفین کے سجدہ سے مراد ان کا اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر چلنا اور اطاعت کرنا ہے اور انقیاد (اطاعت) کا معنی دونوں کا جامع ہے' سو اس لیے وہ دونوں مختلف نہیں اور اس لیے ان دونوں کو ایک لفظ کے ساتھ تعبیر کرنا جائز ہے [اور (مَا) کا کلمہ اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ عقلاء اور غیر عقلاء دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے اور اگر (مَنْ) کا کلمہ لایا جاتا تو وہ صرف عقلاء کو شامل ہوتا] ﴿وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

٥٠- ﴿يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ﴾ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں [اور یہ ''لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ'' میں ضمیر سے حال ہے] یعنی وہ تکبر نہیں کرتے در آں حالیکہ وہ اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ﴿مِّنْ فَوْقِهِمْ﴾ اگر اس کو ''يَخَافُوْنَ'' کے ساتھ جوڑا جائے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ ان کے اوپر سے ان پر عذاب نہ بھیج دے اور اگر اس کو ''رَبَّهُمْ'' کے ساتھ متعلق کیا جائے تو یہ اس سے حال ہوگا اور اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کہ وہ ان پر زبردست غالب ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ''. (الانعام:١٨) ''اور وہ اپنے بندوں پر زبردست غالب ہے''۔ ﴿وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ اور وہ وہی کرتے ہیں جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل

ہے کہ فرشتے بھی مکلّف ہیں اور وہ اوامر ونواہی کے پابند ہیں اور وہ بھی خوف وامید رکھتے ہیں۔

معبودِ برحق' مالک ومنعم' اولاد سے پاک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بچی کی پیدائش پر سوگوار ہونا ---------- طریقۂ کفار ہے

۵۱- ﴿وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دو معبود نہ ٹھہراؤ' بے شک صرف وہی ایک معبود ہے [اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ''وَاحِدٌ'' اور ''اِثْنَيْنِ'' (ایک اور دو) کے علاوہ دیگر عدد اور معدود کے درمیان جمع کا لحاظ کیا جاتا ہے' چنانچہ کہتے ہیں: ''عِنْدِيْ رِجَالٌ ثَلَاثَةٌ'' میرے پاس تین مرد ہیں کیونکہ معدود عدد خاص پر دلالت کرنے سے خالی ہوتا ہے لیکن ''رَجُلٌ'' اور ''رَجُلَانِ'' تو یہ دونوں خاص عدد پر (کہ ''رَجُلٌ'' ایک مرد ہے اور ''رَجُلَانِ'' دو مردوں پر) دلالت کرتے ہیں' اس لیے ''رَجُلٌ وَّاحِدٌ'' اور ''رَجُلَانِ اِثْنَانِ'' کہنے کی ضرورت وحاجت نہیں رہتی (اسی طرح ''اِلٰهَيْنِ'' کے ساتھ ''اِثْنَيْنِ'' کہنے کی ضرورت نہیں تھی صرف ''اِلٰهَيْنِ'' کافی تھا) اس کا جواب یہ ہے کہ جو اسم واحد اور تثنیہ کا حامل ہوتا ہے وہ دو چیزوں پر دلالت کرتا ہے (۱) جنسیّت پر (۲) اور مخصوص عدد پر' پھر جب ان دونوں میں سے عدد کا معنی مقصود ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایسا کلمہ جوڑا جاتا ہے جو اس کے معنی کی تاکید کرتا ہے تاکہ وہ معنی مقصود پر دلالت کرے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب صرف ''اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ'' کہا جائے اور اس کے ساتھ ''وَاحِدٌ'' کی تاکید نہ ہو تو کلام حسین وجمیل نہیں ہوگا اور تمہیں خیال آئے گا کہ اس کلام میں صرف اُلوہیّت یعنی معبود کا اثبات کیا گیا ہے لیکن وَحدانیّت کو ثابت نہیں کیا گیا (لیکن جب ''اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ'' کہا جائے گا تو معبود کے ساتھ وحدانیت کا اثبات بھی ہو جائے گا اور کلام بھی فصیح وبلیغ ہوگا)] ﴿فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴾ پس تم صرف مجھ ہی سے ڈرو [غیب سے تکلم کی طرف کلام منتقل کیا گیا ہے اور یہ التفات وتوجہ کرنے کے طریقہ میں سے ہے اور یہ ''فَاِيَّاهُ فَارْهَبُوْا'' کہنے سے ترغیب کے اعتبار سے زیادہ بلیغ ہے] پس تم اس سے ڈرو [قاری یعقوب کی قراءت میں ''فَارْهَبُوْنِيْ'' ہے]۔

۵۲- ﴿وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا﴾ اور اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور اسی کی اطاعت کرنا واجب وثابت ہے۔ ''وَاصِبًا'' بہ معنی واجب اور ثابت کے ہے کیونکہ ہر نعمت اسی کی طرف سے عنایت ہوتی ہے' اس لیے اس کی اطاعت ہر اس شخص پر واجب ولازم ہے جس پر انعام کیا گیا ہے [اور یہ حال ہے جس میں ظرف عمل کر رہا ہے] یا یہ معنی ہے کہ اعمال پر جزا دینا ہمیشہ اسی کے لیے ثابت ہے یعنی نیک اعمال پر اجر وثواب دینا اور بُرے اعمال پر سزا دینا ﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ﴾ تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے غیروں (بتوں) سے ڈرتے ہو؟

۵۳- ﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ﴾ اور تمہارے پاس جو کوئی نعمت ہے اور تمہیں جو بھی نعمت ملی ہے' صحت وعافیت ہو خواہ مال ودولت خواہ خوش حالی ہو ﴿فَمِنَ اللّٰهِ﴾ ''فَهُوَ مِنَ اللّٰهِ'' پس وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ﴿ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ﴾ پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے (جیسے) بیماری اور غربت اور قحط سالی ﴿فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ﴾ تو تم اسی کی طرف پناہ لیتے ہو اور تم صرف اسی سے گڑگڑا کر نہایت عاجزی سے دعا کرتے ہو [''تَجْئَرُوْنَ'' ''الجؤار'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے: دعا کرنے اور فریاد کرنے کے لیے بلند آواز سے پکارنا]۔

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا

مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَ یَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَ لَهُمْ مَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌ ﴿۵۸﴾

پھر جب وہ تم سے تکلیف کو دور کر دیتا ہے تو اچانک تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتا ہے O تا کہ وہ لوگ ان نعمتوں کی ناشکری کریں' جو ہم نے انہیں دیں' سوتم چند روز عیش کرلو' پس تم عنقریب جان لوگے O اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے وہ ایک حصہ ان کے لیے مقرر کرتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتے' اللہ کی قسم! تم سے ان کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا جو تم بہتان تراشیاں کرتے تھے O اور اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ثابت کرتے ہیں وہ تو پاک ہے' اور اپنے لیے وہ جو خود پسند کرتے ہیں O اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے ہونے کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ کالا سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصہ سے بھرا ہوتا ہے O

۵۴- ﴿ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ یُشْرِكُوْنَ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ تم سے تکلیف کو دور کر دیتا ہے تو اچانک تم میں سے ایک گروہ اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا شروع کر دیتا ہے [اگر ''وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ'' میں خطاب (مسلم و کافر سب کو) عام ہے تو ''فریق'' سے کفار مراد ہیں' اگر خطاب صرف مشرکین کے لیے ہے تو ''مِنْكُمْ'' بیان کے لیے ہوگا تبعیض کے لیے نہیں] گویا فرمایا: سو ایک گروہ کافروں کا ہے اور وہ تم ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ ان میں ایسے لوگ ہوں جنہوں نے عبرت حاصل کر لی ہو جیسے ارشاد ہے: ''فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ''. (لقمان: ۳۲) ''پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو خشکی طرف نجات دی تو ان میں سے ایک گروہ اعتدال کی راہ پر آ جاتا ہے''۔

۵۵- ﴿لِیَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ﴾ تا کہ وہ لوگ اس نعمت کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دی تھی (یعنی) ان سے تکلیف و مصیبت دور کرنے کی نعمت گویا شرک کرنے سے ان کی غرض و غایت کفرانِ نعمت یعنی ناشکری تھی' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈرایا دھمکایا اور فرمایا: ﴿فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ سوتم چند روز فائدہ اٹھالو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا [یہ غائب سے خطاب کی طرف عدول ہے اور اس میں دھمکی ہے]۔

۵۶- ﴿وَیَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا یَعْلَمُوْنَ نَصِیْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے جو رزق انہیں دیا ہے وہ اس میں سے ان کے لیے حصے مقرر کرتے ہیں جن کو نہیں جانتے یعنی اپنے معبودوں کے لیے حصے مقرر کرتے ہیں اور ''لَا یَعْلَمُوْنَ'' کا معنی یہ ہے کہ یہ کفار اپنے بتوں کو معبود قرار دیتے ہیں اور ان کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نفع دے سکتے ہیں اور قیامت میں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے حالانکہ حقیقت میں اس طرح نہیں ہے کیونکہ وہ بت بے جان مورتیاں ہیں' نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں [یا پھر ''لَا یَعْلَمُوْنَ'' کی ضمیر ان کے معبودوں کی طرف لوٹتی ہے] یعنی وہ بت ایسی اشیاء ہیں جو علم کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتے اور وہ نہیں جانتے کہ ان کے پجاریوں نے اپنے جانوروں میں اور اپنی کھیتیوں میں سے ان کے لیے کوئی حصہ مقرر کیا ہے یا نہیں اور مشرکین یہ کام اپنے بتوں کا قرب حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں ﴿تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ﴾ خدا کی قسم! تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔ یہ وعید اور دھمکی ہے ﴿عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ﴾ اس کے بارے میں جو کچھ تم بہتان تراشتے تھے (یعنی) تم سے ان بہتان تراشیوں کے متعلق پوچھا جائے گا کہ

بت خدا ہیں اور یہ کہ وہ تقرب حاصل کرنے اور عبادت کے اہل ہیں۔

٥٧- ﴿ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ثابت کرتے ہیں۔قبیلۂ خزاعہ اور قبیلہ کنانہ کے لوگ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ﴿ سُبْحٰنَهٗ ﴾ وہ پاک ہے' دراصل یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات کی تنزیہ کے لیے لایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اولاد کی نسبت سے پاک ہے یا کفار کے قول پر تعجب کا اظہار کرنے کے لیے ہے ﴿ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴾ اور وہ اپنے لیے اپنی پسند کی چیز ثابت کرتے ہیں یعنی اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہیں [اور ممکن ہے کہ ''مَا'' مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہو اور ''لَهُمْ'' خبر ہو اور ''بَنَات'' پر معطوف ہونے کی بناء پر منصوب ہو اور ''سُبْحَانَهٗ'' معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان معترضہ ہو یعنی وہ لوگ اپنے لیے لڑکے پسند کرتے ہیں]۔

٥٨- ﴿ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا ﴾ اور جب ان میں سے کسی کو بچی کے ہونے کی بشارت دی جاتی تو اس کا چہرہ کالا سیاہ یعنی سیاہی میں تبدیل ہو جاتا کیونکہ ''ظَلَّ'' اور ''اَمْسٰی'' اور ''اَصْبَحَ'' اور ''بَاتَ'' ''ہونے'' کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں کیونکہ اکثر پیدائش کا اتفاق رات کو ہو جاتا ہے' پھر جب دن ہوتا تو وہ غم سے بھرا ہوتا' لوگوں سے شرم و حیاء اور دکھ کی وجہ سے چہرہ سیاہ ہو جاتا ﴿ وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴾ اور وہ عورت پر غصہ سے بھرا ہوتا۔

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى
التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝٥٩ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ
وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٦٠ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ
مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ
اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝٦١

ع ٢/١٤

وہ قوم سے اس بُرائی کی وجہ سے چھپتا پھرتا ہے جس کی اس کو خوشخبری دی گئی' کیا وہ اس کو ذلت کے ساتھ رکھ لے یا اس کو زمین میں دفن کر دے' خبردار! بہت بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ○ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کا حال بُرا ہے' اور اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند و بالا ہے' اور وہ سب پر غالب ہے' بڑی حکمت والا ہے ○ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے ظلم پر ان کی گرفت فرماتا تو روئے زمین پر چلنے والے کسی جاندار کو زندہ نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو ایک مقررہ مدت تک مہلت دے دیتا ہے' پھر جب ان کا وقت آ جاتا ہے تو نہ لمحہ بھر پیچھے ہو سکتے ہیں اور نہ آگے ہو سکتے ہیں ○

٥٩- ﴿ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ﴾ وہ قوم سے اس بُرائی کی وجہ سے چھپتا پھرتا ہے جس کی اسے خوشخبری دی گئی ہے (یعنی) وہ لوگوں سے بُری بشارت کے سبب چھپتا پھرتا ہے اور لوگوں کے عار دلانے کے سبب چھپ جاتا ہے اور وہ اپنے دل میں کہتا ہے اور سوچتا ہے کہ ﴿ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ ﴾ آیا وہ ذلت و رسوائی کے باوجود اسے روک لے جس کی بشارت دی گئی ہے ﴿ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ﴾ یا اس کو مٹی میں دبا دے یا اسے زندہ درگور کر دے ﴿ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴾ خبردار! بہت بُرا ہے وہ جو فیصلہ کرتے ہیں کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے لڑکیاں ثابت کرتے ہیں حالانکہ خود انہیں پسند نہیں کرتے اور اپنے لیے اس وصف کے برعکس لڑکے ثابت کرتے ہیں' جو انہیں پسند ہیں۔

۶۰۔ ﴿ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ﴾ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے لیے بُری مثال ہے اور ان کی بُری صفت یہ ہے کہ وہ اولاد میں سے لڑکوں کو پسند کرتے ہیں اور لڑکیوں کو ناپسند کرتے ہیں اور بھوک کے ڈر سے انہیں زندہ قبر میں دفن کر دیتے ہیں ﴿ وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے لیے عالی شان اور اعلیٰ مثال ہے اور وہ یہ کہ وہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے' وہ کسی کا محتاج نہیں اور وہ مخلوقات کی صفات سے پاک ہے ﴿ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ ﴾ اور وہ اپنے ارادوں کو نافذ کرنے میں سب پر غالب ہے ﴿ الْحَكِیْمُ ﴾ وہ بڑی حکمت والا ہے' اس لیے بندوں کو مہلت دینے میں بھی بڑی حکمت و مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔

ظلم کے باوجود مہلت' کفار کی سرکشیاں اور نزولِ وحی کی حکمت

۶۱۔ ﴿ وَ لَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم کے سبب پکڑ لیتا یعنی ان کے کفر و شرک اور ان کے گناہوں و نافرمانیوں کے سبب اگر ان کو گرفت میں لے لیتا تو ﴿ مَا تَرَكَ عَلَیْهَا مِنْ دَآبَّةٍ ﴾ روئے زمین پر کسی چلنے والے جاندار کو ہرگز نہ چھوڑتا اور سب کو ظالموں کے ظلم کی نحوست کی وجہ سے ہلاک کر دیتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ظالم کے ظلم کے سبب سرخاب و دیگر جانور اپنے اپنے گھونسلوں میں ہلاک ہو جاتے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ممکن ہے کہ انسان کے گناہ کے سبب سیاہ اور بھورے کیڑے اپنے بلوں اور سوراخوں میں ہلاک ہو جائیں اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (مِنْ دَآبَّةٍ) سے زمین پر چلنے والے مشرک مراد ہیں ﴿ وَ لٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ ان کو مقررہ مدت تک مہلت دے دیتا ہے یعنی ہر ایک کی مقرر و معین مدت تک یا اس وقت تک جس کا اللہ تعالیٰ کی حکمت تقاضا کرتی ہے یا قیامت تک ﴿ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾ پھر جب ان کی مقرر مدت کا وقت آ جاتا ہے تو وہ ایک لحہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ وہ آگے ہو سکتے ہیں۔

وَ یَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا یَكْرَهُوْنَ وَ تَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَ اَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِیُّهُمُ الْیَوْمَ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۳﴾ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَ اللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ ع

اور وہ لوگ اللہ کے لیے ان کو ثابت کرتے ہیں جنہیں خود ناپسند کرتے ہیں اور ان کی زبانیں جھوٹ بولتی ہیں کہ بے شک انہیں کے لیے بھلائی ہے' یقیناً ان کے لیے دوزخ کی آگ واجب ہو چکی ہے اور بے شک انہیں بہت جلد دوزخ میں داخل کیا جائے گا○ اللہ کی قسم! بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے تو شیطان نے ان کے اعمال انہیں خوشنما کر کے دکھائے' پس آج وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے○ اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل نہیں کی مگر اس لیے کہ آپ ان کے سامنے وہ مسئلہ کھول کر بیان کر دیں جس میں انہوں نے اختلاف برپا کر رکھا

ہے' اور ایمان دار قوم کے لیے یہ کتاب ہدایت اور رحمت ہے O اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا اور اس کے ذریعے زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا' بے شک اس میں اس قوم کے لیے نشانی ہے جو کان لگا کر غور سے سنتی ہے O

٦٢- ﴿ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ ﴾ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے وہ چیزیں ثابت کرتے ہیں جو خود ناپسند کرتے ہیں یعنی وہ لوگ اپنے لیے بیٹیاں اور اپنی حکومت میں شریکوں کو ناپسند کرتے ہیں (مگر یہی چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے جائز مانتے ہیں) اور (وہ لوگ اپنی توہین ناپسند کرتے ہیں لیکن) اپنے رسولوں کی توہین کرتے ہیں اور وہ لوگ اپنے مالوں میں سے اللہ تعالیٰ کے لیے ردی اور گھٹیا مال نکالتے ہیں اور اپنے بتوں کے لیے اپنا سب سے اچھا مال نکالتے ہیں ﴿ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ ﴾ اور ان (مذکورہ بالا چیزوں) کے ساتھ ساتھ ان کی زبانیں جھوٹ بھی بولتی ہیں' یعنی وہ لوگ یہ جھوٹ بھی بولتے ہیں کہ ﴿ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ﴾ بے شک ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس بھلائی ہی ہے اور وہ جنت ہے' اگر مرنے کے بعد اٹھایا جانا حق پر مبنی ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى''. (فصلت:٥٠) ''اور اگر میں مرنے کے بعد اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹایا گیا تو اس کے پاس میرے لیے یقیناً بھلائی ہی ہوگی''۔ [اور ''اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى''، ''اَلْكَذِبَ'' سے بدل ہے] ﴿ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴾ یقیناً ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے اور یقیناً ان کو دوزخ میں سب سے پہلے جلد از جلد داخل کیا جائے گا۔ [قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''مُفْرِطُوْنَ'' (رَا کے نیچے زیر اسم فاعل) ہے اور ابوجعفر کی قراءت میں ''مُفَرَّطُوْنَ'' (''را'' پر زبر اور شد کے ساتھ اسم مفعول باب تفعیل سے) ہے تو مفتوح (زبر) کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ انہیں دوزخ میں سب سے پہلے داخل کیا جائے گا اور بہت جلد انہیں دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا'' اَفْرَطْتُ فُلَانًا وَفَرَّطْتُهٗ فِيْ طَلَبِ الْمَآءِ''. میں نے فلاں آدمی کو پانی کی تلاش میں پہلے بھیج دیا ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کو پانی کی تلاش میں آگے بھیج دیا جائے یا یہ معنی ہے کہ ان کو دوزخ میں ڈال کر بھلا دیا جائے گا اور اس میں چھوڑ دیا جائے گا' یہ ''اَفْرَطْتُ فُلَانًا خَلْفِيْ'' سے ماخوذ ہے' میں فلاں آدمی کو اپنے پیچھے چھوڑ آیا ہوں' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی کو پیچھے چھوڑ کر بھلا دیا جائے اور مکسور مخفف (رَا کے نیچے بغیر شد زیر ہو) کی صورت میں یہ معنی ہوگا کہ وہ گناہوں میں بہت زیادتی کرنے والے تھے یعنی بہت زیادہ گنہگار تھے اور مشدد کی صورت میں معنی ہوگا کہ وہ اطاعات میں بہت کوتاہی کرنے والے تھے' یعنی قصوروار تھے]۔

٦٣- ﴿ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ ﴾ قسم خدا کی! بے شک ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف (رسولوں کو) بھیجا یعنی ہم نے آپ سے پہلے تمام امتوں کی طرف رسولوں کو بھیجا [اصل میں ''اَرْسَلْنَا رُسُلًا'' ہے] ﴿ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ ﴾ سو شیطان نے ان کے سامنے ان کے اعمال کو آراستہ اور خوبصورت بنا کر پیش کیا (یعنی) ان کے کفر و شرک اور پیغمبروں کی تکذیب کو ان کے لیے آراستہ کر دیا ﴿ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ ﴾ پس آج وہ ان کا دوست ہے یعنی دنیا میں وہ ان کا ساتھی بنا ہوا ہے' جو دھوکے سے ان کو گمراہ کرنے کے لیے دوست بن گیا ہے یا یہ ضمیر قریش کے مشرکین کی طرف لوٹتی ہے یعنی شیطان نے کفارِ مکہ کے لیے ان کے اعمال کو ان کے سامنے آراستہ کر دیا ہے' پس شیطان ان کا دوست بنا ہوا ہے کیونکہ یہ لوگ بھی انہیں گزشتہ کفار میں سے ہیں یا مضاف محذوف ہے یعنی شیطان آج بھی انہیں جیسے لوگوں کا دوست بنا ہوا ہے ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ اور قیامت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

٦٤- ﴿ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ ﴾ اور ہم نے آپ پر یہ کتاب یعنی قرآن مجید نازل نہیں کیا مگر اس لیے تاکہ آپ ان لوگوں کے لیے واضح بیان فرما دیں ﴿ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ﴾ جس میں انہوں نے اختلاف برپا کر رکھا ہے' اور وہ

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جانا ہے کیونکہ ان میں کچھ خوش نصیب ایسے بھی ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں ﴿وَهُدًى وَّرَحْمَةً﴾ اور (قرآن مجید) گمراہی کی بجائے ہدایت دینے اور عذاب کے بجائے رحمت دینے کے لیے نازل کیا گیا ہے [اور یہ دونوں "لِتُبَيِّنَ" کے محل پر معطوف ہیں مگر یہ دونوں مفعول لہ ہونے کی بناء پر منصوب (آخر میں زبریں) ہیں کیونکہ یہ دونوں "اَنْزَلَ الْكِتَابَ" کے فعل ہیں اور "لِتُبَيِّنَ" پر لام اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ یہ فعل مخاطب ہے "مُنَزِّلْ" کا فعل نہیں ﴿لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ ایمان دار قوم کے لیے۔

٦٥- ﴿وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا تو اس کے ذریعے مردہ زمین کو از سرِ نو زندہ کر دیا' بے شک اس میں ایسی قوم کے لیے ضرور عبرت حاصل کرنے کی نشانی ہے جو عدل و انصاف اور غور و فکر اور تدبر کے ساتھ سنتی ہے کیونکہ جو قوم سچے دل سے نہیں سنتی تو گویا وہ سنتی ہی نہیں ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿٦٨﴾

اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں عبرت ہے' ان کے پیٹوں کے گوبر اور خون کے درمیان سے ہم تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہوتا ہے O اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں میں سے رَس نکال کر تم نبیذ اور عمدہ رزق بناتے ہو' بے شک اس میں عقل والوں کے لیے نشانی ہے O اور آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں الہام فرمایا کہ تو پہاڑوں میں اور درختوں میں اور چھتوں میں اپنے گھروں کو بنا O

جانوروں کے فوائد سے عبرت حاصل کرنے کا بیان

٦٦- ﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ﴾ اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں ضرور عبرت ہے کہ ہم تمہیں ان کے پیٹوں میں سے (خالص دودھ) پلاتے ہیں۔ [نافع مدنی اور ابن عامر شامی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں نون پر زبر کے ساتھ "نَسْقِيْكُمْ" ہے اور علامہ زجاج نے کہا کہ "سَقَيْتُهٗ" اور "اَسْقَيْتُهٗ" کا ایک ہی معنی ہے کہ میں نے اسے پانی پلایا۔ علامہ سیبویہ نے "اَلْاَنْعَام" کو اسمائے مفردہ میں ذکر کیا ہے' جو افعال پر وارد ہوتے ہیں اور اس لیے اس کی طرف ضمیر مفرد لوٹائی گئی ہے (کہ اسم جمع ہے' لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے) لیکن (فِيْ بُطُوْنِهَا) سورۂ مؤمنین: ۲۱ تو یہ اس لیے ضمیر مؤنث لائی گئی ہے کہ اس کا معنی جمع کا ہے اور یہ جملہ مستانفہ ہے] گویا کہا گیا ہے کہ عبرت کیسے حاصل ہوتی ہے؟ تو فرمایا کہ ہم تمہیں ان کے پیٹوں سے (خالص دودھ) پلاتے ہیں ﴿مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا﴾ گوبر اور خون کے درمیان میں سے خالص دودھ یعنی اللہ تعالیٰ دودھ کو گوبر اور خون کے درمیان وسط میں پیدا کرتا ہے کہ یہ دونوں اس کی حفاظت کرتے ہیں اور دودھ کے درمیان اور ان دونوں کے درمیان ایک پردہ اور آڑ ہے جس کی وجہ

سے گوبر اور خون دودھ کے ساتھ نہ رنگ میں مکس ہوتا ہے اور نہ ذائقے میں اور نہ ہوا میں مکس' بلکہ یہ دودھ ان سب چیزوں سے پاک' صاف اور خالص ہوتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ جب جانور چارا اور گھاس وغیرہ کھاتا ہے تو یہ چارا اس کے اوجھ میں ٹھہرا رہتا ہے' جس کو اوجھ خوب پکا دیتا ہے' پھر اس کے نچلے حصہ میں گوبر جمع ہو جاتا ہے اور اس کے درمیان میں دودھ جمع ہو جاتا ہے اور اس کے اوپر والے حصے میں خون جمع ہوتا ہے اور جگر ان تینوں اقسام پر مسلط ہوتا ہے اور ان کو تقسیم کرتا ہے' پس خون رگوں میں رواں دواں ہو جاتا ہے اور دودھ تھنوں میں اتر آتا ہے اور گوبر اوجھ میں باقی رہ جاتا ہے' پھر نیچے اترتا ہے اور اس میں عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے بڑی عبرت ہے اور حضرت شقیق بن ابراہیم بلخی سے اخلاص کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہر عمل کو تمام عیبوں سے ممتاز و خالص اور علیحدہ رکھا جائے جیسے دودھ کو گوبر اور خون سے خالص' پاک اور دور رکھا جاتا ہے ﴿سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ﴾ پینے والوں کے لیے خوشگوار اور حلق میں سہولت کے ساتھ اترنے والا ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص دودھ پینے سے نہ کبھی تنگ ہوتا ہے اور نہ اس سے کبھی اکتاتا ہے [اور اس آیت مبارکہ میں پہلا ''مِنْ'' (''مِمَّا'' میں) تبعیض کے لیے ہے کیونکہ دودھ بعض جانوروں کے پیٹوں سے نکلتا ہے (یعنی صرف مادہ جانور جیسے گائے' بھینس' بکری اور بھیڑ) اور دوسرا ''مِنْ'' (مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ میں) ابتداء کے لیے ہے]۔

٦٧- ﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ﴾ [اور اس کا متعلّق محذوف ہے' جس کی اصل ''وَنُسْقِيْكُمْ مِّنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ'' ہے] اور ہم تمہیں کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں میں سے یعنی اس کے نچوڑ اور جوس میں سے پلاتے ہیں اور اس کو حذف اس لیے کیا گیا ہے کہ اس سے پہلے ''نُسْقِيْكُمْ'' اس پر رہنمائی کرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کا یہ (درج ذیل) ارشاد ﴿تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا﴾ تم اس سے نبیذ اور مشروب تیار کرتے ہو' پلانے کے معنی کا بیان اور اس کا اظہار ہے [یا ''تَتَّخِذُوْنَ'' اور ''مِنْهُ'' ظرف کے تکرار کے ساتھ تاکید کے لیے ہیں اور ''مِنْهُ'' میں ضمیر محذوف مضاف کی طرف لوٹتی ہے اور وہ عصیر یعنی پھلوں کا نچوڑ اور جوس ہے اور ''سکر'' سے شراب مراد ہے' اس کو مصدر کا نام دیا گیا ہے اور یہ ''سَكِرَ سُكْرًا وَسَكَرًا'' جیسے ''رُشْدًا وَرَشَدًا'' سے ماخوذ ہے] پھر اس میں دو وجہیں ہیں: ایک یہ کہ یہ آیت مبارکہ شراب کی حرمت سے پہلے نازل ہوئی ہے اس لیے یہ اب منسوخ ہے اور دوسرا یہ کہ اس کو عتاب اور احسان کے درمیان جمع کر دیا گیا ہے (حرمت سے پہلے احسان اور حرمت کے بعد عتاب ہے) اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ''سکر'' سے نبیذ مراد ہے اور یہ تازہ انگور اور کشمش اور کھجوروں کا نچوڑ نکال کر پکایا جاتا ہے' جب خوب پک جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا دو تہائی جل جاتا ہے' ایک تہائی رہ جاتا ہے تو اسے آگ سے اتار کر چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ خوب گاڑھا ہو جاتا ہے اور یہ نبیذ حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک نشہ آور ہونے سے پہلے تک حلال ہے لیکن جب اس میں نشہ آ جائے گا تو پھر حرام ہو جائے گی اور ان دونوں حضرات نے اسی آیت مبارکہ سے استدلال کیا ہے' دوسرا استدلال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ عالی شان فرمان ہے کہ شراب بعینہٖ (ہر حال میں) حرام ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے اور تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ''سَكَرًا'' اپنی نعمتوں میں بطور احسان بیان کیا ہے ﴿وَّرِزْقًا حَسَنًا﴾ اور بہترین رزق اور وہ ہے سرکہ اور شیرہ اور خشک کھجوریں اور چھوہارے اور کشمش وغیرہ وغیرہ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے سبق آموز نشانی ہے۔

٦٨- ﴿وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ﴾ اور آپ کے رب تعالیٰ نے شہد کی مکھی کی طرف وحی بھیجی (یعنی اس کی طرف الہام فرمایا) ﴿اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا﴾ کہ تو پہاڑوں میں گھر بنا۔ [یہ ''اَنْ'' مُفَسِّرہ ہے کیونکہ وحی کرنا قول پر مشتمل ہوتا

ہے۔ زجاج نے کہا: ''نَحْلٌ'' کا واحد ''نَحْلَةٌ'' ہے جیسے ''نَخْلٌ'' کا واحد ''نَخْلَةٌ'' ہے اور اسی اعتبار سے فعل مؤنث لایا گیا ہے]﴿ وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴾ اور درختوں اور چھتوں پر اور جو گھر کی چھتوں سے بھی بلند یا شہر کی مکھی کے لیے لوگ پہاڑوں اور درختوں میں اور گھروں میں ایسے مقامات تیار کرتے ہیں جن میں شہد کی مکھیاں شہد تیار کرتی ہیں [اور ''مِنَ الْجِبَالِ'' اور ''مِنَ الشَّجَرِ'' اور ''مِمَّا یَعْرِشُوْنَ'' میں حرفِ ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے کیونکہ شہد کی مکھیاں اپنے گھر ہر پہاڑ اور ہر درخت اور ہر بلند مقام چھت وغیرہ میں نہیں بناتیں اور ''یَعْرِشُوْنَ'' میں ضمیر ''النَّاسَ'' کی طرف لوٹتی ہے۔ ابن عامر شامی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''رَا'' پر پیش (یَعْرُشُوْنَ) ہے]۔

ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۷۰﴾

ع ۱۵

پھر تو ہر قسم کے پھلوں میں سے کھایا کر اور تو اپنے پروردگار کے راستوں پر نرمی سے چلا کر' ان کے پیٹوں سے مشروب تیار ہو کر نکلتا ہے جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں' اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے' بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے جو غور وفکر کرتے ہیں ○ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا فرمایا' پھر وہی وقت آنے پر تمہیں اٹھا لے گا' اور تم میں سے بعضوں کو کمزور ترین عمر تک پہنچایا جاتا ہے تاکہ وہ جاننے کے بعد کسی چیز کو نہ جانیں' بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑی قدرت والا ہے ○

۶۹-﴿ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ﴾ پھر تو ہر قسم کے پھلوں میں سے کھا' یعنی پہلے تو اپنے گھر بنا لے' پھر ہر قسم کے پھلوں میں سے جو جی چاہے کھا اور جب تو پھل کھا لے ﴿ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ﴾ تو اپنے رب تعالیٰ کے نرم وآسان راستوں میں داخل ہو جا اور تو ان راستوں میں داخل ہو جا جو اللہ تعالیٰ نے تجھے الہام فرما دیئے ہیں اور شہد بنانے کے عمل میں نے تجھے اچھی طرح سمجھا دیئے یا یہ کہ جب تو اپنے گھروں سے دور دراز جگہوں میں جا کر پھلوں میں سے کھا لے تو پھر تو اپنے گھروں کی طرف اپنے رب تعالیٰ کے نرم وآسان راستوں پر لوٹ کر روانہ ہو جا کہ ان راستوں میں تو بھٹک نہیں سکے گی ﴿ ذُلُلًا ﴾[''ذلول'' کی جمع ہے اور ''سُبُل'' سے حال ہے] کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان راستوں کو نرم کر دیا ہے اور ان کو آسان بنا دیا ہے [یا یہ ''فَاسْلُكِیْ'' کی ضمیر سے حال ہے] یعنی تجھے جو حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق بغیر رکاوٹ کے عاجز و فرماں بردار بن کر اپنے گھروں کو روانہ ہو جا ﴿ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ ﴾ ان کے پیٹوں سے میٹھا مشروب تیار ہو کر نکلتا ہے' اس سے شہد مراد ہے کیونکہ یہ بھی انہیں چیزوں میں سے ہے جنہیں پیا جاتا ہے اور شہد کی مکھیاں اس کو اپنے مونہوں سے اپنے گھروں میں (مسدس چھتوں میں) ڈال دیتی ہیں ﴿ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ ﴾ اس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں' ان میں سے بعض سفید ہوتے ہیں اور بعض زرد ہوتے ہیں اور بعض سرخ ہوتے ہیں' سفید شہد نوجوان مکھیوں سے تیار ہوتا ہے اور زرد رنگ کا شہد انتہائی بوڑھی مکھیوں سے تیار ہوتا ہے اور سرخ درمیانہ عمر کی مکھیوں سے تیار ہوتا ہے یا پھر غذاؤں کے مختلف رنگوں کی وجہ سے اس کے رنگ مختلف ہوتے

ہیں ﴿ فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ﴾ اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے کیونکہ یہ بھی تمام مفید و نفع بخش دواؤں میں ایک اہم دوائی ہے اور معجونوں میں سے بہت ہی کم معجون ہیں جن کے مرکبات میں طبیبوں نے شہد کا ذکر نہ کیا ہو اور یہ مقصد بھی نہیں کہ شہد ہر بیمار کے لیے شفا ہے جیسا کہ ہر دوا اس طرح نہیں ہوتی اور اس کو نکرہ لانے میں اس شہد کی عظمت کا اظہار ہے جس میں شہد شامل ہو یا اس لیے کہ اس میں تمام بیماریوں کی شفاء نہ سہی لیکن اس میں بہت سی بیماریوں کے لیے شفاء ہے' کیونکہ [نکرہ اثبات میں مخصوص ہوتا ہے عام نہیں ہوتا] اور ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے بھائی کا پیٹ خراب ہو گیا ہے' اسے اسہال کی بیماری لگ گئی ہے' آپ نے فرمایا: جا! اسے شہد پلا دے' وہ گیا اپنے بھائی کو شہد پلایا لیکن مرض اور بڑھ گیا اور اس نے واپس آ کر عرض کی: حضور! میرے بھائی کی بیماری شہد پلانے سے مزید ہو گئی' آپ نے فرمایا: جا! اسے اور شہد پلا دے' وہ گیا اور اسے مزید شہد پلا دیا لیکن آرام کی بجائے بیماری اور بڑھ گئی تو وہ شخص تیسری بار واپس آیا اور حضور سے عرض کی: بیماری تو بڑھتی جا رہی ہے' حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا فرمان سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے' جاؤ! اسے شہد پلاؤ' وہ واپس چلا گیا اور جا کر اپنے بھائی کو شہد پلایا تو اب وہ بالکل تندرست اور صحیح ہو گیا[1] اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شہد ہر جسمانی بیماری کا علاج ہے اور قرآن مجید تمام قلبی اور روحانی بیماریوں کا علاج ہے' لہٰذا تم دو شفا یاب کرنے والی چیزوں کو اپنے اوپر لازم کر لو ایک قرآن مجید کی تلاوت اور دوسرا شہد کا استعمال' اور رافضیوں کی بدعات میں سے ایک بدعت (یعنی شیعوں کی من گھڑت کہانیوں میں سے ایک من گھڑت کہانی) یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں ''نحل'' (شہد کی مکھیاں) سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کی قوم مراد ہے اور خلیفہ مہدی کے پاس ایک رافضی نے کہا کہ ''نحل'' سے صرف بنو ہاشم مراد ہیں جن کے پیٹوں میں سے علم نکلتا ہے تو اس سے وہاں موجود سنی آدمی نے کہا: پھر تو اللہ تعالیٰ نے تمہارا کھانا اور پینا اس میں سے بنایا ہے جو ان کے پیٹوں میں سے نکلتا ہے' یہ بات سن کر خلیفہ مہدی خوب زور سے ہنسا اور اپنے باپ منصور کو بیان کیا تو اس طرح لوگوں نے اس من گھڑت کہانی کو مسخرے لطیفوں میں سے ایک مسخرہ ہنسا دینے والا لطیفہ قرار دے دیا ﴿ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴾ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

٧٠- ﴿ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا فرمایا' پھر وہی تمہیں وفات دے گا کہ تمہارے بدنوں سے تمہاری روحیں قبض کرے گا ﴿ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ ﴾ اور تم میں سے بعض کو عمر کے ضعیف ترین حصے تک پہنچایا جاتا ہے' (یعنی) عمر کے خسیس ترین اور اس کے حقیر ترین حصے تک پہنچایا جاتا ہے اور وہ عمر پچھتر سال یا اسّی سال یا نوے سال ہے ﴿ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ﴾ تاکہ وہ علم رکھنے کے بعد بھی کچھ نہ جان سکے' (یعنی) تاکہ جو کچھ جانتا ہے اسے بھول جائے گا یا تاکہ اپنے علم سے زیادہ کچھ نہ جان سکے ﴿ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے کہ وہ کامل زندگی میں ارذل و خسیس ترین زندگی کی طرف پھیرنے کے فیصلے کو یا زندگی سے فنا کی طرف پھیرنے کے فیصلے کو خوب جانتا ہے ﴿ قَدِيرٌ ﴾ جس طرح وہ چیزوں کو چاہتا ہے بناتا ہے' اسی طرح وہ جو چاہتا ہے اس کو تبدیل کرنے پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔

وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَادِّي رِزْقِهِمْ

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ٥٦٨٤ فی الطب' مسلم رقم الحدیث: ٢٢١٧ فی السلام

عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝

اور اللہ تعالیٰ نے رزق کے معاملے میں تم میں سے بعض کو بعض پر برتری عطا کی ہے' تو جنہیں مالی برتری عطا کی گئی ہے وہ اپنا رزق ان لوگوں کو لوٹانے والے نہیں جو ان کی ملکیت میں ہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں' تو پھر کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں O اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری جنس ہی سے تمہارے لیے بیویاں بنائیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے بنائے اور تمہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا' تو کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں O

مختلف انعامات وامثال بیان کرنے کے ذریعے شرک سے ممانعت

٧١- ﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق کے معاملے میں فضیلت بخشی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق کے معاملے میں ایک دوسرے سے متفرق بنایا ہے' سو تمہارا رزق اس رزق میں سے بہت زیادہ بڑھ کر ہے جو تمہارے خادموں' نوکروں' غلاموں اور لونڈیوں کو دیا گیا ہے' حالانکہ وہ تمہاری طرح انسان ہیں ﴿فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ تو جنہیں رزق میں فضیلت دی گئی ہے وہ یعنی مالک و آقا حضرات اپنا رزق اپنی ملکیت میں رکھنے والے غلاموں اور لونڈیوں کو (اسی طرح آجر و صنعت کار' دولت مند حضرات اپنے مزدوروں اور نوکروں کو اپنا رزق) دینے والے نہیں ہیں' پس مناسب یہی تھا کہ جو رزق تمہیں زائد دیا گیا ہے وہ تم ان کو لوٹا دیتے تا کہ لباس میں اور خوراک (نیز رہائش) میں مساوات قائم ہو جاتی ﴿فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ﴾ تو رزق کے معاملے میں وہ بھی تمہارے مساوی ہو جاتے' اس طرح سب کے سب برابر و یکساں ہو جاتے۔ [یہ جملہ اسمیہ ہے جو جملہ فعلیہ کی جگہ پر واقع ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ ''فَا'' کے ساتھ نفی کا جواب ہے] اس کی مقدر عبارت اس طرح ہے: (''فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ.'' ''فَيَسْتَوُوْا مَعَ عَبِيْدِهِمْ فِي الرِّزْقِ''. پس جن لوگوں کو مال و دولت میں فضیلت و برتری دی گئی ہے وہ اپنے رزق اور مال اپنے غلاموں اور اپنی لونڈیوں کو دینے والے نہیں کہ کہیں وہ رزق کے معاملے میں اپنے غلاموں اور اپنی لونڈیوں کے برابر ہو جائیں' اور یہ مثال اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے بیان کی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے کئی شریک ٹھہرا رکھے تھے' پس اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم اپنے درمیان اور اپنے غلاموں کے درمیان اس نعمتِ رزق میں مساوات و برابری کو نہیں چاہتے ہو جو یہ نعمت میں نے تمہیں عطا کی ہے اور نہ تم ان کو اس میں شریک اور حصہ دار قرار دیتے ہو اور نہ تم اسے اپنے لیے پسند کرتے ہو تو پھر تم میرے بندوں کو میرے ساتھ شریک ٹھہرانے پر کیوں اور کیسے راضی ہو گئے ہو؟ ﴿اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾ تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں؟ پس اس کو بھی نعمت کے انکار میں سے قرار دیا گیا ہے [قاری ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''تَا'' کے ساتھ (تَجْحَدُوْنَ) ہے]۔

٧٢- ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے یعنی تمہاری جنس میں سے تمہارے لیے بیویاں بنائیں ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً﴾ اور اس نے تمہاری بیویوں میں سے تمہارے لیے بیٹے' پوتے

اورنواسے وغیرہم بنائے۔ ''حَفَدَة''، ''حَافِد'' کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: اطاعت گزار اور خدمت گزار یعنی جو اطاعت وفرماں برداری اور خدمت کے کاموں کو جلد انجام دے اور قنوت میں دعا کرنے والے کا قول اسی معنی کے لیے ماخوذ ہے: ''وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ''. اور ہم تیری طرف ہی کوشاں رہتے ہیں اور صرف تیری خدمت بجالاتے ہیں اور اس میں اختلاف ہے کہ اس سے کون مراد ہے؟ پھر بعض نے کہا کہ اس سے بیٹیوں کے سسرالی رشتہ دار مراد ہیں (جیسے داماد' نواسے نواسیاں' بیٹی کی ساس' سسر وغیرہم) اور بعض نے کہا کہ اس سے اولاد کی اولاد مراد ہیں (یعنی پوتے اور پوتیاں) اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری نسل کو خادم بنا دیا ہے جو تمہاری حاجات وضروریات اور تمہارے فوائد ومصالح کے کاموں میں تمہاری خدمت کرتے ہیں اور تمہاری مدد کرتے ہیں ﴿وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ اور اس نے تمہیں پاک اور عمدہ رزق عنایت فرمایا ہے یعنی پاکیزہ اور عمدہ رزقوں میں سے بعض عنایت کیا ہے کیونکہ تمام عمدہ اور پاکیزہ رزق جنت میں ملیں گے اور دنیا میں عمدہ اور پاکیزہ رزق اس کا نمونہ ہے ﴿اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ﴾ تو کیا وہ لوگ باطل پر ایمان رکھتے ہیں؟ اور وہ یہ ہے کہ کفارِ مکہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کے بت ان کو نفع دیتے ہیں اور وہی قیامت کے دن ان کی سفارش کریں گے ﴿وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت یعنی دینِ اسلام کا وہ انکار کرتے ہیں یا پھر باطل سے شیطان اور نعمتِ الٰہی سے حضور سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ مراد ہیں یا باطل سے بحیرہ اور سائبہ اور حام اور وصیلہ وغیرہم جیسے جانوروں کو حرام قرار دینا مراد ہے' جن کی حرمت شیطان مردود نے ان کے دلوں میں راسخ اور آراستہ کر دی تھی اور نعمتِ الٰہی سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال قرار دی ہیں۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٧٣﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٧٤﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾

اور وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ان کے لیے رزق کا کچھ اختیار نہیں رکھتے اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں ○ سو تم اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو' بے شک اللہ تعالیٰ (سب کچھ) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے غلام کی مثال بیان کی ہے جو اپنے مالک کی ملکیت میں ہونے کی وجہ سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا اور (دوسرا) وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق عطا فرمایا ہے تو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے' کیا وہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں (ہرگز نہیں)؟ تمام خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں' بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ○

٧٣- ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا﴾ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو

چھوڑ کر ان معبودوں کی پرستش کرتے ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ان کے لیے رزق کا کچھ اختیار نہیں رکھتے یعنی بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور وہ بے جان مورتیاں ہیں جو رزق کا کچھ اختیار نہیں رکھتیں [اور ''رِزْقًا'' مصدر کے معنی میں ہے یا مفعول کے معنی میں ہے اگر مصدر کے معنی میں ہے تو پھر ''شَيْئًا'' اس سے بدل ہے بہرحال مطلب یہ ہے کہ ان کے باطل معبود بت رزق کا مطلق کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے اور معنی مصدر کی صورت میں ''مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' رزق کا صلہ ہوگا یعنی ان کے معبودانِ باطلہ نہ آسمانوں سے بارش برسا سکتے ہیں اور نہ زمین سے سبزہ اور کھیتیاں وغیرہ اُگا سکتے ہیں اور اگر ''رِزْقًا'' بہ معنی ''مَرْزُوْق'' ہو تو یہ اس کی صفت ہوں گے اور ''لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ'' میں ''هُمْ'' ضمیر کلمہ ''مَا'' کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ ''مَا'' معنی کے اعتبار سے جمع ہے کہ اس سے ''اٰلِهَة'' مراد ہیں اور ''لَا يَمْلِكُ'' میں واحد ضمیر ''مَا'' کی طرف لفظ کے اعتبار سے لوٹتی ہے] اور معنی یہ ہے کہ ان کے معبودانِ باطلہ نہ تو رزق کا کچھ اختیار رکھتے ہیں اور نہ ان کے لیے رزق کا اختیار ممکن ہے اور نہ ان سے یہ حاصل ہو سکتا ہے ﴿وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ﴾ اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔

۷۴- ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ﴾ پس تم اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں نہ گھڑو؛ اور تم اللہ تعالیٰ کے لیے مخلوق کی مثال بیان نہ کرو کیونکہ اس کی مثال نہیں، وہ بے مثل و بے مثال ہے؛ لہٰذا تم اس کے لیے شریک نہ ٹھہراؤ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مخلوق میں سے اس جیسا کوئی نہیں ﴿وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور تم اس حقیقت کو نہیں جانتے یا یہ معنی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس طرح مثالیں بیان کی جاتی ہیں اور تم اس کو نہیں جانتے مگر پہلی وجہ بہتر ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید کرنے کے لیے ایک مثال بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا:

۷۵- ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا﴾ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے غلام کی مثال بیان کی ہے جو کسی آقا کی ملکیت میں ہو خود کچھ نہیں کر سکتا اور ایک وہ شخص ہے جس کو ہم نے بہترین رزق عنایت کیا ہے تو وہ شخص اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا رہتا ہے۔ [اس میں ''عَبْدًا'' ''مَثَلًا'' سے بدل ہے اور ''سِرًّا وَّجَهْرًا'' دونوں مصدر ہیں اور محلاً حال واقع ہو رہے ہیں] یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرانے میں تمہاری یہ مثال بیان کی گئی ہے جیسے کوئی شخص ایک مملوک و عاجز اور بے اختیار غلام کو ایک آزاد مالک و مختار جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں سے دن رات تصرف و اختیار استعمال کر کے جس قدر چاہتا ہے خرچ کرتا ہے کے برابر و شریک قرار دے دے اور عبد کو مملوک کے ساتھ اس لیے مقید کیا گیا ہے تاکہ وہ آزاد سے ممتاز ہو جائے کیونکہ عبد کا نام دونوں پر بولا جاتا ہے کیونکہ وہ دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور ''لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ'' کے ساتھ اس لیے مقید کیا گیا ہے تاکہ مکاتب اور ماذون غلاموں سے ممتاز ہو جائے کیونکہ وہ دونوں روزمرہ کے کاموں میں اپنی مرضی سے تصرف کا اختیار رکھتے ہیں [اور (مَنْ) موصوفہ ہے یعنی ایسا آزاد شخص جس کو ہم نے رزق عنایت کیا ہے یا پھر موصولہ ہے] ﴿هَلْ يَسْتَوٗنَ﴾ کیا وہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اور جمع کے ارادے سے ضمیر کو جمع لایا گیا ہے یعنی وہ دونوں قبیل برابر نہیں ہو سکتے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے، کہ تمام محامد اور تمام قسم کی عبادات صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے مزید وضاحت کرنے کے لیے ارشاد فرمایا:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ

وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾

اور اللہ تعالیٰ نے دو مردوں کی مثال بیان کی ہے کہ ان دو میں سے ایک گونگا ہے جو کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ اپنے آقا پر بوجھ بنا ہوا ہے' وہ اس کو جس طرف بھیجتا ہے وہ کبھی صحیح کام کر کے نہیں لاتا' تو کیا یہ شخص اور وہ شخص برابر ہو جائے گا' جو انصاف کا حکم دیتا ہے' اور وہ خود سیدھے راستے پر قائم ہے○ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کا غیب' اور قیامت کا معاملہ آنکھ جھپکنے کی مانند ہوگا یا اس سے زیادہ قریب ہوگا' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے○

۷۶- ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کی مثال بیان فرمائی ہے کہ ان دونوں میں سے ایک گونگا ہے جو کسی چیز پر قدرت واختیار نہیں رکھتا۔ ''اَبْكَمُ'' پیدائشی گونگے کو کہا جاتا ہے' اس لیے کہ وہ کچھ نہیں سمجھتا (کیونکہ گونگا شخص بہرا بھی ہوتا ہے) اور نہ اس کی بات سمجھی جا سکتی ہے ﴿وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ﴾ اور وہ اپنے مالک اور آقا پر بوجھ ہوتا ہے یعنی وہ ایک بھار ہوتا ہے اور وہ اپنے مربی پر وزن ہوتا ہے جو اس کے کام کا متولی و ذمہ دار ہوتا ہے اور جو اس کی معاشی کفالت کرتا ہے ﴿اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ﴾ اس کو جہاں کوئی بھیج دے اور اس کو کسی حاجت وضرورت کی طلب میں روانہ کر دے یا کسی مہم کی کفالت میں بھیج دیا جائے تو وہ کوئی نفع اور بھلائی نہیں لائے گا اور نہ وہ کامیاب ہو کر لوٹے گا ﴿هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ﴾ کیا ایسا شخص اور وہ شخص جو عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے' صحیح وسلامت حواس کا مالک ہے' نفع بخش ہے' کفالت کرنے والا ہے' رشد و ہدایت اور دیانت داری کا حامل ہے' پھر وہ عدل وانصاف کے ساتھ خیر و بھلائی کا حکم دیتا ہے' برابر ہو سکتے ہیں؟ ﴿وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور وہ بذاتِ خود سیدھے راستے پر قائم ہے اور نیک کردار ہے' پکا دین دار ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ دوسری مثال اپنی ذات کے لیے کفار کے بتوں کے لیے بیان فرمائی ہے کیونکہ بذاتِ خود اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی رحمتوں اور اپنی نعمتوں کے آثار برساتا رہتا ہے اور جب کہ کفار کے بتوں کی یہ حالت ہے کہ وہ محض بے جان مردہ جماد ہیں' نہ نقصان دے سکتے ہیں اور نہ نفع دے سکتے ہیں۔

شانِ الٰہی اور انعاماتِ الٰہی کا بیان

۷۷- ﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کا غیب ہے' یعنی آسمانوں اور زمینوں میں جو علوم بندوں سے غائب اور پوشیدہ ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں اور اس کے علوم بندوں سے پوشیدہ ہیں یا آسمانوں اور زمینوں کے غیب سے قیامت کا دن مراد ہے کیونکہ قیامت کا علم تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں سے پوشیدہ ہے' ان میں سے کوئی بھی اس سے آگاہ نہیں ہے[1]

[1] واضح رہے کہ عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی خلوتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علم قیامت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ مخفی اور پوشیدہ امور میں سے ہے جس کے وقوع کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے اور اس پر کسی کو مطلع (آگاہ) نہیں فرمایا' ماسوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے: ''وَالَّذِيْ يَجِبُ الْاِيْمَانُ بِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَمْ يَنْتَقِلْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِجَمِيْعِ الْمُغَيَّبَاتِ'' اور جس چیز پر ایمان لانا واجب وفرض ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دنیا سے انتقال نہیں فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام مغیبات (یعنی پوشیدہ چیزوں) کا علم عطا فرما دیا جو دنیا و آخرت میں حاصل ہونے والے تھے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام مغیبات کو یقین کی آنکھ سے دیکھتے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں موجود ہے' آپ نے فرمایا: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿ وَمَاۤ اَمۡرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمۡحِ الۡبَصَرِ ﴾ اور قیامت کا معاملہ قریب ہونے میں اور قیام و وقوع ہونے میں نہیں ہو گا مگر آنکھ جھپکنے کی مانند جیسے آنکھ کی پلک اوپر اٹھا کر واپس اپنی جگہ پر رکھنے کی دیر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال صرف اس لیے بیان کی ہے کہ قیامت کے زمانہ کو اس سے کم وقت میں نہیں پہچانا جاتا ﴿ اَوۡ هُوَ اَقۡرَبُ ﴾ یا وہ یعنی قیامت کا معاملہ زیادہ قریب ہے اور یہ مخاطب کے شک کے لیے نہیں ہے لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ تم یہ سمجھو کہ قیامت کا قیام آنکھ جھپکنے کی دیر میں یا اس سے بھی کم وقت میں ہو جائے گا اور بعض نے کہا کہ ''اَوْ'' بہ معنی ''بَلْ'' ہے (اور معنی یہ ہے کہ) بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ قریب وقت میں وقوع پذیر ہو جائے گی ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' اس لیے وہ قیامت کے قائم کرنے پر اور تمام مخلوق کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھانے پر پوری قدرت رکھتا ہے کیونکہ یہ اس کے بعض مقدورات میں سے ہے' پھر اس کے بعد آنے والی آیات میں دلائل اللہ تعالیٰ کی قدرت پر مزید دلالت کرتے ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَیۡـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمۡ يَرَوۡا اِلَى الطَّيۡرِ مُسَخَّرٰتٍ فِىۡ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمۡسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۷۹﴾

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے ایسی حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے' اور اس نے تمہارے لیے کان' آنکھیں اور دل بنائے' تاکہ تم شکر ادا کرو○ کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسمان کی فضا میں حکم کے تابع رہتے ہیں' انہیں صرف اللہ تعالیٰ روکے رکھتا ہے' بے شک اس میں ایمان دار قوم کے لیے نشانیاں ہیں○

۷۸- ﴿ وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کیا ہے [قاری علی کسائی کی قراءت میں الف کے نیچے زیر اور میم پر زبر (اِمَّهَاتِكُمْ) ہے' نون کے زیر کی پیروی میں الف کے نیچے زیر دیا گیا ہے' اس لیے قاری حمزہ کی قراءت میں الف اور میم دونوں کے نیچے زیر پڑھا گیا ہے اور ''اِمِّهَاتِ'' میں حرفِ ''هَا''

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فرمایا: ''رُفِعَتْ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ فِیْهَا كَمَا اَنْظُرُ اِلٰی كَفِّیْ هٰذِهٖ''. تمام دنیا اٹھا کر میرے سامنے کر دی گئی اور میں نے اس میں سب کچھ اس طرح دیکھ لیا جس طرح میں اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں' اور احادیثِ مبارکہ میں یہ بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور اس میں جو کچھ ہے اور دوزخ اور اس میں جو کچھ ہے سب سے حضور کو آگاہ فرما دیا ہے اور یہ تواتر کی حد تک پہنچنے والی احادیثِ مبارکہ میں سے ہیں لیکن آپ کو بعض علوم مخفی اور پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(تفسیر صاوی جزء ۲ ص ۱۰۴' مطبوعہ شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفٰی البابی الحلبی' مصر' ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)

امام ترمذی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مبارکہ بیان کی ہے جس کے متعلق لکھا کہ یہ حدیث مبارکہ حسن صحیح ہے' پھر کہا کہ میں نے امام بخاری سے اس کے متعلق پوچھا تو فرمایا: ''هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ''. یہ صحیح حدیث ہے' چنانچہ اس حدیث مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب تعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا' یہاں تک کہ اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک میں نے سینے میں پائی (فَتَجَلّٰی لِیْ كُلُّ شَیْءٍ وَّعَرَفْتُ) سو مجھ پر ہر چیز ظاہر ہو گئی اور میں نے سب کو پہچان لیا۔ (زجاجۃ المصابیح ج ۱' رقم الحدیث: ۹۳۹۔ ۹۸۰)

زائد ہے جیسا کہ "اَرَاق" میں "ھا" کو زیادہ کیا گیا اور "اَھْرَاق" کہا جاتا ہے اور "اُمَّھَات" کے واحد میں (یعنی "اُمٌّ" میں) "ھا" کو حذف کر دیا گیا ہے] ﴿لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا﴾ اس وقت تم کچھ نہیں جانتے تھے۔[یہ حال واقع ہو رہا ہے] یعنی تم اس وقت اپنے منعم اور محسن کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے جس نے تمہیں شکمِ مادر میں پیدا کیا ﴿وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور اس نے تمہارے لیے کانوں' آنکھوں اور دلوں کو پیدا کیا تا کہ تم شکر ادا کرو یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں تمہارے اندر نہیں جوڑیں مگر بطورِ آلات' اس جہالت کو دور کرنے کے لیے جس پر تم پیدا کیے گئے ہو اور علم و عمل حاصل کرنے کے لیے اور منعم کا شکر ادا کرنے اور اس کی عبادت کرنے کے لیے اور اس کے دیگر تمام حقوق ادا کرنے کے لیے [اور "اَفْـِٕدَۃٌ"، "فُـؤَاد" کی جمع ہے جیسے "اَغْرِبَۃٌ"، "غُرَاب" کی جمع ہے اور یہ قلت جموع میں سے ہے جو جمع کثرت کے قائم مقام استعمال ہوتی ہیں کیونکہ اس کے غیر میں سماع ثابت نہیں]۔

۷۹۔﴿اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ﴾ کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ وہ اڑنے کے لیے حکمِ خدا کے پابند رہتے ہیں؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پروں کو اور ان کے موافق دوسرے اسباب کو پیدا کر دیا ہے۔[ابن عامر شامی اور حمزہ کی قراءت میں "تَا" کے ساتھ ("اَلَمْ تَرَوْا فَهَلْ" مخاطب) ہے] ﴿فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ﴾ آسمان کی فضا میں' (یعنی) زمین سے بلندی کی طرف اڑنے والا پرندہ ہوا میں بہت دور تک چلا جاتا ہے (کیونکہ "جَوّ" کا معنی ہوا ہے) ﴿مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ﴾ انہیں گرنے سے کوئی نہیں روکتا ماسوا اللہ تعالیٰ کے' وہی انہیں روک کر رکھتا ہے جب کہ وہ اپنے پروں کو سمیٹتے ہیں' کبھی انہیں کھول دیتے ہیں اور کبھی اپنے آپ فضا میں ٹھہر جاتے ہیں اور اس میں اس وہم کی نفی کی گئی ہے جو کسی کے تصور میں آ سکتا ہے کہ یہ پرندے شاید اپنے طبعی قویٰ کی خصوصیت کی وجہ سے اڑتے پھرتے ہیں ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک اس میں ایمان دار قوم کے لیے نشانیاں ہیں کہ بے شک تمام مخلوق اپنے خالق سے کسی صورت میں بھی مستغنی اور بے نیاز نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھروں کو تمہارے لیے سکونت گاہ بنا دیا اور اس نے جانوروں کی کھالوں میں سے تمہارے لیے گھر بنا دیئے جنہیں تم اپنے سفر و حضر کے دنوں میں ہلکا محسوس کرتے ہو' اور ان کی اون' ان کی پشم اور ان کے بالوں میں سے گھر کا سامان اور دوسری فائدے کی چیزیں بنائیں جو ایک مدت تک کام دیتی ہیں○ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوق میں سے تمہارے لیے سائے بنائے اور پہاڑوں میں تمہارے لیے غاریں بنائیں اور اس نے کچھ ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور کچھ ایسے لباس بنائے جو جنگوں میں تمہارا بچاؤ کرتے ہیں' اس طرح اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمت پوری کرتا ہے

تاکہ تم فرماں بردار مسلمان بن جاؤ○

۸۰- ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہارے گھر بنائے (جنہیں تم اس کی توفیق سے اور اس کی زمین میں سے پتھروں اور مٹی کی کچی پکی اینٹوں سے اس کی سرزمین پر تیار کرتے ہو) ﴿سَكَنًا﴾ آرام گاہ [یہ ''فَعَلٌ'' بہ معنی مفعول ہے] یعنی ایسی جگہ جہاں آدمی سکون حاصل کرتا ہے اور کاروبار سے فراغت پاکر اس کی طرف رجوع کرتا ہے [یہ ''بیت'' (رات بسر کرنے کا گھر) یا ''الف'' (راحت وتسکین کرنا) سے ماخوذ ہے] ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جانوروں کی کھالوں کے گھر بنائے اور وہ چمڑے کے قبے، خیمے اور شامیانے وغیرہ ہیں (جنہیں خانہ بدوش اور مسافر اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور بہ وقت ضرورت استعمال کرتے ہیں) ﴿تَسْتَخِفُّوْنَهَا﴾ جن کو تم زمین میں لگانے میں اور اکھیڑتے میں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے اٹھانے میں کم وزن اور ہلکا پاتے ہو ﴿يَوْمَ ظَعْنِكُمْ﴾ تم اپنے کوچ کرتے اور سفر کرتے وقت۔ [ابن عامر شامی اور کوفیوں کی قراءت میں عین ساکن ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں عین پر زبر ہے، بہرحال دونوں صورتوں میں ''ظعن'' کا معنی ہے: کوچ کرنا] ﴿وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ﴾ اور تم منزلوں میں ٹھہرنے کے وقت، اور معنی یہ ہے کہ چوپایوں کے چمڑوں سے تیار کردہ خیموں کے گھر سفر وحضر میں تمہارے لیے خفیف وکم وزن اور ہلکے ہوتے ہیں، لے جانے میں، لگانے اور اکھاڑنے میں آسانی رہتی ہے، اس لیے یہاں ''یوم'' وقت کے معنی میں ہے ﴿وَمِنْ اَصْوَافِهَا﴾ اور ان کی اون میں سے یعنی بھیڑ، دنبہ وغیرہ کی اُون ﴿وَاَوْبَارِهَا﴾ اور ان کے پشم یعنی اونٹ کے جسم کے بال ﴿وَاَشْعَارِهَآ﴾ اور ان کے بال، اور بکریوں کے بال ﴿اَثَاثًا﴾ گھر کا سامان ﴿وَّمَتَاعًا﴾ اور دیگر مفید چیزیں ﴿اِلٰى حِيْنٍ﴾ زمانے کی ایک مدت تک۔

۸۱- ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے جو مخلوقات پیدا کی ہیں ان میں سے بعض کو تمہارے لیے سایا بنا دیا جیسے درختوں اور چھتوں کو سایا دار بنا دیا ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا﴾ اور اس نے تمہارے لیے پہاڑوں میں غاریں بنا دیں۔ [''اکنانا''، ''کِنٌّ'' کی جمع ہے اور یہ ہر وہ جگہ ہے جہاں چھپا جا سکے جیسے کوہ، غار، گڑھا اور کمین گاہ] ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ﴾ اور اس نے تمہارے لیے لباس بنائے اور وہ قمیصیں، کُرتے اور اُون کے تیار کردہ کپڑے اور السی سے تیار کردہ اور روئی سے تیار کردہ کپڑے ہیں ﴿تَقِيْكُمُ الْحَرَّ﴾ وہ تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں، اور وہ سردی میں بھی بچاتے ہیں مگر دو متضاد موسموں میں سے ایک پر اکتفاء کیا گیا ہے اور اس لیے بھی کہ اہل عرب کے لیے گرمی سے بچنا زیادہ اہم تھا کیونکہ عرب میں سردی کا احتمال بہت کم ہوتا ہے ﴿وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایسا لباس بھی بنایا ہے جو تمہیں جنگوں میں بچاتا ہے اور لوہے کی زرہیں جو تمہیں تمہارے دشمنوں کے ہتھیاروں سے بچاتی ہیں اور ''بَاْسٌ'' کا معنی ہے: سخت لڑائی اور زبردست جنگ اور ''سربال'' عام ہے خواہ لوہے کا لباس ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور ہو ﴿كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ اس طرح تم پر اپنی نعمت پوری کرتا ہے تاکہ تم فرماں بردار مسلمان ہو جاؤ یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ کی پہنچنے والی نعمتوں میں غور کرو اور اس پر ایمان لاؤ اور تم اس کے اطاعت گزار و فرماں بردار بن جاؤ۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا

هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٨٦﴾

پھر اگر یہ لوگ مُنہ پھیر لیں تو آپ کے ذمہ صرف بات کو واضح طور پر پہنچا دینا ہے O وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچانتے ہیں' پھر بھی اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں اکثر لوگ کافر ہیں O اور اس روز ہم ہر امت میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے' پھر کافروں کو اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ان کی رضا طلب کی جائے گی O اور جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ ان سے کم نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی O اور جب مشرک لوگ اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! یہ ہیں ہمارے وہ شریک تجھے چھوڑ کر جن کی ہم عبادت کرتے تھے' تو وہ بت ان کی طرف متوجہ ہو کر کہیں گے کہ بے شک تم ضرور جھوٹے ہو O

٨٢- ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ پھر اگر وہ لوگ دین اسلام سے روگردانی کریں اور منہ پھیر لیں ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ تو آپ پر صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے یعنی اس کے متعلق آپ سے باز پرس نہیں ہوگی کیونکہ آپ کے ذمے پیغامِ الٰہی کو واضح طور پر پہنچانا ہے اور وہ آپ نے ادا کر دیا ہے۔

٨٣- ﴿يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ﴾ وہ لوگ اپنی باتوں کے سبب اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو پہچانتے ہیں جو ابھی ہم نے مذکورہ بالا آیات میں گن گن کر بیان کی ہیں کیونکہ وہ بذاتِ خود اقرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: بے شک یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت کردہ ہیں ﴿ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا﴾ پھر وہ اپنے افعال و اعمال اور اپنے کرتوتوں سے ان کا انکار کرتے ہیں کیونکہ اپنے منعم و محسن کو چھوڑ کر غیروں کی پرستش کرنے لگ جاتے ہیں یا وہ سختی و مصیبت میں اقرار کرتے ہیں اور خوشحالی و صحت میں انکار کر دیتے ہیں ﴿وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور ان میں سے بہت سے لوگ کافر ہیں' یعنی اکثر لوگ انعاماتِ الٰہیہ کے منکر ہیں' ناشکرے ہیں' اعتراف و اقرار نہیں کرتے یا ''نِعْمَةَ اللّٰهِ'' سے حضور سیّد عالم فخر آدم و بنی آدم شفیع امم رسول معظم ﷺ کی نبوت و رسالت مراد ہے جس کو وہ خوب پہچانتے تھے' پھر بغض و عناد کے سبب اس کا انکار کر دیتے تھے اور ان میں سے اکثر لوگ منکر ہیں' اپنے دلوں سے انکار کرنے والے ہیں اور حرفِ (ثُمَّ) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حصولِ معرفت کے بعد ان کا انکار کرنا بہت بعید از عقل ہے کیونکہ نعمت کی معرفت کا حق یہ ہے کہ اس کا اعتراف و اقرار کیا جائے نہ کہ انکار کیا جائے۔

بروزِ قیامت انبیائے کرام کی گواہی اور کفار کی رسوائی

٨٤- ﴿وَيَوْمَ﴾ [یہ ''اُذْكُرْ'' محذوف کی وجہ سے منصوب ہے] (یعنی اے محبوب!) اس دن کو یاد کیجئے جب ﴿نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا﴾ ہم ہر امت میں سے ایک گواہ یعنی اس امت کے پیغمبر کو اٹھائیں گے جو اپنی امت میں سے مسلمانوں کے حق میں ان کے ایمان لانے اور اپنے نبی کی تصدیق کرنے کی گواہی دے گا اور اپنی امت میں سے کافروں کے خلاف ان کے کفر اختیار کرنے اور اپنے نبی کی تکذیب کرنے کی گواہی دے گا ﴿ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ پھر کافروں کو معذرت پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن کافروں کے پاس کوئی حجت اور دلیل پیش کرنے کے لیے نہیں ہوگی' پس یہی بات ترکِ اجازت کی دلیل ہے کہ ان کے پاس پیش کرنے کے لیے کوئی حجت نہیں ہو

گی اور نہ معذرت ہو گی ﴿ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴾ اور ان سے رضا مندی طلب نہیں کی جائے گی یعنی انہیں یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم اپنے رب تعالیٰ کو راضی کر لو کیونکہ آخرت دار العمل (عمل کا گھر) نہیں ہے اور ''ثُمَّ'' کا معنی یہ ہے کہ انہیں آزمائش میں ڈالا جائے گا یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کی گواہیوں کے بعد انہیں سخت ابتلاء و امتحان میں مبتلا کیا جائے گا کیونکہ ان پر غضب نازل کیا جائے گا اور انہیں مقہور و مغلوب کیا جائے گا اور وہ یہ کہ انہیں بات چیت کرنے سے روک دیا جائے گا اور ان کو معذرت پیش کرنے اور حجت بیان کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

٨٥- ﴿ وَإِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا ﴾ اور جب ظالم لوگ یعنی کافر لوگ دیکھیں گے ﴿ الْعَذَابَ ﴾ عذاب کو ﴿ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ ﴾ تو ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا یعنی عذاب میں داخل کرنے کے بعد کافروں کا عذاب کم اور ہلکا نہیں کیا جائے گا ﴿ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴾ اور عذاب سے پہلے انہیں مہلت نہیں دی جائے گی۔

٨٦- ﴿ وَإِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ ﴾ اور جب مشرکین اپنے شریکوں کو دیکھیں گے یعنی اپنے ان بتوں کو دیکھیں گے جن کی انہوں نے دنیا میں عبادت کی تھی ﴿ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا ﴾ عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! یہی ہمارے شریک ہیں یعنی ہمارے معبود جن کو ہم تیرا شریک ٹھہراتے تھے ﴿ الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ﴾ جن کو ہم پکارا کرتے تجھے چھوڑ کر یعنی جن کی ہم عبادت و پرستش کرتے تھے۔[''نَدْعُوْا'' بہ معنی ''نَعْبُدُ'' ہے] ﴿ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ سو ان کے بت ان سے کہیں گے: بے شک تم ضرور جھوٹے ہو یعنی بت ان کو جواب دے کر جھوٹا قرار دے دیں گے کیونکہ وہ بے جان پتھر تھے وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی کن لوگوں نے عبادت کی تھی اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ وہ بت اللہ تعالیٰ کی شرک سے پاکی بیان کرتے ہوئے کفار کو جھٹلائیں گے کہ انہوں نے بتوں کے نام شریک اور معبود رکھ دیئے تھے۔

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٨٧﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿٨٨﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿٨٩﴾ ع

اور اس روز یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور گردنیں جھکا دیں گے اور جو من گھڑت باتیں وہ کرتے تھے ان سے کھو جائیں گی ○ جنہوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا تو ان کی نافرمانیوں کے سبب ہم ان پر عذاب پر عذاب بڑھا کر دُگنی سزا دیں گے ○ اور اس روز ہم ہر امت میں انہیں میں سے ان پر ایک گواہ اٹھائیں گے اور ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے اور ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا مکمل بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت و رحمت اور بشارت ہے ○

٨٧- ﴿وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَىِٕذِ ﹰالسَّلَمَ﴾ اور جنہوں نے ظلم کیا تھا یعنی ظالم لوگ قیامت کے دن صلح ڈالیں گے یعنی صلح پیش کریں گے اور دنیا میں تکبر و غرور اور توحید و رسالت اور دینِ حق کے انکار کرنے کے بعد اب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کرنے اور اس کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کرنے کا وعدہ کریں گے ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ اور ان سے ان کے وہ معبودانِ باطلہ گم ہو جائیں گے اور باطل و ضائع ہو جائیں گے جن کے متعلق یہ ظالم کافر جھوٹ گھڑ کر کہتے تھے کہ بے شک یہ بت اللہ تعالیٰ کے (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ) شریک ہیں اور یہ ان کی مدد کریں گے اور ان کے لیے سفارش کریں گے جب کہ ان کے یہ بت (قیامت کے دن) ان کو جھٹلائیں گے اور ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔

٨٨- ﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ وہ لوگ جو کفر و شرک اختیار کر کے خود بھی کافر ہوئے ﴿وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور دوسرے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا اور ان کو کفر اختیار کرنے پر اُبھارا اور انہیں کفر کی رغبت دی ﴿زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ﴾ ہم عذاب پر عذاب بڑھا کر ان کو زیادہ (ڈبل) سزا دیں گے یعنی انہیں ایک عذاب و سزا ان کے کفر اختیار کرنے پر دی جائے گی اور دوسرا عذاب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے پر انہیں دیا جائے گا ﴿بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دوسروں کو راہِ حق سے روکنے کے سبب (کفر و شرک کا) فساد پھیلاتے تھے۔

٨٩- ﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور اس روز ہم ہر امت میں سے ایک گواہ انہیں میں سے ان پر اٹھائیں گے یعنی ہم ان کے نبی اور پیغمبر کو گواہی کے لیے بلائیں گے کیونکہ تمام امتوں کے پاس انہیں میں سے انبیائے کرام علیہم السلام کو دینِ حق کی تبلیغ کے لیے بھیجا جاتا رہا ﴿وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ﴾ اے (میرے محبوب!) محمد (ﷺ) ہم آپ کو آپ کی اس امت پر گواہ بنا کر لائیں گے (نیز ہم گزشتہ تمام امتوں پر اور ان کے گواہوں (پیغمبروں) پر آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے) ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ اور ہم نے دینِ اسلام کے تمام معاملات میں سے ہر ایک چیز کو مکمل اور واضح طور پر بیان کرنے کے لیے آپ پر کتاب نازل کی ہے' لیکن منصوص احکام (صراحت کردہ احکام) تو وہ ظاہر ہیں اور اسی طرح جو احکام و مسائل سنت نبوی سے یا اجماع یا قولِ صحابہ یا قیاس سے ثابت ہیں کیونکہ تمام کا مرجع و مرکز اور منبع کتابِ الٰہی یعنی قرآن مجید ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے رسول کی اتباع و اطاعت کا ہمیں حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ''. (التغابن:١٢) ''اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسولِ کریم کی اطاعت کرو''۔ اور قرآن مجید میں اجماع کی پیروی کرنے کی ہمیں ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ''. (النساء:١١٥) ''اور جو لوگ نیک مسلمانوں کے اجماعی راستے کو چھوڑ کر کسی اور کی پیروی کریں گے (وہ دوزخ میں جائیں گے)''۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کی اتباع کو اپنی امت کے لیے پسند کیا اور فرمایا: ''اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ''.[1] ''میرے صحابہ آسمانِ ہدایت کے روشن ستارے ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت یافتہ بن جاؤ گے اور بے شک صحابۂ کرام نے اجتہاد کیا اور قیاس کیا اور انہوں نے اجتہاد اور قیاس کے طریقے بیان کیے نیز اللہ تعالیٰ نے ہمیں قیاس کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ''. (الحشر:٢) ''اے حقیقت بین نگاہ رکھنے والو! عبرت حاصل کرو''۔ پس سنت اور اجماع اور صحابی کا قول اور قیاس سب کتاب اللہ کے بیان کے مظہر ہیں اور اسی کی طرف منسوب ہیں' جس سے واضح ہو گیا کہ قرآن مجید ہر چیز کا مکمل اور واضح بیان ہے ﴿وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ﴾ اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے یعنی حق کی راہنمائی کرتا ہے اور اہلِ حق کے لیے رحمت ہے اور ان

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث:٥٦٨٤' مسلم رقم الحدیث:٢٢١٧

کے لیے جنت کی بشارت ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾

بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور نیکی کرنے اور رشتہ داروں کو (مالی مدد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور بُرائی اور سرکشی سے روکتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرلو O اور تم اللہ تعالیٰ کا عہد پورا کیا کرو جب بھی تم کوئی عہد کرلو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو اور بے شک تم نے اپنے اوپر اللہ کو ضامن بنالیا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ وہ سب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو O

عدل واحسان اور عہد وحلف پورا کرنے کا حکم

٩٠-﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے، کہ تم اپنے درمیان حقوق میں برابری کے ساتھ انصاف کرو اور ظلم کو ترک کرو اور ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو ﴿وَالْإِحْسَانِ﴾ اور نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے کہ جو تمہارے ساتھ بُرائی کرے تم اس کے ساتھ نیکی کرو (یہی احسان ہے) یا ان دونوں میں عدل فرض ہے اور احسان مستحب ہے کیونکہ یہ لازمی بات ہے کہ فرض میں کہیں کوئی کوتاہی ہو جاتی ہے تو اس کو مستحب عمل سے پورا کیا جائے گا ﴿وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ﴾ اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور قرابت داروں کو عطا کرنے کا حکم دیتا ہے اور یہی صلہ رحمی ہے ﴿وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ﴾ اور وہ بے حیائی کے کاموں سے روکتا ہے یعنی ایسے گناہوں سے منع کرتا ہے جو قباحت و بُرائی میں بدترین ہوں ﴿وَالْمُنكَرِ﴾ اور بُرائی سے روکتا ہے، منکر ہر اس بُرائی کو کہا جاتا ہے جس کو عقل سلیم بُرا جانے ﴿وَالْبَغْيِ﴾ اور سرکشی سے روکتا ہے۔ "بَغْی" کا معنی یہ ہے کہ ظلم وستم اور تکبر وغرور کے ذریعے بڑھائی اور بغاوت طلب کرنا ﴿يَعِظُكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے [یہ جملہ حال ہے یا جملہ مستأنفہ (مستقل الگ جملہ) ہے] ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ تاکہ تم نصیحت قبول کرلو اور تم اللہ تعالیٰ کے مواعظ سے نصیحت حاصل کرو اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا سبب یہی آیت مبارکہ بنی تھی، چنانچہ حضرت عثمان بن مظعون نے فرمایا کہ میں نے اسلام قبول نہیں کیا مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حیاء کی وجہ سے کیونکہ آپ بار بار مجھ پر اسلام پیش کرتے رہے، لیکن ایمان میرے دل میں راسخ اور مستحکم نہ ہوسکا یہاں تک کہ یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور میں اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بیٹھا ہوا تھا جس کی برکت سے ایمان میرے دل میں راسخ ہوگیا، پھر میں نے یہی آیت مبارکہ ولید بن مغیرہ کو پڑھ کر سنائی تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! اس کلام میں بلاشبہ بڑی مٹھاس ہے، یہ زبردست شیریں کلام ہے اور اس کلام میں بڑی کشش ہے اور یہ نہایت خوبصورت کلام ہے اور اس کا اوپر کا حصہ پھل دار ہے اور اس کا نیچے کا حصہ شاداب ہے اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے اور ابوجہل نے کہا کہ بے شک ان کا معبود اچھے اخلاق کا حکم دیتا ہے اور یہ آیت مبارکہ پورے قرآن مجید میں خیر وشر (نیکی وبدی) کے لیے سب

سے زیادہ جامع آیت ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر خطیب منبر پر اپنے خطبہ کے آخر میں یہ آیت مبارکہ تلاوت کرتا ہے تا کہ اس کا وعظ تمام احکام وممنوعات پر مشتمل ہو جائے۔

۹۱-﴿ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کیا کرو جب تم عہد کرلو۔ اس سے بیعت اسلام مراد ہے جو اسلام قبول کرتے وقت اسلام قبول کرنے والا شخص رسول اکرم نبی معظم ﷺ سے بیعت کرتے ہوئے عہد کرتا کہ آئندہ تمام زندگی اسلام کے مطابق گزارے گا اور کبھی کفر وشرک اختیار نہیں کرے گا' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ'' (الفتح:۱۰) ''بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں''۔ ﴿ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا ﴾ اور تم بیعت کی قسموں کو اللہ تعالیٰ کے نام پر پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو [اور ''اَكَّدَ'' اور ''وَكَّدَ'' دونوں فصیح لغتیں ہیں اور واؤ اصل ہے اور ہمزہ اس کا بدل ہے] ﴿ وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَیْكُمْ كَفِیْلًا ﴾ اور تم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر ضامن بنالیا ہے' گواہ اور نگران بنالیا کیونکہ کفیل اپنے مکفول بہ (جس شخص کی ذمہ داری لی گئی ہو وہ مکفول بہ ہوتا ہے) کے حال کی رعایت کرتا ہے' اس پر نگاہ رکھتا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے' جو تم کرتے ہو' تم اپنے وعدے اور قسمیں پوری کرتے ہو یا انہیں توڑتے ہو' بہر حال وہ تمہیں اس کا بدلا دے گا۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِیَ اَرْبٰی مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا یَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَ لَیُبَیِّنَنَّ لَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ یُّضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور تم اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت خوب پختہ کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا' تم اپنی قسموں کو آپس میں خیانت وفساد کا ذریعہ نہ بناؤ کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے (تعداد ومال میں) زیادہ ہو جائے' بے شک اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تمہارا صرف امتحان لیتا ہے' اور وہ قیامت کے دن تمہارے سامنے ان باتوں کو ضرور واضح بیان فرمادے گا جن میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو○ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تم تمہیں ضرور ایک جماعت بنا دیتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے' اور تم جو کچھ اعمال کرتے رہتے ہو سب کے بارے میں وہ تم سے ضرور پوچھے گا○

۹۲-﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ﴾ اور تم قسموں کے توڑنے میں اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت پختہ کاتنے کے بعد توڑ دیا یعنی اس عورت کی طرح جو پہلے بڑی محنت سے مضبوطی کے ساتھ کاتتی رہتی ہے پھر اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور سب کاتا ہوا توڑ دیتی ہے اور اسے ﴿ اَنْكَاثًا ﴾ ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ یہ ''نِكْثٌ'' کی جمع ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ پختہ کاتنے کے بعد دھاگے کو کچا کر کے توڑ دینا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ریطہ بنت

عمرو تھی اور یہ بہت زیادہ بے وقوف اور وہمی عورت تھی، یہ صبح سے ظہر تک اپنی ساتھی ہمسائیوں کے ساتھ مل کر چرخہ کاتتی رہتی تھی، پھر دن بھر کا تمام کاتا ہوا سوت خود بھی توڑ دیتی اور اپنی سہیلیوں کو حکم دیتی کہ وہ بھی توڑ دیں ﴿تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَكُمْ دَخَلًا﴾ تم اپنی قسموں کو بہانہ بنا لیتے ہو [''اَیْمَانَكُمْ'' حال ہے جیسے ''اَنْكَاثًا'' حال ہے اور ''دَخَلًا'' ''تَتَّخِذُوْنَ'' کا مفعول ہے یعنی تم اپنی قسموں کو بہانہ بنانے کی خاطر نہ توڑو] ﴿بَیْنَكُمْ﴾ اپنے درمیان یعنی فساد و خیانت برپا کرنے کے لیے ﴿اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِیَ اَرْبٰی مِنْ اُمَّةٍ﴾ اس سبب سے کہ ایک جماعت یعنی قریش مکہ کی جماعت یہ گنتی میں بھی زیادہ ہو جائے اور مال و دولت میں بھی اہل ایمان کی جماعت سے بڑھ جائے [''هِیَ اَرْبٰی'' مبتدا اور خبر ہو کر رفع کے محل میں ہیں اور ''اُمَّةٌ'' کی صفت ہیں اور خود ''اُمَّةٌ''، ''تَكُوْنُ'' کا فاعل ہے اور یہ فعل تامہ ہے اور ''هِیَ'' دو نکروں کے درمیان فاصلے کے لیے واقع نہیں ہے] ﴿اِنَّمَا یَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تمہیں صرف آزماتا ہے [اور ضمیر مصدر کی طرف لوٹتی ہے] یعنی اللہ تعالیٰ تعداد و مال میں زیادہ قوم دکھا کر تمہیں آزماتا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کی وفا کی رسی کو اور رسول کریم ﷺ کے ساتھ بیعت کرتے وقت پختہ قسمیں اٹھانے کے عہد کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہتے ہو یا قریش مکہ کی کثرت اور ان کی مالی و عددی شان و شوکت اور مسلمانوں کی قلت اور ان کی غربت کو دیکھ کر دھوکہ کھاتے ہو ﴿وَلَیُبَیِّنَنَّ لَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے لیے واضح کر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو جب وہ تمہیں تمہارے اعمال پر ثواب اور سزا کی صورت میں بدلا دے گا اور اس آیت مبارکہ میں ملّتِ اسلام کی مخالفت سے ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے۔

٩٣- ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں ایک امت مؤحدہ مسلمہ بنا دیتا ﴿وَّلٰكِنْ یُّضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ﴾ لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے، جس کے بارے میں اسے علم ہے کہ یہ شخص گمراہی کو اختیار کرلے گا ﴿وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ اور وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، جس کے بارے میں اسے علم ہے کہ یہ شخص ہدایت کو پسند کرے گا ﴿وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اور قیامت کے دن تم سے ضرور پوچھا جائے گا جو عمل تم کرتے رہے ہو، پھر تمہارے اعمال کے موافق تمہیں بدلا دیا جائے گا۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَیْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَیْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٩٥﴾ مَا عِنْدَكُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾

اور تم اپنی قسموں کو آپس میں خیانت کا ذریعہ نہ بناؤ کہ کوئی قدم جمنے کے بعد لڑکھڑا جائے اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کے سبب بُرائی کا مزہ چکھو گے اور تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ہے ○ اور تم تھوڑی سی قیمت پر اللہ تعالیٰ کے عہد کا سودا نہ کرو بے شک جو اللہ کے پاس ہے صرف وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ○ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فنا ہو

جائے گا اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا' اور ہم صبر کرنے والوں کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق اجر وثواب ضرور عنایت کریں گے O

٩٤- ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ﴾ اور تم اپنی قسموں کو اپنے درمیان بہانہ اور آڑ نہ بنالو۔ یہاں قسموں کو آپس میں بہانہ بنانے سے صرف ان کو تاکید اور حلف وعہد کی عظمت واہمیت ظاہر کرنے کے لیے دوبارہ منع کیا گیا ہے ﴿فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا﴾ کہ جمنے کے بعد قدم لڑکھڑا جائے' سو تمہارے قدم جحتِ اسلام سے اس پر قائم ہو جانے اور ثابت وجمنے کے بعد کہیں پھسل جائیں اور '' قَدَمٌ '' کو واحد نکرہ محض اس لیے لایا گیا ہے کہ جب راہِ حق سے ایک قدم کا حق پر ثابت رہنے اور جم جانے کے بعد پھسل جانا بہت بڑا خطرناک ہے تو زیادہ قدموں کا پھسل جانا کتنا بڑا جرم ہوگا ﴿وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ﴾ اور تم دنیا میں بھی بدترین سزا کا مزہ چکھو گے ﴿بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اس کا سبب تمہارا لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا ہے (یعنی) بدترین عذاب کا سبب خود تمہارا دین اسلام سے نکلنا ہے یا تمہارا دوسرے لوگوں کو دین اسلام سے روکنا ہے کیونکہ جو لوگ جب بیعت اسلام کی قسموں کو توڑ دیتے ہیں اور مرتد ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی عہد شکنی اور قسم شکنی کو اپنے غیروں کے لیے سنت اور نمونہ بنا دیتے ہیں جس پر چل کر دوسرے لوگ بھی عہد شکن ہو جاتے ہیں ﴿وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ اور آخرت میں تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

٩٥- ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے عہد کا تھوڑی سی قیمت کے عوض سودا نہ کرو (یعنی) تم اللہ تعالیٰ کے عہد اور رسول اللہ ﷺ کی بیعت کو دنیا کی حقیر دولت سے تبدیل نہ کرو' گویا مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کرنے والوں میں سے ایک گروہ سے جب مکہ مکرمہ کے کافروں نے اسلام سے کفر کی طرف لوٹنے کی صورت میں بڑے بڑے وعدے کیے اور انہوں نے قریش مکہ کا غلبہ دیکھا اور مسلمانوں کی کمزوری دیکھی اور گھبرا گئے' جس پر شیطان نے رسول اللہ ﷺ سے بیعتِ اسلام توڑ دینے کو ان کے لیے خوشنما بنا کر دکھایا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کے ذریعے انہیں ثابت قدم رکھا (اور فرمایا:) ﴿اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس آخرت کا جو ثواب ہے وہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے' اگر تم جانتے ہو۔

٩٦- ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ﴾ تمہارے پاس دنیا کے سامان میں سے جس قدر مال ودولت ہے وہ سب کا سب ختم ہو جائے گا ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی رحمت کے خزانوں میں سے جو کچھ ہے وہ باقی رہے گا اور کبھی ختم نہیں ہوگا ﴿وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور ہم ضرور صبر کرنے والوں کو ان کا اجر وثواب ان کے بہترین اعمال کے مطابق عنایت کریں گے' (یعنی) جن مسلمانوں نے مشرکین کی اذیتوں اور تکلیفوں پر صبر کیا اور اسلام کی خاطر مشقتیں اور مصیبتیں برداشت کیں' ان کو اچھے اعمال پر ان کے سب سے اچھے اعمال کے موافق اجر وثواب عنایت کیا جائے گا [ابن کثیر مکی اور عاصم کوفی کی قراءت میں نون کے ساتھ (وَلَنَجْزِيَنَّ) ہے][1]

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ

[1] جب کہ قنبل' ابن عامر شامی' نافع مدنی' حمزہ' علی کسائی' ابوعمرو' ابن ذکوان اور ہشام کی قراءت میں '' یا '' کے ساتھ '' وَلَيَجْزِيَنَّ '' ہے۔
(معجم القراءات القرآنیہ ج ٣ ص ٢٩٥)

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

جو نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت ہو شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو تو ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی عنایت فرمائیں گے اور ہم انہیں ان کے بہترین اعمال کے مطابق ثواب عطا فرمائیں گےO پھر جب تم قرآن مجید پڑھنا چاہو تو شیطان مردود سے پناہ مانگوO بے شک مسلمانوں پر شیطان کو غلبہ حاصل نہیں رہتا اور وہ صرف اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیںO بے شک اس کو ان لوگوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے جو اس کو دوست بنا لیتے ہیں اور وہ اس کو (اللہ تعالیٰ کا) شریک قرار دیتے ہیںO

پاکیزہ زندگی اور تلاوت کے وقت تعوذ پڑھنے کا بیان

٩٧- ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ جو آدمی نیک عمل کرے مرد ہو خواہ عورت ہو [''مَنْ'' کا کلمہ مبہم (غیر معیّن) ہے جو (مذکر و مؤنث کی) دونوں قسموں کو شامل ہے مگر بہ ظاہر مذکر کے لیے آتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد (مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى) کے ذریعے وضاحت بیان فرما دی تاکہ اس آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا وعدہ دونوں صنفوں کے لیے عام ہو جائے] ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ اور وہ مؤمن ہو۔ ایمان شرط ہے کیونکہ کفار کے اعمال غیر معتبر ہیں' وہ کسی گنتی میں نہیں ہیں اور یہ ایمان کی شرط اس بات کی دلیل ہے کہ عمل ایمان کا حصہ نہیں ہے ﴿فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ پس ہم اسے پاکیزہ اور عمدہ زندگی عنایت کریں گے یعنی دنیا میں پاکیزہ اور عمدہ زندگی عطا کی جائے گی کیونکہ آخرت کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور ہم ضرور انہیں ان کا اجر و ثواب ان کے سب سے زیادہ نیک اعمال کے مطابق دیں گے' اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں کے اجر و ثواب کا وعدہ فرما لیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ''. (آل عمران:١٤٨) ''پس اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھی ثواب عطا فرمایا اور آخرت میں بھی بہترین ثواب عطا فرمائے گا'' اور یہ اس لیے کہ مؤمن نیک عمل کے ساتھ خوشحال ہو یا تنگ دست ہو' پاکیزہ اور عمدہ زندگی گزارتا ہے' اگر خوشحال ہے تو ظاہر ہے لیکن اگر وہ تنگ دست و غریب ہے تو اس کے باوجود اس کی زندگی پاک اور سب سے اچھی ہوتی ہے اور وہ قناعت کی اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر رضا کی زندگی ہے لیکن فاسق و فاجر تو اس کا معاملہ برعکس ہوتا ہے' اگر وہ تنگ دست ہے تو ظاہر ہے اور اگر خوشحال ہے تو حرص و لالچ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا' وہ مسلسل اپنی زندگی کی فکر میں پریشان رہتا ہے اور بعض نے کہا کہ پاکیزہ زندگی سے قناعت مراد ہے یا اطاعت و عبادت کی لذت مراد ہے یا اللہ تعالیٰ کی معرفت مراد ہے یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا اور خالص مقام اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر سچی آگاہی اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے اعراض و روگردانی مراد ہے۔

٩٨- ﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ﴾ پھر جب آپ قرآنِ مجید پڑھنے لگیں (یعنی) جب آپ قرآن کریم کی تلاوت کا ارادہ کرنے لگیں ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگئے۔ [پھر ارادۂ فعل کو لفظ فعل کے ساتھ اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ اس کا سبب ہے اور ''فا'' تعقیب (تاخیر) کے لیے ہے کیونکہ استعاذہ کے ساتھ شروع کی گئی قراءتِ مذکورہ نیک عمل میں سے ہے] ﴿مِنَ الشَّيْطٰنِ﴾ شیطان یعنی ابلیس لعین سے ﴿الرَّجِيْمِ﴾ مردود اور راندۂ درگاہِ الٰہی یا ملعون و پھٹکارا ہوا۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے جب پڑھنے لگا تو میں نے کہا: "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" (میں سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے) تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے فرمایا کہ کہو: "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" (میں شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں) مجھے حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ تعوذ اسی طرح پڑھائی تھی۔

٩٩- ﴿ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ ﴾ بے شک اس کے لیے یعنی ابلیس کے لیے حاصل نہیں ہے ﴿ سُلْطٰنٌ ﴾ تسلط اور اختیار ﴿ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴾ ان لوگوں پر جو ایمان دار ہیں اور اپنے رب تعالیٰ پر بھروسا رکھتے ہیں' پس توکل کرنے والا مؤمن شیطان کے وسوسے اور اس کے شکوک وشبہات قبول نہیں کرتا۔

١٠٠- ﴿ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ ﴾ بے شک اس کا تسلط واختیار صرف ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو اپنا دوست بنا لیتے ہیں اور اس کو اپنا حمایتی بنا لیتے ہیں اور اس کے وسوسے اور شکوک وشبہات قبول کر لیتے ہیں اور اس کی پیروی کرتے ہیں ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴾ اور وہ لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرتے ہیں ["بِہٖ" کی ضمیر رب کی طرف لوٹتی ہے یا شیطان کی طرف لوٹتی ہے یعنی شیطان کی وجہ سے شرک کرتے ہیں]۔

وَاِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٠٢﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٣﴾

اور جب ہم نے ایک آیت کی جگہ کوئی اور آیت تبدیل کی' اور اللہ تعالیٰ جو کچھ نازل کرتا ہے اسے وہی بہتر جانتا ہے تو کافروں نے کہا کہ آپ اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کر دیتے ہیں' بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اس کو پاک روح (حضرت جبریل) نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے تا کہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہو O اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ بے شک وہ لوگ کہتے ہیں کہ یقیناً انہیں انسان سکھاتا ہے' وہ لوگ جس انسان کی طرف تعلیم کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ (قرآن) صاف عربی زبان ہے O

قرآن مجید کے نسخ پر اعتراض کا جواب اور ہٹ دھرم کافروں کا انجام اور صابر ومہاجر مسلم کا انعام

١٠١- ﴿ وَاِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ﴾ اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت کو تبدیل کرتے ہیں۔ ایک آیت کی جگہ اور آیت کو تبدیل کرنے سے نسخ مراد ہے اور اللہ تعالیٰ احکام کے عوض دوسرے احکام نازل فرما کر پہلے احکام منسوخ کر دیتا ہے اور یہ کسی ایسی حکمت و مصلحت کی بناء پر ہوتا ہے جسے خود اللہ تعالیٰ مناسب سمجھتا ہے اور یہی معنی ہے اس ارشاد کا کہ ﴿ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اُسے سب سے بہتر جانتا ہے جسے وہ نازل کرتا ہے [اور ابن کثیر مکی اور

ابو عمرو کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (یعنی بغیر شد کے "یُنْزِلُ" باب افعال سے) ہے] ﴿قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ﴾ کافروں نے کہا کہ یہ آپ خود اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کرتے ہیں [اور یہ جملہ "اِذَا" کا جواب ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ". جملہ معترضہ ہے] کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ بے شک (حضور سرورِ کائنات مفخر موجودات حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے صحابہ کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں' آج آپ انہیں ایک عمل کا حکم دیتے ہیں تو کل آنے والے دن میں آپ انہیں اس سے روک دیتے ہیں اور ان کے پاس اس سے نرم حکم لے کر آتے ہیں حالانکہ کفار جھوٹ بولتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس طرح نرم کے عوض میں سخت حکم منسوخ کر دیتا تھا اسی طرح سخت حکم کے عوض نرم حکم کو بھی منسوخ کر دیتا ہے ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ بلکہ ان میں بہت سے لوگ اس کے بارے میں حکمت و مصلحت کو نہیں جانتے۔

۱۰۲- ﴿قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اس کتاب کو پاک روح یعنی حضرت جبریل علیہ السلام نے نازل کیا۔ "القدس" کی طرف اضافت کی گئی ہے جس کا معنی ہے: پاک' جیسا کہ کہا جاتا ہے: "حَاتِمُ الْجُوْدِ" سخی حاتم اور مراد "اَلرُّوْحُ الْمُقَدَّسُ" ہے تمام بشری کثافتوں سے سراپا پاک روح اور "حَاتِمُ الْجَوَّادِ" حاتم بہت زیادہ سخی ہے۔ مقدس کا مطلب ہے گناہوں سے پاک ﴿مِنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے پروردگار کی طرف سے' (یعنی) اس کے پاس سے اور اس کے حکم سے ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ۔ [یہ حال ہے] یعنی حضرت جبریل نے اس کو نازل کیا درآں حالیکہ وہ حق و سچ ہے' حکمت کے موافق ہے ﴿لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے' اور تاکہ ان کو نسخ کے ذریعے آزمائے یہاں تک کہ جب وہ اس کے بارے میں یہی کہیں کہ یہ قرآن مجید اور اس میں نسخ ہمارے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور سچ ہے اور حکمت کے موافق ہے کیونکہ حکیم و دانا صرف وہی کام کرتا ہے جو حکمت و دانائی اور صواب و سچائی پر مبنی ہوتا ہے تاکہ اہل ایمان کے قدموں کا ثبات اور یقین کی صحت اور دلوں کا اطمینان مستحکم و مضبوط ہو جائے ﴿وَهُدًى وَّبُشْرٰى﴾ [یہ دونوں مفعول لہ ہیں اور "لِيُثَبِّتَ" کے محل پر معطوف ہیں] اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: "تَثْبِيْتًا لَّهُمْ وَاِرْشَادًا وَّبِشَارَةً" قرآن مجید اہل ایمان کو ثابت رکھنے والا' رُشد و ہدایت دینے والا اور جنت کی خوشخبری سنانے والا ہے ﴿لِلْمُسْلِمِيْنَ﴾ مسلمانوں کے لیے ہے' اس میں اشارہ ہے کہ کفار کے لیے ان خصلتوں کی اضداد حاصل ہوتی ہیں۔

۱۰۳- ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ﴾ اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ یقیناً کفار یہی کہتے ہیں کہ بے شک ان کو ایک انسان سکھاتا ہے۔ اس انسان سے کفارِ مکہ کی مراد حویطب کا غلام تھا جو اسلام قبول کر کے مسلمان ہو چکا تھا اور اس کا اسلام بہت اچھا تھا' اس کا نام عائش یا یعیش تھا اور یہ صاحبِ کتاب تھا یا اس سے عامر بن حضرمی کا رومی غلام جبر مراد ہے یا دو غلام مراد ہیں: جبر اور یسار' یہ دونوں تورات اور انجیل کو پڑھا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے تورات و انجیل سنا کرتے' جب وہ ان کی تلاوت کرتے یا حضرت سلمان فارسی مراد ہیں ﴿لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ﴾ کفارِ مکہ جس شخص کی طرف تعلیم کو منسوب کرتے ہیں' اس کی زبان عجمی ہے ﴿وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ﴾ اور یہ قرآن مجید خالص اور واضح عربی زبان ہے' یعنی کفار اپنی بات کو استقامت سے ہٹا کر جس شخص کی طرف تعلیم قرآن کی نسبت کرتے ہیں' اس کی زبان تو عجمی ہے' واضح اور صاف نہیں ہے اور یہ قرآن کریم صاف عربی زبان ہے جو واضح اور فصیح و بلیغ ہے' جس سے ان کا قول ردّ ہو گیا اور ان کا طعنہ دینا باطل ہو گیا [اور یہ جملہ میری مراد (لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ) ہے جس کے لیے اعرابی کوئی محل نہیں کیونکہ یہ جملہ مستانفہ (الگ مستقل جملہ) ہے جو کفارِ مکہ کی زبان درازی کا جواب ہے اور "لِسَانٌ" کا معنی زبان ہے اور "اَلْحِدَ الْقَبْرُ وَلَحَدَهٗ" اس وقت کہا جاتا ہے جب قبر سیدھی بنانے کی بجائے بغلی بنائی

جائے' اسی طرح لحد اور ملحود اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دینِ مستقیم سے ہٹ کر بے دین ہو جائے اور لوگ کہتے ہیں: ''اَلْحَدَ فُلَانٌ فِیْ قَوْلِہٖ'' کہ فلاں آدمی اپنی بات میں راہِ راست سے پھر گیا اور ''اَلْحَدَ فِیْ دِیْنِہٖ'' وہ اپنے دین سے پھر کر بے دین ہو گیا اور اسی سے ''مُلْحِدْ'' ہے جب کوئی شخص تمام دینوں سے منہ پھیر کر باطل مذہب اپنا لے]۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۰۶﴾

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے' اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O بے شک صرف وہی لوگ جھوٹ گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ جھوٹ بولنے والے ہیں O جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا ماسوا اس کے جس کو کفر پر مجبور کیا گیا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا لیکن جس نے کفر کے لیے سینہ کھول دیا (اور خوشی سے کفر قبول کر لیا) تو ان پر اللہ کا غضب ہے' اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O

١٠٤- ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات پر یعنی قرآن کریم پر ایمان نہیں لاتے ﴿لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت تک ہدایت نہیں دیتا جب تک وہ کفر کو پسند کرتے رہتے ہیں ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ اور کفر پر ڈٹے رہنے کی وجہ سے آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

١٠٥- ﴿اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ پر صرف وہ لوگ جھوٹ گھڑتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے' یعنی جھوٹ بولنا انہیں کے لائق ہے جو ایمان دار نہیں کیونکہ وہ آخرت کے عذاب کا خیال نہیں کرتے اور یہ ان کے اس قول کی تردید ہے جو انہوں نے حضور سے کہا تھا کہ: ''اِنَّمَا اَنْتَ مُفْتَرٍ''. بے شک آپ اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کرتے ہیں ﴿وَاُولٰٓئِكَ﴾ یہ (اَلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ) کی طرف اشارہ ہے یعنی یہی لوگ ﴿هُمُ الْكٰذِبُوْنَ﴾ حقیقت میں مکمل جھوٹ بولنے والے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانا سب سے بڑا جھوٹ ہے یا یہ لوگ حضور کو ''اِنَّمَا اَنْتَ مُفْتَرٍ'' کہنے میں جھوٹے ہیں۔

١٠٦- ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖ﴾ جو ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے گا [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ بطور شرط مبتدا ہو اور اس کا جواب محذوف ہو کیونکہ ''مَنْ شَرَحَ'' جواب پر دلالت کرتا ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ جو کوئی ایمان لانے کے بعد کفر کرے گا تو اس پر غضب ہوگا ﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ﴾ ماسوا اس شخص کے جس کو کفر پر مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو اور اس پر قائم ہو ﴿وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا﴾ اور لیکن جس نے کفر کے لیے سینہ کھول دیا اور بہ خوشی قبول کر لیا اور اس پر یقین کر لیا ﴿فَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾

تو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے غضب ہوگا اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا [اور "مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ" کے متعلق دوسری یہ وجہ بھی جائز ہے کہ یہ "الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ" سے بدل ہو اس بناء پر کہ "وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ" کو بدل اور مبدل منہ کے درمیان جملہ معترضہ قرار دیا جائے] اور معنی یہ ہوگا کہ بے شک جھوٹ وہ لوگ گھڑتے ہیں جو ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے مجبور کو استثناء کر کے نکال لیا کیونکہ اس پر زبردستی کر کے کلمۂ کفر کہلوایا جاتا ہے اس لیے وہ جھوٹ باندھنے کے حکم میں داخل نہیں ہے پھر فرمایا: بلکہ جس نے اپنا سینہ کفر کے لیے کھول دیا (اور بہ خوشی کفر اختیار کر لیا) تو ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے [اور یہ ممکن ہے کہ یہ مبتدا سے بدل ہو وہ "اُولٰٓئِكَ" ہے یعنی جس نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا وہ جھوٹے ہیں یا خبر سے بدل ہے اور وہ "الْكٰذِبُوْنَ" ہے یعنی اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مخصوص بالذم کی بناء پر منصوب ہو]۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠٧﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿١٠٨﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٠٩﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٠﴾ ع

١٤ ع ٢٠

یہ اس لیے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا' اور بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا O یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے' اور یہی لوگ غفلت میں ہیں O یہ پکی بات ہے کہ یقیناً یہی لوگ آخرت میں خسارے میں رہیں گے O پھر بے شک آپ کا رب تعالیٰ انہیں لوگوں کے لیے (مدد فرمائے گا) جنہوں نے ستائے جانے کے بعد ہجرت کی' پھر جہاد کیا اور صبر سے کام لیا' بے شک آپ کا رب اس کے بعد (ان کو) بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہے O

١٠٧- ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ وعید و دھمکی کی طرف اشارہ ہے اور وہ غضبِ الٰہی اور بڑے عذاب کا ملنا ہے ﴿بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ﴾ اس لیے کہ بے شک انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر پسند کیا اور انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی یعنی اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اور اسی کو اہم سمجھا اور آخرت کو بھلا دیا ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو اس وقت تک ہدایت نہیں دیتا جب تک وہ کفر کو اختیار کیے رکھتے ہیں۔

١٠٨- ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ﴾ یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر مہر لگا دی ہے' اس لیے وہ غور و فکر نہیں کرتے اور نہ نصیحتوں کی طرف کان لگاتے اور نہ ہدایت کے راستے کو دیکھتے ہیں ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ اور یہی لوگ غفلت میں ہیں' یعنی یہ لوگ مکمل طور پر غفلت میں مبتلا ہیں کیونکہ آخرت کے امور میں تدبر اور غور و فکر سے غفلت برتنا انتہائی بدترین غفلت ہے اور یہی غفلت کا

منتہا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی غفلت نہیں۔

١٠٩-﴿لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ یہ پکی بات ہے کہ یہ لوگ آخرت میں یقیناً نقصان اٹھانے والے ہوں گے اور یہی لوگ خسارے میں رہیں گے۔

شانِ نزول: ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ کفارِ مکہ نے کچھ مسلمانوں کو بہت ستایا' ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیئے اور کفر پر انہیں مجبور کیا گیا تو وہ مرتد ہو گئے اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن پر زبردستی کر کے ان کی زبان پر کلمۂ کفر جاری کرایا گیا حالانکہ وہ ایمان اور اسلام پر یقین رکھتے تھے' انہیں میں سے حضرت عمار بن یاسر بھی تھے لیکن ان کے والدین حضرت یاسر اور حضرت سُمَیّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کلمۂ کفر نہ کہنے کی پاداش میں قتل کر دیا گیا تھا اور یہ دونوں حضرات اسلام میں سب سے پہلے شہید ہیں' بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی کہ حضرت عمار بن یاسر کافر ہو گئے ہیں' آپ نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا' سنو! حضرت عمار سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخن تک سراپا پیکرِ ایمان ہیں[1]

اور ان کا ایمان ان کے گوشت میں' رگوں میں اور ان کے خون میں رچ بس اور مکس ہو گیا ہے[2]

پھر حضرت عمار روتے ہوئے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا: تجھے کیا ہوا؟ اگر کفار تجھ سے کفر کا کلمہ بار بار کہلوائیں تو پہلے کی طرح دوبارہ کہہ دینا۔[3]

اور حضرت ابوعمار یاسر یعنی حضرت عمار کے باپ حضرت یاسر نے کتنا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا (کہ دونوں میاں بیوی نے جانیں تو قربان کر دیں لیکن کفر اختیار نہ کیا اور نہ زبان سے اقرار کیا) کیونکہ قتل ہو جانے پر صبر کرنا (اور کلمۂ کفر نہ بولنا) اسلام کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔

١١٠-﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ﴾ پھر بے شک آپ کا پروردگار (مسلمانوں پر بڑا مہربان ہے) حرفِ ''ثُمَّ'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان (مسلمانوں) کا حال ان (کافروں) کے حال سے مختلف ہے ﴿لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا﴾ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے ہے' ان پر نہیں یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا حامی و مددگار ہے ان کے دشمنوں کا نہیں' ان کو تو رسوا کرے گا جیسے کوئی بادشاہ کسی آدمی کے لیے ہو جائے: ''لَا عَلَيْهِ'' اس پر نہیں' تو وہ آدمی حمایت یافتہ' نفع یافتہ ہوگا' اسے کوئی ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکے گا ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا﴾ کافروں کی اذیتیں اور کفر پر مجبور کیے جانے کے تمام فتنوں میں مبتلا کیے جانے کے بعد۔ [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فَتَنُوْا'' (فعل ماضی معروف) ہے] یعنی اس کے بعد کہ مسلمانوں کو سخت سزائیں دی گئیں' پھر وہ اسلام لے آئے ﴿ثُمَّ جٰهَدُوْا﴾ پھر انہوں نے ہجرت کے بعد مشرکین سے جہاد کیا ﴿وَصَبَرُوْٓا﴾ اور انہوں نے جہاد کرنے پر صبر کیا ﴿اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا﴾ بے شک آپ کا رب تعالیٰ اس کے بعد (یعنی) ان افعال کے بعد اور وہ ہجرت کرنا اور جہاد کرنا اور ہجرت و جہاد کی مصیبتوں پر صبر کرنا ہیں ﴿لَغَفُوْرٌ﴾ اللہ تعالیٰ ان کے لیے بہت بخشش فرمانے والا ہے جنہوں نے تقیہ کر کے بہ ظاہر زبانوں سے کفر کا کلمہ بول دیا تھا ﴿رَّحِيْمٌ﴾ بہت مہربان ہے' انہیں ان باتوں پر عذاب نہیں دے گا جو انہوں نے مجبور کیے جانے کی حالت

---

[1] رواہ الثعلبی' والواحدی فی الوسیط' عن الثعلبی (حاشیۃ الکشاف ج ٢ ص ٦٣٤)
[2] رواہ ابونعیم فی الحلیۃ ج ١ ص ١٣٩
[3] رواہ ابن عساکر (کنز العمال رقم الحدیث: ٣٢٥٢٠)

میں کہی تھیں۔

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١١١﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿١١٣﴾

اس روز ہر شخص اپنی طرف سے جھگڑا کرتا ہوا آئے گا اور ہر شخص کو پورا پورا بدلا دیا جائے گا جو کچھ اس نے عمل کیا ہوگا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا○ اور اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک بستی تھی جو بڑے امن و امان اور چین و آرام میں تھی' اس کا رزق ہر جگہ سے کثرت سے اس کے پاس آ جاتا تھا' پھر اس (کے باشندوں) نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھایا' اس کا سبب وہ اعمال تھے جو وہ لوگ کرتے رہتے تھے○ اور بے شک انہیں میں سے ایک عظیم الشان رسول ان کے پاس تشریف لایا اور انہوں نے اسے جھٹلا دیا تو انہیں عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا اور وہ بڑے ظالم تھے○

کفار کے لیے تنبیہات

١١١- ﴿يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ﴾ [''یوم'' ''رحیم'' کی وجہ سے یا ''اُذْکُرْ'' کی وجہ سے منصوب (آخر پر زبر) ہے] یعنی اے محبوب! یاد کیجئے جب ہر شخص قیامت کے روز میدانِ محشر میں آئے گا تو وہ ﴿تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا﴾ اپنی طرف سے جھگڑا کرے گا [اور یہاں ''نفس'' کی ''نفس'' کی طرف اضافت کی گئی ہے' اس لیے کہ شے کے عین کو اور اس کی ذات (اور روح) کو نفس کہا جاتا ہے اور اس کی نقیض (دوسری شے) کو اس کا غیر کہا جاتا ہے اور نفس بدن اور روح کے جملہ (مجموعہ) کا نام ہے جیسا کہ عام حالت میں ہوتا ہے' لہٰذا پہلے ''نفس'' سے جملہ مراد ہے اور دوسرے ''نفس'' سے اس کی ذات اور روح مراد ہے] تو گویا فرمایا گیا کہ ہر شخص اپنی ذات کی رہائی کے لیے جھگڑے گا اور وہ اپنی پریشانی کی وجہ سے دوسروں کا خیال نہیں کرے گا بلکہ ہر شخص ''نفسی نفسی'' پکارے گا اور ہر شخص کا اپنی ذات کے بارے میں جھگڑنے کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی طرف سے معذرت پیش کرے گا جیسا کہ پیروی کرنے والے کفار اپنے سرداروں کے بارے میں کہیں گے: ''رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ''. (الاعراف: ٣٨) ''اے ہمارے پروردگار! انہیں لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا' سو تو ان کو دوزخ کا دُگنا عذاب دے''۔ نیز کہیں گے: ''رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا'' (الاحزاب: ٦٧) ''اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی پیروی کی تھی تو انہوں نے ہمیں راہِ راست سے بہکا دیا تھا''۔ ''وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ''. (الانعام: ٢٣) ''ہمارے پروردگار اللہ کی قسم! ہم شرک کرنے والے نہیں تھے''۔ ﴿وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ﴾ اور ہر شخص کو اس نے جو کچھ عمل کیا ہوگا اس پر پوری پوری جزا دی جائے گی اور اس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلا عطا کیا جائے گا ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان پر اس معاملے

میں ظلم وزیادتی نہیں کی جائے گی۔

۱۱۲-﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس حالت کی بستی کو ہر اس قوم کے لیے مثال قرار دے دیا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا کہ ان کو ہر قسم کی خوشحالی عنایت فرمائی تو وہ لوگ اس نعمت کی وجہ سے تکبر وغرور میں آ گئے تو بجائے شکر ادا کرنے کے انہوں نے ناقدری اور ناشکری کی اور اپنے محسن و منعم سے منہ پھیر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب اور غضب نازل کر دیا' لہٰذا یہ بھی جائز ہے کہ اس صفت کی حامل کوئی مقدر (غیر موجود فرضی) بستی مراد ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ گزشتہ قوموں کی بستیوں میں سے کوئی بستی مراد ہو' جس کا یہی حال ہوا ہو' بہر حال اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو ان کے برے انجام سے ڈرانے کے لیے اس بستی کی مثال بیان فرمائی ہے ﴿ كَانَتْ اٰمِنَةً ﴾ وہ قتل وغارت اور قید وبند کی مصیبتوں سے امن وامان میں تھی ﴿ مُّطْمَئِنَّةً ﴾ وہ بستی بڑے اطمینان وسکون میں تھی' اسے کسی قسم کا خوف وڈر پریشان اور خوف زدہ نہیں کرتا تھا اور "انزعاج" کا معنی ہے: خوف کے ساتھ ساتھ قلق وپریشانی کا لاحق ہونا ﴿ يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا ﴾ اس کا رزق اس کے پاس کشادہ اور کثرت سے آتا تھا۔ "رَغَدًا" کا معنی وسیع رزق ہے ﴿ مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ ﴾ ہر شہر سے ﴿ فَكَفَرَتْ ﴾ تو اس بستی کے رہنے والوں نے کفر کیا اور ناشکری کی ﴿ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ ["نعمة" کی جمع ہے' "تا" کا اعتبار ترک کر دیا گیا ہے جیسے "دِرْعٌ" کی جمع "اَدْرُعٌ" ہے اور "دِرْعٌ" میں "تا" کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ اصل "دِرْعَةٌ" تھا یا "نُعْمٌ" کی جمع ہے جیسے "بُؤْسٌ" کی جمع "اَبْؤُسٌ" ہے] ﴿ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے کرتوتوں کے سبب ان کو بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھایا' [اور "اذاقه" اور "لباس" دونوں استعارے ہیں اور "اذاقه" (چکھانا) کو لباس پر اتارنے کے لیے مستعار لیا گیا ہے' "لباس" خود بھی مستعار ہے اور استعارہ کے صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ "اِذَاقَه" (چکھانا) اہل عرب کے نزدیک مصائب و آلام اور شدائد میں استعمال ہونے کی شہرت کے سبب حقیقت کے مقام پر جاری ہے] اور جب ان میں سے جو مصیبتیں اور تکلیفیں انسان کو پہنچتی ہیں تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی نے بھوک اور تکلیف کو چکھا ہے اور اس کو عذاب نے مزہ چکھایا ہے اور "اذاقه" کو اس کیفیت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جو ضرر اور تکلیف کے اثر سے حاصل ہوتی ہے اور یہ تلخ' کڑوی اور بدمزہ چیز کے ذائقہ سے حاصل ہونے والی حالت ہے اور لیکن "لباس" کو بھوک اور خوف سے حاصل ہونے والے احساس کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ لباس جس طرح پہننے والے انسان پر مشتمل ہوتا ہے اور اس کو گھیر لیتا ہے' اسی طرح بعض حوادث کی وجہ سے بھوک وخوف کا احساس انسان کو گھیر لیتا ہے اور لیکن "اذاقه" کو بھوک اور خوف پر وقوع اس لیے ہے کہ جب لباس سے وہ احساس مراد ہے جو انسان کو بھوک اور خوف کی وجہ سے ڈھانپ لیتا ہے اور اس کو گھیر لیتا ہے تو گویا فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بستی والوں کو ایسی بھوک اور خوف کا مزہ چکھایا جس نے ان کو ڈھانپ لیا۔

۱۱۳-﴿ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ ﴾ اور بے شک ان کے پاس انہیں میں سے ایک بڑی عظمت والے رسول تشریف لائے یعنی حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے ﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴾ سو انہوں نے آپ کو جھٹلا دیا تو انہیں عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا اور وہ لوگ بہت بڑے ظالم تھے یعنی وہ لوگ ظلم وستم کے ساتھ شک وشبہ کی حالت میں تھے کہ انہوں نے کہا کہ حضور کو جنگِ بدر میں قتل کر دیا جائے گا۔

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١١٤﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٥﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٦﴾

سو تم اس میں سے کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں حلال و پاکیزہ رزق عنایت کیا ہے' اور تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو O بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کیا ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو' پھر جو شخص مجبور ہو جائے نہ سرکشی کرنے والا ہو اور نہ ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اور تمہاری زبانیں جو جھوٹ بیان کرتی ہیں اس کے مطابق کبھی یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھو' بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ تراشتے ہیں وہ کبھی نجات نہیں پائیں گے O

١١٤- ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قحط سالی کے دور میں اہل مکہ کے پاس بہت سا کھانے کا سامان بھیجا اور اسے مکہ مکرمہ کے لوگوں میں تقسیم کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھوک کا مزہ چکھانے کے بعد حضور کے بھیجے ہوئے سامان کے بارے میں ان سے فرمایا کہ ﴿فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ﴾ تم حبیبِ کبریاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے عطا کیے گئے رزق میں سے کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عنایت کیا ہے ﴿حَلَالًا طَيِّبًا﴾ حلال پاکیزہ' یہ اس حرام و خبیث مال کے بدلے تمہیں دیا گیا ہے جو تم ناجائز کمائی اور لوٹ مار اور ڈاکے کے ذریعے حاصل کر کے کھاتے تھے ﴿وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر ادا کرو' اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو یعنی اگر تم اس کی اطاعت و فرماں برداری کرتے ہو یا یہ کہ اگر تمہارے گمان میں یہ صحیح ہے کہ تم دوسرے معبودوں کی عبادت کے توسط سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو' اس بناء پر کہ وہ معبود اللہ تعالیٰ کے پاس تمہاری سفارش کریں گے۔

١١٥- پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی محرّمات کو گن کر بیان فرمایا اور انہیں اپنی خواہش سے حرام اور حلال قرار دینے سے منع کیا اور فرمایا: ﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ بے شک اس نے تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کیے ہیں جن پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے' پھر جو مجبور ہو جائے' نہ سرکشی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے۔ [''اِنَّمَا'' حصر کے لیے آتا ہے] یعنی صرف یہ چیزیں حرام ہیں اور تمہارے حرام کردہ جانور بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام وغیرہ حرام نہیں ہیں اور باقی آیت مبارکہ کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

١١٦- ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ﴾ تمہاری زبانیں جو کچھ جھوٹ گھڑتی ہیں ان کے موافق یہ نہ کہو (کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے) [یہ ''لَا تَقُولُوْا'' کے ساتھ منصوب ہے] یعنی ''لَا تَقُوْلُوا الْكَذِبَ''. تم جھوٹ نہ بولو جس کو تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں کہ جانوروں میں سے یہ حلال ہے اور یہ حرام' جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ

الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا''. (الانعام:١٣٩)''جو ان مویشیوں کے پیٹوں میں ہے وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے''۔ اس وصف کی وحی کی طرف یا وحی سے حاصل کردہ قیاس کی طرف سند اور دلیل بیان کیے بغیر [اور ''لِمَا تَصِفُ'' میں لام صلہ کا ہے' اس کی مثال تمہارے اس قول میں موجود ہے کہ ''لَا تَقُوْلُوْا لِمَا اَحَلَّ اللّٰهُ هُوَ حَرَامٌ''. جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے تم اسے حرام نہ کہو] ﴿ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ ﴾ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ [یہ ارشاد ''الْكَذِبَ'' سے بدل ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''الْكَذِبَ'' کو ''تَصِفُ'' کا مفعول قرار دے کر منصوب پڑھا جائے اور حرف ''مَا'' کو مصدر یہ قرار دیا جائے اور (هٰذَا حَلَالٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ) کو ''لَا تَقُوْلُوْا'' کے ساتھ متعلق کیا جائے یعنی تم یوں نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کیونکہ یہ تمہاری زبانوں کا بیان کردہ جھوٹ ہے] یعنی تم بغیر کسی دلیل و حجت کے صرف اپنی زبانوں کے کہنے اور مونہوں کے بولنے کی وجہ سے نہ کسی چیز کو حرام قرار دو اور نہ کسی چیز کو حلال قرار دو کیونکہ یہ تمہارا دعویٰ بلا دلیل ہے اور محض زبانی بات ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ: ''تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ'' فصیح کلام میں سے ہے گویا ان کے قول کو بعینہٖ جھوٹ قرار دیا گیا ہے' سو جب ان کی زبانیں اس کے ساتھ بولیں گی تو ان کا جھوٹ اپنے حلیے اور شکل و صورت سے یقیناً ظاہر ہو جائے گا جیسے یہ قول ہے کہ اس کا چہرہ حسن و جمال بیان کرتا اور اس کی آنکھیں جادو بیان کرتی ہیں ﴿ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ﴾ تا کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھو [اس میں لام تعلیل کا ہے جو غرض کے معنی پر مشتمل نہیں ہے] ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴾ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتے ہیں وہ کبھی نجات نہیں پائیں گے۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١١٧﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١١٨﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٩﴾ ع اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٠﴾

ع ١٥ ٩ ٢١

فائدہ بہت کم ہے' اور ان کے لیے عذاب دردناک ہے O اور ہم نے یہودیوں پر صرف وہ چیزیں حرام کیں جو ہم نے آپ پر پہلے بیان کر دیں' اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے O پھر آپ کا رب ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نادانی سے بُرا عمل کیا' پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کی' تو اس کے بعد آپ کا رب تعالیٰ بہت بخشنے والا' نہایت رحم فرمانے والا ہے O بے شک حضرت ابراہیم اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار باطل سے جدا مُوحِد امام تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے O

١١٧- ﴿ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ اور فائدہ بہت تھوڑا ہے اور ان کے لیے بہت دردناک عذاب ہے۔ [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے] یعنی کفارِ جاہلیت کے جن افعالِ باطلہ پر گامزن ہیں ان کا نفع اور فائدہ بہت کم اور بہت تھوڑا ہے اور عذاب بہت بڑا ہے۔

١١٨- ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ﴾ اور ہم نے یہودیوں پر صرف وہ چیزیں حرام فرمائیں جو ہم نے آپ کو پہلے سورت الانعام میں بیان کر دیں یعنی "وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِىْ ظُفُرٍ" (الانعام: ١٤٦) "اور ہم نے یہودیوں پر ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا"۔ ﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے مذکورہ بالا جانوروں کو ان کے لیے حرام کر کے ان پر ظلم نہیں کیا ﴿وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ لیکن وہ لوگ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے تھے کیونکہ ہم نے ان کے گناہوں پر سزا دینے کے لیے ان پر یہ چیزیں حرام کر دیں۔

١١٩- ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ﴾ پھر بے شک آپ کا پروردگار ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نادانی میں بُرے عمل کر لیے۔ ["بِجَهَالَةٍ" محلاً حال ہے] یعنی انہوں نے نادانی کی حالت میں بُرے کام کیے انجام میں غور وفکر نہیں کیا' شہوت سے مغلوب ہو کر ان کا مقصد خواہشات کی لذت تھی' خدا کی نافرمانی مقصود نہیں تھی ﴿ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا﴾ پھر انہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کی' بے شک آپ کا رب کریم توبہ کے بعد ﴿لَغَفُوْرٌ﴾ ضرور بہت بخشنے والا ہے' وہ ان کی توبہ سے پہلے تمام جرائم کو مٹا دے گا ﴿رَّحِيْمٌ﴾ بے حد مہربان ہے' انہوں نے پختہ ارادوں کے بعد جو توبہ کا عہد و پیمان باندھا ہے اس کو خدائے رحیم استحکام عطا فرمائے گا۔

حضرت ابراہیم کی شان' یہود کا اختلاف اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تلقین

١٢٠- ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً﴾ بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام پیشوا تھے (یعنی) بے شک حضرت ابراہیم امتوں میں سے اکیلے ایک پوری امت تھے کیونکہ آپ تمام صفاتِ خیر میں کامل تھے' جیسے کسی شاعر کا قول ہے:

لَيْسَ عَلَى اللّٰهِ بِمُسْتَنْكَرٍ اَنْ يَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِىْ وَاحِدٍ

"اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں کہ وہ جملہ عالم کی تمام خوبیاں ایک شخص میں جمع فرما دے"۔

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اکیلے مؤمن تھے اور تمام لوگ کافر تھے یا "اُمَّة" کا معنیٰ "مَامُوْم" ہے یعنی ایسا امام اور پیشوا جس کی لوگ اقتدا اور پیروی کریں تا کہ اس سے خیر و بھلائی حاصل کریں ﴿قَانِتًا لِّلّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرماں بردار' یہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو ہمہ اوقات اللہ تعالیٰ کے احکام و اوامر پر قائم و پابند رہے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اِنَّ مَعَاذًا كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ". بے شک حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقت کے امام و پیشوا اور اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار و فرماں بردار تھے' چنانچہ آپ سے کہا گیا کہ وہ تو صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے تو حضرت عبد اللہ نے جواب میں فرمایا کہ "اُمَّة" وہ شخص ہوتا ہے جو خیر و بھلائی اور نیکی کی تعلیم دیتا ہے اور "قانت" وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا اطاعت گزار اور فرماں بردار ہوتا ہے اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی طرح تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر حضرت معاذ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ بناتا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے' آپ فرما رہے تھے: "اَبُوْ عُبَيْدَةَ اَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَمَعَاذٌ اُمَّةٌ لِّلّٰهِ قَانِتٌ لِّلّٰهِ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا الْمُرْسَلُوْنَ" حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امت کے امین (امانت دار) ہیں اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے لیے نیکی کی تعلیم دینے والے اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرماں بردار ہیں' قیامت کے دن ان کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ماسوا رسولوں کے اور کوئی نہیں ہو گا [1] ﴿حَنِيْفًا﴾ تمام باطل ادیان

[1] رواہ البخاری فی کتاب الاحاد باب: ١١' کتاب فضائل الصحابة باب: ٥٣ـ٥٥' الترمذی فی کتاب المناقب باب: ٣٢' ابن ماجہ فی کتاب المقدمة باب: ١١' احمد فی مسندہ ج ١ ص ١٨ـ ج ٣ ص ١٢٥

سے منہ پھیر کر صرف ملتِ اسلام کی طرف راغب و مائل ہونے والے ﴿وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور حضرت ابراہیم مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے شرک کی نفی کر کے قریش کے کفار کو جھوٹا قرار دیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں [اور ''لَمْ يَكُ'' میں نون کو حروف ''لِيْن'' کے ساتھ تشبیہ کے لیے حذف کر دیا گیا ہے]۔

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے' اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا برگزیدہ بنالیا اور انہیں سیدھے راستہ پر چلایا O اور ہم نے انہیں دنیا میں بھلائی عطا فرمائی' اور بے شک وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوں گے O پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ہر باطل سے جدا رہنے والے حضرت ابراہیم کے دین کی پیروی کریں' اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے O بے شک ہفتہ کا دن ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا' اور بے شک آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان اس کے بارے میں فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے O

۱۲۱- ﴿شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ﴾ اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے والے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے' ایک دن کوئی مہمان نہ آیا تو آپ نے کھانا مؤخر کر دیا اور کچھ نہ کھایا' پھر اچانک فرشتوں کا ایک گروہ انسانوں کی شکل و صورت (لباسِ بشری) میں آپ کے پاس حاضر ہوا' چنانچہ آپ نے انہیں کھانے کی دعوت دی لیکن انہوں نے معذرت کی اور بتایا کہ وہ کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہیں (تا کہ آپ ان کے ساتھ کھانا نہ کھائیں)' آپ نے فرمایا کہ اب تو تمہیں کھانا کھلانا لازم ہو گیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے کہ اس نے مجھے صحت و عافیت عطا فرمائی اور تمہیں بیماری کی آزمائش میں مبتلا کر دیا ﴿اِجْتَبٰىهُ﴾ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اپنا برگزیدہ بنالیا اور انہیں نبوت کے لیے منتخب کر لیا ﴿وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور ان کی سیدھی راہ یعنی دینِ اسلام کی طرف راہنمائی فرمائی۔

۱۲۲- ﴿وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ اور ہم نے انہیں دنیا میں خیر و بھلائی عطا فرمائی۔ انہیں نبوت' مال و دولت کی فراوانی اور کثرتِ اولاد عطا فرمائی یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کے ذکرِ جمیل کو بلند کرنا مراد ہے' چنانچہ تمام اہل دین آپ سے محبت و عقیدت رکھتے ہیں یا ہم مسلمانوں میں سے ہر نمازی کا یہ قول مراد ہے: ''كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ''. ﴿وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اور بے شک وہ آخرت میں البتہ نیک لوگوں میں سے ہوں گے (یعنی) آپ جنت والوں میں سے ہوں گے۔

۱۲۳- ﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ پھر ہم نے آپ کی طرف

وحی نازل کی کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کیجئے جو خود تمام باطل دینوں سے منہ پھیر کر دین اسلام پر قائم تھے۔ حرف "ثُمَّ" میں ہمارے نبی کریم ﷺ کی منزلت وشان کی عظمت کا اظہار ہے اور آپ کے مقام ومرتبہ کی بزرگی کا بیان ہے اور اس میں اعلان ہے کہ بے شک حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو سب سے افضل واعلیٰ کرامت وفضیلت عطا کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ ہمارے حضور رسول اکرم نبی معظم ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی (اصولِ دین میں) اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔

١٢٤۔ ﴿اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ بے شک ہفتہ کا دن ان لوگوں پر مقرر کیا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا' یعنی ان لوگوں پر اس دن کی تعظیم وتکریم کرنا اور اس میں شکار نہ کرنا فرض ولازم کر دیا گیا تھا ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ اور بے شک آپ کا رب تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان اس کے متعلق فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ لوگ اختلاف کرتے تھے۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ ہفتہ بھر دنوں میں سے کوئی ایک دن عبادت کے لیے مقرر کر لیں اور یہ کہ وہ جمعۃ المبارک ہونا چاہیے لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم عبادت کے لیے وہ دن مقرر کرنا چاہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے فارغ ہوا تھا اور وہ ہفتہ کا دن ہے مگر ان میں سے بہت کم لوگ تھے جو جمعۃ المبارک کے دن عبادت کرنے کے لیے راضی ہو چکے تھے' سو ہفتہ کے بارے میں ان کا یہی اختلاف تھا کیونکہ ان میں سے بعض نے ہفتہ کا دن مقرر کر لیا اور اسی کو عبادت کے لیے پسند کر لیا اور جب کہ دوسرے بعض حضرات نے جمعۃ المبارک کا دن اختیار کر لیا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہفتہ کے دن کی اجازت دے دی اور ہفتہ کے دن ان پر شکار کرنا حرام قرار دے کر انہیں آزمائش میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اطاعت وفرماں برداری اور اس کی پابندی صرف انہیں لوگوں نے کی جو جمعہ کے دن عبادت کے لیے راضی تھی اور باقی سب لوگ شکار سے صبر نہ کر سکے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے مچھلی کے شکار میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اطاعت گزاروں کو چھوڑ کر تمام نافرمانوں کو بندر بنا دیا اور وہی قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا' چنانچہ دونوں فریقوں میں سے ہر ایک فریق کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر وہی بدلا دے گا جس کا وہ اہل ہو گا۔

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ
أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١٢٥﴾
وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ﴿١٢٦﴾
وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا
يَمْكُرُونَ ﴿١٢٧﴾ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ﴿١٢٨﴾ ع

ع ١٦ ٢٢

آپ اپنے پروردگار کے راستے (دین) کی طرف حکمت ودانائی اور عمدہ وعظ ونصیحت کے ذریعے (لوگوں کو) بلائیے اور ان سے سب سے بہترین انداز کے ساتھ بحث کیجئے' بے شک آپ کا پروردگار اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک چکا ہے اور وہ انہیں بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں○ اور اگر تم سزا دو تو ویسے سزا دو جیسے تمہیں تکلیف پہنچائی گئی

ہے اور اگر تم صبر کرلو تو یہ بات صبر کرنے والوں کے لیے بہت بہتر ہےO اور (اے محبوب!) صبر کیجئے اور آپ کا صبر اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہے اور آپ ان پر غم نہ کیجئے اور آپ ان کی فریب کاریوں کی وجہ سے تنگ دل نہ ہوںO بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو پرہیز گار ہیں اور وہ نیکو کار ہیںO

۱۲۵- ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ﴾ اے محبوب! آپ اپنے پروردگار کی راہ یعنی اسلام کی طرف (لوگوں کو) دعوت دیجئے ﴿بِالْحِكْمَةِ﴾ حکمت و دانائی کے ساتھ اور صحیح مضبوط بات کے ساتھ اور وہ یہ کہ ایسی ٹھوس دلیل کے ساتھ گفتگو ہو جو حق کو واضح کردے اور شک و شبہ کو زائل کردے ﴿وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور اچھی نصیحت یہ ہے کہ لوگوں پر یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ آپ اس کے ذریعے ان کے ساتھ خیر خواہی کرنا چاہتے ہیں اور آپ کا مقصد اس میں ان کو نفع اور فائدہ پہنچانا ہے یا قرآن کے ساتھ نصیحت کیجئے یعنی آپ ان کو اس کتاب (قرآن مجید) کے ذریعے دعوت دیجئے جو بذاتِ خود حکمت اور عمدہ ترین نصیحت ہے یا حکمت سے افعال کے مراتب کی معرفت مراد ہے اور حسین وعظ و نصیحت یہ ہے کہ وہ ترغیب و ترہیب (نیکی کی رغبت دلانے اور بُرائی سے خوف زدہ کرنے والی نصیحت) اور انذار و بشارت (دوزخ سے ڈرانے اور جنت کی خوشخبری دینے والی نصیحت) سے بھر پور گفتگو ہو ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ اور آپ ان سے ایسے طریقے پر بحث کیجئے جو بحث و مباحثہ کے طریقوں میں سے بہترین طریقہ ہے جیسے بغیر سختی کے نہایت شفقت و نرمی اور درگزر و چشم پوشی اور معاف کرنے کے ساتھ یا ایسی مؤثر و مدلّل گفتگو ہو جو دلوں کو بیدار کردے اور نفوس کو متاثر کردے اور عقول کو روشنی اور تازگی بخشے اور یہ ان لوگوں پر رد ہے جو دین میں مناظرہ سے انکار کرتے ہیں ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ﴾ بے شک آپ کا رب تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہی ہدایت یافتوں کو خوب جانتا ہے یعنی وہی سب کو سب سے بہتر جانتا ہے پس جس شخص میں خیر و بھلائی قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اس کو تھوڑا سا وعظ کافی ہو جاتا ہے اور جس میں خیر و بھلائی قبول کرنے کی استعداد نہیں ہوتی اس کے لیے ہزاروں دلائل ناکافی ہوتے ہیں۔

۱۲۶- ﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾ اور اگر تم سزا دو تو اتنی سزا دو جتنی تمہیں سزا دی گئی ہے۔ یہاں پہلے فعل کو سزا کہا گیا ہے حالانکہ سزا تو دوسرا فعل ہے یہ صرف مشابہت کی وجہ سے ہوا ہے جیسے ارشاد ہے: ''وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا''۔ (الشوریٰ:۴۰) ''برائی کی سزا اس کے برابر برائی ہے''۔ سو دوسری سزا تو بُرائی نہیں ہے (بلکہ بدلا ہے) اور معنی یہ ہے کہ اگر تمہارے ساتھ بُرائی کی جائے جیسے قتل و غارت اور قید و بند تو تم بھی اس کا اسی طرح مقابلہ کرو لیکن اس پر زیادتی نہ کرو۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ مشرکینِ مکہ نے غزوۂ احد کے دن مسلمانوں کا مثلہ کیا یعنی ان کی شکلیں بگاڑ دیں چنانچہ انہوں نے بعض کے پیٹ چاک کردیئے اور بعض کے کان ناک کاٹ دیئے اور آنکھیں نکال دیں اور بعض کے آلاتِ تناسل (شرم گاہیں) کاٹ دیئے جب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے کریم و مشفق چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں تیری جگہ ستر کافروں کا مثلہ کروں گا جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو آپ نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا اور اپنے ارادے سے رُک گئے اور مثلہ کی حرمت میں کسی کا اختلاف نہیں کیونکہ اس کے بارے میں نہی (منع) کی احادیث وارد ہو چکی ہیں یہاں تک کہ پاگل کتے کا مثلہ کرنا بھی حرام ہے ﴿وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ﴾ اور اگر تم صبر کرلو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے سب سے بہتر ہے [اور ''لَهُوَ'' کی ضمیر ''صَبَرْتُمْ'' کے مصدر کی

طرف لوٹتی ہے اور ''صَابِرِیْنَ'' سے مخاطبین مراد ہیں یعنی اگر تم صبر کر لو تو البتہ تمہارا صبر کرنا تمہارے لیے سب سے بہتر ہے]
چنانچہ ''صَابِرِیْنَ'' کو ضمیر کی جگہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صابرین کی تعریف و توصیف صراحت کے ساتھ کی جائے کیونکہ انہوں نے سخت ترین شدائد و مشکلات پر صبر کیا' پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ارشاد فرمایا:

۱۲۷- ﴿وَاصْبِرْ﴾ اور (اے محبوب!) آپ صبر کیجئے اور کفار و مشرکین کی اذیتوں' تکلیفوں اور مشقتوں پر پختہ ارادہ کے ساتھ صبر کیجئے ﴿وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ اور آپ کا صبر نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے' یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق دینے اور اس کی طرف سے آپ کو صبر پر ثابت قدم اور قائم رکھنے کی وجہ سے ہے ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ اور آپ ان پر غمگین نہ ہوں (یعنی) اگر کفار ایمان نہیں لائے تو آپ ان پر غمگین نہ ہوں اور کفارِ مکہ نے اہل ایمان کو جو تکلیفیں پہنچائی ہیں ان کی وجہ سے آپ مسلمانوں پر رنجیدہ نہ ہوں کیونکہ یہ اپنے مطلوب تک پہنچ چکے ہیں ﴿وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ﴾ اور کفار مکہ جو سازشیں کرتے رہتے ہیں آپ ان سے تنگ دل نہ ہو جائیں۔ [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''ضِيْقٍ'' (ضاد کے نیچے زیر) ہے اور ''ضَيْقٍ''، ''ضَيِّقٍ'' کا مخفف ہے یعنی مغموم معاملہ اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ دونوں مصدر ہوں جیسے ''قِيْلٌ'' اور ''قَوْلٌ''] اور معنی یہ ہے کہ آپ کا سینۂ اقدس اور آپ کا دل مبارک کفار کی سازشی چالوں سے اور ان کے مکر و فریب سے تنگ نہ ہو کیونکہ وہ آپ کو نہیں مٹا سکتے اور نہ ان کا مکر و فریب آپ پر چل سکتا ہے۔

۱۲۸- ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کے ساتھ ہے جو پرہیز گار ہیں اور وہ نیکیاں کرنے والے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کا دوست و حامی ہے جو برائیوں سے بچتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اطاعت گزاروں اور فرماں برداروں کا ناصر و حامی ہے۔ بعض نے کہا: وہ لوگ مراد ہیں جو اپنے افعال میں تقویٰ اور پرہیز گاری کو اختیار کر لیتے ہیں اور اپنے اعمال میں حسنِ اخلاص اور حسنِ نیت کو اپنا لیتے ہیں تو ایسے لوگوں کے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہونے کا مقصد یہ ہے کہ مامورات کے بجالانے میں وہ اپنے ان بندوں کی مدد کرتا ہے اور ممنوعات و محرمات میں ان کی حفاظت فرماتا ہے۔

آیاتہا ۱۱۱	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	ركوعاتہا ۱۲

المنزل ۴

سورۂ بنی اسرائیل مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی ایک سو گیارہ آیات' بارہ رکوع ہیں

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ① وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ؕ ② ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ③

الجزء ۱۵

وہ ذات ہر عیب سے پاک ہے جس نے اپنے مخصوص بندے کو رات کے قلیل ترین حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ

تک سیر کرائی جس کے اردگرد کو ہم نے برکتوں والا بنایا تاکہ ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں' بے شک وہ سننے والا' دیکھنے والا ہےO اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا کہ تم میرے سوا کسی کو مربی نہ بناؤO اے ان کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا! بے شک وہ بڑا شکر گزار بندہ تھاO

معراج شریف کا ذکر' تورات شریف ملنے کے باوجود بنی اسرائیل کی نافرمانیاں اور قرآن مجید کا مشن

۱۔ ﴿سُبْحٰنَ﴾ ''سبحان'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بُرائی سے بَری اور پاک ہے اور یہ تسبیح کا اسم علم ہے جیسے عثان ایک آدمی کا نام ہوتا ہے [اور یہ مضمر (پوشیدہ) فعل کی وجہ سے منصوب (آخر میں زبر) ہے] جس کی اصل ''اُسَبِّحُ اللّٰهَ سُبْحَانًا'' ہے' میں اللہ تعالیٰ کے لیے خوب سے خوب تر پاکی بیان کرتا ہوں [اس فعل کا اظہار ترک کر دیا گیا ہے (اور صرف ''سُبْحَانَ'' یا ''سُبْحَانَ اللّٰهِ'' استعمال ہوتا ہے) پھر ''سُبْحَانَ'' کو فعل کی جگہ پر اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے] اور اب یہ نہایت پاک اور بے عیب ذات پر دلالت ہے ﴿الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ﴾ جس نے اپنے خاص بندے کو سیر کرائی [''سَرٰی'' اور ''اَسْرٰی'' دونوں لغتیں ہیں] ﴿لَيْلًا﴾ رات کے تھوڑے سے حصے میں [ظرف کی بناء پر منصوب ہے اور ''اِسْرآء'' کا معنی رات کو سیر کرانا ہے تو پھر ''لَيْلًا'' کے ساتھ ''اَسْرٰی'' کو محض تاکید کے لیے مقید کیا گیا ہے یا پھر اس لیے تاکہ یہ لفظِ نکرہ مدتِ سیر کی قلت پر دلالت کرے] اور بے شک مکہ مکرمہ سے ملک شام (یعنی بیت المقدس) تک چالیس راتوں کا سفر صرف ایک رات کے تھوڑے سے حصے میں سیر کی صورت میں طے کرایا گیا ﴿مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ مسجد حرام سے' بعض نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت اُمِ ھانی بنت ابی طالب کے گھر سے معراج و سیر کرائی گئی تھی اور مسجد حرام سے حرم شریف مراد ہے کیونکہ اس نے مسجدِ حرام کا احاطہ کیا ہوا ہے اور اسے ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے (اور حضرت ام ھانی کا مکان بھی اس وقت حرم شریف کے احاطہ میں تھا) اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ پورا حرم شریف مسجد ہے اور بعض نے فرمایا کہ اس سے بعینہٖ مسجد حرام مراد ہے اور آیت مبارکہ سے یہی ظاہر ہوتا ہے' نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں بیت اللہ شریف کے پاس مقامِ حجر میں نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں مسجد حرام میں تھا کہ میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام براق لے کر آ گئے اور مجھے اسی رات آسمان کی طرف اوپر لے گئے اور یہ عروج (اوپر جانا) بیت المقدس سے شروع ہوا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قریشِ مکہ کے سامنے ان کے قافلے کے بارے میں اور ان کے اونٹوں کی تعداد اور ان کے احوال بیان فرمائے' نیز آپ نے آسمانوں میں عجائبات میں سے جو کچھ دیکھا اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات اور بیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ کی طرف تشریف لے جانا اور وہاں کے مشاہدات سب کچھ ان کے سامنے بیان فرمایا اور یہ سفرِ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا تھا اور یہ سفر بیداری کی حالت میں روح و جسم کے ساتھ ہوا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بستر سے جدا نہیں ہوئے تھے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک کو معراج کرائی گئی تھی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور جمہور اہل اسلام پہلے قول پر متفق ہیں کیونکہ خواب دیکھنے والے کے لیے کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ ہی سونے والے کے لیے کوئی فضیلت و بزرگی ہے[1] ﴿اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ مسجد اقصیٰ کی طرف

[1] واضح رہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ کی تصریح کے مطابق اہل اسلام کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ کو حالتِ بیداری میں جسم و روح کے ساتھ معراج کرائی گئی ہے' آپ کا سفر معراج شریف نہ صرف روحانی تھا اور نہ صرف خواب میں ہوا تھا' باقی رہا سوال کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور یہ بیت المقدس ہے کیونکہ اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی مسجد نہیں تھی ﴿الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ﴾ جس کے اردگرد کو ہم نے برکتوں والا بنا دیا۔ اس سے دین و دنیا کی برکتیں مراد ہیں کیونکہ یہ مسجد انبیائے کرام علیہم السلام کی عبادت گاہ رہی اور وحی کے نزول کا مہبط و مرکز رہی اور اس مسجد اقصیٰ کے چاروں اطراف کا علاقہ رواں دواں نہروں اور پھل دار درختوں سے گھرا ہوا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سے روحانی اور منامی معراج کی تائید ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ سفر معراج شریف کے وقت چھوٹی بچی تھیں اور اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں نہیں تھیں تو انہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ حضور اپنے بستر مبارک سے جدا نہیں ہوئے تھے اور گھر میں رہے' صرف روح مبارک سیر کر کے آ گئی؟ اسی طرح حضرت امیر معاویہ اس وقت کافر تھے' بہت بعد میں مسلمان ہوئے' لہٰذا یہ روایات قابل اعتماد نہیں' چنانچہ علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی نے "روح المعانی" میں فرمایا کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے' اسی طرح عارف باللہ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی نے فرمایا کہ یہ روایت مردود ہے کیونکہ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ چھوٹی بچی تھیں اور حضور کی عصمت میں نہیں آئی تھیں۔ (تفسیر صاوی جزء ۲ ص ۳۱۶' مطبوعہ مصطفےٰ البابی الحلبی' مصر ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء) نیز علامہ آلوسی نے لکھا کہ "وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ" اور ہم نے جو مشاہدہ آپ کو دکھایا ہے اسے ہم نے لوگوں کے لیے صرف آزمائش بنا دیا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۶۰) سے استدلال درست نہیں کیونکہ لغت کے اعتبار سے اگرچہ خواب میں دیکھنے کو "رُؤْیَا" کہا جاتا ہے' لیکن جمہور علماء نے کہا کہ یہاں اس کا معنی حالتِ بیداری میں روح مع جسم مبارک سر کی آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے' علامہ قاضی ابوبکر اور علامہ بغوی نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اعلانِ نبوت سے پہلے ایک معراج خواب کی حالت میں روحانی کرایا گیا تھا' مذکورہ بالا روایات اور آیت مبارکہ کا اشارہ اسی روحانی معراج کی طرف ہے اور ایک معراج اعلانِ نبوت کے بعد کرایا گیا تھا جو حالتِ بیداری میں جسمانی معراج تھا اور انہوں نے کہا: یہی حق اور صحیح ہے کہ اس طرح تمام روایات ایک دوسرے کے موافق ہو جاتی ہیں۔ (تفسیر روح المعانی جزء ۱۵ ص ۷' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور) علاوہ ازیں علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی نے "مدارج النبوت" جلد اوّل واقعہ معراج میں' علامہ شیخ اسماعیل حقی نے "تفسیر روح البیان" میں آیت اسراء کی تفسیر میں لکھا ہے کہ "قَالَ الشَّیْخُ الْاَکْبَرُ قُدِّسَ سِرُّهٗ اِنَّ مِعْرَاجَهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَرْبَعٌ وَّثَلَاثُوْنَ مَرَّةً وَاحِدَةٌ بِجَسَدِهٖ وَالْبَاقِیْ بِرُوْحِهٖ" شیخ اکبر (محی الدین ابن العربی) قدس سرہ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چونتیس مرتبہ معراج ہوئی تھی' ایک مرتبہ جسمانی اور باقی روحانی۔ (حاشیہ جلالین کلاں' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی)

(۱) اگر یہ معراج شریف صرف خواب میں روحانی ہوتا تو "بِرُوْحِ عَبْدِهٖ" فرمایا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے "بِعَبْدِهٖ" فرما کر واضح کر دیا کہ یہ معراج جسمانی حالتِ بیداری میں ہوا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہر جگہ "عبد" جسم و روح دونوں پر بولا گیا ہے۔ (۲) ارشاد ہے: "مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی" (النجم: ۱۷) "نہ آنکھ کسی طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی"۔ اس آیت مبارکہ میں "بصر" کا لفظ بولا گیا ہے جو جسمانی آنکھ کے لیے آتا ہے جب کہ خواب کے لیے عموماً "رؤیا" آتا ہے جس سے واضح ہو گیا کہ یہ معراج جسمانی تھی۔ (۳) آپ کو سوار کرنے کے لیے براق پیش کیا گیا اور سواری جسم کے لیے ہوتی ہے روح کے لیے نہیں ہوتی تو ماننا پڑے گا کہ جسمانی معراج تھی۔ (۴) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت المقدس میں تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی جو قیام' قراءت' رکوع' سجود' تشہد' قومہ' جلسہ اور تسبیحات وغیرہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جسم اور روح کے مجموعے کے بغیر ادا نہیں ہو سکتی' جس سے ثابت ہوا کہ صرف حضور ہی نہیں تمام انبیائے کرام نے بذاتِ خود اجسامِ مبارکہ کے ساتھ حالتِ حیات میں نماز پڑھی تھی۔ (۵) معراج شریف عظیم الشان اہم ترین معجزہ ہے' اگر خواب میں مان لیا جائے تو معجزہ نہیں رہے گا کہ اس میں کوئی بڑی فضیلت نہیں (۶) اگر یہ خواب میں روحانی معراج ہوتا تو کفارِ مکہ اس کا انکار نہ کرتے۔ غوثوی مہاروی

تھا ﴿ لِنُرِيَهٗ ﴾ تا کہ ہم انہیں دکھا دیں، یعنی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ حبیب کبریاء ﷺ کو دکھائیں ﴿ مِنْ اٰيٰتِنَا ﴾ اپنی (قدرت کی) نشانیاں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت پر دلالت کرتی ہیں، تمام آسمانوں اور ان میں موجود تمام نشانیوں کے دیکھنے کے سبب ﴿ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ ﴾ بے شک وہ تمام باتوں کو خوب سننے والا ہے ﴿ الْبَصِيْرُ ﴾ تمام افعال و اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے [اور اس آیت مبارکہ میں بلاشبہ کلام کو غائب کے لفظ سے متکلم کی طرف اور پھر متکلم سے غائب کی طرف بدل بدل کر بیان کیا گیا ہے، چنانچہ پہلے لفظ غائب ''اَسْــرٰی'' فرمایا گیا، پھر متکلم کے ساتھ ''بٰـرَكْنَا'' فرمایا گیا، پھر غائب کے ساتھ ''اِنَّهٗ هُوَ'' فرمایا گیا ہے اور یہ التفات کا طریقہ بلاغت کے طریقوں میں سے ہے]۔

۲۔ ﴿ وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ ﴾ اور ہم نے (حضرت) موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی اور ہم نے اس کو یعنی اس کتاب کو (ہدایت) بنا دیا۔ اس کتاب سے تورات شریف مراد ہے ﴿ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا ﴾ بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کہ نہ بناؤ، یعنی نہ اپناؤ [قاری ابوعمرو کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ہے ''اَیْ لِـئَلَّا یَتَّخِذُوْا'' یعنی تا کہ وہ نہ بنائیں] ﴿ مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ﴾ میرے سوا کسی کو کارساز، یعنی میرے علاوہ تم کسی اور کو رب نہ بناؤ کہ تم اپنے تمام معاملات اس کے سپرد کر دو۔

۳۔ ﴿ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ﴾ اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے (حضرت) نوح علیہ السلام کے ساتھ سوار کیا تھا! [''ذُرِّيَّةَ'' اختصاص کی بناء پر منصوب ہے یا پھر نداء کی بناء پر منصوب ہے، اس قراءت کے مطابق جس میں ''تـا'' کے ساتھ نہی پر محمول کر کے پڑھا گیا ہے] یعنی ہم نے انہیں کہا کہ تم میرے علاوہ کسی کو کارساز و رب نہ بنانا، اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ سوار کرایا تھا! ﴿ اِنَّهٗ ﴾ بے شک وہ (یعنی) حضرت نوح علیہ السلام ﴿ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴾ وہ تنگ دستی اور خوشحالی میں اور دکھ اور سکھ میں ہر حال میں بہت بڑے شکر گزار بندے تھے اور شکر کا معنی ہے کہ منعم (انعام دینے والا) کی نعمت کے عوض اس کی حمد و ثناء اور تعریف کرنا۔ روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ جب بھی کھانا کھاتے اور جب بھی پانی پیتے اور جب بھی لباس پہنتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اس کی تعریف میں کہتے: ''اَلْـحَـمْـدُ لِلّٰهِ'' سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، اور تم (اے بنی اسرائیل!) انہیں لوگوں کی اولاد ہو جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے، پس تم ان کی سیرت کو اپنے لیے مشعلِ راہ اور نمونہ بنا لو جیسا کہ تمہارے باپ دادا نے ان کی سیرت کو اپنے لیے نمونہ اور مثال بنا لیا تھا اور سعادت مند اولاد کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے نیک آباء و اجداد کی سیرت و سنت کی صحیح اقتداء اور پیروی کر لے اور تم نے یہاں اپنے آباء و اجداد کے حالات و کردار کو پہچان لیا ہے، لہٰذا اے اولاد! تم اپنے باپ دادا کی طرح (نیک سیرت) بن جاؤ۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝۴ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝۵ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَ

جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِیْرًا ۝

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں طے شدہ فیصلہ سنا دیا کہ تم زمین میں دو مرتبہ ضرور فساد پھیلاؤ گے اور تم ضرور بڑی سرکشی کرو گے O پھر جب ان دو میں سے پہلا وعدہ آ گیا تو ہم نے تم پر اپنے سخت جنگجو بندوں کو مسلط کر دیا اور وہ شہروں کے اندر گھس گئے' اور وہ وعدہ پورا ہو کر رہا O پھر ہم نے تمہیں ان پر دوبارہ غلبہ دیا اور ہم نے اموال اور اولاد کے ذریعے تمہاری مدد کی اور ہم نے تمہاری جماعت کو بڑھا دیا O

۴۔ ﴿وَقَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ﴾ اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کے لیے فیصلہ کر دیا کہ تم زمین میں دو مرتبہ ضرور فساد برپا کرو گے' اور ہم نے فیصلہ کر کے ان کی طرف حضرت موسیٰ کی وساطت سے وحی بھیجی یعنی قطعی اور یقینی فیصلہ کر کے کہ یہ لوگ زمین میں ضرور ہر حال میں فساد پھیلائیں گے اور کتاب سے تورات مراد ہے [اور ''لَتُفْسِدُنَّ'' محذوف قسم کا جواب ہے یا پھر یقینی فیصلہ کو قسم کا قائم مقام کر دیا گیا ہے اور ''لَتُفْسِدُنَّ'' اس کا جواب ہے] گویا فرمایا کہ اور ہم قسم اٹھاتے ہیں کہ تم زمین میں دو مرتبہ ضرور فساد پھیلاؤ گے' ان میں سے پہلا فساد یہ تھا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو قتل کر کے شہید کر دیا اور حضرت ارمیاء علیہ السلام کو قید خانہ میں بند کر دیا' جب انہوں نے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کے غضب سے ڈرایا اور بنی اسرائیل کا دوسرا فساد یہ تھا کہ انہوں نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو قتل کر کے شہید کر دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور منصوبہ تیار کیا (لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانوں کی طرف اٹھا کر ان کو ناکام کر دیا) ﴿وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِیْرًا﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے بہت بڑی سرکشی کرو گے اور بڑا غرور و تکبر کرو گے' جیسا کہ ارشاد ہے: ''اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ'' (القصص: ۴) ''بے شک فرعون نے زمین پر تکبر کیا اور بڑا بن بیٹھا''۔ اور اس سے زمین میں بغاوت و سرکشی کرنا اور ظلم و ستم کا بازار گرم کرنا اور نیکوں پر فسادیوں کا غلبہ پانا مراد ہے۔

۵۔ ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا﴾ پھر جب ان میں سے پہلا وعدہ آ گیا' یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ آ گیا اور وہ یہ کہ ان پر ان کے پہلے فساد پر عذاب کا وعدۂ خداوندی کا وقت آ گیا ﴿بَعَثْنَا عَلَیْكُمْ﴾ تو ہم نے تم پر بھیج دیئے (یعنی) ہم نے تم پر مسلط کر دیئے ﴿عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ﴾ اپنے سخت جنگجو بندے' جو قتل و غارت کرنے میں سخت گیر تھے یعنی سنجاریب نامی بادشاہ اور اس کا لشکر یا بخت نصر یا جالوت جنہوں نے بنی اسرائیل کے علماء یعنی ان کے پوپ پادریوں کو قتل کر دیا اور انہوں نے تورات شریف کو جلا ڈالا اور مسجد اقصیٰ کو برباد اور ویران کر دیا اور ان میں سے ستر ہزار افراد کو قیدی بنا لیا تھا ﴿فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ﴾ سو وہ لوگ شہروں اور گھروں میں ان کی تلاش میں گھس گئے اور ان میں قتل و غارت اور لوٹ مار کرنے کے لیے دندنانے لگے۔ علامہ زجاج نے کہا کہ ''جوس'' کا معنی ہے کہ کسی چیز کی تلاش میں اور لوٹ مار کرنے کے لیے گھر میں گھس جانا ﴿وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہا اور وہ عذاب کا وعدہ تھا جو لازمی طور پر پورا کیا جانا تھا۔

۶۔ ﴿ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ﴾ پھر ہم نے دوبارہ تمہیں ان پر حملہ آور بنا دیا' یعنی سلطنت و غلبہ عطا کر دیا ﴿عَلَیْهِمْ﴾ ان لوگوں پر جو پہلے تم پر مسلط کیے گئے تھے جب تم نے توبہ کر لی اور تم نے غرور و سرکشی اور فتنہ و فساد پھیلانے سے رجوع کر لیا بعض نے کہا کہ بخت نصر کا قتل ہو جانا اور بنی اسرائیل کا اپنے قیدیوں اور اپنے مالوں کو چھڑانا اور بادشاہت کا ان کی طرف

لوٹ آنا مراد ہے اور بعض نے کہا کہ معنی یہ ہے کہ ہم نے طالوت کو بادشاہ بنا کر تمہیں حکومت و سلطنت لوٹا دی اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا ﴿ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِیْرًا ﴾ اور ہم نے مالوں اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد کی کہ مال بھی بہت دیا اور اولاد بھی بڑھا دی اور ہم نے تمہاری تعداد کو بڑھا دیا کہ تمہارا لشکر زیادہ کر دیا [''نَفِیْرًا'' تمیز ہے اور ''نفر'' کی جمع ہے اور یہ ''یَنْفِرُ الرَّجُلُ مَعَ قَوْمِهٖ'' سے ماخوذ ہے کہ فلاں آدمی اپنی قوم کے ساتھ جاتا ہے]۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۟ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِیَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِیَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِیُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِیْرًا ۝۷ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا ۝۸ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا ۝۹

اگر تم نیکی کرو گے تو اپنے آپ کے لیے نیکی کرو گے' اور اگر تم بُرائی کرو گے تو اپنے لیے ہی کرو گے' پھر جب دوسرا وعدہ آئے گا تا کہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور تا کہ وہ مسجد میں داخل ہو جائیں جس طرح وہ پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے اور تا کہ وہ جس پر غالب آ جائیں اسے وہ تباہ و برباد کر دیں○ عنقریب تمہارا پروردگار تم پر رحم فرمائے گا' اور اگر تم شرارت کی طرف رجوع کرو گے تو ہم تمہیں سزا دینے کے لیے رجوع کریں گے' اور ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا دیا ہے○ بے شک یہ قرآن سب سے سیدھا اور مضبوط راستہ دکھاتا ہے اور ایمان والوں کو خوشخبری دیتا ہے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ بلاشبہ ان کے لیے بہت بڑا اجر و ثواب ہے○

۷- ﴿ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۟ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ﴾ اگر تم نیکی کرو گے تو تم اپنے آپ کے لیے نیکی کرو گے اور اگر بُرائی کرو گے تو اپنے نقصان کے لیے کرو گے [بعض نے کہا کہ لام بہ معنی ''عَلٰی'' ہے جیسے ارشاد ہے: ''وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ'' (البقرہ:۲۸۶) ''اور جو کچھ کسی جان نے کمایا اس کا وبال اسی جان پر ہو گا''۔ اور صحیح یہ ہے کہ لام اپنے اصل پر ہے کیونکہ یہ لام اختصاص کے لیے ہے] اور عمل کرنے والا اپنے عمل کی جزاء کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے وہ نیک ہو خواہ بد ہو' یعنی نیکی اور بدی دونوں تمہاری اپنی ذوات کے ساتھ مخصوص ہیں اور نیکی کا نفع اور بدی کا نقصان تمہارے غیر کو نہیں پہنچے گا اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ تم نے کسی کے ساتھ کوئی نیکی نہیں کی (کیونکہ جب تم کسی کے ساتھ نیکی کرتے ہو تو اس کا فائدہ تمہیں ہوتا ہے تو گویا تم نے کسی کے ساتھ نیکی نہیں کی بلکہ اپنے ساتھ کی ہے) اور نہ تم نے کسی کے ساتھ کوئی بُرائی کی (کیونکہ اس کا نقصان تمہیں کو ہوتا ہے تو گویا تم نے جو کسی کے ساتھ بُرائی کی وہ اس کے ساتھ نہیں کی بلکہ تم نے اپنے ساتھ بُرائی کی) پھر حضرت علی نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی ﴿ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ ﴾ پھر جب دوسری مرتبہ کا وعدہ آن پہنچا تو ہم نے ان پر مخالفین کو مسلط کر دیا ﴿ لِیَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ ﴾ تا کہ وہ لوگ تمہارے چہرے بگاڑ دیں۔ بنی اسرائیل پر مسلط کیے گئے مخالفین کا ذکر حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ ان کا پہلا ذکر اس پر دلالت کر رہا ہے یعنی تا کہ وہ لوگ تمہارے چہروں پر حزن و ملال اور غم و رنج اور پریشانی کے آثار ظاہر کر دیں' جیسا کہ ارشاد ہے: ''سِیْٓـئَتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ

کَفَرُوْا ‘‘(الملک:۲۷) ’’کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے‘‘۔[ابن عامر شامی‘ حمزہ اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں ’’لِیَسُوْءَ‘‘ (واحد مذکر غائب) ہے اور اس میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے یا وعدہ کی طرف یا دشمن مسلط کرنے کی طرف لوٹتی ہے معنی یہ ہوگا: تاکہ اللہ تعالیٰ یا عذاب کا وعدہ یا دشمن کا تسلط تمہارے چہروں کو بگاڑ دے‘ اور علی کسائی کی قراءت میں ’’لِنَسُوْءَ‘‘ ہے (جمع متکلم‘ تاکہ ہم بگاڑ دیں)] ﴿وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ اور تاکہ وہ لوگ مسجد میں یعنی بیت المقدس میں داخل ہو جائیں جیسا کہ وہ پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے ﴿وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا﴾ اور تاکہ وہ جس چیز پر غلبہ پائیں اسے تباہ و برباد اور ویران کر دیں۔[’’مَا عَلَوْا‘‘ ’’لِیُتَبِّرُوْا‘‘ کا مفعول بہ ہے] یعنی تاکہ مخالفین ہر اس چیز کو تباہ و برباد اور ہلاک کر دیں جس پر وہ غلبہ پالیں اور جس پر وہ قابض ہو جائیں یا بہ معنیٰ ’’مُدَّۃَ عُلُوِّھِمْ‘‘ ہے یعنی ان کے غلبہ پانے کے وقت۔

۸۔﴿عَسٰى رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ﴾ عنقریب تمہارا پروردگار دوسری مرتبہ کے بعد بھی تم پر رحم فرمائے گا اگر تم نے دوسری مرتبہ توبہ کر لی اور گناہوں سے باز آ گئے ﴿وَإِنْ عُدْتُمْ﴾ اور اگر تم نے تیسری مرتبہ پھر دوبارہ شرارت کی ﴿عُدْنَا﴾ تو ہم تمہیں دوبارہ تیسری مرتبہ بھی سزا دیں گے‘ چنانچہ پھر تیسری مرتبہ انہوں نے شرارت کی طرف رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے پھر ان پر اپنا غضب لوٹاتے ہوئے فارس (ایران) کے ظالم بادشاہوں اور لوٹ مار کرنے والے فوجیوں کو مسلط کر دیا اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ان پر قیامت تک مسلمانوں کو مسلط کر دیا گیا ہے (جو انہیں چین سے حکومت نہیں کرنے دیں گے) ﴿وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا﴾ اور ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا دیا ہے۔قید خانہ کو ’’محصر‘‘ اور ’’حصیر‘‘ کہا جاتا ہے۔

۹۔﴿إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾ بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے یعنی ایسی حالت کی راہ دکھاتا ہے جو تمام حالات سے زیادہ مضبوط اور سب سے زیادہ سیدھی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا اور اس کی اطاعت پر عمل کرنا ہے یا یہ کہ قرآن مجید ایسی ملت کی رہنمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھی ہے یا وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی اور مضبوط ہے ﴿وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ﴾ اور مسلمانوں کو خوشخبری سناتا ہے جو نیک اعمال کرتے رہتے ہیں ﴿أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا﴾ بے شک ان کے لیے بہت بڑا اجر و ثواب ہے یعنی ان کے لیے جنت ہے[’’اَنَّ‘‘ اصل میں ’’بِاَنَّ‘‘ ہے۔قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ’’یَبْشُرُ‘‘ (تخفیف کے ساتھ باب افعال سے) ہے]۔

وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٠﴾ وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ ۖ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ﴿١٢﴾ وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا ﴿١٣﴾

اور یہ کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے○ اور انسان برائی کے

لیے بھی ویسے دعا مانگتا ہے جیسے وہ بھلائی کے لیے دعا مانگتا ہے اور انسان بہت بڑا جلد باز ہےO اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنا دیا ہے' پس ہم نے رات کی نشانی کو تاریک بنا دیا اور ہم نے دن کی نشانی کو روشن بنا دیا تا کہ تم اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو' اور ہم نے ہر چیز کو خوب وضاحت سے بیان کر دیا ہےO اور ہم نے ہر انسان کے عمل کو اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے' اور ہم قیامت کے دن ایک کتاب (نامۂ اعمال) نکال کر اس کے سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گاO

۱۰- ﴿ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ ﴾ اور بے شک جو لوگ [یہ بھی ''بِاَنَّ الَّذِيْنَ'' ہے] ﴿ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾ آخرت پر ایمان نہیں لاتے' ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے' یعنی دوزخ کا عذاب [''اَعْتَدْنَا'' اصل میں ''اَعْدَدْنَا'' تھا' پھر دال کو ''تا'' سے بدل دیا گیا ہے] اور یہ آیت مبارکہ جنت اور جہنم کے درمیان منزل کی تردید کرتی ہے کیونکہ پہلے نیک پارسا مسلمانوں کا ذکر کر کے ان کے اجر و ثواب کا ذکر کیا گیا ہے' پھر کافروں کا ذکر کر کے ان کی سزا اور عذاب کا ذکر کیا گیا لیکن فاسقوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔

انسان اپنے آئینہ میں

۱۱- ﴿ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ﴾ اور انسان بُرائی کی دعا اس طرح مانگتا ہے جس طرح وہ بھلائی کی دعا مانگتا ہے' یعنی انسان غصہ کے وقت اپنے اور اپنی بیوی اور اپنے مال اور اپنی اولاد کے لیے ایسی بددعا کرتا ہے جیسے وہ خوشی کے وقت ان کے لیے دعائے خیر کرتا ہے یا انسان دنیا کی طلب میں جلدی کرتا ہے اور جلد از جلد ملنے والے نفع کا طلب گار رہتا ہے' اگر چہ وہ قلیل و حقیر ہو اور آخرت کے نقصان کو برداشت کر لیتا اور دنیا کے فائدے کی خاطر آخرت کے نقصان کا طلب گار بن جاتا ہے' اگر چہ وہ نقصان بہت بڑا ہو ﴿ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴾ اور انسان بہت بڑا جلد باز ہے اور وہ ہر اس چیز کی طلب میں جلدی کرتا ہے جو اس کے دل میں آ جائے اور جو چیز اس کے دل میں کھٹک جائے اور وہ اس میں تاخیر نہیں کرتا جیسا کہ ایک مفکر دانش ور مبصر آدمی فیصلہ کرنے سے پہلے سوچ و بچار کرنے کے لیے کچھ تاخیر کرتا ہے یا یہاں ''انسان'' سے مراد صرف کافر ہے کیونکہ وہ دل لگی کرنے اور اسلام کا مذاق اڑانے کے لیے اپنے عذاب کی دعا مانگتا ہے اور اس میں جلدی کرتا ہے جس طرح وہ دعائے خیر میں جلدی کرتا ہے جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے اور یہ انسان بہت جلد باز ہے یعنی عذاب تو اسے یقیناً ملنا ہی ملنا ہے' پھر اس میں جلد بازی کیسی؟ اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس ''انسان'' سے نضر بن حارث مراد ہے جس نے اپنے خلاف خود بددعا کرتے ہوئے کہا تھا: ''اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ'' (الانفال:۳۲) ''اے میرے اللہ! اگر یہ (نبی' قرآن' اسلام) تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے یا ہمیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دے' سو اس آیت مبارکہ میں اسی انسان کو جواب دیا گیا ہے' چنانچہ اس کے بدلے میں اس شخص کی گردن اڑا دی گئی تھی [اور ''يَدْعُ'' کے آخر سے حرفِ واؤ کو خط عثمانی میں صرف لفظ کی موافقت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے]۔

۱۲- ﴿ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً ﴾ اور ہم نے رات کو اور دن کو دو نشانیاں بنایا' پھر ہم نے رات کی نشانی کو تاریک (مدھم) بنایا اور ہم نے دن کی نشانی کو روشن (دکھانے والا) بنایا' یعنی رات اور دن بذاتِ خود قدرتِ الٰہی کی دو نشانیاں ہیں [لہٰذا ''اٰيَةَ الَّيْلِ'' اور ''اٰيَةَ النَّهَارِ'' میں اضافت بیانیہ ہے جیسے عدد کی اضافت معدود کی طرف ہوتی ہے] یعنی سو ہم نے اس نشانی کو تاریک بنایا جو وہی رات ہے اور ہم نے اس نشانی کو جو دن ہے

روشن بنایا یا یہ معنی ہے کہ اور ہم نے رات اور دن کو روشن کرنے والے دونوں ستاروں کو نشانیاں بنایا اور اس سے چاند اور سورج مراد ہیں' پھر ہم نے رات کی نشانی کو مدھم بنایا' یہ وہی چاند ہے کیونکہ اس کی شعاؤں کو ایسا تیز روشنی دینے والا پیدا نہیں کیا گیا جیسا کہ سورج کی شعاؤں کو تیز ترین روشنی دینے والا بنایا گیا ہے' چنانچہ تم بہت سی چیزوں کو دن کی روشنی میں واضح طور پر دیکھ لیتے ہو اور ہم نے سورج کو تیز شعاؤں والا بنایا کہ اس کی روشنی میں ہر چیز دیکھی جاتی ہے ﴿لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ اور تا کہ تم اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو' اور تا کہ تم دن کے اجالے میں روزگار کے حصول میں تصرف کر سکو ﴿وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ﴾ اور تا کہ تم رات اور دن کے مختلف ہونے کے سبب برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو' یعنی زمانے اور اوقات کے حساب اور اعمال کے موسم معلوم کر سکو اور اگر رات دن ایک جیسے ہوتے تو رات کی دن سے اور دن کی رات سے پہچان نہ ہو سکتی اور تجارت کرنے والے تاجر اور دوسرے کام کرنے والے کاروباری حریص لوگ آرام نہ کرتے ﴿وَكُلَّ شَیْءٍ﴾ اور ہر وہ چیز جس کی تمہیں اپنے دین یا دنیا میں احتیاج ہوتی ہے ﴿فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا﴾ اس کو ہم نے تفصیل کے ساتھ وضاحت سے بیان کر دیا ہے' جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہی' پس ہم نے تمہارے تمام اعتراضات دور کر دیئے ہیں اور ہم نے تمہارے لیے اپنے خلاف کوئی حجت نہیں چھوڑی۔

۱۳- ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ﴾ اور ہم نے ہر انسان کا عمل اس کی گردن میں لٹکا دیا ہے ["طَـآئِرَهٗ" بہ معنی "عَـمَلَهٗ" ہے یعنی اس کا عمل] یعنی بے شک اس کا عمل اس کے لیے اس طرح لازم اور ضروری ہے جس طرح گلے کا ہار گردن کے لیے لازمی ہوتا ہے یا جیسے گردن کا طوق جو اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا ﴿وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا﴾ اور ہم قیامت کے دن اس کے لیے ایک کتاب (نامۂ اعمال) نکال کر اس کے سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا یعنی لپٹا ہوا نہیں ہوگا تا کہ اس کو آسانی سے پڑھا جا سکے ["کتاب"، "یَـلْقَاهُ" کی صفت ہے اور "مَنْشُوْرًا" "یَـلْقَاهُ" سے حال واقع ہو رہا ہے یا پھر یہ دونوں "کتاب" کی صفتیں ہیں] اور ہم اس سے کہیں گے کہ

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ﴿۱۴﴾ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ وَاِذَاۤ اَرَدْنَاۤ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا فَفَسَقُوْا فِیْهَا فَحَقَّ عَلَیْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِیْرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا ﴿۱۷﴾

(اسے کہا جائے گا:) تو اپنی کتاب خود پڑھ' آج تو خود ہی اپنے حساب کے لیے کافی ہے ○ جو ہدایت حاصل کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدے کے لیے ہدایت حاصل کرتا ہے' اور جو گمراہ ہو جاتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال بھی اسی پر ہوتا ہے' اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی' اور جب تک ہم (پہلے) رسول نہیں بھیجتے اس وقت تک ہم کسی کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتے ○ اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے مال دار لوگوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں تو اس پر ہماری حجت قائم ہو جاتی ہے' پھر ہم اسے تباہ کر دیتے ہیں ○ اور ہم نے نوح کے بعد

بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا' اور آپ کا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے والا' دیکھنے والا کافی ہے O

۱۴- ﴿ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ﴾ تو اپنی کتاب پڑھ' یعنی تو اپنے اعمال کی کتاب پڑھ اور (قیامت کے دن) ہر شخص کو پڑھا ہوا اٹھایا جائے گا۔﴿ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ ﴾ آج تو خود ہی اپنے (حساب کے لیے) کافی ہے[''با'' زائدہ ہے]''اَیْ کَفٰی نَفْسُكَ ''یعنی تیری اپنی ذات کافی ہے ﴿ حَسِيْبًا ﴾ حساب کرنے کے لیے'[اور یہ بہ معنیٰ ''حَاسِب'' ہے' ''حَسِيْبًا'' ''نفس'' کی تمیز ہے اور ''عَلٰی'' اس کے متعلق' جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''حَسِبَ عَلَیْهِ کَذَا'' یا بہ معنیٰ کافی ہے اور ''شَهِیْد'' کے قائم مقام ہے اس لیے ''عَلٰی'' کے ساتھ متعدی ہے کیونکہ ''شَاهِد'' (یعنی گواہ) مدعی کے مقصد میں اس کی کفایت کرتا ہے اور ''حَسِیْبًا'' کو مذکر اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ ''شَهِیْد'' اور قاضی اور امیر کے قائم مقام ہے کیونکہ اکثر ان اُمور کے منتظم مرد حضرات ہوا کرتے ہیں تو گویا فرمایا: ''کَفٰی نَفْسُكَ رَجُلًا حَسِیْبًا'' آج تیرا اپنا نفس حساب کرنے والے مرد کے طور پر کافی ہے یا پھر نفس سے بطور تاویل شخص مراد لیا گیا ہے]۔

۱۵- ﴿ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ﴾ جو شخص ہدایت حاصل کرتا ہے تو وہ اپنی ذات کے لیے ہدایت حاصل کرتا ہے اور جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر پڑے گا' یعنی ہدایت حاصل کرنے کا اجر و ثواب اسی کی ذات کو ملے گا (کسی اور کو نہیں) اور گمراہی اختیار کرنے کا وبال اور عذاب اسی کی ذات پر پڑے گا ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ اور کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والی جان (نفس) صرف اپنا بوجھ اٹھائے گی کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴾ اور ہم کسی کو عذاب نہیں دیں گے جب تک ہم رسول نہیں بھیجیں گے[1] اور ہماری طرف سے یہ صحیح اور جائز نہیں کہ ہم دنیا میں مکمل ہلاک کرنے والا عذاب کسی قوم پر بھیج کر اسے تباہ و برباد کر دیں مگر ان کی طرف رسول بھیجنے کے بعد جو

---

[1] یاد رہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کسی قوم میں اپنے پیغمبر نہیں بھیجے گا اس کو عذاب نہیں دے گا تا کہ وہ قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکے کہ جب ہمارے پاس دینِ حق کی تعلیم دینے والا کوئی نبی نہیں آیا تو عذاب کیوں؟ اس لیے مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ نیز دیگر کئی آیاتِ مبارکہ میں یہی ضابطہ بیان کیا گیا ہے' چنانچہ ارشاد ہے: ''وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى'' (طٰہٰ: ۱۳۴) ''اور اگر ہم رسول کے بھیجنے سے پہلے ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی اتباع کرتے' ذلیل و خوار ہونے سے پہلے'' ''وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ'' (القصص: ۵۹) ''اور آپ کا پروردگار بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کی مرکزی بستی میں اپنے رسول نہ بھیج دے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اس وقت جب وہ ظالم بن جاتے ہیں'' ''ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ O'' (الانعام: ۱۳۱) ''یہ اس لیے کہ آپ کا رب تعالیٰ بستیوں کو ظلم سے ہلاک نہیں کرتا جب کہ اس میں رہنے والے بے خبر لوگ ہوں'' ''رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ'' (النساء: ۱۶۵) ''ہم نے خوشخبری دینے والے اور عذاب کا ڈر سنانے والے رسولوں کو اس لیے بھیجا تا کہ رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے لوگوں کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے''۔ واضح ہو کہ یہ چند آیات بطورِ نمونہ پیش کی گئی ہیں' جن سے روزِ روشن کی طرح یہ مسئلہ معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کو ہرگز عذاب نہیں دیا جائے گا' جن کے پاس کوئی نبی اور رسول نہیں پہنچا بشرطیکہ یقینی دلائل کے ساتھ ان سے شرک ثابت نہ ہو' چنانچہ زمانہ فترت (جس زمانہ میں کوئی رسول و نبی نہ آیا ہوا سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دلائلِ حق کے ذریعے ان پر حجت لازم کر دیں گے (پھر بھی وہ لوگ کفر اختیار کریں گے تو ان پر عذاب آئے گا ورنہ نہیں)۔

۱۶-﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً﴾ اور جب ہم کسی بستی کو یعنی بستی میں رہنے والوں کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ﴿اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا﴾ ہم اس کے خوشحال دولت مند لوگوں اور وہاں کے سرکش سرداروں کو (نبی کے ذریعے) اطاعت و فرماں برداری اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں' ابوعمرو اور زجاج سے یہی منقول ہے ﴿فَفَسَقُوْا فِيْهَا﴾ پھر وہ لوگ اس میں اطاعت و فرماں برداری اختیار کرنے کی بجائے فسق و فجور پھیلانا شروع کر دیتے ہیں' سرکشی و نافرمانی کرنا شروع کر دیتے ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نکل جاتے ہیں [جیسے تمہارا یہ کہنا: ''اَمَرْتُهٗ فَعَصٰی'' میں نے اسے حکم دیا تو اس نے نافرمانی کی یا پھر ''اَمَرْنَا'' بہ معنی ''كَثَّرْنَا'' ہے یعنی ہم مال و دولت کے ساتھ ان کی نسل میں اضافہ کر دیتے ہیں' اس کی دلیل قاری یعقوب کی قراءت ''آمَرْنَا'' ہے اور اسی سے یہ حدیث شریف ہے: بہترین مال خالص دینار ہیں یا زیادہ بچے جننے والی عورت کا حق مہر ہے۔ یہاں ''مَـاْمُوْرَةٌ'' بہ معنی کثیر النسل ہے] ﴿فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ﴾ تو ان پر عذاب واجب اور لازم ہو گیا ﴿فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴾ سو ہم نے اس بستی کے باشندوں کو تباہ کر دیا اور ہم نے انہیں بالکل ہلاک کر دیا۔

۱۷-﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ﴾ اور ہم نے بہت سی امتوں اور قوموں کو ہلاک کر دیا [''كَمْ'' مفعول ہے اور ''مِنَ الْقُرُوْنِ'' لفظ ''كَمْ'' کا بیان ہے] ﴿مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ﴾ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد' یعنی قومِ عاد اور قومِ ثمود اور قومِ لوط علیہ السلام وغیرہم ﴿وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا﴾ اور (اے محبوب!) آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کو دیکھنے والا کافی ہے' اور اگرچہ وہ لوگ ان کو اپنے سینوں اور اپنے دلوں میں چھپا لیں ﴿بَصِيْرًا﴾ وہ خوب دیکھنے والا ہے' اور اگرچہ بندے ان پر پردے لٹکا دیں۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾

جو جلد ملنے والی (دنیا کو) چاہتا ہے تو ہم اس میں جو چاہتے ہیں جس کے لیے چاہتے ہیں اسے جلدی دیتے ہیں' پھر ہم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نومانہ فترت کہتے ہیں) کے لوگوں کو عذاب نہیں ہوگا کیونکہ ان کے پاس کوئی نبی اور رسول نہیں آیا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلانِ نبوت سے پہلے تک کے مؤحد حضرات جن میں حضور علیہ السلام کے وہ آباء و اجداد جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوئے شامل ہیں' خصوصاً والدین کریمین کیونکہ یہ سب شرک سے پاک دینِ ابراہیمی پر قائم تھے۔

نوٹ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام آباء و اجداد کے ایمان کی تفصیلی بحث و تحقیق ہماری کتاب: ''دلائل النجات لاصول سیّد الکائنات'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی

اس کے لیے جہنم مقرر کر دیتے ہیں' جس میں وہ ذلیل و رسوا (اور) دھتکارا ہو کر داخل ہوگا○ اور جو آخرت چاہتا اور اس کے لیے کوشش کرتا رہتا ہے اور وہ ایمان دار ہو تو ان کی کوشش قبول کی جائے گی○ ہم آپ کے رب کی بخشش سے ہر ایک کی مدد کرتے ہیں ان کی بھی اور اُن کی بھی اور آپ کے رب کی بخشش روکی ہوئی نہیں ہے○ دیکھئے! ہم نے ایک کو دوسرے پر کس طرح فضیلت بخشی ہے' اور آخرت درجات میں سب سے بڑی اور فضیلت میں سب سے اعلیٰ ہے○

۱۸- ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ﴾ جو شخص جلد ملنے والی (دنیا) چاہتا ہے ہم اس (دنیا) میں اس کو جلد دیتے ہیں جتنا ہم چاہتے ہیں اتنا نہیں جتنا وہ چاہتا ہے ﴿لِمَنْ نُّرِيْدُ﴾ جس شخص کے لیے ہم چاہتے ہیں' یعنی جس کا ارادہ صرف دنیا ہوتا ہے اور وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا جیسے کفار ہیں تو ہم جتنا چاہتے ہیں اور جس کے لیے چاہتے ہیں اس پر احسان کرتے ہوئے اس کے منافع میں اضافہ کر دیتے ہیں' بہرحال اللہ تعالیٰ نے معجّل (دنیا کی دولت) کو اور معجّل لہ (جس کو دولت دی جاتی ہے) کو اپنے ارادے اور مشیّت پر موقوف رکھا اور اسی طرح ہوتا ہے' تم ان لوگوں میں سے اکثر لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ بڑی بڑی آرزوئیں کریں گے جو بھی آرزوئیں ہوتی ہیں لیکن ان کی تمام آرزوئیں پوری نہیں کی جاتیں اور نہ ان کو منہ مانگا دیا جاتا ہے بلکہ ان میں سے کچھ آرزوئیں پوری کر کے کچھ دے دیا جاتا ہے اور ان میں سے تم بہت سے لوگوں کو دیکھو گے جو بعض آرزوئیں کرتے ہیں لیکن انہیں ان سے بھی محروم رکھا جاتا ہے' اس طرح ان پر دنیا کا فقر و فاقہ اور آخرت کا فقر و فاقہ جمع ہو جاتا ہے لیکن پرہیزگار مسلمان صرف آخرت کی دولت چاہتا ہے' پھر اگر اسے دنیا سے بھی حصہ مل جائے تو بہتر ورنہ بسا اوقات دنیا کا فقر اس کے لیے بہتر ثابت ہوتا ہے ["لِمَنْ نُّرِيْدُ" حرفِ جار کے اعادہ کے ساتھ (لَهٗ) سے بدل ہے اور یہ بدل الکل سے بدل البعض ہے کیونکہ "لَهٗ" کی ضمیر اپنے ماقبل (مَنْ) کی طرف لوٹتی ہے] ﴿ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ﴾ پھر ہم نے اس کے لیے آخرت میں دوزخ مقرر کر دی ہے ﴿يَصْلٰهَا﴾ وہ اس میں داخل ہوگا ﴿مَذْمُوْمًا﴾ مذمت و ملامت کیا ہوا (یعنی) ذلیل و خوار کر کے (دوزخ میں ڈال دیا جائے گا) ﴿مَّدْحُوْرًا﴾ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھتکارا ہوا۔

۱۹- ﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا﴾ اور جو شخص آخرت چاہتا ہے اور وہ اس کے لیے پوری کوشش کرتا ہے' ["سَعْيَهَا" مفعول بہ ہے (اور مصدر ہونے کی بناء پر بھی منصوب ہو سکتا ہے)] یعنی جیسے آخرت کے لیے کوشش و محنت کرنے کا حق ہے' ویسے کرے اور جیسے اس کی کفایت کے لیے نیک اعمال کا ہونا ضروری ہے ویسے نیک اعمال کرے اور بُرے اعمال سے پرہیز کرے ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ اور وہ ایمان دار ہو' اور وہ اللہ تعالیٰ کی اس کے وعدوں اور وعیدوں (دھمکیوں) کے بارے میں تصدیق کرنے والا ہو ﴿فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا﴾ پس انہیں لوگوں کی جدوجہد اور محنت و کوشش اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالیہ میں قبول کر لی جائے گی اور اس پر انہیں اجر و ثواب عطا کیا جائے گا۔ بعض بزرگ سے منقول ہے کہ جس شخص میں تین خوبیاں جمع نہیں ہوں گی' اس کا عمل اسے فائدہ نہیں دے گا: (۱) ایمان پر ثابت قدم رہنا یعنی ایمانِ محکم (۲) نیّت کا سچا اور خالص ہونا یعنی سچی نیّت (۳) اور عمل کا نیک اور صحیح ہونا اور اس بزرگ نے یہی تلاوت فرمائی کیونکہ اس میں تین شرطیں محنت و کوشش کے مقبول و منظور ہونے کے لیے لازمی قرار دی گئی ہیں: (۱) ہر عمل میں آخرت کا ارادہ اور نیت ہو (یعنی ہر نیک عمل سے مقصود آخرت کی کامیابی ہو' دنیا کی نہیں) (۲) اور جن اعمال کا انسان کو مکلف بنایا گیا ہے ان کے لیے کماحقہٗ پوری کوشش و محنت کرنا (۳) ایمان پر ثابت قدم رہنا (یعنی ایمان محکم ہو)۔

۲۰- ﴿كُلًّا نُّمِدُّ﴾ ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں ["كُلًّا" اصل میں "كُلَّ وَاحِدٍ مِّنَ الْفَرِيْقَيْنِ" ہے' اس میں تنوین

(یعنی وزیر) مضاف الیہ کے عوض میں ہیں اور یہ ''نُمِدُّ'' کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی دونوں فریقوں میں سے ہم ہر ایک فریق کی مدد کرتے ہیں ﴿هٰٓؤُلَآءِ﴾ [یہ ''كُلًّا'' سے بدل ہے] یعنی ان کی ہم مدد کرتے ہیں ﴿وَهٰٓؤُلَآءِ﴾ اور اُن کی بھی یعنی جو شخص جلدی ملنے والی (یعنی دنیا) کو چاہتا ہے اور جو شخص آخرت کو چاہتا ہے (ہم ان دونوں میں سے ہر ایک فریق کی مدد کرتے ہیں) ﴿مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ﴾ آپ کے رب تعالیٰ کی بخشش سے یعنی اس کے رزق میں سے [اور حرف ''مِنْ''، ''نُمِدُّ'' کے ساتھ متعلق ہے] ''عطاء'' اس بخشش کا نام ہے جو عنایت کی جاتی ہے یعنی ہم اپنی بخشش سے انہیں مزید دیتے رہتے ہیں اور ہم نئے اور پرانے سب کی مدد کرتے ہیں اور ہم کسی کی مدد نہیں روکتے بلکہ ہم نیک و بدسب کو اپنے فضل و کرم کی وجہ سے برابر رزق عطا فرماتے رہتے ہیں ﴿وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾ اور آپ کے رب تعالیٰ کی عطاء و بخشش اس کے بندوں سے کبھی نہیں روکی جاتی' اگرچہ وہ نافرمانیاں کرتے ہوں۔

۲۱-﴿اُنْظُرْ﴾ عبرت کی نگاہ سے دیکھئے کہ ﴿كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ بعض کو بعض پر مال و دولت میں' درجات و مراتب اور شان و شوکت میں اور وسعت و فراخی اور کمال و عروج میں ہم نے کیسی فضیلت و برتری بخشی ہے ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا﴾ اور بے شک آخرت درجات و مراتب میں سب سے بڑی اور فضیلت و شان میں سب سے اعلیٰ ہے۔ مروی ہے کہ کچھ سردار اور کچھ دوسرے لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے پر جمع ہوئے اور حضرت عمر نے حضرت بلال اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اندر آنے کی اجازت دے دی تو حضرت ابوسفیان پر یہ بات سخت ناگوار گزری' جس پر حضرت سہیل بن عمرو نے کہا کہ انہیں ہم سے پہلے اس لیے اجازت دی گئی ہے کہ جب انہیں اور ہمیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی تو انہوں نے جلدی کر کے فوراً اسلام قبول کر لیا تھا جب کہ ہم نے دیر کر دی' پہلے مخالفت کرتے رہے' پھر ہم نے تاخیر کر کے اسلام قبول کیا تھا' پھر یہ تو حضرت عمر فاروق کا دروازہ ہے' بھلا آخرت میں مراتب کے لحاظ سے کتنا تفاوت و فرق ہوگا؟ اور تم تو حضرت عمر فاروق کے دروازے پر ان پر رشک کر رہے ہو جب کہ جنت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بے شمار نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔

ع ۲

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ؕ ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾

تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ ورنہ بدحال بے یار و مددگار بیٹھے رہ جاؤ گے ○ اور آپ کے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو' اگر ان میں سے کوئی ایک یا دہ دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو تم ان کو اُف تک نہ کہو اور نہ تم انہیں ڈانٹو اور ان سے احترام کے ساتھ بات کرو ○ اور تم ان کے لیے شفقت و رحمت سے نرمی کے بازو جھکا دو اور کہو: اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحم و کرم فرما جس طرح

ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش کی تھیO جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس کو تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے' اگر تم نیکی کرنے والے ہو گے تو بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بہت بخشنے والا ہےO

۲۲- ﴿لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ۔ اس آیت مبارکہ میں خطاب تو حضور نبی کریم ﷺ کو ہے مگر اس سے آپ کی امت مراد ہے ﴿فَتَقۡعُدَ مَذۡمُوۡمًا مَّخۡذُوۡلًا﴾ ورنہ تم ذلیل و خوار ہو کر بیٹھو گے کہ تم اپنے آپ پر مذمت و رسوائی جمع کرنے والے ہو جاؤ گے اور بعض نے کہا کہ توہین کے ساتھ بُرا بھلا کہا جائے گا اور اعانت سے محروم کر دیا جائے گا کیونکہ خذلان نصرت و اعانت کی ضد ہے جس کی دلیل یہ ارشاد ہے: "اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ وَاِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ" (آل عمران:۱۶۰) "اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا تو تم پر کوئی غالب نہیں ہو سکے گا اور اگر وہ تمہیں رسوا کرے گا تو اس کے بعد پھر کون ہے جو تمہاری مدد کر سکے گا"۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں خذلان کو نصرت کے مقابلے میں ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم

۲۳- ﴿وَقَضٰی رَبُّکَ﴾ اور آپ کے رب تعالیٰ نے فیصلہ سنا دیا ہے (یعنی) اس نے قطعی اور یقینی حکم دیا ہے کہ ﴿اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ﴾ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ ["اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوۡا" میں "اَنۡ" مُفَسِّرَہ ہے (یعنی اپنے سے پہلے جملے کی تفسیر و تشریح اور وضاحت کرنے والا حرف "اَنۡ") اور "لَا تَعۡبُدُوۡا" فعلِ نہی ہے یا اصل میں "بِاَلَّا تَعۡبُدُوۡا" ہے] ﴿وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا﴾ اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ (اصل میں) "وَاَحۡسِنُوۡا بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا" ہے کہ تم اپنے ماں باپ کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرو یا "بِاَنۡ تُحۡسِنُوۡا بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا" ہے یہ کہ تم اپنے ماں باپ کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرو گے ﴿اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَکَ الۡکِبَرَ﴾ اگر تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں ["اِمَّا" اصل میں "اِنۡ مَا" ہے اور یہ "اِنۡ" شرطیہ ہے' اس کی تاکید کے لیے اس پر حرف "مَا" زیادہ کیا گیا ہے' اس لیے فعل کے آخر میں نون تاکید کا لایا گیا ہے' اگر "اِنۡ" اکیلا ہوتا تو اس کے فعل پر نون تاکید کا آنا صحیح نہ ہوتا جیسے "اِنۡ تُکۡرِمَنَّ زَیۡدًا یُکۡرِمۡکَ" کہنا صحیح نہیں ہے' اگر تو زید کی عزت کرے گا تو وہ تیری عزت کرے گا لیکن "اِمَّا تُکۡرِمَنَّ زَیۡدًا" کہنا صحیح ہے] ﴿اَحَدُهُمَاۤ﴾ ان دونوں میں سے ایک [اور یہ "یَبۡلُغَنَّ" کا فاعل ہے اور قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "یَبۡلُغَانِّ" ہے' اس صورت میں "اَحَدُهُمَا" الف تثنیہ کی ضمیر سے بدل ہوگا جو والدین کی طرف لوٹتی ہے] ﴿اَوۡ کِلٰهُمَا﴾ یا وہ دونوں [یہ "اَحَدُهُمَا" پر معطوف ہے اور یہ (فعل واحد کی صورت میں) فاعل ہے اور (فعل تثنیہ کی صورت میں) بدل ہے] ﴿فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ﴾ سو تم انہیں اُف تک نہ کہو [نافع مدنی اور حفص کی قراءت میں "اُفٍّ" آخر میں تنوین کے ساتھ کسرہ ہے (یعنی آخر میں دو زیر ہیں) اور ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "اُفَّ" آخر میں بغیر تنوین فتحہ (یعنی زبر) ہے' باقیوں کی قراءت میں بغیر تنوین کسرہ "اُفِّ" ہے بہر حال کسرہ تو التقائے ساکنین کی وجہ سے جو اصل ہے اور فتح تخفیف کے لیے اور تنوین نکرہ کرنے کے ارادے سے پڑھی گئی] یعنی ناگوار لفظ منہ سے نہ نکالنا جس سے والدین کی دل شکنی ہو اور معروف ہونے کی بناء پر اس کو ترک کر دیا گیا یعنی معلوم و معین اور مشہور و معروف تکلیف دِہ اور توہین آمیز الفاظ نہ کہو ﴿وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا﴾ اور تم انہیں مت جھڑکو اور ان سے جو ایسے کام سرزد ہو جائیں جو تمہیں پسند نہیں ہیں تو تم ان کاموں پر انہیں بالکل نہ جھڑکنا اور نہ بُرا بھلا کہنا (صرف نرمی سے سمجھا دینا کافی ہے) اور "نہی" اور "نہر" ہم معنی ہیں کہ کسی کام سے روکنا ﴿وَقُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا کَرِیۡمًا﴾ اور تم انہیں اُف وغیرہ کہنے اور جھڑکنے اور ڈانٹنے کی بجائے نرم لہجے میں اچھے الفاظ کے ساتھ بات کیا کرو جیسے حسنِ ادب کا

تقاضا ہو یا یہ کہ بیٹا اپنے ماں باپ کو پکارتے وقت یوں کہا کرے: اے میرے ابا جان! اے میری امی جان! اور ان کو نام لے کر نہ پکارے کیونکہ اس میں بے ادبی اور گستاخی ہے' البتہ ان کی غیر موجودگی میں بہ وقتِ ضرورت ان کے نام لے سکتا ہے جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ (حضرت) ابوبکر نے مجھے اتنا سارا مال عطا فرمایا ہے اور ''عِنْدَكَ'' کہنے کا فائدہ یہ ہے کہ جب والدین اپنی اولاد پر بوجھ بن جائیں اور اولاد کے علاوہ ان کی کفالت کرنے والا اور کوئی نہ ہو اور وہ اپنی اولاد کے پاس ان کے گھر میں اور ان کی حفاظت میں ہوں اور یہ بات اس پر سخت شاق اور ناگوار ہو تو اس وقت اولاد کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرے اور حسن ادب کا خیال رکھے یہاں تک کہ جب ماں باپ میں سے کوئی اسے کسی ایسی بات پر ڈانٹ دیں جو اسے ان کی طرف سے ناپسند ہو تو پھر بھی انہیں اُف تک نہ کہے اور اس سے زیادہ سخت لفظ کہنا تو بہ طریق اولیٰ منع ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے والدین کے متعلق نیک سلوک کی تلقین کرنے میں خوب مبالغہ فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے ساتھ ان سے نیک سلوک کرنے کی تلقین کو ملا کر شروع فرمایا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے والدین کی رعایت کرنے اور ان کا خیال رکھنے کے لیے سختی کے ساتھ حکم دیا ہے' یہاں تک کہ ایسے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف دِہ لفظ بولنے کی اجازت نہیں دی جو کسی حالت میں زجر وتوبیخ کے موجبات کے سبب کسی سخت مزاج اولاد کے منہ سے نکل سکتا ہو اگرچہ ایسے حالات میں انسان اس پر صبر نہ کر سکتا ہو۔

۲۴-﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ﴾ اور ان کے لیے نرمی وعاجزی کے بازو جھکا دیجئے' یعنی تم اپنے بازو ان کے لیے جھکا دو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ''وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ'' (الحجر:۸۸) ''اور اے محبوب! آپ اپنے بازو مسلمانوں کے لیے جھکا دیجئے''۔ [''جَنَاحَ'' کی اضافت ''الذُّلِّ'' کی طرف اس طرح ہے جس طرح ''حاتم'' کی اضافت ''الْجُوْد'' کی طرف ہے] اور معنی یہ ہے کہ تم اپنے بازو نرمی اور عاجزی کے ساتھ والدین پر جھکا دو ﴿مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ ان کے لیے اپنی بہت بڑی رحمت ومہربانی کی وجہ سے اور تم ان کے بڑھاپے کی وجہ سے ان پر نرمی وشفقت کرو کیونکہ آج وہ اس (اولاد) کے محتاج ہیں جو گزشتہ کل تک مخلوقِ خدا میں سب سے زیادہ انہیں کی محتاج تھی۔ علامہ زجاج نے کہا کہ تم رحمت و شفقت میں مبالغہ کرتے ہوئے اپنے بازو کو عاجزی کے ساتھ نرم کر دو ﴿وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ اور تم کہو: اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا اور تو ان پر اپنی اس رحمت وشفقت پر اکتفاء نہ کر جس کو بقاء نہیں بلکہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کر کہ وہ اپنی دائمی رحمت کے ساتھ ان پر رحمت فرمائے اور اس کو ان کی اس رحمت کا بدلا قرار دے دے جو انہوں نے تیرے بچپن میں تجھ پر فرمائی تھی اور انہوں نے تیری تربیت کی تھی اور یہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کو ہے اور دعا مسلمان والدین کے ساتھ مخصوص ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ اگر والدین کافر ہوں تو پھر ان کے لیے بہ شرط ایمان رحم کی دعا کی جائے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے ہدایت کی دعا کی جائے۔

والدین کا احترام احادیث مبارکہ کی روشنی میں

(۱) حضور نبی اکرم رسولِ اعظم شفیع الامم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ''رِضَا اللّٰهِ فِيْ رِضَا الْوَالِدَيْنِ وَسَخَطُهٗ فِيْ سَخَطِهِمَا''[۱] اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ماں باپ کی رضا مندی پر موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ماں باپ کی ناراضگی پر موقوف ہے۔

[۱] رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۹۹

(۲) مروی ہے کہ ماں باپ کی فرماں بردار اولاد خواہ (غلطی سے) کچھ کرے وہ دوزخ کی آگ میں نہیں جائے گی اور ماں باپ کی نافرمان اولاد جتنی چاہے نیکیاں کرے جنت میں نہیں جائے گی۔[1]

(۳) حضور سرورِ عالم ﷺ سے منقول ہے کہ لوگو! تم اپنے والدین کی نافرمانی سے بچو کیونکہ جنت کی خوشبو ایک ہزار سال کی مسافت تک پہنچے گی لیکن ماں باپ کا نافرمان اس کی خوشبو نہیں پائے گا اور نہ صلہ رحمی کو قطع کرنے والا اور نہ بوڑھا زانی اور نہ اپنے ہمسایہ کو تکلیف اور اذیت پہنچانے والا متکبر' بے شک کبریائی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔[2]

۲۵۔ ﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ﴾ تمہارے نفسوں میں جو کچھ ہے انہیں تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے' (یعنی) والدین کے ساتھ نیکی کرنے اور ان کی خدمت کر کے انہیں خوش رکھنے اور عزت و احترام کرنے کے بارے میں تمہارے دلوں میں جو ارادے ہیں' تمہارا پروردگار انہیں خوب جانتا ہے ﴿اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ﴾ اگر تم نیک ہو گئے' کہ تم تو ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے اور ان کی اصلاح کرنے کا ارادہ رکھتے ہو لیکن پھر بھی غصہ کی حالت میں اور پریشانی و تنگ دلی کی حالت میں انہیں تمہاری طرف سے کوئی تکلیف پہنچ گئی' پھر بعد ازاں تم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کر لی اور اس سے اپنی کوتاہی پر بخشش طلب کی ﴿فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو بہت بخشنے والا ہے۔ ''اَوَّاب'' اس شخص کو کہتے ہیں جو جب بھی گناہ کر بیٹھے تو فوراً جلد از جلد توبہ کر لے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ آیت مبارکہ عام ہو اور ہر اس شخص کو شامل ہو جس سے کسی غلطی کے سبب کوتاہی ہو جائے' پھر وہ توبہ کر لے اور اس میں ماں باپ کی غلطی سے نافرمانی کر کے اپنی کوتاہی پر توبہ کرنے والا بھی شامل ہو کیونکہ انہیں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ
الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ
عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا
تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾
اِنَّ رَبَّكَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا ﴿۳۰﴾ ع ۳

اور رشتہ داروں کو ان کا حق دے دو اور نادار اور مسافر کو بھی اور فضول خرچی ہرگز نہ کرو O بے شک فضول خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں' اور شیطان اپنے رب کا بہت ناشکرا ہے O اور اگر اپنے پروردگار کی طرف سے جس رحمت کی تم امید رکھتے ہو اس کے انتظار میں ان سے روگردانی کرو تو ان سے نرم بات کہہ دو O اور نہ اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھ کر رکھیں اور نہ پورے کھول دیں ورنہ ملامت زدہ ہو کر خالی ہاتھ بیٹھیں رہیں گے O بے شک آپ کا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور وہ (رزق کو) تنگ بھی کر دیتا ہے' بے شک وہ اپنے بندوں سے بہت خبردار خوب دیکھنے والا ہے O

[1] رواہ الثعلبی (حاشیۃ الکشاف ج ۲ ص ۶۵۹)

[2] رواہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۵

قرابت داروں وغیرہ کے حقوق ادا کرنے کا حکم' اسراف کی ممانعت' اعتدال سے خرچ کرنے کا حکم

۲۶- ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ اور اپنے رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو' یعنی جب محارم رشتہ دار' محتاج وغریب ہوں تو ان پر اپنا مال خرچ کرو ﴿وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾ اور نادار اور مسافر کو' یعنی ان کو بھی زکوٰۃ کے مال میں سے ان کا حق دے دو ﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾ اور فضول خرچی نہ کرو اور بے جا مال و دولت ضائع نہ کرو۔ اہل علم نے فرمایا کہ فضول خرچی یہ ہے کہ مال کو ناجائز طریقے سے خرچ کیا جائے اور ناجائز جگہوں پر خرچ کیا جائے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اگر کوئی شخص بالکل تھوڑا سا مال بھی ناجائز خرچ کرے گا تو وہ فضول خرچی ہوگی اور ایک صاحب نے نیکی اور بھلائی کے کام میں اپنا مال خرچ کیا' پھر اس نے دوبارہ بہت زیادہ مال بھلائی کے کام میں خرچ کیا تو اس سے اس کے ایک دوست نے کہا کہ فضول خرچی میں بھلائی نہیں ہے تو اس صاحب نے جواب میں کہا کہ بھلائی کے کاموں میں مال خرچ کرنا فضول خرچی نہیں ہے۔

۲۷- ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ بے شک فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں' اس لیے کہ شرارت و برائی کے کاموں میں فضول خرچ لوگ شیطانوں کی طرح ہوتے ہیں اور یہ مذمت بیان کرنے کی انتہاء ہے کیونکہ شیطان سے بڑھ کر کوئی برا نہیں اور شیطانی کاموں سے بڑھ کر کوئی برائی نہیں یا یہ معنی ہے کہ یہ لوگ شیطانوں کے بھائی اور ان کے دوست ہیں کیونکہ یہ لوگ فضول خرچی کے کاموں میں ان کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں ﴿وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ اور شیطان اپنے رب تعالیٰ کا بہت ناشکرا ہے' سو اس کی اطاعت بالکل نہیں کرنی چاہیے کیونکہ وہ لوگوں کو اپنے کام جیسے کاموں کی طرف بلاتا ہے۔

۲۸- ﴿وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا﴾ اور اگر آپ اپنے رب تعالیٰ کی جس رحمت کی امید رکھتے ہیں اس کے انتظار میں ان سے منہ پھیر لیں یعنی اگر آپ رشتہ داروں' مسکینوں اور مسافروں سے خالی ہاتھ لوٹانے سے شرم و حیاء کے سبب ان سے روگردانی کر لیں ﴿فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا﴾ تو ان سے نرم اور آسان بات ارشاد فرما دیں' (کہ جب مال آئے گا تو تمہیں دے دیا جائے گا) یعنی اگر آپ اپنے رب تعالیٰ کے رزق کے نہ ہونے کی بناء پر جس کی امید ہے کہ عنقریب آپ کو مہیا کر دیا جائے گا' ان سے روگردانی کر لیں تو ان سے نرم بات کہہ کر ان کو بڑے خوب صورت طریقے سے واپس لوٹا دیں [پھر یہاں رزق کو "رحمۃ" قرار دیا گیا ہے اور "ابتغآء" رزق کے نہ ہونے کی جگہ پر رکھا گیا ہے کیونکہ رزق نہ پانے والا شخص اس کی طلب اور تلاش میں ہوتا ہے تو گویا رزق کا نہ ہونا طلبِ رزق کا سبب اور "ابتغآء" (طلب رزق) اس کا مسبب ہے' پس مسبب کو سبب کی جگہ رکھا گیا ہے ("مَيْسُوْرًا"، "يُسْر" سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: آسان و نرم ہونا' چنانچہ کہا جاتا ہے: "يُسِرَ الْاَمْرُ" کام آسان ہو گیا' "وَعُسِرَ" اور مشکل ہو گیا جیسے "سُعِدَ الرَّجُلُ" آدمی نیک بخت ہو گیا' "وَنُحِسَ" اور بد بخت ہو گیا) اور بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے محبوب! جب آپ کے پاس ضرورت مندوں کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو آپ ان سے دعا دیتے ہوئے فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اور تمہیں رزق عطا فرمائے گا' اس بناء پر کہ یہ ان کے حق میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے فقر و غربت کو ان پر آسان کر دے گا گویا اس کا معنی یہ ہوا کہ آسان اور نرم بات کہنا اور یہی "يُسْر" ہے یعنی دعا ہے' جس میں آسانی ہے [اور "اِبْتِغَآءَ" مفعول لہ ہے یا یہ مصدر ہے اور محلاً حال ہے اور "تَرْجُوْهَا" حال ہے]۔

۲۹- ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ اور آپ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کی طرف

باندھ کر نہ رکھیں اور نہ بالکل پورا کھول دیں۔["کُلَّ" مصدر کی بناء پر منصوب ہے کیونکہ یہ مصدر کی طرف مضاف ہے] اور یہ آیت مبارکہ بخل سے روکنے اور فضول خرچی سے منع کرنے کے لیے ایک تمثیل ہے اور بخل اور فضول خرچی کے درمیان کی راہ میانہ روی اختیار کرنے کا حکم ہے ﴿فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا﴾ ورنہ آپ ملامت زدہ ہو کر بیٹھے رہیں گے (یعنی) اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملامت زدہ ہو جائیں گے کیونکہ فضول خرچ آدمی نہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہوتا ہے اور نہ لوگوں کے نزدیک اور فقیر و غریب آدمی (فضول خرچی کے وقت) کہے گا کہ انہوں نے مجھے بہت کچھ دے دیا اور (بخل کے وقت کہے گا:) انہوں نے مجھے محروم کر دیا ہے اور غنی و مال دار آدمی کہے گا: وہ معیشت کے معاملے میں اچھی تدبیر نہیں کرتے اور جب آپ محتاج و ضرورت مند ہو جائیں گے تو آپ اپنے نزدیک اپنے کیے پر نادم ہوں گے ﴿مَّحْسُوْرًا﴾ الگ گوشہ نشین ہو کر بیٹھ جائیں گے آپ کے پاس کوئی نہیں ہوگا [یہ "حَسَرَهُ السَّفَرُ" سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب سفر مسافر میں اس قدر زبردست اثر کرے کہ اس کے پاس کچھ نہ رہے یا اس کا معنی ہے ننگے بدن ہونا یہ "حَسَرَ رَأْسَهُ" سے ماخوذ ہے کہ فلاں آدمی کا سر ننگا ہو گیا ہے]۔

شانِ نزول: ایک دفعہ ایک مسلمان عورت نے ایک یہودیہ عورت سے بحث کی اور کہا کہ حضور نبی الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ سخی ہیں چنانچہ اس یہودیہ عورت نے اس بات کا امتحان لینے کی غرض سے اپنی بیٹی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں بھیجا اس لڑکی نے آپ سے سوال کیا کہ آپ اپنی یہ قمیص عنایت فرما دیں جو آپ نے اپنے جسمِ اقدس پر پہن رکھی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قمیص مبارک اتار کر اسے عنایت فرما دی اور خود ننگے بدن گھر میں بیٹھ گئے اُدھر مسجد نبوی میں نماز کے لیے اقامت پڑھی گئی مگر آپ نماز پڑھانے مسجد میں تشریف نہیں لے گئے اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

۳۰۔ پھر اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کو اس غم و رنج پر تسلی دی گئی ہے جو کچھ نہ رکھنے کی بناء پر سائلوں کو خالی ہاتھ لوٹانے اور کچھ نہ دینے کی وجہ سے آپ کو لاحق ہو جاتا تھا کیونکہ یہ معاملہ (یعنی کچھ نہ دینا) نہ تو آپ کی طرف سے اس پر کسی سستی کے سبب ہوا اور نہ یہ معاملہ کسی بخل کی وجہ سے آپ سے صادر ہوا اس لیے کہ رزق کو کشادہ و فراخ کرنا اور اس کو تنگ و کم کرنا اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ بے شک آپ کا رب تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ اور فراخ کر دیتا ہے پس رزق کی کشادگی آپ کی ذمہ داری نہیں ہے ﴿وَيَقْدِرُ﴾ اور وہ تنگ کر دیتا ہے یعنی وہی جس کا چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے لہٰذا آپ پر کوئی ملامت نہیں ہے ﴿اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام مصلحتوں کو خوب جاننے والا ہے سو وہ انہیں کو جاری و ساری کرتا ہے ﴿بَصِيْرًا﴾ وہ ان کی تمام حاجتوں اور ضرورتوں کو خوب دیکھ رہا ہے پس وہ انہیں کی حاجات کا فیصلہ انہیں کے حق میں فرما دیتا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ

الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾

اور تم اپنی اولاد کو تنگ دستی کے خوف سے قتل نہ کرو' انہیں بھی ہم رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی' بے شک ان کا قتل بہت بڑا گناہ ہےO اور تم زنا کے نزدیک بھی نہ جاؤ بے شک یہ بے حیائی کا کام ہے' اور بہت بُرا راستہ ہےO اور جس جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس کو تم ناحق قتل نہ کرو' اور جس کو ظلم کے ساتھ قتل کیا جائے تو بے شک ہم نے اس کے وارث کو طلبِ قصاص کا اختیار دے دیا ہے' سو تم قتل میں زیادتی نہ کرو' بے شک اس کی مدد کی گئی ہےO اور تم یتیم کے مال کے نزدیک نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ پر جو سب سے اچھا ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے' اور تم عہد پورا کیا کرو' بے شک عہد کے بارے میں پوچھا جائے گاO

قتلِ اولاد' زنا کاری' قتلِ انسانیت' مالِ یتیم کھانے کی ممانعت اور ناپ تول پورا کرنے کا حکم

۳۱- ﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ ﴾ اور تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ان کا اپنی اولاد کو قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے ﴿ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ ﴾ بھوک اور فقر و غربت کے خوف کی وجہ سے ﴿ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِیَّاكُمْ ﴾ ہم ہی انہیں اور تمہیں رزق دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنی اولاد کو قتل کرنے سے منع کیا ہے اور خود آپ ان کے رزق کا ضامن بن گیا ہے ﴿ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِیْرًا ﴾ بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے' [''خِطْاً كَبِیْرًا'' کا معنی ''اِثْمًا عَظِیْمًا'' ہے یعنی بہت بڑا گناہ۔ ''اَثِمَ اِثْمًا'' (اس نے بہت بڑا گناہ کیا) کی طرح ''خَطِئَ خِطْاً'' کہا جاتا ہے (اس نے بہت بڑی غلطی کی)۔ ابن عامر شامی کی قراءت میں ''خَطَاً'' (خا اور طا دونوں پر زبر ہے) اور یہ صواب کی ضد ہے (کیونکہ ''خَطَاً'' کا معنی ہے: غلط اور ''صَوَاب'' کا معنی ہے: درست) اور ''اَخْطَاَ'' سے اسم ہے اور بعض علماء نے کہا کہ ''خَطَاً'' اور ''خِطْءٌ'' اس طرح ہیں جس طرح ''حَذَرٌ'' اور ''حِذْرٌ'' ہیں (یعنی دونوں طرح مصدر استعمال ہوتا ہے)۔ ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''خِطَآءٍ'' مد اور زیر کے ساتھ ہے]۔

۳۲- ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی ﴾ اور تم زنا (بدکاری) کے نزدیک بھی نہ جاؤ [زیادہ تر ''زِنٰی'' کو مد کے بغیر قصر کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور ایک لغت میں مد کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے] اور یہ زنا کاری کے دواعی اور اسباب سے نہی (منع کرنا) ہے' جیسے چھونا اور بوس و کنار کرنا اور اسی طرح بُرے اشارے کنائے کر کے بدکاری کی طرف راغب کرنا (یہ سب کام زنا کاری کی طرح بدترین جرم ہیں) اور اگر بعینہٖ زنا کاری سے روکنا مراد ہوتا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا: ''وَلَا تَزْنُوْا'' زنا کاری نہ کرو ﴿ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ﴾ بے شک یہ بے حیائی کا کام ہے' (یعنی) گناہ کا کام ہے' شریعت اور عقلِ سلیم کی حد سے تجاوز ہے ﴿ وَسَآءَ سَبِیْلًا ﴾ اور یہ راستہ بہت بُرا ہے۔

۳۳- ﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ اور تم کسی ایسی جان کو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ناحق قتل نہ کرو یعنی کسی ایسے عمل کا ارتکاب نہ کرو جو کسی محترم جان کے خون بہانے کا سبب بن جائے ﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا ﴾ اور جس شخص کو ظلم کے ساتھ قتل کیا جائے کہ اس نے کسی محترم جان کے خون بہانے کا ارتکاب نہ کیا ﴿ فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا ﴾

تو بے شک ہم نے اس کے وارث کے لیے مطالبہ کا اختیار مقرر کر دیا ہے (یعنی) قاتل پر اس کو غلبہ دیا ہے کہ وہ اس سے قصاص (قتل کے بدلے قتل) کا مطالبہ کرے ﴿فَلَا يُسْرِفْ فِّى الْقَتْلِ﴾ قتل کرنے میں زیادتی نہ کرے [ضمیر ''ولی'' (وارث) کی طرف لوٹتی ہے] یعنی مقتول کا وارث قاتل کے علاوہ اور کسی کو قتل نہ کرے اور ایک قاتل کی بجائے دو کو قتل نہ کرے جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کی عادت تھی یا اسراف و زیادتی یہ ہے کہ قاتل کو قتل کرنے کے بعد اس کی لاش کا مثلہ کر دیا جائے (مُثلہ یہ ہے کہ میّت کے ہاتھ پاؤں، کان، ناک اور زبان کاٹ دی جائے اور اس کی آنکھیں نکال دی جائیں، پیٹ چاک کر دیا جائے، غرضیکہ شکل بگاڑ دی جائے) [یا پھر ضمیر پہلے قاتل کی طرف لوٹتی ہے۔ حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''فَلَا تُسْرِفْ'' (فعل مخاطب) ہے اس بناء پر کہ مقتول کے ولی کو یا مظلوم کے قاتل کو خطاب ہے] ﴿إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا﴾ بے شک اس کی مدد کر دی گئی ہے [ضمیر غائب ولی کی طرف لوٹتی ہے] یعنی مقتول کے ولی کے لیے یہی کافی ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کر دی ہے کہ اس کے لیے قصاص کو واجب و لازمی قرار دے دیا ہے، سو وہ اس پر مزید کا مطالبہ نہ کرے اور اس پر زیادتی نہ چاہے یا [ضمیر مظلوم کی طرف لوٹتی ہے] یعنی اللہ تعالیٰ اس کا مددگار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس کے قتل کرنے پر قصاص کو واجب و لازم کر دیا اور آخرت میں ثواب عطا فرما کر اس کی مدد کرے گا [یا اس کی ضمیر اس شخص کی طرف لوٹتی ہے] جس شخص کو مقتول کا ولی ناحق قتل کر دے اور اس کے قتل میں زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے پر قصاص واجب و لازم کر کے اس کی مدد کی گئی ہے اور بہ ظاہر یہ آیتِ مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قصاص آزاد اور غلام کے درمیان اور مسلمان اور ذمی (اسلامی ملک میں شہریت رکھنے والا غیر مسلم) کے درمیان نافذ و ثابت ہے کیونکہ ذمی اور غلام کی جانیں اس آیت مبارکہ کے تحت داخل ہیں، اس لیے کہ ان کا قتل بھی حرام ہے۔

۳۴- ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ إِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ أَحْسَنُ﴾ اور تم یتیم کے مال کے نزدیک نہ جاؤ مگر ایسی خصلت اور ایسے طریقے کے ساتھ جو تمام خصلتوں اور تمام طریقوں سے بہترین ہو اور وہ یہ کہ اس کی حفاظت کی جائے اور اس سے کاروبار کر کے بڑھایا جائے اور پھل آور کیا جائے ﴿حَتّٰى يَبْلُغَ أَشُدَّهٗ﴾ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے یعنی اٹھارہ سال کا ہو جائے ﴿وَأَوْفُوْا بِالْعَهْدِ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے اوامر (جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے) اور اس کی نواہی (جن سے منع کیا گیا ہے) بجا لانے کا عہد پورا کرو ﴿إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا﴾ بے شک عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا (یعنی) مطالبہ کیا جائے گا اور وہ مطالبہ یہ کیا جائے گا کہ ''مُعَاهَد'' (جس سے عہد لیا گیا ہے) سے پوچھا جائے گا کہ کہیں اس نے عہد کو ضائع تو نہیں کر دیا تھا یا اسے پورا کیا تھا یا یہ معنی ہے کہ صاحبِ عہد (عہد کرنے والے) سے پوچھا جائے گا۔

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ فِى الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾

اور جب تم ناپو تو پورا ناپو اور صحیح ترازو سے برابر تولو یہی سب سے بہتر ہے اور اسی کا انجام سب سے اچھا ہے O اور جس

کا تمہیں علم نہیں ہے اس کی پیروی نہ کرو بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں پوچھا جائے گاO اور تکبر سے زمین پر نہ چلو بے شک تم زمین کو ہرگز نہیں پھاڑ سکتے اور تم پہاڑوں کی بلندی کو ہرگز نہیں پہنچ سکتےO ان سب کاموں کی برائی تمہارے رب تعالیٰ کو ناپسند ہےO

۳۵۔ ﴿ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ ﴾ اور جب تم ماپو تو پورا ماپو اور ترازو کے ساتھ (صحیح اور برابر) تولو [اور امام حفص، حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں قاف کے نیچے زیر ہے] اور ''قسطاس'' ہر اس ترازو کو کہا جاتا ہے جس میں درہموں (چاندی کے سکوں) وغیرہ کو تولا جاتا ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو اور بعض حضرات نے کہا کہ وہ ''قرسطون'' ہے یعنی قبان (ترازو) ﴿ الْمُسْتَقِيْمِ ﴾ معتدل ﴿ ذٰلِكَ خَيْرٌ ﴾ یہ دنیا میں سب سے بہتر ہے ﴿ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾ اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے [''تَاْوِیل'' تفعیل کے وزن پر باب تفعیل کا مصدر ہے'' آلَ'' سے ماخوذ ہے جب لوٹ آئے اور یہ ہر وہ چیز ہے جس کی طرف رجوع کیا جائے]۔

بغیر علم کے کسی چیز پر عمل کرنے اور تکبر کی چال چلنے اور شرک کرنے کی ممانعت کا بیان

۳۶۔ ﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ﴾ اور تم اس کی کرید نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں ہے اور نہ تم اس چیز کی پیروی کرو جس کو تم نہیں جانتے یعنی یہ نہ کہو کہ میں نے دیکھا ہے اور تم نے نہیں دیکھا اور میں نے سنا ہے اور تم نے نہیں سنا اور حضرت ابن الحنفیہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جھوٹی گواہی نہ دو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ تم کسی شخص پر ایسی تہمت نہ لگاؤ جسے تم نہیں جانتے اور اجتہاد کو باطل قرار دینے والے کے لیے اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اجتہاد بھی علم کی ایک قسم ہے۔ ارشاد ہے: ''فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ'' (الممتحنہ: ۱۰) ''پس اگر وہ تمہیں مؤمنہ معلوم ہوں تو تم انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو''۔ اور شارع نے غالب ظن کو علم کا قائم مقام قرار دیا ہے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ گواہیوں میں ہوتا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ خبر واحد کے ساتھ عمل کرنا جائز ہے (حالانکہ اس سے بھی غالب ظن حاصل ہوتا ہے) جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے ﴿ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴾ بے شک کان، آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا [''اُولٰٓئِكَ'' سے ''سمع، بصر اور فؤاد'' کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ''اُولٰٓئِكَ'' سے جس طرح عقلاء کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اسی طرح غیر عقلاء کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا ہے] جیسا کہ جریر کا قول ہے:

ذُمَّ الْمَنَازِلَ بَعْدَ مَنْزِلَةِ اللِّوٰی وَالْعَيْشَ بَعْدَ اُولٰٓئِكَ الْاَيَّامِ

''اس نے لوی کی منزل کے بعد تمام منزلوں کی مذمت بیان کی اور ان دنوں کے بعد اس نے زندگی کی بھی مذمت کی''۔

یعنی کان، آنکھ اور دل میں سے ہر ایک کے متعلق انسان سے قیامت کے دن سوال ہوگا کہ ان کو جائز استعمال کیا تھا یا ناجائز استعمال کیا تھا، چنانچہ انسان سے کہا جائے گا کہ تم نے وہ باتیں (نیز گانے وغیرہ) کیوں سنی تھیں جن کا سننا تیرے لیے جائز نہیں تھا؟ اور تم نے وہ چیزیں کیوں دیکھی تھیں جن کا دیکھنا تیرے لیے جائز نہیں تھا؟ اور تم نے ان کاموں کا دل میں پختہ ارادہ کیوں کیا تھا جن کاموں کو کرنے کے لیے دل سے پختہ ارادہ کرنا تیرے لیے جائز نہیں تھا؟ [اور ''عَنْهُ'' فاعل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے اور ''مَسْئُوْل'' کا اسناد جار مجرور (عَنْهُ) کی طرف کیا گیا ہے جیسے ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ'' میں ''مَغْضُوْبٌ بِه'' کا اسناد جار مجرور (عَلَيْهِمْ) کی طرف کیا گیا ہے اور بعض اہل علم کے نزدیک یہ درست نہیں ہے کیونکہ جار مجرور فاعل کے قائم مقام اس وقت ہوتا ہے جب وہ فعل سے متاخر ہوں لیکن جب وہ مقدم ہوں تو پھر نہیں]۔

۳۷- ﴿ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ﴾ ''اَیْ ذَا مَرَحٍ'' یعنی (اے انسان!) اترانے والا اور غرور کرنے والا بن کر زمین پر نہ چل (عاجزی سے چل) [''مَرَحًا'' ضمیر مخاطب سے حال ہے] ﴿ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ ﴾ بے شک تو (اکڑ کر چلنے سے) زمین کو چیر نہیں سکتا اور نہ تو اپنے پاؤں زمین پر زور سے مار کر چلنے سے اس میں شگاف ڈال سکتا ہے اور نہ تو سختی کے ساتھ زمین کو روند کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا ہے ﴿ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴾ اور تو پہاڑوں کی بلندی کو ہر گز نہیں پہنچ سکتا یعنی تکبر کے ذریعے اپنے آپ کو دراز (لمبا) کر کے پہاڑوں کی بلندی کو نہیں پہنچ سکتا اور یہ تکبر کرنے والے پر طعن ہے یا یہ معنی ہے کہ تو قوت و سختی میں پہاڑوں کے برابر ہر گز نہیں ہو سکتا [''طُوْلًا'' فاعل سے یا مفعول سے حال ہے]۔

۳۸- ﴿ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴾ ان (منہیات میں سے) ہر ایک کی بُرائی آپ کے پروردگار کے نزدیک ناپسندیدہ ہے [کوفیوں اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''سَیِّئُهٗ'' ہے یعنی ''کل'' کی طرف لوٹنے والی ضمیر مذکر کی طرف مضاف ہے' ان کے علاوہ دوسرے قاریوں کے نزدیک ''سَیِّئَةً'' (خبرِ ''كَانَ'' کی بناء پر منصوب) ہے اور ''مَكْرُوْهًا'' مذکر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ''سَیِّئَةٌ''. ''ذَنْبٌ'' اور ''اِثْمٌ'' کے منزلہ میں آنے کی وجہ سے اسماء کے حکم میں ہے' اس سے صفات کا حکم زائل ہو چکا ہے اس لیے اس کی تانیث کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ عرب کہتے ہیں: ''اَلزِّنٰی سَیِّئَةٌ'' (زنا بُرائی ہے) جیسا کہ وہ کہتے ہیں: ''اَلسَّرِقَةُ سَیِّئَةٌ'' (چوری بُرائی ہے)] پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس سے پہلے جن خصلتوں کا ذکر کیا گیا ہے' ان میں بعض بُری ہیں (اور وہ منہیات ہیں جن کا کرنا بُرائی ہے) اور بعض حسن یعنی اچھی ہیں (اور وہ اوامر ہیں جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے) [اس لیے جس نے پڑھا اس نے اس کو اضافت ''سَیِّئُهٗ'' پڑھا یعنی مذکورہ خصلتوں میں سے جو بُری ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں سو جس نے ''سَیِّئَةً'' پڑھا اس کی قراءت کی وجہ کیا ہو گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ''كُلُّ ذَالِكَ'' کے احاطہ میں صرف منہیات ہیں جن کے کرنے سے منع کیا گیا ہے' وہ تمام خصلتیں شامل نہیں ہیں جن کا اس سے پہلے ذکر کیا گیا]۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓی اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِیْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾ؑ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾

ع ۱۰

یہ ساری باتیں ان حکمت بھری تعلیمات میں سے ہیں جو آپ کے پروردگار نے آپ کی طرف وحی کے ذریعے پہنچائی ہیں' اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ ورنہ تمہیں رسوا کر کے دھکے دے کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا O کیا تمہارے پروردگار نے تمہارے لیے بیٹے منتخب کر دیئے اور خود اس نے فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا' بے شک تم البتہ بہت بڑی بات کہتے ہو O اور بے شک ہم نے اس قرآن مجید میں بار بار بیان کیا ہے تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں' اور ان میں تو صرف نفرت ہی بڑھتی ہے O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر اس کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ کفار کہتے ہیں تب تو وہ عرش

والے کی طرف کوئی راستہ تلاش کرتے O

۳۹-﴿ذٰلِكَ﴾ یہ ارشاد باری تعالیٰ: ''لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ'' کی طرف اشارہ ہے' جو پہلے گزر چکا ہے وہاں (یعنی آیت:۲۲) سے یہاں (آیت:۳۸) تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ سب ﴿مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ﴾ اُن حکمت بھری تعلیمات میں سے ہیں جو آپ کے پروردگار نے وحی کے ذریعے آپ کی طرف بھیجی ہیں' یہ انہیں تعلیمات میں سے ہیں جن کی صحت و درستگی کا عقلِ سلیم بھی حکم دیتی ہے اور ہر انسان اس کے اسوہ پر عمل پیرا ہو کر نیک و پارسا بن جاتا ہے ﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا﴾ اور (اے انسان!) تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہرا ورنہ تجھے ملامت زدہ کر کے رحمتِ الٰہی سے دھتکار کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے' آپ نے فرمایا کہ یہ اٹھارہ آیات تورات شریف کی ان تختیوں میں تحریری شکل میں موجود تھیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تھیں' جن کا آغاز ''لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ'' (آیت:۲۲) سے ہوتا ہے اور ان کا اختتام (آیت:۳۹ کے آخر) ''مَدْحُوْرًا'' پر ہوتا ہے اور ان کا آغاز بھی شرک سے نہی (منع کرنے) کے ساتھ کیا گیا ہے اور ان کا اختتام بھی شرک سے نہی پر کیا گیا ہے کیونکہ توحید ہر حکمت و بھلائی کی اصل ہے اور اس کی بنیاد ہے اور جس شخص میں توحید کا عقیدہ نہیں ہوگا' اس کو علم و حکمت کوئی فائدہ نہیں دے گی اور اگر چہ حکماء علم و حکمت میں کتنی فوقیت و برتری حاصل کر لیں اور اگر چہ وہ اس پر تکبر کر کے آسمان تک پہنچ جائیں اور ملحد فلاسفر علوم و حکم سے کماحقہٗ فائدہ حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ وہ جانوروں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے دین سے گمراہ ہیں۔

۴۰-پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مخاطب کیا جنہوں نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ﴾ کیا تمہارے پروردگار نے بیٹوں کے لیے تمہیں منتخب فرما لیا ہے۔[ہمزہ انکار کے لیے ہے] یعنی تمہارے پروردگار نے خالص تمہیں بہترین و اعلیٰ ترین اولاد کے لیے مخصوص فرما لیا ہے اور وہ صرف بیٹے ہیں ﴿وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا﴾ اور اس نے فرشتوں کو لڑکیاں بنا لیا ہے اور اس نے ادنیٰ اور کم تر اولاد کو اپنے لیے بنا لیا اور وہ بیٹیاں ہیں اور یہ حکمت کے خلاف ہے اور اس پر خود تمہاری عقلیں گواہی نہیں دیتیں کیونکہ غلام اپنے لیے بہترین اور برگزیدہ چیزوں کو اور اپنے آقاؤں کے لیے ادنیٰ و کمترین چیزوں کو اختیار نہیں کرتے ﴿اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا﴾ بے شک تم نے بہت بڑی بات کہہ دی ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کر دی حالانکہ اولاد اجسام کے خواص میں سے ہے' پھر تم نے اس میں بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بابرکات ذات پر فضیلت دی کہ تم اس کے لیے وہ چیز مقرر کرتے ہو جو اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور کافروں کی ہٹ دھرمی کا بیان

۴۱-﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ اور بے شک ہم نے اس قرآن میں یعنی اللہ تعالیٰ کے اولاد سے منزہ و مبرا ہونے کے دلائل کو نازل کر کے بار بار بیان کیا ہے اور اس سے مراد ''وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ'' (ضمیر مذکر کے ساتھ) ہے یعنی بے شک ہم نے اس (تنزیہ الٰہی کے) معنی کو متعدد مقامات میں نازل کر کے قرآن میں بار بار بیان کیا ہے[پھر ضمیر کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ معلوم و معیّن ہے] ﴿لِيَذَّكَّرُوْا﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں' یعنی ہم نے اولاد سے پاک ہونے اور توحید کے دلائل اس لیے بار بار بیان کیے ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت قبول کر لیں اور کفر و شرک سے باز آ جائیں[قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں تشدید کے بغیر تخفیف کے ساتھ (''لِيَذْكُرُوْا'' باب ''نَصَرَ يَنْصُرُ'' سے) ہے] ﴿وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا﴾ اور

دلائلِ توحید نے ان میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا ماسوا حق سے نفرت کرنے کے۔ حضرت امام ثوری جب اس آیت مبارکہ کو پڑھتے تو فرماتے کہ اے میرے اللہ! جس نے تیرے دشمنوں میں نفرت کو بڑھایا ہے' اس نے میرے من میں تیرے لیے عاجزی وفرماں برداری کو بڑھایا ہے۔

۴۲۔﴿قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر اس اللہ کے ساتھ ﴿اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ﴾ اور معبود ہوتے جیسا کہ یہ کفار کہتے ہیں' [ابن کثیر اور امام حفص کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "یَقُوْلُوْنَ" ہے[1]] ﴿اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا﴾ تب تو وہ عرش والے (خدا) کی طرف راستہ تلاش کرتے یعنی وہ اس ذاتِ پاک کی طرف راستہ تلاش کرتے جس کے لیے ساری کائنات کی بادشاہی اور ربوبیّت ثابت ہو چکی ہے جیسا کہ بادشاہ ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں یا یہ معنی ہے: تاکہ وہ اس ذاتِ اقدس کی طرف قرب حاصل کرتے' جیسا کہ ارشاد ہے: "اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ" (الاسراء: ۵۷) "جن کی یہ کفار عبادت کرتے ہیں' وہ خود اپنے پروردگار کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں"۔ [اور "اِذًا" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا مابعد جو کہ "لَا بْتَغَوْا" ہے مشرکین کے قول کا جواب ہے اور "لَوْ" کے لیے جزا ہے]۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِیْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾

وہ (ہر عیب سے) پاک اور بہت بلند ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے O ساتوں آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے سب اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں' اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے مگر وہ اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو' بے شک وہ بڑا بردبار' بہت بخشنے والا ہے O اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایک خفیہ پردہ قائم کر دیتے ہیں O

۴۳۔﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِیْرًا﴾ وہ (ہر عیب سے) پاک اور بہت بلند ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں' اس سے اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے۔

۴۴۔﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ﴾ ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان میں جو کچھ ہے سب اسی کی تسبیح بیان کرتے ہیں [ابوبکر کے علاوہ باقی اہل عراق کی قراءت میں "تا" کے ساتھ "تُسَبِّحُ" ہے[2]] ﴿وَاِنْ مِّنْ

[1] جب کہ حمزہ' علی کسائی' خلف' رویس اور اعمش کی قراءت میں "تا" کے ساتھ "تَقُوْلُوْنَ" ہے۔
(معجم القراءات القرآنیہ ج ۳ ص ۳۲۴)

[2] نافع مدنی' ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی' شعبہ' ابوجعفر' رویس اور ابن محیصن کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "یُسَبِّحُ" ہے۔
(معجم القراءات القرآنیہ ج ۳ ص ۳۲۵)

﴿شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ﴾ اور کوئی چیز ایسی نہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے یعنی ہر چیز ''سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمۡدِهٖ'' کہتی ہے۔ امام سدی سے منقول ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دریا میں مچھلیوں کا شکار اور اڑنے والے پرندوں کا شکار صرف اس وقت کیا جاتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح سے غافل ہو جاتے ہیں[1] ﴿وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِیۡحَهُمۡ﴾ اور لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے کیونکہ ان کی بولیاں مختلف ہیں یا ان کا ادراک کرنا اور جاننا بہت مشکل ہے یا ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اور ان کے درمیان کی ہر چیز میں غور و فکر کی نظر رکھنے والے کے لیے یہ چیزیں تسبیح پڑھنے کا سبب ہیں اور نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے اور پہلی وجہ بہتر ہے ﴿اِنَّهٗ کَانَ حَلِیۡمًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خوب حلم والا' بہت بردبار ہے' بندوں کی جہالت و نادانی کے باوجود ان پر حلم فرماتا ہے' جلد انتقام نہیں لیتا ﴿غَفُوۡرًا﴾ وہ مسلمانوں کے گناہوں کو بہت جلد بخشنے والا ہے۔

۴۵۔ ﴿وَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ جَعَلۡنَا بَیۡنَکَ وَبَیۡنَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسۡتُوۡرًا﴾ اور جب آپ قرآن مجید پڑھنے لگتے ہیں تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم ان کے درمیان اور آپ کے درمیان ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ ''مَسۡتُوۡر'' بہ معنی ''ذَا سَتۡرٍ'' یعنی چھپانے والا پردہ ہے یا ایسا حجاب اور پردہ جو دکھائی نہیں دیتا تو وہ بذاتِ خود مستور و پوشیدہ ہے۔

وَّجَعَلۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ اَکِنَّةً اَنۡ یَّفۡقَهُوۡهُ وَفِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا ؕ وَاِذَا ذَکَرۡتَ رَبَّکَ فِی الۡقُرۡاٰنِ وَحۡدَهٗ وَلَّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِهِمۡ نُفُوۡرًا ﴿۴۶﴾ نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا یَسۡتَمِعُوۡنَ بِهٖۤ اِذۡ یَسۡتَمِعُوۡنَ اِلَیۡکَ وَاِذۡ هُمۡ نَجۡوٰۤی اِذۡ یَقُوۡلُ الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا ﴿۴۷﴾ اُنۡظُرۡ کَیۡفَ ضَرَبُوۡا لَکَ الۡاَمۡثَالَ فَضَلُّوۡا فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوۡۤا ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِیۡدًا ﴿۴۹﴾

اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے' اور جب آپ قرآن میں اپنے پروردگار کی توحید کا ذکر کرتے ہیں تو وہ نفرت کی وجہ سے اپنی پیٹھیں پھیر کر پلٹ جاتے ہیںO ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ اس کو کس غرض سے سنتے ہیں جب وہ آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں اور وہ اس وقت سرگوشیاں کرتے ہیں تب یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم پیروی نہیں کرتے مگر ایسے شخص کی جس پر جادو کر دیا گیا ہےO آپ دیکھئے کہ انہوں نے آپ کے بارے میں کیسی مثالیں بیان کی ہیں' سو وہ گمراہ ہو گئے' پس وہ راہِ راست حاصل نہیں کر سکتےO اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم نئے سرے سے پیدا ہو کر اٹھائے جائیں گےO

۴۶۔ ﴿وَّجَعَلۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ اَکِنَّةً﴾ اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے قائم کر دیئے ہیں' [''اَکِنَّةٌ'' ''کِنَانٌ'' کی جمع ہے] اور اس سے ہر وہ چیز مراد ہے جو کسی چیز کو چھپا دے ﴿اَنۡ یَّفۡقَهُوۡهُ﴾ ان کے قرآن سمجھنے کو ناپسند کرنے کی وجہ سے ﴿وَفِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا﴾ اور ہم نے ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے جو قرآن سننے سے رکاوٹ بن جاتی ہے ﴿وَاِذَا ذَکَرۡتَ رَبَّکَ

[1] رواہ ابو نعیم کما فی کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۱۹' الدر المنثور ج ۵ ص ۲۹۱

﴿فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ﴾ اور جب آپ قرآن مجید میں اپنے رب تعالیٰ کی توحید کا ذکر کرتے ہیں۔[''وَحَدَ يَحِدُ وَحْدًا وَحِدَةً'' کہا جاتا ہے جیسے ''وَعَدَ يَعِدُ وَعْدًا وَعِدَةً'' ہے' پس یہ مصدر ہے اور حال کے قائم مقام ہے' جس کی اصل ''يَحِدُ وَحْدَهٗ'' ہے اور ''واحد'' کے معنی میں ہے] ﴿وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا﴾ وہ نفرت کی وجہ سے پیٹھیں پھیر کر الٹے پاؤں لوٹ جاتے ہیں۔[''نُفُوْرًا'' مصدر ہے' بہ معنی پھر جانا یا ''نَافِرٌ'' کی جمع بھاگنے والے' جیسے ''قَاعِدٌ'' اور ''قُعُوْدٌ'' ہیں] یعنی وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے معبودوں کا ذکر بھی کریں کیونکہ وہ مشرکین ہیں' سو جب وہ توحید کا ذکر سنتے ہیں تو بھاگ جاتے ہیں۔

۴۷-﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ﴾ ہم خوب جانتے ہیں جس طریقے سے وہ لوگ قرآن مجید کو سنتے ہیں' یعنی ہم اس حال کو یا اس طریقے کو خوب جانتے ہیں' جس حال میں یا جس طریقے سے وہ قرآن مجید کو سنتے ہیں' پس قرآن ہی کو سنا جاتا ہے [اور اس کو حذف کر دیا گیا ہے اور ''بِهٖ'' حال ہے اور ''مَا'' کا بیان ہے] ''اَىْ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ هَازِئِيْنَ لَا جَادِّيْنَ'' یعنی کفارِ مکہ قرآن مجید کو اس حال میں سنتے تھے کہ وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے' سنجیدہ ہو کر نہیں سنتے تھے حالانکہ ان پر واجب و لازم تھا کہ وہ اس کو سنجیدہ ہو کر سنتے ﴿اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ﴾ جب وہ آپ کی طرف کان لگا کر سنتے تھے [یہ ''اَعْلَمُ'' کی وجہ سے محلاً منصوب ہے] یعنی میں ان کے سننے کے وقت کو خوب جانتا ہوں جس حالت میں وہ اس کو سنتے ہیں ﴿وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى﴾ اور جب وہ اس کے ساتھ مناجات کرتے ہیں (مضاف محذوف ہے' اصل میں) ''اِذْهُمْ ذَوُوْ نَجْوٰى'' (ہے) جب وہ باہم سرگوشی کے انداز میں مشورہ کرنے والے تھے ﴿اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ جب یہ ظالم لوگ کہتے' [یہ ''اِذْهُمْ'' سے بدل ہے] ﴿اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾ تم پیروی نہیں کرتے ہو مگر ایسے آدمی کی جس پر جادو کر دیا گیا ہے' سو وہ مجنون ہے۔

۴۸-﴿اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ﴾ اے محبوب! دیکھئے کہ ان لوگوں نے آپ کے بارے میں کیسی کیسی مثالیں بیان کی ہیں' انہوں نے آپ کے لیے شاعر' جادوگر اور مجنون کی مثالیں بیان کیں ﴿فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا﴾ پس وہ گمراہ ہو گئے' سو وہ راہِ ہدایت نہیں پا سکتے' یعنی وہ پورے کے پورے گمراہی میں گھر چکے ہیں' جیسے بنی اسرائیل مقام تیہ میں راستے سے بھٹک گئے تھے' وہ راستہ تلاش کرتے تھے مگر منزلِ مقصود کی راہ نہیں پا سکتے تھے' سو یہ کفارِ مکہ بھی اپنے معاملے میں سرگرداں ہیں اور پریشان ہیں' نہیں جانتے کہ اب وہ کیا کریں۔

حشر و نشر کے انکار کرنے پر کفار کو مدلل جواب

۴۹-﴿وَقَالُوْٓا﴾ اور انہوں نے کہا یعنی حشر و نشر کے برپا ہونے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کے منکروں نے کہا: ﴿ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا﴾ کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے یعنی نئی مخلوق [اور ''خَلْقًا'' حال ہے] یعنی مخلوقات۔

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ

ع ۵

اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا بن جاؤ○ یا ایسی مخلوق بن جاؤ جو تمہارے دلوں میں بہت بڑی ہو پھر عنقریب وہ کہیں گے کہ ہمیں کون زندہ کرے گا؟ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ وہی (تمہیں زندہ کرے گا) جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے سو اب وہ آپ کے سامنے اپنے سر ہلائیں گے اور کہیں گے کہ یہ کب ہوگا؟ (اے محبوب!) فرما دیں کہ یقیناً وہ عنقریب ہوگا○ جس دن وہ تمہیں بلائے گا تم اس کی حمد و ثناء کرتے ہوئے جواب دو گے اور تم گمان کرو گے کہ تم (دنیا میں) تھوڑا عرصہ ٹھہرے ہو○ اور (اے میرے محبوب!) میرے بندوں سے فرما دیجئے کہ وہ ایسی بات کہا کریں جو سب سے اچھی ہو بے شک شیطان ان کے درمیان فساد ڈالتا ہے بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے○

۵۰'۵۱- ﴿قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِیْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا یَكْبُرُ فِیْ صُدُوْرِكُمْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم خواہ پتھر ہو جاؤ یا لوہا ہو جاؤ○ یا اس سے بڑی مخلوق جو تمہارے خیال میں سب سے بڑی ہو یعنی ساتوں آسمان اور زمینیں کیونکہ تمہارے نزدیک یہ چیزیں زندگی قبول کرنے سے بلند و بالا ہیں ﴿فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا﴾ سو وہ لوگ عنقریب کہیں گے کہ ہمیں دوبارہ زندہ کر کے کون اٹھائے گا؟ ﴿قُلِ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تمہیں دوبارہ زندہ کر کے وہی اٹھائے گا ﴿الَّذِیْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ جس نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا' اور معنی یہ ہے کہ بے شک تم اس بات کو بعید از عقل قرار دیتے ہو اور تم اس کو ناممکن خیال کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نئے سرے سے دوبارہ پیدا کرے گا اور تمہیں دوبارہ زندگی کی حالت کی طرف لوٹا دے گا' اس کے بعد کہ تم بوسیدہ اور خشک ہڈیاں ہو چکے ہو گے حالانکہ ہڈیاں زندہ کے بعض اجزاء ہیں بلکہ اس کی زندگی کا ستون ہیں جس پر پوری تخلیقِ انسانی قائم ہوتی ہے' لہٰذا یہ کوئی انوکھی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے اس کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دے لیکن اگر تم زندگی سے بہت دور کوئی چیز ہوتے مثلاً تم پتھر ہوتے یا لوہا ہوتے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ پوری طرح قادر ہے کہ تمہیں زندگی کی حالت کی طرف لوٹا دے ﴿فَسَیُنْغِضُوْنَ اِلَیْكَ رُءُوْسَهُمْ﴾ سو وہ لوگ آپ کے سامنے تعجب کا اظہار کرنے اور مذاق اڑانے کے لیے اپنے سروں کو ہلائیں گے ﴿وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هُوَ﴾ اور کہیں گے: یہ کب ہوگا؟ یعنی لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے کب اٹھایا جائے گا؟ یہ محض حشر و نشر کو عقل سے بہت دور خیال کرتے ہوئے انکار کی صورت میں کہیں گے: ﴿قُلْ عَسٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ قَرِیْبًا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ یہ یقینی بات ہے کہ عنقریب ہوگا' یعنی یہ بالکل قریب ہے [اور ''عَسٰی'' وجوب و یقین کے معنی کے لیے آتا ہے]۔

۵۲- ﴿یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ﴾ جس دن اللہ تعالیٰ تمہیں حساب و کتاب کی طرف بلائے گا اور یہ قیامت کے روز ہوگا ﴿فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ﴾ تو تم اس کی حمد و ثناء اور اس کی تعریف کے ساتھ جواب دو گے یعنی تم اللہ تعالیٰ کو اس حال میں جواب دو گے کہ تم اس کی حمد و تعریف کرتے ہو گے' چنانچہ حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ قیامت کے دن کفار سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے کہیں گے: ''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ'' اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے اور ہم تیری تعریف کرتے ہیں ﴿وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ اور تم خیال کرو گے کہ تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑی دیر یعنی تھوڑا سا ٹھہرے ہو یا یہ کہ تم دنیا میں تھوڑا عرصہ ٹھہرے ہو یا پھر قبر میں بہت تھوڑا زمانہ ٹھہرے ہو۔

مسلمانوں کو اچھی بات کہنے کی تلقین اور بت پرستی کی مذمت کا بیان

۵۳- ﴿وَقُلْ لِّعِبَادِیْ﴾ اے محبوب! آپ میرے بندوں سے فرما دیں (یعنی) آپ مؤمنوں سے فرما دیں کہ

﴿ یَقُوْلُوا ﴾ وہ مشرکوں سے ایسی بات کہا کریں ﴿ الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ﴾ جو سب سے اچھی ہو اور سب سے نرم گفتگو ہو اور ان سے سخت گفتگو نہ کیا کریں اور نہ ان سے جھگڑا کریں بلکہ مسلمان ان سے یوں کہا کریں: ''یَهْدِیْكُمُ اللّٰهُ'' اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت عطا فرمائے ﴿ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ﴾ بے شک شیطان ان کے درمیان شر کو اُبھارتا ہے اور ان میں فساد ڈالتا ہے اور ان کو ایک دوسرے کے خلاف اکساتا ہے تاکہ ان کے درمیان لڑائی جھگڑا برپا کر دے اور ''نَزْغٌ'' کا معنی ہے: شرارت برپا کرنا اور کھلم کھلا باہمی فساد ڈالنا [اور جناب طلحہ کی قراءت میں ''زا'' کے نیچے زیر کے ساتھ ''یَنْزِغُ'' ہے اور یہ دونوں لغتیں درست ہیں] ﴿ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴾ بے شک شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے علانیہ دشمن، جس کی عداوت و دشمنی سب پر ظاہر وعیاں ہے۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾

تمہارا پروردگار تمہیں خوب جانتا ہے' اگر وہ چاہے تو تم پر رحم کرے گا یا اگر وہ چاہے گا تو تمہیں عذاب دے گا' اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا O اور آپ کا پروردگار انہیں خوب جانتا ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں' اور بے شک ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی تھی O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم جن کو اس کے سوا معبود گمان کرتے ہو ان کو (تکلیف کے وقت) پکارو' سو وہ نہ تو تم سے تکلیف کو دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ بدلنے کا O

۵۴- یا اللہ تعالیٰ نے ''اَلَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ'' کی تفسیر وتشریح اپنے (درج ذیل) ارشاد سے بیان کی ہے: ﴿ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ ﴾ تمہارا پروردگار تمہیں خوب جانتا ہے' اگر وہ چاہے گا تو ہدایت وتوفیق عطا فرما کر تم پر رحم کرے گا ﴿ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ﴾ یا اگر وہ چاہے گا تو تمہیں ذلت ورسوائی کے ساتھ عذاب دے گا یعنی مسلمان مشرکوں سے یہ الفاظ اور اس طرح کے دوسرے الفاظ کہا کریں اور ان سے یوں نہ کہیں کہ تم دوزخی ہو اور تمہیں عذاب دیا جائے گا اور جو اس قسم کے تکلیف دہ الفاظ ہوتے ہیں کیونکہ اس قسم کی گفتگو ان کو غصہ دلائے گی اور ان کو لڑائی جھگڑے پر اکسائے گی [اور ''اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ'' جملہ معترضہ ہے] ﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴾ اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا' نہ آپ ان کے اعمال کے محافظ ہیں اور نہ ان کے معاملات آپ کے سپرد کیے گئے ہیں اور بے شک ہم نے آپ کو صرف خوشخبری دینے اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے' سو آپ بھی ان سے نرم سلوک کیجئے اور اپنے صحابہ کو بھی نرم رویہ اختیار کرنے کا حکم دیجئے۔

۵۵- ﴿ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اور آپ کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور ان کے احوال کو جانتا ہے اور ہر اس چیز کو جانتا ہے جس کا ان میں سے ہر ایک اہل ہے ﴿ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ ﴾ اور بے شک ہم نے بعض پیغمبروں کو دوسرے بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اس آیت مبارکہ

میں رسولِ خدا خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی فضیلت و برتری کی طرف اشارہ ہے ﴿ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴾ اور ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور شریف عطا فرمائی' جو حضور سیّد عالم ﷺ کی تمام انبیائے کرام پر فضیلت و برتری رکھنے کے سبب پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ کہ بے شک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم الانبیاء ہیں (سب پیغمبروں کے آخر میں تشریف لانے والے کیونکہ نبوت و رسالت کا سلسلہ حضور پر اختتام پذیر ہو چکا ہے) اور بے شک آپ کی امت ''خَیْرُ الْاُمَمِ'' ہے (یعنی سب امتوں سے بہترین امت ہے) اس لیے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور شریف میں لکھا ہوا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ'' (الانبیاء: ۱۰۵) ''اور بے شک البتہ ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ سرزمینِ بہشت کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے'' ۔ اور وہ نیک بندے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اور آپ کی امت ہیں [یہاں زبور کو نکرہ لایا گیا ہے معرفہ نہیں لایا گیا اور ''وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ'' میں اس کو معرفہ لایا گیا ہے (دونوں درست ہیں اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا) کیونکہ یہ العباس اور عباس اور الفضل اور فضل کی طرح ہے]۔

۵۶- ﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اے مشرکینِ مکہ! تم جن کے بارے میں یہ گمان رکھتے ہو کہ وہ تمہارے معبود ہیں تو (تکلیف و مصیبت کے وقت) انہیں بلاؤ ﴿ مِّنْ دُوْنِهٖ ﴾ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کو پکارو اور وہ فرشتے ہیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام ہیں یا پھر جنوں میں سے ایک مخصوص گروہ مراد ہے جس کی عرب میں سے کچھ لوگ پرستش کرتے تھے' پھر بعد ازاں وہ جنات تو اسلام میں داخل ہو گئے اور ان پجاریوں کو علم نہ ہو سکا ﴿ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴾ سو وہ تم سے تکلیف کو دور کرنے کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ اس کو تبدیل کرنے کا اختیار رکھتے ہیں' یعنی تم ان کو پکارو لیکن وہ تم سے بیماری یا غربت یا عذاب میں سے کسی تکلیف کو دور نہیں کر سکتے اور نہ وہ اس کو ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف تبدیل کر سکتے ہیں [1]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝۵۷ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝۵۸ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝۵۹

یہ لوگ جن کی عبادت کرتے ہیں وہ خود اپنے پروردگار کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے

[1] خیال رہے کہ فرشتے اور دیگر نیک بندے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اس کے بندوں کی مدد کرتے ہیں جیسا کہ غزوۂ بدر میں فرشتوں نے مجاہدین اسلام کی مدد کی تھی مگر ان کی مدد صرف مسلمانوں کے لیے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت سے مشروط ہوتی ہے لیکن کفار و مشرکین کے لیے نہیں ہوتی' اس لیے فرمایا کہ اے کفارِ مکہ! تم ان حضرات کو پکارو تو تمہاری مدد نہیں کریں گے اور نہ یہ کافروں کی نصرت و مدد اور شفاعت کر سکتے ہیں کیونکہ انہیں اس کی اجازت نہیں۔ اللہ والوں کی امداد کے دلائل سورۂ فاتحہ آیت: ۴ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی

اور وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں' بے شک آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے O اور کوئی ایسی بستی نہیں مگر ہم اسے قیامت سے پہلے فنا کر دیں گے یا اسے سخت عذاب دیں گے' یہ کتاب میں تحریر ہو چکا ہے O اور ہمیں نشانیاں بھیجنے سے نہیں روکا مگر یہ کہ پہلے لوگوں نے انہیں جھٹلا دیا تھا' اور ہم نے ثمود (کی قوم) کو آنکھیں کھولنے والا اونٹنی کا معجزہ عطا فرمایا تو انہوں نے اس پر ظلم کیا' اور ہم نشانیاں صرف ڈرانے کے لیے بھیجتے ہیں O

۵۷۔ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ﴾ یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں یعنی کفار و مشرکین جن کو معبود سمجھ کر پکارتے ہیں یا یہ کہ یہ لوگ جن کو معبود سمجھ کر ان کی عبادت و پرستش کرتے ہیں ﴿یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ﴾ وہ خود اپنے پروردگار کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں یعنی بے شک ان لوگوں کے یہ معبود خود وسیلہ ڈھونڈتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا قرب ہے ["اُولٰٓئِكَ" مبتدا ہے اور "اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ" اس کی صفت ہے اور "یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ" خبر ہے] ﴿اَیُّهُمْ﴾ [یہ "یَبْتَغُوْنَ" کی واوَ سے بدل ہے اور "اَیٌّ" موصولہ ہے] "اَیْ یَبْتَغِیْ مَنْ هُوَ" ﴿اَقْرَبُ﴾ "مِنْهُمُ الْوَسِیْلَةَ اِلَی اللّٰهِ فَكَیْفَ بِغَیْرِ الْاَقْرَبِ" یعنی ان میں سے جو اللہ تعالیٰ کے قریب ترین ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ ڈھونڈتے ہیں تو جو اللہ تعالیٰ کے قریب ترین نہیں ہیں' وہ اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے وسیلہ کیوں نہ طلب کریں[1] یا "یَبْتَغُوْنَ" "یَحْرِصُوْنَ" کے معنی پر مشتمل ہے تو گویا فرمایا گیا ہے کہ کفار جن مقدس بزرگانِ دین یعنی انبیاء و ملائکہ کو معبود قرار دے کر ان کی پرستش کرتے ہیں' وہ تو خود اس بات کے زیادہ حریص ہیں کہ ان میں سے کون اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے اور یہ قرب اطاعت و فرماں برداری اور عبادت و ریاضت اور بھلائی کے کاموں کو زیادہ سے زیادہ ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے ﴿وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ﴾ اور وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور وہ اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں' جیسا کہ ان کے علاوہ

[1] واضح رہے کہ اس آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ کفار جن مقدس ہستیوں کی عبادت کرتے تھے' وہ خود اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے وسیلہ ڈھونڈتے ہیں اور "تفسیر مدارک" کی تشریح کے مطابق وہ ہستیاں تین قسم کی تھیں: (۱) فرشتے (۲) حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام (۳) مؤمن جنات' جن سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے وسیلہ تلاش کرنا انبیائے کرام اور فرشتوں اور مؤمنوں کی سنت ہے' شرک نہیں ہے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O" (المائدہ: ۳۵) "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ تم نجات پا لو O"۔

اس آیت مبارکہ کے تحت شاہ اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں:

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نجات کے واسطے یہ چار چیزیں ایمان اور تقویٰ اور وسیلہ کا طلب کرنا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا مقرر فرمائی ہیں۔ اہل سلوک (صوفیاء کرام) اس کو سلوک (تصوّف) کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں' پس حقیقی نجات کے لیے مجاہدہ سے پہلے مرشد کا ڈھونڈنا اشد ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت بھی اسی طرز پر جاری ہے کیونکہ راہبر کے سوا راستہ پا لینا نہایت نادر اور کم یاب ہے' پس مرشد اس شخص کو بنانا چاہیے جو کسی طرح شریعت کے مخالف نہ ہو۔

پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

اور مرشد کی محبت اس طرح چاہیے کہ اپنے مال اور جان کو اس کی رضا اور آرام کے واسطے خرچ کر دے اور دنیا کی کسی چیز کو اس کی رضامندی سے زیادہ عزیز نہ جانے' اس لیے کہ جو نفع پیر سے پہنچتا ہے اس کا فائدہ تمام دنیا سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے۔

(صراطِ مستقیم باب: ۲' چوتھا فائدہ' ص ۱۰۱ تا ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے دوسرے لوگ ہیں' پھر یہ کفار کیونکر گمان رکھتے ہیں کہ وہ معبود ہیں ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا﴾ بے شک آپ کے رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اور حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک اس کے عذاب سے ڈرتا رہے' مقرب فرشتہ ہو خواہ نبی مرسل ہو' ان کے علاوہ لوگوں کو تو بہ طریق اولیٰ ڈرنا چاہیے۔

قیامت سے پہلے ہر چیز کے فنا ہونے اور ڈرانے اور آزمانے کے لیے معجزات دکھانے کا بیان

۵۸- ﴿وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ اور ایسی کوئی بستی نہیں مگر ہم قیامت سے پہلے اسے ہلاک کر دیں گے یا اسے سخت عذاب دیں گے۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ بستی کے نیکوں کے لیے ہلاکت وفنا ہوگی اور بستی کے بدکار لوگوں کے لیے سخت ترین عذاب ہوگا ﴿كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ﴾ یہ کتاب میں یعنی لوح محفوظ میں ﴿مَسْطُوْرًا﴾ لکھا ہوا ہے اور حضرت مقاتل سے منقول ہے کہ میں نے ضحاک کی کتب میں اس کی تفسیر یہ دیکھی ہے کہ مکہ معظمہ کو اہل حبشہ برباد کریں گے اور مدینہ منورہ کے لوگ بھوک و پیاس کی شدت سے ہلاک ہو جائیں گے اور بصرہ غرقابی کے سبب اور کوفہ ترک کے سبب اور جبال بجلی کی کڑک اور زلزلہ کے سبب ہلاک ہوگا لیکن خراسان تو کئی قسم کے عذابوں سے برباد ہوگا البتہ بلخ کے باشندے دھماکوں سے ہلاک ہوں گے اور بدخشان کو کئی قومیں تباہ کریں گی اور ترمذ کے لوگ طاعون کی بیماری سے مر جائیں گے' اور صفانیان سے لے کر واشجرد تک کے لوگ حد سے بڑھ کر بُری طرح قتل کیے جائیں گے' سمرقند پر بنوقنطورا غلبہ پا کر انہیں ہلاک کر دیں گے اور انہیں بہت بُری مار مار کر قتل کر دیں گے اور اسی طرح فرغانہ' شاش' اسبیجاب اور خوارزم کو بُری طرح قتل کر دیا جائے گا نیز بخارا کی سرزمین کے باشندے بڑے جابر لوگ ہیں' سو وہ قحط اور بھوک کی وجہ سے مر جائیں گے' لیکن مرو کے باشندوں پر اہل رمل غلبہ پالیں گے جس کے سبب علماء اور عابد و زاہد حضرات مارے جائیں گے البتہ ھرات میں سانپوں کی بارش ہوگی جو ان سب کو کھا جائیں گے لیکن نیشا پور تو وہاں کے رہنے والے لوگوں پر گرج اور بجلی اور تاریکی گرے گی اور ان میں سے اکثر لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور رائے کے علاقے پر طبریہ اور دیلم غلبہ حاصل کر لیں گے' پھر وہ ان کو قتل کر دیں گے البتہ آرمینیہ اور آذربیجان کو گھوڑوں کے کھر اور لشکر اور کڑک اور زلزلے ہلاک کر دیں گے اور ھمد ان پر دیلم کے لوگ چڑھائی کریں گے اور اس کو تباہ و برباد کر دیں گے لیکن حلوان تو اس پر پرسکون ہوا چلے گی اور وہ سو رہے ہوں گے' پھر صبح کے وقت اس کے باشندے بندر اور خنزیر بن جائیں گے' پھر جہینہ سے ایک آدمی خروج کرے گا اور مصر میں داخل ہو جائے گا تو وہ اہل مصر اور اہل دمشق اور اہل افریقہ اور اہل رملہ کے لیے ہلاکت کا سبب بن جائے گا اور وہ بیت المقدس میں داخل نہیں ہو سکے گا رہا بجستان تو وہاں کے لوگوں پر چند دن مسلسل تیز آندھی چلتی رہے گی' پھر وہاں دھماکے ہوں گے اور اس میں اہل علم مر جائیں گے لیکن کرمان اور اصبھان اور فارس تو ان پر ان کے دشمن حملہ کریں گے اور وہ ایسی چیخ و پکار کریں گے کہ ان کے دل پھٹ جائیں گے اور ان کے اجسام موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔

۵۹- ﴿وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ﴾ اور ہمیں معجزات بھیجنے سے کسی نے منع نہیں کیا مگر یہ کہ پہلے لوگوں نے ان کو جھٹلا دیا تھا' [معجزات نہ بھیجنے کے لیے منع کو بطور استعارہ لیا گیا اور پہلا ''اَنْ'' اپنے صلہ کے ساتھ مل کر محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ ''مَنَعَنَا'' کا فاعل ہے] تقدیر یوں ہے: ''وَمَا مَنَعَنَا اِرْسَالَ الْاٰيَاتِ اِلَّا تَكْذِيْبُ الْاَوَّلِيْنَ'' اور ہمیں آیات و معجزات بھیجنے سے منع نہیں کیا مگر پہلے لوگوں کی تکذیب نے اور آیات سے وہ معجزات مراد ہیں جن کا قریش مکہ نے مطالبہ کیا تھا کہ مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دیا جائے اور مُردوں کو زندہ کیا جائے وغیرہ وغیرہ اور گزشتہ امتوں میں اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ رہی ہے کہ ان میں سے جس نے کوئی معجزہ طلب کیا اور اس کا مطالبہ پورا کر کے معجزہ دکھا دیا گیا' پھر وہ اس پر

ایمان نہیں لائی تو دنیا میں فوراً اسے عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا گیا اور معنی یہ ہے کہ جن معجزات کا قریشِ مکہ مطالبہ کرتے ہیں' ان کے بھیجنے سے کسی چیز نے منع نہیں کیا مگر یہ کہ ان کو ان کے پہلے لوگوں نے جھٹلا دیا تھا جن کے دلوں پر قریشِ مکہ کی طرح مہر لگا دی گئی تھی جیسے عاد اور ثمود وغیرہ اور اگر وہ معجزات بھیج دیئے جاتے تو ان سابقین کی طرح قریشِ مکہ بھی ان کو جھٹلا دیتے اور ہلاکت خیز عذاب سے ختم کر دیئے جاتے اور اے محبوب! ہم نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جن لوگوں کی طرف آپ کو بھیجا گیا ہے' ہم ان کو قیامت تک مہلت دیں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان معجزات میں سے کچھ معجزات کا ذکر کیا ہے' جن کے پہلے لوگوں نے مطالبہ کیا تھا' پھر جب وہ معجزات ان کی طرف بھیج دیئے گئے تو انہوں نے ان کو جھٹلا دیا تھا' چنانچہ وہ اسی وقت یکدم ہلاک کر دیئے گئے تھے اور وہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی ہے کیونکہ ان کی ہلاکت کے آثار و نشانات قریشِ مکہ کی حدود کے قریب ہیں' وہ دورانِ سفر آتے جاتے انہیں دیکھتے رہتے ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ﴾ اور ہم نے قومِ ثمود کے مطالبے پر انہیں اونٹنی عطا فرمائی ﴿مُبْصِرَةً﴾ واضح اور روشن معجزہ بنا کر ﴿فَظَلَمُوْا بِهَا﴾ سو انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا' (کہ اس کی کونچیں کاٹ دیں اور اسے ہلاک کر دیا) اور اس کے معجزہ ہونے کا انکار کر کے اس کے ساتھ کفر کیا ﴿وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ﴾ اور ہم معجزات نہیں بھیجتے۔ اگر ان سے وہ معجزات مراد ہیں جو قریشِ مکہ کی طرف سے طلب کیے گئے ہیں تو معنی یہ ہوگا کہ ہم یہ معجزات نہیں بھیجتے ﴿اِلَّا تَخْوِيْفًا﴾ مگر بہت جلد نازل ہونے والے عذاب سے ڈرانے کے لیے جیسے ہراول دستہ جو لشکر سے پہلے بھیجا جاتا تھا کہ اگر دشمن پہلے خوف زدہ نہیں تھا تو اب مقدمۃ الجیش سے اس پر خوف طاری ہو جائے گا اور اگر قریشِ مکہ کے مطلوبہ معجزات مراد نہیں ہیں تو پھر معنی یہ ہوگا کہ ہم آیات نہیں بھیجتے جیسے قرآن مجید کی آیات وغیرہا مگر عذابِ آخرت سے ڈرانے اور دھمکانے کے لیے [''تَخْوِيْفًا'' مفعول لہ ہے]۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿۶۰﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ؗ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾

اور جب ہم نے آپ سے فرمایا کہ بے شک آپ کے رب نے تمام لوگوں کو اپنے قبضہ میں لیا ہوا ہے' اور جو نظارہ ہم نے آپ کو دکھایا ہے اسے ہم نے لوگوں کے لیے صرف آزمائش بنایا ہے اور وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے' اور ہم ان کو ڈراتے ہیں' سو وہ ڈرانے میں نہیں بڑھاتا مگر بہت بڑی سرکشی کو O اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم سناتے ہوئے فرمایا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو شیطان کے سوا سب نے سجدہ کیا' اس نے کہا: کیا میں اسے سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے O اس نے کہا: بھلا دیکھئے! کیا یہی ہے وہ جسے تو نے مجھ پر برتری عطا کی ہے' اگر تو نے مجھے قیامت تک مہلت دے دی تو میں اس کی ساری اولاد کو گمراہ کر کے جڑ سے اکھیڑ کر ملیامیٹ کر دوں گا ماسوا چند لوگوں کے O

۶۰-﴿ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ﴾ اور جب ہم نے آپ سے فرمایا کہ بے شک آپ کا پروردگار تمام لوگوں پر محیط ہے اور ہم نے جو نظارہ آپ کو دکھایا' اسے ہم نے لوگوں کے لیے صرف امتحان و آزمائش بنایا ہے اور (یعنی) اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ بے شک آپ کے رب تعالیٰ نے اپنے علم وقدرت سے قریش مکہ کا احاطہ کیا ہوا ہے' پس وہ تمام لوگ اس کے قبضے میں ہیں' سو آپ ان کی پرواہ نہ کریں اور آپ اپنا مشن جاری وساری رکھیے اور جس کے ساتھ آپ کو بھیجا گیا ہے' اس کی تبلیغ جاری رکھیے یا یہ معنی ہے کہ غزوۂ بدر واقع ہونے اور اس میں دشمنوں کے خلاف اہل اسلام کی مدد کرنے کی خوشخبری ہم نے آپ کو سنادی ہے اور وہ خوشخبری یہ ارشادات ہیں: ''سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ'' (القمر:۴۵) ''عنقریب کفارِ مکہ کی پوری جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ دے کر بھاگ جائے گی''۔ ''قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ'' (آل عمران:۱۲) ''اے محبوب! کافروں سے فرمادیجئے کہ عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے''۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا بنا کر پیش کیا کہ گویا ہو چکا اور واقع میں موجود پایا جاچکا ہے' چنانچہ فرمایا: ''اَحَاطَ بِالنَّاسِ'' کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق تمام لوگوں کو گھیر رکھا ہے اور اس کی خبریں بھی بیان کر دی ہیں' اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں ان کی قتل گاہیں دکھادی ہوں' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب بدر کے پانی کے چشمے کے پاس تشریف لائے تو فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں یقیناً قریش کی قوم کی قتل گاہوں اور ان کے گرنے کی جگہوں کی طرف دیکھ رہا ہوں اور آپ زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمانے لگے: یہ فلاں آدمی کی قتل گاہ ہے اور یہ فلاں شخص کی قتل گاہ ہے' پھر جب قریش نے وہ تمام باتیں سن لیں جو رسول اللہ ﷺ کی طرف بدر کے معاملے میں وحی کے ذریعے بھیجی گئی تھیں اور جو آپ کو خواب میں ان کی قتل گاہیں دکھائی گئی تھیں تو وہ اس پر قہقہے لگانے اور ٹھٹھا مسخری کرنے لگے اور مذاق اڑاتے ہوئے اس کی جلدی کرنے لگے ﴿ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ﴾ اور ایسا درخت جس پر قرآن مجید میں لعنت کی گئی ہے' یعنی ہم نے اس درخت کو جسے قرآن مجید میں ملعون قرار دیا گیا ہے نہیں بنایا مگر لوگوں کے لیے آزمائش کیونکہ جب ان لوگوں نے قرآن مجید میں یہ ارشاد سنا کہ ''اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ'' (الدخان:۴۳-۴۴) ''بے شک زقوم (تھوہر) کا درخت ۝ گنہگاروں کی خوراک ہوگا''۔ تو انہوں نے اس کا مذاق اڑایا اور کہا کہ (حضرت) محمد (ﷺ) گمان یہ رکھتے ہیں کہ دوزخ کی آگ پتھروں کو جلادے گی' پھر اب یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں ایک درخت اُگے گا (اور گنہگاروں کی خوراک بنے گا) اور حقیقت یہ ہے کہ جب انہوں نے یہ بات کہہ دی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر وشان نہیں پہچانی جیسا کہ اس کی پہچان کا حق ہے کیونکہ یہ ناممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے ایسی جنس سے درخت پیدا کردے جس کو دوزخ کی آگ نہ جلائے' چنانچہ ترک کے ملک میں سمندل نامی ایک کیڑا ہے جو ریشم پیدا کرتا ہے' جس سے رومال تیار کیے جاتے ہیں' جب وہ میلے ہو جاتے ہیں تو انہیں آگ میں ڈال دیا جاتا ہے جو ان کے میل کچیل کو ختم کر دیتی ہے جب کہ وہ رومال صحیح سلامت باقی رہتے ہیں' ان میں آگ کوئی اثر نہیں کرتی اور تم دیکھو گے کہ شتر مرغ انگاروں کو نگل جاتا ہے لیکن وہ انگارے اسے کوئی نقصان نہیں دیتے اور اللہ تعالیٰ نے ہر درخت میں آگ پیدا کی ہے جو اسے نہیں جلاتی تو یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ میں ایسا درخت پیدا کردے جو اسے نہ جلائے اور معنی یہ ہے کہ بے شک معجزات بندوں کو صرف ڈرانے اور دھمکانے کے لیے بھیجے جاتے ہیں اور قریش مکہ کو عذابِ دنیا سے بھی ڈرایا گیا ہے اور وہ بدر کے دن قتل کیا جانا ہے اور انہیں آخرت کے عذاب اور زقوم (تھوہر) کے درخت سے بھی ڈرایا گیا ہے لیکن ان میں کسی چیز نے اثر نہیں

کیا' پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَنُخَوِّفُهُمْ﴾ اور ہم انہیں ڈراتے ہیں' یعنی ہم انہیں دنیا اور آخرت کے عذاب سے ڈراتے ہیں ﴿فَمَا يَزِيدُهُمْ﴾ تو یہ ڈراوا ان میں نہیں بڑھاتا ﴿إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا﴾ مگر بہت بڑی سرکشی کو' تو جس قوم کی یہ حالت ہو اُسے ان معجزات سے کیسے ڈرایا جائے گا جن کا وہ مطالبہ کرتے ہیں اور بعض علماء نے کہا کہ ''رُؤْيَا'' سے مراد سفرِ معراج کے دوران مشاہدات ہیں اور فتنہ سے کمزور ایمان لوگوں کا اس سفر کو عقل وخرد سے بعید سمجھ کر دینِ اسلام سے مرتد ہو جانا مراد ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں سیر کرائی گئی تھی وہ اسی لفظ ''رُؤْيَا'' سے استدلال کرتے ہیں اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حالتِ بیداری میں سیر کی تھی وہ ''رؤیا'' سے ''رؤیت'' مراد لیتے ہیں یعنی ''رؤیا'' کا معنی ہے: حالتِ بیداری میں مشاہدہ کرنا اور یہاں اس سیر کا نام ''رؤیا'' محض جھٹلانے والوں کے قول کی بناء پر رکھا گیا ہے کیونکہ وہ حضور سے کہتے تھے کہ شاید وہ خواب ہے جو آپ نے دیکھا ہے' وہ اس کو بعید از خیال تصور کرتے تھے جیسا کہ کئی چیزوں کے نام قرآن مجید میں وہ رکھے گئے ہیں جو کافروں نے از خود تجویز کیے ہوئے تھے جیسے ارشاد ہے: ''فَرَاغَ اِلٰى اٰلِهَتِهِمْ'' (الصافات:٩١) ''پھر وہ ان کے معبودوں کی طرف چلا''۔ ''وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَاءِ يَ'' (النحل:٢٧) ''اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میرے شریک کہاں ہیں؟'' یا اس سے وہ خواب مراد ہے جو حضور نے دیکھا تھا کہ آپ مکہ مکرمہ میں عنقریب داخل ہوں گے اور ''فتنہ'' سے حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کو روکنا مراد ہے۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں زقوم کے درخت پر لعنت کا کوئی ذکر نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی ہے کہ زقوم ایک ایسا درخت ہے جس کے کھانے والوں پر لعنت کی گئی ہے اور وہ کافر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۝ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۝ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝'' (الواقعہ:٥١-٥٣) ''پھر اے گمراہو! جھٹلانے والو ۝ تم زقوم (تھوہر) کے درخت سے کھایا کرو گے ۝ اور اسی سے اپنے پیٹوں کو بھرو گے ۝'' بہر حال لعنت کے ساتھ موصوف تو درخت کو کیا گیا ہے لیکن بطورِ مجاز اس سے درخت کو کھانے والے مراد ہیں کیونکہ عرب کے لوگ ہر نقصان دِہ اور مکروہ کھانے کو ملعون کہتے ہیں اور اس لیے کہ لعنت کا معنی رحمت سے دور کرنا ہے اور یہ درخت دوزخ کی جڑ سے پیدا ہوا ہے' جو رحمت سے بہت دور ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم اور شیطان کا انکار

٦١- ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا﴾ اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ تم سب حضرت آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر شیطان نے نہ کیا' کہنے لگا: کیا میں اس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟ [''طِيْنًا'' تمیز ہے یا پھر لفظ ''مَنْ'' موصول سے حال واقع ہو رہا ہے اور اس کا عامل ''ءَ اَسْجُدُ'' ہے اس بناء پر کہ اس کی اصل ''ءَ اَسْجُدُ لَهٗ وَهُوَ طِيْنٌ'' ہے] کیا میں اس کو سجدہ کروں جب کہ وہ مٹی سے پیدا کیا گیا یعنی اس کی اصل اور بنیاد خاک ہے؟

٦٢- ﴿قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ﴾ شیطان نے کہا: دیکھئے! کیا یہ وہی ہے جسے (تو نے مجھ پر فضیلت بخشی ہے) [کاف کا کوئی محلِ اعراب نہیں ہے' یہ صرف تاکید کرنے کی بناء پر ذکر کیا گیا ہے اور ''هٰذَا'' مفعول بہ ہے] اور معنی یہ ہے کہ مجھے اس خاکی شخص کے بارے میں بتایئے جسے تو نے مجھ سے برتر بنایا ہے کہ تو نے اس کو مجھ پر فضیلت وعزت کیوں کر عطا فرمائی ہے؟ حالانکہ ''اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ'' (صٓ:٧٦) ''میں اس سے بہتر ہوں کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے (جس کی فطرت میں بلندی کی حرص ہے) اور اسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے (جس کی فطرت میں عاجزی وپستی

ہے)''۔[سو اس کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ ماقبل کلام اس پر دلالت کر رہا ہے] پھر شیطان سلسلۂ کلام شروع کرتے ہوئے کہنے لگا: ﴿لَئِنْ اَخَّرْتَنِ﴾ البتہ اگر تو نے مجھے مہلت دے دی'[اہل کوفہ اور اہل شام کے قراء کے نزدیک ''یا'' کے بغیر ہے (جب کہ ابن کثیر مکی' یعقوب' ابن محیصن کی قراءت میں وصل و وقف دونوں حالتوں میں آخر میں ''یَا'' کے ساتھ ''اَخَّرْتَنِیْ'' ہے[1] اس کے شروع میں لام صرف محذوف شدہ قسم کی تاکید کے لیے ہے] ﴿اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗ﴾ قیامت کے دن تک' تو میں اس کی اولاد کو ضرور گمراہ کر کے ان کی جڑ کاٹ دوں گا ﴿اِلَّا قَلِیْلًا﴾ ماسوا چند بندوں کے' اور وہ مخلص بندے مراد ہیں' بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ ہر ہر ہزار میں سے ایک ایک مخلص بندہ مراد ہے اور شیطان ملعون نے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے معلوم کر لیا تھا یا پھر اس نے دیکھا کہ بنی نوع انسان کو شہوانی پیدا کیا گیا ہے۔

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَیْهِمْ بِخَیْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰی بِرَبِّكَ وَكِیْلًا ﴿۶۵﴾ رَبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ﴿۶۶﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جا چلا جا' سو ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی پوری سزا دوزخ ہے O ان میں سے جن پر تیرا زور چلتا ہے تو ان کو اپنی آواز سے بہکا دے اور تو ان پر حملہ کرنے کے لیے اپنے سواروں اور اپنے پیادوں کو آواز دے کر بلا لے اور تو ان کے مال اور اولاد میں ان کے ساتھ شریک ہو جا اور تو ان سے وعدے کر' اور شیطان ان سے وعدے نہیں کرتا مگر دھوکہ دہی اور فریب کاری کے O بے شک میرے خاص بندوں پر تجھے کبھی غلبہ حاصل نہیں ہوگا' اور آپ کا پروردگار کافی کارساز ہے O تمہارا پروردگار صرف وہی ہے جو تمہارے لیے دریا میں کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو' بے شک وہ تم پر بے حد مہربان ہے O

۶۳- ﴿قَالَ اذْهَبْ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو جو کر سکتا ہے کر لے [یہ اس ''ذِهَاب'' سے نہیں جس کا معنی جانا ہے اور وہ ''مَجِیْئ'' (آنے) کی ضد اور نقیض ہے] بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تو نے اولادِ آدم کو ذلیل و رسواء کرنے اور مجھ سے جدا کرنے کا جو ارادہ کر لیا ہے اس کو کر سکتا ہے تو کر لے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد اس سزا کا ذکر کیا جو اس کے بُرے اختیار کے سبب اس پر اور اس کے پیروکاروں پر جاری و ساری کی جائے گی' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ﴾ سو ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا تو دوزخ تمہاری سزا ہوگی۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُهُمْ وَجَزَاؤُكَ'' تو ان کی اور تیری سزا دوزخ ہے' پھر مخاطب کو غائب پر غالب قرار دیا گیا اور ''جَزَاؤُكُمْ'' فرما دیا گیا ﴿جَزَآءً مَّوْفُوْرًا﴾ پورا پورا بدلا [یہ ''جَزَآءً'' پوشیدہ فعل یعنی ''تُجَازُوْنَ'' کے سبب منصوب ہے]۔

۶۴- ﴿وَاسْتَفْزِزْ﴾ اور تو جلد از جلد بہکا دے یا بہت تیزی کے ساتھ پھسلا دے یعنی تو راہِ راست سے لوگوں کو

[1] معجم القراءات القرآنیہ ج ۳ ص ۳۲۹

بہکانے میں خوب تیزی کے ساتھ دوڑ دھوپ کر [اور یہ "فَزٌّ" سے بنا ہے] جس کا معنی ہے: جلدی کرنا ﴿مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ﴾ ان میں سے جن کو تو اپنی آواز یعنی وسوسوں یا گانوں یا مزامیر (آلاتِ موسیقی) کے ذریعے گمراہ کر سکتا ہے کر لے ﴿وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ﴾ اور تو ان پر چیخ و پکار کر کے انہیں اپنے پاس جمع کر لے اور انہیں اپنے پاس بلا لے [اور "جَلَبَةٌ" سے بنا ہے] اور اس کا معنی ہے: بلند آواز سے یا چیخ مار کر بلانا ﴿بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ﴾ اپنے سواروں اور پیادہ معاونین کے ساتھ (یعنی) شریروں اور فسادیوں میں سے ہر قسم کے سواروں اور پیادوں کو بلا کر جمع کر لے' پس "خیل" اور "خیّالہ" کا معنی ہے: گھڑ سوار [" رَجِلٌ". "رَاجِل" کی اسم جمع ہے جیسے "رَكْبٌ". "رَاكِب" کی اور "صَحْبٌ". "صَاحِبٌ" کی جمع ہے] اور بعض نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ شیطان کے پاس گھڑ سوار اور پیادہ لشکر ہوں ﴿وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ﴾ اور تو انہیں مالوں میں اور اولاد میں شریک کر لے۔ علامہ زجاج نے کہا کہ ہر وہ مال اور اولاد جس میں بُرائی شامل ہو گی' اس میں شیطان ان کا شریک ہو گا جیسے سود کا مال اور حرام طریقوں سے کمایا گیا مال اور بتوں کے نام چھوڑے ہوئے بحیرہ اور سائبہ' وصیلہ وغیرہ جانور اور ناجائز کاموں میں خرچ کیا گیا مال اور فضول خرچی کا مال اور زکوٰۃ دینے سے منع کرنا اور اولاد پر حرام سبب سے حاصل کردہ مال خرچ کرنا اور ان کے عبد العزّیٰ اور عبد الشمس وغیرہ نام رکھنا ﴿وَعِدْهُمْ﴾ اور تو انہیں بتوں کی شفاعت کرنے کے جھوٹے وعدے دے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے آباء و اجداد کی بزرگی اور اعلیٰ خاندان اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے اور اسی طرح کی جھوٹی ترغیبیں دے ﴿وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ اور شیطان انہیں وعدہ نہیں دیتا مگر دھوکے کا' کہ وہ گناہ کے کام کو ایسا خوبصورت اور خوش نما بنا کر دکھاتا ہے کہ انسان سمجھتا ہے یہ نیکی کا کام ہے۔

۶۵- ﴿اِنَّ عِبَادِيْ﴾ بے شک میرے بندے (یعنی) میرے نیک اور صالحین بندے ﴿لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ تجھے ان پر اس طرح تسلط و غلبہ حاصل نہیں ہو گا کہ تو ان کا ایمان تبدیل کر سکے لیکن تو گناہوں کو اور بُرائیوں کو ان کے سامنے خوشنما اور آراستہ کر کے بنا سنوار کر پیش کر سکے گا ﴿وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا﴾ اور آپ کا رب تعالیٰ کافی کارساز ہے' ان لوگوں کے لیے جو اے شیطان! تجھ سے پناہ لینے میں اپنے رب پر توکل و بھروسا رکھتے ہیں یا تجھ سے انہیں محفوظ رکھنے کے لیے رب تعالیٰ اکیلا کافی کارساز ہے اور ہر وہ امر جو دھمکانے اور ڈرانے کے لیے دیا جائے اس کے ارتکاب پر سزا دی جائے گی یا پھر شیطان کی اہانت کے لیے مذکورہ بالا اوامر دیئے گئے ہیں کہ تو میری بادشاہی میں خلل نہیں ڈال سکے گا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان اور شرک کی مذمت اور فضیلتِ بنی آدم کا بیان

۶۶- ﴿رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ﴾ تمہارا مالک و پروردگار وہی ہے جو چلاتا ہے اور رواں رکھتا ہے ﴿لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ دریا میں کشتیوں کو صرف تمہاری خاطر تاکہ تم اس کا فضل (رزق) تلاش کرو' یعنی بحری تجارت کے ذریعے نفع حاصل کرو اور اپنے مالِ تجارت سے فائدہ اٹھاؤ ﴿اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ بے شک وہ تم پر بہت مہربان ہے۔

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿۶۸﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً

أُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾

اور جب تمہیں دریا میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم پرستش کرتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ تمہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو تم اس سے منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بہت ناشکرا ہے O کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کے کسی علاقے میں دھنسا دے یا تم پر پتھروں کی تیز آندھی بھیج دے پھر تم اپنے لیے کوئی حمایتی نہیں پاؤ گے O کیا تم اس بات سے بے خوف ہو چکے ہو کہ وہ تمہیں ایک مرتبہ دوبارہ دریا میں لے جائے پھر وہ تم پر جہازوں اور کشتیوں کو توڑ دینے والی سخت تیز آندھی بھیج دے اور تمہیں تمہارے کفر کی وجہ سے غرق کر دے پھر تم اپنی مدد کے لیے ہمارا تعاقب کرنے والا کوئی نہیں پاؤ گے O

۶۷- ﴿وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ﴾ اور جب تمہیں سمندر و دریا میں کوئی مصیبت گھیر لیتی ہے یعنی پانی میں ڈوب جانے کا خوف طاری ہو جاتا ہے ﴿ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ تو اللہ تعالیٰ کے ماسوا تم جن کی پرستش کرتے ہو وہ سب تم سے گم ہو جاتے ہیں (یعنی) مصائب و آلام اور حوادثات کے وقت ماسوا اکیلے اللہ تعالیٰ کے تمہارے ذہنوں اور تمہارے خیالات سے تمہارے وہ معبود محو ہو جاتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں جن کی عبادت کے لیے تم انہیں پکارتے ہو سو تم یقیناً اللہ تعالیٰ کے سوا کسی باطل معبود کو یاد نہیں کرتے ہو یا یہ معنی ہے کہ تم فریادرسی اور حاجت روائی کے لیے جن باطل معبودوں کو اپنا الٰہ اور معبود مان کر پکارتے ہو وہ تم سے دور ہو جاتے ہیں اور تمہاری مشکلیں دور نہیں کرتے لیکن اللہ واحد لاشریک ہی ایک ایسی ذات ہے جس سے تم اپنی امیدیں وابستہ کر لیتے ہو اور اس سے دعائیں مانگتے ہو [اس معنی کی بناء پر یہ استثناء منقطع ہوگا] ﴿فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ تمہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو تم خلاصی حاصل کرنے کے بعد اخلاص سے منہ پھیر لیتے ہو (اور شرک شروع کر دیتے ہو) ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا﴾ اور انسان یعنی کافر اپنے رب تعالیٰ کی نعمتوں کا بہت ناشکرا ہے۔

۶۸- ﴿اَفَاَمِنْتُمْ﴾ کیا تم بے خوف ہو چکے ہو؟ [ہمزہ انکار کے لیے ہے اور ''فا'' کا حرف محذوف فعل پر عطف کے لیے ہے] جس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''اَنَجَوْتُمْ فَاَمِنْتُمْ'' یعنی کیا (جب) تم نے نجات حاصل کر لی اور بے خوف ہو گئے تو اس نے تمہیں اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرنے پر آمادہ کر لیا (اور تم اس بات سے مطمئن ہو گئے ہو) ﴿اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ﴾ کہ وہ تمہیں خشکی کے کنارے میں دھنسا دے [''جَانِبَ''، ''يَخْسِفَ'' کی وجہ سے مفعول ہونے کی بناء پر منصوب ہے جیسا کہ درج ذیل ارشاد میں ''اَلْاَرْضَ'' مفعول ہونے کی بناء پر منصوب ہے ''فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ'' (القصص:۸۱) ''سو ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ اور ''بِكُمْ'' حال ہے] اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پانی میں غرق کرنے کی بجائے خشک زمین میں دھنسا دے یعنی جس سرزمین پر تم ہو اس کو الٹ دے (اور تم اس کے نیچے دب کر ہلاک ہو جاؤ) اور مقصد یہ ہے کہ تمام اطراف یکساں اس کی قدرت کے تحت داخل ہیں اور اس کی ہر طرف میں خواہ وہ خشک ہو یا دریا کی سمت ہو ہلاکت کے اسباب میں کوئی نہ کوئی سبب موجود ہوتا ہے صرف دریا کی طرف اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اگر دریا اور سمندر کی جانب میں غرق ہونے کا اندیشہ ہے تو خشکی کی جانب میں دھنسنے کا اندیشہ بھی موجود ہے اور ''خسف'' (دھنسنا) کا مطلب ہے: زمین کے نیچے گہری تہ میں غائب کر دینا اور غرق کا مطلب ہے: پانی کی گہرائی میں

غائب کر دینا' پس عاقل و دانا پر لازم ہے کہ تمام اطراف میں اسے اللہ تعالیٰ کا خوف یکساں ہو اور وہ کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرتا رہے۔ ﴿ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ﴾ یا وہ تم پر پتھروں والی تیز آندھی بھیج دے۔ ''حَاصِبًا'' ایسی تیز آندھی کو کہا جاتا ہے جو کنکر اڑاتی ہوئی چلتی ہو یعنی سنگسار کرنے والی تیز آندھی یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہارے نیچے زمین کی گہرائی میں تمہیں دھنسانے کے ساتھ ہلاک نہ کرے لیکن تمہارے اوپر ایسی سخت سنگ آمیز آندھی چلا دے جس کے ذریعے تم پر پتھر اور کنکر برسا کر تمہیں ہلاک کر دے ﴿ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا ﴾ پھر تم اپنے لیے کوئی کارساز و حامی نہیں پاؤ گے جو تم سے اس ہلاکت کو دور کر دے۔

٦٩- ﴿ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ ﴾ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ اس میں لے جائے اور تم پر (سخت خوفناک آندھی) بھیج دے یعنی کیا تم اس بات پر مطمئن ہو چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بحری اسباب کو مضبوط بنا دے اور تمہاری ضروریات کو بڑھا دے یہاں تک کہ تم دوبارہ واپس لوٹ آؤ اور تم سمندر اور دریا میں سوار ہو جاؤ جس سے اللہ تعالیٰ نے نجات دی تھی اور اس کے بعد تم نے اس سے منہ پھیر لیا تھا' چنانچہ اب وہ تم سے اس طرح انتقام لے گا کہ وہ تم پر ﴿ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ ﴾ زوردار آندھی بھیج دے' یہ ایک ایسی آندھی ہوتی ہے جس میں بہت سخت زوردار آواز ہوتی ہے یا ایسی تیز آندھی جو کشتیوں کو توڑنے والی ہوگی ﴿ فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ﴾ اور وہ تمہیں غرق کر دے گی اس لیے کہ تم نے کفر اختیار کر لیا ہے یعنی اس کا سبب یہ ہے کہ تم نے نعمتِ الٰہی پر ناشکری کی اور وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے (تمہارے کفر کے باوجود) تمہیں دریا سے نجات دے دی تو تم نے منہ پھیر لیا اور شکر ادا کرنے کی بجائے کفرانِ نعمت کا روّیہ اختیار کیا ﴿ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ﴾ پھر تم اپنے لیے ہمارے اوپر اس (غرق کرنے) کی وجہ سے کوئی پیچھا کرنے والا نہیں پاؤ گے جو تمہارے بدلا کا مطالبہ کر سکے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ'' (البقرہ:١٧٨) یعنی ''مقتول کے وارث کو دستور کے مطابق قصاص کے مطالبے کا حق حاصل ہے''۔ اور معنی یہ ہے کہ بے شک ہم جو چاہیں گے ان کے ساتھ کریں گے' لیکن تم کسی ایسے شخص کو نہیں پاؤ گے جو ہم نے ان کے ساتھ کیا ہے' اس پر وہ ہم سے قصاص کا مطالبہ کر سکے اور ہماری طرف سے خون بہا حاصل کر سکے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے کہ ''وَلَا یَخَافُ عُقْبٰهَا'' (الشمس:١٥) ''اور وہ ان کے انجام سے نہیں ڈرتا''۔ [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں نون (جمع متکلم) کے ساتھ ''اَنْ نَّخْسِفَ. اَوْ نُرْسِلَ. اَنْ نُّعِیْدَكُمْ. فَنُرْسِلَ. فَنُغْرِقَكُمْ'' ہے]۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ۝٧٠ یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ یَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ۝٧١ وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِیْلًا ۝٧٢ وَاِنْ كَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِیْلًا ۝٧٣

ع

بے شک ہم نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) کی اولاد کو فضیلت عطا فرمائی ہے اور ہم نے انہیں خشکی اور دریا میں سوار بنایا ہے اور ہم نے انہیں بہترین چیزوں میں سے رزق عنایت کیا ہے اور ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر بزرگی عطا

فرمادی ہےO جس دن ہم تمام انسانوں کو ان کے پیشوا کے ساتھ بلائیں گے تو جن کو ان کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اپنا نامۂ اعمال پڑھیں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا اور جو اس دنیا میں اندھا ہوگا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور زیادہ گمراہ ہوگاO اور بے شک قریب تھا کہ جو کچھ ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے اس کی نسبت یہ لوگ آپ کو فتنہ میں مبتلا کر دیتے تا کہ آپ اس کے خلاف ہم پر کچھ گھڑ لیں' اور اس وقت وہ آپ کو ضرور دوست بنا لیتےO

۷۰- ﴿ وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِيٓ ءَادَمَ ﴾ اور بے شک ہم نے حضرت آدم علیہ السلام کی تمام نسل کو عقل و دانش اور قوتِ گویائی اور کتابت و تحریر کی صلاحیت اور خوب صورت شکل و روپ اور معتدل قد و قامت اور دنیا و آخرت کی زندگی کی تدبیر و تنظیم اور دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کی صلاحیت اور تمام اشیاء کو مسخر و کنٹرول کرنے کی صلاحیت اور ہاتھوں سے کھانے کے سبب مکرم و معزز اور بزرگ و برتر بنا دیا۔ ہارون الرشید کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے کھانا پیش کرنے کا حکم دیا اور چمچے منگائے' اس محفل میں ان کے پاس حضرت قاضی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف فرما تھے' انہوں نے ہارون الرشید سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِيٓ ءَادَمَ'' کی تفسیر میں آپ کے جدِ امجد حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کردہ روایت میں آیا ہے کہ ہم نے بنو آدم کو اس لیے ہاتھ عطا کیے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ کھانا کھایا کریں گے اور اسی دوران چمچے بھی لا کر حاضر کر دیئے گئے لیکن ہارون الرشید نے انہیں واپس کر دیا اور اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے کھانا کھایا ﴿ وَحَمَلۡنَٰهُمۡ فِي ٱلۡبَرِّ وَٱلۡبَحۡرِ ﴾ اور ہم نے ان کو خشکی میں چوپایوں پر اور دریا میں کشتیوں پر سوار کیا ﴿ وَرَزَقۡنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ ﴾ اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں اور لذیذ و مزے دار نعمتوں میں سے رزق دیا یا اس میں سے جو ان کے ہاتھوں نے محنت کر کے کمایا ﴿ وَفَضَّلۡنَٰهُمۡ عَلَىٰ كَثِيرٖ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِيلٗا ﴾ اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت و برتری عطا کی ہے یعنی انہیں تمام مخلوقات پر فضیلت و بزرگی دی گئی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَاَكۡثَرُهُمۡ كَاذِبُوۡنَ'' (الشعراء: ۲۲۳) ''اور ان میں سے اکثر لوگ جھوٹے ہیں یعنی وہ تمام کے تمام جھوٹے ہیں''۔ حضرت حسن بصری کا یہی قول ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''وَمَا يَتَّبِعُ اَكۡثَرُهُمۡ اِلَّا ظَنًّا'' (یونس: ۳۶) ''اور ان میں سے اکثر لوگ گمان کی پیروی کرتے ہیں''۔ ''تفسیر کشاف'' میں مذکور ہے کہ یہاں ''اَكۡثَر'' سے تمام لوگ مراد ہیں اور حضور سیّد عالم ﷺ سے منقول ہے کہ ''اَلۡمُؤۡمِنُ اَكۡرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الۡمَلَآئِكَةِ''[1] مومن (متقی مسلمان) فرشتوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز و محترم ہے اور یہ اس لیے کہ فرشتوں کو فطری طور پر اطاعت کے لیے پیدا کیا گیا ہے سو ان میں عقل و دانش ہے مگر شہوت نہیں ہے اور چوپایوں میں شہوت ہے مگر عقل نہیں ہے اور آدمی میں عقل و شہوت دونوں چیزیں ہیں' پس جس شخص کی عقل اس کی شہوت پر غالب آ جاتی ہے تو وہ فرشتوں سے زیادہ مکرم و معظم ہو جاتا ہے اور جس شخص کی شہوت اس کی عقل پر غالب آ جاتی ہے وہ جانوروں سے بدترین ہو جاتا ہے اور اس لیے کہ ہر چیز بنو آدم کے لیے پیدا کی گئی اور بنی آدم کو اللہ تعالیٰ اپنے لیے پیدا فرمایا ہے۔

قیامت کے دن ہر ایک کو اپنے پیشوا کے ساتھ بلایا جائے گا' نیز قریش مکہ کی سازش سے حضور کی حفاظت کا بیان

۷۱- ﴿ يَوۡمَ نَدۡعُواْ ﴾ اے محبوب! اس دن کو یاد کیجئے جب ہم بلائیں گے [''يَوۡمَ'' محذوف ''اُذۡكُرۡ'' کی وجہ سے منصوب ہے] ﴿ كُلَّ أُنَاسِۭ بِإِمَٰمِهِمۡ ﴾ تمام لوگوں کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ' [''بَا'' حال کے لیے ہے] تقدیر عبارت یہ ہے: ''مُخۡتَلِطِيۡنَ بِاِمَامِهِمۡ'' ''ہم تمام لوگوں کو قیامت کے دن اس حال میں بلائیں گے کہ وہ اپنے اماموں کے ساتھ وابستہ

[1] رواہ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۴۷

ہوں گے یعنی لوگوں نے دنیا میں جس کی اقتداء اور پیروی کی ہو گی اس کے ساتھ انہیں بلایا جائے گا' خواہ نبی ہو یا دینی مقتدا ہو یا امام سے کتاب یا دین مراد ہے' چنانچہ اس روز کہا جائے گا: اے فلاں نبی کے پیروکارو! اے فلاں دینی مقتدا اور امام کے پیروکارو! یا اے فلاں دین کے ماننے والو! یا اے فلاں کتاب پر عمل پیرا ہونے والو! اور بعض اہل علم حضرات نے کہا کہ اس سے نامۂ اعمال کی کتاب مراد ہے' چنانچہ کہا جائے گا کہ اے نیک اعمال کی کتاب والو! اور اے بُرے اعمال کی کتاب والو! ﴿فَمَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ﴾ پھر جن لوگوں کو بلایا جائے گا' ان میں سے جس کو اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ﴿فَاُولٰٓئِكَ یَقْرَءُوْنَ کِتٰبَهُمْ﴾ تو وہ لوگ اپنا نامۂ اعمال پڑھیں گے [اور یہاں ''اُولٰٓئِكَ'' اس لیے کہا گیا ہے کہ لفظ ''مَنْ'' جمع کے معنی میں ہے] ﴿وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا﴾ اور ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کے ثواب میں سے کچھ کم کیا جائے گا اور اسی ارشاد پر اکتفاء کر کے کفار کا ذکر نہیں کیا گیا اور نہ ان کے بائیں ہاتھوں میں ان کے اعمال نامے دینے کا ذکر کیا گیا ہے۔

۷۲۔﴿وَمَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰی﴾ اور جو شخص اس میں یعنی دنیا میں اندھا ہو گا ﴿فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی﴾ تو وہ آخرت میں بھی اسی طرح اندھا ہو گا ﴿وَاَضَلُّ سَبِیْلًا﴾ اور وہ اندھے سے زیادہ گمراہ ہو گا یعنی وہ راہِ راست پانے کے لیے اندھے سے زیادہ بڑھ کر گمراہ ہو گا' جو لوگ قوتِ مدرکہ اور حاسہ کے فاسد و خراب ہونے کی بناء پر مبصرات کا ادراک نہیں کر سکتے ان سے ''اَعْمٰی'' کو مستعار لے کر ان لوگوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو نجات کے راستے کی طرف ہدایت نہیں پاتے لیکن دنیا میں تو اس لیے کہ اس کی نظر مفقود تھی اور آخرت میں اس لیے کہ وہاں ہدایت پانا فائدہ نہیں دے گا [اور یہ بھی جائز ہے کہ دوسرا ''اَعْمٰی'' اسم تفضیل ہو جس کی دلیل یہ ہے کہ اس پر ''وَاَضَلُّ'' کا عطف کیا گیا جو کہ اسم تفضیل ہے اور اسی وجہ سے ابو عمرو نے پہلے ''اَعْمٰی'' کو امالہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے ''اَعْمٰی'' کو تفخیم یعنی پُر کر کے پڑھا ہے کیونکہ '' افعل التفضیل'' ''مِنْ'' کے ساتھ مکمل ہوتا ہے' اس لیے اس کا الف کلمہ کے وسط کے حکم میں واقع ہے اور امالہ کو قبول نہیں کرتا لیکن رہا پہلا ''اَعْمٰی'' تو اس کے ساتھ کوئی متعلق نہیں ہے' اس لیے اس کا الف طرف میں واقع ہے اور امالہ کو قبول کرتا ہے۔ قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں دونوں جگہ امالہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جب کہ باقی قراء کی قراءت میں دونوں کو تفخیم کے ساتھ پڑھا جاتا ہے]۔

۷۳۔شانِ نزول: جب قریشِ مکہ نے حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مطالبہ کیا کہ آپ آیتِ رحمت کی بجائے آیتِ عذاب کر دیں اور آیتِ عذاب کی بجائے آیتِ رحمت کر دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے جس پر یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی ﴿وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَكَ﴾ اور بے شک قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو آزمائش میں ڈال دیتے [اس میں حرف ''اِنْ'' ثقیلہ (نون مشدد یعنی ''اِنَّ'') سے مخففہ (یعنی نون ساکن) بنا دیا گیا ہے اور لام تاکید کے لیے ہے جو ''اِنْ'' نافیہ میں اور اس کے درمیان فرق کرنے کے لیے لایا گیا ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک شان یہ ہے کہ قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو فتنہ میں مبتلا کر دیتے یعنی آپ کو فتنہ میں ڈال کر وہ آپ سے دھوکہ کرتے ﴿عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ﴾ ہمارے اوامر و نواہی اور ہمارے وعدوں اور وعیدوں سے جو ہم نے آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجے تھے ﴿لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَهٗ﴾ تاکہ آپ اس وحی کے علاوہ کسی اور چیز کو گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیں' نیز تاکہ آپ وہ باتیں ہمارے نام لگا دیں جو ہم نے نہیں کہیں یعنی یہ کہ جو انہوں نے وعدے کو تبدیل کر کے وعید اور وعید کو تبدیل کر کے وعدے میں بدل دیا تھا ﴿وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِیْلًا﴾ یعنی اگر آپ ان کی مراد کی پیروی کر لیتے تو وہ لوگ آپ کو اپنا دوست بنا لیتے اور آپ ان کے دوست و مددگار

بن جاتے اور میری ولایت وحمایت سے آپ نکل جاتے۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ ع اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾

اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو یقیناً آپ ان کی طرف تھوڑا سا جھک جاتے O اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو دنیا کی زندگی میں اور موت کے بعد دگنا عذاب چکھاتے' پھر آپ اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پاتے O اور بے شک قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو اس سرزمین سے دل برداشتہ کر دیتے تا کہ وہ آپ کو یہاں سے نکال دیں اور اس صورت میں وہ بھی آپ کے پیچھے نہ ٹھہرتے مگر بہت کم مدت O یہ طریقہ ان رسولوں کا ہے جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے تھے اور آپ ہمارے طریقے میں تبدیلی نہیں پائیں گے O سورج کے زوال سے لے کر رات کی تاریکی تک نماز قائم کیجئے اور فجر کی نماز قائم کیجئے' بے شک نمازِ فجر میں فرشتے حاضر کیے جاتے ہیں O

۷۴- ﴿وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ﴾ اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے اور ہم آپ کو مضبوط و محفوظ اور معصوم نہ بناتے ﴿لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ﴾ تو البتہ آپ ان کی طرف مائل ہو جاتے اور آپ ان کے مکر و فریب کی طرف جھک جاتے ﴿شَيْـًٔا قَلِيْلًا﴾ تھوڑا سا' یعنی آپ بہت تھوڑا سا ان کی طرف جھک جاتے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کے مکر و فریب سے بچنے کی ترغیب ہے اور آپ کے ثابت قدم رہنے اور ان کی طرف نہ جھکنے کی فضیلت کا بیان ہے۔

۷۵- ﴿اِذًا﴾ اس وقت اگر آپ ان کی طرف تھوڑا سا بھی جھک جاتے ﴿لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ﴾ تو البتہ ہم آپ کو ضرور زندگی میں اور موت کے بعد دگنا مزہ چکھاتے (یعنی) ہم آپ کو ضرور عذابِ آخرت اور عذابِ قبر کا مزہ دگنا کر کے چکھاتے کیونکہ آپ کے منصبِ نبوت اور آپ کے مقام و مرتبہ کی فضیلت و عظمت کی بناء پر یہ آپ کا بہت بڑا جرم ہوتا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: "يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ" (الاحزاب: ۳۰) "اے پیغمبر کی عورتو! تم میں سے جو عورت کھلم کھلا بے حیائی کا ارتکاب کرے گی تو اس کو دگنا عذاب دیا جائے گا"۔ اور اصل کلام یوں ہے: "لَاَذَقْنٰكَ عَذَابَ الْحَيٰوةِ وَعَذَابَ الْمَمَاتِ" "ہم ضرور آپ کو زندگی میں اور مرنے کے بعد عذاب کا مزہ چکھاتے کیونکہ عذاب دو ہیں: ایک مرنے کے بعد اور وہ قبر کا عذاب ہے اور دوسرا آخرت کی زندگی میں اور وہ دوزخ کی آگ کا عذاب ہے اور یہاں عذاب کو دگنا کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: "فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ" (الاعراف: ۳۸) "اے اللہ! ان گمراہ گر کافروں کو دوزخ کا دگنا عذاب دے"۔ تو گویا اصل کلام یوں تھا: "لَاَذَقْنٰكَ عَذَابًا ضِعْفًا فِي الْحَيٰوةِ وَعَذَابًا ضِعْفًا فِي الْمَمَاتِ" [پھر موصوف کو حذف کر دیا گیا اور صفت کو اس کا قائم مقام کیا گیا ہے' پھر صفت کی اضافت کر دی گئی جیسا کہ موصوف کی اضافت کی جاتی ہے] چنانچہ فرمایا گیا:

"ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ" اور یہ بھی جائز ہے کہ "ضِعْفَ الْحَيٰوةِ" سے دنیا کی زندگی کا عذاب مراد لیا جائے اور "ضِعْفَ الْمَمَاتِ" سے مرنے کے بعد عذابِ قبر اور عذابِ دوزخ مراد لیا جائے اور کفار کی طرف تھوڑا سا مائل ہونے پر دو جہانوں میں دگنا عذاب کی سخت ترین وعید سنانا اس بات کی دلیل ہے کہ فاعل کی عظیم شان کے مطابق بُرے کام کی بُرائی بڑھ جاتی ہے اور جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ دعا پڑھا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ" اے میرے اللہ! تو مجھے ایک لحہ کے لیے بھی میرے نفس کے سپرد نہ کرنا ﴿ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا﴾ پھر آپ اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کوئی حامی اور مددگار نہیں پائیں گے جو آپ سے ہمارے عذاب کو روک سکے۔

۷۶۔﴿وَاِنْ كَادُوْا﴾ اور بے شک قریب تھا کہ وہ لوگ یعنی اہل مکہ ﴿لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ﴾ اپنے ظلم وستم اور اپنے مکر وفریب کے ذریعے آپ کو سرزمینِ مکہ سے ڈگمگا دیتے ﴿لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا﴾ تاکہ وہ لوگ آپ کو سرزمین مکہ سے نکال دیں ﴿وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ﴾ اور پھر وہ آپ کے پیچھے نہیں ٹھہریں گے یعنی آپ کو نکالنے کے بعد کفارِ مکہ بھی باقی نہیں رہیں گے [ابوبکر اور شامی کے علاوہ اہل کوفہ کی قراءت میں "خِلَافَكَ" ہے۔ "خَلْفَكَ" اور "خِلَافَكَ" دونوں کا ایک معنی ہے] ﴿اِلَّا قَلِيْلًا﴾ مگر تھوڑا سا عرصہ باقی رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کی ہجرت کے بعد ان کو عنقریب ہلاک کر دے گا اور اللہ تعالیٰ نے جیسے فرمایا ویسے ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہجرت کر جانے کے تھوڑے عرصے کے بعد غزوۂ بدر میں کفارِ مکہ ہلاک کیے گئے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ لوگ آپ کو نکال دیتے تو وہ سب کے سب ہلاک کر دیئے جاتے لیکن وہ آپ کو نہیں نکال سکے بلکہ آپ نے تو اپنے پروردگار کے حکم سے ہجرت کی تھی اور بعض نے کہا کہ کفارِ مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سرزمین عرب سے نکالنا چاہتے تھے یا پھر سرزمین مدینہ سے نکالنا چاہتے تھے۔

۷۷۔﴿سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا﴾ بے شک ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے ہیں ان میں یہی طریقہ جاری رہا یعنی ہر قوم اپنے اپنے رسول کو اپنے علاقہ سے نکال دیا کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ کی سنت ان میں یہی جاری رہی کہ نکالنے والوں کو ہلاک کر دیا جاتا تھا [اور "سُنَّةَ" مصدر مؤکد ہونے کی بناء پر منصوب ہے] "اَیْ سَنَّ اللّٰهُ ذٰلِكَ سُنَّةً" یعنی اللہ تعالیٰ نے یہی طریقہ جاری فرما دیا ہے ﴿وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا﴾ اور آپ ہمارے طریقے میں تبدیلی نہیں پائیں گے۔

پنجگانہ نماز' تہجد کی نماز اور مقام محمود وصدق کی اہمیت

۷۸۔﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ﴾ سورج ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک (ظہر' عصر' مغرب' عشاء کی) نماز قائم کیجئے۔ "دُلُوْك" کا معنی زوال ہے اور اس معنی پر یہ آیت مبارکہ پنجگانہ نمازوں کو شامل وجامع ہے یا "دُلُوْك" کا معنی غروب ہے یعنی غروبِ آفتاب سے عشاء تک نماز قائم کیجئے اور اس معنی پر ظہر اور عصر خارج ہو جائیں گی اور "غَسَق" کا معنی ظلمت وتاریکی ہے اور اس سے نمازِ عشاء مراد ہے ﴿وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ اور نمازِ فجر اور قرآن کا معنی قراءت (پڑھنا) ہے' نماز فجر کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ قراءت نماز کا ایک اہم رکن ہے جیسے نماز کا نام رکوع اور سجود بھی رکھا گیا ہے اور یہ اصم (اور ابن علیہ) کے خلاف حجت ہے جنہوں نے یہ گمان کیا کہ قراءت نماز کا رکن نہیں ہے یا نمازِ فجر کا نام قرآن اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں قراءت طویل ولمبی کی جاتی ہے [اور یہ "الصلوٰۃ" پر معطوف ہے] ﴿اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا﴾ بے شک نمازِ فجر میں فرشتے حاضر کیے جاتے ہیں' اس وقت رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں کہ دن کے فرشتے اس وقت آسمان سے زمین پر اترتے ہیں اور رات کے فرشتے اپنی ڈیوٹی ادا کر کے زمین سے آسمان کی طرف چڑھتے

ہیں اس وقت رات کے ڈائری نویس فرشتوں کی آخری گھڑی ہوتی ہے اور دن کے ڈائری نویس فرشتوں کی پہلی گھڑی ہوتی ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس وقت عام طور پر عادت کے مطابق نمازی حضرات کثرت سے حاضر ہوتے ہیں۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

اور رات کے کچھ حصے میں نمازِ تہجد پڑھا کریں یہ صرف آپ کے لیے زائد عبادت ہے' عنقریب آپ کا رب آپ کو قابلِ تعریف مقام پر قائم کرے گا○ اور آپ عرض کیجئے کہ اے میرے پروردگار! مجھے سچی جگہ میں داخل فرما اور مجھے سچی جگہ سے نکال اور اپنی طرف سے میرے لیے غالب مددگار مقرر فرما○ اور فرما دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا' بے شک باطل مٹنے والا ہے○ اور ہم قرآن میں وہ چیز نازل فرماتے ہیں جو مؤمنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے' اور ظالموں کے لیے صرف نقصان کو بڑھاتا ہے○

۷۹- ﴿وَمِنَ الَّيْلِ﴾ اور رات کے کچھ حصہ میں (یعنی) اور آپ پر لازم ہے کہ رات کے بعض حصہ میں اٹھئے ﴿فَتَهَجَّدْ﴾ اور نمازِ تہجد ادا کیجئے۔ ''تھجد'' کا معنی ہے: نماز کے لیے نیند کو چھوڑنا اور نیند کے معنی میں بھی ''تھجد'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے ﴿بِهٖ﴾ قرآن مجید کے ساتھ ﴿نَافِلَةً لَّكَ﴾ پنجگانہ نمازوں کے علاوہ یہ ایک زائد عبادت آپ کے لیے مخصوص ہے [''تَهَجُّدًا'' کی بجائے ''نَافِلَةً'' اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ یہ ایک زائد عبادت ہے (اور ''نفل'' کا معنی زائد ہے) تو گویا ''تھجد'' اور ''نافلة'' کے لیے ایک معنی جامع ہے] اور اب معنی یہ ہے کہ بے شک نمازِ تہجد فرض نمازوں پر ایک زائد عبادت بطورِ غنیمت آپ کے لیے بڑھا دی گئی ہے یا یہ معنی ہے کہ یہ نماز صرف آپ پر فرض کر دی گئی ہے' آپ کے علاوہ کسی اور پر فرض نہیں کی گئی کیونکہ یہ نمازِ تہجد دوسروں کے لیے نفل عبادت ہے ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ عنقریب آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا [''مَقَامًا'' ظرف کی بناء پر منصوب ہے] یعنی عنقریب قیامت کے دن آپ کا رب آپ کو اٹھائے گا اور آپ کو مقامِ محمود پر کھڑا کرے گا یا پھر ''يَبْعَثُ'' خود ''يُقِيْمُكَ'' کے معنی کو متضمن ہے اور وہ جمہور کے نزدیک مقامِ شفاعت ہے اور اس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں یا وہ مقام مراد ہے جس میں لوائے حمد (حمد و ثناء کا جھنڈا) عطا کیا جائے گا۔

۸۰- ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ﴾ اور اے محبوب! مجھ سے عرض کیجئے کہ اے میرے پروردگار! مجھے سچی جگہ میں داخل کیجئے [''مُدْخَل'' مصدر ہے] یعنی اے اللہ! مجھے تمام گناہوں اور لغزشوں سے پاک کر کے پسندیدہ طریقہ پر راضی ہو کر قبر میں داخل کیجئے ﴿وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ﴾ اور مجھے سچی جگہ سے نکال' یعنی اے اللہ! اٹھنے کے دن مجھے قبر سے پسندیدہ طریقہ پر نکالئے' ملامت سے محفوظ و سلامت اور عزت و کرامت کے ساتھ ملاقات عطا کیجئے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ

مقامِ محمود پر کھڑا کرنے کے لیے اٹھائے جانے کے ذکر کے بعد اس کا ذکر کیا گیا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیتِ مبارکہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا تھا' لہٰذا اس سے مدینہ منورہ میں داخل کرنا اور مکہ مکرمہ سے نکالنا مراد ہے یا یہ دعا عام ہے جس مکان میں داخل ہوں یا جس کام کو شروع کریں اور جس مکان سے خارج ہوں یا جس کام سے فارغ ہوں' ہر صورت میں صداقت کا اظہار ہوتا رہے ﴿وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا﴾ اور (اے اللہ!) تو اپنی طرف سے میرے لیے غالب مددگار و حامی مقرر فرما دے (یعنی) ایسی حجت و برہان میرے لیے بنا دے جو میرے مخالفوں اور دشمنوں پر میری مدد کرے یا ایسا ملک و سلطنت اور ایسا قوی غلبہ عطا فرما جو کفر پر اسلام کے لیے مددگار ہو اور کفر پر اسلام کو غالب و حاوی کر دے۔

حق و باطل کا تقابل' قرآن کی شان اور انسان کی خود غرضی

۸۱- ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ﴾ اور اے محبوب! فرما دیجئے کہ حق یعنی دین اسلام آ گیا ﴿وَزَهَقَ﴾ اور بھاگ گیا اور مٹ گیا ﴿الْبَاطِلُ﴾ باطل' یعنی کفر و شرک یا یہ معنی ہے کہ قرآن مجید آ گیا اور شیطان ہلاک ہو گیا ﴿اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ بے شک باطل مٹنے والا ہے اور ہر وقت و ہر حال میں ہلاک ہونے والا شکست خوردہ و مغلوب ہونے والا ہے۔

۸۲- ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ﴾ اور ہم قرآن میں سے جو کچھ نازل کرتے ہیں وہ دلوں کی بیماریوں کے لیے شفاء ہے [ابو عمرو کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ''نُنْزِلُ'' (باب افعال سے) ہے اور ''مِنَ الْقُرْاٰنِ'' میں ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے] ﴿وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور مؤمنوں کے لیے رحمت ہے اور مصائب و آلام اور تکلیفوں کو کھولنے والا ہے اور عیبوں سے پاک کرنے والا ہے اور گناہوں کو مٹانے والا ہے اور حدیث شریف میں ہے: ''مَنْ لَّمْ يَسْتَشْفِ بِالْقُرْاٰنِ فَلَا شَفَاهُ اللّٰهُ'' جو شخص قرآن مجید سے شفاء حاصل نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اسے شفاء عطا نہ فرمائے گا[1] ﴿وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور یہ قرآن مجید ظالموں یعنی کافروں میں نہیں بڑھاتا اور ان میں اضافہ نہیں کرتا ﴿اِلَّا خَسَارًا﴾ مگر خسارے اور نقصان کو اور ان کی گمراہی میں اضافہ کرتا ہے اور اس کا سبب کافروں کا قرآن مجید کو جھٹلانا ہے اور اس کا کفر و انکار کرنا ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ۝۸۳ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝۸۴ع وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۸۵ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝۸۶ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝۸۷

اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور اپنا پہلو بچا کر دور ہٹ جاتا ہے' اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے ۝ فرما دیجئے کہ ہر شخص اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے' سو تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ راہِ راست پر کون زیادہ چل رہا ہے ۝ اور یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں' آپ فرما دیں کہ

[1] حاشیۃ الکشاف ج ۲ ص ۶۸۹' رواہ الدارقطنی فی الافراد کما فی کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۰۶

روح میرے پروردگار کے امر سے ہے اور تمہیں علم نہیں دیا گیا مگر بہت تھوڑا ساO اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے اسے ہم لے جاتے' پھر اس کے لے جانے پر آپ اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کوئی کارساز نہ پاتےO مگر آپ کے پروردگار کی رحمت' بے شک آپ پر اس کا فضل بہت بڑا ہےO

۸۳- ﴿ وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ ﴾ اور جب ہم انسان کو صحت وخوش حالی کی نعمت سے نوازتے ہیں ﴿ اَعۡرَضَ ﴾ تو وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے منہ پھیر لیتا ہے یا جب ہم قرآن مجید کی نعمت سے اسے نوازتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے ﴿ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ﴾ اور وہ اپنا پہلو بچا کر دور ہٹ جاتا ہے۔ یہ اعراض وروگردانی کرنے کی تاکید ہے کیونکہ کسی چیز سے اعراض یہ ہے کہ انسان اس سے اپنا منہ پھیر لے اور ایک طرف دور ہٹ جانا یہ ہے کہ انسان اس چیز سے اپنا لطف وکرم کا رویہ ترک کر دے اور اس سے اپنی پیٹھ پھیر لے یا اس سے تکبر وغرور کرنا مراد ہے کیونکہ یہ متکبروں کی عادت سے ہے [قاری حمزہ کی قراءت میں ''نَاٰیَ'' امالہ کے ساتھ ہے (امالہ کا معنی ہے کہ فتح کو کسرہ کی طرف اور الف کو یا کی طرف مائل کر کے پڑھنا) جب کہ علی کسائی کی قراءت میں کسرہ کے ساتھ ہے] ﴿ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ ﴾ اور جب اس کو کوئی بُرائی یعنی فقر و فاقہ اور کوئی بیماری پہنچتی ہے یا کوئی آسانی آفت پہنچتی ہے ﴿ كَانَ يَـُٔوۡسًا ﴾ تو وہ مایوس و ناامید ہو جاتا ہے (یعنی) ایسی صورتِ حال میں انسان فوراً اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہت سخت ناامید ہو جاتا ہے۔

۸٤- ﴿ قُلۡ كُلٌّ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ ہر شخص یعنی ہر ایک آدمی ﴿ يَّعۡمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ﴾ اپنے مذہب اور اپنے طریقہ پر عمل کرتا ہے جو حال ہدایت اور گمراہی میں اس کے لائق ومناسب ہوتا ہے ﴿ فَرَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَنۡ هُوَ اَهۡدٰى سَبِيۡلًا ﴾ پس تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ صحیح مذہب اور صحیح راستے پر ہے۔

روح کے متعلق سوال کا جواب اور قرآن مجید کی فضیلت کا بیان

۸۵- ﴿ وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الرُّوۡحِ‌ؕ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّىۡ ﴾ اور وہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے' یعنی یہ ایک ایسا امر ہے جس کو میرا رب تعالیٰ خوب جانتا ہے اور جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ بے شک روح وہ چیز ہے جس کے سبب ہر جاندار زندہ رہتا ہے (یعنی روح حیات کا نام ہے) قریشِ مکہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روح کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا تھا اور آپ نے انہیں بتایا کہ روح اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے یعنی یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک حضور نبی اکرم رسولِ معظم ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ نے روح کے بارے میں نہیں بتلایا[1] اور متقدمین روح کے بارے میں غور وفکر کرتے ہوئے اپنی طویل عمریں خرچ کرنے کے باوجود اس کی حقیقت جاننے سے عاجز آ گئے اور اس میں حکمت ومصلحت یہ ہے کہ عقلِ انسانی کا اپنے قریب ترین مخلوق کی معرفت کے ادراک سے عاجز آ جانا اس کی دلیل ہے کہ وہ اپنے خالق ومالک کے ادراک سے بہ طریق اولیٰ

[1] حاملِ شریعت وطریقت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کی پیروی کرنے والے اصحاب بصیرت سے روح کے علم کی نفی کا تقاضا نہیں کرتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے علم کے حصول کا طریقہ عام اہلِ علم حضرات کے حصولِ علم کے طریقے سے ماوراء اور اعلیٰ ہوتا ہے کیونکہ دوسرے علماء کے حصولِ علم کا طریقہ حواس اور اکتساب کے واسطے سے ہوتا ہے جب کہ ان پر حواس واکتساب کے واسطے کے بغیر خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام چیزوں کے حقائق کا الہام کیا جاتا ہے' سو ان کے دلوں میں ایسی قوتِ سماعت ہوتی ہے جس کے ذریعے یہ وہ باتیں سن لیتے ہیں جو عام (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عاجز ہے اور اس لیے اس شخص کا رد کر دیا گیا جس نے روح کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا کہ روح ایک باریک اور لطیف جسم ہے جو جاندار کے ہر جزء میں موجود ہوتا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ روح ایک روحانی عظیم مخلوق ہے جو فرشتوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) لوگوں کے کان نہیں سن سکتے اور ان کے دلوں میں ایسی قوتِ بصارت ہوتی ہے جس کے ذریعے یہ وہ چیزیں دیکھ لیتے ہیں جو عام آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یعنی حدیثِ قدسی ہے) کہ میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا اقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اسے محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۵ ص ۴۵۸' مطبوعہ دہلی)

علامہ شیخ محمد عبد الحق محدث دہلوی مرحوم فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ اس آیتِ مبارکہ میں ایسی کوئی دلیل نہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کو روح کی حقیقت و ماہیّت کا علم نہ دیا ہو بلکہ آیت میں یہ احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روح کی حقیقت پر مطلع فرما دیا ہو اور یہ حکم دیا ہو کہ لوگوں کو یہ نہ بتائیں' اور بعض علماء نے قیامت کے علم کے بارے میں بھی یہی معانی بیان کیے ہیں' واللہ اعلم' اور ان معانی کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے: ''وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا'' اس آیت میں اس قوم سے خطاب ہے جنہوں نے روح کے بارے میں سوال کیا تھا یعنی تم اس قابل نہیں ہو کہ روح کی حقیقت کو سمجھ سکو' پھر علامت نبوت بھی ان کو نہ بتانا اور ان کو خبر نہ دینا ہے نہ کہ نہ جاننا اور نہ آگاہ ہونا۔ یہی وجہ ہے کہ یہود نے بھی کہا تھا کہ اگر اس کا جواب دیں گے تو نبی مُرسَل نہ ہوں گے۔ فافہم

اور یہ بندۂ مسکین (شیخ محمد عبد الحق دہلوی' اللہ تعالیٰ علم و یقین کے نور سے اسے مخصوص فرمائے) کہتا ہے کہ مؤمن عارف یہ جرأت و ہمت کس طرح کر سکتا ہے کہ حقیقتِ روح کے متعلق سیّد المرسلین اور امام العارفین ﷺ کے علم کی نفی کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی ذات و صفات کا علم عطا فرمایا ہے اور تمام اوّلین و آخرین کے علوم کو آپ کی ذاتِ اقدس پر واضح طور پر کھول دیا ہے تو آپ کے علم کے مقابلے میں روحِ انسانی کی کیا حقیقت ہے' وہ تو اس دریا کا ایک قطرہ ہے اور اس جنگل کا ایک ذرہ ہے۔

(مدارج النبوت ج ۲ ص ۵۸-۵۹)

اور امام فخر الدین رازی اس آیت مبارکہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

بے شک اصاغر فلاسفہ اور عام متکلمین بھی مسئلہ روح کو جانتے اور پہچانتے ہیں' سو اگر رسول اکرم ﷺ یہ فرما دیں کہ میں روح کو نہیں پہچانتا تو یہ بات آپ کے لیے حقارت و نفرت کا باعث بن جائے گی کیونکہ اس قسم کے مسئلہ سے لاعلمی تو ہر انسان کے لیے حقارت کا باعث ہے' پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ جو تمام علماء سے بڑھ کر عالم ہیں اور تمام فضلاء سے بڑھ کر فاضل ہیں' انہیں روح کی حقیقت کا علم نہ ہو' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق فرمایا: ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ'' (الرحمٰن: ۱-۲) ''رحمٰن نے (آپ کو) قرآن کا علم عنایت فرمایا''۔ ''وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا'' (النساء: ۱۱۳) ''اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ سب علوم عطا فرما دیئے جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا فضل ہے''۔ اور فرمایا: ''وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا'' (طٰہٰ: ۱۱۴) ''اور اے محبوب! عرض کیجئے کہ اے میرے پروردگار! تو میرے علم میں اضافہ فرما''۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی شان میں فرمایا: ''وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ'' (الانعام: ۵۹) ''اور نہ کوئی تر چیز ہے اور نہ کوئی خشک چیز مگر اس روشن کتاب میں اس کا ذکر موجود ہے''۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا مانگتے ہوئے کہا کرتے تھے: ''اَرِنَا الْاَشْيَآءَ كَمَا هِیَ'' ''اے اللہ! تو ہمیں تمام چیزیں ویسے دکھا جیسے وہ حقیقت میں ہیں' سو جس ہستی کی یہ شان ہو ان کے متعلق (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بہت بڑی ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ روح سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ'' (الشعراء:۱۹۳) ''روح الامین (یعنی حضرت جبریل علیہ السلام) نے اس قرآن کو آپ کے دل مبارک پر نازل کیا''۔ اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ روح سے قرآن مجید مراد ہے' جس کی دلیل یہ آیت مبارکہ ہے: ''وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا'' (الشوریٰ:۵۲) ''اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح (یعنی قرآن) کو وحی کے ذریعے نازل کیا ہے''۔ اور اس لیے بھی روح سے قرآن مجید مراد ہے کہ اس کے ساتھ قلوبِ انسانی کی زندگی وابستہ ہے اور ''مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ'' کہ روح میرے رب کے امر سے ہے یعنی یہ میرے رب کی وحی سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام انسان کے کلام کی جنس سے نہیں ہے اور مروی ہے کہ یہود نے قریشِ مکہ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اصحابِ کہف اور سکندر ذوالقرنین اور روح کے بارے میں سوال کریں' پھر اگر آپ تمام کے بارے میں جواب دے دیں یا تمام کے بارے میں خاموش ہو جائیں اور کسی کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو آپ نبی نہیں ہیں اور اگر بعض کے بارے میں جواب دے دیں اور بعض سے خاموش ہو جائیں تو سمجھ لو وہ نبی ہیں' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے قصے کو کھول کر بیان فرما دیا اور روح کے معاملے کو مبہم رکھا اور وہ تورات میں بھی مبہم بیان کیا گیا تھا' بہرحال وہ اپنے سوالوں پر بڑے نادم و شرمندہ ہوئے اور بعض علماء نے فرمایا کہ ان کا سوال روح کی تخلیق کے متعلق تھا' یعنی آیا وہ مخلوق ہے یا نہیں اور اللہ تعالیٰ کا ''مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ'' فرمانا روح

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یہ کیسے مناسب و لائق ہو سکتا ہے کہ وہ کہیں کہ میں روح کی حقیقت کو نہیں جانتا جب کہ یہ ان مسائلِ مشہورہ میں سے ہے جس کا جمہور خلق کے درمیان عام ذکر کیا جاتا ہے بلکہ ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ انہوں نے روح کے متعلق آپ سے سوال کیا اور آپ نے اس کے متعلق ان کو بہترین طریقے سے جواب دیا۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۳۴' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۹۷۸ء)

علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی حنفی اسی آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس مسئلہ پر اس حدیث سے اشکال وارد ہوتا ہے جسے امام ابن ابی حاتم نے حضرت عبد اللہ بن بریدہ سے روایت کیا ہے' انہوں نے بیان فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے انتقال فرما گئے اور آپ روح کی حقیقت کو نہ جان سکے اور (اس کا جواب یہ ہے کہ) شاید حضرت عبد اللہ کا یہ خیال ہو کہ روح کی حقیقت کو جاننا ممتنع و ناممکن ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت تک دنیا سے پردہ نہیں فرمایا یہاں تک کہ آپ نے ہر اس چیز کو خوب جان لیا جس کا جاننا ممکن تھا جیسا کہ اس پر وہ حدیث دلالت کر رہی ہے جس کو امام احمد بن حنبل اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور انہوں نے کہا کہ یہ روایت صحیح ہے اور امام بخاری سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ روایت عمدہ اور صحیح ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں رات کو اٹھا اور جتنی نماز میرے مقدر میں تھی وہ میں نے پڑھی' پھر مجھے نماز میں اونگھ آنے لگی یہاں تک کہ نماز پڑھنا دشوار ہو گیا تو اسی وقت میں نے اپنے رب عزوجل کو نہایت حسین صورت میں دیکھا اور اس نے فرمایا: اے محمد! یہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: اے میرے رب! میں نہیں جانتا۔ فرمایا: اے محمد! یہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا کہ اے میرے رب! میں نہیں جانتا۔ فرمایا: اے محمد! یہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: اے میرے رب! میں نہیں جانتا' پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی مبارک میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی' یہاں تک کہ میں نے اپنے سینۂ مبارکہ کے درمیان اس کے پوروں کی ٹھنڈک محسوس کی اور میرے لیے ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لیا۔ (تفسیر روح المعانی جز ۱۵ ص ۱۵۴' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

کے مخلوق ہونے کی دلیل ہے' پس یہی ان کے سوال کا جواب ہے ﴿ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴾ اور تمہیں بہت تھوڑا سا علم عطا کیا گیا ہے۔ اس میں عام خطاب ہے کیونکہ ایک روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد پڑھ کر سنایا تو یہود نے کہا کہ اس خطاب کے ساتھ صرف ہم مخصوص ہیں یا آپ حضرات بھی ہمارے ساتھ اس میں شامل ہیں' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بلکہ ہم اور تم سب اس بات میں شامل ہیں کہ ہمیں جتنا علم دیا گیا ہے وہ (اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں) بہت تھوڑا ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ یہ خطاب صرف یہود کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا تھا کہ ہمیں تورات عطا کی گئی ہے جس میں حکمت و دانائی ہے اور آپ جو کلامِ الٰہی تلاوت کرتے ہیں اس میں ہے: ''وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا'' (البقرہ:۲۶۹) ''اور جس کو حکمت و دانائی عطا کی جائے تو بے شک اسے خیر کثیر یعنی بہت بڑی بھلائی عطا کر دی گئی''۔ تو ان کو جواب دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ بے شک تورات کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں قلیل یعنی بہت تھوڑا ہے' پس قلت و کثرت امور اضافیہ میں سے ہے' لہٰذا جس آدمی کو حکمت عطا کی گئی وہ بذاتہٖ خیر کثیر یعنی بہت بڑی بھلائی ہے لیکن جب اس کی اضافت و نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف کی جائے گی تو وہ قلیل یعنی تھوڑی سی ہو گی۔

۸۶- پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی کی عظیم الشان نعمت پر تنبیہ فرمائی اور سوال میں جھگڑنے کی ایذاء اور تکلیف پر آپ کو صبر کرنے کی تلقین فرمائی (چنانچہ ارشاد فرمایا): ﴿ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ ﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ضرور ہم اس کو لے جاتے جو ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے۔ [''لَنَذْهَبَنَّ'' محذوف قسم کا جواب ہے' نیز شرط کی جزاء کا قائم مقام ہے اور پہلا لام جو ''اِنْ'' پر داخل ہے وہ قسم کی تاکید ہے] اور معنی یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہم یہ قرآن مجید لے جاتے اور ہم اسے لوگوں کے سینوں اور صحیفوں سے مٹا دیتے اور ہم اس کا کوئی نشان نہ چھوڑتے ﴿ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا ﴾ پھر آپ اپنے لیے اس کے ساتھ ہمارے مقابلے پر کوئی کارساز و حامی نہ پاتے یعنی اس قرآن مجید کے چلے جانے اور محو ہو جانے کے بعد آپ اپنے لیے کوئی ایسا مددگار نہ پاتے جو ہم پر دباؤ ڈال کر زبردستی اس کو واپس کر لیتا اور اس کو دوبارہ محفوظ و مسطور کر دیتا۔

۸۷- ﴿ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا ﴾ مگر آپ کے رب کی رحمت' بے شک آپ پر اس کا فضل و کرم بہت بڑا ہے یعنی مگر یہ کہ آپ کا رب آپ پر رحم و کرم فرمائے اور اس قرآن مجید کو آپ کو واپس لوٹا دے گویا اس کی رحمت ایک ایسی چیز ہے جس پر قرآن مجید کی واپسی کے لیے بھروسا کر سکتے ہیں یا [یہ استثناء منقطع ہے] یعنی یہ آپ کے رب کی رحمت ہے کہ اس نے قرآن مجید کو محفوظ و باقی رکھا ہوا ہے اور اس کو لوگوں کے سینوں اور صحیفوں سے نہیں مٹایا اور نہ اس کو محو فرمایا اور اس قرآن مجید کو نازل کرنے اور اس کی حفاظت کرنے کے بہت بڑے احسان کے بعد اللہ کی طرف سے یہ بھی بہت بڑا احسان ہے کہ اس کو محفوظ کر کے قائم و دائم اور باقی رکھا ہوا ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل (کوئی کتاب بنا کر) لے آئیں تو وہ سب کے سب اس کی مثل نہیں لاسکیں گے اور اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں O اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بار بار بیان کی ہیں' تو اکثر لوگوں نے نہیں مانا مگر ناشکری کی O اور انہوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے لیے اس سرزمین میں سے ایک دائمی چشمہ جاری کر دیں O یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور آپ اس کے درمیان نہریں جاری فرما دیں O

۸۸- شانِ نزول: مندرجہ ذیل آیت مبارکہ نضر بن حارث کے قول کے جواب میں نازل ہوئی جو اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن مجید سن کر کہا تھا کہ "لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ" (الانفال:۳۱) "اگر ہم چاہتے تو ہم بھی اس جیسی کتاب کہہ لیتے"۔ ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور تمام جن اس بات پر متفق ہو جائیں کہ وہ اس قرآن کی مثل لے آئیں تو وہ اس کی مثل نہیں لاسکیں گے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔ ["ظَهِيْرًا" بہ معنیٰ "مُعِيْنًا" (مددگار) ہے اور "لَا يَاْتُوْنَ" محذوف قسم کا جواب ہے اور اگر "اِنْ" شرطیہ پر لامِ تاکید نہ ہوتا تو البتہ یہ جائز ہوتا کہ "لَا يَاْتُوْنَ" شرط کا جواب ہو جیسا کہ زہیر شاعر کا قول ہے: "يَقُوْلُ لَا غَائِبٌ مَالِيْ وَلَا حَرِمٌ" وہ کہتا ہے کہ میرا مال نہ غائب ہے اور نہ محروم ہے' کیونکہ شرط ماضی واقع ہوئی ہے] "اَيْ لَوْ تَظَاهَرُوْا عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ فِيْ بَلَاغَتِهٖ وَحُسْنِ نَظْمِهٖ وَتَاْلِيْفِهٖ لَعَجَزُوْا عَنِ الْاِتْيَانِ بِمِثْلِهٖ" یعنی اگر وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے کہ وہ اس قرآن مجید کی مثل فصیح و بلیغ اور حسین و جمیل نظم و ترکیب پر مشتمل کتاب بنا کر لائیں تو وہ اس قرآن کی مثل لانے سے عاجز آ جاتے۔

۸۹- ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ اور بے شک ہم اس قرآن مجید میں لوگوں کے لیے ہر قسم کے معنی بیان کرنے کی خاطر بار بار مثالیں دہراتے ہیں وہ اس طرح کہ اس کی عجیب و غریب اور پرکشش حسین ترین مثال بیان کی جاتی ہے: "صَرَّفْنَا" بہ معنیٰ "رَدَّدْنَا وَكَرَّرْنَا" ہے (یعنی ہم دہراتے ہیں اور بار بار بیان کرتے ہیں) ﴿فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا﴾ سو اکثر لوگوں نے نہیں مانا مگر کفر کیا اور انکار کیا [اور باقی رہی یہ بات کہ "فَاَبٰى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا" جائز ہے اور "ضَرَبْتُ اِلَّا زَيْدًا" جائز نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ "اَبٰى" کی نفی کے معنیٰ میں تاویل کی گئی ہے] گویا یوں کہا گیا ہے: "فَلَمْ يَرْضَوْا اِلَّا كُفُوْرًا" پس وہ لوگ راضی نہیں ہوئے مگر انکار سے۔

کفار کا قرآن کے مقابلہ سے عاجز ہو کر بے جا مطالبات کرنا

۹۰- اور جب قرآن مجید کا معجزہ ہونا ظاہر ہو گیا اور اس سے دوسرے معجزات بھی مل گئے تو انہوں نے مبہوت و مغلوب اور حیران و پریشان شخص کی طرح آپ سے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بے جا اور غیر متعلقہ معجزات کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا ﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا﴾ اور انہوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں

گے یہاں تک کہ آپ اس زمین یعنی مکہ مکرمہ کی زمین میں سے ایک دائمی چشمہ جاری کر دیں۔ ''یَنْبُوْعًا'' کا معنی ہے: بہت زیادہ پانی بہانے والا چشمہ جس کی شان یہ ہو کہ اس کا پانی کبھی ختم نہ ہو (یعنی جاری چشمہ) [یہ ''نَبَعَ الْمَآءُ'' سے مشتق ہے اور ''تَفْجُرَ'' اہل کوفہ کی قراءت میں مخفف (باب ''نَصَرَ یَنْصُرُ'' مجرد سے) ہے]۔

۹۱- ﴿ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِیْرًا ﴾ یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور آپ اس کے درمیان نہریں جاری فرما دیں [''فَتُفَجِّرَ'' میں جیم مشدد ہے (اور یہ باب تفعیل سے ہے) اس پر سب کا اتفاق ہے اور ''خلال'' بہ معنی ''وسط'' ہے]۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِیْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِی السَّمَآءِ ؕ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓىِٕكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَىِٕنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

یا آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دیں جیسا کہ آپ کا خیال ہے یا آپ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو سامنے لے کر آئیں ○ یا آپ کے لیے سونے کا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں' آپ ہم پر ایک کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میرا رب تعالیٰ پاک ہے میں تو نہیں ہوں مگر رسول بنا کر بھیجا ہوا انسان ہوں ○ اور جب ان لوگوں کے پاس ہدایت آ چکی تو انہیں ایمان لانے سے کسی نے منع نہیں کیا ماسوا اس کے کہ انہوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے ○ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر زمین پر فرشتے سکونت پذیر ہو کر چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ضرور ان پر آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے ○

۹۲- ﴿ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا ﴾ یا آپ آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دیں جیسا کہ آپ کا خیال ہے۔ ''كِسَفًا'' بہ معنی ''قِطَعًا'' ہے یعنی ٹکڑے جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''اَعْطِنِیْ كِسَفَةً مِّنْ هٰذَا الثَّوْبِ'' مجھے اس کپڑے کا ایک ٹکڑا عطا کر دیجئے۔ [نافع مدنی اور عاصم کی قراءت میں ''كِسَفًا'' کی سین پر فتح (یعنی زبر) ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں سین ساکن ہے اور ''كِسْفَةٌ'' کی جمع ہے جیسے ''سِدْرَةٌ'' اور ''سِدْرٌ'' ہے] کفار مکہ نے یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی بناء پر کہی: ''اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ'' (سبا: ۹) ''اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ہم ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں''۔ ﴿ اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِیْلًا ﴾ یا آپ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو اپنا ضامن بنا کر لائیں کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں' اس کے صحیح ہونے کی وہ گواہی دیں' اور اس کا معنی یہ ہے: ''اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ قَبِیْلًا وَّ بِالْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِیْلًا'' یا آپ اللہ تعالیٰ کو ضامن بنا کر لائیں اور فرشتوں کو ضامن بنا کر لائیں' جیسے شاعر کا قول ہے: ''كُنْتُ مِنْهُ وَ وَالِدِیْ بَرِیًّا'' میں اس سے ملوث ہوں اور میرا والد بری ہے' یا اس کا یہ معنی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے کر آئیں (جو ہمارے سامنے آ کر آپ کی نبوت کی گواہی دیں)' جیسے ''عَشِیْرٌ'' بہ معنی ''مُعَاشِرٌ'' آتا

ہے ایسے ہی ''قَبِیْلًا'' بہ معنیٰ ''مُقَابِلٌ'' ہے اور اس کی مثال یہ ارشاد ہے: ''وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآئَنَا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِکَۃُ اَوْ نَرٰی رَبَّنَا'' (الفرقان: ۲۱) ''اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے' انہوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے؟ یا ہم رب کو دیکھتے'' ۔ [یا ''جماعۃ'' (قبیلا) ''ملآئکۃ'' سے حال ہے]۔

۹۳۔ ﴿اَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ﴾ یا آپ کے لیے سونے کا گھر ہو۔ ''زُخْرُف'' بہ معنیٰ ''ذَهَبٌ'' (سونا) ہے ﴿اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ﴾ یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں (اور) اس کی طرف اوپر چلے جائیں ﴿وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ﴾ اور ہم آپ کے آسمان کی طرف چڑھنے پر بھی ہرگز ایمان نہیں لائیں گے ﴿حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا﴾ یہاں تک کہ آپ آسمان سے ایک کتاب اتار لائیں جس میں آپ کی تصدیق و تائید ہو [ابوعمرو کی قراءت میں (بغیر تشدید کے) تخفیف کے ساتھ ''تُنْزِلَ'' ہے] ﴿نَّقْرَؤُهٗ﴾ جس کو ہم پڑھیں [یہ کتاب کی صفت ہے] ﴿قُلْ﴾ اے محبوب فرما دیجئے [ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''قَالَ'' ہے] ''اَیْ قَالَ الرَّسُوْلُ'' یعنی رسول اکرم نبی محترم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ﴿سُبْحَانَ رَبِّیْ﴾ میرا رب تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے' اور آپ نے کفارِ مکہ کے بے ہودہ بار بار سوالات کرنے پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا: ﴿هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ میں نہیں ہوں مگر رسول بنا کر بھیجا ہوا انسان ہوں' یعنی میں دوسرے رسولوں کی طرح ایک رسول ہوں' انہیں کی طرح ممتاز انسان ہوں اور انبیاء و رسل اپنی قوم کے پاس معجزات میں سے وہی معجزے لے کر آتے جن کو ان کے سامنے ظاہر کرنے کا اللہ تعالیٰ انہیں اختیار دیتا' پس مطالبات پورے کرنے کا ذاتی اختیار میرے لیے نہیں' وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' سو تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم یہ مطالبات پورے کرنے کا ذاتی اختیار مجھے دیتے ہو؟

کفارِ مکہ کے ایمان نہ لانے کی وجہ اور ان کا انجام' نیز اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان

۹۴۔ ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا﴾ اور لوگوں کو یعنی اہل مکہ کو ایمان لانے سے نہیں روکا [''اَنْ یُّؤْمِنُوْا'' محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ ''مَنَعَ'' کا دوسرا مفعول ہے] ﴿اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓی﴾ جب ان کے پاس ہدایت (یعنی) آخر الزمان نبی اور قرآن مجید آ چکے ﴿اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا﴾ مگر یہ کہ انہوں نے کہا [یہ ''مَنَعَ'' کا فاعل ہے] اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''وَمَا مَنَعَهُمُ الْاِیْمَانَ بِالْقُرْاٰنِ وَبِنُبُوَّۃِ مُحَمَّدٍ ﷺ اِلَّا قَوْلُهُمْ'' اور قرآن مجید اور حضرت محمد عربی ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے سے ان کو کسی نے نہیں روکا' ماسوا ان کی اس بات کے کہ ﴿اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ کیا اللہ تعالیٰ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے؟ [1] یعنی ماسوا ایک ایسے شک و شبہ کے جو ان کے دلوں میں راسخ و پختہ ہو چکا تھا اور وہ شبہ یہی تھا کہ وہ لوگ اس بات کے منکر تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی بشر اور انسان کو رسول بنا کر بھیجتا ہے [اور ''اَبَعَثَ اللّٰهُ'' میں ہمزہ انکار کے لیے ہے] اور اس جملے میں ان کے انکار کی حکمت بیان کی گئی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت مبارکہ میں ان کی تردید فرمائی:

---

[1] واضح ہو کہ افادہ اور استفادہ کے لیے ضروری ہے کہ فائدہ دینے والے اور فائدہ حاصل کرنے والے ہم جنس ہوں کیونکہ ہر چیز اپنی جنس کی طرف مائل اور راغب ہوتی ہے اور اس سے زیادہ مانوس ہوتی ہے اور ہم جنس ہستی کی سیرت و اخلاق اپنانے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں آسانی ہوتی ہے اور چونکہ روئے زمین پر رہنے والے انسان اور بشر ہیں' اس لیے ان کی تعلیم و تربیت اور ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کی طرف برگزیدہ اور بے داغ سیرت کے حامل انسانوں کو ہی رسول بنا کر بھیجتا رہا ہے تا کہ سلیم الفطرت انسان ان حضرات سے خوب استفادہ کرتے رہیں لیکن کفار ان پاکیزہ سیرت پیغمبروں کو محض بشر جانتے رہے اور ان برگزیدہ رسولوں کو اپنے جیسا عام بشر خیال کر کے نظر حقارت کے ساتھ ٹھکراتے رہے اور ان کے نبی اور رسول ہونے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۹۵۔ ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓىِٕكَةٌ یَّمْشُوْنَ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے اور انسانوں کی طرح وہ بھی اپنے قدموں پر چلتے پھرتے ہوتے اور اپنے پروں کے ساتھ آسمان کی طرف اڑ کر نہ جا سکتے کہ وہ اہل آسمان کی باتیں سنیں اور جن باتوں کا جاننا ضروری ہے وہ اہل زمین کو بتا دیں ﴿مُطْمَىِٕنِّیْنَ﴾ [یہ حال ہے] یعنی جب کہ فرشتے زمین پر رہائش پذیر ہوتے' یہیں ٹھہرے ہوئے ہوتے ﴿لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا﴾ تو ہم ان پر ضرور آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر اتارتے جو انہیں بھلائی کی تعلیم دیتا اور وہ ان کو سیدھے راستے دکھاتا' لیکن رہے انسان تو اللہ تعالیٰ ان میں سے نبوت کے لیے منتخب کردہ برگزیدہ انسان کی طرف فرشتہ کو وحی کے ساتھ بھیجتا ہے اور وہ برگزیدہ نبی ان کو دعوت دین اور رشد و ہدایت دینے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے [''بَشَرًا'' اور ''مَلَكًا'' دونوں ''رَسُوْلًا'' سے حال ہیں]۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًۢا بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا ﴿۹۶﴾ وَ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِۚ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِهٖؕ وَ نَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْیًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّاؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِیْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ قَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا ﴿۹۸﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہی دینے والا کافی ہے' بے شک وہ اپنے بندوں کو بہت جاننے والا' خوب دیکھنے والا ہے O اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرما دیتا ہے تو وہی ہدایت یافتہ ہو جاتا ہے' اور جن کو وہ گمراہی میں ڈال دیتا ہے تو تم ان کے لیے اس کے سوا کسی کو حامی و مددگار نہیں پاؤ گے' اور قیامت کے دن ہم ان کو مونہوں کے بل اندھا' گونگا اور بہرا کر کے اٹھائیں گے' ان کا ٹھکانا دوزخ ہے' جب وہ بجھنے لگے گی تو ہم ان کے لیے اور زیادہ بھڑکا دیں گے O یہ ان کی سزا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور چورہ چورہ ہو جائیں گے تو کیا نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے O

۹۶۔ ﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًۢا بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اس بات پر گواہی دینے والا اللہ تعالیٰ کافی ہے کہ مجھے جن تعلیمات کے ساتھ بھیجا گیا تھا وہ میں نے کماحقہٗ تمہاری طرف پہنچا دی ہیں مگر تم نے مجھے اور میری تعلیمات کو جھٹلا دیا اور تم میرے اور دین کے دشمن بن گئے [''شَهِیْدًا'' تمیز ہے یا پھر حال ہے] ﴿اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں سے خواہ وہ ڈرانے والے (انبیائے کرام) ہوں یا جنہیں ڈر سنایا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے سوالیہ انکار کرتے رہے کہ کیا اللہ تعالیٰ بشر کو رسول بنا کر بھیجتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے پیغمبروں کو بشر کہنا اور خود پیغمبروں کا اپنے آپ کو بشر کہنا مبنی برحق ٹھہرا' لیکن کفار کا انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا عام بشر کہنا کفر کا سبب ٹھہرا کیونکہ انبیائے کرام کی بشریت دیگر بنی نوع انسان کی بشریت سے افضل و اعلیٰ اور بے مثال ہوتی ہے' جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ کہف کی آخری آیت مبارکہ ''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' کے تحت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کے بیان میں ذکر کی جائے گی۔

گیا (کفار) ہوں سب سے خبردار ہے ان کے حالات کو خوب جاننے والا ہے ﴿بَصِيْرًا﴾ ان کے افعال و اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے سو وہ انہیں ان کے مطابق بدلا دے گا اور یہ حضور نبی اکرم رسول معظم ﷺ کے لیے تسلی و تشفی ہے اور کفار کے لیے وعید و دھمکی ہے۔

۹۷- ﴿وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ﴾ اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے تو وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے [یعقوب اور سہل کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''الْمُهْتَدِيْ'' ہے اور ابوعمرو اور نافع مدنی نے حالتِ وصل میں ان کی موافقت کی ہے] یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت قبول کرنے کی توفیق عنایت فرما دیتا ہے' دراصل وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہدایت یافتہ ہوتا ہے ﴿وَمَنْ يُّضْلِلْ﴾ اور جس کو وہ گمراہی پر ڈال دیتا ہے یعنی وہ جس شخص کو ذلیل و رسوا کرتا ہے اور اس کی حفاظت نہیں فرماتا یہاں تک کہ وہ شخص شیطان کے وسوسوں کو قبول کر لیتا ہے (اور گمراہ ہو جاتا ہے) ﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ تو آپ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ہرگز دوست نہیں پائیں گے یعنی مددگار ﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ﴾ اور قیامت کے دن ہم ان کو چہروں کے بل الٹا کر کے اٹھائیں گے یعنی انہیں مونہوں کے بل گھسیٹا جائے گا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ'' (القمر: ۴۸) ''قیامت کے دن وہ دوزخ میں مونہوں کے بل گھسیٹے جائیں گے''۔ اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ کفار قیامت کے دن اپنے چہروں کے بل کس طرح چلیں گے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: بے شک جو خدا ان کو قدموں پر چلاتا ہے وہ اس بات پر خوب قدرت رکھتا ہے کہ وہ انہیں مونہوں کے بل چلائے[1] ﴿عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا﴾ وہ اندھے' بہرے اور گونگے ہوں گے' جس طرح وہ دنیا میں تھے' نہ وہ دیکھتے اور نہ وہ حق بات کہتے تھے اور وہ حق بات سننے سے بہرے بن جاتے تھے' سو وہ آخرت میں بھی اسی طرح ہوں گے کہ وہ ایسی چیز نہیں دیکھ سکیں گے جو ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا سکے اور نہ وہ ایسی بات سن سکیں گے جو ان کے کانوں کو خوش و خرم کر دے اور نہ وہ کوئی ایسی بات کہہ سکیں گے جو ان کی طرف سے قبول کی جا سکے ﴿مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا﴾ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے' جب وہ بجھ جائے گی (یعنی) جب شعلے اور اس کی لپٹیں بجھیں گی تو ہم اس کو ان پر بھڑکا دیں گے (یعنی) آگ کو مزید جلا دیں گے اور پہلے سے زیادہ روشن کر دیں گے۔

۹۸- ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا﴾ یہ ان کی سزا ہے اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر اختیار کر لیا اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں ہو جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے دوبارہ پیدا کیے جائیں گے؟ یعنی یہ عذاب انہیں اس سبب سے ہو گا کہ انہوں نے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے عقیدے کو جھٹلا دیا تھا' پس اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ سزا مقرر فرما دی ہے کہ دوزخ کی آگ کو ان کے تمام اعضاء پر مسلط کر دیا جائے گا جو ان کو کھا جائے گی' پھر اللہ تعالیٰ ان کے اجسام کو دوبارہ پہلے کی طرح کر دے گا' پھر آگ کھا جائے گی' پھر بار بار ان کے اجسام بنتے رہیں گے اور آگ ان کو کھاتی رہے گی اور یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے جاری رہے گا تاکہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے عقیدے کو جھٹلانے پر ان کی حسرت و افسوس بڑھتا رہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ

[1] رواہ احمد ج ۲ ص ۳۵۴۔ ۳۶۳' الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۲

خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝۱۰۰ وَلَقَدْ
اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِذْ جَاۗءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ
اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰي مَسْحُوْرًا ۝۱۰۱

کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے اور پیدا کر دے' اور اس نے ان کے لیے ایک وقت مقرر فرما دیا جس میں ذرا بھی شک نہیں' سو ظالموں نے سوائے کفر کے سب کا انکار کر دیا O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر تم مالک ہو جاؤ میرے رب تعالیٰ کی رحمت کے تمام خزانوں کے تو تم اس وقت اس کے خرچ ہو جانے کے ڈر کی وجہ سے بخل کرنے لگو' اور انسان بہت بڑا بخیل ہے O اور بے شک ہم نے موسیٰ کو نو روشن نشانیاں عطا فرمائیں' سو آپ بنی اسرائیل سے پوچھ لیں جب وہ ان کے پاس تشریف لائے تو فرعون نے اس سے کہا کہ اے موسیٰ! میں تیرے بارے میں گمان کرتا ہوں کہ یقیناً تم پر جادو کر دیا گیا ہے O

۹۹- ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا﴾ اور کیا انہوں نے دیکھا نہیں (یعنی) کیا انہیں معلوم نہیں ﴿اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے اور انسان پیدا فرما دے ﴿وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جس کے آنے میں ذرہ بھی شک نہیں' اور وہ موت ہے یا پھر قیامت ہے ﴿فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا﴾ پس ظالموں نے دلائلِ حق واضح ہونے کے باوجود سوائے کفر کے سب چیزوں کا انکار کر دیا۔

۱۰۰- ﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اگر تم مالک ہو جاؤ [اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: "لَوْ تَمْلِكُوْنَ اَنْتُمْ" کیونکہ حرف "لَوْ" افعال پر داخل ہوتا ہے' اسماء پر داخل نہیں ہوتا' لہٰذا اس کے بعد فعل کا ہونا واجب ولازم ہے' پس "تَمْلِكُ" کو تفسیر کی شرط پر مضمر مانا گیا ہے اور اس کے بدلے میں ضمیر متصل کو لایا گیا ہے اور وہ واؤ ہے ("تَمْلِكُوْنَ" میں) اور ضمیر منفصل کو لایا گیا ہے اور وہ "اَنْتُمْ" ہے کیونکہ اس کے متصل لفظ ساقط ہو گیا ہے' پس "اَنْتُمْ" فعل مضمر کا فاعل ہے اور "تَمْلِكُوْنَ" اس کی تفسیر ہے اور یہ وجہ وہ ہے جس کا علم الاعراب تقاضا کرتا ہے لیکن جس کا علم البیان تقاضا کرتا ہے تو وہ "اَنَّ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ" ہے جس میں اختصاص پر دلالت ہے اور بے شک یہی لوگ (یعنی کفارِ مکہ) ہی زبردست بخل کے ساتھ مخصوص ہیں] ﴿خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ﴾ (اگر تم) میرے رب تعالیٰ کی رحمت کے تمام خزانوں کے (مالک بن جاؤ) یعنی اس کے رزق کے اور اس کی باقی ان تمام نعمتوں کے تم مالک بن جاؤ جو اس کی مخلوق کو ملتی ہیں ﴿اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ﴾ تو تم اس وقت اس کے خرچ ہو جانے اور اس کے ختم ہو جانے کے ڈر کی وجہ سے بخل کرنے لگو یعنی تم اس خوف سے بخیل بن جاؤ گے کہ کہیں خرچ کرنا اس کو ختم کر دے ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴾ اور انسان بہت بڑا بخیل ہے۔

حضرت موسیٰ کا نو معجزات لے کر آنے اور فرعونیوں کے سرکش ہونے کی وجہ سے غرق ہونا

۱۰۱- ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ کو روشن اور واضح نو معجزات عطا فرمائے تھے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا گیا ہے کہ وہ نو معجزات یہ ہیں: (۱) عصا (۲) ید بیضاء (۳) ٹڈی (۴) جوئیں (۵) مینڈک (۶) خون (۷) وہ پتھر جس پر عصا مارنے سے پانی کے بارہ چشمے جاری ہو جاتے

تھے (۸) دریا پھٹنا اور اس میں راستے بننا (۹) کوہِ طور جس کو اللہ تعالیٰ نے اٹھا کر بنی اسرائیل کے اوپر کھڑا کر دیا تھا اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پتھر اور دریا اور کوہِ طور کی بجائے طوفان اور قحط سالی اور پھلوں کا نقصان منقول ہے ﴿فَسْئَلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ ''فَقُلْنَا لَهٗ اِسْئَلْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ'' پس ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ بنی اسرائیل سے پوچھئے یعنی ان سے فرعون کے بارے میں پوچھئے اور اس سے فرمایئے کہ ''فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ'' (الاعراف: ۱۰۵) ''پس تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے''۔ ﴿اِذْ جَآءَهُمْ﴾ جب وہ ان کے پاس تشریف لا چکے [یہ فعل محذوف کے متعلق ہے] ''اَیْ فَقُلْنَا لَهٗ: سَلْهُمْ حِیْنَ جَآءَهُمْ'' یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے اس وقت فرمایا کہ بنی اسرائیل سے فرعون کے بارے میں پوچھئے جب آپ ان کے پاس تشریف لا چکے ﴿فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا﴾ تو فرعون نے اس سے کہا کہ بے شک اے موسیٰ! میں گمان کرتا ہوں کہ تجھ پر جادو کر دیا گیا ہے اس لیے تیری عقل میں خبط آ گیا ہے کہ غیر معقول باتیں کرتے ہو۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَآىٕرَۚ وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا(۱۰۲) فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًاۙ(۱۰۳) وَّ قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًاؕ(۱۰۴) وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَؕ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاۘ(۱۰۵) وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا(۱۰۶)

وقف لازم

موسیٰ نے فرمایا: بے شک تو جان چکا ہے کہ انہیں کسی اور نے نہیں اتارا مگر آسمانوں اور زمین کے پروردگار نے جو روشن اور واضح ہیں، اور اے فرعون! بے شک میں تیرے متعلق گمان کرتا ہوں کہ تو تباہ و برباد اور ہلاک کیا جانے والا ہے○ پھر اس نے ارادہ کیا کہ اس کو سرزمینِ مصر سے جلاوطن کر دے تو ہم نے اس کو اور اس کے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا○ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم اس زمین میں سکونت اختیار کرو، پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے لائیں گے○ اور ہم نے اس (قرآن) کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے، اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر خوشخبری دینے اور ڈر سنانے والا رسول بنا کر○ اور ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے نازل کیا ہے تا کہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے وقفے وقفے سے پڑھا کریں اور ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے○

۱۰۲- ﴿قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ﴾ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون! بے شک تجھے معلوم ہے کہ ﴿مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ ان معجزات کو صرف اور صرف زمین و آسمان کے مالک و خالق نے اتارا ہے ﴿بَصَآىٕرَ﴾ دراں حالیکہ وہ معجزات بصیرت افروز ہیں، یعنی واضح اور روشن ہیں مگر تو یقیناً عناد رکھتا ہے اور اس کی مثال یہ ارشاد ہے: ''وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا'' (النمل: ۱۴) ''اور انہوں نے ان (معجزات) کا انکار کر دیا تھا اور جب کہ ان کے دل ان کی سچائی کا یقین کر چکے تھے (یہ انکار) ظلم و سرکشی کی وجہ سے ہوا''۔ [''بَصَآئِرَ'' حال ہے اور علی کسائی کی قراءت میں ''عَلِمْتُ'' کی ''تا'' پر پیش ہے] یعنی بے شک مجھ پر جادو نہیں کیا گیا جیسا کہ تو نے میرے

بارے میں بیان کیا ہے بلکہ میں اس معاملہ کی صحت کو خوب جانتا ہوں اور بے شک یہ وہ معجزات ہیں جن کو زمین و آسمان کے مالک و خالق نے نازل فرمایا ہے' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے گمان کو اپنے گمان (یقین) کے ذریعے رد کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴾ اور اے فرعون! بے شک میں تیرے بارے میں ضرور گمان کرتا ہوں کہ تو ہلاک کیا جائے گا' گویا آپ نے فرمایا کہ اگر تو میرے بارے میں گمان کرتا ہے کہ مجھ پر جادو کر دیا گیا ہے تو بے شک میں تیرے بارے میں گمان کرتا ہوں کہ تو ہلاک کیا جائے گا اور میرا گمان تیرے گمان سے یقیناً زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس کی علامت ظاہر ہے اور وہ یہ کہ تو جس کی صحت کو جان چکا ہے اس کا انکاری ہے اور اللہ تعالیٰ کے واضح اور روشن ترین معجزات کے ساتھ تو نے تکبر کا رویہ اختیار کیا ہوا ہے اور تیرا گمان بہرحال محض جھوٹ ہے اس لیے کہ میرے مشن کی صحت و حقانیت کو جان لینے کے باوجود تیرا میرے بارے میں یہ کہنا کہ میں تجھے جادو سے متاثر خیال کرتا ہوں' سراسر جھوٹ ہے' اور فراء نے کہا کہ ''مَثْبُوْرًا'' کا معنی ہے: ہر خیر سے دور اور ہر بُرائی کا عادی۔ اہل عرب کا قول ہے کہ ''مَا ثَبَرَكَ عَنْ هٰذَا'' یعنی تمہیں اس سے کس نے روکا ہے اور تمہیں اس سے کس نے دور کر دیا ہے۔

۱۰۳- ﴿ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ﴾ پھر فرعون نے ارادہ کر لیا کہ وہ انہیں یعنی حضرت موسیٰ اور آپ کی قوم کو سرزمین مصر سے نکال دے گا یا قتل و غارت کر کے اور سب کی جڑ کاٹ کر سرزمین مصر سے ان کا خاتمہ کر دے گا ﴿ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴾ تو ہم نے اس (فرعون) کو اس کے تمام ساتھیوں سمیت غرق کر دیا' چنانچہ اس کو غرقابی کے عذاب نے گھیر لیا جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کی قوم قبطیوں کے ساتھ دریا میں غرق کر کے سرزمین مصر سے ہمیشہ کے لیے نکال دیا۔

۱۰۴- ﴿ وَقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ ﴾ اور ہم نے اس کے بعد (یعنی) فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم اسی سرزمین پر سکونت اختیار کر لو جہاں سے فرعون نے تمہیں نکالنا چاہا تھا ﴿ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ ﴾ پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا یعنی قیامت ﴿ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴾ تو ہم تم سب کو اکٹھا کر کے لائیں گے کہ تمہیں بھی اور ان کو بھی ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر جمع کریں گے' پھر ہم تمہارے درمیان فیصلہ کریں گے اور تم میں نیک بختوں کو بدبختوں سے الگ کر کے ممتاز کر دیں گے اور ''لفیف'' کا معنی ہے: مختلف قبائل کو جمع کرنا۔

نزولِ قرآن و بعثت نبوی کی حکمت اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کی اچھائی و ذاتِ اقدس کی حمد و ثناء ـــــ اور اس کی تنزیہ و کبریائی کا بیان

۱۰۵- ﴿ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ﴾ اور ہم نے اس (قرآن) کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے (یعنی) ہم نے قرآن مجید کو نازل نہیں کیا مگر حکمت کے ساتھ اور یہ قرآن نازل نہیں کیا گیا مگر حق اور حکمت کے ساتھ ملا ہوا ہے کیونکہ یہ ہر قسم کی خیر و بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے پر مشتمل ہے یا یہ معنی ہے کہ ہم نے اس قرآن مجید کو نازل نہیں کیا مگر حق کے ساتھ فرشتوں کی نگرانی میں محفوظ نازل کیا ہے اور یہ رسول اکرم ﷺ پر نازل نہیں کیا گیا مگر شیطان مردود کی دخل اندازی سے محفوظ ہے۔ حضرت محمد بن سماک رحمہ اللہ کے متوسلین میں سے ایک راوی نے بیان کیا کہ جب حضرت محمد بن سماک رحمہ اللہ بیمار ہوئے تو ہم نے ان کا قارورہ لیا اور ایک نصرانی طبیب کی طرف روانہ ہو گئے اور راستے میں ایک نہایت خوبصورت بزرگ ملے جن سے خوشبو مہکتی تھی اور انہوں نے بہترین صاف ستھری پوشاک پہنی ہوئی تھی' اس بزرگ نے ہمیں فرمایا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے کہا: فلاں نصرانی طبیب کے پاس جا رہے ہیں' اس کو ابن سماک کا قارورہ دکھائیں گے تاکہ وہ صحیح علاج کر سکے تو اس بزرگ نے فرمایا: سبحان اللہ! تم عجیب لوگ ہو کہ ولی اللہ کا علاج اللہ

تعالیٰ کے دشمن سے کرانے جار ہے ہو اور تم اللہ تعالیٰ کے ایک ولی کے لیے اللہ تعالیٰ کے ایک دشمن سے مدد مانگو گے تم ایسا کرو کہ اس قارورہ کو زمین پر پھینک دو اور تم حضرت محمد ابن سماک کے پاس واپس لوٹ جاؤ اور ان سے کہو کہ درد کی جگہ پر اپنا ہاتھ رکھ کر پڑھو: "وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ" پھر وہ بزرگ غائب ہو گئے اور ہمیں دکھائی نہ دیئے چنانچہ ہم لوگ حضرت ابن سماک کے پاس واپس لوٹ آئے اور صورت حال بتائی تو آپ نے اپنا ہاتھ درد کی جگہ پر رکھا اور بزرگ کے فرمان کے مطابق مذکورہ آیت مبارکہ پڑھی تو فوراً اسی وقت درد ختم ہو گیا اور آپ کو مکمل آرام آ گیا اور حضرت محمد بن سماک نے اپنے متوسلین سے فرمایا کہ وہ خوبصورت بزرگ حضرت خضر علیہ السلام تھے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا﴾ اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر جنت کی خوشخبری سنانے والا اور دوزخ کی آگ سے ڈرانے والا بنا کر۔

۱۰۶- ﴿وَقُرْاٰنًا﴾ [یہ پوشیدہ فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر اور وضاحت آنے والا فعل "فَرَقْنٰا" کر رہا ہے] ﴿فَرَقْنٰهُ﴾ ہم نے اس کو جدا جدا نازل کیا ہے یعنی ہم نے قرآن مجید کو تفصیل کے ساتھ حسب ضرورت اور حسب موقع الگ الگ سورتوں اور آیتوں کی صورت میں نازل کیا ہے یا یہ معنی ہے کہ ہم نے قرآن مجید میں حق کو باطل سے جدا کر دیا ہے ﴿لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ﴾ تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس کو ٹھہر ٹھہر کر وقفے سے پڑھا کریں ﴿وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا﴾ اور ہم نے اس قرآن مجید کو حوادث کے مطابق تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے۔

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۩ ﴿۱۰۹﴾ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾

السجدۃ

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ' بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں○ اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے' بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہا○ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں' وہ روتے ہیں اور یہ قرآن ان کی عاجزی کو بڑھا دیتا ہے○ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم "یا اللّٰہ" کہہ کر پکارو یا پھر "یا رحمٰن" کہہ کر پکارو' تم جس نام سے پکارو' اس کے تمام نام اچھے ہیں' اور آپ اپنی نماز نہ تو بہت اونچی آواز سے پڑھیے اور نہ اس کو بالکل آہستہ پڑھیے اور اس کے درمیان اعتدال کا راستہ اختیار کیجئے○

۱۰۷- ﴿قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے (اے کفار مکہ!) تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ یعنی تم ایمان لا کر اپنے لیے دائمی قائم رہنے والی نعمتوں کو اختیار کر لو یا تم کفر پر قائم رہ کے دردناک عذاب اپنے لیے اختیار کر لو' پھر اللہ تعالیٰ نے علت وسبب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ﴾ بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے یعنی جنہیں قرآن مجید سے پہلے تورات شریف کا علم عنایت کیا گیا ہے ﴿اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾ جب ان کے سامنے

قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے تو ﴿ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴾ وہ لوگ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں[''سُجَّدًا'' حال ہے]۔

۱۰۸۔﴿ وَّیَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے' بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ ضرور پورا کر دیا گیا ہے۔ اس کلام میں ارشاد باری تعالیٰ ''اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا'' کی علت بیان کی گئی ہے یعنی اے محبوب! آپ ان منکرین سے اعراض کر لیجئے اور ان کی ذرہ بھی پروانہ کیجئے کیونکہ اگر یہ لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور یہ قرآن مجید کی تصدیق نہیں کرتے تو ان سے بہتر موجود ہیں اور یہ وہ علمائے کرام ہیں جنہوں نے سابقہ کتب کو پڑھا اور وہ اس قرآن مجید پر بھی ایمان لائے اور انہوں نے اس کی تصدیق کی' چنانچہ جب ان کے سامنے قرآن مجید کو پڑھا گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم اور اس کے اس وعدے کی تکمیل کی خاطر سجدے میں گر پڑے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و پاکیزگی بیان کی جو آسمان سے نازل کی گئی' سابقہ کتب میں وعدہ کیا گیا تھا اور اس کے ذریعے سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی آمد اور آپ پر نزولِ قرآن کی خوشخبری دی گئی تھی اور اس آیت مبارکہ میں مذکورہ وعدہ سے یہی مراد ہے[اور ''اِنْ'' بہ معنی ''اِنَّـهٗ'' ہے اور یہ فعل کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے جیسا کہ ''اَنَّ'' اور ''اِنَّ'' اسم کی تاکید کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں اور جس طرح ''فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ'' (الصافات:۱۲۷) میں ''اِنَّ'' کو لام تاکید کے ساتھ مؤکد و مستحکم کیا گیا ہے' اسی طرح یہاں ''اِنْ'' کو ''لَمَفْعُوْلًا'' میں لام تاکید کے ساتھ مؤکد کیا گیا ہے]۔

۱۰۹۔﴿ وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْكُوْنَ ﴾ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں (اور) وہ روتے ہیں۔ ٹھوڑی کے بل گرنے کا معنی منہ کے بل گر پڑنا ہے اور ٹھوڑی کو صرف اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ سجدے کے وقت ٹھوڑی منہ کی باقی تمام چیزوں سے زمین کے زیادہ قریب ہوتی ہے' چنانچہ ''خَرَّ عَلٰی وَجْهِهٖ وَعَلٰی ذَقَنِهٖ وَخَرَّ لِوَجْهِهٖ وَلِذَقَنِهٖ'' کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی اپنے منہ کے بل اور اپنی ٹھوڑی کے بل گر پڑا اور فلاں آدمی اپنے منہ اور اپنی ٹھوڑی ہی کے لیے گر پڑا' [بہر حال ''عَلٰی'' کا معنی ظاہر ہے' رہا لام کا معنی تو گویا ٹھوڑی اور منہ کو ''خرور'' (یعنی گرنے) کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے کیونکہ لام تخصیص کے لیے آتی ہے اور اللہ تعالیٰ دونوں حالتوں کے مختلف ہونے کے سبب ''یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ'' کو مکرر لایا ہے اور وہ دو حال یہ ہیں: ایک سجدے کی حالت میں ان کا گر پڑنا اور دوسرا رونے کی حالت میں گر پڑنا] ﴿ وَیَزِیْدُهُمْ ﴾ اور قرآن مجید ان میں زیادہ کر دیتا ہے ﴿ خُشُوْعًا ﴾ دل کی نرمی اور آنکھوں کی رطوبت کو۔

۱۱۰۔﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ نام رکھو یا رحمٰن نام رکھو (اللہ تعالیٰ کے لیے دونوں نام درست ہیں)۔

شانِ نزول: جب ابوجہل نے حضور سیّد عالم ﷺ سے سنا کہ آپ ''یَا اَللّٰهُ'' اور ''یَا رَحْمٰنُ'' کہہ رہے ہیں تو اس نے لوگوں سے کہا کہ آپ ہمیں تو دو معبودوں کی عبادت سے منع کرتے ہیں اور آپ خود اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود کو یاد کرتے ہیں تو اس کی تردید میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور ایک قول یہ ہے: اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ آپ رحمٰن کا ذکر بہت کم کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں اس نام کا بہت زیادہ ذکر فرمایا ہے تو ان کے جواب میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور دعا بہ معنی نام رکھنا ہے' پکارنے کے معنی میں نہیں ہے[اور اس آیت مبارکہ میں ''اَوْ'' اختیار کے لیے ہے] یعنی تم یہ نام (اللہ) رکھو یا یہ نام (رحمٰن) رکھو یا یہ معنی ہے کہ تم اس نام (اللہ) کا ذکر کرو یا اس نام (رحمٰن) کا ذکر کرو (اس کے سب نام اچھے ہیں) ﴿ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا ﴾ تم اسے جس نام سے یاد کرو[''اَیًّـا'' میں تنوین

مضاف الیہ کے عوض میں آئی ہے اور ''مَا'' تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے اور ''اَیًّا''، ''تَدْعُوْا'' کی وجہ سے منصوب ہے اور ''تَدْعُوْا'' خود ''اَیٌّ'' کی وجہ سے مجزوم ہے] یعنی ان دونوں میں سے جس نام کو یاد کرو اور اس کا جو نام رکھو ﴿فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ [1] سو اس کے تمام نام اچھے ہیں [''فَلَـهٗ'' میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کی طرف لوٹتی ہے اور ''فَا'' اس لیے آیا ہے کہ یہ شرط کا جواب ہے: ''اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَهُوَ حَسَنٌ'' یعنی تم جس نام سے اس کو یاد کرو تو وہی اچھا ہے' پھر ضمیر کی جگہ ''فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى'' کو رکھا گیا ہے] اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کے تمام نام اچھے ہیں تو یہ دونوں نام بھی اچھے ہیں کیونکہ یہ دونوں نام بھی انہی میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کے اچھے ہونے کا معنی یہ ہے کہ یہ تمام نام فضیلت و بزرگی اور پاکیزگی اور تعظیم و تکریم کے معانی کے لیے مستقل جامع ہیں ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾ اور آپ اپنی نماز کو زیادہ بلند آواز سے نہ پڑھئے' اصل میں ''بِقِرَاءَةِ صَلَاتِكَ'' ہے یعنی آپ اپنی نماز کی قراءت کو زیادہ بلند نہ کیجئے [یہاں مضاف محذوف ہے اس لیے کہ التباس نہیں ہوتا] کیونکہ ''جَهْر'' (اونچا پڑھنا) اور ''مُخَافَت'' (پست پڑھنا) ایسی دو صفات ہیں جو آواز کے بعد پیدا ہوتی ہیں اور جب کہ نماز مخصوص افعال اور اذکار پر مشتمل ہے اور دراصل رسول اللہ ﷺ قراءت میں اپنی آواز کو اونچا کر کے پڑھتے تھے' جب مشرکینِ مکہ آپ کی قراءت سنتے تو شور و غوغا کرتے اور گالیاں بکتے' اس لیے حضور کو حکم دیا گیا کہ اپنی آواز کو قدرے پست کریں اور معنی یہ ہے کہ اے محبوب! آپ نہ اتنا بلند آواز سے پڑھیں کہ مشرکین سن لیں اور نہ اتنا آہستہ پڑھیں کہ آپ کے پیچھے مقتدی بھی نہ سن سکیں ﴿وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ﴾ اور جہر اور مخافت کے درمیان کا طریقہ طلب کیجئے ﴿سَبِيْلًا﴾ بہ معنی ''وَسَطًا'' ہے یعنی درمیانہ طریقہ یا اس کا یہ معنی ہے کہ آپ تمام نمازیں بلند آواز سے نہ پڑھیں اور نہ تمام نمازیں پست آواز سے پڑھیں بلکہ اس کے درمیان کا راستہ اختیار کریں کہ رات کی نمازوں (مغرب' عشاء' فجر) میں بلند آواز سے پڑھیں اور دن کی (ظہر' عصر کی) نمازوں میں آہستہ پڑھیں یا پھر ''صلاۃ'' بہ معنی ''دعا'' ہے (یعنی نہ زیادہ بلند آواز سے دعا مانگیں اور نہ بالکل آہستہ دعا مانگیں بلکہ اس کے درمیان اعتدال کا راستہ اختیار کریں)۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾

ع ۱۲ / ۱۱ / ۱۲

اور (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے لیے بیٹا نہیں بنایا اور حکومت میں اس کا کوئی شریک نہیں اور کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار نہیں اور اس کی عظمت و کبریائی خوب بیان کیجئے ○

۱۱۱- ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا﴾ اور اے محبوب! فرمائیے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے (اپنے لیے) اولاد نہیں بنائی جیسا کہ یہود و نصاریٰ اور بنو ملیح کا گمان ہے ﴿وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ اور بادشاہت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے جیسا کہ مشرکوں نے گمان کیا ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ﴾ اور کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار نہیں یعنی وہ کبھی کمزور نہیں ہوتا کہ اسے کسی مددگار کی ضرورت ہو یا وہ ذلت و کمزوری کی وجہ سے کسی کو دوست نہیں بناتا تا کہ بہ وقتِ ضرورت دوست اپنی مدد کے ذریعے اس کا دفاع کر سکے ﴿وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا﴾ اور اس کی بڑائی خوب بیان کیجئے اور اس کی عظمت و رفعت بیان کیجئے اور یہ بیان کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ اس کے لیے

[1] اسمائے حسنیٰ کی تشریح اور خصوصیات و برکات کے لیے ہماری کتاب ''خصائص الاسماء الحسنیٰ'' کا مطالعہ کیجئے۔ غوثوی

اولاد ہو یا کوئی اس کا شریک ہو اور حضور نبی اکرم ﷺ نے اس آیت مبارکہ کا نام "ایۃ العزۃ" رکھا اور آپ کی یہ عادتِ شریفہ تھی کہ جب بنوعبدالمطلب کا کوئی بچہ اچھی طرح فصاحت و بلاغت سے عربی بولنے کے قابل ہو جاتا تو آپ اس کو یہی آیت مبارکہ سکھایا کرتے۔

سورۃ الکہف مکیۃ — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ — آیاتھا ۱۱۰ رکوعاتھا ۱۲

سورۃ الکہف مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی ایک سو دس آیات' بارہ رکوع ہیں

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَلَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ؕ﴿۱﴾ قَیِّمًا لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡہُ وَیُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ﴿۲﴾ مَّاکِثِیۡنَ فِیۡہِ اَبَدًا ﴿۳﴾ وَّیُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ﴿۴﴾ مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِہِمۡ ؕ کَبُرَتۡ کَلِمَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاہِہِمۡ ؕ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا کَذِبًا ﴿۵﴾ فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ عَلٰۤی اٰثَارِہِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا ﴿۶﴾

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے محبوب بندے پر کتاب نازل فرمائی اور اس کے لیے کوئی کجی نہیں رکھی○ وہ عدل کو قائم کرنے والی ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب سے ڈرائے اور ان ایمان والوں کو خوشخبری سنائے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ بے شک ان کے لیے بہترین ثواب ہے○ وہ اس میں ہمیشہ ٹھہریں گے○ اور ان کو ڈرائے جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے اولاد بنالی ہے○ اس کے بارے میں نہ انہیں علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو علم ہے' کتنی سخت بات ان کے مونہوں سے نکلتی ہے' وہ نہیں بولتے مگر جھوٹ○ پس آپ شاید ان کے پیچھے غم کے سبب اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائے○

حضور پر نزولِ قرآن کے مقاصد اور توحید الٰہی کا بیان

۱- ﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے محبوب بندے (یعنی) حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر نازل فرمائی ﴿ الۡکِتٰبَ ﴾ کتاب (یعنی) قرآن مجید۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تلقین فرمائی اور انہیں سمجھایا کہ ان پر کی گئی عظیم ترین نعمتوں میں سے اہم ترین نعمت پر اللہ تعالیٰ کی کس طرح ثناء بیان کریں اور اس کی کس طرح تعریف کریں اور وہ سب سے اہم ترین نعمت اسلام کی نعمت ہے اور دوسری اہم ترین وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر کتاب (یعنی قرآن مجید) کی صورت میں نازل فرمائی' یہی ان کی نجات کا سبب ہے ﴿ وَلَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس قرآن مجید میں کجی اور ٹیڑھا پن نہیں رکھا یعنی اس میں کسی قسم کی ادنیٰ سی کجی بھی نہیں رکھی اور معانی میں بھی اسی طرح کجی ہوتی ہے جس طرح مادی چیزوں میں ہوتی ہے' چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی کی رائے میں کجی ہے اور فلاں کے عصا (ڈنڈے) میں کجی ہے اور یہاں قرآن مجید کے معانی میں اختلاف و تضاد کی نفی مراد ہے اور اس کے معانی سے کسی قسم کی حکمت کے خارج ہونے کی نفی مراد ہے۔

۲- ﴿ قَيِّمًا ﴾ عدل کو قائم رکھنے والا ۔ یہ بہ معنیٰ ''مُسْتَقِيمًا'' ہے یعنی افراط وتفریط سے پاک سیدھے راستے پر چلانے والی کتاب [اوراس کا نصب فعل مضمر کی وجہ سے ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''جَعَلَهٗ قَيِّمًا''] اللہ تعالیٰ نے اس کتاب (قرآن مجید) کو ہر طرح کی کجی سے صحیح سلامت رکھا ہے کیونکہ جب اس سے کجی اور ٹیڑھے پن کی نفی کر دی گئی تو اس کے لیے استقامت و سلامتی ثابت ہوگئی اور کجی کی نفی اور استقامت کے اثبات کے درمیان اور ان میں سے ہر ایک کا دوسرے سے مستغنی ہونے کے باوجود دونوں کو جمع کرنے کا فائدہ صرف تاکید کرنا مقصود ہے اس لیے کہ بعض اوقات ایک چیز مستقیم ہوتی ہے اور اس کی استقامت پر شہادت بھی موجود ہوتی ہے لیکن تحقیق و تنقید کے وقت وہ ادنیٰ سی کجی سے خالی نہیں ہوتی یا یہ معنی ہے کہ یہ کتاب قرآن مجید دیگر تمام الہامی کتب کی نگران و محافظ ہے کہ یہ ان کی تصدیق و تائید کرتی ہے اور ان کی صحت کی گواہی دیتی ہے ﴿ لِيُنْذِرَ ﴾ [اس کا فعل ماضی ''اَنْذَرَ'' ہے اور یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّا اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا'' (النبأ:۴۰) ''بے شک ہم تمہیں نزدیک تر عذاب سے ڈراتے ہیں''۔ بہرحال یہاں ایک مفعول پر اکتفاء کیا گیا ہے اور اس کی اصل یہ ہے: ''لِيُنْذِرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا''] ﴿ بَأْسًا ﴾ ''عَذَابًا'' ﴿ شَدِيْدًا ﴾ تاکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کافروں کو سخت ترین عذاب سے ڈرائیں [یہاں ''بَاْسًا'' بہ معنی عذاب ہے اور یہاں صرف ایک مفعول پر اس لیے اکتفاء کیا گیا ہے کہ جس سے ڈرایا گیا ہے اس کا ذکر کر دیا گیا ہے' پھر اسی پر اکتفاء کیا گیا ہے] ﴿ مِّنْ لَّدُنْهُ ﴾ اس کی طرف سے (یعنی) اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہونے والا ہے ﴿ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ ﴾ اور آپ مؤمنوں کو خوشخبری سنائیں جو نیک عمل کرتے رہے بے شک ان کے لیے ''اَیْ بِاَنَّ لَهُمْ'' [یعنی ''بَا'' حرف جارہ محذوف ہے] بے شک ان کے لیے ﴿ اَجْرًا حَسَنًا ﴾ بہترین اجر وثواب ہے یعنی جنت [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''يَبْشُرُ'' (باب ''نَصَرَ يَنْصُرُ'' سے) ہے]۔

۳- ﴿ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ﴾ وہ اس میں ہمیشہ ٹھہریں گے یعنی وہ بہترین اجر وثواب میں ہمیشہ ٹھہریں گے اور ''اَجْرًا حَسَنًا'' سے مراد جنت ہے' جس کا مطلب یہ ہوا کہ نیک مسلمان جنت میں ہمیشہ ٹھہریں گے [''مَا كِثِيْنَ'' (لَهُم) میں ''هُمْ'' ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے]۔

٤- ﴿ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴾ اور آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے۔ یہاں پہلی آیت کے برعکس ان کا ذکر کر دیا گیا ہے جن کو ڈرایا گیا ہے لیکن جس (عذاب) سے ڈرایا گیا ہے اس کا ذکر نہیں کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی آیت مبارکہ میں اس کے ذکر نے دوبارہ ذکر کرنے سے بے نیاز کر دیا ہے۔

۵- ﴿ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ﴾ انہیں اس کا کچھ علم نہیں' یعنی بیٹے کا یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو بیٹا بنانے کا انہیں کچھ علم نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ بات علم کی بناء پر نہیں کہی بلکہ محض جہالت و نادانی سے کہی' پھر اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے لیے بیٹا بنانا تو بذاتِ خود محال و ممتنع اور ناممکن ہے تو یہ کیسے کہا گیا کہ انہیں اس کا کچھ علم نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ کا مطلب ہے کہ انہیں اس کا اس لیے کچھ علم نہیں ہے کہ یہ ان چیزوں میں سے نہیں ہے جن کو جانا جائے کیونکہ یہ محال و ناممکن ہے اور کسی چیز سے علم کی نفی یا تو اس لیے ہوتی ہے کہ جو طریقہ اس کے علم تک پہنچاتا ہے وہ طریقہ معلوم نہیں ہوتا یا پھر اس چیز سے علم کی نفی محض اس لیے ہوتی ہے کہ وہ چیز بذاتِ خود محال و ناممکن ہوتی ہے ﴿ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ﴾ اور نہ ان کے باپ دادا کو کچھ علم تھا جن کی تقلید کر کے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا عقیدہ گھڑ لیا گیا ہے ﴿ كَبُرَتْ كَلِمَةً ﴾ کتنی بڑی سخت بات ہے [''كَلِمَةً'' تمیز کی بناء پر منصوب ہے] اور یہ تعجیب کے معنی میں ہے گویا کہا گیا

ہے کہ یہ کتنی بڑی سخت بات ہے [اور ''کَبُرَتْ'' میں ضمیران کے قول ''اِتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا'' کی طرف لوٹتی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنالیا اور اس کا نام ''کلمۃ'' اس طرح رکھا گیا ہے جس طرح ہجو یہ کلام (جس میں کسی کی بُرائی بیان کی گئی ہو) کا نام قصیدہ رکھا جاتا ہے] ﴿تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ﴾ ان کے مونہوں سے نکلتی ہے۔ یہ [کلمہ کی صفت ہے] جو بڑھائی کا فائدہ دیتی ہے کہ انہوں نے کتنی بڑی سخت بات کہنے کی جراُت کر لی اور انہوں نے کتنا بڑا کلمہ اپنے مونہوں سے نکال دیا' پھر حقیقت یہ ہے کہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو شیطان لوگوں کے دلوں میں وسوسوں کے ذریعے ڈال دیتا ہے اور لوگ ان کو باہر پھینکنے کی ہمت نہیں کرتے بلکہ ان کو نگل جاتے ہیں تو پھر اس قسم کی بُرائی کا انجام کیسا ہوگا؟ ﴿اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾ وہ یہ بات نہیں کہتے مگر محض جھوٹ بولتے ہیں [''كَذِبًا'' مصدر محذوف کی صفت ہے] اصل میں ''قَوْلًا كَذِبًا'' ہے یعنی کفار سراسر جھوٹ بولتے ہیں۔

حضور کو تسلی دینے اور ماسوا نیک عمل کے دنیا کی ہر چیز کے عارضی ہونے کا بیان

٦- ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ﴾ پس آپ شاید ان کے پیچھے اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے۔ جب حضور رحمت عالمیاں ﷺ کے دعوتِ حق دینے پر کفارِ مکہ نے منہ پھیر لیا اور آپ پر ایمان نہ لائے اور ان کے ایمان لانے کی بجائے منہ پھیر لینے پر جو غم ورنج آپ کے قلبِ اطہر پر طاری ہوا' اس ساری کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کے دوست اس سے جدا ہو گئے ہوں اور وہ آدمی ان کے پیچھے غم ورنج کے سبب بیمار پڑ جائے اور ان کے غم ورنج' نیز ان کی جدائی کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کرنے لگے ﴿اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں غم کے سبب' یعنی غم کی شدت کی وجہ سے اور ''اَسَفٌ'' غم ورنج اور غضب کے مبالغہ کے لیے آتا ہے [''اَسَفًا'' مفعول لہٗ ہے]۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۞ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۞ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۞ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۞ فَضَرَبْنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۞ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا ۞

ع ۱۳

بے شک ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اسے اس کے لیے آرائش بنایا ہے تا کہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے ۞ بے شک زمین پر جو کچھ بھی ہے ہم اسے صاف چٹیل میدان بنا دیں گے ۞ (اے انسان!) کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ غار اور رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے ۞ جب نوجوانوں نے غار میں پناہ لی اور انہوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما اور ہمارے معاملے میں ہمارے لیے ہدایت کے اسباب مہیا فرما ۞ سو ہم نے غار میں ان کے کانوں پر گنتی کے کئی سالوں تک نیند کا پردہ ڈال دیا ۞ پھر ہم نے انہیں بیدار کیا تا کہ ہم یہ ظاہر کر دیں کہ دو گروہوں میں سے کس نے ان کے ٹھہرنے کی مدت کو محفوظ رکھا ہے ۞

۷-﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا﴾ بے شک ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اسے اس کے لیے زیب و زینت اور ہارسنگار بنادیا ہے یعنی جو چیزیں زمین اور اہل زمین کے لیے زیب و زینت اور آرائش کی صلاحیت رکھتی ہیں جیسے دنیا کے خوبصورت ہرے بھرے باغات اور حسین وجمیل لہلاتی ہوئی سرسبز وشاداب کھیتیاں نیز دیگر حیوانات ونباتات اور معدنیات وغیرہم ہیں ﴿لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ تاکہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون زیادہ اچھے عمل کرتا ہے اور اچھا عمل یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے دنیا میں رہ کر اس کی خواہشات کو ترک کردے اور اس کے عارضی انعامات پر اترانا اور فخر وغرور کرنا ترک کردے اور اس کی ظاہری خوبصورتی سے دھوکہ نہ کھائے' پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا کی طرف رغبت ختم کرنے کے لیے (درج ذیل) ارشاد فرمایا:

۸-﴿وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا﴾ اور زمین پر جس قدر زیب و زینت اور سنگار کی چیزیں ہیں بلاشبہ ہم ان سب کو ختم کر کے صاف وہموار اور خشک میدان بنادیں گے۔ ''صَعِيْدًا'' کا معنی ہے: ہموار زمین اور ''جُرُزًا'' کا معنی ہے: خوب سرسبز وشاداب ہونے کے بعد ایسا خشک ہوجانا کہ اس میں سبزہ وغیرہ نہ اگتا ہو اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس زمین کو آباد کرنے کے بعد ایک دن جانداروں پر موت طاری کر کے اور درختوں' کھیتیوں اور سبزوں کو خشک کر کے اس کو ہم دوبارہ ویران میدان بنادیں گے۔

اصحابِ کہف کا غار میں پناہ لینے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا بیان

۹-اور جب اللہ تعالیٰ نے آفاقی نشانیوں میں سے زمین اور اس کی زیب وزینت' نیز اس کے اوپر پیدا ہونے والی بے شمار اجناس کا ذکر کیا اور ایک دن ان سب کے فنا ہونے اور نیست ونابود ہونے کا ذکر کیا (جو کہ قدرتِ الٰہی کی عظیم ترین نشانیاں ہیں) تو ان کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ﴾ کیا تم نے گمان کیا ہے کہ غار والے اور رقیم والے' (ہماری عجیب ترین نشانی ہیں) مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا نشانیاں اصحابِ کہف کے قصہ سے اور مدتِ دراز تک ان کے زندہ رہنے سے زیادہ عجیب ترین ہیں اور ''کهف'' پہاڑ میں کشادہ اور فراخ غار کو کہا جاتا ہے اور ''رقیم'' ان نوجوانوں کے کتے کا نام ہے یا ان کی بستی کا نام ہے یا پھر اس کتبہ کا نام ہے جس پر ان کے حالات تحریر تھے یا اس پہاڑ کا نام ہے جس میں یہ غار تھا ﴿كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا﴾ وہ ہماری عجیب نشانیوں سے تھے۔ ''اَیْ كَانُوْا اٰيَةً عَجَبًا مِنْ اٰيٰتِنَا'' یعنی وہ ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے [بطور مبالغہ مصدر کو وصف قرار دیا گیا ہے یا مضاف محذوف ہے' اصل میں ''ذَاتَ عَجَبٍ'' ہے]۔

۱۰-﴿اِذْ﴾ ''اَیْ اُذْكُرْ'' یعنی اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب ﴿اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً﴾ نوجوانوں نے غار میں پناہ حاصل کی اور انہوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمیں تو اپنی طرف سے رحمت عطا فرما' یعنی تو اپنے رحمت کے خزانوں میں سے ہمیں رحمت عطا فرما اور اس سے مغفرت وبخشش اور رزق اور دشمنوں سے امن کی طلب مراد ہے ﴿وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا﴾ اور تو ہمارے اس معاملے میں یعنی جس میں ہم کفار سے علیحدگی اختیار کر چکے ہیں خیر کی رہنمائی مہیا فرما تاکہ ہم اس کے سبب راہِ راست پر گامزن ہو کر ہدایت یافتہ ہوجائیں یا یہ معنی ہے کہ اے اللہ! تو ہمارے تمام معاملات کو درست وصحیح بنادے یا یہ کہ اے اللہ! تو اپنی رضا اور خوشنودی کی راہ ہمارے لیے آسان کر دے۔

۱۱-﴿فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ﴾ پس ہم نے غار میں ان کے کانوں پر نیند مسلط کر دی یعنی ہم نے ان کے

کانوں پر نیند کا پردہ ڈال دیا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان پر اتنی بھاری اور سخت نیند مسلط کر کے انہیں سلا دیا جس میں باہر کی آوازیں انہیں بیدار نہیں کرتی تھیں [پھر مفعول کو حذف کر دیا گیا اور وہ حجاب تھا (کیونکہ اصل میں ''فَضَرَبْنَا عَلٰی اٰذَانِهِمْ حِجَابًا'' تھا)] ﴿سِنِیْنَ عَدَدًا﴾ گنتی کے سال [اصل میں ''ذَوَاتَ عَدَدٍ'' ہے اور یہ ''سِنِیْنَ'' کی صفت ہے] علامہ زجاج نے کہا کہ زیادہ تعداد ہونے کی وجہ سے ان کی گنتی کی جاتی ہے کیونکہ تھوڑی چیز کی مقدار بغیر گنتی کے معلوم کی جاتی ہے' پھر جب تعداد بہت بڑھ جاتی ہے تو ان کی گنتی کی جاتی ہے لیکن ''دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ'' (یوسف:۲۰) میں قلت پر محمول ہے کیونکہ اہلِ کنعان تھوڑی مقدار کی گنتی کرتے تھے اور زیادہ مقدار کا وزن کرتے تھے۔

۱۲- ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ﴾ پھر ہم نے ان کو اٹھایا' یعنی پھر ہم نے ان کو نیند سے بیدار کیا اور جگایا ﴿لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا﴾ تا کہ ہم ظاہر کر دیں کہ اپنی ٹھہرنے کی مدت میں ان میں سے اختلاف کرنے والے دو گروہوں میں سے کس نے ٹھہرنے کی پوری مدت کو یاد رکھا ہے کیونکہ جب وہ نوجوان حضرات نیند سے بیدار ہوئے تو انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور اسی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ''قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ'' (الکہف:۱۹) ''ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کتنی مدت ٹھہرے ہو' بعض نے کہا: ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہوں گے' دوسروں نے کہا: تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے جتنی مدت تم ٹھہرے ہو''۔ اور جن لوگوں نے کہا تھا کہ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے جتنی مدت تم ٹھہرے ہو' یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے جان لیا تھا کہ وہ بڑی لمبی مدت ٹھہر چکے ہیں یا یہ معنی ہے کہ ان غار والوں کے علاوہ جن دو گروہوں نے اختلاف کیا ہے ان میں سے کس گروہ نے ان کے ٹھہرنے کی مدت کو یاد رکھا [''اَمَدًا'' کا معنی غایت و انتہاء ہے اور ''اَحْصٰی'' فعل ماضی ہے اور ''اَمَدًا'' اس کا ظرف ہے یا پھر مفعول لہ ہے اور یہ فعل ماضی مبتدا کی خبر ہے اور وہ ''اَیُّ'' ہے اور مبتدا اپنی خبر کے ساتھ مل کر ''نَعْلَمُ'' کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے (اور ''لِمَا لَبِثُوْا'' میں ''مَا'' مصدریہ ہے) اور معنی یہ ہے کہ کس نے ان کے ٹھہرنے کی مدت کو ٹھیک محفوظ رکھا ہے اور کس نے ان کے ٹھہرنے کی مدت کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے اور جس نے یہ کہا کہ ''اَحْصٰی'' ''اَفْعَلُ'' کے وزن پر اسم تفضیل ہے اور یہ ''اِحْصَاءٌ'' سے مشتق ہے اور اس کا معنی گنتی کرنا ہے' اس نے غلط کہا ہے کیونکہ اس کا صیغہ غیر ثلاثی مجرد (یعنی مزید فیہ سے) قیاس کے مطابق نہیں آتا] اور باقی رہا یہ مسئلہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں ''لِنَعْلَمَ'' (تا کہ ہم جان لیں) فرمایا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ان کے بارے میں ازل سے یعنی ہمیشہ سے جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت ٹھہرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں علم بہ معنی ظہور کے ہے یعنی تا کہ ہم لوگوں پر ظاہر کر دیں کہ ان کا (قیامت کے دن لوگوں کو زندہ کر کے اٹھائے جانے پر) ایمان پختہ ہو جائے اور ان کی عبرت میں اضافہ ہو جائے اور وہ اپنے زمانہ کے مؤمنوں پر لطف و کرم اور نرمی کریں اور اس زمانہ کے کفار پر واضح حجت و دلیل قائم ہو جائے یا ''لِنَعْلَمَ'' کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم اس کے وجود سے پہلے جانتے تھے' اسی طرح ان کے موجودہ اختلاف کو بالفعل جان لیں۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًی ﴿۱۳﴾ وَّ رَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ

مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾

ہم آپ سے ان کا سچا قصہ بیان کرتے ہیں' بے شک وہ نوجوان اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے انہیں مزید ہدایت عطا فرمائی O اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا جب وہ (بادشاہ کے سامنے) کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا: ہمارا پروردگار (وہی ہے جو) آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے' ہم اس کے سوا کسی معبود کی عبادت ہرگز نہیں کریں گے (ورنہ) اس وقت ہم نے بہت بڑی ناانصافی کی بات کہہ دی O یہ ہماری قوم ہے جس نے اس کو چھوڑ کر بہت سے معبود بنا رکھے ہیں' وہ ان کے معبود ہونے پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے' پس اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء باندھا O

اصحابِ کہف کے سچے قصہ میں جابر بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنے اور علیحدگی اختیار کر کے غار میں پناہ لینے کا بیان

۱۳- ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ﴾ ہم آپ کو حق کے ساتھ (یعنی) سچا قصہ سناتے ہیں ﴿اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ﴾ بے شک وہ چند نوجوان تھے۔ ''فِتْیَۃٌ'' ''فتٰی'' کی جمع ہے اور فتوت و مردانگی یہ ہے کہ بھلائی کے کاموں میں مال و جان خرچ کرنا اور لوگوں کو ایذاء اور تکلیف دینے سے باز رہنا اور شکایت و بے صبری کو ترک کرنا اور حرام چیزوں سے بچنا اور اچھی عادتوں اور اچھے کاموں پر عمل کرنا اور ایک قول یہ ہے کہ جوان اور مرد وہ ہے جو کام کرنے سے پہلے دعویٰ نہ کرے (کہ میں یہ کر دوں گا' میں وہ کر دوں گا) اور کام کرنے کے بعد اپنی پاک دامنی اور اپنی صفائی بیان نہ کرے (کہ میں بڑا نیک اور میں بڑا عامل ہوں) ﴿اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى﴾ وہ اپنے پروردگار پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت (یعنی) یقین کو مزید بڑھا دیا' اور یہ نوجوان اس وقت کے بادشاہ دقیانوس کے خواص اور مقرب لوگوں میں سے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان ڈال دیا اور وہ اپنے دلوں میں ایمان پا کر ایک دوسرے سے ڈرنے لگے اور انہوں نے آپس میں کہا کہ دو دو آدمی ہم سے الگ ہو جائیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی پر اپنے دل کی بات ظاہر کر دے' چنانچہ ان سب نے ایسا ہی کیا اور سب کے سب ایمان پر متفق نکلے۔

۱۴- ﴿وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور صبر کر کے اپنے عزیز و اقارب اور وطن کو چھوڑنے اور دینِ حق کو بچانے کی خاطر علاقۂ غیر کی طرف بھاگ جانے کے لیے ہم نے ان کے دلوں کو مستحکم و طاقت ور بنا دیا اور ہم نے ان کو جابر و ظالم بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر کلمۂ حق کہنے اور اسلام کی مدد کرنے کی جرأت و بہادری عطا فرما دی ﴿اِذْ قَامُوْا﴾ جب وہ جابر بادشاہ دقیانوس کے سامنے کھڑے ہوئے اور اس نے بتوں کی عبادت چھوڑ دینے پر ان کو ڈرایا' دھمکایا اور ڈانٹا تو ان بہادر نوجوانوں نے اس کی ذرا پرواہ نہ کی ﴿فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور انہوں نے برملا فخر یہ کہا کہ ہمارا پروردگار وہی ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے ﴿لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا﴾ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کی ہرگز عبادت نہیں کریں گے اور اگر ان کے بتوں کو معبود قرار دے دیں ﴿لَقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا﴾ تو پھر البتہ اس وقت ہم نے یقیناً حق سے دور ظلم و زیادتی کی بات کہہ دی۔ ''شَطَطًا'' کا معنی ہے: ظلم و ستم کرنے میں زیادتی کرنا (یعنی حد سے بڑھ کر ظلم کرنا) اور اس میں حق سے بہت دور ہو جانا [اور یہ ''شَطَّ یَشُطُّ'' اور ''شَطَّ یَشِطُّ'' سے ماخوذ ہے] جب

کوئی کسی سے بہت دور ہو جائے۔

۱۵-﴿ هٰۤؤُلَآءِ ﴾[یہ مبتدا ہے]﴿ قَوْمُنَا ﴾[عطف بیان ہے]﴿ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ﴾[یہ خبر ہے]یعنی یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بہت سے معبود بنا لیے ہیں اور یہ خبر انکار کے معنی میں ہے (یعنی انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا)﴿ لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ ﴾ وہ لوگ اپنے بتوں کی عبادت کے جواز پر کوئی واضح اور ظاہر دلیل کیوں نہیں پیش کرتے اور یہ ان کو لا جواب وخاموش کرنے کے لیے کہا گیا ہے کیونکہ بتوں کی عبادت پر دلیل پیش کرنا محال ہے[''لَوْ لَا'' بہ معنی ''هَلَّا'' ہے اور''عَلَیْهِمْ'' سے مراد''عَلٰی عِبَادَتِهِمْ'' ہے' پھر مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے]﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ﴾ پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑ لیا کہ اس یکتا خدا کی طرف شریک کی نسبت کر دی۔

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَی الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَیُهَیِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾ وَتَرَی الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِیْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ ع

اور (انہوں نے ایک دوسرے سے کہا:) جب تم ان سے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے معبودوں سے الگ ہو چکے ہو تو غار میں پناہ لے لو تمہارا پروردگار تم پر اپنی رحمت وسیع کر دے گا اور وہ تمہارے لیے تمہارے معاملہ میں آسانی پیدا کر دے گاO اور (اے محبوب!) آپ سورج کو دیکھیں گے کہ جب وہ نکلتا ہے تو ان کی غار سے دائیں طرف جھک جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بائیں طرف مڑ جاتا ہے اور وہ غار کے کھلے میدان میں ہیں' یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے' اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دیتا ہے' پس وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے' اور وہ جس کو گمراہی پر ڈال دیتا ہے تو آپ اس کے لیے کوئی مددگار رہبر نہیں پائیں گےO

۱۶-﴿ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ ﴾ اور جب تم ان سے الگ اور جدا ہو چکے ہو۔ جب ان نوجوانوں نے اپنے دین کو بچانے کی خاطر بھاگنے کا پختہ اور پکا ارادہ کر لیا تو ایک دوسرے کو یہ خطاب کیا کہ جب تم مذہب میں ان سے الگ ہو چکے ہو﴿ وَمَا یَعْبُدُوْنَ ﴾[''هُمْ'' ضمیر پر معطوف ہونے کی بناء پر منصوب ہے]یعنی جب تم ان سے کنارہ کش ہو چکے ہو اور تم ان کے معبودوں سے بھی کنارہ کش ہو چکے ہو﴿ اِلَّا اللّٰهَ ﴾ ماسوا اللہ تعالیٰ کے[یہ استثناء متصل ہے]اس لیے کہ یہ لوگ بھی اہل مکہ کی طرح اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق مانتے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو بھی شریک ٹھہراتے تھے[یا یہ استثناء منقطع ہے]یعنی جب تم کفار سے اور ان کے بتوں سے الگ ہو چکے ہو جن کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں یا پھر اللہ تعالیٰ نے ان نوجوانوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے اپنا کلام درمیان میں پیش کر دیا کہ ان نوجوانوں نے غیر اللہ کی عبادت نہیں کی[یہ کلام معترضہ ہوا]﴿ فَاْوٗۤا اِلَی الْكَهْفِ ﴾ پس تم غار میں پناہ لے لو اور اس کی طرف چل پڑو یا تم غار کو اپنی پناہ گاہ بنا لو﴿ یَنْشُرْ لَكُمْ

﴿رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ﴾ تمہارا پروردگار تمہارے لیے اپنی رحمت یعنی اپنا رزق وسیع اور کشادہ کر دے گا ﴿وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ أَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا﴾ اور وہ تمہارے لیے تمہارے مشن میں آسانی اور نرمی پیدا فرما دے گا [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں میم مفتوح اور ''فا'' مکسور کے ساتھ ''مَرْفِقًا'' ہے] اور اس کا معنی ہے: ہر وہ سبب جس کے ذریعے آسانی حاصل کی جائے یعنی نفع حاصل کیا جائے' اور ان نوجوانوں نے یہ بات صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھر پور اعتماد رکھنے اور اس سے اپنی امید مضبوط قائم کرنے اور اس کی ذاتِ اقدس پر کامل توکل اور پختہ یقین رکھنے کی بناء پر کہی تھی یا انہیں ان کے زمانہ کے پیغمبر نے یہ بات بتائی تھی۔

اصحابِ کہف کی عزت وکرامت اور ان سے کتے کی محبت کا صلہ

۱۷- ﴿وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ﴾ اے محبوب! آپ سورج کو دیکھیں گے کہ جب طلوع ہوتا ہے تو (ان نوجوانوں کی غار سے دائیں طرف) پھر جاتا ہے [اہل کوفہ کی قراءت میں ''زا'' مخفف ہے اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''زا'' ساکن ہے اور ''را'' مشدد ''تَزْوَرُّ'' ہے' دیگر قراء کی قراءت میں ''زا'' مشدد ہے جس کے بعد الف ہے یعنی ''تَزَّاوَرُ'' ہے اور اس کی اصل ''تَتَزَاوَرُ'' ہے' پھر دوسری ''تا'' کو ''زا'' میں مدغم کر دیا گیا ہے یا پھر اس کو حذف کر دیا گیا ہے اور یہ افعال ''زَوْرٌ'' سے مشتق ہیں اور ''زَوْرٌ'' کا معنی ہے: ایک طرف جھکنا اور ہٹنا اور اسی سے ''زَارَهٗ'' ماخوذ ہے کہ فلاں آدمی اس کی طرف جھک گیا اور ''زُوْرٌ'' (جھوٹ) کا معنی ہے: سچ سے منہ پھیر لینا] ﴿عَنْ كَهْفِهِمْ﴾ ان کی غار سے یعنی سورج ان کی غار سے دوسری طرف جھک جاتا ہے اور اس کی شعاعیں اور دھوپ کی گرمی ان نوجوانوں پر نہیں پڑتی ﴿ذَاتَ الْيَمِيْنِ﴾ دائیں طرف اور اس کی حقیقت تو یہ ہے کہ خود دائیں جانب کا نام طرف اور سمت ہے ﴿وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ﴾ اور جب سورج غروب ہوتا ہے تو ان کی بائیں طرف کترا جاتا ہے اور ان سے دور ہو کر گزر جاتا ہے یعنی ان کو چھوڑ جاتا ہے اور ان سے دور پھر جاتا ہے ﴿وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ﴾ اور وہ نوجوان غار کے کشادہ اور کھلے میدان میں ہیں اور مطلب یہ ہے کہ وہ نوجوان تمام دن سایا میں آرام پذیر رہتے تھے' انہیں نہ طلوع کے وقت سورج کی دھوپ پہنچتی تھی اور نہ غروب کے وقت' اس کے باوجود کہ وہ حضرات کشادہ اور کھلے میدان میں سو رہے ہوتے تھے' اگر اللہ تعالیٰ سورج کو ان سے نہ چھپاتا تو پھر سورج کی کرنیں اور شعاعیں انہیں ضرور پہنچ جاتیں اور بعض نے کہا ہے کہ ان کے غار میں سوراخ تھے جن سے گزر کر تازہ ہوا اور صبح کی ٹھنڈک ان میں پہنچتی تھی اور انہیں غار میں کسی قسم کی کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر جو کچھ کرم کیا ہے کہ سورج طلوع اور غروب کے وقت ان نوجوانوں سے دوسری طرف ہو کر پھر جاتا ہے اور ان سے کترا کر گزر جاتا ہے تا کہ انہیں دھوپ اور گرمی نہ پہنچے' یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی (اور ولیوں کی کرامت) ہے ﴿مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے' یعنی سورج ان کی سمت میں نہیں پہنچتا تھا اور سورج ان کی سمت میں ان کی خصوصی کرامت کی وجہ سے نہیں پہنچتا تھا اور بعض نے کہا کہ غار کا دروازہ شمال کی طرف بنات النعش کے بالمقابل تھا' اس لیے وہ نوجوان پردے میں رہتے تھے اور سورج کی کرنیں اور شعاعیں ان پر نہیں پڑتی تھیں اور ''ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ'' کا مطلب یہ ہے کہ ان کی یہ شان (کہ تین سو نو سال سے زائد عرصہ غار میں مختلف بیماریوں' سردیوں' گرمیوں' آندھیوں' موذی اور وحشی جانوروں اور موت وغیرہ سے محفوظ رہنا) اور ان کا (نئے سرے سے صحیح وسلامت بیدار ہو جانے کا) قصہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے ﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت کی توفیق عنایت فرماتا ہے' پس وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے اور اس کی تفسیر اور وضاحت ''سُبْحٰنَ الَّذِيْ'' (بنی اسرائیل: ۹۷) میں گزر چکی ہے اور یہ ارشاد اصحابِ کہف کی تعریف و

توصیف بیان کر رہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جدوجہد اور محنت کی اور انہوں نے اپنے چہروں کو اسی واحد لاشریک ذاتِ اقدس کے لیے جھکا دیا تو اس نے ان حضرات کو اس عالی شان کرامت کے حاصل کرنے کی رہبری فرمائی ﴿وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾ اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو آپ اس کے لیے کوئی مددگار رہبر نہیں پائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کر دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖۗ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖۗ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾

اور آپ انہیں بیدار خیال کریں گے حالانکہ وہ سو رہے ہیں اور ہم ان کی دائیں اور بائیں کروٹیں بدلتے ہیں اور ان کا کتا چوکھٹ پر اپنے بازو پھیلائے ہوئے ہے اگر آپ انہیں جھانک کر دیکھتے تو آپ ان سے بھاگ جاتے اور آپ ان کے رعب و دہشت سے بھر جاتے O اور اسی طرح ہم نے انہیں بیدار کیا تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: تم کتنی دیر ٹھہرے ہو؟ بعض نے کہا: ہم ایک دن ٹھہرے ہیں یا دن کا کچھ حصہ دوسروں نے کہا: تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ تم کتنی دیر ٹھہرے ہو پس تم اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو یہ چاندی دے کر شہر بھیجو سو وہ دیکھے کہ کون سا کھانا زیادہ اچھا ہے پھر اس میں سے تمہارے لیے کھانا لائے اور اسے نرمی سے بات کرنی چاہیے اور وہ تمہارے بارے میں کسی کو نہ بتائے O

۱۸- ﴿وَتَحْسَبُهُمْ﴾ [اعشیٰ کے علاوہ ابن عامر شامی حمزہ اور عاصم کی قراءت میں سین پر فتح (زبر) ہے] اور یہ ہر ایک کو خطاب ہے یعنی اے انسان! تو انہیں خیال کرے گا کہ وہ ﴿اَيْقَاظًا﴾ بیدار ہیں [اور یہ "یَقُظٌ" کی جمع ہے] ﴿وَّهُمْ رُقُوْدٌ﴾ حالانکہ وہ سو رہے ہیں اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ ان کی آنکھیں کھلی تھیں حالانکہ وہ نیند کی حالت میں سو رہے تھے اس لیے ان کو دیکھنے والا بیدار خیال کرے گا ﴿وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ﴾ اور ہم ان کی دائیں طرف اور بائیں طرف کروٹیں بدل دیتے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ سال میں ان کی دو مرتبہ کروٹیں بدلی جاتی ہیں اور بعض نے فرمایا کہ صرف ایک مرتبہ دس محرم الحرام کو ان کی کروٹ بدلی جاتی ہے ﴿وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ﴾ اور ان کا کتا چوکھٹ پر اپنے دونوں بازو پھیلائے بیٹھا ہے[1] [یہ ماضی کی حالت بیان کی گئی ہے کیونکہ اسم فاعل جب ماضی کے معنی میں ہو تو پھر یہ عمل

[1] مفسرین کرام نے بیان فرمایا ہے کہ جب اصحابِ کہف ہجرت کر کے غار کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو ایک کتا بھی ان کے ساتھ چل پڑا تھا جس کو انہوں نے بھگانے کی کئی بار کوشش کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے کتے کو قوتِ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نہیں کرتا] ''وَصِیْد'' کا معنی صحن' میدان یا چوکھٹ و دہلیز ہے ﴿لَوِاطَّلَعْتَ عَلَیْہِمْ﴾ اگر آپ ان پر جھانکیں اور انہیں دیکھ لیں ﴿لَوَلَّیْتَ مِنْھُمْ﴾ تو آپ ضرور ان سے منہ پھیر لیں گے اور وہاں سے بھاگ جائیں گے ﴿فِرَارًا﴾ [یہ مصدر کی بناء پر منصوب ہے] کیونکہ ''وَلَّیْتَ مِنْھُمْ'' کا معنی ہے: آپ ان سے بھاگ جائیں گے ﴿وَلَمُلِئْتَ مِنْھُمْ رُعْبًا﴾ اور البتہ آپ ان کے رعب و خوف سے بھر جائیں گے [اہل حجاز کی قراءت میں مبالغہ کے لیے دوسرے لام کو مشدد پڑھا گیا ہے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) گویائی عطا فرمائی اور وہ بول پڑا کہ ''مَا تُرِیْدُوْنَ مِنِّیْ لَا تَخْشَوْا جَانِبِیْ اَنَا اُحِبُّ اَحِبَّآءَ اللّٰہِ تعالٰی فَنَامُوْا وَاَحْرُسُکُمْ'' یعنی تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ تم میری طرف سے نہ گھبراؤ' میں تو اللہ تعالیٰ کے پیاروں سے محبت کرتا ہوں' سو تم غار میں سو جانا اور میں تمہارے اوپر پہرا دوں گا۔

(تفسیر مدارک نسخہ: ۱' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' ہامش علی الخازن ج ۳ ص ۲۰۲' نسخہ: ۲' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' اُردو بازار لاہور' ج ۲ ص ۲۹۳ نسخہ: ۳' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی ج ۲ ص ۹' تفسیر روح المعانی جزء ۱۵ ص ۲۲۵' مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۷۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' تفسیر مظہری ج ۶ ص ۱۰' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر صاوی ج ۳ ص ۴۔۵' مطبوعہ شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفےٰ البابی' مصر' تفسیر خازن ج ۳ ص ۱۹۹' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر)

بہرحال جب یہ کتا اللہ والوں کی محبت سے سرشار ہو کر ان کے ساتھ ہجرت کر کے غار کے دروازے پر اپنے بازو پھیلا کر ان کی حفاظت کے لیے بیٹھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کی نسبت سے اس کا ذکرِ خیر ہمیشہ کے لیے قرآن مجید میں محفوظ کر دیا اور ''کَلْبُھُمْ'' کی اضافت تشریفی سے اس کو خسیس سے عظیم اور حقیر سے عزیز بنا دیا' چنانچہ علامہ سیّد محمود آلوسی لکھتے ہیں: ''وَمِنْ ثَمَّ قَرَنَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ کِتَابِہِ الْعَزِیْزِ اَخَسَّ الْحَیَوَانَاتِ بِبَرَکَۃِ صُحْبَتِھِمْ مَعَ زُمْرَۃِ الْمُتَبَتِّلِیْنَ اِلَیْہِ الْمُعْتَکِفِیْنَ فِیْ جَوَارِہٖ سُبْحَانَہٗ'' اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی معزز کتاب (قرآن مجید) میں حقیر ترین حیوان کو اصحابِ کہف کی محبت کی برکت سے اپنی طرف متوجہ رہنے والے عبادت گزار نیک بندوں کی جماعت کے ساتھ ملا دیا۔

(تفسیر روح المعانی جزء ۱۵ ص ۲۴۰' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

علامہ ابن کثیر نے لکھا:

سچ ہے بھلے لوگوں کی صحبت بھی بھلائی پیدا کرتی ہے۔ دیکھئے نا اس کتے کی کتنی شان ہوگئی کہ کلام اللہ میں اس کا ذکر آیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۸۸' پارہ: ۱۵' مترجم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب' کراچی)

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

ان کے ساتھ ایک کتا بھی لگ گیا تھا۔ اس پر بھی صحبت کا کچھ اثر پہنچا اور صدیوں تک زندہ رہ گیا۔ اگرچہ کتا رکھنا بُرا ہے لیکن لاکھ بروں میں ایک بھلا بھی ہے۔ ''وَلِلّٰہِ دَرُّ السعدی الشیرازی'' پسر نوح بابداں بنشست خاندانِ نبوتش گم شد' سگِ اصحاب کہف روزے چند پے نیکاں گرفت مردم شد۔ (تفسیر عثمانی ص ۳۸۲' حاشیہ: ۵' مطبوعہ دار التصنیف' کراچی)

نوٹ: ان تمام حوالہ جات کا مقصد یہ ہے کہ جب ایک کتا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی محبت و صحبت سے اچھا ہو جاتا ہے اور اس کی شان بڑھ جاتی ہے تو اشرف المخلوقات انسانوں میں سے جو مسلمان صرف اس لیے اللہ والوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں کہ یہ حضرات شریعتِ اسلامی کے پابند اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں' وہ بہ طریق اولیٰ اچھے اور معزز کہلانے کے مستحق ہیں۔ ایسے مسلمانوں پر کفر و شرک کے فتوے لگانے کی بجائے انہیں شریعتِ اسلامی کی پابندی کی ترغیب دے کر اللہ والے بننے کی تلقین و تاکید کرنی چاہیے۔ با ادب بامراد' بے ادب بے مراد۔ غوثی

''رُعُبًا'' تمیز ہے اور ابن عامر شامی اور علی کسائی کی قراءت میں عین پر بھی پیش ہے یعنی ''رُعُبًا'' ہے] اور اس سے وہ خوف مراد ہے جو سینہ کو مرعوب کر دے یعنی سینہ کو خوف سے بھر دے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رعب و ہیبت عطا فرما دی' جس کی وجہ سے ان کو دیکھنے والا مرعوب وخوف زدہ ہو جاتا ہے یا پھر اس لیے کہ ان کے ناخن اور ان کے بال اور ان کے اجسام بڑھ چکے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ غزوۂ روم سے فارغ ہو کر واپسی میں اس غار کے پاس سے گزرے تو کہا کہ میں اس غار کے اندر جانا چاہتا ہوں' یہ بات سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کو منع کرتے ہوئے فرمایا کہ بے شک تم سے بہت بہترین ہستی سے فرمایا گیا ہے: ''لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا'' اے محبوب! آپ انہیں دیکھ کر الٹے پاؤں بھاگ پڑیں گے' چنانچہ امیر معاویہ کے حکم سے ایک جماعت اس غار میں داخل ہوئی تو تیز آندھی نے اسے جلا دیا تھا۔

اصحابِ کہف کو سینکڑوں سال بعد اٹھا کر قیامت آنے کا ثبوت اور ان کے قرب میں مسجد بنانے کے جواز

۱۹- ﴿وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے جس طرح ان پر نیند طاری کر کے انہیں (تین سو نو سال سے زائد عرصہ تک) سلا دیا تھا' اسی طرح ہم نے سلانے اور اٹھانے دونوں پر اپنی قدرت کو ظاہر کرنے کے لیے انہیں بیدار کر دیا ﴿لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ﴾ تا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں اور ان کے احوال کو پہچانیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جو کچھ کیا' اس سے عبرت حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت پر استدلال کریں اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعام کیے ان کا شکر ادا کریں ﴿قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ﴾ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا (یعنی) ان کے سردار نے کہا کہ تم کتنی مدت ٹھہرے ہو ﴿قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ بعض نے کہا: ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔ یہ جواب غالب گمان پر مبنی ہے اور یہ اجتہاد کے جائز ہونے اور غالب گمان پر بات کرنے کی دلیل ہے ﴿قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ﴾ دوسرے ساتھیوں نے کہا: تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ تم کتنی مدت ٹھہرے ہو۔ یہ بعض کی بات کا انکار ہے گویا انہوں نے دلائل سے یا الہام سے یہ جان لیا تھا کہ ان کے ٹھہرنے کی مدت بہت طویل ہے اور یہ کہ اس مدت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ نوجوان ساتھی غار میں صبح کے وقت داخل ہوئے تھے اور زوال کے بعد بیدار ہوئے تھے' اس لیے انہوں نے گمان کیا کہ وہ اسی دن بیدار کیے گئے ہیں لیکن جب انہوں نے اپنے ناخن اور اپنے بال بڑھے ہوئے دیکھے تو انہوں نے یہ کہا کہ تمہارا رب تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ تم کتنی مدت ٹھہرے ہو۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیتِ کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ صحیح اور درست بات یہ ہے کہ اصحابِ کہف کی تعداد سات تھی اس لیے کہ اس آیت مبارکہ میں پہلے ارشاد فرمایا: ''قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ'' ان میں سے ایک نے کہا: تم کتنی مدت ٹھہرے ہو' اور یہ ایک ہے اور اس کے جواب میں بعض نے کہا: ''لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ'' کہ ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے۔ اس میں ''لَبِثْنَا'' جمع ہے اور اس کے کم از کم تین افراد ہوتے ہیں (ایک اور تین چار ہو گئے) پھر فرمایا: ''رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ'' یہ دوسروں کا قول ہے جس میں جمع بولا گیا ہے (یہ تین افراد اور ہو گئے) تو یہ کل سات افراد ہو گئے ﴿فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ﴾ گویا انہوں نے کہا کہ تمہارا رب تعالیٰ ہی اس مدت کو خوب جانتا ہے اس کو جاننے کا تمہارے پاس کوئی طریقہ نہیں ہے' لہٰذا تم کسی اور کام کی بات کرو جو تمہارا مقصد ہو اور وہ یہ کہ تم اپنوں میں کسی کو یعنی یملیخا کو

بھیجو ﴿ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ ﴾ اپنی یہ چاندی دے کر۔ یہ چاندی درہموں میں ڈھلی ہوئی تھی یا اَن ڈھلی تھی [ابوعمرو‘ حمزہ اور ابوبکر کی قراءت میں ''رَا'' ساکن ہے] ﴿ اِلَى الْمَدِيْنَةِ ﴾ شہر کی طرف اور یہ طرطوس تھا اور یہ نوجوان اپنے گھروں سے بھاگتے وقت یہ چاندی اٹھا کر لائے تھے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسافر کے لیے نان نفقہ اور دیگر ضروریات کا سامانِ سفر لے کر چلنا جائز ہے‘ توکل کے خلاف نہیں۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے والوں کی یہی رائے ہے لیکن اتفاقات اور لوگوں کے سفرِ خرچ پر بھروسا کرنے والوں کی یہ رائے نہیں۔

بیت اللہ شریف کی زیارت کا بہت شوق رکھنے والے ایک عالمِ دین سے منقول ہے‘ وہ فرماتے ہیں کہ اس سفر کے لیے صرف دو چیزیں ضروری ہیں: ایک رقم کی تھیلی‘ دوسرا اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل ﴿ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا ﴾ پس وہ دیکھے کہ شہر کے کس آدمی کے پاس کھانا زیادہ حلال اور زیادہ پاک صاف اور ستھرا ملتا ہے یا کس کے پاس زیادہ سے زیادہ اور بہت سستا ملتا ہے [اصل میں ''اَیُّ اَھْلِھَا'' ہے‘ لفظ ''اَھْل'' مضاف محذوف ہے جیسے ''وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ'' (یوسف:۸۲) یعنی ''بستی والوں سے پوچھیے''۔ اس میں ''اَھْل'' مضاف محذوف ہے‘ اصل میں ''اَھْلَ الْقَرْيَةِ'' ہے اور ''اَیُّ'' مبتدا ہے اور ''اَزْکٰی'' اس کی خبر ہے اور ''طَعَامًا'' تمیز ہے] ﴿ فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ ﴾ سو وہ اس سے تمہارے لیے کھانا لے آئے اور نرمی سے بات کرے اور اس سے ملاقات کر کے خرید و فروخت کے معاملے میں اس سے بہ تکلف نرم طریقے سے بات کرے تا کہ وہ دھوکہ نہ دے یا اپنے معاملے کو پوشیدہ رکھنے کے لیے نرمی سے بات کرے تا کہ وہ پہچان نہ سکے ﴿ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴾ اور وہ تمہارے بارے میں کسی کو نہ بتائے اور وہ کوئی ایسا عمل نہ کرے جس سے غیر ارادی طور پر لوگوں کو ہمارے بارے میں آگاہی ہو جائے اور اس عمل کو ان کے بارے میں آگاہی اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ یہ اس کا سبب ہے۔

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

بے شک اگر وہ تم پر مطلع ہو گئے تو وہ تمہیں سنگسار کر دیں گے یا تمہیں تمہارے مذہب سے مرتد کر دیں گے اور اگر ایسا ہوا تو تم کبھی بھی نجات نہیں پاؤ گے ○ اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کر دیا تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ یقیناً حق ہے اور بے شک قیامت کے بارے میں کوئی شک نہیں‘ جب وہ لوگ آپس میں ان کے معاملے میں جھگڑنے لگے تو انہوں نے کہا: ان کی غار پر کوئی عمارت بنا دو‘ ان کا پروردگار انہیں خوب جانتا ہے‘ جو لوگ ان کے معاملہ میں غالب رہے انہوں نے کہا کہ ہم ضرور ان کے پاس مسجد بنائیں گے ○

۲۰- ﴿ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ ﴾ [''اِنَّھُمْ'' کی ضمیر ''اَیُّھَا'' میں مقدر ''اَھْل'' کی طرف لوٹتی ہے] بے شک اگر وہ تمہارے متعلق آگاہ ہو گئے (یعنی) اگر تم پر مطلع ہو گئے ﴿ يَرْجُمُوْكُمْ ﴾ تو وہ تمہیں پتھر ماریں گے اور تمہیں بُری طرح قتل کر دیں گے ﴿ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ ﴾ یا وہ زبردستی کر کے تمہیں تمہارے مذہب سے پھیر دیں گے اور تمہیں مرتد بنا دیں گے اور ''عَوْد'' عرب کے کلام میں کثرت کے ساتھ ''صیرورت'' (بنانے) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (اس لیے یہاں

لوٹانا معنی نہیں ہے بلکہ مرتد بنانا ہے کیونکہ یہ نوجوان شروع سے مؤحد تھے) ﴿وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا﴾ اور اگر تم نے ایسا کیا تو تم کبھی بھی ہرگز نجات نہیں پاؤ گے [''اِذًا'' شرط پر دلالت کرتا ہے] یعنی ''وَلَنْ تُفْلِحُوْا'' ''اِنْ دَخَلْتُمْ فِیْ دِیْنِہِمْ'' (اَبَدًا) اور اگر تم ان کے دین میں داخل ہو گئے تو تم کبھی بھی ہرگز نجات نہیں پاؤ گے۔

۲۱- ﴿وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَیْهِمْ﴾ اور اسی طرح ہم نے ان کے متعلق لوگوں کو آگاہ کر دیا (یعنی) جس طرح ہم نے اپنی حکمتِ کاملہ کی بناء پر انہیں غار میں سلا دیا اور پھر ہم نے انہیں بیدار کر کے اٹھا دیا' اسی طرح اپنی حکمتِ بالغہ کی بناء پر ہم نے ان پر لوگوں کو مطلع فرما دیا ﴿لِیَعْلَمُوْٓا﴾ تا کہ وہ جان لیں یعنی جن لوگوں کو ہم نے غار والوں پر مطلع کر دیا ہے وہ یہ جان لیں کہ ﴿اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے' جو ہر حال میں ہو کر رہے گا اور وہ ہے: مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا (یعنی قیامت کا قائم ہونا) کیونکہ غار والوں کا سونے اور اس کے بعد اٹھنے کا حال اس شخص کے مشابہ ہے جو مر جائے گا' پھر مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا ﴿وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَیْبَ فِیْهَا﴾ اور بے شک قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں' پس اس زمانے کے لوگوں نے غار والوں کے اس معاملے سے مرنے کے بعد اٹھائے جانے کی صحت پر دلیل حاصل کر لی ﴿اِذْ یَتَنَازَعُوْنَ﴾ جب وہ باہم جھگڑنے لگے [یہ ''اَعْثَرْنَا'' کے متعلق ہے] یعنی جب اس زمانے کے لوگ آپس میں جھگڑنے لگے تو ہم نے ان کو غار والوں پر مطلع فرما دیا ﴿بَیْنَهُمْ اَمْرَهُمْ﴾ آپس میں ان کے دین کے بارے میں اور وہ مرنے کے بعد اٹھائے جانے کی حقیقت کے متعلق اختلاف کرنے لگے' چنانچہ ان میں سے بعض لوگ کہا کرتے تھے کہ صرف ارواح کو اٹھایا جائے گا' اجسام کو نہیں اٹھایا جائے گا اور بعض کہتے کہ اجسام کو ارواح کے ساتھ اٹھایا جائے گا' اس لیے ہم نے ان کو غار والوں پر مطلع فرما دیا تا کہ اختلاف ختم ہو جائے اور یہ واضح ہو جائے کہ اجسام کو ارواح سمیت اسی طرح حیاتِ حسی کے ساتھ اٹھایا جائے گا جس طرح مرنے سے پہلے زندہ ہوا کرتے تھے ﴿فَقَالُوا﴾ جب اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کو وفات دے دی تو ان لوگوں نے کہا کہ ﴿ابْنُوْا عَلَیْهِمْ بُنْیَانًا﴾ ان پر ایک عمارت بنا دو' یعنی ان کے غار کے دروازے پر ایک عمارت بنا دو تا کہ لوگ ان کے پاس نہ پہنچ سکیں' یہ ان کی قبور کی حفاظت کرنے اور ان کو لوگوں سے بچانے کے لیے کہا گیا تھا' جس طرح رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کو چار دیواری سے محفوظ کر دیا گیا ہے ﴿رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ﴾ جھگڑنے والوں کے کلام سے زیادہ انہیں ان کا پروردگار خوب جانتا ہے' گویا جھگڑنے والوں نے اصحابِ کہف کے معاملے میں بحث و مباحثہ کیا اور ان کے خاندانی پسِ منظر اور ان کے احوال اور ان کے ٹھہرنے کی مدت کے بارے میں تبادلہ خیال کیا اور بحث و مباحثہ کیا' جھگڑا کیا لیکن جب وہ ان کی حقیقت معلوم نہ کر سکے تو کہا کہ ان کا پروردگار ہی انہیں خوب جانتا ہے یا یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور غار والوں کے متعلق غور و خوض اور بحث و مباحثہ کرنے والوں کی باتوں کی تردید کرنے کے لیے بیان کیا گیا ہے ﴿قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓی اَمْرِهِمْ﴾ ان کے بادشاہ اور مسلمان جو غار والوں کے معاملے میں غالب رہے' انہوں نے کہا: اور حقیقت میں غار والوں کے اور ان پر عمارت بنانے کے یہی لوگ زیادہ حق دار تھے ﴿لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا﴾ ہم ضرور ان پر (یعنی) غار کے دروازے پر ایک عبادت گاہ بنائیں گے جس میں مسلمان نماز پڑھیں گے اور ان کے آستانے سے برکت حاصل کریں گے[1]

---

[1] خیال میں رہے کہ چند احادیثِ مبارکہ میں قبور کو سجدہ گاہ بنانے سے منع کیا گیا ہے اور یہ حق ہے کیونکہ عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے مگر انتہاء پسند مسلک کے بعض بڑوں نے اولیائے کرام کے مزاراتِ مقدسہ کے قرب و جوار میں مساجد کی تعمیر کو ممنوع و شرک قرار دے دیا ہے حالانکہ ہمارے ملک میں مزارات کے قرب و جوار میں جتنی مساجد ہیں ان میں نماز وغیرہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اہل انجیل (یعنی عیسائیوں) میں بُرائیاں اور گناہ بہت زیادہ پھیل گئے اور ان کے بادشاہ اور حکام بالا سرکش و نافرمان ہو گئے یہاں تک کہ انہوں نے بتوں کی عبادت کرنی شروع کر دی اور انہوں نے اپنی رعایا کو بت پرستی پر مجبور کر دیا اور ان میں سے جس بادشاہ نے سب سے زیادہ سختی کی تھی وہ دقیانوس تھا' چنانچہ اس نے اپنی قوم کے رئیسوں کے چند نوجوانوں کو شرک پر آمادہ کرنا چاہا اور انہیں بلا کر قتل کی دھمکی دی مگر انہوں نے شرک سے صاف انکار کر دیا اور ایمان پر ثابت قدم رہنے اور اس میں مزید پختگی کو اختیار کر لیا' پھر وہ قتل کے خوف سے اور ایمان کی حفاظت کے لیے غار کی طرف بھاگ گئے اور وہ غار کی طرف جاتے ہوئے ایک کتے کے پاس سے گزرے تو وہ کتا ان کے پیچھے چل پڑا اور انہوں نے اسے دھتکارا اور بھگایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بولنے کی قوت عطا فرما دی اور اس نے کہا: تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ میں تو اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں سے محبت کرتا ہوں' سو تم غار میں سو جانا اور میں تمہاری حفاظت کے لیے پہرا دوں گا' اور ایک قول یہ ہے کہ یہ نوجوان بکریوں کے ایک چرواہے کے پاس سے گزرے' جس کے پاس ایک کتا تھا' اس نے ان کا دین قبول کر لیا اور ان کے ساتھ چل پڑا تو کتا بھی ان کے پیچھے چل پڑا اور یہ سب غار میں داخل ہو گئے اور کتا غار کے دروازے پر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے کانوں پر نیند مسلط کر دی اور وہ سو گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بیدار کر کے اٹھانے سے پہلے ان کے شہر پر ایک نیک مؤمن شخص کو بادشاہ بنا دیا' جس کی مملکت کے باشندوں میں مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر اختلاف ہو گیا' کچھ لوگ مانتے تھے اور کچھ لوگ انکار کرتے تھے جس کی وجہ سے بادشاہ پریشان ہو گیا اور اپنے گھر کے ایک کمرے میں داخل ہو گیا اور اس کا دروازہ بند کر دیا اور شاہی لباس کی بجائے ٹاٹ کا لباس پہن لیا اور شاہی پلنگ اور قالین کی بجائے راکھ پر بیٹھ گیا اور دعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر درخواست کی کہ لوگوں کے لیے حق کو ظاہر اور واضح فرما دے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کے ایک چرواہے کے دل میں یہ خیال ڈال دیا کہ وہ غار جس کے منہ پر دیوار تعمیر کر کے بند کر دیا گیا تھا وہ اس کو گرا دے تاکہ غار کی چار دیواری میں اپنی بکریوں کو بٹھایا کرے' چنانچہ چرواہے نے جونہی دیوار توڑ کر غار کا منہ کھولا تو اندر سے اصحاب کہف

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) پڑھتے وقت قبروں کو سجدہ نہیں ہوتا کیونکہ ایسی تمام مساجد مزار کے حدود سے الگ تعمیر کی جاتی ہیں اور ان کی تعمیر کی ایک وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ مسلمان نماز کے اوقات میں نماز پڑھا کریں اور دیگر عبادات ادا کریں اور دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ صاحبِ مزار کے مشن کی یاد دہانی ہوتی رہے کہ ان بزرگانِ دین کا مشن اللہ تعالیٰ کی خود بھی عبادت کرنا اور دوسروں کو بھی عبادت الٰہی کی طرف راغب کرنا اور شریعت اسلامی کی تبلیغ تھا' لہٰذا مزارات کے نزدیک مساجد کی تعمیر کے جواز میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور نہ ہونا چاہیے' بہر حال یہاں اختصار کے پیش نظر مزارات کے قرب و جوار میں مساجد کی تعمیر کے جائز ہونے کے ثبوت میں چند حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں۔

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن محمود نسفی لکھتے ہیں:

مسلمان اور ان کا بادشاہ جو اصحاب کہف کے معاملے میں غالب رہے' انہوں نے کہا: ہم غار کے دروازے پر ضرور مسجد بنائیں گے جس میں مسلمان نماز پڑھیں گے اور ان کے آستانے سے برکت حاصل کریں گے اور حقیقت میں اصحابِ کہف اور ان کی غار کے پاس مسجد بنانے کے یہی لوگ زیادہ حق دار تھے۔ (تفسیر مدارک التنزیل نسخہ:۱' ج ۳ ص ۲۰۶' مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' نسخہ: ۲ ج ۲ ص ۲۹۳' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور' نسخہ: ۳ ج ۲ ص ۹' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس آیت مبارکہ کے تحت ''مدارک'' کی تفسیر کی طرح تفسیر لکھنے کے بعد مسئلہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کھانا خریدنے کے لیے جس شخص کو بھیجا جب وہ شہر میں داخل ہوا اور دقیانوس کے زمانے کا بنا ہوا چاندی کا سکہ دکاندار کو دیا تو لوگوں نے پرانا سکہ دیکھ کر اس پر الزام لگایا کہ اس نے کہیں سے خزانہ حاصل کر لیا ہے' چنانچہ انہوں نے اس کو پکڑ کر بادشاہ کے دربار میں پیش کر دیا اور اس نے بادشاہ کو ساری صورتِ حال بتا دی تو بادشاہ اور اس کے ساتھ شہر کے تمام لوگ وہاں سے غار کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر انہوں نے اصحابِ کہف کو دیکھا اور ان سے گفتگو کر کے ساری تفصیل سنی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس کی حمد وثناء بیان کی کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے انہیں مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر رہنمائی کرنے والی بہترین دلیل عطا فرما دی' پھر غار میں رہنے والے نوجوانوں نے بادشاہ کو دعا دی اور کہا کہ ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اور ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں انسانوں اور جنوں کے شر سے محفوظ رکھے' پھر وہ حسبِ سابق اپنی آرام گاہوں میں جا کر سو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو قبض فرما لیا تو بادشاہ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ''هٰذِهِ الْاٰيَةُ تَدُلُّ عَلٰى جَوَازِ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ لِيُصَلّٰى فِيْهِ عِنْدَ مَقَابِرِ اَوْلِيَآءِ اللّٰهِ قَصْدًا لِلتَّبَرُّكِ بِهِمْ'' یہ آیت مبارکہ اولیاء اللہ کے مقابر کے پاس ان سے تبرک حاصل کرنے کے ارادے سے مسجد بنانے کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے۔
(تفسیر مظہری ج ۶ ص ۲۳' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

قاضی صاحب اس سے اگلے صفحہ: ۲۴ پر لکھتے ہیں:

''وَمَعْنٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ اَنَّهُمْ يَسْجُدُوْنَ اِلَى الْقُبُوْرِ كَمَا هُوَ صَرِيْحٌ فِىْ حَدِيْثِ اَبِىْ مَرْثَدٍ الْغَنَوِىْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تَصَلُّوْا اِلَيْهَا'' اہل کتاب نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا' کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ قبروں کی طرف سجدہ کرتے ہیں جیسا کہ ابومرثد غنوی کی حدیث مبارکہ میں وضاحت موجود ہے' انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نہ تو قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔ (مسلم)

علامہ سید محمود آلوسی مزاروں اور قبروں کے اوپر مساجد تعمیر کرنے کی مخالفت کے بعد لکھتے ہیں:

قبروں کے اوپر مساجد بنانے سے منع کیا گیا ہے اور ایسا کرنے والے پر لعنت کی گئی ہے' لیکن اصحابِ کہف کے غار پر مسجد کا بنانا اس طرز پر نہیں تھا بلکہ ان کی غار کے نزدیک اور ان کے پاس مسجد بنائی گئی تھی اور امام سدی کی جو روایت اس قصہ میں (یہ روایت اسی جلد کے ص ۷ ۲۳ پہلی سطر پر) بیان کی گئی ہے' اس میں ان صالحین نوجوانوں کی آرام گاہ کے (اوپر کی بجائے) نزدیک اور ان کے پاس مسجد بنانے کی صراحت موجود ہے اور اس طرز پر مسجد بنانا ممنوع نہیں ہے' زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گا کہ جس غار میں وہ مدفون ہیں اس کی طرف نسبت کر کے مسجدِ کہف کہا جائے گا جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزارِ اقدس کے قرب کی وجہ سے مدینہ منورہ کی مسجد کو مسجدِ نبوی کہا جاتا ہے' پھر چند سطور بعد لکھتے ہیں کہ حق کو پہچاننے کے لیے تمہیں صحابہ کرام کے عمل کی پیروی کرنا کافی ہے جو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک کے بارے میں کیا اور یہ روئے زمین کی سب سے افضل قبر مبارک ہے' بلکہ عرش سے افضل ہے اور صحابہ کرام آپ کی قبر مبارک کی زیارت بھی کرتے تھے اور آپ پر سلام بھی پڑھتے تھے' پس تم ان کے افعال کی پیروی کرو۔
(تفسیر روح المعانی جزء ۱۵ ص ۲۳۹' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

فائدہ: علامہ آلوسی نے دو وجہ سے صحابہ کرام کی پیروی کرنے کی تلقین کی ہے' ایک تو اس لیے کہ قبر مبارک حجرہ مبارک میں تھی جو ایک مسقف عمارت تھی' جس سے مزار پر عمارت بنانے کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ صحابہ کرام نے اس حجرہ مبارکہ کو شہید نہیں کیا تھا بلکہ برقرار رکھا' دوسرا اس لیے کہ حضور کی قبر مبارک کے نزدیک مسجد نبوی موجود ہے جس میں صحابہ کرام نماز پڑھتے رہے' اسے شہید کر کے دور نہیں بنایا' جس سے مزار کے نزدیک مسجد بنانے کا ثبوت ملتا ہے۔ غوثوی

ان پر بڑا کپڑا ڈال دیا اور حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے سونے کا تابوت تیار کیا جائے لیکن اس نے خواب میں ان حضرات کو دیکھا کہ وہ سونے کے تابوت کو ناپسند کرتے ہیں تو اس نے ساکھو کی لکڑی کے تابوت ان کے لیے تیار کرائے اور ان میں رکھ دیا اور غار کے دروازے پر مسجد بنا دی۔

سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۚ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿۲۲﴾ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللّٰهُ ۚ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

ع ۵ / ۱۵

عنقریب کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا ہے' اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے بغیر دیکھے گمان سے کہتے ہیں' اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میرا پروردگار ان کی تعداد کو خوب جانتا ہے انہیں نہیں جانتے مگر صرف چند لوگ' سو آپ ان کے بارے میں بحث نہ کریں مگر جس قدر ظاہر ہو چکی ہے' اور آپ ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے نہ پوچھئے O اور آپ کسی کام کے متعلق یہ نہ فرمایئے کہ میں کل یہ کام ضرور کروں گا O مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے' اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کیجئے اور (اے محبوب!) فرمایئے کہ میرا پروردگار مجھے اس سے قریب تر سیدھا راستہ دکھائے گا O

اصحابِ کہف کی تعداد میں اختلاف کا بیان

۲۲- ﴿سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ عنقریب کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا ہے اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے' بن دیکھے گمان سے بات کرتے ہیں اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔ ''سَيَقُولُونَ'' میں ضمیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں مسلمانوں اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے اصحابِ کہف کے قصے میں غور وفکر اور سوچ و بچار کیا تھا ان کی طرف لوٹتی ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غار والوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے ان کے بارے میں وحی کے آنے تک جواب کو ملتوی رکھا' پھر یہ آیت مبارک نازل ہوئی جس میں ان کے درمیان اصحابِ کہف کی تعداد کے بارے میں ان کے جاری ہونے والے اختلاف کو بیان کیا گیا ہے اور ان میں سے صحیح رائے ان لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں کہ اصحابِ کہف سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔

اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اہل نجران میں سے سید اور عاقب اور ان کے ساتھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے کہ اصحابِ کہف کا تذکرہ شروع ہو گیا تو سید نے کہا کہ وہ تین تھے' چوتھا ان کا کتا تھا اور یہ شخص عیسائیوں کے یعقوبیہ فرقہ سے تعلق رکھتا تھا اور عاقب نے کہا کہ وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا اور یہ شخص عیسائیوں کے نسطوریہ فرقہ سے تعلق رکھتا تھا اور مسلمانوں نے کہا کہ وہ سات افراد تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قول

کو صحیح قرار دیا اور مسلمانوں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کے بتانے سے معلوم کر لی تھی۔
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ سات افراد تھے' جن کے نام یہ ہیں: یملیخا اور مکشلینا اور مشلینیا' یہ تینوں بادشاہ کی دائیں طرف بیٹھتے تھے اور اس کی بائیں طرف مرنوش' دبرنوش اور شاذنوش بیٹھتے تھے اور بادشاہ ان چھے افراد سے اپنے معاملات میں مشورہ لیتا تھا اور ساتواں چرواہا تھا' جب یہ نوجوان اپنے بادشاہ دقیانوس سے بھاگے تو یہ ان کے ساتھ چل پڑا تھا اور ان کے شہر کا نام افسوس تھا (یہ ان کے زمانے کا نام تھا' اسلامی دور میں اس کا نام طرطوس رکھا گیا تھا) اور ان کے کتے کا نام قطمیر تھا [اور اگرچہ صرف پہلے فعل میں سین داخل کی گئی اور آخری دو میں داخل نہیں کی گئی لیکن وہ سین (جو کہ فعل کو مستقبل قریب کے لیے خاص کر دیتی ہے) کے حکم میں داخل ہیں' جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''قَدْ اَكْرَمَ وَاَنْعَمَ'' بے شک اس نے احترام کیا اور انعام دیا' جب کہ تمہارا ارادہ یہ ہو کہ دونوں فعل اکٹھے وقوع پذیر ہوئے یا پھر ''يَفْعَلُ'' سے مستقبل کا معنی مراد ہو جو اس کے مناسب ہے۔ ''ثَلٰثَةٌ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے' یعنی اصل میں ''هُمْ ثَلٰثَةٌ'' ہے اور اسی طرح ''خَمْسَةٌ'' اور ''سَبْعَةٌ'' ہیں اور ''رَابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ'' مبتدا خبر مل کر جملہ ہو کر ''ثَلٰثَةٌ'' کی صفت واقع ہو رہے ہیں اور اسی طرح ''سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ'' اور ''ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ'' ہیں] ''رَجْمًا بِالْغَيْبِ'' کا معنی ہے: پوشیدہ اور اَن دیکھی بات بنا کر بیان کرنا جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ'' (سبأ: ۵۳) ''اور وہ بے دیکھے باتیں بناتے ہیں'' یعنی ان کو از خود گھڑ کر بیان کرتے ہیں۔ یا ''رَجْمٌ'' کو ''ظَنٌّ'' کی جگہ استعمال کیا گیا ہے' گویا کہا گیا: ''ظَنًّا بِالْغَيْبِ'' بن دیکھے گمان سے بات کرتے ہیں کیونکہ اہل عرب اکثر ''ظن'' کی جگہ ''رجم بالظن'' کہا کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے نزدیک دونوں عبارتوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا [اور جو واؤ تیسرے جملے پر داخل ہے وہ واؤ اس جملہ پر داخل ہوتی ہے جو نکرہ کی صفت واقع ہوتا ہے جیسا کہ وہ اس جملہ پر داخل ہوتی ہے جو معرفہ سے حال واقع ہوتا ہے جیسے تمہارے اس قول میں ہے: ''جَآءَنِيْ رَجُلٌ وَّمَعَهٗ اٰخَرُ'' میرے پاس ایک آدمی آیا اس حال میں کہ اس کے ساتھ ایک دوسرا بھی تھا' ''وَمَرَرْتُ بِزَيْدٍ وَفِيْ يَدِهٖ سَيْفٌ'' اور میں زید کے پاس سے گزرا اس حال میں کہ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی' اور اس کا فائدہ موصوف کے ساتھ صفت کے اتصال کی تاکید کرنا ہے اور اس بات پر رہنمائی کرنا ہے کہ موصوف کے ساتھ صفت کا اتصاف محقق و ثابت امر ہے] اور اس واؤ نے اعلان کیا ہے کہ بے شک جن لوگوں نے کہا: ''سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ'' وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔ انہوں نے علم کے ثبوت کی بناء پر کہا اور انہوں نے بن دیکھے گمان سے بات نہیں بنائی' جیسا کہ ان کے غیروں نے گمان سے بات بنائی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے دو قولوں کے بعد ارشاد فرمایا: ''رَجْمًا بِالْغَيْبِ'' کہ انہوں نے بن دیکھے گمان سے بات کہہ دی اور تیسرے قول کے بعد ارشاد فرمایا: ''قُلْ رَّبِّيْ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ'' یعنی اے محبوب! فرما دیجئے کہ میرا رب ان کی تعداد کو خوب جانتا ہے اور اسی نے تمہیں ان کے بارے میں اپنے اس ارشاد کے ذریعے خبر سنائی: ''سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ'' ''مَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ'' وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے' انہیں نہیں جانتے مگر چند لوگ۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: میں بھی ان چند لوگوں میں سے ہوں اور بعض نے کہا کہ اہل کتاب میں مخصوص چند لوگ مراد ہیں یعنی عنقریب اہل کتاب ان کے بارے میں اس طرح کی باتیں کریں گے لیکن ان میں سے چند لوگوں کے علاوہ کسی کے پاس یقینی علم نہیں ہے اور ان میں سے اکثر لوگ گمان اور اندازے اور اٹکل سے باتیں بناتے ہیں ﴿قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میرا پروردگار ان کی تعداد کو خوب جانتا ہے ﴿مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ انہیں نہیں جانتے مگر صرف چند لوگ ﴿فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ﴾ پس آپ ان کے بارے میں جھگڑا نہ کیجئے (یعنی) آپ اصحاب کہف کے معاملے میں اہل کتاب

سے جھگڑا نہ کیجئے ﴿ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ﴾ مگر سرسری اور ظاہری بحث جس میں زیادہ گہرائی نہ ہو اور وہ یہی کہ آپ ان سے اسی قدر بیان کیجئے جس قدر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کر کے آپ سے بیان فرمایا ہے اور بس اور ان کی بے علمی ظاہر کیے بغیر مزید بحث نہ کیجئے یا پھر لوگوں کی موجودگی میں ان سے بات کیجئے تا کہ آپ کی سچائی ظاہر ہو جائے ﴿ وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴾ اور آپ اصحابِ کہف کے بارے میں ان میں سے کسی سے سوال نہ کیجئے (یعنی) آپ اصحابِ کہف کے قصے کے متعلق ان میں سے کسی سے ایسا سوال نہ کیجئے جس سے ان کی لغزش کا اظہار مقصود ہو تا کہ وہ کچھ کہے اور آپ اس کی بات کی تردید کر دیں اور اس کی تحقیر کریں اور نہ آپ ان سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے سوال کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ان کے قصے کی وحی بھیج کر آپ کی رہنمائی فرما دی ہے۔

''اِنْ شَآءَ اللّٰه'' کہنے نیز اصحابِ کہف کے ٹھہرنے کی مدت اور قرآن کی اہمیت کا بیان

۲۳-﴿ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ ﴾ اور آپ کسی ایسی چیز کے بارے میں جس کے کرنے کا آپ پختہ ارادہ رکھتے ہوں یہ نہ فرمائیں کہ میں اس چیز پر ضرور عمل کروں گا ﴿ غَدًا ﴾ کل یعنی آئندہ زمانے میں کیونکہ ''غدًا'' سے صرف صبح کا وقت مراد نہیں ہے۔

۲٤-﴿ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ﴾ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ جس چیز پر عمل کرنے کا آپ کہہ رہے ہیں اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ آپ کو اجازت عطا فرمائے گا یا یہ معنی ہے کہ آپ کسی کام کے متعلق یہ نہ فرمائیں کہ یہ کام میں کروں گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے یعنی مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ سے ہو گا [اور یہ محلاً حال واقع ہو رہا ہے] یعنی مگر یہ کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے چاہنے اور اس کے ارادے پر موقوف ہے (اس لیے) آپ ہر حال میں ''اِنْ شَاءَ اللّٰهُ'' کہا کریں اور علامہ زجاج نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے: اور آپ یہ نہ فرمائیں کہ میں یہ کام کروں گا مگر اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کے چاہنے سے کیونکہ جب کوئی کہتا ہے کہ ''اَنَا اَفْعَلُ ذٰلِكَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ'' اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں یہ کام کروں گا تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ میں یہ کام اللہ تعالیٰ کے چاہنے سے کروں گا اور یہ نہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے محبوب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ادب سکھانے کے لیے ہے کہ آپ آئندہ ہر کام کرنے سے پہلے ''اِنْ شَآءَ اللّٰهُ'' کہا کریں کیونکہ جب یہودیوں نے قریش سے کہا کہ تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روح اور اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق پوچھو اور قریش کے لوگوں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: تم کل میرے پاس آ جانا اور میں تمہیں بتا دوں گا اور آپ نے ''اِنْ شَآءَ اللّٰه'' نہیں کہا تھا، جس کی وجہ سے آپ پر وحی کا نزول موقوف ہو گیا یہاں تک کہ آپ پر وحی کا رکنا دشوار و مشکل ہو گیا ﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ ﴾ اور جب آپ اپنے پروردگار کی مشیّت کو بھول جائیں تو اپنے پروردگار کو یاد کر لیجئے اور جب آپ مشیّت ایزدی کو زیادہ بھولنے لگ جائیں تو ''اِنْ شَآءَ اللّٰه'' کہا کریں اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ ''ان شاء اللّٰه'' کہنا بھول جائیں، پھر بعد ازاں اس سے آگاہ ہو جائیں تو فوراً ''ان شآء اللّٰه'' کہہ کر اس کی تلافی کر لیجئے۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک آدمی مجلس میں رہے گا، یاد آنے پر ''ان شآء اللّٰه'' کہنا معتبر ہو گا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ آدمی اگر ایک سال بعد بھی ''ان شآء اللّٰه'' کہہ لے تو معتبر ہو گا اور یہ دراصل ''ان شآء اللّٰه'' کہہ کر تبرک حاصل کرنے پر محمول ہے لیکن حکم کو بدلنے والا صرف وہی ''ان شآء اللّٰه'' صحیح ہو گا جو کلام کے ساتھ متصل کہا جائے گا۔

حکایت: ایک مرتبہ خلیفہ منصور کو یہ بات پہنچی کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے استثناء منفصل میں حضرت ابن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مخالفت کی ہے' چنانچہ اس نے امام ابوحنیفہ کو بلا کر باز پرس کی تو آپ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس کا موقف تو الٹا آپ کے لیے نقصان دہ ہے' اس لیے کہ جب آپ لوگوں سے پختہ عہد اور قسم لے کر اپنے حق میں خلافت کی بیعت لے لیں تو کیا آپ اس بات پر راضی ہوں گے کہ وہ لوگ آپ کی مجلس سے باہر جا کر "اِنْ شَآءَ اللّٰہ" کہہ لیں اور آپ کی بیعت ٹوٹ جائے۔ منصور نے یہ گفتگو سن کر حضرت امام ابوحنیفہ کے کلام کی تحسین کی اور آپ کی ذہانت کی داد دی اور امام ابوحنیفہ کے بارے میں زبانِ طعن دراز کرنے والوں کو اپنی مجلس سے نکال دیا' یا پھر اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ "اِنْ شَآءَ اللّٰہ" کہنا بھول جائیں تو اس کے اہتمام میں سخت احتیاط کرنے کے لیے آپ اپنے رب کو تسبیح اور استغفار کے ساتھ یاد کر لیجئے یا یہ کہ جب آپ نماز پڑھنا بھول جائیں تو جب آپ کو نماز یاد آ جائے اس وقت آپ نماز پڑھ لیں یا یہ کہ جب آپ کوئی چیز بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کیجئے تا کہ آپ کو وہ بھولی ہوئی چیز یاد آ جائے ﴿وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّىْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا﴾ اور اے محبوب! فرما دیجئے کہ عنقریب میرا رب اس سے زیادہ قریب سیدھے راستے کی رہنمائی فرمائے گا یعنی جب آپ کسی چیز کو بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کیجئے اور اپنے رب کو یاد کرنے کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کے بھول جانے کے وقت یہ کہیں کہ "عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِىْ رَبِّىْ" عنقریب میرا رب اس بھول جانے والی چیز کے بدلے کسی دوسری چیز کی رہنمائی فرمائے گا جو اس بھولی ہوئی چیز سے ہدایت کے اعتبار سے زیادہ قریب ہوگی اور بھلائی اور منفعت کے اعتبار سے زیادہ مفید ہو گی [ابن کثیر مکی کی قراءت میں وقف و وصل دونوں حالتوں میں "یا" کے ساتھ "اَنْ يَّهْدِيَنِىْ. اِنْ تَرَنِىْ. اَنْ يُّؤْتِيَنِىْ. اَنْ تُعَلِّمَنِىْ" ہے اور صرف وصل کی صورت میں ابو عمرو اور نافع مدنی نے ابن کثیر مکی کی موافقت کی ہے]۔

وَلَبِثُوْا فِىْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝٢٥ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۗ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۫ وَّلَا يُشْرِكُ فِىْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۝٢٦ وَاتْلُ مَآ اُوْحِىَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝٢٧

اور اصحابِ کہف اپنے غار میں تین سو نو سال سے زیادہ دیر ٹھہرے رہے ○ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے جس قدر وہ ٹھہرے رہے' آسمانوں اور زمین کا غیب اسی کے پاس ہے' وہ کس قدر زیادہ دیکھنے اور سننے والا ہے' اس کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں' وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا ○ اور آپ اپنے رب تعالیٰ کی وہی کتاب پڑھ کر سنائیے جو وحی کے ذریعے آپ کی طرف نازل کی گئی ہے' اس کے کلمات کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہے' اور آپ اس کے سوا ہرگز کوئی پناہ گاہ نہیں پائیں گے ○

۲۵- ﴿وَلَبِثُوْا فِىْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ﴾ اور وہ نوجوان اپنی غار میں تین سو سال تک (زندہ صحیح سلامت سوئے رہے اور) ٹھہرے رہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ نوجوان اپنی غار میں زندہ ٹھہرے رہے اور اللہ تعالیٰ نے اس طویل مدت تک ان کے کانوں پر نیند مسلط کر دی تھی اور در اصل یہ کلام اس مجمل ارشاد کا مفصل بیان ہے کہ "فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا" سو ہم نے ان کے کانوں پر غار میں چند سالوں تک نیند مسلط کر دی ["سِنِيْنَ" "ثَلٰثِ مِائَةٍ" کا

عطف بیان ہے جب کہ قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں اضافت کے ساتھ "ثَلٰثَ مِائَةِ سِنِیْنَ" ہے ("مِائَةِ" سے تنوین اضافت کی وجہ سے ساقط ہوگئی ہے) اور تمیز میں واحد کی جگہ جمع رکھ دیا گیا ہے (تمیز کی صورت میں "ثَلٰثَ مِائَةِ سَنَةٍ" ہونا چاہیے تھا لیکن "سِنِیْنَ" جمع لایا گیا ہے) جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: "بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا" (الکہف:۱۰۳)] ﴿وَازْدَادُوْا تِسْعًا﴾ اور نو سال مزید ٹھہرے رہے [اصل میں "تِسْعَ سِنِیْنَ" ہے کیونکہ ماقبل اس پر دلالت کر رہا ہے اور "تِسْعًا" مفعول بہ ہے اس لیے کہ "زَادَ" دو مفعولوں کا تقاضا کرتا ہے اور "اِزْدَادَ" ایک مفعول کا تقاضا کرتا ہے]۔

۲۶- ﴿قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے کہ وہ کس قدر ٹھہرے تھے یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے زیادہ بہتر جانتا ہے جنہوں نے ان کے ٹھہرنے کی مدت میں اختلاف کیا ہے اور حق وہی ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دے دی ہے یا وہ اہل کتاب کے کلام کی حکایت ہے اور "قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا" اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ان کی تردید کے لیے بیان کیا گیا ہے اور جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی ہے کہ وہ نوجوان اپنی غار میں تین سو نو سال سے زیادہ عرصہ تک ٹھہرے رہے ﴿لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اسی کے پاس ہے آسمانوں اور زمین کا غیب چونکہ آسمانوں اور زمینوں میں تمام غیب (پوشیدہ) چیزوں کو جاننا اور ان میں رہنے والوں کے تمام پوشیدہ حالات کو جاننا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے اس لیے خصوصیت سے اسی کا ذکر کیا گیا ہے ﴿اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ﴾ یعنی اصل میں "اَسْمِعْ بِهٖ" ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر موجود کو کتنا زیادہ دیکھنے والا ہے اور ہر "مسموع" (سنی جانے والی چیز) کو کتنا زیادہ سننے والا ہے ﴿مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ﴾ زمین و آسمان میں رہنے والوں کے تمام معاملات کا اس کے سوا کوئی حامی و کارساز نہیں ہے ﴿وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو اپنے فیصلے میں شریک نہیں کرتا [ابن عامر شامی کی قراءت میں "لَا تُشْرِكْ" فعل نہی ہے]۔

۲۷- کفارِ مکہ حضور سیّد عالم ﷺ سے کہا کرتے تھے کہ "اِئْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ" (یونس:۱۵) "آپ اس قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آئیں یا پھر اس کو تبدیل کر دیں"۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا گیا: ﴿وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ﴾ اور آپ صرف وہی تلاوت کر کے سنائیے جو آپ کے رب تعالیٰ کی کتاب میں سے آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے یعنی قرآن مجید میں سے جو وحی کے ذریعے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے صرف وہی پڑھ کر ان کو سناتے رہیے اور کفارِ مکہ قرآن مجید تبدیل کرنے کا مطالبہ کر کے جو بکواس کرتے ہیں آپ اس کی طرف کان نہ لگائیے کیونکہ ﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کے کلمات کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہے یعنی اس کے کلمات میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا بے شک اس پر صرف وہی اکیلا قدرت رکھتا ہے ﴿وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا﴾ اور آپ اس کے سوا ہرگز کوئی پناہ گاہ نہیں پائیں گے یعنی ایسی پناہ گاہ کہ اگر آپ اس میں پناہ لینا چاہیں تو اس میں جا کر پناہ لے لیں۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

اور آپ اپنے آپ کو انہیں لوگوں کے ساتھ روک کر رکھیں جو صبح و شام اپنے پروردگار سے دعائیں کرتے ہیں وہ اسی کی رضا چاہتے ہیں اور آپ کی آنکھیں ان سے تجاوز کر کے دوسروں پر نہ پڑھیں (اے انسان!) تم دنیاوی زندگی کی زینت چاہتے ہو اور اس کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور اس نے اپنی خواہشات کی پیروی کر لی اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے O اور اے محبوب! فرما دیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے سو جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کر لے بے شک ہم نے ظالموں کے لیے دوزخ کی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی دیواریں انہیں گھیر لیں گی اور اگر پانی کے لیے فریاد کریں گے تو ان کی ایسے پانی کے ساتھ فریاد رسی کی جائے گی جو پگھلی دھات کی طرح ہو گا وہ ان کے چہروں کو جلا دے گا وہ بہت بدترین مشروب ہو گا اور دوزخ بہت بُرا ٹھکانا ہے O

فقراء مسلمانوں کی فضیلت کا بیان

شانِ نزول: جب کفار کے سرداروں نے حضور سیّد عالم رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ اگر آپ اپنے ان غلاموں اور غریبوں یعنی حضرت صہیب رومی حضرت عمار بن یاسر حضرت خباب بن ارت اور حضرت سلمان فارسی نیز دیگر فقراء مسلمانوں کو اپنی مجلس سے برطرف کر دیں تو ہم آپ کے پاس بیٹھ کر مسلمان ہو جائیں گے کیونکہ ان کے اونی کپڑوں سے ہمیں بدبو آتی ہے یہ غریب وادنیٰ لوگ ہیں جب کہ ہم امیر و معزز لوگ ہیں ان کے ساتھ مل کر آپ کی مجلس میں نہیں بیٹھ سکتے تو یہ (درج ذیل) آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

۲۸۔﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ ﴾ اور (اے محبوب!) آپ اپنے آپ کو انہیں فقراء مسلمانوں کے ساتھ روک کر رکھیں جو صرف اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اسی سے دعائیں مانگتے ہیں اور آپ ثابت قدم ہو کر ان کے ساتھ رہیے ﴿ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ ﴾ صبح و شام یعنی وہ لوگ ہر وقت اپنے رب سے دعائیں مانگتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ صبح کے وقت اللہ تعالیٰ سے اعمالِ صالحہ بجا لانے کے لیے توفیق اور آسانی طلب کرتے ہیں اور شام کے وقت کوتاہی کی معافی طلب کرتے ہیں یا پھر صبح سے نمازِ فجر اور شام سے نمازِ عصر مراد ہیں [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''بِالْغُدْوَةِ'' (غین پر پیش دال ساکن واوٴ مفتوح) ہے] ﴿ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں ﴿ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ ﴾ اور آپ کی آنکھیں ان سے نہ ہٹیں اور ان سے تجاوز کر کے دوسروں پر نہ پڑھیں۔ ''عَـدَا'' اُس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی حد سے بڑھ جائے [اور ''لَا تَعْدُ'' کو عن کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا ہے کہ ''عَدَا'' ''نَبَا'' کے معنی کو متضمن ہے] جیسے ''نَبَتْ عَنْهُ عَیْنُهٗ'' اس آدمی کی آنکھ اس سے تجاوز کر گئی اور تضمین کا فائدہ یہ ہے کہ دو معانی اکٹھے حاصل ہو جاتے ہیں اور یہ ایک معنی کے حاصل ہونے سے زیادہ قوی ہے ﴿ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﴾ تم دنیا کی زندگی کی زیب و زینت چاہتے ہو [یہ محلاً حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا ﴾ اور تم اس کا کہنا نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور یہ ہمارے لیے دلیل ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے ﴿ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴾ اور اس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور اس کا معاملہ حد سے تجاوز کر گیا ہے۔

کافروں اور نیک مسلمانوں کے انجام کا بیان

۲۹-﴿ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ﴾ اور (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ حق یعنی اسلام یا قرآن مجید تمہارے رب کریم کی طرف سے ہے۔ ''اَلْحَقُّ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے جو کہ ''هُوَ'' ہے۔ ﴿ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾ پس جو چاہے وہ ایمان لے آئے اور جو چاہے وہ کفر اختیار کر لے یعنی حق آ گیا ہے اور تمام شکوک وشبہات زائل ہو چکے ہیں پس اب کچھ باقی نہیں رہا ماسوا تمہارے اپنے اختیار کے' چاہو تو نجات کا راستہ اختیار کرلو یا چاہو تو ہلاکت کا راستہ اختیار کرلو اور اس آیت مبارکہ میں امر اور اختیار کے فعل لائے گئے ہیں' اس لیے کہ جب انہیں دونوں راستوں میں جو چاہیں راستہ منتخب کرنے کی قوت وقدرت بخش دی گئی تو گویا انہیں مکمل اختیار دے دیا گیا اور انہیں حکم دیا گیا کہ دونوں راستوں میں جو چاہیں اپنی مرضی سے اختیار کر لیں' پھر اللہ تعالیٰ نے کفر اختیار کرنے والوں کی سزا کا ذکر فرمایا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ﴾ بے شک ہم نے ظالموں کے لیے یعنی کافروں کے لیے دوزخ کا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے' سو ہم نے اس کلام کے اسلوب اور انداز بیان سے ظالموں کو کافروں کے ساتھ مخصوص ومقید کیا ہے جیسا کہ کلام کے سیاق وسباق اور انداز بیان کی وجہ سے آیت کریمہ میں امر اور تخییر کے افعال سے حقیقی معانی ترک کر دیئے گئے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ہے: ''اِنَّـآ اَعْتَـدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا'' ﴿ أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ﴾ بے شک ہم نے کافروں کے لیے دوزخ کی ایسی سخت آگ تیار کر رکھی ہے کہ جس کی دیواریں انہیں گھیر لیں گی۔ کافروں کو گھیرنے والی آگ کو چار دیواری کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی کہ جس طرح چار دیواری مکان کو ہر طرف سے گھیر لیتی ہے اسی طرح کافروں کو ہر طرف سے دوزخ کی آگ گھیر لے گی اور ''سُرَادِقُ'' سے خیمے کے اردگرد کے کنارے مراد ہیں یا وہ دھواں مراد ہے جو کافروں کو دوزخ کی آگ میں داخل ہونے سے پہلے گھیر لے گا یا پھر آگ کی وہ دیوار مراد ہے جو انہیں گھیر لے گی ﴿ وَإِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا ﴾ اور اگر وہ پیاس کی وجہ سے پانی کے لیے فریاد کریں گے تو ﴿ يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ ﴾ ان کی ایسے پانی کے ساتھ فریاد رسی کی جائے گی جو پگھلی دھات کی طرح ہوگا اور وہ تیل کا تلچھٹ ہوگا یا زمین سے پیدا ہونے والی دھاتوں کا پگھلا ہوا تلچھٹ ہوگا' دراصل اس پانی کے ذریعے بطور عتاب وغضب ان کا تمسخر اڑایا جائے گا ﴿ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ﴾ وہ پانی چہروں کو جلا دے گا کیونکہ جب وہ کافر لوگ پانی پینے کے لیے آگے بڑھیں گے تو اس کی حرارت وتپش سے ان کے چہرے جل جائیں گے ﴿ بِئْسَ الشَّرَابُ ﴾ وہ بہت برا پینا ہوگا ﴿ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴾ اور وہ دوزخ کی آگ بہت برا ٹھکانا ہے۔ [''مُرْتَفَقًا'' ''رِفْقٌ'' سے ماخوذ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا'' (الکہف:۳۱) کے ساتھ مشابہت کے سبب بیان کیا گیا ہے]۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ إِنَّا لَا نُضِيْعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿٣٠﴾ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّإِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْأَرَآئِكِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٣١﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے تو بے شک ہم ان کا اجر و ثواب ضائع نہیں کرتے جن کے عمل نیک ہوتے ہیں○ انہیں لوگوں کے لیے بہترین دائمی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں ان میں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ سبز باریک اور موٹے نفیس کپڑے پہنیں گے وہ ان میں تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے' یہ بہت اچھا ثواب ہے' اور بہترین ٹھکانا ہے○ اور آپ ان کے سامنے دو مردوں کی مثال بیان فرمایئے کہ ان دونوں میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ عطا فرمائے اور ہم نے ان دونوں باغوں کو کھجوروں سے ڈھانپ دیا اور ہم نے ان دونوں باغوں کے درمیان کھیتی پیدا فرما دی○

۳۰'۳۱- اور ان دو آیتوں میں ایمان اختیار کرنے اور نیک عمل کرنے والوں کی جزائے خیر کو بیان کیا گیا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' بے شک ہم نیک عمل کرنے والوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کریں گے ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ﴾ ان کے لیے باغات ہیں جن میں ٹھہریں گے۔ [یہ جملہ مستأنفہ (مستقل الگ جملہ) ہے' جو مبہم ثواب کے بیان کے لیے لایا گیا ہے اور مراد یہ ہے کہ ان میں سے جو لوگ نیک عمل کریں گے ان کے لیے یہ باغات ہیں جن میں وہ ہمیشہ ٹھہریں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ تم ''اِنَّا لَا نُضِيْعُ الخ'' اور ''اُولٰٓئِكَ'' کو اکٹھے دو خبریں قرار دے دو یا اس لیے کہ ''مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا'' اور ''اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' دونوں ایک معنی پر مشتمل ہیں' پس ''مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا'' کو ضمیر کے قائم مقام کر دیا گیا ہے] ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ﴾ ان کے نیچے نہریں جاری ہیں' جن میں ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے [اور ''مِنْ اَسَاوِرَ'' میں ''مِنْ'' ابتداء کے لیے ہے اور ''اَسَاوِرَ'' ''اَسْوِرَةٌ'' کی جمع ہے اور ''اَسْوِرَةٌ'' ''سِوَارٌ'' کی جمع ہے اور ''اَسَاوِرَ'' کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ حسن و خوبصورتی میں اس کا معاملہ مبہم رکھا گیا ہے اور ''مِنْ ذَهَبٍ'' میں حرف ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے] ﴿وَيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا﴾ اور وہ سبز کپڑے پہنیں گے ﴿مِّنْ سُنْدُسٍ﴾ جو باریک ریشم سے تیار کیے گئے ہوں گے ﴿وَّاِسْتَبْرَقٍ﴾ اور جو موٹے ریشم سے تیار کیے گئے ہوں گے یعنی ریشم سے دونوں اقسام کے اکٹھے سبز لباس تیار ہوں گے (جب چاہیں جو چاہیں پہن لیں) ﴿مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ﴾ وہ ان میں تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ تکیوں کا خصوصی طور پر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ عموماً خوشحال مال دار اور بادشاہ اپنے تختوں پر تکیوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں ﴿نِعْمَ الثَّوَابُ﴾ بہت اچھا صلہ ہے' (یعنی) جنت بہترین اجر و ثواب ہے ﴿وَحَسُنَتْ﴾ اور وہ بہت اچھی ہے (یعنی) جنت اور تخت بہترین ہیں ﴿مُرْتَفَقًا﴾ عیش و عشرت کے ساتھ ٹھہرنے کی جگہ۔

کافر مال دار اور غریب مسلمان کا قصہ

۳۲- ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ﴾ اور آپ ان کے سامنے دو مردوں کی مثال بیان فرمایئے' اور ان آیات مبارکہ میں کافروں اور مسلمانوں کے حال کی دو آدمیوں کے حال کے ساتھ تشبیہ بیان کی گئی ہے اور وہ دو آدمی بنی اسرائیل میں سے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کے بھائی تھے۔ ان میں سے ایک کافر تھا' جس کا نام قطروس تھا اور دوسرا مسلمان تھا' جس کا نام یہوذا تھا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ انہیں دونوں کا سورۂ صافات میں ذکر کیا گیا ہے' چنانچہ ارشاد ہے: ''قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ'' (الصافات:۵۱) ''ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ بے شک میرا ایک ہم نشین تھا''۔ وہ دونوں اپنے باپ کی میراث میں آٹھ ہزار دینار (سونے کے روپے) کے وارث بنے اور انہوں نے اس رقم کو آپس میں برابر تقسیم کر لیا' پھر کافر نے ایک ہزار دینار کی زمین خریدی اور مسلمان نے کہا کہ اے میرے اللہ! میرے بھائی نے

ایک ہزار دینار کے عوض دنیا میں زمین خرید لی ہے اور میں تجھ سے جنت میں ایک ہزار دینار کے عوض زمین خرید کرتا ہوں اور اس نے یہ کہہ کر ایک ہزار دینار اللہ تعالیٰ کی راہ میں غریبوں پر صدقہ کر دیئے' پھر اس کے بھائی نے ایک ہزار دینار کے بدلے میں اپنے لیے بہت بڑا گھر بنایا جب کہ مسلمان بھائی نے کہا: اے میرے اللہ! بے شک میں ایک ہزار کے بدلے میں تجھ سے جنت میں ایک بہت بڑا گھر خرید کرتا ہوں' چنانچہ اس نے ایک ہزار دینار اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیئے پھر اس کے بھائی نے ایک ہزار دینار مین ایک عورت سے شادی کر لی اور مسلمان نے کہا کہ اے میرے اللہ! میں ایک ہزار دینار جنت کی حور کے حق مہر میں دیتا ہوں' پھر اس کے بھائی نے ایک ہزار دینار کے بدلے نوکر چاکر اور کچھ سامان خریدا اور مسلمان نے کہا: اے میرے اللہ! میں ایک ہزار کے عوض میں تجھ سے جنت میں ہمیشہ رہنے والے غلمان خریدتا ہوں اور اس نے وہ مال صدقہ میں دے دیا' پھر اسے مال کی شدید حاجت پیش آئی تو اپنے بھائی کے انتظار میں اس کی راہ گزر میں بیٹھ گیا' جب اس کا بھائی بڑی شان و شوکت کے ساتھ وہاں سے گزرا تو اس غریب مسلمان نے اس کے سامنے آ کر اپنی حاجت پیش کی اور مدد طلب کی تو اس نے اسے دھتکار دیا اور راہِ خدا میں مال صدقہ کرنے پر جھڑکا اور ڈانٹ دیا ﴿جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَیْنِ مِنْ اَعْنَابٍ﴾ ہم نے ان دونوں میں سے ایک کو انگوروں کے دو باغ عطا فرمائے ﴿وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ﴾ اور ہم نے ان دونوں کو کھجوروں سے ڈھانپ دیا اور ہم نے کھجوروں کو دونوں باغوں کے چاروں طرف گھیرنے والا بنا دیا اور یہ طریقہ وہی ہے جس کو زمیندار چودھری اپنے انگوروں کے باغات کے لیے اختیار کرتے ہیں کہ وہ اپنے انگوروں کے باغات کے اردگرد پھل آور درخت لگا کر انگوروں کے باغوں کو چاروں طرف پھل دار درختوں سے گھیر دیتے ہیں' چنانچہ ''حَفُّوْهُ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب اس کو گھیر لیتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ''حَفَفْتُهٗ بِهِمْ'' میں نے اس کو ان لوگوں کے ذریعے گھیر لیا یعنی میں نے ان لوگوں کو اس کے اردگرد گھیرنے والا بنا دیا [اور یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور جب اس کو دوسرے مفعول کی طرف متعدی کیا جاتا ہے تو اس پر حرف ''بَا'' بڑھا دیا جاتا ہے] ﴿وَجَعَلْنَا بَیْنَهُمَا زَرْعًا﴾ اور ہم نے ان دونوں باغوں کے درمیان کھیتی پیدا کر دی (یعنی) ہم نے باغات کی زمین کو میوہ جات و پھلوں اور غلہ جات و اناج کا جامع بنایا ہے اور وہ ایسی زرخیز اور آباد زمین ہے کہ اس کی پیداوار ایک دوسرے سے جڑی ہوئی اور باہم ملی ہوئی ہے اور اس کے درمیان گزرنے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی' اس کے باوجود اس کا منظر نہایت حسین و جمیل اور ترتیب بڑی دل کش اور بہت خوبصورت ہے۔

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿٣٣﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ
فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿٣٤﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَ
هُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿٣٥﴾ ۙ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ
وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿٣٦﴾

وہ دونوں باغات پھل لائے اور اس میں سے کوئی چیز کم نہ ہوئی' اور ہم نے ان کے درمیان نہر جاری کر دی ○ اور اس کے لیے اور مال بھی کافی تھا' سو اس کے مالک نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ غرور سے باتیں کرتے ہوئے کہنے لگا: میں تجھ سے بہت زیادہ مال دار ہوں اور میں افرادی قوت میں بہت زیادہ قوی ہوں ○ اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا اور وہ اپنے

آپ پر ظلم ڈھانے والا تھا' اس نے کہا: میں یہ خیال نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی فنا بھی ہو گاO اور نہ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت قائم ہو گی' اور البتہ اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو میں ضرور اس سے بہتر جگہ پاؤں گاO

۳۳۔﴿ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا ﴾ وہ دونوں باغ اپنا پھل لائے [''اٰتَتْ'' کو ''كِلْتَا'' کے لفظ پر محمول کر کے واحد لایا گیا ہے کیونکہ ''كِلْتَا'' کا لفظ مفرد ہے اور اگر اس کو ''كِلْتَا'' کے معنی پر محمول کر کے ''اٰتَتَا'' پڑھا جائے تو یہ بھی جائز ہے] ''اُكُلَهَا'' بہ معنی ''ثَمَرَهَا'' ہے (یعنی ''اُكُل'' کا معنی پھل ہے)] ﴿ وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ﴾ اور اس کے پھل میں کچھ بھی کم نہیں ہوا ﴿ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴾ اور ہم نے ان دونوں کے درمیان نہر جاری کر دی۔ پہلے دو باغوں کی پوری طرح پھل دینے اور بغیر کسی کمی کے مکمل پھل دینے کی صفت بیان کی گئی' پھر اب تمام بھلائی کی اصل اور اس کی بنیاد یعنی پانی کا ذکر کیا گیا ہے' چنانچہ اس کو اس سے افضل قرار دیا گیا ہے' جس کے ساتھ زمین کو سیراب کیا جاتا ہے اور وہ ہے: باغ میں نہر کا جاری ہونا۔

۳۴۔﴿ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ﴾ اور دونوں باغوں کے مالک کے پاس مختلف اقسام کا بہت سا مال تھا۔ اور یہ ''ثَمَّرَ مَالُهٗ'' سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس کا مال بہت زیادہ ہو جاتا ہے یعنی مذکورہ بالا دونوں باغوں کے علاوہ بھی اس کافر کے پاس بہت مال تھا جیسے سونا اور چاندی وغیرہما [''لَهٗ ثَمَرٌ'' اور ''وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ'' میں امام عاصم کی قراءت میں ''ثا'' اور میم پر زبر ہے اور ابو عمرو کی قراءت میں ''ثا'' پر پیش ہے اور میم ساکن (''ثُمْر'') ہے اور ان دونوں کے سوا دوسروں کی قراءت میں ''ثا'' اور میم دونوں پر پیش (''ثُمُر'') ہے] ﴿ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ ﴾ تو اس نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ اس سے باتیں کرتے ہوئے کہنے لگا' (یعنی) وہ اپنے ساتھی سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ یہ ''حَارَ يَحُوْرُ'' سے ماخوذ ہے اور ''حَارَ'' کا معنی ہے: لوٹا اور واپس آیا یعنی قُطروس نے مسلمان کا ہاتھ پکڑا اور اس کو دونوں باغوں میں گھمایا پھرایا اور ان باغوں میں جو کچھ تھا وہ دکھایا اور اس نے اپنے مال دار ہونے اور مسلمان کے مال دار نہ ہونے کی وجہ سے بڑے فخر و غرور سے کہنے لگا: ﴿ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴾ میں تجھ سے زیادہ مال دار ہوں اور میں معاونین و مددگاروں اور نوکروں اور خادموں کے اعتبار سے یا اولادِ نرینہ کے لحاظ سے تجھ سے زیادہ طاقت ور ہوں کیونکہ اولادِ نرینہ اپنے ماں باپ کے کاروبار اور دیگر اُمور میں جس قدر کام آتی ہے' اتنی لڑکیاں کام نہیں آتیں۔

۳۵۔﴿ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ ﴾ اور وہ اپنے دو باغوں میں سے کسی ایک باغ میں داخل ہوا یا اس نے دونوں باغوں کو ایک باغ قرار دے دیا کیونکہ ارد گرد کی چار دیواری متحد تھی اور دو باغ اس لیے کہلاتے تھے کہ ان کے درمیان میں نہر بہتی تھی ﴿ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ﴾ اور وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا شخص تھا' کیونکہ وہ کفر کے سبب اپنی ہی جان کو نقصان پہنچا رہا تھا ﴿ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ﴾ اس نے کہا: میں یہ گمان نہیں کرتا کہ یہ کبھی فنا بھی ہو گا' یعنی یہ کہ یہ باغ کبھی ہلاک ہو گا اور اس نے اپنے باغ کے فنا ہونے میں اس لیے شک کیا تھا کہ اس کی اُمید اور آرزو بڑی طویل ہو چکی تھی اور اس کی غفلت میں سرکشی داخل ہو چکی تھی اور وہ مہلت کی وجہ سے غرور میں آ گیا تھا اور تم اکثر مسلمان مال داروں کو دیکھو گے کہ ان کے حالات بھی زبانِ حال سے یہی کچھ بیان کرتے ہیں۔

۳۶۔﴿ وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴾ اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور البتہ اگر میں اپنے رب کی طرف واپس لوٹایا گیا تو میں ضرور اس سے بہتر جگہ پاؤں گا۔ اس نے اس نے اس بات پر قسم اٹھائی کہ اگر بفرضِ محال وہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹایا گیا جیسا کہ اس کے ساتھی مسلمان کا خیال ہے تو وہ ضرور آخرت میں دنیا کے باغات سے بہتر پائے گا' یہ اس کا محض دعویٰ تھا کہ وہ بڑا معزز ہے اور اللہ تعالیٰ کے

نزدیک اس کا بڑا مقام ہے [''مُنْقَلَبًا'' تمیز ہے یعنی لوٹ کر جانے کی جگہ اور آخری آرام گاہ]۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝۳۷ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ۝۳۸ وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝۳۹ فَعَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝۴۰

اس کے ساتھی نے اس سے کہا اور وہ اس سے باتیں کرتے ہوئے کہنے لگا: تو نے اس ذات کے ساتھ کفر کیا جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر اس نے تجھے مکمل مرد بنایا O لیکن میں مسلمان ہوں وہی اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا O اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے ''ما شاء اللّٰه'' کیوں نہیں کہا (کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور) اللہ تعالیٰ کی قوت کے سوا کوئی قوت نہیں' اگر تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں مال میں اور اولاد میں تجھ سے کم ہوں O سو عنقریب میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہت بہتر عطا فرمائے گا اور وہ اس (تیرے باغ) پر آسمان سے کوئی عذاب بھیج دے گا' پھر وہ صاف میدان ہو کر رہ جائے گا O

۳۷۔ ﴿قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ﴾ اس سے اس کے مسلمان ساتھی نے کہا اور وہ اس سے باتیں کرتے ہوئے کہنے لگا: کیا تو نے اس ذات کا انکار کر دیا جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا یعنی تیری اصل (حضرت آدم علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا فرمایا کیونکہ اس کی اصل کی تخلیق اس کی تخلیق کا سبب بنی اس لیے اس کی پیدائش بھی اسی کی پیدائش ہے ﴿ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ پھر نطفہ سے' یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے نطفہ سے پیدا فرمایا ہے ﴿ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا﴾ پھر اس نے تجھے صحیح سلامت آدمی بنایا' (یعنی) اس نے تجھے ٹھیک برابر بنایا اور تجھے مکمل نر بالغ انسان بنایا' پھر اس نے تجھے قیامت کے بارے میں شک کرنے کی وجہ سے کافر بنایا۔

۳۸۔ ﴿لٰكِنَّا﴾ لیکن میں توحید پرست مسلمان ہوں' [قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں وصل کی صورت میں الف کے ساتھ ہے جب کہ باقی قراء کے نزدیک وصل کی حالت میں الف کے بغیر پڑھا جائے گا' البتہ وقف کی حالت میں سب کے نزدیک الف کے ساتھ ہے اور اس کی اصل ''لٰكِنْ اَنَا'' ہے پھر ہمزہ کو حذف کر دیا گیا اور اس کی حرکت ''لٰكِنْ'' کے نون پر ڈال دی گئی' پھر دونوں جمع ہو گئے تو پہلے نون کو ساکن کر کے دوسرے نون میں مدغم کر دیا گیا] ﴿هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ﴾ وہی اللہ تعالیٰ ہی میرا پروردگار ہے' [''هُوَ'' ضمیر شان ہے۔ ''اَللّٰهُ رَبِّيْ'' جملہ ''اَنَا'' کی خبر ہے' اس میں لوٹنے والی ضمیر ''رَبِّيْ'' کی 'یا' ہے اور یہ ''اَكَفَرْتَ'' سے استدراک ہے' گویا مسلمان نے اپنے بھائی سے کہا کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہے لیکن میں توحید کو ماننے والا مسلمان ہوں' جیسے تم کہو: ''زَيْدٌ غَائِبٌ لٰكِنَّ عَمْرًوا حَاضِرٌ'' زید موجود نہیں ہے لیکن عمرو موجود ہے' اصل میں ''اَقُوْلُ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ'' ہے یعنی میں کہتا ہوں: وہی اللہ تعالیٰ ہی میرا رب ہے جس کی دلیل درج ذیل جملے کا اس پر عطف ہے] یعنی ﴿وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا﴾ اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

٣٩۔﴿ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ﴾ اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو نے ''مَا شَآءَ اللّٰهُ'' (وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے) کیوں نہیں کہا؟ [اس میں لفظ ''مَا'' موصولہ ہے اور یہ محلًا مرفوع ہے' اس بناء پر کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے' اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''اَلْاَمْرُ مَا شَاءَ اللّٰهُ'' وہی کام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے یا پھر لفظ ''مَا'' شرطیہ ہے' محلًا منصوب ہے اور اس کی جزا محذوف ہے' اصل میں: ''اَیَّ شَیْءٍ شَآءَ اللّٰهُ کَانَ'' جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے] اور آیت کریمہ کا معنی یہ ہوگا کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا اور جب تو نے اپنے اس باغ میں وہ سب کچھ دیکھا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس میں تجھے عطا فرمایا ہے تو تم نے یہ کیوں نہیں کہا: کام وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے' یہ اعتراف کرنے کے لیے کہ بے شک یہ باغ اور ہر وہ چیز جو اس میں ہے' وہ یقینًا محض اللہ تعالیٰ کے چاہنے سے ہوا اور بے شک اس کا سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے' اگر وہ چاہے' اس کو آباد رکھے اور اگر چاہے تو ویران کر دے ﴿ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی قوت کے سوا کوئی قوت نہیں۔ یہ اس بات کا اقرار ہوتا ہے کہ اس باغ کو آباد کرنا اور اس کے سارے معاملے کی تدبیر کرنا اسی کی مدد اور اسی کی تائید سے ہوا ہے ﴿ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴾ اگر تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں مال و دولت میں اور اولاد میں تجھ سے کم ہوں اور ''وَلَدًا'' میں اس مُفَسِّر کی تائید ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''وَاَعَزُّ نَفَرًا'' (الکہف:٣٤) میں ''نَفَرًا'' کی تفسیر اولاد سے کی ہے [جن قراء نے ''اَقَلَّ'' کو منصوب پڑھا ہے' انہوں نے ''اَنَا'' کو الگ قرار دیا ہے اور جس نے اس کو مرفوع (یعنی ''اَقَلُّ'' لام پر پیش کے ساتھ) پڑھا ہے اور وہ قاری علی کسائی ہے' اس نے ''اَنَا'' کو مبتدا اور ''اَقَلُّ'' کو اس کی خبر قرار دیا ہے اور یہ جملہ ''تَرَنِ'' کا دوسرا مفعول ہے]۔

٤٠۔﴿ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ ﴾ پس عنقریب میرا پروردگار مجھے دنیا میں یا آخرت میں تیرے باغ سے بہتر عطا فرمائے گا ﴿ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴾ اور وہ اس (تیرے باغ) پر آسمان سے کوئی عذاب بھیجے گا' سو وہ ایک صاف چٹیل میدان بن جائے گا اور اتنا ملائم میدان بن جائے گا کہ اس پر چلنے والے کے پاؤں ڈگمگائیں گے۔

اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿٤١﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿٤٢﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿٤٣﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾ ع

یا اس کا پانی زمین کی گہرائی میں دھنس جائے گا' پھر تو اس کو ہرگز تلاش نہیں کر سکے گا○ اور اس کا باغ پھلوں سمیت برباد کر دیا گیا اور اس نے باغ پر جو خرچ کیا تھا اس پر وہ صبح اپنے ہاتھوں کو ملتا رہ گیا اور وہ اپنی چھتریوں پر گرا پڑا تھا اور وہ کہنے لگا: کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا○ اور اس کے پاس کوئی ایسا گروہ نہیں تھا جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود بدلا لینے والا ہو سکا○ یہاں سے سب اختیار سچے اللہ کے لیے ظاہر ہو گیا' وہی بہتر ثواب دینے والا اور اچھا انجام کرنے والا ہے○

۴۱۔﴿ اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا ﴾ یا اس کا پانی زمین میں دھنس جائے' یعنی زمین کی گہرائی میں نیچے چلا جائے ﴿ فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴾ سوتو اسے ہرگز تلاش نہیں کر سکے گا' پانی موجود ہونا تو بڑی بات ہے' تجھ سے اس کی تلاش بھی نہیں ہو سکے گی اور معنی یہ ہے کہ اگر آج تو مجھے اپنے آپ سے زیادہ محتاج اور زیادہ فقیر وغریب خیال کرتا ہے تو میں اللہ تعالیٰ کی صنعت و قدرت سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ میری حالتِ فقر کو اور تیری حالتِ غنا کو تبدیل کر دے گا' پس وہ میرے ایمان کی برکت سے مجھے ایسا باغ (بہشت) عطا فرمائے گا جو تیرے اس باغ سے بہت بہتر ہوگا اور تیرے کفر کے سبب وہ اپنی نعمت کو تجھ سے چھین لے گا اور تیرے دونوں باغوں کو ویران کر دے گا۔

۴۲۔﴿ وَاُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ ﴾ اور اس کے باغات کے پھلوں کو گھیر لیا گیا۔اس سے باغات کا ہلاک و برباد کیا جانا مراد ہے اور اس کی اصل ''اَحَاطَ بِهِ الْعَدُوُّ'' ہے' اس کو دشمن نے گھیر لیا کیونکہ جب دشمن گھیر لیتا ہے تو وہ مالک بن جاتا ہے اور اس پر غالب آ جاتا ہے' پھر اس کو ہلاکت کے لیے استعمال کیا جانے لگا ﴿ فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ ﴾ پھر وہ کافر اپنے دونوں ہاتھوں کو ملنے لگا' (یعنی) وہ ندامت وشرمندگی اور حسرت وافسوس سے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارنے لگا اور البتہ ہاتھوں کا آپس میں ملنا ندامت وحسرت کی طرف اشارہ ہوتا ہے کیونکہ نادم آدمی اپنے دونوں ہاتھوں کو اوپر نیچے اور باہر اندر سے ملتا ہے جیسا کہ اس سے ہاتھوں کا بعض (صرف ہتھیلیاں) اور ہاتھ میں گرنا مراد لیا جاتا ہے [اور چونکہ یہ ندامت کے معنی میں ہے' اس لیے اس کو ''عَلٰی'' کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے] گویا کہا گیا ہے کہ وہ نادم ہونے لگا ﴿ عَلٰی مَاۤ اَنْفَقَ فِیْهَا ﴾ ان اخراجات پر جو اس میں یعنی اس باغ کی تعمیر وترقی اور اس کے آباد کرنے میں خرچ کیے تھے ﴿ وَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ﴾ اور وہ اپنی چھتریوں پر گرا پڑا تھا' یعنی باغوں کے انگوروں کے لیے جو چھتریاں تیار کی گئی تھیں اس کی وہ چھتریاں زمین پر گری پڑی تھیں اور انگوروں کی بیلیں ان کے اوپر گری ہوئی تھیں ﴿ وَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا ﴾ اور وہ کہنے لگا: اے کاش! میں نے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہوتا۔اس کافر نے اپنے مسلمان بھائی کی نصیحت کو یاد کیا اور جان لیا کہ ساری تباہی اس کے کفر اور اس کی سرکشی کے سبب ہوئی' سو اس نے اس کے بعد تمنا اور آرزو کی کہ کاش! وہ مشرک نہ ہوتا تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے باغ کو ہلاک نہ کرتا مگر اس تمنا اور آرزو نے اسے کوئی فائدہ نہ دیا اور یہ جائز ہے کہ اس کی یہ بات شرک سے توبہ ہو اور گزشتہ کفر پر ندامت ہو اور ایمان میں داخل ہونا ہو۔

۴۳۔﴿ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ یَّنْصُرُوْنَهٗ ﴾ اور اس کے پاس کوئی ایسا گروہ نہیں تھا جو اس کی مدد کرتا' اور اس کی مدد کرنے پر قدرت واختیار رکھتا ﴿ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ ماسوا اللہ تعالیٰ کے' یعنی وہی اکیلا خدا اس کی مدد کرنے پر قدرت واختیار رکھتا ہے' اس کے سوا کوئی قدرت واختیار نہیں رکھتا کہ اس کی مدد کر سکے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کی بناء پر اس کی مدد نہیں فرمائی ﴿ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴾ اور نہ وہ اپنی قوت سے اللہ تعالیٰ کے انتقام سے بچ سکتا تھا۔

۴۴۔﴿ هُنَالِكَ الْوَلَایَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ﴾ یہیں سے سچے اللہ تعالیٰ کے لیے مدد ثابت ہوگئی [ایک قراءت میں ''تَكُنْ'' کی بجائے ''یا'' کے ساتھ ''یَكُنْ'' بھی ہے (آیت: ۴۳ میں) اور ''اَلْوَلَایَةُ'' میں قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں واؤ کے نیچے کسرہ ہے اور جب یہ واؤ پر فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی مدد کرنا اور حمایت کرنا ہوتا ہے اور جب کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی سلطنت وحکومت ہوتا ہے] اور معنی یہ ہے کہ یہاں یعنی اس مقام میں واضح ہو گیا کہ ذاتی امداد صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس کے سوا اس کا کوئی مالک نہیں بن سکتا اور نہ اس کے سوا کوئی اس کی طاقت رکھتا ہے اور یہ کلام ارشاد باری تعالیٰ ''وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' کی تائید وتقویت کے لیے بیان کیا گیا ہے یا یہ کہ یہاں سے ظاہر ہو گیا کہ

سلطنت و بادشاہت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو کبھی مغلوب نہیں ہوگا یا یہ کہ اس قسم کی سخت حالت میں صرف اللہ تعالیٰ مدد وحمایت کرتا ہے اور ایسی سخت حالت میں ہر بے بس و مجبور اس پر ایمان لے آتا ہے یعنی کافر کا یہ کہنا کہ اے کاش! میں نے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہوتا' یہ ایسا کلمہ ہے جس کی طرف مجبوراً رجوع کیا گیا ہے' چنانچہ کافر نے یہ کلمہ اس عذاب سے گھبرا کر کہا تھا' جو اس کے کفر کی نحوست کی وجہ سے اس کے باغ پر آن پڑا تھا اور اگر یہ عذاب نہ آتا تو وہ یہ کلمہ نہ کہتا یا یہ معنی ہے کہ یہاں سے مدد کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہو گیا کہ وہ کافروں کے مقابلے میں اپنے مسلمان دوستوں کی مدد کرتا ہے اور وہ اپنے دوستوں کے لیے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے یعنی اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے مدد کی جو کافر کے ساتھ اس کے بھائی مسلمان نے بات چیت کی تھی اور اس کی یہ بات سچی ثابت ہوئی کہ عنقریب میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا فرمائے گا اور تیرے اس باغ پر آسمان سے عذاب نازل فرمائے گا ﴿هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا﴾ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے لیے ثواب کے اعتبار سے بہت بہتر ہوگا اور انجام کار کے لحاظ سے بہت اچھا ہوگا یا پھر ''هُنَالِكَ'' سے آخرت کی طرف اشارہ ہے' یعنی وہاں آخرت کے گھر میں سارا اختیار اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے: ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ'' (غافر:۱۶) ''آج بادشاہی کس کے لیے ہے''۔ [ابو عمرو اور علی کسائی کی قراءت میں ''اَلْحَقُّ وَلَايَةٌ'' ہے یا ''هُوَ الْحَقُّ'' ہے اور ان دو کے علاوہ باقی قراء کے نزدیک ''لِلّٰهِ'' کی صفت ہونے کی بناء پر مجرور ہے یعنی ''لِلّٰهِ الْحَقِّ'' ہے۔ امام عاصم اور حمزہ کی قراءت میں ''عُقْبًا'' میں قاف ساکن ہے' ان دو کے علاوہ کے نزدیک قاف پر پیش ''عُقُبًا'' ہے اور شاذ قراءت میں ''فُعْلٰى'' کے وزن پر ''عُقْبٰى'' ہے' اور قراءتوں کے مطابق اس کا معنی انجام ہے]۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝۴۵ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝۴۶ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝۴۷

اور آپ ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کیجئے کہ وہ اس پانی کی طرح ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اس کی وجہ سے زمین کی پیداوار اُگ کر خوب گھنی ہو گئی' پھر وہ سوکھا گھاس بن گئی جس کو ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے O مال اور اولاد دنیوی زندگی کی رونق ہیں' اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب تعالیٰ کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہت بہتر ہیں اور امید کے لحاظ سے بہت اچھی ہیں O اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو صاف کھلا ہوا میدان دیکھیں گے' اور ہم ان کو جمع کریں گے' سو ہم ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے O

دنیا کی زندگی کی بے ثباتی کا بیان

۴۵۔ ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ اے محبوب! آپ ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کیجئے' جیسے وہ پانی ہے جس کو ہم نے آسمان سے اتارا ''اَیْ هِیَ كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ'' یعنی یہ دنیا

اس پانی کی طرح عارضی و بے ثبات ہے جسے ہم نے آسمان سے زمین پر برسایا ﴿ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ ﴾ پس زمین کی انگوریاں اس کے ساتھ خوب اُگیں اور اس کے سبب اچھی طرح نشوونما پا کر خوب گھنی ہو گئیں اور ایک دوسرے سے لپٹ گئیں یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے سے جڑ گئیں یا پانی نے زمین کی انگوریوں میں اس قدر اثر دکھایا کہ وہ اس کے سبب خوب گھنی ہو گئیں یہاں تک کہ نشوونما پا کر اور خوب ہری بھری ہو کر سرسبزی و شادابی کے کمال کو پہنچ گئیں ﴿ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا ﴾ پھر وہ سوکھی گھاس بن کر ٹوٹ پھوٹ گئی [واحد ''هَشِيْمَةٌ'' ہے] ﴿ تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ﴾ جس کو ہوائیں جڑ سے اکھیڑ کر فضا میں اُڑائے پھرتی ہیں [حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''اَلرِّيْحُ'' ہے] ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر ایک پیدا ہونے والی اور ہر ایک فنا ہونے والی چیز پر خوب قدرت و اختیار رکھنے والا ہے۔ دنیا کی زیب و زینت اور اس کی رونق و شادابی کی حالت کو اور اس کے بعد ہلاک و فنا ہونے کی حالت کو زمین کی پیداوار کی حالت کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو پہلے بڑی سرسبز و شاداب ہوتی ہے پھر خشک ہو کر سوکھی گھاس کی طرح ہو جاتی ہے اور اس کو ہوا اڑائے پھرتی ہے گویا کبھی نہیں ہوئی تھی۔

۴۶- ﴿ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت و زیبائش ہے۔ نہ قبر کا سامان اور نہ آخرت کی تیاری ہے ﴿ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ ﴾ اور باقی رہنے والی نیکیاں وہ اعمالِ خیر ہیں جن کے فوائد انسان کے لیے قائم رہتے ہیں یا پانچوں نمازیں مراد ہیں یا ''سُبْحَانَ اللّٰهِ''، ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ''، ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اور ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' مراد ہیں ﴿ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا ﴾ آپ کے رب تعالیٰ کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہت بہتر ہیں یعنی جزاء کے اعتبار سے ﴿ وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴾ اور امید کے لحاظ سے بہت بہتر ہیں کیونکہ یہ سچا وعدہ ہے اور اکثر امیدیں جھوٹی ہوتی ہیں یعنی ان اعمالِ خیر کا مالک دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ثواب کی اور آخرت میں اس کو پانے کی امید رکھتا ہے۔

قیامت کا منظر

۴۷- ﴿ وَيَوْمَ ﴾ ''وَاذْكُرْ يَوْمَ'' اور اے محبوب! اس دن کو یاد کیجئے جس دن ﴿ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ ﴾ ہم پہاڑوں کو چلائیں گے [ابن کثیر مکی ابن عامر شامی اور ابو عمرو کی قراءت میں ''تُسَيَّرُ الْجِبَالُ'' ہے] یعنی ان کو فضاء میں چلایا جائے گا یا یہ کہ انہیں فضا میں لے جانے کا مطلب ہے کہ انہیں باریک ذروں میں ریزہ ریزہ کر کے فضا میں بکھیر دیا جائے گا ﴿ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ﴾ اور آپ زمین کو صاف میدان کی طرح عیاں دیکھیں گے اس پر پہاڑوں اور درختوں میں سے کوئی ایسی چیز نہیں ہو گی جو اس کو چھپا دے ﴿ وَّحَشَرْنٰهُمْ ﴾ اور ہم انہیں یعنی مُردوں کو جمع کریں گے ﴿ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴾ پس ہم ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے یعنی ہم نہیں چھوڑیں گے۔ ''غَادَرَهٗ'' یعنی اس نے اسے چھوڑ دیا اور اسی سے ''غدر'' ماخوذ ہے بے وفائی کرنا اور غدیر اس حوض کو کہا جاتا ہے جس کی گہرائی میں سیلاب اپنا پانی چھوڑ جائے۔

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۢ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝۴۸ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝۴۹ ع ۶

اور وہ آپ کے رب تعالیٰ کے سامنے قطار در قطار پیش کیے جائیں گے' بے شک تم ہمارے پاس اس طرح حاضر ہو گے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا' بلکہ تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم تمہارے لیے وعدہ کا کوئی وقت ہرگز مقرر نہیں کریں گے O اور نامۂ اعمال رکھا جائے گا اور آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس سے ڈرتے ہوں گے جو کچھ اس میں لکھا ہوگا اور وہ کہیں گے: ہائے ہمارے بدبختی! اس اعمال نامہ کو کیا ہوگا کہ اس نے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا اور نہ بڑا مگر اس کو محفوظ کر لیا' اور انہوں نے جو اعمال کیے تھے وہ سب اس میں موجود پائیں گے' اور آپ کا رب تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرے گا O

۴۸-﴿ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ﴾ اور تمام لوگ آپ کے رب تعالیٰ کے سامنے قطار در قطار آگے پیچھے اکٹھے پیش کیے جائیں گے' آپ ان سب کو جماعت کی صورت میں اس طرح دیکھیں گے جس طرح آپ ہر ایک کو الگ الگ دیکھتے ہیں کوئی کسی کو نہیں چھپا سکے گا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لوگوں کی حاضری کے حال کو بادشاہ کی بارگاہ میں پیش کیے جانے والے لشکر کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ﴿ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا ﴾ ''اَیْ قُلْنَا لَھُمْ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا'' یعنی ہم ان لوگوں سے فرمائیں گے کہ بے شک تم ہمارے پاس حاضر ہو گئے ہو [اور یہ جائز ہے کہ یہ مضمر کلام ''یَوْمَ نُسَیِّرُ'' میں نصب کا عامل ہو] ﴿ كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ ﴾ جیسا ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا' یعنی جس طرح ہم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا بالکل اسی طرح ہم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھایا ہے یا یہ معنی ہے کہ جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ برہنہ پیدا کیا تھا' اسی طرح تم ہمارے پاس برہنہ حاضر ہو گئے ہو' تمہارے ساتھ مال' اولاد اور لباس وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ''نُسَیِّرُ'' اور ''تَرٰی'' کے بعد ''وَحَشَرْنٰھُمْ'' کو فعل ماضی کے ساتھ اس لیے بیان فرمایا ہے تاکہ اس بات پر رہنمائی ہو کہ لوگوں کو زندہ کر کے جمع کرنا پہاڑوں کو چلانے اور زمین کو صاف میدان بنانے سے پہلے ہوگا تاکہ لوگ ان ہولناک مناظر کا خود معائنہ کریں' گویا فرمایا گیا ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ان خوفناک واقعات کے رونما ہونے سے پہلے جمع کریں گے ﴿ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴾ بلکہ تمہارا خیال تو یہ ہے کہ حشر ونشر کے بارے میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانی تم سے جو وعدہ کیا گیا ہے اس کو پورا کرنے کے لیے ہم تمہارے لیے ہرگز کوئی وقت مقرر نہیں کریں گے یا ہم تمہارا محاسبہ کرنے کے لیے وعدہ کی کوئی جگہ ہرگز مقرر نہیں کریں گے۔

۴۹-﴿ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ ﴾ اور کتاب رکھ دی جائے گی' یعنی اعمال کے صحیفے رکھ دیئے جائیں گے ﴿ فَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ ﴾ اور آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ ڈرتے ہوں گے ﴿ مِمَّا فِیْهِ ﴾ ان گناہوں سے جو صحیفوں میں درج ہوں گے ﴿ وَیَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً ﴾ اور وہ لوگ کہیں گے کہ ہائے ہماری بدنصیبی! اس کتاب کو کیا ہو گیا ہے کہ اس نے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا ہے اور نہ بڑا' یعنی اس کتاب نے گناہوں میں سے کچھ بھی نہیں چھوڑا ﴿ اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ﴾ مگر اس کو گن رکھا ہے اور اس کو ضبط کر رکھا ہے ﴿ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ﴾ اور انہوں نے دنیا میں جو اعمال سرانجام دیئے تھے وہ ان کو سزا یا جزاء کے لیے اپنے سامنے موجود پائیں گے ﴿ وَلَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴾ اور آپ کا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا کہ جو کسی نے عمل نہ کیا وہ اس کے ذمے لکھ دے یا جرم سے بڑھ کر عذاب میں اضافہ کر دے یا کسی کو بغیر جرم کے سزا دے دے (ایسا ہرگز نہیں ہوگا)۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّیَّتَهٗۤ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ

بَدَلًا ﴿۵۰﴾ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے‘ وہ جنوں میں سے تھا‘ سو وہ نافرمانی کر کے اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے نکل گیا‘ پس کیا تم مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی اولاد کو اپنا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں‘ ظالموں کے لیے بہت بُرا بدلا ہے○ میں نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت انہیں حاضر (یعنی شریک) نہیں کیا تھا اور نہ ان کی اپنی پیدائش کے وقت‘ اور نہ میں گمراہ کرنے والوں کو مددگار بناتا ہوں○ اور اس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جن کو تم میرا شریک گمان کرتے تھے ان کو پکارو‘ سو کافر انہیں پکاریں گے تو وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم ان کے درمیان دوزخ کی ایک مہلک وادی بنا دیں گے○

حضرت آدم کی فضیلت اور شیطان اور اس کے پیروکاروں کی ذلت کا بیان

۵۰- ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم (حضرت) آدم کے لیے سجدہ کرو (یہ سجدۂ عبادت نہیں تھا بلکہ) تعظیم و تکریم کا سجدہ تھا یا اطاعت و انقیاد کا سجدہ تھا ﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ پس سب نے سجدہ کیا سوائے شیطان مردود کے‘ وہ جنوں میں سے تھا۔ [یہ جملہ مستأنفہ (الگ مستقل جملہ) ہے] گویا کسی کہنے والے نے کہا کہ اس کو کیا ہوا کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا؟ تو جواب میں کہا گیا کہ وہ منحوس جنوں میں سے تھا ﴿فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾ سو اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی اور اسے اس کے رب تعالیٰ نے جو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا وہ اس سے خارج ہو گیا اور یہ کلامِ الٰہی اس بات کی دلیل ہے کہ شیطان مردود فرشتوں کے ساتھ سجدہ کرنے کا مأمور تھا (جیسا کہ ارشاد ہے: ''مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ'' (الاعراف:۱۲) ''تجھے کس نے روکا کہ تو نے سجدہ نہیں کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا؟'') ﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ﴾ کیا تم مجھے چھوڑ کر شیطان کو اور اس کے چیلوں کو دوست بناتے ہو؟ [ہمزہ انکاری ہے اور تعجب کے لیے ہے] گویا اس کی طرف سے نافرمانی پائے جانے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ تم اب بھی مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی اولاد کو دوست بناؤ گے اور تم میرے بدلے اس کو اختیار کرو گے اور اس کی اطاعت کرو گے‘ اور شیطان کی اولاد میں سے بعض کے نام یہ ہیں: (۱) ایک لاقیس ہے‘ اس کا لقب ''مُوَسْوِسُ الصَّلٰوةِ'' نماز میں بُرے خیالات و وسوسے ڈالنے والا ہے (۲) دوسرا اعور ہے‘ اس کا لقب ''صَاحِبُ الزِّنٰی'' ہے (جو مردوں اور عورتوں کو بدکاری پر اکساتا ہے) (۳) تیسرا ابتر ہے‘ اس کا لقب ''صَاحِبُ الْمَصَائِبِ'' ہے (جو مصیبتوں اور تکلیفوں میں لوگوں میں گریبان چاک کرنے‘ سینہ کوبی کرنے اور منہ پر طمانچے مارنے اور ناجائز طریقے اپنانے پر اکساتا ہے) (۴) چوتھا مطوس ہے‘ اس کا لقب ''صاحب الاراجیف'' ہے (جو لوگوں میں جھوٹی خبریں اور افواہیں پھیلاتا ہے اور آپس میں لڑنے‘ جنگ و جدال کرنے اور قتل و غارت کرنے پر اکساتا ہے) (۵) پانچواں داسم ہے‘ جو لوگوں کے گھروں میں داخل ہو جاتا ہے اور جو لوگ کھانا کھاتے وقت ''بِسْمِ اللّٰهِ'' شریف نہیں پڑھتے‘ ان کے ساتھ مل کر کھانا کھانا شروع کر دیتا ہے ﴿وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ﴾ اور وہ تمہارے دشمن ہیں ﴿بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾ ظالموں کے لیے بہت بُرا بدلا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابلیس

ان لوگوں کے لیے بہت بُرا بدل ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بدلے ابلیس کی اطاعت اختیار کر لی۔

۵۱۔ ﴿مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ﴾ میں نے ان کو یعنی شیطان اور اس کی اولاد کو حاضر نہیں کیا تھا ﴿خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت یعنی بے شک تم لوگوں نے شیطان اور اس کی اولاد کو عبادت میں میرا شریک ٹھہرایا حالانکہ یہ عبادت میں میرے شریک تب ہوتے جب وہ الوہیّت اور معبودِ برحق ہونے میں میرے شریک ہوتے جب کہ اللہ تعالیٰ نے الوہیت اور معبودِ برحق ہونے میں ان کی مشارکت کی نفی کرتے ہوئے ارشادفرمایا: ''مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' میں نے ان کو آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت اپنے پاس حاضر نہیں کیا کہ میں ان سے زمین وآسمان کی پیدائش میں مدد حاصل کروں یا ان کے بارے میں ان سے مشورہ لوں بلکہ تمام کائنات کو میں نے اکیلے پیدا کیا ہے' لہٰذا ان کو چاہیے کہ وہ صرف اکیلے میری عبادت کریں' میرے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں ﴿وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور ان کی اپنی پیدائش کے وقت' یعنی میں نے ان میں سے ایک دوسرے کی پیدائش کے وقت اپنے پاس حاضر نہیں کیا جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ'' (النساء:۲۹) ''اور تم اپنے آپ کو یعنی ایک دوسرے کو قتل نہ کرو''۔ ﴿وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا﴾ اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار نہیں بناتا۔ دراصل ''وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَهُمْ'' ہونا چاہیے تھا لیکن ''هُمْ'' کی جگہ پر ''الْمُضِلِّيْنَ'' کو اس لیے رکھا گیا ہے کہ لوگوں کو گمراہ کرنے پر ان کی مذمت بیان کی جائے' بہر حال جب شیطان اور اس کی اولاد تمام چیزوں کی پیدائش میں میری شریکِ تعاون نہیں ہے تو تمہیں کیا ہو گیا کہ تم ان کی عبادت میں میرا شریک ٹھہراتے ہو۔

۵۲۔ ﴿وَيَوْمَ يَقُوْلُ﴾ اور اس دن اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا [قاری حمزہ کی قراءت میں نون کے ساتھ (نَقُوْلُ) ہے] ﴿نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ﴾ تم بلند آواز سے میرے ان شریکوں کو بلاؤ جن کے متعلق تمہارا گمان یہ ہے کہ وہ تمہارے بارے میں میرے شریک ہیں' وہ تمہیں میرے عذاب سے بچالیں گے۔ ان سے جنات مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان کے مطابق شریکوں کو اپنی طرف منسوب کر کے ان کو ڈانٹا اور ڈرایا دھمکایا ہے ﴿فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا﴾ سو کافر انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں جواب نہیں دیں گے اور ہم نے ان کے درمیان ایک مہلک وادی بنادی ہے۔ [''مَوْبِقًا''، ''وَبِقَ يَبِقُ وَبُوْقًا'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ہلاک ہو جائے یا مصدر ہے ''مَوْعِد'' کی طرح] یعنی ہم نے ان کے درمیان دوزخ کی وادیوں میں سے ایک وادی بنادی ہے اور یہ سخت ترین عذاب اور ہلاکت و بربادی کی ایک ایسی جگہ ہے جس میں وہ سب مشترکہ ہلاک و برباد ہوں گے یا ان سے فرشتے اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام مراد ہیں اور ''مَوْبِق'' سے دور دراز کا فاصلہ مراد ہے یعنی ہم نے ان کے درمیان دور کا فاصلہ قائم کر دیا ہے کیونکہ پرستش کرنے والے کفار دوزخ کے گہرے گڑھے میں ہوں گے اور وہ حضرات جنت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوں گے۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ ع
وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ط وَكَانَ الْاِنْسَانُ
اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى

وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

اور مجرم لوگ دوزخ کی آگ کو دیکھیں گے تو وہ یقین کرلیں گے کہ وہ اس میں ضرور گرنے والے ہیں اور وہ اس سے بھاگنے کی جگہ نہیں پائیں گے O اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں اور انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے O اور لوگوں کو اس بات سے کس نے منع کیا کہ جب ان کے پاس ہدایت آگئی تو وہ اس پر ایمان لاتے اور اپنے رب تعالیٰ سے بخشش مانگتے مگر یہ کہ ان پر پہلے لوگوں کا طریقہ آن پہنچے یا ان پر سامنے سے عذاب آجائے O

۵۳- ﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا﴾ اور مجرم لوگ دوزخ کی آگ کو دیکھیں گے تو وہ یقین کرلیں گے۔ ''فَظَنُّوْا'' بہ معنی ''فَاَيْقَنُوْا'' ہے یعنی وہ یقین کرلیں گے کہ ﴿اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا﴾ بے شک وہ لوگ دوزخ میں گرنے والے ہیں اور اس میں داخل ہونے والے ہیں اور وہ اس میں ہر حال میں جانے والے ہیں ﴿وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا﴾ اور وہ لوگ اس سے یعنی دوزخ کی آگ سے بچ نہیں سکیں گے یعنی اس سے پھر کر کہیں نہیں جاسکیں گے۔

قرآن وانبیاء کی آمد کا مقصد اور کفار کی سرکشی کا بیان

۵۴- ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ اور بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی نصیحت کے لیے ہر قسم کی ایسی مثالیں دے کر مضامین بیان کر دیئے ہیں جن کی انہیں حاجت وضرورت پیش آتی رہے گی ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ اور انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے [''جَدَلًا'' تمیز ہے] یعنی وہ تمام چیزیں جن سے جھگڑے رونما ہوتے ہیں ان سب سے زیادہ جھگڑالو صرف انسان ہے بشرطیکہ اس کے ایک ایک جھگڑے کی تفصیل کی جائے اور جھگڑے سے باطل کا جھگڑا مراد ہے یعنی انسان کا جھگڑا ہر جھگڑے سے زیادہ ہے۔

۵۵- ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى﴾ اور لوگوں کو کس چیز نے منع کیا ہے کہ جب ان کے پاس ہدایت آئی تو وہ اس پر ایمان لے آتے یعنی جب ان کے پاس ہدایت کا سبب آیا اور وہ کتاب الٰہی قرآن مجید ہے اور رسول کریم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں ﴿وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ﴾ اور وہ اپنے پروردگار سے بخشش مانگتے مگر وہ منتظر رہے کہ ان پر پہلے لوگوں کا دستور آجائے یا ان پر عذاب نازل ہوجائے [پہلا ''اَنْ'' منصوب ہے (کہ ''مَنَعَ'' کا دوسرا مفعول ہے) اور دوسرا ''ان'' مرفوع ہے اور اس سے پہلے مضاف محذوف ہے] اصل میں ''وَمَا مَنَعَ النَّاسَ الْاِيْمَانَ وَالْاِسْتِغْفَارَ اِلَّا اِنْتِظَارُ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ'' اور لوگوں کو کس چیز نے ایمان لانے اور بخشش مانگنے سے منع کیا ہے سوائے اس انتظار کے کہ ان پر پہلے لوگوں کا طریقہ آجائے اور وہ ہلاک کرنا ہے یا یہ انتظار کہ ان پر عذاب آجائے یعنی آخرت کا عذاب ﴿قُبُلًا﴾ [اہل کوفہ کے نزدیک ''قبیل'' کی جمع ہے یعنی مختلف اقسام کے عذاب اور باقی قرآء کے نزدیک ''قِبَلًا'' ہے یعنی سامنے]۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا

هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر خوشخبری دینے اور ڈر سنانے کے لیے' اور جو لوگ کافر ہیں وہ ناجائز طریقے سے جھگڑا کرتے ہیں تا کہ اس کے ذریعے حق کو مٹا دیں اور انہوں نے میری آیتوں کو اور انہیں جس چیز سے ڈرایا گیا اس کو مذاق بنا لیا○ اور اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا جس کو اس کے رب تعالیٰ کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی گئی تو اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور جو عمل اس نے پہلے کیے تھے ان کو بھول گیا' بے شک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اسے سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے' اور اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں گے تو وہ ہرگز کبھی بھی ہدایت حاصل نہیں کریں گے○

۵۶- ﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر خوشخبری دینے والے اور ڈر سنانے والے بنا کر۔ [اس جگہ وقف کیا جائے اور وقف کرنے کے بعد آگے نئے سرے سے تلاوت شروع کی جائے] ﴿وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ﴾ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا تھا وہ بے ہودہ اور باطل باتوں کے ساتھ جھگڑتے ہیں اور ان کا جھگڑنا یہی تھا کہ وہ لوگ رسولوں سے کہا کرتے تھے: "مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا" (یٰس: ۱۵) تم تو نہیں ہو مگر ہماری طرح بشر" "وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً" (المؤمنون: ۲۴) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فرشتوں کو نازل کر دیتا اور اسی طرح کی دوسری باتیں ﴿لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ﴾ تا کہ وہ اس کے ذریعے حق کو مٹا دیں اور تا کہ اسے زائل کر دیں اور وہ جھگڑے کے ذریعے نبوت کو ختم کر دیں ﴿وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا﴾ اور انہوں نے میری آیتوں یعنی قرآن مجید کو اور جس عذاب سے انہیں ڈرایا گیا اس کو ہنسی مذاق بنا لیا ["ما" موصولہ ہے اور صلہ میں موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے یعنی اصل میں "وَمَا اُنْذِرُوْهُ مِنَ الْعِقَاب" ہے اور وہ عذاب جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا انہوں نے اس کو مذاق بنا لیا یا "ما" مصدریہ ہے "اَيْ وَاِنْذَارَهُمْ" یعنی انہوں نے قرآن کو اور اپنے ڈراوے کو ہنسی مذاق بنا لیا۔ قاری حمزہ کی قراءت میں "زَا" ساکن اور آخر میں واؤ کی بجائے ہمزہ (یعنی "هُزْءًا") ہے اور امام حفص کی قراءت میں "زَا" مضموم ہے اور ہمزہ کو واؤ سے تبدیل کر کے (هُزُوًا) پڑھا گیا ہے اور ان کے علاوہ دوسروں کی قراءت میں "زَا" مضموم اور ہمزہ کے ساتھ ("هُزُءًا") ہے]۔

۵۷- ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا﴾ اور اس سے بڑھ کر زیادہ ظالم کون ہوگا جس کو اس کے پروردگار کی آیات یعنی قرآن مجید کے ذریعے نصیحت کی گئی لیکن اس نے اس سے منہ پھیر لیا اور جب اسے نصیحت کی گئی تو اس نے نصیحت کو قبول نہ کیا اور نہ اس میں غور و فکر کیا' [چونکہ آیات سے قرآن مجید مراد ہے' اس لیے "اَنْ يَّفْقَهُوْهُ" میں آیات کی طرف لوٹنے والی ضمیر مذکر لائی گئی ہے] ﴿وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ﴾ اور اس نے جو کچھ گناہوں اور کفر کا پہلے ارتکاب کیا تھا وہ سب بھول گیا اور ان میں غور و فکر نہیں کیا اور نہ اس نے یہ سوچا کہ بدکار اور نیکوکار دونوں کے لیے جزاء ضروری ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن سے منہ پھیرنے اور اپنے کرتوتوں کو بھول جانے کی یہ علت بیان فرمائی کہ ان کے دلوں پر مہر لگ

چکی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ ﴾ بے شک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تا کہ وہ قرآن مجید کو سمجھنے سے محروم رہیں۔ ''اَكِنَّةً'' بہ معنیٰ ''اَغْطِيَةً'' ہے یعنی پردے اور وہ ''کنان'' کی جمع ہے جس کا معنی پردہ ہے (اور ''اَنْ يَّفْقَهُوْهُ'' اصل میں ''لِئَلَّا يَفْقَهُوْهُ'' ہے یعنی تا کہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں) ﴿ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ﴾ اور ان کے کانوں میں گرانی ہے' جس کے سبب قرآن مجید اور حق بات کا سننا ان پر دشوار ہے [پہلے ''مَنْ'' کے لفظ کا اعتبار کر کے مفرد صیغے استعمال کیے گئے' پھر ''مَنْ'' کے معنی کا اعتبار کر کے جمع کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں] ﴿ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا ﴾ اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! اگر آپ ہدایت یعنی ایمان کی طرف ان کو بلائیں تو وہ لوگ ہرگز ہدایت قبول نہیں کریں گے' لہٰذا یہ بات یقینی ہے کہ ان کی طرف سے ہدایت ناممکن ہے ﴿ اِذًا ﴾ [یہ شرط کی جزا اور اس کا جواب ہے اور یہ دعوت رسول پر ہدایت قبول نہ کرنے کی دلیل ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک ان لوگوں نے ہدایت کے وجود کے سبب کو ہدایت کی نفی کا سبب بنا دیا] اور نیز یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بات کا جواب ہے' اس تقدیر پر کہ گویا حضور نے فرمایا کہ مجھے کیا ہوا کہ ان کے اسلام قبول کرنے کی خواہش رکھنے کے باوجود میں ان کو ہدایت کی طرف نہ بلاؤں؟ تو اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ ہرگز ہدایت قبول نہیں کریں گے ﴿ اَبَدًا ﴾ ہمیشہ کے لیے تکلیف کی پوری مدت' یعنی زندگی بھر ہدایت قبول نہیں کریں گے۔

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ۝ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝

اور آپ کا پروردگار بہت بخشنے والا' نہایت رحمت والا ہے' انہوں نے جو کچھ کیا ہے اس پر اگر اللہ تعالیٰ ان کی گرفت کرلے تو بہت جلد ان پر عذاب لے آئے' بلکہ ان کے لیے وعدہ کا وقت مقرر ہے وہ اس کے سوا کہیں بھی ہرگز پناہ گاہ نہیں پائیں گے ۝ اور یہ وہ بستیاں ہیں کہ جب انہوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے وعدہ کا وقت مقرر کر رکھا تھا ۝ اور جب موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں نہیں ٹھہروں گا یہاں تک کہ میں دو دریاؤں کے ملنے کے مقام پر پہنچ جاؤں یا میں عرصۂ دراز تک چلتا رہوں گا ۝ پھر جب دونوں دریاؤں کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو وہ دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے' سو مچھلی نے دریا میں سرنگ بناتے ہوئے اپنا راستہ بنالیا ۝

۵۸- ﴿ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ﴾ اور آپ کا پروردگار بہت بخشنے والا ہے۔ [''غَفُوْرٌ'' مبالغہ کے لیے ہے' جس کا معنی ہے: بہت زیادہ اور بے انتہاء بخشش فرمانے والا] ﴿ ذُو الرَّحْمَةِ ﴾ بہت مہربان ہے' کیونکہ وہ رحمت کے ساتھ متصف ہے ﴿ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ﴾ انہوں نے جو کچھ فتنہ وفساد اور کفر و شرک اور گناہوں کا ارتکاب کیا تھا' اگر اللہ تعالیٰ ان پر ان کی گرفت فرماتا تو بہت جلد ان پر عذاب نازل کر دیتا یعنی یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی کہ اہل مکہ کو کافی عرصہ

تک مہلت دیتا رہا اور جلد از جلد ان کی گرفت نہیں فرمائی حالانکہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سخت ترین دشمن تھے ﴿بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ﴾ بلکہ ان کے لیے وعدہ کا وقت مقرر ہے اور وہ بدر کا دن ہے ﴿لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا﴾ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نجات دینے والا ہر گز نہیں پائیں گے اور نہ کوئی پناہ گاہ پائیں گے [''وَاَلَ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی نجات پاتا ہے اور جب کوئی کسی کی پناہ لیتا ہے تو ''وَاَلَ اِلَيْهِ'' بولا جاتا ہے]۔

۵۹-﴿وَتِلْكَ﴾ [مبتدا ہے] ﴿الْقُرٰٓى﴾ [صفت ہے کیونکہ اسماء اشارہ اسماء جنس کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں] ﴿اَهْلَكْنٰهُمْ﴾ [خبر ہے یا ''تِلْكَ الْقُرٰى'' شریطۃ التفسیر کی بناء پر مضمر (پوشیدہ) فعل ''اَهْلَكْنَا'' سے منصوب ہے] اور معنی یہ ہے کہ ہم نے ان بستیوں میں رہنے والوں کو ہلاک کر دیا اور ان سے قوم نوح اور عاد اور ثمود کی قومیں مراد ہیں ﴿لَمَّا ظَلَمُوْا﴾ جب انہوں نے ظلم کیا جیسا اہل مکہ نے ظلم کیا ﴿وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا﴾ اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے وقت مقرر کر رکھا تھا جس سے وہ پیچھے نہیں ہو سکتے تھے جیسا کہ ہم نے اہل مکہ کے لیے بدر کا دن مقرر کیا اور ''مَهْلِكٌ'' کا معنی ہے: ہلاکت کا وقت [امام حفص کی قراءت میں میم مفتوح اور لام مکسور ''مَهْــلِكٌ'' ہے اور ابو بکر کی قراءت میں دونوں مفتوح (یعنی ''مَهْلَكٌ'') ہیں یعنی ان کی ہلاکت کے وقت یا ان کی ہلاکت اور ''مؤعد'' کا معنی وقت ہے یا مصدر ہے]۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لیے سفر کرنا

۶۰-﴿وَاِذْ﴾ ''وَاذْكُرْ اِذْ'' اور اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب ﴿قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا اور وہ خادم حضرت یوشع بن نون ہیں اور ان کو ''فتٰی'' صرف اس لیے کہا گیا ہے کہ حضرت یوشع بن نون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمیشہ بہت خدمت کرتے تھے اور ان کی اتباع کرتے تھے اور ان سے تعلیم حاصل کرتے تھے ﴿لَاۤ اَبْرَحُ﴾ میں ہمیشہ چلتا رہوں گا [اس کی خبر حذف کر دی گئی ہے کیونکہ اس پر حال اور کلام دلالت کرتا ہے لیکن پہلا تو اس لیے کہ سفر کا حال تھا اور دوسرا اس لیے کہ ارشاد ہے:] ﴿حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ﴾ یہاں تک کہ میں دو دریاؤں کے ملنے کے مقام پر پہنچ جاؤں [اس میں غایت کو بیان کیا گیا ہے جو اپنے مغیّا کے وجود کا تقاضا کرتی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ معنی یہ ہو:] ''لَا اَبْرَحُ (اَسِيْرُ) حَتّٰى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ'' یعنی میں ہمیشہ چلتا رہوں گا یہاں تک کہ میں دو دریاؤں کے ملنے کے مقام پر پہنچ جاؤں اور یہ وہ مقام ہے جس میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے درمیان ملاقات کا وعدہ کیا گیا تھا اور یہ بحر فارس اور بحر روم کے ملنے کی جگہ پر واقع تھا اور آپ کا نام خضر اس لیے رکھا گیا تھا کہ آپ جہاں نماز ادا فرماتے اس جگہ کا ارد گرد ہرا بھرا اور سرسبز و شاداب ہو جاتا تھا ﴿اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا﴾ یا میں لمبی مدت تک چلتا رہوں گا۔ بعض نے کہا کہ ''حُقُبًا'' کا معنی ہے: اسّی سال۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کے ساتھ مصر کے ملک پر قابض ہو گئے اور قبطیوں کی ہلاکت کے بعد وہاں قیام پذیر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ سے درخواست کہ تجھے تیرے بندوں میں سے سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو مجھے یاد کرتا ہے اور مجھے کبھی نہیں بھولتا۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ تیرے بندوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کس کا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور خواہشات کی پیروی نہیں کرتا۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ تیرے بندوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جو اپنے علم میں اضافے کے لیے لوگوں سے علم حاصل کرتا رہے ممکن ہے کہ کوئی ایسا کلمہ حاصل کر لے جو ہدایت کی رہنمائی کر دے یا اسے ہلاکت سے بچا لے' سو حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ اگر تیرے بندوں میں کوئی مجھ سے زیادہ علم والا

ہے تو مجھے اس کا پتا بتایئے تا کہ میں اس سے علم حاصل کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھ سے زیادہ علم رکھنے والا (حضرت) خضر (علیہ السلام) ہے' حضرت موسیٰ نے عرض کیا: میں اسے کہاں تلاش کروں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دونوں دریاؤں کے سنگم کے قریب ساحل پر چٹان کے پاس انہیں تلاش کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مجھے ان کے بارے میں کیسے معلوم ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک مچھلی بھون کر اپنے سامان میں رکھ لو' جہاں یہ مچھلی گم ہو جائے گی وہی جگہ ان کے ملنے کی ہوگی' چنانچہ آپ نے مچھلی اپنے سامان میں رکھ کر اپنے خادم حضرت یوشع بن نون کو دی اور فرمایا: جہاں یہ مچھلی گم ہو جائے مجھے بتا دینا' پھر دونوں سفر پر روانہ ہو گئے یہاں تک کہ مجمع البحرین کے ساحل پر پہنچ گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سو گئے اور مچھلی قدرتِ الٰہی سے زندہ ہو کر اچھلی اور دریا میں کود گئی' پھر جب حضرت موسیٰ اپنے خادم کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو کر آگے چلے گئے اور کھانا کھانے کا وقت ہو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی طلب کی تو خادم نے آپ کو بتایا کہ مچھلی تو دریا میں کود گئی ہے' چنانچہ دونوں واپس چٹان پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک آدمی چادر لپیٹ کر بیٹھا ہوا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ہماری سرزمین پر سلام کرنے والا کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اپنا تعارف کرایا تو حضرت خضر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا علم (یعنی علمِ باطن) مجھے عطا فرمایا ہے جس کو آپ کماحقہ' نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ نے ایک علم (یعنی علمِ شریعت) آپ کو عطا فرمایا ہے جس کو میں کماحقہ' نہیں جانتا۔

۶۱۔ ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجۡمَعَ بَيۡنِهِمَا﴾ پھر جب وہ دونوں دو دریاؤں کے ملنے کے مقام پر پہنچے ﴿نَسِيَا حُوۡتَهُمَا﴾ تو وہ دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے یعنی ان میں سے ایک بھول گیا اور وہ حضرت یوشع بن نون تھے کیونکہ سامانِ سفر انہیں کے پاس تھا' نیز اس کی دلیل اس کا اپنا یہ قول ہے کہ ''فَاِنِّیۡ نَسِیۡتُ الۡحُوۡتَ'' پس بے شک میں مچھلی کو بھول گیا ہوں اور یہ عرب کے قول کی طرح ہے کہ ''نَسُوۡا زَادَهُمۡ'' وہ اپنا سامانِ سفر بھول گئے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ مچھلی بھونی ہوئی تھی اور وہ دونوں آبِ حیات کے چشمہ کے کنارے پر رات کو اترے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام وہیں سو گئے' پھر جب مچھلی کو پانی کی بو اور اس کی ٹھنڈک پہنچی تو وہ زندہ ہو گئی اور پانی میں کود گئی ﴿فَاتَّخَذَ سَبِيۡلَهٗ فِى الۡبَحۡرِ﴾ سو اس نے دریا میں اپنا راستہ بنایا' یعنی اس نے خشکی سے دریا کی طرف راستہ بنایا ﴿سَرَبًا﴾ سرنگ یعنی وہ مچھلی دریا میں سرنگ بناتے ہوئے پانی میں گھس گئی یعنی دریا میں داخل ہو گئی اور پانی میں چھپ گئی۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدۡ لَقِيۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيۡتَ اِذۡ اَوَيۡنَاۤ اِلَى الصَّخۡرَةِ فَاِنِّىۡ نَسِيۡتُ الۡحُوۡتَ ۡ وَمَاۤ اَنۡسٰنِيۡهُ اِلَّا الشَّيۡطٰنُ اَنۡ اَذۡكُرَهٗ‌ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيۡلَهٗ فِى الۡبَحۡرِ ‌ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبۡغِ ‌ۖ فَارۡتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۙ ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَيۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَعَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا ﴿۶۵﴾

پس جب وہ دونوں وہاں سے آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا: ہمارا صبح کا کھانا لاؤ بے شک ہمیں اس سفر سے بہت تھکن ہو گئی ہےO اس نے کہا: کیا آپ نے دیکھا تھا جب ہم اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں مچھلی بھول

گیا تھا' اور مجھے اس کو یاد رکھنا نہیں بھلایا تھا مگر صرف شیطان نے اور اس نے بڑے عجیب طریقے سے دریا میں اپنا راستہ بنالیا تھاO موسیٰ نے فرمایا: یہ وہی جگہ ہے جس کو ہم تلاش کر رہے تھے' پھر وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں پر واپس پلٹ گئےO پس انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک ایسے بندے (حضرت خضر) کو پالیا جس کو ہم نے اپنی طرف سے خاص رحمت کے ساتھ نواز دیا اور ہم نے اس کو براہِ راست اپنی طرف سے علم عطا فرمایاO

٦٢- ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا﴾ پھر جب وہ دونوں دریاؤں کے ملنے کے مقام سے روانہ ہو کر آگے بڑھ گئے اور اللہ تعالیٰ نے جتنا چاہا اتنا انہوں نے سفر کر لیا تو پھر جب وہ دونوں آرام کرنے کے لیے ایک جگہ ٹھہرے تو ﴿قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ہمارا صبح کا کھانا لاؤ' بے شک اس سفر میں ہمیں بہت تھکن پہنچی ہے جب کہ اس سے پہلے نہ تھکن ہوئی اور نہ بھوک لگی۔

٦٣- ﴿قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ﴾ خادم نے عرض کیا: کیا آپ نے دیکھا جب ہم پتھر کی چٹان کے پاس ٹھہرے تھے اور اسی مقام پر حضرت خضر سے ملاقات کا وعدہ دیا گیا تھا ﴿فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ﴾ سو میں یقیناً مچھلی کو بھول گیا ہوں' پھر اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا: ﴿وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ﴾ اور مجھے نہیں بھلایا مگر شیطان نے کیونکہ شیطان نے حضرت یوشع کے دل میں مختلف وسوسے ڈالے جس کی وجہ سے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مچھلی کے بارے میں بتانا بھول گئے [اور امام حفص کی قراءت میں "وَمَا اَنْسَانِيْهُ" میں "ہُ" ضمیر پر ضمہ (یعنی پیش) ہے] ﴿اَنْ اَذْكُرَهٗ﴾ کہ میں اس کو یاد رکھوں [یہ "اَنْسَانِيْهُ" کی "ہُ" ضمیر سے بدل ہے] یعنی اس کو یاد رکھنا مجھے نہیں بھلایا مگر شیطان نے ﴿وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا﴾ اور اس نے بڑے عجیب طریقے سے دریا میں اپنا راستہ بنالیا تھا اور یہ اس لیے کہ مچھلی دریا میں جدھر جاتی تھی' ادھر جانے کا نشان باقی چھوڑ جاتی تھی۔

٦٤- ﴿قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہی وہ مقام ہے جس کی ہمیں تلاش تھی [ابن کثیر مکی کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "نَبْغِیْ" ہے۔ ابو عمرو' علی کسائی اور نافع مدنی نے حالتِ وصل میں اس کی موافقت کی ہے اور ان کے علاوہ باقی قرآء نے دونوں حالتوں میں مصحفِ عثمانی کی اتباع کی خاطر "یا" کے بغیر "نَبْغِ" پڑھا ہے] اور "ذٰلِكَ" سے مچھلی کے دریا میں راستہ بناتے ہوئے پانی میں چھپنے کی طرف اشارہ ہے یعنی یہی وہ مقام ہے جس کو ہم تلاش کر رہے تھے کیونکہ مچھلی کا کود کر دریا میں گم ہو جانا حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کی علامت تھا ﴿فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا﴾ سو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات پر واپس پلٹ گئے' چنانچہ وہ دونوں اسی راستے میں واپس لوٹ گئے جس میں وہ دونوں آئے تھے ﴿قَصَصًا﴾ قدموں کے نشانات کے پیچھے چلنا یعنی وہ اپنے قدموں کے نشانات کی پیروی کرتے ہوئے واپس لوٹ گئے۔ علامہ زجاج نے کہا کہ "قَصَصٌ" کا معنی ہے: نشان کی پیروی کرنا۔

حضرت خضر سے ملاقات اور علم باطن کی تحصیل کے لیے شرائط کا بیان

٦٥- ﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ﴾ سو ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک خاص بندے کو پالیا یعنی حضرت خضر علیہ السلام کو جو اپنے اوپر کپڑا ڈال کر اس کے نیچے سو رہے تھے یا دریا کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے ﴿اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ ہم نے اس کو اپنے پاس سے خاص رحمت سے نوازا۔ اس رحمت سے وحیٔ الٰہی اور نبوت مراد ہے یا خاص علم یا لمبی زندگی مراد ہے ﴿وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ اور ہم نے اس کو اپنی طرف سے علم لدنی سکھایا یعنی غیبوں کی خبریں بیان کرنا اور بعض حضرات نے فرمایا: علم لدنی مراد ہے جو بندۂ خدا کو الہام کے طور پر حاصل ہوتا ہے۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿٦٩﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٧٠﴾

موسیٰ نے اس سے فرمایا کہ کیا میں اس شرط پر آپ کی پیروی کر سکتا ہوں کہ جو رہنما علم آپ کو سکھایا گیا ہے وہ آپ مجھے سکھا دیں O اس نے فرمایا: بے شک آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے O اور آپ اس پر کیسے صبر کریں گے جو آپ کے احاطۂ علم میں نہیں ہے O موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے ضرور صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا O اس نے فرمایا: سو اگر آپ میری پیروی کرنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرنا یہاں تک کہ میں خود اس کا ذکر آپ سے بیان کر دوں گا O

٦٦- ﴿قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ کیا میں اس شرط پر آپ کی پیروی کر سکتا ہوں کہ جو رہنما علم آپ کو سکھایا گیا ہے وہ آپ مجھے سکھا دیں ''اَیْ عِلْمًا ذَا رُشْدٍ اُرْشَدُ بِهٖ فِیْ دِیْنِیْ'' یعنی ایسا رہنمائی کرنے والا علم جس سے میں اپنے دین کے بارے میں رہنمائی حاصل کرتا رہوں [ابو عمرو کی قراءت میں ''رَشَدًا'' ہے (پہلے دونوں حروف مفتوح ہیں) اور یہ دو لغات ہیں جیسے: ''بَخَلٌ وَ بُخْلٌ'' ہیں] اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ علم حاصل کرنا چھوڑ دے اگرچہ وہ علم و فضیلت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو چکا ہو اور دوسرا یہ کہ اپنے سے بڑے علم والے کے سامنے تواضع اور عاجزی اختیار کرے۔

٦٧- ﴿قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ بے شک آپ میرے ساتھ سوال کرنے اور انکار کرنے سے ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے [امام حفص کی قراءت میں ''مَعِیَ'' کی ''یا'' پر فتح (یعنی زبر) ہے اور اسی طرح اس کے بعد اس سورت میں ''مَعِیَ'' میں ''یا'' پر فتح ہے]۔

٦٨- ﴿وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا﴾ اور آپ اس پر کیسے صبر کریں گے جو آپ کے احاطۂ علم میں نہیں ہے [''خُبْرًا'' تمیز ہے] حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ رہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صبر نہ کر سکنے کی تاکید بیان کی گئی ہے اور اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ایسے اُمور کے حامل ہیں جو بہ ظاہر بُرے ہیں اور نیک آدمی جب کوئی بُرا کام دیکھتا ہے تو وہ اس پر جزع فزع کیے بغیر اور اس پر احتجاج کیے بغیر نہیں رہ سکتا تو بھلا ایک نبی اور پیغمبر کیسے صبر کر سکے گا؟

٦٩- ﴿قَالَ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے ضرور صبر کرنے والا پائیں گے (یعنی آپ مجھے کسی کام پر) انکار اور اعتراض کرنے سے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے ﴿وَّلَاۤ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا﴾ اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا [یہ جملہ

''صَابِرًا'' پر معطوف ہونے کی بناء پر محلًا منصوب ہے] یعنی آپ مجھے صبر کرنے والا اور نافرمانی نہ کرنے والا پائیں گے [یا یہ ''سَتَجِدُنِی'' پر معطوف ہے اور اس کے لیے اعراب کے اعتبار سے کوئی محل نہیں ہے]۔

۷۰۔﴿قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ﴾ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر میری پیروی کرنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی کام کے متعلق سوال نہ کرنا [قاری نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں لام مفتوح اور نون مشدد (یعنی ''فَلَا تَسْـَٔلَنِّیْ'') ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء کے نزدیک لام ساکن اور نون مخفف (یعنی ''فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ'') ہے اور ''یا'' دونوں صورتوں میں متفقہ طور پر ثابت رہے گی] ﴿حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ یہاں تک کہ میں خود اس کا ذکر تجھ سے بیان کر دوں یعنی آپ کے لیے میری پیروی کرنے کی شرط یہ ہے کہ جب آپ مجھ سے کوئی ایسا کام دیکھیں جس کے متعلق مجھے علم ہے کہ وہ صحیح ہے مگر اس کے صحیح ہونے کی حکمت آپ سے پوشیدہ ہو تو آپ اپنے دل میں بُرا منائیں مگر مجھ سے اس کے بارے میں سوال اور اعتراض نہ کرنا اور نہ اس کے بارے میں مجھ سے رجوع کرنا یہاں تک کہ میں خود اس کی حکمت آپ سے بیان کر دوں اور یہ عالم کے ساتھ متعلم اور متبوع کے ساتھ تابع کے ادب کا تقاضا ہے۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَ لَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

پھر وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہو گئے تو خضر نے اس میں سوراخ کر دیا' موسیٰ نے فرمایا: کیا آپ نے اس میں اس لیے سوراخ کر دیا تا کہ اس میں سواروں کو غرق کر دیں' بے شک آپ نے بڑا عجیب و خطرناک کام کیا ہے ○ خضر نے فرمایا: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ یقیناً ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے ○ موسیٰ نے فرمایا کہ مجھ سے جو بھول ہو گئی ہے اس پر آپ میری گرفت نہ فرمائیں اور آپ میرے کام میں مجھ پر سختی کر کے مجھے مشکل میں نہ ڈالیے ○ پھر وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب انہوں نے ایک لڑکے سے ملاقات کی تو خضر نے اس کو قتل کر ڈالا' موسیٰ نے فرمایا: کیا آپ نے ایک پاکیزہ جان کو بغیر کسی جان کے بدلے قتل کر دیا' بے شک آپ نے بہت بُرا کام کیا ہے ○

کشتی میں سوار ہو کر اس میں سوراخ کرنے کا بیان

۷۱۔﴿فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا﴾ پھر جب حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام دریا کے کنارے پر کشتی کی تلاش میں روانہ ہو گئے یہاں تک کہ جب وہ کشتی میں سوار ہونے لگے تو کشتی میں سوار لوگوں نے کہا: یہ دونوں چور معلوم ہوتے ہیں مگر کشتی کے مالک نے پہچان لیا اور کہنے لگا: میں پیغمبروں کے مبارک چہرے دیکھ رہا ہوں' چنانچہ انہوں نے انہیں بغیر کرایہ وصول کیے کشتی میں سوار کر لیا اور جب کشتی دریا کی عین موج میں پہنچ گئی تو حضرت خضر علیہ السلام

نے کشتی میں موجود کلہاڑا اٹھایا اور کشتی کو چیر دیا اور وہ اس طرح کہ پانی کے نزدیک تختوں میں سے دو تختے اکھیڑ دیئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً اپنے کپڑوں سے وہ سوراخ بند کرنا شروع کر دیا پھر ﴿قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا: کیا آپ نے کشتی میں اس لیے سوراخ کر دیا ہے کہ اس میں سوار ہونے والوں کو غرق کر دیں [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "تَا" کی بجائے "یَا" کے ساتھ "لِیَغْرَقَ اَهْلُهَا" ہے بہرحال یہ "غَرَقَ" سے ماخوذ ہے] ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا﴾ بے شک آپ نے بڑا عجیب وغریب اور بڑا خطرناک کام کیا ہے [یہ "اَمِرَ الْاَمْرُ" سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی بہت بڑا کام ہو جائے]۔

۷۲-﴿قَالَ﴾ یعنی حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ بے شک آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے۔

۷۳-اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ سوراخ سے کشتی میں پانی داخل نہیں ہوا اور نہ کوئی سوار کشتی سے اترا ہے ﴿قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ﴾ تو آپ نے حضرت خضر سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ میرے اس کام پر گرفت نہ فرمائیں جو میں بھول گیا ہوں یا جس چیز کو میں بھول گیا ہوں یا میرے بھولنے پر گرفت نہ فرمایئے آپ کا مقصد یہ تھا کہ میں حضرت خضر کی وصیت کو بھول گیا ہوں اور بھول جانے پر کوئی گرفت نہیں کی جاتی یا بھولنے سے ترک کرنا اور چھوڑنا مراد ہے یعنی آپ اپنی وصیت کے ترک کرنے پر میری گرفت نہ فرمایئے جس کو میں نے پہلی مرتبہ ترک کر دیا ہے ﴿وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا﴾ اور آپ میرے کام میں مجھے مشکل میں نہ ڈالیے۔ "رَهَقَهٗ" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی تکلیف میں مبتلا ہو جائے اور "اَرْهَقَهٗ اِيَّاهُ" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی پر ناقابلِ برداشت بوجھ ڈال دے یعنی آپ میرے کام کے بارے میں مجھے سخت ترین مشقت میں نہ ڈالیے اور وہ آپ کا ہر حال میں ان کی پیروی کرنا ہے یعنی آپ اپنی پیروی کی خاطر مجھ پر سختی نہ کیجئے بلکہ آپ روک ٹوک کو ترک کرتے ہوئے چشم پوشی سے کام لے کر مجھ پر اپنی پیروی کو آسان بنائیں۔

بے گناہ لڑکے کو قتل کرنے کا بیان

۷۴-﴿فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ﴾ پھر وہ دونوں (یعنی حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہما السلام) چل پڑے یہاں تک کہ وہ ایک لڑکے سے ملے اور حضرت خضر علیہ السلام نے اس کو قتل کر دیا۔ بعض نے فرمایا کہ حضرت خضر نے اس لڑکے کا سر پکڑ کر دیوار سے دے مارا جس کی وجہ سے وہ مر گیا اور بعض نے فرمایا کہ حضرت خضر نے اس کو پکڑ کر زمین پر لٹایا پھر چھری کے ساتھ اس کو ذبح کر ڈالا [اور "فَقَتَلَهٗ" میں "فَا" اور "خَرَقَهَا" میں بغیر "فَا" کے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ کشتی میں سوراخ کرنے کو شرط کے لیے جزاء قرار دیا گیا جب کہ لڑکے کے قتل کو شرط کے اجزاء میں سے قرار دیا گیا ہے کیونکہ "فَقَتَلَهٗ" شرط یعنی "لَقِيَا" پر معطوف ہے اور اس کی جزاء "قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا" کو قرار دیا گیا ہے اور ان دونوں کے درمیان اس لیے خلاف رکھا گیا ہے کہ کشتی میں سوراخ سوار ہونے کے بعد نہیں کیا گیا (بلکہ سوار ہو جانے کے دوران جب سب سواریاں کشتی میں موجود تھیں اس وقت سوراخ کیا گیا تھا بعد میں نہیں) جب کہ لڑکے کو ملاقات کے بعد قتل کیا گیا تھا] ﴿قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا آپ نے ایک بے گناہ جان کو قتل کر ڈالا ہے؟ [اہل حجاز ابو عمرو کی قراءت میں "زَاكِيَةً" ہے] اور "زَكِيَّةً" گناہوں سے پاک جان کو کہا جاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک یہ لڑکا اس لیے گناہوں سے پاک تھا کہ آپ نے اسے گناہ کرتے نہیں دیکھا تھا یا اس لیے کہ وہ چھوٹا لڑکا تھا ابھی

جوانی کی حد میں نہیں پہنچا تھا ﴿بِغَیْرِ نَفْسٍ﴾ بغیر کسی جان کے بدلے یعنی اس لڑکے نے کسی جان کو قتل نہیں کیا تھا جس کے بدلے میں اسے قتل کیا جاتا۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ نجدہ حروری کو سوال لکھ کر پوچھا گیا کہ لڑکے کا قتل کرنا کیونکر جائز ہوا حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ اگر تمہیں بچوں کے حالات کا علم حاصل ہو جائے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عالم (حضرت خضر) بچوں کے حالات جانتے تھے تو پھر تمہارے لیے قتل کرنا جائز ہو جائے گا ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا نُّكْرًا﴾ بے شک آپ نے بہت بُرا کام کیا ہے [نافع مدنی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں کاف پر ضمہ ''نُکُرًا'' ہے] اور اس کا معنی ہے بُرا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ کشتی میں سوراخ کرنا لڑکے کو قتل کرنے سے زیادہ بُرا ہے کیونکہ ایک جان کو قتل کرنا سواریوں سے بھری کشتی کو غرق کرنے سے تھوڑا بُرا اور کم گناہ ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ لڑکے کو قتل کرنا کشتی میں سوراخ کرنے سے زیادہ بُرا اور بڑا گناہ ہے کیونکہ کشتی کے سوراخ کو بند کر کے اس کی تلافی ممکن ہے جب کہ قتل کی تلافی ممکن نہیں ہے۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿٧٥﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا ﴿٧٦﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ِۣ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا ﴿٧٧﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَ بَیْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾

خضر نے فرمایا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ بے شک آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے O موسیٰ نے فرمایا: اگر میں اس کے بعد آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا' بے شک میری طرف سے آپ معذرت کی انتہاء کو پہنچ چکے O پھر وہ دونوں چل پڑے' یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک بستی والوں کے پاس پہنچے (اور) اس میں رہنے والے لوگوں سے کھانا مانگا تو انہوں نے ان کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا' سو ان دونوں نے اس بستی میں ایک ایسی دیوار پائی جو گرنا چاہتی تھی تو اس (خضر) نے اسے سیدھا کر دیا' موسیٰ نے فرمایا: اگر آپ چاہتے تو اس کام پر اجرت لے لیتے O خضر نے فرمایا: یہ وقت میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا ہے' اب میں آپ کو ان باتوں کی حقیقت بتاؤں گا جن پر آپ صبر نہیں کر سکے O

٧٥- ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا﴾ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ یقیناً ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے؟ حضرت خضر نے یہاں ''لَكَ'' کا لفظ زیادہ فرمایا ہے کیونکہ اس قتل میں بُرائی زیادہ ہے۔

٧٦- ﴿قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں اس کے بعد یعنی اس مرتبہ یا اس مسئلہ کے بعد کسی چیز کے بارے میں آپ سے سوال کروں ﴿فَلَا تُصٰحِبْنِیْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا﴾ تو

آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا بے شک آپ میری طرف سے معذرت کی انتہاء کو پہنچ چکے' لہٰذا میں اپنے اور آپ کے درمیان جدائی کے بارے میں معذرت پیش کرتا ہوں[نافع مدنی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں''لدنی'' میں نون مخفف (یعنی غیر مشدد) ہے]۔

بخیلوں کی بستی میں بغیر اجرت گرتی دیوار تعمیر کر دینے کا بیان

۷۷۔﴿ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ﴾ پھر وہ دونوں چل پڑے' یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک بستی والوں کے پاس پہنچے۔ یہ انطا کیہ نامی بستی تھی یا پھر ایلہ تھی اور اللہ تعالیٰ کی زمین میں آسمان سے سب سے زیادہ دور یہی بستی تھی ﴿ اِسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا ﴾ اس بستی میں رہنے والے لوگوں سے انہوں نے کھانا مانگا یعنی مہمان نوازی کا مطالبہ کیا ﴿ فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا ﴾ تو انہوں نے ان کو کھانا کھلانے سے انکار کر دیا یعنی انہوں نے ان کو اپنے پاس ٹھہرانے اور ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ''ضَیَّفَہٗ'' کا معنی ہے کہ فلاں آدمی نے مہمان کو اپنے پاس ٹھہرایا اور اس کی مہمان نوازی کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اس بستی میں رہنے والے لوگ بڑے بخیل تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جن بستیوں میں بخل سے کام لیا جاتا ہے' ان میں سب سے زیادہ بدترین بخیل لوگ اسی بستی کے باشندے تھے ﴿ فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا ﴾ سو ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار پائی جس کی لمبائی ایک سو ہاتھ تک تھی ﴿ یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ ﴾ وہ گرنا چاہتی تھی' (یعنی) گرنے کے قریب تھی اور بطورِ استعارہ ارادہ سے قرب و نزدیک کا معنی مراد لیا گیا ہے جیسا کہ ارادہ کے لیے''ھم'' اور عزم مراد لیے جاتے ہیں ﴿ فَاَقَامَهٗ ﴾ تو حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اس دیوار کو سیدھا کھڑا کر دیا یا انہوں نے اپنے ہاتھ سے اسے چھوا تو وہ کھڑی ہو کر سیدھی ہو گئی یا پھر حضرت خضر نے پہلے اسے توڑا اور از سر نو دوبارہ تعمیر کر دیا اور اس وقت کھانا کھانے کے لیے ان دونوں کی اضطراری حالت ہو چکی تھی اور بھوک کی وجہ سے کھانے کی سخت احتیاج تھی اور اس احتیاج نے ان دونوں کو آدمی کی دوسری کمائی پر مجبور کر دیا تھا اور وہ ہے سوال کرنا اور انہوں نے اس بستی میں کسی کو ہمدرد و غم خوار نہ پایا' لہٰذا جب حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار کو سیدھا کھڑا کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھوک کی حاجت کے چھونے اور کھانے سے محروم رہنے کی حالت کو دیکھ کر اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے یہاں تک کہ حضرت خضر علیہ السلام سے ﴿ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا ﴾ فرمایا: اگر آپ چاہتے تو البتہ آپ اس پر مزدوری لے لیتے یعنی آپ اپنے عمل پر اجرت کا مطالبہ کرتے تاکہ اس مزدوری کے ذریعے اپنی ضرورت کو پورا کر لیتے [''لَتَخِذْتَ'' میں ابوعمرو بصری کی قراءت میں''تا'' مخفف''خا'' مکسور اور ذال مدغم ہے جبکہ ابن کثیر مکی کی قراءت میں ذال میں ادغام کی بجائے اظہار ہے اور امام حفص کی قراءت میں''تا'' مشدد''خا'' مفتوح اور ذال میں اظہار ہے اور باقی قراء کے نزدیک''تا'' مشدد اور''خا'' مفتوح اور ذال دوسری تاء میں مدغم ہے اور''تخذ'' میں''تا'' اصلی ہے جیسا کہ''تبع'' میں تاء اصلی ہے اور''اِتَّخذ'' اسی سے باب افتعال سے ہے جیسا کہ''اِتَّبع''،''تبع'' سے ماخوذ ہے''تخذ یتخذ'' کا''اخذ'' سے کچھ تعلق نہیں ہے]۔

۷۸۔﴿ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَ بَیْنِكَ ﴾ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا سبب ہے۔ یہ تیسرے سوال کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ اعتراض جدائی کا سبب ہے [اور اصل میں''هٰذَا فِرَاقٌ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ'' ہے اور اس طرح بھی پڑھا گیا ہے' پھر مصدر کی ظرف کی طرف اضافت کی گئی ہے جیسا کہ مفعول بہ کی طرف اضافت کی جاتی ہے] ﴿ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ﴾ اب میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہیں کر سکے۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾

لیکن کشتی تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کرتے تھے' سو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں اور ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھاO اور لیکن رہا لڑکا تو اس کے ماں باپ دونوں ایمان دار تھے' پس ہمیں خطرہ محسوس ہوا کہ وہ ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں پھنسا دے گاO سو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب انہیں اس سے بہتر پاکیزہ اور رحم دلی کے زیادہ قریب لڑکا عطا فرمائےO

کشتی میں سوراخ کرنے اور لڑکے کو قتل کرنے اور دیوار کو سیدھا کرنے کی حکمتوں کا بیان

۷۹- ﴿اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ﴾ لیکن کشتی تو چند مسکینوں کی تھی جو (روزی حاصل کرنے کے لیے) دریا میں کشتی رانی کا کام کرتے تھے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ کشتی دس بھائیوں کی تھی جن میں سے پانچ لنگڑے تھے اور پانچ دریا میں کام کرتے تھے ﴿فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا﴾ سو میں نے چاہا کہ میں اسے عیب دار کر دوں (اور) میں اس کو عیب والا بنا دوں ﴿وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ﴾ اور ان کے آگے یا ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا اور ان کشتی والوں کا راستہ واپسی میں اس بادشاہ کے پاس سے گزرتا تھا اور ان کو اس کا علم نہیں تھا جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں حضرت خضر علیہ السلام کو علم عطا فرما دیا تھا اور اس بادشاہ کا نام جلندی تھا ﴿يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا﴾ وہ ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا یعنی وہ ہر صحیح سلامت کشتی جس میں کوئی عیب نہیں ہوتا تھا اس کو زبردستی چھین لیتا تھا اور اگر اس میں کوئی عیب ہوتا تو اس کو چھوڑ دیتا تھا [اور ''غَصْبًا'' مصدر ہے یا مفعول لہ ہے] اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ''فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا'' کشتی کے غصب ہو جانے کے خوف سے مسبب ہے' لہٰذا اس کا حق تو یہ تھا کہ اس کو سبب سے مؤخر ذکر کیا جاتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد تاخیر ہی ہے لیکن عنایت و مہربانی کے اظہار کے لیے اس کو مقدم ذکر کر دیا گیا ہے۔

۸۰- ﴿وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ﴾ اور لیکن لڑکا تو اس کے ماں باپ ایمان دار تھے اور اس لڑکے کا نام حسین تھا ﴿فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا﴾ پس ہمیں خوف دامن گیر ہوا کہ وہ لڑکا ان دونوں کو سرکشی و کفر میں مبتلا کر دے گا (یعنی) ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ اپنے مسلمان والدین کو سرکشی و گمراہی اور کفر میں پھنسا دے گا کیونکہ محبت اولاد کی وجہ سے وہ دونوں اس کی نافرمانی و سرکشی اور اس کی بدعملی پر نرم پہلو اختیار کر لیں گے جس کے سبب وہ ان دونوں کو شر و بلا میں مبتلا کر دے گا اور وہ اپنے مکر و فریب سے ان کو سرکش و ظالم بنا دے گا اور اپنی گمراہی سے انہیں بھی گمراہ کر دے گا' چنانچہ وہ دونوں ماں باپ اپنے اس لڑکے کی وجہ سے اسلام سے مرتد ہو جائیں گے اور یہ حضرت خضر علیہ السلام کا کلام ہے اور حضرت خضر کو اس لڑکے کے متعلق یہ خوف اس لیے لاحق ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے حال سے آگاہ فرما دیا تھا' نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے باطنی اور پوشیدہ معاملے پر مطلع فرما دیا تھا اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو ''فَخَشِيْنَا'' کا معنی ''فَعَلِمْنَا''

ہے یعنی ہمیں معلوم تھا کہ اگر لڑکا زندہ رہا تو اپنے والدین کے کفر کا سبب بنے گا۔

٨١- ﴿فَاَرَدْنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ﴾ سو ہم نے چاہا کہ ان کا رب تعالیٰ ان کو اس کے بدلے میں بہتر اور اچھا لڑکا عطا فرمائے [نافع مدنی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں دال مشدد کے ساتھ ''یُبَدِّلَ'' (باب تفعیل سے) ہے] ﴿زَكٰوةً﴾ پاکیزہ اور گناہوں سے پاک ﴿وَّاَقْرَبَ رُحْمًا﴾ اور رحمت و مہربانی کے زیادہ قریب ہو [''زکوٰۃً'' اور ''رُحْمًا'' دونوں تمیز ہیں]۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس لڑکے کے مرنے کے بعد اس کے والدین کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس سے ایک نبی نے شادی کی' جس سے ایک نبی پیدا ہوا' یا پھر اس سے ستر نبی پیدا ہوئے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس لڑکے کے بدلے اس کے والدین کو انہیں جیسا نیک ایمان دار بیٹا عطا فرمائے گا [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''رَا'' اور ''حَا'' دونوں پر پیش (یعنی ''رُحُمًا'') ہے]۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾

اور لیکن رہی دیوار تو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کا خزانہ (مدفون) تھا اور ان دونوں کا باپ بڑا نیک انسان تھا' سو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں' یہ آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے رحمت تھی' اور میں نے یہ کام اپنی رائے سے نہیں کیا' یہ ان کاموں کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہیں کر سکے تھے O اور یہ لوگ ذوالقرنین کے متعلق آپ سے سوال کرتے ہیں' فرما دیجئے کہ اب میں تمہیں اس کا ذکر پڑھ کر سناتا ہوں O بے شک ہم نے اس کو زمین میں قدرت بخشی اور ہم نے اس کو ہر چیز کا ساز و سامان عطا فرمایا O پس اس نے منزل مقصود تک پہنچانے والے راستے کی پیروی کی O

٨٢- ﴿وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ﴾ اور لیکن دیوار تو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی' ایک کا نام اُصرم اور دوسرے کا نام صریم تھا ﴿فِی الْمَدِیْنَةِ﴾ شہر میں۔ اس سے وہی مذکورہ بالا شہر مراد ہے (جس میں دیوار تعمیر کی گئی تھی) ﴿وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا﴾ اور اس دیوار کے نیچے ان دونوں کا خزانہ مدفون تھا یعنی سونے کی ایک تختی تھی جس میں تحریر تھا کہ مجھے اس پر تعجب ہے جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے' اس کے باوجود غم گین کیسے ہوتا ہے اور مجھے اس پر تعجب ہے جو رزق پر یقین رکھتا ہے' پھر حصولِ رزق میں محنت و مشقت کیونکر اٹھاتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس پر جو موت پر ایمان رکھتا ہے پھر خوش کیسے رہتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو حساب و کتاب پر ایمان رکھتا ہے' پھر غافل کیسے رہتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس پر جو دنیا اور دنیاداروں کی بھاگ دوڑ کو پہچانتا ہے اس کے باوجود اس سے کیسے مطمئن رہتا ہے اور اس کے آخر میں ''لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' تحریر

تھا یا سونے چاندی کا مدفون مال مراد ہے یا پھر چند صحیفے مراد ہیں جن میں علمی مسائل تحریر تھے اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ ہم سے پہلے لوگوں کے لیے سونا چاندی حلال تھے اور ہم پر حرام کر دیئے گئے اور مالِ غنیمت پہلے لوگوں پر حرام تھا اور ہمارے لیے حلال کر دیا ﴿وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ اور ان کا باپ نیک انسان تھا' ان لوگوں میں سے تھا جو صرف مجھ سے دوستی کرتے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ان دونوں کا ساتویں پشت میں دادا تھا اور حضرت حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے ایک خارجی (دشمنِ اہل بیت) سے دورانِ گفتگو فرمایا کہ ان دولڑکوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمائی تھی؟ اس نے کہا: اس لیے کہ ان کا باپ بڑا نیک تھا تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرا باپ اور میرا نانا اس سے بہت بہتر تھے ﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا﴾ سو آپ کے پروردگار نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں' یعنی بالغ و سمجھ دار ہو جائیں ﴿وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ اور وہ اپنا خزانہ نکال لیں آپ کے پروردگار کی رحمت سے [''رَحْمَةً'' مفعول لہ ہے یا ''اَرَادَ رَبُّكَ'' سے مصدر منصوب ہے کیونکہ یہ ''رَحِمَهُمَا'' کے معنی میں ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر رحم فرمایا] ﴿وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ﴾ اور میں نے یہ کام اپنی رائے سے نہیں کیے اور نہ میں نے خود سوچ کر اپنے اجتہاد سے کیے بلکہ میں نے یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیے ہیں [''ہٗ'' ضمیر ''کل'' کی طرف لوٹتی ہے یا صرف ''جدار'' یعنی دیوار کی طرف لوٹتی ہے] ﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی یہ تینوں جوابات ﴿تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾ ان کاموں کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہیں کر سکے تھے [''تَسْطِعْ'' میں دوسری ''تَا'' کو تخفیف کے لیے حذف کر دیا گیا ہے] اور یہاں ولی کو نبی پر فضیلت دینے کی گمراہی میں کئی قوموں کے قدم پھسل گئے اور یہ کفر جلی ہے جیسا کہ ان لوگوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر سے تعلیم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا حالانکہ وہ تو ولی تھے اور جواب یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے اور اگر وہ نبی نہیں تھے جیسا کہ بعض کا خیال ہے تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں آزمائش تھی' اس کے علاوہ اہل کتاب کہتے ہیں کہ بے شک یہ موسیٰ جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے حضرت موسیٰ بن عمران نہیں تھے بلکہ موسیٰ بن ماثان تھے اور یہ ناممکن و محال ہے کہ کوئی ولی نبی پر ایمان لائے بغیر ولی بن جائے' پھر بھلا نبی ولی سے کم کیسے ہوسکتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر سے علم حاصل کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ علم میں اضافہ اور ترقی مطلوب ہوتی ہے اور پہلے جواب میں ''فَاَرَدْتُّ'' اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اس کا فساد ظاہر ہے اور وہ کشتی میں سوراخ کرنے کا عمل ہے اور تیسرے جواب میں ''فَاَرَادَ رَبُّكَ'' اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ محض انعام ہے اور انسان کے اختیار میں نہیں ہے اور دوسرے جواب میں ''فَاَرَدْنَا'' اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ عمل کے اعتبار سے فساد ہے اور اس مقتول لڑکے کے عوض میں اچھا پاکیزہ رحم دل بچہ عطا فرمانے کے اعتبار سے انعام ہے اور علامہ زجاج نے کہا کہ ''فَاَرَدْنَا'' کا معنی ہے: ''فَاَرَادَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ'' سو اللہ عزوجل نے چاہا اور اس کی مثال قرآن مجید میں بہت زیادہ موجود ہے۔

حضرت ذوالقرنین کا بیان

۸۳- ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ﴾ اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں یعنی یہودی بطور امتحان آپ سے سوال کرتے ہیں یا ابوجہل اور اس کی جماعت کے دوسرے ساتھی آپ سے پوچھتے ہیں ﴿عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ﴾ ذوالقرنین کے متعلق۔ اس کا نام سکندر ہے جس نے پوری دنیا پر بادشاہی کی۔ بعض اہل علم نے کہا کہ پوری دنیا پر چار آدمیوں نے بادشاہی کی ہے' دو مسلمان اور دو کافر' چنانچہ مسلمانوں میں سے جن دو آدمیوں نے ساری دنیا پر حکومت کی ہے' وہ یہ ہیں: (۱) سلطان سکندر ذوالقرنین

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام' اور کافروں میں سے ایک نمرودٗ دوسرا بخت نصر ہوا ہے اور یہ نمرود کے بعد ہوا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جناب ذوالقرنین نیک انسان تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کو ساری روئے زمین کا بادشاہ بنا دیا اور ان کو علم و حکمت سے نوازا اور اللہ تعالیٰ نے روشنی اور تاریکی کو اس کے تابع کر دیا تھا اور جب وہ چلتے تو روشنی ان کے آگے رہنمائی کرتی اور تاریکی ان کے پیچھے ان کی حفاظت کرتی اور بعض اہل علم نے کہا کہ وہ نبی تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ تھا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ذوالقرنین نہ نبی تھے اور نہ فرشتہ تھے لیکن وہ ایک نیک بندے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت واطاعت میں اس کی دائیں کنپٹی پر زوردار حملہ کر کے ایسی ضرب لگائی گئی کہ سر پھٹ گیا اور موت واقع ہوگئی' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ فرما دیا' چنانچہ پھر زوردار حملہ کر کے اس کی بائیں کنپٹی پر مارا گیا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ فرما دیا' اس لیے اس کا نام ذوالقرنین رکھا گیا اور تمہارے اندر اس کی مثال موجود ہے۔ اس سے حضرت علی نے اپنی ذات مراد لی ہے (کیونکہ آپ کے سر مبارک کے دونوں کناروں پر دو زخم آئے تھے جس کی وجہ سے آپ کو بھی ذوالقرنین کہا جاتا تھا)۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ حضرت ذوالقرنین لوگوں کو توحید الٰہی کی طرف دعوت دیتے تھے جس کی وجہ سے کافروں نے آپ کو قتل کر دیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ فرما دیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ سلطان سکندر کا نام ذوالقرنین اس لیے رکھا گیا تھا کہ انہوں نے دنیا کے دونوں کونوں یعنی اس کی دونوں جانبیں مشرق و مغرب کی سیر کی تھی اور بعض نے کہا: ان کے سر پر دو سینگ یعنی بالوں کی دو مینڈھیاں تھیں' اس لیے ذوالقرنین نام پڑ گیا یا اس لیے کہ ان کی زندگی میں لوگوں کی دو صدیاں گزر گئی تھیں یا اس لیے کہ وہ دو ملک فارس اور روم کے بادشاہ ہوئے تھے یا ترک اور روم کے بادشاہ ہوئے تھے یا ان کے تاج کے نیچے دو سینگ تھے یا اس لیے کہ ان کے سر پر دو سینگوں کے مشابہ کوئی دو چیزیں اُبھری ہوئی تھیں یا وہ ماں باپ کی طرف سے کریم الطرفین تھے اور روم کے رہنے والے تھے ﴿قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْکُمْ مِّنْهُ ذِکْرًا﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ میں ابھی ذوالقرنین کا ذکر تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں۔

٨٤- ﴿اِنَّا مَکَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ﴾ بے شک ہم نے اس کو زمین پر قدرت بخشی اور ہم نے اس کے لیے زمین پر عزت و مرتبہ اور غلبہ و سر بلندی کو مقرر کر دیا ﴿وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ﴾ اور ہم نے اس کو ہر چیز عطا فرمائی۔ اس سے اس کے ملک میں اس کے اغراض و مقاصد مراد ہیں ﴿سَبَبًا﴾ ایسا راستہ جو منزلِ مقصود تک پہنچانے والا ہے۔

٨٥- ﴿فَاَتْبَعَ سَبَبًا﴾ پس اس نے منزلِ مقصود تک پہنچانے والے راستے کی پیروی کی۔ ''سَبَبٌ'' سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے ذریعے مقصود تک پہنچا جائے' خواہ وہ علم و حکمت ہو خواہ وہ قدرت و طاقت یا اقتدار و حکومت ہو' سو اس نے مغرب تک پہنچنے کا ارادہ کیا (''فَاَتْبَعَ سَبَبًا'') تو اس نے ایسے راستے کی پیروی اختیار کی جو اسے اس کی طرف پہنچا دے یہاں تک کہ وہ پہنچ گیا اور اسی طرح جب مشرق تک پہنچنے کا ارادہ کیا۔ (''فَاَتْبَعَ سَبَبًا'') تو اس نے اس کی طرف جانے والے راستے کی پیروی اختیار کی اور جب اس نے ''سَدَّیْنِ'' (دو پہاڑوں) تک پہنچنے کا ارادہ کیا (''فَاَتْبَعَ سَبَبًا'') تو اس کی طرف جانے والے راستے پر روانہ ہوگیا [اہل کوفہ اور ابن عامر شامی کی قراءت میں (تینوں جگہ میں) ''فَاَتْبَعَ. ثُمَّ اَتْبَعَ'' (ہمزہ قطعی اور ''تا'' ساکن باب افعال سے) ہے اور باقی (اہل حجاز اور اہل بصرہ) کی قراءت میں ''فَاتَّبَعَ. ثُمَّ اتَّبَعَ'' (ہمزہ وصل ''تا'' مشدد کے ساتھ باب افتعال سے) ہے۔ امام اصمعی سے منقول ہے کہ ''اَتْبَعَ'' کا معنیٰ ''لَحِقَ'' (پیچھے آ کر مل گیا) ہے اور ''اِتَّبَعَ'' کا معنیٰ ''اِقْتَفٰی'' ہے (یعنی پیچھے چلتا رہا) اور اگرچہ نہ مل سکا ہو]۔

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَغۡرُبُ فِیۡ عَیۡنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنۡدَهَا قَوۡمًا ؕ قُلۡنَا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِیۡهِمۡ حُسۡنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا ﴿۸۷﴾ وَ اَمَّا مَنۡ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالۡحُسۡنٰی ۚ وَ سَنَقُوۡلُ لَهٗ مِنۡ اَمۡرِنَا یُسۡرًا ﴿۸۸﴾ ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَطۡلُعُ عَلٰی قَوۡمٍ لَّمۡ نَجۡعَلۡ لَّهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهَا سِتۡرًا ﴿۹۰﴾

یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کے مقام پر پہنچا تو اسے سیاہ کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتا ہوا پایا اور اس کے پاس ایک قوم کو پایا' ہم نے فرمایا: اے ذوالقرنین! یا تو انہیں سزا دو یا ان کے ساتھ نیکی کرو (تمہیں اختیار ہے) O اس نے کہا: لیکن جس نے ظلم کیا ہے اسے ہم عنقریب سزا دیں گے' پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اسے سخت عذاب دے گا O لیکن جو ایمان لایا اور نیک کام کیا تو اس کے لیے بہترین بدلا ہوگا اور ہم اسے اپنا آسان حکم بجالانے کا کہیں گے O پھر وہ ایک اور منزل کے راستہ پر روانہ ہوا O یہاں تک کہ جب وہ سورج طلوع ہونے کے مقام پر پہنچا تو اس نے سورج کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے پایا جس کے لیے ہم نے اس کے سامنے کوئی پردہ حائل نہیں کیا O

٨٦- ﴿حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ﴾ یہاں تک کہ جب سورج کے غروب ہونے کے مقام پر پہنچا یعنی مغرب کی طرف آبادی کے انتہائی آخری مقام تک پہنچ گئے اور اسی طرح طلوعِ آفتاب (مشرق) کے انتہائی آخری مقام تک پہنچے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ذوالقرنین کی سیاحت کا آغاز یوں ہوا کہ اس نے ایک کتاب میں پڑھا کہ سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں کوئی ایک شخص آبِ حیات کے چشمے سے پئے گا' پھر ہمیشہ زندہ رہے گا' چنانچہ ذوالقرنین نے آبِ حیات کی تلاش میں سیر وسیاحت شروع کی اور اس کے وزیر اور خالہ زاد بھائی حضرت خضر علیہ السلام بھی اس سفر میں اس کے ساتھ تھے اور وہ آبِ حیات پینے میں کامیاب ہوگئے اور ذوالقرنین کامیاب نہیں ہو سکا تھا ﴿وَجَدَهَا تَغۡرُبُ فِیۡ عَیۡنٍ حَمِئَةٍ﴾ اس نے سورج کو ایک سیاہ کیچڑ کے چشمے میں غروب ہوتے ہوئے پایا۔ ''حَمِئَةٌ'' کا معنی ہے: سیاہ مٹی۔ یہ ''حَمِئَتِ الْبِئْرُ'' سے ماخوذ ہے' جس کا مطلب ہے: کنویں کے پانی میں سیاہ گارا غالب آ گیا [امام حفص کے علاوہ باقی اہل کوفہ اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''حَامِیَةٌ'' ہے جس کا معنی ہے: گرم]۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اونٹ پر سوار تھا کہ آپ نے سورج کو غروب ہوتے وقت دیکھا اور فرمایا: اے ابوذر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں ڈوبتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رحیم وکریم رسول بہتر جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: ''تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَامِیَةٍ'' کہ وہ گرم چشمہ میں غروب ہوتا ہے [1]۔

اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما' حضرت امیر معاویہ کے پاس موجود تھے اور امیر معاویہ نے ''حَامِیَةٌ''

[1] رواہ ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۰۲

[2] الدر المنثور ج ۵ ص ۴۴۴۔۴۴۸

پڑھا تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: "حَمِئَةٍ" ہے چنانچہ حضرت امیر معاویہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے فرمایا: تم اس کو کیسے پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا: جیسے امیر المؤمنین (امیر معاویہ) پڑھتے ہیں پھر وہ حضرت کعب احبار کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم سورج کو غروب ہوتے وقت کیسا پاتے ہو؟ انہوں نے فرمایا: پانی اور مٹی میں (یعنی سیاہ گارا میں) ہم اسے تورات میں اسی طرح پاتے ہیں سو یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے موافق ہے اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ جائز ہے کہ وہ چشمہ دونوں صفات کا اکٹھے جامع ہو (یعنی وہ چشمہ سیاہ کیچڑ بھی ہو اور گرم بھی ہو) ﴿وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا﴾ اور ذوالقرنین نے اس چشمہ کے پاس ایک ایسی قوم پائی جو کپڑوں سے عاری تھی اور وہ لوگ شکاری جانوروں کے چمڑوں کو بطورِ لباس پہنتے تھے اور ان کی خوراک دریا کی مچھلیاں تھی اور وہ لوگ کافر تھے ﴿قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا﴾ ہم نے فرمایا: اے ذوالقرنین! یا تو سزا دو اور یا ان میں بھلائی کے ساتھ سلوک کرو۔ اگر حضرت ذوالقرنین نبی تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی نازل فرمائی ورنہ ان کے نبی کی طرف وحی نازل فرمائی اور اس نے ان کو یہ بات بتائی اور حکم دیا کہ اس طرح کرو یا بذریعہ الہام آپ کو اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو ان کو قتل کے ساتھ سزا دیں بشرطیکہ وہ لوگ کفر پر اصرار کریں اور چاہیں تو ان کو احترام کے ساتھ رکھیں اور ان کے ساتھ نیکی کریں اور انہیں دین کے احکام کی تعلیم دیں اگر وہ ایمان لائیں یا عذاب دینے سے مراد انہیں قتل کرنا اور نیکی اپنانے سے ان کو صرف قیدی بنانا ہے کیونکہ قیدی بنانا قتل کے اعتبار سے احسان و نیکی کرنا ہے۔

٨٧- ﴿قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ﴾ اس نے کہا (یعنی) ذوالقرنین نے کہا کہ جس نے ظلم کیا (اور توبہ نہ کی) تو ہم عنقریب اسے سخت ترین سزا دیں گے (یعنی) ہم اسے قتل کر دیں گے ﴿ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا﴾ پھر وہ قیامت میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اسے سخت ترین سزا دے گا یعنی جس کو میں نے اسلام کی دعوت دی اور اس نے انکار کر دیا اور ظلم عظیم پر قائم رہا اور وہ شرک ہے تو ایسے ہر شخص کو دنیا میں اور آخرت میں سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔

٨٨- ﴿وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اور جو شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے یعنی جن اعمال کا ایمان تقاضا کرتا ہے ﴿فَلَهٗ جَزَآءَ ِۨالْحُسْنٰى﴾ تو اس کے لیے نیک عمل پر بھلائی ہوگی اور وہ کلمۂ شہادت ہے [ابو بکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں "جَزَآءً ِۨالْحُسْنٰى" ہے] یعنی نیک عمل پر اس کو بہترین بدلا ملے گا ﴿وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا﴾ اور ہم اپنے ہر حکم میں اس کے لیے آسانی فرمائیں گے یعنی آسان حکم دیں گے یعنی ہم اس کو مشقت والا مشکل حکم نہیں دیں گے بلکہ ہم اسے آسان ترین حکم دیں گے جیسے زکوٰۃ صدقات اور عُشر وغیرہ۔

٨٩، ٩٠- ﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ﴾ پھر وہ ایک اور منزل کے راستے پر روانہ ہوا ۝ یہاں تک کہ جب وہ سورج طلوع ہونے کے مقام پر پہنچا تو اس نے سورج کو ایک قوم پر طلوع ہوتے پایا اور وہ قوم ننگی تھی ﴿لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا﴾ ہم نے ان کے لیے سورج کے سامنے کوئی پردہ یعنی عمارتیں نہیں بنائیں۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی زمین اس قدر نرم ہے کہ اس پر مکانات نہیں بنائے جاسکتے۔ انہوں نے زمین کی گہرائی میں تہ خانے اور غار بنائے ہوئے تھے چنانچہ جب سورج طلوع ہوتا تو وہ لوگ ان تہ خانوں اور غاروں میں داخل ہو جاتے پھر جب سورج بلند ہو جاتا تو وہ اپنے سامانِ زندگی کی طرف نکل جاتے یا "ستر" سے لباس مراد ہے۔ حضرت مجاہد بیان کرتے ہیں کہ سوڈان کے جو لوگ سورج کے طلوع ہوتے وقت لباس نہیں پہنتے وہ تمام روئے زمین کے لوگوں سے زیادہ ہیں۔

كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۙ ﴿٩٥﴾

اسی طرح تھا' اور اس کے پاس جو کچھ تھا ہم نے علم کی بناء پر اس کا یقیناً احاطہ کیا ہوا ہے O پھر اس نے ایک اور منزل کی جانب راستہ کی پیروی کی O یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے دروں کے درمیان پہنچا تو اس نے ان دروں کے آگے ایک ایسی قوم کو پایا' جو کوئی بات نہیں سمجھتے تھے O انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! بے شک یاجوج ماجوج زمین میں فساد پھیلاتے ہیں تو کیا ہم آپ کے لیے اس شرط پر خاطر خواہ اجرت مقرر کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط موٹی دیوار تعمیر کر دیں O اس نے کہا: میرے پروردگار نے جو اختیارات مجھے عطا فرمائے ہیں وہ بہتر ہیں' سو تم میری جسمانی قوت سے مدد کرو تاکہ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں O

۹۱- ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ ذوالقرنین کا معاملہ اسی طرح ہے یعنی جس طرح ہم نے اس کو بیان کیا ہے کہ اس کا مرتبہ بہت بلند ہے ﴿ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ ﴾ لشکر' آلات اور بادشاہی کے اسباب میں سے جو کچھ اس کے پاس تھا' اس سب کا ہم نے احاطہ کیا ہوا ہے ﴿ خُبْرًا ﴾ [مصدر کی بناء پر منصوب ہے] کیونکہ ''اَحَطْنَا'' بہ معنیٰ ''خَبَرْنَا'' ہے کہ ہمیں سب کچھ معلوم ہے یا یہ معنی ہے کہ ذوالقرنین سورج طلوع ہونے کے مقام پر اسی طرح پہنچے جس طرح سورج غروب ہونے کے مقام تک پہنچے تھے یا یہ معنی ہے کہ سورج جس قوم پر طلوع ہوتا ہے وہ بھی اسی قوم کی طرح ہے جس پر سورج غروب ہوتا ہے' یعنی بے شک وہ بھی انہیں لوگوں کی طرح کافر تھے اور ان کا حکم بھی انہیں کے حکم کی مانند ہے کہ جو ان میں سے کفر پر اڑے رہیں گے ان کو سخت ترین عذاب دیا جائے گا اور جو ان میں سے ایمان لے آئیں گے' ان کے ساتھ احسان کیا جائے گا اور ان کو نیک بدلا دیا جائے گا۔

۹۲'۹۳- ﴿ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا O حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ ﴾ پھر وہ ایک اور منزل کی جانب راستے کی پیروی کرتا ہوا چل پڑا O یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے دروں کے درمیان پہنچا' اور وہ بہت بڑے دو پہاڑ ہیں جن کے درمیان میں جناب ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار ہے اور یہ دو پہاڑی مقام سرزمین ترک کے اختتام پر متصل مشرق کی جانب ہیں [ابن کثیر مکی' ابوعمرو اور امام حفص کی قراءت میں ''سَدَّيْنِ'' اور ''سَدًّا'' (اگلی آیت میں) ہیں کہ دونوں میں سین مفتوح ہے جب کہ حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''سُدَّيْنِ'' اور ''سُدًّا'' ہیں کہ دونوں میں سین مضموم ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک یہ کہا گیا ہے کہ جو دیوار قدرتی طور پر ''خِلْقَةً'' تیار کی گئی ہو اس میں سین مضموم ہوگی اور جو دیوار انسانوں نے تعمیر کی ہو اس میں سین مفتوح ہوگی اور ''بَيْنَ''، ''بَلَغَ'' کا مفعول بہ واقع ہونے کی بناء پر منصوب ہے' جیسا کہ ''هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِىْ وَبَيْنِكَ'' میں اضافت کی بناء پر مجرور ہے اور جیسا کہ ''لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ'' (الانعام: ۹۴) میں بعض قراءتوں میں مرفوع ہے کیونکہ یہ ان ظروف

میں سے ہے جو بطورِ اسم بھی استعمال ہوتے ہیں اور بطورِ ظرف بھی استعمال ہوتے ہیں] ﴿وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا﴾ اس نے ان دو پہاڑوں کے آگے ایک قوم کو پایا اور وہ ترک قوم تھی ﴿لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا﴾ وہ لوگ کوئی بات نہیں سمجھتے تھے یعنی وہ لوگ بڑی محنت و مشقت کے بعد اشاروں وغیرہ سے بات کو بڑی مشکل سے سمجھتے تھے [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''یُفْقِهُوْنَ'' (باب افعال سے) ہے یعنی وہ لوگ اپنی بات سننے والے کو نہیں سمجھا سکتے تھے اور نہ اس کے سامنے اپنی بات کو واضح بیان کر سکتے تھے کیونکہ ان کی زبان عجیب وغریب اور مجہول و نامعلوم تھی]۔

٩٤- ﴿قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ﴾ ان لوگوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین! بے شک یاجوج اور ماجوج (زمین میں فساد پھیلاتے ہیں) [یہ دونوں عجمی نام ہیں جس کی دلیل ان کا غیر منصرف ہونا ہے اور ان دونوں پر ہمزہ فقط امام عاصم کی قراءت میں ہے] اور یہ دونوں قومیں یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں یا پھر یاجوج ترک سے تعلق رکھتے ہیں اور ماجوج جیل اور دیلم سے تعلق رکھتے ہیں ﴿مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ وہ زمین پر فساد پھیلاتے ہیں' بعض حضرات نے کہا کہ یہ لوگ بعض اوقات انسانوں کو بھی کھا جاتے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ موسمِ بہار کے دنوں میں یہ لوگ اپنے علاقے سے نکل کر ان دو پہاڑوں کے درمیان سے گزر کر سبز کھیتوں کو کھا جاتے اور خشک کو اٹھا کر لے جاتے تھے اور اس قوم کی پشت سے پیدا ہونے والے مرد حضرات ایک ہزار سال زندگی گزار کر مرتے تھے اور یہ سب کے سب مسلح ہوتے تھے اور بعض نے کہا: یہ لوگ دو قسم کے تھے' کچھ لوگ تو انتہائی زیادہ لمبے ہوتے تھے اور کچھ لوگ بہت زیادہ چھوٹے ہوتے تھے ﴿فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا﴾ تو کیا ہم آپ کے لیے اجرت مقرر کر دیں یعنی ہم سب لوگ اپنے اپنے مالوں میں سے مال نکالیں گے اور اسے جمع کر کے تعمیرِ دیوار کی مزدوری میں آپ کو دیں گے [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''خَرْجًا'' اور ''نَوْلًا'' نیز ''خَرَاجًا'' اور ''نَوَالًا'' ایک چیز ہیں (عطیہ اور بخشش کا مال)] ﴿عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا﴾ اس بناء پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بڑی اور مضبوط دیوار تعمیر کر دیں۔

٩٥- ﴿قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ﴾ اس نے کہا کہ مجھے میرے پروردگار نے جو اختیارات عطا فرمائے ہیں وہ بہتر ہیں یعنی میرے پروردگار نے کثرتِ مال اور خوشحالی کی وجہ سے مجھے جو عزت و مرتبہ عطا فرما کر معزز و محترم بنایا ہے وہ تمہارے اس مال و متاع اور اس اجرت سے بہتر ہے جو تم مجھ پر خرچ کرو گے' پس مجھے تمہارے مال و متاع کی کوئی حاجت نہیں ہے [''مَكَّنِّيْ'' ادغام کے ساتھ ہے جب کہ ابن کثیر کی قراءت میں بغیر ادغام کے ''مَكَّنَنِيْ'' ہے] ﴿فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ﴾ پس تم جسمانی قوت (یعنی) کام' عمل' آلات و اسباب' سامان اور ایسے کاریگروں کے ذریعے میری مدد کرو جو تعمیراتی کام بہترین کر سکتے ہوں ﴿اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا﴾ تاکہ میں تمہارے اور ان (یاجوج و ماجوج قوموں) کے درمیان ایک مضبوط اور موٹی دیوار بنا دوں۔ ''رَدْمًا'' کا معنی اونچی اور مضبوط دیوار یا بہت بلند اور مضبوط قلعہ ہے جو زبردست رکاوٹ بن جائے اور ''رَدْم''، ''سَدّ'' (یعنی پہاڑ یا ڈیم) سے زیادہ بڑا ہوتا ہے۔

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿٩٧﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّاۗءَ ۚ

وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ﴿٩٨﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾

تم میرے پاس لوہے کی چادریں لے کر آؤ' یہاں تک کہ جب اس نے دیوار کو دونوں پہاڑوں کے درمیان (کے خلاء کو پُر کر کے) برابر کر دیا تو کہا کہ تم (ان چادروں میں آگ کو) پھونکو یہاں تک کہ جب اس (لوہے) کو آگ (کی طرح سرخ) بنا دیا' تو کہا کہ تم میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لے کر آؤ کہ میں اس پر انڈیل دوں O پھر وہ اس پر نہ چڑھ سکے اور نہ وہ اس میں کوئی سوراخ کر سکے O اس نے کہا کہ یہ میرے رب تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے' پھر جب میرے رب تعالیٰ کا وعدہ آئے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا' اور میرے رب تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے O اور ہم اس دن انہیں ایک دوسرے پر موجیں مارتا ہوا چھوڑ دیں گے اور صور میں پھونکا جائے گا' پھر ہم ان سب کو جمع کریں گے O

٩٦- ﴿اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ﴾ تم میرے پاس لوہے کی چادریں اور اس کے تختے لے کر آؤ۔ "زُبَر" کا معنی ہے: بڑے بڑے ٹکڑے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ذوالقرنین نے پہلے زمین میں گہری بنیاد کھدوائی' جب وہ پانی تک پہنچ گئی تو اس میں پتھر اور پگھلا ہوا تانبا ڈالا گیا اور مضبوط بنیاد پر لوہے کی چادریں اور تختے اوپر نیچے چن کر ان کے درمیان لکڑی اور کوئلہ بھر دیا گیا' یہاں تک کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان ان کی بلندی کے برابر اونچی دیوار قائم ہوگئی' پھر آگ لگا کر دھونکیوں سے پھونکا گیا یہاں تک کہ جب وہ آگ کی طرح سرخ ہوگئی تو گرم گرم لوہے پر پگھلا ہوا تانبا انڈیل دیا گیا' اس طرح سب چیزیں ایک دوسرے سے آپس میں جُڑ گئیں اور ایک دوسرے میں پیوست ہوگئیں اور ایک بلند چٹان کی طرح مضبوط اور ہموار دیوار قائم ہوگئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک سو فرسخ کا فاصلہ تھا ﴿حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ﴾ یہاں تک کہ جب وہ دیوار دونوں کناروں کے درمیان اونچائی میں پہاڑوں کے برابر ہوگئی ["صَدَفَيْنِ" صاد اور دال مفتوح کے معنی ہیں: دونوں پہاڑوں کے کنارے کیونکہ وہ ایک دوسرے کے سامنے یعنی ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہوتے ہیں۔ ابن کثیر مکی' ابو عمرو بصری اور ابن عامر شامی کی قراءت میں "صُدُفَيْنِ" صاد اور دال مضموم کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جب کہ ابو بکر کوفی کی قراءت میں "صُدْفَيْنِ" صاد مضموم اور دال ساکن کے ساتھ پڑھا جاتا ہے] ﴿قَالَ انْفُخُوْا﴾ یعنی حضرت ذوالقرنین نے تمام کام کرنے والے عملہ سے فرمایا کہ تم اس لوہے کی چادروں کے درمیان پھونکو اور دھونکو ﴿حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا﴾ یہاں تک کہ جب حضرت ذوالقرنین نے لوہے سے دھونکی گئی چادروں کو آگ بنا دیا یعنی آگ کی طرح سرخ کر دیا ﴿قَالَ اٰتُوْنِيْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا﴾ جناب ذوالقرنین نے کام کرنے والے عملہ سے فرمایا کہ تم میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ کہ میں اس گرم ترین لوہے پر انڈیل دوں۔ "قِطْرًا" کا معنی ہے: پگھلا ہوا تانبا کیونکہ پگھلا ہوا تانبا قطروں کی صورت میں بہتا ہے' اس لیے پگھلے ہوئے تانبے کو "قِطْرًا" کہا گیا ہے [اور یہ "اُفْرِغْ" کی وجہ سے منصوب ہے' اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: "اٰتُوْنِيْ قِطْرًا اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا" پھر پہلے کو حذف کر دیا گیا کیونکہ دوسرا "قِطْرًا" اس پر دلالت کرتا ہے اور قاری حمزہ کی قراءت میں الف وصل کے ساتھ "اِئْتُوْنِيْ" ہے اور جب اس سے ابتداء کی گئی تو الف کو کسرہ (زیر) دی گئی یعنی "جِيْئُوْنِيْ" میرے پاس لاؤ]۔

٩٧- ﴿فَمَا اسْطَاعُوْۤا﴾ [اس میں "تَا" کو تخفیف کے لیے گرا دیا گیا ہے کیونکہ "تَا"' "طَا" کے قریب المخرج ہے] ان کے لیے ناممکن ہے ﴿اَنْ يَّظْهَرُوْهُ﴾ کہ وہ (یاجوج اور ماجوج) اس تعمیر کردہ دیوار پر چڑھ سکیں ﴿وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾

سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾

جن کی آنکھیں ہماری یاد سے پردے میں تھیں اور وہ کچھ بھی نہیں سن سکتے تھے O سو کیا کافروں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو دوست بنالیں گے' بے شک ہم نے کافروں کی مہمانی کے لیے دوزخ کو تیار کر رکھا ہے O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا ہم تمہیں بتا دیں کہ کن لوگوں کے اعمال سب سے زیادہ ناقص ہیں O یہ وہ لوگ ہیں جن کی تمام کوشش دنیا ہی کی زندگی میں ضائع ہو گئی اور وہ یہی گمان کرتے ہیں کہ وہ یقیناً نیک کام کر رہے ہیں O

١٠١- ﴿ اِلَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کی آنکھیں میرے ذکر اور میری یاد سے محروم غلیظ و دبیز پردوں میں مستور تھیں یعنی ان کی آنکھیں میری اُن آیات کو دیکھنے سے پردے میں مستور تھیں جن کو غور سے دیکھا جانا چاہیے تھا یا قرآن سے' سو اس کے احکام کو بڑے ادب سے یاد کرنا چاہیے یا قرآن اور اس کے معانی میں غور وفکر کرنے سے ﴿ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴾ اور وہ سن نہیں سکتے تھے' یعنی وہ اس سے بہرے تھے بلکہ اس سے بڑھ کر تھے کیونکہ بہرا آدمی تبھی سن سکتا ہے جب اس کے پاس چیخ کر آواز نکالی جائے اور ان کافروں کے کان ایسے سخت بہرے ہیں کہ حق کے بارے میں کچھ نہیں سن سکتے۔

کفار کی غلط فہمی اور انجام بد کا بیان

١٠٢- ﴿ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ﴾ تو کیا کافروں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو کارساز بنالیں گے' یعنی کیا کافروں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کا میرے بندوں یعنی فرشتوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کارساز و مددگار بنالینا ان کو نفع دے گا' انہوں نے بہت بُرا گمان کر رکھا ہے [اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ "اَنْ" اپنے صلہ کے ساتھ مل کر "اَفَحَسِبَ" کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور "عِبَادِيْ' اَوْلِيَآءَ" "اَنْ يَّتَّخِذُوْا" کے مفعول ہیں اور یہ توجیہ زیادہ بہتر ہے] یعنی بے شک یہ بندگانِ خدا ان کافروں کی کارسازی نہیں فرمائیں گے (کیونکہ اولیاء اللہ کی نفع رسانی صرف اہل اسلام کے لیے ہوگی اور وہ بھی باذن اللہ ہوگی) ﴿ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴾ بے شک ہم نے کافروں کی مہمانی کے لیے دوزخ کو تیار کر رکھا ہے۔ "نُزُل" ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو آنے والے مہمان کی مہمانی کے لیے تیار کی جائے' یہ صرف کافروں کا مذاق اڑانے کے لیے کہا گیا ہے اور اس کی مثال یہ ارشاد ہے: "فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ" (آل عمران:٢١) "سو آپ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے"۔

١٠٣- ﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیا ہم تمہیں بتا دیں کہ سب سے زیادہ کن کن لوگوں کے اعمال ناقص ہیں اور یہ اہل کتاب ہیں یا ان کے مشائخ مراد ہیں ["اَعْمَالًا" تمیز ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ تمیز مفرد ہوتی' لیکن یہاں جمع اس لیے ہے کہ خواہشات مختلف ہوتی ہیں]۔

١٠٤- ﴿ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش دنیا ہی کی زندگی میں ضائع ہو گئی اور برباد ہو گئی [اور یہ محلاً مرفوع ہے کہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی "هُمُ الَّذِيْنَ"] ﴿ وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴾ اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ بے شک وہ نیک کام کر رہے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ

الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ
قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کی آیتوں اور اس کی ملاقات سے انکار کیا' سو ان کے اعمال برباد ہو گئے' پس ہم قیامت میں ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے O یہ ان کا بدلا دوزخ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغات ہیں O جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہ وہاں سے تبادلہ نہیں چاہیں گے O (اے محبوب!) فرما دیجئے: اگر تمام سمندر میرے رب تعالیٰ کے کلمات کے لیے سیاہی بن جائیں تو البتہ تمام سمندر میرے رب تعالیٰ کے کلمات کے اختتام سے پہلے ختم ہو جائیں گے O

۱۰۵- ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کی ملاقات سے انکار کیا' پس ان کے اعمال برباد ہو گئے' سو ہم قیامت کے دن ان کے لیے وزن قائم نہیں کریں گے' سو ان کے لیے ہمارے ہاں کوئی وزن اور مقدار نہیں ہو گی۔

۱۰۶- ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ﴾ یہ ان کا بدلا دوزخ ہے ["جَهَنَّمُ"۔ "جَزَآؤُهُمْ" کا عطف بیان ہے] ﴿بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا﴾ اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے کفر کیا اور انہوں نے میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا' یعنی دوزخ ان کا بدلا بننے کا سبب ان کا کفر ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسولوں کا مذاق اڑانا ہے۔

نیک مسلمانوں کی نجات' شانِ کلماتِ الٰہی اور بشریتِ نبوی کا بیان

۱۰۷'۱۰۸- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغات ہیں O جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے' وہ وہاں سے تبادلہ نہیں چاہیں گے' یعنی بہشت کو چھوڑ کر اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ منتقل ہونا پسند نہیں کریں گے بلکہ انہیں جو کچھ عطا کیا جائے گا' اس پر راضی رہیں گے جیسا کہ کہا جاتا ہے: "حَالَ مِنْ مَّكَانِهٖ حِوَلًا" کہ فلاں آدمی اپنی جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گیا ہے' یعنی جنتی کو مزید کسی چیز کی تمنا اور خواہش نہیں رہے گی تاکہ ان کے دل اپنی اغراض و مقاصد اور اپنی تمناؤں کی تکمیل کے لیے ان سے جھگڑا کریں کیونکہ جنت میں جنتیوں کے تمام اغراض و مقاصد اور تمام آرزوئیں پوری کر دی جائیں گی اور یہ انتہائی وصف ہے کیونکہ دنیا میں انسان کتنی ہی نعمتوں میں عیش کر رہا ہوں لیکن پھر بھی اس سے بہتر کی تمنا قائم رہتی ہے اور اس سے بہتر کی طرف مائل رہتا ہے یا پھر تحول (پھرنے) کی نفی سے مراد جنت میں ہمیشہ رہنے کی تاکید ہے۔

۱۰۹- ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ اگر تمام سمندر یعنی تمام سمندروں کا پانی

میرے رب تعالیٰ کے کلمات لکھنے کے لیے سیاہی بن جائے۔ حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا کہ "مداد" اسے کہا جاتا ہے جس کے ساتھ لکھا جاتا ہے (سیاہی) "اَلْبَحْرُ" سے جنس بحر مراد ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی حکمت کے کلمات لکھے جائیں اور اس کے لیے تمام سمندر سیاہی بن جائیں تو ﴿لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴾ البتہ میرے رب تعالیٰ کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے تمام سمندروں کی سیاہی ختم ہو جائے گی اور اگرچہ اس کی مثل یعنی تمام سمندروں کی سیاہی کی مثل اور سیاہی لے آئیں تو پھر بھی تمام سمندر اپنی سیاہیوں سمیت ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات کبھی ختم نہیں ہوں گے ["مَدَدًا" تمیز ہے جیسے "لِیْ مِثْلُهٗ رَجُلًا" ہے "مدد" بھی "مداد" کی مانند ہے یعنی سیاہی۔ قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "يَنْفَدُ" ہے] اور بعض نے کہا کہ حیی بن اخطب نے مسلمانوں سے کہا کہ تمہاری کتاب قرآن مجید میں ہے: "وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا" (البقرہ:٢٦٩) "اور جس کو حکمت ودانائی عطا کی گئی اسے بہت بڑی بھلائی عطا کی گئی"۔ پھر تم پڑھتے ہو: "وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا" (الاسراء:٨٥) "اور تمہیں علم نہیں دیا گیا مگر بہت تھوڑا"۔ چنانچہ اس کے جواب میں یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی یعنی بے شک یہ حکمت ودانائی بہت بڑی بھلائی ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے کلمات کے سمندر میں سے ایک قطرہ ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿١١٠﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک میں صرف صورتِ بشری میں تمہاری طرح انسان ہوں میری طرف تو وحی کی جاتی ہے کہ بے شک تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے' سو جو شخص اپنے رب تعالیٰ کی ملاقات کی امید رکھتا ہو' پس وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے O

١١٠- ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک میں صرف صورتِ بشری میں تمہاری طرح انسان ہوں' میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ بے شک تمہارا معبود ایک معبود ہے[1] ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ﴾ سو جو شخص اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے (یعنی) جو شخص اپنے پروردگار سے اچھی

[1] واضح رہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور سید البشر ﷺ تک تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام صفتِ بشریت کے ساتھ متصف تھے لیکن ان کی بشریت دیگر انسانوں کے مقابلے میں بے مثل و بے مثال اور ممتاز و منفرد ہوتی تھی' اس لیے یہاں چند مسائل قابلِ غور ہیں جن کی وضاحت بہت ضروری ہے:

(ا) انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ بہ شمول حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر کہنا بے ادبی و گستاخی اور کفار کا طریقہ ہے۔

(ب) حضور سید عالم ﷺ کا اس آیت مبارکہ میں اپنے آپ کو مثلِ بشر فرمانے کی حکمتیں۔

(ج) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے "مِنْكُمْ" کی بجائے "مِثْلُكُمْ" فرمانے کی حکمتیں۔

(ا) دراصل کفار بشریت کو نبوت کے منافی خیال کرتے تھے' اس لیے کہ وہ انبیائے کرام کو اپنے جیسا بشر کہہ کر مقامِ نبوت سے کم تر عام انسانوں جیسا انہیں ثابت کرنا چاہتے تھے اور ان کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ چونکہ نبوت اعلیٰ ترین منصب ہے' لہٰذا نبی کو بشر کی بجائے فرشتہ بنا کر بھیجنا چاہیے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ "وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ O" (الانعام:٩) "اور اگر ہم نبی کو فرشتہ بناتے تو البتہ ہم اسے مرد ہی بناتے اور ہم ضرور ان پر وہی شبہ رہنے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ملاقات کی امید رکھتا ہے اور یہ کہ وہ اپنے رب تعالیٰ سے رضاء وخوشنودی اور مقبول ملاقات کرنا چاہتا ہے یا جو شخص اپنے رب تعالیٰ کی بُری ملاقات سے ڈرتا ہو (وہ نیک عمل کرے اور شرک سے بچے) اور ''لِقَآء'' سے مراد اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ''لِقَآء'' سے اللہ تعالیٰ کا دیدار مراد ہے اور لفظ ''لِقَآء'' کا حقیقی معنی بھی زیارت و دیدار کرنا ہے اور ''رِجَآء'' اس اعتبار سے اپنی حقیقت پر مبنی ہوگا ﴿فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا﴾ پس وہ نیک اور خالص عمل کرے اور وہ اپنے عمل میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا کسی اور کی رضا کا ارادہ نہ کرے اور نہ اس میں کسی اور کو شامل کرے۔ حضرت یحییٰ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دیتے جس میں وہ اب مبتلا ہیں O'' یعنی اگر ہم نبی کو فرشتہ بنا کر بھیجنا چاہتے تو پھر اس کو بھی صفت بشریت کے ساتھ متصف کر کے انسانوں کا ہم جنس و ہم صورت بنا کر بھیجتے تاکہ بنی نوع انسان جو محض بشر ہیں وہ نبی کی تعلیمات و سیرت سے استفادہ کر سکیں اور اس کا کلام سن سکیں اور اس سے فیض حاصل کر سکیں اور یہ تب ہو سکتا ہے جب نبی صفت بشریت کے ساتھ متصف ہو کر دنیا میں تشریف لائے اور بشری تقاضے جیسے کھانا پینا' سونا جاگنا' شادی بیاہ' رشتے ناطے' کاروبار' خرید و فروخت' لین دین غرضیکہ تمام معاشی اور معاشرتی معاملات وغیرہ سرانجام دے تاکہ ان پر عمل کرنے کے لیے امت کے پاس نبی کی زندگی مشعلِ راہ اور مثالی نمونہ بن سکے' لہٰذا نبی کا افادہ اور امت کا استفادہ کرنا دونوں کے ہم جنس ہونے پر موقوف ہے خواہ نبی نورانی مخلوق ہی کیوں نہ ہو جیسے ہمارے رسولِ عربی اور اگر فرشتوں کو نبی بنایا جاتا تو وہ انسانوں کے ہم جنس مرد ہی ہوتے (نیز حضرت مریم کے پاس حضرت جبریل مکمل انسان بن کر تشریف لائے تھے) یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں انسانوں کی طرف نبی و رسول صفتِ بشریت کے ساتھ متصف ہو کر بھیجے گئے لیکن انبیائے کرام کی بشریت امت کی بشریت سے افضل و اعلیٰ ہوتی ہے کیونکہ ان کی بشریت نبوت و امامت اور خلافت و وحی اور دیگر اعلیٰ صفات کی وجہ سے عام انسانوں کی بشریت سے ممتاز و منفرد ہوتی ہے' اس لیے انبیائے کرام خصوصاً نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کو بعینہٖ اپنے جیسا بشر کہنا اور سمجھنا گستاخی و بے ادبی اور کفار کا طریقہ ہے' چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں نے کہا: ''مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا'' (ھود:٢٧) ''ہم تمہیں صرف اپنے جیسا بشر خیال کرتے ہیں''۔

شیطان مردود نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں کہا: ''قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍO'' (الحجر:٣٣) ''اس نے کہا: مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سیاہ کیچڑ کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہےO''

ثمود کی قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں کہا:

''اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍO'' (القمر:٢٤) ''کیا ہم اپنے میں سے ہی ایک بشر کی پیروی کریں تب تو ہم یقیناً ضرور گمراہی اور جنون میں ہوں گےO''

حضرت ھود یا حضرت صالح علیہما السلام کے بارے میں ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: ''مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَO وَلَىٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَO'' (المؤمنون:٣٣-٣٤) ''یہ تو نہیں مگر تمہارے جیسا بشر ہے' یہ بھی اسی میں سے کھاتا ہے جس سے تم کھاتے ہو اور اسی سے پیتا ہے جو تم پیتے ہوO اور اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی اطاعت اختیار کر لی تب تو یقیناً تم ضرور نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گےO''

جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے فرعون اور اس کی قوم کو حق کی دعوت دی: ''فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَO'' (المؤمنون:٤٧) ''تو انہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان کی قوم ہماری غلامی کرنے والی ہےO''

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ خالص نیک عمل وہ ہوتا ہے جس کے کرنے پر شرمندہ نہ ہونا پڑے ﴿وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا﴾ اور وہ اپنے رب تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ اس میں شرک کی نفی ہے یا ریا اور دکھاوے کی نفی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِتَّقُوْا الشِّرْكَ الْاَصْغَرَ'' تم چھوٹے شرک سے بچو۔ ''قَالُوْا وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ'' صحابہ کرام نے پوچھا کہ چھوٹا شرک کون سا ہے؟ ''قَالَ الرِّیَا'' حضور نے فرمایا: ریا اور دکھاوا۔ حضور سیّد

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کفارِ مکہ نے حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی شان میں کہا: ''وَاَسَرُّوا النَّجْوَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ○'' (الانبیاء:٣) ''اور ظالموں نے سرگوشی کرتے ہوئے آہستہ سے کہا: یہ تو صرف تمہارے جیسے بشر ہیں تو کیا تم دیکھ بھال کر جادو کے پاس جاتے ہو○''

فائدہ: اس آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ کفارِ مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علانیہ اور کھلم کھلا اپنے جیسا بشر کہتے ہوئے شرماتے تھے اور حیاء کرتے تھے حالانکہ حضور نے انہیں سے فرمایا: ''اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' لیکن صد افسوس ان اسلام کے دعویٰ داروں پر جو قرآن مجید میں آپ کے بہترین بیان کردہ القابات کو چھوڑ کر علانیہ بڑے بڑے اجتماعات میں بڑے فخر سے آپ کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔ وَاِلَی اللّٰهِ الْمُشْتَکٰی۔

(٢) حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات ﷺ کی طرف سے ''اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' فرمانے کے متعلق مفسرین کرام نے چند حکمتیں بیان فرمائی ہیں:

(ا) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لیے تواضع اور عاجزی کا اظہار کرنے کے لیے فرمایا تا کہ خداداد کمالات پر تکبر پیدا نہ ہو سکے۔

(ب) شرک کا سدّ باب کرنے کے لیے آپ نے ایسا فرمایا کیونکہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چند معجزات دیکھے کہ حضرت عیسیٰ پیدائشی اندھوں کو بینا اور کوڑھ کے مریضوں کو شفایاب کر دیتے تھے اور مٹی کی مورتیوں میں پھونک کر اور مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے تو انہوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو بے شمار معجزات دکھائے' لہٰذا یہ امکان تھا کہ کوئی امتی آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دے دیتا' چنانچہ حضور نے اپنی امت پر شفقت فرماتے ہوئے اپنی بے مثال بشریت (جس کی وضاحت نمبر ٣ میں آ رہی ہے) کا اعلان فرما کر ہمیشہ کے لیے شرک کا دروازہ بند کر دیا' نیز ''یُوْحٰۤی اِلَیَّ'' فرما کر خداداد اعزاز کا اعلان فرما دیا تا کہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ حضور صاحب وحی بشر ہیں' عام انسانوں کی طرح محض بشر نہیں ہیں۔

(تفسیر مظہری ج٦ ص٧٦' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر خازن جزء ٣ ص٢٢٨' مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی' مصر' تفسیر مجمع البیان جزء ١٦ ص٤٩٩' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' تفسیر معالم التنزیل المعروف بہ تفسیر بغوی ج٣ ص١٨٧' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' تفسیر کبیر ج٥ ص٥١٦' مطبوعہ بیروت)

(ج) علامہ سید محمود آلوسی اس آیت مبارکہ کے آخر میں لکھتے ہیں کہ ''مِثْلُكُمْ'' میں لوگوں کے ساتھ آپ کی جہت مشترک کی طرف اشارہ ہے اور ''یُوْحٰۤی اِلَیَّ'' میں آپ کی جہت ممتاز کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اگر آپ عام انسانوں کی مثل صرف بشریت کی صفت کے ساتھ متصف ہوتے اور صاحب وحی (یعنی نبی و رسول) نہ ہوتے تو آپ لوگوں کو فیض نہ پہنچا سکتے اور اگر فرشتوں کی طرح محض نور صاحب وحی (پیغمبر) ہوتے تو لوگ آپ سے فیض حاصل نہ کر سکتے۔ (تفسیر روح المعانی جزء ١٦ ص٥٦' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

(د) ''تفسیر فتح المنان'' کے حاشیہ میں فائدہ کے تحت علامہ حقانی لکھتے ہیں:

''اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ الخ'' محض الوہیت و عبودیت کے امتیاز کے لیے ہے یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام میں الوہیت کا کوئی حصہ نہیں' اس سے کمالاتِ نبوت کی نفی نہیں' پھر اس آیت سے آنحضرت ﷺ کو اور انسانوں جیسا معمولی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص سورتِ کہف پڑھے گا وہ آٹھ دن تک ہر قسم کے فتنہ سے محفوظ رہے گا اور اگر ان آٹھ دنوں میں دجّال کا خروج ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کو دجال کے فتنے سے محفوظ رکھے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) انسان خیال کرنا سخت نادانی ہے۔منہ

(تفسیر فتح المنان المعروف تفسیر حقانی ج ٣' ناشر نور محمد کارخانہ تجارت' کراچی)

(۵) غور طلب بات یہ ہے کہ مماثلت کس چیز میں ہے؟ مراتب و درجات وہبی ہوں یا کسبی' کمالاتِ علمی ہوں یا عملی' عادات و خصائل' روحِ پُرنور بلکہ جسمِ عنصری تک میں کسی کو مماثلت تو کجا ادنیٰ مناسبت بھی نہیں' پھر یہ مماثلت جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے کون سی ہے اور کہاں پائی جاتی ہے؟ یقیناً صرف ایک بات میں مماثلت ہے وہ یہ ہے کہ ''اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ'' وہ بھی ایک خدائے واحدہٗ لاشریک کا بندہ ہے جس کے تم بندے ہو' اس کا بھی وہی خالق و مالک ہے جو تمہارا خالق و مالک ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ٣ ص ٦٠' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

(۶) حضور نبی اکرم ﷺ کے ''مِنکُمْ'' کی بجائے ''مِثْلُکُمْ'' فرمانے کی حکمتیں:

(١) اس آیت مبارکہ میں ''مِنکُمْ'' کی بجائے ''مِثْلُکُمْ'' اس لیے فرمایا گیا کہ مثل کسی چیز کا عین نہیں ہوتا کیونکہ مثل کا لفظ عموماً تشبیہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ''مُشَبَّه'' (جس کی تشبیہ دی گئی ہے) اور ''مُشَبَّه بِهٖ'' (جس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے) آپس میں صرف بعض صفات میں مشترک ہوتے ہیں' جیسے ''زَیْدٌ كَالْاَسَدِ'' کہ زید شیر کی طرح ہے یعنی شجاعت و بہادری اور قوت و زور میں زید شیر کی طرح ہے ورنہ شیر تو حیوان مفترس یعنی شکار کرنے والا درندہ جانور ہے جب کہ زید حیوان ناطق یعنی عقل و ادراک رکھنے والا زبان دان انسان ہے' اس لیے یہ دونوں بالکل ایک دوسرے کے مساوی نہیں ہیں' اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ بالکل ہمارے مساوی ہیں اور نہ ہم انسان بالکل بعینہٖ حضور کے مساوی ہیں بلکہ بعض عدمی صفات میں اشتراک ہے اور وہ یہ ہیں کہ نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خالق ہیں نہ ہم خالق ہیں اور نہ حضور الٰہ ہیں نہ ہم الٰہ ہیں اور نہ حضور مستحقِ عبادت ہیں نہ ہم مستحقِ عبادت ہیں اور نہ حضور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے احکام و افعال میں شریک ہیں نہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے احکام و افعال میں شریک ہیں کیونکہ ہم سب کا خالق والٰہ اور مستحقِ عبادت' نیز ہر قسم کے شرک سے منزہ و مبراء صرف اللہ تعالیٰ ہے' ہم سب اس کی مخلوق اور اس کے عابد ہیں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خیر الخلق اور خیر العباد' خیر البشر اور سیّد البشر ہیں۔ بعض مفسرین کرام نے بیان کیا کہ کفار آپ پر زبان طعن دراز کرتے اور کہتے تھے کہ آپ ہماری طرح کھاتے ہیں اور ہماری طرح پیتے ہیں اور ہماری طرح بازار میں چلتے پھرتے کاروبار کرتے ہیں' پھر نبوت کے دعویدار بھی ہیں اس لیے حضور کو حکم دیا گیا کہ اے محبوب! کفار سے فرما دیجئے کہ میں کوئی فرشتہ نہیں ہوں بلکہ تمہاری طرح انسان ہوں تا کہ تمام بشری تقاضے ادا کر کے تمہارے لیے بہترین اور مثالی نمونہ چھوڑ جاؤں' نیز بعض مفسرین کرام نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس آیت کریمہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کے کلمات کی وسعت و کثرت کو غیر محدود بیان کیا گیا اور اس آیت مبارکہ میں حضور کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ فرما دیجئے کہ میں تمہاری طرح انسان ہوں کہ جس طرح تم اللہ تعالیٰ کے تمام کلمات کا احاطہ نہیں کر سکتے' اسی طرح میں بھی یہ دعویدار نہیں ہوں کہ میں تمام کلماتِ الٰہی کا احاطہ کر سکتا ہوں' میری طرف تو کلماتِ الٰہی کی وحی کی جاتی ہے جن میں سے ایک کلمہ یہ ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے' بہر حال ''مِثْلُکُمْ'' فرما کر بعض عدمی صفات میں تشبیہ دی گئی اور من کل الوجوہ یعنی مکمل مساوات کی نفی کی گئی ہے کیونکہ تمام ثبوتی صفات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلیٰ و افضل اور بے مثل و بے مثال ہیں۔

''تفسیر المستقین'' میں لکھا ہے کہ آیت میں ''مِثْلُکُمْ'' ہے نہ کہ ''مِنکُمْ'' اور مثل کسی چیز کا عین نہیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور جو شخص سورۂ کہف کی آخری آیت: ''قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' آخر تک بستر پر لیٹتے وقت پڑھے گا تو اس کے بستر سے لے کر مکہ مکرمہ تک نور ہی نور چمکتا رہتا ہے' اس کے نور کے علاوہ فرشتے اس کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کرتے رہتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہوا کرتا' قرآن مجید میں لفظ مثل اکثر مقامات پر استعمال ہوا ہے' مثلاً: (۱) ''قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ'' (المائدہ:۳۱) ''قابیل نے کہا: ہائے افسوس! کیا میں اس کوے کی مثل ہونے سے بھی عاجز ہو گیا ہوں''۔ اس آیت میں کوے کی مثل کہا گیا ہے تو کیا قابیل بالکل کوا تھا' اسی طرح اس کی چونچ' کالے پر وغیرہ تھے۔ (۲) ''مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا'' (الجمعہ:۵) ''ان لوگوں کی مثال جن کو تورات کا حامل بنایا گیا' پھر انہوں نے اس کی حکم برداری نہ کی گدھے کی مثال جیسی ہے جو پشت پر کتابیں اُٹھائے''۔ اس (آیت) میں تورات کے علم کو نہ اٹھانے والوں کو گدھے کی مثل کہا گیا ہے حالانکہ وہ نہ تو گدھے کی جنس میں سے بن گئے تھے نہ گدھوں کی طرح ان کے کان اور جسم' نہ وہ رینگا کرتے تھے۔ (۳) ''فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ'' (الاعراف:۱۷۶) ''سو اس کی مثال کتے جیسی ہے''۔ اس (آیت) میں بلعم باعور کو کتے کی مثل کہا گیا ہے حالانکہ وہ انسان تھا وغیرہ وغیرہ' پس جب انسان کو کوے' گدھے اور کتے وغیرہ کی مثل کہنے سے وہ کوا' گدھا اور کتا نہیں بن جاتا تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرمائیں کہ میں انسانوں کی مثل ہوں تو انہیں عام انسانوں جیسا کیوں سمجھ لیا جاتا ہے' یہاں بھی وہی قانون لاگو کیوں نہیں ہوتا کہ آپ تھے تو نور لیکن مثلِ بشر تھے۔ حیرت ہے کہ حضرت مریم کے پاس حضرت جبرئیل مثلِ بشر بن کر آئے: ''فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا'' (مریم:۱۷) ''سو جبرئیل اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کی شکل میں ظاہر ہوا''۔ تو لوگ کہتے ہیں: فرشتہ تھا بشر نہ تھا' صرف شکل بشری تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے جو مثلِ بشر تھے تو قبول کر لیتے ہیں کہ ہاں! واقعی وہ تھے فرشتے لیکن شکل وصورت میں بشر تھے' لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجسم نور تھے اور اس پر آیاتِ قرآنی بھی پڑھتے ہیں کہ ''قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ'' (المائدہ:۱۵) ''بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور آ گیا ہے''۔ تو کہتے ہیں: ہم نہیں مانتے۔ جس طرح فرشتے اگر اپنی اصلی شکل میں آئیں تو یہ مادی لوگ انہیں دیکھ نہیں سکتے' اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجسم نور تھے اور نور غیر مرئی ہوتا ہے یعنی دکھلائی نہیں دیتا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں مثلِ بشر بنا کر بھیجا تاکہ مرئی ہوں' لوگ انہیں دیکھ سکیں' یہی وجہ ہے کہ آپ کے بدن مبارک کا سایا نہیں تھا کیونکہ نور کا سایا نہیں ہوتا۔ (حاشیہ قرآن الموسوم تفسیر المتقین ص ۳۹۴۔۳۹۵' مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی' لاہور)

(ب) پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بنی نوع انسان صرف بشر ہیں جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور بھی ہیں اور بشر بھی ہیں تو پھر مکمل مساوات کیسی بلکہ سب سے پہلے آپ کی تخلیق نور سے ہوئی تھی' اس وقت نہ بشر تھا نہ بشریت تھی' نہ آدم تھے نہ آدمیت تھی' پھر آپ کے نور کو لباسِ بشریت میں ملبوس کر کے مولود کیا گیا' اس سے بشریت آپ کی صفت ہے حقیقت نہیں' چنانچہ علامۃ الشیخ امام محمد مہدی فاسی ایک روایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''يَا اَبَا بَكْرٍ وَالَّذِيْ بَعَثَنِيْ بِالْحَقِّ لَمْ يَعْلَمْنِيْ حَقِيْقَةً غَيْرُ رَبِّيْ'' یعنی اے ابو بکر! مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے! میرے رب کے سوا میری حقیقت کو کوئی نہیں جانتا۔ (مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات ص ۱۲۹' مطبوعہ مکتبۃ النوریۃ الرضویۃ الجامع البغدادی' لائلپور (فیصل آباد)

چنانچہ علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ایک روز صحابہ کرام نے عرض کیا: ''يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتٰى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ'' حضور! آپ کو خلعتِ نبوت سے کب سرفراز فرمایا گیا؟ حضور نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''وَ اٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ'' مجھے اس وقت شرف نبوت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے بستر سے اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ میں اپنے بستر پر لیٹتے وقت اس کو پڑھ لے گا تو اس کے بستر سے لے کر (ساتویں آسمان میں) بیت المعمور تک نور ہی نور ہوگا' اس کے علاوہ فرشتے اس کے لیے رحمت اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سے مشرف کیا گیا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام کی نہ ابھی روح بنی تھی اور نہ جسم۔(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ وَقَالَ اِنَّهُ حَسَنٌ غَرِيْبٌ) نبوت صفت ہے اور موصوف کا صفت سے پہلے پایا جانا ضروری ہے۔اب خود ہی فیصلہ فرمائیے جو موصوف اپنی صفتِ نبوت سے متصف ہو کر آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھا' اس کی حقیقت کیا تھی۔ابن تیمیہ وغیرہ نے کہا ہے:''كُنْتُ نَبِيًّا وَّادَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ'' اور ''كُنْتُ نَبِيًّا وَّلَا ادَمَ وَلَا مَآءَ وَلَا طِيْنَ' لَا اَصْلَ لَهُمَا'' کہ ان دونوں حدیثوں کی کوئی اصل نہیں ہے۔ علامہ خفاجی ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں کو موضوع یا بے اصل کہنا درست نہیں کیونکہ امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے اور یہ دونوں روایتیں اس کی ہم معنی ہیں' اس لیے ان کو موضوع کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے جب کہ روایت بالمعنی محدثین کے نزدیک جائز ہے۔اس حدیث کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں تخلیقِ آدم سے پہلے علمِ الٰہی میں نبی تھا کیونکہ اس میں پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی خصوصیت نہ ہوگی بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح سے پہلے اپنے حبیب کی روح مبارک کو پیدا فرمایا اور اسی وقت خلعتِ نبوت سے سرفراز کیا اور ملأ اعلیٰ (یعنی فرشتوں) کو اس حقیقت پر آگاہ کر دیا۔''بَلْ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ رُوْحَهٗ قَبْلَ سَائِرِ الْاَرْوَاحِ وَخَلَعَ عَلَيْهَا خِلْعَةَ التَّشْرِيْفِ بِالنُّبُوَّةِ اِعْلَامًا لِلْمَلَاِ الْاَعْلٰى'' چنانچہ ایک دوسری روایت میں ہے: ''يُسَبِّحُ ذَالِكَ النُّوْرُ وَتُسَبِّحُ الْمَلَآئِكَةُ بِتَسْبِيْحِهٖ'' کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتا اور سارے فرشتے حضور کی تسبیح سن کر اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے۔

ابن قطان نے اپنی کتاب ''الاحکام'' میں (علامہ یوسف نبہانی نے ''انوار المحمدیہ'' میں اور علامہ قسطلانی نے ''المواہب اللدنیۃ'' میں) حضرت امام علی زین العابدین سے' انہوں نے اپنے پدر بزرگوار حضرت سیّدنا امام حسین سے' انہوں نے ان کے جدّ امجد حضرت سیّدنا علی مرتضیٰ كَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى وُجُوْهَهُمْ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی نقل کیا ہے:''قَالَ كُنْتُ نُوْرًا بَيْنَ يَدَیْ رَبِّیْ قَبْلَ خَلْقِ ادَمَ بِاَرْبَعَةَ عَشَرَ اَلْفَ عَامٍ'' یعنی میں نور تھا اور آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے رب کریم کے حریم ناز میں باریاب تھا (چودہ ہزار سال کم از کم مدت ہے زیادہ کی نفی مراد نہیں)۔اس حدیث کے آخری تین راوی ائمہ اہل بیت سے ہیں۔ان کا علم وفہم اور تقویٰ کسی کی توثیق کا محتاج نہیں' البتہ ابن قطان کے متعلق علمائے جرح وتعدیل کی رائے بیان کرنا ضروری ہے تاکہ حدیث کی صحت کے متعلق کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔علامہ زرقانی ان کے متعلق لکھتے ہیں:''اَلْحَافِظُ النَّاقِدُ اَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ الْحَمْيَرِيُّ كَانَ مِنْ اَبْصَرِ النَّاسِ بِصَنَاعَةِ الْحَدِيْثِ وَاَحْفَظِهِمْ لِاَسْمَآءِ رِجَالِهٖ وَاَشَدِّهِمْ عِنَايَةً فِي الرِّوَايَةِ مَعْرُوْفًا بِالْحِفْظِ وَالْاِتْقَانِ''۔(زرقانی علی المواہب اللدنیۃ ج۱ ص۴۸)

یہ حافظ اور نقادِ حدیث تھے' ان کا نام ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالملک حمیری ہے۔فنّ حدیث میں ان کی بصیرت اپنے ہم عصر لوگوں سے زیادہ تھی اور وہ اسمائے رجال کے حافظ تھے' روایت میں وہ انتہاء درجہ کی احتیاط برتا کرتے' وہ اپنے حفظ اور اتقان کے باعث مشہور ومعروف تھے۔

حضرت جابر نے حضور فخر موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ واطیب التحیات سے پوچھا:''يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَخْبِرْنِیْ عَنْ اَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَبْلَ الْاَشْيَاءِ قَالَ يَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ'' (رواہ عبدالرزاق بسندہٖ) یعنی حضرت جابر نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں' مجھے یہ بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے کون سی چیز پیدا کی؟ حضور نے فرمایا: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مغفرت کی دعا کرتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ بستر سے اٹھ جائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔ان صحیح احادیث (جن کی تصحیح اور توثیق مولانا تھانوی نے ''نشر الطیب'' میں کی ہے) سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور کی ذات والاصفات عالم امکان میں سب سے مقدم ہے۔آدم وابراہیم بلکہ عرش وکرسی سے بھی بہت پہلے حضور کی دیگر صفات کی طرح نبوت و بشریت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفتیں ہیں۔اہل معرفت کی اصطلاح میں اسی نور کو حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا ہے اور حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقۃ الحقائق ہے''وَ بِهٰذَا الْاِعْتِبَارِ سُمِّيَ الْمُصْطَفٰى بِنُوْرِ الْاَنْوَارِ وَبَابِ الْاَرْوَاحِ''۔(زرقانی) یعنی اسی وجہ سے حضور کو نور الانوار اور تمام ارواح کا باب کہا جاتا ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۵۷۔۵۹)

(ج)''مَثُلَ يَمْثُلُ مَثَالَةً'' (باب ''كَرُمَ يَكْرُمُ'') اس کا ایک معنی فضیلت والا ہونا بھی ہے۔(المنجد ص ۹۴۶'مطبوعہ دارالاشاعت' کراچی) اب آیت مبارکہ میں ''مِثْل'' کا معنی فضیلت والا ہونا بھی ہوسکتا ہے یعنی اے محبوب! فرمادیجئے کہ بے شک میں تم سب سے زیادہ فضیلت والا انسان ہوں اور تم میں سب سے بہتر ہوں (کیونکہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے یعنی میں نبی و رسول ہوں اور تم میری امت ہو' لہٰذا تم میری اطاعت کرو اور میرا کہا مانو کہ تم سب کا معبود صرف ایک معبود ہے۔

چنانچہ امام لغت علامہ ابن منظور لغت کی مشہور و معروف کتاب ''لسان العرب'' میں لکھتے ہیں کہ ابو منصور نے کہا کہ اہل عرب کے قول ''اَلْمَرِيْضُ الْيَوْمَ اَمْثَلُ'' کا معنی ہے: آج مریض پہلے سے بہت بہتر ہے۔یہاں ''اَمْثَلُ'' کا معنی بہت بہتر ہے' نیز عرب کا مقولہ ہے: ''هُوَ اَمْثَلُ مِنْ قَوْمِهٖ اَيْ اَفْضَلُ مِنْ قَوْمِهٖ'' یعنی وہ اپنی قوم میں سے سب سے زیادہ فضیلت والا اور سب سے افضل و بہتر ہے' پھر اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں: ''وَفِي الْحَدِيْثِ: اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ اَيْ اَلْاَشْرَفُ فَالْاَشْرَفُ وَالْاَعْلٰى فَالْاَعْلٰى فِي الرُّتْبَةِ وَالْمَنْزِلَةِ يُقَالُ هٰذَا اَمْثَلُ مِنْ هٰذَا اَيْ اَفْضَلُ وَاَدْنٰى اِلَى الْخَيْرِ وَاَمَاثِلُ النَّاسِ خِيَارُهُمْ. وَفِي حَدِيْثِ التَّرَاوِيْحِ قَالَ لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ اَمْثَلُ اَيْ اَوْلٰى وَاَصْوَبُ'' اور حدیث میں ہے کہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیائے کرام علیہم السلام کی ہوتی ہے' پھر اس کے بعد دیگر لوگوں میں سے جو مرتبہ و منزلت اور درجہ میں زیادہ فضیلت والا بزرگ و برتر اور افضل و اعلیٰ ہوتا ہے اس کی زیادہ سخت آزمائش ہوتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ شخص فلاں آدمی سے ''اَمْثَل'' ہے یعنی یہ اس سے افضل و اعلیٰ ہے اور یہ خیر و برکت کے زیادہ قریب ہے اور ''اَمَاثِلُ النَّاسِ'' کا معنی ہے: ''خِيَارُهُمْ'' یعنی دیگر لوگوں سے بہتر و افضل افراد اور تراویح کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر میں ان لوگوں کو ایک قاری کی امامت میں جمع کردوں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا یعنی سب سے بہتر و اچھا اور سب سے زیادہ درست طریقہ ہوگا۔(لسان العرب ج ۱۳ ص ۲۳۔۲۴'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

بہر حال اس معنی کی بناء پر ثابت ہوگیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ صرف یہ کہ عام انسانوں کی طرح نہیں ہیں بلکہ سب سے افضل و اعلیٰ اور بے مثل و بے مثال ہیں' یہی وجہ ہے کہ ''صحیح بخاری'' میں چھے روایات اور ''صحیح مسلم'' میں سات روایات بیان کی گئی ہیں جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مثلیت کی نفی فرمائی ہے' چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت میں حضور نے فرمایا: ''اِنِّيْ لَسْتُ مِثْلَكُمْ'' بے شک میں تمہاری مثل نہیں ہوں' نیز ''صحیح مسلم'' میں یہی الفاظ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ کی روایت میں مذکور ہیں' حضرت انس کی دوسری روایت ''صحیح بخاری'' میں ہے' اس میں ہے: ''لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ'' حضور نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں۔حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر کی دوسری روایت میں اور حضرت ابو سعید خدری کی روایت میں ہے: ''اِنِّيْ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ'' بے شک میں تمہاری مثل بشر نہیں ہوں۔حضرت ابو ہریرہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(١٩) سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ (٤٤) — رکوعاتہا ٦

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

سورۂ مریم مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی اٹھانوے آیات' چھ رکوع ہیں

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿١﴾ ذِكۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّكَ عَبۡدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿٢﴾ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿٣﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىۡ وَهَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّىۡ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَيۡبًا وَّلَمۡ اَكُنۡۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾ وَاِنِّىۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِىَ مِنۡ وَّرَآءِىۡ وَكَانَتِ امۡرَاَتِىۡ عَاقِرًا فَهَبۡ لِىۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ﴿٥﴾ يَّرِثُنِىۡ وَيَرِثُ مِنۡ اٰلِ يَعۡقُوۡبَ ۖ وَاجۡعَلۡهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾ يٰزَكَرِيَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اِۨسۡمُهٗ يَحۡيٰى ۙ لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ سَمِيًّا ﴿٧﴾

کھیعص ○ یہ آپ کے پروردگار کا اپنے (مقبول) بندے زکریا پر رحمت کا ذکر ہے○ جب اس نے اپنے پروردگار کو پست آواز میں پکارا○ عرض کی: اے میرے پروردگار! بے شک میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور بڑھاپے کے باعث سر سفید ہو کر چمکنے لگا ہے اور اے میرے پروردگار! میں تجھ سے دعا کر کے کبھی محروم نہیں رہا○ اور بے شک میں اپنے بعد رشتہ داروں کے متعلق ڈرتا ہوں اور میری عورت بانجھ ہے' پس تو مجھے اپنے پاس سے ایک ایسا وارث عطا فرما○ جو میرے علم کا وارث بنے اور آل یعقوب کی نبوت کا وارث بنے' اور اے میرے پروردگار! تو اس کو پسندیدہ بنا○ اے زکریا! بے شک ہم آپ کو ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے' ہم نے اس سے پہلے کسی کو اس کا ہم نام نہیں بنایا○

حضرت زکریا علیہ السلام کا تذکرہ

١- ﴿كٓهٰيٰعٓصٓ﴾ امام سُدّی نے فرمایا: یہ حروف اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ اس سورت کا نام ہے [علی کسائی اور یحییٰ کی قراءت میں ''ھا'' اور ''یا'' کے نیچے کسرہ (یعنی زیر) ہے اور نافع مدنی کی قراءت میں فتح اور کسرہ کے بین بین (یعنی دونوں کی درمیانی حالت میں) اور فتح کے زیادہ قریب پڑھا جاتا ہے اور ابوعمرو کی قراءت میں ''ھا'' کے نیچے کسرہ اور ''یا'' پر فتح پڑھنا منقول ہے جب کہ حمزہ کی قراءت میں اس کے برعکس ہے اور ان سب کے علاوہ باقی قراء کے نزدیک دونوں پر فتح (یعنی زبر) پڑھا جاتا ہے]۔

٢- ﴿ذِكۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّكَ عَبۡدَهٗ زَكَرِيَّا﴾ یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے' جو اس نے اپنے مخصوص بندے حضرت زکریا پر نازل فرمائی [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے: ''اَیْ ھٰذَا ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ'' یعنی یہ آپ کے رب تعالیٰ کی رحمت کا ذکر ہے اور ''عَبْدَهٗ'' ''رحمت'' کا مفعول ہے اور ''زکریا'' ''عَبْدَهٗ'' سے بدل ہے۔ حمزہ' علی کسائی اور امام حفص کی قراءت میں زکریا الف مقصورہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت نقل کی گئی ہے' اس میں ہے: ''اَیُّکُمْ مِثْلِیْ'' تم میں سے میری مثل کون ہے؟ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: صحیح بخاری ج ١ ص ٢٦٣ تا ٢٦٤' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارتِ کتب' کراچی' نیز صحیح مسلم ج ١ ص ٣٥١ تا ٣٥٢' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارتِ کتب' کراچی) غوثوی

٣- ﴿اِذْ﴾ یہ ''رَحْمَتِ'' کا ظرف ہے یعنی (حضرت زکریا پر اس رحمتِ الٰہی کا اس وقت نزول ہوا) جب ﴿نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا﴾ حضرت زکریا نے اپنے پروردگار سے آہستہ اور ہلکی آواز سے دعا کی یعنی انہوں نے خفیہ طریقے پر دعا مانگی جیسا کہ دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے اور ایسی دعا دکھاوے سے دور ہوتی ہے اور خلوص کے زیادہ قریب ہوتی ہے یا حضرت زکریا نے اپنے رب سے اس لیے مخفی اور آہستہ دعا کی تھی تا کہ اس بڑھاپے کے زمانے میں اولاد طلب کرنے پر آپ کو ملامت نہ کیا جائے کیونکہ جب آپ نے یہ دعا کی تھی اس وقت آپ کی عمر مبارک پچھتر (٧٥) سال یا اسی (٨٠) سال تھی۔

٤- ﴿قَالَ رَبِّ﴾ حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! یہاں سے دعا کی تفسیر و تفصیل بیان کی جا رہی ہے [اور ''رَبِّ'' اصل میں ''یَا رَبِّی'' تھا' پھر حرفِ ندا اور مضاف الیہ دونوں کو اختصار کے پیشِ نظر حذف کر دیا گیا] ﴿اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ﴾ بے شک میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں۔ ''وَهَنَ'' بہ معنیٰ ''ضَعُفَ'' ہے یعنی ضعیف و کمزور' اور ہڈیوں کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ یہ پورے جسم کے لیے ستونوں کی طرح ہوتی ہیں اور یہ ہڈیاں بدن کا قوام اور اس کی اصل بنیاد ہوتی ہیں' جن پر بدن کا پورا ڈھانچہ قائم ہوتا ہے اور جب اصل سبب کمزور ہو گیا تو پورے جسم کی قوت و طاقت جاتی رہی اور اس لیے کہ بدن میں ہڈی ایک ایسا عضو ہے جو سب سے زیادہ سخت اور مضبوط ہوتا ہے' جب وہی کمزور ہو گیا تو اس کے علاوہ باقی تمام اعضاء بہ طریق اولیٰ کمزور و نحیف ہو گئے اور ''عَظْمٌ'' کو واحد اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ جنس کے معنی پر دلالت کرتا ہے اور اس سے یہی جنس مراد ہے جو بدن کا ستون اور اس کا قوام ہے اور جسم جن اعضاء سے مرکب ہے ان میں یہی ہڈی مضبوط ترین عضو ہوتا ہے جو بڑھاپے کے باعث کمزور ہو چکا ہے ﴿وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا﴾ اور میرا سر بڑھاپے کے سبب چمکنے لگا ہے [''شَیْبًا'' تمیز ہے] یعنی میرے سر میں بڑھاپا ظاہر ہو چکا ہے اور جب آگ اپنی لپٹوں میں منتشر ہو جاتی ہے اور ایک بڑا شعلہ بن جاتی ہے تو کہا جاتا ہے: ''وَاشْتَعَلَ النَّارُ'' اور آگ نے شعلہ مارا۔ اس جملے میں بڑھاپے کی سفیدی اور بالوں میں اس کے پھیل جانے کو آگ کے شعلوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تا کہ واضح ہو جائے کہ سر کے تمام بال سفید ہو چکے ہیں اور تم اس سے زیادہ فصیح و بلیغ کلام نہیں دیکھو گے' کیا تم دیکھتے نہیں کہ اصل کلام ''یَا رَبِّ قَدْ شِخْتُ'' ہے؟ اے میرے پروردگار! بے شک میں بوڑھا ہو چکا ہوں کیونکہ بڑھاپا بدن کی کمزوری اور سر کی سفیدی دونوں پر مشتمل ہوتا ہے اور وہ دونوں کو لاحق ہوتا ہے اور اس سے زیادہ قوی کلام ''ضَعُفَ بَدَنِیْ وَشَابَ رَاْسِیْ'' ہے یعنی میرا بدن کمزور ہو گیا ہے اور میرا سر سفید ہو چکا ہے کیونکہ اس میں تفصیل کے لیے زائد تقریر ہے اور اس سے زیادہ قوی کلام ''وَهَنَتْ عِظَامُ بَدَنِیْ'' ہے یعنی میرے بدن کی ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں کیونکہ اس میں تصریح سے کنایہ کی طرف عدول ہے' پس یہ کلام پہلے سے زیادہ بلیغ ہے اور اس سے زیادہ بلیغ کلام ''اَنَا وَهَنَتْ عِظَامُ بَدَنِیْ'' ہے اور اس سے زیادہ قوی کلام: ''اِنِّیْ وَهَنَتْ عِظَامُ بَدَنِیْ'' ہے اور اس سے زیادہ قوی کلام ''اِنِّیْ وَهَنَتْ الْعِظَامُ مِنْ بَدَنِیْ'' ہے کیونکہ اس میں اجمال اور تفصیل دونوں طریقوں کا بیان ہے اور اس سے زیادہ قوی کلام: ''اِنِّیْ وَهَنَتِ الْعِظَامُ مِنِّیْ'' ہے کیونکہ اس میں بدن کا واسطہ ترک کر دیا گیا ہے اور اس سے زیادہ قوی کلام ''اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ'' ہے اس لیے کہ اس صورت میں ہڈیوں کا کمزور ہونا ہر فرد کو شامل ہے [اس اعتبار پر کہ افراد کی طرف ''عظم'' کی جمع کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ جمع کی صورت میں بعض افراد کے مجموعی طور پر کمزور ہونے پر جمع کا اطلاق صحیح ہو جاتا' ہر ہر فرد کا کمزور ہونا ثابت نہ ہوتا' اس لیے ''شَابَ رَاْسِیْ'' میں زیادہ بلیغ کی طرف حقیقت کو ترک کر دیا گیا ہے اور وہ استعارہ ہے' پس اس سے ''اِشْتَعَلَ شَیْبُ رَاْسِیْ'' کہ میرے سر کا بڑھاپا چمکنے لگا' حاصل ہو گیا اور اس سے زیادہ بلیغ کلام: ''اِشْتَعَلَ رَاْسِیْ شَیْبًا'' ہے' میرا سر بڑھانے کے باعث چمکنے لگا' کیونکہ اس

میں اشتعال کا اسناد بالوں کے مکان اور اُگنے کی جگہ کی طرف کیا گیا ہے اور وہ سر ہے اس لیے کہ اس میں سر کے بڑھاپے کے شمول کا افادہ ہو جاتا ہے اور اس سے زیادہ بلیغ کلام ''اِشْتَعَلَ الرَّأْسُ مِنِّیْ شَیْبًا'' ہے جیسا ابھی گزرا ہے (کہ اس میں بھی اشتعال کا اسناد بالوں کے مکان یعنی ''راس'' کی طرف ہے) اور اس سے زیادہ بلیغ کلام ''اِشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَیْبًا'' ہے کیونکہ اس میں مخاطب کے علم پر اکتفا ہے کہ یہ حضرت زکریا علیہ السلام کا سر مبارک ہے اس لیے کہ اس کا ''وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ'' پر عطف قرینہ ہے ﴿وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآىِٕكَ رَبِّ شَقِیًّا﴾ اور اے پروردگار! میں آپ سے دعا مانگ کر کبھی محروم و بدبخت نہیں رہا [''بِدُعَآىِٕكَ'' میں مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے اصل میں ''بِدُعَآئِیْ اِیَّاكَ'' ہے] یعنی میں آج سے پہلے مستجاب الدعوت رہا ہوں میں ہر دعا میں کامیاب رہا ہوں کسی دعا میں محروم و بدبخت نہیں رہا۔ ''سَعِدَ فُلَانٌ بِحَاجَتِهٖ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنی حاجت میں کامیاب وکامران ہو جاتا ہے اور ''شَقِیَ فُلَانٌ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص ناکام و نامراد ہو جاتا ہے اور اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتا اور بعض حضرات سے منقول ہے کہ کسی ضرورت مند سائل نے اپنے ایک محسن سے اپنی ایک حاجت کے لیے سوال کیا اور کہا کہ میں وہی محتاج شخص ہوں جس پر آپ نے فلاں وقت احسان فرمایا تھا اس نے کہا: شاباش بہت خوب تم نے خود مجھے وسیلہ بنالیا اور اس نے اس سائل کی حاجت پوری کر دی۔

٥۔ ﴿وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ﴾ اور بے شک مجھے رشتہ داروں کا خطرہ ہے۔ ''مَوَالِیَ'' سے عصبہ مراد ہیں (یعنی باپ کی جانب سے رشتہ دار مراد ہیں اور اس سے) اس کے بھائی اور اس کے چچا کے بیٹے مراد ہیں جو بنی اسرائیل میں بدترین لوگ تھے چنانچہ انہیں خوف لاحق ہوا کہ یہ لوگ دینِ حق کو بدل دیں گے اور ان کی امت پر نظامِ خلافت کو اچھی طرح کماحقہٗ نافذ نہیں کریں گے اس لیے اپنے بعد دینِ حق کو قائم رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے اپنا حقیقی اور نیک بیٹا طلب کیا تاکہ دینِ حق کو زندہ اور قائم رکھنے میں اس بیٹے کی اقتداء و پیروی اختیار کی جائے ﴿مِنْ وَّرَآءِیْ﴾ میری وفات کے بعد [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''هُدَایَ'' کی طرف الف مقصورہ اور ''یا'' مفتوحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور یہ ظرف مکان ''خِفْتُ'' کے متعلق نہیں ہے کیونکہ حضرت زکریا کے خوف کا آپ کی موت کے بعد پایا جانا ناممکن ہے لیکن اس کا متعلق محذوف ہے] یا ''موالی'' میں ولایت واقتدار کا معنی مراد ہے یعنی مجھے رشتہ داروں کے فعل کا خطرہ ہے اور اس سے ان کا میرے بعد دینِ حق کو تبدیل کرنا اور ان کی بُری جانشینی مراد ہے یا مجھے ان لوگوں سے خطرہ ہے جو میرے بعد جانشین بن کر اس کا حق ادا نہیں کریں گے ﴿وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا﴾ اور میری بیوی بانجھ ہو چکی ہے وہ اولاد کے قابل نہیں رہی ﴿فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا﴾ پس تو بغیر کسی سبب کے محض اپنی قدرتِ کاملہ سے مجھے ایک وارث و جانشین عطا فرما کیونکہ میں اور میری بیوی اولاد کی صلاحیت نہیں رکھتے اس لیے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے ایک ایسا بیٹا عطا فرما جو میرے بعد تیرے مشن کو سنبھال سکے۔

٦۔ ﴿یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ﴾ وہ میرا اور آلِ یعقوب کا وارث بنے گا [یہ دونوں فعل مرفوع ''وَلِیًّا'' کی صفت ہیں] یعنی مجھے ایک ایسا لڑکا عطا فرما جو میرے علم کا اور آلِ یعقوب کی نبوت کا وارث بن جائے اور نبوت کی وراثت کا معنی یہ ہے کہ میرا ہونے والا بیٹا اتنی صلاحیت رکھتا ہو کہ اس کی طرف وحی کی جائے اور حضرت یعقوب کا یہ مقصد نہیں تھا کہ محض نبوت وراثت میں عطا کی جاتی ہے [ابوعمرو اور علی کسائی کی قراءت میں دونوں فعل مجزوم ہیں اس بناء پر کہ یہ دعا کا جواب ہے نیز ''وَرِثْتُهٗ'' اور ''وَرِثْتُ مِنْهُ'' دونوں ہم معنی استعمال ہوتے ہیں اور ''آل'' سے حضرت یعقوب بن حضرت اسحاق علیہما السلام کی اولاد مراد ہے] ﴿وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا﴾ اور اے میرے پروردگار! تو اس کو پسندیدہ بنا جسے تو پسند کرے اور

اس سے راضی رہے یا وہ تجھ سے اور تیرے ہر حکم سے راضی رہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا:

٧- ﴿ یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ اِۨسْمُهٗ یَحْیٰی ﴾ اے زکریا! بے شک ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کا نام خود تجویز فرما کر ان کی عزت و کرامت او فضیلت کو بڑھا دیا[قاری حمزہ کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ''نَبْشُرُکَ'' ہے]﴿ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ﴾ ہم نے اس سے پہلے ان کا ہم نام نہیں بنایا یعنی اس سے پہلے کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا گیا] اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ''سَمِیًّا'' حال کی جگہ پر واقع ہونا زیادہ مناسب ہے]اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ''سَمِیًّا'' بہ معنیٰ ''مَثَلًا'' اور ''شَبِیْهًا'' ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے حضرت یحییٰ جیسا کوئی نہیں ہوا۔ ایک تو اس بات میں کہ انہوں نے کبھی نافرمانی نہیں کی اور دوسرا یہ کہ انہوں نے کبھی کسی نافرمانی کا ارادہ تک نہیں کیا اور تیسرا یہ کہ آپ ایک بوڑھے مرد اور ایک بوڑھی عورت سے پیدا ہوئے تھے اور چوتھا یہ کہ آپ قوتِ مردانگی کے باوجود ہمیشہ عورتوں سے دور رہے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ﴿٨﴾ قَالَ کَذٰلِکَ ۚ قَالَ رَبُّکَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُکْرَةً وَّعَشِیًّا ﴿١١﴾ یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا ﴿١٢﴾

عرض کی: اے میرے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کہاں سے ہوگا حالانکہ میری عورت بانجھ ہو چکی ہے اور بے شک میں بڑھاپے کی انتہاء کو پہنچ چکا ہوں ○ فرمایا: اسی طرح ہوگا' آپ کے پروردگار نے فرمایا کہ یہ مجھ پر آسان ہے اور بے شک میں تجھے اس سے پہلے پیدا کر چکا ہوں حالانکہ تم کچھ نہیں تھے ○ عرض کی: اے میرے پروردگار! تو میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دے' فرمایا: تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ تو صحیح سلامت ہو کر بھی لوگوں سے تین (دن) رات بات نہیں کر سکے گا○ پھر وہ عبادت گاہ سے اپنی قوم کے پاس باہر نکلے تو انہیں اشارہ فرمایا کہ تم صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو○ اے یحییٰ! تم کتاب کو مضبوطی سے لے لو اور ہم نے حکمت و فہم انہیں بچپن میں ہی عطا فرما دیا تھا○

٨- جب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ کی خوشخبری سنائی تو ﴿ قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ ﴾ حضرت زکریا نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ ''اَنّٰی'' بہ معنیٰ ''کَیْفَ'' ہے' حضرت زکریا نے یہ سوال قدرتِ کاملہ الٰہیہ سے انکار کے لیے نہیں کیا' بلکہ یہ جاننے کے لیے سوال کیا تھا کہ لڑکا تو قدرتِ الٰہی سے ہو گا لیکن کس طریقہ پر ہوگا؟ آیا انہیں اسی حالت میں بیٹا عطا کیا جائے گا کہ وہ خود اور ان کی بیوی اسی بڑھاپے کی حالت پر رہیں گے یا انہیں بڑھاپے کی حالت سے تبدیل کر کے جوان بنا دیا جائے گا ﴿ وَّکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ﴾ اور میری عورت بانجھ ہو چکی ہے اور بے شک میں بڑھاپے کی انتہاء کو پہنچ چکا ہوں' یعنی میں بہت بوڑھا ہو چکا

ہوں اور ''عِتِیٌّ'' کا معنی سوکھ جانا ہے جیسے خشک لکڑی اور بڑھاپے کی وجہ سے جوڑوں اور ہڈیوں میں خشکی کا پیدا ہو جانا اور انتہائی بڑھاپے میں داخل ہو جانا [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''عِتِيًّا'' اور ''صِلِيًّا'' (مریم: ۷۰) اور ''جِثِيًّا'' (مریم: ۶۸) اور ''بُكِيًّا'' (مریم: ۵۸) تمام کے شروع میں کسرہ (زیر) ہے اور قاری حفص کی قراءت میں ''بُكِيًّا'' کے علاوہ باقی کے شروع میں کسرہ ہے]۔

۹- ﴿قَالَ كَذٰلِكَ﴾ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اسی طرح ہوگا [''كَذٰلِكَ'' میں کاف محلاً مرفوع ہے] یعنی لڑکے کی پیدائش کا معاملہ اسی طرح (بڑھاپے کی حالت میں) ہوگا' یہ کلام حضرت زکریا کی تصدیق کے لیے ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے کلام کا آغاز کیا ﴿قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾ تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ یہ کام میرے لیے آسان ہے [یا پھر ''كَذٰلِكَ'' میں کاف اپنے سے پہلے ''قَالَ'' کی وجہ سے منصوب ہے اور ''ذٰلِكَ'' سے مبہم کی طرف اشارہ ہے جس کی تفسیر ''هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ'' کر رہا ہے] یعنی حضرت یحییٰ کا دونوں بوڑھے ماں باپ سے پیدا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے ﴿وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا﴾ اور بے شک میں نے تجھے یحییٰ سے پہلے پیدا کیا تھا جب کہ تم کچھ نہیں تھے کیونکہ معدوم چیز کچھ نہیں ہوتی [قاری حمزہ اور قاری علی کسائی کی قراءت میں ''خَلَقْنَاكَ'' ہے]۔

۱۰- ﴿قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً﴾ حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تو میرے لیے کوئی ایسی علامت اور نشانی مقرر فرما دے جس کے ذریعے میں اپنی بیوی کے حاملہ ہونے کو معلوم کر لوں ﴿قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے لیے علامت یہ ہے کہ تم صحیح سلامت ہو کر تین (دن) رات گفتگو نہیں کر سکو گے [''سَوِيًّا''، ''تُكَلِّمَ'' سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی اس حال میں کہ تمہارے تمام اعضاء اور زبان سلامت ہوں گے' مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے علامت یہ ہے کہ بات چیت کرنے سے رُک جاؤ گے اور تم گفتگو نہیں کر سکو گے حالانکہ تمہارے تمام اعضاء صحیح سلامت ہوں گے' نہ تم گونگے ہو گے اور نہ تم بہرے ہو گے اور یہاں راتوں کا ذکر اور سورت آل عمران میں دنوں کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ گفتگو اور کلام سے رُکے رہنا مسلسل تین دن اور تین راتوں تک رہے گا کیونکہ دنوں کا ذکر اپنے مقابل راتوں کو بھی شامل ہوتا ہے اور اسی طرح راتوں کا ذکر اپنے مقابل کے دنوں کو بھی عرف عام میں شامل ہوتا ہے۔

۱۱- ﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ﴾ پھر حضرت زکریا اپنی عبادت گاہ یعنی اپنی نماز کی جگہ سے اپنی قوم کی طرف باہر تشریف لائے اور تمام قوم آپ کا انتظار کر رہی تھی اور آپ ان سے کلام نہ کر سکے ﴿فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا﴾ تو آپ نے اپنی انگلی سے ان کی طرف اشارہ کیا کہ تم تسبیح بیان کرو یعنی تم صبح وشام فجر اور عصر کی نمازیں ادا کرو۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا تذکرہ

۱۲- ﴿يٰيَحْيٰى﴾ یعنی ہم نے ان کو یحییٰ عطا فرمایا اور ہم نے ان کی ولادت کے بعد اور خطاب کے وقت ان سے فرمایا: اے یحییٰ! ﴿خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾ یہ کتاب یعنی تورات شریف مضبوطی کے ساتھ لے لیجئے [''بِقُوَّةٍ'' حال واقع ہو رہا ہے] یعنی بڑی جدوجہد اور توفیق ایزدی اور تائید خداوندی کے ساتھ اس کتاب کو لے لیں ﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾ اور ہم نے اس کو بچپن میں حکمت ودانائی عطا فرمادی اور اس سے تورات شریف کی فہم وفراست اور دین میں سمجھ بوجھ مراد ہے [''صَبِيًّا'' حال ہے] بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں ایک دفعہ بچوں نے کھیلنے کودنے کے لیے بلایا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ ہم کھیلنے کودنے کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔

وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾
وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ
مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫
فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ
اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾

اور اپنی طرف سے شفقت و پاکیزگی (عطا فرمادی)' اور وہ بڑے پرہیزگار تھے O اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والے تھے اور وہ سرکش و نافرمان نہیں تھے O اور اس پر سلامتی ہو اس کی ولادت باسعادت کے دن اور جس دن وہ وفات پائیں گے اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے O اور (اے محبوب!) اس کتاب میں مریم کا ذکر کیجئے' جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مشرقی مکان میں چلی گئی O پھر اس نے ان کے سامنے سے پردہ بنالیا' تو ہم نے اس کی طرف اپنے روح (الامین جبریل) کو بھیجا' سو وہ اس کے پاس ایک تندرست آدمی کی شکل میں آیا O اس نے کہا: اگر تو پرہیزگار ہے تو میں تجھ سے رحمان کی پناہ چاہتی ہوں O

١٣- ﴿وَّحَنَانًا﴾ حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے والدین اور ان کے علاوہ دوسرے تمام لوگوں پر نہایت شفقت و مہربانی فرمانے والے تھے [یہ ''اَلْحُكْمَ'' پر معطوف ہے] ﴿مِّنْ لَّدُنَّا﴾ بہ معنی ''مِنْ عِنْدِنَا'' ہے یعنی اپنے پاس سے ﴿وَزَكٰوةً﴾ اور پاک دامن اور نیک سیرت انسان تھے' اس لیے انہوں نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا ﴿وَكَانَ تَقِيًّا﴾ اور وہ بڑے پرہیزگار' فرماں بردار مسلمان تھے۔

١٤- ﴿وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ﴾ اور وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والے' ان کے فرماں بردار تھے' انہوں نے کبھی اپنے والدین کی نافرمانی نہیں کی تھی ﴿وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا﴾ اور وہ تکبر و غرور کرنے والے نہیں تھے اور نہ وہ اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے تھے۔

١٥- ﴿وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ﴾ اور اس پر سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے امان ہو ﴿يَوْمَ وُلِدَ﴾ اس کی ولادت باسعادت کے دن شیطان کے چھونے اور ڈرانے سے (امن و سلامتی ہو) ﴿وَيَوْمَ يَمُوْتُ﴾ اور جس دن وہ وفات پائیں گے' قبر میں امتحان والوں کے امتحان سے (سلامت و محفوظ ہوں) ﴿وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا﴾ اور جس دن وہ زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے' بہت بڑی گھبراہٹ سے (یعنی قیامت کی ہولناکی سے سلامت و محفوظ رہیں)۔ امام ابن عیینہ نے فرمایا کہ یہی تین اوقات وحشت ناک مقامات ہیں۔

حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا تذکرہ

١٦- ﴿وَاذْكُرْ﴾ اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یاد کیجئے ﴿فِي الْكِتٰبِ﴾ اس کتاب (یعنی) قرآن مجید میں ﴿مَرْيَمَ﴾ حضرت مریم کو' یعنی آپ قرآن مجید میں ان لوگوں کو حضرت مریم کا قصہ پڑھ کر سنائیں تاکہ یہ لوگ اس کے حالات سے آگاہ ہوں اور تاکہ اس کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا اس کو جان لیں ﴿اِذِ﴾ [یہ ''مَرْيَمَ'' سے بدل اشتمال ہے کیونکہ تمام اوقات اس پر

مشتمل ہیں]اس سے واضح ہوا کہ حضرت مریم کے ذکر سے اس وقت کا ذکر مقصود ہے جس میں یہ عجیب وغریب قصہ واقع ہوا ﴿ اِنْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴾ یعنی حضرت مریم اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مشرقی مکان میں چلی گئیں یعنی بیت المقدس کی شرقی جانب قریب ایک مکان میں عبادت کرنے کے لیے الگ گوشہ نشین ہو گئیں یا اپنے گھر سے مشرقی جانب لوگوں سے الگ ہو گئیں۔ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ حضرت مریم اپنے گھر سے مشرق کی جانب حیض سے غسل کرنے کے لیے پردہ کر کے الگ بیٹھ گئیں۔

۱۷- ﴿ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ﴾ سو اس نے ان کے سامنے سے پردہ ڈال لیا (یعنی) اس نے اپنے اور اپنے گھر والوں کے درمیان ایک پردہ بنا دیا کہ پردہ اسے چھپالے تاکہ وہ اس کے پیچھے غسل کرے ﴿ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا ﴾ پھر ہم نے اس کی طرف اپنا روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا[اور یہ اضافت تعظیم وتکریم کے لیے ہے]اور حضرت جبریل علیہ السلام کا نام روح رکھا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے دین زندہ ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ یہی وحی لایا کرتا تھا ﴿ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا ﴾ پس وہ اس کے سامنے آدمی کی شکل میں ظاہر ہوا' یعنی حضرت مریم کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام ایک بے ریش نوجوان آدمی کی شکل میں متشکل ہو کر ظاہر ہوئے' روشن چہرے اور سیاہ بالوں کے ساتھ ﴿ سَوِيًّا ﴾ مکمل انسان بن کر تشریف لائے اور حضرت جبریل علیہ السلام لباس بشری اور انسانی شکل میں اس لیے متشکل ہو کر حضرت مریم پاس تشریف لائے تھے تاکہ حضرت مریم ان سے مانوس ہو جائیں اور ان کا کلام سنیں اور ان سے نفرت نہ کریں اور اگر وہ ''ملکی'' صورت (یعنی اپنی اصلی صورت میں) آتے تو وہ ان سے نفرت کرتی اور اسے وحشت وگھبراہٹ لاحق ہو جاتیں اور وہ حضرت جبریل علیہ السلام کا کلام نہ سن سکتیں۔

۱۸- ﴿ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴾ (حضرت مریم نے) کہا: بے شک میں تجھ سے رحمان کی پناہ چاہتی ہوں' اگر تو پرہیز گار ہے یعنی اگر تجھ سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا خوف وڈر رکھتا ہے تو میں یقیناً تجھ سے اس کی پناہ چاہتی ہوں۔

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿٢٣﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾

اس نے کہا: بے شک میں صرف تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں' تاکہ میں تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں ○ مریم نے کہا کہ میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ مجھے تو کسی آدمی نے چھوا بھی نہیں اور نہ میں بدکارہ ہوں ○ اس نے کہا: ایسا ہی ہے' تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے' اور تاکہ ہم لوگوں کے لیے ایک نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنا دیں اور اس کام کا فیصلہ ہو چکا ہے ○ پس مریم اس سے حاملہ ہو گئی اور اس کو (پیٹ میں لیے) دور ایک مکان میں چلی گئی ○ پھر دردِ

زہ اس کو کھجور کے خشک تنے کی طرف لے آیا' کہنے لگی: کاش! میں اس سے پہلے مر جاتی اور میں بھولی بھلائی ہو جاتی O سو اس کے نیچے سے اس نے آواز دی کہ غم نہ کر بے شک تیرے پروردگار نے تیرے نیچے ایک چھوٹی سی نہر بنا دی ہے O

۱۹- ﴿قَالَ﴾ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ﴾ بے شک میں تو صرف تیرے پروردگار کا قاصد ہوں۔ اس آیت مبارکہ میں حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم کو اس بات سے اطمینان دلایا جس سے وہ ڈر گئی تھی اور اس نے حضرت مریم کو آگاہ کیا کہ وہ آدمی نہیں ہے بلکہ وہ اسی کا قاصد ہے جس کی وہ پناہ چاہتی ہے ﴿لِاَهَبَ لَكِ﴾ تاکہ میں اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تجھے ایک لڑکا عطا کروں یا میں تیرے گریبان میں پھونک مار کر لڑکا عطا کرنے کا سبب بن جاؤں [ابوعمرو اور نافع مدنی کی قراءت میں ''لِيَهَبَ لَكِ'' ہے] یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ تجھے ایک پاک لڑکا عطا فرمائے ﴿غُلٰمًا زَكِيًّا﴾ گناہوں سے پاک لڑکا یا نیکی اور برکت کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والا پاکیزہ لڑکا۔

۲۰- ﴿قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ﴾ اس نے کہا کہ میرے ہاں لڑکا یعنی بیٹا کیسے ہوگا؟ [''اَنّٰى'' بہ معنی ''كَيْفَ'' ہے اور ''غُلَامٌ'' بہ معنی ''اِبْنٌ'' ہے] ﴿وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ﴾ اور حالانکہ مجھے کسی آدمی نے نکاح کے ذریعے خاوند بن کر نہیں چھوا ﴿وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا﴾ اور نہ میں بدکارہ ہوں' نہ فاجرہ ہوں جو مردوں کو تلاش کرتی ہے یعنی وہ شہوت کی طلب گار ہوتی ہے' خواہ کسی آدمی سے پوری ہو اور اولاد عام طور پر انہیں دو طریقوں میں سے کسی ایک طریق سے ہوتی ہے [''بَغِيٌّ'' مبرد کے نزدیک ''فَعُوْلٌ'' کے وزن پر ہے' اصل میں ''بَغُوْيٌ'' تھا' پھر واؤ کو ''یا'' سے تبدیل کر دیا گیا اور پہلی ''یا'' کو دوسری ''یا'' میں مدغم کیا گیا اور عین کے نیچے ''یا'' کی اتباع میں کسرہ دے دیا گیا اور اس لیے اس کے آخر میں تائے تانیث لاحق نہیں ہوتی جیسا کہ ''اِمْرَاَةٌ صَبُوْرٌ'' اور ''اِمْرَاَةٌ شَكُوْرٌ'' میں لاحق نہیں ہوتی اور اس کے علاوہ کے نزدیک ''فَعِيْلٌ'' کے وزن پر ہے اور اس کے آخر میں ''ھا'' اس لیے لاحق نہیں ہوتی کہ یہ ''مَفْعُوْلَةٌ'' کے معنی میں ہے اور اگر ''فَاعِلَةٌ'' کے معنی میں ہے تو پھر اس کو یقیناً ''اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ'' (الاعراف:۵۶) کے مشابہ قرار دیا گیا ہے]۔

۲۱- ﴿قَالَ﴾ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا: ﴿كَذٰلِكِ﴾ معاملہ اسی طرح ہے جس طرح تم نے کہا ہے کہ نہ کسی آدمی نے نکاح کے ساتھ تجھے چھوا ہے اور نہ تو بدکارہ ہے ﴿قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾ تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے یعنی بغیر باپ کے لڑکا عطا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے ﴿وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ﴾ اور تاکہ ہم اس کو لوگوں کے لیے نشانی بنا دیں [یہ اپنے محذوف مُعَلَّل کی تعلیل ہے] یعنی تاکہ ہم اس کو لوگوں کے لیے اپنے فعل (بن باپ بیٹا عطا کرنے) کی نشانی اور دلیل و برہان بنا دیں [یہ مضمر کی تعلیل پر معطوف ہے] یعنی تاکہ ہم اس کے سبب اپنی قدرت کو بیان کریں اور تاکہ ہم اس کو لوگوں کے لیے نشانی یعنی عبرت اور اپنی قدرت پر برہان بنا دیں ﴿وَرَحْمَةً مِّنَّا﴾ اور ہم اس کو اپنی طرف سے اس شخص کے لیے جو اس پر ایمان لائے رحمت بنا دیں ﴿وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا﴾ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق کا معاملہ طے شدہ ہے اور اس کا فیصلہ کر دیا گیا ہے اور لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے۔

۲۲- پھر حضرت مریم حضرت جبریل علیہ السلام کی گفتگو سے مطمئن ہو گئیں تو حضرت جبریل اس کے قریب ہو گئے اور اس کے گریبان میں پھونکا اور پھونک اس کے پیٹ میں پہنچ گئی ﴿فَحَمَلَتْهُ﴾ تو جناب مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حاملہ ہو گئی یعنی جو قدرتِ الٰہی سے عطا کیا گیا اور اس وقت حضرت مریم کی عمر تیرہ سال تھی یا دس سال یا پھر بیس سال تھی ﴿فَانْتَبَذَتْ بِهٖ﴾ اور وہ اس کو اپنے پیٹ میں اٹھائے الگ ہو گئی [جار مجرور محلاً حال ہے]۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حمل کی مدت ایک ساعت (ایک گھنٹہ یا ایک لمحہ) تھی' جیسے حضرت مریم حاملہ ہوئی تو اس کے

بعد بہت جلد وضع حمل ہو گیا اور بعض نے فرمایا: حمل کی مدت چھ ماہ تھی اور بعض نے فرمایا: سات ماہ تھی اور بعض نے فرمایا: آٹھ ماہ تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا آٹھ ماہ میں پیدا ہونے والا کوئی بچہ زندہ نہیں رہا اور بعض نے فرمایا کہ ایک ساعت میں حمل ٹھہرا' جب کہ دوسری ساعت میں شکل وصورت تیار کی گئی اور تیسری ساعت میں ولادت باسعادت ہوگئی ﴿مَكَانًا قَصِيًّا﴾ اپنے گھر والوں سے دور پہاڑ کی پچھلی طرف چلی گئی اور یہ اس لیے کہ جب اس نے حمل محسوس کیا تو ملامت کے ڈر سے اپنی قوم سے دور چلی گئی (اس سے معلوم ہوا کہ حمل کے ساتھ ہی ولادت باسعادت نہیں ہوگئی تھی)۔

٢٣- ﴿فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ﴾ پس اس کو درِدزہ لے آیا۔ یہ "جَاءَ بِهَا" کے معنی میں ہے کہ اُسے درِدزہ (کھجور کے خشک تنے کی جڑ کے پاس) لے آیا اور بعض نے فرمایا کہ "اَلْجَاَهَا" ہے یعنی درِدزہ نے اس کو پناہ لینے پر مجبور کر دیا اور یہ بھی "جَاءَ" سے منقول ہے' مگر نقل ہونے کے بعد اس کا استعمال مجبور ہو کر پناہ لینے کے معنی میں تبدیل ہو گیا ہے' کیا تم دیکھتے نہیں کہ "جِئْتُ الْمَكَانَ وَاَجَاءَ نِيْهِ زَيْدٌ" یعنی میں مکان میں آیا اور زید اس کو میرے پاس لے آیا' نہیں کہتے۔ "مَخَاضٌ" بچے کی پیدائش کے وقت درد کو کہا جاتا ہے یعنی درِدزہ ﴿اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ﴾ کھجور کے درخت کی جڑ کی طرف اور کھجور کا یہ تنا خشک ہو چکا تھا اور سردی کا موسم تھا [اور اس کا معرفہ ہونا' اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مشہور ومعروف درخت تھا اور یہ بھی جائز ہے کہ لام تعریف جنس کے لیے ہو یعنی اس درخت کی جڑ] گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کی اس درخت کی طرف رہنمائی فرمائی تھی تا کہ وہ حضرت مریم کو اس درخت کی تازہ پکی کھجوریں کھلائے کیونکہ یہ بچہ جننے والی عورتوں کی خوراک ہے' پھر ﴿قَالَتْ﴾ حضرت مریم نے بچے کی پیدائش کے سبب پہنچنے والی تکلیف سے گھبرا کر کہا: ﴿يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا﴾ کاش! میں اس دن سے پہلے فوت ہو جاتی [قاری نافع مدنی اور ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی کوفیوں کی قراءت میں میم مکسور کے ساتھ "مِتُّ" ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں میم مضموم کے ساتھ "مُتُّ" ہے' چنانچہ "مَاتَ يَمُوْتُ" (مثل "قَالَ يَقُوْلُ") اور "مَاتَ يَمَاتُ" (مثل "خَافَ يَخَافُ") دونوں طرح پڑھا جاتا ہے] ﴿وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا﴾ اور میں بھولی بھلائی ہو جاتی یعنی متروک چیز ہو جاتی' نہ کوئی جانتا نہ پہچانتا اور نہ میرا تذکرہ ہوتا [قاری حفص اور قاری حمزہ کی قراءت میں نون مفتوح کے ساتھ "نَسْيًا" ہے جب کہ دیگر قراء کی قراءت میں نون مکسور کے ساتھ "نِسْيًا" ہے] اور دونوں کا ایک معنی ہے' وہ یہ کہ ایسی چیز جس کا حق یہ ہے کہ اُسے پھینک دیا جائے اور اس کو حقارت کے ساتھ بھلا دیا جائے۔

٢٤- ﴿فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ﴾ سو اس کے نیچے سے اس کو آواز دی یعنی جو اس درخت کے نیچے تھا' اس نے حضرت مریم کو آواز دی اور پکارا' پس "مَنْ" فاعل ہے اور وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے کیونکہ وہ درخت سے نشیب کی جگہ میں تھے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں کہ انہوں نے اپنی والدہ حضرت مریم کو اس کے دامن کے نیچے سے خطاب کیا [قاری ابوبکر کوفی کے علاوہ دیگر کوفیوں اور قاری نافع مدنی کی قراءت میں "مِنْ" میں میم مکسور ہے اور یہ حرف جارہ ہے (جب کہ قاری عاصم' ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی' ابوعمرو' مجاہد' حسن' ابن عباس اور شعبہ کی قراءت میم مفتوح کے ساتھ "مَنْ" اسم موصول بہ معنی "اَلَّذِیْ" ہے) اور حرف جارہ کی صورت میں فاعل مضمر ہوگا اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یا حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور "تَحْتِهَا" میں ھا ضمیر "نَخْلَة" کی طرف لوٹتی ہے] حضرت مریم کو پہنچنے والی تکلیف اور سختی کے باعث اُسے تسلی دینے کے لیے ارشاد فرمایا گیا کہ ﴿اَلَّا تَحْزَنِيْ﴾ تو غم نہ کر اور تو اپنی تنہائی اور خوراک و پانی کی نایابی اور لوگوں کی زبان درازی کے خوف سے پریشان نہ ہو ["اَنْ" بہ معنی "اَیْ" ہے] ﴿قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ﴾ بے شک تیرے پروردگار نے تیرے نیچے (ایک چھوٹی نہر) بنا دی ہے یعنی تیرے قریب نشیب میں یا تیرے حکم کے تحت کر دی ہے' اگر تو اُسے حکم دے کہ وہ رواں ہو جائے تو

وہ رواں ہو جائے گی اور اگر تو اس کو حکم دے کہ بہنے سے رُک جائے تو وہ رک جائے گی ﴿سَرِيًّا﴾ جمہور کے نزدیک چھوٹی نہر مراد ہے اور حضور نبی اکرم رسولِ معظم ﷺ سے ''سَرِیّ'' کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''هُوَ الْجَدْوَلُ'' [1] وہ چھوٹی نہر ہے اور حضرت حسن بیان کرتے ہیں کہ اس کا معنی ہے: مہربان سردار یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ خالد بن صفوان نے حضرت حسن سے کہا کہ اہل عرب ''جدول'' کو ''سَرِیًّا'' کہتے ہیں تو حضرت حسن نے فرمایا: تو نے سچ کہا ہے اور انہوں نے اسی قول کی طرف رجوع کر لیا۔

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾ ۚ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ ښ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾

اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی جانب ہلایئے وہ تجھ پر تازہ پکی کھجوریں گرائے گی O پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھ ٹھنڈی رکھ' پھر اگر تو انسانوں میں سے کسی کو دیکھ لے' تو کہہ دے کہ بے شک میں نے خدائے رحمٰن کے لیے روزے کی منّت مانی ہے' سو آج میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی O پھر وہ اس کو اٹھا کر اپنی قوم کے پاس لے آئی' انہوں نے کہا: اے مریم! بے شک تو ایک عجیب کام کر لائی ہے O اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی O تو اس نے اس بچے کی طرف اشارہ کیا' انہوں نے کہا: ہم اس سے کیسے بات کریں جو (ماں کی) گود میں بچہ ہے O

۲۵- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے زمین پر اپنی ایڑی ماری تو نیچے سے میٹھے پانی کا ایک چشمہ ظاہر ہو گیا' جس سے خشک نہر جاری ہو گئی اور کھجور کا درخت سرسبز و شاداب ہو کر پھل آور ہو گیا اور اسی وقت وہ پھل تیار ہو کر پک گیا تو حضرت مریم سے فرمایا گیا: ﴿وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ﴾ اور تو اس درخت کو جڑ سے پکڑ کر دائیں بائیں حرکت دے کر اپنی طرف ہلا [ابو علی نے کہا کہ حرف ''بـا'' زائدہ ہے] یعنی کھجور کے تنے کی جڑ کو پکڑ کر حرکت دے اور اپنی طرف ہلا ﴿تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا﴾ وہ تجھ پر تازہ پکی کھجوریں گرائے گی [ابن کثیر مکی' نافع مدنی' ابن عامر شامی' ابو عمرو' علی کسائی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں پہلی ''تـا'' کو دوسری میں مدغم کیا گیا ہے اور اصل میں ''تَتَسَاقَطْ'' دونوں ''تا'' کے اظہار کے ساتھ ہے اور حمزہ کی قراءت میں پہلی ''تا'' اور قاف مفتوح ہیں اور دوسری ''تا'' محذوف کر دی گئی ہے اور سین مخفف ہے جب کہ یعقوب' سہل' حماد اور نصیر کی قراءت میں ''یا'' اور قاف مفتوح ہیں اور سین مشدد کے ساتھ ''يَسَّاقَطْ'' ہے اور امام حفص کی قراءت میں ''تا'' مضموم اور قاف مکسور باب مفاعلہ سے ''تُسَاقِطْ'' ہے اور ''تُسْقِطْ'' اور ''يُسْقِطْ'' اور ''يَسْقُطْ'' سب قراءتوں میں ''یا'' کی صورت میں اس کے اندر ضمیر مذکر ''جِذْعٌ'' کی طرف راجع ہو گی اور ''تـا'' کی صورت میں اس کی ضمیر مؤنث ''نَخْلَةٌ'' کی طرف راجع ہو گی' پس یہ نو قراءتیں ہوئیں اور

[1] رواہ الطبرانی فی الجامع الصغیر ج ۱ ص ۲۴۴

''رُطَبًا'' تمییز ہے یا حسبِ قراءت مفعول بہ ہے]اور'' جَنِيًّا'' کا معنی ہے: تازہ اور عمدہ'اور مفسرین کرام نے بیان کیا ہے کہ بچے کی پیدائش کے وقت نفاس والی عورتوں کے لیے کھجوریں کھانا عام عادت ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ نفاس والی عورتوں کے لیے تازہ پکی کھجوروں سے زیادہ کوئی چیز بہتر نہیں ہے اور بیمار کے لیے شہد سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔

٢٦- ﴿ فَكُلِي ﴾ پس تو تازہ وعمدہ اور پکی کھجوروں میں سے خوب کھا ﴿ وَاشْرَبِي ﴾ اور نہر سے پانی پی ﴿ وَقَرِّي عَيْنًا ﴾ اور اپنے پیارے اور پسندیدہ بیٹے سے آنکھ ٹھنڈی کر [اور'' عَيْنًا'' تمییز ہے]یعنی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اپنا دل خوش رکھ اور بہ وقتِ ولادت جو غم ورنج تجھے لاحق ہوا' اس کو اپنے آپ سے دور کر ﴿ فَإِمَّا ﴾ [اس کی اصل'' إِنْ مَـا'' ہے' پھر ''إِنْ'' شرطیہ کو'' مَا'' کی طرف ضم کیا گیا اور'' إِنْ'' کو'' مَا'' میں مدغم کر دیا گیا](ترجمہ:) پس اگر ﴿ تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا ﴾ تو کسی آدمی کو دیکھ لے تو کہہ دینا کہ بے شک میں نے رحمٰن کے لیے روزے کی منت مان لی ہے یعنی پس اگر تو کسی آدمی کو دیکھ لے جو تجھ سے تیرے حال کے بارے میں سوال کرے تو تم کہہ دینا کہ میں نے خدائے رحمٰن کے لیے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے اور گفتگو نہ کرنے کی منت مانی ہوئی ہے جیسے روزے دار کھانے پینے سے دن بھر رُکے رہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ حقیقی روزہ تھا اور ان کے نزدیک روزوں میں خاموشی لازمی تھی اور وہ لوگ روزے کی طرح خاموشی کو لازم قرار دیتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے خاموشی اور چپ کے روزے سے منع فرما دیا ہے' سو یہ ہمارے مذہب میں منسوخ ہو چکا ہے' باقی حضرت مریم کو خاموش رہنے کی منت کا اس لیے حکم دیا گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کی طرف سے کلام کرنے اور اس کی پاک دامنی و براءت بیان کرنے کے لیے کافی تھے تاکہ حضرت مریم کم عقل اور بے وقوف لوگوں سے نہ جھگڑتی پھریں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بے وقوف اور کم عقل لوگوں سے جھگڑنے کی بجائے خاموشی اختیار کرنا واجب ہے اور جاہل و بے وقوف کو صرف روگردانی جیسے عمل سے نہ روکا جائے اور نہ بالکل اس کی رسی کو چھوڑ دیا جائے اور حضرت مریم نے لوگوں کو اشارہ سے بتایا کہ اس نے خاموش رہنے کی منت مان رکھی ہے اور اس اشارہ کو کلام اور قول کہا گیا ہے' کیا تم نے قبروں کی تعریف میں شاعر کے اس قول کی طرف نہیں دیکھا کہ اس نے کہا:'' وَتَـكَلَّمَتْ عَنْ اَوْجُهٍ تَبْلٰى'' ''اور میں نے بوسیدہ چہروں سے گفتگو کی ہے''۔

اور بعض نے کہا کہ اتنے کلام کے بعد حضرت مریم پر خاموش رہنا واجب کر دیا گیا تھا یا پھر اس قدر کلام کرنے کی اس کو اجازت دی گئی تھی ﴿ فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا ﴾ پس آج میں کسی آدمی سے ہرگز بات نہیں کروں گی۔

٢٧- ﴿ فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا ﴾ پھر وہ نفاس سے پاک ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر اپنی قوم کے پاس آئی ﴿ تَحْمِلُهُ ﴾ وہ اس کو اٹھا کر لائی [یہ حال واقع ہو رہا ہے]یعنی حضرت مریم اپنی قوم کے پاس اس حال میں آئی کہ وہ اپنی گود میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھائے ہوئے تھی' چنانچہ جب ان لوگوں نے اس کے ساتھ بچے کو دیکھا تو ﴿ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴾ انہوں نے کہا: اے مریم! بے شک تم نے عجیب وغریب اور انوکھا کام کیا ہے۔'' فَرِی'' کا معنی جدا ہونا' الگ کرنا اور کاٹنا ہے گویا یہ کام عادت کو قطع کرنے والا یا عادت کے خلاف ہے۔

٢٨- ﴿ يَا أُخْتَ هَارُونَ ﴾ اے ہارون کی بہن! اور جناب ہارون حضرت مریم کے علاتی یعنی اس کے باپ کی طرف سے بھائی تھے اور یہ بنی اسرائیل میں سب سے افضل تھے یا پھر یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے اور حضرت مریم ان کی نسل میں سے تھیں اور ان کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ تھا اور یہ ایسا ہے جیسے کہا جاتا ہے:'' يَا اَخَا هَمْدَان'' اے ہمدان کے بھائی! یعنی اے ان میں سے ایک فرد یا ان میں یہ طریقہ رائج تھا کہ ان کے زمانہ میں نیک آدمی ہوتا تو نیکی میں اس کے

ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے اس کا بھائی کہہ کر بلاتے تھے یا اپنے زمانہ کا بدترین آدمی ہوتا تو بُرائی میں اس کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے اس کا بھائی کہہ کر بلاتے تھے ﴿ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ ﴾ تیرا باپ عمران تو بدکار وزانی نہیں تھا ﴿ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴾ اور نہ تیری ماں حنہ سرکش وزانیہ تھی۔

٢٩- ﴿ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ﴾ تو حضرت مریم نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا کہ وہ لوگوں کو جواب دیں گے اور یہ اس لیے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنی والدہ سے فرمایا تھا کہ آپ غم نہ کیجئے اور جواب میری طرف پھیر دیجئے اور بعض نے کہا کہ حضرت مریم کو اس کا حکم حضرت جبریل علیہ السلام نے دیا تھا اور جب حضرت مریم نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا تو لوگ غضب ناک ہو گئے اور انہوں نے تعجب کیا اور ﴿ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم اس سے کیسے کلام کریں جو گھوارے میں نو پید بچہ ہے [''صَبِيًّا'' حال واقع ہو رہا ہے]۔

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۟ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۫ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿٣٤﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٣٥﴾

اس بچے نے کہا: بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے O اور اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے میں کہیں بھی ہوں' اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید فرمائی ہے جب تک میں زندہ ہوں O اور مجھے والدہ سے نیک سلوک کرنے والا بنایا ہے' اور اس نے مجھے سرکش و بدبخت نہیں بنایا O اور مجھ پر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا ہوں اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے زندہ اٹھایا جائے گا O یہ مریم کے بیٹے عیسٰی ہیں' سچی بات یہی ہے جس میں وہ لوگ شک کرتے ہیں O اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنالے' وہ (اس سے) پاک ہے' جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے صرف یہ فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے O

٣٠- ﴿ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ﴾ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے (جواب میں) فرمایا: بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور جب حضرت مریم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی بولنے والی زبان کو خاموش کر دیا اور چپ کا روزہ رکھ لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض میں (حضرت عیسٰی کی) خاموش زبان کو گویائی عطا فرما دی یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی عبودیت کا اعتراف واعلان کیا اور اس وقت ان کی عمر چالیس دن تھی یا پھر صرف ایک دن تھی۔

اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنی شہادت کی انگلی مبارک سے اشارہ کیا اور بلند آواز سے فرمایا: ''اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ'' بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں (میرے جیسا نبی صاحبِ کتاب بندہ صرف پاک دامن ماں کو نصیب ہوتا ہے) نیز اس اعتراف میں عیسائیوں کے قول کی تردید ہوگئی ہے ﴿ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب یعنی انجیل عطا فرمائی ہے ﴿ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴾ اور مجھے نبی بنایا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت بیان کی گئی

ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کی گود میں نبی تھے اور ان کا بچپن میں کلام کرنا ان کا معجزہ تھا اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت و کتاب عطا فرمانے کا فیصلہ ازل میں ہو چکا تھا یا یقینی طور پر ہر حال میں ملنے والے منصب کو ماضی کے ساتھ اس لیے تعبیر کیا گیا کہ گویا وہ منصب اب بھی موجود ہیں اور مل چکے ہیں۔

٣١- ﴿وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے برکت والا بنایا ہے میں جہاں کہیں بھی رہوں یعنی میں جہاں بھی ہوں نفع دینے اور فائدہ پہنچانے والا ہوں یا معلّم خیر ہوں کہ میں بھلائی کی تعلیم دینے والا ہوں ﴿وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے' اگر میں نصاب کا مالک بن جاؤں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ زکوٰۃ سے صدقۂ فطر مراد ہے یا پھر بدن کی طہارت و پاکیزگی مراد ہے اور یہ معنی بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تاکید کی ہے کہ میں تمہیں نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دوں ﴿مَا دُمْتُ حَیًّا﴾ جب تک میں زندہ ہوں یعنی اپنی پوری زندگی [''حَیًّا'' ظرف ہونے کی بناء پر منصوب ہے]۔

٣٢- ﴿وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ﴾ اور میں اپنی والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا اور اس کی تعظیم و تکریم اور عزت کرنے والا ہوں [یہ ''مُبَارَكًا'' پر معطوف ہے] ﴿وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے سرکش و متکبر اور بدبخت و نافرمان نہیں بنایا۔

٣٣- ﴿وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ﴾ اور مجھ پر سلام ہو جس دن میں پیدا ہوا ہوں [''یَوْمَ'' ظرف ہے اور اس میں عامل خبر ہے اور وہ ''عَلَیَّ'' ہے] ﴿وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا﴾ اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں گا یعنی وہی سلامتی جو حضرت یحییٰ علیہ السلام پر تین اوقات میں بھیجی جائے گی' وہی سلامتی انہیں تین اوقات میں مجھ پر بھیجی جائے گی [اور یہ اس صورت میں ہوگا کہ اگر لام تعریف عہد خارجی کا ہو اور اگر لام تعریف جنس کا ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ جنس سلام مجھ پر ہو] اور اس میں حضرت مریم اور اس کے بیٹے کے دشمنوں پر لعنت کا اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ پر سلام ہو تو ان کے دشمنوں پر یقیناً سلام کی ضد یعنی لعنت پیش کی گئی کیونکہ یہ مقام انکار و مخالفت کا مقام ہے' پس یہ کلام اس قسم کی تعریض و اشارہ کے لیے علامت و نشانی ہے۔

٣٤- ﴿ذٰلِكَ﴾ [مبتدا ہے] ﴿عِیْسَى﴾ [اس کی خبر ہے] ﴿ابْنُ مَرْیَمَ﴾ [اس کی صفت ہے یا پھر دوسری خبر ہے] یعنی جس نے فرمایا ہے کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں صاحبِ کتاب نبی ہوں اور اسی طرح کا اور کلام فرمایا ہے وہ جناب عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں جیسے عیسائیوں نے کہا ویسے نہیں کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ خدا ہیں یا خدا کے بیٹے ہیں ﴿قَوْلَ الْحَقِّ﴾ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں' سو ''قول'' سے ''کلمہ'' اور ''حق'' سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اور انہیں کے بارے میں ''كَلِمَةُ اللّٰهِ'' فرمایا گیا ہے کیونکہ وہ باپ کے واسطے کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کے کلمہ ''كُنْ'' سے پیدا ہوئے تھے [اور اس پر رفع (پیش) اس بناء پر ہے کہ یہ خبر کے بعد خبر ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے (یعنی ''هُوَ قَوْلُ الْحَقِّ'') یا بدل ہے اور ابن عامر شامی اور امام عاصم کی قراءت میں بطور مدح منصوب ہے] ﴿الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ﴾ وہی جس میں وہ لوگ شک کرتے ہیں [یہ ''مِرْیَةٌ'' سے مشتق ہے بہ معنی شک کرنا] یا وہ لوگ تکبر کی وجہ سے اختلاف کرتے تھے' چنانچہ یہودیوں نے کہا کہ یہ جھوٹا جادوگر ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور تین خداؤں میں سے تیسرے خدا ہیں۔

٣٥- ﴿مَا كَانَ لِلّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے مناسب اور لائق نہیں ہے ﴿اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ﴾ کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنا

لے [یہ کلام نفی کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے] ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ اس کی ذاتِ اقدس اپنے لیے اولاد بنانے سے پاک ہے ﴿اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ﴾ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے صرف یہی فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے یعنی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے لیے فرمایا: "کُنْ" ہو جا تو وہ بغیر باپ کے ہو گئے اور جو اس شان کے ساتھ متصف ہوتا ہے وہ کسی جان دار والد کے مشابہ ہونے سے پاک ہوتا ہے [ابن عامر شامی کی قراءت میں "فَیَكُوْنَ" منصوب ہے]۔

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْیَوْمَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾ وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْهَا وَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع

ع ۲ ۵ ۔ وقف لازم

اور بے شک اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے' سو تم اسی کی عبادت کرو' یہی سیدھا راستہ ہے O پھر انہیں کے درمیان میں سے کئی گروہوں نے اختلاف کیا' سو کافروں کے لیے ہلاکت ہے ایک بہت بڑے دن کی حاضری سے O کیا خوب سنیں گے اور کیا خوب دیکھیں گے' جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے لیکن آج ظالم لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں O اور (اے محبوب!) آپ انہیں حسرت کے دن سے ڈرائیں جب ہر کام کا فیصلہ کیا جائے گا' اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے O بے شک زمین اور جو کچھ اس پر ہے سب کے مالک ہم ہی ہوں گے اور وہ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے O

۳۶- ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے' سو تم اسی کی عبادت کرو' اور یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے یعنی جس طرح میں خود اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں' سو تم بھی اُسی کے بندے ہو اور مجھ پر اور تم پر لازم ہے کہ ہم سب اسی کی عبادت کریں [ابن عامر شامی اور کوفیوں کی قراءت میں مبتدا ہونے کی بناء پر الف مکسور کے ساتھ "اِنَّ اللّٰهَ" ہے اور جس نے الف مفتوح پڑھا ہے اس نے "بِالصَّلٰوةِ" پر عطف کیا ہے] "اَیْ وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوةِ وَبِالزَّكٰوةِ وَبِاَنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ" یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے اور اس بات کی تاکید کی ہے کہ بے شک میرا پروردگار اور تمہارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہی ہے یا یہ اپنے بعد والے فعل کے ساتھ متعلق ہے "اَیْ وَلِاَنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ" یعنی اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے' پس تم اسی کی عبادت کرو ﴿هٰذَا﴾ یہ جو ذکر کیا گیا ہے ﴿صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ﴾ سیدھا راستہ ہے' سو تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

۳۷- ﴿فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ﴾ پس جماعتوں نے اختلاف کیا۔ ["احزاب"، "حزب" کی جمع ہے] اور "حزب" اُس گروہ کو کہتے ہیں جو دوسروں کے برخلاف اپنی الگ رائے رکھتا ہو اور وہ تین گروہ تھے: نسطوریہ' یعقوبیہ اور ملکانیہ ﴿مِنْۢ

﴿بَيْنِهِمْ﴾ حضرت عیسیٰ کے ساتھیوں کے درمیان یا اس کی قوم کے درمیان یا پھر لوگوں کے درمیان اور یہ اس لیے کہ نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اختلاف کیا' جب انہیں آسمان کی طرف اٹھالیا گیا' پھر سب کے سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ وہ تین آدمیوں کی طرف رجوع کریں گے جوان کے زمانہ میں ان سب سے زیادہ بڑے عالم تھے اور وہ یعقوب اور نسطور اور ملکاء تھے' چنانچہ یعقوب نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اللہ تعالیٰ تھے جو زمین پر اترے تھے' پھر آسمان کی طرف چڑھ گئے' اور نسطور نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے تھے' اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا انہیں ظاہر فرمایا' پھر انہیں اپنی طرف اٹھالیا' اور ملکاء نے کہا کہ یہ سب جھوٹ بولتے ہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام مخلوق تھے اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے اور سچے نبی تھے' پھر قوم ان میں سے ہر ایک کی پیروی اختیار کر کے تین گروہوں میں تقسیم ہوگئی ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا﴾ سوان گروہوں میں سے کافروں کے لیے ہلاکت و بربادی ہے کیونکہ ان میں سے ایک گروہ حق پر ہے ﴿مِن مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ بہت بڑے دن کی حاضری سے' اور وہ قیامت کا دن ہے یعنی بروزِ قیامت حساب و کتاب اور سزا کی سختی کے لیے ان کی حاضری سے یا ان کے خلاف اس دن کی گواہی سے اور وہ یہ کہ فرشتے اور انبیائے کرام ان کے خلاف گواہی دیں گے اور خود ان کے اعضاء ان کے خلاف ان کے کفر کی گواہی دیں گے یا حاضری کی جگہ سے یا حاضری کے وقت سے یا پھر قیامت میں ان کا باہمی مشورہ کے لیے جمع ہونے کا دن مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس دن کو بہت بڑا اس لیے قرار دیا کہ کافروں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلط گواہی دی تھی' جس کی وجہ سے اس دن ان کی رسوائی ہوگی۔

٣٨۔ ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا﴾ وہ اس روز کیا خوب سنیں گے اور کیا خوب دیکھیں گے' جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے۔ جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ الفاظ امر کے ہیں اور ان کا معنی تعجب کا ہے اور اللہ تعالیٰ تعجب کے ساتھ موصوف نہیں ہوتا لیکن مراد یہ ہے کہ بروزِ قیامت ان کا خوب سننا اور خوب دیکھنا اسی لائق ہے کہ ان سے تعجب کیا جائے کیونکہ وہ دنیا میں بہرے اور اندھے بنے رہے تھے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگرچہ کفار دنیا میں حق سے اندھے اور بہرے بنے رہے لیکن قیامت کے روز ان کا ہدایت کی بات سننا اور اُسے دیکھنا بہت زیادہ تیز ہو جائے گا جو انہیں نفع نہیں دے گا [''بِهِمْ'' فاعل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے جیسے ''أَكْرَمَ بِزَيْدٍ'' کیونکہ اس کا معنی ''كَرُمَ زَيْدٌ جِدًّا'' ہے یعنی زید بہت بزرگ و معزز ہو گیا ہے] ﴿لَٰكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ﴾ [اسم ظاہر (الظَّالِمُونَ) کو ضمیر کے قائم مقام کیا گیا ہے کیونکہ اصل میں ''لٰكِنَّهُمُ الْيَوْمَ'' ہے] یعنی لیکن آج وہ لوگ دنیا میں اپنے اوپر ظلم کرنے لگے ہیں کہ انہوں نے حق بات سننے اور اس میں غور کرنے کو ترک کر دیا جب کہ یہی چیز ان کے لیے مفید تھی اور انہوں نے عبادت کو اصل جگہ کی بجائے غیر مقام پر رکھا ہے ﴿فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ حق سے روگردانی کر کے واضح اور کھلم کھلا گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور گمراہی سے مراد ان کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ اعتقاد ہے کہ وہ معبود اور اِلٰہ ہیں حالانکہ ان میں امکان و حدوث اور مخلوق ہونے کے آثار ظاہر ہیں' جو اس بات کی دلیل ہیں کہ ان لوگوں کے ظلم سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں۔

٣٩۔ ﴿وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ اور اے محبوب! آپ انہیں حسرت کے دن یعنی قیامت کے دن سے ڈرایئے کیونکہ اس میں انہیں اپنے فوت شدہ اعمال پر ندامت و شرمندگی ہوگی اور حدیث شریف میں ہے کہ جب کفار جنت میں اپنے منازل و مقامات دیکھیں گے کہ اگر وہ ایمان لے آتے تو ان میں رہتے تو انہیں حسرت و ندامت ہوگی ﴿إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ﴾ جب ہر معاملہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور حساب و کتاب سے فراغت ہو جائے گی اور دونوں فریق یعنی جنتی لوگ جنت کی طرف چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے [''إِذْ''، ''يَوْمَ الْحَسْرَةِ'' سے بدل ہے یا ''حسرة'' کے لیے ظرف

ہے اور وہ مصدر ہے] ﴿ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ ﴾ اور وہ آج یہاں اس مقام کے اہتمام سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ﴿ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ اور وہ ایمان نہیں لاتے اور نہ وہ حق کی تصدیق کرتے ہیں [دونوں "هُمْ" حال واقع ہوئے ہیں] یعنی اے محبوب! آپ انہیں اس حالت پر ڈرائیں کہ وہ غافل ہو چکے ہیں (اور) وہ ایمان نہیں لاتے۔

٤٠- ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا ﴾ بے شک زمین اور جو کچھ اس پر ہے سب کے ہم ہی مالک ہوں گے یعنی جب سب ہلاک وفنا ہو جائیں گے تو اس وقت ہم اکیلے بادشاہی اور بقاء کے ساتھ متصف ہوں گے [اور "مَنْ" ذوی العقول کے غلبہ وکثرت کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے] ﴿ وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴾ اور وہ سب کے سب ہماری طرف لوٹائے جائیں گے ["یا" مضموم اور جیم مفتوح کے ساتھ "يُرْجَعُوْنَ" ہے جب کہ یعقوب کی قراءت میں "یا" مفتوح اور جیم مکسور ہے] یعنی وہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لوٹ کر جائیں گے اور انہیں ان کے اعمال پر پورا پورا بدلا دیا جائے گا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾

اور (اے محبوب!) کتاب میں ابراہیم کو یاد کیجئے' بے شک وہ بہت سچا نبی تھا O جب اس نے اپنے باپ (چچا ابو) سے فرمایا: اے میرے ابا جان! تو اس کی عبادت کیوں کرتا ہے جو نہ سنتا ہے اور نہ وہ دیکھتا ہے اور نہ وہ تجھ سے کسی (تکلیف دِہ) چیز کو دور کر سکتا ہے O اے میرے ابا جان! بے شک میرے پاس وہ علم آ چکا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا' سو تو میری پیروی اختیار کر لے میں تجھے سیدھا راستہ دکھاؤں گا O اے میرے ابا جان! تو شیطان کی عبادت نہ کر' بے شک شیطان رحمٰن کا بہت نافرمان ہے O اے میرے ابا جان! بے شک میں ڈرتا ہوں کہ تجھے رحمٰن کی طرف سے عذاب پہنچے گا' سو تو شیطان ہی کا دوست رہے گا O

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ

٤١- ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ اور اے محبوب! آپ اپنی قوم سے اس کتاب یعنی قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کا اپنے باپ کے ساتھ قصہ بیان کیجئے ﴿ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴾ بے شک وہ بہت سچے نبی تھے۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ صادق وہ شخص ہوتا ہے جو افعال میں صحیح ہو اور صدیق وہ شخص ہوتا ہے جو احوال میں صحیح ہو [پس صدیق مبالغہ کے صیغوں میں سے ہے اور اس کی مثال "اَلضِّحِّيْكُ" ہے] اور اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت زیادہ سچ بولتے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کے مغیبات اور اس کی آیات اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کی بہت زیادہ کثرت سے تصدیق کرنے والے تھے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام نبیوں اور تمام کتابوں کی تصدیق کرتے تھے اور وہ بذاتِ خود نبی تھے [اور یہ ابراہیم اور اس سے بدل کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور "نَبِيًّا" ہمزہ کے بغیر ہے جب کہ نافع مدنی کی قراءت میں ہمزہ کے

ساتھ ''نَبِیًّا'' ہے]۔

٤٢۔﴿ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ ﴾ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے فرمایا[اور یہ جائز ہے کہ ''اِذْ''، ''كَانَ'' کے ساتھ متعلق ہو یا ''صِدِّیْقًا نَّبِیًّا'' کے متعلق ہے] یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام صدیقوں اور نبیوں کی تمام خصوصیات کے جامع تھے جب انہوں نے اپنے باپ کو ان مخاطبات کے ساتھ خطاب کیا اور رسول اللہ ﷺ کا حضرت ابراہیم کو یاد کرنا اور ان کا قصہ قرآن مجید میں بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کا قصہ لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور ان کے ذکرِ جمیل کی لوگوں کو تبلیغ کریں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِیْمَ'' (الشعراء:٦٩) ''اور آپ ان کے سامنے حضرت ابراہیم کی خبر پڑھ کر سنائیں''۔ ورنہ اللہ عزوجل خود حضرت ابراہیم کا ذاکر ہے اور وہی خود اپنی نازل کردہ کتاب قرآن مجید میں ان کا ذکر وارد کرنے والا ہے ﴿ یٰۤاَبَتِ ﴾ اے میرے باپ! [''تَا'' مکسور ہے جب کہ ابن عامر شامی کی قراءت میں ''تَا'' مفتوح ہے اور یہ ''تَا'' یائے اضافت محذوفہ کے عوض میں ہے (اصل میں ''یَا اَبِیْ'' تھا) یہی وجہ ہے کہ ''یَا اَبَتِیْ'' نہیں کہا جاتا تاکہ عوض اور معوض منہ دونوں ایک جگہ جمع نہ ہو جائیں] ﴿ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ ﴾ تو اس کی عبادت کیوں کرتا ہے جو نہ سنتا ہے اور نہ وہ دیکھتا ہے [ان دونوں میں مفعول ''مَنْسِیٌّ'' غیر منوی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ان کا مفعول مقدر ہو] ''اَیْ لَا یَسْمَعُ شَیْئًا وَّلَا یُبْصِرُ شَیْئًا'' یعنی معبودانِ باطل نہ کچھ سنتے ہیں اور نہ کچھ دیکھتے ہیں ﴿ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْئًا ﴾ اور نہ وہ تجھ سے کسی چیز کو دور کر سکتے ہیں اور نہ وہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں [ایک احتمال یہ ہے کہ ''شَیْئًا'' مصدر کی جگہ پر واقع ہے ''اَیْ شَیْئًا مِنَ الْغِنٰی'' یعنی معمولی سے معمولی اور کم سے کم فائدہ بھی نہیں پہنچا سکتے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ مفعول بہ ہے تمہارے اس قول کے مطابق کہ ''اَغْنِ عَنِّیْ وَجْهَكَ'' تو اپنا چہرہ مجھ سے پھیر لے یعنی مجھ سے دور کر لے]۔

٤٣۔﴿ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ ﴾ اے میرے ابا جان! بے شک میرے پاس علم آچکا ہے یعنی میرے پاس وحی آچکی ہے یا مجھے رب تعالیٰ کی معرفت مل چکی ہے ﴿ مَا لَمْ یَاْتِكَ ﴾ جو تیرے پاس نہیں آیا [''مَا لَا یَسْمَعُ'' اور ''مَا لَمْ یَاْتِكَ'' میں لفظ ''مَا'' کے متعلق یہ بھی جائز ہے کہ یہ موصولہ ہو یا پھر موصوفہ ہو] ﴿ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا ﴾ سو تم میری پیروی اختیار کر لو میں تمہیں سیدھا راستہ دکھاؤں گا اور تمہاری صحیح راہنمائی کروں گا۔

٤٤۔﴿ یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ﴾ اے میرے باپ! تو شیطان کی عبادت نہ کر (یعنی) شیطان نے جو بتوں کی عبادت آراستہ کر کے بھلی کر دکھائی ہے' اس میں تم اس کی اطاعت نہ کرو ﴿ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا ﴾ بے شک شیطان رحمان کا نافرمان اور گنہگار ہے۔

٤٥۔﴿ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ ﴾ اے میرے باپ! بے شک میں ڈرتا ہوں۔ بعض نے فرمایا کہ ''اَخَافُ'' بہ معنی ''اَعْلَمُ'' ہے یعنی میں جانتا ہوں ﴿ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا ﴾ کہ تجھے رحمان کی طرف سے عذاب پہنچے گا' پس تو دوزخ کی آگ میں شیطان کا ساتھی اور دوست بن جائے گا' تو اس کا ساتھی ہوگا وہ تیرا ساتھی ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کو نصیحت کرنے میں غور کرو کہ آپ نے کس قدر خوبصورتی کے ساتھ ادب کی رعایت فرمائی اور جیسا انہیں حکم دیا گیا تھا اس کے مطابق نہایت نرمی اور حسنِ خلق کے ساتھ تبلیغ فرمائی کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ بے شک تم میرے خلیل ہو' لہٰذا تم ہر ایک کے ساتھ حسنِ خلق کا مظاہرہ کرو' خواہ تمہیں کفار کے ساتھ بات کرنی ہو' اس طرح تم نیکوکاروں کی منازل میں داخل ہو جاؤ گے' چنانچہ حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے سرکشی پر تنبیہ کرنے والے اور زیادتی پر آگاہ کرنے والے اور اس سے روکنے والے شخص کی طرح اپنے خطاب میں پہلے بتوں کی عبادت کرنے پر آزر سے اس کی وجہ اور علت دریافت کی اس لیے کہ جو مرتبہ وشان میں اشرف المخلوق ہیں اور وہ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں جو شخص ان کی عبادت کرے گا اس پر کھلی گمراہی کا حکم لگایا جائے گا تو پھر وہ شخص کتنا بڑا گمراہ اور ظالم ہوگا' جو درختوں اور پتھروں کی عبادت کرتا ہے جو کہ اپنے عبادت کرنے والے کا ذکر نہیں سن سکتے اور نہ اس کی عبادت کی کیفیات کو ملاحظہ کر سکتے ہیں اور نہ اس سے مصیبتوں اور بلاؤں کو دور کر سکتے ہیں اور نہ اس کی حاجت پوری کر سکتے ہیں' پھر آپ نے دوبارہ بڑی نرمی اور لطف وکرم کے ساتھ اُسے حق کی طرف دعوت دی اور اپنے باپ (چچا) کا جہالت مفرطہ کے لقب کے ساتھ نام نہیں لیا اور نہ اپنا نام علمی فوقیت کے ساتھ لیا لیکن اس سے اتنا فرمایا کہ میرے پاس ایسا علم ہے جو تیرے پاس نہیں ہے اور یہ علم سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے' پس تو تسلیم کرلے کہ بے شک میں اور تو ایک سفر پر ہیں اور مجھے راستے کی پہچان حاصل ہے جب کہ تجھے نہیں' سو تو میری اتباع کر۔ کیا میں پسند کروں گا کہ تو گمراہ ہو جائے اور غلط راہ پر جائے؟ پھر تیسری آپ نے اسے اس (بت پرستی) سے منع کیا' جس پر وہ تھا کہ شیطان ہی تو ہے جس نے اُس رحمان کی نافرمانی کی' جس ذاتِ بابرکات سے تمام نعمتیں حاصل ہوتی ہیں' اسی شیطان نے تجھے بتوں کی عبادت میں لگایا اور ان کی عبادت کو تیرے لیے خوش نما بنایا' پس حقیقت میں تو اسی کی عبادت کرنے والا ہے' پھر چوتھی مرتبہ آپ نے اُسے بُرے انجام سے اور اسی کی وجہ سے اس پر جاری ہونے والی تکلیفوں اور وبال سے ڈرایا لیکن اس کے باوجود ادب کی رعایت کی' کیونکہ تصریح کے ساتھ نہیں فرمایا کہ اُسے سزا ملے گی اور یقیناً اسے عذاب ملے گا بلکہ فرمایا کہ مجھے اندیشہ اور خوف ہے کہ تجھے کوئی عذاب پہنچے گا [''عَذَابٌ'' کو نکرہ ذکر کر کے خبردار کیا کہ عذاب تھوڑا ہوگا] گویا آپ نے فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ تجھے رحمان کا کچھ عذاب پہنچے گا اور آپ نے شیطان کی دوستی کو اور اس کے تمام گروہوں اور اس کے دوستوں میں شمولیت کو عذاب سے بڑھ کر قرار دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا دوسری نیکیوں سے بڑھ کر عظیم الشان ہے اور حضرت ابراہیم نے ہر نصیحت کو ''یَا اَبَتِ'' فرما کر شروع کیا اور اسے نصیحت کا وسیلہ قرار دیا اور نرمی کا اظہار کیا اور باپ کے احترام کے وجوب سے آگاہ کیا' خواہ وہ کافر ہی ہو۔

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِیًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا ﴿۵۰﴾ ع ۳

آزر نے کہا: اے ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے روگردانی کرتے ہو؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور سنگسار کر کے تمہیں ختم کر دوں گا اور تم مجھے عرصہ دراز تک چھوڑ دو○ ابراہیم نے فرمایا: تجھے سلام ہو' عنقریب میں اپنے پروردگار سے تیرے لیے معافی مانگوں گا' بے شک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے○ اور میں تمہیں اور تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو

سب کو چھوڑ دوں گا اور میں اپنے پروردگار سے دعا کرتا ہوں امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کی دعا سے محروم نہیں رہوں گا۔ پھر جب ان کو اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی وہ عبادت کرتے ہیں ان کو چھوڑ کر چلے گئے تو ہم نے ان کو اسحٰق اور یعقوب عطا فرمائے اور ہم نے ان سب کو پیغمبر بنایاO اور ہم نے انہیں اپنی رحمت عطا فرمائی اور ہم نے ان کے لیے سچائی کی زبان (ذکر جمیل) کو بلند و مشہور کر دیاO

٤٦-﴿قَالَ﴾ سو پھر آزر نے ڈانٹتے ہوئے کہا: ﴿أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ﴾ اے ابراہیم (علیہ السلام)! کیا تم میرے معبودوں سے روگردانی کرتے ہو؟ یعنی کیا تم ان کی عبادت سے روگردانی کرتے ہو؟ آزر نے حضرت ابراہیم کو نام سے پکارا اور "یَا اَبَتِ" کے مقابلہ میں "یَا بُنَیَّ" سے نہیں پکارا [اور اس نے خبر کو مبتدا پر مقدم کیا ہے کیونکہ یہی اس کے نزدیک اہم تھا] ﴿لَئِن لَّمْ تَنتَهِ﴾ البتہ اگر تم بتوں کو برا بھلا کہنے سے باز نہ آئے تو ﴿لَأَرْجُمَنَّكَ﴾ میں تمہیں ضرور پتھروں کے ساتھ سنگسار کر دوں گا (اور) میں تمہیں ضرور پتھروں کے ساتھ قتل کر دوں گا یا میں تمہیں پتھروں کے ساتھ ضرور ماردوں گا یہاں تک کہ تم دور چلے جاؤ یا میں تمہیں ضرور بُرا کہوں گا ﴿وَاهْجُرْنِي﴾ [یہ محذوف فعل پر معطوف ہے جس پر "لَاَرْجُمَنَّكَ" دلالت کرتا ہے] جس کی مقدر عبارت یہ ہے: "فَاحْذُرْنِیْ وَاهْجُرْنِیْ" ﴿مَلِيًّا﴾ پس تم مجھ سے بچ جاؤ اور مجھے عرصہ دراز تک چھوڑ دو [ظرف ہے اور "ملاوۃ" سے مشتق ہے "اَیْ زَمَانًا طَوِیْلًا" یعنی لمبے زمانے تک]۔

٤٧-﴿قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ﴾ تجھے سلام (یہ دعائیہ سلام نہیں بلکہ) الوداعی اور مفارقت و جدائی کا سلام ہے یا پھر قریب کرنے اور لطف و کرم کے لیے ہے اور اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے استغفار کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي﴾ عنقریب میں اپنے رب تعالیٰ سے تیرے لیے معافی چاہوں گا یعنی میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں گا کہ وہ تجھے اسلام کی ہدایت و توفیق عطا فرما کر تجھے مغفرت و بخشش حاصل کرنے والوں میں سے بنا دے ﴿إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا﴾ بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ نعمتوں کے ساتھ لطف و کرم فرمانے والا ہے یا بہت رحم فرمانے والا ہے یا مکرم و معزز بنانے والا ہے۔ "حفاۃ" بہ معنی رأفت و کرامت ہے۔

٤٨-﴿وَأَعْتَزِلُكُمْ﴾ اور میں تم سے الگ ہو جاؤں گا اور الگ ہونے سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل کی سرزمین سے ملکِ شام کی طرف ہجرت کر جائیں گے ﴿وَمَا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ﴾ "اَیْ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ اَصْنَامِکُمْ" یعنی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی عبادت کرتے ہو میں ان سے الگ ہو جاؤں گا (یعنی "تَدْعُوْنَ" بہ معنی "تَعْبُدُوْنَ" ہے) ﴿وَأَدْعُوا﴾ "وَاَعْبُدُ" ﴿رَبِّي﴾ اور میں اپنے رب تعالیٰ سے دعا کرتا رہوں گا (یعنی) اور میں اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرتا رہوں گا (یہاں بھی "اَدْعُوْا" بہ معنی "اَعْبُدُ" ہے) پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تواضع و عاجزی اور کسر نفسی اختیار کرتے ہوئے اور کافروں کی اپنے معبودوں کی عبادت کی وجہ سے محرومی و بے نصیبی اور بدبختی سے روگردانی کرتے ہوئے فرمایا: ﴿عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا﴾ امید ہے کہ میں اپنے رب تعالیٰ کی دعا اور اس کی عبادت سے کبھی محروم و بے نصیب نہیں رہوں گا یعنی جس طرح تم لوگ بتوں کی عبادت و پرستش کر کے محروم و بدنصیب اور بدبخت ہو گئے ہو۔

٤٩-﴿فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ﴾ پھر جب وہ ان سے اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی وہ عبادت کرتے تھے ان سے الگ ہو گئے (یعنی) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کفار اور ان کے معبودوں سے الگ ہو گئے (کہ وہاں

سے ہجرت کر کے ملکِ شام میں پہنچ گئے تو) ﴿وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾ ہم نے انہیں ایک لڑکا اسحاق اور اس کے بعد پوتا یعقوب عطا فرمائے تاکہ آپ ان دونوں سے مانوس رہیں ﴿وَكُلًّا﴾ اور سب کو یعنی ان میں سے ہر ایک کو ﴿جَعَلْنَا نَبِيًّا﴾ ہم نے پیغمبر بنایا یعنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نافرمان کفار کو ہجرت فرما کر چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض میں آپ کو مسلمان وانبیاء اولاد عطا فرمائی۔

٥٠- ﴿وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا﴾ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت عطا فرمائی' اس سے مال و دولت اور اولاد مراد ہے ﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ﴾ اور ہم نے ان کے لیے سچائی کی زبان مقرر فرما دی (یعنی) حسین وجمیل حمد وثناء اور خوبصورت تعریف اور اس سے حضرت ابراہیم اور آپ کی آل پر تمام نمازوں میں درود شریف پڑھنا مراد ہے اور اس کو زبان سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ یہ ان اعمال میں سے ہے جو زبان سے ادا کیے جاتے ہیں جیسا کہ ان اعمال کو ہاتھ سے تعبیر کیا جاتا ہے جن پر ہاتھ کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس سے عطیات وتحائف مراد ہیں ﴿عَلِيًّا﴾ بلند و بالا اور مشہور ومعروف۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿٥٢﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿٥٣﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥٤﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٥٦﴾

اور (اے محبوب!) کتاب میں موسیٰ کا ذکر کیجئے' بے شک وہ برگزیدہ تھے اور رسول و نبی تھے O اور ہم نے ان کو طور کی دائیں جانب سے پکارا اور ہم نے ان کو راز کی باتیں بتانے کا قرب بخشا O اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر انہیں عطا فرمایا O اور (اے محبوب!) کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجئے' بے شک وہ وعدے کے سچے تھے اور وہ رسول و نبی تھے O اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا کرتے تھے' اور وہ اپنے رب تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ تھے O اور (اے محبوب!) کتاب میں ادریس کا ذکر کیجئے' بے شک وہ بہت سچ بولنے والے نبی تھے O

حضرت موسیٰ' حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہم السلام کا تذکرہ

٥١- ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا﴾ اور اے محبوب! آپ کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیجئے' بے شک وہ برگزیدہ ومنتخب شدہ تھے [مفضل کوفی کے علاوہ باقی کوفیوں کی قراءت میں لام مفتوح کے ساتھ ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خالص اور برگزیدہ بنا لیا اور انہیں منتخب کر لیا اور چن لیا [کوفیوں کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں لام مکسور کے ساتھ "مُخْلِصًا" (اسم فاعل) ہے] یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام مخلص پیغمبر تھے کہ انہوں نے عبادت کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کیا' پس وہ اصل فطرت میں ہر اس کام کے لیے مخلص تھے جو ان کے لیے باعثِ سعادت ہوتا' وہ خلوصِ نیت اور سچے جذبے کے ساتھ ہر اس عبادت میں مخلص ہوتے جو ان پر لازم ہوتی تھی ﴿وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾ اور وہ رسول و نبی تھے'

پس انبیائے کرام میں سے رسول وہ ہوتا ہے جس کے پاس کتاب ہو اور نبی وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر پہنچائے اگر چہ اس کے پاس کتاب نہ ہو جیسے حضرت یوشع علیہ السلام۔

۵۲۔ ﴿وَنَادَيْنٰهُ﴾ اور ہم نے انہیں پکارا اور ہم نے انہیں بلند آواز سے بلایا اور ہم نے جمعۃ المبارک کی شب کو ان سے کلام فرمایا ﴿مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ﴾ کوہ طور کی جانب سے ۔ یہ مصر اور مدین کے درمیان ایک پہاڑ ہے ﴿الْاَيْمَنِ﴾ دائیں طرف سے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب سے اور جمہور مفسرین اس پر متفق ہیں کہ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب مراد ہے کیونکہ پہاڑ کی دائیں جانب نہیں ہوتی اور معنی یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کا ارادہ کر کے روانہ ہوئے تو انہیں راستے میں ایک درخت میں سے آواز دے کر بلایا گیا اور وہ درخت پہاڑ کی ایک سمت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب واقع تھا ﴿وَقَرَّبْنٰهُ﴾ اور ہم نے انہیں قرب بخشا۔ قرب سے عظمت و شان اور مرتبہ و درجہ کا قرب مراد ہے۔ مکان و رہائش کا قرب مراد نہیں (مکانی قرب مراد نہیں بلکہ روحانی قرب مراد ہے) ﴿نَجِيًّا﴾ راز و نیاز کی باتوں کے لیے [یہ حال ہے] یعنی اسرار و رموز کی باتیں کرنے والے جیسے "ندیم" بہ معنی "منادم" ہے۔

۵۳۔ ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا﴾ اور ہم نے اپنی رحمت کی وجہ سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر انہیں عطا فرمایا (یعنی) ہم نے اپنی رحمت کے سبب اور ان پر اپنی شفقت و مہربانی کے سبب ["اَخَاهُ" مفعول ہے اور "هٰرُوْنَ" اس سے بدل ہے اور "نَبِيًّا" حال ہے] یعنی ہم نے انہیں کے لیے ان کے بھائی کو نبوت عطا فرمادی ورنہ جناب ہارون عمر میں ان سے بڑے تھے۔

۵۴۔ ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ﴾ اور اے محبوب! کتاب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کیجئے۔ صحیح ترین قول کے مطابق یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں ﴿اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ﴾ بے شک آپ وعدے کے سچے تھے (یعنی) وعدہ کو پورا کرنے والے تھے چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ایک آدمی سے وعدہ فرمایا کہ اس جگہ اس کے انتظار میں ٹھہریں رہیں گے جب تک وہ واپس نہیں آجاتا پھر ایک سال تک اسی جگہ اس آدمی کے انتظار میں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ وہ آدمی واپس لوٹ آیا اور تمہیں اتنا کافی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ذبح ہونے کے وقت اپنے لیے صبر کرنے کا وعدہ کیا اور اسے پورا کر کے دکھا دیا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے جو وعدہ بھی کیا اسے پورا کر کے دکھایا اور اگر چہ آپ کے علاوہ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام میں بھی وعدے کے سچے ہونے کی خوبی موجود تھی لیکن آپ کو اس خوبی کے ساتھ صرف آپ کی تعظیم و تکریم اور آپ کی عزت افزائی کے لیے مخصوص کیا گیا ہے کیونکہ آپ کی عادات میں سے یہ عادت مبارکہ مشہور و معروف تھی ﴿وَكَانَ رَسُوْلًا﴾ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جرہم کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے ﴿نَّبِيًّا﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں دینے والے اور بروقت ڈر سنانے والے۔

۵۵۔ ﴿وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ﴾ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے گھر والوں کو یعنی اپنی امت کو (نماز و زکوٰۃ ادا کرنے کا) حکم دیا کرتے تھے کیونکہ نبی اپنی امت کا روحانی باپ ہوتا ہے اور ساری امت اہل و عیال کی طرح اس کے گھر والے ہوتے ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کسی سے مداہنت کا رویہ نہیں اپناتے تھے (بلکہ حق کا اظہار برملا کر دیتے تھے) ﴿بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ﴾ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا (حکم دیتے تھے)، ممکن ہے کہ ان دو عبادات کو صرف اس

لیے مخصوص کیا گیا ہو کہ یہ دونوں عبادات تمام بدنی اور مالی عبادات کی اصل ہیں ﴿وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا﴾ اور وہ اپنے رب تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ تھے [''مَرْضِيًّا'' کو اصل کے مطابق ''مَرْضُوًّا'' بھی پڑھا گیا ہے]۔

٥٦۔ ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ﴾ اور اے محبوب! کتاب میں (حضرت) ادریس علیہ السلام کا ذکر کیجئے۔ ان کا نام اخنوخ ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے رسول یہی بھیجے گئے تھے اور سب سے پہلے قلم کے ساتھ لکھنا انہوں نے شروع کیا اور سب سے پہلے کپڑا سی کر پہننا بھی انہوں نے شروع کیا اور علمِ نجوم اور علم حساب بھی آپ نے ایجاد کیا تھا اور ناپ تول کے آلات اور پیمانے اور اسلحہ وغیرہ انہوں نے بنانا شروع کیے تھے اور انہوں نے ہی بنی قابیل سے جنگ کی تھی اور بعض مفسرین کا یہ قول ہے کہ ان کا نام ادریس اس لیے رکھا گیا کہ آپ کتابِ الٰہی کا کثرت سے درس دیا کرتے تھے' صحیح نہیں ہے [کیونکہ اگر اس کو ''درس'' سے مشتق مان کر ''افعیل'' کے وزن پر قرار دیا جائے تو اس میں ایک سبب رہ جائے گا اور وہ علمیت ہے اور یہ منصرف ہوگا' پس اس کا غیر منصرف ہونا اس کے عجمہ ہونے کی دلیل ہے] ﴿اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾ بے شک وہ بہت سچ بولنے والے نبی تھے۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے تیس صحیفے نازل فرمائے تھے۔

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿٥٨﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿٦٠﴾

السجدة

اور ہم نے ان کو بلند جگہ پر اٹھالیا O یہ وہ حضرات ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا جو سب پیغمبر ہیں کچھ اولادِ آدم سے ہیں' اور کچھ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا' اور کچھ اولادِ ابراہیم میں سے اور کچھ اولادِ یعقوب میں سے' اور کچھ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اور ہم نے (انہیں) چن لیا' جب ان پر رحمٰن کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں O پھر ان بزرگوں کے بعد نالائق لوگ آ گئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور انہوں نے خواہشات کی پیروی کی' سو عنقریب وہ دوزخ کی وادی میں پہنچیں گے O ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے' سو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا O

٥٧۔ ﴿وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ اور ہم نے ان کو بلند جگہ پر اٹھا لیا اور اس سے شرفِ نبوت اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربِ خاص مراد ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو فرشتے اٹھا کر چوتھے آسمان پر لے گئے تھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی شبِ معراج چوتھے آسمان پر ان سے ملاقات کی تھی اور حضرت حسن سے منقول ہے کہ فرشتے آپ کو جنت میں لے گئے تھے کیونکہ جنت سے بلند کوئی چیز نہیں ہے اور یہ اس لیے ہوا کہ کثرتِ عبادات کے سبب حضرت ادریس علیہ السلام سے فرشتے محبت کرتے تھے' چنانچہ حضرت ادریس علیہ السلام نے ملک الموت

سے فرمایا: مجھے موت کا مزہ چکھا اور مجھے موت دے دے تو موت کے فرشتے نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی روح قبض کر کے ان پر موت طاری کر دی' پھر روح واپس لوٹا دی تو وہ زندہ ہو گئے اور فرمایا کہ اب مجھے دوزخ میں لے جاؤ تا کہ خوفِ خدا زیادہ ہو' سو یہ بھی کیا گیا' پھر دوزخ سے نکل کر فرمایا کہ اب مجھے جنت میں لے چلو تا کہ رغبت زیادہ ہو' چنانچہ یہ بھی کیا گیا' پھر تھوڑی دیر بعد عرض کیا کہ اب واپس اپنے مقام پر تشریف لے چلیں تو حضرت ادریس نے فرمایا: میں نے موت کا مزہ چکھ لیا ہے (اور فرمانِ الٰہی ''كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ'' (آل عمران:۱۸۵) ''پورا ہو چکا ہے کہ ہر جان نے موت کا مزہ چکھنا ہے''۔) اور میں دوزخ سے بھی گزر چکا ہوں (اور فرمانِ الٰہی: ''وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا'' (مریم:۷۱) ''پورا ہو چکا ہے کہ تم میں سے ہر ایک نے دوزخ سے گزرنا ہے''۔) اور اب میں جنت میں سے نہیں نکلوں گا (کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے کہ ''وَمَا هُمْ عَنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ'' (الحجر:۴۸) ''اور جنتی جنت سے نہیں نکالے جائیں گے''۔) چنانچہ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ چونکہ یہ سب کچھ میرے حکم سے کیا گیا اور میرے حکم سے یہ جنت میں داخل ہوئے ہیں' لہٰذا انہیں یہیں چھوڑ دو۔

حضرت زکریا سے لے کر حضرت ادریس تک مذکور انبیاء کے نسب اور ان پر انعامِ الٰہی کا بیان

۵۸- ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ حضرت زکریا علیہ السلام سے لے کر حضرت ادریس علیہ السلام تک جن انبیائے کرام کا اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا گیا ہے کہ یہی ہیں ﴿الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ﴾ وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا جو کہ تمام نبی ہیں [اس میں حرف ''مِنْ'' بیانیہ ہے] کیونکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام یافتہ ہیں ﴿مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ﴾ کچھ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے [اس میں حرف ''مِنْ'' تبعیض کا ہے] حضرت ادریس علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ قرب رکھنے کی وجہ سے ان کی اولاد میں سے ہیں کیونکہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے باپ کے دادا ہیں ﴿وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ﴾ اور کچھ ان میں سے ہیں جن کو ہم نے (حضرت) نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں لوگوں کی اولاد میں سے ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے کیونکہ حضرت ابراہیم سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں ﴿وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ﴾ اور کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں (یعنی) حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام ﴿وَاِسْرَآءِيْلَ﴾ یعنی اور کچھ یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں (نام یعقوب ہے خطاب اسرائیل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے) اور وہ یہ ہیں: (حضرت یوسف)' حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کیونکہ حضرت مریم بھی انہیں کی اولاد میں سے ہیں ﴿وَمِمَّنْ هَدَيْنَا﴾ اور کچھ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے دینِ اسلام کے محاسن وخوبیوں کے لیے ہدایت عطا فرمائی [''وَمِمَّنْ'' میں احتمال یہ ہے کہ یہ پہلے حرف ''مِنْ'' اور دوسرے حرف ''مِنْ'' پر معطوف ہے] ﴿وَاجْتَبَيْنَا﴾ اور ہم نے جن کو لوگوں میں سے منتخب کیا اور چن لیا یا یہ معنی ہے کہ جن کو ہم نے شریعت کی تشریح اور حقیقت کے اظہار کے لیے منتخب کر لیا اور چن لیا ہے ﴿اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ﴾ جب ان پر رحمان کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں یعنی جب ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب کی تلاوت کی جاتی ہے [اور یہ الگ مستقل کلام ہے اگر ''اَلَّذِيْنَ'' کو ''اُولٰٓئِكَ'' کی خبر قرار دیا جائے اور اگر اس موصول کو اس کی صفت قرار دیا جائے تو پھر یہ کلام اس کی خبر ہوگی اور قتیبہ کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''يُتْلٰى'' ہے کیونکہ مبتداء اور خبر کے درمیان فاعل موجود ہے اس کے باوجود مؤنث غیر حقیقی ہے] ﴿خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا﴾ وہ رغبت وشوق سے سجدہ کرتے ہوئے اور خوفِ الٰہی کے سبب روتے ہوئے اپنے چہروں کے بل گر پڑتے ہیں [''بُكِيًّا''، ''بَاكٍ'' کی جمع

ہے جیسے "سجود" اور "قعود"، "ساجد" اور "قاعد" کی جمع ہیں] حدیث شریف میں ہے آپ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرو تو آنسو بہاؤ اگر تمہیں رونا نہ آئے تو رونے والی شکل بنا لو[1]

حضرت صالح مری بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے خواب میں قرآن مجید کی تلاوت کی تو آپ نے مجھے فرمایا: اے صالح! یہ قرآن مجید کی تلاوت ہے تمہیں رونا کیوں نہیں آتا؟ آیتِ سجدہ کی تلاوت کرنے والا سجدۂ تلاوت میں تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" پڑھے۔

نالائق جانشینوں اور توبہ کرنے والے نیک ایمان داروں کے انجام کا بیان

۵۹۔﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ ﴾ پھر ان کے بعد نالائق لوگ جانشین بن گئے (یعنی) پھر اُن فضیلت یافتہ نیک بزرگوں کے بعد نالائق اور بُری اولاد آ گئی (لام کے سکون کے ساتھ "خَلْفٌ" کا معنی ہے: بُری اولاد) اور لام پر فتح (زبر) کے ساتھ "خَلَفٌ" کا معنی ہے: نیک اولاد۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں: اس سے یہودی (بنی اسرائیل) مراد ہیں ﴿ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ ﴾ جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا (یعنی) انہوں نے فرض نمازوں کو چھوڑ دیا ﴿ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ ﴾ اور انہوں نے خواہشات کی پیروی اختیار کر لی اور نفسانی لذتوں کے پیچھے لگ گئے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو بہترین بلند و بالا پختہ بلڈنگیں بناتے ہیں اور اعلیٰ ترین سواریوں اور قیمتی گاڑیوں پر سوار ہوتے ہیں اور شہرت کے مہنگے لباس پہنتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ یہ لوگ اس امت میں بھی ہیں ﴿ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴾ پس عنقریب وہ لوگ غی کو پالیں گے (یعنی) غی کی سزا پائیں گے اور اہل عرب کے نزدیک ہر بُرائی غی ہے اور ہر بھلائی رشاد ہے اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیان کرتے ہیں کہ یہ دوزخ میں ایک وادی ہے جو زناکاری پر اصرار کرنے والوں اور شراب پینے والوں اور سود کھانے والوں اور والدین کے نافرمانوں اور جھوٹی گواہی دینے والوں (اور نمازوں کو چھوڑ کر خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرنے والوں) کے لیے تیار کی گئی ہے۔

۶۰۔﴿ اِلَّا مَنْ تَابَ ﴾ مگر جس نے کفر و معصیت سے توبہ کر لی ﴿ وَاٰمَنَ ﴾ اور توبہ کی شرط یہ ہے کہ وہ ایمان لایا ہو ﴿ وَعَمِلَ صَالِحًا ﴾ اور اپنے ایمان لانے کے بعد اس نے نیک عمل کیا ہو ﴿ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ ﴾ سو یہی لوگ بہشت میں داخل ہوں گے [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری اور ابو بکر کوفی کی قراءت میں "یـا" پر ضمہ (پیش) اور "خـا" پر فتح (زبر) کے ساتھ (فعل مضارع مجہول "یُدْخَلُوْنَ") ہے] ﴿ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْــٴًـا ﴾ اور ان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی ان کے اعمال کی جزاء میں بالکل کمی نہیں کی جائے گی اور نہ انہیں بہشت سے روکا جائے گا یا یہ معنی ہے کہ ظلم کے ساتھ ان پر بالکل زیادتی نہیں کی جائے گی۔

جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ

1 رواہ احمد ج ۱ ص ۱۷۵، ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۷۰، ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۷، دارمی ج ۱ ص ۳۴۹

مَا بَيْنَ أَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۗ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾

ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں جن کا وعدہ رحمان نے اپنے بندوں کے ساتھ غیب سے کیا ہوا ہے' بے شک اس کا وعدہ ضرور آئے گاO وہ لوگ اس میں کوئی بے ہودہ بات نہیں سنیں گے سوائے سلام کے' اور ان کے لیے اس میں ان کا رزق صبح و شام ہوگاO یہ وہ بہشت ہے جن کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے انہیں بنائیں گے جو پرہیزگار رہوں گےO اور ہم آپ کے پروردگار کے حکم کے بغیر نہیں اترتے' اسی کا ہے جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے' اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں ہےO آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے' سب کا مالک ہے' سو آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی کی عبادت پر ثابت قدم رہیے' کیا آپ اس کا ہم نام جانتے ہیںO

٦١- ﴿جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ [یہ "اَلْجَنَّةَ" سے بدل ہے اس لیے کہ "اَلْجَنَّةَ"، "جَنَّاتِ عَدْنٍ" کو بھی شامل ہے کیونکہ یہ اسم جنس ہے یا مدح کے طور پر نصب ہے اور "عَدْنٍ" معرفہ ہے کیونکہ "عدن" کے معنی کے لیے علَم ہے اور وہ اقامت یعنی قیام گاہ ہے یا سرزمین بہشت کا علم ہے کیونکہ وہ قیام گاہ ہے] ﴿الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ﴾ جس کا رحمان نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے توبہ کرنے والے مؤمن بندوں سے وعدہ کیا ہوا ہے جو نیک اعمال کرتے ہیں جیسا کہ پہلے ان کا ذکر گزر چکا ہے اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نسبت اپنی طرف کر کے اپنے بندے فرمایا ہے [اور یہ اضافت ونسبت اختصاص کے لیے ہے] اور یہ مخصوص لوگ ہیں ﴿بِالْغَيْبِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے اس جنت کا وعدہ فرمایا ہے جو ان سے غائب ہے' حاضر نہیں ہے یا یہ لوگ اس سے غائب ہیں اور یہ لوگ اس کا مشاہدہ نہیں کرتے ﴿اِنَّهٗ﴾ [ضمیر شان ہے یا "رحمان" کی طرف لوٹنے والی ضمیر رحمان ہے] (یعنی) بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ وَعْدُهٗ﴾ اس کا وعدہ یعنی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور وہ جنت ہے ﴿مَاْتِيًّا﴾ یعنی وہ لوگ اس میں آئیں گے۔

٦٢- ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا﴾ وہ لوگ اس میں (یعنی) جنت میں بے حیائی یا جھوٹ پر مبنی فضول اور بے ہودہ کلام نہیں سنیں گے یا وہ بے فائدہ اور بے معنی کلام نہیں سنیں گے اور اس سے وہ کلام مراد ہے جس کو گفتگو میں ترک کر دیا گیا اور اس میں تنبیہ ہے کہ لغو اور بے ہودہ کلام سے بچنا اور اس سے پرہیز کرنا واجب و لازم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو اس سے پاک رکھا ہے جس میں کوئی تکلیف نہیں ﴿اِلَّا سَلٰمًا﴾ مگر سلام کہا جائے گا یعنی لیکن جنتی لوگ بہشت میں فرشتوں سے سلام سنیں گے یا وہ ایک دوسرے کو سلام کریں گے یا وہ اس میں ایسا کلام سنیں گے جس میں وہ ہر قسم کے عیب اور نقص سے سلامت رہیں گے [اور جمہور کے نزدیک یہ استثناء منقطع ہے] اور بعض نے فرمایا کہ "سلام" کا معنی سلامتی کی دعا ہے اور جب جنتی لوگ سلامتی کی دعا سے بے نیاز ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کا مطلب ہے: لغو اور فضول باتوں سے اجتناب کرنا کیونکہ ان میں احترام نہیں ہوتا ﴿وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا﴾ اور ان کے لیے اس میں صبح و شام رزق ہوگا' یعنی دنیا کے دن کے دونوں وقتوں کی مقدار کا رزق انہیں دیا جائے گا کیونکہ وہاں نہ رات ہوگی اور نہ دن ہوگا بلکہ وہ ہمیشہ نور میں رہیں گے اور دن کی مقدار کو پردوں کے اٹھا دیئے جانے سے معلوم کیا جائے گا اور رات کی مقدار کو پردوں کے گرا دینے سے معلوم کیا جائے گا اور صبح و شام رزق کا ملنا اہل عرب کے نزدیک مرغوب ترین اور افضل و اعلیٰ طعام سمجھا جاتا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے جنت کے طعام کو اسی وصف کے ساتھ بیان فرمایا اور بعض نے فرمایا کہ صبح و شام سے دائمی رزق مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ

میں فلاں آدمی کے پاس صبح وشام رہتا ہوں۔اس سے ہمیشہ مراد ہوتا ہے۔

٦٣-﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ یہ وہ بہشت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے (پرہیزگاروں کو) بنائیں گے یعنی ہم ان کے اعمال کی میراث بہشت کو قرار دے دیں گے' مطلب یہ کہ ان کے اعمال کا پھل اور انجام جنت کی صورت میں عطا کیا جائے گا اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ ایمان لانے کی صورت میں جو مکانات و محلات دوزخیوں کو ملنے تھے وہ پرہیزگاروں کو عطا کیے جائیں گے چونکہ کفر حکمی طور پر موت ہے اس لیے ان کے مکانات کو میراث قرار دیا گیا ہے ﴿مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ جو کفر و شرک سے پرہیز کرتے رہے۔

فرشتوں کے لیے حکمِ خدا کے تابع ہونے اور قدرت وعبادتِ خدا کا بیان

شانِ نزول: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے جبریل! جس قدر تم ہماری ملاقات کے لیے آتے ہو اس سے زیادہ ہماری ملاقات کرنے کے لیے تمہیں کون سی چیز مانع ہے؟ تو درج ذیل آیتِ مبارکہ نازل ہوئی[1]

٦٤-﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ﴾ اور ہم آپ کے رب تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں اترتے۔''نزول' کے دو معنی ہیں: ایک تو دیر سے اور وقفہ سے اترنا اور دوسرا معنی ہے: مطلق اترنا اور یہاں پہلا نزول اور اترنا مراد لینا زیادہ مناسب ہے یعنی ہمارے نازل ہونے اور اترنے کے اوقات اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوتے ہیں' وقفہ کا حکم ہوتا ہے تو ہم وقفہ کر لیتے ہیں اور نزول کا حکم ہوتا ہے تو ہم نازل ہو جاتے ہیں ﴿لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ اسی کا ہے جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے اور جو کچھ اس کے درمیان میں ہے اور آپ کا رب تعالیٰ بھولنے والا نہیں ہے' یعنی جو جگہیں ہمارے سامنے ہیں اور جو ہمارے پیچھے ہیں اور جن میں ہم رہ رہے ہیں وہ سب اسی کی ہیں' سو ہم اس بادشاہ کے حکم کے بغیر اور اس کے ارادہ کے بغیر کہیں منتقل ہونے کا اختیار نہیں رکھتے اور وہی ہر حرکت وسکون اور جو حالات پیدا ہوتے ہیں سب کا جاننے والا اور سب کا محافظ ہے اور اس پر کبھی بھی غفلت ونسیان جائز نہیں ہے تو ہمارے لیے کیسے ممکن ہے کہ ہم اس کی بادشاہی میں اپنی مرضی سے جہاں چاہیں پھرتے رہیں' مگر جب وہ ہمیں چلنے پھرنے کی اجازت دے دے۔

٦٥-﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ وہی آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے سب کا مالک ہے [یہ ''رَبُّكَ'' سے بدل ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے] ''اَیْ هُوَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' یعنی وہی آسمانوں اور زمین کا مالک ہے' پھر اپنے رسول سے فرمایا کہ جب آپ نے پہچان لیا کہ بلاشبہ ان صفات کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ متصف ہے ﴿فَاعْبُدْهُ﴾ تو اسی کی عبادت پر ثابت قدم رہیے ﴿وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ﴾ اور اس کی عبادت پر صبر کیجئے یعنی معبودِ برحق کی عبادت کے لیے تکلیف دہ مشکلات پر صبر کیجئے اور خلاقِ کائنات کی عبادت کی خاطر مشقتوں پر ثابت قدم رہیے تاکہ آپ اس کو پوری قدرت کے ساتھ ادا کر سکیں ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ کیا آپ کسی کو اس کا ہم شکل اور اس جیسا جانتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ کیا اس کے علاوہ کسی کا اللہ نام رکھا گیا ہے؟ کیونکہ یہ نام معبودِ برحق کے ساتھ مخصوص ہے یعنی جب یہ صحیح اور ثابت ہو چکا ہے کہ اس وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی ایسا معبود نہیں ہے جس کی طرف بندے عبادت کو متوجہ کر سکیں تو اسی کی عبادت ضروری ہو گئی اور اس کی عبادت کی خاطر مشقتوں پر صبر کرنا لازم ہو گیا۔

---

[1] رواہ البخاری رقم الحدیث: ٤٧٣١

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾

اور انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو عنقریب میں زندہ کر کے (قبر سے) نکالا جاؤں گا O اور کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ بے شک ہم نے اس کو پہلے پیدا فرمایا اور وہ (اس وقت) کچھ بھی نہیں تھا O سو آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ضرور ان کو شیطانوں کے ساتھ جمع کریں گے' پھر ہم ضرور انہیں دوزخ کے اردگرد گھٹنوں کے بل حاضر کریں گے O پھر ہم ضرور ہر گروہ میں سے الگ کرلیں گے جو رحمان پر سب سے زیادہ سخت سرکش رہا ہوگا O پھر ہم ان کو سب سے بڑھ کر خوب جانتے ہیں جو اس (آگ) میں داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں O اور تم میں سے ایسا کوئی نہیں مگر وہ اس (دوزخ کے اوپر) سے گزرے گا' یہ فیصلہ آپ کے رب کے نزدیک لازمی طور پر کیا جا چکا ہے O

حشر ونشر اور مسلم وکافر کے انجام کا بیان

شانِ نزول: ایک دفعہ اُبی بن خلف نے ایک بوسیدہ ہڈی کو اپنے ہاتھوں میں مل کر اس کے ٹکڑوں کو ہوا میں اڑا دیا اور کہنے لگا کہ کیا ہم اس طرح ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے تو اس کے جواب میں درج ذیل آیت مبارکہ نازل کی گئی[1]

٦٦- ﴿وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا﴾ اور انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو عنقریب میں زندہ کر کے ضرور اٹھایا جاؤں گا؟ [اور "اِذَا" میں عامل وہ کلام ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے اور وہ "اُبْعَثُ" ہے] "اَیْ اِذَا مَا مِتُّ اُبْعَثُ" یعنی جب میں مرجاؤں گا تو پھر سے اٹھایا جاؤں گا [اور اس کا "اُخْرَجُ" کی وجہ سے منصوب ہونا ممتنع ہے کیونکہ لام ابتدا کا مابعد اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا' لہٰذا تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ "اَلْيَوْمَ لَزَيْدٌ قَائِمٌ" اور لام ابتداء جب فعل مضارع پر داخل ہو تو حال کا معنی دیتا ہے اور جملہ کے مضمون کی تاکید کرتا ہے' پھر جب اس کے ساتھ حرف استقبال جمع ہو جاتا ہے تو یہ صرف تاکید کے لیے مخصوص ہو جاتا ہے اور حال کا معنی کمزور ہو جاتا ہے اور "اِذَا مَا" میں حرف "مَا" بھی تاکید کے لیے آتا ہے] تو گویا اس نے انکار کے طور پر اور بعید از قیاس خیال کرتے ہوئے کہا تھا کہ کیا یہ سچ ہے کہ جب موت ہمارے اندر پوری طرح داخل ہو جائے گی اور ہم ہلاک ہو جائیں گے تو پھر دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے [اور ظرف کا مقدم ہونا اور اس سے پہلے حرف انکار کا داخل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ موت کے بعد زندہ ہونے کے وقت کا انکار کیا گیا ہے اور اسی سے ان کا انکار کرنا لازم آ گیا]۔

٦٧- ﴿اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ﴾ اور کیا انسان یاد نہیں کرتا [ابن عامر شامی' نافع مدنی اور عاصم کوفی کی قراءت میں تخفیف

[1] ذکرہ الواحدی فی اسباب النزول ص ٢٠٤

کے ساتھ ''ذکر'' سے مشتق ہے۔ باقیوں کے نزدیک ذال اور کاف مشدد کے ساتھ ''لَا يَذَّكَّرُ'' ہے اور اس کی اصل ''يَتَذَكَّرُ'' ہے' جیسا کہ حضرت اُبی بن کعب کی قراءت ہے' پھر ''تَا'' کو ذال میں مدغم کر دیا گیا ہے یعنی کیا انسان غور وفکر نہیں کرتا اور واؤ کے ذریعے ''لَا يَذَّكَّرُ'' کو ''يَقُوْلُ'' پر معطوف کیا گیا ہے اور حرف عطف اور معطوف علیہ کے درمیان ہمزہ استفہامیہ انکار کا لایا گیا ہے [یعنی کیا انسان یہ تو کہتا ہے کہ مرجانے کے بعد کیونکر اٹھایا جاؤں گا اور اپنی پہلی حالت میں غور وفکر نہیں کرتا تا کہ دوسری حالت کا انکار نہ کرے کیونکہ یہ خالق کی قدرت پر زیادہ رہنمائی کرتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ جواہر واعراض کو عدم سے وجود میں لایا گیا ہے لیکن دوسری مرتبہ تو صرف موجودہ اجزاء کو جوڑا جاتا ہے اور متفرق ومنتشر ہوجانے کے بعد ان کو دوبارہ واپس اصلی اور پہلی حالت میں جمع کیا جاتا ہے ﴿ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ ﴾ بے شک ہم نے اس کو پہلے پیدا فرمایا تھا (یعنی) اس موجودہ حالت سے پہلے جس میں اب ہے اور یہ اس کی حالت بقاء ہے ﴿ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴾ اور وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ ہمارے بیان کردہ مضمون کی دلیل ہے اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ معدوم شے نہیں ہوتا (بلکہ مطلق لاشئ اور محض عدم ہوتا ہے) معتزلہ اس کے خلاف ہیں۔

٦٨- ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ ﴾ پس آپ کے رب کی قسم! ہم ضرور انہیں جمع کریں گے یعنی مرنے کے بعد زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جانے سے انکار کرنے والے کفار کو ہم ضرور محشر کے روز جمع کریں گے ﴿ وَالشَّيٰطِيْنَ ﴾ شیطانوں کے ساتھ [واؤ عطف کے لیے آتی ہے اور ''مع'' کے معنی میں زیادہ استعمال ہوتی ہے] یعنی کفار کو شیطانوں میں سے ان کے ان دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ جمع کیا جائے گا جنہوں نے ان کو (دنیا میں) گمراہ کیا تھا۔ ہر کافر کو اس کے ساتھی شیطان کے ساتھ ایک بیڑی میں جکڑا جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے (قرآن میں جابجا) اپنی قسموں میں اپنے نامِ مبارک کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مضاف ومنسوب کر کے اپنے محبوب ومکرم رسول کی شان میں تعظیم وتکریم کا اظہار فرمایا ہے ﴿ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴾ پھر ہم ان کو ضرور دوزخ کے اردگرد گھٹنوں کے بل حاضر کریں گے [''جِثِيًّا'' حال ہے اور ''جَاثٍ'' کی جمع ہے' مطلب یہ ہے کہ وہ گھٹنوں پر بیٹھ گیا اور اس کا وزن ''فُعُوْلٌ'' ہے کیونکہ اس کی اصل ''جُثُوْوٌ'' ہے جیسے ''سُجُوْدٌ'' اور ''سَاجِد'' ہے] یعنی کفار کو میدانِ محشر سے دوزخ کی طرف قدموں پر چلانے کی بجائے گھٹنوں کے بل اسی حال پر کھینچ کر لایا جائے گا جس حال پر وہ میدان میں تھے۔

٦٩- ﴿ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ ﴾ پھر ہم ضرور ہر گروہ سے نکال لیں گے' ہر وہ گروہ جو دنیا میں پھیلا یعنی جس نے گمراہوں میں سے کسی گمراہ کی پیروی کی ﴿ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴾ جو ان میں رحمان پر جرأت ونافرمانی میں سب سے زیادہ سرکش ہوگا یعنی ہم سرکش وگمراہ گروہوں میں سے ہر گروہ سے سب سے زیادہ سرکش کو ضرور نکال لیں گے' پھر جو سب سے زیادہ سرکش ہوگا' سو جب تمام جمع ہو جائیں گے تو ہم ان کو ترتیب وار دوزخ کی آگ میں پھینک دیں گے' چنانچہ ہم سب سے پہلے نمبر پر آنے والوں پر پہلے عذاب دیں گے' پھر ان میں جو پہلے ہوگا' اس کو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''اَشَدُّهُمْ عِتِيًّا'' سے کفار کے سردار مراد ہیں کیونکہ انہوں نے دگنے جرم کیے' ایک تو وہ خود گمراہ ہوئے' دوسرا یہ کہ انہوں نے دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کیا [علامہ سیبویہ نے کہا کہ ''اَيُّهُمْ'' ضمہ (پیش) پر مبنی ہے کیونکہ صدر جملہ جو اس کا صلہ بنتا ہے' وہ ساقط ہو چکا ہے اور وہ ''هُوَ'' ہے جو ''اَشَدُّ'' سے پہلے ہے یہاں تک کہ اگر اس کو لایا جاتا تو یہ نصب (زبر) پر معرب ہوتا اور یوں کہا جاتا: ''اَيُّهُمْ هُوَ اَشَدُّ'' اور یہ اس لیے کہ صلہ اپنے موصول کی وضاحت کرتا ہے اور اس کو بیان کرتا ہے جیسا کہ مضاف اِلیہ مضاف کی وضاحت کرتا ہے اور اس کو مخصوص کرتا ہے اور جس طرح مضاف الیہ کا

محذوف ہونا ''مِنْ قَبْلُ'' میں مضاف کے مبنی ہونے کو واجب کرتا ہے اسی طرح صلہ کا یا اس میں سے کسی چیز کا محذوف ہونا بھی مبنی ہونے کو واجب کرتا ہے اور یہ ''نَنْزِعُ'' سے محلاً منصوب ہے جب کہ علامہ خلیل نے کہا کہ یہ معرب ہے اور یہ مبتدا ہے اور ''اَشَدُّ'' اس کی خبر ہے اور وہ حکایت کے طور پر مرفوع ہے] جس کی مقدر عبارت اس طرح ہے کہ (''لَنَنْزِعَنَّ'') ''اَلَّذِيْنَ يُقَالُ فِيْهِمْ'' (''اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا'') ہم ضرور ان کو نکال لیں گے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں سے کون رحمٰن پر زیادہ سرکش ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ نکالنے کا عمل صرف ''مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ'' پر واقع ہو جیسا کہ ارشاد ہے کہ ''وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَّحْمَتِنَا'' (مریم:٥٠) ''اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں سے عطا فرمایا''۔ یعنی ہم ہر گروہ میں سے کچھ لوگ نکال لیں گے اور گویا کسی کہنے والے نے کہا: وہ لوگ کون ہیں؟ تو جواب میں فرمایا گیا: ''اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا'' یہ وہ لوگ ہیں جو رحمٰن پر سب سے زیادہ سرکش ہیں [اور ''عَلٰى''، ''اَفْعَلُ'' کے ساتھ متعلق ہے۔ ''اَیْ عُتُوُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ'' یعنی ان کی سرکشی و نافرمانی رحمٰن پر سب سے بڑھ کر سخت تر ہے]۔

٧٠-﴿ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا﴾ پھر ہم ان لوگوں کو زیادہ بہتر جانتے ہیں جو دوزخ کی آگ میں سب سے پہلے داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں [''صِلِيًّا'' تمییز بہ معنیٰ ''دخول'' کے ہے اور ''بِهَا''، ''اَوْلٰى'' کے ساتھ متعلق ہے]۔

٧١-﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا﴾ اور تم میں سے کوئی ایک ایسا نہیں مگر وہ اس میں داخل ہوگا اور دوزخ کی آگ میں داخل ہونا مراد ہے اور حضرت علی مرتضٰی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک ''وُرُوْدٌ'' کا معنیٰ ''دخول'' ہے اور جمہور اہل سنت اسی پر متفق ہیں کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ'' (ھود:٩٨) ''پھر وہ ان کو دوزخ کی آگ میں داخل کرے گا''۔ اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا'' (الانبیاء:٩٩) ''اگر یہ خدا ہوتے تو دوزخ میں نہ جاتے''۔ اور ارشاد ہے: ''ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا'' (مریم:٧٢) ''پھر ہم ان لوگوں کو نجات دے دیں گے جنہوں نے شرک سے پرہیز کیا'' کیونکہ نجات دخول کے بعد ہوگی اور اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ''وُرُوْدٌ'' کا معنیٰ ''دخول'' ہے' کوئی نیک و بد باقی نہیں رہے گا مگر وہ دوزخ میں داخل ہوگا لیکن دوزخ کی آگ مسلمانوں پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی جیسا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی تھی اور دوزخ کی آگ مؤمن سے کہے گی: اے مؤمن! جلدی سے گزر جا کیونکہ تیرے نور نے میرے شعلے بجھا دیئے ہیں[1]۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''ورود'' کا معنیٰ ''دخول'' ہے لیکن یہ کفار کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت میں ''وَاِنْ مِّنْهُمْ'' ہے اور قراءتِ مشہورہ کو التفات پر محمول کیا جائے گا اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ''ورود'' کا معنیٰ ''حضور'' ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ'' (القصص:٢٣) ''اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے پانی کے پاس حاضر ہوئے''۔ اور ارشاد ہے: ''اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ'' (الانبیاء:١٠١) ''یہ (نیک لوگ) دوزخ سے دور رکھے جائیں گے''۔ اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس سے مراد دوزخ کے عذاب سے دور رکھنا ہے اور حضرت حسن اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ ''وُرُوْدٌ'' سے مراد پل صراط کے اوپر سے گزرنا ہے اس لیے کہ پل صراط کو دوزخ پر بچھایا جائے گا اور جنتی لوگوں کو صحیح و سلامت گزارا جائے گا اور دوزخیوں کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ دوزخ میں ورود کا مطلب دنیا میں اس

---

[1] رواہ احمد ج ٣ ص ٣٢٩' رواہ الطبرانی کمانی مجمع الزوائد ج ١٠ ص ٣٦٠' الدیلمی فی الفردوس رقم الحدیث: ٢٣٦٥

کے جسم کو بخار میں مبتلا ہونا ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ بخار ہر مؤمن کے لیے دوزخ میں سے حصہ ہے اور صحابہ کرام میں سے ایک نے دوسرے سے فرمایا کہ تجھے دوزخ میں ورود کا یقین ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! تو اس پہلے نے کہا: اور تجھے اس سے نکلنے کا یقین ہے؟ تو اس نے کہا: نہیں! پہلے نے کہا: پھر ہنسی کھیل کس کھاتے میں اور سامانِ دنیا کی ذخیرہ اندوزی کس کھاتے میں؟ ﴿كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾ یہ آپ کے رب تعالیٰ کے نزدیک یقینی فیصلہ ہو چکا ہے یعنی ان کا ورود واجب ولازم ہو چکا ہے' اس کا فیصلہ کیا جا چکا ہے' یہ ہر حال میں ہو کر رہے گا [اور ''حَتْم'' مصدر ہے] ''حَتَمَ الْاَمْرَ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کام کسی پر واجب کرے' اسی لیے موجب کو حتم کا نام دیا جاتا ہے' جیسے کہتے ہیں: ''ضَرَبَ الْاَمِيْرُ'' امیر نے فلاں کام واجب کر دیا ہے۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِئْيًا ﴿۷۴﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾

پھر ہم انہیں کو نجات دیں گے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ہم ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے O اور جب ہماری روشن آیتیں ان پر پڑھی جاتی ہیں تو کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دو فریقوں میں سے کس فریق کا مکان بہتر ہے اور محفل اچھی ہے O اور ہم نے ان سے پہلے سابقہ امتوں میں سے کتنے (زیادہ) لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے' وہ لوگ تو ساز وسامان اور نام ونمود میں زیادہ شاندار تھے O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ جو گمراہی میں ہوتا ہے تو رحمٰن اس کو خوب ڈھیل دے دیتا ہے' یہاں تک کہ جب وہ اس کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے خواہ عذاب کو اور یا قیامت کو' تو پھر وہ جان لیں گے کہ کس کا مکان بُرا تھا اور کس کا لشکر کمزور تھا O

۷۲- ﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ پھر ہم ان لوگوں کو نجات دیں گے جنہوں نے شرک سے پرہیز کیا اور وہ مسلمان ہیں [قاری علی کسائی کی قراءت میں بغیر شد کے تخفیف کے ساتھ (نُنْجِیْ) ہے] ﴿وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا﴾ اور ہم ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ تمام لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ہم انہیں چھوڑ دیں گے اور یہ نہیں فرمایا کہ ہم انہیں دوزخ میں داخل کریں گے اور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو اس کے گناہ کی مقدار کے مطابق سزا دی جائے گی' پھر وہ یقیناً نجات پائے گا اور مرجئہ خبیثہ فرقہ نے کہا کہ گناہ پر سزا نہیں دی جائے گی' اس لیے کہ اسلام کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا اور معتزلہ فرقہ نے کہا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

مال ودولت کے سبب کفار کا مسلمانوں پر تکبر کرنے کا بیان

۷۳- ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا﴾ اور جب ان پر ہماری آیتیں یعنی قرآن مجید پڑھا جاتا ہے ﴿بَيِّنٰتٍ﴾ جن کا اعجاز

ظاہر وعیاں ہے یا جن کا دلائل و براہین ہونا واضح ہے [یہ حالِ مؤکد ہے] جیسا کہ ارشاد ہے: "وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا" (البقرہ:۹۱) "اور وہ حق ہے درآں حالیکہ وہ تصدیق کرنے والا ہے"۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام آیات واضح اور مدلل ہوتی ہیں ﴿قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ کافروں نے کہا: یعنی مشرکین قریش نے کہا اور وہ لوگ اپنے بالوں کو سنوارنے کے لیے کنگھیاں کرتے اور فخر و مباہات کے لیے لباس پہننے میں تکلفات کا اہتمام کرتے تھے ﴿لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اہل ایمان کے لیے (یعنی) غریب و فقیر اور محتاج و نادار مسلمانوں کے لیے جن کے سروں کے بال بکھرے ہوئے ہوتے تھے اور ان کے کپڑے ٹاٹ کے بنے' کھردرے اور موٹے ہوتے تھے ﴿اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ﴾ دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق' ہم یا تم ﴿خَيْرٌ مَّقَامًا﴾ بہتر ہے' رہائش گاہ کے اعتبار سے [میم مفتوح کے ساتھ] "مَقَام" قیام گاہ کو کہا جاتا ہے اور اس سے مکانات اور رہائش گاہیں مراد ہیں [اور ابن کثیر مکی کی قراءت میں میم مضموم ہے] اقامت گاہ اور منزل کو "مُقام" کہا جاتا ہے ﴿وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا﴾ اور شاندار مجلس و محفل جس میں باہم مشورہ کرنے کے لیے ساری قوم جمع ہوتی ہے اور اس آیتِ مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب ہم آیات یا کوئی آیت نازل کرتے ہیں' جس میں خوب دلائل و براہین بیان کیے گئے ہوتے ہیں تو کفار ان میں غور و فکر اور تدبر کرنے کی بجائے مال و دولت اور خوبصورت مکانوں پر فخر و تکبر کے اظہار کی طرف روگردانی کر لیتے ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

۷۴۔﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ اور ہم نے ان سے پہلے پچھلی امتوں میں سے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا [اور "كَمْ"۔ "اَهْلَكْنَا" کا مفعول ہے اور حرفِ "مِنْ" اس کے ابہام کا بیان ہے] یعنی پچھلی امتوں میں سے بہت سے لوگوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور ہر زمانے کے لوگ اپنے بعد والوں کے لیے "قرن" (یعنی سابقہ جماعت) ہوتے ہیں ﴿هُمْ اَحْسَنُ﴾ وہ شاندار تھے [اور یہ حرفِ "كَمْ" کی صفت ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے' کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر تم "هُمْ" کو ترک کر دو تو "اَحْسَنَ" وصفیت کی بناء پر منصوب رہ جائے گا] ﴿اَثَاثًا﴾ گھر کا سامان یا قیمتی اور خوبصورت بچھونے اور اعلیٰ کوالٹی کے موٹے غالیچے ﴿وَّرِئْيًا﴾ اور نمود و دکھاوا اور ظاہری شکل و صورت [فعل بہ معنی مفعول ہے' یہ "رَاَيْتُ" سے ماخوذ ہے۔ قاری نافع مدنی' ابن عامر شامی کی قراءت میں بغیر ہمزہ کے "يَا" مشدد کے ساتھ ہے' اس بناء پر کہ ہمزہ کو سکون کی وجہ سے "يَا" سے تبدیل کر کے ماقبل کو کسرہ دے دیا گیا' پھر تبدیل شدہ "يَا" کو مدغم کر دیا گیا ہے یا "رِيٌّ" سے ماخوذ ہے جس کا معنی نعمت و خوشحالی ہے]۔

۷۵۔﴿قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ جو شخص گمراہی (یعنی) کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے ﴿فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا﴾ تو رحمٰن اس کو خوب ڈھیل اور مہلت دے دیتا ہے [یہ "مَنْ" کا جواب ہے کیونکہ حرف "مَنْ" شرط کے معنی میں ہے اور یہ امر خبر کے معنی میں ہے] یعنی جو شخص کفر اختیار کر لیتا ہے تو رحمٰن اس کو ڈھیل دے دیتا ہے یعنی اسے مہلت دیتا ہے اور اس کی عمر دراز کر دیتا ہے تاکہ وہ سرکشی و گمراہی میں اور زیادہ بڑھ جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا" (آل عمران:۱۷۸) "بے شک ہم انہیں صرف اس لیے ڈھیل دیتے ہیں تاکہ وہ لوگ اور زیادہ گناہ کر لیں" [اور اس کو فعل امر کے صیغے سے اس لیے لایا گیا ہے تاکہ اس کے وجوب کا اعلان و اظہار ہو جائے اور یہ کہ یہ کام (مہلت دینا) ہر حال میں کیا جائے گا جیسے مامور متمثل ہوتا ہے تاکہ گمراہی کی معذرتوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے کاٹ دیا جائے] ﴿حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ﴾ یہاں تک کہ جب وہ لوگ اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے [یہ کلامِ پاک اللہ تعالیٰ کے سابق ارشاد: "خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا" کے ساتھ متصل ہے اور ان دونوں کے درمیان جو کلام ہے وہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے] یعنی

کفار فخر وغرور کی یہ بات کہتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ اپنی آنکھوں سے وعدۂ الٰہی کو دیکھ لیں گے ﴿اِمَّا الْعَذَابَ﴾ خواہ دنیا میں عذاب کو (دیکھ لیں گے) اور وہ یہ کہ ان کو مسلمانوں کا قتل و غارت اور قید و بند کے ساتھ عذاب پہنچانا مراد ہے ﴿وَاِمَّا السَّاعَةَ﴾ اور یا ساعت یعنی قیامت کی گھڑی کو (دیکھ لیں گے) اور انہیں جو کچھ ذلت و رسوائی اور عبرت ناک سزا ملے گی وہ وعدۂ الٰہی کا بدلا ہوگی ﴿فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا﴾ سو عنقریب وہ لوگ جان لیں گے کہ کس کا ٹھکانا بدترین ہے اور کس کا لشکر (یعنی) معاونین و مددگار کمزور ہیں یعنی یہ لوگ اس وقت جان لیں گے کہ انہوں نے جو معیار مقرر کیا تھا یہاں اس کے برعکس معاملہ ہے اور بے شک انہیں کا ٹھکانا بُرا ہے اور انہیں کا لشکر کمزور ہے' نہ ان کا مقام و مرتبہ بہتر ہے اور نہ ان کے ساتھی اچھے ہیں اور بے شک مؤمنوں کی شان ان کی بیان کردہ صفت کے برعکس ہے [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ کلام اپنے ماقبل کلام کے ساتھ متصل ہو] اور معنی یہ ہو کہ بے شک جو لوگ گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں ان کو گمراہی میں ڈھیل دی جائے گی' وہ اپنی گمراہی سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ وہ مؤمنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے یا پھر وہ قیامت کو دیکھ لیں گے [اور ''حَتّٰى'' وہ کلمہ ہے جس کے بعد والا جملہ کسی واقعہ کی حکایت بیان کرتا ہے' کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس کے بعد جملہ شرطیہ واقع ہے اور وہ ارشادِ باری تعالیٰ ''اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ'' ''فَسَيَعْلَمُوْنَ'' ہے]۔

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾

اور اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت کو بڑھا دیتا ہے' اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب تعالیٰ کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے اور انجام کے لحاظ سے سب سے بہتر ہیں○ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور اس نے کہا کہ مجھے مال اور اولاد ضرور عطا کی جائے گی○ کیا اس نے غیب پر اطلاع پائی ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لے لیا ہے○ ہرگز نہیں' جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اسے اب بھی لکھ رہے ہیں اور ہم اس کو بہت زیادہ عذاب بڑھا چڑھا کر دیں گے○ اور جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اس کے وارث ہیں اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا○ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں تا کہ وہ ان کے لیے مددگار ہوں○

۷۶-﴿وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اضافہ کر دیتا ہے [یہ ''فَلْيَمْدُدْ'' کے محل پر معطوف ہے کیونکہ وہ خبر کی جگہ پر واقع ہے] جس کی مقدر عبارت اس طرح ہے: جو گمراہی میں پڑا ہوا ہے اسے ڈھیل دی جاتی ہے یا اسے رحمٰن ڈھیل دیتا ہے اور اضافہ فرما دیتا ہے یعنی گمراہوں کی گمراہی میں ذلت و رسوائی کا اضافہ کر دیتا ہے اور ہدایت یافتہ یعنی مؤمنوں کی ہدایت میں اضافہ فرما دیتا ہے کہ انہیں ہدایت پر ثابت قدمی یا پھر اپنی توفیق و

مہربانی سے ان کے یقین و بصیرت میں اضافہ فرما دیتا ہے ﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ﴾ اور باقی رہنے والی نیکیاں (یعنی) آخرت کے تمام اعمال یا پنجگانہ نمازیں یا ''سُبْحَانَ اللّٰهِ'' اور ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' اور ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اور ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ''، ﴿خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا﴾ آپ کے رب تعالیٰ کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے ان سب سے بہت بہتر ہیں جن پر کفار فخر وغرور کرتے ہیں ﴿وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا﴾ اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھے ہیں اور مسلمانوں کی فضیلت بیان کرنے میں کفار کا مذاق اڑایا گیا ہے کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے لیے کہا تھا کہ ''اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا'' دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ مکان کے اعتبار سے بہتر ہے اور محفل کی رُو سے اچھا ہے۔

کفار کے بُرے انجام کا بیان

٧٧- ﴿اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا﴾ تو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے ہماری آیتوں کا انکار کر دیا ہے اور اس نے کہا: مجھے وہاں (آخرت میں بھی) مال و دولت اور اولاد ضرور عطا کی جائے گی [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں چار جگہ واؤ مضموم اور لام ساکن کے ساتھ ''وُلْدًا'' پڑھا گیا ہے۔ یہاں (اس سورت میں دو جگہ) اور زخرف اور نوح میں اور یہ ''وَلَدٌ'' کی جمع ہے جیسے ''اُسْدٌ'' (ہمزہ مضموم اور سین ساکن کے ساتھ) ''اَسَدٌ'' کی جمع ہے یا یہ ''وَلَدٌ'' کے معنی میں ہے جیسے ''عُرْبٌ'' بہ معنی ''عَرَبٌ'' استعمال ہوتا ہے] اور جب اشیاء کو دیکھنا ان کے جاننے کا ذریعہ ہے اور ان سے خبر دینے کی صحت کا ذریعہ ہے تو انہوں نے ''اَرَاَیْتَ'' کو ''اَخْبِرْ'' کے معنی میں استعمال کیا ہے [اور حرف ''فَا'' بعد کے معنی کا فائدہ دیتا ہے] گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب! اس کافر کے قصے کی خبر بھی سنا دیجئے اور ان (مشرکینِ قریش) کی بات کے بعد اس کافر کی بات بھی یاد کیجئے اور اس کی بات یہ ہے کہ ''لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا'' مجھے مال و دولت اور اولاد ضرور عطا کی جائے گی [اور یہ پوشیدہ قسم کا جواب ہے]۔

٧٨- ﴿اَطَّلَعَ الْغَيْبَ﴾ کیا وہ غیب پر اطلاع پا چکا ہے؟ یہ عرب کے قول ''اَطَّلَعَ الْجَبَلَ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی پہاڑ کی بلندی پر چڑھ جاتا ہے [یہ ہمزہ استفہام کا ہے اور وصل کا ہمزہ محذوف ہے] یعنی کیا اس نے لوحِ محفوظ میں دیکھ لیا ہے کہ اس نے اپنے مقصد کو جان لیا ﴿اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾ یا اس نے رحمٰن کے پاس کوئی عہد لے لیا ہے (یعنی) ایسا پختہ عہد کہ اللہ تعالیٰ اسے پورا کرے گا یا عہد سے کلمۂ شہادت مراد ہے۔

شانِ نزول: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ یہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں اور مشہور یہ ہے کہ یہ آیات عاص بن وائل کے متعلق نازل ہوئی تھیں' چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت خباب بن اُرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عاص بن وائل کے لیے زیور تیار کیا اور اس سے اس کی اجرت طلب کی تو اس نے کہا: تم تو یہ گمان رکھتے ہو کہ تم یقیناً مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے اور جنت میں تمہیں سونے اور چاندی کے زیورات پہنائے جائیں گے' سو میں بھی تمہاری مزدوری وہیں پر ادا کر دوں گا کیونکہ مجھے وہاں بھی مال و دولت اور اولاد یقیناً عطا کی جائے گی۔

٧٩- ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں۔ اس کلمہ سے غلطی پر زجر و توبیخ (ڈانٹنا) اور تنبیہ کی گئی ہے یعنی وہ اپنے بارے میں جو کچھ سوچتا ہے اس میں غلطی پر ہے' سو اسے چاہیے کہ وہ اس سے باز آ جائے ﴿سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ﴾ عنقریب ہم لکھ لیں گے جو کچھ وہ کہتا ہے' یعنی اس کی بات کو اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہم عنقریب اس کو ظاہر کر دیں گے اور ہم اسے بتلا دیں گے کہ بے شک ہم نے اس کی بات کو لکھ لیا ہے' اس لیے کہ جیسے ہی اس نے بات کہی اسی وقت بغیر کسی تاخیر کے لکھ لی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ'' (ق:١٨) ''وہ زبان سے کوئی بات نہیں کہتا مگر اس کے پاس ایک محافظ تیار

رہتا ہے"۔ اور یہ اس (زائد بن صعصعہ) کے قول کی طرح ہے کہ جب ہم اپنا نسب نامہ بیان کرتے ہیں تو (سب پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ) مجھے کسی گھٹیا خاندان والی نے نہیں جنا یعنی نسب بیان کرنے سے معلوم و ظاہر ہو جاتا ہے کہ میں کسی گھٹیا نسل کی عورت کا بیٹا نہیں ہوں ﴿وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ﴾ اور ہم اس کو لمبا چوڑا عذاب دیں گے (یعنی) ہم اس کے عذاب کو بڑھا دیں گے جیسا کہ وہ بہتان تراشی اور جرأت مندی میں بڑھ چڑھ کر بولتا تھا اور یہ "مـدد" سے ماخوذ ہے "مَـدَّهٗ" اور "اَمَـدَّهٗ" ہم معنی ہیں (یعنی دراز کرنا' بڑھانا اور زیادہ کرنا) ﴿مَدًّا﴾ بڑھانا اور زیادہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب و ناراضگی کے اظہار کے لیے فعل کو اس مصدر کے ساتھ مؤکد و مضبوط کیا ہے۔

٨٠- ﴿وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ﴾ اور وہ جو کچھ کہتا ہے' اس کے ہم وارث بنیں گے' یعنی ہم اس سے وہ سب کچھ لے لیں گے جس کے متعلق وہ گمان رکھتا ہے کہ وہ اسے آخرت میں بھی پالے گا اور معنی یہ ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے اس کا مسمّٰی و مقولہ مراد ہے اور وہ مال و دولت اور اولاد ہے ﴿وَيَأْتِيْنَا فَرْدًا﴾ اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا ["فَـرْدًا" حال ہے] یعنی وہ ہمارے پاس اس حال میں تنہا آئے گا کہ اس کے پاس نہ مال ہوگا اور نہ اولاد ہوگی جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَلَـقَـدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى" (الانعام: ٩٤) "اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے آ گئے ہو"۔ سو اس کو اس کی تمنا اور آرزو کوئی فائدہ نہیں دے گی اور نہ اس کی قسم اس کو کوئی فائدہ دے گی۔

٨١- ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور معبود بنا لیے' یعنی ان مشرکینِ قریش نے بتوں کو اپنا معبود بنا لیا جن کی وہ عبادت و پرستش کرتے ہیں ﴿لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا﴾ تاکہ وہ لوگ اپنے بتوں کی تعظیم و توقیر کی وجہ سے قوت و عزت حاصل کر لیں اور وہ بت ان کے مددگار و سفارشی بن جائیں اور وہ انہیں (قیامت میں) عذاب سے چھڑا لیں۔

كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿٨٩﴾

ع ٥ / ٧

وقف لازم

ہرگز نہیں' عنقریب وہ ان کی عبادت سے انکار کر دیں گے اور وہ ان کے خلاف ہو جائیں گے O کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے جو انہیں خوب اکساتے ہیں O سو آپ ان پر جلدی نہ کیجئے' بے شک ہم تو صرف ان کی گنتی (کے دن) پورے کر رہے ہیں O جس دن ہم پرہیزگاروں کو سوار کر کے مہمان بنا کر رحمٰن کے پاس جمع کریں گے O اور ہم مجرموں کو پیاسا دوزخ کی طرف ہانک کر لے جائیں گے O وہ شفاعت کے مالک نہیں ہوں گے سوائے اس کے جس نے رحمٰن کے پاس کوئی عہد لے رکھا ہے O اور کافروں نے کہا کہ رحمٰن نے (اپنے لیے) اولاد بنا لی ہے O بے شک تم بہت سخت بُری بات گھڑ لائے ہو O

٨٢-﴿ كَلَّا ﴾ ہرگز نہیں۔ انہوں نے جو گمان کیا تھا اس پر انہیں زجر و توبیخ کی گئی ہے اور انہیں ڈانٹا گیا ہے ﴿سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ﴾ عنقریب وہ ان کی عبادت سے انکار کر دیں گے [ضمیر فاعل ''اٰلِهَةً'' کی طرف لوٹتی ہے] یعنی بت کفار کی عبادت سے منکر ہو جائیں گے اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور وہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! تم نے ہماری عبادت نہیں کی اور تم جھوٹے ہو| یا یہ ضمیر مشرکین کی طرف لوٹتی ہے| یعنی مشرکین بتوں کی عبادت کرنے کا انکار کر دیں گے جیسا کہ ارشاد ہے کہ ''وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ '' (الانعام:٢٣) ''ہمیں اپنے رب اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم شرک کرنے والے نہیں ہیں''۔ ﴿وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾ اور وہ ان کے خلاف ہو جائیں گے' یعنی معبودانِ باطلہ مشرکین کے مخالف ہو جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں قوتِ گویائی عطا فرمائے گا اور وہ کہیں گے: اے اللہ! تو ان مشرکین کو عذاب میں مبتلا فرما' جنہوں نے تجھے چھوڑ کر ہماری عبادت شروع کر دی تھی [اور ''ضِدٌّ'' واحد اور جمع دونوں پر بولا جاتا ہے اور یہ ''لَهُمْ عِزًّا'' کے مقابلہ میں ہے] اور ''ضِدٌّ'' سے عزت کی ضد مراد ہے اور وہ ذلت و رسوائی ہے یعنی مشرکوں نے بتوں کے بارے میں جو ارادہ کیا تھا یہ بت اس کے برعکس ثابت ہوں گے' مطلب یہ ہے کہ یہ معبودانِ باطلہ ان کے لیے ذلت و رسوائی کا باعث بنیں گے' عزت و وقار کا باعث نہیں بنیں گے [اور اگر ''سَيَكْفُرُوْنَ'' اور ''يَكُوْنُوْنَ'' میں ضمیر فاعل مشرکین کی طرف لوٹتی ہے تو پھر یہ معنی ہوگا کہ مشرکین اپنے معبودوں اور بتوں کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کے خلاف ہو جائیں گے] یعنی مشرکین جو پہلے (دنیا میں) بتوں کی عبادت کرتے تھے لیکن اس کے بعد اب (آخرت میں) ان کے ساتھ کفر کرنے والے اور انکار کرنے والے بن جائیں گے۔

کفار پر شیاطین کے تسلط کا بیان

٨٣-پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم و محترم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعجب دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ بے شک ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے؟ یعنی ہم نے ان کو بھی اور اُن کو بھی چھوڑ رکھا ہے اور یہ ''اُرْسِلَتِ الْبَعِيْرُ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اونٹ کو چھوڑ دیا جاتا ہے یا یہ معنی ہے کہ ہم نے کافروں کو بہکانے کے لیے شیطانوں کو ان پر مسلط کر رکھا ہے ﴿تَؤُزُّهُمْ اَزًّا﴾ وہ ان کو بہکا پھسلا کر گناہوں پر ابھارتے ہیں اور ''اَزٌّ'' اور ''هَزٌّ'' ہم معنی ہیں اور ان دونوں کا معنی کسی کام پر ابھارنا اور سخت برانگیختہ کرنا ہے۔

٨٤-﴿فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ﴾ سو آپ ان پر عذاب بھیجنے کی جلدی نہ کریں ﴿اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا﴾ بے شک ہم ان کے لیے صرف گنتی پوری کر رہے ہیں یعنی بے شک ہم انہیں سزا دینے کے لیے ان کے اعمال کو خوب گن رہے ہیں یا انہیں فنا کرنے کے لیے ان کی سانسیں گن رہے ہیں اور ابن سماک نے یہ آیت مبارکہ مامون کے پاس تلاوت کی تو اس نے کہا: جب زندگی کی سانسیں اور لمحات گنتی کے ہیں اور ان کو بڑھانے والا مددگار بھی کوئی نہیں تو وہ لمحات کس قدر جلد تر ختم ہو جائیں گے۔

پرہیزگاروں کی فضیلت اور مجرموں کی فضیحت کا بیان

٨٥-﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا﴾ جس دن ہم پرہیزگاروں کو مہمان بنا کر سواریوں پر سوار کر کے رحمٰن کے پاس جمع کریں گے (یعنی) متقین و پرہیزگار حضرات جنتی اونٹنیوں پر سوار ہو کر بطور مہمان جنت میں اپنے مہربان رب تعالیٰ کے پاس جمع ہوں گے' ان کے کجاوے سونے کے ہوں گے اور ان کے پلانوں پر عمدہ اور خالص یاقوت جڑے ہوں

گے۔

٨٦-﴿وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ اور ہم مجرموں (یعنی) کافروں کو اس طرح ہانک کرلے جائیں گے جس طرح جانوروں کو ہانک کر لے جایا جاتا ہے' یہ اس لیے کہ کفار جانوروں سے بھی بدتر ہیں ﴿اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا﴾ دوزخ کی طرف پیاسا لے جایا جائے گا۔ ''وِرْدًا'' کا معنی پیاسا ہے کیونکہ جو جاندار پانی پر وارد ہوتا ہے' وہ صرف پیاس بجھانے کے لیے پانی پر وارد ہوتا ہے اور حقیقت میں ''ورد'' پانی کی طرف جانا ہے' سو اس لیے پانی پر جانے والوں کو ''وَارِدُوْن'' کہا جاتا ہے [پس ''وَفْد''۔ ''وَافِد'' کی جمع ہے' جس طرح ''رَكْب''۔ ''رَاكِب'' کی جمع ہے اور ''وِرْد''۔ ''وَارِد'' کی جمع ہے اور ''يَوْم'' ، فعل مضمر (پوشیدہ فعل) کی وجہ سے منصوب ہے] ''اَىْ اُذْكُرْ يَوْمَ نَحْشُرُ وَنَسُوْقُ نَفْعَلُ بِالْفَرِيْقَيْنِ مَالَا يُوْصَفُ'' یعنی (اے محبوب!) یاد کیجئے جس دن ہم پرہیزگاروں کو جمع کریں گے اور مجرموں کو ہانک کر لے جائیں گے' ہم دونوں فریقوں کے ساتھ ایسا معاملہ کریں گے' جس کا وصف کماحقہٗ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ متقیوں اور پرہیزگاروں کا ذکر کیا گیا ہے کہ انہیں اپنے رب تعالیٰ کے پاس جمع کیا جائے گا جو انہیں اپنی رحمت میں ڈھانپ لے گا جیسا کہ مختلف وفود بادشاہوں کے پاس آتے ہیں' یہ ان کی تعظیم و تکریم کے لیے کیا جائے گا اور کافروں کو دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا گویا وہ پیاسے جانور ہیں' جنہیں پانی کی طرف ہانکا جا رہا ہے' یہ ان کی توہین و تذلیل کرنے کے لیے کیا جائے گا۔

شفاعت کا بیان

٨٧-﴿لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ﴾ وہ شفاعت کے مالک نہیں ہوں گے' اور اس سے مراد یہ ہے کہ کفار کی شفاعت (سفارش) نہیں کی جائے گی[1] [یہ حال ہے اور اگر واؤ ضمیر کی قرار دی جائے تو یہ بندوں کے لیے ہوگی اور اس پر متقین اور مجرمین کا ذکر دلیل ہے اس لیے کہ ان کی یہی تقسیم ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ جمع کی علامت ہو جیسے ''اَكَلُوْنِى الْبَرَاغِيْثُ'' میں ہے اور یہ ''مَنِ اتَّخَذَ'' کا فاعل ہو کیونکہ ''مَنْ'' جمع کے معنی میں ہے اور ''مَنِ اتَّخَذَ''۔ ''يَمْلِكُوْنَ'' کے واؤ سے بدل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے یا پھر فاعل ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یا مضاف کے محذوف ہونے کی تقدیر پر منصوب ہے ''اَىْ اِلَّا شَفَاعَةَ مَنِ اتَّخَذَ''] ﴿اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾ مگر جس نے رحمٰن کے پاس کوئی عہد لے لیا ہو

---

[1] واضح رہے کہ کفار کی شفاعت نہیں ہوگی نہ ان کی شفاعت کسی کے حق میں قبول کی جائے گی اور نہ کسی کی شفاعت ان کے حق میں قبول کی جائے گی کیونکہ شفاعت کے لیے عہد الٰہی یعنی ایمان کا حامل ہونا ضروری ہے جو ان میں نہیں ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ان کے لیے شفاعت کی نفی فرمائی ہے' مثلاً

(١) وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ. (البقرہ:٤٨) — اور کسی کافر جان کی طرف سے شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔

(٢) لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِىٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ. (الانعام:٥١) — اللہ تعالیٰ کے سوا کافروں کے لیے نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا۔

(٣) فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَا. (الاعراف:٥٣) — سو کیا ہماری سفارش کرنے والے کوئی ہیں جو ہماری سفارش کریں۔

(٤) فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ○ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ○ (الشعراء:١٠٠-١٠١) — سو اب ہماری سفارش کرنے والے کوئی نہیں ○ اور نہ کوئی غم خوار دوست ہے ○

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(یعنی) اس طرح کہ وہ ایمان لا کر مسلمان ہو گیا ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' (پورا کلمہ طیبہ خلوصِ دل کے ساتھ) پڑھ لیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے پاس عہد لے لیا۔[1]

اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی آدمی اس سے عاجز رہ سکتا ہے کہ ہر صبح و شام اللہ تعالیٰ سے عہد لے لیا کرے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ ہر روز صبح و شام پڑھا کرے: ''اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اِنِّيْ اَعْهَدُ اِلَيْكَ بِاَنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ وَاَنَّكَ اِنْ تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ تُقَرِّبْنِيْ مِنَ الشَّرِّ وَتُبَاعِدْنِيْ مِنَ الْخَيْرِ وَاِنِّيْ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاجْعَلْ لِّيْ عَهْدًا تُوَفِّيْنِيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ'' اے اللہ! اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! اے غیب (پوشیدہ) اور شہادت (ظاہر) کے جاننے والے! بے شک میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو ایک ہے تیرا کوئی شریک نہیں ہے اور یقیناً حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ تیرے خاص بندے اور تیرے رسول ہیں اور بے شک اگر تو مجھے میرے نفس کے سپرد کر دے گا تو وہ مجھے بُرائی کے نزدیک کر دے گا اور بھلائی سے دور کر دے گا اور بے شک میں تیری رحمت کے بغیر کسی چیز پر بھروسا نہیں رکھتا' سو تو میرے لیے اس عہد کو محفوظ کر لے (پھر) قیامت کے دن تو مجھے یہ پوری طرح عطا فرما دینا بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا' سو جب کوئی شخص اس عہد نامہ کو پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر حفاظت کی مہر لگا دے گا اور اس کو عرش کے نیچے رکھ دے گا' پھر جب قیامت کا دن ہو گا تو منادی کرنے والا فرشتہ منادی کرے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن کا عہد نامہ اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے؟ پھر انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔[2]

یا یہ ''عَهِدَ الْاَمِيْرُ اِلٰى فُلَانٍ بِكَذَا'' سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب حاکم کسی کو کوئی کام کرنے کی اجازت دے کر اسے بجا لانے کا حکم دیتا ہے یعنی شفاعت صرف وہی کر سکے گا جس کو شفاعت کرنے کے لیے مامور کیا جائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) (۵) وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعَآءُ. (الروم: ١٣) — اور ان کے شریکوں میں سے ان کی سفارش کرنے والے کوئی نہیں ہوں گے۔

(٦) اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ. (الزمر: ٤٣) — کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں (بتوں کو) شفاعت کرنے والے بنا رکھا ہے۔

(٧) مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ. (المؤمن: ١٨) — ظالموں (یعنی کافروں) کے لیے نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ کوئی سفارشی جس کا کہا مانا جائے۔

(٨) فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ. (المدثر: ٤٨) — پس انہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی۔

[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر ج ١٢ ص ٤٣٧

[2] یہ عہد نامہ درج ذیل کتب میں بھی موجود ہے: تفسیر روح المعانی جزء ١٦ ص ١٣٧۔ ١٣٨' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور' تفسیر کبیر ج ٥ ص ٥٦٢۔ ٥٦٣' مطبوعہ دار الفکر بیروت' تفسیر تبیان القرآن ج ٧ ص ٣١٦۔ ٣١٧ بہ حوالہ الجامع لاحکام القرآن جزء ١١ ص ٧٦' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ٨٩١٧' المستدرک رقم الحدیث: ٣٤١٨' ضیاء القرآن ج ٣ ص ٩٨' تفسیر ابن کثیر ج ٣ ص ١٥١ زیر بحث آیت۔

گا اور جس کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔[1]

اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کے ثبوت کی نفی کا بیان

۸۸-﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا﴾ اور انہوں نے یعنی نصرانیوں اور یہودیوں اور جن لوگوں کا گمان تھا کہ فرشتے

[1] یہاں پہلے وہ آیات پیش کی جائیں گی جن سے شفاعت کا ثبوت ملتا ہے' پھر ان حضرات کی شفاعت کا ثبوت بیان کیا جائے گا جو شفاعت کرنے کے لیے مامور اور اجازت یافتہ ہیں۔

اہل ایمان کے لیے شفاعت کا ثبوت

(۱) مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. (البقرہ: ۲۵۵) کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے۔

(۲) مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا. (النساء: ۸۵) جو شخص نیکی کی شفاعت کرے گا اس کو شفاعت کرنے پر ثواب ملے گا۔

(۳) مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ. (یونس: ۳) کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا مگر اس کی اجازت کے بعد۔

(۴) لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا. (مریم: ۸۷) شفاعت کے مالک نہیں ہوں گے مگر وہی جس نے رحمٰن سے عہد لے لیا۔

(۵) وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى. (الانبیاء: ۲۸) اور فرشتے شفاعت نہیں کریں گے مگر جس کے لیے اللہ تعالیٰ شفاعت پسند کرے گا۔

(۶) یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا. (طٰہٰ: ۱۱۰) اس دن شفاعت فائدہ نہیں دے گی مگر اس کو فائدہ دے گی جس کے لیے رحمٰن نے اجازت دی اور اس کی بات پسند فرمائی۔

(۷) وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ. (سبا: ۲۳) اور اس کے پاس شفاعت فائدہ نہیں دے گی مگر جس کے لیے وہ اجازت دے گا۔

حضور سیّد عالم ﷺ کی شفاعت

(۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز دیکھوں گا۔ اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں رکھے گا' پھر مجھ سے کہا جائے گا کہ ''اِرْفَعْ رَاْسَكَ فَسَلْ تُعْطَهْ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ'' اپنا سر اٹھاؤ اور مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا اور کہو تمہاری بات سنی جائے گی اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۷۱۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهٖ'' قیامت کے دن میری شفاعت حاصل کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب شخص وہ ہوگا جس نے خلوصِ دل سے کلمہ پڑھا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ مَنْ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں (ان سب نے) کہا کہ رحمٰن نے اپنے لیے اولاد بنالی ہے۔

٨٩- ﴿لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا﴾ بے شک تم ایک بہت بُری اور سخت بھاری بات گھڑ لائے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے غائب کے بعد اس کلام میں فعل حاضر کے ساتھ کافروں کو مخاطب فرمایا ہے اور یہ التفات کہلاتا ہے (جو کلامِ عرب میں فصاحت و بلاغت کا ایک عمدہ اندازِ بیان ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم و مکرم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ آپ کفار سے یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) يَشْفَعُ فِي الْجَنَّةِ" میں لوگوں میں سب سے پہلے جنت کی شفاعت کروں گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۲)

(۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي" میں اپنی امت میں سے گناہ کبیرہ کرنے والوں کی شفاعت کروں گا۔ (جامع ترمذی ص ۳۵۱' سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۶)

(۵) حضرت عوف بن مالک اشجعی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس اللہ کا پیغام آیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ اللہ میری آدھی امت کو جنت میں داخل کر دے یا میں شفاعت کروں "فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا" سو میں نے شفاعت کو اختیار کر لیا اور یہ شفاعت ہر اس مسلمان کو حاصل ہوگی جو شرک پر نہیں مرے گا۔

(جامع ترمذی ص ۳۵۱' سنن ابن ماجہ ص ۲۱۹)

(۶) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي" جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی' اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۷۸)

(۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "أَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ وَّأَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ" قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت میں کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور اس پر فخر نہیں۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۵)

انبیاءِ کرام' علماءِ اسلام اور شہداء کی شفاعت

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةٌ الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ" قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے: (۱) انبیاءِ کرام (۲) علماءِ دین (۳) شہداءِ اسلام۔

حافظِ قرآن کی شفاعت

حضرت علی مرتضیٰ ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَحَفِظَهُ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِي عَشَرَةٍ مِّنْ أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ قَدِ اسْتَوْجَبَ النَّارَ" جس شخص نے قرآن پڑھا اور اس کو حفظ کر لیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا اور اس کو اس کے خاندان کے ان دس افراد کے لیے شفاعت کرنے والا بنا دے گا جن کے لیے جہنم واجب ہو چکا ہوگا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۹)

قرآن مجید کی شفاعت

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "اقْرَءُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لِأَصْحَابِهِ" قرآن پڑھا کرو بے شک یہ قرآن اپنے پڑھنے والوں کی قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۰)

قرآن مجید اور ماہِ رمضان کے روزوں کی شفاعت

حضرت عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ روزے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بات ارشاد فرمادیں کہ اے کافرو! تم بہت بُری اور عجیب و غریب سخت قبیح بات گھڑ کے لائے ہو۔''اِدٌّ'' کا معنی عجب ہے یا بہت بڑی بُرائی اور ''اِدَّۃٌ'' کا معنی شدت و سختی ہے اور ''اَدَّنِیَ الْاَمْرُ'' بہ معنی ''اَثْقَلَنِیْ وَعَظُمَ عَلَیَّ اِدًّا'' ہے یعنی اس نے مجھے مشکل میں ڈال دیا اور مجھے بڑی سخت انوکھی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور قرآن آدمی کی شفاعت کریں گے' روزے کہیں گے: اے میرے رب! بے شک میں نے اس آدمی کو دن میں کھانے پینے سے روکے رکھا' پس تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو رات کو ایک مدت تک روکے رکھا' پس تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما' سو ان دونوں کی شفاعت قبول کر لی جائے گی۔

(مشکوٰۃ ص ۱۷۳ مطبوعہ اصح المطابع' دہلی ہند)

امتیوں کی شفاعت

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے کچھ لوگ ایک گروہ کی شفاعت کریں گے اور کچھ لوگ ایک قبیلہ کی شفاعت کریں گے اور کچھ لوگ ایک جماعت کی اور کچھ صرف ایک شخص کی' یہاں تک کہ وہ سب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (جامع ترمذی ص ۳۵۱)

نمازِ جنازہ پڑھنے والوں کی شفاعت

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کی نمازِ جنازہ میں سو (۱۰۰) مسلمان شریک ہوں اور اس کی شفاعت کریں تو ان کی شفاعت ضرور قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۰۸)

(۲) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' آپ نے فرمایا: جو مسلمان فوت ہو جائے اور اس کے جنازہ میں چالیس (۴۰) مسلمان شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کی شفاعت اس کے حق میں قبول فرمالیتا ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراتے ہوں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۰۸)

نابالغ بچوں کی شفاعت

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے جس شخص کے دو پیش رو (دو کم سن فوت شدہ بچے) ہوں' وہ اس شخص کو جنت میں لے جائیں گے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ آپ کی امت میں سے جس شخص کا ایک پیش رو ہو؟ فرمایا: اے صاحبۂ خیرات! اس کو وہ ایک پیش رو ہی لے جائے گا۔ عرض کیا: جس کا کوئی نہیں ہوگا۔ فرمایا: جس کا کوئی نہیں ہوگا اس کا میں ہوں گا کیونکہ میری امت کو میری جدائی سے بڑھ کر کسی کی جدائی کی تکلیف نہیں پہنچی۔

(جامع ترمذی ص ۱۷۲)

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نا تمام بچہ (مثلاً ۵ ماہ یا ۶ ماہ کا ساقط بچہ) جب اپنے ماں باپ کو جہنم بھجواتے ہوئے دیکھے گا تو اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے جھگڑالو! جا! اپنے ماں باپ کو جنت میں داخل کر دے' چنانچہ وہ اپنے ماں باپ کو ناف سے باندھ کر گھسیٹ کے جنت میں لے جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۱۵)

نوٹ: اختصار کے پیشِ نظر بندۂ ناچیز نے اپنے مشفق و مکرم استاذِ محترم عمدۃ المحققین علامۃ العصر علامہ غلام رسول سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی ''شرح مسلم'' جلد ثانی سے کچھ احادیث مبارکہ تحریر کی ہیں' مکمل تشریح و تفصیل ''شرح مسلم'' جلد ثانی میں ملاحظہ فرمائیں۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾

قریب ہے کہ اس بات سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیںO کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ کیاO اور رحمٰن کے لیے یہ لائق ہی نہیں کہ وہ (اپنے لیے) اولاد بنا لےO آسمانوں اور زمین میں جو کوئی ہے وہ ہر ایک عاجز بندہ بن کر رحمٰن کے سامنے حاضر ہوگاO بے شک اللہ تعالیٰ نے ان سب کا احاطہ کر رکھا ہے اور ان سب کو گن رکھا ہےO اور وہ سب قیامت کے دن اس کے سامنے تنہا حاضر ہونے والے ہیںO بے شک جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک کام کیے تو عنقریب رحمٰن ان کے لیے محبت پیدا فرما دے گاO

۹۰- ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ﴾ قریب ہے کہ تمام آسمان اس بہت بڑی اور بُری بات سے پھٹ جائیں۔ ''تَكَادُ'' بہ معنی ''تَقْرُبُ'' ہے [نافع مدنی اور علی کسائی کی قراءت ''یا'' کے ساتھ ''یَكَادُ'' ہے اور ابو عمرو بصری' ابن عامر شامی' حمزہ' خلف اور ابو بکر کی قراءت میں ''تا'' کی بجائے نون ساکنہ اور ''طا'' مخفف مکسور کے ساتھ ''یَنْفَطِرْنَ'' ہے اور ''انفطار'' ''فَطْرَةٌ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی چیز کو پھاڑ دے اور ''تَفَطُّرٌ'' ''فَطَّرَهٗ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی کسی چیز کو پھاڑ دے] ﴿وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ﴾ اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دھنس جائے اور اس کے اجزاء منتشر ہو جائیں ﴿وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا﴾ اور پہاڑ ٹوٹ کر یا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر منہدم ہو کر گر پڑیں اور ''هَدَّةٌ'' کا معنی ہے: آسمانی بجلی سے کڑک کی آواز اور یہ مصدر ہے یعنی کفار کی بات کی سماعت سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں [یا حال ہے یا مفعول لہ یعنی ٹوٹ کر]۔

۹۱- ﴿اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا﴾ کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا (یعنی) اس لیے کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے اولاد مقرر کی [یہ محلاً مجرور ہے کیونکہ یہ ''مِنْهُ'' کی ضمیر ھا سے بدل ہے یا مفعول لہ کی بناء پر منصوب ہے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑنے کی علت بیان کی گئی ہے اور گرنے کی علت رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ کرنا ہے یا پھر ''هَدًّا'' کا فاعل ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یعنی ان کا رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ کرنا پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دے]۔

۹۲- ﴿وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا﴾ اور رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ اپنے لیے اولاد بنا لے [''اِنْبَغٰی'' ''بَغٰی'' کا مطاوع ہے اور اس کا معنی ''طَلَبَ'' ہے] یعنی اللہ تعالیٰ کے لائق ہی نہیں کہ وہ اپنے لیے اولاد مقرر کرے اور نہ اس کے لیے اولاد مقرر کرنا ممکن ہے بلکہ اگر اس کی طرف اولاد طلب کرنے کی نسبت کی جائے تو پھر بھی اس کے لیے اولاد کا ثابت کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہ محال و ناممکن ہے اور اس کی قدرت کے تحت داخل نہیں ہے اور یہ اس لیے کہ اولاد کا ثبوت والد کے محتاج ہونے کی علامت ہے اور اولاد و والد کی ہم جنس ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں چیزوں سے منزہ اور پاک

ہے اور خصوصیت کے ساتھ رحمٰن کا ذکر کرنے اور اس کو بار بار مکرر لانے کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ بے شک رحمٰن ایک ہے اور اس کے سوا اس نام کا اور کوئی مستحق نہیں ہے کیونکہ تمام بنیادی نعمتیں اور ان کے ثمرات اسی رحمٰن کی رحمت کا مظہر ہیں' سو اب تمہاری آنکھوں سے تمام پردے دور ہو جانے چاہئیں اور یہ بات تم پر واضح ہو جانی چاہیے کہ تم اور تمہارے پاس جس قدر نعمتیں ہیں وہ سب کی سب اسی رحمٰن کی عطا اور اسی کی بخشش ہیں' لہٰذا جس نے اس کی طرف اولاد کو منسوب کیا تو اس نے یقیناً اسے اس کی بعض مخلوق کی طرح قرار دے دیا اور اس کی طرف یہ نسبت کر کے اسے رحمٰن کے نام کے استحقاق سے خارج کر دیا۔

٩٣- ﴿إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ زمین اور آسمان کے تمام باشندے رحمٰن کے حضور عاجز و مطیع بندے بن کر حاضر ہوں گے' اور معنی یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں میں رہنے والے تمام فرشتے اور تمام انسان قیامت کے دن عاجز و فرماں بردار اور کم تر بن کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی عبودیت کا اقرار کرتے ہوئے حاضر ہوں گے اور عبودیت و بنوت یعنی بندگی اور خدا کا بیٹا ہونا ایک دوسرے کے منافی ہیں' حتیٰ کہ اگر باپ اپنے (غلام) بیٹے کا مالک بن جائے تو بیٹا فوراً آزاد ہو جائے گا اور تمام مخلوق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح ہے جس طرح غلام کی نسبت اپنے آقا و مالک کی طرف ہوتی ہے [حضرت ابن مسعود نے اضافت سے پہلے اصلی حالت کے مطابق ''اٰتٍ الرَّحْمٰنَ'' پڑھا ہے اور ''مَنْ'' نکرہ موصوفہ ہے' اس کی صفت ''فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ'' ہے اور ''كُلُّ'' کی خبر ''إِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ'' ہے اور ''اٰتِي'' اور ''اٰتِيْهِ'' (آیت:٩٥) کو واحد اس لیے لایا گیا ہے کہ ان کو لفظ ''کل'' پر محمول کیا گیا ہے اور یہ دونوں ''اَتٰى يَاْتِيْ'' سے اسم فاعل ہیں اور یہ مستقبل کے معنی میں ہیں یعنی ہر کوئی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجز بندہ بن کر حاضر ہوگا اور ''عَبْدًا'' حال ہے]۔

٩٤- ﴿لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا﴾ بے شک البتہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو شمار کر رکھا ہے اور ان کی خوب گنتی کر رکھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے کامل علم میں ان کو شمار کر رکھا ہے اور ان کا خوب احاطہ فرما لیا ہے۔

٩٥- ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا﴾ اور وہ سب کے سب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تنہا حاضر ہوں گے یعنی قیامت کے دن ان میں سے ہر ایک بغیر مال و اولاد کے اور بغیر کسی معاون و مددگار کے تنہا اور اکیلا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا۔

بندگانِ خدا کی شانِ محبوبیّت

٩٦- ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' عنقریب رحمٰن ان کے لیے محبت پیدا فرما دے گا (یعنی) بندوں کے دلوں میں۔ حضرت ربیع نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود بھی نیک مسلمانوں سے محبت فرما کر اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں بھی ان کی محبت پیدا فرما دیتا ہے[1]

اور حدیث شریف میں ہے کہ نیک لوگوں کے سینوں میں مؤمنوں کی محبت عطا کی جاتی ہے اور فاسقوں اور فاجروں کے دلوں میں مؤمنوں کی ہیبت پیدا کر دی جاتی ہے اور حضرت قتادہ اور حضرت ہرم نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ خلوصِ دل سے اللہ تعالیٰ

[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی نیک بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ میں فلاں آدمی سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور حضرت کعب سے روایت ہے کہ کسی نیک بندے کی حسن ثناء اور توصیف و تعریف زمین میں قرار نہیں پکڑتی' یہاں تک کہ اس کی تعریف و توصیف آسمانوں میں قرار پکڑ لیتی ہے۔

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ ع

پس بلاشبہ ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا تا کہ آپ اس کے ذریعے پرہیزگاروں کو خوشخبری سنائیں اور سخت جھگڑالو قوم کو اس کے ذریعے ڈر سنائیں O اور ہم نے ان سے پہلے کئی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے' کیا آپ ان میں سے کسی کو پاتے ہیں یا آپ ان کی کوئی معمولی سی آہستہ آواز سنتے ہیں O

قرآنِ مجید اور حاملِ قرآن کی منصب ذمہ داری

۹۷- ﴿فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ﴾ پس بے شک ہم نے اس کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے (یعنی) ہم نے قرآن مجید کو آپ کی لغت میں نازل کر کے یقیناً آپ کے لیے آسان کر دیا ہے [''بِلِسَانِكَ'' حال ہے] ﴿لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ﴾ تا کہ آپ اس کے ذریعے پرہیزگاروں یعنی مؤمنوں کو خوشخبری سنائیں ﴿وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا﴾ اور آپ اس کے ذریعے جھگڑالو قوم کو ڈر سنا دیں جو باطل کے لیے سخت جھگڑالو اور حق کی بہت مخالفت کرنے والی قوم ہے یعنی جو ہر بات میں سخت جھگڑا شروع کر دیتے ہیں یعنی سخت مخالفت کرتے ہیں اور متکبر و جھگڑالو ہیں [یہ ''اَلَدُّ'' کی جمع ہے] اور اس سے اہل مکہ مراد ہیں (یعنی کفارِ مکہ مراد ہیں جو دین اسلام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سخت مخالفت کرتے تھے)۔

۹۸- ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ اور ہم نے ان سے پہلے بہت سی قومیں ہلاک کر دیں۔ پہلی قوموں کی ہلاکت کا ذکر کفار مکہ کو خوف دلانے اور انہیں ڈرانے کے لیے کیا گیا ہے ﴿هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ﴾ کیا آپ ان میں سے کسی کو محسوس کرتے ہیں؟ یعنی کیا آپ ان میں سے کسی کو پاتے ہیں یا آپ کسی کو دیکھتے ہیں یا آپ کسی کو جانتے ہیں؟ اور احساس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) محبت کر' چنانچہ حضرت جبریل اس آدمی سے محبت کرنے لگتے ہیں' پھر حضرت جبریل آسمانوں میں اعلان کرتے ہیں کہ فلاں آدمی سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں' لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمانوں میں رہنے والے اس سے محبت کرنی شروع کر دیتے ہیں' پھر اس کی مقبولیت زمین میں رکھ دی جاتی ہے (جس کی برکت سے زمین پر رہنے والے سلیم الفطرت انسان بھی اس سے محبت کرتے ہیں) اور جب اللہ تعالیٰ کسی بدکردار بندے سے ناراض ہو جاتا ہے تو حضرت جبریل کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں فلاں بُرے آدمی سے ناراض ہوں تو بھی اس سے ناراض ہو جا' چنانچہ حضرت جبریل اس سے ناراض ہو جاتے ہیں' پھر حضرت جبریل آسمانوں کے رہنے والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ فلاں بُرے آدمی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا ہے' لہٰذا تم بھی اس سے ناراض ہو جاؤ' پھر اس کے بارے میں ناراضگی و بغض زمین میں رکھ دیا جاتا ہے۔

(تفسیر الخازن جزء ۳ ص ۲۴۸' مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۳' تفسیر روح المعانی جزء ۱۶ ص ۱۴۳' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور' تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۶۴' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' تفسیر مظہری ج ۶ ص ۱۴۲' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر الحسنات ج ۴ ص ۸۲' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور' تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۱۰۰' تفسیر تبیان القرآن ج ۷ ص ۳۱۸' تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن ص ۴۰۴' مطبوعہ دارالتصنیف' کراچی)

قوتِ حاسہ سے معلوم کرنے کو کہتے ہیں ﴿اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا﴾ یا آپ ان کی ہلکی سی آواز سنتے ہیں' یعنی پوشیدہ اور آہستہ آواز اور ''رِکاز'' اسی سے ماخوذ ہے یعنی جب ہمارا عذاب ان پر آیا تو ان میں سے کوئی شخص زندہ نہ بچا جسے دیکھا جا سکتا ہو اور نہ کسی کی چیخ و پکار سنی گئی یعنی سب کے سب ہلاک ہو گئے' سو یہ لوگ بھی اسی طرح ہوں گے اگر انہوں نے آپ پر نازل کردہ قرآن اور دیگر تعلیمات سے روگردانی کی تو ان کا انجام بھی تباہی و بربادی اور ہلاکت ہوگا' پس ان کا معاملہ آپ پر آسان ہو جائے گا۔

ایاتہا ۱۳۵ رکوعاتہا ۸	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	(۲۰) سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ (۴۵)

سورۂ طٰہٰ مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ اس کی ایک سو پینتالیس آیات' آٹھ رکوع ہیں

طٰهٰ ۝۱ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝۲ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝۳ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝۴ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝۶ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝۷ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝۸ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝۹

وقف لازم

طٰہٰ○ (اے محبوب!) ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں○ بلکہ یہ نصیحت ہے اس شخص کے لیے جو (اللہ سے) ڈرتا ہے○ اس ذاتِ اقدس کی طرف نازل کیا گیا ہے' جس نے زمین اور بلند و بالا آسمانوں کو پیدا کیا ہے○ رحمٰن اپنی شان کے لائق عرش پر مستوی ہوا○ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے○ اور اگر آپ بلند آواز سے بات کریں سو وہ تو پوشیدہ اور سب سے زیادہ پوشیدہ رازوں کو جانتا ہے○ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' اور اس کے تمام نام اچھے ہیں○ اور کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی○

سورتِ طٰہٰ کی ابتدائی آٹھ آیات کی تفسیر

۱- ﴿طٰهٰ﴾ حضرت مجاہد اور حضرت حسن اور حضرت ضحاک اور عطاء وغیرہم سے منقول ہے کہ ''طٰهٰ'' کا معنی ہے: ''یَا رَجُلُ'' ''اے مردِ کامل! سو اگر یہ صحیح ہے تو ظاہر ہے ورنہ پھر حق وہ ہے' جو سورتِ بقرہ کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے۔[1] [طاء کو (حروفِ مستعلیہ میں سے ہونے کے سبب) پُر پڑھا گیا ہے کیونکہ اس میں صفتِ استعلاء پائی جاتی ہے اور ابوعمرو نے ھا کو امالہ کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ حمزہ' علی کسائی' خلف اور ابوبکر نے دونوں کو امالہ کے ساتھ پڑھا ہے اور ان کے علاوہ دیگر

[1] قبیلۂ عکل اور قبیلۂ عک میں ''طٰهٰ'' کا معنی ''یَا رَجُلُ'' یعنی اے شخص! ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قبیلۂ عک میں ''طٰهٰ'' بہ معنی ''یَا حَبِیْبِیْ'' (اے میرے حبیب!) استعمال ہوتا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور رحمتِ عالمیان کا اسم مبارک ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ ''ط'' سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قراء نے دونوں کو اصل پر عمل کرتے ہوئے پُر (یعنی مفتوح) پڑھا ہے]۔

٢۔﴿ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ﴾ ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لیے نازل نہیں فرمایا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں تا کہ آپ ان کفار پر اور ان کے کفر پر بہت زیادہ افسوس کرنے کی وجہ سے اور ان کے ایمان لانے کی حسرت وخواہش کی وجہ سے یا رات کو زیادہ قیام کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو تھکا دیں اور آپ ہلاکت کے قریب پہنچ جائیں۔

شانِ نزول: کیونکہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رات کو کثرت سے نماز نوافل پڑھتے رہتے یہاں تک کہ آپ کے پاؤں مبارک متورم ہو جاتے اور سوج جاتے تھے' چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور! آپ اپنے نفس کو اس مشقت سے بچایئے اور اس پر نرمی کیجئے کیونکہ اس کا بھی آپ پر حق ہے۔(درمنثور ج ۵ ص ۵۴۹) یعنی ہم نے اس قرآن مجید کو اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ عبادت کے سبب اپنے آپ کو ہلاک کر دیں اور آپ کو صرف خالص حنفیت کے ساتھ بھیجا گیا ہے [اگر ''طٰـہٰ'' کو اسمائے حروف کی گنتی کے لیے قرار دیا جائے تو یہ کلام مبتدا ہوگا اور اگر اس کو سورت کا اسم قرار دیا جائے تو پھر یہ احتمال ہے کہ یہ اس کی خبر ہو اور وہ مبتدا کی جگہ پر ہو اور القرآن اسم ظاہر کو اسم مضمر کی جگہ رکھا گیا ہے' اس لیے کہ اس سے مراد قرآن ہے اور یہ کہ یہ اس کا جواب ہے اور وہ قسم ہے]۔

٣۔﴿ اِلَّا تَذۡکِرَۃً ﴾ مگر نصیحت ہے [یہ استثناء منقطع ہے] یعنی لیکن ہم نے اس قرآن کو سراسر نصیحت بنا کر نازل کیا ہے [یا یہ حال ہے]﴿ لِّمَنۡ یَّخۡشٰی ﴾ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے یا جس کا معاملہ خشیتِ الٰہی کی طرف لوٹ جائے گا (یعنی مستقبل میں خوفِ خدا کا حامل بن جائے گا)۔

٤۔﴿ تَنۡزِیۡلًا ﴾ [یہ ''تَـذۡکِرَۃً'' سے بدل ہے جب اس کو حال قرار دیا جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ ''نَزَّلَ'' پوشیدہ کی وجہ سے منصوب ہو یا بطور مدح یا پھر ''یَـخۡـشٰی'' کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن اس شخص کو نصیحت کرنے کے لیے نازل کیا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے ﴿ مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَالسَّمٰوٰتِ ﴾ اس ذات پاک کی طرف سے (یہ قرآن نازل کیا گیا ہے) جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا فرمایا [یہ ''تَـنۡزِیۡـلًا'' کے متعلق ہے اور اس کا صلہ ہے] ﴿ الۡعُلٰی ﴾ اونچے [یہ ''علیا'' کی جمع ہے اور ''اَعۡلٰی'' کی تانیث ہے اور ''سمٰوٰت'' کو ''العلی'' کے ساتھ موصوف کرنا ان کے خالق کی عظیم قدرت پر واضح دلیل ہے]۔

٥۔﴿ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی ﴾ رحمٰن نے عرش پر اپنی شان کے لائق استویٰ فرمایا۔ علامہ زجاج سے منقول ہے کہ ''استـــوٰی'' کا معنی ہے کہ رحمٰن عرش پر غالب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے عرش کا ذکر کر کے جو کہ اعظم مخلوقات ہے اس کے غیر پر تنبیہ فرمائی ہے اور عرش تخت شاہی کا نام ہے جو بادشاہت کے مترادف ہے اور جب عرش پر استواء فرمانا بادشاہت سے کنایہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) طہارت اور ''ہ'' سے ہدایت کے لیے بطور رمز ذکر ہوا ہے۔ اس کا معنی ہے: ''یَا طَـاهِـرًا مِّـنَ الـذُّنُوۡبِ یَا هَـادِیَ الۡخَلۡقِ اِلٰی عَلَّامِ الۡغُیُوۡبِ'' اے گناہوں سے پاک اور خلقِ خدا کے رہنما۔(قرطبی) علامہ نظام الدین نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں ایک اور لطیف توجیہ نقل کی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ حساب جمل سے ''ط'' کا عدد نو اور ''ہ'' کا عدد پانچ ہے' جن کا مجموعہ چودہ ہے' جس کا معنی ہے: اے چودھویں کے چاند! ''قیل الطاء تسعة فی الحساب والهاء خمسة ومعناه یا ایها البدر''۔ علامہ آلوسی نے ''تفسیر روح المعانی'' میں اس توجیہ کا ذکر کر کے لکھا ہے: ''فکانّه قیل یا بدر سماء عالم الامکان'' اے عالم امکان کے آسمان کے ماہِ تمام! اے فلک وجود کے چودھویں کے چاند! (تفسیر ضیاء القرآن ج ٣ ص ١٠٣)

ہے تو مفسرین نے فرمایا کہ ''اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ'' کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تخت شاہی پر قابض ہو گیا یعنی بادشاہ ہو گیا ہے' اگر چہ وہ تخت پر بیٹھا نہیں ہے جیسے تمہارا یہ قول کہ فلاں آدمی کا ہاتھ کشادہ ہے یعنی سخی ہے اگر چہ اس کا بالکل ہاتھ نہ ہو اور صحیح مذہب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ استواء غیر مجہول (یعنی معلوم) ہے اور اس کی کیفیت غیر معقول (عقل سے ماوراء) ہے اور اس پر ایمان لانا واجب وضروری ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تھا اور مکان نہیں تھا' پس وہ مکان کی تخلیق سے پہلے بھی تھا اور جس شان پر تھا اور ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی [''اَلرَّحْمٰنُ'' مدح کی بناء پر مرفوع ہے ''اَیْ هُوَ الرَّحْمٰنُ'' یعنی وہ رحمٰن ہے تو گویا رحمٰن مبتدا محذوف کی خبر ہے]۔

٦۔﴿ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ﴾ اسی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' [یہ خبر (مقدم) مبتدا (مؤخر) ہے اور (سابق کلام پھر بغیر عطف کے) معطوف ہے] ﴿ وَمَا بَیْنَهُمَا ﴾ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے یعنی یہ تمام کا تمام سب کچھ اسی کی ملکیت میں ہے ﴿ وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ﴾ اور جو کچھ زمین کی تہ میں ہے (یعنی) جو کچھ ساتوں زمینوں کے نیچے ہے یا وہ پتھر مراد ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے۔

٧۔﴿ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ ﴾ اور اگر آپ اونچی آواز میں بات کریں (یعنی اگر) آپ اپنی آواز کو بلند کریں ﴿ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ ﴾ تو بے شک وہ پوشیدہ (باتوں) کو بھی جانتا ہے جو آپ اپنے غیر سے آہستہ کرتے ہیں ﴿ وَاَخْفٰی ﴾ اور وہ اس سے زیادہ پوشیدہ باتوں کو بھی جانتا ہے اور یہ وہ باتیں ہیں جو آپ اپنے دل میں سوچتے اور محسوس کرتے ہیں یا جن باتوں کو آپ اپنے دل میں پوشیدہ رکھتے ہیں (اور کسی پر ظاہر نہیں کرتے) اور جو باتیں عنقریب آپ اپنے دل میں پوشیدہ رکھیں گے۔

٨۔﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' اس کے تمام نام اچھے ہیں یعنی وہ اپنی ذات میں ایک ہے' اگر چہ اس کی صفات کی تعبیرات مختلف ہیں۔ اس میں کفارِ مکہ کے قول کی تردید کی گئی ہے کیونکہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کئی صفاتی نام سنے تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ آپ تو کئی معبودوں کو پکارتے ہیں [اور ''اَلْحُسْنٰی''، ''اَحْسَنُ'' کی تانیث ہے] (اسماء الحسنٰی کی خصوصیات وبرکات کے لیے ہماری کتاب ''خصائص الاسمآء الحسنٰی'' کا مطالعہ کیجئے۔ غوثوی)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کا بیان

٩۔﴿ وَهَلْ ﴾ ''اَیْ وَقَدْ'' یعنی اور بے شک ﴿ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ﴾ آپ کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خبر پہنچ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس لیے بیان فرمایا تا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی نبوت کی ذمہ داریوں کے اٹھانے اور دورانِ تبلیغ آنے والی مشکلات پر صبر کرنے میں ان کے واقعات ومشکلات سے اپنے اندر جرأت وہمت پیدا کر کے اپنا فرض ادا کرتے رہیں تا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام مشکلات برداشت کر کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوئے' اسی طرح آپ بھی دورانِ تبلیغ مشکلات برداشت کر کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو جائیں۔

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ
عَلَی النَّارِ هُدًی ⑩ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی ⑪ اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ

إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٢﴾ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ﴿١٣﴾ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ﴿١٤﴾ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ﴿١٥﴾

جب اس نے آگ کو دیکھا تو اپنی بیوی سے فرمایا: ٹھہرو بے شک میں نے ایک آگ دیکھی ہے امید ہے کہ میں اس میں سے تمہیں کوئی انگارہ لا دوں گا یا میں آگ کے پاس کوئی رہنما پالوں گاO سو جب وہ اس کے پاس پہنچے تو انہیں پکارا گیا کہ اے موسیٰO بے شک میں تمہارا رب ہوں' سو تم اپنے جوتے اتار دو' بے شک تم مقدس وادی طویٰ میں ہوO اور میں نے تمہیں (رسالت کے لیے) منتخب کرلیا ہے' پس تمہیں جو کچھ وحی کی جاتی ہے اسے غور سے سنئےO بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' پس میری ہی عبادت کیجئے' اور میری یاد کے لیے نماز قائم کیجئےO بے شک قیامت آنے والی ہے میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر شخص کو اس کے مطابق جزاء دی جائے جتنی وہ کوشش کرتا رہاO

۱۰- ﴿ إِذْ رَأَىٰ ﴾ [یہ پوشیدہ فعل کے لیے ظرف ہے "اَیْ حِیْنَ رَاٰی"] یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا ﴿ نَارًا ﴾ آگ کو کہ وہ ایسی ایسی تھی [یا پھر "اِذْ" "اُذْکُرْ" کا مفعول لہ ہے] (یعنی اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب حضرت موسیٰ نے آگ دیکھی)۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ سے ملاقات کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام سے مدین سے مصر جانے کی اجازت لی اور اپنی بیوی کو لے کر روانہ ہو گئے' دورانِ سفر راستے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی کے شکم سے آپ کا بیٹا پیدا ہوا۔ موسمِ سرما کی وجہ سے رات سخت تاریک ہونے کے ساتھ برفانی تھی اور آپ راستہ بھول گئے اور اپنے پیدل ساتھیوں سے بچھڑ گئے اور اس وقت آپ کے پاس نہ پانی تھا اور نہ کوئی پیالہ وغیرہ تھا' چنانچہ آپ نے چقماق کو جلایا تو آواز تو نکلی مگر آگ نہ نکلی' پھر آپ نے اپنے خیال میں آگ دیکھی حالانکہ وہ نور ہی نور تھا ﴿ فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا ﴾ سو حضرت موسیٰ نے بیوی سے فرمایا: تم یہیں اسی جگہ ٹھہرو اور یہیں قیام کرو بے شک میں نے آگ دیکھی ہے۔ "اِیْنَاسْ" کا معنی ہے: کسی چیز کو واضح طور پر دیکھ لینا ﴿ لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ ﴾ امید ہے کہ میں اس میں سے کوئی انگارہ یا چنگاری تمہارے پاس لے کر آؤں گا۔ "قَبَسْ" اس آگ کو کہا جاتا ہے' جو لکڑی کے سرے پر روشن کیا جاتا ہے یا چراغ میں رکھی ہوئی کپاس سے بٹی ہوئی بتی کی آگ کو "قَبَسْ" کہا جاتا ہے" "لَعَلِّیْ" کے لفظ سے اس عمل کو امید پر مبنی قرار دیا گیا ہے تا کہ جس عمل یا بات کو پورا کرنے کا یقین نہ ہو اس کا وعدہ نہ کیا جائے ﴿ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴾ یا میں آگ کے پاس کوئی رہنما پالوں گا۔ "هُدًی" بہ معنی "ذُوْ هُدًی" راہ دکھانے والا ہے یعنی میں آگ کے پاس ایسی قوم کو پالوں گا جو مجھے راستہ دکھائے گی اور "عَلَی النَّار" میں استعلاء کا معنی یہ ہے کہ آگ والے آگ کے قریب بلند مکان میں رہتے ہیں۔

۱۱- ﴿ فَلَمَّا أَتَاهَا ﴾ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس یعنی آگ کے پاس پہنچے تو انہوں نے سفید آگ کو پایا جو سبز درخت کو نیچے سے لے کر اوپر تک گھیرے ہوئے ہے اور یہ انگور کا درخت تھا یا ببول کا درخت تھا اور حضرت موسیٰ نے اس کے پاس کسی کو نہ پایا اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو طلب کرتے تو وہ دور ہو جاتی

اور جب آپ اس کو ترک کر دیتے تو وہ قریب آ جاتی' پھر اسی جگہ ﴿نُوْدِیَ﴾ حضرت موسیٰ کو پکارا گیا کہ ﴿یٰمُوْسٰی﴾ اے موسیٰ!

١٢-﴿اِنِّیْۤ﴾ [ہمزہ مکسور کے ساتھ ہے] یعنی پکارا گیا اور فرمایا گیا کہ اے موسیٰ! بے شک میں (تیرا پروردگار ہوں) اور اس لیے کہ ندا قول کی ایک قسم ہے اس لیے اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے' جو اس کے ساتھ کیا جاتا ہے [(اور چونکہ قول کے تمام افعال کے بعد ہمزہ مکسور کے ساتھ ''اِنَّ'' آتا ہے اسی طرح ندا کے بعد بھی ہمزہ مکسور کے ساتھ ''اِنَّ'' آتا ہے) جب کہ ابن کثیر مکی اور ابوعمرو کی قراءت میں ہمزہ مفتوح کے ساتھ ''اَنَّ'' پڑھا گیا ہے] ''اَیْ نُوْدِیَ بِاَنِّیْ'' ﴿اَنَا رَبُّكَ﴾ یعنی انہیں پکارا گیا کہ بے شک میں تمہارا رب تعالیٰ ہوں [''اَنَا'' مبتدا ہے یا ضمیر متکلم ''یَا'' کی تاکید ہے یا پھر فاصلہ کے لیے لائی گئی اور ضمیر کا تکرار معرفہ کی تحقیق اور شک وشبہ کے ازالہ کے لیے کیا گیا ہے] اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ''یَا مُوْسٰی'' کہہ کر پکارا گیا تو انہوں نے سوال کرتے ہوئے کہا کہ متکلم یعنی درخت سے کلام کرنے والا کون ہے؟ تو اللہ عزوجل نے فرمایا: ''اَنَا رَبُّكَ'' میں تمہارا رب ہوں' جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ نے پہچان لیا کہ یہ اللہ عزوجل کا کلام ہے کیونکہ حضرت موسیٰ نے یہ کلام اپنی تمام چھے جہات (آگے' پیچھے' دائیں' بائیں' اوپر' نیچے ہر طرف سے) سنا اور حضرت موسیٰ نے صرف اپنے کانوں سے ہی نہیں بلکہ اپنے تمام اعضاء سے سنا ﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ﴾ تم اپنے جوتے اتار لو تاکہ تمہارے دونوں قدم مبارک ومقدس وادی طویٰ پر براہِ راست لگنے سے بابرکت ہو جائیں یا اس لیے جوتے اتارنے کا حکم دیا گیا کہ دونوں جوتے مردار گدھے کے بغیر رنگے چمڑے سے تیار کیے گئے تھے یا اس لیے کہ ننگے پاؤں چلنا اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اور عاجزی ہے اور اسی وجہ سے سابق بزرگانِ دین کعبہ معظمہ کا ننگے پاؤں طواف کرتے تھے اور قرآن مجید یہ رہنمائی کرتا ہے کہ یہ حکم مقدس جگہ کے احترام اور اس کی تعظیم وتکریم کے لیے تھا' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دونوں جوتے اتار دیئے اور ان کو وادی کے پیچھے پھینک دیا ﴿اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ﴾ بے شک تم ایک مقدس (یعنی) پاک یا مبارک وادی میں پہنچ چکے ہو ﴿طُوًى﴾ [ابن عامر شامی اور کوفی قراء کے نزدیک تنوین کے ساتھ پڑھا جاتا ہے کیونکہ یہ وادی کا اسم علم ہے اور یہ ''المقدس'' سے بدل ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء نے بغیر تنوین کے مکان کی تاویل میں پڑھا ہے اور ابوزید نے بغیر تنوین ''طا'' مکسور کے ساتھ پڑھا ہے]۔

١٣-﴿وَاَنَا اخْتَرْتُكَ﴾ اور میں نے تمہیں چن لیا ہے (اور) میں نے تمہیں نبوت کے لیے منتخب کر لیا ہے [قاری حمزہ کی قراءت میں ''وَاِنَّا اخْتَرْنَاكَ'' ہے اور بے شک ہم نے تمہیں چن لیا ہے] ﴿فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى﴾ جو کچھ تمہاری طرف وحی کی جاتی ہے اسے غور سے سنئے [''مَا'' موصولہ ہے یعنی ''لِلَّذِیْ یُوْحٰی'' اس کو غور سے سنئے جو وحی کی جاتی ہے یا مصدریہ ہے یعنی ''لِلْوَحْیِ'' وحی کے لیے اور لام ''اِسْتَمِعْ'' کے متعلق ہے یا ''اَخْتَرْتُكَ'' کے متعلق ہے]۔

١٤-﴿اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ﴾ بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' سو تم میری عبادت کرو (یعنی) مجھے ایک مانو اور میری اطاعت کرو ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ﴾ اور میری یاد کے لیے نماز قائم کیجئے (یعنی) تاکہ تم نماز میں میرا ذکر کرو کیونکہ نماز اذکار پر مشتمل ہے یا اس لیے کہ میں نے تمام کتب میں نماز کا ذکر کیا ہے اور اس کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے یا یہ کہ میں مدح وثناء اور تعریف کے ساتھ تیرا ذکر کروں گا یا صرف میری یاد کے لیے نماز قائم کیجئے جس میں میرے ذکر کے علاوہ کسی کا ذکر شامل نہ ہو یا یہ کہ تم صرف میرے ذاکر بن جاؤ' لوگوں کے نہیں یا میری یاد کے اوقات میں نماز قائم کیجئے اور اس سے نماز کے اوقات مراد ہیں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا'' (النساء:۱۰۳) ''بے شک نماز مسلمانوں پر مخصوص وقت میں فرض کی گئی ہے''۔اور بے شک اس کو بھول جانے کے بعد نماز کو یاد کرنے پر محمول کیا گیا ہے [اور یہ مضاف محذوف کی تقدیر پر صحیح ہے: ''اَیْ لِذِکْرِ صَلَاتِیْ'' یعنی میری نماز کو یاد رکھنے کے لیے] اور یہ آیتِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ توحید الٰہی کے بعد نماز سے بڑھ کر کوئی فرض نہیں ہے۔

۱۵- ﴿اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ﴾ بے شک قیامت آنے والی ہے جس کا وقوع یقینی ہے ﴿اَكَادُ﴾ میں چاہتا ہوں۔ [اخفش کے نزدیک ''اَكَادُ'' بہ معنیٰ ''اُرِیْدُ'' ہے اور بعض نے کہا کہ یہ صلہ ہے] ﴿اُخْفِیْهَا﴾ میں اس کو چھپاتا ہوں۔بعض نے فرمایا کہ یہ لغتِ اضداد میں سے ہے یعنی میں اسے ظاہر کرتا ہوں یا میں اسے بندوں سے چھپاتا ہوں' پس میں نہیں کہتا کہ وہ آنے والی ہے کیونکہ میں اسے چھپانا چاہتا ہوں اور اگر عمومِ وقت کے ساتھ اس کے آنے کی خبر دینے میں کوئی حکمت نہ ہوتی تو میں اس کے آنے کی خبر نہ دیتا اور وہ حکمت یہ ہے کہ جب لوگوں کو معلوم نہیں ہوگا کہ قیامت کب قائم ہوگی تو وہ ہر وقت اس کے آنے سے ڈرتے رہیں گے ﴿لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ﴾ تاکہ ہر شخص کو جزاء دی جائے [یہ ''اٰتِیَةٌ'' کے ساتھ متعلق ہے] ﴿بِمَا تَسْعٰى﴾ وہ جو کچھ کوشش کرتا رہا نیکی میں سے یا بُرائی میں سے۔

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۷﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿۱۸﴾ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿۱۹﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۫ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿۲۱﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿۲۲﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿۲۳﴾

سو تمہیں اس (قیامت) کے ماننے سے وہ شخص نہ روک دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہو' پس تم ہلاک ہو جاؤ گے ○ اور اے موسیٰ! یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے ○ عرض کی کہ یہ میرا عصا ہے' میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور میں اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور میرے لیے اس میں اور کام بھی ہیں ○ فرمایا: اے موسیٰ! اس کو پھینک دیں ○ سو اس نے اُسے پھینک دیا تو اچانک وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا ○ فرمایا: اسے پکڑ لو اور ڈرو نہیں' ہم ابھی اس کو اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے ○ اور آپ اپنا ہاتھ اپنے بازو (کے نیچے) سے ملا لیجئے وہ بغیر کسی بیماری کے خوب سفید چمکتا ہوا نکلے گا یہ دوسری نشانی ہے ○ تاکہ ہم تمہیں اپنی بڑی بڑی نشانیوں میں سے کچھ نشانیاں دکھا دیں ○

۱۶- ﴿فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا﴾ سو تمہیں اس سے نہ روکے (یعنی) سو وہ تمہیں قیامت کے لیے عمل کرنے سے یا نماز قائم کرنے سے یا قیامت پر ایمان رکھنے سے نہ روکے' پس یہ خطاب بہ ظاہر تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے لیکن اس سے ان کی امت مراد ہے ﴿مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا﴾ جو قیامت پر ایمان نہ رکھتا ہو اور نہ اس کی تصدیق کرتا ہو ﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنے میں اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہو ﴿فَتَرْدٰى﴾ پھر تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

حضرت موسیٰ کے عصا کے فوائد اور آپ کے معجزات کا بیان

١٧- ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى﴾ اور اے موسیٰ! یہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے [''مَا'' مبتدا ہے اور ''تِلْكَ'' اس کی خبر ہے اور یہ بہ معنی ''هٰذِهٖ'' ہے اور ''بِيَمِيْنِكَ'' حال ہے' اس کے عامل لفظ ''تِلْكَ'' کا معنی اشارہ ہے یعنی یہ دائیں ہاتھ میں کیا پکڑا ہوا ہے یا ''بِيَمِيْنِكَ'' سے ماخوذ ہے یا پھر ''تِلْكَ'' موصولہ اور ''بِيَمِيْنِكَ'' اس کا صلہ ہے] اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال صرف اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے ہے کہ عصا ہاتھ میں ثابت رہنے کے بعد بھی اس سے معجزہ رونما ہوگا یا یہ سوال اطمینان دلانے کے لیے کیا گیا تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا کے سانپ بن جانے پر گھبرا نہ جائیں اور پریشان نہ ہو جائیں یا یہ سوال حضرت موسیٰ کو مانوس کرنے اور باہمی بات چیت اور گفتگو میں ہیبت و رعب کے ازالے کے لیے کیا گیا۔

١٨- ﴿قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یہ میرا عصا (ڈنڈا) ہے' میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں (یعنی) جب میں تھک جاتا ہوں تو میں اس پر ٹیک لگا کر سہارا لیتا ہوں اور میں چلتے پھرتے وقت اور بکریوں کے پاس کھڑے ہوتے وقت اس پر سہارا لیتا ہوں ﴿وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ﴾ اور میں اپنی بکریوں کے لیے اس کے ساتھ درختوں کے پتے جھاڑتا ہوں تا کہ بکریاں انہیں کھائیں ﴿وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى﴾ اور اس میں میرے لیے دوسری حاجات وضروریات پوری ہوتی ہیں۔ ''مَاٰرِبُ'' جمع ہے ''مَاْرَبَةٌ'' کی اور اس کا معنی حاجت ہے اور قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ''اُخَرُ'' ہوتا مگر صرف جماعت کے ارادہ پر ''اُخْرٰى'' فرمایا گیا ہے یا پھر آیات کی موافقت میں فرمایا گیا ہے اور ''اَلْكُبْرٰى'' بھی اسی طرح ہے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کے بعض فوائد کا ذکر کیا تو کلام کی طوالت سے شرم کرتے ہوئے باقی فوائد کو مجمل بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ میرے لیے اس میں اور فوائد وحاجات بھی پوری ہوتی ہیں یا اس لیے اجمال سے کام لیا تا کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب بادشاہ اس کے بارے میں دریافت فرمائے اور آپ کے اکرام میں مزید اضافہ ہو جائے اور عصا کے دوسرے فوائد یہ تھے کہ یہ عصا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور آپ سے باتیں کرتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرتا تھا اور درندوں کے ساتھ لڑتا تھا اور رسّی بن جاتا تھا اور کنویں کی گہرائی اور لمبائی کے مطابق دراز ہو جاتا تھا اور اس کی دونوں شاخیں ڈول بن جاتی تھیں (کیونکہ یہ عصا دوشاخہ تھا) اور رات کے وقت دونوں شاخیں شمع بن کر روشن ہو جاتی تھیں اور یہ عصا مبارک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سامان اٹھایا کرتا تھا اور حضرت موسیٰ جب اس کو زمین میں گاڑ دیتے تو یہ پھل آور بن جاتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جو پھل کھانا چاہتے تھے وہی پھل اس پر نمودار ہو جاتا تھا اور جب حضرت موسیٰ اس کو پانی کے لیے زمین میں گاڑتے تو پانی کا چشمہ اُبلنے لگ جاتا تھا' پھر جب اس کو اٹھا لیتے تو پانی کو اپنے اندر جذب کر لیتا تھا اور آپ کو بہ وقت آرام موذی کیڑے مکوڑوں سے بچاتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے نعمتوں کی تعداد بیان کرنے کے لیے سوال کرنے پر اس سے زیادہ جواب بیان کر دیا اس لیے کہ یہ دوسرے سوال کا جواب تھا کیونکہ جب آپ نے کہا کہ یہ میرا عصا ہے تو آپ سے پوچھا گیا کہ آپ اس کے ساتھ کیا کام کرتے ہیں؟ تو آپ نے جواب میں اس کے منافع اور فوائد گننا اور بیان کرنا شروع کر دیئے۔

١٩- ﴿قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! اس کو ڈال دو (یعنی) اس کو نیچے زمین پر پھینک دو تا کہ تم اس سے فراغت حاصل کر لو جس پر تم ٹیک لگاتے ہو اور صرف ہماری ذاتِ اقدس سے تسکین حاصل کرو اور اس کی حقیقت کو

ترک کردو جس میں کئی فوائد و منافع ہیں اور تم تمام مقاصد میں صرف ہم پر بھروسا رکھو۔

٢٠-﴿ فَاَلْقٰىهَا ﴾ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے ڈال دیا اور اس کو زمین پر پھینک دیا ﴿ فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰى ﴾ پس وہ اچانک سانپ بن کر دوڑنے لگا اور تیز تیز بھاگنے لگا۔ بعض نے کہا کہ عصا لکڑی سے بدل کر بہت بڑا اژدھا بن گیا تھا' جو پتھروں اور درختوں کو نگلنے لگ گیا' پھر جب حضرت موسیٰ نے اسے دیکھا کہ وہ ہر چیز کو نگلتا جا رہا ہے تو بہ تقاضائے طبعیت ڈر گئے اور یہاں اس کو ''حَیَّةٌ'' کے ساتھ موصوف بیان کیا گیا ہے جب کہ اس کے علاوہ ایک جگہ ''ثُعْبَانٌ'' کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور یہ سانپوں میں سے سب سے بڑا سانپ اژدھا کہلاتا ہے اور ایک جگہ ''بِالْجَانّ'' کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اور یہ ایک باریک سانپ ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ''حَیَّةٌ'' اسم جنس ہے جو مذکر و مؤنث اور چھوٹے اور بڑے سب پر بولا جاتا ہے اور ممکن ہے کہ عصا پہلے زرد باریک سانپ کی صورت میں تبدیل ہو گیا ہو' پھر اس کا جسم بڑھتا گیا ہو یہاں تک کہ بہت بڑا اژدھا بن گیا ہو' سو ''جان'' سے اس کی پہلی حالت مراد ہو اور ''ثعبان'' سے اس کی آخری حالت مراد ہو یا اس لیے کہ جسمانی ساخت اور طول و عرض کے اعتبار سے بہت بڑا سانپ تھا' اس لیے ''ثُعْبَانٌ'' کہا گیا اور تیز رفتاری کے اعتبار سے اسے ''جَانٌّ'' کہا گیا اور بعض نے کہا کہ یہ اتنا بڑا سانپ تھا کہ اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان مسافت چالیس ہاتھ تھی۔

٢١-﴿ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ﴾ اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ تم اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں تو ڈر کے دور ہو جانے کی وجہ سے آپ اس حد تک پہنچ گئے کہ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک سانپ کے منہ میں داخل کر دیا اور اس کو دونوں جبڑوں سے پکڑ لیا ﴿ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴾ میں ابھی اس کو اس کی پہلی حالت پر لوٹا دوں گا [''اَلْاُوْلٰى'' ''اَوَّلُ'' کی تانیث ہے] اور ''سیرة'' وہ حالت ہے جس پر انسان قائم رہتا ہے خواہ وہ حالت طبعی ہو یا اختیاری [اور یہ اصل میں ''فِعْلَةٌ'' کے وزن پر مخصوص قسم کی حالت ہوتی ہے جیسے ''رکبة''۔ ''رکوب'' سے ماخوذ ہے' پھر یہ عام حالت کے لیے مستعمل ہونے لگی اور ظرف کی بناء پر منصوب ہے] یعنی اب ہم اس کو اس کی پہلی حالت و طریقہ پر لوٹا دیں گے یعنی جس حال پر عصا تھا اور مطلب و معنی یہ ہے کہ ہم اس کو دوبارہ عصا بنا دیں گے جیسے پہلے تھا اور یہ حضرت موسیٰ کو خطاب کے وقت دکھایا تھا تاکہ آپ اس سے اس وقت نہ گھبرا جائیں جب وہ فرعون کے پاس لکڑی سے تبدیل ہو کر سانپ بن جائے گا۔

٢٢-پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری نشانی پر تنبیہ فرمائی اور فرمایا: ﴿ وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ ﴾ اور آپ اپنا ہاتھ اپنے بازو سے ملا لیجئے (یعنی) بغل کے نیچے پہلو سے ملا لیجئے اور انسان کے ''جناح'' اس کے دو پہلو ہیں اور یہ ''جَنَاحَا الطَّیْرِ'' سے مستعار ہیں خصوصاً دونوں پَر کیونکہ پرندہ اڑتے وقت اپنے دونوں پروں کو جھکا لیتا ہے اور معنی یہ ہے کہ آپ اپنا ہاتھ اپنی بغل کے نیچے داخل کر لیں ﴿ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ ﴾ خوب سفید چمکتا ہوا نکلے گا' چنانچہ اس سے شعاعیں پھوٹتی ہیں' جس طرح سورج سے شعاعیں پھوٹتی ہیں' جس سے آنکھیں چندھیا جاتی تھیں ﴿ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ﴾ بغیر کسی بیماری کے۔ اس سے برص کی بیماری مراد ہے ﴿ اٰیَةً اُخْرٰى ﴾ یہ تمہاری نبوت کی دوسری نشانی ہے [''بَیْضَاء'' اور ''اٰیَةً'' دونوں حال ہیں اور ''مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ'' میں حرف ''مِنْ'' ''بَیْضَاء'' کا صلہ ہے' جیسے تمہارا یہ قول ہے: فلاں آدمی بغیر کسی بیماری کے سفید ہو گیا ہے اور ممکن ہے کہ ''اٰیَةً'' فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہو جس کے ساتھ امر متعلق ہے]۔

٢٣-﴿ لِنُرِیَكَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴾ تاکہ ہم آپ کو اپنی کچھ بڑی نشانیاں دکھا دیں یعنی عصا کے سانپ بن جانے کے بعد اس نشانی کو بھی لے لیں تاکہ ہم ان دو نشانیوں کے ساتھ ساتھ اپنی کچھ بڑی بڑی نشانیاں آپ کو دکھا دیں یا اس کا معنی

یہ ہے کہ ہم نے یہ کام اس لیے کیا ہے تا کہ ہم آپ کو اپنی کچھ بڑی نشانیاں دکھا دیں۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ﴿۲۷﴾ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِی ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ﴿۳۱﴾ وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ ﴿۳۲﴾ كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ مَرَّةً اُخْرٰۤى ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّكَ مَا یُوْحٰۤى ﴿۳۸﴾

ع ۲

تم فرعون کے پاس جاؤ بے شک وہ سرکش ہو گیا ہےO عرض کی: اے میرے پروردگار! میرے سینے کو میرے لیے کھول دےO اور میرے کام کو میرے لیے آسان فرما دےO اور میری زبان کی گرہ کو کھول دےO وہ میری بات کو سمجھیںO اور میرے گھر والوں میں سے میرے لیے وزیر مقرر فرما دےO میرے بھائی ہارون کوO اور اس کے ذریعے میری قوت کو مضبوط فرما دےO اور اس کو میرے کام میں شریک فرماO تا کہ ہم تیری تسبیح بہت زیادہ بیان کیا کریںO اور ہم تجھے بہت زیادہ یاد کیا کریںO بے شک تو ہمیں خوب دیکھ رہا ہےO فرمایا: اے موسیٰ! بے شک تجھے تیری منہ مانگی مراد عطا کر دی گئی ہےO اور بے شک ہم نے (اس سے پہلے بھی) تم پر ایک بار اور احسان فرمایا تھاO جب ہم نے تمہاری ماں کی طرف الہام کیا تھا جو یہ الہام کیا گیا تھاO

۲۴-﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ فرعون کے پاس جائیے بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے اور وہ عبودیت کی حد سے بڑھ کر ربوبیّت کے دعویٰ تک پہنچ گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں اور ان کی قبولیّت کا بیان

۲۵-اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سرکش وظالم فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا اور آپ نے جان لیا کہ آپ کو ایک بہت بڑے کام اور اہم ترین ذمہ داری کا مکلف بنایا گیا ہے تو آپ نے شرحِ صدر کی ضرورت محسوس کی اور ﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ﴾ عرض کی: اے میرے پروردگار! میرا سینہ میرے لیے کھول دے اور اسے کشادہ فرما دے تا کہ میرا سینہ وحی کو برداشت کر لے اور فرعون اور اس کے لشکر کی بداخلاقی اور دیگر مشقتوں کو برداشت کر لے۔

۲۶-﴿وَیَسِّرْ لِیْۤ اَمْرِیْ﴾ اور میرا کام میرے لیے آسان فرما دے اور فرعون کے پاس منصبِ نبوت و رسالت کا پیغام پہنچانے کا آپ نے مجھے جو حکم دیا ہے اسے مجھ پر آسان فرما دے [اور ''اِشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ''، ''اِشْرَحْ صَدْرِیْ'' سے زیادہ مؤکد ہے کیونکہ ایک معنی کا اجمال اور تفصیل کے طریقہ پر تکرار ہے اس لیے کہ ''اِشْرَحْ لِیْ'' اور ''یَسِّرْ لِیْ'' کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ یہاں مشروح اور ''میسّر'' (دو مبہم) ہیں پھر صدر اور امر کے ذکر سے ابہام کو دور کر دیا گیا ہے]۔

۲۷-﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ﴾ اور میری زبان کی گرہ کھول دے اور دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں اس انگارے کے سبب لکنت پڑ گئی تھی جو انہوں نے اپنے بچپن میں اپنی زبان پر رکھ لیا تھا اور یہ اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بچپن میں فرعون کی ڈاڑھی پکڑ لی تھی اور اس کو زوردار طمانچہ رسید کر دیا تھا جس پر فرعون نے آپ کو قتل کرنا

چاہا تھا لیکن فرعون کی بیوی آسیہ نے کہا: اے بادشاہ! یہ نا سمجھ بچہ ہے! چنانچہ اس نے ایک طشت میں دہکتے ہوئے انگارے رکھ دیئے اور دوسرے طشت میں موتی رکھ دیئے اور ان دونوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا اور حضرت موسیٰ موتیوں کے اٹھانے کا ارادہ کرنے لگے لیکن فرشتے نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آگ کے انگاروں پر رکھ دیا' آپ نے ایک انگارا اٹھا کر اپنی زبان پر رکھ لیا جس کی وجہ سے آپ کی زبان جل گئی اور اس کی وجہ سے لکنت پڑ گئی اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ جل گیا تھا اور فرعون نے اس کے علاج میں بڑی کوشش کی لیکن آپ کا ہاتھ درست نہ ہو سکا' پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو توحید کی دعوت دی تو فرعون نے کہا کہ تم مجھے کس خدا کی طرف بلاتے ہو؟ آپ نے فرمایا: اسی رب کریم کی طرف جس نے میرا ہاتھ درست کر دیا اور تو اس کے علاج سے عاجز آ گیا تھا اور ''مِنْ لِّسَانِیْ'' ''عُقْدَةً'' کی صفت ہے' گویا ''عُقْدَةً مِنْ عُقَدِ لِسَانِیْ'' کہ میری زبان کی گرہوں میں سے ایک گرہ کھول دے' فرمایا گیا ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ مکمل گرہ زائل نہیں ہوئی اور اکثر مفسرین کے نزدیک مکمل اور تمام گرہ ختم ہوگئی تھی۔

۲۸-﴿یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ﴾ وہ لوگ تبلیغِ رسالت کے وقت میری بات کو سمجھ لیں۔

۲۹-﴿وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا﴾ اور آپ میرے لیے ایک وزیر (یعنی) ایک مددگار بنا دیں' جس پر میں اعتماد اور بھروسا کر سکوں۔ ''وَزِیْر'' ''وِزْر'' (واؤ مکسور کے ساتھ) سے مشتق ہے' جس کا معنی ہے: بوجھ کیونکہ وزیر بھی بادشاہ کے بوجھ اور اس کی مشقت کو برداشت کرتا ہے یا یہ ''وَزَر'' (واؤ اور زا مفتوح کے ساتھ) سے مشتق ہے' جس کا معنی ہے: پناہ گاہ چونکہ بادشاہ اس کی رائے میں پناہ لیتا ہے اور اپنے اُمورِ سلطنت اس کی پناہ میں دیتا ہے' اس لیے اس کو وزیر کہتے ہیں یا ''مُوَازَرَة'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: معاونت و مدد کرنا اور ''وزیر'' بہ معنی مددگار ہے [''وَزِیْرًا''، ''اِجْعَلْ'' کا پہلا مفعول ہے اور دوسرا مفعول ''مِنْ اَهْلِیْ'' ہے یا ''لِیْ'' اور ''وَزِیْرًا'' اس کے دو مفعول ہیں] ﴿مِّنْ اَهْلِیْ﴾ میرے گھر والوں میں سے۔

۳۰-﴿هٰرُوْنَ اَخِیْ﴾ میرے بھائی ہارون کو [''هَارُوْنَ'' وزیر کے لیے عطفِ بیان ہے اور ''اَخِیْ'' بدل ہے یا دوسرا عطفِ بیان ہے یا پھر ''وَزِیْرًا'' اور ''هَارُوْنَ'' دونوں اس کے مفعول ہیں اور ان میں سے دوسرے کو پہلے پر وزارت کے معاملے کی رعایت کی وجہ سے مقدم کیا گیا]۔

۳۱-﴿اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ﴾ اس کے ذریعے میری قوت کو مضبوط فرما دے' (یعنی) اس کے ذریعے میری پشت کو مضبوط فرما دے اور بعض نے کہا: ''اَزْر'' کا معنی ہے: قوت۔

۳۲-﴿وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ﴾ اور اس کو میرے کام میں شریک فرما (یعنی) اس کو نبوت و رسالت میں شریک بنا (کہ میری طرح اسے بھی نبی و رسول بنا) [قاری ابن عامر شامی کی قراءت میں ''اَشْدُدْ'' اور ''اَشْرِكْهُ'' دونوں فعل مضارع متکلم مجزوم ہیں (شروع میں ہمزہ قطعی متکلم کا ہے) اور یہ فعل امر کا جواب ہیں جب کہ باقی قراء کی قراءت میں یہ فعل امر کے صیغے ہیں اور دعا اور سوال کے معنی میں ہیں (شروع میں ہمزہ وصل کا ہے)]۔

۳۳-﴿كَیْ نُسَبِّحَكَ﴾ تاکہ ہم تیری تسبیح بیان کریں (یعنی) تاکہ ہم تیرے لیے نمازیں پڑھیں اور ہم تسبیح پڑھ کر تمام عیبوں سے تیری پاکیزگی بیان کریں ﴿كَثِیْرًا﴾ بہت زیادہ پڑھیں۔

۳۴-﴿وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا﴾ اور ہم پانچوں نمازوں میں اور ان کے علاوہ باقی اوقات میں بھی کثرت سے تیرا ذکر کیا کریں۔

۳۵-﴿ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴾ بے شک آپ ہمیں خوب دیکھنے والے ہیں (اور آپ) ہمارے حالات کو خوب جاننے والے ہیں۔

۳۶-سو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمام دعاؤں کو قبول کرتے ہوئے جواب دیا: ﴿ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴾ فرمایا: اے موسیٰ! بے شک تیری منہ مانگی مراد تجھے عطا کر دی گئی' پس ''سوال'' کا معنی طلب کرنا ہے [''فعل'' بہ معنی ''مفعول'' ہے جیسے ''خُبز'' بہ معنی ''مخبوز'' ہے اور ابوعمرو کی قراءت میں بغیر ہمزہ ''سُوْلَكَ'' ہے]۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا تذکرہ

۳۷-﴿ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى ﴾ اور بے شک ہم نے تم پر ایک دفعہ اور احسان فرمایا (یعنی) ہم نے اس سے پہلے بھی تم پر انعام کیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس انعام و احسان کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

۳۸-﴿ اِذْ اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّكَ مَا يُوْحٰى ﴾ جب ہم نے تمہاری ماں کی طرف وحی کی جو وحی کی جاتی ہے (یعنی) ہم نے تمہاری ماں کو الہام کیا یا تمہاری ولادت کے وقت خواب میں اس کے دل میں القاء فرمایا کہ فرعون تمہارے جیسے (لڑکوں کو) قتل کر دیتا ہے [اور ''اِذْ مَنَنَّا'' کے لیے ظرف ہے] پھر ''مَا يُوْحٰى'' کی درج ذیل ارشاد سے تفسیر فرمائی:

> اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ۬ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ۘ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِيْۤ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ۬ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ۬ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۚ﴿۴۱﴾

وقف لازم

کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ اور اسے دریا میں ڈال دے' پھر دریا اسے کنارے پر ڈال دے (تاکہ) اسے میرا دشمن اور اس کا دشمن اٹھائے' اور میں نے اپنی طرف سے تم پر محبت ڈال دی' اور تاکہ میری نگرانی میں تمہاری پرورش کی جائے ○ جب تمہاری بہن چلی آ رہی تھی' سو وہ کہنے لگی: کیا میں تمہاری ایسی شخصیت کی طرف رہنمائی کروں جو اس کی پرورش کرے' پھر ہم نے تمہیں تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے' اور تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تو ہم نے تمہیں غم سے نجات دی اور ہم نے تمہیں کئی طرح آزمایا' سو تم نے کئی سال مدین والوں میں گزارے' پھر اے موسیٰ! تم ایک مقررہ وعدے پر آ گئے ○ اور میں نے تمہیں اپنی ذات کے لیے منتخب کر لیا ○

۳۹-﴿ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ ﴾ کہ اس کو صندوق میں ڈال دے [اور ''اَنْ'' مفسرہ ہے کیونکہ وحی بہ معنی قول ہے] ﴿ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ ﴾ سو تم اسے دریائے نیل میں ڈال دو ﴿ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ ﴾ پس دریا اسے ساحل پر ڈال دے گا یعنی کنارے پر' اور اس کو ساحل اس لیے کہا جاتا ہے کہ دریا کا پانی اس حصہ کو علیحدہ کر دیتا ہے یعنی پانی اس کو دریا سے جدا کر دیتا ہے [اور فعل امر کا صیغہ اس لیے لایا گیا ہے تاکہ سابق کلام کے مناسب و موافق ہو جائے اور یہ معنی کے اعتبار سے خبر ہے' یعنی دریا اسے کنارے پر ڈال دے گا] ﴿ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ﴾ میرا دشمن اور اس کا دشمن اسے اٹھا لے گا' یعنی فرعون

[اور تمام ضمیریں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہیں اور بعض ضمیروں کو ان کی طرف اور بعض کو تابوت کی طرف لوٹانا نظم میں تنافر پیدا کرتا ہے] اور اگر چہ دریا میں پھینکا جانے والا اور دریا کے کنارے پر ڈالا جانے والا صندوق تھا لیکن صندوق کے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے۔ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے صدوق میں روئی ڈال کر بھر دیا اور حضرت موسیٰ کو اس کے اندر رکھ دیا اور صندوق کے اردگرد تارکول (کالا تیل) لگا دیا تا کہ پانی اندر نہ جائے' پھر اس کو دریا میں ڈال دیا اور دریا نے وہاں سے فرعون کے باغ کی طرف جانے والی بڑی نہر میں ڈال دیا اور اس وقت فرعون نہر کے کنارے پر اپنی بیوی آسیہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا' اس نے اچانک اپنے سامنے صندوق بہتا ہوا دیکھ لیا اور اس نے صندوق کو نکالنے کا حکم دے دیا اور صندوق نکال لیا گیا اور اس نے صندوق کو کھولا تو دیکھا کہ نہایت حسین وجمیل لڑکا اس میں موجود ہے' فرعون دیکھتے ہی ان کی محبت میں شدید گرفتار ہو گیا' چنانچہ (درج ذیل) ارشاد کا یہی مطلب ہے کہ ﴿وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ﴾ اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی ہے ["مِنِّیْ" "اَلْقَیْتُ" کے متعلق ہے] یعنی بے شک میں نے تجھ سے محبت کی ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اس سے تمام قلوب محبت کرتے ہیں' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو شخص بھی دیکھتا وہ آپ سے محبت کرنے لگ جاتا اور آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں ملاحت تھی' جو شخص بھی آپ کی زیارت کرتا وہ آپ کی محبت میں گرفتار ہو جاتا اور آپ کا شیدائی ہو جاتا ﴿وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ﴾ اور تا کہ میری نگرانی میں تیری تربیت و پرورش کی جائے [یہ محذوف پر معطوف ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے:] "وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً لِتُحَبَّ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ" اور میں نے تجھ پر محبت ڈال دی ہے تا کہ تجھ سے محبت و پیار کیا جائے اور تا کہ میری نگرانی میں تیرے ساتھ احسان و مروت کی جائے یعنی تا کہ میری نگاہوں میں تیری تربیت و پرورش کی جائے اور اس کی اصل "صُنِعَ الْفَرَسُ" ہے یعنی اس کی خوب حفاظت ونگرانی کی گئی ہے یعنی میں ہی تیری حفاظت کروں گا اور تیری نگرانی کروں گا جیسا کہ آدمی ایک معین چیز کی حفاظت کرتا ہے جب وہ اس کی حفاظت کرتا ہے ["وَلْتُصْنَعْ" لام ساکن اور عین مجزوم کے ساتھ (جیسے ابوجعفر کی قراءت میں ہے) ہونے کی صورت میں اس سے مراد فعل امر ہے]۔

٤٠- ﴿اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ﴾ جب تمہاری بہن چلی آرہی تھی [یہ "اِذْ اَوْحَیْنَا" سے بدل ہے کیونکہ حضرت موسیٰ کی بہن کا آنا جانا ان پر احسان تھا] ﴿فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَنْ یَّكْفُلُهٗ﴾ وہ کہنے لگی: کیا میں ایک ایسی عورت کے لیے تمہاری رہبری کروں جو اس بچے کی کفالت و پرورش کرے۔ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن مریم آپ کی خبر معلوم کرنے کے لیے فرعون کے گھر آئی تو اس نے ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ایک ایسی دودھ پلانے والی عورت کا متلاشی پایا جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام دودھ پینا قبول کر لیں کیونکہ آپ کسی عورت کا دودھ قبول نہیں کرتے تھے' چنانچہ حضرت مریم نے کہا کہ میں ایسی عورت کے لیے تمہاری رہبری کروں جو ان کو اپنے پاس رکھ لے اور ان کی تربیت و پرورش کرے' اس کا مقصد دودھ پلانے والی تھی [فعل مذکر صرف لفظ "مَنْ" کی رعایت کے لیے لایا گیا ہے] ان لوگوں نے کہا کہ ہاں! لے کر آؤ' چنانچہ وہ اپنی ماں کو لے کر آ گئی اور حضرت موسیٰ نے اپنی ماں کا دودھ قبول کر لیا' پس (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ کا یہی مقصد ہے: ﴿فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓی اُمِّكَ﴾ سو ہم نے تمہیں تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا جیسا کہ ہم نے اس سے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں وعدہ کیا تھا: "اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ" (القصص:٧) "بے شک ہم اس کو تیری طرف لوٹا دیں گے"۔ ﴿كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا﴾ تا کہ تمہاری ملاقات سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں ﴿وَلَا تَحْزَنَ﴾ اور وہ تمہاری جدائی

سے غمگین نہ ہوں ﴿ وَقَتَلْتَ نَفْسًا ﴾ اور تم نے ایک شخص (یعنی) کافر قبطی کو قتل کر دیا تھا ﴿ فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ ﴾ سو ہم نے تجھے غم (یعنی) قصاص سے نجات عطا کی۔ بعض نے کہا کہ قریش کی لغت میں ''غم'' کا معنی قتل ہے اور بعض نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قتل کے سبب اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے اور فرعون کے قصاص لینے سے غمگین ہو گئے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معافی مانگنے پر اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمادیا' جیسا کہ ارشاد ہے کہ ''قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ'' (القصص:١٦) ''حضرت موسیٰ نے عرض کی: اے میرے پروردگار! بے شک میں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے' سو آپ مجھے بخش دیں''۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرعون سے نجات عطا فرمائی کہ آپ کو مصر سے مدین لے گیا ﴿ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ﴾ اور ہم نے تمہیں خوب آزمایا' (یعنی) ہم نے تمہیں مشقت میں ڈال کر پھر اس سے نجات عطا فرما کر تمہیں خوب آزمایا [اور ''فُتُوْنٌ''، ''قُعُوْدٌ'' کی طرح مصدر ہے یا ''فِتْنَةٌ'' کی جمع ہے] یعنی ہم نے تمہیں کئی قسم کی مشقتوں سے آزمایا ہے اور ''فتنة'' کا معنی محنت و مشقت ہے اور ہر وہ مشقت جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے وہ ''فتنة'' ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً'' (الانبیاء:٣٥) ''اور ہم امتحان لینے کی خاطر برائی اور بھلائی کے ذریعے تمہاری آزمائش کرتے ہیں''۔ ﴿ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ﴾ سو تم مدین والوں کے پاس کئی برس ٹھہرے ہو۔ مدین حضرت شعیب علیہ السلام کا شہر ہے' جو مصر سے آٹھ منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ حضرت وہب نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس کل اٹھائیس سال ٹھہرے رہے' ان میں سے دس سال حضرت صفوراء بنت شعیب کے مہر میں اور اٹھارہ سال اس کے بعد مزید قیام فرمایا' یہاں تک کہ آپ کی اولاد بھی ہوئی ﴿ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴾ پھر تم رسالت کی مقررہ مقدار اور معین وعدے پر آ گئے ہو اور وہ چالیس سال ہیں۔

٤١- ﴿ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴾ اور میں نے تمہیں اپنی ذات کے لیے منتخب کر لیا۔ تمہیں میں نے چن لیا اور اپنی نبوت و رسالت اور اپنی وحی کے لیے میں نے تمہیں پسند و منتخب کر لیا ہے تا کہ تم میری محبت و ارادہ کے مطابق تصرف کرو۔ علامہ زجاج نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ میں نے تمہیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے اور میں نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان حجت و خطاب کے لیے تمہیں قائم مقام بنا دیا ہے' گویا میں نے ان پر حجت قائم کی ہے اور میں نے ان سے خطاب فرمایا ہے۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿٤٢﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٤٣﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿٤٤﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿٤٥﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿٤٦﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿٤٧﴾

تم اور تمہارا بھائی میری نشانیاں لے کر جاؤ اور تم میرے ذکر میں سستی نہ کرو○ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے○ سو تم اس سے نرم لہجے میں بات کرو شاید وہ نصیحت حاصل کر لے یا ڈر جائے○ انہوں نے عرض کیا: اے ہمارے پروردگار! بے شک ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا وہ سرکشی کرے گا○ فرمایا: تم مت ڈرو بے شک میں

تمہارے ساتھ ہوں' میں سنتا اور دیکھتا ہوں O پس تم اس کے پاس جاؤ اور کہو: بے شک ہم تیرے رب کے رسول ہیں' سو تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے' اور ان کو عذاب نہ دے' بے شک ہم تیرے رب کی طرف سے تیرے پاس ایک نشانی لے کر آئے ہیں' اور اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی O

حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کا فرعون کے پاس جانے کا بیان

٤٢- ﴿ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ ﴾ تم اور تمہارا بھائی میری نشانیاں (یعنی) میرے معجزات لے کر جاؤ ﴿ وَلَا تَنِيَا ﴾ اور تم سستی نہ کرو اور نہ کمزوری دکھاؤ۔ یہ ''وَنْیٌ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: سستی کرنا اور کوتاہی کرنا ﴿ فِيْ ذِكْرِيْ ﴾ میرے ذکر میں' یعنی تم دونوں میرے ذکر کو اپنے باز و اور پَر بنالو جس کے ذریعے تم پرواز کرتے رہو یا ذکر سے مراد تبلیغِ رسالت ہے' پس ذکر تمام عبادات پر بولا جاتا ہے اور تبلیغ رسالت سب سے بڑھ کر ہے۔

٤٣- ﴿ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ ﴾ تم دونوں فرعون کے پاس چلے جاؤ۔ دوبارہ جانے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ پہلا حکم مطلق تھا اور یہ دوسرا حکم مقیّد ہے ﴿ اِنَّهٗ طَغٰى ﴾ بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے کیونکہ اس نے ربوبیّت کا دعویٰ کر کے حد سے تجاوز کیا ہے۔

٤٤- ﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا ﴾ سو تم اس سے نرمی سے بات کرو (یعنی) اس سے بات کرنے میں نرمی اختیار کرو' اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس کا حقِ تربیّت ہے یا اس کو کنیت کے ساتھ بلاؤ اور وہ تین کنیتوں والا تھا: (١) ابو العباس (٢) ابو الولید (٣) ابو مُرّہ' یا تم اس سے ایسی جوانی کا وعدہ کرو جس کے بعد کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا اور ایسی بادشاہت کا وعدہ کرو جو ماسوا موت کے اس سے نہیں چھینی جائے گا یا وہ یہ ارشاد ہے: ''هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى O وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى'' (النازعات: ١٨-١٩) ''کیا تجھے اس طرف رغبت ہے کہ تو پاک ہو جائے O اور میں تیرے رب کی طرف تیری رہبری کروں' پس تو ڈر جائے''۔ پس اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ استفہام اور مشورہ ہے ﴿ لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ ﴾ شاید وہ دھیان دے یعنی شاید وہ نصیحت حاصل کر لے اور وہ غور و فکر کرے تاکہ وہ حق کا یقین حاصل کر لے ﴿ اَوْ يَخْشٰى ﴾ یا وہ ڈر جائے' یعنی وہ اس بات سے ڈر جائے کہ معاملہ ایسا ہی ہو گا جیسا تم دونوں بیان کرتے ہو' پس اس کا انکار اسے ہلاکت کی طرف لے جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے ''لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ'' فرمایا' حالانکہ اسے معلوم ہے کہ فرعون نصیحت حاصل نہیں کرے گا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ امید اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بلکہ یہ امید حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے لیے تھی یعنی تم دونوں اپنی امید اور اپنے طمع کے ساتھ جاؤ اور تم اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرو جیسے وہ شخص معاملہ کرتا ہے' جس کو یہ امید ہوتی ہے کہ اس کا عمل اور اس کی کوشش پھل آور اور نتیجہ خیز ثابت ہو گی اور اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ فرعون ہرگز ایمان نہیں لائے گا لیکن ان دونوں کو اس کی طرف بھیجنے میں فائدہ یہ ہوا کہ فرعون پر حجت لازم کر دی گئی اور اس کی معذرت کا خاتمہ کر دیا گیا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ''لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ'' کا معنی یہ ہے کہ شاید کوئی نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر لے یا کوئی ڈرنے والا ڈر جائے اور بلاشبہ بہت سے لوگوں کو یہ فائدہ ہوا تھا اور بعض نے کہا کہ ''لَعَلَّهٗ'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب ہوتا ہے اور فرعون نے یقیناً نصیحت حاصل کی تھی لیکن اس کی نصیحت نے اس کو کوئی نفع نہ دیا اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ فرعون نے نصیحت حاصل کر لی تھی اور وہ ڈر بھی گیا تھا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن ھامان نے اس کو منع کر دیا تھا اور فرعون ھامان کے سامنے اس کا کوئی حکم رد نہیں کرتا تھا۔

اور جب حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ آیت مبارکہ تلاوت کی گئی تو آپ رو پڑے اور کہنے لگے: اے

اللہ! یہ تیری نرمی اس شخص کے ساتھ ہے جو کہتا ہے کہ میں خدا ہوں تو بھلا اس شخص کے ساتھ تو کس قدر مہربان ہوگا جو کہتا ہے کہ اے اللہ! تو ہی میرا معبود ہے اور یہ تیری نرمی اس شخص کے ساتھ ہے جو کہتا ہے: "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى" کہ میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں' بھلا اس شخص پر تو کس قدر مہربان ہوگا جو کہتا ہے: "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" کہ میرا بلند و بالا خدا ہر عیب سے پاک ہے۔

٤٥- ﴿قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ﴾ ان دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے پروردگار! بے شک ہمیں ڈر ہے کہ فرعون ہم پر زیادتی کرے گا اور ہم پر سزا لاگو کرنے میں جلد بازی سے کام لے گا اور اسی سے "فَارِط" ہے' کہا جاتا ہے: "فَرَطَ عَلَيْهِ" یعنی اس نے جلدی کی ﴿اَوْ اَنْ يَّطْغٰى﴾ یا یہ کہ وہ سرکشی کرے گا (یعنی) وہ ہمیں تکلیف دینے میں حد سے تجاوز کرے گا۔

٤٦- ﴿قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مت ڈرو بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی میں تمہارا محافظ و مددگار ہوں ﴿اَسْمَعُ﴾ میں تمہاری باتوں کو سنتا ہوں ﴿وَاَرٰى﴾ اور میں تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہوں۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں تمہاری دعا سنتا ہوں اور اس کو قبول کرتا ہوں اور تمہیں نقصان پہنچانے کا جو ارادہ کیا جاتا ہے وہ میں دیکھتا ہوں اور اس کو میں روک دیتا ہوں' میں تم سے غافل نہیں ہوں' سو تم غم نہ کھاؤ۔

٤٧- ﴿فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ﴾ پس تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ بے شک ہم دونوں تیرے رب تعالیٰ کے رسول بن کر تیری طرف تشریف لائے ہیں ﴿فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ سو تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے یعنی ان کو ذلت و رسوائی اور غلامی کی قید سے آزاد کر دے ﴿وَلَا تُعَذِّبْهُمْ﴾ اور تو ان کو دردناک تکلیف میں مبتلا نہ رکھ اور انہیں دکھ دینے والی سزا نہ دے ﴿قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ﴾ بے شک ہم تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے تیرے پاس اپنے دعویٰ کی سچائی پر حجت و دلیل (یعنی معجزات) لائے ہیں' یہ جملہ اپنے سابق جملے یعنی "اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ" کی تفسیر و بیان کے لیے جاری کیا گیا ہے کیونکہ رسالت کا دعویٰ دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا اور اس کے لیے معجزہ پیش کرنا ہوتا ہے' چنانچہ جب فرعون نے معجزہ طلب کیا اور کہا کہ تمہاری نبوت و رسالت کے لیے تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ مبارک اپنی بغل میں لے کر باہر نکالا تو اس سے سورج کی شعاعوں کی طرح شعاعیں پھوٹنے لگیں اور وہ سورج کی طرح روشن ہو کر چمکنے لگا ﴿وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى﴾ اور اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی' یعنی جس نے اسلام قبول کر لیا وہ عذاب الٰہی سے سلامت و محفوظ ہو گیا اور یہاں سلام تحیت و دعا کے معنی میں نہیں ہے اور بعض نے فرمایا کہ ہدایت یافتہ حضرات پر اُن فرشتوں کی طرف سے سلام ہوگا جو جنت کے خازن ہیں۔

اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٤٨﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿٤٩﴾
قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿٥٠﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ
الْاُوْلٰى ﴿٥١﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾ الَّذِيْ
جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا

بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿٥٣﴾

بے شک ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ بے شک عذاب اسی پر ہوگا جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی O اس نے کہا: اے موسیٰ! تمہارا رب کون ہے؟ O فرمایا: ہمارا رب تعالیٰ وہ ہے' جس نے ہر چیز کو اس کی مناسب خلقت عطا کی' پھر اس کی رہنمائی فرمائی O اس نے کہا: پہلی قوموں کا کیا حال ہے؟ O فرمایا کہ اس کا علم میرے پروردگار کے پاس ایک کتاب میں ہے' میرا پروردگار نہ بہکتا ہے اور نہ بھولتا ہے O وہی تو ہے' جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور اس نے تمہارے لیے اس میں چلنے کے لیے راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا' پھر ہم نے اس کے ذریعے مختلف سبزے کے جوڑے اگائے O

٤٨- ﴿ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴾ بے شک ہماری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ یقیناً دنیا میں اور آخرت میں عذاب اسی پر ہوگا' جس نے رسولوں کو جھٹلایا اور ایمان لانے سے منہ پھیر لیا' اور یہ آیت مبارکہ قرآن مجید میں سب سے زیادہ امید افزا ہے کیونکہ جنس سلام (یعنی مکمل سلامتی) مسلمانوں کے لیے ہے اور جنسِ عذاب (یعنی مکمل اور دائمی عذاب) جھٹلانے والوں (کافروں) کے لیے ہے اور جنس کے ماسوا کوئی چیز نہیں' سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور نبوت ورسالت کا فریضہ ادا کرو اور اس سے وہ سب کچھ کہہ دو' جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرعون کا مکالمہ

٤٩- ﴿ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴾ فرعون نے کہا: اے موسیٰ! تمہارا رب کون ہے؟ فرعون نے مخاطب دونوں کو کیا' پھر ان دونوں میں سے ایک کو پکارا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت میں اصل تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام ان کے تابع تھے۔

٥٠- ﴿ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا رب تعالیٰ وہی ہے جس نے ہر چیز کو اس کی مناسب خلقت عطا فرمائی [''خَلْقَهٗ''، ''اَعْطٰى'' کے دو مفعولوں میں سے پہلا مفعول ہے ''اَيْ اَعْطٰى خَلِيْقَتَهٗ كُلَّ شَيْئٍ''] یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو اس کی مناسب شکل وصورت عطا کی' جس کے وہ محتاج وضرورت مند ہیں اور جس سے وہ فائدے حاصل کرتے ہیں [یا پھر ''خلقه'' دوسرا مفعول ہے ''اَيْ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ صُوْرَتَهٗ وَشَكْلَهٗ''] یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو اس کی مناسب شکل وصورت عطا فرمائی' جو اس کی متعلقہ منفعت کے مطابق ہے' جیسا کہ آنکھ کے لیے ایسی ہیئت وشکل عطا کی گئی جو آنکھوں کے مطابق ومناسب ہے اور کانوں کو ایسی شکل عطا کی گئی' جو سماعت کے موافق ہے اور اسی طرح ناک اور پاؤں اور ہاتھوں کو غرضیکہ جسم کے ہر ایک عضو کو اس کی متعلقہ منفعت کے مناسب شکل وصورت عطا کی گئی [نصیر کی قراءت میں ''خَلَقَهٗ'' ہے' مضاف کی یا مضاف الیہ کی صفت ہے] یعنی ہر چیز کو مناسب پیدائش عطا کی گئی ﴿ ثُمَّ هَدٰى ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو بتایا کہ زندگی گزارنے کے لیے جو چیزیں عنایت کی گئی ہیں' دنیا میں ان سے کیسے فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور آخرت میں سعادت وکامیابی کیسے حاصل کر سکتا ہے۔

٥١- ﴿ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴾ فرعون نے کہا: پہلی قوموں کا کیا حال ہے؟ (یعنی) گزشتہ امتوں کا اور بوسیدہ ہڈیوں میں تبدیل ہو جانے والوں کا کیا حال ہے؟ فرعون نے ان قوموں کے حالات دریافت کیے جو پہلے گزر چکیں اور ان میں سے بد بخت ہونے والوں کی بدبختی اور نیک بخت ہونے والوں کی نیک بختی کے متعلق پوچھا۔

٥٢- ﴿ قَالَ ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ﴾ اس کا علم میرے

پروردگار کے پاس ہے [یہ مبتدا اور خبر ہیں] ﴿فِیْ كِتٰبٍ﴾ ایک کتاب یعنی لوحِ محفوظ میں [یہ دوسری خبر ہے] یعنی یہ غیب کے متعلق سوال ہے اور اللہ تعالیٰ نے غیب کو اپنے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے' اس کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا اور میں ایک بندہ ہوں' اس کے متعلق میں نہیں جانتا مگر جس قدر مجھے علاّم الغیوب نے اس کے متعلق بتا دیا ہے اور گزشتہ قوموں کے حالات کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے ﴿لَا يَضِلُّ رَبِّيْ﴾ میرا رب تعالیٰ کبھی نہیں بہکتا یعنی وہ کسی چیز میں غلطی نہیں کرتا' چنانچہ "ضَـلَـلْـتَ الشَّیْءَ" اس وقت بولا جاتا ہے جب تم اس چیز کی جگہ سے الگ ہو جاؤ اور اس کی راہ نہ پاؤ یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کی سعادت میں اور ان کی شقاوت میں غلطی نہیں کرتا ﴿وَلَا يَنْسَى﴾ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کی جزاء اور سزا کو نہیں بھولتا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی معلومات میں سے کسی چیز کو نہیں بھولتا کہ اسے لوحِ محفوظ کی تحریر یاد کرا دے بلکہ لوحِ محفوظ میں تو اس لیے سب کچھ لکھ دیا کہ فرشتے جان لیں کہ مخلوق کے معمولات اللہ تعالیٰ کے معلومات کے موافق ومطابق ہیں۔

۵۳- ﴿الَّذِيْ﴾ [محلاً مرفوع ہے۔ "رَبِّیْ" کی صفت ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے یا پھر بطورِ مدح منصوب ہے] جس نے ﴿جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا﴾ تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنا دیا [اہل کوفہ کی قراءت "مَـهْـدًا" ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں "مِهَـادًا" ہے] اور یہ دو لغتیں ہیں' جن کا معنی ایک ہے یعنی فرش یا بچھونا ﴿وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا﴾ اور اس نے تمہارے لیے اس میں چلنے کے لیے راستے بنائے اور "سَـلَـكَ" بہ معنی "جَـعَـلَ" ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین میں چلنے کے لیے تمہارے لیے راستے بنائے ہیں ﴿وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا (یعنی) بارش برسائی ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى﴾ پھر ہم نے اس پانی کے ذریعے مختلف نباتات وسبزہ جات کے کئی اقسام کے جوڑے نکالے۔ [یہاں کلام کو غیبت سے لفظ متکلم کی طرف منقول کیا گیا ہے' جو تعجب کے مترادف ہے] اور بعض علماء نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام پورا ہو گیا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف سے خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "فَـاَخْـرَجْـنَا بِـهٖ" اور بعض علماء نے فرمایا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے یعنی ہم کھیتی باڑی کرنے' ہل چلانے اور انگوریاں لگانے کے ذریعے مختلف سبزہ جات میں سے کئی اقسام کے جوڑے نکالتے ہیں ["نَـبَـات" مصدر ہے۔ "نابت" اسی سے ماخوذ ہے' اس میں واحد اور جمع دونوں مساوی ہیں اور "شَتّـی"، "اَزْواج" کی صفت ہے یا پھر "نبـات" کی صفت ہے اور یہ "شتیـت" کی جمع ہے جیسے "مـریض" کی جمع "مـرضٰی"] یعنی زمین سے اُگنے والے سبزہ جات' نفع اور ذائقے اور رنگ اور خوشبو اور شکل وصورت میں مختلف ہیں' ان میں سے بعض تو انسانوں کی خوراک بنتے ہیں اور بعض جانوروں کی خوراک بنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک احسان یہ ہے کہ یہ ہمارے چوپایوں کے عمل سے حاصل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہماری حاجات وضروریات سے فاضل اور زائد چیزوں کو ان کے لیے چارہ بنایا' جن کے کھانے پر ہم قدرت و طاقت نہیں رکھتے' چنانچہ ارشاد فرمایا:

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ﴿۵۴﴾ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾ وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ یٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِیَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ

ع ۱۱

فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾

تم خود کھاؤ اور اپنے جانوروں کو کھلاؤ' بے شک اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں O ہم نے تمہیں اسی میں سے پیدا کیا ہے اور ہم تمہیں اسی میں لوٹا دیں گے اور اسی میں سے ہم تمہیں دوبارہ نکالیں گے O اور بے شک ہم نے اس کو تمام نشانیاں دکھا دیں' سو اس نے جھٹلایا اور انکار کیا O اس نے کہا: اے موسیٰ! کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ تم اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو O سو ہم بھی تمہارے مقابلے میں ضرور اسی طرح کا جادو لائیں گے' پس تم ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ مقرر کر لو جس کی خلاف ورزی نہ ہم کریں گے اور نہ تم کرو گے' ایک کھلے میدان میں (مقابلہ) ہو گا O فرمایا کہ تمہارے ساتھ عید کے دن کا وعدہ ہے اور یہ کہ دن چڑھے لوگ جمع کیے جائیں O

۵۴- ﴿كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ﴾ خود کھاؤ اور اپنے جانوروں کو کھلاؤ [یہ ''اَخْرَجْنَا'' میں ضمیر سے حال ہے] اور معنی یہ ہے کہ ہم نے مختلف اقسام کے سبزے اگائے' ہم ان سے نفع اٹھانے کی اجازت دینے والے ہیں اور ہم مباح قرار دینے والے ہیں کہ تم بعض کو خود کھاؤ اور بعض کو اپنے چوپایوں کے لیے چارہ بنالو ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ﴾ بے شک جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں ﴿لَاٰيٰتٍ﴾ ضرور نشانیاں اور رہنمائیاں موجود ہیں ﴿لِّاُولِی النُّهٰى﴾ عقل مندوں کے لیے [''نُهٰی'' کا واحد ''نُهْيَةٌ'' ہے] کیونکہ عقل خطرناک اور ممنوع سے روکتی ہے یا تمام اُمور کی انتہا اس کی طرف ہوتی ہے۔

۵۵- ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ﴾ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا' یعنی تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو براہِ راست مٹی سے پیدا کیا تھا اور بعض علماء نے فرمایا کہ ہر شخص نے جس نطفہ سے پیدا ہونا ہوتا ہے' اس نطفہ کو اور زمین میں جس جگہ اس نے دفن ہونا ہوتا ہے اس جگہ سے تھوڑی سے مٹی کے ذرات کو لے کر آپس میں گوندھا جاتا ہے' پھر اس مٹی اور اس نطفہ دونوں سے اس شخص کو پیدا کیا جاتا ہے[1] یا اس لیے کہ نطفہ غذاؤں سے بنتا ہے اور غذائیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں ﴿وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ﴾

[1] واضح رہے کہ یہ قول عطاء خراسانی کا ہے' جس کی دلیل حضور سیّد عالم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ کوئی پیدا شدہ بچہ ایسا نہیں ہوتا مگر اس کی ناف میں اس مٹی کے ذرات ضرور شامل ہوتے ہیں جس مٹی سے اس کو پیدا کیا جاتا ہے' پھر جب آدمی اپنی عمر کے اختتام تک پہنچتا ہے تو (مرنے کے بعد) اس کو اسی مٹی میں دفن کیا جاتا ہے' جس مٹی سے اس کو پیدا کیا گیا تھا: ''وَاِنِّیْ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ خُلِقْنَا مِنْ تُرْبَةٍ وَّاحِدَةٍ وَفِیْهَا نُدْفَنُ'' اور بے شک میں اور ابوبکر صدیق اور عمر فاروق ہم (تینوں) ایک مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور اسی میں ہم دفن کیے جائیں گے۔ (تفسیر مظہری ج ۶ ص ۱۴۶' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا حبیبِ کبریاء ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا مگر اس پر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے۔ حضرت ابوعاصم نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے اس طرح کی فضیلت نہیں پاؤ گے کیونکہ ان دونوں کی مٹی رسول اللہ ﷺ کی مٹی سے ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۱۸' رقم الحدیث: ۲۳۸۹' مطبوعہ ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ' ملتان)

(نوٹ:) مزید تحقیق وتفصیل کے لیے ''تفسیر تبیان القرآن'' ج ۷ ص ۳۸۸ تا ۳۹۰' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور میں ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی مہاروی

اور اسی میں ہم تمہیں لوٹا دیں گے (یعنی) جب تم مر جاؤ گے تو تمہیں اسی زمین میں دفن کیا جائے گا ﴿ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى ﴾ اور اسی میں سے ہم تمہیں حشر کے دن دوبارہ نکالیں گے اور نکالنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے مٹی میں ملے ہوئے متفرق ومنتشر اجزاء کو جوڑا جائے گا اور جس طرح وہ دنیا میں زندہ تھے اسی طرح ان کو زمین سے نکال کر میدانِ محشر کی طرف دوبارہ لوٹایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر وہ نعمتیں شمار کر کے بیان فرمائیں جو ان کے فوائد کے لیے زمین سے تعلق رکھتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو لوگوں کے لیے فرش اور بچھونا بنایا' جس پر وہ اِدھر سے اُدھر آتے جاتے ہیں اور اس میں ان کے لیے چلنے کے راستے ہموار کیے' جیسے چاہتے ہیں اس میں چلتے پھرتے ہیں اور اس میں مختلف اقسام کے سبزے پیدا کیے' جن میں سے بعض ان کی روزی بنتے ہیں اور بعض ان کے جانوروں کے لیے چارا بنتے ہیں اور یہ زمین ان کی اصل ہے' جس سے وہ پھلتے پھولتے ہیں اور یہ ان کی ماں ہے' جس سے انہیں پیدا کیا گیا اور جب یہ مر جائیں گے تو یہی ان کا مدفن کفایت گاہ بنے گی۔

فرعون کا معجزات سے انکار اور جادوگری کا الزام لگا کر مقابلہ کا چیلنج

٥٦- ﴿ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا ﴾ اور بے شک ہم نے اس کو یعنی فرعون کو اپنی تمام نشانیاں دکھا دیں اور وہ کل نو معجزات ہیں: عصا کا سانپ بن جانا' یدِ بیضاء' دریا کا پھاڑنا' پتھر سے پانی کے چشموں کا جاری ہونا' ٹڈی کا عذاب' گھن یا جوؤں کا عذاب' مینڈکوں کا عذاب' خون کا عذاب اور ان پر پہاڑ کا اٹھانا ﴿ فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴾ پس فرعون نے تمام نشانیوں کو جھٹلا دیا اور حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

٥٧- ﴿ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴾ فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ! کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ تم اپنے جادو کے ذریعے ہمیں ہمارے ملک مصر سے نکال دو۔ یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سخت خوف زدہ ہو گیا تھا اور اس کا حضرت موسیٰ سے "بِسِحْرِكَ" کہنا اس کی علت وسبب ہے ورنہ کون سا جادوگر ہے' جو یہ قدرت واختیار رکھتا ہو کہ وہ بادشاہ کو اس کی اپنی سرزمین سے نکال دے؟

٥٨- ﴿ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ ﴾ پس ہم ضرور تمہارے پاس ویسا ہی جادو لائیں گے اور ہم تمہارا مقابلہ تمہارے جادو جیسے جادو کے ذریعے کریں گے ﴿ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا ﴾ سو تم ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ مقرر کر لو ["مَوْعِدًا" مصدر ہے اور وعدہ کے معنی میں ہے اور مضاف مقدر ہے' اصل میں "مَكَانَ مَوْعِدٍ" ہے] ﴿ لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ ﴾ نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں گے اور نہ تم خلاف ورزی کرنا ["لَا نُخْلِفُهٗ" کی ضمیر مفعول "موعد" کی طرف لوٹتی ہے اور قاری یزید کی قراءت میں امر کا جواب ہونے کی وجہ سے "لَا نُخْلِفْهُ" مجزوم ہے اور اس کے علاوہ کی قراءت میں "مَوْعِدًا" کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے] ﴿ مَكَانًا سُوًى ﴾ ہموار وسیع میدان [مکان محذوف سے بدل ہے اور جائز ہے کہ مضاف مقدر نہ ہو] اور معنی یہ ہوگا کہ آپ ہمارے درمیان اور اپنے درمیان ایک وعدہ مقرر کر لیں جس کی نہ ہم خلاف ورزی کریں گے اور نہ آپ خلاف ورزی کریں گے [اور "مَكَانًا" مصدر کی بناء پر منصوب ہے یا مقدر فعل کی وجہ سے منصوب ہے' جس پر مصدر دلالت کرتا ہے اور اہلِ حجاز' ابوعمرو اور علی کسائی کی قراءت میں سین کے نیچے زیر ہے یعنی "سِوًى" ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں سین پر پیش کے ساتھ "سُوًى" ہے اور یہ "مَكَانًا" کی صفت ہے] یعنی یہ وعدہ کا مقام ہمارے اور تمہارے درمیان میں ہو' نہ تمہاری سمت میں زیادہ قریب ہو اور نہ ہماری سمت میں زیادہ قریب بلکہ دونوں سمتوں کے درمیان میں واقع ہو اور یہ اس لیے کہ "سُوًى" بہ معنی "استواء" (یعنی برابر) ہے کیونکہ وسط سے دونوں

سمتوں کی مسافت برابر ہو گی۔

٥٩- ﴿قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تمہارا وعدہ جشن کے دن ہے اور یہ ان کی عید کا دن مراد ہے یا نیروز کا دن مراد ہے یا پھر عاشور کا دن مراد ہے اور اگرچہ سوال مکان کے بارے میں تھا لیکن یہ زمان کے ساتھ جواب پہلے معنی کی تاویل پر درست ہے کیونکہ زینت کے دن ان کا اجتماع لازمی طور پر کسی مکان (یعنی کسی کھلے میدان) پر ہوتا ہوگا' لہٰذا زمان کے ذکر سے مکان معلوم ہو گیا اور دوسرے معنی کی تاویل پر معنی یہ ہوگا کہ تمہارا وعدہ جشنِ نیروز کا وعدہ ہے [''مَوْعِدُكُمْ'' مبتدا ہے اور ''يَوْمُ الزِّيْنَةِ'' اس کی خبر ہے] ﴿وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ﴾ اور یہ کہ لوگوں کو اکٹھا کیا جائے' یعنی سب لوگوں کو اس مقررہ دن میں جمع کیا جائے [یہ محلاً مرفوع ہے یا ''یوم'' یا ''زینۃ'' پر عطف کی وجہ سے مجرور ہے] ﴿ضُحًى﴾ یعنی چاشت کے وقت دن کے اجالے میں تاکہ شک وشبہ سے دور ہو اور حق کے اظہار کے لیے خوب واضح ہو اور تاکہ تمام دیہاتی اور شہری لوگوں میں مشہور ومعروف ہو جائے۔

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾

سو فرعون واپس چلا گیا اور اس نے اپنے تمام فریبوں کو جمع کیا' پھر آ گیا O موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کہ تمہارے لیے خرابی ہو تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھو ورنہ وہ تمہیں عذاب کے ذریعے ہلاک کر دے گا' اور وہ یقیناً نقصان میں رہا' جس نے (اللہ تعالیٰ پر) جھوٹ باندھا O پھر انہوں نے اپنے معاملے میں اختلاف کیا اور انہوں نے مشورہ کو پوشیدہ رکھا O انہوں نے کہا: بے شک یہ دونوں جادوگر ہیں' یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں اور تمہارا عمدہ مذہب لے جائیں O سو تم اپنے داؤ پیچ جمع کر لو' پھر تم صفیں باندھ کر آ ؤ' اور بے شک آج وہی کامیاب ہوگا جو غالب رہے گا O انہوں نے کہا: اے موسیٰ! یا تو تم پہلے ڈالو گے' یا ہم پہلے ڈالنے والے ہو جائیں O

٦٠- ﴿فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ﴾ پھر فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منہ پھیر کر واپس چلا گیا ﴿فَجَمَعَ كَيْدَهٗ﴾ اور اس نے اپنے فریب کاروں اور جادوگروں کو جمع کیا اور وہ جادوگر بہتر افراد تھے یا چار سو افراد یا ستر ہزار افراد تھے ﴿ثُمَّ اَتٰى﴾ پھر وہ (جادوگروں کو لے کر) وعدہ مقررہ کی جگہ پر آ گیا۔

٦١- ﴿قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے یعنی جادوگروں سے فرمایا: ﴿وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ تمہاری خرابی ہو تم اللہ تعالیٰ پر تو جھوٹ نہ باندھو اور اس کی آیات اور اس کے معجزات کو جادو نہ کہو ﴿فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ﴾ ورنہ وہ تمہیں بہت بڑے عذاب کے ذریعے ہلاک کر دے گا [ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی اہلِ کوفہ قراء کی قراءت میں ''یا'' پر پیش اور ''حا'' کے نیچے زیر ہے جب کہ ان کے علاوہ قراء کی قراءت میں ''یا'' اور ''حا'' دونوں پر زبر ''فَيَسْحَتَكُمْ''

ہے اور ''سُحت'' اور ''اِسْحَات'' دونوں کا معنی مٹانا اور ختم کرنا ہے اور نہی کے جواب ہونے کی بناء پر آخر میں نصب ہے]
﴿وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى﴾ اور بے شک وہ شخص نا کام و نامراد ہوا جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔

٦٢-﴿فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ﴾ سوانہوں نے آپس میں اپنے معاملے میں جھگڑا کیا' یعنی جادوگروں نے اپنے معاملہ میں آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا' چنانچہ ان میں سے بعض نے کہا کہ موسیٰ ہماری طرح جادوگر ہے اور بعض نے کہا: یہ جادوگر کا کلام نہیں ہے' یعنی ان کو جادوگر کہہ کر تم اللہ تعالیٰ پر بہتان نہ باندھو ﴿وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى﴾ اور انہوں نے مشورہ پوشیدہ رکھا یعنی انہوں نے خفیہ مشورہ کیا (تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کا علم نہ ہو سکے) اور انہوں نے کہا کہ اگر یہ جادوگر ہے تو ہم اس پر ضرور غالب آ جائیں گے اور اگر یہ آسمان والے کی طرف سے آیا ہے تو سارا معاملہ اسی کو حاصل ہوگا [اور ''نَجْوٰى'' مصدر ہے اور اسم ہے] پھر انہوں نے یہ کلام گھڑا یعنی:

٦٣-﴿قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ﴾ انہوں نے کہا: بے شک یہ دونوں یعنی (حضرت) موسیٰ اور (حضرت) ہارون جادوگر ہیں [اور ابوعمرو نے ''اِنَّ هٰذَيْنِ لَسَاحِرَانِ'' پڑھا اور یہی ظاہر ہے لیکن یہ امام صاحب' ابن کثیر' حفص اور خلیل کے مخالف ہے حالانکہ یہ علم نحو اور لغت کے ماہر ہیں۔ ''اِنْ هٰذَانِ لَسَاحِرَانِ'' میں ''اِنْ'' تخفیف کے ساتھ ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''اِنْ زَيْدٌ لَمُنْطَلِقٌ'' اور آیت میں لام ''اِنْ'' نافیہ اور ثقیلہ سے مخففہ ''اِنْ'' کے درمیان فرق کرنے کے لیے ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ ''اِنْ'' بہ معنی ''مَا'' ہے اور لام بہ معنی ''اِلَّا'' ہے یعنی یہ دونوں نہیں ہیں مگر جادوگر۔ حضرت ابی بن کعب کی قراءت ''اِنْ ذَانِ اِلَّا سَاحِرَانِ'' اس کی دلیل ہے اور ان مذکورہ بالا قراء کے علاوہ کی قراءت میں ''اِنَّ هٰذَانِ لَسَاحِرَانِ'' ہے (سب کا معنی ملتا جلتا ہے) بعض نے کہا کہ یہ حارث بن کعب' خثعم' مراد اور کنانہ کی لغت ہے کیونکہ ان کی لغت میں تثنیہ ہمیشہ الف کے ساتھ آتا ہے اور وہ نصبی اور جری حالت میں بھی ''یا'' کو قبول نہیں کرتا جیسا کہ عصا اور سعدیٰ۔

ایک شاعر نے کہا: ؎

اِنَّ اَبَاهَا وَاَبَا اَبَاهَا قَدْ بَلَغَا فِي الْمَجْدِ غَايَتَاهَا

''بے شک اس کا باپ اور اس کے باپ کا باپ (دادا) بلاشبہ وہ دونوں بزرگی میں اس کی انتہاء کو پہنچ چکے ہیں''۔

زجاج نے کہا کہ ''اِنَّ'' بہ معنی ''نَعَمْ'' (جی ہاں) آتا ہے۔ ایک شاعر نے کہا:

وَيَقُلْنَ شَيْبٌ قَدْ عَلَاكَ وَقَدْ كَبُرْتَ فَقُلْتُ اِنَّهْ

''اور وہ کہنے لگیں: بے شک بڑھاپا تجھ پر غالب آ چکا ہے اور بے شک تو بوڑھا ہو گیا ہے' سو میں نے کہا: جی ہاں''۔

''اَيْ نَعَمْ'' یعنی جی ہاں! اور ''هَا'' وقف کے لیے ہے اور ''هٰذَانِ'' مبتدا ہے اور ''سَاحِرَانِ'' مبتدا محذوف کی خبر ہے اور لام مبتدا محذوف پر داخل ہے' اس کی تقدیر عبارت یہ ہے: ''هٰذَانِ لَهُمَا سَاحِرَانِ'' لہٰذا اس کا دخول اپنے محل میں ہوا ہے' جس کے لیے موضوع ہے اور وہ ابتداء ہے یا پھر لام خبر پر داخل ہے جیسا کہ مبتدا پر داخل ہوتا ہے' ایک شاعر نے کہا کہ ''خالی لانت ومن جرير خاله'' شاعر نے کہا: میں نے اس کو مبرد پر پیش کیا تو اس نے اسے پسند کیا اور ابوعلی نے اسے کمزور قرار دیا]
﴿يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا﴾ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہاری سرزمین سے (یعنی) مصر سے نکال دیں ﴿وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى﴾ اور وہ دونوں تمہارا عمدہ مذہب لے جائیں (یعنی) تمہارا دین اور تمہاری شریعت مٹا دیں اور ''اَلْمُثْلٰى''، ''اَلْفُضْلٰى'' کے معنی میں ہے اور ''اَمْثَلُ'' کی تانیث ہے اور ''اَمْثَلُ'' بہ معنی ''اَفْضَلُ'' ہے۔

٦٤-﴿فَاَجْمِعُوْا﴾ سو تم مستحکم و مضبوط کرو یعنی تم اپنے معاملے میں اتفاق پیدا کرو یہاں تک کہ تمہارا اختلاف ختم ہو

جائے [ابوعمرو کی قراءت میں ''فَاجْمَعُوْا'' ہے اور ''فَجَمَعَ كَيْدَهٗ'' (طٰہٰ:٦٠) اس قراءت کو تقویت دیتا ہے] ''پس فرعون نے اپنا داؤ جمع کیا''۔ ﴿ كَيْدَكُمْ ﴾ تم اپنا فریب پختہ کرو جس کے ذریعے منصوبہ تیار کیا جائے ﴿ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ﴾ پھر تم صفیں بنا کر میدان میں آؤ [''صَفًّا'' حال ہے] یعنی لوگوں کو حکم دیا کہ وہ صفیں بنا کر میدان میں آئیں کیونکہ اس طرح دیکھنے والوں کے دلوں میں رعب و دبدبہ بھر جائے گا اور وہ خوف زدہ ہو جائیں گے ﴿ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴾ اور بے شک آج وہی کامیاب و کامران ہوگا جو غالب آ جائے گا [اور یہ جملہ معترضہ ہے]۔

حضرت موسیٰ کے مقابلے میں جادوگروں کی شکست کا بیان

٦٥- ﴿ قَالُوْا ﴾ انہوں نے کہا' یعنی جادوگروں نے کہا کہ ﴿ يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ ﴾ اے موسیٰ (علیہ السلام)! یا پہلے تم اپنا عصا زمین پر ڈال دو ﴿ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴾ اور یا پہلے ہم وہ سب کچھ ڈال دیں جو ہمارے پاس ہے [''اَنْ'' اپنے بعد والے جملے سمیت دونوں جگہ میں پوشیدہ فعل کی وجہ سے محلاً منصوب ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے]۔

اور اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اختیار دیا اور کہا کہ آپ کاموں میں سے ایک کام اختیار کر لیں یا تو پہلے آپ اپنا عصا مبارک زمین پر ڈال دیں یا پہلے ہم اپنی رسیاں اور لاٹھیاں وغیرہ ڈال دیتے ہیں اور جادوگروں کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ اختیار دینا آپ کے ساتھ حسنِ ادب کا رویہ ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت ان کے دلوں میں پہنچ چکی تھی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ تعلیم عنایت فرما دی تھی کہ آپ پہلے ان کو رسیاں اور لاٹھیاں ڈالنے کا اختیار دے دیں یہاں تک کہ آپ نے ان سے

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿٦٩﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿٧٠﴾

فرمایا: بلکہ تم ڈالو تو اچانک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کے ذریعے موسیٰ کو دوڑتی ہوئیں محسوس ہوئیں O پس موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا O ہم نے فرمایا: مت ڈرو بے شک تم ہی غالب رہو گے O اور جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے اسے ڈال دو وہ ان کی تمام مصنوعی کاری گری کو ہڑپ کر جائے گا' بے شک انہوں نے جو کچھ تیار کیا ہے وہ صرف جادوگر کا فریب ہے' اور جادوگر جہاں بھی جائے کامیاب نہیں ہوتا O سو تمام جادوگر سجدہ میں گر پڑے انہوں نے کہا: ہم ہارون اور موسیٰ کے رب تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہیں O

٦٦- ﴿ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ﴾ فرمایا: بلکہ پہلے تم ڈالو تا کہ ان کے پاس جادو کی جتنی فریب کاریاں ہیں وہ سب ظاہر ہو جائیں اور تا کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غلبہ کو ظاہر کر دے اور تا کہ حق کو باطل پر پھینک دے اور باطل کو مٹا دے

اور اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو ان کے جادو پر غالب کر دے اور جادو کو ختم کر دے' پس غور وفکر کی نظر سے دیکھنے والوں پر معجزہ روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے اور عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت ظاہر ہو جائے' سو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈال دیں ﴿ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴾ پس اچانک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں دوڑنے لگیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جب جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینک دیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اچانک یہ خیال ہوا کہ ان کے جادو کے اثر سے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جادوگروں نے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں پر کالا تیل لگا دیا تھا اور جب انہیں سورج کے سامنے دھوپ میں ڈالا گیا تو تیل پگھلنے پر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپ کی طرح حرکت کرتی ہوئیں دوڑ رہی ہیں [کہا جاتا ہے کہ یہ ''اِذَا'' مفاجات کے لیے ہے اور تحقیق یہ ہے کہ جب یہ ''اِذَا'' وقت کے معنی میں ہوتا ہے تو اس وقت اپنے لیے فعل ناصب کا طالب ہوتا ہے اور جملے کی طرف مضاف ہوتا ہے اور بعض جگہ اس کے فعلِ ناصب کو مخصوص کر لیا جاتا ہے اور وہ مفاجات (اچانک) کا فعل ہوتا ہے اور جملہ ابتدائیہ ہوتا ہے اور کچھ نہیں اور اب تقدیرِ عبارت کا معنی یہ ہوگا کہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اچانک یہ خیال گزرا کہ رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں اور ابن ذکوان کی قراءت میں ''تَا'' کے ساتھ ''تُخَيَّلُ'' پڑھا جاتا ہے اور ''اَنَّهَا تَسْعٰى'' یہ ''يُخَيَّلُ'' میں ضمیر سے بدل الاشتمال ہے]۔

٦٧۔ ﴿ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴾ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں خوف پایا (یعنی) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہ تقاضائے بشریت یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ سانپ آپ کی طرف ارادہ کر کے آ رہے ہیں' دل میں خوف محسوس کیا' مگر اسے ظاہر نہیں ہونے دیا' یا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خوف ہوا کہ اس جادو کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں شک وشبہ واقع ہو جائے گا جس کے سبب وہ آپ کی پیروی نہیں کریں گے۔

٦٨۔ ﴿ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴾ ہم نے فرمایا کہ تم مت ڈرو بے شک تم ہی زبردست غالب رہو گے [اور ''اِنَّ'' اور ''اَنْتَ'' اور حرفِ تعریف اور لفظ علو جو واضح غلبہ کے لیے آتا ہے ان سب کے ذکر میں بالکل واضح مبالغہ پایا جاتا ہے]۔

٦٩۔ ﴿ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ﴾ اور جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے اسے ڈال دیجئے وہ ان تمام چیزوں کو نگل جائے گا جو جادوگروں نے جعل سازی سے بنائی ہیں اور جن چیزوں کو انہوں نے آراستہ اور خوبصورت کر کے پیش کیا ہے یعنی آپ اپنا عصا مبارک زمین پر ڈال دیں' یہ ان کی لاٹھیوں اور ان کی رسیوں کو ہڑپ کر جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے ''عَصَاكَ'' نہیں فرمایا یہ صرف اس کی تعظیم کے لیے فرمایا (کہ یہ عصا عام لکڑیوں جیسا نہیں بلکہ بڑی عظمت کا حامل ہے) یعنی جادوگروں نے جو کچھ بنایا ہے آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے کیونکہ آپ کے دائیں ہاتھ مبارک میں ان سے بڑھ کر ہے یا تحقیر کے لیے فرمایا یعنی آپ ان کی رسیوں اور ان کی لاٹھیوں کی کثرت و بہتات کی پرواہ نہ کیجئے بلکہ آپ اکیلی اس لکڑی کو ڈال دیجئے جو آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے کیونکہ یہ اکیلی لکڑی آپ کے رب تعالیٰ کی قدرت سے ان کی بہت سی لکڑیوں اور رسیوں کو ہڑپ کر جائے گی [امام حفص کی قراءت میں لام اور ''فَا'' ساکن' نیز ''قَا'' مخفف (غیر مشدد) کے ساتھ ''تَلْقَفْ'' ہے اور ابن ذکوان کی قراءت میں لام مفتوح' قاف مشدد اور ''فَا'' مرفوع ہے جب کہ باقیوں کے نزدیک قاف مشدد اور ''فَا'' مجزوم کے ساتھ ہے] ﴿ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ﴾ بے شک انہوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ جادوگر کا فریب ہے [عاصم کے علاوہ

باقی اہل کوفہ کی قراءت میں ''سِحْرٍ'' ہے اور ''ذِیْ سِحْرٍ'' کے معنی میں ہے (یعنی جادوگر) یا جادو میں ان کی شدید جدوجہد کے سبب انہیں ''سِحْرٍ'' کہا گیا گویا وہ خود سراپا جادو ہیں اور ''کَیْدُ'' دونوں قراءتوں میں مرفوع ہے اور ''مَا'' موصولہ ہے یا مصدریہ ہے اور بے شک ''سَاحِرٍ'' کو صرف واحد لایا گیا ہے اور اس کو جمع اس لیے نہیں لایا گیا کہ اس کلام پاک میں جنس (مطلق معنی مقصود ہیں' عدد کا معنی مراد نہیں' چنانچہ اگر اس کو جمع لایا جاتا تو یہ گمان پیدا ہو جاتا کہ عدد ہی مقصود ہے] کیا یہ ارشاد نہیں دیکھا کہ ﴿وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ﴾ اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتا' یعنی یہ جنس (یعنی مطلق جادوگر خواہ کوئی ہو) ﴿حَیْثُ اَتٰی﴾ جہاں کہیں جائے (یعنی) جہاں بھی رہے۔

جادوگروں کے مسلمان ہو جانے اور فرعون کی دھمکی کا بیان

٧٠- پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک زمین پر ڈالا اور اس نے وہ تمام رسیاں اور لاٹھیاں جو جادوگروں کی جعل سازی سے سانپ نظر آ رہی تھیں' ہڑپ کر لیں تو جادوگر یہ عظیم الشان معجزہ دیکھ کر فوراً سجدے میں گر پڑے' پس اس لیے ارشاد ہوا: ﴿فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا﴾ سو جادوگر سجدہ میں گر پڑے۔ علامہ اخفش نے کہا کہ جادوگروں کے تیزی کے ساتھ سجدہ کرنے کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ گویا جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے ہیں' سو ان کا معاملہ کتنا عجیب ترین ہے کہ تھوڑی دیر پہلے انہوں نے کفر و انکار کے لیے اپنی رسیوں اور اپنی لاٹھیوں کو ڈال دیا' پھر تھوڑی دیر بعد شکر و سجدہ ادا کرنے کے لیے انہوں نے اپنے سروں کو زمین پر رکھ دیا' پس ان دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے سجدہ میں جنت کو اور جنت میں اپنی منازل و مقامات کو ملاحظہ فرمایا تو پھر انہوں نے اپنے سروں کو اٹھالیا' پھر ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی﴾ انہوں نے کہا کہ ہم ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کے پروردگار پر ایمان لے آئے ہیں اور یہاں حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور سورت شعراء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کا ذکر کیا گیا تو [اس کی وجہ صرف آیات کے فواصل کی رعایت و حفاظت ہے اور اس لیے بھی کہ واؤ ترتیب کو واجب نہیں کرتی]۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰی ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۷۲﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ﴿۷۳﴾

فرعون نے کہا: میری اجازت دینے سے پہلے تم اس پر ایمان لے آئے ہو' بے شک وہ تمہارا بڑا استاذ ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے' پس میں ضرور تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دوں گا اور میں ضرور تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا' اور تمہیں ضرور معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہے ○ انہوں نے کہا کہ جو معجزات ہمارے پاس آئے ہیں اور جس نے ہمیں پیدا کیا ان کے مقابلہ میں ہم تجھے ترجیح نہیں دیں گے' سو تو جو کرنا چاہتا ہے کر لے بے شک تو صرف اس دنیا کی زندگی میں فیصلہ کر سکتا ہے ○ بے شک ہم اپنے پروردگار پر

ایمان لے آئے ہیں تا کہ وہ ہماری خطائیں اور جس جادو کرنے پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا اس کو بخش دے اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر اور سدا باقی رہنے والا ہے O

٧١- ﴿قَالَ اٰمَنْتُمْ﴾ فرعون نے کہا کہ تم ایمان لے آئے ہو [امام حفص کی قراءت میں بغیر مد کے ہے جب کہ ابوعمرو بصری، ابن عامر شامی اور حجازی کی قراءت میں ہمزہ ممدودہ کے ساتھ ہے اور دیگر قراء کے نزدیک دو ہمزوں کے ساتھ ہے] ﴿لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ﴾ اس پر یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دیتا۔ ''اٰمَنَ لَهٗ'' اور ''اٰمَنَ بِهٖ'' دونوں طرح بولا جاتا ہے (اور دونوں کا معنی ایک ہے کہ وہ اس پر ایمان لایا) ﴿اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ بے شک وہ تمہارا بڑا بزرگ ہے یا تمہارا معلم و استاذ ہے، جس نے تمہیں جادو سکھایا۔ اہل مکہ معلم و استاذ کے لیے کہا کرتے ہیں: ''اَمَرَنِیْ کَبِیْرِیْ'' میرے استاذ نے مجھے حکم دیا ہے ﴿فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ﴾ سو میں ضرور تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دوں گا۔ مخالف جانب سے کاٹنے کا مطلب یہ ہے کہ دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے کیونکہ ان دونوں اعضاء میں سے ہر ایک عضو دوسرے عضو کا مخالف ہے اس لیے کہ یہ ہاتھ ہے اور وہ پاؤں ہے اور یہ دایاں ہے اور وہ بایاں ہے [اور حرف ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے کیونکہ کاٹنے کی ابتداء ہر عضو کی مخالف سمت ہوگی اور جار مجرور حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے] یعنی میں ان اعضاء کو مختلف سمتوں سے کاٹ دوں گا کیونکہ جب ایک دوسرے کا مخالف ہوا تو دونوں اختلاف کے ساتھ متصف ہو گئے اور کھجور کے تنے کے ساتھ مصلوب کے قیام کو ظرف میں مظروف کے قیام کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، پس اس لیے فرعون نے کہا: ﴿وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ اور میں تمہیں ضرور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا۔ اس میں کھجور کے درخت کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ کھجور کے تنے دراز ہوتے ہیں ﴿وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا﴾ اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تمہارے ایمان لانے پر میرا عذاب زیادہ سخت ہے یا ایمان نہ لانے پر حضرت موسیٰ کے پروردگار کا عذاب زیادہ سخت ہے اور بعض نے کہا کہ فرعون پر خدا کی لعنت ہو، اس جگہ اس نے اپنی ذات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد لی ہے کہ ہم دونوں میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت ہے۔ اس کی دلیل اس کا یہ کہنا ہے کہ ''اٰمَنْتُمْ لَهٗ'' تم اس پر ایمان لائے ہو، کیونکہ قرآن مجید میں ایمان کے ساتھ لام غیر اللہ کے لیے آتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ''يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ'' (التوبہ:٦١) ''آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمانوں کی بات پر یقین رکھتے ہیں''۔ ﴿وَّاَبْقٰى﴾ اور (کس کا عذاب) زیادہ دیرپا ہے۔

٧٢- ﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم ہرگز تجھے ترجیح نہیں دیں گے، (اور) نہ ہم ہرگز تجھے پسند کریں گے ﴿عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سچائی پر رہنمائی کرنے والے یقینی معجزات و دلائل پر جو ہمارے پاس آ گئے ہیں ﴿وَالَّذِيْ فَطَرَنَا﴾ اور جس نے ہمیں پیدا کیا ہے [یہ ''مَا جَآءَنَا'' پر معطوف ہے] یعنی ہم تجھے ان معجزات و دلائل کے مقابلے میں ہرگز اختیار نہیں کریں گے، جو ہمارے پاس آ گئے ہیں اور نہ اس ذاتِ اقدس کے مقابلے میں ہم تجھے اختیار کریں گے، جس نے ہمیں پیدا کیا ہے [یا یہ قسم ہے اور اس کا جواب ''لَنْ نُّؤْثِرَكَ'' ہے جو قسم پر مقدم ہے] ﴿فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ﴾ سو تو جو فیصلہ کرنے والا ہے کر لے، (یعنی) سو تو ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی دینے کے بارے میں جو کرنا چاہتا ہے وہ کر لے۔ اس (ابوذویب شاعر) نے کہا: ''وَعَلَيْهِمَا مَسْرُوْدَتَانِ قَضَاهُمَا'' اور ان دونوں پر دو زرہیں تھیں، جن کو اس نے تیار کیا تھا یعنی اس نے ان دونوں کو بنایا تھا یا یہ معنی ہے کہ تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے وہی کر لے ﴿اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ بے شک تو صرف اس دنیاوی زندگی میں فیصلہ دے سکتا ہے۔ یہ اصل میں ''فِیْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا'' تھا [اور یہ ظرف کی بناء

پر منصوب ہے]یعنی تو ہمارے بارے میں صرف ہماری دنیاوی زندگی تک فیصلہ کرسکتا ہے۔

٧٣- ﴿ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ﴾ بے شک ہم اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہیں تا کہ وہ ہماری خطائیں اور جو جادو کرنے پر تو نے ہمیں مجبور کیا ہے اس کو بخش دے [اس میں ''مَا'' موصولہ منصوب ہے کیونکہ یہ ''خَطَایَانَا'' پر معطوف ہے اور ''مِنَ السِّحْرِ''، ''ما'' موصولہ سے حال واقع ہو رہا ہے]۔ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ان مسلمان ہو جانے والے جادوگروں نے فرعون سے کہا: تو ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سوتا ہوا دکھا دے چنانچہ فرعون نے ایسا کر دیا اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس حالت میں پایا کہ آپ سو رہے ہیں اور آپ کا عصا مبارک آپ کی حفاظت کی خاطر آپ پر پہرہ دے رہا ہے چنانچہ انہوں نے یہ معجزہ دیکھ کر آپس میں کہا کہ یہ جادو نہیں ہے کیونکہ جب جادوگر سو جاتا ہے تو اس کا جادو باطل ہو جاتا ہے اس لیے انہوں نے ذلت کے ڈر سے آپ کے ساتھ مقابلہ کرنے کو پسند نہ کیا لیکن فرعون نے ان کو جادو کرنے پر مجبور کیا۔اے انسان! تو غور کر کہ ان کو جادو کے علم نے کس قدر فائدہ دیا اور فرعون کو جادو کے علم سے جہالت نے کس قدر نقصان پہنچایا تو بھلا شریعت کا علم کس قدر مفید و نافع ہو گا ﴿ وَاللّٰهُ خَيْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گزار بندوں کو سب سے بہتر ثواب عطا فرمانے والا ہے ﴿ وَّاَبْقٰى ﴾ اور وہ اپنے نافرمان (کافر) بندوں کو سب سے زیادہ دیرپا عذاب دینے والا ہے اور یہ دراصل فرعون کے اس قول کی تردید ہے کہ ''وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى'' (طٰہٰ:٧١) ''اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہے''۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿٧٥﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿٧٧﴾

بے شک جو شخص اپنے پروردگار کے پاس مجرم بن کر حاضر ہو گا تو اس کے لیے دوزخ ہو گی اس میں وہ نہ مرے گا اور نہ جئے گاO اور جو شخص اس کے پاس مؤمن بن کر حاضر ہو گا جب کہ اس نے نیک اعمال یقیناً کیے ہوں تو ان کے لیے بڑے بلند درجے ہوں گے O ہمیشہ رہنے کے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ اس کا صلہ ہے جو پاکیزہ رہاO اور بے شک ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ اور تم (اپنا عصا مار کر) ان کے لیے دریا میں خشک راستہ بنا لو نہ تمہیں پکڑے جانے کا خوف ہو گا اور نہ تمہیں کوئی ڈر ہو گاO

نیک اور بد کے انجام کا بیان

٧٤- ﴿ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا ﴾ بے شک جو شخص اپنے پروردگار کے پاس مجرم (یعنی) کافر ہو کر آئے گا [''اِنَّهٗ'' میں شان کی ضمیر ہے] ﴿ فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ﴾ تو اس مجرم و کافر کے لیے دوزخ ہو گی ﴿ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا ﴾ وہ اس میں مرے گا نہیں کہ موت کے سبب دوزخ کے عذاب سے راحت و سکون حاصل ہو سکے ﴿ وَلَا يَحْيٰى ﴾ اور نہ وہ ایسی زندگی پائے گا جس سے وہ

نفع حاصل کر سکے۔

۷۵۔﴿ وَمَنْ یَّاْتِہٖ مُؤْمِنًا ﴾ اور جو شخص اس کے پاس مؤمن ہو کر آئے گا کہ وہ شخص (دنیا میں) ایمان پر فوت ہوا ﴿ قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ ﴾ بے شک اس نے ایمان کے بعد نیک اعمال بھی کیے ہوں ﴿ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴾ تو ان کے لیے بڑے بلند درجے ہوں گے [''عُلٰی''. ''عُلْیَا'' کی جمع ہے]۔

۷۶۔﴿ جَنّٰتُ عَدْنٍ ﴾ ہمیشہ رہنے کے باغات ہوں گے [یہ درجات سے بدل ہے] ﴿ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ﴾ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ﴿ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴾ اور یہ اس کا صلہ ہے جس نے تزکیہ کیا' (یعنی) ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھ کر شرک سے پاک رہا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ تینوں آیات مسلمان ہونے والے جادوگروں کے قول کی حکایت ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ کسی کے قول کی حکایت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے از خود خبر دی ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔

بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت اور ان کے تعاقب میں فرعونیوں کی غرقابی کا تذکرہ

۷۷۔﴿ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ ﴾ اور البتہ بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم راتوں رات میرے بندوں کو لے جاؤ۔ دراصل جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کرنا چاہا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے ہجرت کر جائیں اور ان کو دریا کے راستے لے جائیں ﴿ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِى الْبَحْرِ ﴾ سو تم ان کے لیے دریا میں (اپنا عصا مبارک مار کر) راستہ بنا لو یعنی ان کے لیے راستہ بناؤ (''اِضْـرِبْ لَهُمْ'' بہ معنیٰ ''اِجْـعَلْ لَهُمْ'' ہے) یہ ان کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ ''ضَـرَبَ لَـهٗ فِیْ مَـالِهٖ سَهْمًا'' اس نے فلاں آدمی کے لیے اپنے مال میں ایک حصہ مقرر کر دیا ﴿ يَبَسًا ﴾ ''اَیْ یَابِسًا'' یعنی خشک [اور یہ مصدر ہے اور ''طَرِیْقًا'' کی صفت ہے۔ ''یَبِسَ. یَبَسًا. وَیُبْسًا'' (تینوں طرح) بولا جاتا ہے] ﴿ لَا تَخٰفُ دَرَكًا ﴾ نہ تم پکڑے جانے سے ڈرو گے۔ ''دَرَكًا''، ''اِدْرَاكٌ'' کا اسم ہے یعنی تمہیں فرعون اور اس کا لشکر نہیں پکڑ سکے گا اور نہ وہ تمہیں پا سکے گا [''لَا تَخَافُ'' حال ہے ''فَاضْرِبْ'' میں ضمیر مخاطب سے یعنی تم بغیر کسی خوف کے دریا میں اپنا عصا مبارک مار کر بنی اسرائیل کے لیے راستہ بنا لو۔ حمزہ کی قراءت میں جوابِ امر کی بناء پر ''لَا تَـخَفْ'' فعل نہی آخر میں مجزوم ہے] ﴿ وَلَا تَخْشٰى ﴾ اور نہ تمہیں ڈوبنے کا خطرہ ہوگا [اور حمزہ کی قراءت میں ''وَلَا تَـخْشٰـی'' جملہ مستأنفہ (مستقل الگ جملہ) ہے یعنی تم نہ ڈرو یا اس کے آخر میں الف اطلاق کے لیے ہے جیسا کہ (درج ذیل) ارشاد ہے: ''وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا'' (الاحزاب:۱۰) ''اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے''۔] چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر رات پہلے پہر میں مصر سے روانہ ہو گئے اور ان کی تعداد ستر ہزار (۷۰۰۰۰) تھی اور انہوں نے فرعونیوں سے ان کے زیورات ادھار لیے ہوئے تھے' پھر علم ہونے پر فرعون قبطی قوم سے چھ لاکھ کا لشکر لے کر سوار ہوا اور ان کے قدموں کے نشانات دیکھتا ہوا تعاقب کرتا رہا' سو درج ذیل ارشاد کا یہی مطلب ہے:

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ يٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ

الْاَیْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِیْهِ فَیَحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبِیْ ۚ وَمَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾

سوفرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کیا تو ان کو دریا نے ڈھانپ لیا جیسا ڈھانپ لیا O اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور سیدھا راستہ نہ دکھایا O اے اولادِ یعقوب! بے شک ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات عطا فرمائی اور ہم نے تم سے طور کی دائیں جانب کا وعدہ کیا اور ہم نے تم پر من اور سلویٰ نازل کیا O تم اس پاکیزہ رزق میں سے کھاؤ جو ہم نے عطا فرمایا اور اس میں حد سے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا' اور جس پر میرا غضب نازل ہوگا تو وہ یقیناً ہلاک ہو گیا O اور بے شک میں اس کو بہت بخشنے والا ہوں' جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا' پھر وہ ہدایت پر قائم رہا O

۷۸-﴿ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ ﴾ سوفرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا [''بِجُنُوْدِهٖ'' حال ہے] یعنی فرعون ان کے پیچھے نکلا' درآں حالیکہ اس کا لشکر اس کے ساتھ تھا ﴿ فَغَشِیَهُمْ مِّنَ الْیَمِّ ﴾ سو ان کو دریا نے ڈھانپ لیا (یعنی) دریا کے پانی نے ان کو پوری طرح گھیر لیا ﴿ مَا غَشِیَهُمْ ﴾ جیسا ان کو ڈھانپ لیا' یہ جامع ترین کلمات میں سے ہے' جو اپنی قلت کے باوجود کثیر معانی دینے میں مستقل رہنمائی کرتا ہے یعنی دریا کے پانی نے فرعونیوں کو اس قدر ڈھانپ لیا کہ اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۷۹-﴿ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ ﴾ اور فرعون نے اپنی قوم کو سیدھے راستے سے بھٹکا دیا اور انہیں گمراہ کر دیا ﴿ وَمَا هَدٰى ﴾ اور فرعون نے اپنی قوم کی سیدھی راہ اور حق کی طرف رہنمائی نہیں کی اور یہ اس کے اس قول کی تردید ہے کہ ''وَمَا اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ'' (غافر:۲۹)'' اور میں تو صرف سیدھی راہ کی طرف تمہاری رہنمائی کرتا ہوں''۔

بنی اسرائیل پر انعاماتِ الٰہیہ کا بیان

۸۰-پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دریا سے نجات دینے اور فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کرنے کے بعد ان پر اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ رات کے وقت میرے بندوں کو لے جاؤ اور ہم نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! ﴿ قَدْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ ﴾ بے شک ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات عطا فرمائی یعنی ہم نے تمہیں فرعون سے نجات عطا فرمائی ﴿ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ ﴾ اور ہم نے کتاب دینے کے لیے تم سے طور کی دائیں جانب کا وعدہ کیا اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس جگہ آنے کا وعدہ فرمایا اور آپ نے ستر آدمیوں کو منتخب فرمایا کہ وہ تورات کے نزول کے وقت آپ کے ساتھ حاضر ہوں گے اور اس وعدہ کی نسبت بنی اسرائیل کی طرف صرف اس لیے کی گئی ہے کہ یہ وعدہ ان کے نبی اور ان کے سرداروں سے کیا گیا تھا اور اس وعدہ کے منافع اور فوائد بھی انہیں لوگوں کی طرف لوٹیں گے جس کے ساتھ ان کی شریعت اور ان کا دین قائم ہے [اور ''الْاَیْمَنَ''، ''جانب'' کی صفت ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور اس کو اپنے جوار (''الطُّوْرِ'') کے سبب مجرور بھی پڑھا گیا ہے] ﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴾ اور ہم نے میدانِ تیہ میں تم پر من اور سلویٰ نازل کیا اور ہم نے تم سے فرمایا:

٨١- ﴿كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ﴾ پاک ولذیذ چیزوں میں سے یعنی حلال چیزیں کھاؤ ﴿مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ جو رزق ہم نے تمہیں عطا فرمائیں [امام عاصم کے علاوہ دیگر کوئی قراء کی قراءت میں "اَنْجَيْتُكُمْ" اور "وَوَاعَدْتُكُمْ" اور "رَزَقْتُكُمْ" ہے] ﴿وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ﴾ اور اس میں سرکشی نہ کرو' اور نہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرو' وہ اس طرح کہ تم نعمتوں کی ناشکری کرنے لگ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو گناہوں کے کاموں میں خرچ کرنا شروع کر دو یا یہ معنی ہے کہ تم رزق کے معاملے میں ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی نہ کرو ﴿فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ﴾ کہ میرا غضب یعنی میرا عذاب تم پر نازل ہو جائے ﴿وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى﴾ اور جس پر میرا غضب نازل ہو جائے گا تو بلاشبہ وہ ہلاک ہو گیا یا وہ ایسی تباہی میں گر گیا کہ اس کے بعد اٹھنا ممکن نہیں اور "هَوٰى" کا اصل معنی یہ ہے کہ آدمی پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو گیا اور یہاں اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی بلندی سے گر کر دوزخ کی آگ کی کھائی میں جا پڑا [قاری علی کسائی کی قراءت میں "فَيَحُلَّ" (حا پر پیش) ہے اور "يَحْلُلْ" (پہلے لام پر بھی پیش) ہے اور باقیوں کے نزدیک دونوں مکسور ہیں اور کسرہ کی صورت میں اس کا معنی وجوب ہے اور یہ "حَلَّ الدَّيْنُ" سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب قرض کا ادا کرنا واجب و لازم ہو جاتا ہے اور یہ مضمون نزول کے معنی میں ہے]۔

٨٢- ﴿وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ﴾ اور بے شک میں اس کو بہت بخشنے والا ہوں' جس نے کفر و شرک سے توبہ کر لی ﴿وَاٰمَنَ﴾ اور ایمان لایا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا ہے اس کی تصدیق کی ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اور اس نے نیک عمل کیے اور فرائض ادا کیے ﴿ثُمَّ اهْتَدٰى﴾ پھر وہ ہدایت پر قائم رہا اور مذکورہ ہدایت پر ثابت قدم رہا اور وہ توبہ اور ایمان اور نیک عمل ہے۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿٨٤﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾

اور اے موسیٰ! کیا چیز تمہیں قوم سے جلدی لے آئی O عرض کیا: وہ یہیں میرے پیچھے ہیں اور اے میرے پروردگار! میں تیری طرف جلدی آ گیا ہوں تا کہ تو (مجھ سے) راضی رہے O فرمایا: بے شک ہم نے تیرے بعد تیری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا ہے O سو موسیٰ غضب ناک ہو کر افسوس کرتے ہوئے اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ آئے' فرمایا: اے میری قوم! کیا تمہارے پروردگار نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا' کیا تم پر معاہدہ طویل ہو گیا یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب نازل ہو جائے' پس تم نے میرے وعدہ کے خلاف کیا O

حضرت موسیٰ کے بعد آپ کی قوم کا بچھڑے کی پوجا کرنے کا بیان

٨٣- ﴿وَمَآ اَعْجَلَكَ﴾ اور کیا تمہیں جلدی لے آئی (یعنی) کون سی چیز تجھے جلدی لے آئی ﴿عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى﴾ اے موسیٰ! تیری قوم سے یعنی قوم کے ان ستر افراد سے جن کو آپ نے خود منتخب فرمایا تھا اور یہ اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ

السلام مقررہ وعدہ پر ان ستر افراد کو اپنے ساتھ لے کر کوہِ طور کی طرف چل پڑے' پھر اپنے رب تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے شوق میں ان سے آگے بڑھ گئے اور انہیں حکم دیا کہ وہ آپ کے پیچھے پیچھے آ جائیں' چنانچہ ان لوگوں سے پہلے جلدی پہنچنے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَمَا اَعْجَلَكَ'' اور تمہیں کون سی چیز جلدی لے آئی یعنی کس چیز نے تمہارے جلدی آنے کو واجب کر دیا ہے [یہ استفہام انکاری ہے اور لفظ ''مَا'' مبتدا ہے اور ''اَعْجَلَكَ'' خبر ہے]۔

٨٤- ﴿قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: وہ یہ ہیں جو میرے پیچھے ہیں یعنی وہ لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں' پس ابھی مجھ سے آن ملیں گے کیونکہ میرے اور ان کے درمیان صرف تھوڑی سی مسافت رہ گئی ہے' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جلدی آنے کی حکمت کو ذکر کیا اور عرض کیا: ﴿وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ﴾ اور اے میرے پروردگار! میں تیری طرف یعنی تیرے اس وعدہ کی طرف' جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا اس لیے جلدی جلدی حاضر ہوا ہوں ﴿لِتَرْضٰى﴾ تا کہ آپ راضی ہو جائیں' (یعنی) تا کہ آپ کی رضا مندی میرے بارے میں مزید بڑھ جائے' نیز اور زیادہ ہو جائے اور یہ اجتہاد کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔

٨٥- ﴿قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم نے تمہاری قوم کو فتنے میں مبتلا کر دیا ہے (یعنی) ہم نے انہیں امتحان میں ڈال دیا ہے ﴿مِنْۢ بَعْدِكَ﴾ ان کے درمیان سے تمہارے نکلنے اور روانہ ہو جانے کے بعد اور قوم سے وہ لوگ مراد ہیں' جو آپ کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ پیچھے رہ گئے تھے ﴿وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ﴾ اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا' کہ اس نے ان کو بچھڑے کی عبادت کی طرف دعوت دی اور انہوں نے اس کی دعوت قبول کر لی اور یہ شخص بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے' جسے سامرہ کہا جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ کرمان کے علاقہ کا کافر تھا (جو بہ ظاہر مسلمان ہو کر بنی اسرائیل میں شامل ہو گیا تھا) سو اس نے ایک بچھڑا بنایا اور اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا اور یہ منافق تھا۔

٨٦- ﴿فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا﴾ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ سے مناجات کرنے کے بعد غضب ناک ہو کر افسوس کرتے ہوئے اپنی قوم کی طرف لوٹ آئے (یعنی) سخت غضب ناک یا بہت غمگین ہو کر واپس لوٹ آئے ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! کیا تمہارے پروردگار نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ انہیں تورات شریف عطا فرمائے گا' جس میں ہدایت اور نور ہوگا اور وہ ایک ہزار سورتوں پر مشتمل ہوگی اور ہر سورت میں ایک ہزار آیتیں ہوں گی' اس کی کتابوں کو ستر اونٹ اٹھائیں گے اور اس سے زیادہ اچھا وعدہ اور کوئی نہیں ہو سکتا ﴿اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ﴾ تو کیا یہ وعدہ تم پر طویل ہو گیا تھا؟ یعنی میری تم سے جدائی کی مدت اور عہد کا معنی زمانہ ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ ''طَالَ عَهْدِىْ بِكَ'' یعنی تیری جدائی کے سبب میرا زمانہ دراز ہو گیا ہے ﴿اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب نازل ہو جائے یعنی تم نے چاہا کہ تم ایسا کام کرو' جس کے سبب تم پر تمہارے رب تعالیٰ کا غضب نازل ہو جائے ﴿فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِىْ﴾ سو تم نے میرے وعدہ کے خلاف کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کے حکم پر قائم رہیں گے اور وہ اس کی آیات کو نہیں چھوڑیں گے اور نہ ایمان ترک کریں گے' پھر انہوں نے بچھڑے کی عبادت اختیار کر کے اس کے وعدہ کے خلاف کیا تھا۔

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِىُّ ﴿٨٧﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ

مُوْسٰى فَنَسِیَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْۤا اَمْرِیْ ﴿۹۰﴾

انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی لیکن اس قوم کے زیورات کے بہت سے بوجھ ہم پر لاد دیے گئے سو ہم نے ان کو (آگ میں) پھینک دیا' پھر سامری نے اسی طرح ڈال دیاO تو اس نے ان کے لیے (سونے کا) ایک بچھڑا بنا کر نکالا جو بے جان جسم تھا گائے کی طرح آواز نکالتا تھا' سو انہوں نے کہا: یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے' پس وہ بھول گیاO کیا وہ دیکھتے نہیں کہ وہ بچھڑا انہیں کسی بات کا جواب نہیں دیتا' اور نہ وہ ان کے کسی قسم کے نفع اور نقصان کا مالک ہےO اور بے شک ہارون نے اس سے پہلے ان کو فرما دیا تھا کہ اے میری قوم! بے شک تمہیں اس کے ذریعے صرف آزمایا گیا ہے' اور بے شک تمہارا پروردگار رحمٰن ہے' سو تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانوO

۸۷- ﴿قَالُوْا مَاۤ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا﴾ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی [نافع مدنی اور عاصم کوفی کی قراءت میں میم پر فتح (زبر) ہے یعنی "بِمَلْكِنَا" ہے اور حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں میم پر ضمہ (یعنی پیش) کے ساتھ "بِمُلْكِنَا" ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک میم کے نیچے کسرہ کے ساتھ "بِمِلْكِنَا" ہے] یعنی ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدہ کے خلاف نہیں کیا بلکہ اگر ہم اپنے معاملے میں بااختیار ہوتے اور ہم (سامری سے) الگ اور تنہا ہوتے اور ہم ہوش مندی سے غور وفکر کرتے تو ہم آپ کی مخالفت نہ کرتے لیکن ہم سامری کی سازش اور اس کے مکر وفریب کے سبب مغلوب ہو گئے ﴿وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَاۤ﴾ لیکن ہم پر ڈال دیا گیا [حجازی' ابن عامر شامی اور امام حفص کی قراءت میں "حا" مضموم (حا پر پیش) میم مشدد مکسور کے ساتھ "حُمِّلْنَا" ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک "حا" مفتوح اور میم مخفف مفتوح کے ساتھ "حَمَلْنَا" ہے] ﴿اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ﴾ قوم کی زینت کا بوجھ (یعنی) قبطی قوم کے زیورات کا بوجھ یا "اَوْزَار" سے مراد یہ ہے کہ یہ زیورات گناہ اور تاوان ہیں کیونکہ انہوں نے یہ زیورات مصر سے نکلتے وقت ادھار مانگ کر لیے تھے۔ سبب یہ بیان کیا تھا کہ کل ہماری عید ہے' پھر (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پر جانے کے بعد) سامری نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام زیورات کی حرمت کی شامت کے سبب قید کر لیے گئے ہیں' اس لیے کہ بنی اسرائیل فرعونیوں کے ساتھ اس طرح رہتے تھے' جس طرح دارالحرب (کافروں کی سرزمین) میں مستأمن (پناہ حاصل کرنے والے) رہتے ہیں اور مستأمن لوگوں کے لیے حربی کا مال لینا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں اس زمانہ میں مالِ غنیمت لینا بھی جائز اور حلال نہیں تھا' لہٰذا تم یہ زیورات جلا دو' پھر جب زیورات پگھل کر آگ کے گڑھے میں آگ بجھنے پر ٹھنڈے ہو گئے تو اس سے بچھڑے کا قالب تیار ہو گیا جس میں رگوں کے مشابہ چھوٹے چھوٹے سوراخ بنے ہوئے تھے اور وہ ایک مکمل بچھڑا بن گیا جو اندر سے خالی تھا اور گائے کی آواز جیسی آواز نکالتا تھا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ سامری نے فرعون کے غرق ہونے کے دن حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں کے نیچے کی مٹی لے کر اپنے پاس رکھ لی تھی' اس نے وہ مٹی بے جان بچھڑے کے مجسمے میں ڈال دی تھی اور یہ گھوڑی فرس الحیاۃ کے نام سے موسوم تھی' چنانچہ وہ زندہ ہو گیا اور گائے جیسی آواز نکالنے لگا اور بنی اسرائیل کی طبیعتیں اس سونے کے بچھڑے کی طرف جھک گئیں اور انہوں نے اس کی عبادت شروع کر دی ﴿فَقَذَفْنٰهَا﴾ سو ہم نے ان زیورات

کو سامری کی آگ میں ڈال دیا' جس کو اس نے ایک گڑھے میں جلا رکھا تھا اور اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم وہ زیورات اس میں پھینک دیں ﴿فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ﴾ تو سامری نے بھی اسی طرح وہ زیورات آگ میں ڈال دیئے جو اس کے پاس تھے یا اس نے وہ مٹی آگ میں ڈال دی جو اس کے پاس تھی' جو اس نے حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے کھر لگنے کے نشان سے لی تھی۔

۸۸۔ ﴿فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا﴾ پھر سامری نے آگ کے گڑھے میں ان کی خاطر ایک بچھڑا نکالا' جس کو اللہ تعالیٰ نے ان زیورات میں سے پیدا فرمایا' جس کو امتحان کی خاطر آگ نے بچھڑے کے روپ میں ڈھال دیا تھا ﴿جَسَدًا﴾ بے جان مجسمہ ﴿لَّهٗ خُوَارٌ﴾ جس کے لیے ایک آواز تھی' اور وہ آواز نکالتا تھا' جس طرح بچھڑے آواز نکالا کرتے ہیں ﴿فَقَالُوْا﴾ پس انہوں نے یعنی سامری اور اس کے پیروکاروں نے کہا: ﴿هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى﴾ یہ تمہارا معبود ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے' پس بارہ ہزار کے علاوہ ان کے باقی عام لوگوں نے یہی جواب دیا ﴿فَنَسِيَ﴾ پس وہ بھول گیا' یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ کو یہاں بھول گئے اور وہ اپنے رب تعالیٰ کو وہاں کوہِ طور کے پاس ڈھونڈنے چلے گئے یا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام کا آغاز ہے یعنی سامری اپنے پروردگار کو بھول گیا اور وہ اس پر جو بہ ظاہر ایمان لایا تھا اس کو بھی ترک کر دیا یا سامری اس بات پر استدلال کرنا بھول گیا کہ بچھڑے کا معبود ہونا جائز نہیں۔ وہ دلیل یہ (درج ذیل) ارشاد ہے:

۸۹۔ ﴿اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا﴾ تو کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ یہ بچھڑا ان کی طرف بات نہیں لوٹاتا یعنی ان کو جواب نہیں دیتا [''اَنْ لَّا يَرْجِعُ'' اصل میں ''اَنَّـهٗ لَا يَرْجِعُ'' ہے' پھر نون ثقیلہ سے خفیفہ کر دیا گیا] ﴿وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا﴾ اور وہ نہ ان کے نقصان کا مالک ہے اور نہ وہ نفع کا مالک ہے یعنی یہ بچھڑا بات چیت کرنے اور جواب دینے سے بھی عاجز ہے اور یہ ان کو نفع و نقصان پہنچانے سے بھی عاجز ہے تو یہ لوگ اس کو معبود کیونکر بناتے ہیں؟ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بچھڑا صرف ایک دفعہ گائے جیسی آواز نکالتا تھا۔

۹۰۔ ﴿وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ﴾ اور بے شک بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واپس لوٹ کر آنے سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام نے ان سے فرمادیا تھا کہ ﴿يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ﴾ اے میری قوم! بے شک تمہیں اس بچھڑے کے ذریعے امتحان و آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے' سو تم اس کی عبادت نہ کرو ﴿وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ﴾ اور بے شک تمہارا رب صرف رحمٰن ہے' بچھڑا تمہارا رب نہیں ہے ﴿فَاتَّبِعُوْنِيْ﴾ سو تم میری پیروی کرو (یعنی) تم میرے دین کی پیروی کرنے والے بن جاؤ ﴿وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ﴾ اور تم میرا حکم مانو اور بچھڑے کی عبادت ترک کر دو۔

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ
اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿٩٣﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا
بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿٩٤﴾
قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ

الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿٩٦﴾

انہوں نے کہا: ہم اس کی عبادت پر قائم رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ ہماری طرف واپس لوٹ آئیں O فرمایا: اے ہارون! جب تم نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا تو تمہیں کس چیز نے روکا O کہ تم نے میری پیروی نہیں کی تو کیا تم نے میرا حکم نہیں مانا O کہا: اے میرے ماں جائے! میری ڈاڑھی نہ پکڑو اور نہ میرا سر پکڑو' بے شک مجھے اندیشہ ہوا کہ تم کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا خیال نہیں رکھا O فرمایا: اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟ O اس نے کہا: میں نے وہ چیز دیکھ لی' جس کو انہوں نے نہیں دیکھا' سو میں نے خدا کے بھیجے ہوئے (فرشتے) کے نشانِ قدم سے مٹی کی ایک مٹھی اٹھالی تھی اور میں نے اس کو (بچھڑے کے بے جان جسم میں) ڈال دیا اور اسی طرح میری طبیعت نے میرے لیے یہ بات گھڑ لی O

٩١-﴿ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم اس پر جمے رہیں گے' یعنی ہم بچھڑے اور اس کی عبادت پر ہمیشہ قائم رہیں گے ﴿ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴾ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہماری طرف واپس لوٹ آئیں' پس ہم انتظار کریں گے آیا وہ بھی اس بچھڑے کی عبادت کرتے ہیں جیسا کہ ہم اس کی عبادت کر رہے ہیں اور آیا سامری سچا ہے یا نہیں؟

٩٢- پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام (کوہِ طور سے کتاب لے کر) واپس تشریف لائے تو ﴿ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴾ فرمایا: اے ہارون! جب تم نے ان کو دیکھا کہ وہ بچھڑے کی عبادت کر کے گمراہ ہو گئے ہیں تو تمہیں (میری تابع داری سے) کس نے روکا تھا۔

٩٣-﴿ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ﴾ کہ تم نے میری پیروی نہیں کی [ابن کثیر مکی کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں ''یا'' کے ساتھ ''اَلَّا تَتَّبِعَنِیْ'' ہے۔ ابوعمرو اور نافع مدنی نے حالتِ وصل میں اس کی موافقت کی ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک ''یا'' کے بغیر ہے] یعنی تمہیں کس نے اکسایا کہ کسی چیز کے کرنے سے روکنے والے اور اس کے ترک کی طرف دعوت دینے والے کے درمیان تعلق پائے جانے کے باوجود تم نے میری پیروی نہیں کی اور بعض نے کہا کہ ''لَا'' زائدہ ہے (اور تحسینِ کلام کے لیے ہے) اور معنی یہ ہے کہ تمہیں میری پیروی کرنے سے کس چیز نے روکا تھا جب کہ انہوں نے تیری بات قبول نہیں کی تھی اور تم مجھ سے آ کر ملتے اور مجھے آ کر اطلاع دیتے یا تمہیں کس نے منع کیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے غضب ناک ہونے میں میری پیروی کرتے اور تم نے اس سے جنگ کیوں نہیں کی' جس نے اس کا کفر کیا جس پر پہلے ایمان لا چکا تھا اور تمہیں کیا ہو گیا تھا کہ تم نے خود کام نہیں سنبھالا جیسا کہ میں خود سنبھال لیتا اگر میں اس وقت موجود ہوتا ﴿ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴾ کیا تم نے میرا حکم نہیں مانا یعنی میں نے جو تمہیں حکم دیا تھا کہ تم ان کی مصلحتوں کی نگرانی کرنا۔

٩٤- پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غضب ناک ہو کر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ سے حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کے بالوں کو اور اپنے بائیں ہاتھ سے ان کی ڈاڑھی کو پکڑا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حق میں غیرت کا مظاہرہ کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عادت تھی ﴿ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ﴾ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا: اے میری ماں کے بیٹے! میری ڈاڑھی نہ پکڑو اور نہ میرے سر (کے بالوں) کو پکڑو [1]

[1] **ایک مشت ڈاڑھی کی اہمیت**

واضح رہے کہ ڈاڑھی کا مونڈنا' منڈوانا حرام ہے اور مطلق ڈاڑھی بڑھانا واجب و لازم ہے اور ایک مشت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جمہور کے نزدیک حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں حقیقی بھائی تھے' دونوں کی ماں بھی ایک تھی اور دونوں کا باپ بھی ایک تھا لیکن حضرت ہارون نے یہاں صرف ماں کا ذکر اس لیے کیا تا کہ حضرت موسیٰ کا دل نرم ہو جائے اور سختی کی بجائے مہربانی سے پیش آئیں [اور ابن عامر شامی اور امام حفص کے علاوہ دیگر کوفی قراء کی قراءت میں میم مجرور کے ساتھ "یَبْنَؤُمِّ" ہے] ﴿اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ بے شک مجھے خوف لاحق ہوا کہ اگر بنی اسرائیل آپس میں ایک دوسرے سے لڑے تو آپ (مجھ سے) کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا یا مجھے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر میں نے انہیں چھوڑ دیا اور میں نے آپ کی پیروی کی اور ان میں سے ایک گروہ میرے ساتھ مل گیا اور ایک گروہ نے سامری کی پیروی اختیار کر لی تو آپ (مجھ سے) کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی ﴿وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ﴾ اور تم نے میری بات کا خیال نہیں رکھا اور نہ تم نے میری بات کو یاد رکھا (جو بات میں نے کوہِ طور پر جاتے وقت تم سے کہی تھی کہ) "اُخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ O" (الاعراف: ١٤٢) "تم میری قوم میں میرے نائب بن کر رہنا اور اصلاح کرتے رہنا اور فساد پھیلانے والوں کی راہ پر نہ چلنا"۔ اور یہ آیتِ مبارکہ اجتہاد کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مشت ڈاڑھی رکھنا مسنون ہے' یعنی اس سے کم کرنا خلافِ سنت اور ناجائز ہے۔ یہاں اختصار کی وجہ سے چند احادیث و آثار اور فقہاء کے حوالہ جات شرح مسلم سے منتخب کر کے پیش کیے جائیں گے۔ مکمل تفصیل و تحقیق کے لیے شرح مسلم ج ٦' مطبوعہ فرید بک سٹال' ٣٨ اُردو بازار لاہور نمبر ٢ میں ملاحظہ فرمائیں۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

(١) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "انھکوا الشوارب واعفوا اللّحی" "تم مونچھوں کو بہت کم کرو اور ڈاڑھیوں کو (اپنے حال پر) چھوڑ دو' یعنی بڑھاؤ۔

(صحیح بخاری ج ٢ ص ٨٧٥' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٨١ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

(٢) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "احفوا الشوارب واعفوا اللّحی" "مونچھوں کو بہت کم کرو اور ڈاڑھیوں کو چھوڑ دو (یعنی مت کاٹو)۔ (صحیح مسلم ج ١ ص ١٢٩' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٧٥ھ)

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

(٣) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے "انّہ امر باحفاء الشوارب واعفاء اللحیۃ" "مونچھوں کو پست کرنے اور ڈاڑھی کو بڑھانے کا حکم دیا۔ (صحیح مسلم ج ١ ص ١٢٩' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٧٥ھ)

(٤) عبید اللہ بن عتبہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ایک مجوسی آیا درآں حالیکہ اس نے ڈاڑھی منڈائی ہوئی تھی اور مونچھیں لمبی رکھی ہوئی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے فرمایا: "مَا ھٰذَا؟" "یہ کیا ہے؟" "قَالَ ھٰذَا فِیْ دِیْنِنَا" "اس نے کہا: یہ ہمارے دین میں ہے۔" "قَالَ فِیْ دِیْنِنَا اَنْ نَّجُزَّ الشَّارِبَ وَاَنْ نُّعْفِیَ اللِّحْیَۃَ" "آپ نے فرمایا: ہمارے دین میں یہ ہے کہ ہم مونچھیں کم کرائیں اور ڈاڑھی بڑھائیں۔ (المصنف ج ٨ ص ٣٧٩' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی)

(٥) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ فتح کیا تو فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب پینے اور اس کی قیمت لینے کو حرام کر دیا اور فرمایا: "وقصوا الشوارب واعفوا اللحی" "اور تم مونچھیں کم کراؤ اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور بغیر تہبند پہنے بازاروں میں مت چلو کیونکہ جو شخص ہمارے غیر کے طریقہ پر عمل کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مجمع الزوائد ج ٥ ص ١٦٨۔١٦٩' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

٩٥- پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کی شرارت پر انکار فرمایا' چنانچہ ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ﴾ آپ نے فرمایا: اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟ اور تیرا کون سا مقصد ہے جس نے تجھے اس عمل پر اُبھارا ہے؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)(٦) امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مونچھیں تراشو اور ڈاڑھی کو دراز کرو' مجوس کی مخالفت کرو۔ (صحیح مسلم ج ا ص ١٢٩ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

(٧) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دس چیزیں انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہیں: مونچھیں کاٹنا' ڈاڑھی دراز کرنا' مسواک کرنا' ناک میں پانی ڈالنا' ناخن کاٹنا' جوڑوں کو دھونا' بغلوں کے بال نوچنا' زیرناف بال مونڈنا اور پانی سے استنجاء کرنا۔ حضرت مصعب کہتے ہیں: دسویں چیز میں بھول گیا ہوں مگر یہ کہ وہ کلی کرنا ہو۔
(صحیح مسلم ج ا ص ١٢٩ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت' کراچی' ١٣٧٥ھ)

(٨) امام بیہقی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا سر اور ڈاڑھی بڑی تھی۔
(دلائل النبوۃ ج ٢ ص ٢١٦ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

(٩) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سر مبارک بھاری اور ڈاڑھی دراز تھی۔ (دلائل النبوۃ ج ٢ ص ٢١٦ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

(١٠) رسول اللہ ﷺ کی ڈاڑھی گھنی تھی۔ (حوالہ مذکورہ بالا)

(١١) قاضی عیاض مالکی نے روایت بیان کی ہے کہ آپ کی ڈاڑھی گھنی تھی' جو سینہ مبارک کو بھر لیتی تھی۔
(شفاء ج ا ص ٣٨ 'مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی' ملتان)

(نوٹ: مذکورہ بالا احادیث میں سے پہلی سات احادیث میں مونچھوں کو پست کرانے اور ڈاڑھیوں کو بڑھانے کا حکم بیان کیا گیا ہے جب کہ آخری چار احادیث یعنی آٹھ سے گیارہ تک میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ڈاڑھی مبارک کا بیان تھا مگر یہ تمام احادیث مجمل و مبہم ہیں کیونکہ ان میں ڈاڑھی کی شرعی مقدار کی تفصیل اور وضاحت بیان نہیں کی گئی' اس لیے ان کے بعد اب مزید چند احادیث اور اقوالِ فقہاء بیان کیے جائیں گے' جن میں سنت کے مطابق شرعی مقدار ایک مشت بیان کی جائے گی۔ غوثوی)

(١) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو' ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں باریک کرو اور جب حضرت ابن عمر حج یا عمرہ کرتے تو اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں پکڑتے اور جو مقدار مٹھی سے زائد ہوتی اس کو کاٹ دیتے۔
(صحیح بخاری ج ٢ ص ٨٧٥ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٨١ھ)

(٢) ابوزرعہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں پکڑتے اور مٹھی سے زائد ڈاڑھی کو کاٹ دیتے۔
(المصنف ج ٨ ص ٣٧٤)

(٣) حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ڈاڑھی کو (ایک مشت ہو جانے کے بعد زائد بالوں کو) طول اور عرض سے کچھ کم کر کے برابر کر دیتے تھے۔
(شعب الایمان ج ٥ ص ٢٢١ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں کہ ڈاڑھی کو لمبا کرنے کے ارادہ سے تیل نہ لگایا جائے ''اذا كانت بقدر المسنون وهو القبضة'' جب کہ ڈاڑھی کی مقدار سنت کے مطابق ہو اور وہ ایک مشت ہے۔ (ہدایہ اوّلین ص ٢٠١ 'مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں کہ ''وهو اى القدر المسنون فى اللحية القبضة'' اور ڈاڑھی میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

٩٦-﴿قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ﴾ سامری نے کہا: میں نے وہ چیز دیکھی ہے' جو انہوں نے نہیں دیکھی۔ زجاج نے کہا کہ ''بَصُرَ'' بہ معنیٰ ''عَلِمَ'' ہے اور ''اَبْصَرَ'' بہ معنیٰ ''نَظَرَ'' ہے یعنی میں نے وہ چیز جان لی ہے' جس کو بنی اسرائیل نے نہیں جانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وہ کیا چیز ہے؟ سامری نے کہا کہ میں نے حضرت جبریل کو فرسِ حیات (زندگی والی گھوڑی) پر سوار ہوا دیکھا تو میرے دل میں یہ بات ڈال دی گئی کہ میں اس کے نشانِ قدم سے ایک مٹھی مٹی اٹھا لوں' پھر میں نے اس کو جس چیز پر ڈالا اس میں زندگی آ گئی اور اس میں گوشت پوست اور خون پیدا ہو گیا (اور وہ چیز جان دار

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مسنون مقدار ایک مشت ہے۔ (فتح القدیر ج ٢ ص ٢٧٠' مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر)

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ ''بقدر المسنون وهو القبضة'' (ڈاڑھی میں) مسنون مقدار ایک مشت ہے۔ (نہایہ ج ١ ص ١٣٤٤' مطبوعہ منشی نولکشور' لکھنؤ)

علامہ زین الدین ابن نجیم لکھتے ہیں کہ ''بقدر المسنون وهو القبضة'' (اور ڈاڑھی میں) مسنون مقدار ایک مشت ہے۔ (البحر الرائق ج ٢ ص ٢٨٠' مطبوعہ علمیہ' مصر)

علامہ زیلعی لکھتے ہیں: ''بقدر المسنون وهو القبضة'' (اور ڈاڑھی میں) مسنون مقدار ایک مشت ہے۔ (تبیین الحقائق ج ١ ص ٣٣١' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان)

ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں کہ ''اقول ينبغي ان يدرج في اخذها لتصير مقدار قبضة على ما هو السنة والاعتدال المتعارف'' میں کہتا ہوں کہ ڈاڑھی کو اس وقت کاٹنا چاہیے کہ اس کی مقدار ایک مشت ہو جائے جو کہ سنت اور میانہ روی کا متعارف (ومشہور) طریقہ ہے۔ (مرقات ج ٨ ص ٢٩١' مطبعہ عامرہ شرفیہ' مصر)

علامہ شامی لکھتے ہیں: ''(والسنة فيها القبضة) وهو ان يقبض الرجل لحيته فما زاد منها على قبضة قطعه'' ڈاڑھی میں سنت ایک مشت ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر ایک مشت سے زائد کو کاٹ دے۔ (رد المحتار ج ٥ ص ٣٥٩)

ایک اہم تنبیہ (از غوثوی)

حدیث کی مشہور کتاب ''تنویر'' میں ایک حدیث ہے' جس کو ''شرح شرعۃ الاسلام'' سے علامہ محمد ہاشم سندھی نے ''بیاض'' میں نقل کیا ہے' وہ یوں ہے:

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ شعیب سے' وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں: ''انه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كان ياخذ من لحيته طولا وعرضا اذا زاد على القبضة كذا في التنوير'' کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ڈاڑھی مبارک کو طول اور عرض سے کچھ ترشوا دیا کرتے تھے جب کہ وہ ایک مٹھی سے زیادہ ہو جاتی تھی۔ (بیاض ج ٣ ص ٢٠)

یہ حدیث ''ترمذی'' میں بھی آئی ہے مگر اس میں ''اذا زاد على القبضة'' نہیں ہے اور اس طرح غیر واضح ہونے کی وجہ سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ ایک مٹھی سے شاید کم ترشوانا بھی جائز ہو' حالانکہ ایک مشت سے کم ترشوانا خود حضور اور صحابہ کرام کے عمل اور چودہ سو سال کے اجماع و تعامل کے خلاف ہے' اس لیے علامہ علی قاری نے لکھا ہے: ''سيجيئ استحباب اخذ اللحية طولا وعرضا ولكنه مقيد بما زاد على القبضة'' یعنی عنقریب آگے آئے گا کہ ڈاڑھی کا طول و عرض سے کچھ ترشوانا مستحب ہے لیکن یہ ترشوانا مطلق نہیں بلکہ اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ جب ڈاڑھی ایک مشت سے زیادہ ہو جائے تب ترشوائی جائے۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ٤ ص ٤٥٧) پھر آگے ص ٤٦٢ پر ''ترمذی'' کی حدیث پر تحریر فرمایا ہے کہ ''وقيد الحديث (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بن گئی) [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "تا" کے ساتھ (فعل مخاطب) "لَمْ تَبْصُرُوْا" ہے] ﴿فَقَبَضْتُ قَبْضَةً﴾ سو میں نے ایک مٹھی بھر لی۔ "قبضة" کا معنی ہے: ایک بار مٹھی بھر لینا اور یہ "مقبوض" (جو مٹھی میں بھر لی جائے) پر بھی بولا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فی شرع الشرعة بقوله اذا زاد علی القبضة و جعله فی التنویر من نفس الحدیث" یعنی یہ حدیث مطلق نہیں بلکہ "شرع شرعۃ الاسلام" میں اس شرط کے ساتھ مقید کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مشت سے زیادہ حصے کو طول و عرض سے ترشوا دیا کرتے تھے اور ایک مشت سے زیادہ کی صراحت حدیث کی کتاب "تنویر" میں خود اصل حدیث میں موجود ہے۔
(ماخوذ از "ڈاڑھی کی اسلامی حیثیت" ص ۴۳۔۴۴)

ایک اہم ترین فائدہ

اگرچہ بعض فقہاء نے ایک مشت ڈاڑھی کو واجب قرار دیا ہے لیکن چونکہ احادیثِ مبارکہ میں صرف ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھیں پست کرانے کا حکم موجود ہے مخصوص ایک مشت تک ڈاڑھی بڑھانے کا حکم موجود نہیں ہے' اس لیے ایک مشت ڈاڑھی رکھنا واجب تو نہیں ہے البتہ مؤکدہ ترین سنت ضرور ہے کیونکہ یہ تمام انبیائے کرام خصوصاً حضور سیّد عالم ﷺ اور خلفاء راشدین' نیز دیگر صحابہ کرام کی عملی سنت متواترہ قدیمہ دائمہ ہے اور علامہ حصکفی "درمختار" میں لکھتے ہیں کہ "والشرط فی المؤکدة المواظبة مع ترك ولو حكما" (یعنی) سنت مؤکدہ میں حکمی ترک کے ساتھ دوام و ہمیشگی شرط ہے' جب کہ ایک مشت ڈاڑھی میں بغیر ترک کے دوام و ہمیشگی متواتر موجود ہے کیونکہ تمام انبیائے کرام اور خود حضور اور صحابہ کرام کے متعلق ایک مشت ڈاڑھی سے کم ترشوانے کا کسی حدیث میں نہیں ملتا' نیز علامہ شامی نے "ولو حکما" کی تشریح میں سنت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا: "والذی ظهر للعبد الضعیف ان السنة ما واظب علیه النبی ﷺ لکن ان کانت لامع الترك فهی دلیل السنة المؤکدة وان کانت مع الترك احیانا فهی دلیل غیر المؤکدة" (یعنی) اور اس کمزور بندے کے لیے سنت کی جو تعریف ظاہر ہوئی ہے' وہ یہ ہے کہ سنت وہ عمل ہے' جس کو حضور نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ کیا لیکن اگر بغیر ترک کیے ہمیشہ کیا ہو تو یہ سنت مؤکدہ کی دلیل ہے اور اگر کبھی کبھی ترک بھی کیا ہو تو یہ سنت غیر مؤکدہ کی دلیل ہے۔ (ردالمحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۷۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت) نیز علامہ شامی اسی پہلی جلد کے ص ۴۳۰ پر لکھتے ہیں: "السنة قسمان سنة هدی وهی المؤکدة وسنة زوائد والمستحب غیره" (یعنی) سنت کی دو قسمیں ہیں: ایک سنت ھدیٰ ہے اور یہی سنت مؤکدہ ہے اور دوسری سنت زوائد اور مستحب ہے اور یہ غیر مؤکدہ ہے' لہٰذا ایک مشت ڈاڑھی رکھنا سنت ھدیٰ اور مؤکدہ ہے' سنن زوائد میں سے نہیں' نیز اسی ص ۷۱ پر ہے: سنتِ مؤکدہ کا نام سنت ھدیٰ رکھا گیا اور سنت غیر مؤکدہ کا نام سنت زوائد رکھا گیا ہے' اور "بحر الرائق" اور "درغرر" میں ہے: "الاخذ من اللحیة وهی دون القبضة کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحه احد واخذ کلها فعل مجوس الاعاجم والیهود والهنود وبعض اجناس الزنج" ڈاڑھی میں سے اس قدر بالوں کا لینا اور ترشوانا جب کہ وہ ایک مشت سے کم ہو جائیں جیسا کہ بعض مغربی لوگ اور زنانے (ہیجڑے) کرتے ہیں یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں اور ڈاڑھی کا بالکل منڈوانا مجوسیوں' یہودیوں' ہندوؤں اور بعض زنگیوں کا فعل ہے۔ (احکام الملۃ الحقۃ فی تفسیق قاطع اللحیۃ ص ۱۴) نیز علامہ حصکفی نے "درمختار" میں اور علامہ شامی نے "ردالمحتار" میں یہی کچھ لکھا ہے۔

(دیکھئے: ردالمحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۱۱۳' کتاب الصوم' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ان حوالہ جات سے بھی معلوم ہوا کہ ایک مشت ڈاڑھی رکھنا سنت مؤکدہ ہے' یہی معتدل قول ہے جب کہ وجوب میں تشدید ہے اور غیر مؤکدہ و مستحب قرار دینے میں بے جا تخفیف ہے۔ واللہ اعلم (غوثوی)

جاتا ہے [جیسے مصدر کو مفعول کا نام دیا جاتا ہے' مثلاً ''ضرب الامیر''] اور اس کو (صاد کے ساتھ) ''فَقَبَصْتُ قَبْصَةً'' بھی پڑھا گیا ہے' چنانچہ جب ضاد کے ساتھ ہو تو پوری مٹھی بھرنا مراد ہوتا ہے اور جب صاد کے ساتھ ہو تو انگلیوں کے اطراف سے چٹکی بھرنا مراد ہوتا ہے ﴿مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ﴾ بھیجے ہوئے فرشتے کے نشان سے' یعنی بھیجے گئے فرشتے کی گھوڑی کے نشانِ قدم سے ﴿فَنَبَذْتُهَا﴾ پھر میں نے اس کو ڈال دیا (یعنی) میں نے وہ مٹی بچھڑے کے پیٹ میں ڈال دی ﴿وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ﴾ اور اس طرح میرے دل نے میرے لیے (یہ کام) آراستہ کر دیا کہ اس کو میں کر گزروں' سو میں نے اس کام کو اپنی خواہش کے تابع ہو کر کر دیا ہے اور یہ دراصل غلطی کا اعتراف ہے اور اس سے معذرت کا اظہار ہے۔

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰۤی اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَیْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۚۖ ﴿۹۹﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وِزْرًا ۙ﴿۱۰۰﴾

فرمایا: پس تو چلا جا' سو تیرے لیے زندگی میں یقیناً یہی سزا ہے کہ تو کہتا رہے کہ ہاتھ مت لگانا' اور بے شک تیرے لیے ایک وعدہ مقرر ہے' جس کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کی جائے گی' اور تو اپنے معبود کی طرف دیکھ' جس کی عبادت پر تو جما رہا' ہم اسے ضرور جلا دیں گے' پھر ہم اس کو ضرور ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بہا دیں گے ○ بے شک تمہارا معبود صرف اللہ تعالیٰ ہے' جس کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کا علم ہر چیز کو حاوی ہے ○ اسی طرح ہم آپ سے گزشتہ خبریں بیان کرتے ہیں' اور بے شک ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ذکر عطا فرمایا ○ جو شخص اس سے منہ پھیرے گا تو بے شک وہ قیامت کے دن ایک بوجھ اٹھائے گا ○

۹۷- ﴿قَالَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ ﴿فَاذْهَبْ﴾ پس تو ہمارے درمیان سے راندۂ درگاہ ہو کر چلا جا ﴿فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیٰوةِ﴾ پس جب تک تو زندہ رہے گا پوری زندگی میں تیرے لیے یہی سزا ہے ﴿اَنْ تَقُوْلَ﴾ کہ جو بھی تجھ سے ملنا چاہے گا اور تیرے حال سے ناواقف ہوگا تو اس سے کہتا رہے گا: ﴿لَا مِسَاسَ﴾ مت چھونا یعنی مجھے کوئی نہیں چھوئے گا اور نہ میں کسی کو چھوؤں گا' پس تمام لوگوں سے ملنا جلنا مکمل طور پر ممنوع قرار دے دیا گیا اور لوگوں پر اس کا ملنا جلنا اور اس سے بات چیت کرنا اور اس سے خرید و فروخت کرنا حرام کر دیا گیا تھا اور جب ایسا اتفاق ہو جاتا کہ وہ کسی کو چھو لیتا تو چھونے والے کو اور جس کو چھوا گیا اس کو یعنی دونوں کو بخار ہو جاتا اور وہ جنگل میں چیختا پھرتا رہتا تھا کہ ''لَا مِسَاسَ'' مت چھونا اور کہا جاتا ہے: آج تک اس کی اولاد میں یہ بات موجود ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو قتل کرنا چاہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی سخاوت کی وجہ سے اس کے قتل سے آپ کو منع کر دیا تھا ﴿وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ﴾ اور بے شک تیرے لیے ایک وعدہ مقرر ہے جس کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کی جائے گی (یعنی) اللہ تعالیٰ نے تجھ سے کفر و شرک کرنے اور زمین میں فساد پھیلانے پر تجھے عذاب دینے کا جو وعدہ کیا ہے [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو کی قراءت

میں ''لَنْ تُخْلِفَهٗ'' (فعل معروف) ہے] اور یہ ''اَخْلَفْتَ الْمَوْعِدَ'' تو نے وعدہ خلافی کی' سے ماخوذ ہے جب تم اسے وعدہ خلاف پاؤ ﴿ وَانْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا ﴾ اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ' جس پر تو جم کر قائم رہتا ہے [''ظَلْتَ'' اصل میں ''ظَلِلْتَ'' تھا' پھر تخفیف کے لیے پہلے لام کو حذف کر دیا گیا] ﴿ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ﴾ ہم اس کو ضرور آگ میں جلا دیں گے ﴿ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ﴾ پھر اس کو توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بہا دیں گے' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو آگ میں جلا دیا اور اس کی راکھ کو ذرہ ذرہ کر کے دریا میں بہا دیا اور بعض بنی اسرائیل نے اس کی محبت میں اس دریا سے پانی پینا شروع کر دیا' جس کی وجہ سے ان کے ہونٹ سونے کی زردی کی طرح زرد ہو گئے۔

٩٨- ﴿ اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴾ بے شک تمہارا برحق معبود صرف اللہ تعالیٰ ہے' جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ [''عِلْمًا'' تمیز ہے] یعنی اس کا علم ہر چیز سے وسیع تر ہے (کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے)۔

قرآنِ مجید سے روگردانی کا وبال اور قیامت کا منظر

٩٩- ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ [اس میں کاف محلاً منصوب ہے] یعنی جس طرح ہم نے آپ سے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا قصہ بیان کیا ہے اسی طرح ﴿ نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ﴾ ہم آپ سے ان لوگوں کے حالات و اخبار بیان کرتے ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں (یعنی) ہم آپ سے گزشتہ امتوں کے واقعات و حالات اور ان کی خبریں آپ کے روشن دلائل بڑھانے اور آپ کے معجزات میں اضافہ کرنے کے لیے بیان کرتے ہیں ﴿ وَقَدْ اٰتَیْنٰكَ ﴾ اور بے شک ہم نے آپ کو دیا ہے یعنی بے شک ہم نے آپ کو عطا فرمایا ہے ﴿ مِنْ لَّدُنَّا ﴾ اپنے پاس سے ﴿ ذِكْرًا ﴾ ذکر (یعنی) قرآن کیونکہ یہ عظیم ترین ذکر (یعنی اعلیٰ ترین نصیحت) ہے اور بڑا مہربان قرآن ہے' اس میں ہر اس شخص کے لیے نصیحت و نجات موجود ہے' جو اس پر پوری طرح متوجہ ہو گا اور اس پر عمل کرے گا اور یہ ایسے واقعات' قصوں اور خبروں پر مشتمل ہے' جو اس لائق ہیں کہ ان میں غور و فکر کیا جائے اور ان سے عبرت و سبق حاصل کیا جائے۔

١٠٠- ﴿ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ ﴾ جس شخص نے اس ذکر سے منہ پھیر لیا' جس سے قرآن مجید مراد ہے اور اس پر ایمان نہیں لایا ﴿ فَاِنَّهٗ یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وِزْرًا ﴾ تو بے شک وہ قیامت کے روز گناہوں کا بوجھ اٹھائے گا' بڑا بھاری عذاب ہو گا اور اس کا نام ''وزر'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ بوجھ اٹھانے والے پر بوجھ اٹھانے کی مشقت و تکلیف کو ایسے بھاری بوجھ سے تشبیہ دی گئی ہے جو بوجھ اٹھانے والے کی کمر کو توڑ دے گا اور اس پر اپنی ساری تکلیف ڈال دے گا یا اس لیے کہ وہ ''وزر'' کی سزا ہو گا اور وہ گناہ ہے۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حِمْلًا ﴿١٠١﴾ یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ﴿١٠٢﴾ یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا ﴿١٠٤﴾ وَیَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا تَرٰى فِیْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا ﴿١٠٧﴾ یَوْمَىِٕذٍ

ع ١٥ / ١٤

يَتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾

جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور قیامت کے دن ان کے لیے وہ بوجھ کتنا بُرا ہوگا O جس روز صور میں پھونکا جائے گا اور ہم اس روز گنہگاروں کو اس حالت میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی O وہ آپس میں ایک دوسرے سے آہستہ کہیں گے کہ تم دنیا میں صرف دس راتیں ٹھہرے تھے O ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہیں گے جب ان میں سے بڑا عقل مند کہے گا کہ تم صرف ایک ہی دن ٹھہرے تھے O اور یہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں سو (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میرا پروردگار ان کو ریزہ ریزہ کر دے گا O پھر وہ اس (زمین) کو ہموار میدان بنا کر چھوڑے گا O آپ اس میں نہ کجی دیکھیں گے اور نہ اونچ نیچ O اس دن وہ ایک پکارنے والے کے پیچھے چلیں گے اس کے لیے کوئی کجی نہیں ہوگی اور رحمٰن کے لیے سب آوازیں پست ہو جائیں گی پس آپ نہیں سنیں گے مگر بہت آہستہ آواز O

١٠١- ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهِ﴾ وہ لوگ اس "وزر" میں ہمیشہ رہیں گے یعنی "وزر" کی سزا میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ عذاب ہوگا ["خَالِدِيْنَ"، "يَحْمِلُ" سے حال واقع ہو رہا ہے اور اس کو جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ "مَنْ" معنوی لحاظ سے جمع ہے اور "فَاِنَّهٗ" میں ضمیر کو واحد اس لیے لایا گیا ہے کہ "مَنْ" لفظ کے اعتبار سے واحد ہے] ﴿وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا﴾ اور قیامت کے دن ان کے لیے بہت بُرا بوجھ ہوگا ["سَآءَ"، "بِئْسَ" کے حکم میں ہے اور اس میں مبہم ضمیر ہے جس کی تفسیر "حِمْلًا" کر رہا ہے اور "حِمْلًا" تمیز ہے اور "لَهُمْ" میں لام بیانیہ ہے جیسا کہ "هَيْتَ لَكَ" (یوسف:٢٣) میں ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے جس پر سابق "وِزْرًا" دلالت کرتا ہے] تقدیر عبارت یوں ہے: "سَآءَ الْحَمْلُ حِمْلًا وِزْرُهُمْ" بہت بُرا بوجھ ہے ان کے گناہ کا۔

١٠٢- ﴿يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ﴾ جس دن صور میں پھونکا جائے گا (یعنی) سینگ نما بگل پھونکا جائے گا یا یہ "صورة" (شکل وصورت) کی جمع ہے یعنی اس روز تمام صورتوں میں روحوں کو پھونکا جائے گا جس کی دلیل حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت "فِي الصُّوَرِ" واؤ پر زبر کے ساتھ ہے جو "صُوْرَة" کی جمع ہے [یہ "يَوْمَ الْقِيَامَةِ" سے بدل ہے اور ابوعمرو کی قراءت میں (نون کے ساتھ فعل جمع متکلم) "نَنْفَخُ" ہے] ﴿وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا﴾ اور ہم مجرموں کو اس روز اس حال میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی یعنی وہ اندھے ہو جائیں گے ["زُرْقًا" حال ہے] جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا" (بنی اسرائیل:٩٧) "اور ہم قیامت کے دن ان کو ان کے چہروں کے بل اندھا کر کے اٹھائیں گے اور یہ اس لیے کہ جس کی آنکھ کا نور چلا جاتا ہے اس کی آنکھ کی سیاہی تبدیل ہو کر نیلی ہو جاتی ہے"۔

١٠٣- ﴿يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ﴾ وہ لوگ باہم سرگوشیاں کریں گے یعنی اس دن کی ہولناکی کی وجہ سے وہ لوگ ایک دوسرے کو آہستہ سے کہیں گے کہ ﴿اِنْ لَّبِثْتُمْ﴾ تم دنیا میں نہیں ٹھہرے ﴿اِلَّا عَشْرًا﴾ مگر دس یعنی دس راتیں کیونکہ وہ لوگ قبروں میں یا دنیا میں اپنی ٹھہرنے کی مدت کو تھوڑا خیال کریں گے اس لیے کہ جب وہ ان مصائب وتکالیف کو دیکھیں گے جو ان نعمتوں اور سرور وآرام کے دن یاد دلا دیں گے تو وہ ان پر افسوس کریں گے اور ان دنوں کو تھوڑا تصور کریں گے کیونکہ خوشی کے دن کم لگتے ہیں یا اس لیے کہ وہ آرام کے دن ان سے گزر چکے اور گزر جانے کی مدت اگر چہ دراز اور طویل ہو ختم ہو جانے پر تھوڑی لگتی ہے یا وہ اپنی آخرت کی طویل مدت کی وجہ سے یہ کہیں گے کیونکہ آخرت کی زندگی دائمی اور ابدی ہوگی جس

کے مقابلے میں دنیا کی زندگی قلیل وقصیر اور تھوڑی سی محسوس ہوگی اور دنیا میں ٹھہرنے کی مدت کو آخرت میں ٹھہرنے کی مدت پر قیاس کر کے تھوڑا خیال کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے قول کو ترجیح دی ہے' جس نے ان میں سے سب سے زیادہ کم مدت بیان کی' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

١٠٤-﴿ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً ﴾ ہم خوب جانتے ہیں' جو کچھ وہ کہیں گے جب ان میں سے انصاف سے بھرپور بات کرنے والا کہے گا: ﴿ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴾ کہ تم نہیں ٹھہرے مگر صرف ایک دن' اور یہ اس ارشاد کی طرح ہے: ''قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ'' (المؤمنون:١١٣) ''وہ کہیں گے: ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے تھے' سو تم گنتی والوں سے پوچھ لو''۔

١٠٥-﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ ﴾ اور وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ لوگوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے سوال کیا تھا کہ قیامت کے دن پہاڑوں کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور بعض نے کہا کہ کسی نے سوال نہیں کیا تھا بلکہ تقدیر عبارت یہ ہے کہ ''اِنْ سَاَلُوْكَ'' اگر وہ آپ سے سوال کریں ﴿ فَقُلْ ﴾ تو آپ فرما دیجئے' اور اس لیے اس کا جواب حرف ''فا'' کے ساتھ مقرون وملا ہوا ہے بہ خلاف باقی سوالوں کے (کہ ان کے جواب میں حرف ''فا'' نہیں ہے) جیسا کہ ارشاد ہے ''وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى'' (البقرہ:٢٢١) ''اور وہ آپ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں' فرما دیجئے کہ وہ گندگی ہے''۔ ''وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ'' (البقرہ:٢٢٠) ''اور وہ لوگ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں' فرما دیجئے کہ ان کے ساتھ بھلائی کرنا سب سے بہتر ہے''۔ ''يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ'' (البقرہ:٢١٩) ''وہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں' فرما دیجئے: ان دونوں میں بڑا گناہ ہے''۔ ''يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّىْ'' (الاعراف:١٨٧) ''وہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ کب واقع ہوگی' فرما دیجئے کہ بے شک اس کا علم صرف میرے پروردگار کے پاس ہے''۔ ''وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ'' (الاسراء:٨٥) ''اور وہ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں' فرما دیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے''۔ ''وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا'' (الکہف:٨٣) ''اور وہ آپ سے ذی القرنین کے متعلق سوال کرتے ہیں' فرما دیجئے: میں عنقریب تمہیں اس کا ذکر پڑھ کر سناؤں گا''۔ ان تمام آیات میں پہلے سوالات کیے گئے' پھر ان کے جوابات دیئے گئے [اور چونکہ ان میں شرط کا معنی نہیں ہے' اس لیے ان کے جوابات میں حرف ''فا'' نہیں ہے] ﴿ يَنْسِفُهَا رَبِّىْ نَسْفًا ﴾ میرا رب تعالیٰ ان کو ریزہ ریزہ کر دے گا اور ان کو ریت کے ذروں کی طرح کر دے گا' پھر ان پر تیز آندھی چلائے گا اور ان کو جدا جدا کر کے گندم کے دانوں کی طرح بکھیر دے گا اور علامہ خلیل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام پہاڑوں کو جڑ سے اکھیڑ کر غبار کی طرح بکھیر دے گا۔

١٠٦-﴿ فَيَذَرُهَا ﴾ پھر اللہ تعالیٰ ان کو اصل مرکز اور ٹھکانے سے دور پھینک دے گا' ''ھا'' ضمیر زمین کی طرف لوٹائی جائے کیونکہ زمین معلوم ومعروف ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ'' (الفاطر:٤٥) ''اللہ تعالیٰ زمین کی پشت پر کوئی چلنے والا جاندار نہیں چھوڑے گا''۔ ﴿ قَاعًا صَفْصَفًا ﴾ ہموار برابر میدان۔

١٠٧-﴿ لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا ﴾ آپ اس میں کوئی کجی (یعنی) پستی نہیں دیکھیں گے ﴿ وَّلَآ اَمْتًا ﴾ اور نہ بلندی۔ ''عوج'' مکسور العین (عین کے نیچے زیر) ہونے کی صورت میں اگرچہ معانی (غیر مادی اشیاء کے ادراک) میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ مفتوح العین (عین پر زبر) ہونے کی صورت میں مادی اشیاء میں استعمال ہوتا ہے اور زمین بھی مادی چیز ہے لیکن جب یہ

زمین (بروزِ قیامت) بالکل اس طرح برابر و ہموار ہو جائے گی کہ اس میں کسی قسم کی کوئی کجی اور اونچ نیچ کا پایا جانا ناممکن ومحال ہوگا اگرچہ باریک بینی وگہرائی اور غور وفکر سے کیوں نہ دیکھا جائے تو پھر اس بناء پر اس کو معانی کے قائم مقام قرار دے کر اس کے لیے ''عِوَجًا'' (عین کے نیچے زیر) استعمال کیا گیا ہے۔

١٠٨- ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ [''یَوْمَ'' کو وقت نسف الجبال کی طرف مضاف کیا گیا ہے] یعنی اس روز تمام پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ (پہلے) بدل کے بعد ''یَوْمَ الْقِیَامَةِ'' سے دوسرا بدل ہو] ﴿يَتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ﴾ لوگ محشر میں جانے کے لیے پکارنے والے کے پیچھے چل پڑیں گے یعنی پکارنے والے کی آواز کے پیچھے چل پڑیں گے اور وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے' جب وہ بیت المقدس کے بڑے پتھر پر پکاریں گے کہ اے بوسیدہ ہڈیو! اور اے چمڑوں کے ٹکڑو! اور گوشت کے متفرق ومنتشر حصو! خدائے رحمٰن کے حضور میں پیش ہو جاؤ تو ہر طرف سے لوگ اُٹھ کر اس آواز کی طرف متوجہ ہو کر چل پڑیں گے' کسی اور طرف روگردانی نہیں کریں گے ﴿لَا عِوَجَ لَهٗ﴾ اس کے لیے کجی نہیں ہوگی' یعنی کوئی بھی اس پکار سے ہٹ کر نہیں جائے گا' بلکہ تمام لوگ بغیر کسی انحراف کے سیدھے اس کی طرف جائیں گے اور پکارنے والے کی آواز کے پیچھے پیچھے جائیں گے ﴿وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ﴾ اور رحمٰن کے جلال و دبدبہ اور اس کے رعب وہیبت کے سامنے تمام آوازیں پست اور پرسکون ہو جائیں گی ﴿فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا﴾ پس تم نہیں سنو گے مگر بہت آہستہ آواز' صرف ہونٹوں کے ہلنے سے پست آواز نکلے گی اور بعض اہل علم نے کہا کہ وہ اونٹ کے چلنے کی آواز جیسی ہوگی اور وہ اونٹ جب چلتا ہے تو اس کے پاؤں کی آہٹ ہوتی ہے یعنی میدان محشر کی طرف جاتے وقت صرف اس قدر پست آواز نکلے گی' جس قدر تم اونٹ کے پاؤں کی آہٹ سنتے ہو۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿١١٠﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾

اس دن کوئی سفارش فائدہ نہیں دے گی ماسوا اس شخص کی سفارش کے جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور اس کی بات سے راضی ہوگا O وہ سب جانتا ہے' جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ لوگ علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے O اور تمام چہرے زندہ و پائندہ کے حضور جھک جائیں گے' اور بے شک وہ ناکام ہوگیا' جس نے ظلم کا بوجھ اٹھالیا O اور جو نیک عمل کرتا ہے جب کہ وہ ایمان دار ہو تو اسے نہ زیادتی کا ڈر ہوگا اور نہ کمی کا O اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے اور ہم نے اس میں بار بار وعیدیں بیان کیں تاکہ وہ ڈر جائیں یا ان کے لیے نصیحت پیدا کرے O

١٠٩- ﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ﴾ اس روز سفارش فائدہ نہیں دے گی مگر جس کی سفارش کی اجازت رحمٰن دے گا [مضاف محذوف ہونے کی تقدیر پر ''مَنْ''، ''شَفَاعَةُ'' سے بدل ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے]

''اَیْ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا شَفَاعَۃُ مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ اَیْ اَذِنَ لِلشَّافِعِ فِی الشَّفَاعَۃِ''یعنی کسی کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی مگر جس کی شفاعت کی رحمٰن اجازت عطا فرمائے گا یعنی اللہ تعالیٰ شفاعت کے بارے میں شفاعت کرنے والے کے لیے اجازت عطا فرمائے گا ﴿ وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کی بات کو پسند کرے گا یعنی اللہ تعالیٰ اس بات کو اس بناء پر پسند کرے گا کہ جس کے لیے شفاعت کی جائے وہ مسلمان ہو [یا پھر منصوب ہے اس بناء پر ''تَنْفَعُ'' کا مفعول ہے] (شفاعت کی بحث سورۂ مریم: ۸۷ کے تحت دیکھیں)۔

۱۱۰- ﴿ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْہِمْ وَمَا خَلْفَہُمْ ﴾ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کے گزشتہ اور آئندہ سب حالات کو جانتا ہے ﴿ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِہٖ عِلْمًا ﴾ اور لوگ علم و دانش سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے یعنی یہ لوگ اپنے علم سے ان چیزوں کا احاطہ نہیں کر سکتے' جن کا اللہ تعالیٰ کے علم نے احاطہ کر رکھا ہے [پس اس صورت میں ''بِہٖ'' کی ضمیر ''ما'' موصولہ کی طرف لوٹے گی یا پھر یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے] کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا' وہ غیر محاط ہے۔

۱۱۱- ﴿ وَعَنَتِ الْوُجُوْہُ ﴾ اور تمام چہرے جھک جائیں گے اور پست و عاجز ہو جائیں گے اور اسی وجہ سے قیدی کے لیے کہا جاتا ہے: ''عَانٍ'' کہ وہ ذلیل و عاجز ہو گیا ہے۔ ''وجوہ'' سے اصحابِ وجوہ مراد ہیں یعنی چہروں والے خود تمام لوگ اس روز اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز و بے بس ہوں گے ﴿ لِلْحَیِّ ﴾ ہمیشہ زندہ رہنے والے خدا کے سامنے' جس پر کبھی موت نہیں آئے گی اور ہر وہ زندگی جس کے تعاقب میں موت لگی ہوئی ہے وہ گویا زندگی نہیں ہے ﴿ الْقَیُّوْمِ ﴾ ہمیشہ ہر جان پر قائم رہنے والے' جو کچھ اس نے کمایا ہے یا مخلوقات کی تدبیر فرمانے والے ﴿ وَقَدْ خَابَ ﴾ اور بے شک وہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس و محروم ہو گیا ﴿ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴾ جس نے ظلم (کفر و شرک) کا بوجھ اٹھایا (یعنی) جو قیامت کے موقف میں شرک کا بوجھ اٹھا کر لے گیا کیونکہ ''ظلم'' کا معنی ہے: کسی چیز کو اس کے اپنے مناسب مقام میں رکھنے کی بجائے غیر مناسب جگہ پر رکھنا اور اس سے بڑھ کر زیادہ سخت و بدترین اور ظلم کوئی نہیں کہ مخلوق کو اس کے اپنے خالق کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔

۱۱۲- ﴿ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور جو نیک عمل کرتا ہے اور اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لیتا ہے' نیکیاں کرتا ہے ﴿ وَہُوَ مُؤْمِنٌ ﴾ اور وہ ایمان دار اور مسلمان ہو اور وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو تعلیمات لے کر آئے ہیں ان سب کی تصدیق و تائید کرتا ہو اور یہ آیتِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی اسلامی تعلیمات کا دل سے اقرار کر کے اعمالِ صالحہ کے بغیر بھی ایمان کا مستحق ہو جاتا ہے کیونکہ ایمان اعمالِ صالحہ کے قبول ہونے کے لیے شرط ہے ﴿ فَلَا یَخٰفُ ﴾ سو وہ نہیں ڈرے گا یعنی وہ خوف زدہ نہیں ہوگا [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''فَلَا یَخَفْ'' فعلِ نہی ہے] ﴿ ظُلْمًا ﴾ ظلم سے مراد یہ ہے کہ اس کی برائیوں میں اضافہ کیا جائے ﴿ وَّلَا ہَضْمًا ﴾ اور نہ اس کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی اور اصل میں ''ہَضْمٌ'' کا معنی ہے: کم کرنا اور توڑنا۔

۱۱۳- ﴿ وَکَذٰلِکَ ﴾ [یہ ''کَذٰلِکَ نَقُصُّ'' پر معطوف ہے] یعنی جس طرح سابق واقعات پر مشتمل آیات نازل کی گئی ہیں اسی طرح ﴿ اَنْزَلْنٰہُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا ﴾ ہم نے یہ قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے ﴿ وَّصَرَّفْنَا فِیْہِ مِنَ الْوَعِیْدِ لَعَلَّہُمْ یَتَّقُوْنَ ﴾ اور ہم نے اس میں بار بار وعیدیں اور دھمکیاں بیان کی ہیں تا کہ وہ لوگ ڈر جائیں (اور) شرک سے بچتے رہیں ﴿ اَوْ یُحْدِثُ لَہُمْ ذِکْرًا ﴾ یہ وعید یا یہ قرآن ان کے لیے نئی نصیحت یا اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کی وجہ سے فضیلت و شرافت پیدا کر

دے گا[اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس جگہ ''اَوْ'' بہ معنی واؤ ہے]۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿١١٦﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿١١٧﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿١١٨﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿١١٩﴾

ع ١١ ١٥

سو سب سے بلند اللہ تعالیٰ ہے' جو سچا بادشاہ ہے اور آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیجئے اس سے پہلے کہ آپ پر اس کی وحی مکمل نازل کی جائے' اور عرض کیجئے: اے میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرماO اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم سے ایک عہد لیا' سو وہ بھول گئے اور ہم نے (اس بھول میں) ان کا ارادہ نہیں پایاO اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا' اس نے انکار کر دیاO پس ہم نے فرمادیا کہ اے آدم! بے شک یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے' سو وہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکال دے کہ تم مشقت میں پڑ جاؤO بے شک اس میں نہ تمہیں بھوک لگے گی اور نہ تم ننگے رہو گےO اور بے شک اس میں نہ تمہیں پیاس لگے گی اور نہ تمہیں دھوپ لگے گیO

١١٤- ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ﴾ سو اللہ تعالیٰ گمانوں کی اقسام سے' عقول و افہام کے خیالات و اوہام سے بہت بلند و بالا ہے اور وہ لوگوں کے ساتھ مماثلت اور جسموں کے ساتھ مشابہت سے منزہ اور پاک ہے ﴿الْمَلِكُ﴾ ایسا حقیقی بادشاہ ہے کہ دنیا کے تمام بادشاہ اس کے محتاج ہیں ﴿الْحَقُّ﴾ سچا معبود ہے' الوہیّت و معبودیّت کا وہی حق دار ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور اس کے نازل کرنے کا ذکر فرمایا تو اس کے بعد فرمایا کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام قرآن مجید کی وحی لا کر آپ کو تلقین کریں تو آپ ٹھہر جایئے اور خاموشی کے ساتھ سنئے تا کہ وہ آپ کو میرا کلام سنا سکیں اور یہ کلام آپ کے فہم و ادراک میں پختہ ہو جائے اور آپ کو سمجھ آ جائے ﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ﴾ اور آپ قرآن میں جلدی نہ کیجئے' (یعنی) قرآن مجید کے پڑھنے میں جلدی نہ کیجئے ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ﴾ اس سے پہلے کہ اس کی وحی آپ کی طرف پوری کی جائے (یعنی) حضرت جبریل علیہ السلام کے وحی پہنچا کر فارغ ہونے سے پہلے ﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ اور عرض کیجئے: اے میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما (یعنی) قرآن اور اس کے معانی کے ذریعے میرے علم میں اضافہ فرما اور بعض نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ماسوا علم کے اور کسی چیز میں زیادہ سے زیادہ طلب کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔

حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ

١١٥- ﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ﴾ اور بے شک ہم نے حضرت آدم علیہ السلام سے عہد لیا' یعنی ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ فلاں درخت سے نہ کھانا۔ بادشاہوں کے احکام اور ان کی وصیتوں میں کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے فلاں آدمی کو حکم دیا اور فلاں کو وصیت کی اور اس پر پختہ ارادہ کیا اور فلاں سے عہد لیا' [اور حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کا ''وَصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ'' پر عطف کیا گیا ہے] اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ بے شک ہم نے ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو

تاکیدی حکم دیا اور ہم نے انہیں وصیت کی کہ اس درخت کے قریب نہ جائیں ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ ان لوگوں کی پیدائش سے پہلے سو انہوں نے اس کے خلاف کیا' جس سے انہیں منع کیا گیا تھا جیسا کہ یہ لوگ مخالفت کرتے ہیں یعنی بنی آدم کے معاملے کی بنیاد اسی پر رکھی گئی ہے اور ان کی اصل اس میں پختہ ہو چکی ہے ﴿فَنَسِیَ﴾ سو وہ عہد کو یعنی ممانعت کو بھول گئے اور انبیائے کرام علیہم السلام سے اس کام کے نسیان اور بھول پر مواخذہ ہوتا ہے' جس کے متعلق عہد لیا جائے کہ اگر انہیں اس کام کا مکلّف کیا گیا تو وہ اس کی ضرور حفاظت کریں گے ﴿وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ اور ہم نے اپنے حکم کے خلاف ان کا ارادہ اور قصد نہیں پایا' یا یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام اولوالعزم رسولوں میں سے نہیں تھے [اور ''وجود'' بہ معنیٰ ''علم'' ہے اور ''لَهٗ'' اور ''عَزْمًا'' دونوں اس کے مفعول ہیں یا بہ معنیٰ نقیضِ عدم ہے یعنی ''وَعَلِمْنَا لَهٗ عَزْمًا'' اور ہم نے ان کا ارادہ نہیں پایا اور ''لَهٗ''، ''نَجِدْ'' کے متعلق ہے]۔

١١٦- ﴿وَاِذْ قُلْنَا﴾ [''اِذْ'' ظرف زمان منصوب ہے ''اُذْكُرْ'' محذوف کی وجہ سے] یعنی اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے حکم فرمایا: ﴿لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ فرشتوں کو کہ تم حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں سجدہ لغوی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے' جس کا معنیٰ ہے: عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہوئے جھک جانا یا حضرت آدم علیہ السلام قبلہ کی طرح تھے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے تھی لیکن سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف تھا کہ اس میں ان کی ایک قسم کی تعظیم تھی (جس طرح نمازوں میں عبادت اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے لیکن سجدہ کعبۂ معظمہ کی طرف ہوتا ہے بہرحال یہ قول درست نہیں ورنہ ''لِاٰدَمَ'' کی بجائے ''اِلٰی اٰدَمَ'' ہوتا' دراصل یہ سجدہ عبادت کا نہیں صرف تعظیم کا تھا) ﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ﴾ سو سب فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابلیس فرشتہ تھا اور مستثنیٰ منہم کی جنس سے تھا اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فرشتے عالمِ ارواح کی خالص اور برگزیدہ مخلوق ہیں' ان میں افزائشِ نسل نہیں ہوتی اور ابلیس آگ کے شفاف شعلہ سے پیدا کیا گیا ہے اور فرشتوں سے اس کا استثناء صرف اس لیے صحیح ہے کہ یہ ان کے ساتھ رہتا تھا اور ان کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا (نیز قرآن مجید میں ہے: ''كَانَ مِنَ الْجِنِّ'' (الکہف:٥٠)) ﴿اَبٰی﴾ اس نے انکار کر دیا۔ [یہ جملہ مستأنفہ ہے] گویا یہ اس کا جواب ہے' جس نے سوال کرتے ہوئے کہا کہ ابلیس نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ اور وجہ یہ ہے کہ اس کے لیے مفعول مقدر نہیں ماننا پڑے گا اور وہ سجود ہے' جس پر ''فَسَجَدُوْا'' دلالت کر رہا ہے اور اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اس نے کھلم کھلا انکار کر دیا اور اس پر وقف کیا گیا ہے۔

١١٧- ﴿فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ﴾ پھر ہم نے فرمایا کہ اے آدم! بے شک یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے اس لیے اس نے تمہیں سجدہ نہیں کیا اور نہ یہ تمہاری فضیلت کا قائل ہے ﴿فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ﴾ پس وہ تمہیں جنت سے نہ نکال دے' (یعنی) وہ جنت سے تمہارے نکلنے کا سبب نہ بن جائے ﴿فَتَشْقٰی﴾ سو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے کہ تم روزی کی تلاش میں محنت و مشقت اٹھاؤ گے اور اللہ تعالیٰ نے ''فَتَشْقَيَا'' (فعل تثنیہ) آیات کے آخر کی باہمی موافقت پر اکتفاء کرنے کے لیے نہیں فرمایا یا پھر حضرت حواء کو حضرت آدم کے تابع کر کے اس میں داخل کیا گیا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد عورت کے نان ونفقہ کی کفالت کرتا ہے اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس ایک سرخ بیل اتارا گیا تھا' جس سے آپ کھیتی باڑی کرتے تھے اور اپنا پسینہ اس کی پیشانی سے پونچھ لیتے تھے۔

١١٨- ﴿اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا﴾ بے شک آپ کے لیے اس میں (یعنی) جنت میں بھوک نہیں ہوگی (کیونکہ وہاں ہر طرح کی نعمتیں حاصل ہوں گی) ﴿وَلَا تَعْرٰی﴾ اور نہ آپ ملبوسات سے ننگے ہوں گے کیونکہ جنتی ملبوسات اس میں ہمیشہ تیار کردہ ملیں گے۔

١١٩- ﴿وَاَنَّكَ﴾ [نافع مدنی اور ابوبکر کی قراءت میں کسرہ (زیر) کے ساتھ ''وَاِنَّكَ'' ہے اور پہلے ''اِنَّ'' پر معطوف ہے اور ان دونوں کے علاوہ میں فتح (زبر) کے ساتھ ''وَاَنَّكَ'' ہے اور یہ ''اَلَّا تَجُوْعَ'' پر معطوف ہے اور محلاً منصوب ہے اور فاصلہ جائز ہے جیسا کہ تم یہ کہتے ہو کہ ''اِنَّ لِیْ عِلْمِیْ اَنَّكَ جَالِسٌ''] ﴿لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا﴾ آپ اس میں پیاسے نہیں ہوں گے آپ اس میں اس لیے پیاسے نہیں رہیں گے کہ اس میں تمام مشروبات موجود ہوں گے ﴿وَلَا تَضْحٰى﴾ اور آپ کو دھوپ نہیں لگے گی نہ آپ کو سورج کی تپش پہنچے گی کیونکہ اس میں سورج نہیں ہوگا' البتہ جنتی لوگ دراز سایا میں ہوں گے۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿١٢٠﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؗ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿١٢١﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿١٢٢﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًۢا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ۬ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿١٢٣﴾

پھر شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈال دیا' کہنے لگا: اے آدم! کیا میں تمہیں ہمیشہ رہنے والے درخت اور دائمی بادشاہی بتا دوں جو کبھی پرانی نہیں ہوگی O سو ان دونوں نے اس درخت میں سے کچھ کھا لیا تو ان کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہو گئیں اور وہ ان پر جنت کے پتے چپکانے لگے' اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش ہوگئی تو وہ اپنی مطلوبہ راہ نہ پا سکا O پھر ان کے پروردگار نے ان کو اپنا برگزیدہ بنا لیا اور ان پر مائل بہ کرم ہوا اور راہِ مغفرت دکھا دی O فرمایا: تم دونوں اکٹھے یہاں سے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے' پھر اگر تمہارے پاس میری ہدایت آ جائے' تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدبخت ہوگا O

١٢٠- ﴿فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ﴾ پس شیطان نے ان کی طرف وسوسہ ڈالا یعنی وسوسہ پوشیدہ اور آہستہ آواز کی طرح ان تک پہنچ گیا ﴿قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ﴾ شیطان نے کہا: اے آدم! کیا میں تمہیں ہمیشہ کا درخت بتا دوں؟ [''شجرہ'' کی ''خلد'' کی طرف اضافت کی گئی ہے] اور وہ خلود کا سبب ہے کیونکہ شیطان کا گمان تھا کہ جو شخص اس درخت میں سے کھا لے گا وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور وہ کبھی نہیں مرے گا ﴿وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾ اور ایسی بادشاہی (بتا دوں) جو کبھی پرانی نہیں ہوگی اور نہ کبھی فنا ہوگی۔

١٢١- ﴿فَاَكَلَا مِنْهَا﴾ سو ان دونوں نے یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام نے اس درخت میں سے کچھ کھا لیا ﴿فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا﴾ پس ان کے سامنے ان کی شرمگاہیں ظاہر ہوگئیں ﴿وَطَفِقَا﴾ [''طَفِقَ يَفْعَلُ كَذَا'' کا مطلب ہے کہ وہ اس طرح شروع کرنے لگا ہے جیسے ''جَعَلَ يَفْعَلُ'' ہے کہ وہ شروع کرنے لگا ہے اور یہ ''كَادَ'' کی طرح ہے کہ ان کی خبر میں فعل مضارع آتا ہے' مگر یہ کام کے آغاز میں شروع کرنے کے معنی میں آتا ہے اور ''كَادَ'' قریب کے معنی کے لیے آتا ہے] ﴿يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ﴾ وہ دونوں ان پر جنت کے پتے لگانے لگے یعنی وہ دونوں حضرات اپنی شرمگاہوں کو چھپانے کے لیے ان پر جنت کے پتے چپکانے لگے اور وہ انجیر کے پتے تھے ﴿وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾ اور حضرت

آدم علیہ السلام سے اپنے رب تعالیٰ کے حکم میں لغزش ہوگئی' سو وہ نا امید ہو گئے اور اپنی تجویز سے دور ہو گئے اور ابن عیسیٰ نے کہا کہ وہ ناکام ہو گئے اور حاصل کلام یہ ہے کہ امر اور نہی کے خلاف فعل کا واقع ہو جانا عصیان کہلاتا ہے اور جب یہ قصد و ارادہ کے ساتھ ہو تو یہ گناہ ہوگا اور جب یہ ارادہ کی بجائے بھول کر ہو جائے تو یہ لغزش ہوگی اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے اس فعل کو عصیان سے موصوف فرمایا تو ان کا یہ فعل رشد و ہدایت سے خارج ہو گیا' اس لیے اس کو ''غوٰی'' سے تعبیر کیا کہ آپ اپنے مقصد کے پانے میں ناکام ہو گئے کیونکہ ''غیٌّ''، ''رشد'' کے خلاف ہے اور ''وَزَلَّ اٰدَمُ'' کی بجائے ''وعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی'' کی تصریح کرنے میں مکلفین کے لیے بہت بڑا انتباہ اور مکمل نصیحت ہے گویا اولادِ آدم سے فرمایا گیا ہے کہ تم اس واقعہ میں غور و فکر کرو اور عبرت حاصل کرو کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور معصوم نبی پر اس کی معمولی سی لغزش پر کس قدر سخت الفاظ میں گرفت کی گئی ہے' لہٰذا تم سستی نہ کرو کہ کہیں تم سے صغیرہ اور چھوٹے گناہ سرزد ہو جائیں چہ جائیکہ تم بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھو۔

۱۲۲- ﴿ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ ﴾ پھر اس کو اس کے پروردگار نے منتخب کر لیا' اس کو اپنا مقرب بنالیا اور اس کو چن لیا اور اس کو اسی طرح پڑھا گیا ہے اور اس کلمہ کا اصل معنی جمع کرنا ہے' کہا جاتا ہے: ''جُبِیَ اِلَیَّ کَذَا'' میرے پاس اس طرح جمع کر دیا گیا ہے ''فَاجْتَبَیْتُهٗ'' تو میں نے اس کو چن لیا ﴿ فَتَابَ عَلَیْهِ ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرمالیا اور اس کی توبہ قبول فرمالی ﴿ وَهَدٰی ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے منزلِ مقصود تک پہنچا دیا اور اللہ تعالیٰ نے معذرت کرنے اور مغفرت وبخشش کی طلب کی طرف اس کی رہنمائی فرمادی۔

۱۲۳- ﴿ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِیْعًا ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں یہاں سے اکٹھے نیچے اتر جاؤ یعنی حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام ﴿ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ﴾ اے اولادِ آدم! تم ایک دوسرے کے دشمن ہو کیونکہ دنیا کے معاملات میں تم ایک دوسرے سے حسد کرو گے یا دین کے معاملات میں تم ایک دوسرے سے اختلاف کرو گے ﴿ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی ﴾ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت (یعنی) کتاب اور شریعت آجائے ﴿ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی ﴾ تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا' پس وہ نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ وہ آخرت میں بدبخت ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کی پیروی اختیار کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کا ضامن بن جاتا ہے کہ اب وہ نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ وہ آخرت میں بدبخت ہوگا یعنی بے شک آخرت کی بدبختی عذاب ہے اور دنیا میں گمراہی دینِ حق کی راہ سے بھٹک جانا ہے' پس جس نے کتاب اللہ کی پیروی اختیار کر لی اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہو گیا اور اس کے نواہی و ممنوعات سے بچتا رہا اس نے گمراہی سے نجات حاصل کر لی اور اس کے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ

ع ١٤ / ١٦

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿١٢٨﴾

اور جو شخص میرے ذکر سے روگردانی کرے تو اس کے لیے زندگی تنگ ہو جائے گی اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے O عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا اور بے شک میں (دنیا میں) بینا تھا O فرمائے گا: اسی طرح ہماری آیات تیرے پاس آئی تھیں' سو تو نے انہیں بھلا دیا تھا' اور اسی طرح آج تجھے بھلا دیا جائے گا O اور اسی طرح ہم اسے سزا دیا کرتے ہیں' جس نے زیادتی کی اور وہ اپنے رب تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں لایا' اور البتہ آخرت کا عذاب سب سے زیادہ سخت اور سب سے زیادہ دیرپا ہے O اور کیا اس نے ان کو یہ ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی قومیں ہلاک کر دیں' جن کے رہائشی مکانوں میں یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں' بے شک اس میں عقل والوں کے لیے (عبرت کی) نشانیاں ہیں O

قرآنِ مجید کی تعلیمات سے روگردانی کا وبال

١٢٤- ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ﴾ اور جو شخص میرے ذکر سے (یعنی) قرآن مجید سے منہ پھیر لے گا ﴿فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا﴾ تو اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی۔ "ضَنْكًا" بہ معنیٰ "ضَيِّقًا" ہے (یعنی تنگ) [اور یہ مصدر ہے اس لیے اس کے وصف میں مذکر و مؤنث مساوی ہیں] حضرت ابن جبیر سے مروی ہے کہ ہم ایسے شخص سے قناعت چھین لیں گے یہاں تک کہ وہ کبھی بھی سیر نہیں ہوگا' چنانچہ جس شخص میں دین کی سلامتی' قناعت اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسا یہ تینوں صفات موجود ہوں گی تو اس کی زندگی طیّب و طاہر اور پاک ہوگی اور قرآن مجید سے روگردانی' حرص و لالچ اور بخل یہ تینوں چیزیں جس شخص میں ہوں گی اس کی زندگی تنگ ہوگی اور اس کا حال تاریک ہو جائے گا جیسا کہ بعض صوفیاء نے فرمایا کہ جو شخص اپنے رب تعالیٰ کے ذکر سے روگردانی کرے گا اس پر اس کا وقت تاریک ہو جائے گا اور اس کا رزق اس کے لیے تشویش ناک ہو جائے گا ﴿وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ اور ہم اس کو قیامت کے دن حجت و دلیل سے اندھا کر کے اٹھائیں گے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص آنکھوں سے اندھا کر کے اٹھایا جائے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: "وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا" (الاسراء:٩٧) "اور ہم ان کو قیامت کے دن اوندھے منہ اندھے اٹھائیں گے"۔ اور یہی وجہ درست ہے۔

١٢٥- ﴿قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا﴾ وہ بندہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالانکہ میں دنیا میں بینا تھا؟

١٢٦- ﴿قَالَ كَذٰلِكَ﴾ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اسی طرح ہے یعنی تو نے بھی اسی طرح کیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت کی اور فرمایا: ﴿اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴾ تیرے پاس ہماری آیتیں آئی تھیں تو تو نے ان کو بھلا دیا تھا اور اسی طرح آج تجھے بھلا دیا جائے گا یعنی تیرے پاس ہماری واضح اور روشن آیتیں آئی تھیں تو اس وقت تو نے ان میں عبرت کی نگاہ سے غور و فکر نہیں کیا تھا اور ان کو چھوڑ دیا تھا اور تو ان سے اندھا بنا رہا تھا' سو اسی طرح آج تجھے تیرے اندھے پن پر ہم چھوڑ دیں گے اور ہم تیری آنکھوں سے اس کے پڑے ہوئے پردے نہیں اتاریں گے۔

١٢٧- ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى﴾ اور اسی طرح ہم اسے سزا دیتے ہیں' جس نے زیادتی کی اور اپنے رب تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لایا اور بے شک آخرت کا عذاب سب سے

زیادہ سخت اور سب سے زیادہ دیرپا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر مبارک سے روگردانی کرنے والے کو دو سزاؤں سے ڈرایا' ایک دنیا میں زندگی کا تنگ ہو جانا اور دوسری یہ کہ آخرت میں اس کا اندھا ہو کر اُٹھنا تو اس نے وعید (ڈراوے) کی آیات کا اپنے اس قول پر اختتام فرمایا کہ ''وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى '' اور بے شک آخرت کا عذاب سب سے زیادہ سخت اور سب سے زیادہ دیرپا ہے یعنی قیامت کے دن اندھا اٹھنا دنیا میں تنگ زندگی سے زیادہ سخت اور دائمی ہوگا۔

١٢٨- ﴿اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ﴾ تو کیا اس نے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان (قریشِ مکہ) کی رہنمائی نہیں کی۔ [''يَهْدِ'' کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے' اس کی دلیل قاری یعقوب سے حضرت زید کی نون کے ساتھ قراءت ہے یعنی ''اَفَلَمْ نَهْدِ لَهُمْ''] تو کیا ہم نے ان کی رہنمائی نہیں کی کہ ﴿كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ﴾ ہم نے بہت سی قومیں ان سے پہلے تباہ و برباد کر دیں حالانکہ قریشِ مکہ ان کے رہائشی مکانوں میں سے گزرتے ہیں۔ [''يَمْشُوْنَ'' (لَهُمْ) کی مجرور ضمیر سے حال ہے] اس سے مراد یہ ہے کہ قریشِ مکہ دورانِ سفر عاد' ثمود اور قوم لوط کے رہائشی مکانوں کے پاس سے آتے جاتے گزرتے ہیں اور ان کی ہلاکت کے آثار و نشانات دیکھتے ہیں ﴿اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى﴾ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے (عبرت کی) نشانیاں ہیں' اگر یہ لوگ غور و فکر کریں اور سوچیں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ بے شک ان قوموں کی ہلاکت ان کے کفر و شرک کی وجہ سے ہوئی' سو پھر یہ لوگ وہ کام نہ کریں جو انہوں نے کیے تھے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٣١﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾

اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات کا فیصلہ اور ایک وقت مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان پر عذاب کا آنا لازم ہو جاتا O سو وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے اور سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے آپ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے' اور پس آپ رات کے اوقات میں اور دن کے اطراف میں تسبیح بیان کیجئے تاکہ آپ راضی رہیں O اور ہم نے دنیا کی زندگی کی زینت کی جو چیزیں ان میں سے کئی قسم کے لوگوں کو برتنے کے لیے دے رکھی ہیں آپ اپنی آنکھیں اٹھا کر ان کی طرف نہ دیکھیں' تاکہ ہم اس میں ان کی آزمائش کریں' اور آپ کے رب تعالیٰ کا رزق سب سے بہتر اور سب سے دیرپا ہے O اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور آپ خود اس پر ثابت قدم رہیے' ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے' (بلکہ) ہم خود آپ کو رزق عطا فرماتے ہیں' اور نیک انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے O

کفارِ مکہ پر عذاب نہ آنے کا سبب اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چند آداب کی تلقین

١٢٩- ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ﴾ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے ہی یہ بات طے نہ ہو چکی ہوتی یعنی اگر امتِ محمد ﷺ (امتِ دعوت) سے عذاب کو مؤخر کرنے کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو ﴿لَكَانَ لِزَامًا﴾ البتہ ان پر

عذاب کا آنا لازم ہو جاتا [اور ''لِزَامًا''، ''لازم'' کا مصدر ہے اس لیے اس کے ساتھ وصف لایا گیا ہے] ﴿وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ اور اگر ایک وقت مقرر نہ ہوتا اور وہ قیامت ہے [اور یہ ''كَلِمَةٌ'' پر معطوف ہے] اور معنی یہ ہے کہ اگر کفارِ مکہ سے عذاب کی تاخیر کا فیصلہ پہلے سے نہ ہو چکا ہوتا اور ان کو عذاب دینے کے لیے ایک وقت مقرر نہ ہو چکا ہوتا اور وہ قیامت ہے تو دنیا میں ان کے لیے عذاب لازم ہو جاتا جیسا کہ گزشتہ کفار کی قوموں پر لازمی طور پر نازل ہوا تھا۔

١٣٠- ﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ سو اے محبوب! یہ کفار آپ کے بارے میں جو نازیبا باتیں کرتے ہیں، آپ ان پر صبر کیجئے ﴿وَسَبِّحْ﴾ اور تمام عیبوں سے اپنے رب تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے رہیے اور اس کی نمازیں پڑھتے رہیے ﴿بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ [یہ محلاً حال ہے] یعنی درآں حالیکہ آپ اپنے پروردگار کی حمد و ثناء بیان کرنے کے ساتھ اس کا شکر ادا کیجئے کہ اس نے آپ کو تسبیح بیان کرنے کی توفیق عطا کی ہے اور اس پر آپ کی مدد کی ہے ﴿قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ﴾ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے یعنی نمازِ فجر ادا کیجئے ﴿وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا﴾ اور اس کے ڈوبنے سے پہلے یعنی ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کیجئے کیونکہ یہ دونوں نمازیں دن کے اخیر نصف میں سورج کے زوال کے بعد سے سورج کے غروب ہونے سے پہلے تک واقع ہیں ﴿وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ﴾ اور پس آپ رات کے اوقات میں اور دن کے دونوں کناروں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کیجئے یعنی اور آپ رات کے اوقات میں عبادت کیجئے یعنی اس کی ساعتوں اور دن کے کناروں کو نمازوں اور دیگر نفلی عبادات کے لیے مختص کر لیجئے اور رات کے اوقات میں تسبیح کرنا نمازِ عشاء کو بھی شامل ہے اور دن کے اطراف نمازِ مغرب اور نمازِ فجر کو شامل ہیں اور تکرار محض اختصاص کے لیے ہے جیسا کہ بعض کے نزدیک اس (درج ذیل) ارشاد میں اختصاص کیا گیا ہے: ''وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى'' (البقرہ:٢٣٨) ''درمیان والی نماز کی خصوصی طور پر حفاظت کرو''۔ اور ''اطراف النهار'' میں جمع اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہاں التباس واشتباہ سے امن حاصل ہے کیونکہ دن کی طرفیں تو دو ہی ہوتی ہیں [اور یہ ''قَبْلَ'' پر معطوف ہے] ﴿لَعَلَّكَ تَرْضٰى﴾ تا کہ آپ خوش رہیں۔ لفظ ''لَعَلَّ'' مخاطب کے لحاظ سے ذکر کیا گیا ہے یعنی اے محبوب! آپ ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کریں اس امید پر کہ آپ اس ذکر کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے پاس قرب خاص کا وہ مقام و مرتبہ حاصل کر لیں گے جس سے آپ کا جی خوش ہو جائے گا اور آپ کا قلب مبارک مسرور وشاداں ہو جائے گا [علی کسائی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''تُرْضٰى'' (فعل مضارع مخاطب مجہول) ہے] یعنی تا کہ آپ کا پروردگار آپ کو راضی کر دے۔

١٣١- ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ﴾ اور آپ اپنی آنکھوں کو دراز نہ کیجئے، یعنی آپ اپنی آنکھوں کی نظر دراز نہ کیجئے اور نظر دراز کرنے کا مقصد یہ ہے کہ منظور الیہ (جس کی طرف دیکھا جا رہا ہے) کے حسن و جمال میں منہمک ہو کر تعجب سے آنکھیں پھاڑ کر اس طرح ٹک ٹکی باندھ کر دیکھنا کہ نظر واپس نہ لائی جائے اور نظر دراز کیے بغیر معمولی طور پر اچانک ایک نظر دیکھ لینا معاف ہے اور یہ اس لیے کہ کوئی چیز نظر کے سامنے آ جائے اور اس پر ایک مرتبہ نظر پڑ جائے تو پھر دوبارہ دیکھنے کی بجائے آنکھیں بند کر لینی چاہئیں اور بے شک پرہیز گاروں کے لیے بڑی سختی کی گئی ہے، یہاں تک کہ ظالموں کی عمارتوں اور محلات کو دیکھنے سے اور فاسقوں کو بہترین لباسوں میں اور ان کی خوبصورت سواریوں کو دیکھنے سے آنکھیں بند کر لینا واجب ہے اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ تم فاسقوں، فاجروں کی خوبصورت سواریوں کی ٹاپوں کی آوازوں کی طرف بھی نہ دیکھو مگر اس نظر سے دیکھو کہ ان سواروں سے معصیت کی ذلت کیسے ظاہر ہو رہی ہے اور یہ اس لیے کہ انہوں نے ان چیزوں کو صرف دکھاوے کے لیے بنایا ہے، پس ان کی سواریوں کی طرف دیکھنے والا ان کی غرض کو حاصل کرنے والا ہو

اوران سواریوں کی تیاری پرانہیں جودھوکہ ہوا ہے اس کوعبرت کی نگاہ سے دیکھنے والا ہو ﴿إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ﴾ ان چیزوں کی طرف جوہم نے کفار میں سے کئی قسم کے کافروں کو برتنے اور فائدہ اٹھانے کے لیے دی ہیں [اور یہ بھی جائز ہے کہ ''اَزْوَاجًا'' حال ہو''بِہٖ'' کی مجرورضمیر سے اور''مِنْهُمْ''، ''مَتَّعْنَا'' کا مفعول ہواور یہ فعل اسی''منهم'' پرواقع ہورہا ہو] گویا فرمایا کہ ان چیزوں کی طرف نہ دیکھئے جوہم نے ان میں سے بعض لوگوں کو برتنے کے لیے دی ہیں جب کہ وہ چیزیں مختلف اقسام کی ہیں ﴿زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا﴾ دنیاوی زندگی کی زیب و زینت اور اس کی رونق [یہ مخصوص بالذم کی بناء پر منصوب ہے یا''بِہٖ'' کے محل سے بدل ہے یا پھر یہ''ذوی زهرة'' کی تقدیر پر''اَزْوَاجًا'' سے بدل ہے] ﴿لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ﴾ تا کہ ہم ان کواس میں آزمائیں یہاں تک کہ وہ ناشکری کر کے عذاب کے مستحق ہو جائیں یا یہ معنی ہے کہ تا کہ ہم اس سبب سے ان کو آخرت میں عذاب میں مبتلا کر دیں ﴿وَرِزْقُ رَبِّكَ﴾ اور آپ کے پروردگار کا رزق (یعنی) اس کا اجر وثواب اور وہ جنت ہے یا کفایت کرنے والا حلال مال مراد ہے ﴿خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ﴾ یہ اجر وثواب ان کے رزق سے بہت بہتر اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے جوانہیں دنیا میں دیا گیا ہے۔

١٣٢- ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِٱلصَّلَوٰةِ﴾ اور اے محبوب! آپ اپنے اہل کونماز کا حکم دیجئے (یعنی) اپنی امت کو یا اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے ﴿وَٱصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ اور آپ اس پر قائم رہیں (یعنی) آپ اس پر ہمیشہ ثابت قدم رہیں ﴿لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا﴾ ہم آپ سے رزق کا سوال نہیں کرتے کہ آپ اپنے اور اپنے گھر والوں کو رزق دیں ﴿نَّحْنُ نَرْزُقُكَ﴾ ہم آپ کو رزق دیتے ہیں اوران کو بھی ہم ہی رزق دیتے ہیں' سوآپ رزق کے معاملے کے لیے اہتمام نہ کیجئے اور نہ ہی آپ رزق کے معاملے میں پریشان وغمگین ہوں اور آپ اپنا دل مبارک آخرت کے کاموں کے لیے فارغ رکھیے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کام میں مشغول ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے کام میں مشغول ہوتا ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بادشاہوں کے پاس آرائش وزیبائش کی قیمتی چیزیں دیکھتے تو''وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ الخ'' آیت مبارکہ تلاوت فرماتے' پھر انہیں نماز کا حکم دیتے اور فرماتے: نماز پڑھو' نماز پڑھو' اللہ تعالیٰ تم پر رحم وکرم فرمائے گا' اور حضرت بکر بن عبد اللہ مزنی کے گھر جب کوئی ضرورت یا حاجت پیش آتی تو آپ گھر والوں کو فرماتے: اٹھو! سب نماز پڑھو' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اسی کا حکم دیا ہے' اور حضرت مالک بن دینار سے اسی طرح منقول ہے اور بعض مسانید میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر والوں کو جب کوئی مصیبت پہنچتی تو آپ ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیتے اور یہی آیتِ مبارکہ تلاوت فرماتے ﴿وَٱلْعَٰقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ اور انجام تقویٰ کے لیے ہے یعنی نیک انجام اہل تقویٰ کے لیے [دونوں میں مضاف محذوف ہیں]۔

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُم بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِن قَبْلِ أَن نَّذِلَّ وَنَخْزَىٰ ﴿١٣٤﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ أَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿١٣٥﴾ ع

ع ٨ / ١٧

اور انہوں نے کہا کہ یہ اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی لے کر ہمارے پاس کیوں نہیں آتے' اور کیا ان کے پاس وہ

واضح نشانی نہیں آ چکی جو پہلے صحیفوں میں ہے O اور اگر ہم انہیں رسول سے پہلے کسی عذاب میں ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا' پس ہم آپ کی آیات کی پیروی کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ورسوا ہوتے O فرما دیجئے کہ ہر ایک انتظار کرنے والا ہے' سوتم بھی انتظار کرو' پس عنقریب تم جان لوگے کہ سیدھی راہ والے کون ہیں اور ہدایت پانے والا کون ہے O

١٣٣- ﴿وَقَالُوْا﴾ اور انہوں نے یعنی کافروں نے کہا: ﴿لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ وہ اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی لے کر ہمارے پاس کیوں نہیں آتے (یعنی سرورِ کائنات مفخر موجودات حضرت) محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے (ہماری خواہش کے مطابق) کوئی معجزہ لے کر کیوں نہیں آتے جو ان کی نبوت کی صحت پر رہنمائی کرے ﴿اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى﴾ اور کیا ان کے پاس وہ روشن نشانی نہیں آ چکی جو پہلے صحیفوں یعنی پہلی کتابوں میں ہے یعنی بے شک کافروں نے اپنی پرانی عادت کے مطابق بطور سرکشی نبوت پر دلیل کا مطالبہ کیا ہے' سو اس لیے ان سے کہا گیا کہ کیا تمہارے پاس اس سے پہلے وہ نشانی نہیں آ چکی جو تمام نشانیوں میں مرکزی نشانی ہے اور معجزہ کے باب میں سب سے بڑا معجزہ ہے یعنی قرآن مجید۔ بے شک یہ قرآن مجید سابقہ نازل کردہ تمام کتابوں میں بیان کردہ عقائد واصول کی جامع برہان و دلیل ہے اور اس کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ کتاب معجزہ ہے اور سابقہ کتابیں معجزہ نہیں تھیں کیونکہ وہ اپنے مضامین کی صحت پر گواہی کی محتاج تھیں [قاری نافع مدنی' ابوعمرو بصری اور امام حفص کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ''لَمْ تَاْتِهِمْ'' ہے (کیونکہ اس کا فاعل مؤنث ہے جبکہ باقیوں کے نزدیک ''یا'' کے ساتھ ''لَمْ يَاْتِهِمْ'' ہے کیونکہ اس کا فاعل مؤنث حقیقی نہیں مؤنث غیر حقیقی ہے)]۔

١٣٤- ﴿وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ﴾ اور اگر ہم ان کو اس سے پہلے عذاب میں ہلاک کر دیتے (یعنی) اگر ہم اس کریم ورحیم رسول کی آمد سے پہلے یا قرآن مجید کے نزول سے پہلے ان کو کسی عذاب کے ذریعے ہلاک کر دیتے تو ﴿لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ﴾ وہ لوگ ضرور یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا' سو ہم آپ کی آیتوں کی پیروی کرتے [''لَوْ لَا'' بہ معنی ''هَلَّا'' ہے یعنی کیوں نہیں اور ''فَنَتَّبِعَ'' کے آخر میں نصب (زبر) اور شروع میں حرف ''فا'' اس لیے ہے کہ یہ استفہام کا جواب ہے] ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ﴾ اس سے پہلے کہ ہم نزولِ عذاب کے سبب ذلیل وخوار ہو جائیں ﴿وَنَخْزٰى﴾ اور ہم آخرت میں رسوا ہو جائیں۔

١٣٥- ﴿قُلْ كُلٌّ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ ہم میں سے اور تم میں سے ہر ایک ﴿مُّتَرَبِّصٌ﴾ انجام کار کے لیے انتظار کرنے والا ہے اور جب کہ ہمارا معاملہ اور تمہارا معاملہ اسی کے حضور میں لوٹ کر پیش ہونا ہے ﴿فَتَرَبَّصُوْا﴾ تو تم انتظار کرو ﴿فَسَتَعْلَمُوْنَ﴾ جب قیامت آئے گی تو تم جان لوگے ﴿مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ﴾ کہ سیدھی راہ والے کون ہیں [یہ مبتداء خبر ہیں' یہ دونوں محلاً منصوب ہیں] ﴿وَمَنِ اهْتَدٰى﴾ اور کس نے ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کی طرف راہ پالی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں جنتی حضرات صرف دو سورتیں سورتِ طٰهٰ اور سورتِ یٰسین تلاوت کریں گے[1]

[1] قال الحافظ: رواہ ابن مردویہ من حدیث اُبی بن کعب (حاشیۃ الکشاف ج ۳ ص ۱۰۰)' ورواہ ابن مردویہ من حدیث اُبی امامۃ (الدر المنثور ج ۵ ص ۵۴۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الانبیاء مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے O اس کی ایک سو بارہ آیات‘ سات رکوع ہیں

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ﴿۱﴾ مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿۲﴾ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ ۗ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۖ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿۳﴾ قَالَ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۴﴾

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آن پہنچا ہے اور وہ غفلت میں روگرداں ہیں O ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نئی نصیحت نہیں آتی مگر وہ اس کو سنتے ہیں اور وہ مذاق اڑاتے ہیں O ان کے دل غافل ہیں‘ اور ظالموں نے آپس میں سرگوشی کی کہ یہ شخص تو محض تمہارے جیسا بشر ہے‘ تو کیا تم جادو کے پاس جاتے ہو حالانکہ تم دیکھ رہے ہو O اس نے فرمایا: میرا رب آسمان اور زمین میں ہر بات کو جانتا ہے‘ اور وہ سب کچھ سننے والا‘ ہر چیز کو جاننے والا ہے O

مشرکین مکہ کی سرکشیاں

۱- ﴿اِقْتَرَبَ﴾ یہ ”دَنَا“ کے معنی میں ہے یعنی قریب آ گیا ہے ﴿لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کے لیے [لام جارہ ”اقترب“ کے متعلق ہے] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بے شک ”الناس“ (لوگوں) سے مشرکینِ مکہ مراد ہیں کیونکہ اس کے بعد مشرکین کی صفات کو بیان کیا گیا ہے ﴿حِسَابُهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے محاسبے کا وقت اور ان کے اعمال پر انہیں سزا دینے کا وقت (قریب آ گیا ہے) یعنی قیامت کا دن اور قیامت کو قریب کے ساتھ موصوف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جو وقت ماضی میں گزر چکا ہے‘ اس کی بہ نسبت آئندہ کا وقت تھوڑا رہ گیا ہے اور اس لیے بھی کہ ہر آنے والا وقت ماضی کی نسبت قریب آ رہا ہے ﴿وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ﴾ اور وہ اپنے حساب اور اس سے جو ان کے ساتھ وہاں کیا جائے گا غافل ہیں ﴿مُّعْرِضُونَ﴾ اس دن تیاری سے منہ پھیرنے والے ہیں‘ پس قرب عام ہے اور جب کہ غفلت اور اعراض مکلفین کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں‘ چنانچہ بہت سے لوگ اپنے حساب سے اس لیے غافل ہوتے ہیں کہ وہ اپنی دنیا میں مستغرق و منہمک ہوتے ہیں اور اپنے مولا اور مالک سے دور ہوتے ہیں اور اس سے منہ پھیرے ہوئے ہوتے ہیں اور بہت سے لوگ اپنے حساب سے اس لیے غافل ہوتے ہیں کہ وہ اپنے مولا و مالک کی یاد میں فنا ہو چکے ہوتے ہیں اور وہ دنیا سے لاتعلق و دور ہوتے ہیں اور اس سے منہ پھیرے ہوئے ہوتے ہیں‘ سو یہ لوگ اپنے مولا و آقا کے دیدار کے بغیر ہوش میں نہیں آتے اور پہلی قوم کے لوگ صرف موت کے لشکر کی گرفت میں ہوش میں آتے ہیں‘ پس اے مخاطب! تجھ پر واجب اور لازم ہے کہ تو اپنا محاسبہ کر اس سے پہلے کہ تیرا محاسبہ کیا جائے اور آخرت کی پیشی کے لیے ہوشیار ہو جا‘ اس سے پہلے کہ تجھ سے باز پرس کی جائے اور غافلوں سے منہ پھیر لے اور تمام مخلوق کے خالق کی یاد میں مشغول ہو جا تاکہ تو رب

العالمین کے دیدار سے فیض یاب ہو سکے۔

۲۔ ﴿ مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ ﴾ ان کے پاس ان کے رب تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید میں سے کوئی نصیحت آموز نیا حصہ نہیں آتا (مگر مشرکین سن کر اس کا مذاق اڑاتے ہیں) ''مُحْدَثٍ'' کا مطلب ہے کہ قرآن مجید میں نزول کے اعتبار سے اس کلام کا اثبات نیا ہے اور اس کی تلاوت نئی ہے اور مشرکین کی سماعت میں اس کلام کا زمانہ قریب ہے اور اس سے حروف منظومہ اور حروف و اصوات سے مرکب لفظی کلام مراد ہے' جس کے حادث ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے[1] ﴿ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴾ مگر وہ لوگ اس کو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یا آپ کے علاوہ جو اس کی تلاوت کر رہا ہو اس سے سنتے ہیں اور وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں (اور) اس پر ہنستے ہیں۔

۳۔ ﴿ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ ﴾ ان کے دل غافل ہیں' [''لَاهِيَةً'' حال ہے ''يَلْعَبُونَ'' کی ''هُمْ'' ضمیر فاعل سے یا ''وَهُمْ يَلْعَبُونَ'' اور ''لَاهِيَةً'' دونوں ''اِسْتَمَعُوهُ'' کی ضمیر فاعل سے حال ہیں اور جس نے ''لَاهِيَةٌ'' کے آخر میں پیش پڑھا ہے' اس کے نزدیک ''وَهُمْ'' کی پہلی خبر ''يَلْعَبُونَ'' کے بعد یہ دوسری خبر ہے اور ''قُلُوبُهُمْ'' مرفوع ہے کیونکہ یہ ''لاهية'' کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور یہ ''لاهية''. ''لَهَا'' سے ماخوذ ہے' یہ ''لَهَا عنه'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنے کام کو بھول جائے اور اس سے غافل ہو جائے] اور معنی یہ ہے کہ ان کے دل اصل مقصد اور مراد سے غافل ہیں۔ علامہ ابوبکر وراق نے کہا کہ غافل دل وہ ہوتے ہیں' جو دنیا کی زیب و زینت اور اس کی ظاہری رونق و خوبصورتی میں مشغول ہوتے ہیں اور وہ آخرت اور آخرت کے خطرات سے غافل ہو جاتے ہیں ﴿ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا ﴾ اور ظالموں نے آپس میں ایک دوسرے سے خفیہ سرگوشی کی۔ ''وَاَسَرُّوا'' میں اشارہ ہے کہ انہوں نے چھپ چھپا کر سرگوشی کرنے میں بہت مبالغہ کیا [''النجوی'' اسم ہے' جو ''تناجی'' سے ماخوذ ہے' پھر ''الذین ظلموا'' کو ''اَسَرُّوا'' کی واؤ سے بدل قرار دیا گیا ہے] تاکہ یہ معلوم کرایا جائے کہ ان کا نام ظالم اس لیے رکھا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی سازشی باتوں کو خوب چھپا کر ایک دوسرے سے سرگوشی کی [اور یہ اس کی لغت پر ہے' جس نے کہا کہ ''اَكَلُوْنِي الْبَرَاغِيْثُ'' مجھے پسوؤں نے کھایا' یا ''الذین ظلموا'' محلاً مجرور ہے کیونکہ ''الناس'' کی صفت ہے یا اس سے بدل ہے یا پھر محلاً منصوب ہے اس بناء پر کہ یہ مخصوص بالذم ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ''اَسَرُّوا النجوی'' ہے اور یہ اس پر مقدم ہے اور اصل میں ''والذین ظلموا اسرّوا النجوی'' ہے] یعنی ان لوگوں نے بڑا ظلم کیا ہے' جنہوں نے (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف) خفیہ سرگوشی کی ہے اور کہا ہے کہ ﴿ هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۖ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ﴾ یہ تو نہیں ہیں مگر تمہارے ہی جیسے بشر' کیا تم جادو کے پاس جاتے ہو حالانکہ تم دیکھ رہے ہو [یہ پورا کلام محلاً منصوب ہے کیونکہ یہ ''النجوٰی'' سے بدل ہے] یعنی انہوں نے یہ بات چھپ کر پوشیدہ طور پر کہی [اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ پورا کلام پوشیدہ ''قالوا'' سے بدل ہو] اور معنی یہ ہے کہ بے شک ان لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ نبی اور رسول صرف فرشتہ ہی ہوتا ہے' لہٰذا ہر وہ شخص جو انسانوں میں سے نبوت و رسالت کا

---

[1] یاد رہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ازلی و ابدی اور قدیم ہے' اسی طرح اس کا کلام بھی اس کی ازلی و ابدی اور قدیم صفت ہے' جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے' باقی کتابی صورت میں جو حروف و نقوش لکھے ہوتے ہیں' جس کی ہم تلاوت کرتے ہیں اور اس کو قرآن کہتے ہیں تو یہ حروف و نقوش صرف اس قدیم کلام نفسی الٰہی پر رہنمائی کرنے اور اس کا مفہوم و معنی واضح کرنے اور اس کا مظہر ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کہلاتے ہیں ورنہ یہ نسخے پرانے ہو جاتے ہیں اور دوبارہ مختلف انداز و ڈیزائن میں چھپتے ہیں اور یہ حادث ہوتے ہیں اور انہیں کلام لفظی کہا جاتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے اور اس کو کلام نفسی کہا جاتا ہے۔ غوثوی

دعویٰ کرے اور معجزہ پیش کرے تو وہ جادوگر ہے اور اس کا معجزہ بھی جادو ہے اس لیے انہوں نے انکار کے طور پر کہا کہ کیا تم جادو کے پاس جاتے ہو حالانکہ تم مشاہدہ کررہے ہو اور تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ وہ جادو ہے۔

٤۔ ﴿قٰلَ رَبِّیْ﴾ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے فرمایا۔[یہ حمزہ' علی کسائی اور امام حفص کی قراءت کے مطابق ہے اور ان کے علاوہ دیگر حضرات کی قراءت میں ''قُلْ رَبِّیْ'' ہے]یعنی اے محمد (ﷺ)! آپ ان لوگوں سے فرمادیجئے' جنہوں نے خوب چھپ چھپا کر ایک دوسرے سے آپس میں سرگوشی کی کہ میرا رب تعالیٰ ﴿یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمان اور زمین میں ہر بات کو جانتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین میں رہنے والے ہر کہنے والے کی ہر بات کو جانتا ہے خواہ وہ آہستہ بات کرے یا وہ بلند آواز سے بات کرے ﴿وَهُوَ السَّمِیْعُ﴾ اور وہی ان کی سب باتیں سننے والا ہے ﴿الْعَلِیْمُ﴾ ان کے دلوں میں پوشیدہ باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ⑤ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ یُؤْمِنُوْنَ ⑥ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑦ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ ⑧ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَیْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِیْنَ ⑨ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑩

ع ١/١

بلکہ انہوں نے کہا کہ یہ پریشان خواب ہیں بلکہ اس نے اسے خود گھڑ لیا ہے بلکہ وہ شاعر ہیں' سو چاہیے کہ وہ ہمارے پاس کوئی معجزہ لائے جیسا کہ پہلے رسولوں کو بھیجا گیا تھا ○ ہم نے ان سے پہلے جس بستی کو ہلاک کیا تھا وہ (معجزہ دیکھ کر بھی) ایمان نہیں لائی تھی' تو کیا یہ ایمان لائیں گے ○ اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا' جن کی طرف ہم وحی بھیجتے رہے' سو تم علم والوں سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے ○ اور ہم نے ان کو ایسا جسم دار نہیں بنایا کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں ○ پھر ہم نے ان سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا' سو ہم نے انہیں نجات دی اور ان کو بھی جنہیں ہم چاہتے تھے اور ہم نے زیادتی کرنے والوں کو ہلاک کر ڈالا ○ بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے' جس میں تمہارا تذکرہ ہے' تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو ○

٥۔ ﴿بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ﴾ بلکہ انہوں نے کہا: پریشان کن خیالی خواب ہیں بلکہ اس نے اسے خود گھڑ لیا ہے بلکہ وہ تو ایک شاعر ہیں۔ مشرکینِ مکہ نے اپنے قول کو جادو کہنے سے اس طرح رجوع کر لیا کہ یہ پریشان خیالی خواب ہیں' جن کو یہ (یعنی حضور) اپنی نیند میں دیکھتے ہیں اور ان کے بارے میں ان کو یہ وہم ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی جانب وحی بھیجی گئی ہے' پھر اس سے پھر کر اس طرف رجوع کر لیا کہ یہ کلام خود ان کی اپنی طرف سے من گھڑت پیش کیا جاتا ہے' پھر بعد ازاں اس سے بھی اس طرف رجوع کر لیا کہ یہ شاعر کا کلام ہے اور اس طرح باطل مُتردد اور مبطل بار بار رجوع کرتا رہتا ہے' ایک بات پر ثابت قدم نہیں رہتا' پھر انہوں نے کہا: اگر یہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں حالانکہ معاملہ اس طرح نہیں جس طرح یہ گمان کرتے ہیں (لیکن) ﴿فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ سو انہیں چاہیے

کہ وہ کوئی معجزہ لے کر آئیں جیسا کہ پہلے رسولوں کو بھیجا گیا تھا (یعنی) جس طرح آپ سے پہلے رسولوں کو ہاتھ کو روشن کرنے‘ عصا کو سانپ وغیرہ بنانے‘ مادرزاد نابینوں کو بینا کرنے اور مُردوں کو زندہ کرنے کے معجزات عطا کیے گئے تھے اور ارشادِ باری تعالیٰ: ”کما ارسل الاولون“ میں تشبیہ اس اعتبار سے صحیح ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جس طرح پہلے رسولوں کو معجزات عطا کیے گئے کیونکہ رسولوں کو بھیجنا معجزات لانے کو متضمن ہوتا ہے‘ کیا تم دیکھتے نہیں کہ تمہارے اس قول میں کہ ”اُرْسِلَ مُحَمَّدٌ“ محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے‘ اور تمہارے اس قول میں کہ ”اُتِیَ مُحَمَّدٌ بِالْمُعْجِزَةِ“ حضرت محمد ﷺ کو معجزہ دے کر بھیجا گیا ہے‘ کوئی فرق نہیں ہے (کیونکہ دونوں جملوں میں رسالتِ محمدی ﷺ ثابت ہو جاتی ہے)۔

٦- ﴿مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا﴾ ان سے پہلے کوئی بستی یعنی بستی میں رہنے والے ایمان نہیں لائے‘ جس کے باشندوں کو ان کے مطالبے کی وجہ سے معجزات آ جانے پر ہم نے ہلاک کر دیا تھا کیونکہ انہوں نے ان معجزات کا مطالبہ ایمان لانے کے لیے نہیں بلکہ تعصب وعناد اور انکار کرنے کے لیے کیا تھا [”اَهْلَكْنَاهَا“‘ ”مِنْ قَرْيَةٍ“ کی صفت ہے] ﴿اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ﴾ تو کیا یہ لوگ (مشرکینِ مکہ) ایمان لے آئیں گے یعنی وہ لوگ معجزات پر ایمان نہیں لائے تھے جب معجزات ان کے پاس آ گئے تھے تو کیا یہ لوگ (کفارِ مکہ) ایمان لے آئیں گے اگر ہم ان کے مطالبے پر ان کے پاس معجزات لے آئیں اس کے باوجود کہ یہ لوگ ان سے زیادہ سرکش ہیں اور معنی یہ ہے کہ بے شک ہلاک شدہ بستی کے لوگوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام سے معجزات طلب کیے اور وعدہ کیا کہ وہ معجزات کے آنے پر ایمان لائیں گے لیکن جب ان کے پاس معجزات آن پہنچے تو انہوں نے انکار کر دیا اور مخالفت کرنا شروع کر دی‘ جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا‘ پس اگر ہم ان کو ان کے مطالبے پر معجزات عطا فرما دیں تو یہ بھی انکار کر دیں گے۔

کفار کی احمقانہ بات کا جواب

٧- ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مردوں کو بھی رسول بنا کر بھیجا ہے۔ دراصل یہ ان کے قول ”هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ (الانبیاء: ٣) کا جواب ہے یعنی یہ تو صرف تمہارے جیسا بشر ہی ہے۔ ﴿نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾ ہم ان کی طرف وحی بھیجتے ہیں [”نُوْحِي“ (نون کے ساتھ فعل معروف جمع متکلم) امام حفص کی قراءت میں ہے[1]] ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ﴾ سو تم اہلِ علم سے پوچھ لو (یعنی) تم سابقہ کتب الٰہیہ کے علماء سے پوچھ لو کیونکہ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ بے شک وہ تمام رسول جن کی طرف وحی بھیجی گئی وہ سب کے سب برگزیدہ انسان تھے اور وہ فرشتے نہیں تھے اور اہلِ مکہ ان کی باتوں پر اعتماد کرتے تھے ﴿اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم اس کو نہیں جانتے‘ پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی انہیں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح ہیں جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں‘ چنانچہ ارشاد فرمایا:

٨- ﴿وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا﴾ اور ہم نے ان کو ایسے جسم والا نہیں بنایا [جنس سے مراد لینے کی بناء پر ”جَسَدًا“ کو واحد لایا گیا ہے] ﴿لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ﴾ کہ وہ کھانا نہ کھائیں یعنی ہم نے آپ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کو ایسے جسم والا نہیں بنایا کہ وہ کھانے پینے کی خواہش نہ رکھتے ہوں ﴿وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ﴾ اور وہ ہمیشہ رہنے والے نہیں ہیں گویا کفارِ مکہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرشتہ بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا تا کہ آپ نہ کھانا کھاتے‘ نہ پانی پیتے اور ہمیشہ بھی رہتے کیونکہ کفار کا اعتقاد تھا کہ فرشتوں پر موت نہیں آتی یا پھر وہ فرشتوں کی طویل بقاء اور لمبی زندگی کو خلود و دوام کا نام دیتے تھے۔

[1] جب کہ ابن کثیر مکی‘ ابن عامر شامی‘ نافع مدنی‘ حمزہ‘ علی کسائی‘ ابوعمرو‘ شعبہ‘ خلف اور ابوجعفر کی قراءت میں ”يُوْحٰى“ (فعل مضارع مجہول غائب) ہے۔ (معجم القراءات القرآنیہ ج ٣ ص ١٣٠)

۹۔﴿ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ ﴾ پھر ہم نے ان کو اپنا وعدہ سچا کر دکھایا کہ انہیں نجات دی اور اصل میں ''فی الوعد'' (حرف جارہ مقدر ہے) جیسے ''وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ اَیْ مِنْ قومهٖ'' یعنی ''قومه'' (میں حرف جارہ مقدر ہے) اصل میں ''من قومه'' ہے۔ (الاعراف:۱۵۵) ﴿ فَاَنْجَیْنٰهُمْ ﴾ سو ہم نے ان (انبیائے کرام) کو اس عذاب سے نجات عطا فرمائی جو ان کی (کفار) قوم پر نازل کیا گیا تھا ﴿ وَمَنْ نَّشَآءُ ﴾ اور جن کو ہم چاہتے تھے اور وہ اہل ایمان ہیں (جو اپنے پیغمبروں پر ایمان لا چکے تھے) ﴿ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِیْنَ ﴾ اور ہم نے زیادتی کرنے والوں اور کفر کر کے حد سے بڑھنے والوں کو ہلاک کر دیا اور زیادتی کرنے والوں کو ہلاک کرنے کی خبر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ''وَمَنْ نَّشَآءُ'' میں ان کے علاوہ دوسرے لوگ (اہل ایمان) مراد ہیں (جن کو انبیائے کرام کے ساتھ نجات عطا کی گئی)۔

۱۰۔﴿ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا ﴾ اے قریش کی جماعت! بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے ﴿ فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ﴾ جس میں تمہاری فضیلت و عظمت کا ذکر کیا گیا ہے بشرطیکہ تم اس کتاب پر عمل کرو یا اس لیے کہ وہ کتاب تمہاری زبان میں نازل کی گئی ہے یا اس لیے کہ اس میں تمہارے دین اور تمہاری دنیا دونوں کا ذکر ہے [اور ''فِیْهِ ذِكْرُكُمْ'' جملہ ''كتابًا'' کی صفت ہے] ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ کیا اس کو تم سمجھتے نہیں کہ میں نے تمہیں اس کی وجہ سے دوسرے لوگوں پر فضیلت بخشی ہے پس تم اس پر ایمان لاؤ۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ⑪ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا
بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَرْكُضُوْنَ ⑫ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِیْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تُسْــٴَـلُوْنَ ⑬ قَالُوْا یٰوَیْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ⑭ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ
حَصِیْدًا خٰمِدِیْنَ ⑮ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ⑯ لَوْ اَرَدْنَآ
اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِیْنَ ⑰

اور ہم نے بہت سے بستیاں ہلاک کر ڈالیں، جن کے باشندے بڑے ظالم تھے اور ہم نے ان کے بعد دوسری قوموں کو پیدا کیا O پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب محسوس کیا تو وہ اچانک وہاں سے بھاگنے لگے O تم مت بھاگو اور جن نعمتوں میں تمہاری پرورش کی گئی ہے ان کی طرف اور اپنے مکانوں کی طرف لوٹ جاؤ تا کہ تم سے باز پرس کی جائے O انہوں نے کہا: ہائے ہماری بدنصیبی بے شک ہم ظالم تھے O پس ان کی یہ پکار متواتر رہی یہاں تک کہ ہم نے ان کو جڑ سے کٹی، بجھی ہوئی کھیتی کی طرح کر دیا O اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے (ان کو) کھیل تماشا نہیں بنایا O اگر ہم کھیل تماشا بنانا چاہتے تو ہم اسے ضرور اپنے ہی پاس سے بنا لیتے، اگر ہم کرنے والے ہوتے O

کفار کی ہلاکت کا بیان

۱۱۔﴿ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً ﴾ اور ہم نے بہت سی بستیوں یعنی ان میں رہنے والوں کو تباہ و برباد یعنی ہلاک کر ڈالا جو کہ بڑے ظالم تھے۔ اصل میں ''مِنْ قَرْیَةٍ'' سے مراد ان میں رہنے والے لوگ ہیں یعنی ان بستیوں میں آباد رہنے والے لوگوں کو ہلاک کیا گیا، اس کی دلیل ''كَانَتْ ظَالِمَةً'' ہے کیونکہ بستیاں ظالم نہیں ہوتیں بلکہ ان میں رہنے

والے لوگ ظالم ہوتے ہیں اور یہاں ظالموں سے کفار مراد ہیں جو (اپنے کفر وشرک اور نافرمانیوں کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ کے سخت غیظ وغضب اور اس کی بہت بڑی ناراضگی کے مستحق و سزاوار قرار پائے کیونکہ ''قصم'' کا معنی ہے: بہت بُرے طریقے سے توڑنا' ریزہ ریزہ کر دینا اور یہ وہ توڑنا مراد ہے جو اجزاء کے جوڑ کی شکستگی کو ظاہر کر دے اور مرکب جسم کے تمام اجزاء کو جوڑوں سے توڑ کر الگ الگ کر دے جب کہ ''فصم'' کا معنی ہے کہ کسی چیز کے اجزاء کو الگ الگ کیے بغیر توڑنا [اور حرف ''کَمْ'' خبر یہ تکثیریہ محلاً منصوب ہے اور ''قَصَمْنَا'' کا مفعول ہے (اور ''من قریة'' اس کی تمیز ہے)] ﴿ وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ﴾ اور ہم نے ان کے بعد دوسری قوموں کو پیدا کیا' جو ان کی رہائش گاہوں میں رہائش پذیر ہو گئے۔ ''اَنْشَاْنَا'' بہ معنیٰ ''خَلَقْنَا'' ہے یعنی ہم نے پیدا کیا۔

۱۲۔ ﴿ فَلَمَّاۤ اَحَسُّوْا بَاْسَنَاۤ ﴾ پھر جب انہوں نے یعنی ہلاک ہونے والوں نے ہمارا عذاب محسوس کیا یعنی جب انہوں نے حس اور مشاہدہ کے علم سے مکمل طور پر ہمارے عذاب کو معلوم کر لیا تو ﴿ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَرْكُضُوْنَ ﴾ اچانک وہ لوگ وہاں سے (یعنی) اس بستی سے جلدی جلدی بھاگ کھڑے ہوئے [''اِذَا'' مفاجاتیہ ہے' جس کا معنی ہے: اچانک اور ''هُمْ'' مبتدا ہے اور ''یَرْكُضُوْنَ'' اس کی خبر ہے] اور ''ركض'' کا معنی ہے: چوپائے کا زمین پر پاؤں مارنا' سو ممکن ہے کہ جب انہوں نے عذاب کے آثار دیکھے ہوں تو وہ اپنی سواریوں پر سوار ہو گئے ہوں اور ان پر سوار ہو کر اپنی بستی سے جلدی سے بھاگ پڑے ہوں یا انہیں اپنی سواریوں پر سوار ہو کر ان کو تیز دوڑانے کے لیے پاؤں مارنے اور تیز بھگانے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو اور اس صورت میں ان سے فرمایا گیا کہ:

۱۳۔ ﴿ لَا تَرْكُضُوْا ﴾ تم مت بھاگو' اور یہ کہنے والے بعض فرشتے تھے ﴿ وَارْجِعُوْۤا اِلٰى مَاۤ اُتْرِفْتُمْ فِیْهِ ﴾ اور اس دنیا میں تمہیں جو نعمتیں دی گئی ہیں تم ان کی طرف اور عیش وعشرت اور نازنین زندگی کی طرف لوٹ جاؤ۔ علامہ خلیل نے کہا کہ ''مُتْرِف'' وہ شخص ہوتا ہے' جس کی زندگی کشادہ اور خوشحال ہو اور اس میں غم وفکر بہت کم ہوں ﴿ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْــٴَـلُوْنَ ﴾ یعنی ان کا مذاق اڑانے کے لیے ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنی نعمتوں اور اپنی رہائش گاہوں کی طرف لوٹ جاؤ تا کہ تم سے کل ان چیزوں کے بارے میں پوچھا جائے' جو تم پر جاری رہیں اور تمہارے مالوں کی صورت میں تم پر اترتی رہیں' پس تم پوچھنے والے کو اپنے علم اور مشاہدہ کی بناء پر جواب دو گے یا یہ معنی ہے کہ تم واپس لوٹ جاؤ اور جس طرح تم اپنی مجلسوں اور محفلوں میں بیٹھا کرتے تھے' اسی طرح بیٹھ جاؤ یہاں تک کہ تمہارے غلام' نوکر چاکر اور وہ لوگ جن کے بارے میں تمہارے حکم اور نہی چلتے ہیں' تم سے درخواست کریں اور وہ تم سے عرض کریں کہ جناب آپ حضرات کیا حکم جاری فرماتے ہیں اور ہم کیسے کریں اور کیسے نہ کریں جیسا کہ دولت مند وخوشحال مخدوموں کی عادت ہوتی ہے یا یہ معنی ہے کہ لوگ تمہاری محفلوں میں آ کر تم سے اپنے مشکل اُمور کے بارے میں دست تعاون کے لیے سوال و درخواست کریں اور تمہاری محفلوں میں آ کر لوگ تم سے اترنے والی مصیبتوں کے حل کے لیے تعاون کا سوال کریں یا یہ کہ تمہارے پاس آنے والے وفد اور بڑے حریص ولالچی لوگ آ کر تم سے سوال کریں اور وہ تمہارے ہاتھوں کے بادلوں کی برسنے کی طلب و درخواست کریں یا یہ کہ فرشتوں کی بجائے انہوں نے خود ایک دوسرے سے کہا کہ تم اپنے مکانوں اور اپنے مالوں کے پاس واپس لوٹ چلو تا کہ تم ایک دوسرے سے مال ودولت اور ٹیکسوں کے بارے میں سوال کرو' سو تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا' اسی دوران آسمان سے پکارا گیا کہ اے انبیائے کرام علیہم السلام کے مخالفو! اور انہیں تلواروں نے گھیر لیا تو اس وقت انہوں نے

۱۴۔ ﴿ قَالُوْا یٰوَیْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴾ کہا کہ ہائے ہمارے بدنصیبی! بے شک ہم لوگ ظالم تھے۔ ان ظالم لوگوں نے

اس وقت اعتراف کیا' جس وقت اعتراف فائدہ نہیں دیتا۔

۱۵-﴿فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ﴾ پس ان کی یہ پکار مسلسل جاری رہی [یہ ''یٰوَیْلَنَا'' کی طرف اشارہ ہے اور ''تِلْكَ'' اس بناء پر مرفوع ہے کہ یہ ''زَالَتْ'' کا اسم ہے اور ''دَعْوٰیهُمْ'' اس کی خبر ہے اور اس کا برعکس بھی جائز ہے] ﴿حَتّٰی جَعَلْنٰهُمْ حَصِیْدًا﴾ یہاں تک ہم نے ان کو کٹی ہوئی کھیتی بنا دیا کہ وہ کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہو گئے یعنی جیسے کھیتی کو کاٹ کر اس کا بھوسہ بنا دیا گیا ہو [اور اس کو جمع نہیں لایا گیا جیسا کہ مقدر کو جمع نہیں لایا گیا] ﴿خٰمِدِیْنَ﴾ بجھی ہوئی آگ کی طرح مردے [''حَصِیْدًا خَامِدِیْنَ''۔ ''جَعَلَ'' کا دوسرا مفعول ہے] یعنی ہم نے ان کو بجھی ہوئی آگ اور کٹی ہوئی کھیتی دونوں کی مماثلت کے لیے جامع بنا دیا' جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''جَعَلْتُهٗ حُلْوًا حَامِضًا'' میں نے اس کو میٹھا (اور) کھٹا بنا دیا یعنی میں نے اس کو دونوں ذائقوں کا جامع بنا دیا ہے۔

زمین وآسمان کی تمام مخلوق بے کار نہیں' اطاعت کے لیے بنائی گئی ہے

۱۶-﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ﴾ اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کو کھیل تماشا اور بے مقصد نہیں بنایا۔ ''لعب'' ہر وہ فعل ہے' جس کا شروع اچھا ہو اور اس کو ثبات نہ ہو (عارضی خوشی) [اور ''لٰعِبِیْنَ'' حال ہے ''خَلَقْنَا'' کے فاعل سے] اور معنی یہ ہے کہ ہم نے یہ بلند و بالا چھت اور یہ بچھائی گئی زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان تمام اقسام کی مخلوق ہے ان کو کھیل تماشا کے لیے نہیں بنایا بلکہ ہم نے ان کو صرف اس لیے بنایا کہ ان کے ذریعے اِن کے مدبر کی قدرت پر استدلال کیا جائے تا کہ ہم نیکوکار اور بدکار کو اس کے مطابق صلہ دیں' جس کا ہماری حکمت تقاضا کرتی ہے۔

۱۷-پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ اقدس کو حدوث و ناپائیداری سے منزہ و مبرّا اور پاک قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا﴾ اگر ہم کھیل تماشا بنانا چاہتے یعنی بیٹا یا عورت بنانا چاہتے گویا یہ اس شخص کی تردید ہے' جس نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے بیٹے ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام اس کی بیوی ہے ﴿لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ﴾ تو ہم ضرور اسے اپنے پاس سے بناتے (یعنی) اولاد میں سے یا حور میں سے ﴿اِنْ كُنَّا فٰعِلِیْنَ﴾ اگر ہم کرنے والے ہوتے یعنی اگر ہم ان میں سے ہوتے جو یہ کام کرتے ہیں لیکن ہم ان میں سے نہیں ہیں' جو یہ کام کرتے ہیں کیونکہ یہ کام ہمارے حق میں محال ہے اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ یہ ''اِنْ'' نفی کے لیے ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ'' (الانبیاء:۱۰۹) ''اور میں قیاس سے نہیں جانتا کہ نزدیک ہے یا دور ہے' جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے''۔ یعنی ہم کرنے والے نہیں ہیں۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الْوَیْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ

اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾

بلکہ ہم تو حق کو باطل پر دے مارتے ہیں' سو حق اس کا سر پھوڑ دیتا ہے' پس باطل مٹ کر ہی رہتا ہے' اور تم جو کچھ بیان کرتے ہو اس پر تمہارے لیے بڑا ہی افسوس ہے O اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' اور جو اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ وہ تھکتے ہیں O وہ رات اور دن میں تسبیح بیان کرتے ہیں سستی نہیں کرتے O کیا انہوں نے زمین میں سے ایسے معبود بنا لیے ہیں جو (مردوں کو) زندہ کریں گے O اگر ان دونوں (آسمان اور زمین) میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہوتے تو وہ دونوں تباہ و برباد ہو جاتے' سو اللہ تعالیٰ (جو) عرش کا مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں O

۱۸- ﴿بَلْ﴾ بلکہ۔ یہ کھیل تماشا بنانے سے اعراض ہے اور لہو و لعب بنانے کی نفی ہے' نیز اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے بے ہودہ کاموں سے اپنی ذاتِ اقدس کی پاکیزگی بیان کی ہے' گویا ارشاد فرمایا کہ ہم لہو و لعب اور کھیل تماشا بنانے سے پاک ہیں بلکہ ہماری سنت اور ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ﴿نَقْذِفُ﴾ ہم مارتے ہیں یعنی ہم پھینکتے ہیں اور ہم مسلط کرتے ہیں ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کو (یعنی) قرآن مجید کو ﴿عَلَى الْبَاطِلِ﴾ باطل پر (یعنی) شیطان پر یا ہم اسلام کو شرک پر مسلط کر دیتے ہیں یا محنت و کوشش کو کھیل تماشے پر مسلط کر دیتے ہیں ﴿فَيَدْمَغُهٗ﴾ سو حق باطل کو تباہ کر دیتا اور اس کو توڑ پھوڑ دیتا ہے اور حق باطل کو مٹا دیتا ہے [اور یہ لطیف استعارہ ہے کیونکہ "قذف" (پھینکنا) "دمغ" (مٹانا) اجسام میں استعمال ہوتا ہے' پھر حق کو باطل پر مسلط کرنے کے لیے "قذف" کو بطور استعارہ لیا گیا ہے اور باطل کو مٹانے کے لیے "دمغ" کو بطور استعارہ لیا گیا ہے' پس مستعار منہ حسی ہے اور مستعار لہ عقلی ہے] تو گویا فرمایا گیا ہے کہ بلکہ ہم حق کو جو ایک مضبوط جسم کے مشابہ ہے باطل پر مسلط کر دیتے ہیں' جو ایک کمزور جسم کی مانند ہے' سو حق باطل کو اس طرح مٹا دیتا ہے' جس طرح قوی اور مضبوط جسم کمزور جسم کو مٹا دیتا ہے ﴿فَاِذَا هُوَ﴾ تو فوراً وہ یعنی باطل ﴿زَاهِقٌ﴾ ہلاک و ختم ہو جاتا ہے اور تباہ و برباد ہو جاتا ہے ﴿وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ﴾ اور تمہارے لیے ہلاکت ہے اس وجہ سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد وغیرہ بیان کرتے ہو۔

۱۹- ﴿وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اسی (اللہ تعالیٰ) ہی کے لیے ہے' جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے (یعنی) تخلیق اور ملکیت کے اعتبار سے زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ہے تو مخلوق و مملوک میں سے کوئی چیز اس کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے حالانکہ ان دونوں (خالق و مخلوق) کے درمیان تضاد ہے اور "الارض" پر وقف کیا جاتا ہے کیونکہ ﴿وَمَنْ عِنْدَهٗ﴾ اور جو محترم و معزز مخلوق اس کے پاس رہتی ہے' یہ مرتبہ و فضیلت کے اعتبار سے مراد ہے' رہائش گاہ اور جگہ کے اعتبار سے مراد نہیں ہے یعنی فرشتوں کی محترم و مکرم جماعت مراد ہے [یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ہے] ﴿لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ﴾ کہ وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی سے تکبر و غرور نہیں کرتے ﴿وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ﴾ اور وہ سستی نہیں کرتے اور نہ وہ تھکتے ہیں۔

۲۰- ﴿يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ﴾ وہ رات اور دن کو تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں وہ کبھی وقفہ نہیں کرتے ["لَا يَفْتُرُوْنَ"، "يُسَبِّحُوْنَ" سے حال واقع ہو رہا ہے] یعنی ان کی تسبیح ہمیشہ مسلسل تمام اوقات میں جاری و ساری رہتی ہے اور فراغت کے ساتھ اس میں وقفہ کبھی نہیں آتا یا کسی دوسرے شغل میں مشغول نہیں ہوتے' پس ان کی تسبیح ہمارے سانسوں کی طرح جاری و ساری رہتی ہے۔

شرکت کی نفی اور توحید الٰہی کا بیان

۲۱۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے کرتوتوں پر انکار کرتے ہوئے اور انہیں ڈانٹتے ہوئے ان سے اعراض فرمایا اور حرف ''اَمْ''، ''بَلْ'' اور ہمزہ کے معنی میں ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ﴾ کیا انہوں نے زمین میں سے ایسے معبود بنالیے ہیں جو مُردوں کو زندہ کردیں گے [''مِنَ الْاَرْضِ''، ''اٰلِهَةً'' کی صفت ہے] کیونکہ ان کے معبود زمین کے جواہر میں سے بنائے جاتے تھے جیسے سونا' چاندی اور پتھر وغیرہ سے بنائے جاتے تھے' نیز زمین پر ان کی عبادت کی جاتی تھی' اس لیے ان کی نسبت زمین کی طرف کی گئی ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''فُلَانٌ مِّنَ الْمَدِيْنَةِ'' یعنی فلاں آدمی مدنی ہے [یا پھر ''اِتَّخَذُوْا'' کے متعلق ہے اور اس میں معبودوں کے بنانے کی ابتدائے غایت کا بیان ہے] اور ''هُمْ يُنْشِرُوْنَ'' میں اضافی اور زائد دھمکی ہے اور اگرچہ ان کا یہ دعویٰ نہیں تھا کہ ان کے معبود مُردوں کو زندہ کریں گے اور وہ یہ دعویٰ کیسے کرسکتے تھے کیونکہ مُردوں کو زندہ کرنا ان کے بڑے منکرات میں سے ہے مگر بتوں کے لیے اُلوہیت کے دعویٰ سے ان کے لیے مُردوں کو زندہ کرنے کا دعویٰ لازم آتا ہے کیونکہ اس کام سے عاجز کے لیے معبود ہونا صحیح نہیں ہے جب کہ اس اسم کا صرف وہی مستحق ہوسکتا ہے' جو ہر مقدور پر قادر ہو اور تمام مقدورات کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرسکتا ہو [اور حضرت حسن کی قراءت میں ''يَنْشُرُوْنَ'' یا مفتوح کے ساتھ (فعل معروف) ہے اور یہ دو لغتیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو پیدا کرے گا یعنی ان کو زندہ کرے گا]۔

۲۲۔ ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ﴾ اگر ان دونوں (زمین وآسمان) میں اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی اور معبود بھی ہوتے (تو زمین وآسمان تباہ ہوجاتے) [''اِلَّا'' یہاں ''غَيْر'' کے معنی میں ہے اور ''اٰلِهَةٌ'' کو ''اِلَّا'' کے ساتھ موصوف کیا گیا جیسا کہ ''غیر'' کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے' اگر ''اٰلِهَةٌ غَيْرُ اللّٰهِ'' کہا جائے اور اس پر بطور بدل رفع جائز نہیں کیونکہ ''لَوْ'' کلام موجب میں ''اِنَّ'' کے معنی میں ہوتا ہے جب کہ بدل کلام غیر موجب میں جائز ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ'' (ہود:۸۱) ''اور تم میں سے کوئی مڑ کر پیچھے نہ دیکھے ماسوا تمہاری بیوی کے''۔ اور اس پر بطور استثناء نصب بھی جائز نہیں ہے' اس لیے کہ جمع جب نکرہ ہو (جیسے ''اٰلِهَةٌ'' ہے) تو محققین کے نزدیک اس سے استثناء نہ ہوتو مستثنیٰ اس میں داخل ہوجائے] اور معنی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کے معاملے کی تدبیر اگر کئی مختلف معبود کرتے تو اللہ تعالیٰ واحد لاشریک کے علاوہ جس نے ان کو پیدا فرمایا ہے تو ﴿لَفَسَدَتَا﴾ البتہ زمین وآسمان دونوں تباہ و برباد ہوجاتے' برہان تمانع کے پائے جانے کے سبب اور ہم نے اصولِ کلام میں اس کی تقریر بیان کردی ہے[1] پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی پاکیزگی

[1] اللہ تعالیٰ کی توحید کی یہ ناقابلِ تردید دلیل ہے کہ انسان اس میں جتنا غور وتامّل کرے' اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی توحید پر اس کا یقین محکم اور ایمان پختہ ہوتا جاتا ہے اور اس کے باوجود اتنی سہل اور عام فہم ہے کہ ایک سادہ لوح دیہاتی بھی اس کو سمجھ سکتا ہے اور اپنے دل کو نور یقین سے منور کرسکتا ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ اگر ایک ملک کے دو فرمانروا ہوں' جن کے اختیارات مساوی ہوں تو اس ملک میں فتنہ وفساد کے شعلے بھڑکیں گے اور اس کی ساری رونقیں خاک سیاہ بن کر رہ جائیں گی۔ اگر ایک ہی لشکر کے دو جرنل ہوں تو وہ کسی میدان میں جم کر نہیں لڑ سکے گا' یہ ایسی بات ہے جسے ہر لکھا پڑھا بھی جانتا ہے اور ایک اَن پڑھ چرواہا بھی جس کی عمر سیاسی ہنگاموں سے دور' جنگلوں میں بکریاں چراتے گزری ہو' آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی ملک میں کسی قوم نے اپنے دو ایسے حکمران مقرر کیے ہوں جو قوت وطاقت اور اختیار میں مساوی حیثیت کے مالک ہوں لیکن اگر آپ اس آیت مبارکہ میں مزید غور کریں تو آپ کو اس دلیل کی گہرائی اور گیرائی کا مزید اندازہ ہوگا۔ پہلے آپ یہ سمجھئے کہ اِلٰہ (خدا) کون ہوسکتا ہے' اِلٰہ وہ ہوسکتا ہے' جو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بیان کی اور فرمایا: ﴿ فَسُبۡحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴾ سو اللہ تعالیٰ جو عرش کا مالک ہے' ان تمام عیبوں سے پاک ہے' جو مشرکین اولاد اور شریکوں کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کرتے ہیں۔

لَا یُسۡـَٔلُ عَمَّا یَفۡعَلُ وَ ہُمۡ یُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِـہَۃً ؕ قُلۡ ہَاتُوۡا بُرۡہَانَکُمۡ ۚ ہٰذَا ذِکۡرُ مَنۡ مَّعِیَ وَ ذِکۡرُ مَنۡ قَبۡلِیۡ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۙ الۡحَقَّ فَہُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۲۵﴾ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا سُبۡحٰنَہٗ ؕ بَلۡ عِبَادٌ مُّکۡرَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ لَا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) واجب الوجود ہو' اپنے موجود ہونے میں کسی خالق کا محتاج نہ ہو' نیز جو تمام صفاتِ کمال سے متصف ہو اور جملہ نقائص وعیوب سے پاک ہو۔ جو خدا اپنے موجود ہونے میں کسی غیر کا دست نگر ہو اس کو الٰہ کہنا مذاق نہیں تو اور کیا ہے' وہ خدا جس میں کئی خوبیاں اور کمالات مفقود ہوں اور جس میں طرح طرح کے عیب پائے جاتے ہوں' ایسی ہستی کو بھی خدا کہنا عقل ودانش کی سب سے بڑی توہین ہے۔ اب جب ہم نے عقلِ سلیم کی روشنی میں یہ فیصلہ کر لیا کہ خدا وہ ہے' جو واجب الوجود ہو اور تمام کمالات سے متصف اور تمام عیوب سے پاک ہو' تو اب ذرا سوچیے کہ (۱) اگر ایک سے زائد خدا مان لیے جائیں تو ان کی باہمی حیثیت کیا ہو گی؟ اگر سارے ناقص ہیں اور کائنات کے پیدا کرنے میں ایک دوسرے کی اعانت کے محتاج ہیں تو ان میں سے ایک بھی اس قابل نہ ہوا کہ اسے خدا کہا جائے کیونکہ جو خود محتاج ہو وہ کسی کی حاجت روائی کیا کرے گا (۲) اور اگر ان میں سے ایک کامل قدرت کا مالک ہے اور دوسرے اس کی امداد کے محتاج ہیں تو جو کامل ہے اسے کیا پڑی ہے کہ اس بدیع اور حیران کن نظامِ عالم کی تخلیق میں دوسروں کو شریک کرتا پھرے' جو وہ بلا شرکت غیرے انجام دے سکتا ہے (۳) اور اگر سب یکساں قوت واختیار اور ارادہ کے مالک ہیں تو ان میں باہمی اختلاف کا پیدا ہونا لازمی ہے اور جب ایک خدا دوسرے خدا سے ٹکرائے گا تو کائنات کی دھجیاں اڑ جائیں گی (۴) اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ سب نے آپس میں مصالحت کر لی ہے اور باہمی اتفاق سے سارا نظامِ کائنات چل رہا ہے تو کیا حوادثِ عالم کے رونما پذیر ہونے میں سب کی قوت وطاقت صرف ہو رہی ہے یا فقط ایک کی۔ اگر فقط ایک خدا کی قوت صرف ہو رہی ہے تو دوسرے خدا بے کار ہوں گے اور یہ بھی اچھے خدا ہوئے کہ طاقت تو ہے لیکن بخیل کی دولت کی طرح بے کار و بے مصرف (۵) اور اگر سب کی قوت و ارادہ سے ہر کام انجام پا رہا ہے تو پھر دریافت طلب امر یہ ہے کہ سب علیحدہ علیحدہ اس کام کو کر سکتے ہیں یا نہیں کر سکتے۔ اگر نہیں کر سکتے تو عاجز وناتواں ہوئے جو شانِ خداوندی کے خلاف ہے اور اگر ہر ایک کر سکتا ہے اور پھر سب مل کر کرتے ہیں تو یہ بھی قوت وارادہ کی بے جا نمائش اور ضیاع ہے' جو حماقت کی دلیل ہے۔ غرضیکہ اگر اِلٰہ کا مفہوم ذہن نشین ہو' پھر اس آیت طیبہ میں غور کیا جائے تو عقل وفہم کی دنیا میں شرک کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

علامہ اسماعیل حقی نے ''روح البیان'' میں کیا خوب لکھا ہے کہ اگر ایک بدن میں دو روح اور ایک نظامِ شمسی میں دوسرا آفتاب نہیں سما سکتا تو اس جہانِ بالا وپست میں بھی اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے علاوہ اور کوئی دوسرا خدا نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۱۵۷ تا ۱۵۸) نیز مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۹۲ تا ۹۵' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' تفسیر تبیان القرآن ج ۷ ص ۵۳۱ تا ۵۳۳)

يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾

وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے سوال نہیں کیا جائے گا اور ان لوگوں سے سوال کیا جائے گاO کیا انہوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں' فرما دیجئے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو' یہ (قرآن) ان کے لیے نصیحت ہے جو میرے ساتھی ہیں اور ان کے لیے نصیحت ہے جو مجھ سے پہلے ہیں' بلکہ ان میں اکثر حق کو نہیں جانتے' سو وہ اعراض کرنے والے ہیںO اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف وحی کرتے رہے کہ بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں' پس تم میری ہی عبادت کروO اور انہوں نے کہا کہ رحمٰن نے (فرشتوں کو) اولاد بنا لیا وہ تو اس سے پاک ہے' بلکہ وہ (فرشتے) معزز بندے ہیںO وہ اس سے کسی بات میں سبقت نہیں کرتے وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیںO

٢٣- ﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ﴾ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے نہیں پوچھا جائے گا کیونکہ وہ حقیقی مالک ہے اور اگر بادشاہ پر اس کے بعض غلاموں کے بارے میں اعتراض کیا جائے' اگرچہ بادشاہ اور غلام آپس میں ہم جنس ہیں اور بادشاہ سے غلطی ممکن ہے اور وہ حقیقی مالک بھی نہیں ہے' اس کے باوجود بادشاہ پر اس اعتراض کو بُرا سمجھا جائے گا اور اعتراض کرنے والے کو بے وقوف و احمق شمار کیا جائے گا تو بھلا اللہ تعالیٰ جو تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور تمام مربیوں کا مربی ہے اور تمام پرورش کرنے والوں کا رب ہے اور جس کا ہر فعل صحیح اور درست ہے' وہ اس کے زیادہ لائق ہے کہ اس پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ کیا جائے ﴿وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ﴾ اور ان (لوگوں) سے پوچھا جائے گا' کیونکہ وہ مملوک و خطا کار ہیں' پس اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ (قیامت کے دن) ان سے ہر اس عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا' جو انہوں نے (دنیا میں) کیا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ'' میں ضمیر حضرت مسیح اور فرشتوں کی طرف لوٹتی ہے' یعنی ان سے پوچھا جائے گا کہ انہیں معبود کیسے قرار دیا گیا تھا اور جب کہ الوہیت و معبودیت ہم جنس ہونے اور باز پرس و سوال کیے جانے سے منافی ہے۔

٢٤- ﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً﴾ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کئی معبود بنا لیے ہیں۔ مزید افادہ کے لیے اس کا ارادہ کیا گیا ہے' پس پہلی آیت مبارکہ میں عقل کے اعتبار سے شرک سے انکار کیا گیا اور اس دوسری آیت طیبہ میں نقل کے اعتبار سے شرک کی نفی کی گئی ہے یعنی تم نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کیا ہے کہ اس کے لیے شریک ہے' پھر حبیبِ کبریا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ ﴿قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ﴾ اے محبوب! ان سے فرما دیجئے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو اور اپنی اس بدعقیدگی پر کوئی حجت پیش کرو اور یہ عقلی دلیل ہے اور یہ دلیل بھی شرک کا انکار کرتی ہے' جیسا کہ ابھی گزرا ہے یا یہ دلیل نقلی ہو اور یہ وحی الٰہی ہے اور یہ دلیل بھی اس کا انکار کرتی ہے' سو تم آسمانی اور الہامی کتابوں میں سے کوئی کتاب نہیں پاؤ گے مگر اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کا شریکوں سے پاک ہونا پاؤ گے ﴿هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ﴾ یہ میرے ساتھیوں کے لیے نصیحت ہے یعنی یہ قرآن مجید میری امت کے لیے نصیحت ہے ﴿وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ﴾ اور مجھ سے پہلے لوگوں کے لیے نصیحت ہے یعنی مجھ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی امتوں کے لیے نصیحت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس سے شریکوں کی نفی کے بیان میں نازل ہوا ہے [''مَعِيَ'' میں ''یا'' مفتوح کے ساتھ امام حفص کی قراءت میں ہے] پھر جب وہ لوگ اپنے کفر و شرک سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اعراض کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ﴾ بلکہ ان میں اکثر لوگ حق کو یعنی قرآن مجید کو نہیں جانتے [''اَلْحَقَّ''، ''يَعْلَمُوْنَ'' کی وجہ سے منصوب ہے] اور ''اَلْحَقَّ'' (قاف پر

پیش کے ساتھ) بھی پڑھا گیا ہے یعنی ''هُوَ الْحَقُّ'' یہی حق ہے ﴿فَهُمْ﴾ پس وہ لوگ اپنی اس جہالت و بے علمی کے سبب ﴿مُّعْرِضُوْنَ﴾ اس قرآن مجید میں ایسی نظر وفکر سے اعراض وروگردانی کرنے والے ہیں' جو ان پر واجب ولازم تھی۔

۲۵- ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم اس کی طرف (یہی) وحی بھیجتے رہے کہ ﴿اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ بے شک میرے ماسوا کوئی معبود برحق نہیں ہے پس تم میری عبادت کرو اور مجھے واحد لاشریک مانو' سو یہ آیت مبارکہ سابقہ آیت توحید کو مستحکم ومضبوط کرنے والی ہے [''نُوْحِيْ'' (نون مضموم اور ''حا'' مکسور فعل جمع متکلم) ابوبکر اور حماد کے علاوہ اہل کوفہ کی قراءت میں ہے (جب کہ باقیوں کے نزدیک ''یا'' مضموم اور ''حا'' مفتوح ''یُوْحٰی'' فعل مبنی للمفعول ہے)]۔

۲۶- ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ﴾ اور انہوں نے کہا کہ رحمٰن (یعنی اللہ تعالیٰ) نے اولاد کو اپنا لیا ہے وہ تو اس سے پاک ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ قبیلہ خزاعہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی' جنہوں نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' سو اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں ان کے مقولہ کے بعد اولاد سے اپنی تنزیہ وبراءت اور پاکیزگی بیان کی' پھر فرشتوں کے بارے میں بتایا کہ یہ اس کے معزز بندے ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ﴾ یعنی بلکہ وہ معزز ومکرم بندے ہیں' برگزیدہ اور مقرب ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہیں کیونکہ بندہ ہونا اولادِ الٰہی ہونے کے منافی ہے۔

۲۷- ﴿لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ﴾ وہ کسی بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے [یعنی (اصل میں) ''بِقَوْلِهِمْ'' ہے' پھر لام کو اضافت کے قائم مقام بنایا گیا ہے] اور معنی یہ ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہر ارشاد کی پیروی کرتے ہیں' سو وہ اپنی بات میں اس کی بات سے سبقت نہیں کرتے اور نہ وہ اپنی بات کی وجہ سے اس کی بات سے آگے بڑھتے ہیں ﴿وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ﴾ اور وہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں' یعنی جس طرح فرشتوں کی باتیں اللہ تعالیٰ کی بات کے تابع ہیں' اسی طرح ان کا عمل بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوتا ہے اور ان کا عمل اللہ تعالیٰ کے حکم پر موقوف ہوتا ہے اور وہ کوئی عمل نہیں کرتے جب تک انہیں اس کا حکم نہیں دیا جاتا۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾

ع ۲

وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے مگر اسی کے لیے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور وہ اس کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں O اور ان میں سے جو یہ کہے گا کہ بے شک اس کے سوا میں معبود ہوں تو ہم اس کو دوزخ کی سزا دیں گے' اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں O اور کیا کافروں نے غور سے نہیں دیکھا کہ بے شک تمام آسمان اور زمین دونوں آپس میں ملے ہوئے تھے تو ہم نے ان کو جدا جدا کیا' اور ہم نے ہر جان دار چیز کو

پانی سے پیدا کیا تو کیا وہ ایمان نہیں لاتے O

۲۸۔﴿ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کے اگلے پچھلے تمام اعمال کو جانتا ہے ﴿ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی ﴾ اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اس شخص کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ نے پسند کیا یعنی فرشتوں کی سفارش اس شخص کے لیے ہوتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو چکا ہے یا جو خلوصِ دل کے ساتھ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھ کر مسلمان ہو چکا ہے ﴿ وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴾ اور وہ اس کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔

۲۹۔﴿ وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ ﴾ اور جو ان فرشتوں میں سے یہ کہے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے علاوہ میں معبود ہوں [نافع مدنی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''اِنِّیَ'' (''یا'' پر زبر) ہے] ﴿ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ ﴾ پس یہ بات کہنے والے کو ہم دوزخ کی سزا دیں گے [''فَذٰلِكَ'' مبتدا ہے اور ''نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ'' اس کی خبر ہے اور یہ دونوں مبتدا و خبر مل کر مذکورہ بالا شرط کا جواب ہے] ﴿ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴾ اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں (یعنی) کافروں کو جنہوں نے الوہیت کو اس کی اپنی جگہ کی بجائے غیر کی جگہ پر رکھا اور یہ بر سبیل فرض اور بر سبیل تمثیل کہا گیا ہے کیونکہ فرشتے تو شرک و ظلم و دیگر گناہوں سے معصوم و پاک ہیں اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما' حضرت قتادہ اور حضرت ضحاک نے فرمایا کہ یہ وعید (دھمکی) ابلیس لعین کے بارے میں متحقق ہے کیونکہ اس نے اپنے لیے الوہیت کا دعویٰ کیا اور اس نے اپنی اطاعت و فرماں برداری اور اپنی عبادت کی طرف دعوت دی تھی۔

کفار کو تخلیقِ کائنات میں غور و فکر کے ذریعے ایمان کی دعوت

۳۰۔﴿ اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا ﴾ اور کیا کافروں نے غور و فکر نہیں کیا [ابن کثیر مکی کی قراءت میں (واؤ کے بغیر) ''اَلَمْ یَرَ'' ہے] ﴿ اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا ﴾ بے شک تمام آسمان اور زمین یہ دونوں یعنی ایک آسمانوں کی جماعت اور دوسری زمین کی جماعت' سو اس لیے ''کُنَّ'' جمع کا صیغہ نہیں فرمایا ﴿ رَتْقًا ﴾ ملے ہوئے تھے [یہ مصدر بہ معنی مفعول ہے] یعنی آسمان اور زمین دونوں آپس میں ملے ہوئے تھے اور یہ مصدر اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ یہ ''مَرْتُوْقَتَیْنِ'' کی جگہ پر واقع ہو جائے ﴿ فَفَتَقْنٰهُمَا ﴾ سو ہم نے ان کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا اور ہم نے ان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور ''فَتْق'' کا معنی ہے: دو چیزوں کے درمیان فاصلہ کرنا اور ''رتق''. ''فتق'' کی ضد ہے' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفارِ مکہ نے زمین و آسمان کو آپس میں ملا ہوا کب دیکھا تھا کہ ان کے سامنے یہ تقریر کی گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا بیان قرآن مجید میں وارد ہوا ہے جو سراسر از اوّل تا آخر معجزہ ہے' سو اس لیے اس کو اس چیز کے قائم مقام کیا گیا ہے' جس کو سر کی آنکھوں سے دیکھا گیا ہو اور اس کا مشاہدہ کیا گیا ہو اور اس لیے بھی کہ یہاں رُؤیت بہ معنی علم ہے اور زمین و آسمان کا آپس میں باہمی ملا ہونا اور پھر ان کے درمیان فاصلہ کرنا عقل کے اعتبار سے دونوں جائز ہیں' پس تلاصق (باہمی ملانے) کی بجائے تباین (جدا کرنے) کے اختصاص کے لیے کسی مخصص کا ہونا ضروری ہے اور وہ قدیم ذات اللہ تعالیٰ جلّ جلالہ کی ہے' پھر ایک قول یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آسمان کا زمین کے ساتھ متصل ہونے کا مقصد یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان خلا اور فضا نہیں تھی۔ (''فَفَتَقْنٰهُمَا'') پھر ہم نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا یعنی ہم نے ہوا کے ذریعے ان دونوں کے درمیان فاصلہ کر دیا اور بعض نے فرمایا کہ تمام آسمان ایک طبق کی طرح ملے ہوئے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے سات آسمان بنا دیئے اور اسی طرح زمین بھی ایک طبق کی طرح ملی ہوئی تھی' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے سات زمینیں بنا دیں

اور بعض کا قول ہے کہ زمین و آسمان دونوں الگ الگ پتھر کی مضبوط چٹان کی طرح بند تھے' نہ آسمان سے بارش برستی تھی اور نہ زمین سے سبزہ اُگتا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بارش کے ساتھ اور زمین کو سبزہ جات کے ساتھ کھول دیا ﴿ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ﴾ اور ہم نے ہر جان دار کو پانی سے بنایا ہے یعنی ہم نے ہر جان دار کو پانی سے پیدا کیا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ" (النور:۴۵) "اور اللہ تعالیٰ نے زمین پر چلنے والے ہر جان دار کو پانی سے پیدا فرمایا ہے"۔ یا یہ کہ گویا ہم نے ہر جان دار کو پانی سے پیدا فرمایا کیونکہ ہر جان دار پانی کا سخت محتاج ہوتا ہے اور وہ پانی کو بہت چاہتا ہے اور وہ اس سے بہت کم صبر کر سکتا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: "خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ" (الانبیاء:۳۷) "انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے"۔ ﴿ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ تو کیا وہ ایمان نہیں لاتے اور جس کا وہ مشاہدہ کر رہے ہیں اس کی تصدیق نہیں کرتے۔

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور ہم نے زمین میں بڑے بھاری پہاڑ بنا دیئے تا کہ زمین ان کے سبب ہچکولے نہ کھائے' اور ہم نے ان میں کشادہ راستے بنا دیئے تا کہ وہ لوگ راہ پا سکیں O اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا' اور وہ لوگ اس کی نشانیوں سے روگردانی کر رہے ہیں O اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا' سب اپنے مدار میں تیر رہے ہیں O اور ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کے لیے ہمیشہ رہنا نہیں بنایا' تو کیا اگر آپ انتقال کر گئے تو وہ ہمیشہ رہ جائیں گے O ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے' اور ہم تمہیں بُرائی اور بھلائی کے ذریعے خوب آزماتے ہیں' اور تمہیں ہماری طرف لوٹا دیا جائے گا O

۳۱- ﴿ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ ﴾ اور ہم نے بڑے بڑے پہاڑ زمین میں گاڑ دیئے اور جما دیئے ہیں۔ "رواسی"' "راسی" کی جمع ہے اور "رسا" سے مشتق ہے' بہ معنی ثابت و قائم جب کوئی چیز زمین میں ثابت و جم جائے ﴿ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ﴾ تا کہ ہلنے نہ لگ جائے (یعنی) تا کہ ان کے سبب نہ کانپے اور نہ لرزنے لگ جائے بلکہ ان بھاری پہاڑوں کی وجہ سے زمین میں سکون و جماؤ آ جائے' [پھر حرف "لا" نافیہ اور "لام" کو حذف کر دیا گیا اور اس جگہ لا نافیہ کا گرانا جائز ہے کیونکہ یہاں التباس نہیں' جیسا کہ درج ذیل ارشاد میں "لا" زیادہ کیا گیا ہے: "لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ" (الحدید:۲۹) "تا کہ اہل کتاب جان لیں"۔] ﴿ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا ﴾ اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنا دیئے ہیں یعنی وسیع و عریض راستے۔ یہ "فَجٌّ" کی جمع ہے' جس کا معنی کشادہ اور چوڑا راستہ ہے [اور "فِجَاجًا"' "سُبُلًا" سے مقدم حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے] اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت مبارکہ کے درمیان اور درج ذیل آیت مبارکہ کے درمیان کیا فرق ہے: "لِتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا" (نوح:۲۰) "تا کہ تم اس کے وسیع اور کشادہ راستوں میں چلو"۔ اس

کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت مبارکہ جو اس سورت میں ہے وہ یہ بتلانے کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں وسیع اور کشادہ راستے بنا دیئے ہیں اور دوسری آیت مبارکہ جو سورت نوح میں ہے وہ یہ بیان کرنے کے لیے ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان پہاڑوں کو پیدا کرنا چاہا تو اسی صفت پر پیدا کیا کہ اس میں راستے بنا دیئے پس یہ یہاں پیدا ہونے والے ابہام کا بیان ہے ﴿لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ تاکہ وہ راہ پالیں یعنی تاکہ لوگ ان راہوں کے ذریعے منازل مقصودہ اور ممالک مقصودہ تک پہنچ سکیں۔

٣٢-﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا﴾ اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا کہ ستونوں کے بغیر زمین پر گرنے سے محفوظ رہتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ'' (الحج:٦٥) ''اور وہ آسمان کو زمین پر گر پڑنے سے روکتا ہے مگر اسی کے حکم سے''۔ یا یہ معنی ہے کہ ہم نے آسمان کو چنگاریوں کے ذریعے شیطانوں سے محفوظ بنا دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ'' (الحجر:١٧) ''اور ہم نے اس (آسمان) کو ہر مردود شیطان سے محفوظ کر دیا''۔ ﴿وَهُمْ﴾ اور وہ لوگ یعنی کفار ﴿عَنْ اٰيٰتِهَا﴾ توحید و قدرت اور حکمت پر رہنمائی کرنے والی اس کی نشانیوں سے جو آسمان میں پیدا کی گئی ہیں جیسے سورج اور چاند اور ستارے ﴿مُعْرِضُوْنَ﴾ روگردانی کرنے والے ہیں ان نشانیوں میں غور و فکر کرنے والے نہیں ہیں ورنہ وہ ایمان لاتے۔

٣٣-﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جس نے رات کو پیدا فرمایا تاکہ تم اس میں آرام کرو اور سکون کی نیند سو سکو ﴿وَالنَّهَارَ﴾ اور دن کو پیدا فرمایا تاکہ تم اس میں کاروبار کے لیے اپنے اختیارات استعمال کرو ﴿وَالشَّمْسَ﴾ اور سورج کو پیدا فرمایا تاکہ وہ دن کا چراغ قرار پائے ﴿وَالْقَمَرَ﴾ اور چاند کو پیدا فرمایا تاکہ وہ رات کے لیے چراغ کا کام دے ﴿كُلٌّ﴾ [اس پر تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی اصل میں ''كُلُّهُمْ'' ہے اور ضمیر سورج اور چاند کی طرف لوٹتی ہے اور ان دونوں سے مراد جنس طوالع ہے اور عقلاء کی جمع کے ساتھ اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ عقلاء کے فعل کے ساتھ متصف ہیں اور وہ تیرنا ہے] ﴿فِيْ فَلَكٍ﴾ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ''فلك'' سے مراد آسمان ہے اور جمہور اس پر متفق ہیں کہ ''فلك'' سے آسمان کے نیچے خلا میں ایک گول مدار مراد ہے جس میں سورج، چاند اور ستارے چلتے رہتے ہیں ﴿يَّسْبَحُوْنَ﴾ وہ چلتے ہیں یا گھومتے ہیں [''كُلٌّ'' مبتدا ہے اور ''يَسْبَحُوْنَ'' اس کی خبر ہے اور مبتدا و خبر مل کر جملہ ہو کر ''شمس'' اور ''قمر'' سے حال کی بناء پر محلاً منصوب ہے]۔

٣٤-﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کے لیے ہمیشہ رہنا مقرر نہیں فرمایا (یعنی) دائمی بقاء کسی انسان کے لیے نہیں ہے ﴿اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ﴾ تو کیا اگر آپ دنیا سے انتقال کر جائیں گے تو یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ مشرکینِ مکہ منصوبے بنایا کرتے اور کہا کرتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عنقریب فوت ہو جائیں گے (جس سے ان کے مشن دینِ حق کا سلسلہ ختم ہو جائے گا) سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف سے ان کی اس بکواس کی نفی فرمائی یعنی اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ فرما چکا ہے کہ دنیا میں کوئی انسان ہمیشہ نہیں رہے گا تو کیا اگر آپ انتقال کر گئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ باقی رہ جائیں گے[1]

---

[1] واضح رہے کہ مرزائی یہاں ایک اعتراض کرتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے کوئی انسان زندہ نہیں رہا' لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی انتقال فرما چکے ہیں اور احادیثِ مبارکہ میں جس مسیح موعود کا ذکر ہے اس سے مرزا غلام احمد قادیانی مراد ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ کوئی انسان دنیا میں ہمیشہ زندہ نہیں رہے گا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

٣٥۔ ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ ﴾ ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور ہم تمہیں آزمائیں گے اور ہم تمہارا امتحان لیں گے' اور اگر چہ عالمین کے وہ اعمال جو وہ مستقبل میں کریں گے اللہ تعالیٰ ان کو ان کے وجود میں آنے سے پہلے ابھی سے جانتا ہے لیکن اس آزمائش کا نام امتحان اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ بہ ظاہر امتحان کی صورت میں ہے ﴿ بِالشَّرِّ ﴾

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) بلکہ سب نے موت کا مزہ چکھنا ہے اگر حضور نبی کریم ﷺ ہمیشہ نہیں رہیں گے تو کفار مکہ کون سے ہمیشہ رہیں گے۔ باقی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے شک زندہ آسمانوں پر اٹھا لیے گئے ہیں' قرآن مجید اس پر شاہد ہے لیکن احادیثِ مبارکہ کی تصریح کے مطابق آپ دنیا میں تشریف لائیں گے اور نکاح کریں گے اور اولاد ہوگی' پھر آپ بھی مَوت کا مزہ چکھ کر فوت ہو جائیں گے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقبرہ میں دفن ہوں گے' نیز ان تمام احادیث میں ابن مریم اور عیسیٰ ابن مریم کے نزول کا ذکر ہے جب کہ مرزا غلام احمد کا نہ اپنا نام عیسیٰ ہے اور نہ اس کی ماں کا نام مریم ہے' لہٰذا وہ کسی صورت میں مسیح موعود نہیں ہو سکتا ہے' چنانچہ

(١) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! حضرت ابن مریم تم میں حاکم اور عادل بن کر ضرور اتریں گے اور وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے' جزیہ کا حکم ختم کر دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور آپ لوگوں کو مال عطا کریں گے یہاں تک کہ اس کو کوئی قبول کرنے والا نہیں ہوگا' اس وقت کا ایک سجدہ دنیا اور دنیا کے مال واسباب سے بہتر ہوگا' پھر حضرت ابو ہریرہ کہنے لگے: اگر تم چاہتے ہو تو یہ آیت مبارکہ پڑھ لو: ''وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ'' (النساء:١٥٩) ''اہل کتاب میں سے کوئی بھی نہیں رہے گا مگر وہ حضرت عیسیٰ پر ان کی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا''۔

(٢) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! حضرت ابن مریم حاکمِ عادل بن کر ضرور بہ ضرور اتریں گے' صلیب کو توڑ دیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ کو ختم کر دیں گے' اونٹوں کو چھوڑ دیں گے اور ان سے کوئی کام نہیں لیں گے' عداوت و کینہ اور حسد کو ختم کر دیں گے اور آپ لوگوں کو مال وصول کرنے کی طرف بلائیں گے لیکن اسے کوئی قبول نہیں کرے گا۔ اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے جب کہ ''بخاری'' اور ''مسلم'' دونوں کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارے امام بھی تم میں سے ہوں گے۔

(٣) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر جہاد کرتا رہے گا اور قیامت تک غالب رہے گا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر حضرت عیسیٰ ابن مریم اتریں گے' ان کے امیر کہیں گے: تشریف لائیں اور ہمیں نماز پڑھائیں' اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: نہیں! بلاشبہ تم میں سے بعض بعض پر امیر ہیں' یہ بات اس امت کی تعظیم و تکریم کے لیے فرمائیں گے' جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے عطا کی گئی ہے۔

(٤) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم زمین پر اتریں گے' پھر وہ شادی کریں گے اور آپ کی اولاد ہوگی اور آپ پینتالیس سال ٹھہریں گے' پھر آپ فوت ہو جائیں گے اور میرے مقبرے میں دفن ہوں گے' پھر میں اور حضرت عیسیٰ ایک مقبرے سے اٹھیں گے۔ ہم دونوں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے درمیان میں ہوں گے۔

نوٹ: یہ تمام احادیث ''مشکوٰۃ شریف'' 'باب: نزول عیسیٰ علیہ السلام' ص ٤٧٩ تا ٤٨٠' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی (الہند) میں ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی

بُرائی کے ساتھ (یعنی) فقر و فاقہ اور غربت کے ساتھ' نیز دکھ' تکلیف اور مصیبت کے ساتھ ﴿وَالْخَيْرِ﴾ اور بھلائی کے ساتھ (یعنی) مال و دولت اور خوشحالی کے ساتھ' نیز کاروباری منافع کے ساتھ ﴿فِتْنَةً﴾ ابتلاء و آزمائش کے ذریعے۔[یہ ''نَبْلُوْكُمْ'' کا بغیر ''لَفْظِهٖ'' تاکیدی مصدر (مفعول مطلق) ہے] ﴿وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾ اور تمہیں ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے' سو ہم تمہیں اس کے مطابق جزا دیں گے جتنا تم میں صبر و شکر پایا جائے گا[اور ابن ذکوان کی قراءت میں ''تَرْجِعُوْنَ'' (تاء مفتوح اور جیم مکسور کے ساتھ) ہے]۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۳۶ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۭ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝۳۷ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۸ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝۳۹

اور جب کفار آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کا مذاق اڑانے لگ جاتے ہیں' کیا یہی ہیں جو تمہارے معبودوں کا (بُرائی سے) ذکر کرتے ہیں' اور وہ رحمٰن ہی کے ذکر کا انکار کرتے ہیں O انسان کو جلد باز پیدا کیا گیا ہے' میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا' سو تم مجھ سے جلدی نہ چاہو O اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو O کاش! کافروں کو وہ وقت معلوم ہوتا جب وہ اپنے چہروں سے اور اپنی پیٹھوں سے آگ کو دور نہیں کر سکیں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O

کفار کے گستاخانہ رویے پر دوزخ کی آگ کا عذاب

۳۶۔﴿وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا﴾ اور جب آپ کو وہ لوگ دیکھتے ہیں' جنہوں نے کفر اختیار کرلیا ہے تو وہ آپ کو نہیں بناتے مگر ہنسی مذاق [''اِلَّا هُزُوًا'' ''يَتَّخِذُوْنَكَ'' کا دوسرا مفعول ہے]۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ ایک دفعہ جب حضور نبی کریم ﷺ اس کے پاس سے گزرے تو وہ ازراہِ تمسخر کھلکھلا کر ہنسا اور (اپنے ساتھیوں سے) کہا: یہ ہے بنی عبد مناف کا نبی ﴿اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ﴾ کیا یہی ہے وہ شخص جو تمہارے معبودوں کو بُرا کہتا ہے اور ان کے عیب بیان کرتا ہے۔ یاد رہے کہ ذکر بھلائی کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور اس کے برعکس برائی کے ساتھ بھی ہوتا ہے' چنانچہ اگر ذکر کرنے والا دوست ہو تو اس کا ذکر ثناء اور تعریف ہوگا اور اگر ذکر کرنے والا دشمن ہو تو اس کا ذکر مذمت اور بُرائی پر مشتمل ہوگا ﴿وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ﴾ اور وہ کفار رحمٰن کے ذکر (کے منکر ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور جو ان پر واجب و لازم ہے کہ وہ اس کی وحدانیت کا ذکر کریں ﴿هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ وہ انکار کرنے والے' وہ اس کی بالکل تصدیق نہیں کرتے' پس وہ لوگ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کی طرف سے ان کا مذاق اڑایا جائے کیونکہ آپ حق پرست اور حق کے طرف دار ہیں اور وہ باطل پرست اور باطل کے طرف دار ہیں اور بعض نے فرمایا:

"بِذِکْرِ الرَّحْمٰنِ" سے قرآن مجید مراد ہے' جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل کیا جا چکا ہے اور "هُمْ كٰفِرُوْنَ" کا معنی ہے کہ وہ قرآن مجید کا انکار کرنے والے ہیں [اور یہ جملہ محلاً حال واقع ہو رہا ہے] یعنی یہ کفار آپ کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ مذاق اڑانے اور ٹھٹھا مذاق کرنے کی اصل حالت پر وہ خود قائم ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے کی حالت ہے ["هم" تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے یا اس لیے کہ صلہ اس کے اور خبر کے درمیان میں حائل ہو گیا ہے' سو اس لیے مبتدا کا اعادہ کیا گیا ہے]۔

۳۷۔﴿ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ﴾ انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔ جنسِ انسان کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب نضر بن حارث نے عذاب کے جلد از جلد آنے کا مطالبہ کیا تھا [اور "عجل" اور "عجلة" دونوں مصدر ہیں] اور معنی یہ ہے کہ کسی چیز کا وقت سے پہلے مطالبہ کرنا اور بہ ظاہر جنس مراد ہے کیونکہ انسان کی فطرت میں عجلت و جلد بازی کو شامل کیا گیا ہے گویا انسان عجلت و جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے' اس لیے کہ جلد بازی انسان سے بہت زیادہ واقع ہوتی ہے اور جس شخص میں جود و کرم بہت زیادہ پایا جائے عرب کے لوگ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ شخص جود و کرم سے پیدا کیا گیا ہے' بہر حال بہت زیادہ جلد باز ہونے کی وجہ سے پہلے انسان کی مذمت کی گئی ہے اور یہ کہ انسان جلد بازی پر پیدا کیا گیا ہے' پھر اسے جلد بازی سے منع کیا گیا اور اسے ڈانٹا گیا ہے' گویا فرمایا کہ انسان کی طرف سے جلد بازی کا مظاہرہ کرنا کوئی انوکھی اور نرالی بات نہیں ہے کیونکہ انسان جلد باز پیدا کیا گیا اور جلد بازی اس کی طبیعت ثانیہ اور اس کی پختہ عادت بن چکی ہے اور بے شک جلد بازی انسان کی طبیعت میں شامل کر دی گئی اور بعض نے کہا کہ حمیر کی لغت میں "عجل" کا معنی ہے: مٹی۔ ان کے شاعر نے کہا:

وَالنَّبْعُ فِی الصَّخْرَةِ الصَّمَّآءِ مَنْبَتُهٗ وَالنَّخْلُ تُنْبِتُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالْعَجَلِ

"اور نبع نامی درخت (جس سے تیر کمان تیار کیے جاتے ہیں) کا اُگاؤ سخت پتھریلی زمین میں ہوتا ہے اور کھجور پانی اور مٹی کے درمیان سے اُگتی ہے"۔

اور بے شک انسان کو جلد بازی سے منع کیا گیا ہے حالانکہ یہ چیز اس کی طبیعت میں رچ بس چکی ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو شہوت کا قلع قمع کرنے اور اس کو مٹانے کا حکم دیا ہے' حالانکہ یہ چیز اس کی طبیعت میں ملا دی گئی ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی قدرت و قوت عطا کی ہے کہ وہ اس کے ذریعے اپنی شہوت کو مٹانے اور جلد بازی کو ترک کرنے کی استطاعت و طاقت رکھتا ہے [اور "مِنْ عَجَلٍ" حال یعنی اصل میں "عَجِلًا" ہے] ﴿ سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ ﴾ میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں یعنی اپنے عذاب دکھا دوں گا ﴿ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴾ سو تم مجھ سے اس کے جلد از جلد آنے کا مطالبہ نہ کرو [قاری یعقوب کی قراءت میں آخر میں یائے متکلم کے ساتھ "فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِیْ" ہے اور وصل کی صورت میں قاری سہیل اور قاری عیاش نے اس کی موافقت کی ہے]۔

۳۸۔﴿ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ ﴾ اور وہ کہنے لگے: یہ وعدہ کب پورا ہوگا (یعنی) عذاب کے آنے کا وعدہ یا قیامت کا وعدہ ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ اگر تم سچے ہو۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ ان کی جلد بازی کی ایک وجہ یہ ہے۔

۳۹۔﴿ لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴾ کاش! کافروں کو معلوم ہوتا جب وہ دوزخ کی آگ کو نہ اپنے چہروں سے اور نہ اپنی پیٹھوں سے دور کر سکیں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ ["لَوْ" کا جواب محذوف ہے اور "حِیْنَ" "یَعْلَمُ" کا مفعول بہ ہے] یعنی کاش! انہیں وہ وقت معلوم ہوتا' جس

کے لیے "مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ" کہہ کر جلد بازی کر رہے ہیں اور یہ وہ وقت ہے جس میں انہیں دوزخ کی آگ آگے پیچھے ہر طرف سے گھیر لے گی' سو وہ نہ اسے دفع کر سکیں گے اور نہ وہ اسے اپنے آپ سے روک سکیں گے اور نہ وہ کوئی ایسا حامی و مددگار پائیں گے' جو ان کی مدد کر سکے' اس لیے کہ وہ کفر و شرک' استہزاء و مذاق اڑانے اور عجلت و جلدی کرنے کی وجہ سے اس حالت کے مستحق ہوئے' لیکن وہ اس سے جاہل و ناواقف ہیں' جس کی وجہ سے وہ اس کو اپنے نزدیک ہلکا اور ہیچ خیال کرتے ہیں۔

بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

بلکہ وہ ان پر اچانک آئے گی' پس وہ انہیں حواس باختہ کر دے گی اور وہ اسے واپس نہیں کر سکیں گے اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی O اور بے شک آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا' سو جنہوں نے ان سے مذاق کیا تھا ان کو اسی نے گھیر لیا جو وہ مذاق اڑایا کرتے تھے O فرما دیجئے کہ رات اور دن میں رحمٰن (کے عذاب) سے کون تمہاری حفاظت کرتا ہے' بلکہ وہ اپنے پروردگار کے ذکر سے روگرداں ہیں O کیا ان کے معبود ایسے ہیں' جو انہیں ہم سے بچالیں' وہ تو اپنی مدد نہیں کر سکتے اور نہ ہماری طرف سے ان کا ساتھ دیا جائے گا O

۴۰۔﴿بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً﴾ بلکہ وہ قیامت ان پر اچانک آئے گی ﴿فَتَبْهَتُهُمْ﴾ سو وہ ان کو حیران کر دے گی یعنی وہ کفار اس کو روک نہیں سکیں گے بلکہ وہ ان پر اچانک آ جائے گی اور وہ ان پر غالب آ جائے گی ﴿فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا﴾ پس وہ اس کو مسترد نہیں کر سکیں گے اور نہ اس کو دفع کرنے پر قدرت و طاقت رکھیں گے ﴿وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾ اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

۴۱۔﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ اور بے شک آپ سے پہلے سابق رسولوں کے ساتھ ٹھٹھا کیا گیا اور ان کا مذاق اڑایا گیا ﴿فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ تو ان لوگوں پر جنہوں نے ان (انبیائے کرام) سے مذاق کیا تھا' وہ عذاب نازل ہوا' جس کے ساتھ وہ مذاق کرتے تھے۔ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو کفار کے مذاق اڑانے پر تسلی دی گئی ہے کہ آپ کے لیے گزشتہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سیرت میں نمونہ موجود ہے اور بے شک کفارِ مکہ جو کچھ آپ کے ساتھ کر رہے ہیں اس کی وجہ سے ان پر عذاب نازل ہو گا جیسا کہ انبیائے کرام کے ساتھ مذاق اڑانے والوں پر عذاب نازل ہوا تھا۔

مذاق اڑانے والوں کو انتباہ

٤٢۔﴿ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ رات اور دن میں رحمٰن سے یعنی اس کے عذاب سے کون تمہاری حفاظت کرتا ہے اگر وہ تم پر رات کو یا دن کو آ جائے ﴿ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴾ بلکہ وہ اپنے پروردگار کے ذکر سے روگردانی کرنے والے ہیں یعنی بلکہ وہ کفار اس کے ذکر سے اعراض کرنے والے ہیں اور ان کے دلوں میں اس کا خیال تک نہیں آتا' بھلا وہ اس کے عذاب سے کیونکر ڈریں گے تاکہ جب انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کی نعمت عطا کی جاتی تو اپنے محافظ کو پہچان لیتے اور وہ اس بات کی صلاحیت حاصل کر لیتے کہ ان سے محافظ کی حفاظت کے بارے میں پوچھا جاتا (لیکن ایسا کچھ بھی نہیں) اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محترم کو ان سے محافظ کے بارے میں سوال کرنے کا حکم دیا ہے' پھر بیان فرمایا کہ یہ لوگ اپنے محافظ و مربی خدا کے ذکر سے اعراض کرنے کی وجہ سے اس سوال کی صلاحیت نہیں رکھتے' اس لیے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے درج ذیل ارشاد کے ساتھ اس سوال سے اعراض فرمایا اور ارشاد فرمایا:

٤٣۔﴿ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ﴾ کیا ان کے معبود اتنے طاقت ور ہیں' جو انہیں ہم سے بچا لیں گے۔ جب یہاں حرف "اَمْ"، "بَلْ" کے معنی میں ہے تو ارشاد فرمایا کہ کیا ان کے معبود اتنے طاقت ور ہیں جو وہ انہیں عذاب سے بچا لیں اور ہماری حفاظت و دفاع سے تجاوز کر جائیں؟ پھر اللہ تعالیٰ نے نئے جملہ (مستأنفہ جملہ) کے ساتھ ارشاد فرمایا: ﴿ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴾ وہ معبودانِ باطلہ تو اپنے آپ کی مدد نہیں کر سکتے اور نہ ہماری طرف سے ان کا ساتھ دیا جائے گا نہ ہماری طرف سے ان سے دوستی کی جائے گی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جو اپنی مدد کرنے پر قدرت و اختیار نہیں رکھتے اور نہ اپنا دفاع کر سکتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت و مدد اور اس کی تائید کے ساتھ ان کا ساتھ دیا جائے گا تو بھلا ایسے بے بس و تنہا اپنے غیر کی حفاظت کیسے کر سکتے ہیں اور وہ اپنے غیر کی مدد کیسے کر سکتے ہیں۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَاؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْىِ ۖؗ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو سامانِ دنیا سے فائدہ پہنچایا یہاں تک کہ ان کی زندگیاں دراز ہو گئیں' تو کیا وہ غور سے نہیں دیکھتے کہ بے شک ہم زمین کو اس کے کناروں سے کم کرتے چلے آتے ہیں' تو کیا وہ غلبہ پانے والے ہیںO فرما دیجئے کہ بے شک میں تمہیں وحی کے ذریعے صرف ڈراتا ہوں' اور بہرے پکار کو نہیں سنتے جب بھی انہیں ڈرایا جائےO اور البتہ اگر آپ کے پروردگار کے عذاب کی ذرا سی ہوا انہیں چھو جائے تو وہ ضرور کہیں گے: ہائے ہماری بدبختی! بے شک ہم ظالم ہیںO

٤٤۔﴿ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ﴾ بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیا کے ساز و سامان سے فائدہ پہنچایا یہاں تک کہ ان کی عمریں طویل و دراز ہو گئیں یعنی ان میں حفاظت و دفاع کی قوت و طاقت نہیں

ہے' یہ حفاظت و بچاؤ بلاشبہ صرف ہماری طرف سے انہیں حاصل ہے کوئی ایسا مانع نہیں ہے' جو انہیں ہماری ہلاکت و تباہی سے بچا سکے اور ہم نے ان کی اور ان کے آباء و اجداد کی حفاظت صرف اس لیے کی تا کہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں عارضی فائدہ پہنچائیں اور ہم انہیں مزید سوچنے سمجھنے کے لیے مہلت دیں جیسا کہ ان کے علاوہ دیگر کفار کو ہم نے دنیا کی زندگی میں مال و دولت سے نوازا تھا اور ہم نے انہیں بھی مہلت دی تھی یہاں تک کہ ان پر زمانہ دراز ہو گیا اور ان کے دل سخت ہو گئے اور انہوں نے پختہ خیال کر لیا کہ وہ یقیناً ہمیشہ اسی حالت پر خوش و خرم رہیں گے اور یہ جھوٹی آرزو تھی ﴿ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ﴾ تو کیا وہ لوگ غور سے نہیں دیکھتے کہ بے شک ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں یعنی ہم کفار کی زمین کو گھٹا رہے ہیں اور اسے دن بہ دن کم کر رہے ہیں اور ہم مسلمانوں کو ان کے علاقوں پر مسلط کر کے اور ان کو ان کے علاقوں کے باشندوں پر غالب کر کے اور ان کی سر زمین کو دار الحرب سے دار الاسلام میں تبدیل کر کے ہر طرف سے کم کر رہے ہیں اور ''نَاْتِی'' کے ذکر میں اشارہ ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کے علاقے مسلمانوں کے ہاتھوں میں دے رہا ہے اور یہ اس لیے کہ مسلمانوں کے لشکر مشرکین کی زمین پر جا کر ان سے جہاد کرتے اور فتح یاب ہو کر اور ان کی زمینوں پر غلبہ پا کر انہیں اپنے قبضہ میں کر لیتے' اس طرح کفار کی زمینیں تمام اطراف سے کم ہوتی گئیں ﴿ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ تو کیا وہ غالب آ جائیں گے (یعنی) کیا اب بھی کفارِ مکہ غالب آ جائیں گے جب کہ ہم نے ان کی زمینوں کو تمام اطراف سے کم کر دیا ہے یعنی اس طرح کبھی نہیں ہو گا بلکہ ہماری مدد سے رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابۂ کرام ان پر غالب آ کر رہیں گے۔

۴۵۔﴿ قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْیِ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے: بے شک میں صرف تمہیں وحی کے ذریعے ڈر سناتا ہوں (مطلب یہ ہے کہ) میں تمہیں قرآن مجید کے ذریعے عذابِ الٰہی سے ڈراتا ہوں ﴿ وَلَا یَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ ﴾ اور بہرے پکار کو نہیں سنتے [''یَا'' اور میم مفتوح کے ساتھ ''لَا یَسْمَعُ'' (فعل مضارع مذکر غائب) ہے اور ''اَلصُّمُّ'' (بناء بر فاعل ہونے کے) مرفوع ہے جب کہ ابن عامر شامی کی قراءت میں ''یَا'' کی بجائے ''تَا'' مضموم اور میم مکسور فعل مخاطب کے ساتھ ''لَا تُسْمِعُ'' ہے (اور ''اَلصُّمَّ'' مفعول کی بناء پر منصوب ہے) یہ اس بناء پر ہے کہ اس میں حضور نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے ﴿ اِذَا مَا یُنْذَرُوْنَ ﴾ جب انہیں خوف و ڈر سنایا جائے [اور ''اَلصُّمُّ'' میں لام عہد خارجی ہے اور یہ ان کفار کی طرف اشارہ ہے' جنہیں عذابِ الٰہی سے ڈرایا گیا ہے اور اصل میں ''وَلَا یَسْمَعُوْنَ اِذَا مَا یُنْذَرُوْنَ'' ہے' پھر ظاہر کو مضمر کی جگہ رکھا گیا ہے] تا کہ یہ ان کے بہرے ہونے اور ان کی سماعت کے بند ہو جانے پر دلالت کرے' جب انہیں ڈرایا گیا۔

۴۶۔﴿ وَلَىِٕنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ ﴾ اور اگر انہیں آپ کے پروردگار کے عذاب میں سے کوئی تھوڑا سا جھونکا پہنچ جائے [''نفحة'' موصوف ہے اور ''من عذاب ربك'' اس کی صفت ہے] ﴿ لَیَقُوْلُنَّ یٰوَیْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴾ تو وہ ضرور کہیں گے: ہائے ہماری بدنصیبی! بے شک ہم ظالم ہو گئے تھے یعنی اگر انہیں اس عذاب میں سے تھوڑا عذاب پہنچ جاتا تو وہ ضرور ذلیل و خوار ہو جاتے اور اپنے خلاف ہلاکت کی دعا کرتے اور اقرار و اعتراف کر لیتے کہ بے شک انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا' جب بہرے بن گئے اور حق سے اعراض کر لیا [اور ''مس'' اور ''نفحة'' کے ذکر میں مبالغہ کیا گیا ہے کیونکہ ''نفحة'' قلت پر دلالت کرتا ہے' کہا جاتا ہے: ''نَفَحَهٗ بِعَطِیَّةٍ'' اس نے فلاں کو تھوڑا سا عطیہ دیا اور ''رَضَخَهٗ بِهَا'' اس نے اسے بہت کم مال دیا۔ اس کے باوجود اس کی بناء ایک مرتبہ اور ایک دفعہ کے معنی کے لیے کی گئی ہے]۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۚ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۚ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۚ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھ دیں گے' سو کسی جان پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا' اور اگر (کوئی عمل) رائی کے دانہ کے برابر ہوگا تو ہم اسے لائیں گے' اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں O اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون کو پرہیزگاروں کے لیے فرقان' نور اور نصیحت عطا کی O جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت سے ڈرنے والے ہیں O اور یہ بابرکت ذکر ہے' جسے ہم نے نازل کیا ہے' تو کیا تم اس کے منکر ہو O اور بے شک ہم نے ابراہیم کو اس سے پہلے رشد و ہدایت عطا فرمائی اور ہم اس کو خوب جانتے تھے O

۴۷- ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ﴾ اور ہم انصاف کے ساتھ ترازو رکھیں گے۔ ''الموازین'' ''میزان'' کی جمع ہے اور ترازو اس آلہ کو کہا جاتا ہے' جس کے ذریعے چیزوں کا وزن کیا جائے اور ان کو تولا جائے اور جس سے چیزوں کی مقدار معلوم کی جائے اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ وہ میزان ہے' جس کے دو پلڑے ہوں گے اور ایک زبان ہو گی اور اس کو جمع صرف تعظیمِ شان کے لیے لایا گیا تا کہ اس کی عظمت و فضیلت ظاہر ہو جائے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا'' (المؤمنون:۵۱) ''اے پیغمبرو! تم پاکیزہ چیزوں میں سے کھایا کرو اور نیک عمل کرتے رہو''۔ اور ایک قول کے مطابق اعمال کے صحیفوں کا وزن کیا جائے گا [اور ''الموازین'' کو ''القسط'' کے ساتھ موصوف صرف مبالغہ کرنے کے لیے کیا گیا ہے کیونکہ ''القسط'' کا معنی ہے: عدل و انصاف گویا وہ تمام ترازو بذاتِ خود سراسر عدل و انصاف ہوں گے یا پھر مضاف محذوف ہے یعنی ''ذَوَاتُ الْقِسْطِ'' عدل و انصاف والے ترازو ہوں گے] ﴿لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن حاضر ہونے والے اہل محشر کے لیے یعنی ان اہل محشر کی وجہ سے ترازو کا نظام قائم کیا جائے گا ﴿فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا﴾ سو اس دن کسی جان پر بالکل ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا﴾ اور اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے لا کر حاضر کر دیں گے یعنی اگر اعمال میں سے کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگی تو ہم اسے بھی لا کر حاضر کر دیں گے [نافع مدنی اور اسی طرح لقمان کی قراءت میں ''مِثْقَالٌ'' مرفوع ہے' اس بناء پر کہ ''كَانَ'' تامہ ہے اور ''مِنْ خَرْدَلٍ''، ''حَبَّةٍ'' کی صفت ہے۔ ''اَتَيْنَا بِهَا'' کا معنی ہے کہ ہم اعمال میں سے ادنیٰ سی چیز کو بھی لا کر حاضر کر دیں گے اور ''مثقال'' کی طرف لوٹنے والی ضمیر مؤنث اس لیے لائی گئی ہے کہ اس کی اضافت ''حبة'' مؤنث کی طرف ہے جیسا کہ عرب کا قول ہے: ''ذَهَبَتْ بَعْضُ اَصَابِعِهٖ'' اس کی کچھ انگلیاں ضائع ہو گئیں] ﴿وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ﴾ اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں' ہم جاننے والے اور حفاظت کرنے والے ہیں' یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا ہے کیونکہ جو شخص کسی چیز کا حساب رکھتا ہے اور اس کی گنتی رکھتا ہے وہ اسے

جانتا بھی ہے اور وہ اس کو محفوظ بھی رکھتا ہے۔

۴۸۔﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ کو اور (حضرت) ہارون کو فرقان اور نور اور ذکر عطا فرمائے۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ ان تینوں سے تورات شریف مراد ہے کیونکہ وہی حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے اور ایسا نور ہے' جس سے ہدایت کی روشنی حاصل کی جاتی ہے اور اسی کے ذریعے نجات کے راستہ پر پہنچا جا سکتا ہے اور ذکر یعنی مرتبہ وفضیلت یا نصیحت و تنبیہ ہے یا ان چیزوں کا ذکر ہے' جن کی طرف لوگ اپنے دونوں جہانوں کی مصلحتوں میں محتاج ہوتے ہیں اور ان صفات کے درمیان واؤ اس طرح داخل ہے' جس طرح اس ارشاد میں ہے: "وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا" (آل عمران:۳۹) "اور حضرت یحییٰ علیہ السلام سردار اور پاک دامن اور پیغمبر ہوں گے"۔ اور جیسے تمہارا یہ قول ہے: "مَرَرْتُ بِزَيْدٍ الْكَرِيْمِ وَالْعَالِمِ وَالصَّالِحِ" کہ میں زید کے پاس سے گزرا جو کریم' عالم اور نیک ہے اور جب اس سے فائدہ صرف پرہیزگاروں نے حاصل کیا تو خصوصی طور پر انہیں کا ذکر کر کے فرمایا: ﴿ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ پرہیزگاروں کے لیے۔

۴۹۔﴿ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ ﴾ جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں [" الذین " اس بناء پر محلاً مجرور ہے کہ یہ " متقین " کی صفت ہے یا مخصوص بالمدح ہونے کی بناء پر منصوب ہے یا مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے " بالغیب " حال ہے] یعنی وہ اپنے رب تعالیٰ سے اس حال میں ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے غائب ہیں' انہوں نے اسے دیکھا نہیں لیکن اس کے باوجود اس سے ڈرتے ہیں ﴿ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴾ اور وہ لوگ قیامت اور اس کی ہولناکیوں سے خوف وڈر رکھنے والے ہیں۔

۵۰۔﴿ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ ﴾ اور یہ بابرکت نصیحت ہے (یعنی) یہ قرآن مجید بہت بابرکت نصیحت ہے کیونکہ اس میں خیر کثیر ہے اور اس کا نفع عظیم ترین ہے ﴿ اَنْزَلْنٰهُ ﴾ ہم نے اس کو حضرت سرورِ کونین رسولِ ثقلین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر نازل فرمایا ہے ﴿ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴾ تو کیا تم اس کا انکار کرنے والے ہو۔ یہ استفہام وسوال انہیں ڈانٹنے اور دھمکانے کے لیے ہے یعنی یہ لوگ قرآن مجید کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیے جانے کا انکار کرنے والے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تبلیغی کارناموں کا بیان

۵۱۔﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کو ان کی شان کے لائق ہدایت عطا فرمائی ﴿ مِنْ قَبْلُ ﴾ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے پہلے یا سرورِ عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سے پہلے ﴿ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴾ اور ہم اس کو (یعنی) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یا ان کی ہدایت کو خوب جاننے والے تھے یعنی ہمیں معلوم تھا کہ ہم نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے وہ اس کے اہل ہیں۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ

اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾

جب اس نے اپنے باپ (چچا ابوآزر) اور اپنی قوم سے فرمایا: یہ مورتیاں کیا ہیں؛ جن کے سامنے تم پرستش کرنے کے لیے جم کر بیٹھے ہو○ انہوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرنے والا پایا ہے○ آپ نے فرمایا: بے شک تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں ہو○ انہوں نے کہا کہ کیا تم حق لے کر آئے ہو یا تم مذاق کرنے والے ہو○ فرمایا: بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے' اسی نے ان کو پیدا کیا' اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں○ اور اللہ کی قسم! میں تمہارے بتوں کے بارے میں ضرور کوئی تدبیر کروں گا اس کے بعد کہ تم پیٹھ دے کر چلے جاؤ گے○

۵۲- ﴿اِذْ﴾ [یہ یا تو ''اٰتَیْنَا'' کے متعلق ہے یا پھر ''رُشْدَهٗ'' کے متعلق ہے] (یعنی) جب ﴿قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ[1] (اپنے چچا ابوآزر) اور اپنی قوم سے فرمایا: یہ مورتیاں کیا ہیں یعنی یہ بت جن کی صورتیں اور شکلیں درندوں اور پرندوں' انسانوں کی صورتوں اور شکلوں پر تیار کی گئی ہیں اور اس میں آپ نے تجاہلِ عارفانہ (جان بوجھ کر قصداً اپنے آپ کو اَن جان و بے خبر ظاہر کرنا) سے کام لیا ہے تا کہ ان کے معبودوں کی حقارت وخساست ظاہر ہو جائے باوجود اس کے کہ آپ جانتے تھے کہ یہ مشرکین اپنے ان بتوں کی بہت تعظیم کرتے ہیں ﴿الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰکِفُوْنَ﴾ وہ مورتیاں' جن کے سامنے تم ان کی عبادت کرنے کی خاطر مراقب ہو کر ٹھہرے ہوئے ہو۔

۵۳- پھر جب نمرودی مشرکین اس پر دلیل پیش کرنے سے عاجز آ گئے تو ﴿قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہیں کی عبادت کرنے والا پایا' سو اس لیے ہم نے ان کی تقلید و پیروی شروع کر دی۔

۵۴- ﴿قَالَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ کُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ بے شک تم اور تمہارے آباء واجداد تم سب کھلی گمراہی میں گرفتار ہو۔ مقصود یہ ہے کہ تقلید کرنے والے بت پرست اور جن بت پرست آباء واجداد کی تقلید کی گئی ہے یہ سب کے سب کھلی گمراہی کی ڈوری میں پروئے ہوئے ہیں' جو کسی عقل مند پر مخفی نہیں ہے[2] [''کنتم'' کی تاکید ''انتم'' کے ساتھ اس لیے کی گئی ہے تا کہ عطف صحیح ہو جائے کیونکہ متصل ضمیر جب فعل کے بعض کے حکم میں ہو تو اس

---

[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا' جو مؤحد تھے' یہاں باپ سے آزر مراد ہے' جو آپ کا رشتے میں چچا تھا' تفصیل ملاحظہ فرمائیں اسی تفسیر کے حاشیہ میں سورتِ ابراہیم آیت:۴۱ کے تحت۔

[2] واضح رہے کہ گمراہوں اور بے دینوں کی تقلید کرنا اور ان کی پیروی کرنا گمراہی و بے دینی ہے اور ایسی تقلید حرام و ناجائز ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ○'' (المائدہ:۷۷) ''اور ایسے لوگوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور وہ سیدھے راستے سے بھٹک گئے○'' نیز ارشاد ہے: ''غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ○'' (الفاتحہ:۷) ''نہ ان کے راستے پر چلا' جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کے○'' جب کہ دینی علوم کے ماہر بزرگانِ دین کی تقلید کرنا اور ان کی پیروی کرنا ہدایت ہے اور عمدہ طریقہ ہے' چنانچہ ارشاد ہے: ''صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ'' (الفاتحہ:۶) ''ان لوگوں کے راستے پر چلا' جن پر آپ نے انعام فرمایا''۔ نیز فرمایا: ''فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ○'' (الانبیاء:۷) ''اگر تم خود نہیں جانتے تو اہلِ علم سے دریافت کرو○'' ''وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ○'' (التوبہ:۱۱۹) ''اور تم سچوں کے ساتھ ہو جاؤ○'' ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ○'' (النساء:۵۹) ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کریم کی اطاعت کرو اور اپنے امیر کی○''۔

براہِ راست اسم ظاہر کا عطف ممتنع ہوتا ہے]۔

۵۵۔﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ﴾ انہوں نے کہا: کیا آپ سنجیدہ ہو کر ہمارے پاس حق لے کر آئے ہیں یا آپ محض مذاق کرنے والے ہیں؟ یعنی آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس میں سنجیدہ ہیں یا یونہی مذاق کر رہے ہیں؟ کفار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے ان کی بت پرستی پر انکار فرمانے کو بہت بڑا عجیب رویہ قرار دیا اور انہوں نے اس بات کو بعید سمجھا کہ جس راہ پر وہ قائم ہیں وہ گمراہی ہے' اسی وجہ سے آپ نے ان سے اعراض فرمالیا اور انہیں بتایا انہوں نے جو کچھ فرمایا اس میں سنجیدہ ہیں مذاق نہیں کر رہے اور اللہ ملک العلام کی ربوبیّت کو اور بتوں کے حدوث کو ثابت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

۵۶۔﴿قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اسی نے ان کو یعنی مورتیوں کو پیدا فرمایا تو مخلوق کی عبادت کیسے کی جائے گی اور خالق و مالک کا انکار کیوں کر کیا جائے گا﴿وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ﴾ اور میں خود اس مذکورہ توحید پر گواہ ہوں ﴿مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ﴾ گواہوں میں سے۔

۵۷۔﴿وَتَاللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی قسم! اس کی اصل ''وَاللّٰہِ'' ہے اور ''تَا'' میں تعجب کا معنی ہے گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کے خلاف اپنے ہاتھوں منصوبہ سازی کی آسانی پر تعجب فرمایا کیونکہ نمرود کی مضبوط و قوی سلطنت کی وجہ سے آسانی سے منصوبہ تیار کرنا بہت دشوار اور مشکل تھا﴿لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ﴾ میں تمہارے بتوں کے بارے میں ضرور کوئی تدبیر کروں گا (یعنی) میں انہیں ضرور توڑ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا﴿بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ﴾ اس کے بعد کہ تم پیٹھ موڑ کر چلے جاؤ (یعنی) جب تم بت خانہ سے اپنی عید منانے کے لیے اپنے میلہ میں شرکت کرنے مقررہ کھلے میدان میں چلے جاؤ گے تو اس کے بعد میں بت خانہ میں جا کر تمہارے بتوں کو توڑ دوں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات اپنی قوم سے پوشیدہ فرمائی تھی' لیکن ایک آدمی نے یہ بات سن لی تھی' چنانچہ آپ نے اپنے آپ کو ان پر بیمار ظاہر کرنے کے لیے فرمایا: ''اِنِّیْ سَقِیْمٌ'' (الصّٰفّٰت:۸۹) یعنی ''بے شک میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں'' تا کہ ان کے ساتھ جانے کی بجائے ان کے پیچھے رہ جائیں' پھر بت خانہ میں جا کر بتوں کو توڑ دیں۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓی اَعْیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰٓاِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓی اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

پھر آپ نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ماسوا ان کے بڑے بت کے تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں O انہوں نے کہا: ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کس نے کیا بے شک وہ ضرور ظالموں میں سے ہے O انہوں نے کہا: ہم نے ایک نوجوان

کو ان (بتوں) کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے' جس کو ابراہیم کہا جاتا ہےO انہوں نے کہا: سو تم اس (نوجوان) کو لوگوں کے سامنے لاؤ تا کہ وہ گواہی دیںO انہوں نے کہا: اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کیا ہےO فرمایا: بلکہ اسی نے یہ کام کیا ہے' ان کا بڑا یہ ہے تم ان سے پوچھو اگر وہ بول سکتے ہیںO سو انہوں نے اپنے دلوں کی طرف رجوع کیا' پھر انہوں نے کہا کہ بے شک تم خود ہی ظالم ہوO

۵۸-﴿فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا﴾ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے[''جُذٰذًا''. ''جذٌّ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: ٹکڑے کرنا اور کاٹنا اور ''جُذَاذَةٌ'' کی جمع ہے جیسے ''زُجَاجَةٌ'' کی جمع ''زُجَاجٌ'' ہے اور قاری علی کسائی کی قراءت میں جیم مکسور کے ساتھ ''جِذَاذٌ'' ہے اور ''جَذِيْذٌ'' کی جمع ہے یعنی ''مجذوذ'' ٹکڑے کیا ہوا جیسے ''خفیف'' کی جمع ''خِفَاف'' ہے]﴿اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ﴾ ماسوا ان کے بڑے کے (یعنی) بتوں کے بڑے بت کے ماسوا یا کفار کے بڑے بت کے ماسوا یعنی پھر آپ نے ہاتھ میں کلہاڑا لے کر تمام بتوں کے ٹکڑے کر دیئے ماسوا ان کے بڑے بت کے اور آپ نے کلہاڑا اس کی گردن میں لٹکا دیا﴿لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ﴾ تا کہ وہ لوگ اس بڑے بت کی طرف رجوع کریں اور اس سے بتوں کو توڑنے والے کے متعلق پوچھیں اور ان پر اس کا عجز و بے بسی ظاہر ہو جائے یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف رجوع کریں تا کہ آپ ان پر حجت قائم کریں یا یہ کہ وہ لوگ جب اپنے بتوں کے عجز و بے بسی کو دیکھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔

بتوں کو توڑنے پر حضرت ابراہیم سے تفتیش اور آگ میں ڈالنے کی سزا

۵۹-﴿قَالُوْا﴾ انہوں نے کہا یعنی جب کفار اپنی عید سے واپس لوٹے اور انہوں نے بتوں کی یہ حالت دیکھی تو انہوں نے کہا: ﴿مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ہمارے بتوں کے ساتھ یہ کس نے کیا؟ بے شک وہ ضرور ظالموں میں سے ہے یعنی بے شک جس نے یہ توڑ پھوڑ کی ہے وہ بڑا سخت ظالم ہے کہ اس نے ایسے معبودوں پر جرأت کی جو ان کے نزدیک تعظیم و توقیر کے لائق تھے۔

۶۰-﴿قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان سے سنا ہے' جو ان (بتوں) کا بُرائی سے ذکر کرتا ہے اسے ابراہیم کہا جاتا ہے[دونوں جملے ''فَتًى'' کی صفت ہیں مگر پہلا جملہ اور وہ ''يَذْكُرُهُمْ'' ہے یعنی وہ نوجوان ان بتوں کی بُرائی بیان کرتا ہے۔ اس جملے کے لیے سماعت ضروری ہے اس لیے کہ تم صرف یہ نہیں کہہ سکتے کہ ''سَمِعْتُ زَيْدًا'' میں نے زید سے سنا ہے اور تم خاموش ہو جاؤ بلکہ تمہیں اس میں سے کچھ ذکر کرنا پڑے گا جو کچھ سنا جاتا ہے' بہ خلاف دوسرے جملے کے اور ''اِبْرَاهِيْمُ'' اس لیے مرفوع ہے کہ یہ ''یقال'' کا نائب فاعل ہے' سو اس سے اسم مراد ہے مسمّٰی مراد نہیں ہے یعنی اس شخص کے لیے یہ نام بولا جاتا ہے]۔

۶۱-﴿قَالُوْا﴾ انہوں نے کہا: یعنی نمرود اور اس کی قوم کے سرداروں نے کہا:﴿فَاْتُوْا بِهٖ﴾ سو تم اسے لے آؤ (یعنی) تم (حضرت) ابراہیم کو یہاں حاضر کرو﴿عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ﴾ (محلاً حال ہے) اس کا معنی یہ ہے کہ اسے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے لاؤ اور ان کا مشاہدہ کراؤ یعنی لوگوں کے سامنے مجمع عام میں ظاہر اور کھلم کھلا لاؤ تا کہ سب لوگ اسے دیکھ لیں﴿لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ﴾ تا کہ لوگوں نے اس سے جو کچھ سنا ہے اس پر یا جو کچھ اس نے کیا ہے اس پر اس کے خلاف گواہی دیں گویا ان لوگوں نے بلا دلیل حضرت ابراہیم کی سزا کو ناپسند کیا یا یہ معنی ہے کہ تا کہ لوگ حاضر ہوں اور حضرت ابراہیم کے خلاف ہماری سزا کو دیکھیں (اور عبرت حاصل کریں)۔

۶۲۔ پھر جب (حکومتی کارندوں نے مجمع عام میں لوگوں کے سامنے) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاضر کر دیا تو ﴿قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰۤاِبْرٰهِیْمُ﴾ انہوں نے کہا: اے ابراہیم! کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت تم نے کی ہے؟

۶۳۔ ﴿قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ یہ کام اسی نے کیا ہے۔[قاری علی کسائی سے منقول ہے کہ وہ اس پر وقف کرتے تھے یعنی یہ کام اسی نے کیا ہے' جس نے کیا اور اس میں فاعل محذوف ہے اور یہ جائز نہیں البتہ یہ جائز ہے کہ اس (''فَعَلَهٗ'') فعل کی نسبت ''فَتًی'' کی طرف کی گئی ہو' جس کا ذکر ''سَمِعْنَا فَتًی یَّذْكُرُهُمْ'' میں کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کام اسی نوجوان نے کیا ہے' جو بتوں کا برائی سے ذکر کرتا ہے یا اس فعل کی نسبت ''یٰۤـاِبْـرٰهِیْمُ'' میں مذکور حضرت ابراہیم کی طرف کی گئی ہے]۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کام اسی ابراہیم نے کیا' پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ﴿كَبِیْرُهُمْ هٰذَا﴾ ان کا بڑا یہ ہے [اور یہ مبتدا خبر ہے' اور اکثر مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس پر وقف کرنا جائز نہیں اور ''فَعَلَهٗ'' کا فاعل ''كَبِیْرُهُمْ'' ہے اور ''هٰذَا'' اس کی صفت ہے یا اس سے بدل ہے اور فعل کی نسبت ''كَبِیْرُهُمْ'' کی طرف کی گئی ہے] اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس تقریر سے اپنی ذات مراد لی' لیکن ان کو ڈانٹنے اور ان کو سرزنش کرنے کے لیے اور ان پر حجت قائم کر کے ان کو الزام دینے کے لیے اس تقریر کو تعریض کے طور پر ''هٰـذَا'' سے اشارہ کر کے بہ ظاہر ان کے بڑے بت کے لیے ثابت کر دیا[1]

اس لیے کہ جب وہ لوگ صحیح نظر سے غور سے دیکھیں گے تو اپنے بڑے بت کی عاجزی و بے بسی کو جان لیں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ معبود ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور یہ (چھوٹے بتوں کے توڑنے کی نسبت بڑے بت کی طرف اس طرح ہے) جیسے تم نے خوبصورت اور خوش خط عبارت لکھی ہو اور تم سے تمہارا ایک ساتھی کہے کہ کیا یہ خوبصورت عبارت تم نے لکھی ہے اور تمہارا یہ ساتھی اَن پڑھ ہو اور تم جواب میں اس سے کہو کہ بلکہ اس کو تم نے لکھا ہے' تو اس جواب سے تمہارا مقصود اس تحریر کا اپنے لیے اثبات ہو گا اور اَن پڑھ ساتھی کے ساتھ صرف استہزاء و مذاق ہی ہو گا اور تمہارے اس جواب سے خوش خط عبارت کی تم سے نفی اور تمہارے اس اَن پڑھ ساتھی کے لیے اثبات نہیں ہو گا ورنہ تم میں سے ایک عاجز و اَن پڑھ کے لیے اس کا اثبات لازم آئے گا اور چونکہ یہ گفتگو صرف تم دونوں کے درمیان میں دائر ہے' اس لیے اَن پڑھ ساتھی کے ساتھ استہزاء و مذاق ہی ہو گا اور کتابت پر قدرت و اختیار رکھنے والے کے لیے اثبات ہو گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ کہا جائے کہ اس بڑے بت کو چھوٹے بتوں پر غصہ آ گیا ہو' جب اس نے ان کو اپنے برابر صف بہ صف کھڑے دیکھا ہو اور اس کا غیظ و غضب اس وقت اور زیادہ شدید ہو گیا ہو جب اس نے اپنے ساتھ ان کی تعظیم و توقیر کرتے ہوئے کفار کو دیکھا ہو' اگرچہ وہ لوگ اس کی زیادہ تعظیم کرتے تھے' سو اس لیے فعل کی نسبت اس کی طرف کر دی گئی' کیونکہ جس طرح فعل کی نسبت اپنے مباشر (یعنی حقیقی فاعل) کی طرف کی جاتی ہے' اسی طرح مجازی فاعل کی طرف بھی نسبت کی جاتی ہے (اس اعتبار سے کہ یہ فاعل بھی فعل

---

[1] تعریض یہ ہے کہ کلام میں صراحت کے ساتھ ایک شخص کی طرف نسبت ہو اور مراد دوسرا شخص ہو یا ایک لفظ کے دو معنی ہوں' ایک قریب اور ایک بعید۔ متکلم قریب کے معنی کا ارادہ کرے اور مخاطب کے ذہن میں بعید معنی کا وہم ڈالے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کے متعلق فرمایا: یہ میری ایمانی بہن ہے' خود ایمانی بہن کا ارادہ کیا اور سننے والے نسبی بہن سمجھے یا جیسے آپ نے فرمایا: میں بیمار ہوں۔ آپ نے روحانی بیماری کا ارادہ کیا اور سننے والے جسمانی بیماری سمجھے' اس کو صنعتِ ایہام کہتے ہیں اور تعریض کی مثال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت توڑنے کی نسبت صراحت کے ساتھ بڑے بت کی طرف کی اور ارادہ اپنی ذات کا کیا۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۷ ص ۶۰۵)

کے سبب میں شامل ہے) اور یہ جائز ہے کہ یہ اس بات کی حکایت ہو جو ان کے مذہب میں اس فعل کی نسبت بڑے بت کی طرف تجویز کرنے کی طرف رہنمائی کرتی ہے' گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم اس بات کا کیونکر انکار کرتے ہو کہ توڑ پھوڑ کا یہ عمل بڑے بت نے کیا ہے کیونکہ جس کی عبادت کی جاتی ہو اور اسے معبود قرار دیا جاتا ہو تو اس کا حق ہے کہ وہ اس قسم کے کام کرنے پر قادر ہو اور ایک یہ حکایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ان کے بڑے بت کو غصہ آ گیا کہ اس کے ساتھ چھوٹے بتوں کی عبادت کی جاتی ہے حالانکہ یہ ان سب سے بڑا ہے' سو اس نے غضب ناک ہو کر تمام بتوں کو توڑ دیا یا پھر یہ ایسی شرط کے ساتھ مقید ہے' جو پوری نہیں ہو سکتی اور وہ ہے: بتوں کا بولنا' پس اس میں مخبر بہ کی نفی ہے یعنی بلکہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے اگر وہ بولتے ہیں اور ''فسئلوھم'' درمیان میں جملہ معترضہ ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے ''کبیرھم'' فرما کر اپنی ذات کی اضافت (نسبت) ان کی طرف صرف اس لیے کی ہے کہ وہ لوگ قبیلہ میں شریک تھے ﴿فَسْئَلُوْهُمْ﴾ سو تم ان سے ان کا حال پوچھو ﴿اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ﴾ اگر وہ بولتے ہیں حالانکہ تم ان کا بولنے سے عاجز و بے بس ہونا خوب جانتے ہو۔

٦٤- ﴿فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ سو انہوں نے اپنے دلوں کی طرف رجوع کیا (یعنی) انہوں نے اپنی عقلوں کی طرف رجوع کیا اور انہوں نے اپنے دلوں میں غور و فکر کیا' جب انہیں گلوبند سے پکڑ لیا گیا (یعنی جب بت پرست لاجواب ہو گئے) ﴿فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ تو انہوں نے کہا: بے شک تم حقیقت میں ان بتوں کی عبادت کر کے خود ہی ظالم ہو جو بول بھی نہیں سکتے' وہ ظالم نہیں ہے' جس کو تم نے ظالم قرار دیا ہے' جب تم نے کہا کہ ''مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ'' (الانبیاء:٥٩) ''ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی' بے شک وہ ظالموں میں سے ہے''۔ کیونکہ جو معبود اپنے سر سے کلہاڑا نہیں ہٹا سکتا وہ اپنے عابد سے تکلیف و عذاب کو کیسے ہٹا سکے گا۔

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾

پھر وہ اپنے سروں کے بل الٹا دیئے گئے' (اور وہ کہنے لگے:) بے شک تمہیں معلوم ہے کہ یہ بت نہیں بولتے O فرمایا: تو کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسوں کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ کچھ نفع دے سکتے ہیں اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں O تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو' تو کیا تمہیں عقل نہیں ہے O انہوں نے کہا کہ اسے جلا ڈالو اور تم اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کر سکتے ہو O ہم نے فرمایا: اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا O اور انہوں نے اس کے ساتھ بُری چال چلنے کا ارادہ کر لیا تھا تو ہم نے ان کو سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والا بنا دیا O اور ہم نے اسے اور لوط کو اس زمین کی طرف نجات عطا فرمائی' جس میں ہم نے تمام جہانوں کے لیے خیر و برکت رکھی ہے O

۶۵- ﴿ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ﴾ پھر وہ اپنے سروں پر الٹ گئے۔ مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے قول میں ان کی زبانوں پر حق کو جاری فرما دیا' پھر ان پر بدبختی سوار ہوگئی یعنی وہ لوگ اپنے بارے میں ظلم کا اقرار کرنے کے بعد کفر کی طرف واپس لوٹ گئے مثلاً کہا جاتا ہے: ''نکستہٗ'' میں نے اسے تبدیل کر دیا اور اس کے نیچے کو اس کے اوپر کر دیا یعنی جب انہوں نے اپنے دلوں کی طرف رجوع کیا اور غور وفکر کیا اور صحیح فکر سے کام لیا تو استقامت کی راہ پر آ گئے' پھر اس حالت سے بدل گئے اور انہوں نے باطل اور ضد و ہٹ دھرمی کے ساتھ مجادلہ و جھگڑا شروع کر دیا اور کہنے لگے: ﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ﴾ بے شک تمہیں معلوم ہے کہ یہ (بت) نہیں بول سکتے تو تم ہمیں ان سے سوال کرنے اور پوچھنے کا حکم کیوں دیتے ہو اور معنی یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ بت بولنے سے عاجز ہیں' پھر ہم ان سے کیسے پوچھیں؟ [اور یہ جملہ ''عَلِمْتَ'' کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے]۔

۶۶- ﴿قَالَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان پر حجت قائم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا﴾ تو کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسوں کی عبادت کرتے ہو' جو تمہیں کچھ بھی نفع نہیں دے سکتے [یہ مصدر کی جگہ پر واقع ہے] یعنی بالکل ذرہ برابر کچھ بھی نفع نہیں دے سکتے ﴿وَّلَا يَضُرُّكُمْ﴾ اور وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اگر تم ان کی عبادت نہ کرو۔

۶۷- ﴿اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ ''اُفٍّ'' ایک آواز ہے جب اس کے ساتھ آواز نکالی جاتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ آواز دینے والا دکھی دل اور غم زدہ ہے' چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ حق واضح ہو جانے کے بعد اور عذر ختم ہو جانے کے بعد بھی کفار اپنے بتوں کی عبادت پر قائم ہیں اور ان پر جمے ہوئے ہیں تو آپ کبیدہ خاطر ہو گئے اور ان پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم پر اور تمہارے معبودانِ باطلہ پر تف ہے [اور لام متأفف بہ کے بیان کے لیے ہے] یعنی یہ خرابی صرف تمہارے اور تمہارے معبودانِ باطلہ کے لیے ہے [نافع مدنی اور حفص کی قراءت میں ''فَا'' کے نیچے دو زیر ہیں یعنی ''اُفٍّ'' ہے جب کہ ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فَا'' پر صرف ایک زبر ہے یعنی ''اُفَّ'' ہے اور باقیوں کے نزدیک ''فَا'' کے نیچے صرف ایک زیر ہے یعنی ''اُفِّ'' ہے] ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے کہ جس کی یہ صفت ہو اس کے لیے جائز ہی نہیں کہ وہ معبود ہو سکے' پھر جب ان پر حجت لازم ہوگئی اور وہ جواب سے عاجز آ گئے تو

۶۸- ﴿قَالُوْا حَرِّقُوْهُ﴾ انہوں نے کہا کہ اس (حضرت ابراہیم) کو آگ میں جلا دو کیونکہ یہ سب سے بڑھ کر ہولناک اور بدترین سزا ہے' جس کے ساتھ عذاب دیا جاتا ہے ﴿وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ﴾ اور تم اس سے انتقام لے کر اپنے معبودوں کی مدد کرو ﴿اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ﴾ اگر تم کرنے والے ہو یعنی اگر تم اپنے معبودوں کی مضبوط ترین مدد کرنا چاہتے ہو تو تم اپنے معبودوں کی یہی مدد کرو کہ تم اس (حضرت ابراہیم) کے لیے تمام سزاؤں سے بڑھ کر ہولناک سزا اختیار کرو اور وہ جلا دینا ہے ورنہ تم ان کی مدد کرنے میں کوتاہی کرو گے اور جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کا مشورہ دیا تھا وہ نمرود تھا یا فارس کے قبیلے کرد کا ایک کردی آدمی تھا اور بعض اہل علم نے فرمایا: جب انہوں نے حضرت ابراہیم کو جلانے کا پختہ ارادہ کر لیا تو انہوں نے آپ کو قید کر لیا' پھر انہوں نے کوثی نامی پہاڑ کے دامن کی گہرائی میں لمبی چوڑی چار دیواری تعمیر کی اور تمام لوگ پورا ایک ماہ اس میں مختلف اقسام کی خشک لکڑیاں جمع کرتے رہے' پھر انہوں نے اس میں بہت بڑی آگ جلا دی' جس کے شعلے اتنے بلند ہوتے تھے کہ فضا میں اڑتے ہوئے پرندے اس کے شعلوں سے جل جاتے تھے' پھر انہوں نے حضرت ابراہیم کو

ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر منجنیق میں بٹھایا اور آگ میں ڈال دیا اور اس وقت آپ اپنی زبان سے یہ ورد پڑھ رہے تھے: ''حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے' اور حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: ''هَلْ لَكَ حَاجَةٌ'' کیا آپ کی کوئی حاجت ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''اَمَّا اِلَيْكَ فَلَا'' لیکن آپ کی طرف تو (مجھے کوئی حاجت) نہیں۔ حضرت جبریل نے عرض کیا: ''فَسَلْ رَبَّكَ'' تو آپ اپنے رب تعالیٰ سے سوال کیجئے۔ آپ نے فرمایا: ''حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ عِلْمُهٗ بِحَالِیْ'' اس کا میرے اس حال کو جاننا میرے سوال کے لیے کافی ہے' چنانچہ اس آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزاد کرنے کے لیے صرف ان رسیوں کو جلایا تھا' جن کے ساتھ آپ کے ہاتھ پاؤں باندھے گئے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ورد ''حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' پڑھنے کے سبب نجات حاصل کی تھی۔

٦٩- ﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا﴾ ہم نے حکم فرمایا کہ اے آگ! تو ٹھنڈی اور سلامتی بن جا یعنی ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو جا' سو اس میں مبالغہ کیا گیا ہے گویا آگ کی ذات سراسر ٹھنڈک اور سلامتی ہے ﴿عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یعنی صرف اتنی ہو جا کہ حضرت ابراہیم تجھ سے صحیح سلامت نکل آئیں اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ آگ کو ''سَلٰمًا'' نہ فرماتا تو آگ اتنی زیادہ ٹھنڈی ہو جاتی کہ اس کی ٹھنڈک آپ کو ہلاک کر دیتی اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ سے جلانے اور حرارت وگرمی پہنچانے کی وہ طبعیت سلب کر لی تھی' جس پر اس کو پیدا کیا تھا اور اس کی روشنی پہنچانے اور اجالا کرنے کی صلاحیت کو پہلے کی طرح باقی رکھا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

٧٠- ﴿وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا﴾ اور انہوں نے حضرت ابراہیم کو جلانے کی سازش کا ارادہ کر لیا ﴿فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ﴾ سو ہم نے انہیں بہت زیادہ خسارہ پانے والے بنا دیا' چنانچہ نمرود اور اس کی قوم پر مچھروں کو بھیجا گیا' پس وہ ان کے گوشت نوچ کر کھا گئے اور ان کے خون چوس کر پی گئے اور ایک مچھر نمرود کے دماغ میں داخل ہو گیا اور اس نے نمرود کو ہلاک کر دیا۔

حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کی شام کی طرف ہجرت وغیرہ کا بیان

٧١- ﴿وَنَجَّيْنٰهُ﴾ اور ہم نے اس کو یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نجات دی ﴿وَلُوْطًا﴾ اور حضرت لوط علیہ السلام کو جو عراق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہارون کے بیٹے تھے ﴿اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ﴾ اس زمین کی طرف' جس میں ہم نے تمام جہانوں کے لیے برکتیں رکھی ہیں یعنی شام کی زمین' اور اس کی برکتیں یہ ہیں کہ اکثر انبیائے کرام علیہم السلام اسی ملک شام سے مبعوث ہوئے اور تمام جہانوں میں انہیں کے دینی آثار و برکات پھیل گئے اور یہ زمین بڑی زرخیز ہے' اس میں امیر وغریب سب آسودہ حال رہتے ہیں اور بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ اس ملک میں کوئی میٹھا چشمہ نہیں مگر اس کی اصل بیت المقدس کے صخرہ پتھر سے پھوٹتی ہے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین میں جا کر قیام فرمایا اور حضرت لوط علیہ السلام نے مؤتفکہ میں سکونت اختیار کر لی اور ان دونوں علاقوں کے درمیان ایک دن رات کی مسافت کا فاصلہ ہے اور حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بے شک ہجرت در ہجرت ہوتی رہے گی لیکن بہترین لوگ وہ ہوں گے' جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ ملک شام کی طرف ہجرت کریں گے۔[1]

---

[1] رواہ ابوداؤد فی کتاب الجہاد' باب: ۳' رقم الحدیث: ۲۴۸۲' احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۸۴-۱۹۹-۲۰۹

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ یَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ ۝ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ۝ وَ لُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىٕثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ ۝ وَ اَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝

اور ہم نے اس کو اسحاق' اور یعقوب (بھی) مزید عطا فرما دیئے' اور ہم نے سب کو نیک بنایا O اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا وہ ہمارے حکم سے ہدایت دیتے رہے اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی بھیجی' اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے O اور ہم نے لوط کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم نے ان کو اس بستی سے نجات دی جس کے باشندے بہت بُرے کام کرتے تھے' بے شک وہ بدترین نافرمان قوم تھی O اور ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل فرما لیا' بے شک وہ نیکوں میں سے تھے O

۷۲- ﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ یَعْقُوْبَ نَافِلَةً ﴾ اور ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب مزید عطا فرما دیے [اور بعض نے فرمایا کہ سابق فعل کے لفظ کے بغیر ''عافیة'' کے وزن پر ''نافلة'' مصدر ہے] یعنی ہم نے حضرت ابراہیم کو حضرت یعقوب بطور بخشش عطا فرمائے اور بعض علماء نے فرمایا کہ ''نافلة'' کا معنی ہے: بیٹے کا بیٹا (یعنی پوتا) کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ایک بیٹے کی درخواست کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو بیٹا عطا فرمادیا اور مزید حضرت یعقوب بھی عطا فرما دیے یعنی بغیر سوال کے محض فضل و کرم سے زیادہ عطا فرما دیا [اور ''نَافِلَةً'' ''یَعْقُوْبَ'' سے حال ہے] ﴿ وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ ﴾ اور ہم نے سب کو یعنی حضرت ابراہیم' حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کو دین میں اور نبوت میں نیک بنا دیا [اور یہ ''كُلًّا''، ''جَعَلْنَا'' کا پہلا مفعول ہے اور ''صَالِحِیْنَ'' اس کا دوسرا مفعول ہے]۔

۷۳- ﴿ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىٕمَّةً ﴾ اور ہم نے ان کو مقتدیٰ اور پیشوا بنا دیا' جن کی دین کے معاملات میں اقتداء اور پیروی کی جاتی تھی ﴿ یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ﴾ وہ لوگوں کو ہمارے حکم یعنی ہماری وحی کے ذریعے ہدایت دیتے تھے ﴿ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ ﴾ اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کی وحی بھیجی اور اس سے تمام نیک اعمال مراد ہیں اور اس کی اصل ہے: ''اَنْ تُفْعَلَ الْخَیْرَاتُ'' کہ تمام نیکیاں کی جائیں' پھر اس کی جگہ ''فِعْلَ الْخَیْرَاتِ'' لایا گیا اور اسی طرح درج ذیل ارشاد ہے: ﴿ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ﴾ اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی اور اصل میں ''وَاِقَامَةَ الصَّلٰوةِ'' ہے [مگر مضاف الیہ کو ''ھا'' کا بدل قرار دیا گیا ہے] ﴿ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ﴾ اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے' بتوں کی نہیں سوائے عرب کے لوگو! تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہو' پس تم اس معاملہ میں انہی کی پیروی کرو (اور تم صرف خدا کی عبادت کرو)۔

۷۴- ﴿ وَ لُوْطًا ﴾ [یہ فعلِ مقدر کی وجہ سے منصوب ہے' جس کی تفسیر و توضیح اس کے بعد والا فعل کر رہا ہے] ﴿ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا ﴾ اور ہم نے حضرت لوط علیہ السلام کو حکمت و دانش عطا فرمائی۔ ''حُكْمًا'' سے حکمت مراد ہے اور یہ وہ عمل ہے' جس کا کرنا

واجب ولازم ہو یا اس سے وہ صحیح فیصلہ مراد ہے جو جھگڑنے والے دو فریقوں کے درمیان بروقت کیا جاتا ہے یا پھر نبوت مراد ہے ﴿ وَّعِلْمًا ﴾ دین کا جاننا اور اس کو اچھی طرح ذہن میں سمجھ لینا ﴿ وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ﴾ اور ہم نے اس کو اس بستی سے نجات دی جس کے باشندے بہت بُرے اور گندے کام کرتے تھے۔ "قریۃ" سے اس میں رہنے والے لوگ مراد ہیں اور اس بستی کا نام سدوم تھا۔ بُرے اور گندے کاموں سے مراد لواطت (اغلام بازی) اور گوز یعنی بلند آواز سے ہوا خارج کرنا اور آنے جانے والوں کو کنکریاں مارنا اور انہیں چھیڑنا اور تنگ کرنا ہے جو یہاں کے باشندوں کی بہت بُری عادات تھیں ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴾ بے شک وہ بدترین نافرمان لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری سے نکل گئے۔

۷۵۔﴿ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ﴾ اور ہم نے اسے اپنی رحمت میں داخل فرمالیا (یعنی) اپنی رحمت کے اہل اور مستحق لوگوں میں داخل فرمالیا یا جنت میں داخل فرمالیا ﴿ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ بے شک وہ نیکوں میں سے ہیں یعنی اس کے لیے جزائے خیر اس کی نیکی کی بناء پر ہے جس طرح ہم نے اس کی قوم کو ان کے فساد برپا کرنے کی بناء پر ہلاک کردیا۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝

اور نوح کو یاد کیجئے جب اس نے اس سے پہلے پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کرلی اور ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو بہت بڑی تکلیف سے نجات دی O اور ہم نے اس قوم کے مقابلہ میں اس کی مدد کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا تھا' بے شک وہ بہت بدکار قوم تھی' سو ہم نے ان سب کو غرق کردیا O اور داؤد اور سلیمان کو یاد کیجئے جب وہ دونوں ایک کھیتی کے بارے میں فیصلہ کرنے لگے جب اس میں قوم کی بکریاں داخل ہو کر چر گئیں' اور ہم ان کے فیصلہ کے وقت حاضر تھے O سو ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو قوتِ فیصلہ اور علم عطا فرمایا تھا' اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو داؤد کے تابع کردیا وہ اس کے ساتھ تسبیح بیان کرتے' اور (یہ سب کچھ) ہم ہی کرنے والے تھے O

حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ

۷۶۔﴿ وَنُوْحًا ﴾ "اَیْ وَاذْکُرْ نُوْحًا" یعنی حضرت نوح علیہ السلام کو یاد کیجئے ﴿ اِذْ نَادٰى ﴾ جب اس نے پکارا یعنی جب اس نے اپنی قوم کے خلاف ہلاکت کی دعا کی ﴿ مِنْ قَبْلُ ﴾ مذکورہ بالا انبیائے کرام سے پہلے ﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ﴾ یعنی پس ہم نے اس کی دعا قبول کرلی ﴿ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ ﴾ تو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو یعنی اس کی اولاد اور اس کی قوم میں سے مسلمانوں کو نجات دی ﴿ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴾ بہت بڑی تکلیف سے (یعنی) طوفان سے اور سرکشوں کی تکذیب سے۔

۷۷۔﴿ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ اور ہم نے اس قوم کے مقابلے میں ان کی مدد کی' جنہوں نے

ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا تھا یعنی ہم نے ان کو اس کی اذی اور تکلیف سے بچا لیا ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ بے شک وہ بہت بُرے لوگ تھے' سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا (یعنی) ان کے بڑوں کو اور ان کے چھوٹوں کو' ان کے مردوں کو اور ان کی عورتوں کو سب کو دریا بُرد کر دیا۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ

۷۸۔﴿ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ ﴾ ''اَیْ وَاذْکُرْھُمَا'' یعنی اے محبوب! آپ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام ان دونوں کو یاد کیجئے ﴿ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ ﴾ جب وہ دونوں ایک کھیتی کے بارے میں فیصلہ کرنے لگے (یعنی) کسی کھیتی کے بارے میں یا مخصوص انگوروں کی کھیتی کے بارے میں فیصلہ کرنے لگے [حرف ''اِذْ'' اپنے ماقبل دونوں سے بدل ہے اور اپنے مابعد ''یَحْکُمَانِ'' کا ظرف ہے] ﴿ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ﴾ جب اس میں رات کے وقت قوم کی بکریاں داخل ہو گئیں اور اس کو چرتے ہوئے کھا گئیں اور تمام کھیتی اجاڑ دی۔ ''نَفَشَتْ'' کا یہاں معنی ''دَخَلَتْ'' ہے اور ''نفش'' کا لغوی معنی ہے: بغیر چرواہے کے رات کے وقت بکریوں کا منتشر ہو جانا ﴿ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴾ اور ہم ان کے فیصلے کے وقت حاضر و ناظر اور موجود تھے۔ ''ھِمْ'' جمع کی ضمیر سے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں اور ان دونوں کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے آنے والے مدعی اور مدعیٰ علیہ مراد ہیں اور ''شاھدین'' کا مطلب ہے کہ یہ فیصلہ ہمارے علم کے مطابق اور ہمارے سامنے ہوا ہے۔

۷۹۔﴿ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ﴾ سو ہم نے وہ یعنی فیصلہ یا فتویٰ (حضرت) سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت سلیمان صلوات اللہ علیہ کی رائے زیادہ درست تھی' اس کا قصہ یوں ہے کہ ایک شخص کی بکریاں کسی کا کھیت چر گئیں اور چرواہا کے بغیر رات کے وقت سارا کھیت اجاڑ دیا' چنانچہ کھیتی کا مالک اور بکریوں کا چرواہا دونوں اپنا مقدمہ حضرت داؤد کے پاس لے گئے اور حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ سناتے ہوئے بکریاں کھیتی کے مالک کو دے دیں کیونکہ ان دونوں کی قیمت برابر تھی یعنی بکریوں کی قیمت کھیتی کے نقصان کے برابر تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر اس وقت گیارہ سال تھی' لیکن یہ فیصلہ سن کر فرمایا کہ یہ فیصلہ دونوں فریقوں کے حق میں زیادہ مفید نہیں اور آپ نے اس کے متعلق پختہ ارادہ کر لیا تاکہ زیادہ بہتر فیصلہ کریں' چنانچہ فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ بکریاں کھیتی کے مالک کے سپرد کی جائیں کہ وہ ان بکریوں کے دودھ اور اس کے ہاں ہونے والی نسل اور ان کی اُون وغیرہ سے فائدہ اٹھائے اور یہ منافع حاصل کرے جب کہ کھیتی بکریوں کے مالک چرواہا کے سپرد کی جائے' وہ محنت کر کے اس کو تیار کرے یہاں تک کہ جب وہ پوری طرح تیار ہو جائے اور اسی پہلی حالت پر واپس آ جائے جس حالت میں اسے اجاڑا گیا تھا' پھر دونوں اپنی اپنی چیز واپس لے لیں' چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے پسند کیا اور فرمایا: یہی فیصلہ زیادہ بہتر ہے' جو تم نے کیا اور آپ نے یہی فیصلہ نافذ کر دیا اور یہ ان دونوں کے اجتہادی فیصلے تھے اور یہ ان کی شریعت میں جائز تھا لیکن ہماری شریعت میں تو امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ کے نزدیک دن ہو یا رات ہو چرواہا ساتھ نہ ہو تو پھر اس پر تاوان لازم نہیں ہوگا' اگر بکریوں کا چرواہا یا مالک ساتھ ہو تو پھر تاوان لازم ہوگا اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک رات کے وقت کھیت وغیرہ اجاڑنے پر ہر حال میں تاوان واجب ہو جائے گا اور علامہ ابوبکر جصاص نے فرمایا کہ مالک کی موجودگی میں بکریوں کے نقصان کرنے پر اس لیے تاوان لازم ہو جاتا ہے کہ مالک نے خود ان کو چھوڑ دیا اور یہ تاوان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد سے منسوخ ہو گیا ہے' ارشاد یہ ہے کہ ''اَلْعَجْمَاءُ جُبَارٌ''[1]

[1] رواہ البخاری فی کتاب الدیات' باب: ۲۸۔۲۹' مسلم فی کتاب الحدود' رقم الحدیث: ۴۵۔۴۶' ابوداؤد فی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چوپایہ کے نقصان پر تاوان نہیں' اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث مصالحت کے بارے میں ہے اور حضرت داؤد نے جو کچھ کیا تھا وہ فیصلہ تھا اور مصالحت بہتر ہے ﴿ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ﴾ اور ہم نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام میں سے ہر ایک کو نبوت اور فیصلہ کرنے کا علم و عرفان عطا فرمایا تھا ﴿ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ ﴾ اور ہم نے پہاڑوں کو حضرت داؤد کے تابع کر دیا' جو اس کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ["یُسَبِّحْنَ" "الجبال" سے حال ہے اور بہ معنی "مُسَبِّحَاتٌ" ہے یعنی تسبیح بیان کرنے والے یا یہ الگ جملہ ہے] گویا کہنے والے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پہاڑوں کو حضرت داؤد کے کیسے تابع کر دیا تو فرمایا: "یُسَبِّحْنَ" وہ تسبیح بیان کرتے ہیں ﴿ وَالطَّيْرَ ﴾ اور پرندے [یہ "الجبال" پر معطوف ہے یا مفعول معہ ہے] پہاڑوں کا ذکر پرندوں سے پہلے اس لیے کیا گیا ہے کہ پہاڑوں کا مسخر و تابع ہونا اور ان کا تسبیح بیان کرنا زیادہ عجیب اور زیادہ انوکھا ہے اور معجزہ میں زیادہ دخیل ہے کیونکہ یہ جمادات ہیں۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب آپ پہاڑوں کے پاس تسبیح کرتے ہوئے گزرتے تو وہ پہاڑ بھی تسبیح پڑھ کر جواب دیتے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام جہاں جاتے' پہاڑ ان کے ساتھ چلتے تھے ﴿ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴾ اور ہم انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں اور اگر چہ تمہارے نزدیک یہ عجیب و غریب کام ہے۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾

اور ہم نے اس کو تمہارے لیے لباسِ جنگ بنانے کی تعلیم دی تا کہ وہ تمہیں تمہاری جنگ سے محفوظ رکھے' پس کیا تم شکر گزار بنو گے O اور (ہم نے) سلیمان کے لیے تند و تیز ہوا کو مسخر کر دیا' جو اس کے حکم پر اس زمین کی طرف چلتی' جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں اور ہم ہر چیز کو خوب جاننے والے O اور شیطانوں میں سے (ان کو ہم نے مسخر کر دیا) جو اس کے لیے سمندر میں غوطہ لگاتے تھے اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے کام کرتے تھے' اور ہم ان کی نگرانی کرنے والے تھے O اور ایوب کو یاد کیجئے جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ بے شک مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے O

۸۰۔ ﴿ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ ﴾ اور ہم نے اس کو تمہارے لیے جنگی لباس بنانا سکھایا یعنی لوہے کے لباس اور زرہیں بنانا سکھایا اور "لبوس" مطلق لباس کو کہا جاتا ہے' یہاں زرہیں بنانا مراد ہے ﴿ لِتُحْصِنَكُمْ ﴾ تا کہ وہ صنعت تمہیں بچائے اور محفوظ رکھے [یہ ابن عامر شامی اور امام حفص کی قراءت میں ہے یعنی یہ صنعت تمہیں بچائے اور ابوبکر کوفی اور حماد کی قراءت میں نون جمع متکلم کے ساتھ "لِنُحْصِنَكُمْ" ہے تا کہ ہم تمہیں بچائیں یعنی اللہ عزوجل' اور ان کے علاوہ کے نزدیک "یا"

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کتاب الدیات' باب: ۲۷' الترمذی فی کتاب الزکوٰۃ' باب: ۱۶' النسائی فی کتاب الزکوٰۃ' باب: ۲۸' ابن ماجہ فی کتاب الدیات' باب: ۲۷' الدارمی فی کتاب الزکوٰۃ' باب: ۳۰' الموطا فی کتاب العقول' رقم الحدیث: ۱۲' احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۲۲۸۔ ۲۳۹۔ ۲۵۴

کے ساتھ "لِيُحْصِنَكُمْ" ہے یعنی تا کہ وہ لباس یا اللہ عزوجل تمہیں بچائے] ﴿ مِّنۡۢ بَاۡسِكُمۡ ﴾ تمہارے دشمنوں کی جنگ سے ﴿ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ شٰكِرُوۡنَ ﴾ تو کیا تم شکر گزار ہو گے۔ یہ استفہام (سوالیہ جملہ) امر کے معنی میں ہے یعنی پس تم اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

۸۱- ﴿ وَلِسُلَيۡمٰنَ الرِّيۡحَ ﴾ یعنی اور ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مطیع و تابع فرمان بنا دیا ﴿ عَاصِفَةً ﴾ بہت سخت تیز رفتار [یہ "الریح" سے حال ہے] اور دوسری جگہ اس کو "رخآء" کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے کیونکہ یہ ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے اختیار سے چلتی تھی' سو ان کے ارادے اور حکم کے مطابق کبھی آہستہ چلتی اور کبھی بہت تیز چلتی تھی ﴿ تَجۡرِىۡ بِاَمۡرِهٖۤ ﴾ وہ حضرت سلیمان کے حکم کے مطابق چلتی ﴿ اِلَى الۡاَرۡضِ الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا ﴾ اس سرزمین کی طرف' جس میں ہم نے نہروں' درختوں اور پھلوں کی کثرت کے باعث برکتیں رکھی ہیں اور اس زمین سے ملک شام مراد ہے اور یہی حضرت سلیمان علیہ السلام کا مسکن تھا اور ہوا آپ کو زمین کے مختلف اطراف سے اٹھا کر یہیں لے آتی ﴿ وَكُنَّا بِكُلِّ شَىۡءٍ عٰلِمِيۡنَ ﴾ اور ہم ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں اور بے شک ہمارے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے' سو تمام چیزیں اسی کے مطابق رواں دواں رہتی ہیں جس کا ہمارا علم تقاضا کرتا ہے۔

۸۲- ﴿ وَمِنَ الشَّيٰطِيۡنِ ﴾ اور شیطانوں میں سے یعنی ہم نے شیطانوں میں سے کچھ (کفار) شیطان حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر و تابع فرمان کر دیئے ﴿ مَنۡ يَّغُوۡصُوۡنَ لَهٗ ﴾ جو حضرت سلیمان کے حکم دینے پر موتی نکالنے اور دیگر قیمتی اشیاء جو سمندر میں ہوتی ہیں' ان کو نکالنے کے لیے سمندر میں غوطہ لگاتے تھے ﴿ وَيَعۡمَلُوۡنَ عَمَلًا دُوۡنَ ذٰلِكَ ﴾ اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے یعنی غوطہ زنی کے علاوہ دوسرے کام کرتے تھے اور وہ قلعہ جات' تصاویر' محلات' لنگر انداز دیگیں اور لگن (یعنی بہت بڑے پیالے) تعمیر کرتا تھا ﴿ وَكُنَّا لَهُمۡ حٰفِظِيۡنَ ﴾ اور ہم ان کی نگرانی کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ حضرت سلیمان کے حکم سے روگردانی کرتے ہوئے ٹیڑھی میڑھی چیزیں بنا دیں یا ان میں کوئی تبدیلی کر دیں یا ان کی طرف سے ان چیزوں میں کوئی فساد پایا جائے' جن کے لیے انہیں مسخر کیا گیا ہے۔

حضرت ایوب واسماعیل اور حضرت ادریس وذوالکفل علیہم السلام کا تذکرہ

۸۳- ﴿ وَاَيُّوۡبَ ﴾ "اَیْ وَاذْکُرْ اَیُّوْبَ" یعنی اے محبوب! جناب ایوب علیہ السلام کو یاد کیجئے ﴿ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗۤ ﴾ جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا یعنی حضرت ایوب نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی ﴿ اَنِّىۡ مَسَّنِىَ الضُّرُّ ﴾ بے شک مجھے تکلیف پہنچی ہے۔ "اَلضُّرُّ" میں اگر ضاد پر فتح (زبر) ہو تو ہر قسم کی تکلیف کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اگر ضمہ (پیش) ہو تو انسان کے وجود میں مخصوص تکلیف' بیماری یا کمزوری وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا ہے ﴿ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ ﴾ اور تو تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے سوال کرنے میں نہایت لطیف انداز اختیار کیا کیونکہ انہوں نے اپنی ذات کا ایسی تکلیف کے ساتھ ذکر کیا' جو رحمتِ الٰہی واجب کر دیتی ہے اور اپنے رب تعالیٰ کا ذکر نہایت رحمت کے ساتھ کیا اور اپنے مطلب کی وضاحت نہیں کی' گویا آپ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! بے شک تو اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ تو رحم کرے اور مہربانی فرمائے اور ایوب اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس پر رحم کیا جائے اور اس پر مہربانی کی جائے' پس تو اس پر رحم فرما اور اس سے اس تکلیف دہ مصیبت کو دور کر دے' جو اس کو پہنچ چکی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی کمزوری کو اس وقت بیان کیا جب وہ نماز کے لیے کھڑے نہ ہو سکے اور انہوں نے کوئی شکایت نہ کی اور بھلا وہ کیسے شکایت کرتے جب کہ ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ

"اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ" (صٓ:۴۴) "بے شک ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا وہ بہت اچھے بندے تھے"۔ اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ حضرت ایوب نے سرگوشی سے لطف اندوز ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کی اللہ تعالیٰ کے متعلق لوگوں سے شکایت نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرنا انتہائی قرب الٰہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق لوگوں کے سامنے شکایت کرنا انتہائی دوری کی علامت ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ
عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾
وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا
فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ
اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

سو ہم نے اس کی دعا قبول کر لی اور جو تکلیف اسے (پہنچی) تھی ہم نے اسے دور کر دیا اور ہم نے اس کو اس کے گھر والے اور اسی قدر ان کے ساتھ اور عطا فرما دیئے محض اپنی طرف سے رحمت کرنے اور عبادت گزاروں کو نصیحت کرنے کے لیے O اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو یاد کیجئے' وہ سب صبر کرنے والے تھے O اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمالیا' بے شک وہ نیکوں میں سے تھے O اور ذوالنون کو یاد کیجئے جب وہ غضب ناک ہو کر چلا گیا اور خیال کیا کہ ہم اس پر ہرگز تنگی نہیں کریں گے' پھر اس نے اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو پاک ہے' بے شک میں حد سے بڑھنے والوں سے ہو گیا ہوں O

۸۴۔ ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ﴾ سو ہم نے اس کی پکار کو قبول فرمالیا ﴿فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ﴾ اور ہم نے اس پر انعام فرما کر اس کی تکلیف کو دور فرما دیا ﴿وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ﴾ اور ہم نے اسے اس کے گھر والے اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور عطا فرما دیئے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ بے شک حضرت ایوب علیہ السلام روم کے رہنے والے حضرت اسحاق بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں سے تھے اور ان کے سات بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں اور تین ہزار اونٹ اور سات ہزار بکریاں اور کھیتی باڑی کرنے اور ہل چلانے کے لیے پانچ سو بیل تھے اور ان مالوں کی دیکھ بھال کرنے کے لیے پانچ سو غلام تھے۔ ہر غلام کے لیے بیوی بچے اور کھجوروں کے باغ تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام سے اولاد اور مال واپس لے کر انہیں آزمائش میں مبتلا کر دیا اور اٹھارہ سال یا تیرہ سال یا پھر کم از کم تین سال تک ان کے بدن مبارک میں بیماری پیدا فرما دی اور ایک روز ان کی بیوی نے ان سے کہا کہ کاش! تم اللہ عزوجل سے دعا کرتے' آپ نے فرمایا کہ تم بتاؤ خوشحالی و تندرستی کی مدت کتنی تھی؟ اس نے کہا: اسی سال تھی' تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء آتی ہے کہ میں اس سے دعا کروں حالانکہ میری مصیبت کی مدت میری خوشحالی کی مدت کو نہیں پہنچی' پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان سے مصیبت کو دور فرما دیا تو ان کی اولاد کو ان کے سامنے زندہ کر دیا اور آپ کو ان کے ساتھ ان کے برابر اور عطا فرما دیئے ﴿رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ اپنی طرف سے

رحمت ومہربانی کے لیے [یہ مفعول لہ ہے] ﴿وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ﴾ اور عبادت کرنے والوں کے لیے نصیحت یعنی حضرت ایوب کے لیے رحمت اور ان کے علاوہ دیگر عبادت کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے تا کہ وہ لوگ حضرت ایوب کے صبر کی طرح صبر کریں اور ان کے ثواب کی طرح ثواب حاصل کریں۔

۸۵- ﴿وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ﴾ یعنی اے محبوب! حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام اور حضرت ادریس بن شیث بن آدم علیہم السلام اور حضرت ذوالکفل علیہ السلام ان سب کو یاد کیجئے اور ذوالکفل کا نام حضرت الیاس ہے یا حضرت زکریا یا پھر یوشع بن نون ہے اور یہ نام اس لیے رکھا گیا کیونکہ یہ پیغمبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاحبِ نصیب ہیں اور ''کفل'' کا معنی حصہ اور نصیب ہے ﴿كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ یعنی یہ حضرات جن کا ذکر کیا گیا ہے یہ سب صبر کے ساتھ موصوف تھے۔

۸۶- ﴿وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا﴾ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل فرما لیا (یعنی) ہماری نبوت یا آخرت کی نعمت مراد ہے ﴿اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ بے شک وہ نیک بندوں میں سے تھے یعنی ان نیک لوگوں میں سے تھے' جن کا تقویٰ و نیکی فساد کے میل سے آلودہ نہیں ہوتا۔

حضرت یونس اور حضرت زکریا علیہما السلام کا تذکرہ

۸۷- ﴿وَذَا النُّوْنِ﴾ یعنی اے محبوب! مچھلی والے پیغمبر کو یاد کیجئے۔ ''نون'' کا معنی مچھلی ہے' چنانچہ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے حضرت یونس علیہ السلام کی نسبت و اضافت اس کی طرف کر دی گئی ہے ﴿اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا﴾ جب وہ غضب ناک ہو کر چل پڑے یعنی اپنی قوم سے ناراض ہو کر وہاں سے روانہ ہو گئے اور حضرت یونس کا اپنی قوم سے ناراض ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی جدائی اور علیحدگی کے وقت ان سے سخت ناراض ہو کر اس خوف و ڈر کے سبب وہاں سے روانہ ہو گئے کہ عذابِ الٰہی ان پر نازل ہونے والا ہے' اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم سے تنگ دل اور مایوس ہو گئے تھے کیونکہ عرصۂ دراز تک ان کو وعظ و نصیحت کرتے رہے' لیکن ان لوگوں نے آپ کی نصیحت کو قبول نہ کیا اور وہ اپنے کفر پر ڈٹے رہے اور کفر کی حالت پر قائم رہے' اس لیے آپ ان پر غضب ناک ہو گئے اور خیال فرمایا کہ یہ جائز ہے کیونکہ انہوں نے یہ کام ذاتی پسند یا ناپسند کی بناء پر نہیں کیا تھا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر ان پر غضب ناک ہوئے تھے اور کفر اور اہل کفر سے نفرت کی بناء پر ناراض ہوئے تھے جب کہ آپ پر لازم تھا کہ ہر حال میں صبر سے کام لیتے اور ان سے ہجرت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم کا انتظار کرتے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ہجرت نہ کرتے لیکن آپ حکمِ الٰہی کا انتظار کیے بغیر اپنی قوم پر غضب ناک ہو کر چل پڑے تو انہیں مچھلی کے پیٹ میں ڈال کر آزمایا گیا[1]

---

[1] ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم سے ناراض ہو کر بحر روم کی طرف چلے تو کشتی پار جانے کے لیے تیار تھی' آپ بھی لوگوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھ گئے' جونہی کشتی دریا کے درمیان میں پہنچی تو رک گئی' نہ آگے ہوتی تھی نہ پیچھے' قریب تھا کہ غرق ہو جاتی۔ ملاحوں نے کہا کہ یہاں کوئی نافرمان یا اپنے آقا سے بھاگا ہوا انسان بیٹھا ہے' جب تک وہ یہاں ہے کشتی نہیں چلے گی اور ہماری عادت ہے کہ ہم قرعہ اندازی کرتے ہیں' جس کے نام قرعہ نکلے ہم اسے دریا میں پھینک دیتے ہیں کیونکہ کسی ایک کا غرق ہو جانا پوری کشتی کے غرق ہونے سے بہتر ہے' چنانچہ تین بار قرعہ اندازی کی گئی' ہر بار حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے آقا سے بھاگا ہوا عاصی بندہ میں ہی ہوں' یہ کہہ کر آپ نے خود ہی دریا میں چھلانگ لگا دی اور مچھلی نے آپ کو لقمہ بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ میرے اس پیارے بندے کو بال برابر بھی نقصان نہ پہنچانا کیونکہ میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ﴾ پس آپ نے خیال فرمایا کہ ہم ان پر کسی قسم کی تنگی اور سختی ہرگز نہیں کریں گے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں داخل ہوئے تو حضرت معاویہ نے کہا کہ گزشتہ رات قرآن مجید کی موجوں نے مجھے گھیر لیا اور میں ان میں غرق ہو گیا اور میں آپ کے بغیر اپنی ذات کے لیے خلاصی نہیں پاتا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اے معاویہ! وہ کیا ہے؟ تو انہوں نے یہی آیت مبارکہ پڑھی اور کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ کے نبی یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر قدرت و اختیار نہیں رکھتا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ "قدر" سے ماخوذ ہے جس کا معنی تنگی ہے "قدرت" سے ماخوذ نہیں ہے ﴿فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ﴾ سو اس نے اندھیروں میں پکارا یعنی مچھلی کے پیٹ میں سخت کثافت والے اندھیرے میں پکارا جیسا کہ ارشاد ہے: "ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ" (البقرہ:۱۷) "اللہ تعالیٰ ان کے نور کو لے گیا اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا"۔ یا رات کا اندھیرا اور دریا کا اندھیرا اور مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا ﴿اَنْ﴾ [اصل میں "بِاَنَّهٗ" ہے (یعنی ثقیلہ سے خفیفہ بنایا گیا ہے) یا پھر "اَیْ" کے معنی میں ہے (یعنی "اَنْ" تفسیریہ ہے)] ﴿لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۗ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو ہر عیب سے پاک ہے بے شک میں اپنے آپ پر زیادتی کرنے والوں میں سے ہو گیا ہوں کہ میں تیری اجازت سے پہلے اپنی قوم سے نکل گیا ہوں اور حدیث شریف میں ہے کہ کوئی ایسا مصیبت زدہ شخص نہیں جو اس دعا کے ساتھ دعا مانگے مگر اس کی دعا ضرور قبول ہو گی[1] اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! حضرت یونس علیہ السلام نے اس دعا کے توسل سے اپنے آپ پر زیادتی کے اقرار و اعتراف کرنے پر نجات حاصل کی ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۸۸ وَزَكَرِیَّاۤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نے تیرے پیٹ کو اس کے لیے قید خانہ بنایا ہے یہ تیری خوراک نہیں ہے۔

(تفسیر روح المعانی جزء ۱۷ ص ۸۳ ، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۲۹ ، مطبوعہ دار الفکر بیروت تفسیر ابن کثیر مترجم پارہ: ۱۷ ص ۳۰ ، ناشر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۱۸۲ تا ۱۸۳ ، تفسیر روح البیان مترجم پارہ ۱۷ ص ۱۶۳ ، مطبوعہ مکتبہ اویسیہ بہاولپور)

[1] رواہ الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۰۰ والنسائی رقم الحدیث: ۶۵۵ فی عمل الیوم واللیلۃ والحاکم ج ۱ ص ۵۰۵

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیز نے اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما سے قضائے حاجات وحل مشکلات کے لیے چار رکعت نماز نفل اس طرح پڑھنا بیان فرمایا ہے: پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد "لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝" کو سو بار پڑھے۔ دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد "رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ۝" سو بار پڑھے۔ تیسری رکعت میں فاتحہ کے بعد "وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ ۝" سو بار پڑھے۔ چوتھی رکعت میں فاتحہ کے بعد "قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ" سو بار پڑھے۔ نماز کے آخر میں سلام پھیر کر پھر سو بار یہ پڑھے: "رَبِّ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ"۔ حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ چاروں آیات اسم اعظم ہیں کہ ان کے وسیلے سے جو سوال کیا جائے اور جو دعا کی جائے وہ قبول ہو جاتی ہے۔

(ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۱۸۳ ـ ۱۸۴)

إِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَ وَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَ یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ﴿۹۰﴾ وَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۱﴾

سو ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی' اور ہم نے اس کو غم سے نجات دی' اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات دیتے ہیںO اور زکریا کو یاد کیجئے جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار! تو مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو تمام وارثوں سے بہتر ہےO سو ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی' اور ہم نے اسے یحیٰی عطا فرمایا اور ہم نے اس کی خاطر اس کی بیوی کو سنوارا' بے شک وہ نیکیوں کے بجالانے میں جلدی کرتے تھے اور وہ ہمیں امید وخوف سے پکارا کرتے تھے' وہ ہمارے حضور میں عاجزی کرنے والے تھےO اور اس (بی بی مریم) کو یاد کیجئے جس نے اپنی عزت کی خوب حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی اور ہم نے اسے اور اس کے بیٹے کو تمام جہانوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنادیاO

۸۸- ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ﴾ سو ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور ہم نے اس کو غم ورنج سے نجات دے دی (یعنی) کوتاہی اور وحشت وگھبراہٹ اور تنہائی کے غم ورنج سے نجات دی ﴿وَ كَذٰلِكَ نُـنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں' جب وہ ہم سے دعا مانگتے ہیں اور ہم سے فریاد کرتے ہیں [ابن عامر شامی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''نُجِّی'' ہے کہ بعض کے نزدیک نون کو جیم میں مدغم کیا گیا ہے حالانکہ نون کو جیم میں مدغم نہیں کیا جاتا اور بعض نے کہا کہ اس کی اصل ''نُجِّیَ النَّجَآءُ الْمُؤْمِنِیْنَ'' (اس صورت میں ''نُجِّیَ'' فعل ماضی مجہول ہے) پھر ''یَا'' کو تخفیف کرنے کے لیے ساکن کر دیا گیا ہے اور فعل کا اسناد مصدر کی طرف کر دیا گیا ہے اور ''الْمُؤْمِنِیْنَ'' کو ''النجآء'' کی وجہ سے نصب دیا گیا ہے لیکن اس حالت میں مفعول کی موجودگی میں مصدر کو فاعل کے قائم مقام کیا گیا ہے حالانکہ یہ جائز نہیں' نیز اس میں ''یَا'' کو ساکن کیا گیا ہے اور اس باب کے تمام افعال میں ضرورت کے تحت ''یَا'' کو ساکن کیا گیا ہے اور بعض نے کہا: اس کی اصل ''نُنَجِّیْ'' ہے اور یہ ''تَنْجِیَةٌ'' سے مشتق ہے' پھر دوسری نون کو اجتماع نونین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے جیسا کہ ''تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ'' (القدر:۴) دو میں سے ایک ''تَا'' کو حذف کر دیا گیا ہے]۔

۸۹- ﴿وَ زَكَرِیَّاۤ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا﴾ اور اے محبوب! حضرت زکریا کو یاد کیجئے جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار! مجھے تنہا اور اکیلا نہ چھوڑیئے۔ دراصل حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ اسے ایسا بیٹا عطا فرمادے جو ان کا وارث بنے اور اللہ تعالیٰ اسے بغیر وارث کے اکیلا اور تنہا نہ چھوڑ دے' پھر حضرت زکریا نے ایک اطاعت گزار سرتسلیم خم کرنے والا ہو کر اپنا مسئلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور کہا: ﴿وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ﴾ اور تو تمام وارثوں سے بہترین وارث ہے یعنی اگر تو مجھے جانشین عطا نہیں فرمائے گا تو مجھے کوئی فکر نہیں کیونکہ تو سب سے بہتر وارث ہے یعنی باقی رہنے والا۔

۹۰- ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَ وَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی﴾ سو ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور ہم نے اسے ایک بیٹا یحیٰی عطا فرمایا

﴿وَاَصۡلَحۡنَا لَهٗ زَوۡجَهٗ﴾ اور ہم نے اس کے لیے اس کی بیوی کو سنوار دیا (یعنی) ہم نے حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کو بانجھ ہو جانے کے بعد بچہ جننے کی صلاحیت والا بنا دیا یا حسنِ خلق کا مالک بنا دیا جب کہ وہ پہلے بد خلق تھی ﴿اِنَّهُمۡ كَانُوۡا يُسٰرِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ﴾ بے شک وہ یعنی جن انبیائے کرام کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کے مطالبات اور دعائیں قبول کر لی جائیں کیونکہ وہ نیکیوں کے معاملات میں سبقت کرنے والے تھے اور ان کے حصول میں جلدی کرنے والے تھے ﴿وَيَدۡعُوۡنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا﴾ اور وہ ہم سے رغبت وڈر کے ساتھ دعا کرتے تھے یعنی امید وبیم کے ساتھ جیسا کہ ارشاد ہے: "يَحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ وَيَرۡجُوۡا رَحۡمَةَ رَبِّهٖ" (الزمر:۹) "وہ آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب تعالیٰ کی رحمت پر امید رکھتا ہے"۔ [اور "رَغَبًا" اور "رَهَبًا" یہ دونوں مصدر ہیں اور حال کے محل میں واقع ہیں یا مفعول لہ ہیں] یعنی ہمارے بارے میں رغبت وشوق رکھنے اور ہم سے خوف رکھنے کی وجہ سے ﴿وَكَانُوۡا لَنَا خٰشِعِيۡنَ﴾ اور وہ ہمارے لیے عاجزی کرنے والے اور ہم سے ڈرنے والے تھے۔

حضرت مریم کی شان اور تمام انسانوں کو نصیحت اور ان کے ردِعمل کا بیان

۹۱- ﴿وَالَّتِىۡۤ﴾ "اَیۡ وَاذۡكُرِ الَّتِیۡ" یعنی اے محبوب کریم! اس عورت (بی بی مریم) کو یاد کیجئے' جس نے ﴿اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا﴾ اپنی شرمگاہ کو حلال وحرام سے خوب محفوظ رکھا ﴿فَنَفَخۡنَا فِيۡهَا مِنۡ رُّوۡحِنَا﴾ پس ہم نے اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی (یعنی) ہم نے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی روح اس میں داخل کر دی یا ہم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم دیا تو اس نے حضرت مریم کے قمیص کے گریبان میں پھونک ماری تو ہم نے اس پھونک اور دَم کے سبب اس کے پیٹ میں حضرت عیسیٰ کو پیدا فرمایا اور روح کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شرافت وفضیلت کے اظہار کے لیے کی گئی ہے ﴿وَجَعَلۡنٰهَا وَابۡنَهَاۤ اٰيَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ﴾ اور ہم نے اس کو اور اس کے بیٹے کو تمام جہان والوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیا۔ اور "اٰیَتَیۡنِ" دو نشانیاں نہیں فرمایا جیسا کہ (درج ذیل ارشاد میں) فرمایا: "وَجَعَلۡنَا الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيۡنِ" (الاسرآء:۱۲) "اور ہم نے رات کو اور دن کو دو نشانیاں بنا دیا"۔ اس لیے کہ ان دونوں ماں بیٹے کا حال اپنے مجموعہ کے اعتبار سے ایک نشانی ہے اور وہ یہ کہ حضرت مریم کا بغیر مرد کے بچے کو جنم دینا ہے یا تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ "وَجَعَلۡنَاهَا اٰيَةً وَابۡنَهَا كَذٰلِكَ" اور ہم نے اس کو نشانی بنایا اور اس کے بیٹے کو بھی اسی طرح بنایا [اور اس آیت مبارکہ میں "اٰیَةً" معطوف علیہ کا مفعول ہے اور اس پر اس کی قراءت دلالت کرتی ہے' جس نے "اٰیَتَیۡنِ" پڑھا ہے]۔

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡ ؕ
كُلٌّ اِلَيۡنَا رٰجِعُوۡنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا كُفۡرَانَ لِسَعۡيِهٖ ۚ
وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوۡنَ ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَاۤ اَنَّهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتۡ
يَاۡجُوۡجُ وَمَاۡجُوۡجُ وَهُمۡ مِّنۡ كُلِّ حَدَبٍ يَّنۡسِلُوۡنَ ﴿۹۶﴾

ع ۶

بے شک یہ (اسلام) تمہارا دین ہے جو ایک دین ہے' اور میں تمہارا رب ہوں' سو تم صرف میری عبادت کرو O اور انہوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا' سب کے سب ہمارے پاس لوٹ کر آنے والے ہیں O سو جو نیک

اعمال کرے گا اور وہ مسلمان ہو تو اس کی محنت نامقبول نہیں ہوگی' اور بے شک ہم اسے لکھ رہے ہیں O اور جس بستی کے لوگوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ان پر حرام ہے بے شک وہ واپس نہیں لوٹیں گے O یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے O

۹۲- ﴿ إِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ ﴾ بے شک یہی (مذہبِ اسلام) تمہارا دین ہے۔ "اُمَّة" بہ معنی ملت و دین ہے اور "هٰذِهٖ" سے دینِ اسلام کی طرف اشارہ ہے اور یہی تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دین ہے ﴿ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ یعنی سب کا متحدہ دین ہے الگ الگ نہیں [یہ حال ہے اور اس کا عامل وہی ہے' جس پر اسم اشارہ دلالت کر رہا ہے] یعنی مذہبِ اسلام تمہارا دین اور مذہب ہے' یہی وہ دین ہے' جس پر چلنا اور اس کی پیروی کرنا تم پر واجب ولازم ہے' تم اس سے ہرگز انحراف نہ کرو' اسی کی طرف متحدہ دین کا اشارہ کیا جاتا ہے' جس میں کوئی اختلاف نہیں ﴿ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴾ اور میں تمہارا پروردگار ہوں' سو تم صرف میری عبادت کرو یعنی میں اپنے اختیار سے تمہاری تربیت اور پرورش کرنے والا ہوں' سو تم بھی بڑے فخر کے ساتھ شکر ادا کرنے کے لیے صرف میری عبادت کیا کرو' اور اس آیت مبارکہ میں تمام بنی نوع انسان کو خطاب ہے۔

۹۳- ﴿ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ﴾ اور انہوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا [اصل کلام "وَتَقَطَّعْتُمْ" ہے" اور تم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا" مگر کلام کو التفات کے طریقہ پر غائب کی طرف تبدیل کر دیا گیا ہے] اور معنی یہ ہے کہ انہوں نے آپس میں اپنے دین کے معاملے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ لوگ فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہو گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے دھمکی دی کہ مختلف فرقوں میں تقسیم ہونے والے یہ ﴿ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴾ تمام لوگ ہماری طرف لوٹ کر آنے والے ہیں' پھر ہم ان کے اعمال کے مطابق انہیں بدلا دیں گے۔

۹۴- ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ﴾ پس جو شخص نیک اعمال میں سے کچھ نیک عمل کرے گا اور وہ ایمان دار ہو' جن چیزوں پر ایمان لانا واجب ولازم ہے ان پر وہ ایمان رکھتا ہو ﴿ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ﴾ سو اس کی کوشش و محنت نامقبول نہیں ہوگی یعنی اس کی محنت اور کوشش کی قدر کی جائے گی اور اُسے قبول کیا جائے گا اور ثواب سے محروم رہنے اور نیک اعمال پر ثواب نہ ملنے کو کفران سے تشبیہ دی جاتی ہے جیسا کہ اعمالِ صالحہ قبول ہونے اور ان پر ثواب ملنے کو شکر سے تشبیہ دی جاتی ہے اور یہاں جنس کی نفی کی گئی ہے تاکہ کلام زیادہ بلیغ و فصیح ہو جائے ﴿ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم اس کی محنت و کوشش کو یعنی ہمارے محافظ فرشتے ہمارے حکم سے اسے اس شخص کے اعمال نامہ میں لکھ رہے ہیں' سو ہم اس کو اس کی محنت پر ضرور جزائے خیر اور ثواب عطا فرمائیں گے۔

کفار اور ان کے معبودانِ باطلہ کے انجام بد کا بیان

۹۵- ﴿ وَحَرٰمٌ ﴾ [اور یہ حفص اور خلف کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی قراءت میں "حِرْمٌ" ہے اور یہ دونوں لغتیں مستعمل ہیں جیسے وزن کے اعتبار سے "حِلٌّ" اور "حَلَالٌ" ہے] اور یہ معنی کے اعتبار سے حرام کی ضد ہیں اور حرام سے وہ چیز مراد ہے' جس کا وجود ممتنع ہو یعنی محال ہو ﴿ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴾ اس بستی کے لوگوں پر' جن کو ہم نے ہلاک کر دیا بے شک وہ واپس نہیں لوٹیں گے اور معنی یہ ہے کہ جن کو ہلاک کر دیا گیا ہے ان کے لیے ممنوع ومحال اور ناممکن ہے کہ وہ روزِ حشر قبروں سے اٹھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں واپس لوٹیں یا جس بستی کے لوگوں کو ہم نے ہلاک کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے ان پر حرام ہے یعنی جن کی ہلاکت ہم نے تقدیر میں مقرر کر رکھی ہے یا جن کی ہلاکت کا ہم نے فیصلہ کر رکھا ہے وہ یقیناً کفر

سے اسلام کی طرف نہیں لوٹیں گے اور یہی سابقہ آیت مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ نیک عمل اور مقبول محنت و کوشش رائیگاں نہیں جائے گی۔

۹۶- ﴿حَتّٰۤى﴾ [یہ وہ حرف ہے جس کے بعد کلام کے آغاز کو بیان کیا جاتا ہے اور جو کلام بیان کیا جاتا ہے وہ شرط اور جزاء سے مرکب جملہ ہوتا ہے' میری مراد ''اِذَا'' ہے اور جو اس کے محل میں آتا ہے] ﴿حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ﴾ یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے یعنی ان دونوں قوموں کے سامنے بطور آڑ بنائی گئی دیوار جب کھول دی جائے گی [اصل میں ''سَدُّ یاجوج و ماجوج'' ہے' پھر مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے جیسا کہ ''قَرْیَة'' کے مضاف ''اَهْل'' کو حذف کر دیا گیا ہے' نیز ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فُتِّحَتْ'' (''تا'' مشدد کے ساتھ) ہے] اور یاد رہے کہ یاجوج اور ماجوج انسانوں کی جنس سے دو قبیلے ہیں' کہا جاتا ہے کہ انسانوں کے دس حصے ہیں' ان میں سے نو حصے یاجوج اور ماجوج کے ہیں ﴿وَهُمْ﴾ یہ ضمیر ان انسانوں کی طرف راجع ہے' جن کو میدانِ محشر کی طرف لے جایا جائے گا اور بعض نے فرمایا کہ وہ یاجوج اور ماجوج ہیں کہ جب دیوار کھول دی جائے گی تو یہ باہر نکل آئیں گے ﴿مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ﴾ زمین کے ہر ٹیلے سے یعنی ہر بلند جگہ سے ﴿یَّنْسِلُوْنَ﴾ بہت تیزی سے اتریں گے۔

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّهُمْ فِیْهَا لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور سچا وعدہ قریب آ جائے گا تو اچانک کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی' (اس وقت وہ کہیں گے:) ہائے ہماری بدبختی! بے شک ہم اس سے غفلت ہی میں رہے تھے بلکہ ہم ظالم تھے ○ بے شک تم اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو سب دوزخ کا ایندھن ہو' تم اس میں داخل ہونے والے ہو ○ اگر یہ برحق معبود ہوتے تو اس میں داخل نہ ہوتے' اور سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○ اس میں ان کی چیخ و پکار ہوگی اور وہ اس میں کچھ نہیں سنیں گے ○ بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے نیکی کا وعدہ پہلے ہی طے ہو چکا ہے' وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے ○ وہ اس کی ہلکی سی آواز بھی نہیں سنیں گے' اور وہ انہیں نعمتوں میں ہمیشہ لطف اندوز ہوتے رہیں گے' جن کو ان کے دل پسند کریں گے ○

۹۷- ﴿وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ﴾ اور سچا وعدہ قریب آ جائے گا یعنی قیامت ﴿فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ پس اچانک کفار کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی [یہ جملہ سابق آیت میں حرف شرط ''اِذَا'' کا جواب ہے اور اس آیت میں ''اِذَا'' مفاجاتیہ ہے' جس کا معنی ہے: اچانک اور یہ جزاء میں آتا ہے اور ''فَا'' جزائیہ کے قائم مقام ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''اِذَا هُمْ یَقْنَطُوْنَ'' (الروم:۳۶) ''جب وہ اچانک ناامید ہو جائیں گے''۔ پھر جب ''اِذَا'' مفاجاتیہ کے ساتھ ''فَا'' آ جائے تو وہ دونوں شرط کے ساتھ جزا کے اتصال پر تعاون کرتے ہیں' پس یہ اتصال مؤکد ہو جاتا ہے اور اگر ''اِذَا''

کے بغیر"فَهِیَ شَاخِصَةٌ" کہا جاتا یا"فَا" کے بغیر"اِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ" کہا جاتا تو پھر بھی کلام درست اور صحیح ہوتا اور"هِیَ" مبہم ضمیر ہے اس کی وضاحت"اَلْاَبْصَارُ" کر رہا ہے اور اس کی تفسیر درج ذیل قول کر رہا ہے: [﴿ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ یعنی قیامت کے برپا ہونے پر کفار کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور ان کی پلکیں اوپر کی طرف اٹھ جائیں گی اور قیامت کی ہولناکی پر حیرانگی کی وجہ سے جھپکیں گی نہیں ﴿ یٰوَیْلَنَا ﴾ [یہ فعلِ محذوف کے متعلق ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے:"یَقُوْلُوْنَ یَاوَیْلَنَا" اور"یَقُوْلُوْنَ" حال واقع ہو رہا ہے"اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا" سے] یعنی کفار اس وقت کہیں گے: ہائے ہماری بدنصیبی! ﴿ قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا ﴾ بے شک ہم اس قیامت کے دن سے غفلت و بے خبری میں رہے تھے ﴿ بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴾ بلکہ ہم خود ظالم تھے کہ ہم نے عبادت کو اس کے غیر محل میں رکھا (کہ عبادت کے مستحق اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر مستحق بتوں کی عبادت کرتے رہے)۔

۹۸۔ ﴿ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ﴾ بے شک خود تم اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی تم عبادت کرتے ہو سب دوزخ کا ایندھن ہو یعنی تمہارے بت اور شیطان اور اس کے دیگر معاونین کیونکہ کفار انہیں کی اطاعت و فرماں برداری کرتے تھے اور کفار کا شیطانوں وغیرہ کے نقشِ قدم پہ چلتے ہوئے ان کی پیروی کرنا ان کی عبادت کرنے کے حکم میں ہے اور"حصب" بہ معنیٰ"حطب" ہے یعنی آگ میں جلانے کی لکڑیاں جسے ایندھن کہتے ہیں اور (حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں)"حَطَبُ جَهَنَّمَ" پڑھا گیا ہے ﴿ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴾ تم اس میں ضرور داخل ہونے والے ہو۔

۹۹۔ ﴿ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً ﴾ اگر یہ بت برحق معبود ہوتے جیسا کہ تمہارا گمان ہے تو ﴿ مَّا وَرَدُوْهَا ﴾ وہ اس دوزخ کی آگ میں داخل نہ ہوتے ﴿ وَكُلٌّ ﴾ اور سب یعنی عبادت کرنے والے کفار اور وہ بت جن کی عبادت کی گئی سب کے سب ﴿ فِیْهَا ﴾ اس میں یعنی دوزخ کی آگ میں ﴿ خٰلِدُوْنَ ﴾ ہمیشہ رہیں گے۔

۱۰۰۔ ﴿ لَهُمْ ﴾ ان کے لیے (یعنی) کفار کے لیے ﴿ فِیْهَا زَفِیْرٌ ﴾ اس میں رونا چلانا دھاڑیں مارنا اور چیخ و پکار کرنا ہوگا ﴿ وَّهُمْ فِیْهَا لَا یَسْمَعُوْنَ ﴾ اور وہ اس میں کچھ نہیں سنیں گے کیونکہ وہ بہرے ہو جائیں گے اور سماع میں ایک قسم کا انس ہوتا ہے جو انہیں عطا نہیں کیا جائے گا۔

نیک مسلمانوں کے نیک انجام کا بیان

۱۰۱۔ ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ﴾ بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے نیک وعدہ پہلے ہی طے ہو چکا ہے۔"حُسْنٰی" کا معنی ہے: بہترین نیکی۔ یہ"اَحْسَنُ" کی تانیث ہے اور اس سے سعادت و نیک بختی یا اجر و ثواب کی بشارت یا اطاعت و فرماں برداری کی توفیق مراد ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارک ابن زبعری کے قول کے جواب میں نازل ہوئی تھی کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قریش کے سرداروں کے سامنے"اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" (سے) خَالِدُوْنَ" تک تلاوت فرمائی تو ابن زبعری نے کہا کہ کیا یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کی اور عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی اور قبیلہ بنو ملیح نے فرشتوں کی عبادت نہیں کی؟ حالانکہ یہ ارشاد"وَمَا تَعْبُدُوْنَ" ان حضرات کو شامل نہیں ہے کیونکہ اس میں"مَا" غیر عاقل کے لیے آتا ہے (جب کہ مذکورہ بالا حضرات عاقل ہیں) مگر چونکہ اہل مکہ بغض و عناد رکھنے والے تھے اس لیے جواب کے بیان میں ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ زیادہ کیا گیا ہے یعنی یہ حضرت عزیر علیہ السلام حضرت مسیح علیہ السلام اور فرشتوں کو ﴿ عَنْهَا ﴾ اس سے یعنی دوزخ سے ﴿ مُبْعَدُوْنَ ﴾ دور رکھا جائے گا کیونکہ یہ حضرات ان کی عبادت سے راضی نہیں تھے اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ"اِنَّ

"الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى" میں تمام مسلمان مراد ہیں' اس لیے کہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت کی' پھر فرمایا: میں' حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی' حضرت طلحہ' حضرت زبیر اور حضرت عبد الرحمان بن عوف (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) انہیں میں سے ہیں' اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جن لوگوں کے لیے ازل میں عنایت الٰہی سبقت کر چکی ہے' انہیں لوگوں کے لیے دنیا میں ولایت کا ظہور ہوگا۔

۱۰۲۔ ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا﴾ وہ لوگ دوزخ کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے۔ "حسیس" ہر وہ آواز جو صرف محسوس ہو سکے اور ہر وہ حرکت جو آگ کو بھڑکا دے اور یہ دوزخ سے دور رکھنے کے لیے مبالغہ ہے یعنی یہ نیک حضرات دوزخ کے قریب بالکل نہیں جائیں گے بلکہ اس سے اتنا دور ہوں گے کہ وہ نہ اس کی آواز سن سکیں گے اور نہ دوزخ میں جلنے والوں کی چیخ و پکار سن سکیں گے ﴿وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ﴾ اور وہ لوگ ان نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے' جن کی ان کے دل خواہش کریں گے اور شہوت کا معنی ہے: نفس کا کسی لذیذ ومزہ دار چیز کی خواہش کرنا۔

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ
تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ
نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ
اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَآ
اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

ان کو سب سے بڑی گھبراہٹ بھی غمگین نہیں کرے گی اور ان سے فرشتے ملاقات کریں گے' (اور کہیں گے:) یہ تمہارا وہی دن ہے' جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا○ اس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹیں گے' جس طرح فرشتے اعمال نامہ کو لپیٹ لیتے ہیں' جس طرح ہم نے اسے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح ہم اسے دوبارہ پیدا کریں گے' یہ ہمارا لازمی وعدہ ہے' بے شک ہم اسے ضرور پورا کریں گے○ اور بے شک ہم نے نصیحت کرنے کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ بے شک زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے○ بے شک اس (قرآن) میں عبادت گزار لوگوں کے لیے کفایت ہے○ اور ہم نے صرف آپ کو تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے○

۱۰۳۔ ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ﴾ ان کو سب سے بڑی گھبراہٹ بھی غمگین نہیں کرے گی۔ یہاں بڑی گھبراہٹ سے نفخۂ اخیرہ مراد ہے یعنی جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا' جس سے گھبرا کر تمام لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر کھڑے ہو جائیں گے ﴿وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ اور فرشتے ان سے ملاقات کریں گے یعنی فرشتے جنت کے دروازے پر خوش وخرم ہو کر خوش آمدید' مرحبا اور جی آیاں نوں کہتے ہوئے ان کا استقبال کریں گے' نیز وہ کہیں گے: ﴿هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ یہ تمہارا وہ دن ہے' جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا یعنی یہ تمہارے اجر وثواب کا وقت ہے' جس کا تمہارے پروردگار نے تم سے دنیا میں وعدہ فرمایا تھا۔

۱۰۴-﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ﴾ جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے' آسمانوں کو لپیٹنے کا مطلب ہے: اس کے ستاروں کو لپیٹنا اوران کے نشانات کو مٹا دینا اور یہ ''نشر'' کی ضد ہے یعنی ہم اس کو جمع کرلیں گے اور ہم اس کو لپیٹ لیں گے [اس کا عامل ''لَا يَحْزُنُهُمُ'' ہے یا پھر ''تَتَلَقَّاهُمُ'' اس کا عامل ہے اور یزید کی قراءت میں ''تُطْوَى السَّمَآءُ'' ہے] ﴿كَطَيِّ السِّجِلِّ﴾ یعنی جیسے صحیفہ کو لپیٹا جاتا ہے ﴿لِلْكُتُبِ﴾ یعنی مکتوبات یعنی ان معانی کثیرہ کے لیے جو صحیفوں میں لکھے گئے ہیں [یہ حمزہ' علی کسائی اور امام حفص کی قراءت میں ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں ''لِلْكِتَابِ'' ہے] یعنی جس طرح طومار تحریر کے لیے لپیٹا جاتا ہے یا اس کے لیے جو اس میں لکھا جاتا ہے اور بعض نے فرمایا' ''السجل'' فرشتہ ہے جو بنی آدم کے اعمال کے صحیفے لپیٹ لیتا ہے جب وہ ان کو اوپر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جاتا ہے اور بعض نے فرمایا کہ ''سجل'' رسول اللہ ﷺ کے ایک کاتب کا نام ہے اور ''کتاب'' سے یہی صحیفہ مراد ہے' جس میں لکھا جاتا ہے [اور ''طَيِّ'' فاعل کی طرف مضاف ہے اور پہلے معنی پر مفعول کی طرف مضاف ہے] ﴿كَمَا بَدَأْنَآ أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ﴾ جس طرح ہم نے پہلے پیدا کیا ہے اسی طرح ہم اسے دوبارہ پیدا کریں گے [کافِ تشبیہ پوشیدہ فعل کی وجہ سے منصوب ہے' جس کی تفسیر بعد والا فعل ''نُعِيدُهُ'' کر رہا ہے اور ''مَا'' موصولہ ہے] یعنی جس طرح ہم نے انسان کو پہلے پیدا کیا ہے' اسی طرح ہم اسے دوبارہ پیدا کریں گے [اور ''أَوَّلَ خَلْقٍ''، ''بَدَأْنَا'' کے لیے ظرف ہے یعنی پہلی دفعہ ہم نے اس کو پیدا کیا ہے یا یہ موصول کی ضمیر سے حال ہے جو تلفظ میں ساقط ہے معنی میں ثابت ہے اور ''أَوَّلَ الْخَلْقِ'' سے مراد اس کی پہلی ایجاد ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلی مرتبہ اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا کیا' اسی طرح اپنی قدرتِ کاملہ سے اسے دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ پہلی تخلیق پر قیاس کرکے دوبارہ تخلیق کو تشبیہ دی گئی تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ قدرتِ الٰہی دونوں کو برابر شامل ہے اور ''خلق'' کے نکرہ ہونے کی مثال تمہارے اس قول میں ہے کہ ''هُوَ أَوَّلُ رَجُلٍ جَآءَنِيْ'' اس سے تمہاری مراد ''أَوَّلُ رِجَالٍ'' ہو لیکن اس کو نکرہ اور واحد لانے سے تمہاری مراد یہ ہو کہ تمام مردوں کو فرداً فرداً تفصیل کے ساتھ مراد لیا جاسکے' پس ''أَوَّلُ خَلْقٍ'' کا معنی بھی اسی طرح ہے اور یہ ''أَوَّلُ الْخَلَائِقِ'' کے معنی میں ہے کیونکہ ''الخلق'' مصدر ہے' اس کی جمع نہیں آتی] ﴿وَعْدًا﴾ [مصدر ہے' تاکید کے لیے ہے] کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ''نُعِيدُهُ'' دوبارہ تخلیق کے لیے وعدہ ہے ﴿عَلَيْنَا﴾ یعنی یہ وعدہ پورا کرنا ہم پر لازم ہے' ہر حال میں لامحالہ پورا ہو کر رہے گا ﴿إِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ﴾ بے شک ہم اسے ضرور پورا کریں گے یعنی ہم اس وعدہ کو ثابت کرکے رہیں گے' سو تم اس کے لیے تیاری کرو اور قیامت کی ہولناکیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے نیک اعمال آگے بھیجو۔

۱۰۵-﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ﴾ اور بے شک ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور شریف میں لکھ دیا ہے ﴿مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ﴾ تورات شریف کے بعد ﴿أَنَّ الْأَرْضَ﴾ یعنی سرزمین شام ﴿يَرِثُهَا عِبَادِيَ﴾ اس کے وارث میرے بندے ہوں گے [حمزہ کی قراءت میں ''یَا'' ساکنہ ہے' اس کے علاوہ کی قراءت میں ''یَا'' مفتوح ہے] ﴿الصّٰلِحُوْنَ﴾ نیک بندے یعنی امتِ سرورِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ یا ''زبور'' بہ معنی ''مزبور'' ہے یعنی مکتوب اور لکھا ہوا یعنی جو کتابیں انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل کی گئیں اور ''الذکر'' سے ''اُمُّ الكتاب'' یعنی لوحِ محفوظ مراد ہے' اس لیے کہ ہر کوئی اسی سے لیتا ہے [اس کی دلیل حمزہ اور خلف کی قراءت ہے' جس میں ''زَا'' پر ضمہ ہے۔ ''زُبُر'' کی جمع ہے بہ معنی ''مزبور'' اور ''الْأَرْضَ'' سے جنت کی زمین مراد ہے]۔

۱۰۶-﴿إِنَّ فِيْ هٰذَا﴾ بے شک اس میں یعنی قرآن مجید میں یا جو کچھ اس سورت میں مذکور ہوا جیسے ماضی کے

حالات و خبریں اور وعدہ وعید اور مواعظِ حسنہ ﴿لَبَلٰغًا﴾ کفایت ہے اصل میں جس چیز کے ذریعے مطلوب تک رسائی حاصل کی جائے ﴿لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ﴾ عبادت گزار و توحید پرست قوم کے لیے اور وہ سرورِ کونین رسول الثقلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت اللہ تعالیٰ کی توحید اور قیامت کا بیان

۱۰۷- ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً﴾ اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سراپا پیکرِ رحمت بنا کر[۱] حضور سیّد عالم ﷺ نے فرمایا: بے شک صرف میں (تمام مخلوقات میں تمام جہانوں کے لیے) سراپا رحمت و ہدایت ہوں[۲] ﴿لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ تمام جہانوں کے لیے اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسی تعلیمات لے کر آئے ہیں جو لوگوں کو سعادتِ دارین عطا کرتی ہیں اگر وہ آپ کی اتباع کر لیں اور جس نے آپ کی اتباع نہیں کی تو اس نے اپنے آپ کو خود محروم رکھا کیونکہ اس نے آپ کی

۱ علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں کہ حضور سیّد عالم فخر آدم و بنی آدم ﷺ کا تمام جہانوں کے لیے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ تمام ممکنات کے لیے ان کی صلاحیت کے مطابق فیضِ الٰہی کا واسطہ اور ذریعہ ہیں اور اس لیے آپ کا نور اول مخلوقات ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں اور علامہ ابن القیم کی کتاب "مفتاح السعادۃ" میں لکھا ہے کہ اگر نبی اور پیغمبر نہ ہوتے تو جہان میں کوئی علم کسی کو بالکل نفع نہ دیتا اور نہ کوئی نیک عمل ہوتا اور نہ کوئی روزی حاصل کرنے کا جائز طریقہ ہوتا اور نہ کسی حکومت کا قیام ہوتا اور تمام لوگ جانوروں اور درندوں اور حملہ آور کتوں کی طرح ہوتے جو ایک دوسرے پر حملہ کرتے اور تمام عالم میں ہر نیکی اور بھلائی نبوت کی تعلیمات کی وجہ سے ہے اور ہر قسم کی بدی اور بُرائی نبوت کی تعلیمات سے دوری اور اس سے بے علمی کے سبب ہے پس یہ جہاں جسم ہے اور نبوت اس کی روح ہے اور جسم بغیر روح کے قائم نہیں رہتا اور اس لیے جب اس جہاں سے آفتابِ نبوت کا فیضان بند ہو جائے گا اور اس کی تعلیمات روئے زمین پر باقی نہیں رہیں گی تو آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے منتشر ہو جائیں گے اور سورج کو لپیٹ دیا جائے گا اور چاند بے نور ہو جائے گا اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیا جائے گا اور زمین میں زلزلہ آ جائے گا اور روئے زمین پر رہنے والے تمام لوگ ہلاک ہو جائیں گے نیز چند سطور بعد لکھتے ہیں کہ میرا مذہب یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کو تمام جہانوں میں سے ہر ہر فرد کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اور آپ کی یہ رحمت فرشتوں انسانوں جنوں اور مؤمن و کافر سب کو شامل ہے اور اس کے چند سطور بعد مزید لکھتے ہیں کہ عالمین کے عموم سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی رحمت کفار کو بھی شامل ہے جیسا کہ امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ مشرکین کے خلاف دعائے ضرر فرمائیں حضور نے فرمایا: "اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَّاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً" بے شک میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ میں تو بلاشبہ صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (تفسیر روح المعانی جزء ۱۷ ص ۱۰۵-۱۰۶ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور) نیز علامہ اسماعیل حقی حنفی اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں کہ مشائخ کرام نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم ﷺ کی رحمت مطلقہ تامہ کاملہ کل کائنات کے ذرہ ذرہ کو شامل ہے بلکہ تمام موجودات کے ہر قطرہ کو محیط ہے وہ عوالم غیبیہ ہوں یا شہادت علمیہ ہوں یا عینیہ وجودیہ ہوں یا شہودیہ سابقہ ہوں یا لاحقہ ہوں اسی طرح وہ عوالم ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول ہوں وہ عوالم ارواح ہوں یا اجسام ہوں غرضیکہ خدا تعالیٰ کی خدائی کا کوئی فرد ایسا نہیں جس کے لیے ہمارے حضور نبی کریم ﷺ رحمت نہ ہوں۔ (تفسیر روح البیان مترجم پارہ: ۱۷ ص ۱۸۹)

۲ رواہ ابن سعد والحکیم الترمذی عن ابی صالح مرسلاً (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۹۵)

رحمت سے اپنا حصہ وصول کرنے کی بجائے اسے ضائع کر دیا اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ حضور سید عالم ﷺ مؤمنوں کے لیے تو دنیا و آخرت دونوں میں رحمت ہیں اور کافروں کے لیے صرف دنیا میں رحمت ہیں کیونکہ آپ کی رحمت کے سبب دنیا میں ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے والے ہلاکت خیز عذاب سے' زمین میں دھنسا دینے والے عذاب اور شکلوں کو بگاڑنے والے عذاب سے بچالیا گیا ہے[1] ['' رَحْمَةً '' مفعول لہ ہے یا حال ہے یعنی'' ذَا رَحْمَةٍ '' رحمت فرمانے والے]۔

قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍؕ وَ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَ یَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَ اِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَ مَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّؕ وَ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

فرما دیجئے کہ بے شک میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے' تو کیا تم تسلیم کرتے ہو ○ پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو آپ فرما دیجئے کہ میں نے تمہیں برابر اطلاع دے دی ہے اور میں اپنے قیاس سے نہیں جانتا' آیا نزدیک ہے یا دور ہے' جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ○ بے شک وہ بلند بات کو جانتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اس کو بھی جانتا ہے ○ اور میں اپنے قیاس سے نہیں جانتا شاید وہ تمہارے لیے آزمائش ہو اور ایک مقررہ وقت تک تمہیں فائدہ پہنچانا ہو ○ عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! تو حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے' ہمارا پروردگار رحمٰن ہے' جس سے ان تمام باتوں پر جو تم بیان کرتے ہو مدد مانگی جاتی ہے ○

۱۰۸- ﴿قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ بے شک صرف میری طرف وحی کی جاتی ہے ['' اِنَّمَا '' کبھی حکم کو کسی چیز کے ساتھ مخصوص کرنے کے لیے آتا ہے اور کبھی کسی چیز کو حکم کے ساتھ مخصوص کرنے کے لیے آتا ہے جیسے '' اِنَّمَا زَیْدٌ قَآئِمٌ '' اور '' اِنَّمَا یَقُوْمُ زَیْدٌ '' اور '' یُوْحٰی اِلَیَّ '' کا فاعل ﴿اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ ہے] (یعنی) بے شک تمہارا معبود برحق صرف ایک معبود ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: '' یُوْحٰی اِلَیَّ وَحْدَانِیَّةُ اِلٰهِیْ '' یعنی میری طرف میرے معبودِ برحق کی وحدانیت اور اس کی توحید کی وحی کی جاتی ہے اور یہ جائز ہے کہ یہ معنی ہو: '' اِنَّ الَّذِیْ یُوْحٰی اِلَیَّ '' بے شک میری طرف جو وحی کی جاتی ہے وہ صرف یہی ہے کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے [سو اس صورت میں '' مَا '' موصولہ ہوگا] ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ تو کیا تم مسلمان ہو جاؤ گے [یہ جملہ استفہامیہ فعل امر کے معنی میں ہے' یعنی پس تم اسلام قبول کر لو]۔

۱۰۹- ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ سو اگر وہ اسلام سے روگردانی کریں اور اس سے منہ پھیر لیں ﴿فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ﴾ تو اے محبوب! اعلان فرما دیجئے کہ میں نے تمہیں آگاہ کر دیا ہے اور جس کا مجھے حکم دیا گیا تھا میں نے اس کی واضح اطلاع تمہیں دے

[1] جیسا کہ سیّد المفسرین حضرت ابن عباس سے مروی ہے' ملاحظہ ہو (تفسیر روح المعانی بہ حوالہ طبرانی و بیہقی جزء ۱۷ ص ۱۰۵' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور' تفسیر خازن ج ۳ ص ۲۹۷' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر ابن کثیر مترجم بہ حوالہ ابن جریر ج ۳' پارہ: ۱۷' ص ۴۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

دی ہے ﴿عَلٰی سَوَآءٍ﴾ [یہ حال ہے] یعنی میں نے تم سب کو اس کی برابر اطلاع دے دی ہے اور یہ نہیں کیا کہ تم میں سے بعض کو میں نے مخصوص کر لیا ہو اور بعض کو چھوڑ دیا ہو اور یہ فرقہ باطنیہ کے مذہب کے باطل ہونے کی دلیل ہے ﴿وَاِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ﴾ اور میں محض اپنے عقل و قیاس سے نہیں جانتا کہ آیا نزدیک ہے یا دور ہے' جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی میں یہ نہیں جانتا کہ قیامت کا دن کب (اور کس سنہ میں) ہوگا' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر مطلع نہیں فرمایا لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ قیامت ضرور واقع ہوگی[1] یا میں یہ نہیں جانتا کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو تم پر کب عذاب نازل ہو گا۔

۱۱۰- ﴿اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ﴾ بے شک وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) بلند آواز والی بات کو بھی جانتا

---

1 یعنی قیامت کا وقوع اسرارِ الٰہیہ میں سے ہے' جس کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہے' کسی اندازہ' تخمینہ' اٹکل' قیاس سے معلوم نہیں ہو سکتی' ہاں! اللہ تعالیٰ ہی کسی کو بتائے تو وہ قادر ہے۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو قیامت کا علم بھی عطا فرما دیا ہے' اس لیے حضور انور نے قیامت کی ساری علامتیں بیان فرما دیں۔ قیامت کا دن' تاریخ' مہینہ بتا دیا کہ جمعہ کے دن محرم کے مہینے دسویں تاریخ کو قائم ہوگی۔ ہاں! سنہ نہ بتایا کہ صیغۂ راز میں رہے۔ (مرآت شرح مشکوٰۃ ج ۷ ص ۳۴۳)

(۱) امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک طویل ارشاد روایت کیا ہے' جس کے آخر میں آپ نے فرمایا: ''یَوْمُ القیامة یوم عاشورآء'' ہے (یعنی قیامت کا دن محرم کے مہینہ کی دس تاریخ کو ہوگا)۔

(فضائل الاوقات رقم الحدیث: ۲۴۳' ص ۴۴۱' مکتبہ المنارۃ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے' وہ جمعہ کا دن ہے' جس میں حضرت آدم پیدا کیے گئے اور اسی دن جنت سے باہر لائے گئے اور قیامت بھی صرف جمعہ کے دن قائم ہو گی۔ (صحیح مسلم الجمعۃ: ۱۸۔ ۸۵۴۔ ۱۹۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۳)

(۳) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور دو دنوں میں اس کی روزی پیدا کی' پھر استواء فرمایا' پھر دو دنوں میں آسمانوں کو پیدا فرمایا' زمین کو اتوار اور پیر کے دن پیدا کیا اور منگل اور بدھ کو اس کی روزی پیدا کی اور آسمانوں کو جمعرات اور جمعہ کے دن پیدا کیا اور جمعہ کی ساعت میں عجلت سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اسی ساعت میں قیامت قائم ہوگی (یہ حدیث حکماً مرفوع ہے)۔

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۸۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت واقع ہونے سے پہلے اس کی تمام نشانیاں بیان فرما دیں اور ان تین حدیثوں میں یہ بھی بتا دیا کہ محرم کے مہینہ کی دس تاریخ کو جمعہ کے دن' دن کی آخرت ساعت میں قیامت واقع ہوگی۔ مہینہ' تاریخ' دن اور خاص وقت سب بتا دیا' صرف سن نہیں بتایا کیونکہ اگر سن بھی بتا دیتے تو ہم آج جان لیتے کہ قیامت آنے میں اب اتنے سال باقی رہ گئے ہیں اور ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ پہلے لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اب ایک گھنٹہ بعد قیامت آئے گی اور قیامت کا اچانک آنا قائم نہ رہتا اور قرآن جھوٹا ہو جاتا' کیونکہ قرآن نے فرمایا ہے: ''لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً'' (الاعراف: ۱۸۷) قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید کے مکذب نہیں مصدق تھے' اس لیے آپ نے قرآن مجید کے صدق کو قائم رکھنے کے لیے سن نہیں بتایا اور اپنا علم ظاہر فرمانے کے لیے باقی سب کچھ بتا دیا۔

(ماخوذ من تبیان القرآن ج ۴ ص ۴۴۶۔ ۴۴۷' مطبوعہ فرید بک سٹال' ۳۸ اُردو بازار' لاہور) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے اور وہ اسے بھی جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے وہ اس کو بھی خوب جانتا ہے جو تم اسلام کے خلاف لوگوں کے سامنے بلند آواز سے زبانِ طعن دراز کرتے ہو اور جو تم اسلام کے خلاف زہر اگلتے ہو اور وہ اسے بھی خوب جانتا ہے جو تم اپنے دلوں میں حسد بغض کینہ اور نفرت کو چھپا کر رکھتے ہو اور وہ تمہیں اس پر ضرور سزا دے گا۔

۱۱۱- ﴿ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ ﴾ اور میں محض عقل و قیاس سے نہیں جانتا (بلکہ میں جو کچھ جانتا ہوں وہ وحی کے ذریعے جانتا ہوں) ممکن ہے کہ یہ تمہارے لیے آزمائش ہو (یعنی) میں محض قیاس و گمان کی بناء پر نہیں جانتا' ممکن ہے دنیا میں تم سے عذاب کی تاخیر تمہارے لیے بہت بڑا امتحان ہوتا کہ وہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ﴿ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴾ اور ایک مقررہ وقت تک تمہیں فائدہ پہنچانا مقصود ہو (یعنی) تمہیں تمہارے مرنے تک فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا کہ یہ مہلت تمہارے خلاف حجت و برہان بن جائے۔

۱۱۲- ﴿ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ﴾ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تو حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے (یعنی) اے میرے پروردگار! تو ہمارے اور اہل مکہ کے درمیان انصاف کا فیصلہ فرما' یا یہ معنی ہے کہ ایسا فیصلہ فرما' جس سے ان پر عذاب واجب ہو جائے اور تو ان سے محبت و شفقت نہ فرما اور ان پر سختی فرما جیسا کہ آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ تھا کہ اے میرے رب! تو قبیلہ مضر کے لوگوں پر اپنی گرفت سخت فرما ﴿ قٰلَ رَبِّ ﴾ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عرض کیا: اے میرے پروردگار [یہ امام حفص کی قراءت ہے' جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قول کی حکایت مقصود ہے جب کہ یزید کی قراءت میں ''رَبُّ احْكُمْ'' (''با'' مضموم ہے) زید اور یعقوب کی قراءت میں ''رَبِّیْ اَحْكَمُ'' ہے (یا ساکنہ اور ''اَحْكَمُ'' اسم تفضیل ہے) میرا رب زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے] ﴿ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ ﴾ اور ہمارا پروردگار رحمان ہے جو اپنی مخلوق پر بڑا ہی مہربان ہے ﴿ الْمُسْتَعَانُ ﴾ (تمام چھوٹے بڑے اُمور میں حقیقی) مدد اسی سے طلب کی جاتی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نیز حضور نے اپنے بارے میں درایت کی نفی فرمائی ہے' علم کی نفی نہیں فرمائی کیونکہ اسی سورت کی پہلی آیت مبارکہ میں ارشاد ہے: ''اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ'' لوگوں کے لیے ان کے حساب کا وقت (یعنی قیامت کا وقوع) قریب آ گیا ہے' نیز اسی سورت کی ستانویں آیت مبارکہ میں ارشاد ہے: ''وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ'' اور سچا وعدہ (یعنی قیامت کا وقوع) قریب آ گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود فرمایا ہے کہ میں اور قیامت پہلی اور دوسری انگلی کی طرح ملے ہوئے ہیں۔ ان مذکورہ بالا آیات اور حدیث سے ثابت ہوا کہ قیامت کا وقوع قریب ہے تو پھر بھلا حضور سے کیسے مخفی رہ سکتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضور کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے علم حاصل تھا' اس لیے تو حضرت صدر الافاضل مراد آبادی علیہ الرحمۃ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: بے خدا کے بتائے یعنی یہ بات عقل و قیاس سے جاننے کی نہیں ہے' یہاں درایت کی نفی فرمائی گئی ہے۔ درایت کہتے ہیں اندازے اور قیاس سے جاننے کو جیسا کہ ''مفرداتِ امام راغب'' اور ''ردالمحتار'' میں ہے' اسی لیے اللہ تعالیٰ کے واسطے لفظ درایت استعمال نہیں کیا جاتا اور قرآن کریم کے اطلاقات اس پر دلالت کرتے ہیں' جیسا کہ فرمایا: ''مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْاِيْمَانُ''، لہٰذا یہاں بے تعلیم الٰہی محض اپنے عقل و قیاس سے جاننے کی نفی ہے نہ کہ مطلق علم کی اور مطلق علم کی نفی کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اسی رکوع کے اوّل میں آ چکا ہے: ''وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ'' یعنی قریب آیا سچا وعدہ' تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وعدے کا قرب و بعد کسی طرح معلوم نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنے عقل و قیاس سے جاننے کی نفی ہے نہ کہ تعلیمِ الٰہی سے جاننے کی۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۳۹۸' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور)

﴿عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ﴾ اس پر جو تم بیان کرتے ہو اور ابن ذکوان سے ''یا'' کے ساتھ ''عَلٰى مَا يَصِفُوْنَ'' ہے یعنی کفارِ مکہ خلافِ واقع حال بیان کرتے تھے اور وہ یہ تمنا اور آرزو رکھتے تھے کہ شان و شوکت، فتح و نصرت اور غلبہ انہیں کو حاصل ہو گا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے گمانوں کو جھوٹا کر دیا اور ان کی تمناؤں اور آرزوؤں کو ناکام بنا دیا اور ان کی دلوں کی خواہشات کو ملیامیٹ کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی اور مسلمانوں کی مدد فرما کر ان کو شان و شوکت، فتح و نصرت اور غلبہ نصیب فرمایا اور ان کو یعنی کفار کو ذلیل و رسوا کر دیا اور اسی (خدا ہی) سے مدد طلب کی جاتی ہے، کفار کی ان ہرزہ سرائیوں پر جو وہ مسلمانوں کے خلاف بیان کرتے ہیں۔

آیاتہا ۷۸	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○	سورۃ الحج

سورۃ الحج مدنی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ — اس کی اٹھہتر آیات، دس رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ② وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ③ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ④

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو، بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے ○ جس دن تم اس کو دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پینے والے سے غافل ہو جائے گی اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا دے گی اور تم لوگوں کو نشے میں بے ہوش دیکھو گے حالانکہ وہ بے ہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہو گا ○ اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بے علمی سے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں ○ جس کے بارے میں لکھا جا چکا ہے کہ بے شک جو شخص اس سے دوستی کرے گا تو وہ یقیناً اسے گمراہ کر دے گا اور وہ اسے دوزخ کے عذاب کی طرف راہ دکھلائے گا ○

خوفِ خدا، قیامت کی سختی اور بے علم جھگڑالو انسان کا بیان

۱- ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ﴾ اے لوگو! تم اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم کو تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر تقویٰ کے وجوب کے لیے قیامت کے ذکر کو بطورِ علت بیان کیا اور اس کی ایک ہولناک صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ﴾ بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے تاکہ یہ لوگ اپنی آنکھوں سے اس صفت کی طرف غور و فکر سے دیکھیں اور اس کا اپنی عقلوں میں تصور کریں اور سوچیں، یہاں تک کہ وہ اپنی جانوں کے لیے باقی رہ جائیں اور وہ اس دن کی سختیوں کی وجہ سے اپنی جانوں پر رحم کریں اور ہلاکت سے بچنے کے لیے ان کے رب تعالیٰ نے جن احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے، ان کو بجا لا کر

تقویٰ کا لباس پہن لیں' جو انہیں قیامت کی سختیوں اور گھبراہٹوں سے محفوظ و مامون رکھے اور زلزلہ کہتے ہیں: زوردار حرکت اور سخت ترین جھٹکے کو [اور زلزلے کی ''الساعة'' کی اضافت مصدر کی اپنے فاعل کی اضافت ہے گویا وہ زمین کو ہلا دے گا اور یہ مجازی حکم ہے یا ظرف کی طرف اضافت ہے کیونکہ زلزلہ اسی میں ہوگا' جیسا کہ ارشاد ہے: ''بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ'' (سبا: ۳۳)'' بلکہ رات اور دن کی فریب کاریاں ہیں''۔] اور زلزلے کا وقت قیامت کے دن ہوگا یا مغرب کی طرف سے سورج طلوع ہونے کے وقت ہوگا اور اس میں معتزلہ کے لیے معدوم شیٔ کا نام رکھنے کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس کا یہ نام اس کے پائے جانے کے وقت ہوگا۔

۲۔ ﴿ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ ﴾ تم اس دن اسے یعنی زلزلہ کو یا قیامت کو دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی غافل ہو جائے گی اور ''تَذْهَلُ'' بہ معنی ''تَغْفُلُ'' (غافل ہو جائے گی) ہے کیونکہ ''ذھول'' کا معنی غفلت ہے ﴿ عَمَّآ أَرْضَعَتْ ﴾ اپنے دودھ پلانے سے یا جس کو دودھ پلاتی ہوگی' اس سے غافل ہو جائے گی اور وہ دودھ پیتا بچہ ہوگا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''مُرْضِعَةٌ'' دلالت کرتا ہے کہ یہ غفلت اس وقت پیدا ہوگی جب دودھ پینے والا بچہ اپنی ماں کے پستان کو منہ میں لیے ہوگا لیکن جب عورت کو دہشت لاحق ہوگی تو وہ بچے کے منہ سے پستان چھین لے گی کیونکہ دودھ پلانے والی وہ عورت ہوتی ہے' جو حالتِ رضاعت میں اپنا پستان بچے کے منہ میں دے دے اور دودھ پینے والے بچے کی شان یہ ہے کہ وہ دودھ پیتا بچہ ہو' اگرچہ مذکورہ وصف کی حالت میں دودھ نہ پی رہا ہو ﴿ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا ﴾ اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا دے گی یعنی ہر حاملہ اور گابھن اپنا نا تمام اور ناقص بچہ گرا دے گی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ہر دودھ پلانے والی ماں دودھ چھڑائے بغیر اور مدت رضاعت پوری کیے بغیر اپنے بچے سے غافل و بے خبر ہو جائے گی اور حاملہ عورت مدت حمل پوری کیے بغیر اپنے پیٹ میں پلنے والے بچے کو گرا دے گی ﴿ وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى ﴾ اور اے دیکھنے والے! تو لوگوں کو نشے میں مست دیکھے گا۔ یہ بطور تشبیہ بیان ہوا ہے کہ جب لوگ اللہ تعالیٰ کی عزت و عظمت کی وسعت اور زبردست قدرت و طاقت کی شہنشاہیت اور کبریائی و بڑھائی کے شامیانے دیکھیں گے تو وہ دہشت زدہ اور حیران و مست ہو جائیں گے یہاں تک کہ ہر پیغمبر ''نفسی نفسی'' پکارے گا ﴿ وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴾ اور وہ حقیقت میں بے ہوش و مست نہیں ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا سخت ہوگا' پس اللہ تعالیٰ کا خوف و ڈر ہی ان کی عقلوں کو لے جائے گا اور ان کو اس شخص کی حالت کی طرف لوٹا دے گا' جس کی عقل کو نشہ نے زائل کر دیا ہو اور حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ خوفِ الٰہی کی وجہ سے تم لوگوں کو بے ہوش دیکھو گے' لیکن وہ شراب کی وجہ سے بے ہوش نہیں ہوں گے۔ شانِ نزول میں ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ دونوں غزوۂ بنی مصطلق میں رات کے وقت نازل ہوئی تھیں اور حضور نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں کو پڑھ کر سنایا اور ہم نے آپ کو اس رات سے زیادہ رونے والا کبھی نہیں دیکھا [قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں دونوں جگہ امالہ کے ساتھ ''سَكْرٰى'' ہے اور یہ ''عطشان'' میں ''عطشی'' کی طرح ہے]۔

۳۔ ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں' جو اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں بے علمی سے جھگڑا کرتے ہیں۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور وہ بہت جھگڑالو شخص تھا اور جھگڑتا رہتا تھا اور کہتا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور قرآن پہلے لوگوں کی کہانیاں ہے اور جو اجسام اور ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی'

ان کے زندہ کرنے پر اللہ تعالیٰ قادر نہیں ہے۔(نعوذ باللہ من ذالک) یا یہ ہر اس شخص کے بارے میں عام ہے جو اپنی خواہش سے دینِ الٰہی کے بارے میں جھگڑتا رہتا ہے ﴿وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ﴾ اور وہ اس جھگڑے میں ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتا ہے اور ہمیشہ شرارت و برائی میں نافرمان رہتا ہے [''بغیر علم''، ''یجادل'' سے حال ہے نیز ''مَرِيْد'' پر وقف نہیں ہے کیونکہ اس کا مابعد اس کی صفت ہے]۔

٤۔﴿كُتِبَ عَلَيْهِ﴾ اس پر لکھ دیا گیا ہے (یعنی) شیطان کے بارے میں یہ فیصلہ کیا جا چکا ہے ﴿اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ جو شخص اس سے دوستی کرے گا اور اس کی پیروی کرے گا یعنی جو شخص شیطان کی پیروی کرے گا [''اَنَّهٗ''، ''كُتِبَ'' کا فاعل ہے] ﴿فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ﴾ تو بے شک وہ شیطان اس کو سیدھے راستے سے بہکا دے گا ﴿وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ اور شیطان دوزخ کی آگ کے عذاب کی طرف اس کی رہنمائی کرے گا [علامہ زجاج نے کہا کہ ''فَاَنَّهٗ'' میں حرف ''فَا'' عطف کے لیے ہے اور ''اَنَّ'' کو تاکید کے لیے دوبارہ لایا گیا ہے اور علامہ ابوعلی نے اس کی تردید کی اور کہا کہ لفظ ''مَنْ'' اگر شرط کے لیے ہو تو حرف ''فَا'' شرط کی جزاء کے لیے ہوگا اور اگر ''اَلَّذِیْ'' کے معنی میں ہو تو پھر حرف ''فَا'' مبتدا کی خبر پر داخل ہوگا اور کہا کہ عطف اور تاکید اوّل کے تمام ہونے کے بعد ہوتے ہیں]اور معنی یہ ہے کہ شیطان پر لکھ دیا گیا ہے کہ جو اسے دوست بنائے گا وہ اسے گمراہ کر دے گا اور اس کی دوزخ کی آگ کی طرف رہنمائی کرے گا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ⑤

اے لوگو! اگر تم مرنے کے بعد (قیامت میں) اٹھائے جانے کے بارے میں شک میں ہو تو (غور کرو) بے شک ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر جمے ہوئے خون سے' پھر گوشت کے لوتھڑے سے پوری خلقت والا اور ناتمام خلقت والا تا کہ ہم (اپنی قدرت کی) نشانیاں تم پر ظاہر کر دیں اور ہم جس کو چاہتے ہیں رحموں میں ایک مقررہ مدت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں' پھر ہم تمہیں بچہ بنا کر باہر نکالتے ہیں تا کہ تم پھر اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ' اور تم میں سے بعض کو وفات دے دی جاتی ہے اور تم میں سے بعض کو ناکارہ ترین (انتہائی بڑھاپے کی) عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تا کہ وہ جاننے کے بعد بھی کچھ نہ جانے' اور تم زمین کو خشک و مردہ دیکھتے ہو' پھر جب ہم اس پر بارش برساتے ہیں تو وہ تر و تازہ ہو کر حرکت کرنے لگتی ہے اور اُبھرتی ہے اور ہر قسم کے خوبصورت سبزے اُگاتی ہے O

انسانی تخلیق کے مراحل اور مرنے کے بعد قیامت میں اٹھائے جانے کا بیان

۵۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حشر ونشر کے منکروں پر حجت لازم وثابت کرنے کے لیے فرمایا: ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ ﴾ اے لوگو! اگر مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے بارے میں تمہیں شک ہے یعنی اگر تمہیں حشر ونشر کے متعلق شک ہے تو تمہارے شک وشبہ کو زائل کرنے کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ تم اپنی پیدائش کی ابتداء میں غور وفکر کرو کیونکہ تم پہلے شروع میں مٹی اور پانی تھے اور حشر ونشر سے تمہارے انکار کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور وہ یہ کہ تمہاری تخلیق مٹی اور پانی سے ہوئی ہے ﴿ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ﴾ سو ہم نے تمہیں یعنی ہم نے تمہارے باپ (حضرت آدم علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا ہے ﴿ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ﴾ پھر تمہیں نطفہ سے پیدا کیا گیا ﴿ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ﴾ پھر جمے ہوئے خون کے ٹکڑے سے ﴿ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ ﴾ پھر چھوٹے گوشت کا لوتھڑا' جس کی مقدار اس قدر ہو کہ چبایا جا سکے ﴿ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ ﴾ ''مخلقة'' کا معنی ہے: مکمل تخلیق جو نقصان اور عیب سے سلامت ہو' گویا اللہ عزوجل ''مضغة'' کی مختلف تخلیق فرماتا ہے' ان میں سے بعض کی خلقت کامل ہوتی ہے' وہ تمام عیبوں سے سلامت ہوتی ہے اور ان میں سے بعض کی اس کے برعکس ناتمام تخلیق ہوتی ہے' سو اس تفاوت وفرق کے بعد لوگ اپنی خلقت میں' اپنی صورت میں' قد کے دراز ہونے اور چھوٹے ہونے میں اور اپنے کامل وناقص ہونے میں مختلف ہوتے ہیں اور بے شک ہم نے تمہیں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف اور ایک خلقت سے دوسری خلقت کی طرف صرف اس لیے منتقل کیا ہے کہ ﴿ لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ ﴾ تاکہ ہم اس مرحلہ وار تدریجی تخلیق سے تم پر اپنی قدرت وحکمت کا کمال ظاہر کر دیں اور بے شک جو پہلی دفعہ انسان کی تخلیق پر پھر دوبارہ نطفے سے پیدا کرنے پر قادر ہے حالانکہ مٹی اور پانی کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے اور جو نطفے کو جما ہوا خون بنانے پر اور جمے ہوئے خون کو لوتھڑا بنانے پر اور لوتھڑے میں ہڈیاں بنانے پر قادر ہے وہ اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے ﴿ وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ اور ہم جن بچوں کو صحیح سلامت اور ثابت وتمام رکھنا چاہتے ہیں' انہیں ہم ماؤں کے پیٹوں میں مقررہ مدت یعنی ولادت کے وقت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں اور ہم جن بچوں کو ثابت وصحیح سلامت نہیں رکھنا چاہتے' انہیں ان کی ماؤں کے رحم سے وقت سے پہلے گرا دیتے ہیں [''نُقِرُّ'' مفضل کے علاوہ جمہور کے نزدیک نون مضموم کے ساتھ ہے جب کہ مفضل کے نزدیک نون مفتوح اور قاف مضموم کے ساتھ ہے اور یہ وقف کے بعد جملہ مستأنفہ ہے یعنی مستقل الگ جملہ ہے' جس کا معنی ہے کہ ہم ثابت وقائم رکھتے ہیں] ﴿ ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ﴾ پھر ہم تم میں سے ہر ایک بچے کو نکال لیتے ہیں [''طِفْلًا'' حال ہے] اس سے جنسِ طفل مراد ہے (جس سے ایک بچہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے' متعدد بچے بھی مراد لیے جا سکتے ہیں) سو اس لیے اس کو جمع نہیں لایا گیا یا پھر اس سے ''ثُمَّ نُخْرِجُ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْكُمْ'' مراد ہے یعنی پھر ہم تم میں سے ہر ایک بچے کو نکالتے ہیں ﴿ ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ﴾ پھر ہم تمہاری تربیت کرتے رہتے ہیں تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ اور اپنی قوت وطاقت اور عقل ودانش کے کمال تک پہنچ جاؤ [''اَشُدَّ'' ان جمع کے الفاظ میں سے ہے' جن کا واحد استعمال نہیں ہوتا] ﴿ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى ﴾ اور تم میں سے بعض جوانی کی عمر کو پہنچ کر فوت ہو جاتے ہیں اور بعض جوانی کی عمر سے پہلے فوت ہو جاتے ہیں اور بعض جوانی کے بعد بڑھاپے کی عمر کے قریب فوت ہو جاتے ہیں ﴿ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرْذَلِ الْعُمُرِ ﴾ اور تم میں سے بعض کو انتہائی بڑھاپے کی عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ ''ارذل العمر'' کا معنی ہے: زندگی کا خسیس ترین زمانہ یعنی بڑھاپے کی عمر کا انتہائی کمزور ترین زمانہ اور ایسا زمانہ' جس میں بڑھاپے کے سبب عقل وفہم کی قوتیں بے کار وفاسد ہو جاتی ہیں اور یادداشت کی قوت جواب دے جاتی ہے ﴿ لِكَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْـًٔا ﴾ تاکہ وہ جاننے کے

بعد کچھ بھی نہ جانے یعنی تا کہ وہ بڑھاپے کے بعد کچھ بھی نہ جانے' جو اس سے پہلے جانتا تھا یا یہ کہ وہ علم سے استفادہ نہ کر سکے اور وہ سب کچھ بھول جائے جو پہلے جانتا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے حشر ونشر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر دوسری دلیل کا ذکر کیا اور فرمایا: ﴿وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً﴾ اور تم زمین کو مردہ اور خشک دیکھو گے ﴿فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ﴾ پھر جب ہم اس پر بارش نازل کرتے ہیں تو وہ سبزے کے ساتھ متحرک ہو جاتی ہے ﴿وَرَبَتْ﴾ اور پھول جاتی ہے [یزید کی قراءت میں جیسے اصل میں تھی' ویسے ''رَبَأَتْ'' ہے] یعنی سبزہ اُگ کر بلند ہو جاتا ہے ﴿وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ﴾ اور زمین ہر قسم کے خوبصورت سبزہ جات اور ہری بھری انگوریاں اگاتی ہے' جو اس کی طرف دیکھنے والوں کو خوش کر دیتی ہیں ''زوج'' بہ معنی صنف اور قسم ہے۔

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَأَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٦﴾ وَّأَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَأَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿٨﴾ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٩﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٠﴾ ع ۱۰ / ۸

یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور بے شک وہی مُردوں کو زندہ کرے گا اور بے شک وہی ہر چیز پر قادر ہے○ اور بے شک قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے' اور بے شک اللہ تعالیٰ انہیں زندہ کر کے ضرور اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں○ اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں○ اپنی گردن کو موڑنے والا ہے تا کہ اللہ کی راہ سے بہکا دے' اس کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور ہم اسے قیامت کے دن جلانے والا عذاب چکھائیں گے○ یہ اس کا صلہ ہے' جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں○

۶- ﴿ذٰلِكَ﴾ [یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر (درج ذیل) ارشاد ہے:] ﴿بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ﴾ یعنی یہ جو ہم نے اولادِ آدم کی تخلیق اور زمین کو آباد کرنے کا ذکر کیا' نیز اس کے ساتھ کئی گنا زیادہ مختلف اقسام کی حکمتیں بیان کی ہیں ان سب سے یہ نتیجہ حاصل ہوا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے یعنی اس کا موجود ہونا ثابت ہے ﴿وَأَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى﴾ اور بے شک وہ مُردوں کو زندہ فرمائے گا جیسا کہ اس نے مردہ اور بنجر زمین کو زندہ کر دیا اور ہریالی سے تروتازہ بنا دیا ﴿وَأَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۷- ﴿وَّأَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَأَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ اور بے شک قیامت آنے والی ہے' جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ انہیں اٹھائے گا' جو قبروں میں ہیں یعنی بے شک اللہ تعالیٰ حکیم و دانا ہے' وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا اور یقیناً اس نے قیامت اور حشر ونشر کا وعدہ کیا ہوا ہے' پس وہ لازمی طور پر اپنا وعدہ پورا کرے گا۔

۸- ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ﴾ اور لوگوں میں سے ایک وہ ہے' جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق جھگڑا کرتا

ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی صفات بیان کرتا ہے' جو اس کے لائق نہیں ہیں۔
شانِ نزول: یہ آیتِ مبارکہ ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو ﴿ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ علم کے بغیر جھگڑا کرتا ہے یعنی اس کے پاس نہ ضروری اور بدیہی علم ہے' نہ فطری علم ہے ﴿ وَّلَا هُدًى ﴾ اور نہ اسے رشد و ہدایت حاصل ہے' جس سے استدلال کرتا یعنی اس کے پاس استدلالی علم بھی نہیں' جس کے ذریعے معرفتِ الٰہی کی طرف رہنمائی حاصل کرتا ﴿ وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴾ اور نہ اس کے پاس روشن کتاب ہے یعنی اس کے پاس وحی الٰہی کی تعلیم بھی نہیں ہے اور ہر انسان کو ان تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے علم حاصل ہوتا ہے۔

۹۔ ﴿ ثَانِيَ عِطْفِهٖ ﴾ [یہ ''یُجَادِلُ'' کے فاعل سے حال ہے] یعنی وہ ابوجہل تکبر و غرور کی وجہ سے اپنی گردن اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری سے موڑنے والا ہے ﴿ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ تاکہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے گمراہ کر دے۔ یہ مجادلہ اور جھگڑا کرنے کی علت ہے [ابن کثیر اور ابوعمرو کی قراءت میں ''لِيَضِلَّ'' (''یا'' مفتوح کے ساتھ) ہے] ﴿ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ﴾ اس کے لیے دنیا میں ذلت و رسوائی ہے یعنی غزوۂ بدر کے دن قتل ہونا ہے ﴿ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴾ اور ہم اسے قیامت کے دن جلانے والا عذاب چکھائیں گے یعنی اس کے لیے دنیا و آخرت دونوں کے عذاب جمع کر دیئے جائیں گے۔

۱۰۔ ﴿ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ ﴾ یہ اس کا بدلا ہے جو تیرے ہاتھ نے آگے بھیجا ہے یعنی دونوں جہانوں کے عذاب کا سبب وہ اعمال ہیں' جو اس نے خود کفر و شرک اور تعلیماتِ نبوی کو جھٹلانے کی صورت میں آگے بھیجے ہیں اور ان اعمال کے لیے بطور کنایہ ''ید'' (یعنی ہاتھ) استعمال کیا گیا ہے کیونکہ ہاتھ کمائی کا ذریعہ ہے ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے' سو اس لیے وہ کسی کو بغیر گناہ کے گرفت میں نہیں لیتا اور نہ وہ کسی غیر کے گناہ پر گرفت کرتا ہے [اور یہ ''بِمَا'' پر معطوف ہے یعنی اصل میں ''وبِاَنَّ اللّٰهَ'' ہے اور ''ظَلَّام'' کو مبالغہ کے لفظ سے اس لیے ذکر کیا ہے کہ یہ جمع کے لفظ کے ساتھ مقترن و متصل ہے اور وہ ''عبید'' ہے] اور اس لیے کہ ظلم کی قباحت کو جاننے اور اس سے بے نیاز ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھوڑا سا ظلم بھی ہماری طرف سے بہت زیادہ ظلم کی طرح ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۚ ⑫ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬

اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے' جو اللہ تعالیٰ کی عبادت (دین کے) ایک کنارے پر کرتا ہے' پھر اگر اسے بھلائی پہنچے تو اس پر مطمئن ہو جاتا ہے' اور اگر اسے مصیبت پہنچے تو وہ اپنا منہ پھیر کر پلٹ جاتا ہے' اس نے دنیا اور آخرت ضائع کر دیں' یہی کھلم کھلا نقصان ہے ○ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتا ہے' جو اسے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور وہ نہ اسے نفع پہنچا سکتا ہے' یہی بہت دور کی انتہائی گمراہی ہے ○ وہ اس کی عبادت کرتا ہے' جس کا نقصان اس کے نفع سے یقیناً زیادہ قریب

ہے' بے شک وہ بہت بُرا کارساز ہے اور بے شک وہ بہت بُرا ساتھی ہےO

دنیاوی مفادات کی خاطر مسلمان ہونے والوں کا بیان

۱۱-﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّعۡبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرۡفٍ﴾ اور کچھ لوگ ایسے ہیں' جو دین کے ایک کنارے پر رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' دین کے وسط میں اور اس کے درمیان مکمل داخل ہو کر عبادت نہیں کرتے اور یہ ان کی مثال ہے کہ وہ لوگ اپنے دین کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مضطرب و پریشان اور سرگرداں رہتے ہیں' اطمینان و سکون پر ثابت قدم نہیں رہتے [اور یہ حرف حال ہے ''اَیْ مُضْطَرِبًا'' یعنی بے قرار ہوتا ہے] ﴿فَاِنۡ اَصَابَهٗ خَيۡرُ﴾ پھر اگر اس کو بھلائی پہنچتی ہے (یعنی) جسمانی صحت اور روزی میں خوشحالی حاصل ہوتی ہے ﴿اطۡمَاَنَّ بِهٖ﴾ تو وہ مطمئن و پرسکون ہو جاتا ہے اور اسے اس حاصل ہونے والی بھلائی یا دینِ اسلام پر قرار آ جاتا ہے' پس وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی شروع کر دیتا ہے ﴿وَاِنۡ اَصَابَتۡهُ فِتۡنَةُ﴾ اور اگر اس کے جسم میں کوئی بُرائی اور مصیبت پہنچتی اور معیشت و روزی تنگ ہو جاتی ہے تو ﴿انقَلَبَ عَلٰى وَجۡهِهٖ﴾ وہ اپنے پہلو پر پلٹ جاتا ہے یعنی وہ مرتد ہو جاتا ہے اور دین اسلام چھوڑ کر کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے' اس شخص کی طرح جو لشکر سے ہٹ کر اس کے کنارے کنارے ہو کر چلتا ہے' پھر اگر وہ فتح و کامیابی اور مالِ غنیمت محسوس کرتا ہے تو لشکر کے ساتھ برقرار رہتا ہے اور مطمئن ہو جاتا ہے' ورنہ بھاگ جاتا ہے اور جس طرف سے آیا تھا' اسی طرف اڑ کر چلا جاتا ہے۔

شانِ نزول: مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ ان اعرابیوں (دیہاتیوں) کے بارے میں نازل ہوئی تھی' جو اپنے علاقوں سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آ کر ٹھہرے تھے اور جب ان میں سے کوئی تندرست ہو جاتا اور اس کی گھوڑی صحیح سلامت بچہ کو جنم دیتی اور اس کی عورت صحیح سلامت بچہ جن دیتی اور اس کا مال اور جانور زیادہ ہو جاتے تو کہتا کہ میں جب سے اس دین میں داخل ہوا ہوں تو میں نے ماسوا خیر اور بھلائی کے اور کچھ نہیں پایا اور وہ مطمئن ہو جاتا اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو جاتا اور فائدہ کے بجائے اس کا نقصان ہو جاتا تو کہتا کہ میں نے ماسوا بُرائی اور مصیبت و تکلیف کے کچھ نہیں پایا اور وہ دین سے پھر جاتا ﴿خَسِرَ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةَ﴾ اس نے دنیا اور آخرت دونوں کو ضائع اور تباہ و برباد کر دیا اور دنیا میں نقصان اور بربادی اس کا دنیا میں قتل ہونا ہے اور آخرت کی بربادی ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہنا ہے [یہ جملہ ''انقلب'' کے فاعل سے حال ہے اور اس کے شروع میں ''قَدْ'' مقدر ہے' اس کی دلیل روح اور زید کی ''خَاسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ'' قراءت ہے] ﴿ذٰلِكَ﴾ یہی یعنی دنیا و آخرت دونوں کی بربادی و نقصان ﴿هُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِيۡنُ﴾ وہی کھلم کھلا نقصان و بربادی ہے۔ یہ ایسا ظاہر و واضح نقصان ہے' جو کسی پر مخفی نہیں ہے۔

۱۲-﴿يَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بت پرستی کرتا ہے کیونکہ وہ مرتد ہو جانے کے بعد اسی طرح کرتا ہے ﴿مَا لَا يَضُرُّهٗ﴾ جو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اگر وہ اس کی عبادت و پرستش نہ کرے ﴿وَمَا لَا يَنۡفَعُهٗ﴾ اور جو نہ اس کو نفع دے سکتا ہے' اگر وہ اس کی عبادت کرتا رہے ﴿ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الۡبَعِيۡدُ﴾ یہ وہ گمراہی ہے' جو راہِ راست سے بہت دور ہے۔

۱۳-﴿يَدۡعُوۡا لَمَنۡ ضَرُّهٗۤ اَقۡرَبُ مِنۡ نَّفۡعِهٖ﴾ البتہ وہ چیخ و پکار کر کے با آواز بلند کہے گا: اس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔

اعتراض اور اس کا جواب: یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ سے پہلے بتوں سے نفع اور نقصان کی نفی کی اور یہاں اس آیت مبارکہ میں ان دونوں کو بتوں کے لیے ثابت کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس آیت مبارکہ کا معنی اور مفہوم جان لیا جائے اور اس کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو یہ وہم اور یہ اعتراض خود بخود زائل ہو جاتا ہے اور یہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو بے وقوف قرار دیا کہ وہ بے جان بتوں کی عبادت و پرستش کرتا ہے' جو نہ نقصان کے مالک ہیں اور نہ نفع کے مالک ہیں اور جب کہ یہ کافر ان کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ اس کی شفاعت کریں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کافر جب قیامت کے دن بتوں کی وجہ سے اپنا نقصان دیکھے گا اور ان کی شفاعت کا کوئی اثر نہیں پائے گا تو با آواز بلند چیخ و پکار کر کے کہے گا: ''لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ'' بے شک اس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے ﴿لَبِئْسَ الْمَوْلٰى﴾ البتہ یہ بہت بُرا مددگار ہے ﴿وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ﴾ اور البتہ بہت بُرا ساتھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ''يَدْعُوْا'' کو دوبارہ ذکر فرمایا' گویا فرمایا کہ یہ مشرک چیخ کر پکارے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کی عبادت کرتا رہا وہ اس کو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ وہ اس کو نفع دے سکتا ہے' پھر وہ کہے گا: ''لَمَنْ ضَرُّهٗٓ'' البتہ اس کا نقصان یعنی اس کا معبود ہونا ''اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ'' اس کے نفع سے یعنی اس کے سفارشی ہونے سے زیادہ قریب ہے (کیونکہ اس کا نقصان دنیا میں ہے اور اس کا نفع آخرت میں ہوگا)۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿١٤﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿١٥﴾
وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿١٦﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اللہ تعالیٰ ان کو ضرور بہشتوں میں داخل فرمائے گا' جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○ جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی ہرگز مدد نہیں فرمائے گا نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں تو اس کو چاہیے کہ وہ اونچی جگہ پر رسی باندھ کر لٹکا دے' پھر (اس کا پھندا گلے میں ڈال کر لٹک جائے اور) اس کو کاٹ دے' پھر دیکھے کہ کیا اس کی تدبیر وہ چیز لے جاتی ہے جو اسے غصہ دلاتی ہے ○ اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو روشن آیات کے ساتھ نازل کیا ہے' اور بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے ○

نیک مسلمانوں کا انجام اور دشمنانِ دین کا بیان

١٤- ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾ بے شک جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اللہ تعالیٰ ان کو بہشتوں میں داخل فرمائے گا' جن کے نیچے نہریں جاری ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ یہ وعدہ ان لوگوں کے لیے ہے' جو خلوصِ دل کے ساتھ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں لیکن ان لوگوں کے لیے نہیں' جو دین کے کنارے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

١٥- ﴿مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اور آخرت میں اپنے نبی کی ہرگز مدد نہیں فرمائے گا۔ اس کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اور آخرت میں اپنے رسول اکرم کی ضرور مدد فرمائے گا' سو آپ کے دشمنوں میں سے جو اس کے علاوہ کچھ اور گمان رکھتا ہے ﴿فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ﴾

تو اسے چاہیے کہ وہ ایک رسی اپنے گھر کی بلند جگہ پر باندھ کر نیچے لٹکا دے (اور اس کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لے) ''سبب'' کا معنی رسی ہے اور ''السماء'' کا معنی اپنے گھر کی بلند یا اونچی جگہ ہے (یہاں آسمان مراد نہیں) ﴿ثُمَّ لْيَقْطَعْ﴾ پھر اسے کاٹ ڈالے (یعنی) پھر اس رسی کے ساتھ اپنا گلا گھونٹ دے اور گلا گھونٹنے کو قطع (کاٹنا) اس لیے کہا گیا ہے کہ گلا گھونٹنے والا اپنے جاری سانسوں کو بند کر کے اپنے نفس کو کاٹ دیتا ہے [ابو عمرو بصری اور ابن عامر شامی کی قراءت میں لام مکسور کے ساتھ ''ثُمَّ لِيَقْطَعْ'' ہے] ﴿فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ﴾ پھر وہ دیکھے کہ آیا اس کی تدبیر وہ لے جاتی ہے جو غصہ دلاتی ہے [''مَا'' موصولہ ہے ''اَیِ الَّذِیْ یُغِیْظُهٗ'' یعنی جو چیز اس کو غصہ دلاتی ہے یا مصدر یہ ہے یعنی ''غَیْظَهٗ''] اور معنی یہ ہے کہ وہ شخص اپنے دل میں تصور کرے اور سوچے کہ اگر وہ یہ کام کرے گا تو کیا اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ختم ہو جائے گی جو اسے غصہ دلاتی ہے اور اس شخص کے اس فعل کو تدبیر کا نام محض استہزاء اور تمسخر کے طور پر دیا گیا ہے کیونکہ اس نے جس ذات کے ساتھ حسد کیا اس کا کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ اس نے اپنے نفس کا نقصان کیا اور مراد یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں کوئی اختیار نہیں ہے کہ جو چیز اسے غصہ دلاتی ہے وہ اس کو دور کر سکے۔

۱۶- ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ﴾ اور (جس طرح ہم نے حشر و نشر اور قیامت اور ثبوتِ توحید اور صدقِ نبوت و رسالت' نیز فتح و نصرت کے وعدہ کی آیات نازل کی ہیں) اسی انزال کی طرح ہم نے پورے قرآن مجید کو روشن آیات کے ساتھ نازل کیا ہے ﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے' اسے ہدایت دیتا ہے' یعنی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعہ انہیں لوگوں کو ہدایت دیتا ہے' جن کو جانتا ہے کہ وہ یقیناً ایمان لے آئیں گے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ثابت قدم رکھتا ہے اور ان کی ہدایت میں اضافہ فرما دیتا ہے' اسی نے اس قرآن کو اسی طرح واضح آیات کے ساتھ نازل کیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑰ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَاۗبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۞ ⑱

بے شک جو ایمان لائے اور جو یہودی ہو گئے اور ستارہ پرست اور نصرانی اور مجوسی اور جنہوں نے شرک اختیار کر لیا' بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُن سب کے درمیان فیصلہ فرمائے گا' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے ○ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور انسانوں میں سے بہت سے لوگ' اور بہت سے ایسے بھی ہیں' جن پر عذاب لازم ہو چکا ہے' اور جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرتا ہے تو اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں' بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے ○

۱۷- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہو گئے اور ستارہ پرست اور عیسائی اور مجوسی اور جنہوں نے شرک کیا۔ بعض حضرات نے فرمایا

کہ کل پانچ ادیان ہیں' جن میں سے چار شیطان کے لیے ہیں اور ایک دین (یعنی دینِ اسلام) رحمان کے لیے ہے اور صابئین (ستارہ پرست) نصرانیوں کی ایک قسم ہے' پس چھے ادیان نہیں ہیں ﴿ إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا' ان کے حالات و مقامات کے مطابق' سو اللہ تعالیٰ ان سب کو ایک جزا نہیں دے گا اور نہ ان کو ایک جگہ میں اکٹھے رکھے گا (بلکہ ایمان والوں کو جنت میں داخل فرمائے گا جب کہ باقی سب کو دوزخ میں ڈال دے گا)[''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' کی خبر ''اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ'' ہے جیسا کہ تم کہتے ہو: ''اِنَّ زَيْدًا اِنَّ اَبَاهُ قَائِمٌ'']﴿ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے' وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور ہر چیز کی خوب حفاظت فرمانے والا ہے' پس ہر آدمی اپنے عقیدے میں' اپنے قول اور اپنے فعل میں غور و فکر کرے اور سوچے اور یہ زبردست وعید ہے۔

زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے

۱۸-﴿ أَلَمْ تَرَ ﴾ اے (میرے محبوب) محمد (ﷺ)! کیا آپ کو معلوم نہیں؟ یہاں علم کو مشاہدہ و معائنہ کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے ﴿ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ بے شک ہر چیز اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے لیکن ہم اس سے واقف نہیں ہیں جیسا کہ ہر چیز اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں لیکن ہم اس سے آگاہ نہیں ہیں' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ'' (الاسراء:۴۴) ''اور کوئی چیز نہیں ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو''۔ اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ میں ہر غیر مکلّف سے صادر و رونما ہونے والے افعال کو نیز خود اس کا قدرتِ الٰہی کے لیے مسخر و پابند ہونے کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ ریزی قرار دیا گیا ہے اور اس کی اطاعت کو مکلّف کے اس سجدہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر قسم کی عاجزی کا اظہار ہوتا ہے ﴿ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ﴾ یعنی انسانوں میں سے بہت سے لوگ اطاعت و عبادت کا سجدہ اللہ تعالیٰ کے لیے کرتے ہیں [یا یہ مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ''ومن الناس'' اس کی صفت ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور وہ ''مُثَابٌ'' ہے اور اس پر درج ذیل ارشاد دلالت کر رہا ہے:] ﴿ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ﴾ اور بہت سے لوگوں پر عذاب لازم ہو چکا ہے یعنی ان میں سے بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں' جن پر عذاب واجب و لازم ہو چکا ہے' یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا ﴿ وَمَن يُهِنِ اللَّهُ ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ شقاوت و بدبختی کے ساتھ ذلیل و رسوا کر دیتا ہے ﴿ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ ﴾ تو اس کو کوئی سعادت و نیک بختی کے ساتھ عزت و احترام دینے والا نہیں ہے ﴿ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اکرام و اعزاز اور اہانت و توہین وغیرہ میں سے جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور اس آیت مبارکہ اور اس سے پہلے دیگر آیات کے ظاہر سے معتزلہ (بدمذہب فرقہ) کا قول باطل و مردود ہو جاتا ہے کیونکہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کو چاہا مگر ان کو نہیں کیا جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔

هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّن نَّارٍ يُصَبُّ مِن فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ﴿١٩﴾ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ﴿٢٠﴾

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٢٢﴾

یہ دوگروہ جھگڑنے والے ہیں' جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارے میں جھگڑا کیا' سو جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے (تیار کیے) جائیں گے' ان کے سروں کے اوپر کھولتا ہوا گرم ترین پانی ڈالا جائے گا O جس کے سبب جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے وہ اور کھالوں کو پگھلا دیا جائے گا O اور ان کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے O جب بھی وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے انہیں اُسی میں لوٹا دیا جائے گا' اور (حکم ہوگا کہ) تم جلانے والے عذاب (کا مزہ) چکھو O

کفار اور مسلمانوں کے انجام کا بیان

۱۹۔﴿هَٰذَانِ خَصْمَانِ﴾ ''أَيْ فَرِيقَانِ مُخْتَصِمَانِ'' یعنی یہ دوگروہ جھگڑنے والے ہیں [سو ''خصمان'' صفت ہے اور ''فـریقان'' اس کا موصوف ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''اِخْتَصَمُوْا'' معنی کے اعتبار سے جمع لایا گیا ہے اور ''هٰذَانِ'' لفظ کے اعتبار سے تثنیہ لایا گیا ہے] ان دوگروہوں سے ایک مسلمانوں کی جماعت دوسری کفار کی جماعت مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ (''اِخْتَصَمُوْا'' کی ضمیر جمع) مذکورہ بالا تمام اہلِ ادیان کی طرف لوٹتی ہے' پس مسلمان بھی جھگڑنے والے تھے اور باقی پانچ گروہ بھی جھگڑنے والے تھے کہ ﴿اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ﴾ انہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے بارے میں اور اس کے دین اور اس کی صفات کے بارے میں جھگڑا کیا' پھر اللہ تعالیٰ نے ہر گروہ کی جزاء کو بیان کرنا شروع کیا اور ارشاد فرمایا: ﴿فَالَّذِينَ كَفَرُوا﴾ پھر جنہوں نے کفر اختیار کر لیا' اور یہ اس جھگڑے کی تفصیل ہے' جو ارشادِ باری تعالیٰ ''اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' (الحج:١٧) میں مراد لیا گیا ہے یعنی ''بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان اس جھگڑے کا فیصلہ فرما دے گا''۔ ﴿قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ﴾ ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے (یعنی تیار کیے) جائیں گے' گویا اللہ تعالیٰ ان کے جسموں کی مقدار کے مطابق ان کے لیے آگ کا لباس تیار فرمائے گا' جو ان کے پورے جسموں پر مشتمل و محیط ہوگا اور ان کو ہر طرف سے گھیر لے گا جیسا کہ کپڑے کو کاٹ کر لباس تیار کیا جاتا ہے اور اس کو ماضی کے لفظ سے اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ ایسا ضرور ہر حال میں ہوگا' سو یہ ثابت و موجود اور متحقق کی طرح ہے ﴿يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ﴾ ان کے سروں کے اوپر انڈیل دیا جائے گا [ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''هـا'' اور میم دونوں مکسور ہیں اور حمزہ' علی کسائی اور خلف کی قراءت میں دونوں مضموم ہیں اور ان کے علاوہ کے نزدیک ''هـا'' مکسور اور میم مضموم ہے] ﴿الْحَمِيمُ﴾ کھولتا ہوا گرم ترین پانی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس پانی کا ایک قطرہ اگر دنیا کے پہاڑوں پر گرا دیا جائے تو تمام پہاڑ پگھل کر پانی کی طرح ہو جائیں۔

۲۰۔﴿يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ﴾ اس گرم ترین پانی کے سبب ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہے وہ اور ان کی کھالوں کو پگھلا دیا جائے گا۔ ''يُصْهَرُ'' کا معنی ''يُذَابُ'' ہے یعنی اس کھولتے ہوئے گرم پانی کے ذریعے ان کی انتڑیاں اور ان کی اوجھڑیاں پگھل کے گل سڑ جائیں گی' جیسا کہ ان کے چمڑے اور کھالیں پگھل جائیں گی کیونکہ وہ گرم ترین پانی ان کے ظاہر و باطن دونوں میں اثر کرے گا۔

۲۱۔﴿وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ﴾ اور ان کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے (یعنی) انہیں کے لیے مخصوص لوہے کے کوڑے تیار کیے جائیں گے' جن کے ساتھ انہیں مارا پیٹا جائے گا۔

٢٢۔ ﴿كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا﴾ جب وہ آگ سے نکلنا چاہیں گے ﴿مِنْ غَمٍّ﴾ غم و رنج کی وجہ سے [یہ "مِنْهَا" سے بدل الاشتمال ہے' حرف جار کے اعادہ سے یا پہلا حرف "مِنْ" ابتدائے غایت کے لیے ہے اور دوسرا "مِنْ" بہ معنیٰ "مِنْ اَجْلِ" ہے] یعنی وہ لوگ جب بھی غم و رنج کی وجہ سے دوزخ کی آگ سے نکلنا چاہیں جو رنج و غم انہیں پہنچے گا تو وہ جونہی نکلنے لگیں گے کہ ﴿اُعِيْدُوْا فِيْهَا﴾ تو انہیں دوبارہ دوزخ کی آگ میں گرزوں کے ساتھ واپس دھکیل دیا جائے گا اور حضرت حسن بصری کے نزدیک "خروج" کا معنی یہ ہے کہ دوزخ کی آگ کے شعلے انہیں ماریں گے اور انہیں اوپر نیچے پھینک دیں گے یہاں تک کہ جب وہ لوگ دوزخ کے اوپر آ جائیں گے تو فرشتے انہیں گرزوں اور کوڑوں کے ساتھ ماریں گے تو ستر سال تک اس کی گہرائی میں گرتے چلے جائیں گے اور مقصد یہ ہے کہ انہیں آگ کی گہرائی میں لوٹا دیا جائے گا اور یہ معنیٰ نہیں کہ وہ دوزخ سے بالکل باہر نکل آئیں گے' پھر انہیں واپس لوٹایا جائے گا ﴿وَذُوْقُوْا﴾ "اَىْ وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا" ﴿عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾ یعنی اور انہیں کہا جائے گا کہ تم جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ بہت ہلاک کرنے والی' ہر طرف پھیلنے والی آگ کا سخت ترین عذاب ہوگا' پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری جماعت (مسلمانوں) کی جزائے خیر کا ذکر کیا اور فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿٢٣﴾ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ښ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿٢٤﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٥﴾ ع

ع ٣ ١٠

بے شک اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ایسی بہشتوں میں داخل فرمائے گا' جس کے نیچے نہریں جاری ہیں' جن میں انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے' اور ان میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا O اور ان کو پاک کلمہ کی ہدایت کی گئی' اور تعریف کے لائق اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف ان کی رہ نمائی کی گئی O بے شک جنہوں نے کفر اختیار کر لیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور اس حرمت والی مسجد سے (لوگوں کو) روکتے ہیں' جس کو ہم نے اس میں مقیم رہنے والے اور باہر سے آنے والے لوگوں کے لیے یکساں مقرر کر رکھا ہے' اور جو شخص اس میں ظلم و زیادتی کا ارادہ کرے گا ہم اس کو دردناک عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے O

٢٣۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا' جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' جن میں انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے ["اَسَاوِرَ". "اَسْوِرَةٌ" کی جمع ہے اور "اسورة"' "سوار" کی جمع ہے اور "لُؤْلُؤًا" نافع مدنی' عاصم اور علی کسائی کی قراءت میں منصوب ہے (فعل مقدر ہے اور وہ) "وَيُؤْتَوْنَ لُؤْلُؤًا" ہے اور انہیں موتی عطا کیے جائیں گے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں "مِنْ ذَهَبٍ" پر

عطف کر کے مجرور ہے اور ابو بکر کوفی اور حماد کی قراءت میں پورے قرآن مجید میں پہلے ہمزہ کو ترک کر کے "لُوْلُوًا" پڑھا گیا ہے] ﴿ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴾ اور اس میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔

۲۴- ﴿ وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ ﴾ اور ان کی پاکیزہ کلمہ کی طرف رہنمائی کی گئی اور ان کی قابل تعریف راستے کی طرف رہنمائی کی گئی یعنی دنیا میں ان کی کلمۂ توحید اور قابل تعریف و پسندیدہ راہ یعنی اسلام کی طرف رہنمائی کی گئی یا اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کی رہنمائی فرمائے گا اور ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دے گا کہ وہ کہا کریں: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ" تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' جس نے اپنا وعدہ ہمیں سچا کر دکھایا اور اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی راہ بھی دکھائے گا اور "الحمید" کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زبان سے محمود و سراہا ہوا ہے۔

۲۵- ﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں یعنی وہ لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے منع کرتے ہیں["وَيَصُدُّوْنَ"، "كَفَرُوْا" کے فاعل سے حال ہے' اصل میں "وَهُمْ يَصُدُّوْنَ" ہے]یعنی ممانعت کا عمل ان کی طرف سے ہمیشہ جاری رہتا ہے' جیسے کہا جاتا ہے: "فُلَانٌ يُحْسِنُ اِلَى الْفُقَرَاءِ" کہ فلاں آدمی غریبوں اور محتاجوں پر ہمیشہ احسان کرتا رہتا ہے' سو اس سے مراد یہ ہے کہ اس آدمی کی طرف سے احسان کا سلسلہ حال اور مستقبل میں ہمیشہ جاری رہتا ہے ﴿ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ یعنی اور وہ لوگوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع کرتے ہیں ﴿ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ ﴾ جس کو ہم نے مطلقاً بغیر کسی تفریق کے مقیم و مسافر اور حاضر و غائب تمام لوگوں کے لیے مقرر کر رکھا ہے' پھر اگر اس مسجد حرام سے مکہ مکرمہ مراد ہے تو پھر یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مکہ مکرمہ کے مکانات کو فروخت نہیں کیا جائے گا اور اگر اس سے بیت اللہ شریف مراد ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ ہم نے اس گھر کو تمام لوگوں کے لیے قبلہ بنا دیا ہے ﴿ سَوَاءً ﴾ [حضرت حفص کی قراءت میں منصوب ہے کیونکہ یہ "جَعَلْنَاهُ" کا دوسرا مفعول ہے]یعنی ہم نے اس کو یکساں مقرر کیا ہے ﴿ الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ﴾ اس میں رہنے والے مقیم اور مسافر و غیر مقیم [ابن کثیر کی قراءت میں "یَا" کے ساتھ "وَالْبَادِیْ" ہے اور ابو عمرو نے حالت وصل میں اس کی موافقت کی ہے اور اس کے علاوہ دوسروں کی قراءت میں مرفوع ہے اور اس بناء پر یہ خبر ہے اور مبتدا مؤخر ہے "ای الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ سَوَآءٌ" یعنی اس میں مقیم و مسافر برابر ہیں اور یہ جملہ دوسرا مفعول ہے اور "لِلنَّاسِ" حال ہے] ﴿ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ ﴾ اور جو شخص اس مسجد حرام میں ظلم و زیادتی کا ارادہ کرے گا[دونوں مترادف حال ہیں اور "يُرِدْ" کا مفعول ترک کر دیا گیا ہے تاکہ ہر شامل ہونے والے کو شامل ہو جائے] گویا فرمایا کہ جو شخص کسی مراد کا ارادہ کرے گا' جس میں اعتدال و میانہ روی اور حق سے روگردانی ہو اور ظلم و ستم کرنے والا ہو' پس "الحاد" کا مطلب حد اعتدال سے نکل جانا ہے ﴿ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴾ ہم اس کو آخرت میں دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے[اور "اِنَّ" کی خبر محذوف ہے کیونکہ جوابِ شرط اس پر دلالت کرتا ہے]اس کی عبارت اس طرح ہے: "اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ نُذِيْقُهُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ" بے شک جنہوں نے کفر اختیار کر لیا اور وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں' ہم انہیں دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور ہر وہ شخص جو اس مسجد حرام میں کسی گناہ کا ارتکاب کرے گا تو وہ اسی طرح دردناک عذاب کا مزہ چکھے گا۔

﴿ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿٢٦﴾ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ

ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿٢٧﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿٢٨﴾

اور (اے محبوب! یاد کیجئے) جب ہم نے ابراہیم کے لیے اس گھر کی جگہ کو مقرر فرما دیا (اور حکم دیا) کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع اور سجدے کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھوO اور تم لوگوں میں حج کے لیے اعلانِ عام کر دو تمہارے پاس لوگ پیدل اور ہر دبلے پتلے اونٹ پر سوار ہو کر آئیں گے' یہ سواریاں تمام دور دراز کے راستوں سے آئیں گیO تا کہ وہ اپنے (دینی و دنیاوی) فوائد کے لیے حاضر ہوں اور وہ معلوم و مقرر دنوں میں ان بے زبان جانوروں (کے ذبح کرنے) پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کریں' جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے' سو تم اس میں سے خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤO

بیت اللہ شریف کی تعمیر وطہارت اور حج کا بیان

٢٦- ﴿وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ﴾ اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے حضرت ابراہیم کے لیے اس گھر کی جگہ کو تعمیر کے لیے مقرر فرما دیا یعنی اسے مرجع بنا دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تعمیر کرنے اور عبادت کرنے کے لیے اس کی طرف رجوع کریں اور کیونکہ طوفان کے دنوں میں بیت اللہ شریف کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا تھا اور یہ اس وقت سرخ یاقوتوں سے بنا ہوا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیج کر حضرت ابراہیم کو وہ جگہ بتا دی کہ ہوا نے بیت اللہ شریف کی جگہ کو صاف کر کے ظاہر کر دیا اور حضرت ابراہیم نے اس کی پرانی بنیادوں پر اسے تعمیر کیا ﴿اَنْ﴾ یہ حرف مقدر و پوشیدہ قول کی تفسیر کرنے والا مُفَسِّرہ ہے "اَیْ قَائِلِیْنَ لَهٗ" یعنی ہم نے انہیں فرمایا کہ ﴿لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ﴾ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور میرے گھر کو بتوں اور دوسری تمام نجاستوں سے پاک صاف رکھو [نافع مدنی اور حفص کی قراءت میں "یا" مفتوح کے ساتھ "بَیْتِیَ" ہے] ﴿لِلطَّآئِفِيْنَ﴾ طواف کرنے والوں کے لیے (یعنی) ان لوگوں کے لیے جو بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہیں ﴿وَالْقَآئِمِيْنَ﴾ اور مکہ مکرمہ میں قیام رکھنے والے مقیم حضرات کے لیے ﴿وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾ اور رکوع اور سجدے کرنے والوں (یعنی) نمازیوں کے لیے ["الرُّکَّعُ"، "الرَّاکِعُ" کی جمع ہے اور "اَلسُّجُوْدُ"، "السَّاجِدُ" کی جمع ہے]۔

٢٧- ﴿وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ﴾ اور تم لوگوں میں حج کا اعلانِ عام کر دو اور حج کا معنی ہے: عالی شان اور بلند ترین مقصد تک پہنچنے کا ارادہ کرنا اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابوقُبَیس پہاڑ پر چڑھ گئے اور فرمایا: "یَا اَیُّهَا النَّاسُ حُجُّوْا بَیْتَ رَبِّکُمْ" اے لوگو! تم اپنے رب تعالیٰ کے گھر کا حج کرو' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جن کے مقدر میں حج کرنا لکھ دیا ہے انہوں نے باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں میں "لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ" میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں' کے ساتھ جواب دیا تھا' اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ حجۃ الوداع میں اس کا اعلان کر دیں لیکن پہلا قول زیادہ واضح ہے اور امر کا جواب یہ ہے: ﴿يَاْتُوْكَ رِجَالًا﴾ وہ لوگ تمہارے پاس پیدل چل کر آئیں گے ["رِجَالٌ"،

''رَاجِل'' کی جمع ہے جیسے ''قِیَامٌ''، ''قَائِمٌ'' کی جمع ہے] ﴿ وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ ﴾ اور ہر دبلے پتلے اونٹ پر سوار ہو کر آئیں گے [یہ حال ہے اور ''رِجَالًا'' پر معطوف ہے] گویا فرمایا: ''رِجَالًا وَّرُكْبَانًا'' یعنی پیدل اور سوار آئیں گے اور ''ضامر'' کا معنی ہے: کمزور اونٹ' اور سواروں سے پہلے پیدل چلنے والوں کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ پیدل چل کر حج کرنے والوں کی فضیلت کا اظہار ہو جائے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے ﴿ يَّأْتِيْنَ ﴾ وہ سواریاں آئیں گی [یہ ''كُلِّ ضَامِرٍ'' کی صفت ہے کیونکہ یہ جمع کے معنی میں ہے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ''یَاتُوْكَ'' ہے اور اس صورت میں ''رجال'' اور ''رکبان'' کی صفت ہے یعنی وہ لوگ پیدل اور سوار تمہارے پاس آئیں گے] ﴿ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴾ ہر قسم کے دور دراز کے راستے سے۔ ''فَجّ'' کا معنی ہے: راستہ اور ''عمیق'' کا لفظی معنی ہے: گہرا' لیکن یہاں اس سے بعید کا معنی مراد ہے۔ حضرت محمد بن یاسین نے بیان کیا کہ مجھے طوافِ کعبہ میں ایک بزرگ نے کہا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ خراسان کا رہنے والا ہوں' انہوں نے فرمایا کہ تمہارے علاقے اور اس بیت اللہ شریف کے درمیان کتنی مسافت ہے؟ میں نے کہا: دو تین مہینے کی مسافت ہے' انہوں نے فرمایا: پھر تو تم بیت اللہ شریف کے پڑوسی ہوئے' سو میں نے کہا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں تو پانچ سال کی مسافت سے آیا ہوں اور جب میں گھر سے نکلا تھا تو جوان تھا' سو اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ میں نے کہا کہ خدا کی قسم! یہ بہترین اطاعت ہے اور سچی محبت ہے' پس وہ بزرگ مسکرائے اور فرمایا:

''زُرْ مَنْ هَوَيْتَ وَاِنْ شَطَتْ بِكَ الدَّارُ. وَحَالَ مِنْ دُوْنِهٖ حُجُبٌ وَاَسْتَارٌ''

''جس کو تو چاہتا ہے اس کی زیارت کرنے چلا جا اور اگرچہ وہ گھر تجھ سے بہت دور ہو اور اس کے سامنے حجابات اور پردے حائل ہوں''۔

''لَا يُمْنِعُنَّكَ بُعْدٌ عَنْ زِيَارَتِهٖ. اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يَّهْوَاهُ زَوَّارٌ''

''تیرے لیے سفر کی دوری اس کی زیارت سے رکاوٹ نہ بنے' بے شک محبّ و عاشق جس سے محبت و پیار کرتا ہے اس کی خوب زیارت کرتا ہے''۔

۲۸۔ ﴿ لِّيَشْهَدُوْا ﴾ تا کہ وہ حاضر ہوں [یہ ''اَذِّنْ'' کے متعلق ہے یا پھر ''یَاتُوْكَ'' کے متعلق ہے] ﴿ مَنَافِعَ لَهُمْ ﴾ اپنے لیے منافع اور فوائد حاصل کرنے کے لیے [''مَنَافِع'' کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ] اس سے وہ دینی اور دنیوی فوائد مراد ہیں' جو اس (حج کی) عبادت کے ساتھ مخصوص ہیں' اس کے علاوہ کسی اور عبادت میں نہیں پائے جاتے اور یہ اس لیے کہ عبادت یا تو نفس کی آزمائش کے لیے مقرر کی جاتی ہے جیسے نماز اور روزہ یا مال کی آزمائش کے لیے جیسے زکوٰۃ اور دیگر مالی حقوق کی ادائیگی اور حج ان دونوں پر مشتمل ہے' نیز اس میں سامان کا بوجھ اٹھانا اور خوفناک سفری مشقتوں اور تکلیفوں کا برداشت کرنا' اسباب کو ترک کرنا اور ساتھیوں سے جدا ہونا اور ملک و گھر اور اپنے وطن سے ہجرت کرنا اور بیوی بچوں اور دوستوں سے جدا ہونا اور دورانِ سفرِ حج اس پر اس بات کی تنبیہ ہوتی رہتی ہے کہ جب وہ اس دارِ فانی سے دارِ بقاء کی طرف منتقل ہوگا تو اسے یہ تمام جدائیاں برداشت کرنی پڑیں گی۔ سو حج کرنے کے لیے جانے والا جب جنگل میں داخل ہوتا ہے تو وہ اس میں بھروسا نہیں رکھتا مگر اپنی سواری پر اور نہیں کھاتا مگر اپنے سامانِ سفر میں سے' پس اسی طرح جب آدمی زندگی کے کنارے سے نکل جاتا ہے اور موت کے دریا میں سوار ہو جاتا ہے تو وہ اپنی تنہائی میں فائدہ حاصل نہیں کرتا مگر انہی نیک اعمال سے' جو اس نے اپنی زندگی میں آخرت کے لیے کیے ہوتے ہیں اور وہ اس موت کی وحشت میں انس و سکون حاصل نہیں کرتا

مگر انہیں اَوراد کے ساتھ جن کے ساتھ وہ دنیا میں انس وسکون حاصل کرتا تھا اور احرام باندھتے وقت غسل کرنا اور تیار ہونا اور اَن سلے کپڑے پہننا اور خوشبو لگانا' یہ عکس و آئینہ ہوتے ہیں ان اعمال کا جو موت آنے پر اس پر طاری ہوتے ہیں جیسے مرنے کے بعد اس کو تختہ پر لٹا کر غسل دینا اور تجہیز و تکفین کرنا اور حنوط کے ساتھ خوشبو لگانا اور ان سلے کفن میں لپیٹنا' پھر محرم حالتِ احرام میں پراگندہ بال حیران و پریشان ہوتا ہے' پس اسی طرح حشر کے دن آدمی قبر سے حیران و پریشان ہو کر نکلے گا اور حاجیوں کا عرفات کے میدان میں رغبت وڈر کی کیفیت میں آمین کہنا اور خوف و امید کی کیفیت میں سوال کرنا اور ان کا دعا کے مقبول و مردود ہونے کی درمیانی کیفیت میں ہونا اسی طرح موقف کے میدان میں ہوگا کہ ''لَا تَکَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ'' (ھود:۱۰۵) ''کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکے گا' پھر ان میں سے کوئی بد بخت ہوگا اور کوئی نیک بخت ہوگا''۔ اور شام کے وقت عرفات سے مزدلفہ چلے جانا اور یہ نمازِ مغرب کی قضاء کے امتیاز کے لیے جانا ہوتا ہے اور منیٰ گنہگاروں کے لیے امیدوں کا موقف ہے' شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کی طرف اور سر منڈوانا' ناخن کاٹنا اور صفائی کرنا اس طرح ہے جس طرح رحمت وتخفیف کے سبب گناہوں سے نکلنا اور بیت حرام جس کی شان یہ ہے کہ ''مَنْ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا'' جو اس میں داخل ہو جاتا ہے وہ ایذاء رسانی اور قتل سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہ دار السلام کا نمونہ ہے کہ جو خوش نصیب اس میں داخل ہوگا وہ فنا اور زوال سے محفوظ ہو جائے گا مگر یہ بہشت نفس کے مکارہ و مشکلات میں گھری ہوئی ہے' جس طرح کعبہ معظمہ سفر کی مشکلات میں گھرا ہوا ہے' پس خوش نصیب ہے وہ شخص جو بیابانوں کے ہلاکت خیز مقامات کو قیامت کے دن ملاقات کے شوق میں عبور کر جاتا ہے ﴿وَیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ﴾ اور وہ (جانور ذبح کرتے وقت) اللہ تعالیٰ کا نام (بسم اللہ اکبر) ذکر کریں ﴿فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ﴾ معیّن و معلوم دنوں میں' اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے ماہِ ذوالحجہ کے دس دن مراد ہیں اور ان کا آخری دن اس ماہ کی دس تاریخ قربانی کا دن ہے اور یہی حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے اور اکثر مفسرین رحمہم اللہ اسی پر متفق ہیں اور صاحبین (حضرت امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ) کے نزدیک یہ قربانی کے دن (دس' گیارہ' بارہ) مراد ہیں اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے ﴿عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ ان بے زبان چوپائے مویشیوں پر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے یعنی ان کے ذبح کے وقت اور یہ کلام صاحبین کے قول کی تائید کرتا ہے اور ''بَهِیْمَة'' سے ہر بے زبان چوپایہ مراد ہے' خشکی میں رہتا ہو یا دریا میں رہتا ہو' پھر اس کی وضاحت کے لیے ''انعام'' کو بیان کیا گیا ہے اور ''انعام'' سے اونٹ' گائے' بھیڑ اور بکری مراد ہیں ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا﴾ سو تم ان کے گوشت میں سے کچھ کھالو اور یہ حکم جواز کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں' لہٰذا نفلی قربانی' حج تمتع اور حج قران کے شکرانے میں کی گئی قربانی کے گوشت میں سے کچھ خود کھالینا جائز ہے کیونکہ یہ شکرانے کی قربانی کا خون بہا ہے' پس یہ قربانی کے مشابہ ہے' البتہ کفارہ اور نذر کی قربانیوں کے گوشت میں سے کھانا جائز نہیں ﴿وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ﴾ اور تم مصیبت زدہ کو کھلاؤ۔ یہ وہ شخص ہوتا ہے' جس کو غربت و تنگ دستی کی شدت نے گھیر لیا ہو ﴿الْفَقِیْرَ﴾ محتاج کو جس کو تنگ دستی نے کمزور کر دیا ہو۔

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ

مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾

پھر انہیں چاہیے کہ وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی منتیں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں O حق بات یہی ہے' اور جو اللہ تعالیٰ کی محترم چیزوں کی تعظیم کرے گا تو اس کا یہ عمل اس کے پروردگار کے نزدیک اس کے لیے بہت بہتر ہوگا' اور تمہارے لیے تمام جانور حلال کر دیئے گئے ماسوا ان کے جن کی حرمت کا ذکر تمہیں پڑھ کر سنایا جائے گا' سو تم بتوں کی نجاست سے بچو اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو O ہر باطل سے منہ موڑ کر ایک اللہ تعالیٰ کے ہو کر رہو' اس کے ساتھ شرک کرنے والے نہ بنو اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا' سو اس کو پرندے اُچک لے جاتے ہیں یا ہوا اسے اڑا کر کسی دور جگہ میں پھینک دیتی ہے O

۲۹- ﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ ﴾ پھر انہیں چاہیے کہ وہ اپنے آپ سے اپنا میل کچیل دور کریں۔ اسی طرح یہ بات نفطو یہ نے کہی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ میل کچیل دور کرنے سے مراد مونچھوں اور ناخنوں کو کاٹنا اور بغل کے بال نوچنا اور زیر ناف بال صاف کرنا ہے اور ''تفث'' کا معنی میل کچیل ہے اور ''قضا'' کا معنی میل کو دور کرنا اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا: قضائے تفث سے حج کے تمام ارکان کا ادا کرنا مراد ہے ﴿ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ ﴾ اور انہیں چاہیے کہ وہ اپنی منتیں پوری کریں (یعنی) اپنے حج کے واجبات ادا کریں اور عرب والے ہر اس شخص کے لیے جو اپنے واجبات کو ادا کر کے فارغ ہو جائے' کہتے ہیں: ''وَفّٰى بِنَذْرِهٖ'' کہ اس نے اپنی نذر پوری کر لی اگرچہ اس نے نذر نہ مانی ہو یا وہ نیک اعمال مراد ہیں' جو لوگ اپنے اپنے حج میں منت مان کر اپنے اوپر واجب کر لیتے ہیں [ابوبکر کوفی کی قراءت میں لام ساکن اور ''فا'' مشدد کے ساتھ ''وَلْيُوَفُّوْا'' ہے] ﴿ وَلْيَطَّوَّفُوْا ﴾ اور انہیں چاہیے کہ وہ طواف زیارت ادا کریں' جو حج کا رکن ہے اور اس طواف زیارت کے ادا کرنے کی وجہ سے مُحرم حالتِ احرام سے فارغ ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اس پر تمام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں [ابن عیاش' ابن عامر اور ابوعمرو کے علاوہ کے نزدیک تینوں لام ساکنہ ہیں] ﴿ بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴾ قدیم گھر کا (طواف کریں) یہ اس لیے کہ ''اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ'' (آل عمران:۹۶) ''بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے''۔ اس کو حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا' پھر اس کو ازسرِ نو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا' یا ''عتیق'' بہ معنی ''کریم'' ہے اور اسی سے ''عتاق الخیل'' ہے کیونکہ یہ عمدہ اور بہترین گھوڑوں میں سے ہے اور ''عتاق الرقیق'' آزاد کردہ غلام کیونکہ یہ غلامی کی ذلت سے آزادی کی عزت کی طرف نکل گیا یا اس گھر کو ''عتیق'' اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کو غرق ہونے سے محفوظ رکھا کیونکہ طوفانِ نوح کے وقت اس کو آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تھا یا اس لیے کہ اس گھر کو سرکش وظالموں کے ہاتھوں سے محفوظ کر دیا گیا ہے' چنانچہ بہت سے سرکش وظالموں نے اس کی طرف سفر کیا تاکہ اسے مٹا دیں اور گرا دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں روک دیا' یا اس گھر کو بادشاہوں کی ملکیت سے محفوظ رکھا گیا' سو کبھی کسی نے اس پر اپنی ملکیت کا دعویٰ ہرگز نہیں کیا اور یہ بیت اللہ شریف زمین والوں کے لیے طواف کا مقام ہے جیسا کہ عرش آسمان والوں کے لیے طواف کا مقام ہے' پس جب ایک طالب خوشی کے جذبہ سے سرشار ہو کر زیارت کی طلب میں نکلتا ہے تو زمین کے گوشوں کو مرحلہ وار طے کرتا ہوا آتا ہے اور وہ ہلاکت خیز مقامات کے راستوں کو منزل بہ منزل طے کرتا ہوا آتا ہے' پھر جب وہ بیت اللہ شریف کا مشاہدہ و معائنہ کرتا ہے تو اس کی تسلی و

تشفی میں اضافہ ہونے کی بجائے اشتیاق میں اضافہ ہو جاتا ہے اور حجرِ اسود کو چھونے سے تشفی حاصل نہیں ہوتی بلکہ عشق کی آ گ تیز ہو جاتی ہے اور جدائی کا غم و رنج اس کو متحرک کر دیتا ہے اور وہ دیوانہ وار جدائی کے غم میں مستغرق ہو کر بیت اللہ شریف اور دیگر مقدس مقامات کے چکر لگاتا ہے اور حج کے تینوں فرائض میں سے آخری فرض طوافِ زیارت ادا کرتا ہے اور حج کا پہلا فرض احرام باندھنا ہے اور یہ حج کے التزام کا پختہ ارادہ کرنا ہوتا ہے' جو اسلام کی رسی کو مضبوط مستحکم تھام لینے کے مشابہ ہے' یہاں تک کہ حج کے دوران ممنوع و محذور عمل کے ارتکاب سے احرام نہیں ٹوٹتا ہے (بلکہ ایسی صورت میں دَم وغیرہ لازم آ جاتا ہے) اور احرام کے ذریعے حج کا عقد منافی عمل کے باوجود باقی رہتا ہے جیسا کہ اسلام کا عقد گناہوں کے ارتکاب سے نہیں ٹوٹتا اور ہزاروں گناہ صرف ایک بار سچے دل سے توبہ کرنے پر معاف ہو جاتے ہیں اور حج کا دوسرا فرض عرفات میں وقوف کرنا (ٹھہرنا) ہے' عجز و انکساری کے طریقہ پر التماس و درخواست کی صفت کے ساتھ موصوف ہو کر اعمال کے مراتب اور احوال کے مشاہدات کے مطابق دنیا کی اشیاء پر بھروسا کرنے کے عمل کو دفع کر کے سچی عزلت و جدائی اختیار کرنا۔

۳۰۔﴿ ذٰلِكَ ﴾ [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے] ''اَیِ الْاَمْرُ (ذَالِكَ)'' یعنی حق بات یہی ہے (جو مذکورہ بالا آیات میں اوامر و نواہی کی صورت میں بیان کر دی گئی ہے) یا اس کی تقدیر عبارت یہ ہے کہ ''لِیَفْعَلُوْا'' (ذَالِكَ) تا کہ وہ لوگ یہی کام کریں ﴿ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی حرمت والی چیزوں کی تعظیم کرتا ہے۔ حرمت ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے' جس کی ہتک اور بے عزتی کرنا جائز و حلال نہ ہو اور اس سے حج کے ارکان اور دیگر وہ تمام فرائض اور واجبات مراد ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے اس صفتِ حرمت کے ساتھ متصف کر کے انسان کو مکلّف فرمایا' پھر اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ تمام احکامِ تکلیفیہ کو عام ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ صرف فرائض اور واجبات مراد ہوں' جو حج کے ساتھ متعلق ہیں اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ ''حُرُمَاتِ اللّٰهِ'' سے بیتِ حرام' مشعرِ حرام' شہرِ حرام' بلد حرام اور مسجدِ حرام مراد ہیں ﴿ فَهُوَ ﴾ سو ان محترم چیزوں کی تعظیم و توقیر کرنا ﴿ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ﴾ اس کے لیے بہتر ہے اس کے پروردگار کے نزدیک اور تعظیم کا معنی یہ ہے کہ حرماتِ الٰہیہ کے بارے میں یہ علم ہو کہ ان کی رعایت اور ان کی حفاظت واجب ہے اور ان کی مراعات کی نگہبانی کرنا ضروری ہے ﴿ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ ﴾ اور تمہارے لیے تمام جانور حلال کر دیئے گئے ہیں یعنی ان کا کھانا حلال ہے ﴿ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ﴾ ماسوا ان کے جو آیتِ تحریم میں تمہیں پڑھ کر سنائے جائیں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ'' (المائدہ:۳) ''تم پر حرام کر دیا گیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور' جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا اور گلا گھونٹنے سے مرا ہوا اور بے دھار آلہ سے چوٹ کھا کر مرا ہوا اور گر کر مرا ہوا اور کسی جانور کے سینگ لگنے سے مرا ہوا اور جس جانور کو درندہ نے کھایا ہو مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا ہو اور جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ کہ تم فال کے تیروں کے ساتھ قسمت معلوم کرو''۔ اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمام چوپائے حلال کر دیئے ہیں' ماسوا ان کے جن کی حرمت اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کر دی ہے' سو تم اس کی حدود کی حفاظت کرو اور تم ان میں سے کسی کو حرام قرار نہ دو جن کو خود اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دے دیا ہے جیسے بعض لوگوں نے بحیرہ وغیرہ نامی جانوروں کو حرام قرار دے دیا اور تم اس کو حلال قرار نہ دو' جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دے دیا جیسا کہ ان کافروں نے لاٹھی وغیرہ سے مرا ہوا جانور اور مردار وغیرہما کو حلال قرار دے دیا اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنی حرمت والی چیزوں کی تعظیم و توقیر کرنے کی ترغیب دی تو اس کے بعد بتوں اور جھوٹ بولنے

سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾ سو تم بتوں کی نجاست سے بچو اور جھوٹ بولنے سے بچو کیونکہ ان سے بچنا سب سے پہلے اور سب سے عظیم ترین حرمات میں سے ہے اور ''مِنَ الْاَوْثَانِ''، ''الرجس'' کا بیان ہے کیونکہ ''رجس'' مبہم ہے دوسری غلاظتوں کو بھی شامل ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ تم نجاست و پلیدی سے بچو' وہ جو بت ہیں اور بتوں کو تشبیہ کے طریقے پر نجاست و پلیدی قرار دیا گیا ہے یعنی بے شک تم اپنی طبیعتوں کے سبب نجاست و پلیدی سے نفرت کرتے ہو' پس تم پر لازم ہے کہ تم اسی طرح بتوں سے بھی نفرت کرو اور شرک اور جھوٹ بولنے کو جمع کیا گیا ہے یعنی جھوٹ' بہتان اور جھوٹی گواہی سے بچو اور یہ ''زَوْرٌ'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی انحراف و اعراض کرنا ہے' اس لیے کہ شرک کرنا بھی جھوٹ کی اقسام میں سے ایک قسم ہے کیونکہ شرک کرنے والا گمان کرتا ہے کہ بت عبادت کا مستحق ہے۔

۳۱- ﴿حُنَفَآءَ لِلّٰهِ﴾ ہر باطل دین سے منہ پھیر کر صرف ایک اللہ تعالیٰ کے ماننے والے اطاعت گزار مسلمان ہو جاؤ ﴿غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ﴾ اس کے ساتھ شرک کرنے والے نہ بنو [یہ بھی ''حُنَفَآءَ'' کی طرح ''فاجتنبوا'' سے حال ہے] ﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے زمین پر گر گیا ہے ﴿فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ﴾ سو اسے پرندے اچک لیتے ہیں یعنی پرندے اس کو فوراً جھپٹ لیتے ہیں [نافع مدنی کی قراءت میں ''خا'' مفتوح اور ''طا'' مشدد کے ساتھ ''فَتَخَطَّفُهُ'' یعنی ''تَتَخَطَّفُهُ'' ہے] ﴿اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ﴾ یا اس کو ہوا اڑا کر اوپر سے نیچے کسی جگہ پھینک دے یعنی ہوا اسے نیچے گرا دے اور ''هُوِیٌّ'' کا معنی ''سقوط'' یعنی گرانا ہے ﴿فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ﴾ دور دراز کے مکان میں اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ تشبیہ مرکب ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ تشبیہ مفرد ہو' پھر اگر یہ تشبیہ مرکب ہو تو گویا فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اس نے اپنے آپ کو ایسا ہلاک کیا' جس کے بعد کوئی ہلاکت نہیں ہو سکتی' بایں طور کہ اس شخص کے حال کو اس آدمی کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جو آسمان سے زمین پر گر پڑا اور پرندوں نے اسے اُچک لیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے پوٹوں میں جمع کر لیا یا اسے تیز آندھی اڑا کر لے گئی یہاں تک کہ اسے بعض دور دراز ہلاکت گاہوں میں نیچے پھینک دیا اور اگر تشبیہ مفرد ہو تو پھر ایمان کو اپنی رفعت و بلندی میں آسمان کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اسے آسمان سے گرنے والے کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور خواہشاتِ نفسانی کو مردار خور' جھپٹا مارنے والے پرندوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور شیطان کو جو گمراہی کے گڑھے میں گرا دیتا ہے اس تیز آندھی کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو اڑا کر گہری ہلاکت گاہوں میں پھینک دیتی ہے۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ ع ۸ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣٥﴾

حق بات یہی ہے' اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے تو بے شک یہ عمل دلوں کے پرہیزگاروں کی طرف سے ہوتا ہے O ان (قربانی کے جانوروں) میں تمہارے لیے ایک مقررمدت تک فائدے ہیں' پھر ان کے ذبح کرنے کی جگہ قدیم گھر کے پاس پہنچانا ہے O اور ہم نے ہرامت کے لیے قربانی مقرر فرمادی ہے تاکہ جو بے زبان چوپائے اللہ تعالیٰ نے انہیں رزق کے طور پر عطا فرمائے ہیں ان پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام (بسم اللّٰہ اللّٰہ اکبر) ذکر کریں' سو تمہارا معبود ایک معبود ہے' پس تم اس کے فرماں بردار بن جاؤ' اور عاجزی اختیار کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے O وہ لوگ کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جو مصیبتیں انہیں پہنچتی ہیں ان پر وہ صبر کرنے والے ہیں اور وہ نماز قائم کرنے والے ہیں' اور ہم نے انہیں جو کچھ رزق دیا وہ اس میں سے (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں O

٣٢-﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی حق یہی ہے ﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی محترم نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے۔نشانیوں کی تعظیم سے مراد حج کی قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرنا ہے کیونکہ یہ حج کی علامات ہیں' ان کی تعظیم کے یہ معنی ہیں کہ قربانی کا جانور ریم وجسیم اور حسین وجمیل' موٹا تازہ اور بہت قیمتی ہو ﴿فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ تو بے شک یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے یعنی پس بے شک اللہ تعالیٰ کی محترم نشانیوں کی تعظیم کرنا پرہیزگار واہل تقویٰ دلوں کے افعال میں سے ہے [پھر یہ مضافات حذف کردیئے گئے کیونکہ مقدر عبارت یوں ہے: ''من افعال ذوی تقوی القلوب''] اور دلوں کا ذکر محض اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ تقویٰ و پرہیزگاری کے مراکز ہیں۔

٣٣-﴿لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ﴾ تمہارے لیے ان جانوروں میں کئی فائدے ہیں' بہ وقتِ حاجت ان پر سوار ہونا اور بہ وقتِ ضرورت ان کا دودھ دوہ کر پینا ﴿اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ مقررہ مدت تک (یعنی) قربانی تک ﴿ثُمَّ مَحِلُّهَآ﴾ پھر انہیں پہنچانا ہے یعنی ان کی قربانی کے وجوب کے وقت انہیں پہنچانا اور قربان گاہ تک لے جانا ہے ﴿اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ قدیم گھر تک اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان جانوروں کو اس حرم میں قربان کرنا' جو بیت اللہ کے حکم میں ہے کیونکہ حرم بیت اللہ کا حریم ہے اور اس جیسے میں وسعت وگنجائش ہوتی ہے جیسے یہ کہنا کہ میں فلاں شہر میں پہنچ گیا ہوں حالانکہ ابھی تم اس کی حدود کے پاس پہنچنے والے ہوتے ہو اور بعض حضرات نے فرمایا: ''شعائر'' سے تمام مناسکِ حج مراد ہیں اور ان کی تعظیم ان کو مکمل طور پر ادا کرنا ہے جب کہ ''محلها الی البیت العتیق'' اس قول کا انکار کرتا ہے۔

٣٤-﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا﴾ اور ہم نے تم سے پہلے بھی ہر مسلمان جماعت کے لیے قربانی مقرر کردی تھی [حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں سین مکسور کے ساتھ ''مَنْسِكًا'' بہ معنی ''موضع'' یعنی قربان گاہ ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک سین مفتوح کے ساتھ ''مَنْسَكًا'' مصدر ہے] یعنی خون بہانا اور قربانی کے جانوروں کو ذبح کرنا ﴿لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ﴾ تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کا نام لیں (یعنی ''بسم اللّٰہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' پڑھ کر ذبح کریں) اس کے علاوہ کسی غیر کا نام نہ لیں ﴿عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رزق کے طور پر بے زبان چوپائے عطا فرمائے یعنی ان جانوروں کے نحر کرتے وقت اور ان کو ذبح کرتے وقت ''بسم اللّٰہ اللّٰہ اکبر'' پڑھ لیا کریں ﴿فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ سو تمہارا معبود ایک معبود ہے یعنی تم جانور کے ذبح پر صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو کیونکہ تمہارا معبود ایک معبود ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنا ذبح کے لیے شرط ہے یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے ہرامت

کے لیے مقرر کر دیا کہ وہ اس کے لیے قربانی کیا کریں یعنی تقرب حاصل کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی کا جانور ذبح کیا کریں اور اس آیت مبارکہ میں قربانی کے جانوروں پر اللہ تعالیٰ کے نام کے ذکر کرنے کو علت قرار دیا گیا ہے۔ اس کے تمام نام پاکیزہ اور مقدس ہیں ﴿فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا﴾ پس تم اسی کے فرماں بردار بن جاؤ یعنی تم خالص اسی کے لیے ذکر کو مخصوص کر لو اور ذکر کو اسی کے لیے خاص کر لو اور کسی کا نام شامل کر کے اس کے نام میں آمیزش نہ کرو ﴿وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ﴾ اے محبوب! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرنے والوں کو یا تواضع اور عاجزی اختیار کرنے والوں اور خوف خدا رکھنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔ یہ ''خبت'' سے ماخوذ ہے یعنی نشیبی زمین میں رہنے والا اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں، جو کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتے اور جب ان پر ظلم و ستم کیا جاتا ہے تو یہ لوگ ظالموں سے انتقام نہیں لیتے بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کی تفسیر و تشریح اس کے بعد آنے والا کلام کر رہا ہے یعنی

۳۵۔ ﴿الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کی ہیبت و جلال کی وجہ سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں ﴿وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ﴾ اور جو مصائب و آلام اور مشقتیں انہیں پہنچتی ہیں ان پر وہ صبر کرنے والے ہیں ﴿وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوةِ﴾ اور وہ نماز کو اس کے اوقات میں قائم رکھتے ہیں ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ﴾ اور ہم نے انہیں جو رزق عطا کیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور صدقہ و خیرات کرتے ہیں۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِیْهَا خَیْرٌ ۖۗ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۷﴾

اور قربانی کے بڑے جانوروں کو ہم نے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی محترم نشانیوں میں سے بنایا ہے، ان میں تمہارے لیے بھلائی ہے، سو تم ہاتھ پاؤں باندھ کر ان پر اللہ تعالیٰ کا نام (بسم اللّٰہ اللّٰہ اکبر) ذکر کیا کرو، پھر جب وہ پہلوؤں کے بل گر پڑیں تو تم ان میں سے خود بھی کھاؤ اور مانگنے والے ضرورت مند کو اور نہ مانگنے والے ضرورت مند کو بھی کھلاؤ، اسی طرح ہم نے ان کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تاکہ تم شکر ادا کرو○ اللہ تعالیٰ کو ان کا گوشت ہرگز نہیں پہنچتا اور نہ ان کا خون پہنچتا ہے البتہ اسے تو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس بناء پر کہ اس نے تمہیں ہدایت عطا کی ہے، اور نیکی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے○

۳۶۔ ﴿وَالْبُدْنَ﴾ یہ ''بَدَنَۃٌ'' کی جمع ہے (جس کا لغوی معنی اونٹ ہے، نر ہو کہ مادہ) ان کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ ان کا بدن موٹا اور بڑا ہوتا ہے اور شریعت میں یہ اونٹ اور گائے خواہ نر ہو خواہ مادہ ہو، سب کو شامل ہے [اور اس کو مرفوع

بھی پڑھا گیا ہے جب کہ یہ منصوب ہونے کی صورت میں اس ارشادِ باری تعالیٰ کی طرح ہے" وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ" (یٰسین:٣٩)" اور ہم نے چاند کے لیے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں"۔] ﴿جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ﴾ ہم نے ان کو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے مقرر کر دیا ہے یعنی شریعت کی علامات میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے مشروع فرمایا ہے [اور ان کی اللہ تعالیٰ کے نام کی طرف اضافت ان کی عظمت بڑھانے کے لیے ہے (جیسے بیت اللہ' ناقۃ اللہ' یداللہ اور نور اللہ کی اضافت تعظیم کے لیے ہے) اور "من شعآئِر اللّٰه"، "جَعَلْنَا" کا دوسرا مفعول ہے] ﴿لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ﴾ تمہارے لیے ان میں خیر و بھلائی ہے یعنی ان قربانی کے جانوروں میں دنیا میں بھی تمہارے لیے بہت سے فوائد ہیں اور آخرت میں بھی اجر و ثواب ہے ﴿فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا﴾ پس تم ان پر ان کے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرو ﴿صَوَآفَّ﴾ [یہ "هَا" ضمیر سے حال ہے] یعنی ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کے کھڑے ہونے کی حالت میں (انہیں ذبح کیا جائے) ﴿فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا﴾ پھر جب وہ پہلوؤں پر گر پڑیں۔ "وجوب الجنوب" کا معنی ہے: پہلوؤں کے بل زمین پر گرنا۔ [یہ "وَجَبَ الْحَآئِطُ" سے ماخوذ ہے] یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب دیوار زمین پر گر جاتی ہے یعنی جب اونٹ کو نحر کے طریقے پر ذبح کیا جائے اور وہ اپنے پہلو کے بل زمین پر گر پڑے اور اس کی حرکت رک جائے اور وہ ٹھنڈا پڑ جائے ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا﴾ تو اگر تم چاہو تو تم اس میں سے خود بھی کھا سکتے ہو ﴿وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ﴾ اور تم قناعت پذیر سائل کو کھلاؤ۔ [یہ "قَنِعْتَ اِلَيْهِ" سے ماخوذ ہے] جب اس کے سامنے عاجزی کو ظاہر کرو اور اس سے سوال کرو ﴿وَالْمُعْتَرَّ﴾ اور محتاج کو کھلاؤ' جو اپنے آپ کو تمہارے سامنے فقیر و محتاج ظاہر کرے اور پیچھے لگ جائے اور زبان سے نہ مانگے اور بعض نے فرمایا کہ "قانع" وہ فقیر ہوتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ تھوڑا بہت ہوتا ہے اس پر اور بغیر سوال کے اسے جتنا عطا کیا جائے وہ اس پر راضی ہو جاتا ہے' زیادہ کا تقاضا نہیں کرتا [اور یہ "قناعة" مصدر سے ماخوذ ہے] اور "معترّ" وہ فقیر ہوتا ہے' جو ہر وقت مانگنے کے درپے رہتا ہے ﴿كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ﴾ اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لیے تابع کر دیا یعنی جس طرح ہم نے تمہیں ان کو نحر کرنے کا حکم دیا ہے' اسی طرح ہم نے ان کو تمہارے لیے مسخر کر دیا یا یہ (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: "ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ" (الحج:٣٠) پھر نئے سرے سے الگ فرمایا کہ ہم نے ان کو تمہارا مطیع و فرماں بردار بنا دیا حالانکہ وہ بڑے جسیم و حجیم اور طاقت ور ہیں تاکہ تم قربان کرنے کے لیے ان پر کنٹرول حاصل کر سکو ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو انعامات تمہیں عطا فرمائے ہیں تم ان پر اس کا شکر ادا کرو۔

قربانی کی قبولیت کے لیے تقویٰ اور نیت کا خالص ہونا شرط ہے

٣٧- ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کو ان کا گوشت ہرگز نہیں پہنچتا اور نہ ان کا خون پہنچتا ہے البتہ اسے تو تمہاری طرف سے تقویٰ اور پرہیز گاری پہنچتی ہے' یعنی اللہ تعالیٰ محض قربانی کے گوشت اور خون کو ہرگز قبول نہیں فرمائے گا لیکن وہ تو تقویٰ اور پرہیز گاری کو قبول فرماتا ہے یا یہ معنی ہے کہ محض صدقہ کیے گئے گوشت اور ذبح کے وقت بہائے گئے خون سے اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کو ہرگز حاصل نہیں کیا جا سکتا اور اس سے قربانیاں دینے والے لوگ مراد ہیں اور معنی یہ ہے کہ قربانیاں دینے والے اور اپنے رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والے اللہ تعالیٰ کو ہرگز راضی نہیں کر سکتے جب تک وہ تقویٰ کی شرائط کی رعایت اور نیت کی درستگی اور اخلاص کا لحاظ نہیں کریں گے۔

شانِ نزول: اور بعض مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کی عادت تھی کہ جب وہ اونٹوں (اور دیگر جانوروں) کی قربانیاں دینے کے لیے انہیں ذبح کرتے تو وہ ان کے خون کا بیت اللہ شریف کے اردگرد دیواروں کے

پاس چھڑکاؤ کرتے تھے اور بقیہ خون لے کر کعبہ شریف کا لیپ کر کے اسے خون سے لت پت کر دیتے تھے (اور گوشت کے ٹکڑے بنا کر کعبہ معظمہ کے اردگرد رکھ دیتے' ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس طرح کرنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہو جاتی ہے۔روح البیان) چنانچہ جب مسلمانوں نے حج کیا تو انہوں نے بھی اسی طرح قربانیاں کرنی چاہیں تو یہ آیت مبارکہ نازل کر کے انہیں روک دیا گیا ﴿كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو یعنی قربانی کے جانوروں کو اس لیے تمہارے لیے مسخر و مطیع کر دیا ﴿لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ﴾ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو (یعنی) تاکہ تم ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ''بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' پڑھ لیا کرو یا یہ معنی ہے کہ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی بیان کرو ﴿عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾ اس بناء پر کہ اس نے تمہیں ہدایت عنایت فرمائی اور اس نے تمہاری رہنمائی فرمائی ﴿وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور اے محبوب! نیکی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے (یعنی) احکام الٰہی کے مطابق عمل کرنے والوں کو اجر و ثواب کی خوشخبری سنا دیجئے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾

بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا دفاع کرتا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ ہر بڑے خیانت کار ناشکرے کو پسند نہیں کرتا O ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت دی گئی ہے' جن سے جنگ کی جاتی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے' اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے O جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اتنی بات پر کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہے' اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے ضرور گرا دیئے جاتے' اور اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا' بے شک اللہ تعالیٰ ضرور بڑی قوت والا' بہت غلبے والا ہے O

۳۸-﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حمایت و مدد کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مشرکین کی شرارتوں اور تکلیفوں سے بچاتا اور ان کی مدد کرتا ہے اور اسی کی مثل یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' (غافر:۵۱) ''بے شک ہم اپنے رسولوں اور مسلمانوں کی ضرور مدد کرتے ہیں''۔[ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں ''يَدْفَعُ'' ہے جب کہ ان دو کے علاوہ کی قراءت میں ''يُدَافِعُ'' ہے] یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین کے مقابلے میں مسلمانوں کی خوب حمایت و مدد کرتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا سبب اپنے (درج ذیل) ارشاد میں یہ بیان فرمایا: ﴿اِنَّ

﴿اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ امانتِ الٰہی میں ہر خیانت کرنے والے اور انعاماتِ الٰہی کے ہر ناشکرے کو پسند نہیں فرماتا یعنی بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے مخالفین کو پسند نہیں کرتا اور وہ خیانت کار اور ناشکرے لوگ ہیں' جو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت کرتے ہیں اور وہ اپنی امانتوں میں بھی خیانت کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور ان کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

جنگ کی اجازت اور اس کی حکمتوں کا بیان

۳۹-﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ﴾ ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت دی گئی ہے' جن سے جنگ کی جاتی ہے [نافع مدنی' ابوعمرو بصری اور عاصم کوفی کی قراءت میں ہمزہ مضموم اور ذال مکسور کے ساتھ فعل ماضی مجہول ہے اور ''یُقَاتِلُوْنَ'' نافع مدنی' ابن عامر شامی اور امام حفص کی قراءت میں ''تَا'' مفتوح کے ساتھ فعل مضارع مجہول ہے] اور معنی یہ ہے کہ جنگ کرنے اور لڑنے کی اجازت صرف انہیں لوگوں کو دی گئی ہے' جن سے خود جنگ لڑی جاتی ہے اور ہر آئے دن انہیں مارا پیٹا جاتا ہے اور یہاں ''ماذون فیه'' (جس جنگ کی اجازت دی گئی ہے اس کا ذکر) ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ اس پر ''یُقَاتِلُوْنَ'' دلالت و رہنمائی کر رہا ہے ﴿بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾ اس سبب سے کہ مسلمانوں پر ظلم وستم کیا گیا ہے' لہٰذا وہ مظلوم لوگ ہیں اور ان لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام مراد ہیں' جن کو مشرکینِ مکہ بہت سخت اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتے تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے اور ان میں بعض حضرات کفار کی مار پیٹ کی وجہ سے زخمی ہوتے اور بعض کو سخت چوٹیں لگی ہوتی تھیں' وہ آپ سے کفارِ مکہ کے ظلم وستم کی شکایت کرتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے فرماتے: ''اِصْبِرُوْا فَاِنِّیْ لَمْ اُوْمَرْ بِالْقِتَالِ'' صبر سے کام لو کیونکہ مجھے ابھی تک جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا' یہاں تک کہ آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی اور جنگ کرنے کی ستر سے زائد آیات ہیں' جن میں سے سب سے پہلی یہی آیت مبارکہ ہے' جس میں جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب کہ اس سے پہلے جنگ کرنے کی ممانعت کی گئی تھی ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی یعنی مؤمنوں کی مدد کرنے پر ضرور پوری طرح قادر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤمنوں کے لیے امداد کی بشارت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے کہ ''اِنَّ اللّٰهَ یُدَافِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' (الحج:۳۸) ''بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا خود دفاع کرتا ہے اور ان کی حمایت و مدد کرتا ہے''۔

۴۰-﴿اِلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ یہ وہ لوگ ہیں' جنہیں ناحق ان کے گھروں سے نکال دیا گیا' صرف اتنی بات پر کہ وہ کہتے ہیں: ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے یعنی بغیر کسی سبب کے صرف عقیدۂ توحید اختیار کرنے پر' جس کے لیے مناسب تو یہ تھا کہ اس عقیدۂ حق کے حاملین کو عقیدۂ توحید کے سبب ٹھہرالیا جاتا اور انہیں مستقل رکھا جاتا نہ کہ اس کو نکالنے کا سبب بنایا جاتا اور اس کی مثل یہ آیتِ مبارکہ ہے: ''هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ'' (المائدہ:۵۹) ''تم ہم سے انتقام نہیں لے رہے مگر اس بناء پر کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہیں''۔[''لِلَّذِیْنَ'' سے بدل ہونے کی بناء پر ''اَلَّذِیْنَ'' محلاً مجرور ہے یا پھر ''اعنی'' کی وجہ سے منصوب ہے یا پوشیدہ ضمیر ''هُمْ'' کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یعنی اصل میں ''هُمُ الَّذِیْنَ'' ہے اور ''حَقٍّ'' سے بدل ہونے کی وجہ سے ''اَنْ یَّقُوْلُوْا'' محلاً مجرور ہے] اور معنی یہ ہے کہ انہیں ان کے گھروں سے نہیں نکالا گیا مگر ان کے اس کہنے کے سبب کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے

کے ذریعے سے نہ روکتا تو خانقاہیں اور گرجے اور کنیسے اور مسجدیں ضرور گرا دی جاتیں یعنی اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد کے ذریعے کافروں پر غالب و مسلط نہ کرتا تو کفار و مشرکین اپنے زمانہ کے تمام مختلف اہلِ مذاہب پر اور ان کی عبادت گاہوں پر غالب اور مسلط ہو جاتے اور ان کی عبادت گاہوں کو گرا دیتے اور ان کا نام و نشان تک مٹا دیتے اور وہ نہ عیسائیوں کے گرجے چھوڑتے اور نہ ان کے راہبوں کی خانقاہیں چھوڑتے اور نہ یہودیوں کے کلیسے یعنی کنیسے چھوڑتے اور یہودیوں کے کنائس (عبادت گاہوں) کو ''صَلَوَات'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہودی ان میں نمازیں پڑھا کرتے تھے اور نہ وہ مسلمانوں کی مسجدوں کو چھوڑتے یا یہ معنی ہے کہ اگر سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی امتِ دعوت کے مشرکین مسلمانوں پر اور اہلِ کتاب پر غالب آ جاتے تو وہ دونوں فریقوں کی عبادت گاہیں گرا دیتے' مساجد پر دوسری عبادت گاہوں کو پہلے بیان کیا گیا ہے کیونکہ وہ وجودِ تعمیر میں مقدم ہیں یا اس لیے کہ وہ مسجدوں کی نسبت گرائے جانے کے قریب ہیں ﴿ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ﴾ ان میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے۔صرف مسجدوں میں یا ان تمام عبادت گاہوں میں' جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے ﴿ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس شخص کی ضرور مدد فرمائے گا جو اس کی یعنی اس کے دین کی اور اس کے دوستوں کی مدد کرے گا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی مدد کرنے پر پوری قوت و طاقت رکھتا ہے (اور) اپنے دشمنوں سے انتقام لینے پر پوری طرح غالب ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِیْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْیَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰی فَاَمْلَیْتُ لِلْكٰفِرِیْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۴۴﴾

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں حکومت عطا فرما دیں تو وہ نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور بھلائی کا حکم دیں اور بُرائی سے منع کریں' اور تمام کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے O اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو بے شک ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود O اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم O اور مدین والے بھی جھٹلا چکے ہیں' اور موسیٰ کو جھٹلا دیا گیا' سو میں نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا' پس میرا عذاب کیسا رہا O

۴۱-﴿ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو حکومت عطا کر دیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور بھلائی کا حکم دیں اور بُرائی سے روکیں۔اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے صحابہ کرام میں سے مہاجرین کی عنقریب ہونے والی سیرت کی خبر دی کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخش دیں اور انہیں دنیا میں وسعت و خوشحالی عطا فرما دیں تو وہ دینِ اسلام کے نظام کو کیسے قائم رکھیں گے اور اس میں خلفائے راشدین کی خلافت کے صحیح ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے انہیں عدل و انصاف پر مبنی سیرت پاک کے ساتھ ساتھ اقتدار اور احکامِ الٰہی کے اجرا کے لیے قوتِ نافذہ بھی عطا کی اور حضرت

حسن بصری فرماتے ہیں: اس سے امتِ محمدی ﷺ مراد ہے[''مَنْ یَّنْصُرُهٗ'' سے بدل ہونے کی وجہ سے ''اَلَّذِیْنَ'' محلاً منصوب ہے یا ''لِلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا'' کے تابع ہونے کی وجہ سے مجرور ہے] ﴿وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ اور تمام کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے یعنی تمام کاموں کا رجوع اس کے حکم کی طرف ہے اور اس کی تقدیر کی طرف ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی تاکید ہے جو اس نے اپنے دوستوں کو غلبہ عطا کرنے کا فرمایا اور ان کے دین کو سربلندی عطا کرنے کا فرمایا ہے۔

انبیائے کرام کی تکذیب کی وجہ سے کفار کے بُرے انجام کا بیان

٤٢- ﴿وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ﴾ اور اگر کفارِ مکہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو بے شک ان سے پہلے یعنی آپ کی قوم قریشِ مکہ سے پہلے قومِ نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کو اور عاد نے (اپنی قوم سمیت) حضرت ھود علیہ السلام کو اور ثمود نے (اپنی قوم سمیت) حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا۔ اس آیت مبارکہ میں حضور سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو تسلی و تشفی دی گئی ہے کہ اگر آپ کو اہلِ مکہ نے جھٹلایا ہے تو سابق انبیائے کرام کو بھی جھٹلایا گیا تھا یعنی جھٹلائے جانے میں آپ اکیلے اور تنہا نہیں ہیں۔

٤٣- ﴿وَقَوْمُ اِبْرٰهِیْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ﴾ اور قومِ ابراہیم نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو اور قومِ لوط نے حضرت لوط علیہ السلام کو جھٹلایا تھا۔

٤٤- ﴿وَّاَصْحٰبُ مَدْیَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى﴾ اور مدین کے رہنے والوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی جھٹلایا گیا تھا کہ انہیں فرعون اور قبطیوں نے جھٹلایا تھا اور یہاں ''وَقَوْمُ مُوْسٰى'' نہیں فرمایا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم بنو اسرائیل نے نہیں جھٹلایا تھا بلکہ انہیں ان کی غیر قوم نے جھٹلایا تھا گویا ہر قوم کے اپنے رسولوں کو جھٹلانے کے ذکر کے بعد فرمایا گیا: ''وَكُذِّبَ مُوْسٰى'' یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی واضح نشانیوں اور ان کے کھلم کھلا معجزات کے باوجود جھٹلا دیا گیا تھا تو اے محبوب! ان کے علاوہ دوسروں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ﴿فَاَمْلَیْتُ لِلْكٰفِرِیْنَ﴾ سو میں نے کافروں کو مہلت دے دی اور ان کے عذاب کو مؤخر کر دیا گیا ﴿ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ﴾ پھر میں نے ان کو پکڑ لیا اور میں نے ان کو کفر کے اصرار کرنے پر بدترین عذاب میں ہلاک کر دیا ﴿فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ﴾ تو میرا انکار اور میری تبدیلی کیسی رہی کیونکہ میں نے نعمتوں کو انتقام میں اور زندگی کو ہلاکت میں اور آبادی کو ویرانی میں تبدیل کر دیا تھا [قاری یعقوب کی قراءت کے مطابق حالتِ وصل اور وقف دونوں میں ''یا'' کے ساتھ ''نَكِیْرِیْ'' ہے]۔

فَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِیَ ظَالِمَةٌ فَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِیْدٍ ﴿٤٥﴾ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴿٤٦﴾

پس کتنی بستیاں تھیں، جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا حالانکہ وہ بڑی ظالم تھیں، پس اب وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور

بہت سے کنویں بے کار کر دیئے گئے اور بہت سے مضبوط چونے سے گچ کیے ہوئے محل (ویران کر دیئے گئے)O تو کیا یہ لوگ اس سرزمین کی سیر و سیاحت نہیں کر چکے' سو ان کے ایسے دل ہوتے' جن سے وہ سمجھ لیتے یا ایسے کان ہوتے' جن سے سن لیتے' پس بے شک (ان کی) آنکھیں اندھی نہیں ہیں اور لیکن (ان کے) دل اندھے ہیں' جو سینوں میں ہیں O

۴۵۔﴿فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا﴾ سو کتنی بستیاں تھیں' جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا [ابوعمرو بصری کی قراءت ''اَهْلَكْتُهَا'' ہے] ﴿وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾ اور وہ بڑی ظالم تھیں یعنی ان بستیوں میں رہنے والے مشرکین بڑے ظالم لوگ تھے [یہ جملہ حالیہ ہے] ﴿فَهِيَ خَاوِيَةٌ﴾ پس وہ گری پڑی ہیں یہ ''خوی النجم'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب ستارہ گر پڑتا ہے ﴿عَلٰى عُرُوْشِهَا﴾ [یہ ''خَاوِيَةٌ'' کے متعلق ہے] اور معنی یہ ہے کہ وہ تمام بستیاں اپنی چھتوں کے بل گری پڑی ہیں یعنی ان کی چھتیں زمین پر گری پڑیں ہیں' پھر ان کی دیواریں منہدم ہوئیں اور چھتوں پر گر پڑیں [''فَهِيَ خَاوِيَةٌ'' کے لیے اعراب کے اعتبار سے کوئی محل نہیں کیونکہ یہ ''اَهْلَكْنَاهَا'' پر معطوف ہے اور اس فعل کا کوئی محلِ اعراب نہیں ہے اور یہ اس صورت میں ہوگا جب ہم ''كَاَيِّنْ'' کو اس تقدیر پر محلاً منصوب قرار دیں کہ یہ ''كَثِيْرًا مِّنَ الْقُرٰى اَهْلَكْنَاهَا'' کے معنی میں ہے] ﴿وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ﴾ اور بہت سے کنویں ناکارہ کر دیئے گئے یعنی ڈول اور رسی نہ ہونے کی وجہ سے انہیں چھوڑ دیا گیا ہے اور پانی کھینچنے کے آلات نہ ہونے کی وجہ سے یہ کنویں ناکارہ ہو کر ٹوٹ پھوٹ گئے یا یہ معنی ہے کہ یہ کنویں آباد تھے' ان میں سے پانی لینے کا کام کیا جاتا تھا اور ان کے پاس پانی پینے کے آلات موجود ہوتے تھے' مگر اب یہ بے کار و ناکارہ پڑے ہیں' یعنی ان کو چھوڑ دیا گیا' ان سے پانی نہیں لیا جاتا کیونکہ انہیں تعمیر و آباد کرنے والے ان کے مالک ہلاک ہو کر تباہ و برباد ہو گئے ﴿وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ﴾ اور بہت سے محل چونے سے گچ کیے ہوئے یا بلند و بالا محل۔ [یہ ''شاد البناء'' سے ماخوذ ہے۔ ''شَادَ'' بہ معنیٰ ''رَفَعَهٗ'' ہے] اور معنی یہ ہے کہ بہت سی بستیوں کو ہم نے ان کی سرکشی کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور بہت سے آباد کنویں تھے' جن کو ہم نے پانی سے معطل و بے کار بنا دیا اور بہت سے بلند و بالا اور مضبوط محلات تھے' جن کو ہم نے ان کے باشندوں سے خالی کر دیا یعنی ہم نے مسافروں اور مقیم باشندوں سب کو ہلاک کر دیا' پس محلات اپنے مالکوں سے اور کنویں اپنے پانی لانے والوں سے خالی ہو گئے اور زیادہ ظاہر یہی ہے کہ کنوؤں اور محلات سے عموم مراد ہے۔

۴۶۔﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا۔ اس آیت مبارکہ میں سفر اور سیر و سیاحت کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے تاکہ کفارِ مکہ ان لوگوں کی ہلاکت گاہیں دیکھیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر و شرک کے سبب ہلاک اور تباہ و برباد کر دیا تھا اور یہ ان لوگوں کے آثار و نشانات کا مشاہدہ کریں اور عبرت حاصل کریں ﴿فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا﴾ سو ان کے ایسے دل ہوتے' جن کے ساتھ سمجھتے اور ایسے کان ہوتے' جن کے ساتھ وہ سنتے یعنی توحید و رسالت اور دیگر عقائد حقہ جن کا جاننا اور سمجھنا واجب و لازم ہے وہ انہیں سمجھتے اور وحی الٰہی جس کا سننا واجب و لازم ہے وہ اس کو سنتے ﴿فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾ پس بے شک بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہیں اور لیکن (ان کے) وہ دل اندھے ہیں' جو ان کے سینوں میں ہیں [''فَاِنَّهَا'' میں ضمیر قصہ کی ضمیر ہے یا پھر مبہم ضمیر ہے' جس کی ''اَلْاَبْصَارُ'' تفسیر کر رہا ہے] یعنی ان کی آنکھیں دیکھنے سے اندھی نہیں ہیں بلکہ ان کے دل عبرت حاصل کرنے سے اندھے ہیں اور ہر انسان کے لیے چار آنکھیں ہوتی ہیں' دو آنکھیں اس کے سر میں ہوتی ہیں اور دو آنکھیں اس کے دل میں ہوتی ہیں' پھر جب اس کے دل کی آنکھیں دیکھتی ہوں اور اس کے سر کی آنکھیں اندھی ہوں تو اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی اور اگر اس کے سر کی آنکھیں دیکھتی ہوں اور اس کے

دل کی آنکھیں اندھی ہوں تو کوئی چیز نفع نہیں پہنچا سکتی اور ''صدور'' کا ذکر یہ بیان کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ علم کا محل اور مرکز دل ہے تا کہ یہ نہ کہا جائے کہ دل سے مراد اس (سینے کے اندر والے) عضو کے علاوہ ہے' جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ دل ہر چیز کے لیے دماغ ہوتا ہے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿٤٧﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿٤٨﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٩﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٥٠﴾

ع ١٣

اور وہ آپ سے جلد عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا' اور بے شک آپ کے پروردگار کے نزدیک ایک دن اس ہزار سال کے برابر ہے' جسے تم گنتے ہو ○ اور کتنی بستیاں ایسی تھیں' جنہیں میں نے مہلت دے دی حالانکہ وہ بڑی ظالم تھیں' پھر میں نے انہیں پکڑ لیا' اور (سب نے) میری طرف لوٹ کر واپس آنا ہے ○ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تو صرف تمہارے لیے واضح طور پر ڈر سنانے والا ہوں ○ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے (گناہوں کی) بخشش اور عزت کی روزی ہوگی ○

٤٧- ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ﴾ اور وہ استہزاء کرنے اور مذاق اڑانے کے لیے آپ سے مقررہ وقت سے پہلے جلد عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں ﴿وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ آپ سے جلد عذاب لانے کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں؟ گویا وہ لوگ وعدہ خلافی کو جائز سمجھتے ہیں حالانکہ یہ اس کے وعدہ پر جائز ہوتا ہے' جس پر ''خلف'' (وعدہ خلافی کرنا) جائز ہو اور اللہ تعالیٰ تو اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا اور اس نے جس عذاب کا وعدہ کیا ہے وہ انہیں ضرور پہنچے گا اور اگر چہ کچھ عرصہ بعد پہنچے گا ﴿وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ اور بے شک آپ کے پروردگار کے نزدیک ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے' جسے تم گنتی کرتے ہو یعنی وہ لوگ اس ذاتِ اقدس سے عذاب کی جلدی کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں' جس کے عذاب کے دنوں میں سے ایک دن درازی و لمبائی میں تمہارے سالوں میں سے ایک ہزار سال کے برابر ہے کیونکہ تکالیف کے دن طویل و لمبے ہوتے ہیں۔

٤٨- ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾ اور کتنی بستیاں تھیں' جنہیں ہم نے مہلت دے دی اور وہ بڑی ظالم تھیں' یعنی بہت سی ایسی بستیاں تھیں' جن میں رہنے والے لوگ تمہاری طرح ظالم و ستم گر تھے اور بے شک میں نے ان کو ایک مقررہ وقت تک مہلت دے دی ﴿ثُمَّ اَخَذْتُهَا﴾ پھر میں نے ان کو عذاب کے ساتھ پکڑ لیا ﴿وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾ اور میری طرف لوٹ کر آنا ہے یعنی سب کو لوٹ کر میرے پاس آنا ہے' پس کوئی شخص مجھ سے فرار نہیں ہو سکتا ہے [اور بے شک پہلا یعنی ''فَكَاَيِّنْ'' (الحج:٤٥) ''فا'' کے ساتھ معطوف ہے اور یہ یعنی ''وَكَاَيِّنْ'' واؤ کے ساتھ معطوف ہے اس لیے کہ

پہلا "فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ" (الحج: ۴۴) سے بدل ہے۔ لیکن اس کا حکم وہی ہے' جو اس سے پہلے دو جملے واؤ کے ساتھ معطوف ہیں اور وہ دونوں یہ ہیں "وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ" "وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ" (الحج: ۴۷)]۔

مشرکین کے لیے انتباہ اور مسلم و کافر کے اعمال پر نیک و بدانجام کا بیان

۴۹۔﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ اے محبوب افرما دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تو صرف تمہارے لیے علانیہ ڈر سنانے والا ہوں۔ اور یہاں "بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ" نہیں فرمایا اس لیے کہ مسلم وغیر مسلم دونوں فریقوں کا ذکر اس کے بعد کیا گیا اور اس لیے کہ یہاں یہ بات صرف مشرکین کے لیے بیان کی گئی ہے اور "يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ" میں انہیں مشرکین کو ندا دی گئی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں' جن کے بارے میں "اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا" فرمایا گیا ہے اور جن کو عذاب کی طلب میں عجلت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور مسلمانوں کے مشقتوں بھرے اعمالِ صالحہ اور ان کے ثواب کا ذکر کیا گیا ہے تا کہ کفار و مشرکین غیظ و غضب میں جل جائیں یا اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: "نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ وَّبَشِيْرٌ" چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے خوشخبری سنائی اور فرمایا:

۵۰۔﴿ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ﴾ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ان کے گناہوں کی مغفرت و بخشش ہے ﴿ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴾ اور عزت کی روزی یعنی بہترین و عمدہ ترین رزق عطا کیا جائے گا' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے برملا ڈر سنایا اور فرمایا:

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾

اور جن لوگوں نے عاجز کرنے کے ارادے سے ہماری آیات کے بارے میں اپنی کوششیں جاری رکھیں وہی لوگ دوزخی ہیں O اور ہم نے آپ سے پہلے نہ کوئی رسول بھیجا اور نہ کوئی نبی مگر جب اس نے پڑھا تو شیطان نے (بعض لوگوں کے خیال میں) اپنی طرف سے اس کی تلاوت میں کچھ ڈال دیا' سو شیطان جو کچھ ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مٹا دیتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو محکم و مضبوط کر دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا' بڑی حکمت والا ہے O تا کہ شیطان جو کچھ ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ان لوگوں کے لیے آزمائش بنا دے' جن کے دلوں میں بیماری ہے اور ان کے دل سخت ہو چکے ہیں' اور بے شک ظالم لوگ (حق سے) بہت دور کی مخالفت میں ہیں O

۵۱۔﴿ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا ﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں یعنی قرآن مجید میں فساد و بگاڑ ثابت کرنے کے لیے کوششیں کیں' اور "سَعٰى فِيْ اَمْرِ فُلَانٍ" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنی کوشش سے کسی کے کام کو باطل و فاسد اور غلط ثابت کر دے ﴿ مُعٰجِزِيْنَ ﴾ مقابلہ کرنے والے اور عاجز کرنے والے [یہ حال ہے اور ابن کثیر کی

اور ابوعمرو کی قراءت میں اصل میں ''مُعَجِّزِیْنَ'' (باب تفعیل سے جیم مشدد کے ساتھ) ہے اور ''عَاجَزَهٗ'' بہ معنی ''سَابَقَهٗ'' ہے [یعنی فلاں آدمی اس سے آگے نکل گیا گویا دونوں مقابلہ کرنے والوں میں سے ہر ایک دوسرے کو اپنے ساتھ ملنے سے عاجز و بے بس کرنے میں کوشاں ہوتا ہے' پھر جب وہ اپنے مقابل سے آگے سبقت کر جاتا اور جیت جاتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''اعجز وعجزہ'' اور معنی یہ ہے کہ کفار مکہ نے قرآن مجید کے معنی میں فساد ڈالنے اور اس میں طعن وتشنیع کرنے کی کوشش کی جیسا کہ انہوں نے قرآن مجید کو جادو اور شعر اور کہانیاں قرار دیا اور وہ اپنے خیال میں اور اپنے انداز ے میں اس میں سبقت کر گئے اور جیت گئے' ان کی تمنا یہ تھی کہ اسلام کے خلاف ان کی سازش ان کے لیے پوری ہو جائے گی ﴿أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ یہی لوگ دوزخی ہیں' سخت بھڑکائی ہوئی آگ میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

۵۲۔﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا اور نہ کوئی نبی بھیجا۔ یہ آیت مبارکہ رسول اور نبی کے درمیان مغائرت کے ثبوت کی دلیل ہے۔ بہ خلاف ان بعض حضرات کے جنہوں نے کہا کہ بے شک رسول و نبی دونوں ایک چیز ہیں حالانکہ جب حضور نبی کریم ﷺ سے انبیائے کرام کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوئے ہیں' پھر عرض کیا گیا کہ ان میں سے رسول کتنے ہوئے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ ہوئے ہیں اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ رسول وہ پیغمبر ہوتا ہے' جس پر کتاب نازل کی گئی ہو اور نبی وہ پیغمبر ہوتا ہے' جس پر کوئی کتاب نازل نہیں کی جاتی بلکہ وہ صرف اپنے سے پہلے رسول کی شریعت کی طرف دعوت دینے پر مامور کیا جاتا ہے اور بعض علمائے دین نے فرمایا کہ رسول وہ ہوتا ہے جو نئی شریعت پیش کرتا ہے اور نبی وہ ہوتا ہے جو اپنے علاوہ کسی رسول کی شریعت کی حفاظت وتبلیغ کرتا ہے [''مِنْ قَبْلِكَ'' میں حرف ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے اور ''مِن رَّسُوْلٍ'' میں حرف ''مِنْ'' نفی کی تاکید کے لیے زائد ہے] ﴿إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ﴾ مگر جب پیغمبر نے پڑھا تو شیطان نے اس کی تلاوت (کے دوران حالت وقف) میں اپنی طرف سے کچھ ڈال دیا اور ''تَمَنّٰی'' بہ معنی ''قَرَأَ'' (اس نے پڑھا) ہے' چنانچہ حضرت حسان بن ثابت نے فرمایا:

تَمَنّٰی كِتَابَ اللّٰهِ اَوَّلَ لَيْلَةٍ　　تَمَنّٰی دَاوٗدُ الزَّبُوْرَ عَلٰی رِسْلٍ

''تم رات کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) کو پڑھا کرو جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام زبور شریف کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے''۔

عصمتِ نبوی کے خلاف غلط روایت کی تردید وصحیح توجیہ

بعض مفسرین نے کہا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم قریشِ مکہ کی مجلس میں سورۃ النجم کو پڑھا اور جب آپ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى'' (النجم:۲۰) پر پہنچے تو آپ کی زبان مبارک پر ''تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى' وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى'' (ترجمہ: یہ بت عالی شان ہیں اور بے شک ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے) جاری ہو گئے اور آپ کا ذہن اس کی طرف متوجہ نہ ہوا یہاں تک کہ عصمت وطہارت اور آپ کی پاک دامنی نے آپ کی دستگیری فرمائی اور آپ اس سے آگاہ ہو گئے اور بعض نے کہا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو آ کر آگاہ کیا اور آپ نے آگاہ ہونے کے بعد لوگوں کو بتایا کہ یہ کلمات شیطان کی طرف سے القاء کیے گئے تھے' یہ قول (جس طرح بیان کیا گیا ہے) نہایت ناپسندیدہ غیر معتبر (بلکہ باطل و بے اصل) ہے' اس لیے کہ یہ قول چار حالتوں سے خالی نہیں ہے: (۱) یا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کلمات کو قصداً یعنی جان بوجھ کر ادا فرمایا اور یہ یقیناً جائز نہیں کیونکہ یہ کفر ہے اور اس لیے بھی کہ آپ بتوں کی مذمت

و بُرائی بیان کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں' ان کی تعریف و توصیف بیان کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے (۲) یا شیطان لعین نے یہ کفریہ کلمات حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک پر جبراً یعنی زبردستی جاری کر دیئے' اس حیثیت سے کہ آپ اس کے مقابلے میں ان کلمات کو روکنے پر قادر نہ رہے اور یہ بھی ممنوع و محال ہے کیونکہ شیطان مردود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ جو نیک بندگانِ خدا کے حق میں بھی یہ قدرت و اختیار نہیں رکھتا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ'' (الاسراء:۶۵) ''بے شک میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ و اختیار حاصل نہیں''۔ تو آپ کے حق میں بہ طریق اولیٰ جبر و اختیار نہیں رکھتا (۳) یا یہ کلمات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک پر بھول و غفلت کی وجہ سے جاری ہو گئے اور یہ مردود و غلط ہے' اس لیے کہ اس قسم کی غفلت و سہو تبلیغِ وحی کی حالت میں آپ پر جائز نہیں ہے اور اگر یہ جائز ہو جائے تو آپ کی باتوں پر اعتماد و یقین باطل ہو جائے گا اور اس لیے بھی کہ آپ پر نازل کی گئی کتاب (قرآن مجید) کی توصیف و تعریف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ'' (حٰم السجدہ:۴۲) ''نہ اس پر اس کے آگے باطل آ سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے آ سکتا ہے''۔ اور ارشاد فرمایا: ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ'' (الحجر:۹) ''بے شک ہم نے اس نصیحت (یعنی قرآنِ مجید) کو نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔ پس جب یہ تمام وجوہات باطل ہو گئیں تو اب صرف ایک وجہ باقی رہ گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیت کریمہ ''وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی'' (النجم:۲۰) پر وقف کر کے خاموش ہو گئے تو شیطان نے حضور نبی کریم ﷺ کی قراءت کے ساتھ متصل یہ کلمات پڑھ دیئے' جس سے بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کلمات کو پڑھا ہے' پس یہ ہے وہ القاء جو شیطان کی طرف سے حضور نبی کریم ﷺ کی قراءت میں کیا گیا۔[1]

اور حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ اقدس میں شیطان کلام کیا کرتا تھا اور اس کا کلام لوگوں کو سنا جاتا تھا' چنانچہ ایک معتبر روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ بے شک شیطان نے غزوۂ اُحد کے دن با آوازِ بلند پکار کر کہا تھا: ''اَلَا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ'' ''لوگو! آگاہ ہو جاؤ بے شک (سرورِ انبیاء حبیب کبریا حضرت) محمد (مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ) کو قتل کر دیا گیا ہے اور غزوۂ بدر کے دن شیطان نے جو کچھ کہا' قرآن مجید میں مذکور ہے کہ ''لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ'' (الانفال:۴۸) ''آج لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور بے شک میں تمہارا مددگار ہوں''۔ ﴿فَیَنْسَخُ اللّٰهُ مَا

[1] ''تفسیر مدارک التنزیل'' کے مصنف علیہ الرحمۃ نے بعض مفسرین کی غیر معتبر روایت بیان کر کے اس کی تردید کر دی ہے اور اس کی باطل وجوہ بھی ذکر کر کے ان کی بھی تردید کر دی ہے اور شانِ نبوت کے مطابق صحیح وجہ بھی بیان کر دی ہے تاہم اس کی مزید تائید و تقویت کے لیے میں اپنے محسن و مشفق استاذی المکرّم کی تفسیر ''تبیان القرآن'' کے چند ضروری اہم اقتباسات پیش کر رہا ہوں تاکہ اس روایت کی اصل حقیقت مزید واضح ہو جائے۔ قاضی عیاض اس بحث میں لکھتے ہیں کہ اس روایت کو مصنفین کتب صحاح میں سے کسی نے نقل نہیں کیا' نہ یہ کسی سند صحیح اور متصل سے مروی ہے۔ اس روایت کو بعض ان مفسرین اور مؤرخین نے ذکر کیا ہے' جو عجیب و غریب باتوں کو جمع کرنے کے شوق میں ہر قسم کی رطب و یابس اور غلط سلط باتیں بیان کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد قاضی عیاض نے اس روایت کے راویوں کی فنی کمزوریاں ذکر کی ہیں' پھر بکثرت دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زبانِ مبارک پر شیطان کا تسلط محال ہے اور یہ ممکن نہیں کہ قرآن مجید کو پہنچاتے ہوئے آپ کی زبان سے وہ بات نکلے جو اللہ تعالیٰ نے نہ فرمائی ہو' پھر قاضی عیاض فرماتے ہیں: اگر ایسا ہوا ہوتا تو مشرکین مسلمانوں کا مذاق اڑاتے' منافقین نبی کریم ﷺ کی نبوت میں طعنہ زنی کرتے' العیاذ باللہ' کئی ضعیف القلب مسلمان مرتد ہو جاتے۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ شیطان نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ﴾ پس اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیتا ہے' جو شیطان القاء کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اسے لے جاتا ہے اور اسے ختم کر دیتا ہے اور لوگوں کو بتا دیتا ہے کہ یہ کلام شیطان کی طرف سے ہے ﴿ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو محکم و مضبوط کر دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ثابت و مستحکم کر دیتا ہے اور ان کو شیطان کے اضافے کے لاحق ہونے اور ملنے سے محفوظ کر دیتا ہے ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی طرف جو کچھ وحی نازل فرمائی ہے اُسے اور شیطان کے ارادہ کو خوب جاننے والا ہے ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ وہ بڑا دانا اور صاحبِ حکمت ہے' وہ شیطانی سازش کو یونہی نہیں چھوڑ دیتا بلکہ وہ اسے لوگوں پر واضح کر دیتا ہے اور اُسے زائل کر دیتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں ذکر فرمایا کہ یہ اس لیے ہوا تا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ ایک قوم کو آزمائے۔

۵۳- ﴿ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً ﴾ تا کہ جو کچھ شیطان القاء کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو امتحان و آزمائش بنا دے ﴿ لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ﴾ ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں شک اور منافقت کی بیماری ہے اور ان کے دل سخت ہو چکے ہیں' وہ جھٹلانے والے مشرکین ہیں' پس اس واقعہ کے ذریعے ان کے شک

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) القاء ضرور کیا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک پر نہیں بلکہ ان بعض غافل محدثین پر القاء کیا ہے جنہوں نے ضعیف مسلمانوں کے دین میں خلل ڈالنے کے لیے شیطان سے یہ روایت سنی اور (حضرت عبد اللہ ابن عباس کی طرف منسوب کرتے ہوئے) مختلف اسانید سے پھیلا دی۔ (الشفاء محصلہ ج ۲ ص ۱۰۶۔ ۱۱۰' طبع ملتان)

علامہ کرمانی لکھتے ہیں کہ "تلك الغرانيق العلى" والی روایت باطل ہے' نہ عقلاً صحیح ہے نہ نقلاً' کیونکہ مشرکین کے خداؤں کی تعریف کرنا کفر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کرنا صحیح نہیں' نہ یہ صحیح ہے کہ آپ نے یہ کہا: العیاذ باللہ' آپ اس سے بَری ہیں۔ سورۂ نجم کی تفسیر میں بھی علامہ کرمانی نے اس کی تردید کی ہے۔ (شرح الکرمانی ج ۶ ص ۱۵۳۔ ج ۸ ص ۱۱۶)

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ بعض مفسرین نے اس روایت کو نقل کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے' نیز فرماتے ہیں کہ یہ جو روایت میں ہے کہ مشرکین نے اس لیے سجدہ کیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے باطل خداؤں کی تعریف کی تھی' یہ باطل قول ہے اور زندیقوں کا گھڑا ہوا ہے۔ (مرقات ج ۳ ص ۳۲' طبع ملتان)

شیخ محمد عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ عقلاً اور نقلاً وجوہِ کثیرہ سے باطل ہے اور یہ روایت موضوع ہے۔
(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۳۲' لکھنؤ)

قاضی ابوبکر ابن العربی نے (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۳' بیروت میں) دس وجوہ سے اس روایت کو باطل کیا ہے۔
پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب نبی کے پاس فرشتہ کو وحی دے کر بھیجتا ہے تو اس میں علم پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ جان لیتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے ورنہ نبی کو کیسے یقین ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے' پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ شیطان آ کر کچھ کلمات پڑھے اور آپ کو پتہ نہ چلے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفر و شرک سے معصوم رکھا ہے اور جو شخص ایک آن کے لیے بھی آپ پر کفر کو جائز رکھے وہ خود اسلام سے خارج ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ بتوں کی تعریف کرنا اور ان کو شفاعت کرنے والا کہنا کفر ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ہم امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تلچھٹ ہیں' ہم بھی ان کلمات کا کفریہ ہونا جانتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی معرفت کرائی ہے' کب ان کلمات کے کفر سے غافل ہو سکتے ہیں۔ علامہ ابن العربی نے اسی طرح باقی وجوہات بیان کیں ہیں اور آخر میں فرمایا: یہ تمام روایات باطل ہیں' ان کی کوئی اصل نہیں۔
(تفسیر تبیان القرآن ج ۷ ص ۷۸۰ تا ۷۸۱' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور)

اور دلوں کی تاریکی میں اضافہ کر دیا گیا ﴿ وَإِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴾ اور بے شک یہ ظالم لوگ حق سے بہت دور مخالفت میں پڑے ہیں یعنی منافقین اور مشرکین اور اس کی اصل ''وَإِنَّهُمْ'' ہے لیکن اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو اس لیے رکھا گیا ہے کہ ان کے ظلم وستم کا فیصلہ ان کے خلاف کیا جائے۔

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٤﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿٥٥﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٥٦﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٥٧﴾ ع ۱۴

اور تا کہ جن لوگوں کو علم عطا کیا گیا ہے وہ جان لیں کہ بے شک یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے' پس وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس کی طرف جھک جائیں' اور بے شک اللہ تعالیٰ سیدھے راستے کی طرف انہیں لوگوں کی رہنمائی فرماتا ہے جو ایمان لائےO اور جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے وہ ہمیشہ اس کے متعلق شک میں رہیں گے یہاں تک کہ ان پر اچانک قیامت آ جائے گی یا ان پر سراپا نقصان دہ سخت ترین دن کا عذاب آ جائے گاO اس دن ساری بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی' وہی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا' پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ تو نعمتوں والی بہشتوں میں ہوں گےO اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو انہیں لوگوں کے لیے ذلت ناک عذاب ہوگاO

۵۴- ﴿ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ﴾ اور تا کہ وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین اور آیات کا علم عطا کیا گیا ہے وہ جان لیں کہ ﴿ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ بے شک وہ یعنی قرآن مجید آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے ﴿ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ ﴾ پس وہ اس قرآن مجید پر ایمان لائیں ﴿ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ﴾ اور ان کے دل اس پر مطمئن ہو جائیں ﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرماتا ہے' جو ایمان دار ہوتے ہیں' چنانچہ وہ دین کے متشابہات کی صحیح تاویل کرتے ہیں اور دین کے مشکل و پیچیدہ مسائل کے لیے ایسا محمل و معنیٰ تلاش کرتے ہیں' جس کا مستند و مستحکم قواعد و اصول تقاضا کرتے ہیں' یہاں تک کہ انہیں کوئی حیرت و پریشانی لاحق نہیں ہوتی اور نہ ان پر شک و شبہ طاری ہوتا ہے۔

۵۵- ﴿ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ﴾ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے وہ ہمیشہ اس قرآن مجید کے متعلق یا سیدھے راستے کے متعلق شک و شبہ میں مبتلا رہیں گے ﴿ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴾ یہاں تک کہ ان پر اچانک قیامت آ جائے گی یا ان پر سخت ترین دن کا عذاب آ جائے گا یعنی غزوہ بدر کا دن'

پس وہ کافروں کے لیے مانع ہوا کہ اس میں کسی قسم کی کشادگی اور نکلنے کی کوئی راہ یا راحت وسکون ہوتا جیسے تیز آندھی جو کسی قسم کی کوئی بھلائی لے کر نہیں آتی یا سخت ترین دن جس میں ذرہ برابر رحم و کرم اور مہربانی نہ ہو یا اس دن کے معاملے کی عظمت کی وجہ سے اس جیسا کوئی دن نہیں کیونکہ اس روز فرشتوں نے اتر کر جنگ میں حصہ لیا اور کافروں کو تہ تیغ کیا اور حضرت ضحاک نے فرمایا کہ اس سے قیامت کا دن مراد ہے اور ''سَاعَةٌ'' سے اس کے مقدمات واسباب مراد ہیں۔

۵٦۔﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ﴾ اس روز یعنی قیامت کے دن ساری بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کی ہوگی اس کے بارے میں کوئی اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرنے والا یا اختلاف کرنے والا نہیں ہوگا [''يَوْمَئِذٍ'' میں آخر میں تنوین جملہ کے عوض میں ہے ''اَيْ يَوْمَ يُؤْمِنُوْنَ اَوْ تَزُوْلُ مِرْيَتُهُمْ''] یعنی قیامت کے دن وہ لوگ ایمان لے آئیں گے یا قیامت کے دن ان کا شک زائل ہو جائے گا ﴿يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا' پھر ان کے بارے میں اپنا فیصلہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمائے گا: ﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴾ پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ تو نعمتوں والے باغات میں ہوں گے۔

۵۷۔﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا' پس یہی وہ لوگ ہیں' جن کے لیے ذلت ناک عذاب ہوگا' پھر اللہ تعالیٰ نے پہلی جماعت میں سے ایک قوم کی ایک خصوصی فضیلت کا ذکر کیا اور فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾

اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی' پھر قتل کیے گئے یا وہ مر گئے تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور بہترین رزق عطا فرمائے گا' اور بے شک اللہ تعالیٰ یقیناً وہی ہے' جو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے O البتہ اللہ تعالیٰ انہیں ایسی جگہ میں داخل کرے گا' جس کو وہ پسند کریں گے' اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا' بڑا بردبار ہے O بات یہی ہے' اور جس نے اتنی ہی سزا دی جتنی اسے تکلیف دی گئی' پھر اس پر زیادتی کی گئی تو البتہ اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد کرے گا' بے شک اللہ تعالیٰ یقیناً بہت معاف کرنے والا' بہت بخشنے والا ہے O یہ اس لیے ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا' خوب دیکھنے والا ہے O

۵۸۔﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی (یعنی) وہ

لوگ جہاد کرنے کی نیت سے اپنے اپنے گھروں اور اپنے وطنوں سے نکل گئے ﴿ ثُمَّ قُتِلُوْٓا ﴾ پھر وہ جہاد میں قتل کر دیئے گئے [ابن عامر شامی کی قراءت میں "قُتِّلُوْا" ("تا" مشدد کے ساتھ باب تفعیل سے) ہے] ﴿ اَوْ مَاتُوْا ﴾ یا وہ اپنی طبعی موت مر گئے ﴿ لَیَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ﴾ البتہ اللہ تعالیٰ انہیں ضرور بہترین رزق عطا فرمائے گا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ رزقِ حسن سے ایسا رزق مراد ہے' جو کبھی ختم نہیں ہوگا ﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ البتہ وہی ہے' جو سب سے بہتر رزق عطا کرنے والا ہے کیونکہ وہی تمام مخلوق کو بغیر مثال کے ایجاد کرنے والا ہے' وہی بغیر کسی رنج و ملال کے سب کے رزق کی کفالت کرنے والا ہے۔

۵۹۔ ﴿ لَیُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا ﴾ اللہ تعالیٰ انہیں ضرور ایسی جگہ میں داخل کرے گا [نافع مدنی کی قراءت میں میم مفتوح "مَدْخَلًا" ہے] اور اس سے جنت مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مہاجر مجاہدین کو ایسی عالی شان نعمتوں والی جنت میں داخل کرے گا ﴿ یَّرْضَوْنَهٗ ﴾ جس کو وہ لوگ خوب پسند کریں گے کیونکہ اس میں وہ نعمتیں ہوں گی جو دل چاہیں گے اور آنکھیں لذت پائیں گی ﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِیْمٌ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کے احوال کو بھی خوب جاننے والا ہے' جنہوں نے جہاد کرتے ہوئے اپنے وعدوں اور منتوں کو پورا کر لیا اور ان کے انجام کو بھی خوب جاننے والا ہے' جو اپنے وعدوں اور منتوں کا انتظار کرتے ہوئے طبعی موت مر گئے ﴿ حَلِیْمٌ ﴾ بڑا بردبار ہے' جو مسلمانوں سے بغض و عناد رکھ کر لڑنے والوں کو بھی مہلت دے دیتا ہے۔

شانِ نزول: ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے ایک جماعت نے عرض کیا کہ "یَا نَبِیَّ اللّٰهِ" (اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر)! یہ ہمارے مسلمان ساتھی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کر دیئے گئے ہیں ہم ان کے متعلق یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں خیر و بھلائی اور بہترین جزائے خیر عطا فرمائے گا لیکن ہم جو آپ کے ساتھ مل کر شانہ بہ شانہ جہاد کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے جہاد کیا تو اگر ہم آپ کے ساتھ طبعی موت مر گئے تو ہمارا کیا بنے گا؟ پس انہیں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ دو مذکورہ بالا آیاتِ مبارکہ نازل فرمائیں۔

۶۰۔ ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یعنی واقعی معاملہ یہی ہوگا (کہ تمام مجاہدین کو برابر اجر و ثواب ملے گا خواہ شہید ہو جائیں یا طبعی موت مر جائیں) [یہ اور اس کے بعد والا کلام جملہ مستأنفہ (الگ مستقل جملہ) ہے] ﴿ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ﴾ اور جس شخص نے اتنی سزا دی جتنی اسے سزا دی گئی۔ ابتدائی زیادتی کو سزا محض اس مناسبت کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ یہ سبب ہے اور وہ جوابی سزا اس کا مسبب ہے ﴿ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْهِ لَیَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ﴾ پھر اس پر زیادتی کی گئی تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرے گا یعنی جس نے اتنی سزا دی جتنی اس کے ساتھ ظلم و زیادتی کی گئی' پھر اس کے بعد اس پر ظلم و ستم اور زیادتی کی گئی تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق بنتا ہے کہ وہ اس مظلوم کی مدد کرے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا ہے جو تمام گناہوں کے آثار و علامات مٹا دے گا ﴿ غَفُوْرٌ ﴾ بہت بخشنے والا ہے۔ وہ تمام قسم کے عیبوں کی پردہ پوشی فرمائے گا اور اس آیتِ مبارکہ کے سیاق و سباق کے مطابق ان دو صفتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ قریب لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلی مرتبہ ظلم کا نشانہ بنانے والے سے عفو و درگزر کرنے اور انتقام کو ترک کرنے کا تقاضا کیا گیا' جیسا کہ ارشاد ہے: "فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ" (الشوریٰ:۴۰) "سو جس نے اپنا معاملہ معاف کر دیا اور (دوسرے کے معاملے میں) صلح کرا دی تو اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے"۔ "وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى" (البقرہ:۲۳۷) "اور یہ کہ تم معاف کر دو تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے"۔ پھر جب اس بات نے اثر نہ کیا اور مظلوم نے ظالم سے انتقام لے

لیا تو وہ صرف افضل و بہتر عمل کا تارک ہوگا اور وہ دوبارہ حملہ کا نشانہ بننے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی امداد کا مستحق ہوگا کیونکہ جب اس نے عفوودرگزر کرنے کو ترک کر دیا اور ظلم و زیادتی کرنے والے سے انتقام لے لیا تو اس کے باوجود ان دوصفتوں کے ذکر کی وجہ سے اس نے یہ جان لیا کہ عفوودرگزر کرنا انتقام لینے سے بہتر ہے یا یہ آیت مبارکہ عفوومغفرت کے ذکر سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سزا دینے پر بھی قادر ہے کیونکہ عفو کے ساتھ وہی موصوف ہوتا ہے' جو اس کی ضد (انتقام) پر قادر ہوتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ "اَلْعَفْوُ عِنْدَ الْقُدْرَةِ" یعنی معاف کرنا قدرت کے وقت ہوتا ہے۔

۶۱- ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا' سب کچھ دیکھنے والا ہے' یعنی مظلوم کی یہ امداد اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اس پر قادر ہے اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ بے شک وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے یعنی دن میں سے رات میں اضافہ کرتا ہے اور رات میں سے دن میں اضافہ کرتا ہے یا اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ رات اور دن کا خالق و مالک ہے' وہی ان دونوں میں تصرف فرمانے والا ہے' پس رات اور دن میں اس کے بندوں کے ہاتھوں نیکی اور بُرائی اور بغاوت و سرکشی اور عدل و انصاف جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس سے مخفی و پوشیدہ نہیں ہے اور بے شک وہ ان کی تمام باتیں خوب سننے والا ہے' جو کچھ اس کے بندے بولتے رہتے ہیں اور کسی ایک کی سماعت کسی دوسرے کی سماعت میں اسے غافل نہیں کرتی' اگرچہ مختلف زبانوں میں' مختلف آوازوں میں' ایک دن میں بے شمار مرتبہ بولی جاتی ہیں اور وہ سب کچھ دیکھنے والا جو کچھ لوگ کر رہے ہیں اور تاریک ترین راتوں کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے' اگرچہ پے درپے مسلسل تاریکیاں اور اندھیرے چھائے رہتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾

ع ۷ ۱۵

یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور بے شک وہ لوگ اس کے ماسوا جس کی عبادت کرتے ہیں وہ باطل ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی عالی شان بڑائی والا ہے ○ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا تو زمین سرسبز و شاداب ہوگئی' بے شک اللہ تعالیٰ بہت مہربان' بڑا خبردار ہے ○ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی بے نیاز ہے ہر قسم کی حمد کے لائق ہے ○

۶۲- ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور بے شک یہ لوگ اس کے علاوہ جس کی عبادت کرتے ہیں وہ سراسر باطل و ناحق ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی عالی شان بڑی قدرت والا ہے یعنی یہ وصف اللہ تعالیٰ کا اس لیے ہے کہ وہی رات

اور دن کو پیدا کرنے والا ہے اور ان دونوں میں جو کچھ ہو رہا ہے سب کا اس نے احاطہ کر رکھا ہے اور وہ ان کی باتوں اور ان کے کاموں کا ادراک رکھتا ہے' اسی سبب سے اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور اس کی الوہیت و معبودیّت ثابت ہے اور اس کے ماسوا ہر وہ چیز کہ جس کے الٰہ اور معبود ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے' یہ دعویٰ باطل و ناحق ہے اور کوئی چیز مرتبہ اور شان میں اس سے بلند نہیں ہے اور نہ کسی کی سلطنت اس کی سلطنت و حکومت سے بڑی ہے [ابوبکر کے علاوہ عراقیوں کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یَدْعُوْنَ'' ہے]۔

اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بیان

٦٣- ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا (یعنی) بارش برسائی تو زمین خشک اور سیاہ ہونے کے بعد بارش کے ذریعے اُگنے والے تمام قسم کے سبزہ جات سے ہری بھری اور سرسبز و شاداب ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے فعل ماضی ''فَاَصْبَحَتْ'' نہیں فرمایا اور صرف لفظ مضارع ''تُصْبِحُ'' کی طرف محض اس لیے رجوع کیا گیا ہے تاکہ ایک مدت گزر جانے کے بعد بھی عرصۂ دراز تک بارش کے اثر کا باقی رہنے کا فائدہ حاصل ہو جائے جیسے تم کہتے ہو: ''اَنْعَمَ عَلَيَّ فُلَانٌ'' کہ فلاں آدمی نے مجھ پر احسان کیا ''فَاَرُوْحُ وَاَغْدُوْ شَاكِرًا لَهٗ'' پس میں شام کو بھی اور صبح کو بھی اس کا شکر ادا کرتا رہتا ہوں' اور اگر تم یہ کہتے: ''فَرُحْتُ وَغَدَوْتُ'' تو یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا [''فَتُصْبِحُ'' مرفوع ہے' منصوب نہیں اور یہ استفہام کا جواب ہے کیونکہ اگر اس کو نصب دی جائے تو اس کی اصل غرض فوت ہو جائے گی' اس لیے کہ اس کا معنی ہریالی اور سبزہ جات کو ثابت کرنا ہے اور نصب کی صورت میں مطلب الٹ ہو کر ہریالی کی نفی ہو جائے گی جیسے تم اپنے ساتھی سے کہو: ''اَلَمْ تَرَانِّيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكَ فَتَشْكُرُ'' کیا تم نے دیکھا نہیں کہ میں نے تم پر احسان کیا ہے کہ تم شکر ادا کرو' اور اگر تم اس کو منصوب کر دو گے تو تم شکر کی نفی کر دو گے اور اس کی کمی کی شکایت کرو گے اور اگر تم اس کے آخر میں رفع دو گے تو تم شکر ثابت کرو گے] ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے کہ اس کا عمل یا اس کا فضل و کرم ہر چیز کو پہنچنے والا ہے ﴿خَبِيْرٌ﴾ وہ مخلوق کے فوائد و منافع اور اس کی مصلحتوں سے خوب خبردار و آگاہ ہے یا ''لطیف'' باریک اور تھوڑی سی تدبیر کے ساتھ مخصوص ہے اور ''خبیر'' ہر قلیل و کثیر کو محیط ہے۔

٦٤- ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اسی کی ملکیت میں ہے اور وہی سب کا بادشاہ ہے ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی یقیناً بے نیاز ہے اور وہ زمین و آسمان کی ہر چیز کے فنا ہو جانے کے بعد بھی اپنی قدرتِ کاملہ کی وجہ سے مستغنی اور بے نیاز و بے پرواہ ہے ﴿الْحَمِيْدُ﴾ وہ زمین و آسمان میں رہنے والوں کی تعریف سے پہلے اپنی نعمتوں کی وجہ سے تعریف کیا ہوا' ہر حمد کے لائق' محمود و سراہا ہوا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٥﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿٦٦﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو کچھ زمین میں ہے اس کو اور کشتیوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے' وہ

اسی کے حکم سے دریاؤں میں چلتی ہیں اور اسی نے آسمان کو زمین پر اس کے حکم کے بغیر گرنے سے روک رکھا ہے بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت شفقت کرنے والا بے حد مہربان ہے ○ اور وہی ہے جس نے تمہیں زندگی عطا کی پھر وہی تم پر موت طاری کرے گا پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا بے شک انسان ضرور بہت ناشکرا ہے ○

٦٥- ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ ﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو کچھ زمین میں ہے سب کو تمہارے لیے مسخر کر دیا (یعنی) خشکی کے راستوں میں سفر کرنے کے لیے چوپایوں کو سواری کے لیے تمہارا مطیع و تابع فرمان بنا دیا ہے ﴿ وَالْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے کشتیوں کو تمہاری سواری کے لیے مسخر کر دیا جو دریاؤں اور سمندروں میں اسی کے حکم سے چلتی ہیں یعنی دریاؤں میں چلنے والی سواریوں میں سے [اور ''الفلك'' لفظ ''ما'' پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور ''تجری'' اس کا حال ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے کشتیوں کو دریاؤں میں چلنے کی حالت میں تمہارے لیے مسخر کر دیا ﴿ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ ﴾ اور وہی آسمان کو زمین پر گرنے سے روک کر رکھتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ آسمان کو زمین پر گرنے سے محفوظ رکھتا ہے ﴿ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ مگر اس کے حکم سے یا اس کے ارادہ سے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ انسانوں پر بہت مہربان ہے اس لیے کہ اس نے زمین کی ہر چیز کو مسخر و تابع بنا دیا ﴿ رَّحِيْمٌ ﴾ بے حد رحم فرمانے والا ہے اسی رحمت و رأفت کے سبب آسمان کو روک رکھا ہے تاکہ وہ زمین پر گر نہ پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو اپنے ناموں کے ساتھ ملا کر شمار کیا ہے تاکہ لوگ اس کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں اور وہ اس کو اس کے ناموں کے ساتھ یاد کیا کریں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم آٹھ آیاتِ مبارکہ میں مذکور ہے جو ان آیات کو پڑھے گا اس کی دعا یقیناً قبول کی جائے گی۔

٦٦- ﴿ وَهُوَ الَّذِىْٓ اَحْيَاكُمْ ﴾ اور وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمہاری ماؤں کے رحموں میں تمہیں زندگی عطا کی ﴿ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ﴾ پھر وہی تمہاری زندگی کی میعادیں ختم ہونے کے وقت تم پر موت طاری کر دے گا ﴿ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ﴾ پھر وہی تمہیں جزا دینے کے لیے زندہ کرے گا ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴾ بے شک انسان بہت ناشکرا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر جو مختلف اقسام کی بے شمار نعمتیں نازل کی ہیں اور جو مختلف اقسام کے بے شمار مصائب و آلام اور تکالیف اس سے دور کی ہیں ان سب کا انکار کرتا ہے اور ان پر ناشکری کرتا ہے یا یہ معنی ہے کہ انسان تمام کائنات کو از سرنو وجود عطا کرنے والے خالق و مالک کی تخلیق کردہ نعمتوں کو پہچانتا ہے اور نہ وہ قیامت کے قریب کر دینے والی فنا کو پہچانتا ہے اور نہ وہ مقصود تک پہنچانے والی زندگی کو پہچانتا ہے۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى
الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٦٧﴾ وَاِنْ
جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٨﴾ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمَآءِ

﴿وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۷۰﴾

ہم نے ہر امت کے لیے عبادت کے طریقے مقرر کر دیئے کہ وہ اس کے مطابق عمل کرتے ہیں' پس وہ آپ سے اس معاملہ میں جھگڑا نہ کیا کریں اور آپ اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیتے رہیے' بے شک آپ ہی سیدھے راستے پر ہیںO اور اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ تم عمل کر رہے ہوO اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کے دن ان تمام معاملات کے بارے میں فیصلہ کر دے گا' جن میں تم اختلاف کرتے رہے ہوO کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے' بے شک یہ ایک کتاب میں ہے' بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہےO

کفار کے تنازعات میں حضور کو صحیح رویہ اپنانے پر قائم رہنے کا حکم اور کفار کو دھمکی

٦٧- ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ﴾ ہر امت کے لیے (یعنی) ہر اہل دین کے لیے ﴿جَعَلْنَا مَنْسَكًا﴾ ہم نے قربانی مقرر فرمادی ہے۔ ''مَنْسَكًا'' کے معنی کا بیان پہلے (اسی سورت کی آیت: ۳۴ میں) گزر چکا ہے اور یہ اس شخص کے قول کی تردید ہے جو کہتا ہے کہ قربانی دینا اور جانور ذبح کرنا اللہ تعالیٰ کی شریعت میں مشروع نہیں ہے' جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہر امت کی شریعت میں مشروع فرمایا ہے ﴿هُمْ نَاسِكُوْهُ﴾ وہ لوگ اس پر عمل کرتے ہیں ﴿فَلَا يُنَازِعُنَّكَ﴾ پس وہ لوگ آپ سے جھگڑا نہ کیا کریں اور معنی یہ ہے کہ اے محبوب! آپ ان کی باتوں کی طرف توجہ نہ دیں اور آپ نہ انہیں یہ اختیار دیں کہ وہ آپ سے جھگڑیں ﴿فِي الْاَمْرِ﴾ قربانی دینے کے لیے جانوروں کو ذبح کرنے کے معاملے میں یا دین اسلام کے معاملے میں۔ شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم جسے ذبح کر کے قتل کر دیتے ہو اسے تو کھا لیتے ہو اور جس کو اللہ تعالیٰ مار دیتا ہے اسے تم نہیں کھاتے یعنی مردہ جانور ﴿وَادْعُ﴾ اور آپ لوگوں کو دعوت دیں اور ان کو بلائیں ﴿اِلٰى رَبِّكَ﴾ اپنے پروردگار کی عبادت کی طرف ﴿اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ﴾ بے شک آپ ضرور سیدھے راستے پر (یعنی) آپ معتدل راستے پر گامزن ہیں [اور یہاں ''لِكُلِّ اُمَّةٍ'' میں واؤ ذکر نہیں کی گئی' اس کے برعکس پہلی آیت میں واؤ کے ساتھ ''وَلِكُلِّ اُمَّةٍ'' ذکر کیا گیا ہے' اس لیے کہ وہاں قربانی کے معاملے میں وارد ہونے والی آیات میں سے اس کے مناسب واقع ہوئی تھیں' اس لیے وہاں مناسبت کی بناء پر عطف کیا گیا ہے اور یہ آیت مبارکہ اپنے معنی سے دور آیات کے ساتھ ذکر کی گئی ہے' اس لیے عطف نہیں کیا گیا]۔

٦٨- ﴿وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اگر وہ تکبر و تعصب کی بناء پر آپ سے جھگڑا کریں جیسا کہ بے وقوف لوگ کرتے ہیں' آپ کی اس کوشش کے بعد کہ آپ کے اور ان کے درمیان تنازع و جھگڑا نہ ہو تو آپ ان سے فرما دیں کہ تم جو کچھ عمل کرتے ہو ان کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے یعنی آپ ان سے جھگڑا نہ کریں بلکہ یہ بات کہہ کر ان کو دفع کریں اور معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو اور نیز ان اعمال پر جس قسم کے بدلے کے تم مستحق ہو خوب جانتا ہے' پس وہ تمہیں اس پر بدلا دے گا اور یہ وعید (دھمکی) اور ڈراوا ہے لیکن شفقت و نرمی اور ایسے ادب کی تعلیم کے ساتھ ہے جس کے ساتھ ہر متعصب و ضدی کو جواب دیا جاتا ہے۔

٦٩- ﴿اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمہارے درمیان ان تمام معاملات کے بارے میں فیصلہ فرما دے گا' جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خطاب مؤمنوں

اور کافروں دونوں کو ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اجر وثواب اور عذاب کا فیصلہ کر دے گا اور اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے' ان تمام معاملات کے بارے میں جو کفار کی طرف سے بہ صورت تکالیف آپ کو پہنچائے جاتے تھے۔

۷۰۔ ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے' جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے یعنی تم جو کچھ اعمال کرتے ہو وہ اللہ تعالیٰ سے کیسے مخفی و پوشیدہ رہ سکتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے متعلق علم رکھنے والے علماء کے نزدیک یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے' جو آسمانوں میں اور زمین میں پیدا ہوتی ہے ﴿اِنَّ ذٰلِكَ﴾ بے شک یہ جو زمین و آسمان میں موجود ہے ﴿فِيْ كِتٰبٍ﴾ ایک کتاب (یعنی وہ) لوحِ محفوظ میں مرقوم ہے ﴿اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے یعنی ان تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا جاننا اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے' یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ ع ۸ / ۱۶

اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہیں' جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور انہیں اس کا کچھ علم نہیں' اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں O اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو تم کافروں کے چہروں میں ناگواری کو پہچان لو گے' قریب لگتا ہے کہ کفار ان لوگوں پر حملہ کر دیں' جو ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے ہیں' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا میں تمہیں اس سے بدتر خبر سنا دوں' وہ آگ ہے' جس کا اللہ تعالیٰ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے' اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O

کفار کی جہالت و بت پرستی کی مذمت

۷۱۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں صرف اس بناء پر کفار کی جہالت کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ ایسے خداؤں (بتوں) کی عبادت و پرستش کرتے ہیں' جو عبادت کے مستحق نہیں ہیں ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا﴾ اور وہ (کفار) اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کی عبادت کرتے ہیں' جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی حجت و دلیل نہیں اتاری [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت "يُنْزِلْ" (باب تفعیل کی بجائے باب افعال سے نون ساکن اور غیر مشدد "زا" کے ساتھ) ہے] ﴿وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ اور انہیں بتوں کی عبادت کے جواز کا کوئی علم نہیں ہے یعنی انہوں نے بتوں کی عبادت کرنے میں وحی کے اعتبار سے کسی آسمانی دلیل کے ساتھ تمسک نہیں کیا اور نہ انہیں بتوں کی عبادت کرنے پر عقلی دلیل نے راغب کیا ہے ﴿وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ﴾ اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے اور جنہوں نے اتنے بڑے ظلم کا ارتکاب کیا ہے ان کے لیے کوئی ایسا مددگار نہیں ہے جو ان کی مدد کر سکے اور ان کے مذہب کو صحیح قرار دے

سکے۔

۷۲-﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ﴾ اور جب ان پر ہماری آیتیں یعنی قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے اور انہیں قرآن مجید پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو ﴿تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ﴾ آپ کافروں کے چہروں میں ناگواری کو پہچان لیں گے (یعنی) آپ ان کی ترش روئی' چہروں پر شکن اور کراہت و ناگواری سے انکار کو پہچان لیں گے [اور ''منکر'' مصدر ہے] ﴿يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ﴾ لگتا ہے وہ ابھی حملہ کر دیں گے اور پکڑ لیں گے اور ''سَطْوٌ'' کا معنی اچانک اچھلنا اور پکڑ کر اپنی گرفت میں لے لینا ہے ﴿بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا﴾ ان لوگوں پر جو ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور اس سے نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب گرامی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مراد ہیں ﴿قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ﴾ اے محبوب! ان سے فرمادیں کہ کیا میں تمہیں اس سے بڑھ کر بُری خبر بتا دوں؟ یعنی تلاوت کرنے والوں پر تمہارے غیظ وغضب سے زیادہ بُری ہے اور ان پر تمہارے حملہ کرنے سے بھی زیادہ بُری ہے یا تم پر تلاوت کرنے کے سبب جو ناگواری اور بے چینی و بے قراری پہنچتی ہے' اس سے بھی زیادہ بُری خبر میں بتا دوں ﴿اَلنَّارُ﴾ وہ آگ ہے [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے] گویا کہنے والے نے کہا: وہ کیا ہے؟ تو جواب میں کہا گیا: ''اَلنَّارُ اَیْ هُوَ النَّارُ'' آگ ہے یعنی وہ آگ ہے ﴿وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اللہ تعالیٰ نے کافروں سے اس کا وعدہ کر رکھا ہے' یہ الگ مستقل کلام ہے ﴿وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ اور یہ آگ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾

اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے سو تم اسے غور سے سنو' بے شک تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ ایک مکھی بھی ہرگز نہیں بنا سکیں گے' اور اگر چہ وہ سب اس کے لیے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اس سے اس کو نہیں چھڑا سکیں گے' طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں○ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے' بے شک اللہ تعالیٰ بہت طاقت ور بڑا غالب ہے○ اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسولوں کو چن لیتا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے○

بتوں کی عاجزی و بے بسی اور اللہ تعالیٰ کے قوت وغلبہ کا بیان

۷۳-اور جب کفار کا یہ دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے شریک شہرت اور عجیب وغریب ہونے میں مشہور ومستحسن مثالوں کے قائم مقام ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ﴾ اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے' سو تم اس مثال کے بیان کو غور سے سنو' ''ضُرِبَ'' بہ معنی ''بُيِّنَ'' ہے یعنی بیان کی گئی ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا﴾ بے شک تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن معبودوں کی عبادت و پرستش کرتے ہو وہ ایک مکھی بھی ہرگز نہیں بنا سکیں گے۔ [حرف "لَنْ" مستقبل کی نفی کی تاکید کے لیے آتا ہے] اور یہاں اس کی تاکید اس بات پر دلالت کرنے کے لیے ہے کہ بتوں کے لیے مکھی پیدا کرنا محال و ناممکن ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بتوں کے لیے کسی چیز کو پیدا کرنا محال ہے اور مکھی کی تخصیص اس کے حقیر و ضعیف ہونے اور گندا ہونے کی بناء پر کی گئی ہے اور اس کا نام "ذباب" اس لیے رکھا گیا ہے کہ جب اس کو اس کے گندا ہونے کی بناء پر اڑایا جاتا ہے تو یہ تکبر کی بناء پر واپس لوٹ آتی ہے [سہل اور یعقوب کی قراءت میں "یَدْعُوْنَ" ہے اور "تَدْعُوْنَ" کا مفعول "اٰلِهَةً" محذوف ہے] ﴿وَلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ اور اگر چہ وہ سب مکھی کو پیدا کرنے کے لیے جمع ہو جائیں [اور یہ حال ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے] گویا کہا گیا ہے کہ ان بتوں کی طرف سے مکھی کو پیدا کرنا محال ہے حالانکہ ان پر یہ شرط رکھی گئی ہے کہ وہ سب مل کر اس کو پیدا کرنے کے لیے جمع ہو جائیں اور اس پر ایک دوسرے سے تعاون و مدد بھی حاصل کریں اور یہ اس سے زیادہ بلیغ ہے' جو قریشِ مکہ کی جہالت کے اظہار کے لیے نازل کیا گیا کیونکہ انہوں نے اپنے معبودوں کے لیے جو تمام مقدورات پر اقتدار رکھنے اور تمام معلومات کے احاطہ کا تقاضا کرتے ہیں مختلف صورتیں اور شکلیں تیار کی تھیں ان کے لیے محال ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ مخلوقات میں سے قلیل ترین اور حقیر و ذلیل مخلوق جیسی چیز کے پیدا کرنے پر قادر ہوں اگر چہ وہ سب اس کے لیے جمع ہو جائیں ﴿وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ﴾ اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس سے اس چیز کو نہیں چھڑا سکیں گے یعنی یہ مکھی مخلوق میں حقیر ترین چھوٹی سی مخلوق ہے لیکن اگر یہی حقیر مکھی ان بتوں سے کوئی چیز چھین کر لے جائے اور تمام بت جمع ہو کر اس مکھی سے وہ چیز چھڑانا چاہیں تو نہیں چھڑا سکیں گے نہ وہ اس پر قدرت رکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ مشرکینِ مکہ اپنے بتوں پر زعفران مل دیا کرتے تھے اور بتوں کے سروں پر شہد لگا دیا کرتے تھے' پھر جب مکھیاں بت خانہ میں گھس کر شہد وغیرہ چوس کر چٹ کر جاتیں تو بت ان کے پکڑنے سے عاجز رہتے ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ﴾ طالب کمزور ہے یعنی بت کہ اس۔ سے جو کچھ چھین لیا جاتا ہے وہ اس کا طلب گار ہوتا ہے ﴿وَالْمَطْلُوْبُ﴾ اور مطلوب کمزور ہے (یعنی) مکھی کہ اس نے بتوں سے جو کچھ چھین لیا' اس سے اس کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور اس سے ثابت ہو گیا کہ بتوں اور مکھی کے درمیان عجز و کمزوری میں مساوات ہے اور اگر تحقیق کی جائے تو طالب (یعنی بت) مطلوب سے زیادہ کمزور ہیں کیونکہ مکھی حیوان (یعنی جاندار) ہے جب کہ بت محض جماد ہیں اور مکھی غالب ہے (کہ بتوں سے شہد وغیرہ چٹ کر جاتی ہے) اور یہ بت مغلوب ہیں۔

۷۴- ﴿مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے (یعنی) انہوں نے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا جیسا کہ اس کو پہچاننے کا حق ہے کیونکہ انہوں نے ان کمزور و عاجز بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا لیا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تو بہت قوت والا طاقت ور ہے' بے حد غالب ہے یعنی بے شک اللہ تعالیٰ قادر و غالب ہے تو عاجز و مغلوب اس کے مشابہ کیسے ہو سکتا ہے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی مدد کرنے میں بڑا قوی اور بہت طاقت ور ہے اور اپنے دشمنوں سے انتقام و بدلا لینے میں بے حد غالب ہے۔

۷۵- ﴿اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ﴾ اللہ تعالیٰ منتخب کر لیتا (یعنی) چن لیتا ہے ﴿مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا﴾ فرشتوں میں سے رسولوں کو چن لیتا ہے جیسے حضرت جبریل اور حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل وغیرہم علیہم السلام ﴿وَمِنَ النَّاسِ﴾ اور انسانوں میں سے رسولوں کو چن لیتا ہے جیسے حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ اور سرورِ انبیاء حضرت

محمد مصطفیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام وغیر ہم اور اس میں ان لوگوں کی تردید کر دی گئی' جنہوں نے انسانوں میں سے رسول ہونے کا انکار کیا اور اس آیتِ مبارکہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی دو قسمیں ہیں' ایک قسم فرشتوں کی اور دوسری قسم انسانوں کی ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل کی گئی جب مشرکین مکہ نے کہا کہ "ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا" (ص:۸) "ہمیں چھوڑ کر صرف ان پر قرآن مجید کیوں نازل کیا گیا ہے" ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان کی سب باتیں خوب سننے والا ہے ﴿بَصِيْرٌ﴾ ان کو خوب دیکھ رہا ہے' جن کو اس نے اپنی رسالت کے لیے منتخب کیا ہے یا اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کی وہ تمام باتیں خوب سننے والا ہے' جنہیں لوگوں کی عقلیں قبول کرتی ہیں اور وہ تمام امتوں کے حالات کو خوب دیکھنے والا ہے' جو رسولوں کے ارشادات کا انکار کرتے رہے اور جو ان کے ارشادات کو قبول کرتے رہے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

السجدة عند الشافعی

اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے' اور تمام اُمور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے O اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور نیک کام کرو تاکہ تم فلاح حاصل کرو O

۷۶- ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہو چکا (یعنی) جو کچھ ان سے پہلے ماضی کے زمانہ میں ہو چکا ﴿وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ اور جو کچھ پیچھے ہوگا (یعنی) جو کچھ ابھی تک نہیں ہوا یا یہ معنی ہے کہ انہوں نے جو کچھ اعمال کر لیے ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جو کچھ عنقریب اعمال کریں گے انہیں اللہ تعالیٰ ابھی سے جانتا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں کے معاملات کو جانتا ہے ﴿وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ اور تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی تمام معاملات اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو ذاتِ اقدس ان صفات کے ساتھ متصف ہو' "لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ" (الانبیاء:۲۳) "اس سے اس کے افعال کے بارے میں نہیں پوچھا جاتا"۔ اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں اور اس کی تدبیروں میں اور اس کے رسولوں کے انتخاب میں اعتراض کرے [ابن عامر شامی' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "تَرْجِعُ" ہے]۔

عبادت وریاضت اور جہاد وغیرہ کا حکم

۷۷- ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾ اے ایمان والو! تم اپنی نماز میں رکوع اور سجدہ کیا کرو۔ دراصل ابتدائے اسلام میں جب لوگ مسلمان ہوتے تو وہ بغیر رکوع و سجود کے نماز پڑھا کرتے تھے' پھر انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اپنی نماز رکوع و سجود کے ساتھ ادا کیا کریں اور یہ آیت مبارکہ ایک تو اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال ایمان میں سے نہیں ہیں (کیونکہ ایمان لانے کے بعد رکوع و سجود کا حکم دیا گیا ہے) دوسرا یہ کہ یہ سجدہ نماز کے لیے ہے سجدۂ تلاوت نہیں ہے ﴿وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ﴾ اور تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو (یعنی) تم اپنے رکوع اور سجدہ ادا کرتے وقت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کا ارادہ کیا کرو' بتوں کا ارادہ نہ کرو ﴿وَافْعَلُوا الْخَيْرَ﴾ اور تم نیک کام کرو۔ بعض

اہل علم نے فرمایا کہ جب ذکر الٰہی کو دیگر عبادات پر خاص فضیلت حاصل ہے تو اللہ تعالیٰ نے پہلے مسلمانوں کو نماز ادا کرنے کا حکم دیا جو اللہ تعالیٰ کا خالص ذکر ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ'' (طٰہٰ:۱۴) ''اور میری یاد کے لیے نماز قائم کیجئے''۔ پھر نماز کے علاوہ دوسری عبادات کا حکم دیا جیسے روزہ' حج اور زکوٰۃ وغیرہم' پھر باقی تمام نیکیوں کو ادا کرنے کے لیے عام ترغیب دی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''خیر'' سے رشتہ داروں کے ساتھ تعلق جوڑنا اور اچھے اخلاق کو اپنانا مراد ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تا کہ تم فلاح پاؤ یا یہ معنی ہے تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ یا یہ معنی ہے کہ تم یہ مذکورہ بالا تمام احکام کو بجالاؤ اور تم یہ امید رکھو کہ تم فلاح حاصل کر لو یقین نہ رکھو اور نہ تم اپنے اعمال پر بھروسا رکھو۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾

ع ۱۰ / ۱۷

اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جیسا جہاد کا حق ہے' اسی نے تمہیں منتخب کر لیا ہے اور اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی' تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو' اسی نے اس سے پہلے اور اس کتاب میں تمہارا نام مسلمان رکھا ہے' تا کہ یہ رسول تم پر گواہ ہو جائے اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ' سو تم نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکمل وابستہ ہو جاؤ' وہی تمہارا مالک ہے' پس وہ بہترین مالک ہے اور وہ بہت اچھا مددگار ہے O

۷۸- ﴿وَجَاهِدُوْا﴾ اور تم جہاد کرو۔ اس آیت مبارکہ میں دشمنانِ دین سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا پھر نفس اور خواہشاتِ نفسانی کے ساتھ مجاہدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہی جہادِ اکبر (سب سے بڑا جہاد) ہے یا اس سے ظالم بادشاہ کے پاس کلمۂ حق کہنا مراد ہے ﴿فِي اللّٰهِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں اور اسی کی خاطر ﴿حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ جیسے اس کے جہاد کا حق ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ رکھا جائے۔ کہا جاتا ہے: ''هُوَ حَقٌّ عالم وجدّ عالم ای عالم حَقًّا و جدًّا'' یعنی وہ برحق اور محنتی عالم ہے اور اسی سے ''حَقَّ جِهَادِهٖ'' ہے اور قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ ''حق الجهاد فيه'' ہوتا کہ اس کی راہ میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے یا ''حقّ جهاد كم فيه'' ہوتا کہ تم اس کی راہ میں جہاد کرو جیسا تمہارے لیے جہاد کرنے کا حق ہے [لیکن اس میں ادنیٰ ملابست اور اختصاص کی وجہ سے اضافت کی گئی] پھر جب جہاد اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کیا جاتا ہے تو اس کی طرف اس کی اضافت درست ہو گئی اور یہ بھی جائز ہے کہ ظرف میں وسعت کی جائے جیسا کہ کسی شاعر کا کلام ہے:۔

''ويوم شهدناه سليمًا و عامرًا''

''اور جس دن ہم سلیم اور عامر کے پاس حاضر ہوئے''۔

﴿هُوَاجْتَبٰىكُمْ﴾ اسی نے تمہیں اپنے دین کی حمایت کے لیے اور اپنی مدد کے لیے چن لیا ہے ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ اور اس نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی' بلکہ اس نے ان تمام احکام میں تمہیں رخصت دی ہے' جن کا تمہیں مکلّف بنایا' مثلاً طہارت (یعنی غسل اور وضو)' نماز' روزہ اور حج میں تیمم' اشارے سے نماز پڑھنا اور سفر میں نمازِ قصر پڑھنا اور بیماری میں سخت سفر اور سواری نہ ہونے کی صورت میں روزہ افطار کرنے کی اجازت دینا ﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ﴾ ''اَیْ اِتَّبِعُوْا مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرَاهِیْمَ'' یعنی تم اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی پیروی کرو [یا یہ اختصاص کی بناء پر منصوب ہے] یعنی دین سے مراد تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باپ قرار دیا حالانکہ آپ تمام امت کے باپ نہیں' دراصل یہ اس لیے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ ہیں' اس اعتبار سے آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے بھی باپ ہوئے کیونکہ رسول کی امت اس کی اولاد کے حکم میں ہوتی ہے' چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ''[1] بے شک میں تمہارے لیے باپ کی طرح ہوں ﴿هُوَسَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے' جس کی دلیل حضرت اُبی کی یہ قراءت ہے: ''اَللّٰهُ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ'' ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے گزشتہ کتابوں میں ﴿وَفِيْ هٰذَا﴾ اور اس میں یعنی قرآن مجید میں یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیگر تمام امتوں پر فضیلت و بزرگی عطا کی ہے اور اس نے تمہارا نام اس محترم و معزز نام کے ساتھ مسلمان رکھا ﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ﴾ تاکہ یہ مکرم و محترم رسول تم پر گواہ ہو جائے کہ اس نے بلاشبہ تمہارے پروردگار کا پیغام تم تک ٹھیک ٹھیک پہنچا دیا ﴿وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ کہ تمام رسولوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات ان لوگوں تک پہنچا دیئے تھے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کرامت و نشانی کے ساتھ مخصوص کر لیا ہے اس لیے ﴿فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ پس تم نماز کو اس کے فرائض و واجبات کے ساتھ صحیح طریقے سے ادا کرتے رہو ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور تم زکوٰۃ کو اس کی شرائط کے ساتھ ادا کرو ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط و مستحکم بناؤ اور اسی پر بھروسا رکھو اور تم نماز اور زکوٰۃ پر بھروسا نہ کرو ﴿هُوَمَوْلٰىكُمْ﴾ وہی تمہارا مولیٰ ہے یعنی تمہارا مالک ہے اور تمہارا مددگار ہے اور تمہارے تمام معاملات کا وہی متولی و منتظم ہے ﴿فَنِعْمَ الْمَوْلٰى﴾ سو وہ بہت اچھا مالک و مددگار ہے کیونکہ وہ تمہاری نافرمانیوں پر تمہارا رزق نہیں روکتا ﴿وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ اور وہ بہت اچھا مددگار ہے یعنی صرف وہی سب سے اچھا مددگار ہے کیونکہ وہی تمہاری اطاعت پر تمہاری مدد کرتا ہے اور بے شک وہ ضرور کامیاب و کامران ہے' جس کا مالک و مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔

اٰیاتہا ۱۱۸ رکوعاتہا ۶	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝	سورۃ المؤمنون مکیۃ ۷۴

الجزء ۱۸

سورۃ المؤمنون مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۝ اس کی ایک سو اٹھارہ آیات' چھ رکوع ہیں

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲

[1] رواہ ابوداؤد فی کتاب الطہارۃ' باب:۴' النسائی فی کتاب الطہارۃ' باب:۳۵' ابن ماجہ فی کتاب الطہارۃ' باب:۱۶' احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۲۴۷-۲۵۰

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾

وقف لازم

بے شک مؤمن کامیاب ہو گئے O وہ جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں O اور وہ جو بے ہودہ کاموں سے منہ پھیرنے والے ہیں O اور وہ جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں O اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں O ماسوا اپنی بیویوں کے یا اپنی لونڈیوں کے' سو بے شک ان میں انہیں ملامت نہیں کی جائے گی O پھر جس نے ان کے علاوہ کسی کو طلب کیا تو وہی حد سے بڑھنے والے ہیں O اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں O اور وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں O

کامیاب مؤمنوں کی صفات کا بیان

۱- ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک ایمان دار لوگ کامیاب و کامران ہو گئے ۔[حرف ''قد'' ''لَمَّا'' کی نقیض ہے کیونکہ ''قد'' متوقع کے ثبوت کے لیے آتا ہے اور جب کہ ''لَمَّا'' اس کی نفی کرنے کے لیے آتا ہے] اور مؤمن حضرات اس طرح کی بشارت کی توقع اور امید رکھتے ہیں اور یہ ان کے لیے کامیابی کے ثبوت کی اطلاع ہے' پس ان کو اس (حرفِ ''قد'') کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے' جو اس چیز کے ثبوت پر دلالت کرتا ہے' جس کی انہیں توقع ہے اور ''فلاح'' کا معنی ہے: مطلوب کو پانے میں کامیاب ہو گئے اور جس سے وہ ڈرے اور نفرت کی اس سے نجات حاصل کر لی (یعنی جنت کو پالیا' دوزخ سے نجات حاصل کر لی) اور لغت میں ایمان کا معنی تصدیق کرنا ہے اور لغت میں مؤمن تصدیق کرنے والے کو کہتے ہیں اور شریعت میں ہر وہ شخص' جس نے توحید و رسالت کی گواہی دی ہو' جب کہ اس کا دل اس کی زبان کے موافق ہو کہ زبان سے اقرار ہو دل میں تصدیق ہو تو وہ مؤمن ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: بول' تو اس نے تین مرتبہ کہا: ''قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ'' میں ہر بخیل ریاکار پر حرام ہوں[1] کیونکہ ریاکاری سے تمام بدنی عبادتیں ضائع ہو جاتی ہیں اور بخیل کی مالی عبادت ہوتی ہی نہیں۔

۲- ﴿الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ وہ جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں (یعنی) دل میں ڈرنے والے ہیں' اعضاء کے ساتھ امن و سکون والے ہیں اور بعض نے فرمایا کہ نماز میں خشوع یہ ہے کہ بندہ اپنی پوری توجہ اور ہمت نماز ہی میں مرکوز رکھے اور نماز کے علاوہ ہر چیز سے منہ پھیر لے اور اس کی نظر نماز گاہ سے تجاوز نہ کرے اور یہ کہ نمازی نماز میں دائیں اور بائیں نہ دیکھے اور نماز میں اپنے جسم اور کپڑوں کے ساتھ نہ کھیلے اور سدل نہ کرے (یعنی چادر یا رومال وغیرہ کندھوں پر یا سر پر ڈال کر بغیر لپیٹے سیدھا سینے کی طرف نہ لٹکا دے) اور نہ اپنی انگلیوں کو چٹخائے اور نہ کنکروں اور روڑوں کو الٹ پلٹ کرے اور اسی طرح دوسرے نماز کے منافی کام نہ کرے' اور حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خشوع یہ

[1] رواہ ابونعیم فی صفۃ الجنۃ رقم الحدیث: ۱۷' ابن ابی الدنیا کما فی النہایۃ ج ۲ ص ۳۸۴

ہے کہ قول میں اخلاص ہو قیام میں تعظیم ہو اور یقین تام ہو اور اہتمام پورا ہو۔ نماز کی نسبت نمازیوں کی طرف کی گئی ہے اور جس ذاتِ اقدس کے لیے نماز پڑھی جا رہی ہے اس کی طرف نسبت نہیں کی گئی کیونکہ نماز پڑھنے کا فائدہ صرف اکیلے نمازی کو ہوگا کہ یہ نماز اس کی تیاری اور ذخیرۂ آخرت بنے گی لیکن جس کے لیے نماز پڑھی جاتی ہے وہ تو نماز وغیرہ سے بے نیاز ہے۔

۳۔ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾ اور وہ جو بے ہودہ کاموں سے منہ پھیرنے والے ہیں۔ ''لغو'' ہر اس بے ہودہ اور ردّی کلام کو کہا جاتا ہے جس کا حق یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے جیسے جھوٹ اور گالی دینا اور مذاق اڑانا اور ناشائستہ گفتگو کرنا یعنی وہ نیک کاموں میں اس قدر جدوجہد کرتے ہیں کہ بے ہودہ کلام کرنے سے دور رہتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے نماز میں ان کی صفت خشوع کو بیان کیا تو اس کے بعد لغو و بے ہودہ کلام سے اعراض کی صفت کو بھی بیان کر دیا تاکہ ان میں کرنے والے کاموں کی صفت اور نہ کرنے والے کاموں کی صفت دونوں جمع ہو جائیں یہی دونوں نفس پر سخت گراں ہوتے ہیں یہی دونوں تکلیف کی بناء کی بنیاد ہیں۔

٤۔ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ﴾ اور وہ جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔ ''فاعلون'' بہ معنی ''مُؤَدُّوْنَ'' ہے اور لفظ ''فاعلون'' دوام و ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے جب کہ ''مُؤَدُّوْنَ'' اس کے برعکس دوام پر دلالت نہیں کرتا اور بعض نے فرمایا کہ زکوٰۃ اسم مشترک ہے جو عین مال پر بولا جاتا ہے اور یہ وہ مقدار ہے جس کو زکوٰۃ ادا کرنے والا نصاب کے مال میں سے نکال کر فقیر و محتاج کو دے دیتا ہے اور یہ معنی پر بھی بولا جاتا ہے اور یہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کا فعل ہے جسے ''تزکیه'' (زکوٰۃ ادا کرنا) کہا جاتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو ''فٰعِلُوْنَ'' قرار دیا گیا ہے کیونکہ لفظ فعل تمام افعال میں عام ہے اور سب کو شامل ہے جیسے مارنا قتل کرنا وغیرہما اور تم کہہ سکتے ہو کہ ''ضَارِبٌ'' کے لیے ضرب کا فعل اور ''قَاتِلٌ'' کے لیے قتل کا فعل اور ''مُزَكِّي'' کے لیے زکوٰۃ ادا کرنے کا فعل ہے [''لِلزَّكٰوةِ'' میں لام اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ مفعول مقدم ہے اور اسم فاعل عمل کرنے میں ضعیف ہوتا ہے پس تم ''هٰذَا ضَارِبٌ لِزَيْدٍ'' کہہ سکتے ہو لیکن تم ''ضرب لزید'' نہیں کہہ سکتے]۔

۵۔ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ﴾ اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور لفظ فرج مرد اور عورت دونوں کی شرمگاہ کو کہا جاتا ہے۔

٦۔ ﴿اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ﴾ ماسوا اپنی بیویوں کے [یہ محلاً حال واقع ہو رہا ہے] یعنی مگر جو اپنی بیویوں کے والی ہیں یا ان پر نگران مقرر ہیں جیسے تمہارا قول ہے کہ ''کان زیاد علی البصرة'' یعنی زیاد بصرہ پر حاکم مقرر ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک یہ لوگ اپنی شرمگاہوں کی تمام احوال میں حفاظت کرنے والے ہیں ماسوا اپنی بیویوں کے ساتھ اور اپنی لونڈیوں کے ساتھ مباشرت کی حالت میں [یا ''عَلٰى'' محذوف کے ساتھ متعلق ہے جس پر ''غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ'' دلالت کر رہا ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ انہیں اپنی بیوی کے علاوہ پر ملامت نہیں کیا جائے گا یعنی انہیں ہر مباشرت پر ملامت کیا جائے گا ماسوا اس حالت کے جس پر ''فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ'' کا اطلاق کیا جاتا ہے اور فراء نے کہا: ''اِلَّا مِنْ اَزْوَاجِهِمْ'' ہے یعنی ان کی بیویوں کے علاوہ پر ﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ یا وہ (لونڈیاں) جو ان کی مِلک میں ہیں یعنی ان کی لونڈیاں مراد ہیں اور لفظ ''ما'' کی بجائے لفظ ''مَنْ'' نہیں بولا گیا اس لیے کہ مملوک غیر عقلاء کے قائم مقام ہوتا ہے اور اس لیے اسے فروخت کر دیا جاتا ہے جیسے جانوروں کو فروخت کیا جاتا ہے ﴿فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ﴾ سو بے شک انہیں ملامت نہیں کی جائے گی یعنی ان پر کوئی ملامت نہیں کی جائے گی اگر وہ اپنی عورتوں اور اپنی لونڈیوں کی شرمگاہوں کی حفاظت نہ کریں (بلکہ انہیں استعمال کریں کہ یہ جائز ہے)۔

۷۔﴿ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ ﴾ سو جس نے اپنی شہوت کو پورا کرنے کے لیے ان دو طریقوں کے ماسوا کوئی اور طریقہ طلب کیا ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴾ پس یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ یہ لوگ مکمل زیادتی کرنے والے ہیں اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ شہوتِ نفسانی کے ارادہ سے متعہ (عارضی نکاح) کرنا اور ہاتھ سے منی نکالنا حرام ہے۔

۸۔﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ ﴾ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے معاہدے کی پابندی کرتے ہیں اور جس چیز کو کسی کے پاس بطورِ امانت رکھا جائے اور جس چیز پر معاہدہ کیا جائے اس کو امانت اور عہد کہتے ہیں اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا'' (النساء:۵۸) ''بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم لوگوں کی امانتیں ان کے مالکوں کو ادا کر دو''۔ اور بعینہٖ وہی چیز ادا کی جائے گی اس کا بدل نہیں اور اس سے عموم مراد ہے' پس ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کی مخلوق کی طرف سے کسی کو بطورِ امانت عطا کی جائے اور اس سے اس چیز پر معاہدہ کیا جائے وہ امانت وعہد میں داخل ہے [ابن کثیر مکی اور سہل کی قراءت میں ''لِاَمَانَتِهِمْ'' ہے] ﴿ رٰعُوْنَ ﴾ ''رَاعُوْنَ'' بہ معنی ''حَافِظُوْنَ'' ہے یعنی وہ اپنی امانتوں اور عہد کی حفاظت کرتے ہیں اور ''رَاعِی'' کسی چیز کی حفاظت واصلاح کے لیے مقرر نگران کو کہا جاتا ہے جیسے بکریوں کا چرواہا ان کی نگرانی کرتا ہے۔

۹۔﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴾ اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں (یعنی) وہ نمازوں کو ہمیشہ ان کے اوقات میں ادا کرتے ہیں اور نماز کا دوبارہ ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ تمام عبادات میں اہم ترین عبادت ہے اور اس لیے بھی دوبارہ ذکر کیا گیا ہے کہ پہلے نماز میں خشوع وخضوع اختیار کرنے کا ذکر تھا جب کہ اس آیت مبارکہ میں نمازوں کی حفاظت کا ذکر ہے۔ یہ دونوں صفات ایک دوسرے کے مغائر ہیں اور (تیسری وجہ یہ ہے کہ) نماز کا ذکر دوبارہ اس لیے کیا گیا ہے کہ پہلے واحد ذکر کیا گیا ہے تاکہ جنس نماز میں خشوع وخضوع اختیار کرنے کا افادہ حاصل ہو' خواہ کوئی نماز ہو اور آخر میں یہاں جمع ذکر کیا گیا ہے تاکہ نماز کی تمام اقسام کی حفاظت کا افادہ ہو خواہ فرائض میں سے ہو' خواہ واجبات میں سے ہو' خواہ سنن ونوافل میں سے ہو [ابوبکر کے علاوہ باقی اہل کوفہ کے قراء کے نزدیک ''صَلَاتِهِمْ'' ہے]۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

یہی لوگ وارث ہیں○ جو (جنتِ) فردوس کے وارث ہوں گے' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے○ اور بے شک ہم نے انسان کو چنی ہوئی مٹی سے پیدا کیا○ پھر ہم نے اسے نطفہ بنا کر ایک محفوظ مقام میں رکھا○ پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا' پھر ہم نے اس لوتھڑے کو نرم بوٹی بنا دیا' پھر ہم نے اس نرم بوٹی سے ہڈیوں کو پیدا کیا' پھر ہم نے ہڈیوں کو گوشت پہنایا' پھر ہم نے اس کو دوسری صورت میں پروان چڑھایا' سو اللہ تعالیٰ بڑا بابرکت ہے جو سب سے بہترین خالق ہے○ پھر بے شک تم

اس کے بعد ضرور مرنے والے ہوO پھر بے شک قیامت کے دن تم اٹھائے جاؤ گےO

۱۰-﴿اُولٰٓىِٕكَ﴾ یہی لوگ ان مذکورہ بالا اوصاف کے جامع ہیں ﴿هُمُ الْوٰرِثُوْنَ﴾ وہی اس لائق ہیں کہ انہیں (جنت کا) وارث قرار دیا جائے ان کے ماسوا کو نہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ''وَارِثِیْنَ'' کا ترجمہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

۱۱-﴿الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ﴾ جو کفار کے وارث بنیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ تم میں سے ہر ایک آدمی کے دو ٹھکانے ہیں' ایک ٹھکانا جنت میں اور ایک ٹھکانا دوزخ میں' پھر اگر وہ مر گیا اور جنت میں داخل ہو گیا تو دوزخی اس کے دوزخ والے ٹھکانے کے وارث بن جائیں گے اور اگر وہ مر گیا اور دوزخ میں داخل ہو گیا تو جنتی لوگ اس کے جنت والے ٹھکانے کے وارث بن جائیں گے[1] ﴿الْفِرْدَوْسَ﴾ ''فردوس'' بہت بڑے وسیع باغ کو کہا جاتا ہے' جو پھلوں کی تمام اقسام کے جامع ہوتا ہے اور علامہ قطرب نے کہا کہ یہ جنت کا اعلیٰ ترین مقام ہے ﴿هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے [''فردوس'' کو جنت کی تاویل میں مؤنث قرار دیا گیا ہے (اس لیے کہ ''فیھا'' میں مؤنث ضمیر مذکور ہے)]۔

انسان کے تخلیقی مراحل اور قدرتِ الٰہی کا بیان

۱۲-﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ اور بے شک ہم نے انسان کو یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ﴿مِنْ سُلٰلَةٍ﴾ چنی ہوئی مٹی سے [اس میں حرف ''مِنْ'' ابتداء کے لیے ہے] اور ''سلالۃ'' کا معنی خلاصہ ہے کیونکہ اس مٹی کو بھی عام گدلی اور میلی مٹی کے درمیان میں سے منتخب کر کے تیار کیا گیا تھا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جس مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا اس کا نام ''سُلٰلَة'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس مٹی کو ہر قسم کی مٹی سے چن کر تیار کیا گیا تھا ﴿مِّنْ طِیْنٍ﴾ مٹی میں سے [اس میں حرف ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: ''مِنَ الْاَوْثَانِ'' (الحج:۳۰)]

۱۳-﴿ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً﴾ پھر ہم نے اسے نطفہ بنا دیا' یعنی ہم نے اس کی نسل کو تھوڑے سے پانی (منی) سے بنایا ہے [پھر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا] کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو نطفہ نہیں بنایا گیا اور یہ اس ارشاد کی طرح ہے کہ ''وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍO ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍO'' (السجدۃ: ۷۔۸) ''اور اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش مٹی سے شروع فرمائیO پھر اس کی نسل کو حقیر پانی کے خلاصہ سے پیدا فرمایاO'' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ''انسان'' سے بنی آدم مراد ہیں اور ''سلالۃ'' کا معنی ہے: مٹی' اور عرب کے لوگ نطفہ کو ''سلالۃ'' کہتے ہیں یعنی بے شک ہم نے انسان کو ''سلالۃ'' سے یعنی نطفہ سے پیدا کیا یعنی مٹی سے پیدا ہونے والے کے نطفہ سے پیدا کیا اور وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں ﴿فِیْ قَرَارٍ﴾ قرار گاہ میں یعنی رحم میں ﴿مَّكِیْنٍ﴾ محفوظ و مضبوط۔

۱۴-﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً﴾ پھر ہم نے نطفہ کو جامد خون کا ٹکڑا بنا دیا [''خَلَقْنَا'' بہ معنیٰ ''صَیَّرْنَا'' ہے' جس کی دلیل اس کا دو مفعولوں کی طرف متعدی ہونا ہے جب کہ ''خلق'' ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے] اور معنی یہ ہے کہ ہم نے سفید پانی کو سرخ رنگ کا جامد خون بنا دیا ﴿فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً﴾ پھر ہم نے اس جمے ہوئے خون کو اس قدر نرم گوشت کا ٹکڑا بنا دیا جس کو چبایا جا سکے ﴿فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا﴾ پھر ہم نے اس گوشت کے لوتھڑے میں ہڈیاں پیدا کیں ﴿فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا﴾ پھر ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت پہنا دیا یعنی ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت اُگا دیا' پس وہ ان کے لیے لباس کی طرح ہو گیا[2] [ابن عامر شامی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں پہلی جگہ ''عظمًا'' اور دوسری جگہ ''العظم'' ہے اور

---

[1] رواہ ابن ماجہ فی کتاب الزہد باب: ۳۹' رقم الحدیث: ۴۳۴۱

[2] حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسولِ خدا حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یعقوب کی روایت میں جناب زید کی قراءت میں پہلی جگہ "عظمًا" دوسری جگہ "العظام" ہے جب کہ ابوزید کی قراءت میں پہلی جگہ "عظامًا" اور دوسری جگہ "العظم" ہے۔ واحد کو جمع کی جگہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں التباس نہیں ہے کیونکہ انسان میں بہت زیادہ ہڈیاں ہوتی ہیں] ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ﴾ پھر ہم نے اسے دوسری تخلیق میں پروان چڑھایا' جو پہلی تخلیق کے مغائر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جان دار بنا دیا حالانکہ وہ پہلے بے جان تھا اور اسے بولنے والا اور سننے والا اور دیکھنے والا بنایا' جب کہ وہ اس سے پہلے ان صفات کے برعکس تھا اور اس لیے ہم (احناف) کہتے ہیں: جب کسی شخص نے ایک انڈا غصب کیا اور اس کے پاس اس انڈے سے چوزا پیدا ہو گیا تو اس کا غاصب انڈے کا ضامن ہو گا اور چوزا واپس نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ انڈے کے برعکس دوسری تخلیق ہے ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ﴾ سو اللہ تعالیٰ بڑی برکتوں والا ہے' پس اس کی شان اور اس کی قدرت و علم بہت بلند ہے ﴿اَحْسَنُ﴾ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر ہے [یہ بدل ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے اور یہ صفت نہیں ہے کیونکہ یہ نکرہ ہے اور اگر مضاف مانا جائے تو اس لیے کہ مضاف الیہ "مِنْ" کے عوض میں ہوتا ہے] ﴿الْخٰلِقِيْنَ﴾ یہ بہ معنیٰ "مُقَدِّرِيْنَ" ہے "اَیْ اَحْسَنُ الْمُقَدِّرِيْنَ تَقْدِيْرًا" یعنی اللہ تعالیٰ سب سے بہتر مناسب و موزوں اندازے سے بنانے والا ہے' پھر تمیز کے ذکر کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ "الخالقین" اس پر دلالت کر رہا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کاتب تھا' جب اس نے ان آیات کو لکھنا شروع کیا تو یہی جملہ لکھنے سے پہلے بے ساختہ اس کی زبان پر جاری ہو گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے فرمایا کہ مجھ پر اسی طرح نازل ہوا ہے تو عبد اللہ بن سعد نے کہا: اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہیں' جن کی طرف وحی کی جاتی ہے تو میں بھی نبی ہوں کہ میری طرف بھی وحی کی گئی ہے اور وہ مرتد ہو کر مکہ شریف جا پہنچا' پھر کچھ عرصہ بعد فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گیا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ حکایت صحیح نہیں ہے اس لیے کہ عبداللہ مدینہ منورہ میں مرتد ہوا جب کہ یہ سورت مکی ہے اور بعض نے فرمایا کہ یہ کلام بولنے والے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے یا حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

١٥- ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ پھر بے شک ہم نے تمہارے معاملے کا اوپر جو ذکر کیا ہے اس کے بعد تم ﴿لَمَيِّتُوْنَ﴾ ضرور اپنی مدتِ حیات پوری کرنے کے بعد مرنے والے ہو۔

١٦- ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ﴾ پھر بے شک تمہیں قیامت کے دن اٹھایا جائے گا (یعنی) تمہیں جزاء کے لیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) صادق و مصدوق ہیں: بے شک تم میں سے کسی ایک کی خلقت کو اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ (منی) کی صورت میں رکھا جاتا ہے' پھر وہ چالیس روز تک جما ہوا خون بن کر رہتا ہے' پھر وہ گوشت کا لوتھڑا بن کر چالیس روز تک رہتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتے کو بھیجتا ہے جو چار کلمات لکھتا ہے: (١) وہ اس کا عمل لکھتا ہے (٢) وہ اس کی موت و حیات لکھتا ہے (٣) اس کا رزق لکھتا ہے (٤) اور اس کا نیک بخت ہونا یا اس کا بدبخت ہونا لکھتا ہے' پھر وہ اس میں روح پھونک دیتا ہے' پس اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے! تم میں سے کوئی شخص اہل جنت کے عمل جیسے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے' پھر اس پر تقدیر کا لکھا سبقت کر جاتا ہے اور وہ اہل دوزخ کے عمل جیسے عمل کرنا شروع کر دیتا ہے اور وہ دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور تم میں سے کوئی شخص دوزخیوں کے عمل جیسے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر کا لکھا سبقت کر جاتا ہے' پس وہ جنتیوں والے عمل کرنے لگ جاتا ہے اور وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ متفق علیہ

(تفسیر مظہری ج ٦ ص ٣٦٩' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر ابن کثیر مترجم زیر بحث آیت' ص ٦)

زندہ کیا جائے گا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾

وقف لازم

اور بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے ہیں' اور ہم مخلوق سے بے خبر نہیں ہیں O اور ہم نے آسمان سے ایک مقدار پر زمین پر پانی برسایا' اور بے شک ہم اس کے لے جانے پر ضرور قادر ہیں O پھر ہم نے اس کے ذریعے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے' ان میں تمہارے لیے بہت سے میوے ہیں اور انہیں میں سے تم کھاتے ہو O اور ایک ایسا درخت (بھی ہم نے پیدا کیا ہے) جو طورِ سیناء سے نکلتا ہے' وہ روغنِ زیتون اور کھانے والوں کے لیے سالن لیے ہوئے اُگتا ہے O

۱۷- ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے تمہارے اوپر سات راہیں پیدا کیں۔ ''طرآئق'' ''طریقة'' کی جمع ہے اور ''طریقة'' کا معنی ہے: راستہ تو ''طرائق'' کے معنی ہوئے: راستے اور اس سے سات آسمان مراد ہیں کیونکہ یہ فرشتوں کی راہیں ہیں اور ان کے آنے جانے کی شاہراہیں ہیں ﴿وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ﴾ اور ہم مخلوق سے بے خبر نہیں ہیں۔ ''خلق'' سے ساتوں آسمان مراد ہیں گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کو لوگوں کے اوپر بنادیا ہے اور ہم ان سے اور ان کی حفاظت سے غافل و بے خبر نہیں ہیں یا پھر ''خلق'' سے انسان مراد ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو انسانوں کے اوپر اس لیے پیدا فرمایا تا کہ ان سے انسانوں پر رزق اور برکتیں کھول دی جائیں اور اللہ تعالیٰ ان سے اور ان کی مصلحتوں سے غافل و بے خبر نہیں ہے۔

۱۸- ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا (یعنی) ہم نے آسمان سے بارش برسائی ﴿بِقَدَرٍ﴾ ایک معیّن اندازہ کے مطابق کہ لوگ اس کے ساتھ مضرت و نقصان سے سلامت رہیں اور اس سے منفعت و فائدے وصول کریں یا یہ معنی ہے کہ ہم نے اپنے علم کے مطابق اتنی مقدار میں بارش برسائی جتنی لوگوں کو ضرورت تھی ﴿فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ﴾ سو ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرالیا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ'' (الزمر:۲۱) ''سو اللہ تعالیٰ نے زمین میں اس سے چشمے بنائے''۔ اور بعض نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کو زمین میں ثابت رکھا' پس زمین کا تمام پانی آسمان سے اترتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو شکر ادا کرنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ﴾ اور بے شک ہم اس کے لے جانے پر قادر ہیں یعنی ہم جس طرح بارش کے برسانے پر قادر ہیں اسی طرح ہم اس کے لے جانے پر بھی قادر ہیں' سو تم اس نعمت کو شکر ادا کر کے قید کرلو۔

۱۹- ﴿فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ﴾ پھر ہم نے اس کے ساتھ (یعنی) بارش کے ذریعے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے ﴿لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ﴾ ان باغات میں تمہارے لیے بہت زیادہ میوے

ہوتے ہیں' جو کھجوروں اور انگوروں کے علاوہ ہیں ﴿ وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ ﴾ اور انہیں میں سے تم کھاتے ہو یعنی باغات میں سے یعنی ان کے پھلوں میں سے اور ممکن ہے کہ یہ عرب کے اس قول سے ہو کہ فلاں آدمی اپنے ہنر سے کھاتا ہے' جس ہنر سے کماتا ہے اور اپنے پیشہ سے کھاتا ہے' جس پیشہ سے وہ غلہ حاصل کرتا ہے یعنی بے شک اس کا کھانا اور اس کا سبب وہی ہے جس سے اس کا رزق حاصل ہوتا ہے' گویا فرمایا کہ یہ باغات تمہارے رزق اور تمہاری معیشت کے اسباب ہیں' جن سے تمہیں رزق عطا کیا جاتا ہے اور جن کے ذریعے تم پُرسکون زندگی گزارتے ہو۔

۲۰۔ ﴿ وَشَجَرَةً ﴾ [یہ ''جَنّٰتٍ'' پر معطوف ہے] جس کے مطابق معنی یہ ہوگا: سو ہم نے اس بارش کے ذریعے تمہارے لیے ایک درخت پیدا کیا ہے اور وہ زیتون کا درخت ہے ﴿ تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ ﴾ وہ طور سیناء سے نکلتا ہے [طور سیناء اور طور سینین دو حال سے خالی نہیں یا تو طور اس جگہ کی طرف مضاف ہے' جس کا نام سیناء اور سینون ہے یا پھر یہ ایک پہاڑ کا نام ہے' جو مضاف اور مضاف الیہ سے مرکب ہے جیسے امرء القیس مرکب نام ہے اور یہ طور سیناء فلسطین کا ایک پہاڑ ہے اور سیناء ہر حال میں معرفہ اور عجمہ ہونے کی بناء پر غیر منصرف ہے اور یہ ابوعمرو بصری اور اہل حجاز کی قراءت میں مکسور العین ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء کے نزدیک مفتوح العین ہے اس لیے کہ اس کا الف تانیث کا ہے جیسے صحراء ہے] ﴿ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ ﴾ تیل کے ساتھ اُگتا ہے۔ علامہ زجاج نے کہا کہ ''بَا'' حال کے معنی میں ہے یعنی وہ درخت اس حال میں اُگتا ہے کہ اس کے ساتھ تیل ہوتا ہے [ابن کثیر مکی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''تُنْبِتُ'' (تا پر پیش) ہے یا تو اس لیے کہ ''اَنْبَتَ'' بہ معنی ''نَبَتَ'' ہے' جیسے یہ قول ہے: ''حَتّٰى اِذَا اَنْبَتَ الْبَقْلُ'' یہاں تک کہ سبزی اُگ گئی یا اس لیے اس کا مفعول لہٗ محذوف ہے] یعنی اس کا زیتون اُگتا ہے اور اس میں خوردنی تیل ہے ﴿ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴾ اور کھانے والوں کے لیے سالن ہے۔ حضرت مقاتل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں سالن اور تیل دونوں پیدا کر دیئے' پس یہ تین چیزیں: سالن' زیتون اور تیل ہے اور بعض نے کہا کہ یہ طوفان کے بعد پہلا درخت ہے جو اگا ہے اور یہ تینوں اقسام مخصوص ہیں اس لیے کہ یہ بزرگ ترین اور افضل ترین درخت ہے اور یہ منافع و فوائد کے اعتبار سے سب سے زیادہ جامع ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور بے شک تمہارے لیے جانوروں میں عبرت ہے' ہم تمہیں اس میں سے پلاتے ہیں' جو ان کے پیٹوں میں ہے اور تمہارے لیے ان میں بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے ہو○ اور ان پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار کیا جاتا ہے○ اور بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا' اس نے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو○ سو اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ یہ تو نہیں مگر تمہاری طرح بشر'

وہ چاہتا ہے کہ تمہارا سردار بن جائے' اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فرشتے نازل کر دیتا' ہم نے یہ بات تو اپنے پہلے باپ دادا میں نہیں سنی O

۲۱- ﴿ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ﴾ اور بے شک تمہارے لیے جانوروں میں عبرت ہے۔ ''انعام''. ''نعم'' کی جمع ہے' جس سے اونٹ' گائے اور بکری مراد ہے' نر مادہ سب کو شامل ہے ﴿ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا ﴾ ہم تمہیں اس میں سے پلاتے ہیں' جو ان جانوروں کے پیٹ میں ہے یعنی ہم ان جانوروں کے پیٹوں میں سے تمہارے لیے ہضم ہو جانے والا خالص دودھ نکالتے ہیں [ابن عامر شامی' نافع مدنی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں نون مفتوح (یعنی ''نَسْقِيْ كُمْ'') ہے اور ''سَقٰى وَاَسْقٰى'' دو لغتیں ہیں] ﴿ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ ﴾ اور دودھ کے علاوہ ان میں تمہارے لیے اور بہت سے فائدے ہیں اور وہ فائدے اون' بال اور گوبر وغیرہ ہیں ﴿ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴾ اور ان میں سے یعنی ان کے گوشت میں سے تم کھاتے ہو۔

۲۲- ﴿ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴾ اور خشکی کے سفر میں ان جانوروں پر اور دریاؤں میں کشتیوں پر تمہیں سوار کیا جاتا ہے اور یہ اشارہ ہے کہ جانوروں سے مراد صرف اونٹ ہیں کیونکہ عام طور پر انہیں پر سواری کی جاتی ہے' اس لیے اس کو کشتیوں کے ساتھ متصل بیان کیا گیا ہے کیونکہ اونٹ خشکی کی کشتیاں ہیں۔ ذو رمہ نے کہا کہ ''سَفِيْنَةُ بَرٍّ تَحْتَ خَدِّيْ زِمَامُهَا'' خشکی کی کشتی کی مہار میرے رخسار کے نیچے ہے' اس سے اونٹنی مراد ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ اور قوم کی تکذیب وغیرہ کا تذکرہ

۲۳- ﴿ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو یعنی تم اس کو واحد لاشریک مانو ﴿ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ﴾ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے [''اِلٰهٍ'' کے محل کے اعتبار پر ''غَيْرُهٗ'' مرفوع ہے اور لفظ کے اعتبار پر مجرور ہے اور یہ جملہ مستأنفہ (الگ مستقل) جملہ ہے' جو عبادت کے حکم کی تعلیل کے قائم مقام استعمال ہوا ہے] ﴿ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴾ تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے وہ جو تمہارا پروردگار ہے اور تمہیں پیدا کرنے والا ہے جب کہ تم اس کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو کچھ بھی عبادت کے مستحق نہیں ہیں۔

۲۴- ﴿ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ ﴾ سو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا یعنی ان کے لیڈروں اور بڑے آدمیوں نے اپنے عوام سے کہا کہ ﴿ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ ﴾ یہ نہیں ہے مگر تمہارے جیسا بشر' تمہاری طرح کھاتا ہے اور پیتا ہے ﴿ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ﴾ وہ تم پر فضیلت چاہتا ہے یعنی وہ تمہارا افسر اور سردار و رئیس بننا چاہتا ہے ﴿ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ رسول کو بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیج دیتا ﴿ مَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا ﴾ ہم نے یہ بات نہیں سنی یعنی بشر کو رسول بنا کر بھیجنا یا حضرت نوح علیہ السلام جو توحید کا ہمیں حکم دیتے ہیں اور ہمارے معبودوں کی مذمت بیان کرتے ہیں اور یہ بات ان لوگوں کی طرف سے بطور تعجب کہی گئی ہے کیونکہ وہ لوگ پتھر کے معبود ہونے پر راضی تھے لیکن بشر کے لیے نبوت کو ماننے پر راضی نہیں تھے ﴿ فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴾ ہمارے پہلے باپ دادا میں۔

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٢٦﴾

فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۙ

فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾

وہ تو نہیں مگر ایسا آدمی جسے جنون ہو گیا ہے' سوتم اس کے متعلق ایک عرصہ تک انتظار کروO اس نے کہا: اے میرے پروردگار! تو میری مدد فرما اس بناء پر کہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہےO سو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے ایک کشتی تیار کیجئے' پھر جب ہمارا حکم آئے گا اور تنور جوش مارنے لگے' تو آپ ہر جوڑے میں سے دو کو اس میں داخل کر لینا اور اپنے گھر والوں کو ماسوا اس کے کہ ان میں سے جس پر حکم سبقت کر چکا ہے' اور آپ ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات نہ کرنا' بے شک انہیں غرق کیا جائے گاO

۲۵- ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ بِهٖ جِنَّةٌ﴾ وہ تو نہیں ہے مگر ایسا آدمی' جسے جنون ہو گیا ہے ﴿فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ﴾ سوتم انتظار کرو اور ایک عرصہ تک اس پر صبر کرو یہاں تک کہ ان کا معاملہ کھل کر واضح ہو جائے' پھر اگر اس نے جنون سے افاقہ حاصل کر لیا تو درست ورنہ تم اسے قتل کر دینا۔

۲۶- ﴿قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ﴾ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میری مدد فرما اس لیے کہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ دراصل جب حضرت نوح علیہ السلام ان کے ایمان سے مایوس و ناامید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ سے ان سے انتقام لینے کی دعا کی اور معنی یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے اس لیے تو ان کو ہلاک کر دے کیونکہ حضرت نوح کی مدد کرنے میں ان کو ہلاک کرنا تھا یا یہ کہ اے اللہ! تو میری مدد فرما' اس کے بدلے میں کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے' جیسے تمہارا یہ کہنا کہ "هٰذَا بِذَاكَ اَیْ بَدَلَ ذَاكَ" یہ اس کے ساتھ ہے' یعنی یہ اس کے بدلے میں ہے اور معنی یہ ہوگا: ان کی تکذیب سے لاحق ہونے والے میرے غم کو ان کے خلاف میری مدد فرمانے کی تسلی سے بدل دے۔

۲۷- ﴿فَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِ﴾ سو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی یعنی ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی' سو ہم نے ان کی طرف خفیہ پیغام بھیجا کہ ﴿اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ آپ ہمارے سامنے اور ہماری نگرانی میں ایک کشتی تیار کیجئے یعنی آپ کشتی کو اس حال میں بنائیے کہ آپ کو یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کر رہا ہے اور وہ آپ کو دیکھ رہا ہے یا آپ ہماری حفاظت اور ہماری نگرانی میں ہیں' گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے ساتھ ایسے محافظ و نگران ہیں' جو مسلسل آپ کی اپنی آنکھوں کے سامنے حفاظت و نگرانی کر رہے ہیں تاکہ کوئی شخص آپ کے درپے آزار نہ ہو سکے اور کوئی فسادی آپ کے عمل میں فساد نہ ڈال سکے اور اسی سے اہل عرب کا قول ہے کہ فلاں آدمی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت و نگرانی کی آنکھ ہے ﴿وَوَحْيِنَا﴾ اور ہمارے حکم سے اور ہم نے آپ کو جو تعلیم دی ہے اس کے مطابق کشتی تیار کیجئے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ آپ پرندے کے سینے کے ڈیزائن کے مطابق ایک کشتی تیار کیجئے ﴿فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا﴾ پھر جب ہمارا حکم آئے گا یعنی جب ہمارے حکم سے ہمارا عذاب آئے گا ﴿وَفَارَ التَّنُّوْرُ﴾ اور تنور اُبلنے لگے گا یعنی روٹیاں پکانے والے تنور سے پانی جوش مارتے ہوئے اُبلنے لگے گا یعنی غرق کرنے کا سبب آگ جلانے کی جگہ سے نکالا جائے گا تاکہ ڈرانے اور عبرت حاصل کرنے میں زیادہ بلیغ ہو جائے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ جب آپ دیکھیں کہ پانی تنور سے اُبلنے لگا ہے تو آپ خود اور اپنے ساتھیوں کو کشتی میں سوار کر لینا' پھر جب تنور سے پانی جوش مارنے لگا تو آپ کی بیوی نے آپ کو اطلاع دی اور یہ تنور حضرت

آدم علیہ السلام کا تھا جو نسل بہ نسل منتقل ہوتا ہوا حضرت نوح علیہ السلام تک آن پہنچا اور یہ تنور پتھر سے تیار کیا گیا تھا اور اس کی جگہ میں اختلاف ہے' چنانچہ بعض حضرات نے کہا کہ کوفہ کی جامع مسجد میں تھا اور بعض نے کہا: ملک شام میں تھا اور بعض نے کہا کہ ہند میں تھا ﴿فَاسْلُكْ فِيهَا﴾ پس اس میں یعنی کشتی میں داخل کر لیجئے ﴿مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ﴾ ہر گروہ سے جوڑا' اور وہ نر کا گروہ ہے اور مادہ کے گروہ جیسے اونٹ اور اونٹنی اور گھوڑا اور گھوڑی وغیرہ ﴿اثْنَيْنِ﴾ ایک ہی قسم کے نر مادہ جیسے اونٹ اور اونٹنی اور گھوڑا اور گھوڑی وغیرہ۔ ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ کشتی میں صرف انہیں جانوروں کو سوار کیا گیا' جو بچے جنتے تھے یا انڈے دیتے تھے۔ [امام حفص کی قراءت میں ''مِنْ كُلٍّ'' (بغیر اضافت) ہے یعنی ہر گروہ میں سے ایک جوڑا' جس میں دو فرد نر اور مادہ ہوں۔ ''اثنین''' ''زوجین'' کی تاکید ہے اور توضیحی بیان ہے] ﴿وَاَهْلَكَ﴾ اور اپنے گھر والوں کو (کشتی میں سوار کر لیجئے) یعنی اپنی عورتوں اور اپنی اولاد کو ﴿اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ﴾ مگر جس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہلاک کرنے کا حکم سبقت کر چکا اور اس سے آپ کا بیٹا کنعان اور آپ کی دو بیویوں میں سے ایک بیوی (کنعان کی والدہ) مراد ہیں [سو یہاں ''سَبَقَ'' کے بعد لفظ ''عَلٰی'' ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہاں سبقت کرنے والا حکم ضرر رساں اور نقصان دِہ تھا جیسا کہ (درج ذیل آیات میں) لام کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ان میں سبقت کرنے والا فیصلہ نافع اور مفید ہے' چنانچہ ارشاد ہے: ''وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ'' (الصافات:۱۷۱) ''اور بے شک ہمارے مرسل بندوں کے لیے ہماری بات پہلے ہو چکی ہے''۔ اور اسی طرح یہ آیت مبارکہ ہے کہ ''لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ'' (البقرہ:۲۸۶) ''نیکی کا فائدہ اسی کے لیے' جو اس نے کمائی اور بدی کا نقصان اسی پر ہے' جو اس نے کمائی''۔] ﴿وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ﴾ اور آپ مجھ سے ظالموں کے بارے میں بات نہ کرنا بے شک انہیں غرق کیا جائے گا اور نہ مجھ سے کافروں کی نجات کے بارے میں سوال کرنا کیونکہ میں انہیں یقیناً غرق کر دوں گا۔

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾

پھر جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی پر سوار ہو کر پوری طرح بیٹھ جائیں تو کہنا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' جس نے ہمیں ظالموں کی قوم سے نجات عطا فرمائی O اور کہنا کہ اے میرے پروردگار! آپ مجھے بابرکت جگہ پر اتارنا اور آپ سب سے بہتر اتارنے والے ہیں O بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں اور بے شک ہم ضرور آزمائش کرنے والے ہیں O پھر ہم نے ان کے بعد دوسرا گروہ پیدا فرمایا O سو ہم نے ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر کو بھیجا کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو O

۲۸۔ ﴿فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ﴾ سو جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی پر سوار ہو جاؤ (یعنی) جب تم کشتی پر سوار ہو کر پوری طرح پرسکون ہو کر بیٹھ جاؤ ﴿فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ تو کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں' جس نے ہمیں ظالموں کی قوم سے نجات عطا فرمائی۔ کافروں کی ہلاکت اور ان سے نجات

حاصل کرنے پر حضرت نوح علیہ السلام کو حمد وثناء کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ''فقولوا'' نہیں فرمایا حالانکہ ''فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ'' بہ معنیٰ ''اِسْتَوَیْتُمْ'' ہے کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام مسلمانوں کے نبی اور ان کے امام تھے' پس ان کا کہنا ان کا کہنا تھا' نیز اس میں حضرت نوح کی نبوت کی فضیلت کا اظہار ہے۔

۲۹- ﴿وَقُلْ﴾ اور جب آپ کشتی پر سوار ہونے لگیں اور جب آپ کشتی سے اترنے لگیں تو کہیے: ﴿رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا﴾ اے میرے پروردگار! مجھے بابرکت جگہ پر اتارنا [''مُنْزَلًا'' بہ معنیٰ مصدر ''اِنْزَالًا'' ہے یا بہ معنیٰ ظرف مکان موضع انزال ہے اور ابوبکر کوفی کی قراءت میم مفتوح ''مَنْزِلًا'' یعنی ''مَكَانًا'' ہے] ﴿وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ﴾ اور آپ سب سے بہتر اتارنے والے ہیں اور کشتی میں برکت یہ ہے کہ اس میں سوار ہو کر طوفان سے نجات حاصل کرنا اور صحیح سلامت اترنا ہے اور طوفان کے ختم ہونے پر کشتی سے اترنے کے بعد برکت یہ ہے کہ نسل انسانی کا بڑھنا اور مسلسل خیر اور بھلائیوں کا حاصل ہونا ہے۔

۳۰- ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور ان کی قوم کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس میں یقیناً عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ﴿وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ﴾ اور بے شک ہم قوم نوح کو بہت بڑی آزمائش اور سخت عذاب میں مبتلا کرنے والے ہیں یا ہم ان نشانیوں کے ذریعے اپنے بندوں کو آزماتے ہیں تاکہ ہم دیکھیں کون عبرت حاصل کرتا ہے اور کون نصیحت حاصل کرتا ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَا اٰیَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ'' (القمر:۱۵) ''اور بے شک ہم نے اسے نشانی بنا کر چھوڑا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے''۔ [''اِنْ'' ثقیلہ سے خفیفہ ہے' لام اس کے اور نافیہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک شان اور قصہ یہ ہے کہ ہم آزمانے والے ہیں]۔

حضرت ھود علیہ السلام کی تبلیغ اور کفار کی گستاخی کا تذکرہ

۳۱- ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنَا﴾ پھر ہم نے پیدا فرمایا ﴿مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ ان کے بعد یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد ﴿قَرْنًا اٰخَرِیْنَ﴾ دوسری قوم' عاد کی قوم کے لوگ مراد ہیں' جو حضرت ھود علیہ السلام کی قوم تھی اور اس پر حضرت ھود علیہ السلام کا یہ (درج ذیل) ارشاد شاہد و گواہ ہے: ''وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ'' (الاعراف: ۶۹) ''اور تم یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد جانشین بنایا''۔ چنانچہ حضرت ھود اور ان کی قوم کا قصہ سورتِ اعراف' سورتِ ھود اور سورتِ شعراء میں حضرت نوح اور ان کی قوم کے قصہ کے بعد بیان کیا گیا ہے۔

۳۲- ﴿فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا﴾ سو ہم نے ان میں ایک پیغمبر حضرت ھود علیہ السلام کو بھیج دیا' جو انہیں میں سے تھے یعنی ان کی قوم میں سے تھے [''ارسال'' کو وہاں (''وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ'' میں) ''اِلٰی'' کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے' حرف ''فِیْ'' کے ساتھ متعدی نہیں کیا گیا (جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں اور درج ذیل ارشادات میں حرف ''فی'' کے ساتھ متعدی نہیں کیا گیا ہے' چنانچہ) ارشاد ہے: ''كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِیْٓ اُمَّةٍ'' (الرعد: ۳۰) ''اسی طرح ہم نے آپ کو اس امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے''۔ ''وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ'' (الاعراف: ۹۴) ''اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر ہم نے اس کے باشندوں کو سختی اور تکلیف میں پکڑا تاکہ وہ عاجزی کریں''۔ لیکن یہاں ''امة'' اور ''قریة'' کو ''ارسال'' کا ظرف مکان قرار دیا گیا ہے جیسا کہ رؤبہ کا قول ہے:

"اَرْسَلْتُ فِيهَا مُصْعَبًا ذَا اقْتِحَامٍ" از خود کلام میں دخل اندازی کرنے والے مصعب کو میں نے اس میں بھیج دیا] ﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو [حرف "اَنْ" "مُفَسِّرَہ" ہے جو "اَرْسَلْنَا" کی تفسیر کر رہا ہے یعنی ہم نے رسول کی زبانی ان سے فرمایا کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو]۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝٣٣ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝٣٤ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝٣٥ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۝٣٦ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝٣٧

اور اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا اور انہوں نے آخرت کی ملاقات کو جھٹلا دیا اور ہم نے دنیا کی زندگی میں انہیں مالی خوشحالی عطا فرمائی' یہ تو نہیں مگر تمہاری طرح بشر ہے' وہ اس میں سے کھاتا ہے' جس میں سے تم کھاتے ہو اور جو تم پیتے ہو اسی میں سے وہ پیتا ہے O اور اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی اطاعت اختیار کر لی تو اس وقت تم یقیناً نقصان اٹھاؤ گے O کیا وہ تمہیں یہ وعدہ دیتا ہے کہ بے شک جب تم مر گئے اور تم مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تمہیں یقیناً نکالا جائے گا O وہ بہت دور ہے وہ بہت دور ہے' جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے O وہ تو نہیں مگر یہی ہماری دنیاوی زندگی ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں نہیں اٹھایا جائے گا O

٣٣- ﴿ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ اور ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا [حضرت ھود علیہ السلام کے جواب میں قوم ھود کے قول کا ذکر سورۂ اعراف اور سورۂ ھود میں بغیر واؤ کے ہے کیونکہ سائل کے سوال کی تقدیر پر کہا کہ اس کی قوم نے کیا کہا؟ تو کہا گیا کہ انہوں نے اس طرح کہا اور یہاں واؤ کے ساتھ ہے اس لیے کہ یہاں قوم کے قول کو رسول کے قول پر معطوف کیا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ حصول میں یہ حق اور یہ باطل مجتمع ہو گئے ہیں اور نبی کے لیے جواب ان کے کلام کے ساتھ متصل نہیں' اس لیے یہاں "فَا" نہیں لایا گیا جب کہ قصۂ نوح میں "فَا" کو اس لیے لایا گیا ہے کہ وہاں جواب ان کے قول کے بعد متصل ذکر کیا گیا ہے۔ "اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا" "الملا" کی صفت ہے یا "لِقَوْمِهٖ" کی صفت ہے] ﴿ وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ ﴾ اور انہوں نے آخرت کی ملاقات کو جھٹلا دیا' یعنی انہوں نے آخرت کے ساتھ آخرت میں حساب و کتاب اور ثواب و عذاب وغیرہ جو کچھ اس میں ہو گا سب کو جھٹلا دیا تھا ﴿ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ اور ہم نے دنیا کی زندگی میں انہیں کثرت اموال اور کثرت اولاد عطا فرما کر خوشحال بنا دیا تھا۔ "اَتْرَفْنَا" بہ معنی "اَنْعَمْنَا" ہے یعنی ہم نے بہت زیادہ نعمتیں عطا فرمائیں ﴿ مَا هٰذَآ ﴾ یعنی یہ نبی نہیں ہے ﴿ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴾ مگر تمہارے جیسا بشر ہے' یہ اسی میں سے کھاتا ہے' جس سے تم کھاتے ہو اور اسی میں سے پیتا ہے' جس سے تم پیتے ہو ["تَشْرَبُوْنَ" کے بعد "مِنْهُ" محذوف ہے کیونکہ اس کا ماقبل اس پر دلالت کرتا ہے] یعنی انہوں نے کہا کہ یہ ھود تمہاری قوم میں سے نبوت د

رسالت کا کیسے دعویدار بنتا ہے حالانکہ یہ بھی تمہاری طرح انسان ہے۔

۳۴۔﴿ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ﴾ اور اگر تم نے اپنے جیسے انسان کی اطاعت اختیار کر لی' ان تمام امور میں جن کا وہ تمہیں حکم دیتا ہے اور جن اُمور سے تمہیں منع کرتا ہے ﴿ اِنَّكُمْ اِذًا ﴾ [یہ شرط کی جزاء میں واقع ہے اور ان لوگوں کے لیے جواب ہے' جو ان کی قوم سے ان سے جھگڑا کرتے تھے] بے شک تم اس وقت ﴿ لَّخٰسِرُوْنَ ﴾ ضرور نقصان اٹھاؤ گے' اپنے جیسے انسان کی اطاعت کر کے' اور ان لوگوں کی حماقت تو دیکھئے کہ انہوں نے اپنے جیسے انسان کی اتباع سے انکار کر دیا جب کہ انہوں نے اپنے سے کم تر و عاجز' بے جان مورتیوں اور بتوں کی عبادت شروع کر دی۔

۳۵۔﴿ اَیَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴾ کیا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ بے شک جب تم مر جاؤ گے اور تم مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم یقیناً زمین سے نکالے جاؤ گے' سوال و جواب اور حساب و کتاب اور ثواب و عذاب کے لیے [نافع مدنی' حمزہ' علی کسائی اور حفص کی قراءت میں میم مکسور کے ساتھ "مِتُّمْ" ہے' ان کے علاوہ کے نزدیک میم مضموم کے ساتھ "مُتُّمْ" ہے اور "اَنَّكُمْ" کو دوبارہ تاکید کے لیے لایا گیا ہے اور پہلے اور دوسرے کے درمیان ظرف کے ساتھ فاصلہ بہت اچھا ہے اور "مُخْرَجُوْنَ" پہلے "اَنَّكُمْ" کی خبر ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: "اَیَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ مُخْرَجُوْنَ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا" کیا وہ تمہیں وعدہ دیتا ہے کہ تم یقیناً نکالے جاؤ گے جب کہ تم مر چکے ہو گے اور تم مٹی اور ہڈیاں بن چکے ہو گے]۔

۳۶۔﴿ هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ ﴾ بہت دور ہے بہت دور ہے [یزید کی قراءت میں مکسور ہے اور انہیں سے کسرہ اور تنوین مروی ہے اور علی کسائی "ھَا" پر وقف کرتے ہیں' دوسرے "تَا" پر وقف کرتے ہیں اور یہ اسم فعل ہے اور "بَعُدَ" کے موقع پر واقع ہے اور اس کا فاعل اس کے اندر مضمر ہے] یعنی حشر و نشر کی تصدیق کرنا عقل سے بہت دور ہے یا قیامت کا وقوع عقل سے بہت دور ہے ﴿ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴾ جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے [یا پھر "هَیْهَاتَ" کا فاعل "مَا تُوْعَدُوْنَ" ہے اور لام زائدہ ہے] یعنی مرنے کے بعد زندہ ہو کر قبروں سے اٹھنا اور حشر و نشر کا ہونا عقل سے بہت دور ہے۔

۳۷۔﴿ اِنْ هِیَ ﴾ [یہ ایسی ضمیر ہے' جس کی مراد معلوم نہیں ماسوا اس کے جو اس کے بعد اس کا بیان ہوا ہے اور اس کی اصل ہے: "اِنِ الْحَیَاةُ"] ﴿ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا ﴾ زندگی نہیں ہے ماسوا ہماری اس دنیاوی زندگی کے [پھر "هِیَ" کو "الحیاة" کی جگہ پر رکھا گیا ہے اس لیے کہ خبر اس پر دلالت کر رہی ہے اور اس کو بیان کر رہی ہے] اور معنی یہ ہے کہ اس زندگی کے ماسوا کوئی زندگی نہیں ہے' جس میں ہم رہ رہے ہیں اور جو ہمارے قریب ہے [یہ اس لیے کہ "اِنْ" "نافیہ" "هِیَ" پر داخل ہے جو "حیاة" کے معنی میں ہے' جو جنس پر دلالت کرتا ہے تو جب "اِنْ" نافیہ نے جنسِ حیاۃ کی نفی کی تو "لا" نفی جنس کے برابر ہو گیا] ﴿ نَمُوْتُ وَنَحْیَا ﴾ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں' یعنی ہم میں سے بعض لوگ مر جاتے ہیں اور بعض پیدا ہوتے ہیں' ایک قوم ختم ہو جاتی ہے تو دوسری قوم آ جاتی ہے یا پھر اس میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی ہم زندہ رہتے ہیں' پھر ہم مر جاتے ہیں اور حضرت ابی اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہی قراءت یعنی "نَحْیَا وَنَمُوْتُ" ہے ﴿ وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ﴾ اور ہمیں مرنے کے بعد نہیں اٹھایا جائے گا۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ اِۨفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا
كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ

غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

وہ تو نہیں مگر آدمی جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں ○ اس نے کہا: اے میرے پروردگار! میری مدد فرما اس لیے کہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے ○ فرمایا: تھوڑے ہی عرصہ میں وہ ضرور نادم و شرمندہ ہو جائیں گے ○ پس انہیں ایک سخت چیخ نے حق کے مطابق پکڑ لیا' پھر ہم نے انہیں کوڑا کرکٹ بنا دیا' پس ظالموں کی قوم کے لیے ہلاکت ہے ○ پھر ہم نے ان کے بعد اور قومیں پیدا کیں ○ اور کوئی امت اپنی مدت سے نہ پہلے جا سکتی ہے اور نہ وہ پیچھے رہ سکتی ہے ○ پھر ہم نے مسلسل اپنے رسول بھیجے' جب کسی امت کے پاس اس کا رسول تشریف لایا تو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا اور ہم نے بعض کو بعض کے پیچھے لگا دیا اور ہم نے ان کو قصے کہانیاں بنا ڈالا' جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے لیے ہلاکت ہے ○

۳۸-﴿اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ وہ تو نہیں ہے مگر ایک ایسا آدمی ہے' جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان تراشا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی نبوت کا جو دعویٰ کرتا ہے اور مرنے کے بعد قبروں سے اٹھائے جانے کا جو وعدہ کرتا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان ہے ﴿وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ہم ان پر ایمان لانے والے یعنی تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔

۳۹-﴿قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ﴾ اس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میری مدد فرما' اس لیے کہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی دعا قبول فرمالی اور فرمایا:

۴۰-﴿قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تھوڑا عرصہ بعد اور عنقریب [حرف ''مَا'' زائدہ ہے یا بہ معنیٰ ''شیی'' ہے یا بہ معنیٰ زمانہ ہے اور ''قَلِيْل'' اس سے بدل ہے اور جوابِ قسم محذوف ہے] ﴿لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ﴾ البتہ وہ ضرور پشیمان ہوں گے جب وہ اس عذاب کو ملاحظہ کریں گے' جو ان پر نازل ہوگا۔

۴۱-﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ﴾ پھر انہیں سخت چیخ نے پکڑ لیا یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ کہ اس نے ان پر ایک زوردار چیخ ماری تو ان سب کو ہلاک کر دیا ﴿بِالْحَقِّ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انصاف کے ساتھ۔ کہا جاتا ہے: ''فُلَانٌ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ اَیْ بِالْعَدْلِ'' فلاں آدمی حق کے مطابق یعنی انصاف سے فیصلہ کرتا ہے ﴿فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً﴾ سو ہم نے ان کو کوڑا کرکٹ بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تباہی و بربادی اور ہلاکت کو کوڑے کرکٹ سے تشبیہ دی ہے اور دراصل ''غثاء'' سیلابی پانی کے اوپر جھاگ اور خاشاک اور سیاہ پتے اور ٹوٹی پھوٹی لکڑیوں کو کہا جاتا ہے اور یہی حال قوم ھود کے کافروں کا ہوا تھا ﴿فَبُعْدًا﴾ پس ہلاکت ہے۔ کہا جاتا ہے: ''بَعُدَ بَعْدًا وَبُعْدًا اَیْ هَلَكَ'' وہ دور ہوا دور ہونا یعنی وہ تباہ و برباد اور ہلاک ہو گیا [اور یہ ان مصادر میں سے' جو ایسے پوشیدہ افعال کی وجہ سے منصوب ہوتے ہیں' جن کو ظاہر کر کے استعمال نہیں کیا جاتا] ﴿لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾

ظالموں کی قوم کے لیے (ہلاکت ہے) یہ ان لوگوں کا بیان ہے جن کے لیے ہلاکت کی بددعا کی گئی جیسے "هَيْتَ لَكَ"۔(یوسف:۲۳)

قوم صالح' قوم لوط اور قوم شعیب وغیرہم کا بیان

۴۲۔﴿ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴾ پھر ہم نے ان کے بعد اور قومیں پیدا کیں۔حضرت صالح' حضرت لوط اور حضرت شعیب وغیرہم علیہم السلام کی قومیں۔

۴۳۔﴿ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا ﴾ کوئی امت اپنی اس مدت سے پہلے نہیں جا سکتی' جو اس کے لیے لکھ دی گئی اور جو وقت اس کی ہلاکت کا محدود و مقرر کر دیا گیا اور جو وقت ان کی تباہی کا لکھ دیا گیا ہے وہ اس سے سبقت نہیں کر سکتی [حرف "مِنْ" زائدہ ہے] ﴿ وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴾ اور وہ نہ اس سے پیچھے رہ سکتی ہے۔

۴۴۔﴿ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ﴾ پھر ہم نے اپنے رسولوں کو مسلسل بھیجا ["تَتْرَا" "فَعْلٰى" کے وزن پر ہے اور الف تانیث کا ہے جیسے "سَكْرٰى" اس لیے کہ رُسُل جماعت ہے اور اس لیے اس پر تنوین نہیں لائی گئی کیونکہ یہ غیر منصرف ہے۔ ابن کثیر مکی' ابو عمرو اور یزید کی قراءت "تَتْرًى" تنوین کے ساتھ ہے' اس بناء پر کہ الف الحاقی ہے' جیسے "اَرْطًى" اور یہ دونوں قراءتوں میں حال کی بناء پر منصوب ہے یعنی لگاتار ایک کے بعد ایک اور اس کی پہلی "تَا" دونوں صورتوں میں واؤ سے تبدیل شدہ ہے اور اصل میں "وَتْرٰى" ہے جو "وتر" سے بنا ہے' جس کا معنی ہے: اکیلا' پھر واؤ کو "تَا" سے بدل دیا گیا جیسے "تراث"] ﴿ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ ﴾ جب کبھی کسی امت کے پاس اس کا رسول تشریف لایا تو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا ["رسول" "مُرْسِل" (رسول کو بھیجنے والا) اور "مُرْسَل اِلَيْه" (جس قوم کی طرف رسول کو بھیجا گیا) کے لیے لازم ہے اور اس کی اضافت بھی اسی ملابست و ملازمت کی بناء پر ہے' لہٰذا رسول کی اضافت ان دونوں کی طرف درست ہے] ﴿ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا ﴾ سو ہم نے منکر و نافرمان امتوں اور قوموں کو ہلاک کرنے کے لیے ایک دوسرے کے پیچھے لگا دیا (کہ ہم نے ان کو یکے بعد دیگرے ہلاک کر دیا) ﴿ وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ﴾ اور ہم نے ان کو تباہ و برباد کرنے کے بعد قصے کہانیاں بنا دیا کہ لوگ ان کی ہلاکت کے واقعات کو سنتے سناتے ہیں اور ان سے تعجب و عبرت حاصل کرتے ہیں' اور "احادیث" "حدیث" کی اسم جمع ہے اور اسی سے "احادیث النبی" ماخوذ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات' اور نیز "احادیث" "احدوثة" کی جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے' جس کا مطلب ہے کہ وہ قصے کہانیاں' جن کو لوگ کھیل تماشے کے لیے بیان کرتے ہیں' ایک دوسرے سے سنتے سناتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں اور یہاں یہی معنی مراد ہے ﴿ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ پس ہلاکت و تباہی اسی قوم کے لیے ہے جو ایمان نہیں لاتی۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ ع

پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ بھیجا○ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف سوانہوں نے تکبر کیا اور وہ سرکش لوگ تھے○ سوانہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں اور ان کی قوم تو ہماری غلام ہے○ سوانہوں نے ان دونوں کو جھٹلا دیا پس وہ ہلاک ہونے والے میں سے کر دیئے گئے○ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تا کہ یہ لوگ ہدایت پالیں○ اور ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیا اور ہم نے ان دونوں کو بلند ہموار سرزمین پر جگہ دی جو ٹھہرنے کے قابل صاف پانی والی شاداب جگہ تھی○

حضرت موسیٰ و ہارون کی نبوت' فرعونیوں کی سرکشی اور ابن مریم کی شان کا بیان

۴۵- ﴿ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنی نونشانیوں (نو معجزات) کے ساتھ اور واضح حجت کے ساتھ بھیجا[''ھارون'' ''اخاہ'' سے بدل ہے]۔

۴۶- ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا﴾ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف' سوانہوں نے تکبر کیا اور وہ ایمان کو قبول کرنے سے اس لیے رک گئے کہ وہ اپنے آپ کو بلند اور بڑا تصور کرتے تھے ﴿وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ﴾ اور وہ لوگ بڑے سرکش اور بہت متکبر تھے۔

۴۷- ﴿فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا﴾ سوانہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں؟[''بشر'' واحد' تثنیہ اور جمع ہوتا ہے جب کہ ''مثل'' اور ''غیر'' تثنیہ' جمع' مذکر اور مؤنث کی صفت واقع ہوتے ہیں (جیسے یہاں ''لِبَشَرَيْنِ'' کی صفت ''مِثْلِنَا'' ہے)] ﴿وَقَوْمُهُمَا﴾ اور ان دونوں (بھائیوں) کی قوم یعنی بنی اسرائیل ﴿لَنَا عٰبِدُوْنَ﴾ ہمارے خادم و فرماں بردار ہیں اور ہر وہ شخص جو بادشاہ کا خدمت گزار ہو اس کو عرب کے نزدیک بادشاہ کا عابد یعنی غلام و خادم تصور کیا جاتا ہے۔

۴۸- ﴿فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ﴾ پس انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا اور ہلاک کردہ لوگوں میں سے ہو گئے کہ انہیں غرق کر کے ہلاک کر دیا گیا تھا۔

۴۹- ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ اور بے شک ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو تورات شریف عطا کی ﴿لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ تا کہ وہ لوگ تورات کے احکام و نصائح پر عمل کر کے ہدایت کو پالیں۔

۵۰- ﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً﴾ اور ہم نے حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی ماں حضرت مریم کو نشانی بنایا تا کہ وہ ہماری قدرت پر دلالت کریں' جیسا ہم چاہتے ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر نطفہ کے پیدا کیا گیا۔ دونوں کو ایک نشانی قرار دیا گیا کیونکہ دونوں میں عجوبہ ایک ہے یا مراد یہ ہے کہ ''وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ اٰيَةً وَّاُمَّهٗۤ اٰيَةً'' یعنی ہم نے ابن مریم کو الگ ایک نشانی بنایا اور ان کی ماں کو الگ ایک نشانی بنایا' پھر پہلی کو حذف کر دیا گیا کہ دوسری نشانی اس پر دلالت کرتی ہے ﴿وَّاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ﴾ اور ہم نے ان دونوں کو بلند زمین پر جگہ دی یعنی ہم نے ان کی رہائش گاہ بلند زمین پر بنادی [ابن عامر شامی اور عاصم کی قراءت میں ''رَا'' پر زبر ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک ''رَا'' پر پیش ہے] یعنی بلند زمین اور وہ بیت المقدس یا دمشق یا رملہ یا مصر ہے ﴿ذَاتِ قَرَارٍ﴾ ہموار و کشادہ زمین میں قرار گاہ یا پھلوں اور پانی والی سرزمین یعنی پھلوں اور چشموں کی وجہ سے رہنے والے وہاں ٹھہرتے ہیں ﴿وَّمَعِيْنٍ﴾ اور چشموں والی سرزمین اور زمین کی سطح پر نمودار ہو کر بہنے والا پانی [اور یہ مفعول ہے یعنی اپنے ظہور کے سبب چشمے کا احاطہ کرنے والا' یہ ''عانہ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ بعینہٖ کسی چیز کو گھیر لیتا ہے یا فعیل کے وزن پر ہے کیونکہ اپنے ظہور

اور اپنے بہنے کے سبب بہت نفع دینے والا ہے اور یہ ''ماعون'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: منفعت]۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝۵۱ۭ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝۵۲ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۳ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝۵۴ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝۵۵ۙ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝۵۶ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝۵۷ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۸ۙ

اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو' بے شک تم جو کچھ کرتے ہو میں اسے خوب جاننے والا ہوںO اور بے شک یہ تمہارا دین ایک دین ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں' سو تم مجھ سے ڈروO پھر امتوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑوں میں تقسیم کرلیا' ہر گروہ اسی پر خوش ہے' جو کچھ اس کے پاس ہےO سو انہیں ان کی غفلت میں ایک مدت تک چھوڑ دیجئےO کیا وہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو کچھ مال اور اولاد سے ان کی مدد کر رہے ہیںO تو ہم ان کے لیے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں' بلکہ وہ نہیں سمجھتےO بے شک وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے ہیںO اور جو اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیںO

رسولوں کو رزقِ حلال و عملِ صالح کی تلقین اور کفار کی مذمت

۵۱۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ ﴾ اے رسولو! تم پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ۔ خیال میں رہے کہ یہ ندا اور یہ خطاب اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہے کیونکہ یہ تمام پیغمبر مختلف زمانوں میں الگ الگ بھیجے گئے تھے اور اس کا معنی صرف یہ اطلاع دینا ہے کہ ہر پیغمبر کو اس کے اپنے زمانہ میں یہی خطاب کی گیا اور یہی وصیت کی گئی ہے کہ ہمیشہ رزقِ حلال کمانا اور کھانا ہے تاکہ ہر سننے والے شخص کو یقین ہو جائے کہ تمام پیغمبروں کو اس کے لیے خطاب کیا گیا اور سب کو اسی کی وصیت کی گئی اور مذہبی فریضہ اور حق یہی ہے کہ اس حکم کو لیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے یا یہ خطاب صرف (سرورِ انبیاء حبیبِ کبریا حضرت) محمد مصطفےٰ ﷺ کے لیے ہے (جمع کے ساتھ اس لیے خطاب کیا گیا ہے کہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے زمانہ میں اپنے فضائل ومناقب اور مقامات ومراتب کی وجہ سے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقام پر فائز ہیں (آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام (ہجرت کے بعد) جہاد کے ذریعے حاصل شدہ اموالِ غنیمت میں سے اپنے حصے کے مال میں سے کھایا کرتے تھے یا یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے کیونکہ اس آیت مبارکہ سے پہلے متصل انہی کا ذکر کیا گیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے سوت کاتنے کی اجرت سے کھایا کرتے تھے اور یہ ہاتھ کی کمائی کا کھانا سب سے زیادہ پاکیزہ کھانا ہوتا ہے اور پاکیزہ چیزوں سے رزقِ حلال مراد ہے اور یہ حکم تکلیف کے لیے (یعنی شریعت کی ذمہ داری کی پابندی کے لیے) دیا گیا ہے یا فرحت ولذت کے حصول کے لیے پاکیزہ اور حلال رزق کھانے کا حکم دیا گیا اور یہ حکم آسودگی اور خوش حالی کی اباحت کے لیے دیا گیا ہے ﴿ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ﴾ اور نیک عمل کرو۔ ہر وہ عمل جو شریعت کے موافق ہو وہ نیک عمل کہلائے گا ﴿ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴾ بے شک میں تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہوں' سو میں تمہیں تمہارے

اعمال کے مطابق بدلا دوں گا۔

٥٢- ﴿وَاِنَّ هٰذِهٖٓ﴾ اور بے شک یہ (تمہارا دین ایک دین ہے) [یہ اہل کوفہ کی قراءت کے مطابق ہے اس بناء پر کہ یہ جملہ مستأنفہ (الگ مستقل جملہ) ہے جب کہ اہل حجاز اور ابوعمرو بصری کی قراءت کے مطابق ''اَنَّ'' (ہمزہ پر زبر ہے) بہ معنیٰ ''وَ لِاَنَّ'' ہے یعنی سو تم مجھ سے ڈرو اس لیے کہ بے شک یہ یا پھر ماقبل پر معطوف ہے ''اَیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ وَبِاَنَّ هٰذِهٖ'' یعنی میں تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہوں اور اس لیے کہ بے شک یہ یا اس کی تقدیر یہ ہے: ''وَاعْلَمُوْا اَنَّ هٰذِهٖ'' اور تم جان لو کہ بے شک یہ] ﴿اُمَّتُكُمْ﴾ تمہارا دین ہے یعنی تمہاری ملت اور تمہاری شریعت ہے' جس پر تم قائم ہو ﴿اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ایک دین' ایک ملت ہے اور وہ اسلامی شریعت ہے اور اس کی مثل یہ ارشاد ہے: ''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ'' (آل عمران:١٩) ''بے شک دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے''۔ ﴿وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ﴾ اور میں تمہارا پروردگار ہوں' سو تم مجھ ہی سے ڈرو (یعنی) مجھے واحد لاشریک مانو اور میرے عذاب سے ڈرو' میرے احکام کی مخالفت نہ کرو۔

٥٣- ﴿فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ﴾ پھر امتوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑوں میں بانٹ لیا۔ ''تَقَطَّعَ'' بہ معنیٰ ''قَطَّعَ'' ہے یعنی انہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ﴿زُبُرًا﴾ (''زبور'' کی جمع ہے) یعنی مختلف کتابیں یعنی انہوں نے اپنے دین کو کئی دینوں میں تبدیل کر لیا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ وہ اپنے دین کے متعلق مختلف اور کئی فرقوں میں بٹ گئے اور ہر فرقہ نے الگ ایک کتاب بنالی اور حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور انہوں نے اس میں تحریف کر کے تبدیل کر دیا [اور اسے ''زُبَرًا'' (زاء پر زبر) پڑھا گیا ہے'' زُبْرَة'' کی جمع ہے] یعنی ٹکڑے ﴿كُلُّ حِزْبٍۭ﴾ اپنے دین کے ٹکڑے کرنے والے ان مختلف فرقوں میں سے ہر فرقہ (یعنی تمام فرقے) ﴿بِمَا لَدَیْهِمْ﴾ اپنی اپنی کتاب اور دین یا اپنی اپنی خواہش اور رائے پر ﴿فَرِحُوْنَ﴾ خوش ہیں' سب کے سب یقین وعقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ یقیناً حق پر ہیں۔

٥٤- ﴿فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ﴾ پس انہیں ان کی جہالت وغفلت میں چھوڑ دیئے ﴿حَتّٰى حِیْنٍ﴾ ایک مدت تک یعنی یہاں تک کہ وہ جنگوں میں مارے جائیں یا از خود طبعی موت مر جائیں۔

٥٥'٥٦- ﴿اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ﴾ کیا وہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ بے شک ہم مال و اولاد کے ذریعے ان کی مدد کر رہے ہیں؟ [''اَنَّمَا'' میں ''مَا'' بہ معنیٰ ''اَلَّذِیْ'' ہے اور ''اَنَّ'' کی خبر] ﴿نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ﴾ ہے یعنی ہم ان کے لیے بھلائیوں کے دینے میں جلدی کر رہے ہیں [اور ''انّ'' کی خبر میں اس کے اسم کی طرف ایک ضمیر لوٹتی ہے' جو محذوف ہے اصل میں ''نُسَارِعُ لَهُمْ بِهٖ'' ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک یہ امداد انہیں صرف نافرمانیوں میں ڈھیل دینے کے لیے دی جارہی ہے اور وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ ان کو بھلائیوں کے عطا کرنے میں جلدی کی جارہی ہے اور ان کی اچھی کارکردگی پر صلہ دینے کے لیے انہیں جلد از جلد ثواب دیا جارہا ہے اور یہ آیت مبارکہ معتزلہ کے خلاف حجت ہے' کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی کے ساتھ کوئی کام نہیں کرتا مگر وہی کام کرتا ہے' جو بندے کے لیے کارآمد اور مفید ہو' نقصان دِہ نہ ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں خبر دی ہے کہ انہیں جو مال و دولت اور اولاد و خوشحالی دی جارہی ہے آخرت میں ان کے لیے کوئی بھلائی نہیں ہے اور نہ اس میں ان کے لیے کوئی مصلحت ہے (بلکہ یہ خوشحالی ان کے لیے نقصان دِہ ہے) ﴿بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ﴾ بلکہ وہ لوگ اس کو نہیں سمجھ رہے [''بَلْ'' ''اَیَحْسَبُوْنَ'' کے لیے استدراک ہے] یعنی بلکہ وہ جانوروں کی طرح ہیں' انہیں کوئی شعور نہیں ہے تاکہ وہ اس میں غور وفکر کرتے کہ یہ صرف ڈھیل ہے یا خیر و بھلائی میں سبقت

اللہ تعالیٰ کے اولیائے کرام کی صفات کا بیان

۵۷- پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیائے کرام (یعنی اپنے دوستوں) کا تذکرہ بیان کیا اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ ہُمۡ مِّنۡ خَشۡیَۃِ رَبِّہِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ ﴾ بے شک وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے ہیں یعنی خائف رہتے ہیں۔

۵۸- ﴿ وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ اور وہ لوگ جو اپنے رب تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں' اس کی کتابوں کے درمیان ان لوگوں کی طرح تفریق نہیں کرتے' جنہوں نے اپنے دین میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے اور وہ اہلِ کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) ہیں۔

وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ بِرَبِّہِمۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِیۡنَ یُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوۡا وَّقُلُوۡبُہُمۡ وَجِلَۃٌ اَنَّہُمۡ اِلٰی رَبِّہِمۡ رٰجِعُوۡنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِکَ یُسٰرِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ وَہُمۡ لَہَا سٰبِقُوۡنَ ﴿۶۱﴾ وَلَا نُکَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا وَلَدَیۡنَا کِتٰبٌ یَّنۡطِقُ بِالۡحَقِّ وَہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۶۲﴾ بَلۡ قُلُوۡبُہُمۡ فِیۡ غَمۡرَۃٍ مِّنۡ ہٰذَا وَلَہُمۡ اَعۡمَالٌ مِّنۡ دُوۡنِ ذٰلِکَ ہُمۡ لَہَا عٰمِلُوۡنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذۡنَا مُتۡرَفِیۡہِمۡ بِالۡعَذَابِ اِذَا ہُمۡ یَجۡـَٔرُوۡنَ ﴿۶۴﴾

اور وہ جو اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے O اور جو لوگ (راہِ خدا میں) جو کچھ دیتے ہیں اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل ڈر رہے ہوتے ہیں' بے شک وہ اپنے رب تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں O یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرنے والے ہیں اور وہ ان کے لیے سب سے آگے بڑھنے والے ہیں O اور ہم کسی شخص کو مکلف نہیں کرتے مگر اس کی وسعت کے مطابق اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے' جو حق بولتی ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا O بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں اور ان کے اعمال اس کے سوا کچھ اور نہیں جن کے وہ کرنے والے ہیں O یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب میں پکڑیں گے تو وہ اس وقت اچانک چلائیں گے O

۵۹- ﴿ وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ بِرَبِّہِمۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ ﴾ اور وہ لوگ جو اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے جیسا کہ عرب کے مشرکین اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں وغیرہ کو شرک ٹھہراتے تھے۔

۶۰- ﴿ وَالَّذِیۡنَ یُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوۡا ﴾ اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں یعنی انہوں نے زکوٰۃ و صدقات میں سے جو کچھ دینا ہوتا ہے وہ (جب) دیتے ہیں [اور ''یَاْتُوۡنَ مَا اَتَوۡا'' قصر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے] یعنی انہوں نے جو کچھ کرنا ہوتا ہے وہ کرتے ہیں ﴿ وَّقُلُوۡبُہُمۡ وَجِلَۃٌ ﴾ اور ان کے دل ڈر رہے ہوتے ہیں (یعنی) خوف زدہ ہوتے ہیں کہ کہیں ان کی کسی کوتاہی کی وجہ سے ان کے صدقات قبول نہ کیے جائیں ﴿ اَنَّہُمۡ اِلٰی رَبِّہِمۡ رٰجِعُوۡنَ ﴾ بے شک وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں [جمہور اس پر متفق ہیں کہ تقدیر یوں ہے ''لِاَنَّہُمۡ'' اور یہ ''اِنَّ الَّذِیۡنَ'' کی خبر ہے]۔

۶۱- ﴿ اُولٰٓئِکَ یُسٰرِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ ﴾ یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں (یعنی) وہ لوگ عبادات و اطاعات میں رغبت کرتے ہیں اور ان کو ادا کرنے میں جلدی کرتے ہیں ﴿ وَہُمۡ لَہَا سٰبِقُوۡنَ ﴾ اور وہ ان کے لیے سب سے آگے

بڑھنے والے یعنی وہ لوگ نیکیوں کی وجہ سے بہشتوں میں سبقت کرنے والے یا ان نیکیوں کے سبب وہ لوگوں سے سبقت کر جانے والے ہیں۔

۶۲۔﴿ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ اور ہم کسی شخص کو مکلف نہیں بناتے مگر اس کی وسعت کے مطابق یعنی اس کی طاقت کے مطابق یعنی جس صفت کے ساتھ نیک لوگوں کو موصوف کیا گیا ہے وہ انسانی وسعت و طاقت کی حد سے خارج نہیں ہے اور اسی طرح ہر وہ صفت' جس کا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مکلّف ٹھہراتا ہے اور یہ آیت مبارکہ اس شخص کی تردید کررہی ہے' جو انسانی طاقت سے بڑھ کر کسی کام کے لیے مکلّف ٹھہرانے کو جائز قرار دیتا ہے ﴿ وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ ﴾ اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے یعنی لوحِ محفوظ یا اعمال نامہ ﴿ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾ وہ حق بولتی ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا (یعنی) قیامت کے دن جب اسے پڑھا جائے گا تو اس کی بات سچ اور انصاف پر مبنی ہوگی اور اس میں کسی قسم کی کمی وزیادتی نہیں ہوگی اور ان میں سے کسی کو زیادہ عذاب نہیں دیا جائے گا اور نہ کسی کے ثواب میں کمی کی جائے گی اور نہ کسی کو اس کی ہمت وطاقت سے زیادہ کا مکلّف وذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔

دشمنانِ دین کی کرتوتوں کا بیان

۶۳۔﴿ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا ﴾ بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں (یعنی) بلکہ کفار کے دل ایسی غفلت میں مبتلا ہو چکے ہیں' جس نے ان کے دلوں کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے' اس راہ سے بہت دور ہو چکے ہیں' جس پر مؤمنوں میں سے یہ موصوف حضرات گامزن ہیں ﴿ وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ ﴾ اور اس کے علاوہ ان کے اور اعمال بھی ہیں یعنی اس کے علاوہ ان کے اعمال خبیثہ اور بھی ہیں' جو شریعت کی حدود سے تجاوز کرنے والے غلط اعمال ہیں یعنی ان اعمال کے خلاف ہیں' جن کے ساتھ مؤمنوں کو موصوف کیا گیا ہے ﴿ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴾ وہ ان پر عمل کر رہے ہیں اور وہ ان پر قائم ہیں' وہ ان اعمالِ خبیثہ سے الگ نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں گرفتار کر لے گا۔

۶۴۔﴿ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ ﴾ یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے خوشحال اور مال دار لوگوں کو عذاب میں گرفتار کیا (یعنی) دنیا کے عذاب میں گرفتار کرلیا اور مسلسل سات سال تک کفارِ مکہ کو قحط سالی اور خشک سالی میں مبتلا رکھا گیا (یہاں تک کہ وہ لوگ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے تھے) اور یہ اس وقت ہوا تھا جب حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے خلاف دعائے ضرر فرمائی تھی یا عذابِ دنیا سے جنگ بدر کے دن ان کا قتل کیا جانا مراد ہے ["حَتّٰى" وہ حرف ہے' جس کے بعد کلام کا آغاز ہوتا ہے اور یہ کلام جملہ شرطیہ ہوتا ہے] ﴿ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ ﴾ اچانک وہ چلائیں گے اور چیخ کر فریاد کریں گے اور "الجؤار" کا معنی ہے: فریاد چاہنے کے لیے چیخ کر فریاد کرنا' چنانچہ جواب میں ان سے کہا جائے گا:

لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ ۫ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾

(ان سے کہا جائے گا:) آج تم فریاد کے لیے مت چلاؤ' بے شک ہماری طرف سے تمہاری مدد نہیں کی جائے گیO بے شک میری آیتیں تم پر تلاوت کی جاتی تھیں تو تم الٹے پاؤں بھاگ جاتے تھےO تم تکبر کرتے تھے' اس قرآن کو داستان کہہ کر بے ہودہ بکواس کرتےO تو کیا انہوں نے اس کلام میں غور وفکر نہیں کیا یا ان کے پاس وہ آیا جو ان کے پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آیاO کیا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا' پس وہ اس کے منکر ہو گئے ہیںO یا وہ کہتے ہیں کہ اس کو جنون ہو گیا ہے' بلکہ وہ تو ان کے پاس حق لے کر آیا اور ان میں اکثر لوگ حق سے نفرت کرتے ہیںO

۶۵- ﴿لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ﴾ آج تم فریاد مت کرو کیونکہ آج فریاد کرنا تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا ﴿إِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنصَرُونَ﴾ بے شک ہماری طرف سے تمہاری مدد نہیں کی جائے گی یعنی ہماری طرف سے تمہیں کسی قسم کی مدد و نصرت اور اعانت نہیں پہنچے گی۔

۶۶- ﴿قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ بے شک میری آیتیں یعنی قرآنِ مجید کی آیات تمہیں پڑھ کر سنائی جاتی تھیں ﴿فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ﴾ سو تم الٹے پاؤں بھاگ جاتے تھے (یعنی) تم اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے کی طرف بھاگ جاتے تھے۔ ''نکوص'' کا معنی ہے: ایڑیوں کے بل الٹے پاؤں بھاگ جانا جسے قہقری دوڑ کہا جاتا ہے اور یہ سب سے بڑھ کر بدترین چال چلنا ہے کیونکہ اس طرح دوڑنے والا آدمی اپنے پیچھے کی طرف نہیں دیکھتا۔

۶۷- ﴿مُسْتَكْبِرِيْنَ﴾ کفار مسلمانوں پر تکبر کرنے والے تھے [یہ ''تَنْكِصُوْنَ'' سے حال واقع ہو رہا ہے] ﴿بِهٖ سٰمِرًا﴾ اس کے سبب (یعنی) بیت اللہ شریف کی وجہ سے یا حرم شریف کی وجہ سے کیونکہ کفارِ مکہ کہتے تھے کہ ہم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اس لیے کہ ہم اہل حرم ہیں [اور جس نے ''بِهٖ'' میں ضمیر کا مرجع بیت اللہ کو قرار دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کفارِ مکہ کا بیت اللہ شریف کے ساتھ تکبر کرنا مشہور ہو چکا تھا یا ''مُسْتَكْبِرِيْنَ'' کا ''اٰيَاتِيْ'' کے ساتھ تعلق ہے کیونکہ یہ ''كِتَابِيْ'' کے معنی میں ہے اور ان کا قرآن مجید کے ساتھ تکبر کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ تکبر کی وجہ سے قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں اور ''مُسْتَكْبِرِيْنَ''، ''مُكَذِّبِيْنَ'' کے معنی کو متضمن ہے یعنی وہ تکبر سے قرآن مجید کو جھٹلانے والے ہیں یا ''بِهٖ'' میں ''با'' کا تعلق ''سٰمِرًا'' کے ساتھ ہے] یعنی تم قرآنِ مجید کے ذکر کو داستان تصور کرتے ہو اور تم اس کے بارے میں زبانِ طعن دراز کرتے ہو اور دراصل کفارِ مکہ بیت اللہ شریف کے پاس جمع ہوتے تھے اور وہاں داستانیں بیان کرتے تھے اور ان کے عوام کی داستان قرآن مجید کا ذکر ہوتا تھا اور وہ اس کو کبھی شعر کا نام دیتے اور کبھی جادو کا نام دیتے [اور ''سَامِرْ''، ''حَاضِرْ'' کی طرح جمع پر بھی بولا جاتا ہے اور ''سُمَّارًا'' بھی پڑھا گیا ہے یا ''تَهْجُرُوْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے] ﴿تَهْجُرُوْنَ﴾ تم تکبر کی وجہ سے قرآن مجید کے متعلق بکواس کرتے ہو [یہ ''هُجْر'' سے مشتق ہے' جس کا معنی ہذیان بکنا اور بے ہودہ وفحش باتیں کہنا ہے۔ قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''تُهْجِرُوْنَ'' (بابِ افعال سے) ہے اور یہ ''اَهْجَرَ فِيْ مَنْطِقِهٖ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص فحش اور گندی گفتگو کرتا ہے]۔

۶۸- ﴿اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ﴾ تو کیا انہوں نے اس بات میں غور نہیں کیا؟ (یعنی) کیا انہوں نے قرآن مجید میں غور وفکر نہیں کیا تا کہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ بے شک یہ قرآن مجید واضح طور پر حق ہے' سو وہ اس کی تصدیق کرتے اور اس کو سچا مان لیتے اور جو اس قرآن مجید کو لے کر تشریف لائے ہیں وہ لوگ ان کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرتے اور ان پر ایمان لاتے ﴿اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ یا ان کے پاس وہ آیا جو ان کے پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آیا بلکہ ان کے پاس وہ (رسول اور قرآن) آیا' جو ان کے پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آیا' سو اس لیے انہوں نے اس کا انکار کیا اور

انہوں نے اس کو انوکھا سمجھا۔

۶۹-﴿ اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَہُمْ ﴾ یا پھر انہوں نے اپنے کریم رسول کو نہیں پہچانا (یعنی) کیا انہوں نے (سید عالم حضرت) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو صداقت و امانت داری اور وفورِ عقل اور نسب کے صحیح ہونے اور حسنِ اخلاق سے نہیں پہچانا؟ یعنی انہوں نے ان صفات کی برکت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہچان لیا ہے ﴿ فَہُمْ لَہٗ مُنْکِرُوْنَ ﴾ پس وہ بغاوت و سرکشی اور حسد و بغض کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منکر بن گئے ہیں۔

۷۰-﴿ اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِہٖ جِنَّۃٌ ﴾ یا وہ کہتے ہیں کہ آپ کو جنون ہو گیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سب سے زیادہ عقل مند اور سب سے زیادہ ذہین و ہوشیار ہیں ﴿ بَلْ جَآءَہُمْ بِالْحَقِّ ﴾ بلکہ آپ تو ان کے پاس حق لے کر تشریف لائے ہیں' جو روزِ روشن کی طرح واضح اور سیدھا راستہ بتاتا ہے اور ان کی خواہشات و شہوات کی مخالفت کرتا ہے اور وہ توحید اور دینِ اسلام ہے اور جب انہوں نے آپ کی تردید کرنے اور آپ سے دفاع کرنے کی دلیل نہیں پائی تو انہوں نے آپ کی طرف جنون و دیوانگی کی نسبت کر دی ﴿ وَاَکْثَرُہُمْ لِلْحَقِّ کٰرِہُوْنَ ﴾ اور ان میں سے اکثر لوگ حق سے نفرت کرتے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان میں سے تھوڑے سے لوگ ایسے بھی تھے' جو حق سے نفرت نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اپنی قوم کے خوف اور لوگوں کی عار کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے تھے اور یہ کہ لوگ کہیں گے کہ یہ بے دین ہو گئے ہیں اور اپنا آبائی دین چھوڑ دیا ہے' جیسے جنابِ ابوطالب وغیرہ۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَہْوَآءَہُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْہِنَّ ؕ بَلْ اَتَیْنٰہُمْ بِذِکْرِہِمْ فَہُمْ عَنْ ذِکْرِہِمْ مُّعْرِضُوْنَ ؕ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْـَٔلُہُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّکَ خَیْرٌ ۖ وَّہُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّکَ لَتَدْعُوْہُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰکِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰہُمْ وَکَشَفْنَا مَا بِہِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِیْ طُغْیَانِہِمْ یَعْمَہُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہو جاتا تو تمام آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب تباہ ہو جاتے' بلکہ ہم تو ان کے پاس ان کی نصیحت لائے ہیں' سو وہ اپنی نصیحت سے منہ پھیرنے والے ہیں O کیا آپ ان سے اُجرت مانگتے ہیں' سو آپ کے پروردگار کا اجر و ثواب بہت بہتر ہے' اور وہ سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے O اور بے شک آپ انہیں ضرور سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہیں O اور بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ راہِ راست سے ہٹے ہوئے ہیں O اور اگر ہم ان پر رحم کرتے اور انہیں جو تکلیف پہنچی ہے ہم اسے دور کر دیتے تو وہ ضرور اپنی سرکشی میں اصرار کر کے بھٹکتے رہتے O

۷۱-﴿ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَہْوَآءَہُمْ ﴾ اور اگر حق یعنی اللہ تعالیٰ ان کی خواہشات کے تابع ہو جاتا' جس میں وہ کئی معبودوں کا اعتقاد رکھتے ہیں تو ﴿ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ﴾ البتہ تمام آسمان اور زمین تباہ ہو جاتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''لَوْ کَانَ فِیْہِمَآ اٰلِہَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا'' (الانبیاء:۲۲) ''اگر زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود

ہوتے تو وہ دونوں ضرور تباہ و برباد ہو جاتے''۔ ﴿ وَمَنْ فِيهِنَّ ﴾ اور جو کچھ ان میں ہے' سب تباہ ہو جاتا۔ اس میں عقلاء کے ذکر کو مخصوص کیا گیا ہے کیونکہ ان کے علاوہ انہیں کے تابع ہیں ﴿ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ ﴾ بلکہ ہم ان کے پاس ان کی نصیحت لائے (یعنی) ایسی کتاب (قرآن مجید) جس نے ان کو نصیحت کی اور ان کو خیر و بھلائی کی طرف دعوت دی یعنی ان کے لیے وعظ و شرافت کا باعث ہے کیونکہ رسول کریم بھی انہیں کی قوم سے ہیں اور قرآن مجید بھی انہیں کی زبان و لغت میں اترا ہے یا ذکر سے وہی مراد ہے' جس کی کفار مکہ تمنا اور آرزو کیا کرتے اور کہتے: ''لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ '' (الصافات:۱۶۸۔۱۶۹) ''اگر ہمارے پاس پہلوں کی کوئی نصیحت ہوتی تو ہم ضرور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوتے''۔ ﴿ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴾ سو وہ اپنے ذکر سے منحرف ہو گئے ہیں' اپنے بُرے اختیار کے ساتھ۔

۷۲۔ ﴿ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ﴾ کیا آپ ان سے اجرت مانگتے ہیں' پس آپ کے رب تعالیٰ کی اجرت سب سے بہتر ہے' اور خراج وہ ٹیکس ہے' جو زمین کی پیداوار میں سے بطورِ زکوٰۃ نکال کر بادشاہ کو ادا کیا جائے یا ہر اس عامل کو ادا کیا جائے' جو سرکار کی طرف سے اُجرت اور تنخواہ پر مقرر کیا گیا ہو اور ''خرج'' خاص اور ''خراج'' عام ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ بستی کا ٹیکس اور کھلیان کا ٹیکس' پس لفظ کا زیادہ ہونا معنی کے زیادہ ہونے کی دلیل ہے' سو پہلی قراءت ''خَرْجًا'' بہت بہتر ہے یعنی کیا آپ ان کو ہدایت عطا فرما کر اس ہدایت پر مخلوق سے تھوڑا سا معاوضہ طلب کرتے ہیں حالانکہ خالق کا عطیہ اور معاوضہ سب سے زیادہ اور سب سے بہتر ہے [اہل حجاز' ابوعمرو بصری اور عاصم کی قراءت میں پہلا بغیر الف کے ''خَرْجًا'' اور دوسرا الف کے ساتھ ''فخراج'' ہے جب کہ ابن عامر شامی کی قراءت میں دونوں الف کے بغیر ''خَرْجًا'' اور ''فَخَرْجُ'' ہیں اور علی کسائی اور حمزہ کی قراءت میں دونوں الف کے ساتھ ''خراجًا'' اور ''فخراج'' ہیں] ﴿ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴾ اور وہ (اللہ تعالیٰ) سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے اور افضل المعطین یعنی سب عطا فرمانے والوں میں سے سب سے زیادہ اور بہتر عطا فرمانے والا ہے۔

۷۳۔ ﴿ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ اور بے شک آپ ان کو ضرور سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہیں اور وہ دینِ اسلام ہے' پس ان پر فرض ہے کہ وہ آپ کی دعوت کو قبول کر لیں۔

۷۴۔ ﴿ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴾ اور بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ راہ سے منحرف ہیں اور وہ مذکورہ بالا راہ سے دور ہیں اور وہ راہ صراطِ مستقیم ہے۔

۷۵۔ ﴿ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ ﴾ اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور ہم ان کی وہ تکلیف دور کر دیں' جس میں وہ مبتلا ہیں۔

شانِ نزول: جب اللہ تعالیٰ نے انہیں قحط سالی کے ذریعے پکڑا یہاں تک کہ وہ لوگ خون اور گوبر پکا کر کھانے لگے اور ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم اور صلۂ رحمی اور قرابت داری کا واسطہ دیتا ہوں' کیا آپ کا یہ دعویٰ نہیں کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں یعنی آپ کو تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے؟ حضور نے فرمایا: ہاں! کیوں نہیں! تو ابوسفیان نے کہا کہ ہمارے بڑے بڑے آباء و اجداد تلواروں سے قتل کر دیئے اور ہمارے بیٹے قحط سالی کی وجہ سے بھوک سے مر رہے ہیں (تو حضور نے دعا فرمائی اور قحط کا عذاب ٹل گیا) تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی' اور معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ ان سے اس تکلیف کو دور کر دے اور وہ تکلیف قحط سالی کی ہے' جس میں وہ مبتلا تھے اور وہ خوشحالی کو پالیں تو ﴿ لَّلَجُّوْا ﴾ وہ ضرور سرکش ہو جائیں گے ﴿ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾ وہ اپنی سرکشی میں حیران و پریشان

ہو کر بھٹکتے پھریں گے یعنی وہ پہلی جن بُری عادات پر تھے دوبارہ انہیں پر لوٹ آئیں گے کہ وہ پہلے کی طرح تکبر کریں گے اور رسول اکرم اور مؤمنوں کے ساتھ عداوت و دشمنی جاری رکھیں گے اور حضور کے سامنے ان کی یہ خوشامد ان سے ختم ہو جائے گی۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٧٦﴾ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٧﴾ وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِى الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٨٠﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿٨١﴾

اور بے شک ہم نے انہیں عاجزی میں پکڑ لیا' پھر بھی وہ اپنے پروردگار کے سامنے نہیں جھکے اور نہ وہ عاجزی اختیار کرتے ہیںO یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اس وقت وہ اس میں ناامید ہو جائیں گےO اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے' جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کیے' تم بہت تھوڑا شکر ادا کرتے ہوO اور وہی ہے' جس نے تمہیں پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیا اور تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گےO اور وہی ہے' جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور رات اور دن کو بدلنا اسی کے اختیار میں ہے' تو کیا تمہیں عقل نہیں ہےO بلکہ انہوں نے اسی طرح کہا' جو پہلے لوگوں نے کہا تھاO

٧٦- ﴿وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ﴾ اور بے شک جب ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا تھا تو وہ اپنے پروردگار کے آگے نہیں جھکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر گواہی پیش کی کہ بے شک جب ہم نے انہیں تلواروں کے ذریعے پکڑا تھا اس لیے کہ جنگِ بدر کے دن ان پر یہ عذاب نازل ہوا کہ ان کے بہت سے سردار بدر کی جنگ میں قتل کر دیئے گئے اور بہت سے قیدی بنا لیے گئے' لیکن اس کے بعد بھی ان کی طرف سے تواضع نہیں پائی گئی یعنی عاجزی و انکساری نہیں پائی گئی ﴿وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ﴾ اور نہ وہ گڑگڑاتے ہیں اور اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ان کا یہ حال ہمیشہ یہی ہے یعنی وہ اس پکڑ کے بعد بھی اسی حال پر قائم ہیں اور اس لیے ''وَمَا تَضَرَّعُوْا'' نہیں فرمایا [اور ''اِسْتَكَانَ''، ''اِسْتَفْعَلَ'' کے وزن پر ہے اور ''کون'' سے ماخوذ ہے یعنی وہ ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہو گیا جیسے ''استحال'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی ایک حال سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے]۔

٧٧- ﴿حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾ یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر سخت ترین عذاب کا ایک دروازہ کھول دیا یعنی بھوک کا دروازہ جو قید اور قتل سے بھی زیادہ سخت ہے ﴿اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ﴾ اچانک وہ حیران و پریشان ہو گئے اور وہ ہر خیر و بھلائی سے ناامید ہو گئے اور ان کے سب سے بڑے سرکش اور بغض و عناد میں سخت متکبر آئے تاکہ اے محبوب! آپ سے رحم کی اپیل کریں یا یہ معنی ہے کہ ہم نے ہر قسم کی تکلیف قتل و غارت' قید و بند اور بھوک و پیاس سے آزمایا لیکن ان میں نرمی اور اطاعت نہیں دیکھی گئی اور وہ اسی طرح رہے جیسے پہلے تھے یہاں تک کہ جب انہیں دوزخ میں آگ کا عذاب دیا جائے گا تو اس وقت وہ سخت مایوس و ناامید ہو جائیں گے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ' (الروم:۱۲) ''اور جس دن قیامت قائم ہوگی' اس دن مجرم لوگ ناامید ہو جائیں گے''۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل اور کفار کی ہٹ دھرمی کا بیان

۷۸-﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ﴾ اور (اللہ تعالیٰ) وہی ہے' جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کیے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان تین اعضاء کا خصوصی طور پر اس لیے ذکر کیا ہے کہ دینی اور دنیاوی فوائد ومنافع جس قدر ان کے ساتھ متعلق ہیں' ان کے علاوہ کسی اور کے ساتھ اس قدر منافع متعلق نہیں ہیں ﴿ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴾ تم بہت کم اور بہت تھوڑا سا شکر ادا کرتے ہو [حرف ''مَا'' تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے' جو بہ معنیٰ ''حَقًّا'' ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک تم نے ان نعمتوں کی عظمت کو نہیں پہچانا اور تم نے ان کو اپنے صحیح محل میں رکھنے کی بجائے ان کے غیر مناسب محل میں رکھا ہے اور تم نے اپنی آنکھوں اور اپنے کانوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کے افعال میں استعمال نہیں کیا اور نہ تم نے اپنے دلوں سے اس کی قدرت پر استدلال کیا تاکہ تم اس کی نعمتوں کو پہچان لیتے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے۔

۷۹-﴿ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾ اور وہی تو ہے' جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور افزائشِ نسل کے ذریعے تمہیں زمین میں ہر طرف پھیلا دیا ﴿ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ اور عالمِ برزخ میں تمہیں بکھیرنے اور تمہارے تمام اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد تم سب کو اس کے حضور میں جمع کیا جائے گا۔

۸۰-﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ﴾ اور وہی تو ہے' جو زندگی عطا کرتا ہے اور موت دیتا ہے یعنی وہی ماں کے پیٹ میں ناتواں بچے کے جسم میں روح ڈال کر زندگی عطا کرتا ہے اور اسے پروان چڑھاتا ہے اور پھر وہی اس کو فنا کر کے اس پر موت کو طاری کر دیتا ہے ﴿ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ﴾ اور اسی کے اختیار میں ہے رات کو اور دن کو تبدیل کرتے رہنا یعنی رات اور دن میں ہر ایک کا دوسرے کے پیچھے آنا جانا اور ان دونوں کا تاریکی اور روشنی میں یا بڑھنے اور گھٹنے میں تبدیل ہوتے رہنا یہ سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور وہی اس کے ساتھ مختص ہے اور ان کی تبدیلی پر اس کے علاوہ کوئی قدرت واختیار نہیں رکھتا ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر ہماری قدرت کو پہچان لیتے یا پھر تم مصنوع کے ذریعے صانع اور مخلوق کے ذریعے خالق کے وجود پر استدلال کرتے اور تم ایمان لے آتے۔

۸۱-﴿ بَلْ قَالُوْا ﴾ بلکہ انہوں نے کہا' یعنی مکہ مکرمہ میں رہنے والے کافروں نے کہا ﴿ مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴾ جس طرح پہلے لوگوں نے کہا تھا' یعنی ان کفار مکہ سے پہلے کے کفار نے جس طرح کہا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے ان کا کہا بیان فرمایا کہ:

قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾

انہوں نے کہا کہ جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گےO بے شک ہم سے اور اس سے پہلے ہمارے باپ دادا سے یہی وعدہ کیا گیا' یہ تو نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیںO (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ زمین اور اس میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے اگر تم جانتے ہوO وہ فوراً کہہ دیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے' فرمائیے: تو کیا تم غور نہیں کرتےO (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا پروردگار کون ہے اور عرشِ عظیم کا پروردگار کون ہےO وہ فوراً کہہ دیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے' فرما دیجئے: تو کیا تم ڈرتے نہیں ہوO فرما دیجئے کہ ہر چیز کی بادشاہی کس کے ہاتھ میں ہے اور وہی پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کسی کو پناہ نہیں دی جا سکتی اگر تم جانتے ہوO

۸۲- ﴿قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ﴾ انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے [نافع مدنی' حمزہ' علی کسائی اور حفص کی قراءت میں "مِتْنَا" (میم کے نیچے زیر) ہے]۔[1]

۸۳- ﴿لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا﴾ البتہ تحقیق ہم سے اور ہمارے آباء واجداد سے یہی وعدہ کیا گیا ہے یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ سرورِ کائنات مفخر موجودات خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی آمد سے پہلے ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ یہ تو نہیں ہے مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ["اساطیر" جمع ہے "اسطار" کی اور "اسطار" جمع ہے "سطر" کی اور یہ وہ من گھڑت کہانی ہوتی ہے' جس کو پہلے لوگوں نے لکھا ہو' جس کا حقیقت سے کچھ تعلق نہ ہو اور "اسطورۃ" کی جمع قرار دینا زیادہ مناسب ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مشرکین پر حجت قائم کرنے کے لیے فرمایا کہ:

۸۴'۸۵- ﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ "فَاِنَّهُمْ" ﴿سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ کس کا ہے اگر تم جانتے ہو' تو بے شک وہ فوراً کہہ دیں گے: اللہ تعالیٰ کے لیے ہے کیونکہ وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے سو جب وہ کہہ دیں تو ﴿قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ اے محبوب! آپ ان سے فرما دیں کہ کیا تم سوچتے نہیں ہو تاکہ تم جان لیتے کہ بے شک جس نے زمین کو اور اس کی ہر چیز کو پیدا کیا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ تمام مخلوق کو دوبارہ پیدا فرمائے گا اور وہی اس بات کا حق دار ہے کہ اس کے ساتھ اس کی ربوبیّت میں اس کی بعض مخلوق کو شریک نہ ٹھہرایا جائے [حمزہ' علی کسائی اور حفص کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ (یعنی بغیر شد کے) ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے]۔

۸۶'۸۷- ﴿قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِO سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ اے محبوب! آپ فرما دیں کہ ساتوں آسمانوں کا رب تعالیٰ کون ہے اور عرشِ عظیم کا رب تعالیٰ کون ہے؟O وہ ابھی کہہ دیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی ملک میں ہے۔ فرمائیے: تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو (یعنی) کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہے کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ' یا یہ معنی ہے کہ کیا مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر تم اس کی قدرت کا انکار کرتے ہوئے اس سے ڈرتے نہیں ہو جب کہ تم اقرار و اعتراف کرتے ہو کہ وہ ان تمام چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔

۸۸- ﴿قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اے محبوب! فرمائیے کہ ہر چیز کی بادشاہی کس کے ہاتھ میں ہے؟ "ملکوت"

---

[1] جب کہ ابن کثیر مکی' ابو عمرو بصری' ابن عامر شامی' شعبہ' ابو جعفر اور یعقوب کی قراءت میں "مُتْنَا" (میم پر پیش) ہے۔
(معجم القراءات القرآنیہ ج ۷ ص ۶۸)

اصل میں "الملك" ہے جس کا معنی ہے: بادشاہ اور واؤ اور "تا" مبالغہ کے لیے زیادہ کیے گئے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑا بادشاہ ہے] ﴿ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں پناہ نہیں دی جاتی۔ "اَجَرْتَ فُلَانًا عَلٰى فُلَانٍ" (تم نے فلاں کو فلاں کے مقابلے میں پناہ دی) یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم اس کو دوسرے سے پناہ دو اور اس کو دوسرے سے بچالو یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے جس سے چاہتا ہے پناہ عطا کرتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی شخص کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔

سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ فَأَنَّىٰ تُسْحَرُونَ ﴿٨٩﴾ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٩٠﴾ مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِن وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ ۚ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٩١﴾ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٩٢﴾ قُل رَّبِّ إِمَّا تُرِيَنِّي مَا يُوعَدُونَ ﴿٩٣﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٩٤﴾ وَإِنَّا عَلَىٰ أَن نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَادِرُونَ ﴿٩٥﴾

ع ۱۵ ۵

وہ فوراً کہہ دیں گے: اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں فرما دیجئے کہ پھر تم پر کہاں سے جادو کیا جاتا ہےO بلکہ ہم تو ان کے پاس حق لائے ہیں اور بے شک وہ ضرور جھوٹ بولنے والے ہیںO اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے (اگر ایسا ہوتا) تب تو ہر معبود ضرور اپنی مخلوق کو لے جاتا اور ان میں سے ہر ایک دوسرے پر برتری چاہتا اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے جو کچھ یہ بیان کرتے ہیںO وہ ہر غائب اور ظاہر کا جاننے والا ہے سو وہ مشرکین کے شرک سے بہت بلند ہےO (اے محبوب! دعا کے لیے) عرض کیجئے کہ اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے وہ دکھا دے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہےO تو اے میرے پروردگار! مجھے ظالموں کی قوم میں شامل نہ کرناO اور بے شک ہم آپ کو دکھانے پر ضرور قادر ہیں جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیںO

۸۹- ﴿ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ فَأَنَّىٰ تُسْحَرُونَ ﴾ ابھی کہہ دیں گے: اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اے حبیب! فرمائیے کہ پھر کہاں سے تم پر جادو کیا جاتا ہے کہ تم حق تعالیٰ یا اس کی توحید کے متعلق دھوکہ کھا رہے ہو اور اس کی اطاعت و فرماں برداری کے بارے میں فریب کھا رہے ہو اور دھوکہ دینے والا شیطان اور خواہش نفس ہے [پہلا "لِلّٰهِ" بالاتفاق صحیح جواب ہے کیونکہ سوال (لام کے ساتھ) "لِمَنْ" ہے اور معنی کے اعتبار سے اہل بصرہ کے علاوہ کے نزدیک دوسرا اور تیسرا "لِلّٰهِ" بھی اسی طرح صحیح ہے کیونکہ جب "مَنْ رَبُّ هٰذَا" کہا جاتا ہے تو اس کا معنی بھی "لِمَنْ هٰذَا" ہوتا ہے اس لیے جواب میں "لِفُلَانٍ" کہا جائے گا جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

إِذَا قِيلَ مَنْ رَبُّ الْمَزَالِفِ وَالْقُرٰى ۔۔۔ وَرَبُّ الْجِيَادِ الْجُرْدِ؟ قِيلَ لِخَالِدِ

"جب سوال کیا گیا کہ کوچ کی منزلوں اور گاؤں کا مالک کون ہے اور کم بالوں والے تیز رفتار گھوڑوں کا مالک کون ہے؟ تو جواب دیا گیا کہ خالد کے لیے ہے"۔

یعنی اصل میں "لمن المزالف" ہے اور جس نے لام کو محذوف پڑھا تو پھر ظاہر ہے کیونکہ جب "مَنْ رَبُّ هٰذَا" کہا

جاتا ہے تو جواب ''فُلَانٌ'' ہوتا ہے]۔

۹۰۔ ﴿بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ﴾ بلکہ ہم ان کے پاس حق لائے ہیں اس لیے اس کی طرف اولاد کی نسبت کرنا محال ہے اور شرک باطل ہے ﴿وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور بے شک وہ ضرور جھوٹ بولتے ہیں کیونکہ ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کے شریک ہونے کا دعویٰ کرنا سفید جھوٹ ہیں' پھر ان کے جھوٹ کی تاکید کے لیے فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ سے اولاد اور شرک کی نفی کا بیان

۹۱۔ ﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے اولاد اختیار نہیں فرمائی' اس لیے کہ وہ نوع اور جنس سے منزہ ہے کیونکہ اولاد باپ کی جنس میں سے ہوتی ہے ﴿وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ﴾ اور اس کے ساتھ کوئی اور معبود نہیں ہے (یعنی) الوہیت میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے ﴿اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ﴾ (بفرضِ محال اگر ایسا ہوتا) تب تو ہر معبود اپنی مخلوق کو لے جاتا اور ان معبودوں میں سے ہر معبود اپنی مخلوق کے لیے منفرد مالک ہوتا اور اس کا مستقل معبود ہوتا تاکہ ہر معبود و بادشاہ دوسرے معبود سے ممتاز ہو ﴿وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ اور ان میں سے ہر ایک دوسرے پر غلبہ چاہتا جیسا کہ تم دنیا کے بادشاہوں کا حال دیکھتے ہو۔ ان کے ممالک ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں اور وہ اپنے اپنے ملک پر غالب ہوتے ہیں اور جب ایسی کوئی نشانی دکھائی نہیں دیتی کہ ملک الگ الگ خداؤں کے ملک میں نہیں ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور غالب ہے تو جان لو کہ بے شک وہی ایک اکیلا معبود ہے' ہر چیز کی بادشاہی اسی کے ہاتھ میں ہے [اور یہ نہ کہا جائے کہ ''اِذًا'' تو اس کلام پر داخل ہوتا ہے جو جزاء اور جواب ہو اور یہاں ''لَّذَهَبَ'' جزاء اور جواب واقع ہوا ہے جب کہ اس سے پہلے کوئی شرط نہیں ہے اور نہ کسی سائل کا سوال پہلے مذکور ہے' اس لیے کہ شرط محذوف ہے' جس کی تقدیر یہ ہے: ''وَلَوْ كَانَ مَعَهٗ اٰلِهَةٌ'' جس پر ''وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ'' دلالت کرتا ہے اور یہ مشرکین میں سے ان جھگڑالو لوگوں کے لیے جواب ہے' جنہوں نے حضور سے جھگڑا کیا تھا] ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ ان تمام شریکوں اور اولاد سے پاک ہے' جو مشرکین اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کرتے ہیں۔

۹۲۔ ﴿عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ وہ پوشیدہ اور علانیہ سب کچھ جاننے والا ہے [''عَالِمِ'' جر (آخر میں زیر) کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور یہی امام حفص کی قراءت میں ہے جب کہ نافع مدنی اور امام حفص کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی قراءت میں رفع (آخر میں پیش) کے ساتھ ہے اور اس صورت میں یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو گی یعنی ''هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ''] ﴿فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ سو اللہ تعالیٰ ان تمام شریکوں کے شرک سے بہت بلند ہے' جن کو مشرکین شریک ٹھہراتے ہیں (یعنی) بتوں وغیرہ کی شراکت سے بہت بلند ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دعا کی تلقین کرنا

۹۳'۹۴۔ ﴿قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ﴾ [''اِمَّا'' اصل میں ''اِنْ مَا'' تھا۔ اس میں ''مَا'' اور ''تُرِيَنِّيْ'' میں نون ثقیلہ دونوں تاکید کے لیے ہیں] یعنی عرض کیجئے کہ اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے وہ عذاب ضرور بہ ضرور دکھانا چاہتا ہے' جس کا ان سے وعدہ فرما رہا ہے خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں ﴿رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ تو اے میرے پروردگار! تو مجھے ظالموں کی قوم میں شامل نہ کرنا یعنی پس تو مجھے ان کا ساتھی نہ بنا دینا اور نہ ان کے عذاب کے ساتھ مجھے عذاب دینا۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر سنائی کہ ان کی امت میں ظالموں پر عذاب آئے گا اور یہ نہیں بتایا کہ وہ عذاب کس وقت آئے گا اور آپ کو حکم دیا کہ آپ یہ دعا مانگا

کریں اور یہ بھی جائز ہے کہ معصوم نبی کریم ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ سے یہ دعا اس لیے مانگی ہو کہ آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو عذاب میں مبتلا کر دے گا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی اُس سے جس کے بارے میں آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ یہ کام نہیں کرے گا' یہ صرف اپنی بندگی کا اظہار کرنے اور اپنے رب تعالیٰ کے لیے عاجزی کرنے کے لیے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اپنی کسی مجلس کو برخواست کر کے کھڑے ہونے لگتے تو ستر مرتبہ استغفار پڑھتے تھے [''فَلَا'' میں حرف ''فَا'' شرط کے جواب کے لیے آیا ہے اور ''رَبِّ'' ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے' جو صرف تاکید کے لیے ہے]۔

٩٥- ﴿ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم آپ کو وہ عذاب دکھانے پر ضرور قادر ہیں' جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں۔ دراصل کفار عذاب کے وعدہ کا انکار کرتے تھے اور اس پر ہنستے اور قہقہے لگاتے' سو ان کے لیے کہا گیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے وعدے پر پوری طرح قادر ہے' اگر تم لوگ غور و فکر کرو اور سوچو تو اس انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٩٧﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿٩٨﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿٩٩﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٠٠﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١٠١﴾

آپ برائی کا ایسے طریقے سے دفاع کریں جو سب سے بہتر ہو' ہم ان باتوں کو خوب جانتے ہیں' جن کو وہ بیان کرتے ہیں O اور (اے محبوب!) عرض کیجئے: اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں شیطان کے وسوسوں سے O اور اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں O یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک پر موت آئے گی تو وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! مجھے واپس (دنیا میں) بھیج دے O تاکہ میں اس میں نیک عمل کر لوں' جس کو میں نے چھوڑ دیا تھا' ایسا ہرگز نہیں ہوگا' بے شک یہ اس کے منہ کی بات ہے جسے وہ کہے گا' اور ان کے آگے ایک پردہ ہے' جس دن تک انہیں اٹھایا جائے گا O پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان رشتے قائم نہیں رہیں گے اور وہ ایک دوسرے سے سوال نہیں کر سکیں گے O

٩٦- ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ﴾ اے محبوب! ایسی خصلت کے ساتھ بُرائی کو دفع کیجئے جو سب سے بہتر ہو اور یہ ''بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ'' سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے کیونکہ اس میں فضیلت و بزرگی ہے' گویا فرمایا: ''اِدْفَعْ بِالْحُسْنٰى السَّيِّئَةَ'' بُرائی کو نیکی کے ذریعے دفع کیجئے اور معنی یہ ہے کہ کفار کی بُرائیوں اور ان کی تکلیفوں سے درگزر کیجئے اور بُرائی کے مقابلے میں جہاں تک ممکن ہو احسان و نیکی کیجئے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت بیان کی گئی ہے کہ ''احسن'' سے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی گواہی دینا مراد ہے اور ''السیئۃ'' سے شرک مراد ہے یعنی اے محبوب! شرک کو کلمۂ توحید سے دفع کیجئے یا یہ کہ بُری بات کو سلام کے ذریعے دور کیجئے یا بُرائی کو نصیحت سے دفع کیجئے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ

آیت مبارکہ جہاد کے حکم سے منسوخ ہو چکی ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے کیونکہ اصل مقصد تو بُرائی کو سب سے اچھے طریقے سے دفع کرنے کی ترغیب دینا ہے' جب تک دین کو نقصان نہ پہنچے ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ﴾ ہم خوب جانتے ہیں' جو کچھ وہ لوگ بیان کرتے ہیں (یعنی) شرک وغیرہ کی باتیں بیان کرنا یا ان کا آپ کے متعلق باتیں (شاعر' کبھی جادوگر' کبھی مجنون وغیرہم) بیان کرنا اور ان کا بُرائی کے ساتھ آپ کا ذکر کرنا' سو ہم ان باتوں پر ان سے بدلا لیں گے اور ہم انہیں سزا دیں گے۔

۹۷- ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ﴾ اور اے محبوب! عرض کیجئے کہ اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے (یعنی) ان کے وسوسوں اور ان کے بُرے خیالات سے اور ''ھمز'' کا معنی وسوسہ ڈالنا اور بُرا خیال پیدا کرنا ہے اور ''ھمزات'' اسی کی جمع ہے اور اسی سے ''مھماز الرائض'' ہے جانوروں کو سدھانے والا اور کسی عمل پر ان کو اُکسانے والا اور معنی یہ ہے کہ شیاطین لوگوں کو گناہوں اور نافرمانیوں کے کاموں پر اُکساتے ہیں جیسا کہ جانوروں کو سدھانے والا ایک خاص چال چلنے پر انہیں اکساتا اور تیار کرتا ہے۔

۹۸- ﴿وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ﴾ اور اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔ یہاں شیطانوں کے وسوسوں سے اپنے رب تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کے لیے ایسے لفظ کے ساتھ حکم دیا گیا ہے' جو عاجزی وانکساری کے اظہار پر مشتمل ہے اور اس کو ندا کرنے کے لیے بار بار ذکر کیا گیا ہے اور پناہ طلب کرنا' اس بات سے ہے کہ شیطان وغیرہ آپ کے پاس کسی وقت حاضر ہوں یا صرف تلاوتِ قرآن مجید کے وقت یا پھر سکرات موت کے وقت اور روح کے جسم سے نکلنے کے وقت آ جائیں۔

مرنے کے بعد کفار کی واپس دنیا میں آنے کی آرزو کرنا اور ان کے بدانجام کا بیان

۹۹- ﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ﴾ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک پر موت آئے گی [''حتّٰی''، ''يَصِفُوْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے] یعنی وہ لوگ ہمیشہ موت کے آنے کے وقت تک شرک کرتے رہیں گے یا وہ ہمیشہ موت کے آنے کے وقت تک بُرے ذکر پر رہیں گے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان مذکور ہے وہ ان کی سرکشی پر تاکید کرنے کے لیے جملہ معترضہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے شیطان کے خلاف مدد لینے کے لیے ہے کہ وہ حلم و بردباری سے پھسلا نہ دے اور ان سے انتقام لینے پر نہ اُکسا سکے ﴿قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ﴾ وہ عرض کرے گا کہ اے میرے پروردگار! مجھے واپس بھیج دے یعنی مجھے واپس دنیا میں لوٹا دے۔ یہ کافر اللہ تعالیٰ کو لفظ جمع ''رَبِّ ارْجِعُوْنِ'' کے ساتھ محض تعظیم کے لیے مخاطب کرے گا جیسے بادشاہوں کو مخاطب کیا جاتا ہے۔

۱۰۰- ﴿لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ﴾ تاکہ میں اس میں نیک عمل کروں جو میں نے چھوڑ دیا تھا (یعنی) اس جگہ میں جہاں میں نے نیک عمل کرنا چھوڑ دیا تھا اور وہ دنیا ہے کیونکہ اس نے مرنے کے بعد دنیا کو چھوڑ دیا اور آخرت کی طرف لوٹ گیا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ کافر یہ آرزو اور تمنا نہیں کرے گا کہ وہ گھر والوں کے پاس لوٹ جائے اور نہ وہ یہ تمنا کرے گا کہ اپنے خاندان والوں کی طرف واپس لوٹ جائے بلکہ وہ یہ تمنا کرے گا کہ اسے دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تاکہ وہ اس میں اپنی کوتاہی کی تلافی کر سکے [''لَعَلِّیْ'' میں اہل کوفہ اور سہل اور یعقوب کی قراءت میں ''یا'' ساکنہ ہے] ﴿كَلَّا﴾ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اس لفظ کے ذریعے دنیا کی طرف لوٹ جانے کے مطالبے کو روک دیا گیا اور انہیں انتباہ کیا گیا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا اور یہ انکار ہے اور ایسا ہونا بہت ہی دور کی بات ہے (یعنی ناممکن ہے) ﴿اِنَّهَا كَلِمَةٌ﴾

بے شک یہ ایک بات ہے' اس کلمہ سے ایک دوسرے سے جڑا ہوا منظم کلام کا ایک حصہ مراد ہے اور وہ یہ ہے: ''رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ'' ﴿هُوَ قَآىِٕلُهَا﴾ وہ اسے کہنے والا ہوگا' وہ اسے ہر حال میں کہے گا اور اس کو ترک نہیں کرے گا اور نہ وہ اس سے خاموش رہ سکے گا کیونکہ اس وقت اس پر حسرت وافسوس اور ندامت وشرمندگی غالب وطاری ہو گی ﴿وَمِنْ وَّرَآىِٕهِمْ﴾ اور ان کے پسِ پشت ''اَیْ اَمَامِهِمْ'' یعنی ان کے آگے [''هم'' ضمیر جمع جماعت کے لیے ہے] ﴿بَرْزَخٌ﴾ ایک پردہ (عالمِ برزخ) ان کے درمیان اور دنیا کی طرف واپس لوٹنے کے درمیان حائل ہے ﴿اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾ اس دن تک جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا (یعنی) حشر ونشر کے دن تک انہیں واپس نہیں بھیجا جائے گا یہ مقصد نہیں کہ انہیں اس دن واپس بھیج دیا جائے گا بلکہ انہیں کُلی طور پر بالکل مایوس کرنا مقصود ہے کیونکہ یہ تو معلوم ہے کہ حشر ونشر کے بعد دنیا میں نہیں صرف آخرت کی طرف بھیجا جائے گا۔

۱۰۱- ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ﴾ پھر جب صور میں پھونکا جائے گا' بعض حضرات نے فرمایا: اس سے دوسری بار صور پھونکنا مراد ہے ﴿فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَىِٕذٍ﴾ تو اس دن ان (کفار) کے درمیان رشتہ داریاں قائم نہیں رہیں گے' سب رشتہ داریاں ختم ہو جائیں گی یعنی ان کے درمیان ایک دوسرے سے جدائی واقع ہو جائے گی' لوگ ایک دوسرے سے جدا جدا ہو جائیں گے اور ان کے درمیان رشتہ داری کا تعلق نہیں رہے گا کیونکہ ''یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِO وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِO وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِO'' (العبس: ۳۴-۳۶) ''اس دن آدمی اپنے بھائی سے دور بھاگے گاO اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے O اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے O'' اور اس دن رشتہ داری اور تعلق داری صرف نیک اعمال کی وجہ سے قائم رہ سکے گی[1]

[1] علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''بَیْنَهُمْ'' کی ضمیر کفار کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ اس سے پہلے انہیں کا ذکر ہوا ہے یعنی کفار کی باہمی رشتہ داریاں ختم ہو جائیں گی' مؤمنوں کی نہیں' اس لیے کہ مؤمنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ'' (الطور: ۲۱) ''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی تو ہم نے ان کی اولاد کو انہیں کے ساتھ ملا دیا'' (یعنی مؤمن اولاد ماں باپ کے ساتھ جنت میں رہے گی) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: جب قیامت کا دن ہوگا تو مسلمانوں کے بچے آئیں گے' جن کے ہاتھوں میں مشروب ہوں گے اور لوگ ان سے کہیں گے: ہمیں پلاؤ' وہ بچے کہیں گے: ہمارے ماں باپ کہاں ہیں؟ ہمارے ماں باپ کہاں ہیں؟ یہاں تک کہ کچا بچہ جنت کے دروازے پر کھڑا ہو کر کہے گا: میں اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا جب تک میرے ماں باپ نہیں جائیں گے' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیث شریف میں ہے' حضور نے فرمایا: ہر خاندانی اور سسرالی رشتہ قیامت کے دن ختم ہو جائے گا ماسوا میرے خاندانی اور سسرالی رشتہ کے۔ اس حدیث کو علامہ ابن عساکر نے ابن عمر سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے تو میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ مؤمنوں کا نسب حضور نبی کریم ﷺ کے نسب میں داخل ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مؤمنوں کے باپ ہیں اور آپ کی ازواجِ مطہرات رضوان اللہ علیہن اجمعین مؤمنوں کی مائیں ہیں۔ (تفسیر مظہری ص ۴۰۲ تا ۴۰۳' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی) نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىِٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ'' (الزخرف: ۶۷) ''قیامت کے دن مخلص وگہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے''۔ اس آیت مبارکہ سے دو مسئلے ثابت ہوئے: ایک یہ کہ قیامت کے دن دنیاوی دوستیاں اور قرابت داریاں ختم ہو جائیں گی' دوسرا یہ کہ مؤمنوں کی دوستیاں اور قرابت داریاں کام آئیں گی' لہٰذا کفار کے ساتھ دوستیاں اور قرابت داریاں کوئی فائدہ نہیں دیں گی کہ یہ دنیا تک محدود ہیں مگر مؤمنوں کی دوستیاں اور رشتہ داریاں فائدہ دیں گی کیونکہ یہ قیامت کے دن قائم رہیں گی۔

[ابوعمرو کی قراءت میں پہلی "بَا" دوسری "بَا" میں مدغم ہے اجتماع مثلین کی وجہ سے اگرچہ وہ دونوں دو الگ کلموں میں واقع ہیں] ﴿وَلَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ اور ایک دوسرے کے تعلقات کے بارے میں سوال نہیں کریں گے جیسا کہ دنیا میں ایک دوسرے سے تعلقات کے بارے میں پوچھتے ہیں کیونکہ ہر ایک شخص اپنے حال میں اس قدر خوف زدہ ہو کر مشغول ہوگا کہ اسے اپنے ساتھی کے بارے میں سوال کرنے کا ہوش نہیں ہوگا اور اس کلام میں اور درج ذیل آیتِ مبارکہ میں کوئی تناقض و تضاد نہیں ہے ارشاد ہے کہ "وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ" (الصافات:۲۷) "اور وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے"۔ کیونکہ قیامت کے مختلف مقامات ہوں گے چنانچہ بعض مقام اتنے سخت ہوں گے کہ لوگوں کو خوف کے مارے ایک دوسرے کا ہوش نہیں ہوگا اس لیے وہ ایسے موقع پر ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے اور بعض مقام ایسے آئیں گے جہاں کچھ اطمینان نصیب ہوگا اور سب لوگ ہوش میں ہوں گے تو اس وقت وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾

پھر جن کے (اعمال کے) وزن بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب ہوں گے ○ اور جن کے (اعمال کے) وزن ہلکے ہوں گے تو یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال لیا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ○ آگ ان کے چہروں کو جلا دے گی اور اس میں ان کے چہرے بگڑے ہوئے ہوں گے ○ (اور ان سے کہا جائے گا:) کیا تم پر میری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھی سو تم ان کو جھٹلایا کرتے تھے ○ وہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری بدبختی ہم پر غالب آ گئی اور ہم گمراہ قوم تھے ○ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس دوزخ سے نکال پس اگر ہم دوبارہ ایسا کریں گے تو بے شک ہم ظالم ہوں گے ○ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم اس میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو ○

۱۰۲- ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ سو جس کے وزن بھاری ہوں گے۔ "موازین"۔ "موزون" کی جمع ہے اور اس سے نیک اعمال کی موزونات (تولی ہوئیں نیکیاں) مراد ہیں انہیں نیک اعمال کے لیے وزن ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں نیک اعمال کی قدر ہوگی جیسا کہ ارشاد ہے: "فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا" (الکہف:۱۰۵) "سو ہم کفار کے لیے قیامت کے دن وزن قائم نہیں کریں گے"۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ پس یہی لوگ ہی کامیاب ہوں گے۔

۱۰۳- ﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ اور جس کے وزن برائیوں کے سبب ہلکے ہوں گے اور اس سے کفار مراد ہیں ﴿فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ پس یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال لیا اور اپنے آپ کو دھوکے میں ڈال دیا ﴿فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے [یہ "خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ" سے بدل ہے اور بدل و مبدل منہ کے لیے کوئی محلِ اعراب نہیں ہوتا کیونکہ صلہ کے لیے محل نہیں ہوتا یا یہ "اُولٰٓئِكَ" کی ایک خبر کے بعد دوسری

خبر ہے یا پھر یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ا۔

۱۰۴- ﴿ تَلۡفَحُ ﴾ "اى تحرق" یعنی جلا دے گی ﴿ وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ ﴾ ان کے چہروں کو آگ ﴿ وَهُمۡ فِيۡهَا كٰلِحُوۡنَ ﴾ اور اس میں ان کے چہرے ترش اور بگڑے ہوئے ہوں گے' چنانچہ ان سے کہا جائے گا:

۱۰۵- ﴿ اَلَمۡ تَكُنۡ اٰيٰتِىۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ ﴾ کیا دنیا میں میری آیات یعنی قرآن مجید تم پر تلاوت نہیں کیا جاتا تھا ﴿ فَكُنۡتُمۡ بِهَا تُكَذِّبُوۡنَ ﴾ سو تم اس کو جھٹلاتے تھے اور تم یہ گمان کرتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔

۱۰۶- ﴿ قَالُوۡا رَبَّنَا غَلَبَتۡ عَلَيۡنَا شِقۡوَتُنَا ﴾ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی اور ہم پر مالک بن بیٹھی [حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "شَقَاوَتُنَا" ہے اور یہ دونوں مصدر ہیں] یعنی ہم اپنے بُرے اعمال ہی کے سبب بد بخت بن گئے' جن پر ہم نے عمل کیا اور اہل تاویل کا یہ قول کہ ہم پر ہماری وہ بدبختی غالب آ گئی' جو ہم پر لکھ دی گئی تھی' صحیح نہیں ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ وہی لکھتا ہے' جو بندے نے کرنا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ بندہ یہی کام اختیار کرے گا اور اللہ تعالیٰ جو بندہ کے متعلق جانتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے یہ کام اختیار کرے گا تو اسی کے مطابق لکھ لیتا ہے' اس کے علاوہ اور اس کے برعکس نہیں لکھتا (کہ بندہ اس کے مطابق مجبور ہو جائے) پس یہ کفار اپنے شرک کے فعل میں نہ مغلوب تھے اور نہ مجبور تھے اور یہ اس لیے کہ وہ یہ بات صرف بہانہ بنانے کے لیے کہتے تھے کیونکہ ان کی طرف سے عقیدۂ توحید کے بارے میں بہت بڑی کوتاہی ہو گئی تھی' لہٰذا اب یہ احتمال نہیں رہا کہ قیامت میں کفار یہ بات اپنی کوتاہی پر اپنے لیے معذرت ومعافی طلب کرنے کے لیے کہیں گے ﴿ وَكُنَّا قَوۡمًا ضَآلِّيۡنَ ﴾ اور ہم حق سے اور راہِ راست سے گمراہ قوم ہو گئے تھے۔

۱۰۷- ﴿ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡهَا ﴾ اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں اس سے یعنی دوزخ کی آگ سے نکال لے ﴿ فَاِنۡ عُدۡنَا ﴾ سو اگر ہم کفر و شرک اور توحید و رسالت کی تکذیب کی طرف دوبارہ لوٹ جائیں ﴿ فَاِنَّا ظٰلِمُوۡنَ ﴾ تو بے شک ہم اپنی ہی جانوں پر ظلم کر کے بہت بڑے ظالم لوگ ہو جائیں گے۔

۱۰۸- ﴿ قَالَ اخۡسَـُٔوۡا فِيۡهَا ﴾ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم اس میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو (یعنی) تم ذلت و رسوائی اور اہانت و رذالت کی خاموشی کے ساتھ خاموش پڑے رہو ﴿ وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ ﴾ اور تم اپنے آپ سے عذاب کو دور کرنے کے لیے مجھ سے بات نہ کرو کیونکہ یہ عذاب تم سے نہیں اٹھایا جائے گا اور نہ اسے کم کیا جائے گا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہاں کفار کا یہ آخری کلام ہوگا جو وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے اور اس کے بعد کوئی کلام نہیں ہوگا صرف ان کی چیخ و پکار اور رونا چلانا ہوگا۔

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡ عِبَادِىۡ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذۡتُمُوۡهُمۡ سِخۡرِيًّا حَتّٰۤى اَنۡسَوۡكُمۡ ذِكۡرِىۡ وَكُنۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ تَضۡحَكُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّىۡ جَزَيۡتُهُمُ الۡيَوۡمَ بِمَا صَبَرُوۡۤا ۙ اَنَّهُمۡ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ عَدَدَ سِنِيۡنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ فَسۡـَٔلِ الۡعَآدِّيۡنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا لَّوۡ اَنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۱۴﴾

بے شک میرے بندوں میں سے ایک گروہ کہتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لا چکے ہیں سو تو ہماری بخشش فرما اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہےO سو تم نے انہیں مذاق بنالیا یہاں تک کہ اس مشغلہ نے تمہیں میری یاد بھلا دی اور تم ان سے ہنسی مذاق کیا کرتے تھےO بے شک آج میں نے انہیں اس لیے بہترین جزا دی ہے کہ انہوں نے صبر کیا' بے شک وہی کامیاب ہیںO اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم زمین پر گنتی کے کتنے برس ٹھہرے رہے ہوO وہ کہیں گے: ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے رہے ہیں' سو گنتی کرنے والوں سے پوچھ لیجئےO فرمائے گا: تم تو نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا سا عرصہ اگر تمہیں علم ہوتاO

صحابۂ کرام کی عظمت اور کفار کی مذمت کا بیان

۱۰۹'۱۱۰- ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ ﴿كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ○ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا﴾ میرے بندوں میں سے ایک گروہ کہتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لا چکے ہیں' سو آپ ہمیں بخش دیں اور ہم پر رحم فرمائیں اور آپ سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہیںO تو (اے کافرو!) تم نے ان کو مذاق بنالیا۔ بعض مفسرینِ کرام نے فرمایا کہ اس گروہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں جن کا کفار اسلام قبول کرنے پر مذاق اڑایا کرتے تھے اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ اس گروہ سے مخصوص اصحاب صُفّہ مراد ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم نے انہیں مذاق بنالیا اور تم نے ان کے ساتھ مذاق اڑانے کو باہمی مشغلہ بنالیا["سِخْرِيًّا" دوسرا مفعول ہے اور نافع مدنی' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں سین پر پیش (یعنی "سُخْرِيًّا") ہے اور یہ دونوں "سُخْر" کی طرح مصدر ہیں مگر ان دونوں میں مبالغہ کرنے کے لیے نسبت کی "یا" ہے] ﴿حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ﴾ یہاں تک کہ ان کے ساتھ تمہارے ہنسی مذاق کے باہمی مشغلے نے تمہیں بھلا دیا ﴿ذِكْرِيْ﴾ مجھے یاد کرنا' پس تم نے میری یاد کو چھوڑ دیا یعنی تمہارا صحابۂ کرام کے ساتھ ہنسی مذاق اڑانے کا مشغلہ تمہارے لیے میری یاد کو بھلانے کا سبب بن گیا ﴿وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ﴾ اور تم ان سے ہنسی مذاق اڑایا کرتے تھے۔

۱۱۱- ﴿اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا﴾ بے شک میں آج انہیں ان کے صبر پر جزائے خیر عطا کروں گا ﴿اَنَّهُمْ﴾ "اَیْ لِاَنَّهُمْ" یعنی اس لیے کہ بے شک وہ ﴿هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ وہی کامیاب ہیں [اور یہ جائز ہے کہ یہ دوسرا مفعول ہو یعنی میں آج انہیں ان کے صبر پر کامیابی عطا کرنے کی صورت میں جزا دوں گا کیونکہ "جَزٰی" دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے یہ ارشاد ہے: "وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً" (الدھر:۱۲) "اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کے صبر پر جزاء میں جنت عطا فرمائے گا"۔ قاری حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں جملہ مستأنفہ کی بناء پر "اِنَّهُمْ" ہمزہ مکسور کے ساتھ ہے] یعنی بے شک وہی صحابۂ کرام کامیاب ہیں (اے کافرو!) تم نہیں۔

۱۱۲- ﴿قٰلَ﴾ اس نے فرمایا' یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا پھر فرشتوں میں سے جس فرشتے کو ان سے سوال کرنے کا حکم دیا جائے گا وہ فرشتہ فرمائے گا [قاری ابن کثیر مکی' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "قُلْ" ہے] یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو حکم دیا کہ تو ان سے سوال کر اور ان سے کہہ کہ ﴿كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ تم دنیا میں زمین پر کتنی مدت ٹھہرے ہو ﴿عَدَدَ سِنِيْنَ﴾ گنتی کے سال یعنی تم گنتی کے کتنے سال (دنیا میں) ٹھہرے ہو [پس "كَمْ"، "لَبِثْتُمْ" کی وجہ سے منصوب ہے اور "عدد" تمیز ہے]۔

۱۱۳- ﴿قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ انہوں نے کہا: ہم ایک دن یا دن کا بعض حصہ ٹھہرے تھے۔ کفار نے

دنیا میں اپنے ٹھہرنے کی مدت کو دوزخ میں دائمی زندگی کے مقابلے میں کم اور تھوڑا قرار دیا اور اس لیے بھی کہ دوزخ میں انہیں عذاب میں مبتلا ہونا پڑا کیونکہ امتحان دینے والے کو محنت و مشقت کا زمانہ طویل اور لمبا محسوس ہوتا ہے اور آزادی اور فرحت و خوشی اور آرام کا جو زمانہ اس پر گزر چکا ہوتا ہے وہ اس کو کم اور تھوڑا لگتا ہے ﴿فَسْئَلِ الْعَآدِّیْنَ﴾ سو حساب کی گنتی کرنے والوں سے پوچھ لیجئے یا ان فرشتوں سے پوچھ لیجئے جو بندوں کی عمریں اور ان کے اعمال گنتے رہتے ہیں [ابن کثیر مکی اور علی کسائی کی قراءت میں ہمزہ کے بغیر "فَسَلْ" ہے]۔

۱۱۴- ﴿قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ فرمایا: تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ یعنی تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا سا زمانہ یا تھوڑا ٹھہرنا (حرف "اِنْ" نافیہ ہے اور "مَا" کے معنی میں ہے) ﴿لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جانتے ہو۔ انہوں نے دنیا میں اپنی ٹھہرنے کی مدت کو کم خیال تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق فرما دی اور ان کو اس غفلت پر ڈانٹا' جس کی وجہ سے وہ دنیا میں غافل رہے (کہ اپنے آپ کو تباہ و برباد کر لیا)۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَ مَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ وَ اَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۱۸﴾

تو کیا تم نے یہ خیال کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں محض بے کار پیدا کیا اور یہ کہ یقیناً تم ہمارے پاس واپس پلٹ کر نہیں لائے جاؤ گے ○ سو بہت برتر ہے اللہ حقیقی بادشاہ' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہی عرشِ کریم کا مالک ہے ○ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت کرتا ہے' اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے' سو اس کا حساب یقیناً صرف اس کے رب تعالیٰ کے پاس ہے' بے شک کافر نجات نہیں پائیں گے ○ (اے محبوب! دعا کے لیے) عرض کیجئے: اے میرے پروردگار! بخش دے اور رحم فرما اور آپ سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہیں ○

انسان کی تخلیق کا مقصد اور اللہ تعالیٰ کی توحید و شان کا بیان

۱۱۵- ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا﴾ تو کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں بے کار و بے فائدہ پیدا کیا ہے ["عَبَثًا" حال ہے یعنی در آں حالیکہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے یا مفعول لہ ہے یعنی ہم نے تمہیں کھیل تماشا کے لیے پیدا کیا ہے] ﴿وَّ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴾ اور یہ کہ بے شک تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے یعنی تمہارا خیال ہے کہ ہم تمہیں بے کار چیز سمجھ کر چھوڑ دیں گے اور تم ہمارے پاس لوٹ کر دوبارہ نہیں آؤ گے بلکہ ہم نے تمہیں شرعی احکام کی تکلیف اور ذمہ داری پوری کرنے کے لیے پیدا کیا ہے' پھر ہم اس دار التکلیف اور دار الامتحان دنیا سے دار الجزاء آخرت کی طرف تمہیں لوٹا کر لے جائیں گے' پھر ہم نیکوں کو اجر و ثواب اور دائمی نعمتیں عطا کریں گے اور بدکاروں کو دوزخ میں عذاب دیں گے [قاری حمزہ اور علی کسائی اور یعقوب کی قراءت میں "تَا" پر زبر اور جیم کے نیچے زیر دے کر "لَا تَرْجِعُوْنَ" پڑھا جاتا ہے اور یہ "خَلَقْنَاکُمْ" پر معطوف ہے یا "عَبَثًا" پر معطوف ہے]۔

۱۱۶- ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ﴾ سو اللہ بے کار و بے فائدہ پیدا کرنے سے بہت بلند و برتر ہے ﴿الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ حقیقی بادشاہ ہے وہی ایک ذات ہے جو اس بات کی حق دار ہے کہ حقیقی بادشاہی اسی کی ہے کیونکہ ہر چیز اسی کی طرف سے دنیا میں آئی اور اسی کی طرف جائے گی یا وہ ایسا حقیقی اور سچا بادشاہ ہے جو ہمیشہ قائم و ثابت ہے اس کو زوال نہیں اور نہ اس کی بادشاہی کو زوال ہوگا ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ﴾ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی عرشِ کریم کا مالک ہے عرش کو کرم کے ساتھ اس لیے متصف کیا گیا ہے کہ اس کی طرف سے رحمت کا نزول ہوتا ہے یا اس لیے کہ تمام کرم کرنے والوں سے بڑھ کر کرم فرمانے والے مالک کی طرف اسی کی نسبت کی گئی ہے [اور ایک شاذ قراءت میں ''الکریم'' کو ''رَبُّ'' کی صفت قرار دے کر مرفوع پڑھا گیا ہے]۔

۱۱۷- ﴿وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود کی عبادت کرتا ہے اس کے لیے اس پر کوئی دلیل نہیں۔ [''لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ'' شرط اور جزاء کے درمیان جملہ معترضہ ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے: ''مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى زَيْدٍ لَا اَحَقُّ بِالْاِحْسَانِ مِنْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ مُثِيْبُهٗ'' جو شخص زید پر احسان کرے گا جس سے بڑھ کر احسان کا کوئی حق دار نہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو اجر و ثواب عطا کرے گا یا یہ ''اِلٰه'' کی صفت لازمہ ہے جس کو تاکید کے لیے لایا گیا ہے جیسے ''يَطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ'' (الانعام: ۳۸) ''پرندے اپنے پروں کے ساتھ اُڑتے ہیں'']۔ یہ مطلب نہیں کہ باطل معبود میں کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جس پر دلیل قائم کرنا جائز ہے ﴿فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ﴾ تو اس کا حساب یعنی اس کی جزا ﴿عِنْدَ رَبِّهٖ﴾ اس کے پروردگار کے پاس ہے یعنی پس وہی یقیناً اس کو جزا دے گا [یہ پورا جملہ شرط ''وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ'' کی جزا ہے] ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ بے شک کافر فلاح و نجات نہیں پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا آغاز ''قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ'' (بے شک مؤمن نجات پا گئے) سے کیا اور اس کا اختتام ''اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُوْنَ'' (بے شک کافر نجات نہیں پائیں گے) پر کیا تو آغاز اور اختتام کے درمیان کس قدر بُعد اور فاصلہ ہے پھر اللہ تعالیٰ نے مغفرت و رحمت مانگنے کی ہمیں تعلیم دی اور فرمایا:

۱۱۸- ﴿وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ﴾ اور اے محبوب! عرض کیجئے کہ اے میرے پروردگار! (میری امت کی) بخشش فرما اور (اس پر) رحم فرما پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ اور (اے میرے رب تعالیٰ!) آپ سب رحم کرنے والوں میں سے سب سے بہترین رحم فرمانے والے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جس کو اپنی آغوش میں گھیر لیتی ہے اسے غیر کی رحمت سے مستغنی و بے نیاز کر دیتی ہے اور غیر کی رحمت اس کی رحمت سے بے نیاز و بے پرواہ نہیں کرتی۔

آیاتہا ۶۴ رکوعاتہا ۹	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	(۲۴) سورۃ النور مدنیۃ (۱۰۲)
اس کی چونسٹھ آیات نو رکوع ہیں	اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○	سورۃ النور مدنی ہے

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ① اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ

مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ؗ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾

یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کیا ہے اور ہم نے اس میں روشن آیتیں نازل کیں تا کہ تم نصیحت حاصل کرو○ زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد سوان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرنے میں ان دونوں پر تمہیں رحم و کرم نہ گھیر لے اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دین پر ایمان رکھتے ہو اور مسلمانوں کا ایک گروہ ان دونوں کی سزا کے وقت حاضر رہنا چاہیے○ زنا کرنے والا مرد نکاح نہ کرے مگر زنا کرنے والی عورت سے یا مشرکہ سے اور زنا کرنے والی عورت سے نکاح نہ کرے مگر زنا کار مرد یا مشرک مرد اور ان سے نکاح کرنا مؤمنوں پر حرام قرار دے دیا گیا ہے○

زنا سے متعلق احکام کا بیان

یہ سورتِ نور مدنی ہے اس کے نو رکوع اور چونسٹھ آیات ہیں۔

۱- ﴿سُوْرَةٌ﴾ [مبتدا محذوف کی خبر ہے] ''اَیْ هٰذِهٖ سُوْرَةٌ'' یعنی یہ ایک سورت ہے ﴿اَنْزَلْنٰهَا﴾ جس کو ہم نے نازل کیا ہے [یہ جملہ ''سُوْرَةٌ'' کی صفت ہے اور جناب طلحہ نے ''زَيْدًا ضَرَبْتُهٗ'' کی بناء پر (کہ ''زیدًا'' مفعول مقدم ہے کی طرح) ''سُوْرَةً اَنْزَلْنَاهَا'' (میں ''سُوْرَةً'' مفعول مقدم ہے اس لیے اس کو منصوب) پڑھا ہے یا ''اُتْلُ سُوْرَةً'' کی بناء پر منصوب پڑھا ہے (کہ ''سُوْرَةً'' فعل امر حاضر کا مفعول ہے) یعنی اس سورت کو تلاوت کیجئے] اور سورت قرآن مجید کے اس حصہ کا نام ہے جو ایسے مجموعہ آیات پر مشتمل ہو جس کا باقاعدہ آغاز ہو اور اس کا اختتام ہو اور یہ ''سور المدينه'' سے مشتق ہے یعنی شہر کی بیرونی سب اطراف سے محیط دیوار ﴿وَّفَرَضْنٰهَا﴾ اور ہم نے اس کو فرض کیا یعنی ہم نے اس کے احکام کو فرض کیا ہے جو اس سورت میں بیان کیے گئے ہیں اور ''فرض'' کا اصل معنی کاٹنا اور الگ کرنا ہے یعنی ہم نے اس سورت کے احکام و آیات کو الگ الگ وضاحت سے بیان کیا ہے [ابن کثیر مکی اور ابو عمرو کی قراءت میں اس کے وجوب اور اس کی تاکید میں مبالغہ کے لیے تشدید کے ساتھ (باب تفعیل سے) ہے] یا اس لیے کہ اس سورت میں بہت زیادہ فرائض و احکام بیان کیے گئے ہیں یا اس لیے کہ اس سورت کے احکام بہت سے لوگوں پر فرض کیے گئے ہیں گزشتہ لوگوں پر بھی اور آئندہ لوگوں پر بھی ﴿وَاَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ﴾ اور ہم نے اس سورت میں بہت سی روشن آیات یعنی واضح دلائل نازل کیے ہیں ﴿لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تا کہ تم نصیحت حاصل کرو [قاری حمزہ علی کسائی خلف اور امام حفص کی قراءت میں ذال مشدد کی بجائے مخفف ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے احکام کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا چنانچہ ارشاد فرمایا:

۲- ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ﴾ [یہ مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہیں اور خبر محذوف ہے] یعنی تم پر جو احکام فرض کیے گئے ہیں ان میں ایک فرض یہ ہے کہ زنا کارہ عورت اور زنا کار مرد کی سزا چمڑے کے کوڑے مارنا ہے [یا یہ خبر ہیں ''فَاجْلِدُوْا'' میں ''فا'' جزائیہ اس لیے داخل کی گئی ہے کہ الف لام بہ معنی ''اَلَّذِیْ'' ہے اور وہ شرط کے معنی کو متضمن ہیں] اور اس کی تقدیر یہ ہے: ''اَلَّتِیْ زَنَتْ وَالَّذِیْ زَنٰی فَاجْلِدُوْهُمَا'' جو عورت زنا کاری کرے اور جو مرد زنا کاری کرے تو تم ان دونوں کو کوڑے مارو جیسا کہ تم کہتے ہو: ''مَنْ زَنٰی فَاجْلِدُوْهُ'' جو شخص زنا کرے تو تم اس کو کوڑے مارو اور جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ'' (النور: ۴) ''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت

لگا ئیں' پھر وہ چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو تم انہیں کوڑے مارو''۔[اور جناب عیسیٰ ابن عمر نے پوشیدہ فعل کے مفعول ہونے کی وجہ سے ان دونوں کو منصوب پڑھا ہے' اس شرط پر کہ ان کے بعد فعلِ ظاہر اس کی تفسیر کرتا ہے اور یہ ''سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا'' سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ ان کے بعد فعل امر ہے] ﴿فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ سوتم ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ ''جلد'' سے چمڑے کے کوڑے سے مارنا مراد ہے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کوڑے مارنے میں اتنا مبالغہ نہ کیا جائے کہ مارنے کی تکلیف چمڑے کے نیچے گوشت تک پہنچ جائے اور یہ خطاب حکام کے لیے ہے کیونکہ شرعی حد کو نافذ کرنا دین میں سے ہے اور یہ ہر مسلمان پر فرض ہے' مگر اجتماع کر کے مجرموں کو سزا دینا عوام کے لیے ناممکن ہے' پس حاکمِ اعلیٰ سب کی طرف سے نمائندہ ہوگا اور یہ حکم غیر شادی شدہ آزاد کا ہے' شادی شدہ کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ شادی شدہ زانی کا حکم سنگسار کرنا ہے اور شادی شدہ کو سنگسار کرنے کے لیے درج ذیل شرائط ہیں: (١) آزاد ہو (٢) عاقل ہو (٣) بالغ ہو (٤) مسلمان ہو (٥) صحیح نکاح کے ساتھ شادی شدہ ہو (٦) دخول ہوا ہو' اور یہ سزا اس بات کی دلیل ہے کہ مجرم کو سزا کے بعد جلاوطن کرنا جائز نہیں ہے [کیونکہ حرفِ ''فا'' جزاء پر داخل ہوتا ہے] لہٰذا سو کوڑے مارنا مکمل سزا ہے اور یہی نام کافی ہے اور جلاوطن کرنا جو روایت کیا گیا ہے وہ اس آیتِ مبارکہ سے منسوخ ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ'' (النساء:١٥) ''سوتم ان بدکارہ خواتین کو گھروں میں قید کر کے رکھو''۔ اور ارشاد ہے: ''فَاٰذُوْهُمَا'' (النساء:١٦) ''سوتم ان دونوں (مجرموں) کو ایذاء اور تکلیف دو''۔ پہلی آیت مبارکہ میں قید کرنے اور دوسری آیت مبارکہ میں تکلیف پہنچانے کا حکم دیا گیا لیکن یہ دونوں قید کرنے اور تکلیف دینے کے حکم اس آیت مبارکہ سے منسوخ ہو گئے ہیں ﴿وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ﴾ اور تمہیں ان دونوں کے متعلق رحمت و شفقت نہ گھیر لے اور بعض نے فرمایا کہ ''رَافت'' ناپسندیدہ چیز کے دفع کرنے کو کہتے ہیں اور ''رحمت'' پیاری چیز کے دینے کو کہتے ہیں اور معنی یہ ہے کہ مسلمانوں پر واجب ولازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں متصلب یعنی سخت اور مضبوط ہوں اور اللہ تعالیٰ کی حدود کے نفاذ میں کسی قسم کی نرمی اور ترس انہیں نہ گھیر لے اور وہ نرمی اور رعایت سے کام لے کر حدودِ الٰہی کو معطل نہ کر دیں یا کوڑے مارنے کی سزا میں کمی نہ کر دیں [لغت میں ''رَاٰفَةٌ'' میں ''رَا'' مفتوح ہے اور یہ ابن کثیر مکی کی قراءت ہے] ﴿فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری میں یا اس کے حکم میں ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے دین کے لیے ترغیب دینے اور غصہ کو ابھارنے اور اس میں تحریک پیدا کرنے کے باب سے ہے [اور جوابِ شرط پوشیدہ ہے] یعنی پس تم مجرموں کو کوڑے مارو اور شرعی حد کو معطل نہ کرو ﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو ان دونوں کی سزا کے وقت حاضر ہونا چاہیے (یعنی) جس جگہ زانی اور زانیہ کو کوڑے مارنے کی سزا دینی ہے اس جگہ مؤمنوں کا ایک گروہ حاضر ہو اور اس حد کا نام عذاب رکھنا اس کے سزا ہونے کی دلیل ہے اور ''طَآئِفَة'' سے ممکن ہے ایک ایسا گروہ مراد ہو جو حد جاری کرنے کی جگہ کے اردگرد دائرہ کی شکل میں ایک حلقہ بن سکے تاکہ یہ لوگ عبرت حاصل کریں اور خود مجرم ڈر جائے اور اس کی کم از کم تعداد تین آدمی ہیں یا چار آدمی اور یہ ایک صفت غالبہ ہے گویا وہ گروہ اتنی جماعت ضرور ہو' جو کسی چیز کے اردگرد حلقہ بن سکے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ گروہ چار افراد سے لے کر چالیس افراد تک ہو' اور ''مؤمنین'' سے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق کرنے والا مسلمانوں کا ایک گروہ مراد ہے۔

٣۔ ﴿اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ﴾ زنا کار مرد نکاح نہ کرے مگر

زنا کارہ عورت سے یا مشرکہ عورت سے اور زنا کارہ عورت سے نکاح نہ کرے مگر زنا کار مرد یا مشرک مرد یعنی خبیث و پلید وہ شخص ہے‘ جس کی زنا کاری عادت ہو‘ ایسا شخص نیک عورتوں سے نکاح کرنے کی رغبت نہیں رکھتا اور وہ تو صرف اپنی جیسی خبیثہ اور گندی عورت یا مشرکہ عورت میں رغبت رکھتا ہے اور اسی طرح زنا کارہ خبیثہ اور گندی عورت نیک مردوں سے نکاح کی رغبت نہیں رکھتی‘ وہ تو صرف اپنے جیسے فاسق و فاجر بدکار یا مشرک مردوں سے نکاح کی رغبت رکھتی ہے‘ سو یہ آیت مبارکہ زنا کار مرد و زن کے نکاح سے نفرت دلاتی ہے اور ان سے پرہیز کرنے کی ترغیب دیتی ہے کیونکہ زنا کاری قباحت و بُرائی میں شرک کی مثل ہے اور ایمان عفت و پاک دامنی کی مثل ہے اور اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ”اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ“ (النور:۲۶) ”زنا کارہ عورتیں زنا کار مردوں کے لیے اور زنا کار مرد زنا کارہ عورتوں کے لیے ہیں“۔ اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ زنا کار عورت سے نکاح کرنا شروع اسلام میں حرام کر دیا گیا تھا‘ پھر یہ حکم (درج ذیل) ارشادِ مبارکہ سے منسوخ کر دیا گیا ”وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ“ (النور:۳۲) ”اور تم اپنوں میں سے بے نکاح مرد و زن کا نکاح کر دو“۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت مبارکہ میں نکاح سے وطی اور جماع مراد ہے‘ اس لیے کہ غیر زانی شخص زانیہ عورت سے نفرت کرتا ہے اور اس کو نہ چاہتا ہے اور نہ اس کو پسند کرتا ہے اور یہی صحیح ہے لیکن یہ اس بات کی طرف لے جائے گا کہ زنا کار مرد صرف زنا کارہ عورت سے زنا کرتا ہے اور زنا کارہ عورت صرف زنا کار مرد سے زنا کراتی ہے اور حضور ﷺ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا‘ جس نے ایک عورت سے زنا کیا‘ پھر اسی سے شادی کر لی تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص کا آغاز زنا ہے اور اس کی انتہاء نکاح ہے اور اس آیت مبارکہ کے پہلے جملہ کا معنی یہ ہے کہ زنا کار مرد کی صفت اور عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ پاک دامن نیک عورتوں میں رغبت و خواہش نہیں کرتا لیکن بدکار عورتوں کی رغبت و خواہش کرتا ہے اور آیت مبارکہ کے دوسرے جملہ کا معنی یہ ہے کہ زنا کارہ عورت کی صفت و عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ پاک دامن اور نیک مردوں میں رغبت و خواہش نہیں کرتی لیکن زنا کار مردوں میں بڑی رغبت و خواہش کرتی ہے اور یہ دونوں مختلف معانی ہیں اور اس آیت مبارکہ سے پہلی آیت میں زانیہ کا زانی سے پہلے ذکر کیا گیا ہے‘ اس لیے کہ وہ آیت مبارکہ زانیہ اور زانی دونوں کے زنا کے جرم پر سزا دینے کے لیے بیان کی گئی ہے اور عورت وہ مادہ ہے‘ جس سے یہ جرم پروان چڑھتا ہے کیونکہ اگر عورت مرد کو لالچ نہ دے اور اس کو اپنی طرف مائل نہ کرے اور اس کو اپنے اوپر اختیار و کنٹرول اور تسلط نہ دے تو مرد اس کا لالچ نہیں کرے گا اور نہ وہ اس پر غالب و مسلط ہو سکے گا‘ پس جب عورت اس جرم کے ارتکاب میں اصل ہے اور پہل اسی کی طرف سے ہوتی ہے تو اس لیے اس کا ذکر پہلے کیا گیا لیکن یہ دوسری آیت مبارکہ ذکرِ نکاح کے لیے بیان کی گئی ہے اور نکاح میں اصل مرد ہے کیونکہ منگنی کا پیغام مرد کی طرف سے ہوتا ہے اور نکاح کا مطالبہ مرد کی طرف سے ہوتا ہے [اور فعل نہی کی بناء پر ”لَا یَنْكِحُ“ کے آخر میں پیش کی بجائے جزم کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور مرفوع (یعنی پیش کی صورت میں) کی حالت میں بھی نہی کا معنی ملحوظ ہے بلکہ زیادہ بلیغ و مؤکد ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ محض خبر ہو اس معنی کی بناء پر کہ زانیہ عورت اور زانی مرد کی یہ عادت جاریہ ہے] اور مؤمن پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس بُری عادت میں داخل نہ کرے اور وہ اس سے بچتا رہے ﴿وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور یہ مسلمانوں پر حرام کر دیا گیا ہے یعنی زنا مسلمانوں پر حرام کر دیا گیا ہے یا یہ معنی ہے کہ زنا کار عورت سے زنا کی کمائی حاصل کرنے کے ارادے سے نکاح کرنا حرام کر دیا گیا ہے یا زنا کار مردوں سے اس لیے نکاح کرنا حرام کر دیا گیا ہے کہ اس صورت میں فاسقوں اور بدکاروں کے ساتھ مشابہت ہو جاتی ہے اور تہمت و الزام تراشی کے مواقع نکل آتے ہیں اور یہ صورت غیبت کرنے اور بُری باتیں کہنے کا سبب بن جاتی ہے اور خطاء کاروں کی مجالس میسر ہو جاتی ہیں اور بہت سے

لوگ بُروں کی مجالس میں جا کر گناہوں کا ارتکاب کرنے لگ جاتے ہیں تو زنا کار مردوں اور عورتوں سے نکاح اور شادی و بیاہ کے سبب گناہوں سے کیسے بچے گا۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (زنا) کی تہمت لگائیں' پھر وہ چار گواہ نہ لا سکیں تو تم انہیں اسّی کوڑے مارو اور تم ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو' اور یہی لوگ فاسق ہیں ۝ مگر وہ لوگ جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور انہوں نے اپنی اصلاح کر لی' تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے ۝ اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس سوائے اپنی ذاتوں کے اور گواہ نہ ہوں تو ان کے لیے اکیلے کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے' کہ بے شک وہ ضرور سچا ہے ۝

زنا کی تہمت لگانے کے احکام

٤- ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ اور جو لوگ پاک دامن عفت مآب عورتوں پر تہمت لگائیں یعنی جو لوگ آزاد اور پاک دامن مسلمان مکلّف عورتوں پر زنا کاری کی تہمت لگائیں اور تہمت زنا کاری پر بھی ہوتی ہے اور اس کے علاوہ دوسری غلط کاریوں پر بھی ہوتی ہے اور یہاں اس آیت مبارکہ میں عورتوں پر زنا کاری کی تہمت لگانا مراد ہے مثلاً یوں کہہ دے: اے زانیہ عورت! کیونکہ یہاں زنا کارہ عورتوں کے ذکر کے بعد "محصنات" یعنی پاک دامن خواتین کا ذکر کیا گیا ہے اور چار گواہوں کی شرط لگائی گئی ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ﴾ پھر وہ چار گواہ نہ لا سکیں یعنی پھر وہ چار گواہ ایسے پیش نہ کر سکیں جو زنا پر گواہی دیں' اس لیے کہ بغیر زنا کے کوئی اور تہمت لگانا جیسے کوئی کہے: اے فاسق! اے سود خور! تو اس صورت میں صرف دو گواہ کافی ہوتے ہیں اور ایسی تہمت لگانے والے شخص پر تعزیر لاگو ہوتی ہے اور حد قذف (تہمت پر سزا دینے) کے لیے محصن میں پانچ شرطیں ہونا ضروری ہیں: (۱) آزاد ہونا (۲) عاقل ہونا (۳) بالغ ہونا (۴) مسلمان ہونا (۵) زنا سے پاک ہونا اور پاک دامن عورت کی طرح پاک دامن مرد پر زنا کی تہمت لگانے والے پر بھی حد قذف واجب ہو جائے گی ﴿فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾ تو تم ان کو اسّی کوڑے مارو اگر تہمت لگانے والا آزاد ہو ["ثمانين" مصادر کی طرح منصوب ہے جیسے "مِائَةَ جَلْدَةٍ" منصوب ہے اور "جَلْدَةً" تمیز کی بناء پر منصوب ہے] ﴿وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ اور تم ہمیشہ کے لیے ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو' [اور "شهادة" کو نفی کے تحت نکرہ لایا گیا] جس کی وجہ سے یہ ہر گواہی کو عام ہو گیا اور ہمارے نزدیک حد میں اس کی گواہی رد کر دی گئی ہے اور یہ پوری حد کے ساتھ یا اس کے بعض کے ساتھ متعلق ہے جیسا کہ مشہور ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی گواہی صرف حد قذف میں مردود ہو گی' پس ہمارے

نزدیک یہ شرط کی جزاء ہے اور وہ تہمت لگانا اور کوڑے مارنا ہے اور یہ گواہی ہمیشہ کے لیے مردود ہوگی اور ''اَبَدًا'' کا معنی ہے: پوری زندگی میں گواہی قبول نہیں ہوگی ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ اور یہی لوگ فاسق و نافرمان ہیں [یہ مستقل الگ کلام ہے جسے جملہ مستأنفہ کہا جاتا ہے' شرط کی جزاء کے محل میں داخل نہیں ہے' گویا یہ جملہ شرطیہ کے ختم ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے نزدیک الزام تراشی کرنے والوں کے حال کی حکایت ہے]۔

۵۔ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا﴾ مگر جن لوگوں نے اس کے بعد یعنی تہمت لگانے کے بعد توبہ کر لی اور انہوں نے اپنے حالات کی اصلاح کر لی [یہ ارشاد ''الفاسقون'' سے استثناء ہے اور اس پر ''فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' دلالت کر رہا ہے] ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ پس اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے یعنی وہ ان کے گناہوں کو بخش دے گا اور ان پر رحم و کرم فرمائے گا [ہمارے نزدیک استثناء کا حق یہ ہے کہ وہ منصوب ہو کیونکہ وہ کلام موجب سے ہے اور جس نے استثناء کو دوسرے جملہ سے متعلق کیا ہے' اس کے نزدیک مجرور ہے کیونکہ اس صورت میں یہ استثناء ''لَهُمْ'' میں ضمیر ''هُمْ'' سے بدل ہے]۔

۶۔ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اجنبی عورتوں پر تہمت لگانے کا حکم بیان کیا گیا ہے اور اب اس آیت مبارکہ میں بیویوں پر تہمت لگانے کا حکم بیان کیا جا رہا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ﴾ اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں یعنی وہ اپنی بیویوں پر زنا کاری کی تہمت لگائیں ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ﴾ اور ان کے پاس گواہ نہ ہوں یعنی ان کے پاس ان کی بات کی تصدیق کرنے کے لیے ایسے افراد نہ ہوں' جو ان کے حق میں اس بات پر گواہی دیں ﴿اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ﴾ سوائے ان کی اپنی ذاتوں کے [یہ ''شهدآء'' سے بدل ہونے کی بناء پر مرفوع ہے] ﴿فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ تو ان کے اکیلے کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار دفعہ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر یہ گواہی دے کہ بے شک وہ اپنی بیوی پر زنا کاری کی تہمت لگانے میں ضرور سچا ہے [ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں ''اَرْبَعُ'' خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور مبتدا ''فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ'' ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک منصوب ہے کیونکہ یہ مصدر کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے مصدر کے حکم میں ہے اور اس میں عامل مصدر ہے' وہ جو ''فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ'' ہے اور اس صورت میں اس کی خبر محذوف ہوگی] جس کی تقدیر یہ ہوگی: ''فَوَاجِبٌ شَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اَنَّهٗ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَاهَا بِهٖ مِنَ الزِّنٰى'' پس ان کے اکیلے کی گواہی واجب ہے کہ وہ چار دفعہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر یہ گواہی دیں کہ بے شک وہ اپنی بیوی پر زنا کاری کی تہمت لگانے میں ضرور سچوں میں سے ہے (یعنی وہ خود سچا ہے)۔

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۷﴾ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۸﴾ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع

اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو بے شک اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو○ اور عورت سے یہ سزا اس طرح دور ہو جائے گی کہ وہ چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ بے شک وہ مرد جھوٹا ہے○ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر وہ

(مرد) سچا ہو تو بے شک اس (عورت) پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو O اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تمہیں ضرور سزا ملتی) اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا' سب سے بڑا دانا ہے O

۷- ﴿وَالْخَامِسَةُ﴾ [اس کے مرفوع ہونے میں یہاں کسی کا اختلاف نہیں' مشہور یہی ہے اور اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: "وَالشَّهَادَةُ الْخَامِسَةُ"] اور پانچویں دفعہ یہ گواہی دے کہ ﴿اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ بے شک اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت و پھٹکار ہو [سو یہ مبتدا خبر ہیں] ﴿اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ اگر وہ جھوٹا ہو اس معاملہ میں' جو اس نے اپنی بیوی پر زنا کاری کی تہمت لگائی ہے۔

۸- ﴿وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ﴾ اور اس تہمت شدہ عورت سے سزا کو دور کر دے گا (یعنی) اس سے حبس بے جا کو دور کر دے گا ﴿اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ اس کا چار دفعہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر یہ گواہی دینا کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹا ہے اس معاملہ میں' جو اس نے مجھ پر زنا کاری کی تہمت لگائی ہے [''یدرؤا'' کا فاعل ''اَنْ تَشْهَدَ الخ'' ہے]۔

۹- ﴿وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اور پانچویں دفعہ کہے کہ اگر اس کا خاوند اس بات میں سچا ہو' جو اس نے مجھ پر زنا کاری کی تہمت لگائی ہے تو بے شک اس (یعنی عورت) پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو [امام حفص کی قراءت میں ''الخامسة'' کو ''اربع'' پر معطوف کر کے منصوب پڑھا گیا ہے اور ان کے علاوہ باقیوں کے نزدیک مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع پڑھا گیا ہے اور اس کی خبر ''اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ'' ہے اور قاری نافع مدنی کی قراءت میں ''اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ'' اور ''اَنْ غَضِبَ اللّٰهُ'' دونوں میں ''اَنْ'' مخفف ہے (یعنی نون ساکن ہے مشدد نہیں) اور ''غضب اللّٰه'' میں ضاد کے نیچے زیر ہے اور یہ دونوں مثقلہ کے حکم میں ہیں اور سہل اور یعقوب کی قراءت میں ''اَنْ غَضَبُ اللّٰهِ'' (''با'' پر پیش ہے)] ''غضب'' کو عورت کی جانب مخصوص کیا گیا کیونکہ عورتیں زیادہ تر لعن طعن اور غیظ و غضب کے الفاظ استعمال کرتی ہیں' جیسا کہ اس کے بارے میں حدیث شریف وارد ہے اور بسا اوقات عورتیں اپنی زبانوں پر لعن طعن اور قہر و غضب کے الفاظ کثرت سے استعمال کرنے کے لیے اقدام کی جرأت کرتی ہیں اور ایسے طنز و تشنیع کے الفاظ ان کے دلوں میں راسخ ہو چکے ہوتے ہیں' سو اس لیے ان کی جانب میں غضب کا ذکر کیا گیا ہے تا کہ یہ طریقہ ان کے لیے سرزنش کا باعث بن جائے اور دراصل ہمارے نزدیک لعان میاں بیوی کی وہ گواہیاں ہیں' جنہیں قسموں کے ساتھ مستحکم کیا جاتا ہے اور وہ لعنت کے ساتھ مقرون و متصل ہوتی ہیں اور یہ خاوند کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہیں اور بیوی کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام شہادت (یعنی گواہی) رکھا ہے' پس جب خاوند اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور وہ دونوں میاں بیوی گواہی دینے کے اہل ہوں تو ان دونوں کے درمیان لعان کرنا صحیح ہوگا اور جب وہ دونوں لعان کریں گے جیسا کہ ''کتاب النہر'' میں بیان کیا گیا ہے تو فرقت و جدائی واقع نہیں ہوگی' یہاں تک کہ قاضی ان دونوں کے درمیان جدائی کا فیصلہ کر دے اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لعان کرتے ہی میاں بیوی میں فرقت و جدائی پڑ جائے گی اور فرقت طلاق بائنہ ہوگی اور امام ابو یوسف اور امام زفر اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک میاں بیوی ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے پر حرام ہو جائیں گے اور یہ آیت لعان جناب ہلال یا جناب عویمر کے بارے میں نازل ہوئی تھی' جب انہوں نے کہا تھا کہ میں نے اپنی عورت خولہ کے پیٹ پر شریک بن سحماء کو دیکھا ہے لیکن اس کی عورت نے اس کو جھوٹا قرار دے دیا تو حضور نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کے درمیان لعان کرایا تھا[1]

[1] سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۲۴۵ وما بعدہ

۱۰۔ ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت یعنی نعمت نہ ہوتی اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے اور بڑی حکمت والا ہے [''لَوْ لَا'' کا جواب محذوف ہے] یعنی اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت و نعمت نہ ہوتی تو تم ضرور رسوا ہو جاتے یا اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور سزا دیتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

بے شک جن لوگوں نے بہت بڑا بہتان لگایا وہ تم میں سے ایک گروہ ہے' تم اسے اپنے لیے بُرا خیال نہ کرو' بلکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہے' ان میں سے ہر شخص کے لیے وہی گناہ ہے جو اس نے کمایا ہے' اور ان میں سے جس نے گناہ کا بڑا حصہ اٹھایا اس کے لیے بڑا عذاب ہے O ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اسے سنا تو مؤمن مردوں نے اور مؤمنہ عورتوں نے اپنے آپ میں نیک گمان کیا ہوتا' اور انہوں نے کہہ دیا ہوتا کہ یہ کھلم کھلا بہتان ہے O وہ اس پر چار گواہ کیوں نہیں لائے' سو جب وہ گواہ نہیں لا سکے تو یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں O

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عفت و پاک دامنی

۱۱۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ﴾ بے شک جو بہت بڑا بہتان لائے اور یہ کذب (جھوٹ) اور افتراء (بہتان) سے زیادہ بلیغ ہے اور اس کی اصل ''اَفْكٌ'' ہے اور اس کا معنی ہے: بدلنا' اس لیے کہ کسی پر بہتان تراشنے میں اصل طریقہ سے بات کو پھیرا جاتا ہے اور اس سے وہ بہتان مراد ہے' جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر لگایا گیا تھا۔

شانِ نزول: حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرا ایک ہار غزوۂ بنی مصطلق میں گم ہو گیا' جس کے سبب میں قافلہ سے پیچھے رہ گئی اور میرا ہودج (کجاوہ) اٹھا کر اونٹ پر رکھنے والوں کو میرے ہودج کے خالی ہونے کا علم نہ ہوا کیونکہ میں ہلکی پھلکی تھی' پھر جب قافلے کے لوگ کوچ کر کے چلے گئے تو پیچھے رہ جانے والے حضرت صفوان بن معطل نے اپنا اونٹ بٹھایا اور میں سوار ہو گئی اور وہ اونٹ ہانک کر چل پڑے یہاں تک کہ وہ مجھے لے کر قافلے میں پہنچے جب وہ ایک منزل پر اتر چکے تھے' سو میرے متعلق جس نے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہو گیا اور میں ایک ماہ بیمار رہی اور اس دوران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ ''كَيْفَ اَنْتِ'' کیسی ہو؟ لیکن میں اپنے ساتھ حضور کا وہ لطف و کرم نہیں دیکھتی تھی جو پہلے فرمایا کرتے تھے' یہاں تک کہ میرے والد کی خالہ حضرت ام مسطح گر پڑیں اور کہا: مسطح ہلاک ہو جائے تو میں نے اس پر بُرا منایا اور انہیں مسطح کو بُرا بھلا کہنے سے روک دیا تو انہوں نے اس بہتان تراشی کا سارا واقعہ مجھے بتایا' سو جب میں نے یہ واقعہ سنا تو زیادہ بیمار پڑ گئی اور میں حضور کی اجازت سے اپنے والدین کے گھر رہنے لگی' میرے آنسو نہیں تھمتے تھے اور نہ مجھے نیند آتی تھی اور میرے والدین کا خیال تھا کہ رونے سے میرا جگر پھٹ جائے گا' یہاں تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

فرمایا: اے حمیراء! تجھے بشارت ہو بے شک اللہ تعالیٰ نے تیری براءت و پاک دامنی کے متعلق آیات نازل فرمائی ہیں' میں نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوں آپ کی نہیں [1]

﴿عُصْبَةٌ﴾ دس افراد سے لے کر چالیس افراد تک ایک جماعت اور اس گروہ نے سخت سازش کی اور سب جمع ہوئے

---

[1] بندۂ ناچیز و پُر تقصیر یہاں ''تفسیر ضیاء القرآن'' کا بیان کردہ تفصیلی واقعہ کا انتخاب پیش کرتا ہے تا کہ مکمل واقعہ سمجھنا آسان ہو جائے' چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود روایت بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب سفر پر تشریف لے جاتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے۔ جس کے نام کا قرعہ نکلتا اس کو ہمرکابی کا شرف بخشتے۔ جب حضور غزوۂ بنی مصطلق پر روانہ ہوئے تو حسب معمول قرعہ ڈالا گیا تو میرا نام نکلا' چنانچہ میں حضور ﷺ کے ہمراہ گئی' اس وقت پردہ کے احکام نازل ہو چکے تھے۔ میں ہودج میں بیٹھی تھی اور جب لشکر روانہ ہوتا تو میرا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا جاتا اور جہاں قیام کیا جاتا وہاں ہودج اتار دیا جاتا' جب جہاد سے فراغت ہوئی تو حضور ﷺ نے واپسی کا قصد فرمایا' ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے اور رات بسر کی۔ رات کے پچھلے حصہ میں کوچ کی تیاری شروع ہو گئی۔ میں قضائے حاجت کے لیے باہر دور چلی گئی' جب واپس آئی تو میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا۔ میں اس کی تلاش میں پھر واپس لوٹ گئی' ہار تو مجھے مل گیا لیکن جب میں واپس آئی تو لشکر وہاں سے کوچ کر چکا تھا۔ جو لوگ میرے ہودج کو رکھنے اور پھر اتارنے پر مامور تھے' انہوں نے حسب عادت میرا ہودج اٹھایا اور اونٹ پر کس دیا۔ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ میں ہودج میں نہیں ہوں' کیونکہ اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں کیونکہ غذا مرغن نہیں ہوتی تھی اور میں تو کم عمر تھی' اس لیے ہودج میں میرے نہ ہونے کا انہیں احساس تک نہ ہوا' جب میں واپس آئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا' یہ خیال کر کے کہ جب وہ مجھے نہیں پائیں گے تو میری تلاش میں یہاں آئیں گے' میں وہیں ٹھہر گئی۔ حضرت صفوان بن معطل کی یہ ڈیوٹی تھی کہ وہ لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے' جب لشکر کوچ کرتا تو وہاں پہنچتے' اگر کسی کی کوئی چیز پڑی ہوئی ملتی تو اسے اٹھا کر اس کے مالک تک پہنچا دیتے۔ میں چادر لپیٹ کر لیٹ گئی۔ اتنے میں جناب صفوان آ پہنچے' ابھی صبح کا اندھیرا تھا۔ انہوں نے کسی کو دور سے سویا ہوا دیکھا تو قریب آئے۔ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا ہوا تھا' اس لیے مجھے پہچان لیا اور بلند آواز سے ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھا۔ ان کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ انہوں نے اپنا اونٹ میرے قریب لا کر بٹھایا اور مجھے سوار کر کے چل پڑے۔ ہم دوپہر کے وقت لشکر سے آملے۔ عبد اللہ بن اُبی رئیس المنافقین نے جب یہ دیکھا تو اس نے ایک طوفان برپا کر دیا۔ جب میں مدینہ شریف پہنچی تو بیمار پڑ گئی اور ایک ماہ تک بیمار پڑی رہی۔ لوگوں میں اس بات کا چرچا ہوتا رہا لیکن مجھے قطعاً اس کا کوئی علم نہ تھا' البتہ ایک بات مجھے کھٹک رہی تھی کہ میری علالت کے وقت جو لطف و عنایت حضور ﷺ مجھ پر فرمایا کرتے تھے وہ مفقود تھی۔ حضور ﷺ جب مزاج پرسی کے لیے تشریف لاتے تو صرف اتنا دریافت کرتے کہ تمہارا کیا حال ہے؟ اس سے مجھے شک گزرتا تاہم مجھے اس شر انگیز پروپیگنڈے کی خبر تک نہ تھی۔ ایک رات میں ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لیے مدینہ سے باہر گئی کیونکہ اس وقت تک گھروں میں بیت الخلاء بنانے کا رواج نہ تھا اور ہم دونوں جب فارغ ہو کر واپس آ رہی تھیں تو ام مسطح کا پاؤں چادر میں الجھا اور وہ گر پڑیں' ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا: مسطح ہلاک ہو' یہ اس کا بیٹا تھا' میں نے کہا: تم ایک بدری کے لیے ایسے الفاظ استعمال کر رہی ہو' یہ بہت بُری بات ہے۔ اس نے کہا: کیا تم نے نہیں سنا جو طوفان اس نے برپا کر رکھا ہے؟ میرے استفسار پر اس نے سارا واقعہ مجھے سنا دیا۔ یہ سن کر میرا مرض پھر عود کر آیا۔ حضور ﷺ تشریف لائے تو پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی: مجھے اپنے والدین کے پاس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ مقصد یہ تھا کہ میں والدین سے اس خبر کے متعلق تفصیلی حالات دریافت کروں' حضور ﷺ نے اجازت دی' میں میکے چلی آئی۔ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور یہ منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبَی' زید بن رفاعہ' حسان بن ثابت' مسطح ابن اُثاثہ اور حمنہ بنت جحش اور وہ لوگ بھی جو ان کے معاون و مددگار تھے ﴿مِّنۡكُمۡ﴾ تم میں سے (یعنی) مسلمانوں کی جماعت میں سے حالانکہ یہ مسلمان تو یہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک کسی پر بہتان گھڑنا کافروں سے واقع ہو سکتا ہے' مسلمانوں سے نہیں ہو سکتا ﴿لَا تَحۡسَبُوۡهُ شَرًّا لَّكُمۡ﴾ یعنی تم اس بہتان کو اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بُرا مت خیال کرو ﴿بَلۡ هُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ﴾ بلکہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر اجر و ثواب عنایت فرمائے گا اور یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو' ابوبکر صدیق' حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت صفوان اور مسلمانوں میں سے ان لوگوں کو ہے' جنہوں نے بہتان تراشوں کے جھانسے میں آ کر آپ کو دُکھ پہنچایا تھا ﴿لِكُلِّ امۡرِیٍٔ مِّنۡهُمۡ مَّا اكۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ﴾ ان میں سے ہر ایک آدمی کے لیے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا یعنی بہتان لگانے والے گروہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) امی جان! لوگ یہ کیا باتیں بنا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: بیٹی! زیادہ غمگین ہونے کی ضرورت نہیں' جب کوئی بیوی پاکیزہ صورت ہو اور اس کا شوہر اسے محبوب رکھے اور اس کی سوکنیں بھی ہوں تو اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ میں نے کہا: سبحان اللہ! لوگ میرے متعلق ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں رات بھر جاگتی رہی اور روتی رہی' صبح ہوئی تب بھی آنسو جاری تھے اور نیند کا نام و نشان تک نہ تھا۔ میرے شب و روز گریہ وزاری میں گزرتے' لمحہ بھر کے لیے نیند نہ آتی' میرے والدین کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ اس طرح رونے سے اس کا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ ایک دن میں رو رہی تھی کہ میرے والدین بھی میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے' ایک انصاری عورت ملنے کے لیے آئی' وہ بھی بیٹھ کر رونے لگی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے' سلام فرمایا اور بیٹھ گئے' اس سے پہلے کبھی بیٹھے نہ تھے' ایک مہینہ گزر چکا تھا' میرے بارے میں کوئی وحی نہیں اتری تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! تیرے بارے میں مجھے ایسی ایسی اطلاع ملی ہے' اگر تو پاک دامن ہے تو اللہ تعالیٰ تیری براءت بیان کر دے گا' اگر تم سے قصور سرزد ہو گیا ہے تو توبہ کر لے کیونکہ بندہ اگر قصور کا اعتراف کر لے اور توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ میرے آنسو یک دم خشک ہو گئے' میں نے اپنے والد محترم سے کہا کہ حضور ﷺ کو اس بات کا جواب دیں۔ انہوں نے فرمایا: میں کچھ جواب نہیں دے سکتا' پھر میں نے والدہ سے کہا' انہوں نے بھی معذوری ظاہر کی' میں اگرچہ نوعمر تھی' زیادہ قرآن بھی پڑھا ہوا نہ تھا لیکن میں نے عرض کی: بخدا! آپ لوگوں نے ایک بات سنی اور وہ تمہارے دلوں میں جم گئی' اگر میں یہ کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ میری بات نہیں مانیں گے اور اگر میں ایک ایسی بات کا اعتراف کروں جس سے خدا جانتا ہے کہ میں بَری ہوں تو آپ فوراً مان لیں گے۔ اب میرے لیے اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں کہ میں وہ بات کہوں جو حضرت یوسف کے باپ نے کہی تھی: ''فَصَبۡرٌ جَمِيۡلٌ وَاللّٰهُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوۡنَ'' (یوسف:١٨) ''تو صبر کرنا ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ تعالیٰ سے ہی مدد مطلوب ہے''۔ پھر میں منہ پھیر کر بستر پر لیٹ گئی' مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور میری براءت بیان فرمائے گا لیکن مجھے یہ خیال نہیں تھا کہ میرے بارے میں آیاتِ قرآنی نازل ہوں گی۔ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہ سمجھتی تھی۔ حضور ﷺ ابھی وہیں تشریف فرما تھے کہ نزولِ وحی کے آثار ظاہر ہونے لگے' سردی کے موسم میں بھی نزولِ وحی کے وقت پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے' جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو حضور ﷺ مسکرا رہے تھے اور پہلی بات جو حضور ﷺ نے فرمائی' وہ یہ تھی کہ اے عائشہ! خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تیری براءت بیان فرما دی ہے۔ میری والدہ نے مجھے کہا: اے عائشہ! اٹھ اور حضور ﷺ کا شکریہ ادا کر' میں نے کہا: بخدا! میں نہیں اٹھوں گی اور نہ کسی کا شکریہ ادا کروں گی' صرف اللہ تعالیٰ کا شکر کروں گی' جس نے میری براءت بیان فرمائی ہے۔ اس وقت یہ دس آیات ''ان الذين جآء وا بالافك الخ'' نازل ہوئیں۔

(ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن ج ٣ ص ٢٩٦ تا ٢٩٨)

میں سے ہر شخص پر اس کے گناہ کی سزا اسی مقدار پر ہوگی جس قدر گناہ میں اس نے حصہ لیا اور ان میں سے بعض خوب ہنسے اور بعض نے بہتان تراشی میں سخت گفتگو کی اور بعض اس میں خاموش رہے' نہ حصہ لیا اور نہ کسی کو روکا ﴿ وَالَّذِیۡ تَوَلّٰی کِبۡرَهٗ مِنۡهُمۡ ﴾ اور اس گروہ میں سے جس نے سب سے بڑے بہتان کا ارتکاب کیا یعنی سب سے بڑا بہتان عبداللہ بن اُبی نے تراشا تھا ﴿ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴾ اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے یعنی دوزخ کا عذاب۔ ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت صفوان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہودج کے پاس سے گزرے اور وہ اس وقت اپنی قوم کے سرداروں میں تھے اور کہا: لِمَنْ ہٰذِہٖ یہ کجاوہ کس کا ہے؟ تو انہوں نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے' تو آپ نے فرمایا کہ نہ یہ اس ہودج سے چھٹکارہ حاصل کریں گی اور نہ وہ ہودج ان سے چھٹکارہ حاصل کرے گا۔

۱۲- پھر اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے جھانسے میں آ کر اس بہتان میں مشغول ہونے والے مسلمانوں کو ملامت کی اور فرمایا: ﴿ لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ ﴾ ایسا کیوں نہ ہوا جب تم نے اسے یعنی اس بہتان کو سنا تو ﴿ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِهِمۡ خَیۡرًا ﴾ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اپنوں کے بارے میں جو انہیں میں سے ہیں' نیک گمان کرتے' پاک دامن اور نیک ہونے کا عقیدہ رکھتے کیونکہ تمام مسلمان ایک جان کی طرح ہیں اور یہ اس (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: ''وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ'' (الحجرات:۱۱) ''اور تم اپنے آدمیوں پر عیب نہ لگاؤ''۔ اور یہ اس روایت کی طرح ہے جس میں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسولِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ مجھے منافقین کے جھوٹ کا قطعی یقین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ آپ کے جسمِ اقدس پر مکھی بیٹھے کیونکہ نجاستوں پر بیٹھ کر نجاست سے آلودہ ہو جاتی ہے' سو جب اللہ تعالیٰ نے اتنی معمولی نجاست والی چیز کے چھونے سے آپ کو محفوظ رکھا تو آپ کو اس فاحشہ عمل سے آلودہ ہونے والی عورت سے کیسے محفوظ نہیں رکھے گا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے سائے مبارک کو زمین پر نہیں پڑنے دیا تاکہ کوئی انسان اپنا قدم اس مبارک سائے پر نہ رکھ سکے تو جب کسی شخص کے لیے آپ کے سائے مبارک پر قدم رکھنا ممکن نہیں ہے تو کسی شخص کا آپ کی زوجہ محترمہ کی عزت سے آلودہ ہونا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے اور اسی طرح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کے ذریعے آپ کو یہ خبر دی کہ آپ کے نعلین شریفین میں گھناؤنی چیز ہے اور آپ کو آپ کے پاؤں مبارک سے نعلین کے اتار دینے کا حکم دیا' صرف اس سبب سے کہ اس میں کوئی ہلکی سی گھناؤنی چیز لگی ہوئی تھی' لہٰذا اگر بفرضِ محال آپ کی زوجۂ محترمہ اس فاحشہ عمل سے آلودہ ہوگئی ہوتیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو ان سے الگ ہونے کا حکم کیسے نہ دیتا۔

اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے کیا تمہیں علم نہیں؟ تو اس نے کہا کہ اگر تم حضرت صفوان بن معطل کی جگہ ہوتے تو کیا تم رسول اللہ ﷺ کی حرم محترم کے ساتھ اس قسم کی بے حیائی کا ارادہ کر سکتے تھے؟ تو حضرت ابو ایوب انصاری نے فرمایا: ہرگز نہیں' تو ان کی بیوی نے کہا کہ اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جگہ پر میں ہوتی تو میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہرگز خیانت نہ کرتی جب کہ حضرت عائشہ صدیقہ تو مجھ سے بہت بہتر ہیں اور حضرت صفوان تم سے بہتر ہیں[1]

اور اس آیت مبارکہ میں خطاب سے غائب کی طرف اور اسم ضمیر سے اسم ظاہر کی طرف عدول کیا گیا ہے اور ''ظَنَنۡتُمۡ

---

[1] خود حضور سیّد عالم ﷺ کو الزام لگانے والوں کے جھوٹے ہونے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّقُلْتُمْ" نہیں فرمایا (کہ تم اپنوں کے متعلق نیک گمان رکھتے ہو اور تم کہتے یہ صریح جھوٹ) تا کہ خطاب کے طریقے پر ڈانٹنے اور دھمکانے میں مبالغہ ہو جائے اور تا کہ لفظ ایمان کی تصریح کے ساتھ اس بات پر رہنمائی مل جائے کہ ایمان میں اشتراک اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ کوئی مؤمن مرد اپنے اسلامی بھائی کے متعلق اور کوئی مؤمنہ عورت اپنی اسلامی بہن کے متعلق کسی عیب نکالنے والے اور زبانِ طعن دراز کرنے والے کی بات کی تصدیق نہ کرے اور یہی حسنِ ادب ہے' جس پر بہت کم لوگ کاربند ہیں اور بہت کم لوگ اس کی حفاظت کرتے ہیں اور کاش کہ تم ایسا مخلص پاتے جو یہ بہتان سنتا اور خاموشی اختیار کر لیتا اور اس کو اپنے بھائیوں میں نہ پھیلاتا ﴿وَّقَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ﴾ اور وہ کہتے کہ یہ کھلم کھلا بہتان ہے اور واضح طور پر جھوٹ ہے جو ان دونوں (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے مناسب نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کے بے قصور اور پاک دامن ہونے کا قطعی یقین تھا' چنانچہ آپ نے پورے یقین کے ساتھ حلفیہ ارشاد فرمایا:

فَوَ اللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلٰى اَهْلِىْ اِلَّا خَيْرًا وَّلَقَدْ ذَكَرُوْا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ اِلَّا خَيْرًا. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۰)

بہ خدا! مجھے اپنی اہلیہ میں پاکیزگی کے سوا اور کسی چیز کا علم نہیں ہے اور انہوں نے تہمت لگا کر جس آدمی کا ذکر کیا ہے مجھے اس کے متعلق بھی صرف پاکیزگی کا علم ہے۔

باقی رہا یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب حضرت ام المؤمنین کی پاکیزگی کا علم تھا تو آپ نے حضرت عائشہ کی طرف توجہ کم کیوں کر دی تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا حضرت ام المؤمنین کی طرف توجہ کم کرنا لاعلمی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس تہمت کے بعد آپ کی غیرت کا تقاضا یہ تھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عائشہ کی براءت کا اعلان نہ ہو جائے اس وقت تک آپ توجہ کم رکھیں تا کہ کسی دشمنِ اسلام کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس قسم کی تہمت سے کوئی نفرت نہیں تھی۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر آپ کو حضرت ام المؤمنین کی براءت کا پہلے سے علم تھا تو آپ نے اس مسئلہ میں اصحاب سے استصواب کیوں کیا اور حضرت بریرہ سے حضرت عائشہ کے چال چلن کے متعلق استفسار کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب اس لیے کیا تھا کہ کسی دشمنِ اسلام کو یہ کہنے کی گنجائش نہ ہو کہ دیکھو جب ان کے اپنے اہل پر تہمت لگی تو انہوں نے اس کے متعلق کوئی تحقیق اور تفتیش نہیں کی۔ آپ نے اس مسئلہ کی پوری تحقیق اور تفتیش کے تمام تقاضوں کو پورا کیا۔ حضرت عائشہ کی سوکن (حضرت زینب بنت جحش)' حضرت عائشہ کی خادمہ بریرہ اور دیگر قریبی ذرائع سے حضرت عائشہ کے چال چلن کے متعلق استفسار کیا' حتیٰ کہ سب نے حضرت ام المؤمنین کی براءت اور پاکیزگی کا اظہار کیا اور سب نے بیک زبان کہا کہ ہم حضرت عائشہ کے متعلق پاکیزگی کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت عائشہ کی پاکیزگی کا علم تھا تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ کیوں فرمایا کہ اگر تم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد بھی اتمامِ حجت کے لیے تھا اور اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اگر بفرضِ محال تم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لو۔ قرآن مجید میں اس قسم کی بکثرت مثالیں ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ كُنْتَ فِىْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ. (یونس: ۹۴)

تو اگر آپ کو (بالفرض) اس چیز کے متعلق شک ہو جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو آپ ان لوگوں سے سوال کیجئے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انبیائے کرام سے عہد لینے کے بعد فرماتا ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔

۱۳۔ ﴿ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ﴾ وہ اس پر چار گواہ کیوں نہیں لائے (یعنی) اگر وہ تہمت لگانے میں سچے تھے تو اپنے اس دعویٰ پر چار گواہ کیوں نہیں لائے ﴿ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴾ جب وہ چار گواہ نہیں لا سکے تو وہی لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یعنی اس کے حکم میں اور اس کی شریعت میں جھوٹے ہیں یعنی تہمت لگانے والے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سچی تہمت کے لیے چار گواہوں کی گواہی کے ثبوت کو اور جھوٹی تہمت کے لیے چار گواہوں کی گواہی کے عدم ثبوت کو حد فاصل قرار دیا ہے اور جن لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی تھی ان کے پاس اس بات پر گواہ نہیں تھے اس لیے وہ جھوٹے تھے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۴ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (آل عمران: ۸۲) پھر جو کوئی اس کے بعد (بالفرض) اس عہد سے پھر گیا تو وہی لوگ نافرمان ہوں گے ۝

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝ (الزخرف: ۸۱) آپ فرمایئے: اگر (بفرضِ محال) رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرتا ۝

سو اسی اعتبار سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر بالفرض تم سے کوئی گناہ ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لو اور یہ تحقیق اور تفتیش کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے فرمایا تھا اور اس ارشاد میں امت کے لیے نمونہ رکھنا تھا کہ اپنے اہل کی رعایت سے تحقیق میں کوئی کمی نہ کی جائے اور یہ تعلیم دینی تھی کہ اگر کسی شخص کی بیوی سے غلطی ہو جائے تو اس کو توبہ کی تلقین کرے اور یہ مسئلہ بتلانا تھا کہ جس شخص سے یہ غلطی سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے جواب میں یہ کہا تھا کہ تم لوگوں نے یہ بات سنی ہے اور تمہارے دلوں میں یہ بات قرار پکڑ چکی ہے اور تم نے اس کی تصدیق بھی کر دی ہے' اگر میں تم سے کہوں کہ میں بے گناہ ہوں تو تم ہرگز میری تصدیق نہ کرو گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کو حضرت عائشہ کی پاک دامنی کا علم نہیں تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معاذ اللہ اس خطاب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا روئے سخن رسول اللہ ﷺ کی طرف نہیں تھا۔ اس قول میں اگرچہ خطاب رسول اللہ ﷺ سے تھا لیکن یہ خطاب ان لوگوں کے لیے تھا جو مسلمان ہونے کے باوجود منافقین کے بہکانے سے تہمت لگانے میں مبتلا ہو گئے تھے۔

پانچواں سوال یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءت اور پاکیزگی کا علم تھا تو آپ اس قدر پریشان اور غمگین کیوں رہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غم اور صدمہ کی وجہ یہی تو تھی کہ بے گناہ پر تہمت لگی ہے' نیز زیادہ غم اور پریشانی کا سبب یہ تھا کہ بعض مسلمان بھی تہمت لگانے والوں میں شامل ہو گئے تھے' ایسے میں اگر رسول اللہ ﷺ از خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءت کا اعلان کرتے تو یہ خدشہ تھا کہ وہ مسلمان آپ کے متعلق یہ بدگمانی کرتے کہ آپ اپنی اہل کی رعایت فرما رہے ہیں اور آپ کے متعلق بدگمانی کر کے کافر ہو جاتے۔ (تفسیر تبیان القرآن ج ۸ ص ۸۷۔۸۸)

وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ۗ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۗ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۶﴾ یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷﴾ وَیُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۸﴾

اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تمہیں اس بہتان تراشی میں بڑا عذاب پہنچتا جس کے پھیلانے میں تم مشغول رہے O جب تم اس (بہتان) کو اپنی زبانوں پر ایک دوسرے کو منتقل کرنے لگے تھے اور تم اپنے مونہوں سے وہ بات کہنے لگے تھے' جس کے بارے میں تمہیں کچھ علم نہیں تھا اور تم اسے معمولی بات خیال کرتے تھے' حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی سنگین بات تھی O اور جب تم نے اسے سنا تو تم نے کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ بات کہنا ہمیں زیب نہیں دیتا' اے اللہ! تو پاک ہے یہ تو بہت بڑا بہتان ہے O اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ تم دوبارہ اس طرح کی بات کبھی نہ کہنا اگر تم ایمان دار ہو O اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا' بڑا حکمت والا ہے O

۱٤- ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت دنیا و آخرت میں تم پر نہ ہوتی تو تمہیں اس بہتان تراشی پر بڑا عذاب پہنچتا' جس میں تم مشغول ہو چکے تھے یعنی اگر میں نے یہ فیصلہ نہ کیا ہوتا کہ میں تم پر دنیا کی کئی قسم کی نعمتوں کے ساتھ فضل و کرم کرتا رہوں گا' ان نعمتوں میں سے ایک نعمت توبہ کے لیے مہلت دینا بھی شامل ہے اور یہ کہ میں آخرت میں تم پر مغفرت و معافی کے ساتھ رحمت کروں گا تو میں تمہیں اس بہتان تراشی کی وجہ سے بہت جلد ضرور عذاب میں مبتلا کر دیتا' جس میں تم مشغول رہے۔ ''اَفَاضَ فِی الْحَدِیْثِ'' اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی آدمی بات میں غور و خوض کرے اور اس میں مشغول ہو جائے [یہ ''لَوْ لَا'' ایک شے کے امتناع کے لیے آتا ہے' اس کے غیر کے پائے جانے کی وجہ سے بہ خلاف گزشتہ ''لَوْ لَا'' کے کیونکہ وہ بہ معنی ''هَلَّا'' ہے]۔

۱۵- ﴿اِذْ﴾ [یہ ''مَسَّكُمْ'' کا ظرف ہے یا پھر ''اَفَضْتُمْ'' کا ظرف ہے] یعنی جب ﴿تَلَقَّوْنَهٗ﴾ تم اس بہتان کی بات کو ایک دوسرے سے لینے لگے تھے ''تَلَقَّوْنَهٗ'' بہ معنی ''یَاْخُذُهٗ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ'' ہے کہ تم ایک دوسرے سے وہ بات لینے لگ گئے' اس لیے ''تلقی القول تلقنه وتلقفه'' کہا جاتا ہے (سب ہم معنی ہیں کہ ایک دوسرے سے بات لینا) ﴿بِاَلْسِنَتِكُمْ﴾ تم اپنی زبانوں سے یعنی بے شک تم ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ کیا تمہیں (حضرت) عائشہ کی بات پہنچی ہے یہاں تک کہ یہ بات تمام لوگوں میں پھیل گئی اور سب میں مشہور ہو گئی' پس کوئی گھر نہیں رہا اور نہ کوئی مجلس رہی' مگر یہ تہمت کی بات ان میں مشہور ہو گئی ﴿وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ اور تم اپنے مونہوں سے ایسی مجرمانہ بات کہتے ہو' جس کا تمہیں کچھ علم نہیں ہے اور بات کو مونہوں کے ساتھ اس لیے مقید کیا گیا ہے کہ ہر بات منہ ہی سے کہی جاتی ہے کیونکہ ایک معلوم چیز کا علم پہلے دل میں ہوتا ہے' پھر زبان اس کی ترجمانی کرتی ہے اور یہ افک و بہتان ایک ایسی بات ہے جس کا علم دلوں میں آئے بغیر تمہاری زبانیں اور تمہارے منہ اس کی ترجمانی کرنے میں (چلتی گاڑی کے پہیہ کی طرح) گھوم رہے ہیں' جیسا کہ ارشاد ہے: ''یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَكْتُمُوْنَ'' (آل عمران:۱٦۷) ''وہ لوگ اپنے مونہوں سے ایسی بات کہتے ہیں' جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے' جو کچھ وہ چھپا رہے ہیں''۔

﴿ وَتَحۡسَبُونَهٗ هَيِّنًا ﴾ اور تم اسے چھوٹی سی بات تصور کرتے ہو یعنی تم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں غور وخوض اور ان پر بہتان تراشی کے بارے میں بات چیت کو آسان اور معمولی سمجھتے ہو ﴿ وَّهُوَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمٌ ﴾ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے (یعنی) گناہ کبیرہ ہے۔ایک بزرگ موت کے وقت رونے لگے تو ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: مجھے اس بات کا ڈر لگ رہا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسا بُرا عمل ہو گیا ہو' جس کو میں نے معمولی اور صغیرہ سمجھا ہو حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت سنگین اور گناہِ کبیرہ ہو۔

۱۶- ﴿ وَلَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ قُلۡتُمۡ مَّا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ﴾ اور ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جب تم نے اس کو سنا تھا تو کہہ دیا ہوتا کہ یہ بات کہنا ہمارے لیے جائز نہیں ہے [''لَوْ لَا'' اور ''قُلْتُمْ'' کے درمیان حرف ظرف ''اِذْ'' کے ساتھ اس لیے فاصلہ روا رکھا گیا ہے کہ ظرف کی بڑی شان ہے اور یہ خود اشیاء کے عین کے قائم مقام ہے کیونکہ سب اشیاء اس میں واقع ہوتی ہیں اور کوئی شے ظرف سے خالی نہیں ہوتی' سو اس لیے اس میں اتنی وسعت ہوتی ہے جتنی کسی اور میں نہیں ہوتی اور ظرف کو مقدم کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ] ان پر واجب تھا کہ پہلی دفعہ بہتان کی بات سنتے ہی اس کے متعلق گفتگو کرنے سے کنارہ کش ہو جاتے' پھر جب وقت کا ذکر کرنا بہت اہم تھا تو اس لیے ظرف کو مقدم کیا گیا اور معنی یہ ہے کہ جب تم نے اس قدر سنگین بہتان سنا تو تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ہمارے لیے ایسی بات کرنا صحیح نہیں ہے ﴿ سُبۡحٰنَكَ ﴾ اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے۔ یہ لفظ معاملہ کی بہت بڑی اہمیت کی وجہ سے تعجب کے لیے استعمال ہوا ہے اور تسبیح کے کلمہ میں تعجب کے معنی کی اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں کسی عجیب مصنوع کے دیکھتے وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور پاکی بیان کی جائے' پھر یہ کثرت سے استعمال ہونے لگ گیا یہاں تک کہ ہر تعجب خیز چیز کے لیے استعمال کیا جانے لگا ہے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ اس کے مکرم و معظم نبی کی حرم محترم فاجرہ و بدکارہ ہو کیونکہ یہ تو جائز ہے کہ پیغمبر کی بیوی کافرہ ہو' جیسے حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویاں کافرہ تھیں لیکن یہ جائز نہیں کہ پیغمبر کی بیوی بدکارہ ہو کیونکہ پیغمبر کفار کی طرف اس لیے بھیجے جاتے ہیں کہ وہ انہیں دینِ توحید کی طرف دعوت دیں' لہٰذا ضروری ہے کہ نبی کے ساتھ کوئی ایسی چیز نہ ہو' جس سے کفار نفرت کرتے ہوں اور کفار کفر سے نفرت نہیں کرتے لیکن بدکاری نفرت دلانے والی چیزوں میں سے سب سے بڑھ کر قابل نفرت عیب ہے ﴿ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ ﴾ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے' جو شخص سنتا ہے وہ مبہوت و پریشان اور حیران رہ جاتا ہے اور اس سے پہلے آیت مبارکہ میں ''هٰذَا اِفْكٌ مُّبِيْنٌ'' (النور:۱۲) ذکر کیا گیا ہے' جس کا معنی یہ ہے کہ ''یہ صریح جھوٹ ہے''۔ اور ممکن ہے کہ براءت میں مبالغہ کرنے کے لیے ان دونوں کا حکم دیا گیا ہو۔

۱۷- ﴿ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنۡ تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِهٖۤ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ تم آئندہ دوبارہ تہمت کی بات جیسی بات نہ کہنا اور نہ دوبارہ ایسی بات سننا ﴿ اَبَدًا ﴾ ہمیشہ کے لیے یعنی عمر بھر کے لیے ایسی بات کبھی نہ کہنا ﴿ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴾ اگر تم ایمان دار ہو۔ اس میں ان لوگوں کے لیے ترغیب ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور یاد دہانی رہے کہ دوبارہ تہمت کی بات نہ کہنے کو جو چیز واجب کرتی ہے وہ ایمان ہے جو ہر قبیح چیز سے خالی ہے۔

۱۸- ﴿ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمُ الۡاٰيٰتِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیتیں بیان کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے فائدے کے لیے واضح دلائل اور شریعت کے احکام اور بہترین آداب بیان کرتا ہے ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہے ﴿ حَكِيۡمٌ ﴾ بڑا دانا ہے' تمہارے اعمال کے موافق تمہیں جزا دے گا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاک دامنی و پاکیزگی کی صداقت کو خوب جانتا ہے اور اس نے ام المؤمنین کی براءت کا

فیصلہ عین حکمت ودانائی کے مطابق کیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٢٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۚ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢١﴾

بے شک جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیل جائے ان کے لیے دنیا میں اور آخرت میں دردناک عذاب ہے' اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے○ اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم پر بہت جلد عذاب نازل ہو جاتا) اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت شفقت فرمانے والا' بے حد مہربان ہے○ اے ایمان والو! تم شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو' اور جو شخص شیطان کے نقشِ قدم پر چلتا ہے تو وہ یقیناً بے حیائی اور بُرائی کا حکم دیتا ہے' اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک نہ ہو سکتا' لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا خوب جاننے والا ہے○

۱۹- ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا﴾ بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیل جائے یعنی سب سے بڑھ کر بدترین بے حیائی پھیل جائے اور معنی یہ ہے کہ وہ لوگ اشاعت کے ارادہ سے اور بے حیائی کو پسند کرنے کی وجہ سے اسے پھیلاتے ہیں[1] ﴿لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا﴾ ان کے لیے دنیا میں حدِ قذف کی صورت میں دردناک عذاب ہے اور حضور نبی کریم ﷺ نے عبد اللہ ابن اُبَیْ حضرت حسان بن ثابت اور حضرت مسطح بن اُثاثہ کو حدِ قذف کی وجہ سے اسّی کوڑے مارے ﴿وَالْآخِرَةِ﴾ اور آخرت میں دوزخ کی آگ کا دردناک عذاب ہوگا' اگر

[1] کسی پر لگائے ہوئے الزام کی بلاتحقیق تشہیر کرنا' بُرائیوں اور فواحش کے خلاف نفرت کی جو دیوار اسلام نے قائم کر دی ہے اس میں رخنہ اندازی کی قولاً اور فعلاً کوشش کرنا' ایسی کتابیں لکھنا جن سے شہوانی جذبات میں تحریک ہو۔ ایسے گانے' ایسی تصاویر' ایسے ڈرامے' ایسی فلمیں' جن سے نوجوانوں میں شرم وحیاء کا جذبہ کمزور ہوتا جائے سب اس میں شامل ہیں۔ وہ لوگ جو محض دولت کمانے کے لیے ایسی فلمیں بناتے ہیں' بڑھ چڑھ کر حیا سوز مناظر پیش کرتے ہیں' ایسے اشتہارات جن میں جنسی عریانیت سے جاذبیّت اور کشش پیدا کی جاتی ہے' ایسا لٹریچر جس کی مقبولیت کا انحصار ہی شہوانی محرکات پر ہے' مانا کہ وقتی طور پر اس کی آمدنی میں بے پایاں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن اس سے جو نقصان ہوگا اس سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہے گا' جب قوم کا اخلاق بگڑ جائے گا' جب شرم وحیاء کی چادر تار تار ہو جائے گی' بے حیاء اور ہوس ناک نگاہیں اس کی دولتِ عصمت لوٹنے میں بھی کوئی تأمل محسوس نہیں کریں گی۔ قوم کے اصلاح یافتہ ہونے کی برکات سے جس طرح ہر فرد مستفید ہوتا ہے' اسی طرح اس کے اخلاق باختہ ہونے سے ہر فرد کو حصۂ رسدی مل کر رہتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس دروازہ کو بند کر دیا جس سے فسق وفجور کا سیلاب اُمڈ سکتا ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۳۰۲۔۳۰۳)

انہوں نے توبہ نہ کی تو پھر یہ وعدہ ہر حال میں پورا ہوگا ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ معاملات کے باطن کو اور سینوں میں پوشیدہ رازوں کو بھی خوب جانتا ہے ﴿ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ اور تم نہیں جانتے یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ان کی پسند کو خوب جانتا ہے جو بے حیائی کو پھیلانا چاہتے ہیں اور وہ اس پر ضرور سزا دے گا۔

۲۰- ﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ ﴾ اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ضرور تمہیں بہت جلد عذاب دیتا اور اللہ تعالیٰ نے جلد عذاب نہ دینے کا احسان دوبارہ ذکر کیا ہے لیکن دونوں میں جواب محذوف ہے تاکہ ان پر احسان کرنے میں اور ان کو ڈرانے دھمکانے میں مبالغہ کیا جائے ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت شفقت فرمانے والا ہے اس لیے تو جن پر تہمت لگائی تھی ان کی براءت و پاکیزگی کا اعلان فرمادیا اور ان کو صبر کرنے پر اجر وثواب عطا فرمایا ﴿ رَّحِيْمٌ ﴾ بے حد مہربان ہے' جو تہمت لگانے والے کے قصور کو بخش دیتا ہے' جب وہ توبہ کر لیتا ہے۔

مسلمانوں کو شیطان کی پیروی نہ کرنے اور دولت مندوں کو محتاجوں کی مدد کرنے کی تلقین

۲۱- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ﴾ اے ایمان والو! تم شیطان کے قدموں پر نہ چلو' یعنی اس کے نشانات اور اس کے وسوسوں پر نہ چلو کہ تم اس کے بہکاوے میں آ کر تہمت والزام تراشی کی باتیں سننے لگ جاؤ اور اس کے بارے میں باتیں بنانے اور اس کی تشہیر میں مشغول ہو جاؤ (ایسا ہرگز نہ کرو) ﴿ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ﴾ اور جو شخص شیطان کے قدموں کی پیروی کرتا ہے تو بلاشبہ شیطان اس کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے' جس کی قباحت و حیا سوزی حد سے بڑھ کر ہوتی ہے ﴿ وَالْمُنْكَرِ ﴾ اور وہ بُرائی کا حکم دیتا ہے جس سے نفوسِ انسانی انکار کرتے ہیں اور اس بُرائی سے نفرت کرتے ہیں اور اس کو پسند نہیں کرتے ﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ کا تم پر فضل و کرم اور اس کی رحمت و مہربانی نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص کبھی بھی پاک صاف نہ ہوتا (یعنی) اگر اللہ تعالیٰ تم پر گناہوں کو مٹانے والی توبہ کے ذریعے مہربانی نہ فرماتا تو تم میں سے کوئی شخص قیامت تک اس بہتان کے گناہ کے میل کچیل سے کبھی پاک نہ ہوتا ﴿ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے ﴿ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ ﴾ اللہ تعالیٰ ان سب کی باتیں خوب سننے والا ہے ﴿ عَلِيْمٌ ﴾ ان کے دلوں کی پوشیدہ نیتوں اور ان کے اخلاص کو خوب جانتا ہے۔

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ
وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا
فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ
وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور تم میں سے جو صاحب فضیلت اور دولت مند ہیں وہ رشتہ داروں اور ناداروں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مالی امداد نہ کرنے کی قسم نہ کھائیں' اور انہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں' کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ

تعالیٰ تمہیں بخش دے'اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہےO بے شک جولوگ پاک دامن مخلص مسلمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا میں اور آخرت میں ملعون ہیں' اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہےO جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اوران کے ہاتھ اوران کے پاؤں ان کے اعمال پر گواہی دیں گے جن کو وہ کیا کرتے تھےO

٢٢-﴿ وَلَا یَاْتَلِ ﴾ اورقسم نہ اٹھائیں [یہ ''انتلٰی'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی قسم اٹھاتا ہے' باب افتعال سے ہے اور ''اَلِیَّۃٌ'' سے مشتق ہے یا ''اَلْوٌ'' سے مشتق ہے' جس کا معنی ہے:] کوتاہی اور کمی نہ کریں ﴿ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ ﴾ تم میں سے دین میں فضیلت و بزرگی رکھنے والے حضرات ﴿ وَالسَّعَةِ ﴾ اور دنیا میں مالی وسعت رکھنے والے دولت مند حضرات ﴿ اَنْ یُّؤْتُوْۤا اُولِی الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾ رشتہ داروں اور محتاجوں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو مالی امداد دینے میں یعنی وہ اس بات پر قسم نہ کھائیں کہ احسان و امداد کے مستحق غریب لوگوں پر آئندہ احسان نہیں کریں گے یا یہ کہ وہ ان غریب لوگوں پر احسان کرنے میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی اور کمی نہیں کریں گے اگرچہ ان کے درمیان اوران کے درمیان بہتان تراشی کی غلطی کی وجہ سے دشمنی و عداوت ہی ہو ﴿ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا ﴾ اور انہیں چاہیے کہ معاف کردیں اور درگزر کریں۔ ''عفو'' کا لغوی معنی ہے: چھپانا اور ''صفح'' کا معنی ہے: اعراض کرنا اور منہ پھیرنا یعنی انہیں چاہیے کہ وہ غلطی و زیادتی کرنے پر درگزر کریں اور انتقام سے اعراض کریں ﴿ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے' سو انہیں چاہیے کہ وہ غریبوں کے ساتھ وہی معاملہ کریں جس کی وہ امید رکھتے ہیں کہ ان کا رب تعالیٰ ان کے گناہوں کی کثرت کے باوجود ان کے ساتھ معاملہ کرے گا ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے' سو تم اللہ تعالیٰ کے ادب کے ساتھ متادب اوراس کے اخلاق کے ساتھ متخلق ہو جاؤ اور تم بھی بخش دو اور رحم کرو۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی تھی' جب انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے خالہ زاد بھائی حضرت مسطح پر اپنا مال خرچ نہیں کریں گے کیونکہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں بہتان لگانے والوں کے ساتھ مشغول ہو گئے تھے اور حضرت مسطح نادار و غریب آدمی تھے' لیکن بدری اور مہاجر صحابی تھے اور جب حضور نبی کریم ﷺ نے یہ آیت مبارکہ ابوبکر صدیق کے سامنے تلاوت فرمائی تو حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا کہ کیوں نہیں! میں چاہتا ہوں اور میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے اور آپ نے دوبارہ حضرت مسطح پر مال خرچ کرنا شروع کر دیا۔

بہتان تراشوں کا بدانجام اور پاک دامنوں کا نیک انجام

٢٣-﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ﴾ بے شک جولوگ پاک دامن عزت و آبرو کی حفاظت کرنے والی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں ﴿ الْغٰفِلٰتِ ﴾ صحیح سلامت سینوں والی' دلوں کی پاک صاف جن میں کسی قسم کا مکروفریب اور بے جا ہوشیاری نہیں ہوتی کیونکہ وہ دنیا کے معاملات کا تجربہ نہیں رکھتیں ﴿ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ جو ایمان لانے والیاں ہیں' ان تمام ضروریات دین پر جن پر ایمان لانا واجب و لازم ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ تمام نیک مسلمان عورتیں مراد ہیں کیونکہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے مخصوص سبب کا اعتبار نہیں ہوتا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں اکیلی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مراد ہیں اور جمع کے کلمات اس لیے ذکر کیے گئے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محترم و مکرم پاک دامن بیویوں میں

سے کسی ایک بیوی پر بدکاری کی تہمت لگانے والا گویا تمام بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگانے والا ہے ﴿لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ ان پر دنیا میں اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے' اللہ تعالیٰ نے تہمت لگانے والوں کو دونوں جہانوں میں لعنتی قرار دیا اور آخرت میں ان کو بہت بڑے عذاب کی وعید سنائی' اس شرط کے ساتھ کہ اگر انہوں نے توبہ نہ کی۔

٢٤- ﴿یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف ان کے ان اعمال پر گواہی دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے یعنی جو انہوں نے تہمت لگائی تھی اور یا جو انہوں نے بہتان تراشا تھا [''یَوْمَ'' کا عامل محذوف ''یُعَذَّبُوْنَ'' ہے] یعنی اس دن انہیں عذاب دیا جائے گا جس دن ان کی زبانیں' ہاتھ' پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے [حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یَشْهَدُ'' ہے]۔

یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ ﴿٢٥﴾ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿٢٦﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾

اس دن اللہ تعالیٰ انہیں ان کا بدلا ان کے استحقاق کے مطابق پورا پورا دے گا اور وہ جانتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے ہر بات کی وضاحت کرنے والا ہے O بُری باتیں بُرے لوگوں کے لیے ہیں اور بُرے لوگ بُری باتوں کے لیے ہیں' اور اچھی باتیں اچھے لوگوں کے لیے ہیں اور اچھے لوگ اچھی باتوں کے لیے ہیں' یہی (اچھے لوگ) بَری کر دیئے گئے ان (تہمت کی باتوں) سے جو لوگ ان پر لگاتے ہیں' انہیں کے لیے مغفرت و بخشش اور عزت کی روزی ہے O اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے کے گھروں میں داخل نہ ہو جاؤ یہاں تک کہ (پہلے) اجازت لو اور ان کے مکینوں کو سلام کرو' یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو O

٢٥- ﴿یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ﴾ اس دن اللہ تعالیٰ انہیں ان کا بدلا پورا پورا دے گا جس کے وہ اہل ہیں۔ ''دین'' کا معنی جزاء اور بدلا ہے اور ''حق'' کا معنی ثابت ہے' جس کے وہ بہتان تراش اہل ہیں [''یَوْمَئِذٍ'' کا عامل ''یُوَفِّیْ'' ہے' ''دین'' موصوف اور ''الحق'' اس کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور حضرت مجاہد نے اس کو ''اللہ'' کی صفت قرار دے کر مرفوع پڑھا ہے جیسا کہ حضرت اُبی بن کعب کی قراءت میں ہے: ''یُوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ الْحَقُّ دِیْنَهُمْ'' اللہ برحق ان کو ان کا بدلا پورا دے گا' اور نصب کی قراءت میں بھی جائز ہے کہ ''الحق'' اللہ کی صفت ہو اور بطور مدح منصوب ہو] ﴿وَیَعْلَمُوْنَ﴾ ''عِنْدَ ذٰلِكَ'' (یعنی) وہ لوگ اس وقت جان لیں گے کہ ﴿اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے جو ہر بات کی صحیح وضاحت کرنے والا ہے کیونکہ اس وقت شکوک و شبہات کے تمام پردے ان کی آنکھوں

سے اٹھ جائیں گے اور انہیں فوراً ضروری اور بدیہی علم حاصل ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کسی گناہ کی اتنی سخت تردید نہیں فرمائی جتنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق لگائی گئی تہمت کی تردید میں سختی فرمائی' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں مختصر بلیغ کلام بھی بیان فرمایا اور بڑھا کر بھی بیان فرمایا اور تفصیل کے ساتھ بھی بیان فرمایا اور اجمال کے ساتھ بیان فرمایا اور تاکیدات کے ذریعے اسے مستحکم بھی کیا اور مکرر بھی بیان فرمایا اور یہ سارا اہتمام صرف اہم ترین مسئلہ کے لیے کیا جاتا ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ جو شخص کوئی گناہ کر لے' پھر اس سے توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی ماسوا اس شخص کے جس نے حضرت عائشہ صدیقہ کے معاملہ میں براہِ راست حصہ لیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہتان تراشی کے معاملہ میں مبالغہ کرنے اور اس کی عظمت و اہمیت کے اظہار کے لیے کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے چار بزرگ ہستیوں کو چار چیزوں کے ذریعے بَری فرمایا' چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا کے خاندان کے ایک بچے کی گواہی کے ذریعے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے الزام سے ایک پتھر کے ذریعے بَری فرمایا جو آپ کے کپڑے لے گیا تھا اور حضرت مریم علیہا السلام کو ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گفتگو کے ذریعے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان عظیم الشان آیاتِ قرآنی کے ذریعے بَری فرمایا' یہ کتاب سراسر ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ قیامت تک یہ آیاتِ براءت اسی مبالغہ کے ساتھ تلاوت کی جاتی رہیں گی۔ اے لوگو! غور وفکر کرو کہ حضرت عائشہ صدیقہ کی براءت کے درمیان اور ان حضرات کی براءت کے درمیان کتنا بڑا فرق ہے اور یہ صرف رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کی سربلندی کے اظہار کے لیے ہے اور آپ کے عظیم الشان مقام ومرتبہ پر تنبیہ کرنے کے لیے ہے۔

٢٦۔﴿ اَلْخَبِیْثٰتُ ﴾ بُری باتیں جو بولی جاتی ہیں وہ ﴿ لِلْخَبِیْثِیْنَ ﴾ مردوں اور عورتوں میں سے بُرے لوگوں کے لیے ہیں ﴿ وَالْخَبِیْثُوْنَ ﴾ اور ان (مردوں اور عورتوں) میں سے بُرے لوگ جو الزام تراشیوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں ﴿ لِلْخَبِیْثٰتِ ﴾ بُری اور قابل مذمت باتوں کے لیے ہیں ﴿ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ﴾ اور اسی طرح اچھی باتیں اچھے لوگوں کے لیے ہیں اور اچھے لوگ اچھی باتوں کے لیے ہیں ﴿ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ﴾ یہی اچھے لوگ ان تمام بُری باتوں سے بَری ہیں' جو بُرے لوگ کہتے ہیں یعنی ان کے بارے میں جو بکواسات کہتے ہیں۔ ''اُولٰٓئِكَ'' سے ''الطیبون'' کی طرف اشارہ ہے اور بے شک یہ اچھے اور پاک دامن لوگ ان تمام بُری باتوں سے بَری اور پاک ہیں' جو بُرے اور ناپاک لوگ ان کے بارے میں کہتے ہیں اور یہ کلام حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپ پر لگائی گئی اس بدترین تہمت و الزام کے لیے مثال کے قائم مقام ہے جو آپ کی عفت وطہارت کے حال کے مطابق نہیں ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ اشارہ اہل بیت کی طرف ہو اور معنی یہ ہو کہ حضور کے تمام اہلِ بیت (گھر والے) بہتان لگانے والوں کی باتوں سے بَری ہیں اور ''الخبیثات'' اور ''الطیّبات'' سے عورتیں مراد ہوں اور معنی یہ ہو کہ ناپاک عورتیں ناپاک مردوں سے شادیاں کرتی ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں سے شادیاں کرتے ہیں اور اسی طرح پاک مرد پاک عورتوں اور پاک عورتیں پاک مردوں سے نکاح کرتی ہیں ﴿ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ﴾ ان کے لیے ہی مغفرت وبخشش ہے [یہ جملہ مستأنفہ (الگ مستقل کلام) ہے' جو ایک خبر کے بعد دوسری خبر ہے] ﴿ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴾ اور جنت میں باعزت روزی ملے گی' اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مرضِ موت میں ان کے پاس حاضر ہوئے اور آپ اس وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری سے ڈر رہی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ آپ بالکل نہ ڈریں کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق مغفرت وبخشش اور باعزت روزی ملے گی' خوف کس بات کا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہی آیت

تلاوت کی' سو یہ تلاوت سن کر خوشی سے حضرت ام المؤمنین پر جذب کی حالت طاری ہوگئی اور سنبھلنے کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے نو خوبیاں ایسی عطا فرمائی ہیں' جو کسی عورت کو عطا نہیں کی گئیں:

(۱) حضرت جبریل علیہ السلام نے میری تصویر لا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہتھیلی مبارک پر رکھی جب کہ اسی وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ شادی کرنے کا حکم دیا۔

(۲) جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے شادی کی تو میں باکرہ (کنواری) تھی جب کہ حضور نے میرے سوا کسی باکرہ (کنواری لڑکی) سے شادی نہیں کی۔

(۳) اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوا تو آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔

(۴) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مزار مبارک میرے گھر میں بنا۔

(۵) اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی مبارک نازل ہوتی تو آپ میرے بستر پر ہوتے تھے۔

(۶) اور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلیفہ اور آپ کے صدیق کی بیٹی ہوں۔

(۷) اور آسمان سے صرف میری براءت کے لیے آیاتِ قرآنی نازل کی گئیں۔

(۸) اور مجھے پاک (پیغمبر) کے پاس نکاح میں دینے کے لیے پاک وطاہر پیدا کیا گیا۔

(۹) اور مجھ سے مغفرت وبخشش اور عزت کی روزی کا وعدہ کیا گیا ہے۔

اور حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معذرت کرتے ہوئے آپ کے حق میں کہا:

(۱) پاک دامن' باعزت' صاحبِ وقار خاتون ہیں' اُن کے بارے میں تہمت کا گمان نہیں کیا جا سکتا اور وہ بھولی بھالی خواتین کے گوشت سے خالی شکم صبح کرتی ہیں (کسی کی بُرائی نہیں کرتیں)۔

(۲) آپ دین اور منصب میں سب سے بہترین پیغمبر کی بیوی ہیں' جو ہدایت دینے والے نبی اور بڑی عالی شان کمالات کے حامل ہیں۔

(۳) جنابِ لؤی بن غالب کے ایک قبیلہ کی عقل مند خاتون ہیں' ظلم وستم کرنے والوں سے درگزر کرنے والی ہیں' جس کی بزرگی کبھی زائل نہیں ہوگی۔

(۴) آپ مہذب وشائستہ خاتون ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کی طبعیت کو پاک پیدا کیا ہے اور آپ کو ہر قسم کی بُرائی اور باطل سے پاک رکھا ہے۔

دوسروں کے گھر میں جانے کے آداب کا بیان

۲۷- ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ ﴾ اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے ماسوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جاؤ یعنی ایسے گھروں میں نہ جاؤ جن کے تم مالک نہیں ہو اور نہ تم ان میں رہائش پذیر ہو ﴿ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا ﴾ یہاں تک کہ اجازت لو یعنی پہلے اجازت طلب کرو' پھر اجازت ملنے کے بعد اندر جاؤ' اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو مروی ہے' وہ یہ ہے کہ آپ نے ''حَتّٰى تَسْتَاْذِنُوْا'' پڑھا ہے اور ''استئناس'' کا اصل معنی ''استعلام'' اور ''استکشاف'' یعنی معلوم کرنا اور جاننا ہے' یہ باب استفعال ہے اور ''اٰنَسَ الشیئَ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی چیز کو اپنے سامنے عیاں اور کھلم کھلا دیکھ لیتا ہے یعنی یہاں تک کہ تم معلوم کر لو کہ آیا

تمہیں اندر آنے کی اجازت دی جاتی ہے یا نہیں؟ اور یہ اجازت "سبحان اللّٰہ" یا "اللّٰہ اکبر" یا "الحمد للّٰہ" کہنے سے یا کھانسنے سے حاصل کی جا سکتی ہے (جیسے آج کل بیل بجا کر یا کنڈی کھٹکھٹا کر اجازت لی جاتی ہے) ﴿وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا﴾ اور تم اس کے باشندوں کو سلام کرو اور سلام یہ ہے کہ وہ کہے: السلام علیکم! کیا میں اندر داخل ہو سکتا ہوں' تین مرتبہ کہے' پھر اگر اس کو اجازت دے دی جائے تو ٹھیک' ورنہ واپس لوٹ جائے اور بعض نے فرمایا کہ اگر ملاقات ہو تو پہلے سلام کرے ورنہ اجازت مانگے ﴿ذٰلِكُمْ﴾ یہ یعنی اجازت لینا اور سلام کرنا ﴿خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ تمہارے لیے زمانۂ جاہلیت کے سلام اور دمور سے بہت بہتر ہے اور دمور یہ ہے کہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہو جانا اور زمانۂ جاہلیت کے لوگوں میں سے کوئی آدمی جب غیر کے گھر میں داخل ہوتا تو کہتا: تمہیں صبح کا سلام اور تمہیں شام کا سلام ہو' پھر اجازت کا انتظار کیے بغیر گھر میں داخل ہو جاتا اور بسا اوقات خاوند کو اپنی بیوی کے ساتھ ایک بستر پر ایک لحاف میں پالیتا ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تا کہ تم نصیحت حاصل کرو یعنی تمہیں یہ اس لیے کہا گیا ہے تا کہ یاد رکھو اور نصیحت حاصل کرو اور اجازت طلب کرنے کے باب میں تمہیں جو حکم دیا گیا ہے تم اسے جان لو۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۗ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

پھر اگر تم اس میں کسی کو نہ پاؤ تو اس میں داخل نہ ہو جاؤ یہاں تک کہ تمہیں اجازت دی جائے' اور اگر تمہیں کہا جائے کہ واپس لوٹ جاؤ تو تم واپس لوٹ جاؤ' یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے' اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہے○ تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم ان گھروں میں داخل ہو جاؤ' جن میں کوئی نہیں بستا جب کہ تمہارے لیے ان میں فائدہ ہو' اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو○ (اے محبوب!) مسلمانوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں' یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے' بے شک اللہ تعالیٰ ان سب کاموں سے خبردار ہے جو یہ کرتے ہیں○

۲۸-﴿فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا﴾ پھر اگر تم ان میں یعنی گھروں میں اجازت دینے والوں میں سے کسی کو نہ پاؤ ﴿فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ﴾ تو تم ان میں مت داخل ہو یہاں تک کہ تمہیں اجازت دی جائے (یعنی) یہاں تک کہ کسی ایسے مکین کو پالو جو تمہیں اجازت دے دے یا یہ معنی ہے کہ اگر تم ان میں ان کے مکینوں میں سے کسی کو نہ پاؤ اور تمہیں ان میں جانے کی ضرورت بھی ہو تو تم ان کے مالکوں کی اجازت کے بغیر ان کے اندر مت داخل ہو کیونکہ غیر کی ملک میں تصرف کرنے کے لیے مالک کی رضا اور اجازت ضروری اور لازمی ہے ﴿وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا﴾ اور اگر تمہیں کہا جائے کہ تم واپس لوٹ جاؤ یعنی جب ان گھروں میں کوئی قوم رہائش پذیر ہو اور وہ کہیں کہ تم واپس چلے جاؤ ﴿فَارْجِعُوْا﴾ تو تم واپس چلے جاؤ

اور اجازت طلب کرنے کے لیے منت سماجت شروع نہ کر دو اور نہ پردے کے اندر سے جھانکو اور نہ دروازہ پر کھڑے رہو کیونکہ یہ حرکتیں نفرت کا باعث ہیں' سو جب ان باتوں سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ یہ قابل نفرت ہیں تو پھر ہر اس عمل سے رکنا واجب ہو گیا جو قابلِ نفرت ہو' جیسے زور زور سے دروازہ پیٹنا اور مالک مکان کو چیخ چیخ کر پکارنا وغیرہ وغیرہ اور حضرت ابو عبید نے فرمایا کہ میں نے ادب کے پیش نظر کبھی کسی عالم دین کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا ﴿هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ﴾ وہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے یعنی واپس لوٹ آنا تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ اور زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں دلوں کی سلامتی ہے اور شک وشبہ سے اجتناب ہے یا یہ معنی ہے کہ یہ تمہارے لیے زیادہ مفید و نفع بخش ہے اور اسی میں زیادہ بھلائی ہے ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ اور تم جو کچھ اعمال کرتے ہو اللہ تعالیٰ انہیں خوب جاننے والا ہے۔ اس میں مخاطبین کے لیے وعید و دھمکی ہے کہ انہیں جن احکام کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے' ان میں سے جن کو وہ ادا کر رہے ہیں اور جن کو وہ ترک کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو خوب جاننے والا ہے' پس اللہ تعالیٰ ان اعمال پر پورا پورا بدلا دے گا۔

۲۹- ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ﴾ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جن میں مستقل سکونت نہیں رکھی جاتی جیسے مسافروں کے ٹھہرنے کے لیے سرائیں' مہمان خانے اور ہوٹل اور تاجروں کی تجارت گاہیں ﴿فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ﴾ اس میں تمہارے لیے فائدہ ہو یعنی منفعت ہو جیسے گرمی اور سردی سے بچنے کے لیے ٹھہرنا اور سامانِ سفر رکھنا' کاروباری سامان اور خرید و فروخت کا سامان وغیرہ رکھنا اور بعض اہل علم نے فرمایا: جیسے ویران مکانات جن میں لوگ بول و براز کرتے ہیں' بیت الخلاء وغیرہ۔ ''متاع'' کا معنی پاخانہ کرنا ہے ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ﴾ اور تم جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ یہ تہمت لگانے والوں کے لیے وعید و دھمکی ہے جو ویران مکانوں اور خالی گھروں میں محض فتنہ وفساد اور تہمت والزام تراشی کے لیے داخل ہو جاتے ہیں۔

پردے کے احکام کا بیان

۳۰- ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ اے محبوب! مسلمانوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ جن کا دیکھنا حرام ہے ان سے آنکھیں بند رکھی جائیں اور صرف انہیں کے دیکھنے پر اکتفا کیا جائے' جن کا دیکھنا حلال اور جائز ہے [''مِنْ'' تبعیض کا ہے] ﴿وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾ اور وہ اپنی شرمگاہوں کی زنا کاری سے حفاظت کریں اور یہاں حرف ''مِنْ'' داخل نہیں کیا گیا کیونکہ اس میں زنا کاری کی کسی صورت میں اجازت نہیں ہے حالانکہ اجنبی عورت کے چہرے کی طرف اور اس کی ہتھیلیوں اور اس کے قدموں کی طرف دیکھنا جائز ہے (بُری نیت سے جائز نہیں) اور ایک روایت میں ہے کہ محارم (وہ خواتین جن سے نکاح حرام ہے) کے سر کی طرف اور سینے اور پنڈلیوں اور بازوؤں کی طرف دیکھنا بھی جائز ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ یعنی نگاہیں نیچی رکھنا اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنا ﴿اَزْكٰى لَهُمْ﴾ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے یعنی گناہوں کے میل کچیل سے بچنے کے لیے یہ عمل پاکیزہ تر ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے جو وہ لوگ کرتے ہیں۔ اس میں ترغیب و ترہیب ہے یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ان کے حالات اور ان کے افعال سے پوری طرح باخبر ہے اور اب دیکھو وہ کس طرح اپنی آنکھوں کو غیر محرم سے روکتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ'' (غافر:١٩) ''اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور اسے بھی جس کو سینے چھپاتے ہیں''۔ پس ان لوگوں پر واجب اور لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ہر حرکت و سکون میں یعنی ہر حال میں بچیں اور اس سے ڈرتے رہیں۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور (اے محبوب!) مسلمان عورتوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور وہ اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کیا کریں مگر جو اس میں سے خود ظاہر ہے اور انہیں چاہیے کہ وہ اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈال کر رکھیں' اور وہ اپنی زیب و زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں یا اپنے باپ دادا یا اپنے شوہروں کے باپ دادا یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں یا اپنی بہنوں کے بیٹوں یا اپنی (نیک مسلمان) عورتوں یا اپنی لونڈیوں یا مردوں میں سے وہ نوکر جو شہوت نہ رکھتے ہوں یا ان بچوں کے لیے جو ابھی عورتوں کی پردہ داری کی باتوں سے واقف نہیں' اور وہ اپنے پاؤں زمین پر اس لیے زور سے مار کر نہ چلیں کہ ان کا وہ بناؤ سنگھار جسے وہ چھپاتی ہیں ظاہر ہو جائے' اور اے ایمان والو! تم سب توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ O

۳۱- ﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ﴾ اے محبوب! مسلمان عورتوں سے فرمایئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی آنکھیں بند رکھیں اور کسی اجنبی مرد کو نہ دیکھیں' لہٰذا اجنبی مرد کی ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے تک کے حصہ کو عورت کے لیے دیکھنا حرام ہے اور ناجائز ہے اور اگر شہوت تیز ہو جائے تو پھر عورت اجنبی آدمی سے اپنی آنکھیں بالکل بند رکھے اور نیز اپنے جیسی عورت کے ماسوا کسی عورت کو نہ دیکھے اور اجنبیوں سے بالکل آنکھیں بند رکھنا سب سے بہتر ہے اور شرمگاہوں کی حفاظت سے پہلے آنکھوں کو بند رکھنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ نظر زنا کاری کی ایلچی اور پیغام بر ہے اور فسق و فجور کی جڑ ہے' پس نفسانی خواہش کا بیج نگاہ کی سرکشی ہے ﴿وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ﴾ اور وہ اپنی زیب و زینت کو ظاہر نہ کریں۔ زینت اسے کہتے ہیں جس کے ساتھ عورت اپنے آپ کو آراستہ کرتی ہے' جیسے زیورات پہننا اور سرمہ لگانا یا مہندی وغیرہ لگانا اور معنی یہ ہے کہ عورتیں زیب و زینت کی جگہیں ظاہر نہ کریں کیونکہ خود زینت کا اظہار جو زیورات وغیرہ ہیں جائز ہے' پس زینت سے مراد وہ جگہیں ہیں' جن پر زیورات وغیرہ پہنے جاتے ہیں یا خود زینت کا اظہار منع ہو لیکن مطلق نہیں' بلکہ جب زینت کی چیزیں اپنے پہننے کی جگہ پر ہوں تا کہ ان جگہوں کا اظہار ہو جائے جن پر زیورات وغیرہ پہنے ہوئے ہیں نہ کہ زیورات کا مطلق اظہار اور زینت کی جگہیں سر' کان' گردن' سینہ' دونوں بازو' کلائیاں اور پنڈلیاں وغیرہ ہیں اور زینت یہ ہیں: تاج' کانوں کی بالیاں' گلے کے ہار' جواہرات

وغیرہ سے مرصع پٹی' باز وبند' کنگن' چوڑیاں اور پازیب وغیرہ ﴿ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾ مگر جو ان سے ظاہر ہو (یعنی) ماسوا اس کے جس کا ظاہر رکھنا عادت وطبیعت کے اعتبار سے عام جاری وساری ہو اور وہ چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدم ہیں کیونکہ ان کے چھپانے میں بہت مشکل ہو جاتی ہے اور واضح تنگی آ جاتی ہے کیونکہ چیزوں کے پکڑنے اور اٹھانے اور رکھنے کے لیے ہاتھوں کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے اور اسی طرح چہرہ کو کھلا رکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے خصوصاً گواہی میں اور محاکمہ میں اور نکاح میں اور راستوں میں چلنے کے لیے چہرہ کھلا رکھنے پر مجبور ہو جاتی ہے تا کہ صحیح دیکھ سکے اور قدموں کو بھی ظاہر رکھنا پڑتا ہے خصوصاً ان میں سے نادار وغریب عورتیں (جو محنت مزدوری کرتی ہیں) ﴿ وَلْيَضْرِبْنَ ﴾ یہ بہ معنی ''وَلْيَضَعْنَ'' ہے اور یہ تمہارے قول ''ضَرَبْتُ بِيَدِيْ عَلَى الْحَائِطِ'' کہ میں نے اپنا ہاتھ دیوار پر رکھا' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم اپنا ہاتھ دیوار پر رکھتے ہو اب اس کا معنی ہو گا کہ اور انہیں چاہیے کہ وہ رکھیں ﴿ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ﴾ اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر کیونکہ (آج کل کی طرح) اس زمانہ میں عورتوں کی قمیصوں اور کرتوں کے گریبان بہت زیادہ کشادہ ہوتے تھے جس کی وجہ سے ان کے سینے اور گردن کے اردگرد ظاہر ہوتے تھے اور وہ عورتیں اپنے دوپٹے آگے سینے پر ڈالنے کی بجائے اپنے پیچھے کی طرف لٹکا دیتی تھیں' جس سے ان کے سینے کھلے رہتے تھے' سو اس لیے مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے دوپٹے آگے گریبانوں پر ڈالا کریں یہاں تک کہ سینہ اور گردن اور اس کا اردگرد چھپ جائے ﴿ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ ﴾ اور وہ اپنی زیب وزینت اور اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں یعنی زیب وزینت کی چھپی جگہیں ظاہر نہ کریں جیسے سینہ' پنڈلیاں اور سر وغیرہ ﴿ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ ﴾ مگر اپنے خاوندوں کے لیے اپنا بناؤ سنگھار ظاہر کریں۔ ''بعول''. ''بعل'' کی جمع ہے ''بعل'' کا معنی خاوند ہے ﴿ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ ﴾ یا اپنے باپوں کے لیے اور ان میں دادے پردادے بھی داخل ہیں ﴿ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ ﴾ یا اپنے خاوندوں کے باپوں کے لیے کیونکہ وہ بھی محارم ہو چکے ہیں ﴿ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ ﴾ یا اپنے بیٹوں کے لیے اور اس میں پوتے بھی داخل ہیں ﴿ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ ﴾ یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے لیے کیونکہ یہ بھی محارم ہو چکے ہیں ﴿ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ ﴾ یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں کے لیے اور ان میں آگے ان کی اولادیں بھی داخل ہیں اور باقی محارم بھی دلالۃً داخل ہیں' جیسے چچے اور ماموں وغیرہم ﴿ اَوْ نِسَآئِهِنَّ ﴾ یا اپنی عورتوں کے لیے یعنی آزاد عورتیں مراد ہیں کیونکہ یہ مطلق لفظ آزاد عورتوں کو شامل ہے ﴿ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ﴾ یا جو ان کے دائیں ہاتھ کے ملک میں ہیں یعنی ان کی لونڈیاں اور غلام کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی مالک عورت کے ان اعضاء کو دیکھ سکے خواہ وہ خصی ہو یا ''عِنِّيْن'' (جس کا آلۂ تناسل ہمیشہ ڈھیلا ڈھالا رہے کبھی انتشار نہ ہو) یا توانا اور صحیح سلامت جوان ہو اور حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا کہ سورۂ نور کا یہ کلام دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ یہ لونڈیوں کے بارے میں ہے' غلاموں کے بارے میں نہیں ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ مالکہ اپنے غلام کو اپنے ان اعضاء (چہرہ' دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدم) کے دیکھنے کی اجازت دے سکتی ہے ﴿ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ ﴾ یا مردوں میں سے وہ نوکر جو عورتوں کی خواہش نہیں رکھتے یعنی جن میں مردانہ شہوت نہ ہونے اور ختم ہو جانے کی وجہ سے انہیں عورتوں کی حاجت نہیں' بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں' جو تمہارے پیچھے پیچھے رہتے ہیں تا کہ تمہارا بچا ہوا کھانا حاصل کر سکیں اور انہیں عورتوں کی حاجت نہیں ہوتی کیونکہ یہ کم عقل ہوتے ہیں اور وہ عورتوں کے معاملے نہیں جانتے یا ان سے بہت بوڑھے نیک حضرات مراد ہیں یا نامرد مراد ہیں یا خصی لوگ مراد ہیں یا مخنث (یعنی ہیجڑے) مراد ہیں اور ایک روایت کے مطابق اس سے مجبوب مراد ہیں (یعنی جس کے خصیے اور آلۂ تناسل کاٹ دیئے گئے ہوں) اور پہلی توجیہ ٹھیک

ہے[ابن عامر شامی یزید اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں استثناء کی بناء پر یا حال ہونے کی بناء پر ''غَیْرَ'' منصوب ہے جب کہ ان کے علاوہ کے نزدیک ''التابعین'' سے بدل یا اس کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اور ''من الرجال'' حال ہے] ﴿ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ﴾ یا وہ بچے جو عورتوں کے قابلِ شرم و حیاء کے مقامات سے آگاہ نہیں یعنی وہ حد شہوت کی عمر کو نہ پہنچنے کی وجہ سے عورتوں کے پردے کے مقامات سے آگاہ نہیں ہیں اور یہ ''ظَهَرَ عَلَی الشَّیْءِ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی چیز سے آگاہ ہو جاتا ہے یا یہ معنی ہے کہ یہ بچے عورتوں کے ساتھ جماع کی قدرت رکھنے کے زمانہ کو نہیں پہنچے اور ''ظَهَرَ عَلٰی فُلَانٍ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ فلاں پر غالب وقوی ہو[''الطفل'' اگر چہ مفرد ہے لیکن یہ اسم جنس ہے' اُس لیے اس سے جمع مراد لی جاسکتی ہے] ﴿ وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ﴾ اور وہ اپنے پاؤں نہ ماریں تا کہ وہ جو اپنی زیب و زینت چھپاتی ہیں ظاہر ہو جائے۔ دراصل عورتیں پازیب پہن کر جب چلتی تھیں تو وہ اپنے پاؤں زمین پر زور سے مار کر چلتیں تا کہ ان کے پازیب کی جھنکار سنی جائے اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ پازیب والی عورت ہے' سو اس لیے عورتوں کو اس سے منع کیا گیا کیونکہ زینت کی آواز سننا خود زینت کے اظہار کی طرح ہے اور اسی وجہ سے زیور کی آواز کو وسواس (جھنکار) کہا جاتا ہے ﴿ وَتُوْبُوْآ اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ ایمان والو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور توبہ کرو[''اَیُّهَ'' میں ھا کے آخر میں التقائے ساکنین کی وجہ سے الف حذف کر دیا گیا ہے(اصل میں ''اَیُّهَا'' تھا) اس کے بعد ابن عامر شامی کی قراءت میں ماقبل کے ضمہ (پیش) کی پیروی میں ھا پر ضمہ (اَیُّهُ) پڑھا گیا ہے جب کہ اس کے علاوہ کے نزدیک ھا پر فتح (زبر) ہے کیونکہ اس کے بعد الف مقدر ہے] ﴿ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ تا کہ تم فلاح حاصل کرو۔ انسان کوشش کے باوجود اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی میں کوتاہی اور بھول چوک سے نہیں بچ سکتا' سو اس لیے تمام مسلمانوں کو توبہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور توبہ کرنے کی صورت میں فلاح و نجات اور کامیابی و کامرانی کی امید دلائی گئی ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ تمام لوگوں سے بڑھ کر توبہ کا وہ شخص محتاج ہے' جسے یہ وہم ہو کہ اسے توبہ کی حاجت نہیں اور بہ ظاہر یہ آیت مبارکہ دلالت کرتی ہے کہ معصیت و نافرمانی ایمان کے خلاف نہیں۔

وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰی مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰی یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْرًا ۖۗ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَیٰتِكُمْ عَلَی الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَمَنْ یُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۳﴾

اور تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے قابلِ نکاح غلاموں اور کنیزوں کا نکاح کر دو' اگر وہ محتاج

ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا' اور اللہ تعالیٰ بڑا وسعت والا' خوب جاننے والا ہے ○ اور جو لوگ نکاح کی طاقت نہیں رکھتے انہیں چاہیے کہ وہ پاک دامن بن کر رہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے' اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں جو لوگ مکاتب بننا چاہیں تو تم اگر ان میں بھلائی جانو تو انہیں مکاتب کر دو' اور تم اللہ تعالیٰ کے مال میں سے انہیں کچھ دو جو اس نے تمہیں عطا کر رکھا ہے' اور تم اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تا کہ تم دنیا کی زندگی کا فائدہ حاصل کرو' اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا تو ان پر جبر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ یقیناً بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے ○

بے نکاح مردوں اور عورتوں کے نکاح کا حکم

۳۲۔ ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ﴾ اور تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو۔ ''اَیَامٰی''. ''اَیِّمْ'' کی جمع ہے اور ''ایّـم'' وہ مرد ہے جس کی بیوی نہ ہو اور وہ عورت ہے جس کا شوہر نہ ہو' خواہ وہ کنوارے ہوں یا پہلے بھی شادی شدہ رہ چکے ہوں اور اس کی اصل ''ایـائم'' بھی ہے' پھر اس میں تبدیلی کی گئی ہے ﴿وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ﴾ اور قابلِ نکاح اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کر دو یعنی بہترین یا مسلمان غلاموں اور لونڈیوں کا نکاح کر دو۔ ''صـالـحین'' کا معنی بہترین یا مؤمنین ہے اور اب معنی یہ ہوگا کہ اے متولیو! تم اپنے بے نکاح آزاد مردوں اور آزاد عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے غلاموں اور اپنی لونڈیوں میں سے جن میں نکاح کی صلاحیت و قابلیت ہو ان کے بھی نکاح کر دو اور یہ حکم استحباب کے لیے ہے کیونکہ نکاح ایک پسندیدہ عمل ہے ﴿اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اگر وہ مال کے لحاظ سے محتاج و ضرورت مند ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے کفایت شعاری اور قناعت کے سبب یا دونوں کے رزق کو جمع کر دینے کے سبب غنی و مال دار کر دے گا اور حدیث شریف میں ہے کہ تم نکاح کے ذریعے رزق تلاش کرو[1] اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ غنی اور بڑی وسعت والا ہے اور مخلوق کو غنی کرنا اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ﴿عَلِيْمٌ﴾ خوب جاننے والا ہے ''يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ'' (الرعد:۲۶) ''اللہ تعالیٰ رزق فراخ کر دیتا ہے' جس کے لیے چاہتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے''۔ اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں اور بے نکاحوں کا نکاح کرنا ان کے سربراہوں کی ذمہ داری ہے' جیسا کہ غلاموں اور لونڈیوں کا نکاح کرنا' ان کے مالکوں کی ذمہ داری ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بے نکاح مرد کا متولی وہی ہوگا جسے وہ اپنے نکاح کی اجازت دے گا اور اسی طرح عورت کے نکاح کا متولی بھی اس کی اجازت سے ہوگا کیونکہ بے نکاح مرد و زن اپنے نکاح کرنے کے انتظام میں خود مختار ہیں۔

۳۳۔ ﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا﴾ اور جو لوگ نکاح کی طاقت یعنی حق مہر ادا کرنے اور نان و نفقہ دینے کی طاقت نہیں رکھتے انہیں چاہیے کہ وہ اپنی پاکیزگی و پاک دامنی برقرار رکھیں اور وہ عفت و پاک دامنی قائم رکھنے کی پوری کوشش کرتے رہیں گویا ''مُسْتَعَفّ'' اپنی عفت و پاک دامنی کا طالب ہوتا ہے ﴿حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انہیں غنی اور مال دار کر دے (یعنی) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں حق مہر ادا کرنے اور نان و نفقہ دینے پر قدرت و اختیار عطا فرما دے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ نکاح کر لے کیونکہ یہ نگاہ کو بُرائی سے بہت روکنے والا ہے اور عزت و آبرو

[1] رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس رقم الحدیث: ۲۸۲

اور شرمگاہ کی بہت حفاظت کرنے والا ہے اور جو تم میں سے نکاح کی طاقت نہیں رکھتا تو اس پر لازم ہے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ بُرائی سے بچنے کے لیے ڈھال ہے[1] سوتم غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو کیسے ترتیب سے بیان فرمایا' پس اللہ تعالیٰ نے پہلے ایسے عمل کا حکم دیا جو فتنہ وفساد سے انسان کو بچاتا ہے اور معصیت و نافرمانی اور گناہ کے مواقع سے دور رکھتا ہے اور وہ نگاہوں کو نیچے رکھنا اور غیر محارم کو نظر بھر کر دیکھنے سے پرہیز کرنا ہے' پھر نکاح کرنے کا حکم دیا جو دین کا محافظ اور حرام کاری سے بے نیاز کر دینے والا عمل ہے' پھر نکاح کرنے سے عاجز ہونے کی صورت میں شہوت رانی سے بچنے کے لیے نفسِ امارہ (سرکش نفس) کو کنٹرول کرنے کا حکم دیا یہاں تک کہ وہ نکاح پر قادر ہو جائے ﴿وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ اور تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتب ہونے کا مطالبہ کریں یعنی تمہارے مملوک غلام جو کتابت کا مطالبہ کریں ["اَلَّذِيْنَ" مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یا اس فعل کی وجہ سے منصوب ہے جو اس کی تفسیر کر رہا ہے] ﴿فَكَاتِبُوْهُمْ﴾ تو تم انہیں مکاتب کر دو اور یہ استحبابی حکم ہے (یعنی پسندیدہ حکم) اور مکاتبت یہ ہے کہ آقا اپنے مملوک و غلام سے کہے کہ میں نے تجھے ایک ہزار درہم ادا کرنے پر آزادی لکھ دی ہے' پھر اگر غلام ایک ہزار درہم ادا کرے گا تو آزاد ہو جائے گا اور اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے اپنے ذمہ لکھ لیا ہے کہ جب تو مقرر کردہ مال ادا کر دے گا تو میری طرف سے تو آزاد ہو جائے گا اور تو نے میرے لیے اپنے ذمہ لکھ لیا ہے کہ یہ رقم تو پوری طرح ادا کرے گا یا یہ معنی ہے کہ میں نے تیرے ذمہ اتنا مال ادا کرنا لکھ دیا ہے اور اپنے ذمہ تجھے آزاد کرنا لکھ دیا ہے اور یہ مال نقد اور اُدھار اور قسط وار اور بغیر قسط کے یک مشت ادا کرنا ہر طرح جائز ہے کیونکہ امر مطلق ہے ["فَا" اس پر اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ اسم موصول شرط کے معنی کو متضمن ہے اور "کتاب" اور "مکاتبة" "عتاب" اور "معاتبة" کی طرح ہے] ﴿اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا﴾ اگر تم ان میں بھلائی جانو کہ وہ محنت و مزدوری کر سکتا ہے یا امانت دار و دیانت دار ہے اور اس حکم کا استحباب اس شرط پر موقوف ہے ﴿وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے اس مال میں سے کچھ دو جو اس نے تمہیں عطا کر رکھا ہے' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وجوب کے طریقہ پر مکاتبوں کی امداد کرنے کا حکم دیا ہے اور اپنے ارشاد: "وَفِي الرِّقَابِ" (البقرہ:۱۷۷) کی بناء پر انہیں زکوٰۃ سے ان کا حصہ ادا کرنے کا حکم دیا اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ تم بدل کتابت میں سے ایک چوتھائی رقم کم کر دو اور یہ ہمارے نزدیک مستحب ہے اور پہلی وجہ بہتر ہے کیونکہ مالی امداد کا مقصد مکاتب کو عطا کردہ رقم کا مالک بنانا ہے' سو اس کا مکاتبت کی رقم میں سے ایک چوتھائی کم کرنے پر اطلاق درست نہیں ہے۔

شانِ نزول: ایک دفعہ صبیح نامی غلام نے اپنے آقا حویطب سے درخواست کی کہ وہ اسے ایک مخصوص معاوضہ پر مکاتب کر دے لیکن اس نے اس سے انکار کر دیا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

اور معلوم ہونا چاہیے کہ غلاموں کی چار قسمیں ہیں:[2] (۱) قن: جو خدمت گزار ہوتا ہے (۲) ماذون فی التجارۃ

---

[1] رواہ البخاری فی کتاب الصوم' باب:۱۰' مسلم فی کتاب النکاح' حدیث:۱' النسائی فی کتاب الصیام' باب:۴۳' ابن ماجہ فی کتاب النکاح باب:۱' الدارمی فی کتاب النکاح' باب:۲' احمد فی مسندہ ج۱ ص ۵۷۔۳۱۸

[2] "قِنٌّ" (یا عبد رقیق) یہ ہمہ اوقات اپنے آقا کی خدمت کے لیے وقف ہوتا ہے' یہ اپنا کوئی اختیار استعمال نہیں کر سکتا بلکہ اپنے مالک و آقا کے احکام کا پابند ہوتا ہے اور "ماذون" وہ غلام ہوتا ہے جسے تجارتی کاروبار میں مالک کی طرف سے اجازت دی جاتی ہے' یہ اپنے کاروباری معاملات میں خود مختار ہوتا ہے اور وہ اپنا اختیار استعمال کرتا ہے اور مکاتب جسے مقررہ بدل کتابت ادا کرنے پر آزاد کر دیا جاتا ہے اور آبق اپنے آقا کا نافرمان غلام ہوتا ہے۔ غوثوی مہاروی

(۳) مکاتب (۴) آبق: سو پہلے کی مثال وہ شخص ہے جو عزلت وگوشہ نشینی اختیار کر لیتا ہے (اور سب سے الگ تھلگ ہو کر اپنے خالق و مالک اور اپنے معبودِ برحق کی عبادت میں مشغول رہتا ہے) اسے معاشرہ کی دوستی کو ترک کرنے اور خلوت وگوشہ نشینی اختیار کرنے کے سبب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت ووقار حاصل ہو جاتا ہے اور دوسرے کی مثال وہ شخص ہے' جو معاشرہ کی سنگت وصحبت کو پسند کرتا ہے' سو یہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرتا ہے اور خبر گیری کے لیے لوگوں سے بھی ملتا جلتا ہے اور لوگوں کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور انہیں غیرت کا حکم دیتا ہے' پس یہ رسول اللہ ﷺ کا نائب اور جانشین ہے' جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ بولتا ہے' سو دنیا اس کے لیے بازارِ تجارت ہے اور عقل اس کے لیے رأس المال (اصل مال) ہے اور غصے اور خوشحالی کی حالت میں عدل وانصاف کرنا اس کا ترازو ہے اور فقر وفاقہ اور خوشحالی میں میانہ روی اختیار کرنا اس کی عادت وفطرت ہے اور علم اس کی جائے پناہ اور نجات کا باعث ہے اور قرآن مجید اس کے آقا کی طرف سے کتاب اذن ہے' پس وہ بہ ظاہر لوگوں میں شامل ہوتا ہے اور باطن میں ان سے دور ہوتا ہے کیونکہ یہ باطن میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ان پر اپنے تمام حقوق کو ترک کر چکا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے ظاہر میں ان کے حقوق ادا کرنے کے لیے ان کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور وہ ان میں معیشت کے اعتبار سے ان میں سے نہیں ہوتا لیکن وہ ریتلے سونے کی کان ہوتا ہے' وہ وہی کھاتا ہے جو لوگ کھاتے ہیں اور وہ وہی پیتا ہے جو لوگ پیتے ہیں اور ان پر ظاہر نہیں کرتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے' وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کو اسی کے حکم کا پابند وقائم دیکھتا ہے اور گویا اسی کے حق میں کہا گیا ہے۔ •

پھر اگر تم لوگوں میں مل جل کر رہتے ہو جب کہ تم انہیں میں سے ہو تو بلاشبہ مشک بھی ہرن کے خون کا حصہ ہوتی ہے'

بہر حال گوشہ نشینی اختیار کرنے والے کا حال خالص وصاف اور لذیذ وشیریں (یعنی پاکیزہ ترین) ہے اور معاشرت اختیار کرنے والے کا حال بہت مکمل اور بڑا بلند وبالا ہے اور رحمٰن کی بارگاہِ قدس میں پہلے کا دوسرے کے مقابلے میں وہی مقام ہے' جو بادشاہ کے نزدیک اس کے وزیر دوست کا ہوتا ہے لیکن حضور نبی کریم ﷺ طرفین (آپ عبد رقیق اور عبد ماذون دونوں کی صفات کے جامع ہیں' نیز ان کے سردار ہیں کیونکہ تمام نیک مسلمان عبد رقیق ہیں اور تمام انبیائے کرام عبد ماذون ہیں اور حضور سب کے سردار ہیں) اور آپ موتیوں اور سونے کی کان ہیں اور آپ دونوں احوال (ظاہر وباطن) کے جامع ہیں اور آپ دونوں پسندیدہ راہوں (شریعت وطریقت) کے منبع ومرکز ہیں' پس آپ کے احوال کا باطن گوشہ نشینی اختیار کرنے کی رہنمائی کرنے والا ہے اور آپ کے اعمال کا ظاہر معاشرت اختیار کرنے کا نمونہ ہے (گویا آپ "دل بیار دست بکار" کے اولیں مصداق ہیں)۔

اور تیسرا بندہ وہ ہے جو جہاد کرنے والا' اپنا محاسبہ کرنے والا اور عمل کرنے والا ہے' جس سے مکاتب کے ذمہ قسطوں کی طرح کئی اقسام (کی عبادات) کا مطالبہ کیا گیا ہے' دن رات میں پانچ نمازوں اور دو سو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ اور ایک سال میں ایک ماہ کے روزوں اور عمر بھر میں ایک دفعہ حج کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو گویا اس بندے نے اپنے آپ کو اپنے رب تعالیٰ سے ان قسط وار مرتب عبادات کے عوض میں فروخت کر دیا ہے' سو وہ اپنی گردن چھڑانے میں کوشاں رہتا ہے' ایک اس خوف سے کہ کہیں غلامی کی قید میں باقی نہ رہ جائے' دوسرا آزادی کا ویزہ حاصل کرنے کی امید میں تاکہ جنت کے باغات میں خوب کھائے پیے اور اپنی تمنا کے مطابق فائدہ اٹھائے اور جو چاہے وہ کرے۔

اور چوتھے بھاگنے والے بندے ہیں اور یہ بہت زیادہ ہیں' جن میں سے ظالم قاضی (یعنی جج) اور بے عمل عالم' ریاکار

قاری اور وہ واعظ جو کہتا کچھ اور ہے اور کرتا کچھ اور ہے (یعنی قول و فعل میں تضاد ہے) اور اس کے اکثر اقوال فضول و بے کار ہوتے ہیں اور وہ ہر اس چیز پر حملہ آور ہوتا ہے' جس میں اس کو فائدہ نہ ہو' ایسا شخص چور' زانی اور لوٹ مار کرنے والے سے بڑھ کر بُرا ہے اور انہیں لوگوں کے بارے میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ذریعے اس دین کی مدد فرمائے گا' جن کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہوگا ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ﴾ اور تم اپنی لونڈیوں کو زنا کاری پر مجبور نہ کرو۔

شانِ نزول: عبد اللہ ابن اُبَی رئیس المنافقین کی چھ لونڈیاں تھیں: معاذہ' مسیکہ' اُمیمہ' عمرہ' اروی اور قتیلہ۔ عبد اللہ ابن ابی انہیں زنا کاری پر مجبور کرتا اور اس نے ان پر یومیہ ٹیکس لگا رکھا تھا' جو وہ لونڈیاں زنا کاری کے ذریعے کما کر اسے دیتی تھیں' اگر ان میں سے کوئی انکار کرتی تو اسے مارتا تھا' چنانچہ ان میں سے دو لونڈیوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں شکایت پیش کی' جس پر یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی اور لونڈیوں کو زنا کاری کرنے پر مجبور کرنے سے منع کیا گیا اور ''فتی'' غلام کو اور ''فتاۃ'' لونڈی کو کہا جاتا ہے اور ''البغاء'' کا معنی زنا ہے لیکن یہ عورتوں کے لیے مخصوص ہے [اور یہ ''بغی'' کا مصدر ہے] ﴿اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ اگر وہ لونڈیاں زنا کاری سے پاک دامن رہنا چاہیں اور اس کو اس شرط کے ساتھ اس لیے مقید کیا گیا ہے کہ اکراہ (مجبور کرنا) اسی وقت ہوگا جب لونڈی پاک دامن و پاکیزہ رہنا چاہتی ہو اور زنا سے انکار کر دے' لہٰذا زنا کاری کے لیے تیار و مطیع لونڈی کو زنا کاری کا حکم دینے والے کو ''مُکْرِہ'' (یعنی مجبور کرنے والا) نہیں کہا جائے گا اور نہ اس کے حکم کو اکراہ (مجبور کرنا) کہا جائے گا اور اس لیے بھی کہ یہ ممانعت ایک خاص وجہ سے نازل ہوئی تھی' اس لیے یہ نہی اس صفت پر واقع ہوئی اور اس میں مالکوں اور آقاؤں کے لیے وعید اور دھمکی ہے یعنی جب وہ لونڈیاں زنا کاری سے بچنا چاہیں اور پاک دامن و پاکیزہ رہنا چاہیں تو یہ تم پر زیادہ فرض ہے کہ انہیں مجبور کرنے کی بجائے پاک دامن رہنے کی حوصلہ افزائی کرو ﴿لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ تاکہ تم دنیا کی زندگی کا عارضی فائدہ طلب کرو یعنی تاکہ تم انہیں زنا کاری پر مجبور کر کے ان سے اجرت اور ان سے اولاد حاصل کرو ﴿وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور جو شخص انہیں مجبور کرے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ انہیں مجبور ہو جانے کے بعد بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے یعنی ان مجبور و مقہور لونڈیوں کو اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف شریف میں بھی اسی طرح ہے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! مجبور لونڈیوں کے لیے ہی مغفرت و رحمت ہے اور ممکن ہے کہ یہ اکراہ (مجبور کرنا) اس سے کم ہو جس کو شریعت نے معتبر قرار دیا ہے اور یہ وہ اکراہ ہے' جس میں ہلاکت کا اندیشہ ہو تو شریعت کے معتبر اکراہ سے کم اکراہ میں زنا کاری پر لونڈی گنہگار ہوئی یا جب لونڈیوں کے مالک و آقا مجبور کرنے کو ترک کر کے توبہ کر لیں گے تو ان کے لیے مغفرت و رحمت خداوندی نچھاور ہوگی۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى

نُوۡرٍ ؕ یَهۡدِی اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۳۵﴾ۙ

اور بے شک ہم نے تمہاری طرف واضح آیات نازل فرمائیں اور ان لوگوں کی مثالیں بھی بیان فرمائیں جو تم سے پہلے گزر چکے اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت بھیO اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے' اس کے نور کی مثال ایک طاق کی طرح ہے' جس میں چراغ ہو' وہ چراغ ایک فانوس میں ہو' وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے' جو موتی کی طرح چمک رہا ہے' وہ بابرکت زیتون کے درخت سے روشن کیا جاتا ہے نہ مشرقی ہے اور نہ مغربی ہے' قریب ہے کہ اس کا تیل خود بخود روشن ہو جائے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے' نور پر نور ہے' اللہ تعالیٰ اپنے نور کے لیے جسے چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہےO

۳۴- ﴿ وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكُمۡ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ﴾ اور بے شک ہم نے تمہاری طرف واضح اور روشن آیات نازل کی ہیں [ابوبکر کوفی' ابوعمرو بصری اور اہل حجاز اور حماد کی قراءت میں "مُبَیَّنَاتٍ" میں "یا" پر فتح (زبر) ہے] اور وہ آیات مراد ہیں جو اس سورت میں بیان کی گئی ہیں اور احکام و حدود کے معانی بیان کرنے میں انہیں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے[1] [اور یہ بھی جائز ہے کہ "مُبَیَّنَاتٍ فِیۡهَا" ہو' پھر ظرف میں وسعت دی گئی یعنی مفعول بہ ('ایات مبیّنات) کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا ہو اور دیگر قراء کی قراءت میں "مُبَیِّنَاتٍ" میں "یا" کے نیچے کسرہ (زیر) ہے] یعنی ہم نے تمہاری طرف احکام و حدود بیان کرنے والی آیات نازل کی ہیں [اور ان کو بطور مجاز فعل قرار دیا گیا ہے] یا پھر "بَیَّنَ" بہ معنیٰ "تَبَیَّنَ" ہے واضح آیات اور اسی سے مثال ہے کہ "قَدۡ بَیَّنَ الصُّبۡحُ لِذِیۡ عَیۡنَیۡنِ" بے شک آنکھیں رکھنے والوں کے لیے صبح روشن ہو چکی ہے ﴿ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ﴾ اور ہم نے ان لوگوں میں سے کچھ کی مثالیں بیان کی ہیں' جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی تم سے پہلے لوگوں کی مثالیں یعنی ہم نے ان کے قصوں سے عجیب قصہ بیان کیا ہے' جیسے حضرت یوسف اور حضرت مریم علیہما السلام کے قصے ہیں اور یہ یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قصہ ﴿ وَمَوۡعِظَةً ﴾ اور ان آیتوں اور مثالوں میں نصیحت کی باتیں بھی بیان کی گئی ہیں' جیسے ارشاد ہے کہ "تمہیں اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں ان دونوں (زانی مرد و عورت) پر ترس نہ آئے"۔ (النور:۲) "ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اسے سنا تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں کے بارے

[1] اب تک مختلف اور متعدد احکامات بڑی وضاحت سے بیان کر دیئے گئے' جن کا مقصد معاشرہ کو ہر قسم کی بے حیائیوں' بدکاریوں سے پاک کرنا اور پاک رکھنا ہے۔ یہ احکامات اتنے واضح ہیں کہ ان کے متعلق یہ کہنے کی جسارت کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ وہ انہیں سمجھ نہیں سکا۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں ان قوموں کے حالات بھی پوری تفصیل سے متعدد بار بیان کیے گئے ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ کے احکام سنائے گئے' سمجھائے گئے لیکن وہ باز نہ آئے' حتیٰ کہ وہ غضبِ الٰہی کا شکار ہو گئے اور ان کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا' (لہٰذا) اے فرزندانِ اسلام! اگر اب بھی تم نے اصلاحِ احوال کی کوشش نہ کی اور قدیم و جدید جاہلیتوں کے سحر میں مبتلا رہ کر اپنا ستیاناس کر ڈالا اور دوسری بے حیاء قوموں کی تقلید میں اپنی شرم و حیاء کی چادر کو اتار پھینکا تو پھر تم سے زیادہ زیاں کار اور کون ہو سکتا ہے' پھر مکافاتِ عمل کے قانون کے مطابق اگر تم پر غضبِ الٰہی کی بجلیاں گریں تو تمہارا اپنا قصور ہوگا۔ تمہارے کریم پروردگار نے تو تمہیں بُرے کاموں سے بڑی وضاحت سے آگاہ کر دیا اور ان پر مرتب ہونے والے نتائج کو کھول کر بیان کر دیا۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۳۲۴)

میں نیک گمان کیا ہوتا اور کہہ دیا ہوتا کہ یہ کھلم کھلا بہتان ہے"۔ (النور:۱۲) "اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اسے سنا تو تم نے کہہ دیا ہوتا کہ ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس کے متعلق کوئی بات کریں اے اللہ! آپ ہر عیب سے پاک ہیں یہ بہت بڑا بہتان ہے"۔ (النور:۱۶) "اللہ تعالیٰ تمہیں یہ نصیحت کرتا ہے کہ دوبارہ اس طرح کی بات کبھی نہ کرنا اگر تم مسلمان ہو"۔ (النور:۱۷) ﴿لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ پرہیز گاروں کے لیے یعنی وہی اس سے فائدہ اور نفع اٹھانے والے ہیں اور اگرچہ یہ سب کے لیے نصیحت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نور کی شان

۳۵۔﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔اس ارشاد کی اور اس کے ساتھ دوسرے ارشاد "مَثَلُ نُوْرِهٖ" کی اور "یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ" کی نظیر یہ قول ہے: "زَيْدٌ كَرَمٌ وَجُوْدٌ" یعنی زید سراپا فیاض وسخی ہے' پھر کہو "ینعش الناس بکرمه وجوده" یعنی لوگ اس کی فیاضی اور اس کی سخاوت سے خوشحال ہو جاتے ہیں اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے نور والا ہے اور آسمانوں اور زمین کے نور سے مراد حق ہے اور حق کو نور اس کے ظہور اور عیاں ہونے کے اعتبار سے کہا گیا ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ" (البقرہ:۲۵۷) "اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا کارساز ہے' وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے یعنی باطل سے حق کی طرف لے جاتا ہے"۔ اور اللہ تعالیٰ نے "نور" کو "السمٰوٰت والارض" کی طرف مضاف اس لیے فرمایا تا کہ یہ اضافت اللہ تعالیٰ کے نور کی روشنی کی وسعت اور اس کے نور کی روشنی کے عام ہونے پر رہنمائی کرے' یہاں تک کہ اس کے نور سے تمام آسمان اور تمام زمینیں روشن ہوگئی ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ آسمانوں اور زمین میں رہنے والے مراد ہوں یعنی اس کے نور سے تمام آسمانوں والے اور تمام زمین والے روشن ہو گئے اور بے شک تمام زمین و آسمان والے اسی کے نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں ﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ﴾ اس کے نور کی مثال یعنی اس کے نور کی صفت کی مثال جس کی روشنی دینے میں عجیب شان ہے[1]

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: "مَثَلُ نُوْرِهٖ" "ای نور الله الذی هدی به المؤمن" اس کے نور کی

[1] واضح رہے کہ "مدارک التنزیل" کے تین نسخے میرے پاس موجود ہیں' جن میں ایک نسخہ مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر کا ہے' یہ نسخہ "تفسیر خازن" کے حاشیہ پر ہے اور دوسرا نسخہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی کا ہے ان دونوں نسخوں میں "مثل نوره" کی تفسیر صرف "ای صفة نوره العجیبة الشان فی الاضاءة" ہے' تیسرا نسخہ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور کا ہے' جس میں حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود اور حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال بھی تحریر ہیں' اگرچہ اس میں بعض طباعتی غلطیاں ہیں تاہم چونکہ یہ اقوال اسی آیت مبارکہ کے آخر میں تینوں نسخوں میں بیان کیے گئے ہیں اس لیے یہاں بھی ان کا ترجمہ تحریر کر دیا ہے۔

علاوہ ازیں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذاتِ اقدس میں واحد لاشریک بے مثل و بے مثال ہے' اسی طرح وہ اپنی صفات میں بھی واحد لاشریک بے مثل و بے مثال ہے اور اس کے اسماء ذاتی ہوں خواہ صفاتی' وہ سب بے مثل و بے مثال قدیم ازلی ابدی ہیں' جیسا کہ ارشاد ہے: "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ" (الشوریٰ:۱۱) "اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے"۔ یہی وجہ ہے کہ جب مفسرین کرام نے "مثل نوره" میں ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو قرار دیا تو انہوں نے مثل کا معنی صفت کیا ہے جیسے صاحبِ "مدارک" نے فرمایا: "ای صفة نوره العجیبة الشان فی الاضاءة" یعنی اللہ تعالیٰ کے نور کی صفت جس کی خوب روشنی عطا کرنے میں عجیب شان ہے' اس لیے مفسرین کرام نے دلائل کی روشنی میں "نوره" کی ضمیر کا مرجع مؤمن' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مثال یعنی اللہ تعالیٰ کے نور کی جس کے ذریعے وہ مؤمن کو ہدایت عطا فرماتا ہے۔
(۲) اور حضرت ابن مسعود رحمہ اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی قراءت میں ہے: ''مثل نوره فی قلب المؤمن کمشکاة'' اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال مؤمن کے قلب میں ایک طاق کی طرح ہے۔
(۲) اور حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ہے: ''مثل نور المؤمن'' ''مؤمن کے نور کی مثال۔
﴿ كَمِشْكٰوةٍ ﴾ ''کصفة مشكاة'' جیسے ایک طاق کی صفت و خوبی ہے اور یہ دیوار میں ایک سوراخ اور شگاف ہوتا ہے' جو کھڑکی کی طرح آر پار نہیں ہوتا بلکہ پیچھے سے اور جانبین سے بند ہوتا ہے' صرف سامنے شگاف ہوتا ہے ﴿ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ﴾

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قلب مؤمن' قرآنِ مجید' طاعتِ الٰہی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی قرار دیا ہے' جیسا کہ ''تفسیر روح المعانی' روح البیان' ابن کثیر' مظہری'' اور ''خازن'' وغیرہم میں وضاحت موجود ہے' یہاں صرف اختصار کے پیش نظر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کی مثال مراد لینے کے چند حوالہ جات عشاق کے لیے پیش کیے جا رہے ہیں۔

(۱) علامہ قاضی ثناء اللہ مظہری لکھتے ہیں: ''وقال سعید بن جبیر والضحاك هو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' اور حضرت سعید بن جبیر اور حضرت ضحاک نے فرمایا کہ جس کے نور کی مثال بیان کی جا رہی ہے وہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں' نیز قاضی صاحب چند صفحات کے بعد لکھتے ہیں: ''قال ابن عباس لكعب الاحبار اخبرنی عن قوله تعالیٰ مثل نوره كمشكاة قال هٰذا مثل ضربه الله لنبيّه صلی الله عليه وسلم فالمشكاة صدره والزجاجة قلبه والمصباح فيه النبوة يكاد نور محمد صلی الله عليه وسلم وامره يتبيّن للناس ولو لم يتكلم انه نبيٌّ'' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت کعب سے کہا کہ آپ مجھے ارشادِ باری تعالیٰ ''مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ'' کے متعلق بتایئے۔ حضرت کعب نے فرمایا کہ یہ ایک مثال ہے' جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم و مکرم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بیان فرمائی ہے' پس ''مشکاة'' (طاق) آپ کا سینہ مبارک ہے اور ''زجاجة'' (قندیل) آپ کا قلب اطہر ہے اور ''مصباح'' (بڑا روشن چراغ) آپ کی نبوت ہے' قریب ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مبارک اور آپ کی نبوتِ مقدسہ لوگوں پر خود بخود واضح ہو جائے' اگرچہ آپ بیان نہ بھی فرمائیں کہ میں نبی ہوں۔
(تفسیر مظہری ج ٦ ص ۵۲۲ نیز ۵۲۵' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی)

(۲) علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں: ''المراد بنوره رسوله محمد صلی الله عليه وسلم وقد جآء اطلاق النور عليه الصلوٰة والسلام فی قوله تعالیٰ: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ'' ''نوره'' سے اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں اور یقیناً آپ پر نور کا اطلاق (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ میں آ چکا ہے کہ ''بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب'' نیز علامہ آلوسی چند سطور کے بعد مزید لکھتے ہیں کہ ''الضمير راجع الی محمد صلی الله عليه وسلم وروی ذالك جماعة عن ابن عباس عن كعب الاحبار وحكاه ابو حيّان عن ابن جبير ايضًا'' یعنی ''نوره'' میں ضمیر سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے اور اس کو ایک پوری جماعت نے حضرت ابن عباس سے انہوں نے حضرت کعب احبار سے بیان کیا ہے اور علامہ ابوحیان نے اس کو حضرت سعید بن جبیر سے بھی بیان کیا ہے۔
(تفسیر روح المعانی جزء ۱۸ ص ۱۲٦' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور) علاوہ ازیں تفسیر خازن جزء ۳ ص ۳۵۳' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر' تفسیر کبیر ج ٦ ص ۲۸۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۹۷۸ء' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ٦۵' اٹھارواں پارہ مترجم' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت' کراچی' تفسیر روح البیان مترجم بہ نام فیوض الرحمان' پارہ ۱۸' ص ۲۳۵' مطبوعہ مکتبہ اویسیہ رضویہ' بہاولپور)

جس میں ایک چراغ ہو یعنی ایک بڑا روشن چراغ ہو ﴿اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ﴾ یہ چراغ شیشہ میں ہو (یعنی) شیشے کے فانوس میں ہو [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''زا'' کے نیچے زیر ہے] ﴿اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ﴾ یہ فانوس گویا چمکتا ہوا ستارہ ہے جو روشنی بکھیرنے والا ہے [''دُرِّيٌّ'' دال پر پیش ہے اور ''یا'' مشدد ہے' ''دُرٌّ'' کی طرف منسوب ہے' ستارے کو بہت زیادہ روشن ہونے اور صاف ستھرا ہونے کی وجہ سے موتی کی طرف منسوب کیا گیا' ابوعمرو اور علی کسائی کی قراءت میں دال کے نیچے زیر اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے' گویا ستارہ اپنی روشنی کی وجہ سے اندھیرے کو دور دھکیل دیتا ہے اور دال پر پیش اور آخر میں ہمزہ کے ساتھ ابوبکر کوفی اور حمزہ کی قراءت ہے [اس ستارہ کو اپنی چمک دمک کی وجہ سے ''کواکب دراری'' (خوب چمکنے والے ستاروں) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسے مشتری اور زہرہ وغیرہا ﴿یُوْقَدُ﴾ وہ چراغ روشن کیا جاتا ہے [حمزہ' علی کسائی اور ابوبکر کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ''تُوْقَدُ'' ہے یعنی فانوس کی آگ روشن کی جاتی ہے اور ابن عامر شامی' نافع مدنی اور امام حفص کی قراءت میں بھی تخفیف کے ساتھ ''یُوْقَدُ'' (فعل مضارع مجہول مذکر) ہے جب کہ ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں (قاف مشدد فعل ماضی معروف باب تفعل) ''تَوَقَّدَ'' ہے (بعض میں ''یُوَقَّدُ'' قاف مشدد فعل مضارع مجہول باب تفعیل ہے) یعنی یہ چراغ روشن کیا جاتا ہے] ﴿مِنْ شَجَرَةٍ﴾ یعنی چراغ کو روشن اور جلانے کا آغاز زیتون کے درخت سے کیا جاتا ہے یعنی اس چراغ کی بتی کو زیتون کے درخت کے تیل سے سیراب (تر) کیا جاتا ہے ﴿مُّبٰرَكَةٍ﴾ بابرکت کثیرۃ المنافع یعنی بہت زیادہ منافع بخش درخت یا اس لیے کہ یہ درخت ایسی زمین میں پیدا ہوتا ہے' جس میں تمام جہانوں کے لیے برکت رکھی گئی ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ وہ درخت ہے' جس کے بارے میں ستر انبیائے کرام علیہم السلام نے دعائے برکت فرمائی' ان میں سے ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ﴿زَیْتُوْنَةٍ﴾ [''شجرة'' سے بدل ہے] یعنی زیتون کا بابرکت درخت ﴿لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ﴾ نہ مشرقی ہے اور نہ مغربی ہے [یہ ''زیتونة'' کی صفت ہے] کیونکہ اس کے پیدا ہونے کی سرزمین ملک شام ہے یعنی یہ درخت نہ فقط مشرق سے ہے اور نہ فقط مغرب سے ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان میں واقع ہے اور وہ ملک شام ہے اور سب سے بہترین اور سب سے اچھا زیتون ملک شام کا زیتون ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ نہ تو ایسا درخت ہے کہ اس پر صرف صبح طلوعِ آفتاب کے وقت شعاعیں پڑتی ہیں اور نہ ایسا کہ فقط شام کو سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں بلکہ اس پر صبح و شام سورج کی حرارت پہنچتی رہتی ہے' پس یہ مشرقی بھی ہے اور مغربی بھی ﴿یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ﴾ قریب ہے کہ اس کا تیل روشنی دینے لگے اگرچہ اس کو آگ نہ چھوئے۔ زیتون کے تیل کو صفائی ستھرائی اور روشنی پھیلانے کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے' کیونکہ یہ خوب چمکتا ہے یہاں تک کہ قریب ہے کہ آگ کے بغیر روشنی دینے لگے جائے ﴿نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ﴾ نور بالائے نور یعنی یہ نور جس کے ساتھ حق کو تشبیہ دی گئی ہے دوہرا نور ہے' بے شک اس نور کے بڑھانے میں طاق' فانوس' چراغ اور زیتون کا تیل ایک دوسرے کا مددومعاون بنے' یہاں تک کہ اس نور کو تقویت پہنچانے والی کوئی چیز باقی نہیں رہی اور یہ اس لیے کہ جب چراغ تنگ اور چھوٹے مکان میں ہو جیسے طاق ہے تو اپنی روشنی کے اضافے کے لیے زیادہ جامع ہوتا ہے' بہ خلاف کشادہ مکان کے کیونکہ اس میں چراغ کی روشنی منتشر ہو جاتی ہے اور قندیل (یعنی فانوس) روشنی بڑھانے میں سب سے زیادہ معاون و مددگار ہوتا ہے اور اسی طرح زیتون کے تیل کی صفائی ستھرائی اور یہ ایک ایسی مثال بیان کی گئی ہے جو چھوٹی سی ہے مگر محسوس ہونے والی اور مشہور و معروف ہے' اتنی بڑی مثال نہیں جو دیکھی نہ جا سکے اور نہ مشہور ہو۔

ابوتمام نے جب مامون کی تعریف میں کہا کہ:

اِقْدَامُ عَمْرٍو فِیْ سَمَاحَةِ حَاتِمٍ — فِیْ حِلْمِ اَحْنَفَ فِیْ ذَکَاءِ اِیَاسٍ
لَا تُنْکِرُوْا ضَرْبِیْ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖ — مَثَلًا شَرُوْدًا فِی النَّدٰی وَالْبَاسِ
فَاللّٰهُ قَدْ ضَرَبَ الْاَقَلَّ لِنُوْرِهٖ — مَثَلًا مِنَ الْمِشْکٰوةِ وَالنِّبْرَاسِ

''عمرو' حاتم کے بخشش و سخاوت خانے میں حلم و بردباری میں بہت رغبت رکھنے والے عمر رسیدہ ذہین و فطین خلیفہ کی بارگاہ میں پہنچ گیا ہے' اور اسے کہا گیا کہ خلیفہ اس کی بیان کردہ مثالوں سے بلند ہے تو اس نے فوراً کہا: تم میرے بیان کو اس کے حق میں کم تر خیال کر کے اس کا انکار نہ کرو۔ یہ قوت و بہادری اور سخاوت و فیاضی میں نادر و انوکھی مثال ہے' پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کے لیے سب سے چھوٹی مثال طاق اور چراغ کی بیان کی ہے''۔

﴿ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ اللہ تعالیٰ اپنے اس روشنی بکھیرنے والے نور کے لیے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے ہدایت و رہنمائی عطا فرماتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے الہام کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے' اسے حق کو پانے کی توفیق عنایت فرما دیتا ہے یا پھر اسے دلیلِ حق میں غور و فکر کرنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے ﴿ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے کہ بیان کردہ مقصود و مطلوب ان کے ذہنوں کے قریب ترین ہو جائے اور انہیں سمجھنا آسان ہو جائے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں اور ایمان لا کر مسلمان ہو جائیں ﴿ وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے' پس وہ ہر وہ چیز بیان کر دیتا ہے جس کا جاننا ممکن ہے۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ''مَثَلُ نُوْرِهٖ'' اس کے نور کی مثال یعنی اللہ تعالیٰ کے نور کی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ مؤمن کو ہدایت عطا فرماتا ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ''مَثَلُ نُوْرِهٖ فِیْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ کَمِشْکٰوةٍ'' اس کے نور کی مثال مؤمن کے دل میں ایک طاق کی طرح ہے۔

(۳) حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت میں ''مَثَلُ نُوْرِ الْمُؤْمِنِ'' مؤمن کے نور کی مثال۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ ۙ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوةِ ۙ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

جن گھروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کی تعمیر و تعظیم کی جائے اور ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے' ان میں صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں ○ وہ بندگان جنہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے کوئی تجارت غافل نہیں کرتی اور نہ خرید و فروخت' وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی ○ تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے نیک اعمال پر بہترین جزا عطا فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے مزید عطا فرمائے' اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے شمار رزق عطا فرماتا ہے ○

مساجد کی تعمیر و تعظیم اور بندگانِ خدا کی شان و پہچان کا بیان

۳٦۔﴿ فِیْ بُیُوْتٍ ﴾ [یہ "مِشْکٰوۃٍ" کے ساتھ متعلق ہے] یعنی اللہ تعالیٰ کے بعض گھروں میں جیسے طاق ہوتے ہیں اور وہ گھر مساجد ہیں' گویا فرمایا گیا کہ اس کے نور کی مثال اس طرح ہے جس طرح تم مسجد میں طاق میں رکھے ہوئے چراغ کا نور (روشنی) دیکھتے ہو' جس کی صفت و خوبی (مسجد کو روشن کرنے میں) اس طرح اور اس طرح ہے [یا یہ "یُوْقَدُ" کے متعلق ہے] یعنی وہ چراغ گھروں میں جلائے جاتے ہیں [یا یہ "یُسَبِّحُ" کے متعلق ہے] یعنی بندگانِ خدا ان گھروں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و پاکیزگی بیان کرتے ہیں [اور اس میں "فِیْهَا" دوبارہ صرف تاکید کے لیے ہے جیسے "زَیْدٌ فِی الدَّارِ جَالِسٌ فِیْهَا" ہے یا یہ فعل محذوف کے متعلق ہے "اَیْ سَبِّحُوْا فِیْ بُیُوْتٍ" یعنی تم ان گھروں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور پاکیزگی بیان کیا کرو جن کے حق میں] ﴿ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انہیں اونچا تعمیر کیا جائے' جیسا کہ ارشاد ہے: "وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ" (البقرہ:۱۲۷) "اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ شریف کی بنیادیں بلند کر رہے تھے"۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کے گھروں (مسجدوں) کی تعظیم و تکریم اور ان کا احترام کیا جائے ["تُرْفَعُ" "رفعة" سے ماخوذ ہے]۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عمارت کو بلند کرنے کا حکم نہیں دیا لیکن تعظیم و تکریم کا حکم دیا ہے ﴿ وَیُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ ﴾ اور ان (گھروں) میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کیا جائے یعنی ان میں کتاب اللہ کی تلاوت کی جائے یا یہ حکم ہر قسم کے ذکر الٰہی کو عام ہے ﴿ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴾ ان میں صبح و شام اس کی تسبیح و پاکیزگی بیان کرتے ہیں' یعنی ان گھروں (مسجدوں) میں اس کی رضا کے لیے صبح نمازِ فجر ادا کرتے ہیں اور شام کے اوقات میں نمازِ ظہر' نمازِ عصر' نمازِ مغرب اور نمازِ عشاء ادا کرتے ہیں [اور "الغدو" کو واحد اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ صبح کے وقت صرف ایک نماز ادا کی جاتی ہے اور "اصال" میں کئی نمازیں ادا کی جاتی ہیں اور "اصال"، "اٰصُل" کی جمع ہے اور "اُصُل"، "اصیل" کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: شام]۔

۳۷۔﴿ رِجَالٌ ﴾ مردوں [یہ "یُسَبِّحُ" کا فاعل ہے۔ ابن عامر شامی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں "یُسَبَّحُ" (فعل مضارع مجہول) ہے اور تینوں ظروف یعنی "له"، "فیها"، "بالغدو" کی طرف مسند ہے اور "رِجَالٌ" اس فعل کی وجہ سے مرفوع ہے جس پر "یُسَبِّحُ" دلالت کرتا ہے "ای یُسَبِّحُ له رِجَالٌ"] ﴿ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی وہ لوگ تسبیح بیان کرتے ہیں' جنہیں سفر میں تجارتی کاروبار مشغول نہیں کرتا اور نہ انہیں تسبیح و ذکر الٰہی سے غافل کرتا ہے ﴿ وَّلَا بَیْعٌ ﴾ اور نہ گھر میں خرید و فروخت غافل کرتی ہے اور بعض نے کہا کہ تجارت سے صرف خریداری مراد ہے کیونکہ اسم جنس کا ایک نوع پر اطلاق کیا گیا ہے یا پھر "بَیْعٌ" کو عموم کے بعد مخصوص کر لیا گیا ہے کیونکہ یہ جزع و فزع میں شراء (خریداری) سے زیادہ کمزور ہے' اس لیے منافع کی بیع میں منافع یقینی ہے اور خریداری میں منافع ظنی ہے ﴿ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ ﴾ زبان اور دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے ﴿ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ ﴾ اور نماز قائم کرنے سے [اصل میں "عَنْ اِقَامَةِ الصلٰوةِ" ہے اور "اقامة" کی "تا" اس الف کے عوض میں ہے جو اعلال کی وجہ سے گرا دیا گیا ہے کیونکہ اصل میں "اِقْوَامًا" تھا پھر واؤ کو الف سے تبدیل کیا گیا تو دو الف جمع ہو گئے اور ان میں سے ایک الف التقائے ساکنین کی وجہ سے گرا دیا گیا سو "اِقَامًا" رہ گیا تو "تا" محذوف کے عوض میں داخل کی گئی ہے' پھر جب اس کو مضاف کیا گیا تو اضافت کو "تا" کے قائم مقام کر دیا گیا اور "تا" کو گرا دیا گیا] ﴿ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوةِ ﴾ اور زکوٰۃ ادا کرنے سے۔ یہ اصل میں "وَعَنْ اِیْتَاءِ الزَّکٰوةِ" ہے اور معنی یہ ہے کہ ان کے لیے کوئی تجارتی کاروبار نہیں ہے یہاں تک کہ وہ انہیں غافل کر دے جیسے تنہائی میں گوشہ نشینی اختیار کرنے والے یا یہ معنی ہے کہ وہ خرید و فروخت

کرتے ہیں اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی کرتے ہیں اور جب نماز کا وقت آ جاتا ہے تو بغیر کسی سستی اور بوجھ کے اس کو ادا کرنے کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں جیسے معاشرہ میں مل جل کر رہنے والے کاروباری لوگ ﴿ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴾ وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں' جس میں دل اُلٹ پلٹ ہو جائیں گے اور آنکھیں اوپر کھنچ کر کھلی کی کھلی رہ جائیں گی یعنی یہ لوگ (عبادت گزار ہونے کے باوجود) قیامت کے دن سے ڈرتے رہتے ہیں' جس میں دل سینے سے حلق میں آ کر پھنس جائیں گے اور آنکھیں اوپر کو کھنچ کر کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور نیلی بھی ہو جائیں گی یا اس دن کفار کے دل کفر وشرک کے بعد ایمان کی طرف پلٹ جائیں گے اور آنکھیں سرکشی و نافرمانی کی وجہ سے انکارِ حق کے بعد مشاہدۂ حق کی طرف کھلی کی کھلی رہ جائیں گی جیسے کہ ارشاد ہے: ''فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآئَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ'' (ق:٢٢) ''سو ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا ہے' پس آج تیری نگاہ بہت تیز ہے''۔ [''يَخَافُوْنَ'' یا تو ''تُلْهِيْهِمْ'' سے حال ہے یا پھر ''رِجَالٌ'' کی دوسری صفت ہے]۔

٣٨- ﴿ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے نیک اعمال کی بہترین جزاء عطا فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے انہیں اور زیادہ عطا فرمائے یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح و پاکیزگی اور اس کا ذکر و فکر کرتے ہیں اور نمازیں پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں تا کہ انہیں اللہ تعالیٰ ان کے بہترین اعمال پر بہترین جزاء عطا فرمائے یعنی تا کہ انہیں اللہ تعالیٰ ان کے اجر و ثواب کو کئی گناہ بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے اور ہر نیک عمل پر مقررہ اجر و ثواب پر بڑھا کر اپنے فضل و کرم سے اور زیادہ عطا فرما دے ﴿ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بغیر گنتی رزق عطا فرما دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اسے اتنا زیادہ اجر و ثواب عنایت فرمائے گا جو مخلوق کے حساب و کتاب میں نہیں آ سکے گا۔ یہ تمام صفات و خوبیاں اللہ تعالیٰ کے نور سے ہدایت پانے والوں کی ہیں لیکن جو لوگ اس نور سے گمراہ ہو گئے تو ان کا ذکر (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ میں کیا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٣٩﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿٤٠﴾ ع

اور جو لوگ کافر ہو گئے ان کے اعمال چٹیل میدان میں دھوپ سے چمکتی ریت کی طرح ہیں جسے پیاسا پانی گمان کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آ جاتا ہے تو اسے کوئی چیز نہیں پاتا اور (جب) وہ اللہ تعالیٰ کو پائے گا تو وہ اسے اس کا حساب برابر چکا دے گا' اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے ○ یا جیسے گہرے سمندر میں تاریکیاں جس کو موج بالائے موج ڈھانپ لیتی ہے جس کے اوپر بادل ہو اس کی تاریکیاں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوں' جب وہ اپنا ہاتھ نکالے تو اسے دیکھ نہ سکے اور اللہ تعالیٰ جس کو نور عطا نہ فرمائے تو اس کے لیے نور نہیں ہوتا ○

کفار کے اعمال کا انجام

۳۹۔﴿ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَعۡمَالُہُمۡ کَسَرَابٍۭ ﴾ اور جو لوگ کافر ہو گئے ان کے اعمال چمکتی ریت کی مانند ہیں۔ دراصل جنگل میں دوپہر کے وقت سورج کی دھوپ سے زمین کی سطح پر ریت کی مانند چمکتے ہوئے جو ذرات دیکھے جاتے ہیں کہ گویا پانی بہ رہا ہے انہیں سراب کہا جاتا ہے ﴿ بِقِیۡعَۃٍ ﴾ ["بقاع" کی جمع ہے یا پھر "قاع" کی جمع ہے جیسے "جیرۃ"۔ "جار" کی جمع ہے]۔ اس کا معنی ہے: زمین کا دور دراز تک پھیلا ہوا ہموار میدان ﴿ یَّحۡسَبُہُ الظَّمۡاٰنُ مَآءً ﴾ "اَلظَّمْاٰنُ" بہ معنی "اَلْعَطْشَانُ" ہے یعنی پیاسا اسے پانی گمان کرتا ہے ﴿ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَہٗ ﴾ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آ جاتا ہے یعنی جب اس کے پاس پہنچتا ہے جسے اس نے پانی خیال کیا تھا تو ﴿ لَمۡ یَجِدۡہُ شَیۡئًا ﴾ وہ اسے کوئی چیز نہیں پاتا جیسا اس نے اسے گمان کیا تھا ﴿ وَّ وَجَدَ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے پاس یعنی کافر کے پاس پالے گا یعنی اللہ تعالیٰ کی جزا پالے گا' جیسے ارشاد ہے: "یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا" (النساء:١١٠) "وہ اللہ تعالیٰ کو بہت بخشنے والا' بے حد مہربان پائے گا"۔ یعنی اس کی مغفرت و رحمت کو پالے گا ﴿ فَوَفّٰىہُ حِسَابَہٗ ﴾ سو اللہ تعالیٰ اس کو اس کا حساب برابر چکا دے گا یعنی اللہ تعالیٰ اسے اس کے عمل کا بدلا پورا اور مکمل عطا فرمائے گا [فعل جمع "کَفَرُوۡا" کے بعد فعل واحد لایا گیا ہے صرف اس بات پر محمول کرنے کے لیے کہ کفار میں ہر ایک کافر مراد ہے] ﴿ وَاللّٰہُ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے کیونکہ وہ گنتی کرنے اور حساب لگانے کا محتاج نہیں ہے اور نہ ایک حساب میں دوسرا حساب رکاوٹ بنے گا یا یہ معنی ہے کہ اس کا حساب قریب آ چکا ہے' اس لیے کہ جو چیز آنے والی ہوتی ہے وہ قریب ہوتی ہے۔ جو شخص ایمان پر اعتقاد نہیں رکھتا اور حق کی پیروی نہیں کرتا' وہ شخص جو نیک اعمال کرتا ہے جن کے بارے میں اسے گمان کرتا ہے کہ یہ اعمال قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے نفع دیں گے اور اسے اللہ کے عذاب سے نجات دیں گے لیکن پھر قیامت میں اس کی امید ناکام ہو جائے گی اور اس کے مقدر کردہ خیالات کے برخلاف اس پر بوجھ ڈالا جائے گا' انہیں چیزوں کو سراب کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جسے کافر پانی کا چشمہ خیال کرے گا اور قیامت کے دن پیاس اس پر غالب آ چکی ہوگی' پس وہ اسے پانی گمان کرے گا اور اس کے پاس آئے گا لیکن وہ اسے نہیں پائے گا جس کی اسے امید تھی اور وہ وہاں اپنے پاس اللہ تعالیٰ کے زبانیہ نامی فرشتوں کو پائے گا وہ اس کو پکڑیں گے اور دوزخ میں ڈال دیں گے اور وہ اسے کھولتا ہوا گرم ترین پانی اور جلتا ہوا پیپ پلائیں گے اور یہ وہی لوگ ہیں' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَۃٌ ۙ○ عَامِلَۃٌ نَّاصِبَۃٌ ۙ○ تَصۡلٰی نَارًا حَامِیَۃً ۙ○" (الغاشیہ: ٢۔٤) "بہت سے چہرے اس دن ذلیل ہوں گے ○ کام کرنے والے مشقت اٹھانے والے ○ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے ○" "وَہُمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا" (الکہف:١٠٤) "اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ یقیناً وہ اچھے کام کر رہے ہیں"۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ بعض اہل علم حضرات کے نزدیک عتبہ بن ربیعہ بن اُمیہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو زمانہ جاہلیت میں دین کی تلاش میں راہب بن گیا تھا' پھر جب اسلام آیا تو اس نے کفر اختیار کر لیا۔

۴۰۔﴿ اَوۡ کَظُلُمٰتٍ فِیۡ بَحۡرٍ ﴾ یا جیسے سمندر میں تاریکیاں۔ ["اَوۡ" یہاں ایسے ہے جیسے "اَوۡ کَصَیِّبٍ" (البقرہ:١٩) میں ہے] ﴿ لُّجِّیٍّ ﴾ گہرا' جس میں پانی بہت زیادہ ہو۔ یہ "لُجّ" کی طرف منسوب ہے اور یہ سمندر کی وہ جگہ ہوتی ہے' جس میں سب سے زیادہ پانی ہوتا ہے ﴿ یَّغۡشٰہُ ﴾ اسے ڈھانپ لیتی ہے کہ سمندر کو ڈھانپ لیتی ہے یا جو سمندر میں ہے یعنی پانی کی موجیں اوپر کو اٹھتی ہیں اور اسے ڈھانپ لیتی ہیں ﴿ مَوۡجٌ ﴾ پانی سے اوپر اٹھنے والی لہر ﴿ مِّنۡ فَوۡقِہٖ مَوۡجٌ ﴾ اس کے

اوپر لہر یعنی ایک دوسرے کے اوپر تہ بہ تہ لہریں ﴿مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ﴾ بالائی موج کے اوپر بادل ہو ﴿ظُلُمٰتٌ﴾ تاریکیاں یعنی یہ تاریکیاں ہیں' بادل کی تاریکی' موج کی تاریکی اور سمندر کی تاریکی ﴿بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾ اس کی بعض موجیں بعض کے اوپر ہیں' موج کی تاریکی' سمندر کی تاریکی اور ایک موج کی تاریکی دوسری موج پر اور بادل کی تاریکی موج پر ﴿اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ﴾ یعنی جب وہ اپنا ہاتھ اس میں ڈال کر نکالے گا تو ﴿لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا﴾ اسے نہیں دیکھ سکے گا اس کے نہ دیکھنے میں مبالغہ ہے یعنی یہ دیکھنے کے قریب ہی نہیں تو اسے کیسے دیکھا جا سکتا ہے۔ پہلے ان کے اعمال کو فائدہ اور نفع نہ دینے میں اور نقصان پہنچانے میں سراب کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جسے اس نے نہیں پایا جس کو دور سے دیکھنے کے سبب دھوکہ لگا تھا اور اس کو ناامیدی اور رنج و غم کافی نہیں ہوا کہ اس نے اپنے غیر کی طرف سراب سے کچھ نہیں پایا یہاں تک کہ اس نے اپنے پاس دوزخ کے زبانیہ فرشتوں کو پالیا' جنہوں نے اسے پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا اور دوسری مرتبہ ان کے اعمال کو باطل ہونے اور نورِ حق سے خالی ہونے کی وجہ سے تاریکیوں اور سیاہ کاری میں تہ بہ تہ تاریکیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' سمندر کی گہرائی کی تاریکی اور موجوں اور لہروں کی تاریکی اور بادل کی تاریکی ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے نور عنایت نہیں فرماتا تو اس کے لیے نور نہیں ہوتا (یعنی) اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت عطا نہیں فرماتا وہ ہدایت نہیں پاتا۔ یہ زجاج سے منقول ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا فرمایا' پھر اپنے نور کا اس پر چھینٹا ڈالا تو جس کو اس نور سے حصہ ملا وہ ہدایت پا گیا اور جس نے اس کے پانے میں غلطی کی وہ گمراہ ہو گیا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٤١﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿٤٢﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿٤٣﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے پر پھیلائے ہوئے' ہر کوئی اپنی نماز اور اپنی تسبیح معلوم کر چکا ہے' اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ○ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے ○ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بادلوں کو چلاتا ہے' پھر انہیں آپس میں باہم جمع کر دیتا ہے' پھر انہیں تہ بہ تہ کر دیتا ہے' سو آپ مینہ کو دیکھتے ہیں کہ اس کے درمیان سے نکلتا ہے اور وہی آسمان میں سے پہاڑوں (جیسے بادلوں) سے اولے برساتا ہے' پھر جس پر چاہتا ہے اسے گرا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اسے پھیر دیتا ہے' قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھیں لے جائے ○

تمام مخلوقات کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے اور اس کی قدرت کے دلائل کا بیان

۴۱۔ ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ اے پیارے محمد (ﷺ) کیا آپ کو ایسا (وحی کا) علم معلوم نہیں جو یقین محکم میں مشاہدہ کے قائم مقام ہے؟ ﴿اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے تسبیح بیان کرتے ہیں جو آسمانوں

اورزمین میں ہیں اور پرندے [''الطیر'' ''من'' پر معطوف ہے] ﴿صٰٓفّٰتٍ﴾ یعنی پرندے فضا میں اپنے پر پھیلاتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں [''صافات'' حال ہے ''الطیر'' سے] ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ﴾ ہر کوئی اپنی دعا اور اپنی تسبیح معلوم کر چکا ہے اور ''صلٰوۃ'' بہ معنی دعا ہے اور یہ کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ پرندوں کو دعا اور تسبیح کا الہام کرتا ہو جیسا کہ اس نے ان کو باقی دقیق و باریک ایسے علوم کا الہام فرمایا کہ قریب ہے کہ عقل مند حضرات بھی ان علوم تک رسائی حاصل نہ کر سکیں ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ لوگ کرتے ہیں' اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے [''عَلِمَ'' کی ضمیر ''کل'' کی طرف لوٹتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے اور اسی طرح ''صلاتہ'' اور ''تسبیحہ'' کا حال ہے]۔

٤٢-﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور آسمانوں اور زمین کی حکومت و بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے کیونکہ وہی ان کا پیدا کرنے والا ہے اور جو کسی چیز کا مالک ہوتا ہے وہ اپنی تملیک کے سبب اس کا مالک ہوتا ہے ﴿وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے (یعنی) ہر ایک نے اللہ تعالیٰ کی طرف واپس لوٹ جانا ہے۔

٤٣-﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بادلوں کو جدھر چاہتا ہے لے جاتا ہے۔ ''سَحَابٌ'' ''سَحَابَۃٌ'' کی جمع ہے جس کی دلیل یہ (درج ذیل ارشاد) ہے کہ ﴿ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ﴾ پھر اللہ تعالیٰ انہیں آپس میں جمع کر دیتا ہے یعنی ان کو آپس میں ایک دوسرے سے ملا دیتا ہے [''سحاب'' کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ''بینہ'' کی ضمیر کو مذکر لایا گیا ہے] ﴿ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا﴾ پھر اللہ تعالیٰ ان کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ ان بادلوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھتا ہے اور ان کو تہ بہ تہ جمع کر دیتا ہے ﴿فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ﴾ سو آپ بارش کو دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان میں سے نکلتی ہے (یعنی) ان کے سوراخوں میں سے اور ان کی نکاسی کی راہوں میں سے بارش نکلتی ہے [یہ ''خللٌ'' کی جمع ہے جیسے ''جِبالٌ'' ''جَبَلٌ'' کی جمع ہے] ﴿وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ اور وہی (اللہ تعالیٰ) آسمان سے اتارتا ہے [''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے کیونکہ بارش کے نزول کا آغاز آسمان سے ہوتا ہے اور ابن کثیر مکی اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں ''ینزل'' بغیر تشدید کے تخفیف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے] ﴿مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا﴾ پہاڑوں سے جو اس (آسمان) میں ہیں [حرف ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے] کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ اتارتا ہے وہ آسمان میں موجود پہاڑوں کا بعض ہوتا ہے ﴿مِنْۢ بَرَدٍ﴾ اولے [حرف ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے یا پہلے دونوں ابتداء کے لیے ہیں اور یہ آخری تبعیض کے لیے ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں سے اولے اتارتا ہے ان پہاڑوں میں سے جو اس میں موجود ہیں [اور پہلے کی بناء پر ''یُنَزِّلُ'' کا مفعول ''مِنْ جِبَالٍ'' ہے یعنی بعض پہاڑ] اور ''مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں اولے کے پہاڑوں کو پیدا کرتا ہے جیسا کہ اس نے زمین میں پتھر کے پہاڑوں کو پیدا کیا یا پھر ''جبال'' کے ذکر سے بارش کی کثرت مراد ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی سونے کے پہاڑوں کا مالک ہے ﴿فَيُصِيْبُ بِهٖ﴾ پس اللہ تعالیٰ اسے (یعنی) اولوں کو پہنچا دیتا ہے ﴿مَنْ يَّشَآءُ﴾ جس پر چاہتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس انسان پر اور اس کی کھیتی پر اولے گرا کر تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس پر گرا دیتا ہے ﴿وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس سے چاہتا ہے اسے اس سے پھیر دیتا ہے اور اس پر نہیں گراتا' یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے اور اسے عذاب نہیں دیتا ﴿يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ﴾ قریب ہے کہ بجلی کی روشنی آنکھیں لے جائے (یعنی) آنکھوں کی بینائی اُچک لے [یزید کی قراءت میں ''يُذْهِبُ'' (''یَا'' پر پیش اور ''ھَا'' کے نیچے زیر باب افعال سے) ہے'

اس صورت میں ''بالابصار'' میں ''با'' زائدہ ہوگی]۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَاۗبَّةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓي اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے' بے شک اس میں غور وفکر کی نگاہ سے دیکھنے والوں کے لیے ضرور عبرت ہے○ اور اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا فرمایا' سو ان میں سے بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں' اور ان میں سے بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں' اور ان میں سے بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں' اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے○ بے شک ہم نے واضح بیان کرنے والی آیتیں نازل فرمائیں' اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے○ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور رسول کریم پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم نے اطاعت اختیار کر لی ہے' پھر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے' اور وہ ایمان دار نہیں ہیں○

۴۴- ﴿يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ انہیں بڑھا گھٹا کر' اور ایک دوسرے کے پیچھے لگا کر مختلف طریقہ پر بدلتا رہتا ہے ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں (یعنی) بادلوں کے چلانے میں' بارش برسانے میں' اولے گرانے میں اور رات دن کے بدلنے میں ﴿لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ﴾ البتہ عبرت ہے عقل والوں کے لیے' اور یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر دلائل کا بیان ہے کیونکہ زمین وآسمانوں میں رہنے والوں کی تسبیح کا ذکر کیا گیا ہے اور ان میں رہنے والے پرندوں کی تسبیح کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کا اس کی ذاتِ اقدس سے دعا کرنے کا ذکر کیا گیا ہے اور بادلوں کی تسخیر کا ذکر کیا گیا ہے' سو یہ روشن دلائل اس کے موجود ہونے پر رہنمائی کر رہے ہیں اور یہ واضح دلائل اس کی صفات پر دلالت کرتے ہیں بشرطیکہ ان میں غور وفکر اور تدبر سے کام لیا جائے' پھر اللہ تعالیٰ نے ایک اور دلیل بیان فرمائی' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۴۵- ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَاۗبَّةٍ﴾ اور ہر جاندار کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے (یعنی) ہر وہ جانور جو زمین کی سطح پر چلتا ہے [حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''خالق کل دآبّة'' ہے] ﴿مِّنْ مَّاۗءٍ﴾ پانی میں سے یعنی پانی کی ایک خاص قسم سے جو ان جانداروں کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ کہ مخصوص پانی سے اور وہ نطفہ ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے نطفہ سے پیدا ہونے والی مخلوقات کو ایک دوسرے سے مختلف بنایا' چنانچہ ان میں سے بعض حشرات الارض (زمین پر چلنے والے کیڑے مکوڑے) ہیں اور ان میں سے بعض چوپائے ہیں اور بعض انسان ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''يُسْقٰى بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ'' (الرعد: ۴) ''سب کو ایک پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور (اس کے باوجود) ہم ذائقے اور خوشبو میں ایک کو دوسرے سے بہتر بناتے ہیں''۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا اور ان کی تدبیر و منصوبہ بندی کرنے والا ہے' ورنہ ایک اصل کی وجہ سے مختلف نہ ہوتے (بلکہ متفق ہوتے) اور (درج ذیل) اس ارشاد میں ''مَا'' کو معرفہ

ذکر کیا گیا ہے: ''وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ'' (الانبیاء: ۳۰) ''اور ہم نے ہر جاندار کو پانی سے بنایا ہے''۔ کیونکہ اس آیت مبارکہ میں یہ بتانا مقصود ہے کہ تمام جانداروں کی جنسیں پانی کی جنس سے پیدا کی گئی ہیں اور یہی پانی سب کی اصل ہے' چنانچہ مفسرین کرام نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا فرمایا' پھر اس سے آگ' ہوا اور مٹی کو پیدا فرمایا' پھر آگ سے جنات کو پیدا کیا گیا اور ہوا سے فرشتوں کو پیدا کیا گیا اور مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کو اور دیگر زمین پر چلنے والے جانوروں کو پیدا کیا گیا اور جب جانور ممیز اور غیر ممیز سب کو شامل تھا تو ممیز کو غلبہ دے دیا گیا اور اس کو ماورا حکم دیا گیا تو گویا تمام جانور ممیز ہیں' سو اسی وجہ سے فرمایا گیا ہے: ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ ﴾ پس ان میں سے بعض وہ جانور ہیں جو اپنے پیٹ پر چلتے ہیں جیسے سانپ اور مچھلی اور سرین اور گھٹنوں کے بل چلنے والے کو پیٹ پر چلنے والوں میں مجازاً شامل کیا گیا ہے جیسے مسلسل کام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کام چل پڑا ہے یا پھر صرف مشاکلت کی بناء پر شامل کیا گیا ہے کیونکہ اصل میں گھٹنوں اور سرین کے بل چلنے والوں کا پیدل چلنے والوں کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ ﴾ اور ان میں بعض وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں جیسے انسان اور پرندے ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰۤی اَرْبَعٍ ﴾ اور ان میں سے بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں جیسے چوپائے اور پہلے قدرت واختیار میں کمزور کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ چلنے کے آلہ کے بغیر چلتا ہے یعنی پاؤں وغیرہ کے بغیر چلتا ہے' پھر دو پاؤں پر چلنے والے اور پھر چار پاؤں پر چلنے والے کا ذکر کیا گیا ہے ﴿ یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ﴾ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے جیسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس پر کوئی چیز دشوار نہیں۔

٤٦- ﴿ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ بے شک ہم نے حق کو واضح بیان کرنے والی آیات کو نازل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم اور اپنے ارادہ سے جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے ﴿ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ سیدھے راستے کی طرف (یعنی) دین اسلام کی طرف رہنمائی فرماتا ہے' جو جنت میں پہنچاتا ہے' پس تمام آیات ودلائل اس کی حجت کے الزام کے لیے ہیں۔

منافقوں کی منافقانہ چالوں کا بیان

٤٧- جب اللہ تعالیٰ نے آیات قدرت کے نزول کا ذکر فرمایا تو ان کے بعد لوگوں کے تین گروہوں میں تقسیم ہو جانے کا ذکر فرمایا' چنانچہ ایک گروہ نے زبان سے ظاہری طور پر اسلام کی تصدیق کی اور دل سے تکذیب کی اور جھٹلایا اور یہ منافقین کا گروہ ہے اور دوسرے گروہ نے زبان سے بہ ظاہر بھی تصدیق وتائید کی اور دل سے بھی تصدیق وتائید کی اور یہ مخلص مسلمانوں کا گروہ ہے اور تیسرے گروہ نے زبان سے بھی تکذیب کی اور انکار کیا اور دل سے بھی تکذیب کی اور انکار کیا اور اس ترتیب پر یہ کافروں کا گروہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے آغاز منافقین کے ذکر سے کیا' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ ﴾ اور وہ لوگ اپنی زبانی یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور رسول پر ایمان لے آئے ہیں ﴿ وَاَطَعْنَا ﴾ اور ہم نے اللہ تعالیٰ اور رسول پاک کی اطاعت اختیار کر لی ہے ﴿ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ ﴾ پھر ان میں سے ایک گروہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرنے سے منہ پھیر لیتا اور اعراض وروگردانی کر لیتا ہے ﴿ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ﴾ اس کے بعد یعنی اپنے اس قول کے بعد کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور رسول کریم پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت اختیار کر لی ﴿ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ اور وہ ایمان والے نہیں ہیں یعنی مخلص مسلمان نہیں ہیں (بلکہ نام نہاد مسلمانوں میں شامل ہیں) اور یہ ان منافقین کی طرف اشارہ ہے' جنہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور اطاعت گزار ہو گئے لیکن اس گروہ کی طرف اشارہ نہیں ہے جو کچھ کہے بغیر پھر جانے

والے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہے کہ تمام منافقین یقیناً ایمان سے خالی ہیں اور ایمان سے محروم ہیں کیونکہ سب وہی اعتقاد رکھتے ہیں جو یہ گروہ رکھتا ہے اور انہیں کی طرح سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے اعراض کرنے والے ہیں اگرچہ اس کا اظہار بعض منافقین سے ہوا' پس سب کے سب اعراض کرنے پر راضی ہیں۔

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿٤٩﴾ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٥١﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿٥٢﴾

اور جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ آپ ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں تو اس وقت اچانک ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے O اور اگر فیصلہ ان کے حق میں ہو تو وہ فرماں بردار بن کر آپ کے پاس چلے آتے ہیں O کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا وہ شک میں مبتلا ہو چکے ہیں یا انہیں اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ان پر (معاذ اللہ) ظلم کریں گے' بلکہ یہ لوگ خود ہی ظالم ہیں O بے شک اہل ایمان کی بات صرف یہی ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ آپ ان کے درمیان فیصلہ فرمادیں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی' اور یہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں O اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اور (آئندہ گناہوں سے) بچتا رہے گا' سو یہی لوگ کامیاب و کامران ہوں گے O

۴۸- ﴿وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اور جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول یعنی رسول اللہ ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''اَعْجَبَنِیْ زَیْدٌ وَّکَرَمُہٗ'' جب کہ تمہاری مراد زید کا کرم ہو ﴿لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ﴾ تاکہ آپ یعنی رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے درمیان فیصلہ فرمادیں ﴿اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ اس وقت ان میں سے ایک گروہ اعراض و روگردانی کرنے والا ہو جاتا ہے یعنی اچانک ان میں سے ایک گروہ اعراض کر لیتا ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ بشر نامی ایک منافق کے بارے میں نازل ہوئی تھی' جس سے ایک یہودی کا جھگڑا ہو گیا تھا جب دونوں ایک زمین کے متعلق آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑ پڑے تھے (اور چونکہ یہودی سچا تھا اس لیے) وہ اس منافق کو رسول اللہ ﷺ کے پاس کھینچ کر لے جانا چاہتا تھا اور منافق کعب بن اشرف (رشوت خور یہودی عالم) کے پاس لے جانا چاہتا تھا اور کہتا تھا کہ (حضور سرور کونین رسول الثقلین حضرت) محمد (ﷺ) ہم پر ظلم کریں گے۔

۴۹- ﴿وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ﴾ اور اگر حق ان کے لیے ہو یعنی اگر ان کے کسی غیر پر ان کا حق بنتا ہو تو ﴿يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ﴾ وہ لوگ آپ کے پاس یعنی رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پاس آئیں گے ﴿مُذْعِنِيْنَ﴾ [یہ حال ہے] یعنی وہ اطاعت و فرماں برداری کرنے کے لیے جلدی کرتے ہوئے اپنا حق طلب کرنے کے لیے آجائیں گے لیکن اپنے رسول اکرم کے حکم کی رضا حاصل کرنے کے لیے نہیں۔ علامہ زجاج نے کہا کہ ''اذعان'' کا معنی ہے: اطاعت کے لیے جلدی کرنا اور معنی یہ ہے کہ

وہ پہچانتے ہیں کہ آپ کے پاس صرف کڑوا حق اور محض خالص عدل وانصاف ہے چنانچہ جب کسی کا حق ان پر لازم ہو جاتا تو پھر یہ لوگ آپ کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے نہیں آئیں گے تاکہ آپ ان کے فریق مخالف کے حق میں ان کے خلاف فیصلہ فرما کر ان کے باغات میں سے اس کا حق چھین لیں اور اگر فریق مخالف پر ان کا حق ثابت ہو جاتا تو آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آ جاتے اور آپ کے فیصلہ کے ماسوا کسی کے فیصلہ پر راضی نہ ہوتے تاکہ فریق مخالف پر ان کا جو حق واجب و لازم ہو چکا ہے وہ آپ لے کر انہیں پکڑا دیں۔

۵۰- ﴿اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ﴾ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں یا انہیں یہ خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (معاذ اللہ) ان پر ظلم کریں گے۔ جب حق ان کے خلاف ہو تو اس وقت آپ سے فیصلہ کرانے سے ان کے رک جانے میں معاملہ کو تین صورتوں میں تقسیم کیا گیا ہے: (۱) یہ کہ منافقین دل کے مریض ہیں (۲) یا وہ حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت کے معاملہ میں شک میں مبتلا ہو چکے ہیں (۳) یا آپ کے فیصلے میں انہیں ظلم کا اندیشہ ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں حضور کے بارے میں ان کے ظلم کے اندیشے کو باطل قرار دیا ﴿بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ بلکہ یہ لوگ خود ہی بڑے ظلم کرنے والے ہیں یعنی وہ اس بات سے نہیں ڈرتے کہ حضور ان پر ظلم کریں گے کیونکہ آپ کے حال کو اچھی طرح پہچانتے ہیں بلکہ صرف وہی لوگ خود ظالم ہیں اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس شخص پر ظلم کریں' جس کا ان پر حق بنتا ہو اور وہ یہ چیز رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں نہیں کر سکتے' سو اسی وجہ سے وہ آپ کے پاس فیصلہ کرانے سے انکار کرتے ہیں۔

مسلمانوں اور منافقوں کے طرزِ عمل کا بیان

۵۱- ﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ بے شک اہل ایمان کی صرف یہ بات ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے [اور حضرت حسن بصری سے ''قول'' کو مرفوع پڑھنا منقول ہے جب کہ اس کا منصوب پڑھنا زیادہ قوی اور مضبوط ہے کیونکہ دونوں میں سے پہلا اسم ''كَانَ'' کا اسم ہونے کی بناء پر زیادہ معرفہ ہونا چاہیے اور ''ان یقولوا'' زیادہ معرفہ ہے بہ خلاف ''قول المؤمنین'' کے (اس لیے کہ ''قول'' معرفہ کی طرف مضاف ہونے کی بناء پر نکرہ مخصصہ ہو کر معرفہ کی ادنیٰ قسم ہے)] ﴿لِیَحْكُمَ﴾ تاکہ وہ یعنی نبی اکرم ﷺ فیصلہ فرمائیں [یزید کی قراءت میں (''یا'' پر پیش اور کاف پر زبر بر فعل مضارع مجہول) ''لِیُحْكَمَ'' ہے یعنی تاکہ فیصلہ کیا جائے] ﴿بَیْنَهُمْ﴾ ان (مؤمنوں) کے درمیان اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق جو اس نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا ہے ﴿اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا﴾ مسلمان کہتے ہیں: ہم نے ان کا فرمان سن لیا ہے ﴿وَ اَطَعْنَا﴾ اور ہم نے ان کے حکم کی اطاعت اختیار کر لی ﴿وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ اور یہی لوگ ہی فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔

۵۲- ﴿وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے فرائض ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری اختیار کرے گا ﴿وَ رَسُوْلَهٗ﴾ اور اس کے رسول کی سنتیں ادا کرنے کے لیے اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری کرے گا ﴿وَ یَخْشَ اللّٰهَ﴾ اور وہ اپنے ان گناہوں پر اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے' جو اس سے ماضی (گزشتہ دور) میں ہو چکے ﴿وَ یَتَّقْهِ﴾ اور وہ مستقبل (آئندہ زمانہ) میں اس کی نافرمانی اور گناہوں سے بچتا رہے ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ پس یہی لوگ ہی کامیاب وکامران ہونے والے ہیں اور ایک بادشاہ سے منقول ہے کہ اس نے اپنے دربار میں سوال کیا کہ ایک ایسی آیت مبارکہ بتائی جائے جو پوری زندگی کے لیے کافی ہو تو ایک عالم دین کی طرف سے اس کے سامنے یہی آیت مبارکہ تلاوت کی

گئی تھی' اور یہ آیت مبارکہ کامیابی وکامرانی اور اُخروی نجات کے تمام اسباب کی جامع ہے[''وَیَتَّقْہِ'' میں ابوعمرو بصری اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں وقف کی بناء پر ھا ساکن ہے جب کہ امام حفص کی قراءت میں قاف ساکن ہے اور ھا کے نیچے زیر باریک کر کے پڑھا جائے گا اور ان کے علاوہ کے نزدیک قاف اور ''ھا'' دونوں مکسور ہیں]۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىٕنْ اَمَرْتَهُمْ لَیَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۵۴﴾

اور انہوں نے زوردار قسمیں کھائیں کہ اگر آپ انہیں حکم دیں گے تو وہ ضرور (جہاد کے لیے) نکلیں گے' (اے محبوب!) فرمادیں کہ تم قسمیں نہ کھاؤ' اطاعت بہتر ہے' بے شک اللہ تعالیٰ بہت باخبر ہے تم جو کچھ اعمال کرتے ہو ○ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو' سو اگر وہ پھر جائیں تو بے شک اس کے ذمہ صرف وہی ہے' جو اس پر لازم کیا گیا اور تم پر وہی ہے' جو تم پر بوجھ رکھا گیا' اور اگر اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے' اور رسول کے ذمہ لازم نہیں مگر صاف صاف پہنچا دینا ○

۵۳-﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پوری کوشش کر کے مضبوط قسمیں کھائیں یعنی منافقوں نے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں اور وہ پوری جدوجہد اور محنت کی قسمیں تھیں کیونکہ انہوں نے ان میں اپنی پوری محنت وقوت خرچ کی تھی اور ''جَهَدَ یَمِیْنَهُ'' ماخوذ ہے ''جَهَدَ نَفْسَهُ'' سے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آدمی اپنی وسعت و طاقت کی انتہاء تک پہنچ جائے اور پہلا اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی آدمی اپنی قسم میں مبالغہ کرے اور وہ قسم کی شدت وسختی کی انتہاء تک پہنچ جائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جس نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! تو بے شک اس نے قسم میں انتہاء کردی [''اقسم جهد الیمین'' کی اصل ''اقسم یجهد الیمین جهدًا'' ہے' پھر فعل (یجهد) کو حذف کر دیا گیا اور مصدر کو مقدم کر دیا گیا اور اس کو فعل کی جگہ رکھ کر مفعول (الیمین) کی طرف مضاف کر دیا گیا' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَضَرْبَ الرِّقَابِ'' (محمد:۴) ''سو تم کافروں کی گردنیں اڑادو''۔ اور اس منصوب کا حکم حال کا حکم ہوتا ہے گویا کہا: ''جاهدین ایمانهم''] ﴿لَىٕنْ اَمَرْتَهُمْ لَیَخْرُجُنَّ﴾ البتہ اگر آپ انہیں حکم دیں گے تو وہ ضرور بہ ضرور نکلیں گے یعنی اگر (سیّد عالم حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں جنگ میں جانے کے لیے حکم دیں گے تو ہم ضرور جنگ کرنے کے لیے جائیں گے یا ہمیں ہمارے اپنے گھروں سے نکلنے کا حکم دیں گے تو ہم ضرور نکل جائیں گے ﴿قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا﴾ اے حبیب! فرمائیے کہ اے منافقو! تم جھوٹی قسمیں نہ کھاؤ' کیونکہ جھوٹی قسمیں اٹھانا گناہ ہے ﴿طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ﴾ تمہارے لیے ان جھوٹی قسموں کی بجائے اطاعت وفرماں برداری اختیار کرنا عمدہ اور بہتر ہے [یہ مبتدا ہے' اس کی خبر محذوف ہے' یا یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے] یعنی جو اطاعت تم سے طلب کی جارہی ہے وہ مشہور ومعروف اور معلوم ہے' اس میں کسی کو شک وشبہ نہیں ہے جیسے مخلص مسلمانوں کی اطاعت ہے' تمہاری وہ قسمیں نہیں جو تم زبانی جمع خرچ کرتے ہوئے اپنے مونہوں سے کھاتے ہو اور تمہارے دل اس کے

خلاف ہوتے ہیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے' جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے' وہ انہیں خوب جانتا ہے اور تمہاری پوشیدہ باتوں میں سے کوئی چیز اس سے مخفی اور اوجھل نہیں ہے اور وہ یقیناً تمہیں ہر حال میں ذلیل ورسوا کرے گا اور تمہیں تمہارے نفاق پر سزا دے گا۔

٥٤۔ ﴿ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری اختیار کر لو اور تم رسول کریم کی اطاعت وفرماں برداری اختیار کر لو۔ اس آیت مبارکہ میں غائب سے خطاب کی طرف التفات کے طریقے پر کلام پھیرا گیا ہے اور یہ طریقہ انہیں ڈانٹنے اور دھمکانے کے لیے بلیغ وبہتر ہے ﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ﴾ سو اگر وہ پھر جائیں تو رسول کریم کے ذمے وہی لازم ہے' جو ان کے ذمہ لگایا گیا ہے اور تم پر وہی لازم ہے' جو بوجھ تم پر ڈالا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اطاعت واخلاص اختیار کرنے سے پھر جاؤ گے تو تم رسول اکرم کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے بلکہ تم صرف اپنا نقصان کرو گے کیونکہ رسول کریم پر صرف وہی لازم ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں ذمہ دار ٹھہرایا ہے اور انہیں نبوت ورسالت کے ادا کرنے کا مکلف بنایا ہے' پس جب انہوں نے اپنا فریضہ ادا کر لیا تو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو گئے اور اپنا فرضِ منصبی پورا کر لیا' لیکن رہے تم تو تم پر وہی لازم ہے' جس کا تمہیں مکلف بنایا گیا ہے اور وہ ہے خلوصِ دل سے ایمان لانا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کو قبول کرنا اور اس کی سچائی پر یقین رکھنا' پس اگر تم نے یہ نہ کیا اور منہ پھیر لیا تو بلاشبہ تم نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب کے لیے پیش کر دیا ﴿ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ﴾ اور اگر تم نے اس کی اطاعت اختیار کر لی تو ہدایت پا جاؤ گے یعنی رسولِ خدا ﷺ نے جن کاموں کے کرنے کا تمہیں حکم دیا ہے اور جن کاموں سے تمہیں منع کیا ہے' ان سب میں اگر تم نے اطاعت وفرماں برداری اختیار کر لی تو یقیناً تم نے ہدایت میں سے اپنے حصے کو محفوظ کر لیا کیونکہ نقصان اور نفع تمہاری طرف لوٹتے ہیں ﴿ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ اور رسول کریم پر لازم نہیں مگر صاف صاف اور کھلم کھلا پہنچا دینا (یعنی) رسول اکرم ﷺ کی صرف یہ ذمہ داری ہے کہ وہ تم تک وہ ساری باتیں واضح طور پر پہنچا دیں' جن کو اگر تم قبول کر لو تو انہیں فائدہ ہو اور اگر تم ان کو قبول نہ کرو تو انہیں کوئی نقصان نہ ہو اور ''البلاغ'' کا معنی تبلیغ کرنا اور پہنچا دینا ہے' جیسے ''اِدَآءٌ'' کا معنی ''تادیہ'' ہے یعنی پورا کرنا اور ادا کرنا' اور ''المبین'' کا معنی ہے: ظاہر اور عیاں کرنا اور کسی چیز کو واضح کرنا کیونکہ یہ آیات ومعجزات کے ساتھ مقرون ومشروط ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) آیتِ مبارکہ میں مخلصین (خالص مسلمانوں) کا ذکر کیا' چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٥٦﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٥٧﴾ ع

اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ فرما لیا ہے جو ایمان لا چکے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں کہ

انہیں زمین میں ضرور خلافت عطا فرمائے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی تھی' اور وہ ضرور ان کے لیے ان کے دین کو قائم و دائم اور غالب کر دے گا جسے ان کے لیے پسند فرما لیا ہے اور وہ ضرور ان کے خوف کو امن سے تبدیل کر دے گا' وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے' اور جو اس کے بعد ناشکری کرے گا تو وہی نافرمان ہوں گے O اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اس رسول کریم کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لو تا کہ تم پر رحم و کرم کیا جائے O (اے محبوب!) آپ کافروں کو زمین میں عاجز کر دینے والا خیال نہ فرمائیں' اور ان کا ٹھکانا تو دوزخ کی آگ ہے' اور البتہ وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O

نیک مسلمانوں سے خلافتِ الٰہی کا وعدہ اور کفار کا انجام

۵۵- ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ فرما لیا ہے' جو ایمان لا چکے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھی صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خطاب ہے [اور ''مِنْكُمْ'' میں حرفِ ''مِنْ'' بیان کے لیے ہے اور بعض نے فرمایا: حرف ''مِنْ'' تبعیضیہ ہے] اور اس آیت مبارکہ سے مہاجرینِ مکہ مراد ہیں ﴿لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ البتہ وہ انہیں ضرور زمین میں یعنی کفار کی سرزمین پر خلافت عطا فرمائے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سرزمین مدینہ کی خلافت مراد ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ وعدہ عام ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ دین وہاں تک پہنچے گا جہاں تک رات پہنچی ہے (یعنی یہ دین تمام دنیا میں پھیلے گا) ﴿كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے خلافت عطا فرمائی تھی [ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''اُسْتُخْلِفَ'' (فعل ماضی مجہول کے وزن پر) ہے] ﴿وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے دین کو ان کے لیے ضرور غالب و قائم فرما دے گا' جسے اس نے ان کے لیے پسند فرما لیا ہے اور وہ ضرور ان کے خوف کو امن میں تبدیل کر دے گا۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام سے وعدہ فرما لیا ہے کہ وہ کفار کے مقابلے میں دین اسلام کی مدد فرمائے گا اور ان کو زمین کا وارث بنائے گا اور انہیں اس سرزمین پر خلافت عطا فرما کر خلفاء مقرر فرمائے گا جیسا کہ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا تھا' جب جابر و ظالم بادشاہوں اور ان کے ساتھیوں کو ہلاک کر کے ان کو مصر اور شام کے ممالک کا وارث بنا دیا تھا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پسندیدہ دین کو غالب و ثابت اور قائم و دائم فرمائے گا اور وہ دینِ اسلام ہے اور اس کی تمکین کا مطلب ہے اس کو ثابت و غالب اور مضبوط و مستحکم کرنا اور یہ کہ ان کے سینوں میں امن عطا فرمائے گا اور ان سے وہ خوف دور فرمائے گا' جس میں وہ مبتلا تھے اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام دس سال تک مکہ مکرمہ میں خوف میں مبتلا رہے اور جب انہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی (تو جہاد کی وجہ سے) صبح و شام ہتھیاروں سے مسلح رہنا پڑتا تھا یہاں تک کہ ایک آدمی نے کہا کہ ہم پر کوئی ایسا دن نہیں آئے گا کہ اس میں ہم امن سے رہیں گے اور ہتھیار اتار کر رکھ دیں گے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اب تم اس حالت میں باقی نہیں رہو گے مگر تھوڑے عرصے تک یہاں تک کہ تم میں سے ایک آدمی ایک بڑی جماعت میں اطمینان سے تکیہ لگا کر بیٹھے گا اور اس کے ساتھ کوئی ہتھیار نہیں ہو گا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور صحابۂ کرام کو پورے جزیرۂ عرب پر غلبہ عطا فرمایا اور انہوں نے مشرق و مغرب کے دور دراز کے ملکوں کو فتح کیا اور انہوں نے ایرانی بادشاہوں کو تباہ و برباد کر دیا اور ان کے خزانوں پر قبضہ کر لیا اور وہ ایک دنیا پر غالب آ گئے [اور ''لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ'' میں لام تاکید اور نون ثقیلہ کے ساتھ ملنے والی قسم محذوف ہے] جس کی تقدیر اس طرح ہے: ''وَعَدَهُمُ اللّٰهُ وَاَقْسَمَ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ''

اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمالیا اور قسم اٹھائی کہ وہ ان کو ضرور بہ ضرور خلافت عطا فرمائے گا یا پھر تحقق و ثبوت میں اللہ تعالیٰ کے وعدے کو قسم کے قائم مقام کر دیا گیا اور وعدہ کو اسی چیز کے ساتھ ملایا جائے گا' جس کے ساتھ قسم کو ملایا جاتا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے قسم فرمائی کہ وہ انہیں ضرور خلافت عطا فرمائے گا [ابن کثیر مکی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں دال مخفف کے ساتھ ''وَلَيُبْدِلَنَّهُمْ'' (بابِ افعال سے) ہے] ﴿ يَعْبُدُوْنَنِيْ ﴾ وہ میری عبادت کریں گے' گویا کہا گیا کہ ان کو خلافت و امن کیوں عطا کیا جائے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ وہ میری عبادت کریں گے [اگر اس کو جملہ مستأنفہ (مستقل الگ جملہ) قرار دیا جائے تو اس کے لیے اعراب کا کوئی محل نہیں ہوگا اور اگر اس کو'' وعد اللّٰہ'' سے حال قرار دیا جائے تو اس کا محل نصب ہوگا] یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ ان کی حالت عبادت میں فرمایا ﴿ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ﴾ وہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے [یہ ''يَعْبُدُوْنَ'' سے حال ہے] یعنی وہ اس حال میں میری عبادت کریں گے کہ وہ توحید پرست وموحد ہوں گے [اور یہ بھی جائز ہے کہ پہلے حال سے حالِ بدل ہو] ﴿ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ ﴾ اور جو شخص اس کے بعد یعنی اس وعدہ کے بعد ناشکری کرے گا اور اس سے کفرانِ نعمت مراد ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ'' (النحل: ۱۱۲) '' تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی''۔ ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ پس یہی لوگ ہی فاسق و نافرمان ہوں گے (یعنی) وہی لوگ اپنے فسق میں کامل ہیں کیونکہ انہوں نے اتنی بڑی نعمت کی ناشکری کی اور اس کو حقیر قرار دینے پر جسارت کی' چنانچہ مفسرین کرام نے فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں نے اس نعمتِ عظیمہ کی ناشکری کی تھی' پھر وہی لوگ جو اس واقعہ سے پہلے آپس میں بھائی بھائی بن چکے تھے لیکن وہی لوگ اس کے بعد آپس میں بدست و گریباں ہو گئے اور جنگیں شروع کر دیں اور ان سے خوف جاتا رہا اور یہ آیت کریمہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی خلافت کی صحت پر واضح ترین دلیل ہے کیونکہ خلافت کا مستحق نیک مسلمانوں کو قرار دیا گیا ہے اور خلفائے راشدین تو ان کے سردار ہیں' اس لیے یہی اس کے مستحق تھے۔

٥٦-﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ اور تم نماز قائم رکھو [یہ ''اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ'' پر معطوف ہے اور معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان فاصلہ نقصان دِہ نہیں ہوتا اگر چہ طویل فاصلہ ہو] ﴿ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ اور تم زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کریم کی ان تمام اُمور میں اطاعت کرو' جن کی طرف وہ تمہیں دعوت دیتے ہیں اور رسول اکرم کی اطاعت کو اس کے وجوب کی تاکید کرنے کی وجہ سے دوبارہ ذکر کیا گیا ہے ﴿ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ تاکہ تم پر رحم کیا جائے یعنی ''لِكَيْ تُرْحَمُوْنَ'' تاکہ تم پر رحم و کرم کیا جائے کیونکہ یہ تینوں اُمور رحمتِ الٰہی کے حصول کے لیے ذریعہ اور واسطہ ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کا ذکر کیا' چنانچہ ارشاد فرمایا:

٥٧-﴿ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ آپ کافروں کو زمین میں عاجز کرنے والا مت خیال فرمائیں یعنی اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والا' وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اس میں ان پر قادر نہ رہے [پس ''تَا'' حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کرنے کے لیے ہے اور یہ فاعل ہے اور مفعول دو ہیں' ایک ''اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' اور دوسرا ''مُعْجِزِيْنَ'' ہے۔ ابن عامر شامی اور حمزہ کی قراءت میں ''یَا'' کے ساتھ ہے اور اس کا فاعل حضور نبی کریم ﷺ ہیں کیونکہ آپ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور دو مفعول ''اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' اور ''مُعْجِزِيْنَ'' ہیں] ﴿ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ﴾ اور ان کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے [یہ ''لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ'' پر معطوف ہے] گویا فرمایا گیا ہے کہ کافر لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور ان کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے ﴿ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ اور البتہ وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے یعنی دوزخ کی آگ میں لوٹ کر جانا بہت

ہوا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ
مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ
وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ
طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾

اے ایمان والو! تمہارے مملوک غلام و باندیاں اور تم میں سے وہ لوگ جو بلوغ کو نہیں پہنچے وہ تم سے (تمہارے پاس آنے کے لیے) تین دفعہ اجازت لیا کریں' فجر کی نماز سے پہلے اور جب دوپہر کے وقت تم اپنے کپڑے اتار کر رکھتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد' یہ تین اوقات تمہارے لیے پردے کے ہیں' ان اوقات کے علاوہ کوئی گناہ نہیں نہ تم پر اور نہ ان پر' (کیونکہ) تمہیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا جانا ہوتا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیتوں کو کھول کر بیان کرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا' بڑی حکمت والا ہے O

تین اوقات میں گھروں میں آنے کے لیے نوکروں اور نابالغ لڑکوں کو اجازت لینے کا حکم

۵۸- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾ اے ایمان والو! تم سے ان لوگوں کو اجازت لینی چاہیے' جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک بن چکے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں فقط غلاموں کو یا پھر غلاموں اور لونڈیوں دونوں کو اجازت لے کر گھروں میں آنے کا حکم دیا گیا ہے ﴿ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ﴾ اور تم میں سے جو بلوغ کی حد (احتلام کی عمر) کو نہیں پہنچے (یعنی) آزاد مردوں میں سے جو بچے احتلام کی عمر کو نہیں پہنچے [تخفیف کی خاطر لام کو سکون کے ساتھ ''الْحُلْمَ'' پڑھا گیا ہے] ﴿ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ﴾ دن اور رات میں تین دفعہ اور وہ اوقات یہ ہیں: ﴿ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ ﴾ فجر کی نماز سے پہلے کیونکہ یہ بستروں سے اٹھنے کا وقت ہوتا ہے اور اس وقت میں وہ کپڑے اتارے جاتے ہیں' جن کو رات کو سونے کے لیے پہنا جاتا ہے اور بیداری کے کپڑے پہنے جاتے ہیں ﴿ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ ﴾ اور جب تم دوپہر کے وقت اپنے کپڑے اتار کر رکھتے ہو اور یہ موسم گرما میں وہ وقت ہوتا ہے جب آدھا دن گزرنے والا ہوتا ہے اور آدھا دن باقی ہوتا ہے' جسے زوال کا وقت یا دوپہر کا وقت کہا جاتا ہے کیونکہ اس وقت قیلولہ کرنے (دوپہر کے سونے) کے لیے بیداری کے کپڑے اتار کر رکھ دیئے جاتے ہیں ﴿ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ﴾ اور عشاء کی نماز کے بعد کیونکہ اس وقت بیداری کے کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں اور سونے کے کپڑے پہنے جاتے ہیں ﴿ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ﴾ یعنی یہ تین اوقات تمہارے لیے پردے کے ہیں [اصل میں ''هِيَ اَوْقَاتُ ثَلَاثٍ'' سے بدل ہے] یعنی تین اوقات پردے اور خلوت کے ہیں اور ان تین حالات میں سے ہر حال کو ''عَوْرَةٌ'' کہا گیا ہے کیونکہ انسان انہیں اوقات میں اپنے ستر میں خلل انداز ہوتا ہے (جیسے صرف دھوتی باندھ کر ناف سے پنڈلیوں تک کے علاوہ باقی جسم ظاہر کر دیتا ہے) اور ''عورة'' خلل کو کہتے ہیں اور اسی سے ''اعور'' بنا ہے کہ کانے آدمی کی آنکھ میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔

شانِ نزول: انصار کا ایک غلام‘ جس کو مدلج بن عمرو کہا جاتا تھا‘ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آرام گاہ میں عین دوپہر کے وقت داخل ہوا‘ جب کہ آپ سو رہے تھے اور آپ کے جسم کے ایک حصے سے کپڑا ہٹ چکا تھا اور آپ بیدار ہوئے تو فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس دوپہر کے وقت اللہ تعالیٰ بغیر اجازت داخلہ کو ممنوع فرما دے‘ یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور حضور نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ آیت مبارکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوگئی‘ پھر اللہ تعالیٰ نے ان تین اوقات کے علاوہ بغیر اجازت آنے جانے کے لیے ان حضرات کو معذور قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ﴾ ان اوقات کے علاوہ نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر کوئی گناہ ہے یعنی ان اوقات کے علاوہ بغیر اجازت داخل ہونے میں نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان مذکورین (غلاموں‘ باندیوں اور نابالغ لڑکوں) پر کوئی گناہ ہے‘ پھر اللہ تعالیٰ نے ان اوقات کے علاوہ اجازت نہ لینے کی علّت وسبب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ﴾ وہ تمہارے پاس بار بار بہ کثرت آنے جانے والے ہیں یعنی وہ گھر کی ضروریات کے لیے بار بار آنے جانے والے ہیں ﴿بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ تم ایک دوسرے کے پاس بار بار آتے جاتے ہو [یہ مبتدا خبر ہے "بَعْضُكُمْ" مبتدا ہے "عَلٰى بَعْضٍ" خبر ہے‘ اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: "بَعْضُكُمْ طَآئِفٌ عَلٰى بَعْضٍ" ہے‘ پھر "طآئف" حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ "طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ" اس پر دلالت کر رہا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ اپنے ماقبل سے بدل ہو اور یہ جملہ مبیّنہ مؤکدہ ہو] یعنی تمہیں اور انہیں ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور ایک دوسرے کے پاس آنے جانے کی ضرورت رہتی ہے‘ وہ تمہارے پاس خدمت کرنے کے لیے آتے جاتے ہیں اور تم ان کے پاس خدمت لینے کے لیے آتے جاتے ہو‘ پس اگر ہر وقت اجازت لینے کا حکم لازم کر دیا جاتا تو بڑا حرج واقع ہو جاتا اور یہ شریعت میں نص سے اٹھا دیا گیا ہے ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتوں کو واضح طور پر بیان کرتا ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اجازت لینے کا حکم کھول کر بیان کیا ہے‘ اسی طرح اس کے علاوہ جن آیات کے بیان کی تمہیں ضرورت ہوتی ہے‘ انہیں اللہ تعالیٰ تمہاری خاطر بیان کر دیتا ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جاننے والا ہے ﴿حَكِيْمٌ﴾ اپنی مراد بیان کرنے میں بڑا دانا ہے۔

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾

اور جب تمہارے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ ضرور اجازت لیا کریں جیسا کہ ان سے پہلے لوگ اجازت طلب کرتے رہے‘ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے‘ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑا دانا ہے O اور وہ خانہ نشین بوڑھی عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے کپڑے (نقاب کی بڑی چادریں) اتار کر رکھ دیں جب کہ وہ اپنی زیب وزینت ظاہر کرنے والیاں نہ ہوں‘ اور اس سے بچنا ان کے لیے بہت بہتر ہے‘ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا

بہت کچھ جاننے والا ہے○

نابالغ لڑکوں کو تمام اوقات میں اجازت لے کر گھر میں آنے کا حکم

۵۹- ﴿وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ﴾ اور جب تمہارے لڑکے بالغ ہو جائیں یعنی آزاد لڑکے نہ کہ غلام ﴿الْحُلُمَ﴾ احتلام کی عمر کو پہنچ جائیں یعنی جب لڑکے بالغ و جوان ہو جائیں اور تمہارے پاس گھروں میں آنا چاہیں ﴿فَلْيَسْتَأْذِنُوا﴾ تو انہیں چاہیے کہ وہ گھروں میں داخل ہونے کے لیے تمام اوقات میں اجازت لے کر آئیں ﴿كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ﴾ جس طرح ان سے پہلے لوگ اجازت طلب کرتے رہے یعنی جو لوگ ان سے پہلے بلوغت کی عمر کو پہنچ چکے ہیں اور وہ مرد مراد ہیں یا پھر وہ لوگ مراد ہیں' جن کا ان سے پہلے (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ میں ذکر کیا گیا ہے کہ ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا'' اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے علاوہ اور گھروں میں داخل نہ ہو جاؤ یہاں تک کہ تم اجازت لے لو اور سلام کرو' اور معنی یہ ہے کہ ان تین اوقات کے علاوہ بغیر اجازت کے نابالغ لڑکوں کو گھروں میں آنے جانے کی اجازت دی گئی ہے' سو جب لڑکے اس کے عادی ہو جائیں گے' پھر احتلام کی عمر کو یا سنِ بلوغت کو پہنچ جائیں گے تو واجب و لازم ہو جائے گا کہ ان کی یہ عادت چھڑائی جائے اور ان پر یہ ذمہ داری عائد کی جائے کہ وہ تمام اوقات میں ان بڑے مردوں کی طرح اجازت لے کر گھروں میں آیا جایا کریں جو بغیر اجازت تمہارے گھروں میں تمہارے پاس آنے جانے کے عادی نہیں ہیں اور لوگ اس مسئلہ سے غافل ہو چکے ہیں' چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ تین آیات ایسی ہیں' جن کا لوگوں نے عملی طور پر انکار کر رکھا ہے: (۱) گھروں میں اجازت لے کر آنے کی آیت مبارکہ (۲) اور یہ ارشاد کہ ''إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ'' (الحجرات:۱۳) ''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے''۔ (۳) اور ''وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا'' (النساء:۸) ''اور جب میراث کی تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور مسکین آجائیں تو تم اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے اچھی بات کہا کرو''۔ اور حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ منسوخ ہے' اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ آیت مبارکہ منسوخ نہیں ہے ﴿كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں تمہارے لیے کھول کر بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کی مصلحتوں اور ان کے فائدوں کو خوب جاننے والا ہے ﴿حَكِيمٌ﴾ ان تمام احکام میں بڑی زبردست حکمت والا ہے جو اس نے واضح طور پر بیان فرما دیئے ہیں۔

بوڑھی عورتوں کو بڑی چادریں اتارنے کی اجازت

٦٠- ﴿وَالْقَوَاعِدُ﴾ اور بیٹھنے والیاں [''قَوَاعِد''، ''قَاعِد'' کی جمع ہے] کیونکہ یہ عورتوں کی مخصوص صفات میں سے ہے جیسے ''طَالِق'' (طلاق والی) اور ''حَائِض'' (ماہواری والی) یعنی وہ عورتیں جو اپنے بڑھاپے کی وجہ سے اولاد جننے اور ماہواری آنے سے فارغ بیٹھنے والیاں ہیں ﴿مِنَ النِّسَاءِ﴾ عورتوں میں سے [یہ ''القواعد'' کی ضمیر فاعل سے حال ہے] ﴿اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا﴾ جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں (یعنی) جو بوڑھی عورتیں نکاح میں دلچسپی اور طمع نہیں رکھتیں [یہ محلاً مرفوع ہے اور مبتدا کی صفت ہے اور وہ مبتدا ''القواعد'' ہے اور اس کی خبر (درج ذیل) ارشاد ہے:] ﴿فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ﴾ تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے اور ''جناح'' کا معنی ''إِثْم'' (گناہ) ہے [اس میں حرف ''فا'' اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ مبتدا میں الف لام کے سبب شرط کا معنی پایا جاتا ہے] ﴿أَن يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ﴾ کہ وہ اپنے کپڑے اتار دیں یعنی فالتو

کپڑے جیسے سرڈھانپنے کی اوڑھنی کے اوپر بڑا سا دوپٹا پہنا جاتا ہے اور وہ بڑی چادر جو دوپٹے کے اوپر پہنی جاتی ہے ﴿غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ﴾ جب کہ وہ اپنا بناؤ سنگار ظاہر کرنے والیاں نہ ہوں یعنی زیب و زینت ظاہر کرنے والیاں نہ ہوں' زینت سے پوشیدہ چیزیں ظاہر کرنا مراد ہے جیسے بال' سینہ اور پنڈلیاں وغیرہ یعنی یہ عورتیں فالتو کپڑے سے بناؤ سنگار اور زیب و زینت کے اظہار کا ارادہ نہ کریں بلکہ تخفیف و آسانی کا ارادہ کریں اور ''تبرّج'' کی حقیقت یہ ہے کہ اس چیز کا تکلف سے اظہار کرنا جس کا چھپانا واجب و لازم ہو ﴿وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ﴾ اور ان کا بچنا ان کے لیے بہت بہتر ہے یعنی کپڑے اتارنے سے عفت و پاک دامنی طلب کرنا ان کے لیے بہتر ہے' پس وہ پردہ میں رہا کریں [اور یہ مبتدا خبر ہیں] ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں کو بہت سننے والا ہے' جو وہ علانیہ کہتی ہیں ﴿عَلِيْمٌ﴾ وہ ان کے تمام مقاصد کو خوب جاننے والا ہے' جن کا وہ اپنے دلوں میں ارادہ کرتی ہیں۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦١﴾

ع ١٤

نہ اندھے پر کوئی حرج ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ تم پر کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے قبضہ وملکیت میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے' تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم مل کر کھاؤ یا الگ الگ' سو جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بابرکت و پاکیزہ دعائے خیر ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھ لوO

رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں سے کھانے کی اجازت

۶۱- ﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ﴾ نہ نابینے پر کوئی حرج ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے۔

شانِ نزول: حضرت سعید بن مسیّب نے فرمایا کہ مسلمان مجاہد جب جنگ کرنے کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر پر روانہ ہوتے تو اپنے گھروں کی چابیاں نابینوں' بیماروں اور لنگڑوں اور اپنے رشتہ داروں کے پاس رکھ جاتے اور انہیں اجازت دے کر جاتے کہ وہ ان کے گھروں سے کھالیا کریں لیکن یہ لوگ اس میں تنگی محسوس کرتے اور کہتے کہ ہمیں ڈر لگتا ہے

کہ کہیں وہ لوگ اس پر خوش نہ ہوں تو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور انہیں رخصت واجازت دی گئی ﴿وَلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ﴾ اور نہ تم پر یعنی نہ تم پر کوئی حرج ہے ﴿اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ﴾ یہ کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یعنی اپنی اولاد کے گھروں سے کیونکہ اولاد والد کا بعض حصہ ہوتی ہے اور اس کا حکم خود اس کے حکم کی طرح ہے اور اس لیے آیت مبارکہ میں اولاد کا ذکر نہیں کیا گیا اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ''اَنْتَ وَمَا لُكَ لِاَبِيْكَ''[1] تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے یا یہ معنی ہے کہ تم اپنی بیویوں کے گھروں سے کھاؤ کیونکہ میاں بیوی دو قالب یک جان کی طرح ہوتے ہیں' سو اس لیے بیوی کا گھر شوہر کے اپنے گھر کی طرح ہوا ﴿اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ﴾ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے کیونکہ ان تمام کے گھروں سے کھانے کی اجازت اس آیت مبارکہ کے بتانے سے ثابت ہوگئی ہے ﴿اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ﴾ یا جس کی چابیوں کے تم مالک بن گئے ہو۔ ''مفاتح''، ''مفتح'' کی جمع ہے اور یہ وہ آلہ (چابی) ہے' جس کے ذریعے کسی بند چیز (تالا) کو کھولا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس سے کسی آدمی کا وکیل اور نگران (یعنی کارمختار' منتظم یا منیجر وغیرہ) مراد ہے جو اس آدمی کی زمین اور اس کے مویشیوں کی دیکھ بھال اور ان کا انتظام کرتا ہو' ایسے شخص کے لیے جائز ہے کہ یہ اس آدمی کی زمین کے پھلوں میں سے کچھ کھالے اور اس کے جانوروں کے دودھ میں سے کچھ پی لے اور چابیوں کی ملکیت سے اس کا قبضہ حاصل کرنا اور اپنی حفاظت وتحویل میں لینا مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے اپنے غلام کا گھر مراد ہے کہ تم اپنے غلاموں کے گھروں سے کھاؤ کیونکہ خود غلام اور اس کا کمایا ہوا مال اس کے آقا کی ملکیت میں ہوتا ہے ﴿اَوْ صَدِيْقِكُمْ﴾ یا اپنے دوستوں کے یعنی یا اپنے دوستوں کے گھروں سے اور صدیق یعنی دوست ایک بھی ہوتا ہے اور کئی دوست بھی ہوتے ہیں اور دوست وہ ہوتا ہے' جو تمہارے ساتھ اپنی محبت میں سچا ہو (یعنی تم سے سچی دوستی کرتا ہو) اور تم اس کے ساتھ اپنی محبت میں سچے ہو (یعنی تم بھی اس کے ساتھ سچی محبت کرتے ہو) اور پہلے زمانہ کے بزرگوں میں سے کوئی آدمی اپنے دوست کے گھر میں بطور مہمان داخل ہوتا اور وہ گھر پر نہ ہوتا تو یہ مہمان اس کی لونڈی سے اس کی رقم کی تھیلی منگاتا اور جتنا چاہتا خورد ونوش کے لیے لے لیتا' پھر جب لونڈی کا آقا مالک مکان حاضر ہوتا اور لونڈی اس کو مہمان دوست کی آمد وغیرہ بتلاتی تو وہ اس پر خوش ہو جاتا اور مہمان نوازی کے لیے رقم خرچ کرنے پر خوش ہو کر اپنی لونڈی کو آزاد کر دیتا لیکن چونکہ آج کل لوگوں پر بخل سوار ہو چکا ہے اور مہمان نوازی کا جذبہ ماند پڑ چکا ہے' اس لیے دوست کے گھر اس کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کھایا پیا جائے گا ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا﴾ تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم سب مل کر اکٹھے کھانا کھاؤ یا الگ الگ انفرادی طور پر کھاؤ۔ ''اَشْتَاتًا''، ''شَتٌّ'' کی جمع ہے' الگ ہونا۔

شانِ نزول: یہ آیت مبارکہ بنولیث بن عمرو کے بارے میں نازل ہوئی تھی' یہ لوگ ناگوار محسوس کرتے تھے کہ کوئی شخص اکیلا کھانا کھائے اور یہ لوگ اکیلا کھانا ناپسند کرنے کی وجہ سے صبح سے شام تک مہمان کا انتظار کرتے رہتے' پھر اگر کوئی مہمان نہ آتا جس کے ساتھ مل کر کھانا کھا سکیں تو مجبوراً اکیلے کھا لیتے یا یہ آیت مبارکہ انصار مدینہ کی ایک قوم کے بارے میں نازل ہوئی تھی' جن کے پاس جب کوئی مہمان آجاتا تو وہ کھانا نہیں کھاتے تھے مگر مہمان کے ساتھ مل کر کھاتے تھے' محض اس بناء پر

[1] رواہ احمد ج ۲ ص ۱۷۹' ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۰' ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۲

کہ لوگ کھانا کھانے میں مختلف ہوتے ہیں' بعض لوگ زیادہ کھاتے ہیں اور بعض کم کھاتے ہیں ﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا﴾ سو جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو یعنی جب تم ان مذکورہ بالا گھروں میں کھانا کھانے کے لیے اندر آنے لگو ﴿فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ﴾ تو تم اپنے لوگوں کو سلام کرو یعنی تم ان گھر والوں پر سلام کرنے سے ابتداء کرو جو دین اور رشتہ داری کے اعتبار سے تم میں سے ہیں یا یہ معنی ہے کہ جب خالی گھروں میں یا اللہ تعالیٰ کے گھر مسجدوں میں داخل ہونے لگو تو کہو: ''اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ'' ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں (اولیائے کرام) پر سلام ہو ﴿تَحِیَّةً﴾ دعائے خیر [یہ ''سَلِّمُوْا'' کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ یہ ''تَسْلِیْمًا'' کے معنی میں مفعول مطلق ہے جیسے ''قَعَدْتُّ جُلُوْسًا'' ہے] ﴿مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشروع ہے یا اس لیے کہ تسلیم کا مطلب سلامتی طلب کرنا ہے اور ''تحیة'' کا مطلب ہے کہ جس کو سلام کیا گیا ہے اس کے لیے عمر کی درازی کی دعا کرنا اور واضح بات ہے کہ زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے ﴿مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً﴾ بابرکت و پاکیزہ۔ ''تحیة'' یعنی دعا کو برکت اور طیّب کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے کیونکہ ایک مسلمان کے حق میں دوسرے مسلمان کی دعا سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پاکیزہ رزق اور بابرکت بھلائی کی امید کی جاتی ہے ﴿كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات کو کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو اور انہیں سمجھو۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿٦٢﴾

بے شک ایمان دار صرف وہ لوگ ہیں' جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ کسی اجتماعی کام کے لیے آپ کے ساتھ جمع ہوتے ہیں تو پھر وہاں سے نہیں جاتے یہاں تک کہ پہلے آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں' بے شک جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں' پس جب یہ لوگ آپ سے اپنے کسی کام کے لیے اجازت مانگیں تو آپ ان میں سے جس کے لیے چاہیں اجازت دے دیں اور آپ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا کریں' بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O

مخلص مسلمانوں کی پہچان

٦٢- ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ﴾ بے شک مسلمان صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ آپ کے ساتھ کسی اجتماعی کام کے لیے جمع ہوتے ہیں یعنی ایسا کام جس کے لیے لوگوں کو جمع کیا جائے جیسے جہاد کرنے کے لیے اور جنگ کے بارے میں سوچ و بچار اور غور و فکر کرنے اور منصوبہ بندی کرنے کے لیے اور ہر وہ اجتماع جو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہو جیسے جمعہ اور عیدین کے لیے بلایا جائے ﴿لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْهُ﴾ وہ نہیں جاتے یہاں تک کہ وہ حضور سے اجازت مانگتے ہیں یعنی ان کو اجازت دی جاتی ہے

تو پھر جاتے ہیں ورنہ نہیں جاتے اور جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے ان کی اجازت کے بغیر چلے جانے کی وجہ سے بہت بڑے جرم کا ارتکاب دکھائیں تو مسلمانوں کے بغیر اجازت مانگے نہ جانے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے کی تیسری علامت قرار دیا اور ان دونوں کو اس کا سبب قرار دیا اور اس کے ذکر کے لیے بنیاد قرار دے دیا [اور اس کے باوجود جملہ کا آغاز ''انما'' کے ساتھ کیا اور ''المؤمنون'' کو مبتدا قرار دیا' جس کی خبر اسم موصول ہے جس کے صلہ نے انہیں دو ایمانوں کا احاطہ کر رکھا ہے] پھر اس کے بعد ایسے کلام کا ذکر کیا' جس نے مزید تاکید کر دی کیونکہ اس کا دوسرے طریقہ پر اعادہ کیا اور وہ کلام درج ذیل ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ بے شک جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں' اور اس کے ساتھ دوسری چیز کو ملا دیا اور وہ یہ کہ اجازت مانگنے کو دونوں ایمانوں کی صحت کے لیے مصداق کی طرح قرار دیا اور منافقوں کے حال پر اور ان کے چھپ چھپا کر نکلنے پر طنز کیا ﴿فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ﴾ پس جب وہ اپنے کسی کام کے لیے مجلس سے چلے جانے کی آپ سے اجازت مانگیں ﴿فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ﴾ تو آپ ان میں سے جس کے لیے چاہیں اجازت دے دیں۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بڑی بلند شان کا اظہار ہے ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ اور آپ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش طلب کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے اور اجازت مانگنے والوں کے لیے استغفار کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ افضل و بہتر یہی ہے کہ آپ سے اجازت نہ مانگی جائے۔ مفسرین کرام نے فرمایا کہ مناسب یہی ہے کہ لوگ اپنے اماموں اور علم و دین میں پیشوائی کرنے والوں کا ساتھ دیں اور ان کی مدد کریں اور ان سے بغیر اجازت جدا نہ ہوں۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ غزوۂ خندق کے موقع پر نازل ہوئی تھی' جب منافقین بغیر اجازت اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے لگے تھے۔

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٤﴾ ع ١٥

تم رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو' بے شک اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو چپکے سے چھپ کر نکل جاتے ہیں' سو جو لوگ اس (رسول) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی مصیبت آن پڑے یا ان پر دردناک عذاب آ پہنچے ○ سنو! بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے' بے شک وہ خوب جانتا ہے جس حال پر تم ہو' اور جس دن وہ لوگ اس کے حضور لوٹائے جائیں گے' پس وہ ان کو بتا دے گا جو کچھ انہوں نے کیا ہوگا' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلانے کے آداب اور شانِ الٰہی

٦٣- ﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا﴾ تم رسول کے بلانے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم ایک

دوسرے کو بلاتے ہو یعنی جب رسول اللہ ﷺ کو کسی کام کے لیے اپنے پاس تمہیں بلانے کی ضرورت پیش آ جائے اور وہ تمہیں بلا لیں تو تم ان کی محفل سے ان کی اجازت کے بغیر کبھی جدا نہ ہونا اور تم ان کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کے بلانے پر قیاس نہ کرو اور جس طرح تم کسی بلانے والے کی مجلس سے اس سے اجازت لیے بغیر گھروں کو واپس لوٹ جاتے ہو' اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بلانے پر حاضر مجلس اقدس ہو کر آپ کی اجازت کے بغیر آپ کی مجلس سے گھروں کو نہ لوٹ جایا کرو یا یہ معنی ہے کہ تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام مبارک کے لینے کو اور انہیں پکارنے کو آپس میں ایسے نہ ٹھہرا لو جیسے تم ایک دوسرے کا نام لے کر بلاتے ہو اور اس کو اسی نام سے پکارتے ہو جو نام اس کے ماں باپ نے رکھا تھا' لہٰذا تم ''یَا مُحَمَّدُ'' نہ کہو بلکہ ''یَا نَبِیَّ اللّٰہ'' اور ''یَا رَسُوْلَ اللّٰہ'' کہا کرو اور یاد رکھو! حضور کو نہایت تعظیم و توقیر اور ادب و احترام اور نرم و ملائم لہجے میں پکارا کرو۔[1]

﴿قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے' جو تم میں سے تھوڑے تھوڑے ہو کر چپکے سے نکل جاتے ہیں ﴿لِوَاذًا﴾ [یہ حال ہے] یعنی چھپ کر بھاگنے والا۔ ''لواد'' اور ''ملاوذۃ'' کا مطلب ہے کہ ایک دوسرے کی آڑ لے کر چلے جانا کہ یہ اس کی اور وہ اس کی آڑ لے کر چلا جائے یعنی وہ لوگ جماعت سے پوشیدہ ہو کر آڑ کے طریقہ پر چلے جاتے تھے اور ایک دوسرے کے ذریعے چھپ کر چلے جاتے تھے ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ﴾ پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو رسولِ خدا کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں یعنی مخلص مسلمانوں کے علاوہ جو لوگ حضور کے حکم کی بجا آوری سے رک جاتے ہیں اور حکم کی تعمیل نہیں کرتے اور وہ لوگ منافقین ہیں۔ اور ''خَالَفَهٗ اِلَى الْاَمْرِ'' اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص صحیح سمت کی بجائے مخالف سمت کی طرف چلا جائے اور اسی سے یہ ارشاد ہے کہ ''وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهٰكُمْ عَنْهُ'' (ھود:۸۸) اور میں نہیں چاہتا کہ میں جس کام سے تمہیں منع کرتا ہوں اس میں' میں تمہارے خلاف چلوں'۔ ''خَالَفَهٗ عَنِ الْاَمْرِ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص حکم عدولی کر کے خلافِ امر کام کرے اور ''عَنْ اَمْرِهٖ'' میں ضمیر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے یا پھر رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف لوٹتی ہے اور معنی یہ ہے کہ اس کی

---

[1] واضح رہے کہ یہ حکم آج بھی جاری و ساری ہے' چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: ''والظاھر استمرار ذالك بعد وفاته الی الأن.'' اور ظاہر ہے کہ یہ حکم آپ کی وفات کے بعد بھی آج تک مسلسل جاری ہے۔ (تفسیر روح المعانی جزء ۱۸ ص ۲۲۵' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور) نیز علامہ عارف باللہ احمد بن محمد صاوی مالکی لکھتے ہیں: ''لا یجوز نداء النبی بغیر ما یفید التعظیم لافی حیاته ولا بعد وفاته فبھذا یعلم ان من استخف بجنابه ﷺ فھو کافر ملعون فی الدنیا والاٰخرۃ'' حضور نبی کریم کو ایسے کلمہ کے ساتھ پکارنا جو تعظیم کا فائدہ نہ دیتا ہو وہ جائز نہیں' نہ آپ کی زندگی میں جائز تھا اور نہ آپ کی وفات کے بعد جائز ہے' پس اس سے معلوم ہو گیا کہ بے شک جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں بے ادبی اور توہین کرے گا وہ کافر ہو جائے گا اور وہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی لعنتی قرار پائے گا۔ (تفسیر صاوی علی الجلالین ج ۳ ص ۱۴۰' مطبوعہ شرکۃ مکتبہ و مطبعہ مصطفیٰ البابی' مصر) مکتب دیوبند کے مفسر علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: یعنی حضرت کے بلانے پر حاضر ہونا فرض ہو جاتا ہے' آپ کا بلانا اوروں کی طرح نہیں کہ چاہے اس پر لبیک کہے یا نہ کہے' اگر حضور کے بلانے پر حاضر نہ ہو تو آپ کی بددعا سے ڈرنا چاہیے کیونکہ آپ کی دعا معمولی انسان جیسی نہیں' نیز مخاطبات میں حضور کے ادب و عظمت کا پورا خیال رکھنا چاہیے' عام لوگوں کی طرح ''یا محمد'' وغیرہ کہہ کر خطاب نہ کیا جائے بلکہ یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ جیسے تعظیمی القاب سے پکارنا چاہیے۔

(تفسیر عثمانی حاشیہ قرآن مجید ص ۴۶۶' مطبوعہ دار التصنیف' کراچی)

اطاعت وفرماں برداری اور اس کے دین کی مخالفت کرتے ہیں اور ''یَحْذَرْ'' کا مفعول یہ (درج ذیل) ارشاد ہے:﴿اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ﴾ کہ ان پر کوئی مصیبت آن پہنچے۔ دنیا میں تکلیفیں یا قتل وغارت یا زلزلوں اور تباہ کاریوں ہلاکتوں کا رونما ہونا یا ظالم بادشاہ کا قابض ہونا یا ربِ تعالیٰ کی معرفت سے دل کا سخت ہو جانا یا نعمتوں کا آہستہ آہستہ زائل ہونا شروع ہو جانا ﴿اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ یا انہیں آخرت میں دردناک عذاب پہنچے گا اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اَمر وجوب کے لیے آتا ہے۔

٦٤-﴿اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ خبردار! بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ اس ذاتِ اقدس کے حکم کی مخالفت ہرگز نہ کی جائے جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے ﴿قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تم جس روش پر گامزن ہو۔ ''قَدْ'' داخل کر کے علم الٰہی کی تاکید کی گئی ہے کہ دین اسلام کی مخالفت اور نفاق کی جس روش پر منافقین گامزن ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور علمِ الٰہی کی تاکید کا نتیجہ وعید (عذاب کی دھمکی) کی تاکید ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک تمام آسمانوں اور زمینوں میں تمام مخلوقات تخلیق ملکیت اور علم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے تو اس پر منافقین کے حالات کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں اگرچہ وہ ان کے چھپانے کی بہت کوشش کرتے ہیں ﴿وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ﴾ اور جس دن وہ اس کی بارگاہ کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جس دن یہ منافقین اپنے نفاق اور دین اسلام کی مخالفت کی سزا پانے کے لیے اس کی بارگاہِ اقدس میں حاضر کیے جائیں گے اور وہ قیامت کا دن ہوگا [اور ''مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ'' میں خطاب اور غیبت ممکن ہے کہ دونوں منافقوں کے لیے بہ طریقِ التفات استعمال کیے گئے ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ ''مَا اَنْتُمْ عليه'' میں عام خطاب ہو اور ''يُرْجَعُوْنَ'' صرف منافقین کے لیے ہو] ﴿فَيُنَبِّئُهُمْ﴾ سو اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن بتا دے گا ﴿بِمَا عَمِلُوْا﴾ انہوں نے جو اعمال کیے یعنی انہوں نے جو کچھ اپنے اعمال کی بُرائی چھپا رکھی تھی وہ سب اللہ تعالیٰ ظاہر فرما دے گا اور ان کو سزا دے گا جیسا ان کی سزا کا حق ہوگا ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے پس اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک دفعہ حج کے موسم میں منبر پر سورتِ نور کی تلاوت کی اور اس کی ایسے عظیم الشان طریقہ پر تفسیر بیان کی کہ اگر اہل روم اسے سن لیتے تو ضرور اسلام قبول کر لیتے۔

سورۃ الفرقان مکیۃ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	آیاتہا ۷۷ رکوعاتہا ۶

سورۃ الفرقان مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے○ — اس کی ستتر آیات، چھ رکوع ہیں

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ﴿۱﴾ اِلَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿۲﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾

بڑی برکت والا ہے وہ (اللہ) جس نے اپنے محبوب بندے پر حق و باطل میں فرق کرنے والا قرآن نازل فرمایا تاکہ وہ

تمام جہانوں کو ڈرسنانے والا ہو O وہی جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے اور نہ اس نے اپنے لیے کوئی اولاد بنائی ہے اور نہ حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور اسی نے اس کو مقرر کردہ ٹھیک اندازے پر رکھا ہے O اور انہوں نے اس کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے اور انہیں خود پیدا کیا جاتا ہے اور وہ اپنی جانوں کے لیے نہ نقصان کے مالک ہیں اور نہ نفع کے اور وہ نہ موت کے مالک ہیں اور نہ زندگی کے اور نہ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے O

اللہ تعالیٰ کی شان‘ رسالت عامہ کا بیان اور بتوں کی بے بسی کا اعلان

۱۔﴿ تَبٰرَكَ ﴾ [باب تفاعل‘ فعل ماضی واحد مذکر غائب ’’برکۃ‘‘ سے ماخوذ ہے] بڑی برکت والا ہے‘ خیر کثیر کا مالک ہے اور وہ بہت زیادہ خیر و بھلائی رکھتا ہے اور ’’تبارك‘‘ کا معنی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خیر و بھلائی سب سے زیادہ ہے اور سب سے کثیر ہے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات ہر چیز سے بڑھ کر ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی صفات اور اپنے افعال میں سب سے بلند و بالا ہے اور یہ تعظیم کا کلمہ ہے‘ جو اللہ تعالیٰ واحد لاشریک کے ماسوا کسی کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا اور یہ صرف ماضی استعمال ہوتا ہے ﴿ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ ﴾ جس نے فرق کرنے والی کتاب نازل فرمائی۔[’’فرقان‘‘ مصدر ہے‘ دو چیزوں میں فرق کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جب ان دونوں کے درمیان فاصلہ ہو جاتا ہے] قرآن مجید کو فرقان اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ حق و باطل کے درمیان فاصلہ اور فرق بیان کرتا ہے اور حلال اور حرام میں واضح طور پر فرق بیان کرتا ہے یا اس لیے کہ یہ قرآن مجید یکدم اکٹھا نازل نہیں ہوا بلکہ ایک دوسرے سے جدا جدا اور الگ الگ آیات اور سورتیں نازل کی گئیں‘ کیا تم نے اس آیت مبارکہ میں غور و فکر نہیں کیا: ’’وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا‘‘ (الاسراء:۱۰۶) ’’اور ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے اتارا تا کہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے‘‘۔ ﴿ عَلٰى عَبْدِهٖ ﴾ اپنے محبوب بندے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر ﴿ لِیَكُوْنَ ﴾ تا کہ یہ محبوب بندہ یا یہ فرقان (قرآن) ہو جائے ﴿ لِلْعٰلَمِیْنَ ﴾ تمام جہانوں کے لیے (یعنی) جنوں اور انسانوں کے لیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت و نبوت کا عام ہونا آپ کی خصوصیات میں سے ہے[1] ﴿ نَذِیْرًا ﴾ ڈرانے والا۔ ’’نذیرًا‘‘ بہ معنی ’’مُنْذِرًا‘‘ ہے یعنی ڈرانے والا یا پھر بہ معنی ’’اِنْذَارًا‘‘ ہے جیسے ’’نکیر‘‘ بہ معنی انکار ہے اور اسی سے یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ’’فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ‘‘ (القمر:۱۶) ’’سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا رہا‘‘۔

[1] کیونکہ ’’مشکوٰۃ شریف‘‘ باب فضائل سید المرسلین ﷺ میں ایک متفق علیہ (بخاری و مسلم کی) حدیث شریف خصائص مصطفےٰ میں بیان کی گئی ہے‘ جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے انبیائے کرام میں سے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں: (۱) ایک ماہ کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی گئی ہے (۲) تمام روئے زمین میرے لیے مسجد (عبادت گاہ) پاک بنا دی گئی ہے کہ میری امت میں سے جس آدمی کو جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں پڑھ لے (۳) میرے لیے اموالِ غنیمت حلال کر دیئے گئے ہیں‘ جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھے (۴) مجھے شفاعت کا منصب عطا کیا گیا ہے (۵) اور سابق انبیائے کرام میں سے ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور جب کہ میں تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔
(فائدہ) علامہ خازن لکھتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائلِ مخصوصہ کو بیان کیا گیا ہے‘ جن میں سے آپ کی ایک مخصوص فضیلت رسالتِ عامہ ہے جو تمام جن و انس کو شامل ہے جب کہ آپ سے پہلے نبی اپنی خاص قوم یا اپنے خاص شہر کی طرف مبعوث ہوتے تھے‘ پس ہمارے نبی کریم ﷺ کی رسالت تمام مخلوق کو شامل ہے۔
(تفسیر خازن ج ۳ ص ۵۲۳۔ ۵۲۴‘ مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ‘ مصر) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۲-﴿ الَّذِیْ ﴾ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے [یہ مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یا پھر ''اَلَّذِیْ نَزَّلَ'' سے بدل بن رہا ہے اور بدل اور مبدل منہ کے درمیان ''لِیَکُوْنَ'' کے ساتھ فاصلہ جائز قرار دیا ہے کیونکہ مبدل منہ کا صلہ ''نَزَّلَ'' ہے اور ''لِیَکُوْنَ'' اس کی علت ہے پس گویا مبدل منہ مکمل نہیں ہوسکتا مگر صرف اسی کے ساتھ یا پھر یہ مدح کی بناء پر منصوب ہے] ﴿ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی خالص بادشاہی ہے ﴿ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے اولاد نہیں بنائی جیسا کہ یہود و نصاریٰ کا گمان ہے کہ حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) ﴿ وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ ﴾ اور اس کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے جیسا کہ ثنویہ فرقہ نے گمان کر رکھا ہے ﴿ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ﴾ اور اسی نے ہر چیز کو پیدا فرمایا یعنی اسی (اللہ تعالیٰ) نے اکیلے ہر چیز کو از سرِ نو پیدا کیا۔ ایسا نہیں ہے جیسا مجوس و ثنویہ کہتے ہیں کہ (خیر کا خالق) نور ہے اور (شر کا خالق) ظلمۃ ہے' نور کو یزدان اور ظلمۃ کو اھرمن کہا جاتا ہے اور اس میں ان لوگوں کے لیے شبہ کی کوئی گنجائش نہیں جو کہتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ شے ہے اور نہ ان کے لیے جو کہتے ہیں کہ قرآن مجید مخلوق ہے [کیونکہ فاعل اپنی تمام صفات کے ساتھ متصف ہونے کی وجہ سے کسی صفت کے لیے مفعول نہیں ہوتا] علاوہ ازیں لفظ شے کا مخصوص معنی مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ شے وہ ہے جس کی تخلیق صحیح ہو' جس کا قرینہ ''خَلَقَ'' ہے اور یہ معتزلہ کے خلاف ہماری واضح ترین دلیل ہے کہ بندوں کے افعال مخلوق ہیں ﴿ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو مقرر کردہ ٹھیک اندازے پر رکھا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کی طبعی استعداد اور صلاحیت کے مطابق تیار کیا' جس میں کسی قسم کی کمی اور خلل نہیں رکھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس موجودہ شکل وصورت پر پیدا کیا' جس میں اسے بھیجا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو تکالیفِ شرعیہ اور دین و دنیا سے متعلقہ مصلحتوں کے لیے تیار کیا یا اسے معلوم و معین اور محدود و قصیر مدت تک باقی رکھنے کے لیے تیار کیا ہے۔

۳-﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ﴾ اور انہوں نے اس کے سوا معبود بنا رکھے ہیں یعنی بتوں کو معبود بنالیا۔ ''واتخذوا'' میں ضمیر کافروں کے لیے ہے اس لیے کہ وہ لوگ عالمین میں داخل ہیں یا پھر ''نذیرًا'' ان پر دلالت کرتا ہے کیونکہ انہیں کو ڈرایا جاتا ہے ﴿ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴾ وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے اور وہ تو خود پیدا کیے جاتے ہیں یعنی کفار نے بتوں کی پرستش کو اس ذاتِ اقدس کی عبادت پر ترجیح دی جو الوہیت و بادشاہی میں اور تخلیق میں یکتا اور واحد لاشریک ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے کہ کفار عاجز و بے بس بتوں کی عبادت کرتے ہیں' جو کسی چیز کے پیدا کرنے پر قدرت و اختیار نہیں رکھتے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ ''عالمین'' سے حضور کے زمانۂ اقدس سے لے کر قیامت تک تمام جن وانس مراد ہیں اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت اسی کی تائید و تصدیق کرتی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام جن وانس کے لیے رسالتِ عامہ دینِ اسلام میں بداہت کے ساتھ واضح ثابت ہے' لہٰذا اس کا منکر کافر ہے اور اسی طرح محققین کے نزدیک فرشتے بھی حضور کی امت میں شامل ہیں جیسے علامہ سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کی جماعت کی تحقیق ہے' جنہوں نے اس کی مخالفت کرنے والے کا خوب رد کیا ہے اور بعض محققین نے حضور کی رسالتِ عامہ پر قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا ہے' چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے ماسوا تمام کائنات عالَم ہے' پس آپ کی نبوت و رسالت تمام جن وانس اور ملائکہ کو عام ہے' نیز علامہ بارزی جیسے علماء نے فرمایا کہ حضور کی رسالت جمادات کو بھی شامل ہے جیسا کہ ''صحیح مسلم شریف'' کی حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّةً'' میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

(تفسیر روح المعانی جزء ۱۸ ص ۲۳۱-۲۳۲ 'مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

وہ خود مخلوق ہیں ﴿ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴾ اور وہ نہ اپنی جانوں کے لیے نقصان کے مالک ہیں اور نہ نفع کے مالک ہیں اور نہ وہ اپنی جانوں سے ضرر و تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ وہ اپنی جانوں کے لیے نفع حاصل کر سکتے ہیں ﴿ وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا ﴾ اور نہ وہ موت کا یعنی مارنے کا اختیار رکھتے ہیں ﴿ وَّلَا حَيٰوةً ﴾ اور نہ زندگی کا (یعنی) وہ زندگی دینے کا اختیار نہیں رکھتے ﴿ وَّلَا نُشُوْرًا ﴾ اور نہ وہ مرنے کے بعد زندہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور بتوں کو اہل عقول کی طرح اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ بت پرست اپنے بتوں کو اہل عقول سمجھتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝۴ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۵ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۶ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝۷ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝۸

اور کافروں نے کہا کہ یہ تو نہیں مگر سراسر جھوٹ ہے' اس نے اسے خود گھڑا ہے اور اس پر دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی' پس بے شک انہوں نے ظلم کیا اور جھوٹ بولا O اور انہوں نے کہا: یہ پہلے لوگوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں' جنہیں اس نے لکھ لیا ہے' سو وہی اس پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں O (اے محبوب!) فرما دیجئے: اسے اس نے نازل فرمایا ہے' جو آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ بات کو خوب جانتا ہے' بے شک وہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اور انہوں نے کہا کہ اس رسول کو کیا ہوا ہے کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے' اس پر فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا' پس وہ اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا O یا اس کی طرف خزانہ ڈال دیا جاتا یا اس کے لیے کوئی باغ ہوتا' جس میں سے وہ کھاتا' اور ظالموں نے کہا کہ تم پیروی نہیں کرتے مگر ایسے آدمی کی جس پر جادو کیا گیا ہے O

کفار کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قرآن مجید گھڑنے کا الزام اور اس سے براءت کا اعلان

٤- ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ﴾ اور کافروں نے کہا کہ یہ قرآن مجید نہیں ہے مگر من گھڑت افتراء اور سراسر جھوٹ ﴿ افْتَرٰىهُ ﴾ جس کو (سردار دو عالم حضرت) محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی طرف سے گھڑا ہے اور بناوٹی پیش کیا ہے ﴿ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ﴾ اور اس پر ان کی دوسری قوم نے مدد کی یعنی یہود یا عداس اور یسار اور ابو فکیہہ رومی نے مدد کی۔ یہ بات نضر بن حارث نے کہی تھی ﴿ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ﴾ سو بے شک انہوں نے ظلم کیا اور جھوٹ بولا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفار کی تردید کرنا اور ان کے ظالمانہ رویے کے بارے میں خبر دینا مقصود ہے [سو اس لیے ضمیر کفار کی طرف لوٹتی ہے اور "جَآءَ" بہ معنی "فَعَلَ" ہے' پس یہ اسی طرح متعدی ہے' جس طرح "فَعَلَ" متعدی ہوتا ہے یا حرف جار محذوف ہے' جس نے فعل کو ملا دیا یعنی ظلم اور جور کے ساتھ ملا دیا] اور ان کفار کا ظلم و ستم یہ ہے کہ انہوں نے ایک خالص عربی

کے بارے میں یہ فیصلہ دیا کہ وہ ایک عجمی آدمی سے ایسا عربی کلام سیکھتا ہے' جس نے عرب کے تمام فصحاء کو اپنی فصاحت و بلاغت سے عاجز کر دیا اور "زُوْر" یہ ہے کہ انہوں نے آپ پر ایسی چیز کی نسبت کر کے بہتان باندھا' جس سے آپ بَری اور منزہ تھے۔

٥- ﴿وَقَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ اور انہوں نے کہا کہ یہ پہلوں کی کہانیاں ہیں' یعنی وہ پہلے لوگوں کے افسانے ہیں اور ایسے قصے ہیں جن کو ان لوگوں نے گھڑ کر لکھ رکھا ہے جیسے رستم وغیرہ کے قصے ["اساطیر"، "اسطار" کی جمع ہے یا "اسطورة" کی جمع ہے جیسے "احدوثة" ہے] ﴿اِکْتَتَبَهَا﴾ جس کو اس نے اپنے آپ کے لیے لکھ لیا ہے ﴿فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ﴾ سو آپ پر وہ کلام اس کی کتاب سے پڑھا جاتا ہے ﴿بُكْرَةً﴾ دن کے شروع میں (صبح) ﴿وَّاَصِیْلًا﴾ اور دن کے آخر میں (شام کے وقت) پس آپ اسے یاد کر لیتے ہیں' جو آپ پر پڑھا جاتا ہے' پھر آپ اس کو ہمارے سامنے تلاوت کر دیتے ہیں۔

٦- ﴿قُلْ﴾ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! فرمائیے کہ ﴿اَنْزَلَهُ﴾ اس کو یعنی قرآن مجید کو نازل فرمایا ہے ﴿الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اس (خدا) نے جو آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہے یعنی وہ ہر اس پوشیدہ اور مخفی بات کو جانتا ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے یعنی بے شک قرآن مجید جب ایسے غیوب کے علم پر مشتمل ہے' جس کو بطورِ عادت محال و ناممکن ہے کہ حضور سرورِ عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر تعلیم کے جان لیں۔ یہ بات بذاتِ خود دلیل ہے کہ یہ قرآن مجید آپ پر علام الغیوب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے ﴿اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ بے شک وہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے' پس وہ ان کو مہلت دیتا ہے اور ان کو عذاب میں جلد نہیں پکڑتا اور اس لیے انہوں نے تکبر و غرور کر کے عذاب اپنے اوپر واجب و لازم کر لیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کھانے پینے اور کاروبار کرنے پر کفار کے ملحدانہ اعتراضات

٧'٨- ﴿وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ﴾ اور انہوں نے کہا: یہ کیسا رسول ہے [مصحفِ عثمانی میں لام کو "ھا" سے جدا کر کے لکھا گیا اور مصحفِ عثمانی کے مطابق لکھنا سنت ہے' اس میں تبدیلی نہیں کی جاتی (ورنہ "مَا لِهٰذَا" لکھا جاتا)] اور کفار کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسول کہنا ان کی طرف سے آپ کا مذاق اڑانے کے لیے تھا گویا انہوں نے کہا کہ انہیں کیا ہو گیا جو اپنے آپ کو رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام گمان کرتے ہیں ﴿یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ﴾ وہ کھانا کھاتے اور بازاروں میں کاروبار بھی کرتے ہیں [یہ حال ہے اور اس کا عامل "هٰذَا" ہے] ﴿لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًاۙ اَوْ یُلْقٰۤى اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا﴾ ان پر فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا جو ان کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا یا ان پر خزانہ نازل کیا جاتا یا ان کے لیے باغ ہوتا جس سے کھاتے پیتے' یعنی اگر یہ درست اور صحیح ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو انہیں کیا ہو گیا کہ یہ کھانا کھاتے ہیں جیسے ہم کھانا کھاتے ہیں اور یہ بازاروں میں روزگار کی تلاش میں کاروبار کرتے ہیں اور آتے جاتے ہیں جیسے ہم بازاروں میں کاروبار کرنے کے لیے آتے جاتے ہیں۔ دراصل کفار کا مقصد یہ تھا کہ رسولِ خدا کے لیے واجب و لازمی ہے کہ وہ فرشتہ ہو جو کھانے پینے سے اور ذریعۂ معاش کے حصول سے بے نیاز و مستغنی ہو' پھر یہ لوگ اس اعتراض سے نیچے اتر آئے کہ رسولِ خدا کم از کم اپنا انسان ہو' جس کے ساتھ لوگوں کو منوانے کے لیے ایک فرشتہ ہو جو ڈرانے' دھمکانے اور خوفِ خدا دلانے کے لیے ان کا معاون و مددگار ہو' پھر اس سے نیچے اتر آئے کہ وہ مال دار ہو' ان پر آسمان سے کوئی خزانہ نازل کیا جائے' جس سے مدد حاصل کریں اور ذریعۂ معاش کے حصول کی طرف احتیاج نہ رہے' پھر اس سے بھی نیچے اتر آئے یہاں تک کہ وہ کہنے لگے کہ چلو رسولِ خدا ایسا آدمی تو ضرور ہونا چاہیے جس کے پاس باغ ہو جس سے مال داروں کی طرح خوب کھائے پیئے یا ہم لوگ اس میں سے کھائیں [جیسے علی کسائی اور حمزہ کی قراءت میں "یَاْكُلُ" کی بجائے "نَاْكُلُ"

ہے اور فعل مضارع کا عطف فعل ماضی پر بہتر ہے اور وہ ''یُلْقٰی'' اور ''تَکُوْنُ'' کا ''اُنْزِلَ'' پر عطف ہے اور یہ دخیل المضارع ماضی ہے اور وہ یہ کہ معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان فعل مضارع دخیل ہو گیا ہے اور وہ ''فَیَکُوْنَ'' ہے اور ''فَیَکُوْنَ'' کے آخر میں مشہور قراءت کی بناء پر نصب دی گئی ہے کیونکہ یہ ''لَوْلَا'' کا جواب ہے' جو بہ معنیٰ ''ھَلَّا'' کے ہے اور اس کا حکم حرف استفہام جیسا ہے] ﴿وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ﴾ اور ظالموں نے مسلمانوں سے ان کے سامنے کہا کہ (تم سحر زدہ آدمی کی پیروی کرتے ہو) اور اسم مضمر کی بجائے اسم ظاہر ''ظَالِمِیْن'' کے ذکر سے مراد یہ ہے کہ کافروں پر ظلم کی مہر ثبت کی جائے جو کچھ انہوں نے کہا تھا اور اس سے قریشِ مکہ کے کفار مراد ہیں ﴿اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾ تم پیروی نہیں کرتے ہو مگر ایسے آدمی کی' جس پر جادو کیا گیا ہے' پس وہ دیوانہ ہو گیا ہے یا وہ جادو والا ہے' کفار کا مقصد یہ تھا کہ حضور محض انسان ہیں فرشتے نہیں ہیں۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝٩ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝١٠ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۚ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝١١ ع ۱۴

غور سے دیکھئے انہوں نے آپ کے لیے کیسی کیسی مثالیں بیان کی ہیں' سو وہ گمراہ ہو گئے' پس اب وہ سیدھا راستہ نہیں پا سکتے O وہ بڑی برکت والا ہے کہ اگر وہ چاہے تو آپ کے لیے اس سے بہترین باغات بنا دے' جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' اور وہ آپ کے لیے عالی شان محلات تیار کر دے O بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلایا' اور جس نے قیامت کو جھٹلایا اس کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے O

۹-﴿اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ﴾ اے محبوب! دیکھئے کہ انہوں نے (یعنی کفار نے) آپ کے لیے کیسی کیسی مثالیں بیان کی ہیں یعنی انہوں نے آپ کے بارے میں کیسی باتیں کہیں اور انہوں نے آپ کے لیے کیسے صفات و احوال گھڑ لیے ہیں کہ مفتری' لوگوں سے سن کر کلام بیان کرنے والا اور سحر زدہ کہا ﴿فَضَلُّوْا﴾ پس اس لیے وہ حق سے گمراہ ہو گئے ﴿فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا﴾ سو وہ لوگ حق کی طرف راستہ نہیں پا سکتے۔

کفار کے اعتراضات کا جواب' ان کے بُرے انجام اور پرہیزگاروں کے نیک انجام کا بیان

۱۰-﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا﴾ بڑا بابرکت ہے وہ (خدا) کہ اگر وہ چاہے تو وہ آپ کے لیے اس سے بہتر باغات بنا دے' جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور وہ آپ کے لیے عالی شان محلات بنا دے یعنی سب سے زیادہ خیر و بھلائی وہ ہو گی جو اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا میں اگر چاہے تو عطا فرما دے' جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا میں بھی اسی طرح باغات اور محلات عطا فرما دے جس طرح کے باغات و محلات کا آپ سے آخرت میں عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے [''جَنّٰتٍ''، ''خَيْرًا'' سے بدل ہے اور ''وَيَجْعَلُ'' ابن کثیر مکی' ابن عامر شامی اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں مرفوع ہے کیونکہ شرط جب فعل ماضی واقع ہو تو اس کی جزا میں جزم اور رفع دونوں جائز ہوتے ہیں]۔

۱۱-﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ﴾ بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلایا۔ [یہ ان کی بیان کردہ حکایت پر معطوف ہے [اللہ

تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بلکہ انہوں نے اس سے عجیب ترین بات کہی ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے قیامت کو جھٹلا دیا ہے یا پھر یہ اپنے قریب ماقبل سے متصل ہے' گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلا دیا تو وہ اس جواب کی طرف کیسے توجہ کریں گے یا اس جیسی نعمتوں کی کیسے تصدیق کریں گے' جن کا اللہ تعالیٰ نے آپ سے آخرت میں عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے حالانکہ وہ تو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ﴿وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا﴾ اور ہم نے قیامت کے جھٹلانے والے کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے (یعنی) ہم نے اس کے جھٹلانے والے کے لیے سخت ترین بھڑکتی ہوئی شعلے مارنے والی آگ تیار کر رکھی ہے۔

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ﴿۱۶﴾

جب انہیں دور کی جگہ سے دیکھے گی تو وہ اس کے جوش مارنے اور چلانے کی غضب ناک آوازیں سنیں گے O اور جب وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے اس کی تنگ جگہ میں ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں موت مانگیں گے O (انہیں کہا جائے گا کہ) آج تم ایک موت نہ مانگو بلکہ بہت سی موتیں مانگو O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ کیا یہ بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے والی جنت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے' یہ ان کے لیے اجر و ثواب اور نیک مرجع گاہ ہے O اس میں ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے وہ ہمیشہ رہیں گے' یہ مانگا ہوا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا آپ کے پروردگار کے ذمۂ کرم پر لازم ہے O

۱۲- ﴿اِذَا رَاَتْهُمْ﴾ جب وہ انہیں یعنی جب آگ انہیں اپنی طرف آتا ہوا دیکھے گی ﴿مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ﴾ دور جگہ سے یعنی جب آگ ان سے دوری میں دیکھنے والوں کی نظر کی انتہاء تک دور ہوگی تو ﴿سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا﴾ وہ لوگ آگ کے جوش مارنے اور چلانے کی غضب ناک آوازیں سنیں گے یعنی وہ اس کے ہانڈی کی طرح اُبلنے کی آوازیں سنیں گے اور اس کو جوش مارنے والی اور چلانے والی آواز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے یا پھر یہ معنی ہے کہ جب آگ پر مقرر زبانیہ فرشتے انہیں دیکھیں گے تو وہ کفار پر غضب ناک ہو کر دھاڑیں گے اور چلّائیں گے۔

۱۳- ﴿وَاِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا﴾ اور جب انہیں اس آگ کے تنگ مکان میں ڈال دیا جائے گا' جس میں تنگی کے ساتھ شدت کی تکلیف بھی ہوگی جیسے کشادہ جگہ کے ساتھ راحت و سکون ہوتا ہے اور اس لیے جنت کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ اس کی فقط چوڑائی آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہوگی (اور لمبائی پھر کتنی زیادہ ہوگی) اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ دوزخ ان پر اس طرح تنگ ہو جائے گی جس میں تیر کا پھل تیر میں تنگ ہو جاتا ہے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں "ضَيْقًا" میں "یا" ساکن ہے] ﴿مُّقَرَّنِيْنَ﴾ جکڑے ہوئے ہوں گے یعنی وہ تنگی کے ساتھ ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے اور ان کے ہاتھ ان کی گردنوں کی طرف طوقوں میں بندھے ہوئے ہوں گے یا ہر کافر

کے ساتھ اس کا شیطان ساتھی ایک زنجیر میں جکڑا ہوا ہوگا اور ان کے پاؤں میں بیڑیاں پہنی ہوئی ہوں گی ﴿دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا﴾ وہاں (یعنی) اس وقت وہ موت وہلاکت کی دعا کریں گے یعنی وہ لوگ کہیں گے: ''وَ اثْبُوْرَاہ'' یعنی اے موت! ادھر آ' پس یہ تیرا وقت ہے' سو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا:

١٤- ﴿لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا﴾ آج تم ایک موت نہ مانگو بلکہ تم بہت سی موتیں مانگو یعنی جس جگہ تم داخل ہو اس میں تمہاری ایک ہلاکت نہیں بلکہ اس میں تمہیں بہت سی ہلاکت خیز تکالیف اور عذاب سہنے پڑیں گے۔

١٥- ﴿قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ کیا یہ بہتر ہے یعنی دوزخ کی آگ کی جو صفت اوپر ذکر کی گئی ہے وہ بہتر ہے ﴿اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ﴾ یا ہمیشہ رہنے والی جنت جس کا پرہیزگاروں کو وعدہ دیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمالیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو ڈانٹنے کے لیے ''لَاخَيْرَ فِي النَّارِ'' کی بجائے ''اَذٰلِكَ خَيْرٌ'' فرمایا [موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے] ﴿كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا﴾ وہ (بہشت) ان کے لیے اجر و ثواب اور نیک مرجع گاہ ہے' یہاں اللہ تعالیٰ نے فعل ماضی ''كَانَتْ'' اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو وعدہ فرمالیتا ہے وہ گویا اپنے تحقق وثبوت کے لحاظ سے ہو چکا ہے یا یہ کہ پرہیزگاروں کی پیدائش سے پہلے یہ وعدہ لوحِ محفوظ میں لکھا جا چکا ہے۔

١٦- ﴿لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ﴾ ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے' وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے [''خٰلِدِيْنَ'' حال واقع ہو رہا ہے ''يَشَآءُوْنَ'' کی ضمیر سے] ﴿كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا﴾ یہ مانگا ہوا وعدہ آپ کے پروردگار کے ذمۂ کرم پر پورا کرنا لازم اور واجب ہے (یعنی) یہ وعدہ مطلوب ہے یا اس لائق ہے کہ اس کا سوال کیا جائے یا یہ کہ اس کا مسلمانوں نے اور فرشتوں نے اپنی اپنی دعاؤں میں سوال کیا ہے' مثلاً ''رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ'' (آل عمران:١٩٤) ''اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے ہم سے وعدہ فرمالیا ہے''۔ ''رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً'' (البقرہ:٢٠١) ''اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں دنیا میں بھی خیر و بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی ہمیں خیر و بھلائی عطا فرمانا''۔ ''رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ'' (غافر:٨) ''اے ہمارے پروردگار! تو ان کو چین کی بہشتوں میں داخل فرما' جن کا تو ان سے وعدہ فرما چکا ہے''۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿١٧﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿١٨﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿١٩﴾

اور جس دن وہ انہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی وہ عبادت کرتے تھے ان کو جمع کرے گا تو فرمائے گا: کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود راہ سے بھٹک گئے تھے○ وہ عرض کریں گے کہ تو پاک ہے' ہمارے لیے مناسب نہ تھا کہ ہم

تیرے سوا اوروں کو دوست بنا لیتے لیکن تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوشحال بنا دیا یہاں تک کہ وہ تیرے ذکر کو بھول گئے اور وہ تباہ کار لوگ ہو گئے○ سو جو کچھ تم کہتے رہے ہو اس میں تمہیں یہ یقیناً جھٹلا چکے ہیں' پس اب تم عذاب کو نہیں پھیر سکتے اور نہ مدد لے سکتے ہو' اور تم میں سے جو ظلم کرے گا ہم اسے بہت بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے○

قیامت کے دن بتوں کا اعلانِ براءت اور کفار کی شامت

۱۷- ﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو جمع فرمائے گا۔ جمہور علمائے اسلام کے نزدیک اس سے مرنے کے بعد روزِ حشر دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا اور میدانِ حشر میں جمع کرنا مراد ہے [ابن کثیر مکی' یزید' یعقوب اور امام حفص کی قراءت "یَا" کے ساتھ "یَحْشُرُهُمْ" ہے[1]] ﴿ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ مشرکین اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن معبودوں کی پرستش کرتے ہیں ان کو بھی جمع کیا جائے گا۔ معبودوں سے فرشتے اور حضرت مسیح و حضرت عزیر علیہما السلام مراد ہیں۔ کلبی (ضحاک اور عکرمہ) سے منقول ہے کہ معبودوں سے بت مراد ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ قوتِ گویائی عطا فرمائے گا اور بعض اہل علم نے فرمایا: عام ہے اور کلمہ "مَا" عقلاء اور غیر عقلاء دونوں کو شامل ہے کیونکہ اس سے وصف مراد ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بروزِ حشر مشرکین کو اور ان کے معبودوں کو جمع فرمائے گا ﴿ فَيَقُوْلُ ﴾ پھر ان سے فرمائے گا [ابن عامر شامی کی قراءت میں نون کے ساتھ "فَنَقُوْلُ" ہے] ﴿ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ ﴾ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا ["هٰٓؤُلَآءِ" "عِبَادِيْ" سے بدل ہے] اس سے مشرکین مراد ہیں یعنی (بتوں سے کہا جائے گا کہ) کیا تم نے ان مشرکین کو گمراہ کیا تھا ﴿ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴾ یا وہ خود گمراہ ہو گئے [اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ "ضَلُّوا عَنِ السَّبِيْلِ" ہوتا مگر انہوں نے حرفِ جار کو ترک کر دیا' جیسا کہ انہوں نے "هَدَاهُ الطَّرِيْقَ" میں حرف جار کو ترک کر دیا اور اصل میں "اِلَى الطَّرِيْقِ" یا "لِلطَّرِيْقِ" ہے اور "اَضَلَّهُ" کا مطاوع "ضَلَّ" ہے اور شبہ کا حرف داخل کر کے اس کا معنی یہ ہے کہ کیا تم نے ان کو راہِ حق سے بھٹکا کر گمراہی میں ڈال دیا یا وہ خود حق کی راہ سے بھٹک گئے تھے اور یہاں "ءَاَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ" نہیں فرمایا بلکہ "اَنْتُمْ" اور "هُمْ" کا اضافہ کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سوال فعل اور اس کے وجود سے نہیں ہے کیونکہ اگر اس کا وجود نہ ہوتا تو یہ عتاب بھی متوجہ نہ ہوتا لیکن یہ سوال فعل سے پھیر کر اس کے فاعل (یعنی بتوں) سے کیا گیا ہے' لہٰذا ان کا ذکر کرنا ضروری ہے اور اس پر حرفِ استفہام (سوالیہ حرف) داخل کرنا بھی ضروری ہے تاکہ مسئول عنہ کا علم ہو سکے اور اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ کو مسئول عنہ معلوم ہے لیکن ان سے سوال کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ یہ وہی جواب دیں جو انہوں نے دیا ہے تاکہ بتوں کے جھٹلانے پر بت پرستوں کو ڈانٹا جائے اور ان کی ندامت و حسرت بڑھ جائے]۔

۱۸- ﴿ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ ﴾ وہ عرض کریں گے: اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے۔ بتوں کی طرف سے بطورِ تعجب یہ کلمہ کہا جائے گا' اس سوال کی وجہ سے جو ان سے پوچھا جائے گا یا پھر وہ اس کلمہ "سُبْحَانَكَ" کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے شریکوں سے منزہ و مبرا ہونے کا ارادہ کریں گے اور یہ کہ اس کے لیے کوئی نبی یا کوئی فرشتہ یا ان کے علاوہ کوئی اور اس کا شریک نہیں ہو سکتا' پھر وہ عرض کریں گے: ﴿ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ ﴾ اور ہمیں یہ لائق نہیں تھا کہ ہم تیرے سوا اوروں کو دوست بنا لیتے یعنی ہمارے لیے صحیح نہیں ہے اور نہ ہمارے لیے یہ درست ہے کہ ہم تیرے سوا کسی کو دوست بنا لیں' پس یہ ہمارے لیے کیسے صحیح ہو گا کہ ہم اپنے غیروں کو گمراہ کریں کہ وہ تجھے چھوڑ کر ہماری عبادت کریں اور ہمیں

[1] ابن عامر شامی' ابو عمرو' حمزہ' علی کسائی' نافع مدنی' عاصم' شنبوذی' طلحہ' حسن' شعبہ اور خلف کی قراءت میں نون کے ساتھ "نَحْشُرُهُمْ" ہے۔ (معجم القراءات القرآنیہ ج ۴ ص ۲۷۷)

دوست بنالیں [یزید کی قراءت میں ''نُتَّخَذَ'' (نون پر پیش) پڑھا گیا ہے اور ''اِتَّخَذَ'' کبھی ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے ''اِتَّخَذَ وَلِیًّا'' اور کبھی دو مفعولوں کی طرف جیسے ''اِتَّخَذَ فُلَانًا وَلِیًّا'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ'' (الانبیاء:۲۱) ''کیا انہوں نے زمین میں سے کچھ معبود ٹھہرا لیے ہیں''۔ ''وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا'' (النساء:۱۲۵) ''اور اللہ تعالیٰ نے جناب ابراہیم کو خلیل بنالیا ہے''۔ سو پہلی قراءت میں ایک مفعول کی طرف متعدی ہے اور وہ ''مِنْ اَوْلِیَآءَ'' ہے اور یہ اصل میں ''اَنْ نَّتَّخِذَ اَوْلِیَآءَ'' ہے' حرف ''مِنْ'' نفی کے معنی کی تاکید کرنے کے لیے زیادہ کیا گیا اور دوسری قراءت میں دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے' پہلا مفعول فعل مجہول کی وجہ سے نائب فاعل ہے جسے مفعول مالم یسم فاعلہ کہتے ہیں اور دوسرا مفعول ''مِنْ اَوْلِیَآءَ'' اور ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے یعنی ہم بعضوں کو دوست نہیں بناتے کیونکہ حرف ''مِنْ'' دوسرے مفعول میں زیادہ نہیں کیا جاتا بلکہ صرف پہلے میں زائد ہوتا ہے' چنانچہ تم یہ تو کہہ سکتے ہو کہ ''مَا اتَّخَذْتُ مِنْ اَحَدٍ وَلِیًّا'' اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ ''مَا اتَّخَذْتُ اَحَدًا مِّنْ وَّلِیٍّ'']

﴿وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ﴾ اور لیکن تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوشحال بنا دیا (یعنی) مال و دولت اور اولاد اور دراز زندگی اور عذاب سے سلامتی دے کر انہیں آسودہ حال بنا دیا ﴿حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ﴾ یہاں تک کہ انہوں نے ذکر کو بھلا دیا یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر کو اور اس پر ایمان لانے کو اور قرآن مجید اور شرعی احکام کو بھلا دیا ﴿وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہلاک ہونے والی قوم تھی [''بور''، ''بائر'' کی جمع ہے جیسے ''عود''، ''عائد'' کی جمع ہے]۔

۱۹- پھر غائب سے عدول کر کے خطاب کے طریقہ پر کفار سے کہا جائے گا: ﴿فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ﴾ سو بے شک تمہارے باطل معبودوں نے تمہیں جھٹلا دیا ہے اور یہ اچانک حجت پیش کرنا اور الزام دینا بہت عمدہ طریقہ ہے' خصوصاً جب اس کے ساتھ خطاب مل جائے اور قول محذوف ہے جس کی نظیر یہ ارشاد ہے: ''یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ'' اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے رسول تشریف لا چکے ہیں جو تمہارے لیے احکامِ الٰہی بیان کرتے ہیں' رسولوں کی آمد کے بند ہو جانے کے بعد کہ کبھی یہ کہہ دو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری سنانے والا نہیں آیا اور نہ کوئی ڈرانے والا آیا ہے' پس بے شک تمہارے پاس خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے۔ (المائدہ:۱۹) اور ایک کہنے والے کا قول ہے:

قَالُوْا خُرَاسَانُ اَقْصٰی مَا یُرَادُبِنَا ثُمَّ الْعُقُوْلُ فَقَدْ جِئْنَا خُرَاسَانَا

''انہوں نے کہا کہ خراسان ہمارے مقصود سے بہت دور ہے' پھر قافلے ہمیں خراسان لے آئے''۔

﴿بِمَا تَقُوْلُوْنَ﴾ ان کے بارے میں جو تم کہتے ہو کہ وہ معبود ہیں [اور حرف ''بَا'' اس پر اس طرح ہے جس طرح (درج ذیل) ارشاد میں ہے: ''بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ'' (قٓ:۵) ''بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا اور اس کی تکذیب کی''۔ اور جار مجرور مل کر ضمیر سے بدل ہے' گویا فرمایا گیا ہے کہ بے شک انہوں نے (یعنی بتوں نے) تمہاری باتوں کی تکذیب کی اور قنبل کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''بِمَا یَقُوْلُوْنَ'' ہے اور اس کا معنی یہ ہے: بے شک انہوں نے اپنے قول سے تمہیں جھٹلایا' جیسے ارشاد ہے: ''سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ یَنْۢبَغِیْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِیَآءَ'' (الفرقان:۱۸) ''تو پاک ہے ہمیں لائق نہیں تھا کہ ہم تیرے سوا اوروں کو دوست بنا لیتے''۔ اور اس میں حرف ''بَا'' اس طرح ہے جس طرح تمہارے اس قول میں ہے کہ ''كَتَبْتُ بِالْقَلَمِ'' میں نے قلم کی مدد سے لکھا ہے] ﴿فَمَا تَسْتَطِیْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا﴾ پس اب تم نہ عذاب کو پھیر

سکتے ہو اور نہ تم کسی سے مدد لے سکتے ہو یعنی تمہارے بت نہ تم سے عذاب کو پھیر سکتے ہیں اور نہ وہ تمہاری کوئی مدد کر سکتے ہیں [اور امام حفص کی قراءت میں ''تَا'' کے ساتھ ہے] یعنی اے کافرو! تم اپنے آپ سے عذاب کو پھیر سکتے ہو اور نہ تم اپنی مدد کر سکتے ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے تمام مکلفین کو بطورِ عموم مخاطب کر کے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ ﴾ اور تم میں سے جو شخص ظلم کرے گا یعنی شرک کرے گا کیونکہ ظلم کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کے اپنے محل کی بجائے غیر کے محل میں رکھنا اور جس نے مخلوق کو اس خالق کے ساتھ شریک ٹھہرایا' اس نے یقیناً ظلم کیا جس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کر رہا ہے کہ ''اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ '' (لقمان:١٣) ''بے شک شرک کرنا ضرور بہت بڑا ظلم ہے''۔ ﴿ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴾ ہم اسے بہت بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ شخص دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہے گا اور یہ تفسیر مشرک کے لائق ہے فاسق کے لیے نہیں' البتہ معتزلہ اور خوارج کے قول پر ٹھیک ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿٢٠﴾ ع ١١ ١٧

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ بلاشبہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے' اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنادیا ہے' کیا تم صبر کرو گے اور آپ کا پروردگار سب کچھ دیکھنے والا ہے O

٢٠۔﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر بلاشبہ وہ کھانا کھاتے تھے اور وہ بازاروں میں چلتے پھرتے تھے [''اِنَّ'' میں کسرہ اس لیے دیا گیا ہے کہ خبر میں لام ہے اور ''اِلَّا'' کے بعد یہ جملہ محذوف موصوف کی صفت ہے اور معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے رسولوں میں سے کسی کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ سب کھانا کھانے والے اور کاروبار کے لیے بازاروں میں چلنے پھرنے والے ہوتے تھے اور جار مجرور پر اکتفا کرتے ہوئے موصوف ''احدًا'' کو حذف کر دیا گیا یعنی ''مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ''] اور اس کی مثال یہ ہے کہ ''وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ'' (الصافات:١٦٤) ''اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کے لیے ایک معین مقام ہے''۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ ان لوگوں پر حجت ہے جو کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے' نیز حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے تسلی ہے ﴿ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ﴾ اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنایا ہے یعنی امتحان و ابتلاء بنایا اور یہ رسول اللہ ﷺ کو صبر کی تلقین ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے آپ کو فقر و غربت پر عار دلائی تھی اور بازاروں میں کاروبار کے سلسلے میں آنے جانے پر عار دلائی تھی یعنی اللہ تعالیٰ نے اغنیاء کو فقراء کے لیے آزمائش بنایا' سو وہ جسے چاہتا ہے غنی بنا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے غریب و محتاج بنا دیتا ہے ﴿ اَتَصْبِرُوْنَ ﴾ کیا تم اس آزمائش پر صبر کرو گے' پس تمہیں اجر و ثواب دیا جائے گا یا تم صبر نہیں کر سکتے' پس تمہارا غم و رنج بڑھے گا اور ایک حکایت بیان کی گئی ہے کہ ایک نیک بزرگ اپنی معیشت کی تنگی کی وجہ سے بہت پریشان تھے' پھر روزگار کی تلاش میں پریشان ہو کر نکلے تو دیکھا کہ ایک نامرد آدمی سامان اٹھانے والے مزدوروں میں کام کر رہا ہے اور بزرگ کے دل میں کوئی خیال پیدا ہوا تو انہوں نے ایک شخص کو یہ آیت مبارکہ پڑھتے ہوئے سنا تو فوراً کہا: اے ہمارے پروردگار! ہم صبر کریں گے یا اس کا معنی ہے کہ اے محبوب! ہم نے آپ کو انسانوں کے لیے آزمائش و امتحان بنا کر بھیجا ہے کیونکہ اگر آپ غنی و مالدار اور خزانوں اور باغات کے مالک ہوتے تو لوگ آپ کی اطاعت صرف دُنیا کی خاطر کرتے یا دین و دنیا دونوں کے

لیے کرتے جس کی وجہ سے دینی معاملات دنیا سے ملوث ہوتے' سو ہم نے آپ کو صاحبِ فقر بنا کر بھیجا تا کہ جو شخص آپ کی اطاعت کرے تو اس کی اطاعت خالص ہمارے لیے ہو' اس میں دنیا کی آمیزش نہ ہو ﴿وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا﴾ اور آپ کا پروردگار سب کچھ دیکھنے والا ہے اور جس کو کسی آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے تو اس کی حسنِ نیت کو وہ خوب جاننے والا ہے یا وہ خوب جاننے والا ہے' کون صبر کرتا ہے اور کون جزع وفزع اور بے صبری کا مظاہرہ کرتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا ۗ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا ﴿٢١﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿٢٢﴾ وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا ﴿٢٣﴾ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا ﴿٢٤﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنزِيلًا ﴿٢٥﴾ الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَٰنِ ۚ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ﴿٢٦﴾

اور جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے' انہوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے گئے' یا ہم اپنے پروردگار کو اپنے سامنے دیکھ لیں' بے شک انہوں نے اپنے دلوں میں تکبر کیا اور بہت بڑی سرکشی کیO جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے' اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوشخبری نہیں ہو گی اور وہ کہیں گے: کوئی رکاوٹ آڑ بن جائےO اور ہم ان کے اعمال کی طرف توجہ کریں گے اور ہم ان کو غبار کے بکھرے ہوئے باریک ذرے بنا دیں گےO اس دن جنت والوں کا بہترین ٹھکانا ہو گا اور دوپہر کی نیند کے لیے بہترین آرام گاہ ہو گیO اور اس دن آسمان بادلوں کے ساتھ پھٹ جائے گا اور فرشتے نازل کیے جائیں گے جیسا نازل کرنے کا حق ہےO اس دن بادشاہی صرف رحمٰن کے لیے ثابت ہو گی اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہو گاO

کفار کی بدنصیبیاں اور جنت والوں کی خوش نصیبی

۲۱- ﴿وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا﴾ اور ان لوگوں نے کہا جو بھلائی کے ساتھ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کیونکہ وہ کافر ہیں' جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے پر ایمان نہیں رکھتے یا وہ ہمارے عذاب سے نہیں ڈرتے یا تو اس لیے کہ امیدوار جس چیز کی امید رکھتا ہے' وہ اس کے بارے میں ڈرنے والے کی طرح پریشان رہتا ہے [یا اس لیے کہ تہامہ کی لغت میں "رجاء" کا معنی خوف ہے] ﴿لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ﴾ ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے گئے (یعنی) انسان کی بجائے فرشتوں کو نبی اور رسول بنا کر ہم پر کیوں نہیں نازل کیا گیا یا یہ معنی ہے کہ حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت پر اور آپ کے رسالت کے دعویٰ کرنے پر گواہی دینے کے لیے فرشتوں کو ہمارے پاس کیوں نہیں بھیجا گیا ﴿أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا﴾ یا ہم اپنے رب تعالیٰ کو دیکھ لیتے (یعنی) اللہ تعالیٰ کھلم کھلا ہمارے سامنے آتا' ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے اور وہ ہمارے سامنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کی گواہی دینے اور ان کی پیروی کرنے کا ہمیں حکم دیتا ﴿لَقَدِ

اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ﴾ بے شک انہوں نے اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ لیا یعنی انہوں نے حق سے تکبر کرنے کو اپنے دلوں میں چھپائے رکھا اور اس سے کفر اختیار کرنا اور اپنے دلوں میں دین حق کے بارے میں بغض و عناد رکھنا مراد ہے ﴿ وَعَتَوْ ﴾ اور انہوں نے سرکشی کی اور انہوں نے ظلم و ستم کرنے میں حد سے تجاوز کیا اور حد سے بڑھ کر ظلم و ستم ڈھایا ﴿ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴾ بہت بڑی سرکشی۔ ''عتو'' کو ''کبیر'' کے ساتھ موصوف کر کے اس کی زیادتی میں مبالغہ کیا گیا کہ ان کی سرکشی بہت زیادہ بڑھ گئی یعنی بے شک انہوں نے صرف اس بہت بڑے بول بولنے پر ہی جسارت نہیں کی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے بہت بڑا تکبر بھی کیا اور وہ تکبر و سرکشی میں انتہاء کو پہنچ گئے [اور لام محذوف قسم کا جواب ہے]۔

٢٢۔﴿ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴾ جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے' اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوشخبری نہیں ہوگی۔ یعنی موت کے دن یا مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے دن [اور ''یَوْمَ'' منصوب ہے کیونکہ اس پر ''لَا بُشْرٰى'' دلالت کر رہا ہے یعنی جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن انہیں خوشخبری سے محروم کر دیا جائے گا اور خوشخبری سنانے سے روک دیا جائے گا اور ''يَوْمَئِذٍ''، ''يَوْمَ يَرَوْنَ'' کی تاکید کرنے کے لیے ہے یا پھر ''اُذْكُرْ'' مضمر (پوشیدہ) کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اے حبیب! اس دن کو یاد کیجئے' جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے خبر سنائی کہ اس روز انہیں جنت کی خوشخبری نہیں سنائی جائے گی اور یہ ''يَرَوْنَ'' سے منصوب نہیں ہے کیونکہ مضاف الیہ اپنے مضاف میں عمل نہیں کرتا اور نہ ''بُشْرٰى'' کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ یہ مصدر ہے اور مصدر اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اور اس لیے بھی کہ ''لَا'' کی وجہ سے منفی ہونے والا ''لَا'' کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اور ''لِلْمُجْرِمِيْنَ'' اسم ظاہر کو اسم ضمیر (لَهُمْ) کی جگہ لایا گیا ہے یا تو عام ہے اور اپنے عموم کی وجہ سے ان کو بھی شامل ہے اور اس سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جنہوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا اور اس سے کفار مراد ہیں' اس لیے کہ جب مطلق اسماء بولے جائیں تو اس وقت ان سے کامل ترین مسمیات مراد ہوتے ہیں]۔

﴿ وَيَقُوْلُوْنَ ﴾ اور وہ کہیں گے یعنی فرشتے کہیں گے: ﴿ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴾ ایسی رکاوٹ جو ممنوع ہے (یعنی) حرام ہے' جو تم پر خوشخبری کو حرام کر دیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر حرام کر دیا ہے' بے شک خوشخبری صرف مؤمنوں کے لیے ہے [اور ''حِجْرٌ'' مصدر ہے' اس کے شروع میں کسرہ اور فتح دونوں لغتوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور یہ ''حَجَرَهٗ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس کو روک دیا جائے اور یہ منصوبہ مصادر میں سے ہے جن کے افعال کے اظہار کو ترک کر دیا گیا ہے اور ''مَحْجُوْرًا''، ''حجر'' کے معنی کی تاکید کرنے کے لیے ہے' جیسا کہ عرب کہتے ہیں: ''مَوْتٌ مَائِتٌ'']۔

٢٣۔﴿ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴾ اور ہم ان کے ان اعمال کا قصد و ارادہ فرمائیں گے' جو انہوں نے زمانۂ کفر میں کیے تھے' تو ہم ان کو غبار کے بکھرے ہوئے ذرات کی طرح برباد کر کے فضا میں اُڑا دیں گے۔ ''مَنْثُوْرًا''، ''هَبَآءً'' کی صفت ہے اور وہاں آنا جانا نہیں ہوگا' اس لیے ''قَدِمْنَا'' اپنے اصل معنی میں نہیں ہے لیکن یہاں کفار اور ان کے اعمال کے حال کی مثال بیان کی گئی ہے' جو انہوں نے دنیا میں زمانۂ کفر میں کیے تھے جیسے صلۂ رحمی' مظلوم کی فریاد رسی کرنا' مہمان نوازی' قیدیوں کو آزاد کرنا اور یتیموں کی پرورش کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ان کی مثال بادشاہ کے مخالفوں اور نافرمانوں کے حال کے ساتھ پیش کی گئی ہے کہ بادشاہ ان کے پاس آئے اور ان کی جائیداد وغیرہ تمام چیزیں چھین لے اور اپنے ماتحت عملہ کو حکم دے جو باغیوں کو کچل دیں اور ان کے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور ان کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہنے دیں اور ''هَبَآءً'' وہ گرد و غبار ہوتا ہے' جو سورج کی کرنوں سے روشندانوں میں نکلتا ہوا دکھائی دیتا ہے' اسی کو غبار کے ساتھ

تشبیہ دی گئی ہے اور ''منثور'' جدا جدا اور بکھرے ہوئے ذرات کو کہا گیا ہے اور یہ اشارہ ہے کہ ان کے اعمال کو غبار کے بکھرے ہوئے ذرات کی طرح برباد کر دیا جائے گا' جو کبھی اجتماعیت کو قبول نہیں کریں گے اور نہ کبھی ان سے نفع اٹھایا جا سکے گا' پھر اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں پر جنتیوں کی فضیلت کو بیان کیا اور ارشاد فرمایا:

۲۴-﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَىٕذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا﴾ جنتی لوگ اس دن بہترین ٹھکانا میں ہوں گے [اور ''مُسْتَقَرًّا'' تمیز ہے] اور ''مستقر'' اس مکان کو کہا گیا ہے' جس میں جنتی حضرات اکثر اوقات میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھیں گے اور آپس میں مل کر ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کیا کریں گے ﴿وَّ اَحْسَنُ مَقِیْلًا﴾ اور بہترین آرام گاہ ہوگی (یعنی) وہ مکان جس میں جنتی لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ سکون و راحت حاصل کرنے کے لیے ٹھہریں گے اور آرام کریں گے اور جنت میں نیند نہیں ہوگی لیکن حوروں کے ساتھ جنتیوں کے آرام کرنے کو بطور تشبیہ ''مقیلا'' کہا گیا ہے اور ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس دن لوگ آدھے دن میں حساب سے فارغ ہو جائیں گے' پس اس لیے جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں قیلولہ کے وقت (دوپہر کے وقت آرام کرنے کے لیے سونے کو قیلولہ کہتے ہیں) داخل کیا جائے گا اور ''احسن'' کا ذکر کفار کا مذاق اُڑانے کے لیے کیا گیا ہے۔

۲۵-﴿وَیَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ﴾ اور اے محبوب! اس دن کو یاد کیجئے جس دن آسمان پھٹ جائے گا [اصل میں ''وَاذْكُرْ یَوْمَ'' ہے اور ''تَشَقَّقُ'' اصل میں ''تَتَشَقَّقُ'' تھا' اہل کوفہ اور ابوعمرو کے نزدیک ایک ''تا'' کو حذف کر دیا گیا اور ان کے علاوہ کے نزدیک ''تا'' کو شین میں مدغم کر دیا گیا ہے] ﴿بِالْغَمَامِ﴾ بادلوں کے سبب۔ جب آسمان کا پھٹنا اس میں سے بادلوں کے طلوع ہونے کا سبب ہوگا تو بادلوں کو سبب قرار دیا گیا گویا بادلوں کے سبب آسمان پھٹ جائے گا' جیسے کہا جائے کہ کوہان کو چھری سے کاٹا جائے اور کوہان اس کے سبب پھٹ گیا ﴿وَنُزِّلَ الْمَلٰٓىٕكَةُ تَنْزِیْلًا﴾ اور فرشتے نازل کیے جائیں گے [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''نُنْزِلُ'' (باب افعال سے) ہے اور ''تَنْزِیْلًا'' اس قراءت کے مطابق مصدر غیر لفظ فعل سے ہوگا] اور اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک آسمان سفید بادلوں کی وجہ سے کھل جائے گا' جو اس میں سے نکلیں گے اور ان بادلوں میں سے فرشتے نیچے اتریں گے اور ان کے ہاتھوں میں بندوں کے اعمال نامے ہوں گے۔

۲۶-﴿اَلْمُلْكُ یَوْمَىٕذِ ﹰالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ﴾ اس دن بادشاہی صرف رحمٰن کے لیے ثابت ہوگی اور اس دن سب بادشاہوں کی بادشاہیاں ختم ہو جائیں گی اور رحمٰن کی بادشاہی کے علاوہ کسی کی بادشاہی باقی نہیں رہے گی [''اَلْمُلْكُ'' مبتدا ہے اور ''یَوْمَىٕذٍ'' اس کا ظرف ہے' جب کہ ''اَلْحَقُّ'' اس کی صفت ہے اور اس کا معنی ہے: ثابت اور ''لِلرَّحْمٰنِ'' اس کی خبر ہے] ﴿وَكَانَ یَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا﴾ اور وہ دن کافروں پر بڑا سخت ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں پر وہ دن بڑا سخت ہو گیا اور اسی سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ دن مسلمانوں پر آسان ہوگا' چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ مسلمانوں پر قیامت کا دن آسان ہو گا' یہاں تک کہ وہ دن دنیا میں دوگانہ فرض نماز ادا کرنے سے کم وقت میں محسوس ہوگا۔

وَیَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى یَدَیْهِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا ۝ یٰوَیْلَتٰى
لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ ؕ وَكَانَ
الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝ وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ

مَهْجُورًا ﴿۳۰﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا ﴿۳۱﴾

اور اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو چبائے گا (اور یہ) کہے گا کہ ہائے افسوس کہ میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کیا ہوتاO ہائے افسوس! کاش کہ میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتاO بے شک اس نے مجھے نصیحت سے بہکا دیا اس کے بعد کہ وہ میرے پاس پہنچ چکا تھا' اور شیطان انسان کو رسوا کرنے والا ہےO اور رسول نے کہا: اے میرے پروردگار! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیاO اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے مجرموں میں سے ایک شخص کو دشمن بنا دیا اور آپ کا رب تعالیٰ ہدایت دینے والا اور مدد کرنے والا کافی ہےO

۲۷- ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ﴾ اور اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو چبائیں گے۔ ہاتھوں کے چبانے سے غیظ وغضب اور حسرت وندامت کی طرف اشارہ ہے' کیونکہ ہاتھوں کا چبانا ندامت وشرمندگی اور غیظ وغضب اور غصے کے مترادف اور تابع ہے' سو مترادف وتابع کا ذکر کیا گیا اور اس کے ذریعے مردوف ومتبوع مراد لیا گیا' پس اب یہ کلام اس کی وجہ سے فصاحت کے طبقہ میں بلند وبالا ہو گیا ہے اور سننے والا اس کو اپنے دل میں اس قدر محفوظ کرے گا' جس قدر اصل متبوع کے سننے کے وقت محفوظ نہ کر پاتا [اور (الظالم) میں لام عہد خارجی کا ہے] اور اس سے عقبہ بن ابی معیط مراد ہے' جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا [یا پھر یہ لام جنس کے لیے ہے] پس اب یہ عقبہ وغیرہ تمام کفار کو شامل ہے ﴿يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ﴾ وہ کہے گا کہ کاش! میں نے دنیا میں بنا لیا ہوتا ﴿مَعَ الرَّسُولِ﴾ اس محترم ومکرم رسول حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ﴿سَبِيلًا﴾ نجات پانے اور جنت میں جانے کا راستہ اور اس سے ایمان لانا مراد ہے۔

۲۸- ﴿يَا وَيْلَتَىٰ﴾ ہائے افسوس! [اور اس کو آخر میں الف کی بجائے ''یا'' کے ساتھ ''يَا وَيْلَتِي'' بھی پڑھا گیا ہے اور یہ اصل ہے کیونکہ آدمی بہ وقتِ ندامت ''یا'' متکلم کے ساتھ ندا کرتا ہے اور اس سے ہلاکت مراد ہے۔ آدمی اسے کہتا ہے: اے ہلاکت! ادھر میرے پاس آ جا' پس یہ تیرے آنے کا وقت ہے' پھر ''یا'' کو الف سے تبدیل کر دیا ہے جیسا کہ ''صحارٰی'' اور ''مدارٰی'' میں کیا گیا ہے] ﴿لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا﴾ کاش! میں نے فلاں آدمی کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ فلاں نام لینے کی طرف اشارہ ہے' پھر ''الظالم'' سے عقبہ مراد ہے تو اس کے اسم (نام) کی طرف اشارہ ہے' جیسا کہ روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ عقبہ بن ابی معیط نے ضیافت کے لیے دعوت کا اہتمام کیا اور اس دعوت میں رسول اللہ ﷺ کو بھی بلایا (کیونکہ آپ اس کے ہمسایہ تھے) تو آپ تشریف لے گئے لیکن آپ نے اس کا کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا: جب تک تم توحید ورسالت کی گواہی نہیں دو گے' میں تمہارا کھانا نہیں کھاؤں گا اور اس نے (یہ سوچ کر کہ آپ بغیر کھانا کھائے واپس نہ چلے جائیں) کلمہ پڑھ لیا تو اس کے ایک دوست اُبی بن خلف (جو دعوت میں شریک نہ ہو سکا) نے اس سے کہا کہ جب تک تم اس دین سے واپس رجوع نہیں کر لیتے' تیری میری ملاقات حرام اور دوستی ختم' چنانچہ عقبہ مرتد ہو گیا' سو اب آیت مبارکہ کا معنی یہ ہو گا: کاش! میں نے اُبی بن خلف کو دوست نہ بنایا ہوتا اور اگر اس ''الظالم'' سے جنس مراد ہے تو پھر وہ تمام ظالم مراد ہوں گے' جنھوں نے گمراہ کرنے والوں کو اپنا دوست بنا لیا تھا اور اب ''خلیل'' اسم علم ہو گا اور آیت مبارکہ میں ''فُلَانًا خَلِيلًا'' میں اسی کی طرف اشارہ ہو گا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ ''خلیل'' سے شیطان مراد ہے (یعنی کاش! میں نے شیطان کو دوست نہ بنایا ہوتا)۔

۲۹- ﴿لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ﴾ بے شک اس نے مجھے نصیحت سے بہکا دیا (یعنی) اللہ تعالیٰ کے ذکر سے یا قرآن

مجید سے یا ایمان لانے سے بہکا کر دور کر دیا ﴿بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ﴾ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے پاس آ چکا ﴿وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا﴾ اور شیطان انسان کو رسوا کرنے والا ہے یعنی اس کا دوست جس کا نام شیطان رکھا گیا ہے کیونکہ اس نے اسی طرح گمراہ کیا' جس طرح شیطان گمراہ کرتا ہے یا ابلیس مراد ہے کیونکہ یہ اس شخص پر فوراً حملہ آور ہو جاتا ہے جو کسی گمراہ کرنے والے کو دوست بنا لیتا ہے اور رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کرتا ہے اور یہاں "انسان" سے اس کا مطیع وفرماں بردار آدمی مراد ہے (ہر انسان نہیں) اور "خَذُوْلًا" کا معنی ہے: بہت ذلیل وخوار اور بہت رسوا کرنے والا۔ یہ "خذلان" سے ماخوذ ہے اور مبالغہ کے لیے ہے یعنی ابلیس کی عادت ہے' جو اس کو اپنا دوست بنا لیتا ہے' اسے گمراہ کر کے چھوڑ دیتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی حکایت ہے یا پھر یہ اسی ظالم کا کلام ہے۔

٣٠۔ ﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ﴾ اور رسول نے کہا۔ (سیّد عالم حضرت) محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دنیا میں (قریش مکہ کی ہٹ دھرمی دیکھ کر) عرض کیا کہ ﴿یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی﴾ اے میرے پروردگار! بے شک میری قوم قریش نے ﴿اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ اس قرآن مجید کو متروک کر دیا یعنی چھوڑ دیا اور اس پر ایمان نہیں لائی [اور "مَهْجُوْرًا"، "ھجران" سے ماخوذ ہے اور یہ "اِتَّخَذُوْا" کا دوسرا مفعول ہے] اور اس آیت مبارکہ میں اپنی قوم کو ڈرانے کے لیے اور ان کی شکایت کرنے کے لیے دھمکی ہے' کیونکہ جب انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی قوم کی شکایت کرتے ہیں تو ان پر عذاب نازل ہو جاتا ہے اور انہیں مہلت نہیں دی جاتی' پھر اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دینے کے لیے آپ کی طرف متوجہ ہوا اور کفار کے خلاف آپ کی مدد کرنے کا وعدہ کیا اور آپ کو مخاطب کر کے فرمایا:

٣١۔ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِیًا وَّنَصِیْرًا﴾ اور اسی طرح ہم نے مجرموں میں سے ہر نبی کے لیے دشمن بنا دیئے اور آپ کا رب تعالیٰ ہدایت دینے والا اور مدد کرنے والا آپ کو کافی ہے یعنی اسی طرح آپ سے پہلے ہر نبی کو اپنی قوم کی طرف سے عداوت ودشمنی میں مبتلا کیا گیا اور میں ان کو مغلوب ومقہور کرنے کی راہ کی طرف آپ کی رہنمائی کرنے کے لیے اور ان سے انتقام لینے کے لیے اور ان کے خلاف آپ کی مدد کرنے کے لیے کافی ہوں [اور "عَدُوًّا" کو واحد اور جمع لانا' دونوں طریقے جائز ہیں اور حرف "بَا" زائدہ ہے اور "هَادِیًا وَّنَصِیْرًا" تمیز ہیں] یعنی آپ کا رب تعالیٰ ہدایت دینے والا اور مدد کرنے والا ہدایت میں کافی ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ﴿٣٣﴾ اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿٣٤﴾

اور کافروں نے کہا کہ اس پر سارا قرآن ایک دفعہ کیوں نہیں نازل کیا گیا' اسی طرح تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا تا کہ ہم اس کے ذریعے آپ کے دل مبارک کو مضبوط کر دیں اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا○ اور وہ آپ کے پاس کوئی مثال نہیں لائیں گے' مگر ہم آپ کے پاس حق بات اور بہترین وضاحت پیش کریں گے○ انہیں لوگوں کو دوزخ میں اپنے مونہوں

کے بل جمع کیا جائے گا' انہیں لوگوں کا بدترین ٹھکانا ہے' اور (یہی لوگ) سب سے زیادہ گمراہ ہیںO

۳۲-﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کافروں نے کہا۔ یعنی قریش نے یا یہود نے کہا کہ ﴿لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً﴾ ان پر سارا قرآن مجید ایک دم کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ [''جُمْلَةً''، ''قُرْاٰن'' سے حال ہے' سارا قرآن مجید جمع کر کے]۔ ''وَاحِدَةً'' ایک دفعہ یعنی یہ قرآن مجید حضور پر سارے کا سارا ایک دفعہ ایک وقت میں اس طرح کیوں نہیں نازل کیا گیا' جس طرح تورات' انجیل اور زبور تینوں کتابیں بیک وقت ساری نازل کی گئی تھیں اور اس قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل کیا گیا؟ اور یہ فضول قول ہے اور یہ ایسا جھگڑا ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ قرآن مجید کے معجزہ اور حجت ہونے کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا خواہ ایک دفعہ نازل کیا جائے خواہ متفرق نازل کیا جائے اور (نُزِّلَ) یہاں بہ معنی ''انزل'' ہے ورنہ ''جُمْلَةً وَّاحِدَةً'' سے ٹکراؤ ہو جائے گا اور یہ اعتراض فاسد ہے کیونکہ انہیں چھوٹی سورتوں میں سے کسی ایک سورت کے لانے کا چیلنج کیا گیا' لیکن ان کا عجز ظاہر ہو گیا' یہاں تک کہ انہوں نے دشمنی کرنے میں پناہ لی اور مخالفت شروع کر دی اور وہ جنگ کرنے کے لیے مجبور ہو گئے اور انہوں نے اپنی جانیں بھی قربان کر دیں لیکن دلائل کا مقابلہ دلائل سے نہ کر سکے ﴿كَذٰلِكَ﴾ یہ ان کا جواب ہے یعنی اسی طرح یہ قرآن مجید بیس سال میں یا تئیس سالوں میں متفرق نازل کیا گیا ہے اور (كَذٰلِكَ) میں ارشادِ باری تعالیٰ ''لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً'' کے مفہوم کی طرف اشارہ ہے' اس لیے کہ اس کا معنی ہے کہ آپ پر یہ قرآن متفرق کیوں نازل کیا گیا؟ تو انہیں آگاہ کیا گیا اور بتلایا گیا کہ یہ اس لیے کیا گیا ہے ﴿لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ﴾ تاکہ ہم اس کے ذریعے آپ کے دل کو مضبوط کر دیں (یعنی) تاکہ ہم اس کو متفرق نازل کرنے کے ذریعے آپ کے دل کو قوی اور مستحکم بنا دیں' حتیٰ کہ آپ اسے سینے میں محفوظ کر سکیں اور اس کو حفظ کر لیں کیونکہ سیکھنے والے کا دل علم کے حفظ کرنے میں اس وقت قوی و مضبوط ہوتا ہے' جب اسے تھوڑا تھوڑا کر کے ایک ایک حصہ یاد کرایا جائے اور اگر سارا ایک دفعہ اس پر ڈال دیا جائے تو وہ اس کے حفظ کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے یا یہ معنی ہے: تاکہ ہم متواتر وحی کے وصول اور فرشتے کے مسلسل آتے رہنے سے آپ کے قلب مبارک کو ہر قسم کی تنگی سے محفوظ و مضبوط کر دیں کیونکہ محبّ کا دل محبوب کے خطوط کے ملتے رہنے سے تسکین حاصل کرتا ہے اور محبوب کی کتاب سے محبّ کو سکون ملتا ہے ﴿وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا﴾ اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا [یہ اسی فعل پر معطوف ہے' جس کے ساتھ ''كَذٰلِكَ'' متعلق ہے] گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی طرح ہم نے اس قرآن مجید کو متفرق کر کے نازل کیا ہے اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا ہے یعنی ہم نے ایک آیت کے بعد دوسری آیت کو نازل کیا اور وقفہ وقفہ سے نازل کیا یا یہ معنی ہے کہ ہم نے قرآن مجید کی قراءت کو ترتیل سے پڑھنے کا حکم دیا اور یہ اس (درج ذیل) ارشاد کے مطابق ہے: ''وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا'' (المزمل:۴) ''اور اے محبوب! قرآن مجید کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے''۔ یعنی اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے یا یہ معنی ہے کہ ہم نے اس قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر بیان کیا' وقفہ وقفہ سے تفصیل بیان کی اور ''تبیین'' اور ''ترتیل'' کا معنی ٹھہر ٹھہر کر اور وقفہ سے بیان کرنا یا پڑھنا ہے۔

۳۳-﴿وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ﴾ اور وہ (کفارِ مکہ) اپنے باطل و بے ہودہ سوالات میں سے کوئی عجیب و غریب باطل سوال آپ پر پیش نہیں کریں گے (مگر ہم اس کے مقابلے میں حق جواب عنایت فرما دیں گے) گویا ''بِمَثَلٍ'' باطل اُمور کی مثال دیتے وقت بولا جاتا ہے ﴿اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ﴾ مگر ہم آپ کے پاس ایسا حق پر مبنی جواب پیش کریں گے' جس سے ان کو انکار کی گنجائش نہیں رہے گی ﴿وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا﴾ اور وہ معنی اور بیان کے اعتبار سے ان کی مثل یعنی ان کے باطل و بے ہودہ سوال سے بہت بہترین ہوگا [اور ''تفسیرًا'' کے بعد ''مِنْ مِّثْلِهِمْ'' کو صرف اس لیے حذف کیا گیا ہے کہ خود کلام اس

پر دلیل ہے جیسا کہ اگر تم ''رَاَیْتُ زَیْدًا وَّعُمَرَ وَکَانَ عُمَرُ اَحْسَنَ وَجْهًا'' کہو (کہ میں نے زید اور عمر دونوں کو دیکھا ہے اور عمر کا چہرہ زیادہ خوب صورت ہے) تو یہ کلام خود دلیل ہے' تمہارا مقصد زید سے زیادہ حسین کہنا ہے اور جب کہ تفسیر اس معنی ومفہوم کی وضاحت و تفصیل بیان کرنا ہے' جس پر کلام دلالت کرتا ہے تو اس لیے اس کو اس کے معنی کی جگہ پر رکھ دیا گیا ہے] چنانچہ عربی دان کہتے ہیں: ''تَفْسِیْرُ هٰذَا الْكَلَامِ كَیْتَ وَكَیْتَ'' یعنی اس کلام کا معنی ومفہوم اور وضاحت اس طرح اور اس طرح ہے' جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ''مَعْنَاهُ كَذَا وَكَذَا'' اس کا معنی اس طرح اور اس طرح ہے' یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ آپ کے پاس کوئی مثال یا عجیب صفت جیسے کہتے ہیں کہ آپ پر یہ قرآن ایک دم کیوں نہیں نازل کیا گیا' پیش نہیں کریں گے مگر ہم آپ کو ایسی صفت عطا کریں گے جو آپ کے لیے حق کے ساتھ ثابت ہوگی اور ہماری حکمت کے مطابق آپ کو عطا کی جائے گی اور آپ کو جس صفت پر بھیجا گیا ہے' اس کی زیادہ عمدہ وضاحت ہوگی اور اس کی صحت پر زیادہ واضح طور پر دلالت و رہنمائی کرے گی یعنی قرآن مجید کا متفرق نازل کیا جانا اور کفار کو ان متفرق آیات وسورتوں میں سے کسی سورت یا آیت کی مثل لانے کا چیلنج دینا اور ان کا نہ لاسکنا۔ ان میں سے جب بھی کوئی سورت یا آیت نازل کی جائے گی' وہ یک بارگی قرآن مجید کے نازل کرنے سے معجزہ ہونے میں بڑھ کر ہوگی۔

۳۴۔﴿ اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اِلٰی جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓىٕكَ شَرٌّ ﴾ انہیں لوگوں کو ان کے مونہوں کے بل دوزخ میں جمع کیا جائے گا' یہی لوگ بدترین ہیں [''اَلَّذِیْنَ'' مبتدا ہے اور ''اُولٰٓئِكَ'' دوسرا مبتدا ہے اور ''شَرٌّ''، ''اُولٰٓئِكَ'' کی خبر ہے اور ''اُولٰٓئِكَ'' اپنی خبر ''شرٌّ'' کے ساتھ مل کر ''اَلَّذِیْنَ'' کی خبر ہے یا مقدر عبارت ''هُمُ الَّذِیْنَ'' یا ''اَعْنِی الَّذِیْنَ'' ہے اور ''اُولٰٓئِكَ'' سے جملہ مستأنفہ ہے] ﴿ مَّكَانًا ﴾ مقام ومنزل اور رہائش گاہ' ٹھہرنے کی جگہ ﴿ وَّاَضَلُّ سَبِیْلًا ﴾ اور وہ راہِ راست سے بہت زیادہ بھٹک گئے ہیں یعنی وہ بہت زیادہ غلط راستے پر پڑ چکے ہیں [اور یہ مجازی اسناد میں سے ہے] اور معنی یہ ہے کہ تمہیں ان سوالات پر ابھارنے اور ترغیب دینے والی چیز یہ ہے کہ تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راستے سے بھٹک چکے ہو اور تم ان کے ٹھکانا کو اور ان کے مرتبہ ومنزلت کو حقیر جانتے ہو اور اگر تم انصاف کی آنکھ سے دیکھو گے جب کہ تمہیں تمہارے مونہوں کے بل دوزخ کی طرف گھسیٹا جارہا ہوگا تو ضرور تم جان لو گے کہ بے شک تمہارا ٹھکانا ان کے ٹھکانا سے بدتر ہے اور تمہاری راہ ان کی راہ سے بہت بھٹکی ہوئی ہے اور ان کے راستے کے بارے میں ارشاد ہے: ''قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَیْهِ'' (المائدہ:۶۰) ''اے محبوب! فرمادیجئے کہ کیا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بدتر درجہ والا بتادوں؟ وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور وہ اس پر غضب ناک ہوا ہے''۔ اور حضور نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کو تین قسموں پر جمع کیا جائے گا' ایک قسم ان لوگوں کی ہوگی جو سواریوں پر سوار ہوں گے اور ایک قسم پیدل چلنے والے لوگوں کی ہوگی اور ایک قسم اپنے مونہوں کے بل چل کر میدانِ محشر میں پہنچے گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! لوگ اپنے چہروں کے بل کیسے چل سکیں گے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا: جو خدا انہیں ان کے پاؤں پر چلاتا رہا' وہی ان کو ان کے چہروں کے بل چلائے گا۔[1]

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِیْرًا ۝۳۵ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ

[1] رواہ البخاری فی کتاب تفسیر' سورہ ۲۵' باب:۱' مسلم فی کتاب المنافقین حدیث:۵۴' الترمذی فی کتاب تفسیر' سورت ۱۷' باب:۱۲' احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۲۵۴۔ ۳۹۳

الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًاؕ(۳۶) وَ قَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَ جَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰیَةًؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا(۳۷) وَّ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ وَ قُرُوْنًۢا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا(۳۸) وَ كُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ٘ وَ كُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا(۳۹)

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور ہم نے اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو اس کا مددگار بنایاO سو ہم نے ان دونوں کو فرمایا کہ تم اس قوم کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا' پھر ہم نے ان کو ہلاک کر کے تباہ کر دیاO اور قومِ نوح کو جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں غرق کر دیا اور ہم نے ان کو لوگوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہےO اور ہم نے عاد اور ثمود اور کنویں والوں کو اور ان کے درمیان بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیاO اور ہم نے ہر ایک کی مثالیں بیان کیں اور ہم نے سب کو ہلاک کر کے نیست و نابود کر دیاO

انبیائے کرام علیہم السلام کے مخالفوں کا بُرا انجام

۳۵- ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ﴾ اور بے شک ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (یعنی) تورات عطا فرمائی جیسا کہ ہم نے آپ کو قرآن مجید عطا فرمایا ﴿وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِیْرًا﴾ اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو مددگار بنایا [''ھارون''، ''اخاہ'' سے بدل ہے یا پھر عطف بیان ہے] اور ''وزیر'' لغت میں اس شخص کو کہا جاتا ہے' جس کی طرف تمام معاملات کے حل کے لیے رجوع کیا جائے اور اس کی رائے اور مشورہ کا احترام کیا جائے' یہ ''وَزَر'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: پناہ گاہ اور وزارت نبوت کے منافی نہیں ہے کیونکہ قبل از اسلام ایک زمانہ میں کئی پیغمبروں کو بھیجا جاتا تھا اور انہیں حکم دیا جاتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔

۳۶- ﴿فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَی الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا﴾ سو ہم نے فرمایا کہ تم دونوں اس قوم کے پاس چلے جاؤ' جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا یعنی فرعون اور اس کی قوم کے پاس چلے جاؤ اور اس کی تقدیر عبارت یوں ہے: ''فَذَهَبَا اِلَیْهِمْ وَاَنْذَرَا فَكَذَّبُوْهُمَا'' سو وہ دونوں ان کی طرف تشریف لے گئے اور ان دونوں نے ڈرایا دھمکایا' پس فرعونیوں نے دونوں کی تکذیب کی اور جھٹلایا ﴿فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا﴾ پھر ہم نے ان کو ہلاک کر کے نیست و نابود کر دیا۔ ''تدمیر'' کا معنی ہے کہ کسی چیز کو عجیب طریقے سے ہلاک کرنا۔ چونکہ اس قصہ کو مختصر بیان کرنا مقصود و مراد ہے' اس لیے اس کے شروع اور آخر کا ذکر کیا گیا کیونکہ اس قصہ سے یہی دونوں چیزیں مقصود ہیں یعنی رسولوں کو بھیج کر ان پر حجت قائم کرنا اور انہیں رسولوں کے جھٹلانے کی وجہ سے ہلاک کرنے کا مستحق قرار دینا۔

۳۷- ﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ﴾ ''اَیْ وَدَمَّرْنَا قَوْمَ نُوْحٍ'' یعنی ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کر دیا ﴿لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ﴾ جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا یعنی حضرت نوح' حضرت ادریس اور حضرت شیث علیہم السلام یا پھر ان کا ان میں کسی ایک پیغمبر کو جھٹلانا سب کو جھٹلانا ہے ﴿اَغْرَقْنٰهُمْ﴾ ہم نے ان کو طوفان میں غرق کر دیا ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰیَةً﴾ اور ہم نے ان کو لوگوں کے لیے عبرت بنا دیا (یعنی) ہم نے ان کے غرق ہونے کو یا ان کے قصے کو لوگوں کے لیے عبرت بنا دیا تاکہ وہ ان کے قصے سے عبرت حاصل کریں ﴿وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب یعنی

دوزخ کی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ''ظالمین'' سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہے اور اس کی اصل ''وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ'' ہے' مگر ان کے ظلم وستم ڈھانے کا اظہار مقصود ہے' اس لیے ضمیر کی جگہ ''لـلظالمین'' کو ظاہر کر کے بیان کیا گیا ہے یا یہ ہر اس شخص کے لیے عام ہے' جس نے شرک جیسے عظیم ظلم کا ارتکاب کیا اور یہ اس صورت میں اپنے عموم کی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو بھی شامل ہے۔

۳۸۔﴿وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ﴾ ''اَیْ وَدَمَّرْنَا عَادًا وَّثَمُوْدَا'' یعنی ہم نے عاد اور ثمود کی قوم کو ہلاک کر دیا [حمزہ اور حفص کی قراءت میں قبیلہ کی تاویل پر ''ثَمُوْدَا'' (تنوین کے بغیر ہے) اور ان دونوں کے علاوہ کے نزدیک ''وَثَمُوْدًا حَیٌّ'' کی تاویل پر (تنوین کے ساتھ پڑھا گیا ہے) یا یہ بڑے باپ کا نام ہے] ﴿وَّاَصْحٰبَ الرَّسِّ﴾ اور کنویں والوں کو ہلاک کر دیا۔ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی جو بتوں کی عبادت کرتی تھی اور انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا اور اسی دوران یہ لوگ اس یعنی کنویں کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کا معنی کنواں ہے اور یہ کچا کنواں تھا' جو بغیر اینٹوں کے صرف گڑھا کھود کر تیار کیا گیا تھا' جس سے یہ لوگ خود اور اپنے جانوروں کو سیراب کرتے تھے کہ ایک دن یہ کنواں بمع پوری آبادی کے زمین میں دھنس گیا اور بعض نے کہا کہ ''الرس'' ایک بستی کا نام ہے' جس کے باشندوں نے اپنے نبی کو قتل کر دیا' جس کے سبب انہیں ہلاک کر دیا گیا یا اس سے خندق والے لوگ مراد ہیں کیونکہ ''الرس''، ''اخدود'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے ﴿وَقُرُوْنًا﴾ اور ہم نے بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا ﴿بَیْنَ ذٰلِكَ﴾ مذکورہ بالا امتوں کے درمیان ﴿كَثِیْرًا﴾ بہت زیادہ امتیں' جنہیں اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی نہیں جانتا' ان کی طرف بہت سے رسولوں کو بھیجا گیا لیکن انہوں نے سب کو جھٹلا دیا' پس انہیں اسی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا۔

۳۹۔﴿وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ﴾ اور ہم نے ہر ایک کی مثالیں بیان کیں (یعنی) ہم نے پہلے لوگوں کے قصوں میں سے عجیب وغریب قصے بیان کیے ﴿وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا﴾ اور ہم نے سب کو ہلاک کر کے تباہ و برباد کر دیا یعنی ہم نے سب کو ہلاک کر ڈالا [اور پہلا ''وَكُلًّا'' اس کلام کی وجہ سے منصوب ہے' جس پر ''ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ'' دلالت کر رہا ہے اور وہ ''اَنْذَرْنَا'' ہے یا ''حَذَّرْنَا'' ہے (دونوں کا معنی ہے کہ ہم نے ڈرایا) اور دوسرا ''تَبَّرْنَا'' کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ یہ اسی کے لیے فارغ رہ گیا ہے]۔

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِیْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ یَكُوْنُوْا یَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا ؕ وَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ﴿۴۳﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۴۴﴾

ع ۱۰ / ۴

اور بے شک یہ کفارِ مکہ اس بستی سے گزر کر آئے ہیں' جس پر بدترین بارش برسائی گئی تو کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں تھے' بلکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی امید نہیں رکھتے تھے O اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو وہ آپ کا مذاق ہی اڑاتے ہیں (اور کہتے ہیں:) کیا یہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے O بے شک یہ تو ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکانے لگا تھا' اگر ہم ان پر صبر کر کے ثابت قدم نہ رہتے اور جب وہ عذاب دیکھیں گے تو عنقریب وہ جان لیں گے کہ راہِ راست سے کون بھٹکا ہوا ہے O کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش ہی کو معبود بنالیا ہے تو کیا آپ اس پر نگرانی کرنے کے ذمہ دار ہیں O یا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ یقیناً سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں' وہ تو نہیں مگر جانوروں کی طرح بلکہ وہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں O

کفارِ مکہ کی شرم ناک بے باکیاں

۴۰- ﴿وَلَقَدْ اَتَوْا﴾ اور البتہ بے شک وہ لوگ گزر کر آئے ہیں یعنی اہل مکہ ﴿عَلَى الْقَرْيَةِ﴾ اس بستی پر جس کا نام سدوم ہے اور یہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی سب سے بڑی بستی تھی اور ان کی کل پانچ بستیاں تھیں' جن میں سے چار بستیوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے باشندوں سمیت ہلاک کر ڈالا اور باقی ایک بستی رہ گئی تو ﴿الَّتِیْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ﴾ اس پر بدترین بارش برسائی گئی یعنی اللہ تعالیٰ نے اس بستی پر نوکیلے پتھروں کی بارش برسا دی۔ مطلب یہ ہے کہ بے شک قریشِ مکہ اپنی تجارت کے سلسلے میں ملک شام کی طرف جاتے ہوئے بہت مرتبہ اس بستی کے پاس سے گزر چکے ہیں' جسے آسمان سے پتھر برسا کر ہلاک کر دیا تھا [اور ''مطر السوء'' دوسرا مفعول ہے اور اصل میں ''امطرت القریة مطرًا'' تھا یا پھر مصدر محذوف الزوائد ہے یعنی ''امطار السوء''] ﴿اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا﴾ تو کیا وہ اسے دیکھتے نہیں تھے' لیکن انہوں نے ملک شام کی طرف جاتے ہوئے دورانِ سفر اپنی آنکھوں سے اس کا کئی بار مشاہدہ کیا تھا' سو وہ اس میں غور و فکر کرتے اور ایمان لے آتے ﴿بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا﴾ بلکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی امید نہیں رکھتے تھے (یعنی) بلکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کا کفر و انکار کرنے والی قوم تھی' وہ حشر و نشر سے نہیں ڈرتے' سو اس لیے وہ اس پر ایمان نہیں لاتے یا یہ معنی ہے کہ وہ حشر و نشر کی اس طرح امید نہیں رکھتے' جس طرح مسلمان اس کی امید رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے اعمال پر اس دن ثواب ملنے کی امید ہے۔

۴۱- ﴿وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا﴾ اور وہ جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا صرف مذاق ہی اُڑاتے ہیں۔ کفار کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مذاق اور ٹھٹھا کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ آپ کا مذاق اڑاتے تھے اور اس کا اصل معنی یہ ہے کہ انہوں نے آپ کو مذاق اڑانے کا محل و مکان بنالیا تھا [یا ''هُزُوًا'' ''مَهْزُوْءً ا'' (مفعول) کے معنی میں ہے' یعنی انہوں نے آپ کو مذاق اڑائے جانے والا بنالیا تھا' اس جگہ حرف ''اِنْ'' حرف شرط نہیں بلکہ یہ ''اِنْ'' نافیہ ہے] ﴿اَهٰذَا﴾ [''هٰذَا'' استصغار اور استہزاء کے لیے ہے یعنی حقیر و صغیر اور مذاق اڑانے کے لیے ''هٰـذَا'' استعمال کیا گیا ہے اور یہ مضمر و پوشیدہ قول کے بعد بیان کیا گیا ہے' اصل میں ''قَآئِلِيْنَ اَهٰذَا'' ہے] ﴿الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا﴾ یعنی وہ اس حال میں یہ کہنے والے تھے کہ کیا یہ وہی شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے [اور محذوف (قَـآئِلِيْنَ) حال ہے اور ''الَّذی'' کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے' اصل میں ''بَعَثَهٗ'' ہے]۔

۴۲- ﴿اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا﴾ بے شک قریب تھا کہ وہ ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکا دیتے' اگر ہم ان (کی عبادت) پر صبر نہ کرتے اور ثابت قدم نہ رہتے [حرف ''اِنْ'' ثقیلہ سے خفیفہ کر دیا گیا ہے] اور یہ

آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کفار کو دعوتِ اسلام دینے میں اور ان پر حق واضح کرنے کے لیے معجزات پیش کرنے میں انتہائی زیادہ جدوجہد اور خوب کوشش کیا کرتے تھے یہاں تک کہ کفار نے یہ گمان کر لیا تھا کہ اگر وہ اپنے بتوں کی پرستش و عبادت پر ڈٹ نہ جاتے اور اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر جمے نہ رہتے اور اپنے بتوں کی عبادت پر صابر و ثابت قدم نہ رہتے تو قریب تھا کہ وہ اپنا دین چھوڑ کر دینِ اسلام کی طرف راغب و مائل ہو جاتے ﴿وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ﴾ اور عنقریب وہ جان لیں گے جب عذاب کو دیکھیں گے۔ یہ کفار کے لیے سخت وعید (دھمکی) ہے اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ اس عذاب سے بچ نہیں سکیں گے اگرچہ انہیں عرصۂ دراز تک مہلت دے دی جائے ﴿مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ کہ کون راہِ راست سے بھٹکا ہوا ہے۔ یہ ان کے قول "اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا" کی طرف سے جواب کی طرح ہے کیونکہ انہوں نے اپنے اس قول میں رسول اللہ ﷺ کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت کی ہے جب کہ گمراہ صرف وہی کرتا ہے جو بذاتِ خود گمراہ ہوتا ہے۔

۴۳۔ ﴿اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾ اے محبوب! کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود ٹھہرا لیا۔ یعنی وہ شخص جو کام کرتا ہے اور جو کام چھوڑتا ہے اس میں وہ اپنی خواہشِ نفس کی اطاعت و پیروی کرتا ہے سو اس لیے وہ اپنی خواہشِ نفس کا پجاری ہے اور اسی کو اپنا معبود قرار دینے والا ہے پس اللہ تعالیٰ اس آیت مبارکہ میں اپنے محترم و مکرم رسول سے ارشاد فرما رہا ہے: یہ وہ شخص ہے جو صرف اپنی ہی خواہش کو اپنا معبود سمجھتا ہے آپ ایسے شخص کو ہدایت کی طرف کیسے دعوت دے سکتے ہیں۔ ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں کافر جب کسی پتھر کی عبادت کرتا تھا تو جب اس سے بہتر اور خوب صورت کوئی اور پتھر مل جاتا تھا تو وہ شخص پہلے پتھر (معبود) کو چھوڑ دیتا تھا اور دوسرے خوب صورت پتھر کی عبادت شروع کر دیتا تھا اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو شریعتِ اسلامی کو چھوڑ کر اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے وہ اس آیت مبارکہ میں شامل ہے ﴿اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا﴾ تو کیا آپ اس کے محافظ ہیں کہ خواہش نفس اور خواہش نفس کو معبود ٹھہرانے سے روکنے کے لیے آپ اس کی حفاظت فرمائیں گے یا یہ کہ آپ اس پر نگران مقرر ہیں کہ اسے خواہش نفسانی سے پھیر کر ہدایت کی طرف لے جانا آپ کی ذمہ داری ہو (ایسا ہرگز نہیں)۔ اس میں بتا دیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذمہ صرف پیغام الٰہی لوگوں تک پہنچانا ہے۔

۴۴۔ ﴿اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں بلکہ وہ راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں [حرف "اَمْ" منقطعہ ہے] جس کا معنی یہ ہے کہ بلکہ آپ خیال کرتے ہیں کہ گویا یہ مذمت اس سے زیادہ سخت ہے جو اس سے پہلے گزر چکی ہے یہاں تک کہ اس سے روئے سخن پھیر کر اس کی طرف کر دیا گیا ہے اور وہ ہے ان کا سننے اور سمجھنے کی قوت سے محروم ہونا کیونکہ یہ لوگ حق کی سماعت کی طرف کان نہیں دھرتے اور نہ حق کو سمجھنے کے لیے اپنی عقل کو استعمال کرتے ہیں بلکہ یہ لوگ جانوروں کے مشابہ ہو چکے ہیں جن کی غفلت و گمراہی میں مثال دی جاتی ہے سو جب سے ان لوگوں نے حق کے لیے استدلال کو ترک کر دیا تب سے انہیں ذلیل و رسوا کرنے کے لیے شیطان ان پر سوار ہو گیا ہے پھر یہ جانوروں سے بڑھ کر گمراہ ہو گئے ہیں کیونکہ جانور اپنے پروردگار کی تسبیح و پاکیزگی بیان کرتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں اور یہ جانور اپنے چارا ڈالنے والے کی اطاعت کرتے ہیں اور جو ان کے ساتھ خیر خواہی اور نیکی کرتا ہے اسے بھی اور جو ان کے ساتھ بُرائی اور ظلم سے پیش آتا ہے اسے بھی پہچانتے ہیں اور اپنے نفع کی چیز طلب کرتے ہیں اور اپنے لیے نقصان دہ چیز سے پرہیز کرتے ہیں

اور اپنی چراگاہ اور اپنے پینے کے لیے پانی کے گھاٹ کی راہ جانتے ہیں اور جب کہ یہ کفار اپنے پروردگار کی اطاعت و فرماں برداری نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے دشمن شیطان کی بُرائی سے بچانے کے لیے ان پر جو عظیم الشان احسان فرمایا' انہوں نے اس کو نہیں پہچانا اور ثواب کو طلب نہیں کیا' جو تمام منافع سے عظیم الشان نفع ہے اور نہ وہ عذاب سے بچتے ہیں جو سب سے زیادہ نقصان دہ اور ہلاکت خیز ہے اور وہ لوگ اس حق کی طرف راہ نہیں پاتے جو خوش گوار گھاٹ ہے اور شیریں سیراب کرنے والا مشروب ہے' پس مفسرین کرام نے بیان کیا کہ فرشتوں کے لیے فقط روح اور عقل ہے اور چوپایوں کے لیے فقط نفس اور خواہش ہے اور انسان سب کا جامع ہے تا کہ اس کا امتحان لیا جائے' پھر اگر اس پر نفس اور خواہش غالب آ جائے تو یہ چوپایوں سے بدتر ہو جاتا ہے اور اگر اس پر روح اور عقل غالب آ جائے تو یہ معزز فرشتوں پر فضیلت حاصل کر لیتا ہے اور یہاں اکثر کا ذکر کیا گیا' ہے کیونکہ کفار میں بعض لوگ غور سے حق کی باتیں سنتے تھے اور سمجھتے تھے' لیکن دنیا کی محبت اور چودھراہٹ کے لالچ نے انہیں اسلام قبول کرنے سے روک دیا اور یہی محبت منصب و دنیا کو سخت عاجز کر دینے والی بیماری ثابت ہوئی اور اس لیے بھی اکثر کا ذکر کیا گیا کہ ان میں سے بعض لوگ ایمان لے آئے تھے۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْیِ ۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّنُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

اے محبوب! کیا آپ نے اپنے پروردگار کی قدرت کی طرف نہیں دیکھا کہ اس نے سایا کو کیسے پھیلایا اور اگر وہ چاہتا تو اس کو جامد بنا دیتا' پھر ہم نے اس پر سورج کو دلیل بنا دیا O پھر ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیا O اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات کو پردہ اور نیند کو آرام اور دن کو چلنا پھرنا مقرر کر دیا O اور وہی تو ہے جس نے ہواؤں کو خوشخبری دینے والا بنا کر اپنی بارانِ رحمت سے آگے بھیج دیا اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی نازل کیا O تا کہ ہم اس کے ذریعے کسی مردہ شہر کو زندہ کر دیں اور ہم اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو اس پانی سے سیراب کر دیں O اور بے شک ہم نے اسے ان کے درمیان بار بار بیان کیا تا کہ وہ غور و فکر کر کے عبرت حاصل کریں' سو اکثر لوگوں نے ناشکری کرنے کے ماسوا (ہر چیز کا) انکار کر دیا O

انعامات کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل کا بیان

۴۵۔﴿ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ ﴾ اے محبوب! کیا آپ نے اپنے پروردگار کی طرف نہیں دیکھا (یعنی) کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کی صنعت و تخلیق اور اس کی قدرت کی طرف نہیں دیکھا کہ ﴿ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ﴾ اس نے سایا کو کیسے دراز فرمایا' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو پھیلا دیا اور وہ زمین پر چھا گیا اور جمہور علمائے اسلام کے نزدیک یہ فجر کے نمودار ہونے سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک کا وقت مراد ہے' کیونکہ اس وقت سایا بہت دراز (مشرق سے مغرب تک اور شمال سے

جنوب تک) ہر طرف چارسُو پھیلا ہوتا ہے' نہ اس کے ساتھ سورج ہوتا ہے اور نہ اس وقت تاریکی ہوتی ہے اور یہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے جنت کے سایا کے بارے میں ارشاد فرمایا: "وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ" (الواقعہ: ۳۰) "اور پھیلا ہوا لمبا سایا" ۔ نہ اس کے ساتھ سورج ہوگا اور نہ اندھیرا ہوگا ﴿ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کو ساکن و جامد بنا دیتا یعنی وہ ہمیشہ ایک جگہ پر قائم رہتا' اِدھر اُدھر زائل نہ ہوتا اور نہ اسے سورج کہیں لے جاتا ﴿ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ﴾ پھر ہم نے سورج کو اس پر یعنی سایا پر دلیل (رہنمائی کرنے والا) بنا دیا کیونکہ سایا سورج ہی کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے اور اگر سورج نہ ہوتا تو سایا نہ پہچانا جاتا' سو اشیاء اپنی اضداد سے پہچانی جاتی ہیں۔

۴۶- ﴿ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ ﴾ پھر ہم اس کو سمیٹتے جاتے ہیں یعنی ہم اس دراز سایا کو پکڑ لیتے ہیں ﴿ اِلَیْنَا ﴾ اپنی طرف جدھر ہم چاہتے ہیں کھینچ لیتے ہیں ﴿ قَبْضًا یَّسِیْرًا ﴾ بڑی سہولت و آسانی کے ساتھ بغیر کسی تنگی کے اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں یا تھوڑا تھوڑا کر کے یعنی جیسے لحہ بہ لحہ سورج اس پر چڑھتا جاتا ہے' ہم سایا کا ایک ایک حصہ پکڑ کر گھٹاتے جاتے ہیں [حرف "ثُمَّ" کئی چیزوں کے درمیان بڑائی کے اظہار کے لیے آتا ہے تو گویا دوسرا پہلے سے بڑا ہوا اور تیسرا دوسرے سے بڑا ہوا۔ یہاں سورج اور سایا کے درمیان اضافی بُعد کو وقت میں رونما ہونے والے حوادث کے درمیان بُعد کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے]۔

۴۷- ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا ﴾ اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے رات کو تمہارے لیے لباس بنایا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ نے رات کے اندھیرے کو لباس کی طرح ساتر و چھپانے والا بنایا ہے ﴿ وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا ﴾ اور نیند کو آرام بنایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے تمہارے جسموں اور بدنوں کے لیے نیند کو راحت و سکون اور آرام کا ذریعہ بنایا ہے اور تمہارے کاروبار اور اعمال کے اختتام کا ذریعہ بنایا اور "سبت" کا معنی قطع کرنا اور جدا کرنا ہوتا ہے اور سونے والا بھی اپنے تمام اعمال وکاروبار سے منقطع وجدا ہو جاتا ہے کیونکہ نیند کی حالت میں اس کا ہر عمل اور ہر حرکت ختم ہو جاتی ہے اور بعض نے کہا کہ "سُبَات" کا معنی موت ہے اور سونے والا مردہ ہوتا ہے کیونکہ اس کی حیات وزندگی عارضی طور پر منقطع اور ختم ہو جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے: "وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ" (الانعام: ۶۰) "اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو رات کو تمہاری جان قبض کر لیتا ہے" ۔ اور اس کے مقابلے میں "نُشُوْر" کا ذکر اس کی تائید کرتا ہے کہ "سبات" بہ معنی موت ہے ﴿ وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴾ اور اس نے دن کو اٹھنے کا وقت بنایا' کیونکہ "نُشُوْر" کا معنی نیند سے اٹھنا ہے' جیسے قیامت کے دن مردے کا اٹھنا ہوگا یا "نشور" کا ایک معنی پھیلنا بھی ہے کیونکہ دن میں بھی تمام مخلوق روزی کی تلاش میں پھیل جاتی ہے اور یہ آیت مبارکہ خالق و مالک کی قدرت پر جس طرح دلالت کرتی ہے' اسی طرح اس میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اس کی نعمت کا اظہار بھی ہے کیونکہ رات کو پردہ دار حجاب بنانے میں بہت سے دینی اور دنیاوی فوائد ومنافع بھی ہیں اور موت وحیات کے مشابہ ہو جانے کی وجہ سے سونے اور جاگنے میں عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت بھی ہے اور حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا: جیسے تم سوتے ہو' پھر تم بیدار ہو کر اٹھتے ہو' اسی طرح تم موت کو گلے لگاؤ گے' مرنے کے بعد پھر تم زندہ ہو کر اٹھو گے۔

۴۸- ﴿ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ ﴾ اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے ہواؤں کو بھیجا [ابن کثیر مکی کی قراءت میں "الریح" ہے اور اس سے جنس مراد ہے] ﴿ بُشْرًا ﴾ خوشخبری دینے کے لیے [یہ "بُشُر" بضمتین کا مخفف ہے اور "بشور" کی جمع ہے] ﴿ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ﴾ اس کی رحمت کے آگے (یعنی) بارش کے آگے کیونکہ بارش کی آمد سے پہلے خوشگوار ہوا چلتی ہے' پھر بادل چھا جاتے ہیں' پھر بارش برسنا شروع ہو جاتی ہے اور یہ لطیف اشارہ ہے ﴿ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴾ اور ہم

نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی یعنی بارش کو نازل کیا۔ [''طھور'' طہارت میں مبالغہ کرنے کے لیے آتا ہے اور یہ صفت بھی ہوتی ہے' جیسے ''مَآءً طَھُوْرًا'' یعنی طاہر و پاک پانی اور یہ اسم کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے طہارت حاصل کرنے کے آلہ (آفتابہ یا لوٹا وغیرہ) کو ''طھور'' کہا جاتا ہے اور یہ ''طھور'' وضو اور وقود کی طرح ہے کہ وضو اس برتن کو بھی کہا جاتا ہے جس کے ساتھ وضو کیا جاتا ہے اور وقود اس ماچس کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے آگ جلائی جاتی ہے اور ''طھور'' مصدر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے بہ معنی ''تطھّر'' (یعنی) پاک کرنا' جیسے کہا جاتا ہے: ''تَطَھَّرْتُ طَھُوْرًا حَسَنًا'' میں نے بہت خوب پاکیزگی حاصل کی' اور اسی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِطُھُوْرٍ'' [1] یعنی نماز طہارت کے بغیر نہیں ہوتی اور اس کا معنی جو ثعلب سے نقل کیا گیا ہے کہ جو خود بذاتہٖ پاک ہو اور دوسرے کو پاک کر دے' یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ اگر یہ طہارت و پاکیزگی کے بیان میں مبالغہ ہے تو پھر بہت خوب ہے اور اس کی تائید اس ارشادِ باری تعالیٰ سے ہوتی ہے: ''وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَھِّرَکُمْ بِہٖ'' (الانفال:۱۱) ''اور اللہ تعالیٰ نے تم پر آسمان سے پانی نازل کیا تا کہ وہ تمہیں اس کے ذریعے پاک صاف کر دے''۔ ورنہ فعول کے وزن پر باب تفعیل سے کچھ نہیں آتا اور افعالِ متعدیہ سے قطوع اور منوع کی طرح مشتق ماننا قیاس فاسد ہے' کیونکہ مبالغہ کے لیے مفعول کا صیغہ اگر فعل متعدی ہو تو مفعول متعدی ہوتا ہے اور اگر فعل لازم ہو تو مفعول بھی لازم ہوتا ہے]۔

۴۹۔ ﴿لِّنُحْیِۦَ بِہٖ﴾ تا کہ ہم اس کے ذریعے (یعنی) بارش کے ذریعے زندہ کر دیں ﴿بَلْدَۃً مَّیْتًا﴾ مردہ شہر کو [''بلد'' یا مکان مراد لینے پر ''مَیْتًا'' کو مذکر ذکر کیا گیا ہے] ﴿وَّنُسْقِیَہٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ کَثِیْرًا﴾ اور ہم اس سے اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں کو اور انسانوں کو سیراب کر دیں یعنی ہم بارش کے پانی سے بہت سے چوپایوں اور بہت سے انسانوں کو سیراب کر دیں [اور ''مِمَّا خَلَقْنَا''، ''اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ'' سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی ہم نے جو مخلوق پیدا کی' اس میں سے بہت سارے جانوروں اور انسانوں کو بارش سے سیراب کر دیں اور ''سَقٰی'' اور ''اَسْقٰی'' دو لغتیں ہیں اور مفضل اور برجمی نے ''وَنَسْقِیَہٗ'' (نون پر پیش کی بجائے زبر) پڑھا ہے اور ''اناسیّ''، ''انسیّ'' کی جمع ہے' جیسے ''کرسی'' کی جمع ''کراسیّ'' یا پھر ''انسان'' کی جمع ہے اور اس کی اصل ''اناسین'' ہے جیسے ''سِرحان'' کی جمع ''سراحین'' آتی ہے' پھر نون کو ''یا'' سے تبدیل کر دیا گیا اور ''یا'' کو ''یا'' میں مدغم کر دیا گیا] اور اس آیت مبارکہ میں زمین کو بارش کے پانی سے زندہ کرنے کا ذکر جانوروں اور انسانوں کو بارش کے پانی سے سیراب کرنے کے ذکر سے پہلے کیا گیا ہے کیونکہ زمین کی زندگی ان دونوں کی زندگی کا سبب ہے' تو ان دونوں کی زندگی کے سبب کو ان دونوں کے سیراب پر مقدم کیا گیا ہے اور پانی پینے والے جانوروں میں چوپایوں (اونٹ' گائے' بکری اور بھیڑ نر' مادہ) کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ انسانوں کے عام منافع اور فوائد انہیں کے ساتھ متعلق ہیں تو گویا یہ چوپائے پانی پینے والے چوپایوں میں ایسے ہیں' جیسے انسانوں کو سیراب کرنے والے چوپائے [''اناسی'' اور ''انعام'' کو نکرہ لانے اور ان کو کثرت کے ساتھ موصوف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ وادیوں اور نہروں کے قریب رہنے کی وجہ سے آسمان کے پانی سے بے نیاز ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے رہ جانے والے (جو وادیوں' نہروں سے دور جنگلوں' پہاڑوں میں رہنے والے ہیں) کثیر لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ بارانِ رحمت پر زندگی گزارتے ہیں اور ''بَلْدَۃً'' کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ اس سے مراد پانی کے گھاٹوں سے دور بعض شہر ہیں اور جس پانی سے

[1] رواہ البخاری فی کتاب الوضوء باب:۲' مسلم فی کتاب الطہارۃ حدیث:۱' ابوداؤد فی کتاب الطہارۃ باب:۱ '۳' الترمذی فی کتاب الطہارۃ باب:۱' نسائی فی کتاب الطہارۃ باب:۱۰۳' ابن ماجہ فی کتاب زکوٰۃ باب:۲

انسان سیراب ہوتے ہیں' وہ انہیں پانیوں میں سے ہے' جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔اس لیے ان کے احترام کے لیے پانی کو''طھور'' کے ساتھ موصوف کیا گیا اور یہ''طھور'' بیان ہے کہ انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے باطن میں اور اپنے ظاہر میں طہارت و پاکیزگی کو اختیار کرے کیونکہ پاکیزگی حاصل کرنا زندگی کے لیے شرط ہے]۔

۵۰۔﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا﴾ اور بے شک ہم نے اس کو ان کے درمیان بار بار بیان کیا' تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں[حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں''لِيَذْكُرُوْا''(باب''نَصَرَ يَنْصُرُ'' سے) ہے]مراد اور مطلب یہ ہے کہ بے شک ہم نے اس بات کو لوگوں کے درمیان قرآن مجید میں اور دیگر رسولوں پر نازل کی گئی باقی کتابوں میں بھی بار بار بیان کیا ہے اور اس بات سے بادلوں کے پیدا ہونے کا ذکر اور بارش کے برسنے کا ذکر مراد ہے' تا کہ لوگ غور و فکر کریں اور عبرت حاصل کریں اور اس میں نعمت کا حق پہچانیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں ﴿فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا﴾ سو اکثر لوگوں نے سوائے ناشکری کے باقی سب کا انکار کر دیا (یعنی) پس ان میں سے اکثر لوگوں نے کفرانِ نعمت کے ماسوا سب کا انکار کر دیا۔نعمتوں کا انکار کرنا اور ان کی پرواہ نہ کرنا ان کی عادت ہے یا یہ معنی ہے کہ ہم نے ان کے درمیان مختلف شہروں میں مختلف اوقات میں متفرق صفات کے ساتھ بارش کو بار بار گھما پھرا کر برسایا' کبھی تیز موٹی بارش' کبھی ہلکی بارش اور کبھی کثرت سے بارش' کبھی پھوار کی بارش اور کبھی لگا تار مسلسل بارش برسائی مگر انہوں نے کفرانِ نعمت کے سوا انکار کر دیا اور وہ کہتے کہ ہم پر فلاں ستارے کے غروب اور فلاں ستارے کے طلوع ہونے کی وجہ سے بارش برسائی گئی ہے اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صنعت اور اس کی رحمت و مہربانی کا ذکر نہیں کرتے تھے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ کسی سال دوسرے سال سے کم تر بارش نہیں ہوتی' مگر اللہ تعالیٰ جدھر چاہتا ہے' اُدھر بارش کو پھیر دیتا ہے اور پھر انہوں نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علوم کی بناء پر ہر سال میں برسنے والی بارش کی تعداد کو اور اس کی مقدار کو جانتے ہیں کیونکہ بارش مختلف نہیں ہوتی لیکن اس میں شہر مختلف ہوتے رہتے ہیں اور جو شخص بارش کے برسنے کو ستاروں کے غروب و طلوع کی طرف منسوب کرتا ہے اور وہ بارش کو اور ستاروں کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے نہیں مانتا تو وہ کافر ہے اور اگر وہ یہ خیال کرتا ہے کہ ان سب کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اسی نے ستاروں کو بارش کے برسنے کے لیے بطور علامات مقرر فرمایا ہے اور یہ صرف علامات و نشانیاں ہیں' جو بارش کے برسنے پر دلالت کرتی ہیں تو ایسا شخص کافر نہیں ہوگا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾
وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا
وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ
رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾

اور اگر ہم چاہتے تو البتہ ہر ایک بستی میں ایک ایک ڈر سنانے والا بھیج دیتے ○ سو آپ کافروں کی اطاعت نہ کیجئے اور ان کے ساتھ اس کے ذریعے بہت بڑا جہاد کیجئے ○ اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا دیا' یہ میٹھا خوشگوار ہے اور یہ کھاری کڑوا ہے اور اس نے ان دونوں کے درمیان ایک آڑ اور روکنے والا پردہ حائل کر دیا ہے ○ اور وہی ہے جس نے

پانی میں سے انسان کو پیدا فرمایا' پھر اسی نے اس کو خاندانی اور سسرالی رشتوں والا بنا دیا اور آپ کا پروردگار زبردست قدرت والا ہے O

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل' حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فضیلت اور رشتوں کی اہمیت

۵۱'۵۲۔ ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ۝ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ہر ایک بستی میں الگ الگ ڈر سنانے والا بھیج دیتے O سو آپ کافروں کی اطاعت نہ کیجئے' یعنی اگر ہم چاہتے تو تمام بستیوں اور شہروں کے باشندوں کو ڈرانے کی ذمہ داری آپ سے کم کر دیتے اور ہم ہر ایک بستی میں ایک ایک الگ نبی بھیج دیتے' جو اپنی اپنی بستی کے باشندوں کو ڈر سناتے' لیکن ہم نے چاہا کہ آپ کو تمام جہانوں کا رسول بنا کر تمام رسولوں اور نبیوں کے فضائل و کمالات آپ میں کر دیں' سو اس لیے آپ کو تمام جہانوں کا رسول بنا کر تمام بستیوں اور شہروں کے باشندوں کو ڈر سنانے کی ذمہ داری کا معاملہ صرف آپ کے لیے محدود و معین کر دیا اور ہم نے آپ کو اس رسالتِ عامہ کے منصب کے ذریعے سب سے بڑا عظیم الشان رسول بنا دیا ہے' پس آپ اکیلے ان تمام نبیوں اور رسولوں کی طرح ہیں اور اس لیے آپ کو جمع کے ساتھ خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ ''یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ'' (المؤمنون:۵۱) سو آپ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیجئے اور صبر و تحمل سے کام لیجئے اور آپ کافروں کی اس میں اطاعت نہ کیجئے' جس کی طرف وہ آپ کو ان کی موافقت اختیار کرنے اور ان کے ساتھ مداہنت اختیار کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور جس طرح میں نے آپ کو تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر ترجیح دی ہے' اسی طرح آپ تمام خواہشات پر میری رضا اور میری خوشنودی کو اختیار کیجئے اور اس کے ذریعے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور مسلمانوں کو جوش دلانا اور ان کو متحرک کرنا مقصود ہے ﴿وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ﴾ اور آپ ان سے اس کے ذریعے جہاد کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد سے اور اس کی توفیق سے کفار کے ساتھ جہاد کیجئے یا یہ کہ آپ قرآن کے ذریعے ان کے ساتھ جہاد کیجئے یعنی قرآن مجید کے ذریعے ان سے مجادلہ اور مباحثہ کیجئے اور قرآن کریم کی مثال لانے سے عاجز ہو جانے پر ان کو للکاریئے ﴿جِهَادًا كَبِیْرًا﴾ بڑا جہاد کیجئے' جس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا ہے کیونکہ اس میں مشقت و محنت برداشت کرنی پڑتی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''بِهٖ'' میں ضمیر اس طرف لوٹتی ہو جس پر ''وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا'' (الفرقان:۵۱) دلالت کر رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ تمام جہانوں کے لیے نذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں کیونکہ اگر ہر ایک بستی میں الگ الگ ڈرانے والا بھیجا جاتا تو ہر ڈرانے والے نبی پر اپنی بستی کے باشندوں کے ساتھ مجاہدہ کرنا واجب ہوتا' سو اب تمام مجاہدات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر واجب و لازم ہو گئے ہیں' پس اسی وجہ سے آپ کا جہاد سب سے بڑا اور عظیم الشان ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے ارشاد فرمایا کہ اے محبوب! کفار کے ساتھ اس سبب کی وجہ سے جہاد کیجئے کہ آپ تمام بستیوں اور شہروں کے ڈرانے والے ہیں' ایسا بڑا جہاد جو تمام مجاہدات کا جامع ہے۔

۵۳۔ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ﴾ اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا دیا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے قریب ملا کر متصل بنا کر چھوڑ دیا' جب جانور کو چرنے پھرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے تو ''مرجت الدآبّۃ'' کہا جاتا ہے اور بہت بڑی جگہ کو گھیرنے والے دو کثیر پانیوں کو ''بحرین'' کہا جاتا ہے ﴿هٰذَا﴾ یہ یعنی ان دونوں میں سے ایک ﴿عَذْبٌ فُرَاتٌ﴾ میٹھا خوشگوار پیاس بجھانے والا ہے [''فُرَاتٌ''، ''عَذْبٌ'' کی صفت ہے] یعنی بہت میٹھا ہے' یہاں تک کہ میٹھی چیز کے بالکل قریب ہے ﴿وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ﴾ اور یہ کھاری کڑوا ہے [''اجاج''، ''ملح'' کی صفت ہے] یعنی بہت سخت کھارا پانی ہے ﴿وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان اپنی قدرتِ کاملہ سے

ایک آڑ مقرر فرمادی' جو ان دونوں کے درمیان فاصلہ رکھتی ہے اور ان کو ملنے سے روکتی ہے' پس وہ دونوں بظاہر خلط ملط اور ملے ہوئے ہیں اور درحقیقت وہ ایک دوسرے سے جدا ہیں ﴿وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ اور حجاب' جو آنکھوں کے سامنے رکاوٹ ہے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''حِجَابًا مَّسْتُوْرًا'' (الاسراء:۴۵) ''چھپا ہوا پردہ''۔

۵۴۔ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا﴾ اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے انسان کو پانی یعنی نطفہ سے پیدا فرمایا ﴿فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے خاندان اور سسر مقرر فرمایا (یعنی) اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو قسموں میں تقسیم کرنا چاہا' ایک خاندانی رشتہ یعنی مردوں کا رشتہ' جس کی بناء پر ان کی طرف اسے منسوب کیا جاتا ہے' چنانچہ فلاں بن فلاں اور فلانہ بنت فلاں کہا جاتا ہے اور دوسرا سسرالی رشتہ یعنی زنانے رشتے' جن کے سبب انسان داماد اور بہنوئی کہلاتا ہے' جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی'' (القیامہ:۳۹) ''سو اللہ تعالیٰ نے اس سے دو جوڑے بنائے مرد اور عورت''۔ ﴿وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا﴾ اور آپ کا پروردگار بہت بڑی قدرت والا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک بوند پانی سے انسان کی دو قسمیں پیدا فرمائیں' مرد اور عورت' اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے نسب یعنی قرابت کو بنایا اور سسرالی رشتہ بنایا یعنی نکاح کے ملاپ سے رشتہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے انساب یعنی خاندانی رشتوں کے ساتھ اس لیے احسان فرمایا کہ اسی رشتہ کی بناء پر باہمی تعلقات قائم رہتے ہیں اور سسرالی رشتہ داری کے ساتھ اس لیے احسان فرمایا کہ توالد و تناسل یعنی اولاد در اولاد کا افزائشی رشتہ انہیں میاں بیوی کے رشتہ سے چلتا ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾
وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ
اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ
وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ
اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا
لِلرَّحْمٰنِ ۚ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۤ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾

اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسے بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ وہ انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں' اور کافر اپنے رب تعالیٰ کے خلاف (شیطان کا) مددگار ہوتا ہے○ اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا○ اے محبوب! فرما دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر جو چاہے اپنے رب تعالیٰ کی طرف راستہ اختیار کرلے○ اور آپ ہمیشہ زندہ رہنے والی ذات پر بھروسا رکھیے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی اور اسی کی حمد و ثناء کے ساتھ تسبیح و پاکیزگی بیان کیجئے' اور وہی اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے○ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا فرمایا' پھر اس نے اپنی شان کے لائق عرش پر استوا فرمایا' وہ رحمٰن ہے' سو اس کے متعلق کسی باخبر سے پوچھیے○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں: رحمٰن کیا ہے؟ کیا ہم اسے سجدہ

کریں جس کے لیے آپ ہمیں حکم دیتے ہیں اور اس بات نے ان کی نفرت میں اضافہ کر دیا○

کفار کی مذمت' بعثتِ نبوی کی اہمیت اور خدا کی عظمت کا بیان

۵۵-﴿ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نفع نہیں دے سکتے' اگر وہ ان کی عبادت کرتے رہیں ﴿ وَلَا يَضُرُّهُمْ ﴾ اور نہ وہ ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں' اگر وہ ان کو چھوڑ دیں ﴿ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴾ اور کافر اپنے رب تعالیٰ پر یعنی اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی پر معاون و مددگار رہتا ہے [فعیل بہ معنی مفاعل استعمال ہوتا رہتا ہے سوائے ''عزیز'' کے اور ''ظهیر'' بہ معنی ''مظاهر'' ہے جیسے ''عوین'' بہ معنی ''معاون'' ہے اور ''مظاهرة'' بہ معنی ''معاونة'' ہے] اور معنی یہ ہے کہ بے شک کافر بتوں کی عبادت کرنے میں شیطان کی پیروی کرتا ہے اور خدائے رحمٰن کی نافرمانی کرنے میں اس کی مدد کرتا ہے۔

۵۶-﴿ وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا مُبَشِّرًا ﴾ اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر مؤمنوں کو خوشخبری دینے والا ﴿ وَنَذِيْرًا ﴾ اور کافروں کو ڈر سنانے والا [''نذیر'' بہ معنی ''مُنذِر'' ہے]۔

۵۷-﴿ قُلْ مَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ میں تم سے اس پر (یعنی) اس تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا ﴿ إِلَّا مَنْ شَآءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴾ مگر جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کر لے۔ ''والمراد الا فعل من شآء'' اور مراد یہ ہے کہ مگر جو چاہے وہ کرے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اجرت سے استثناء فرمانا تمہارے لیے مشفقانہ قول ہے کہ آپ نے تمہارے لیے مال کی تحصیل کی کوشش فرمائی اور تمہاری کمائی پر تم سے معاوضہ طلب نہیں کیا' مگر یہ کہ تم اپنے مال کی حفاظت کرو اور اسے ضائع مت کرو' سو تمہارا اپنے لیے مال کی حفاظت کرنا' ثواب کی جنس میں سے نہیں لیکن اس کو ثواب کی صورت جیسی صورت بخشی گئی ہے' گویا ارشاد فرماتے ہیں کہ بے شک تمہارا اپنے مال کی حفاظت کرنا میرے لیے ثواب ہے اور اس پر میری رضا ہے' جیسے ثواب پانے والا ثواب پر راضی ہوتا ہے اور مجھے اپنی زندگی کی قسم! بے شک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کے ساتھ اسی کے درپے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف راستہ بنانے کا معنی یہ ہے کہ ایمان و اطاعت یا صدقہ و خیرات اور خرچ کر کے وہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کریں اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا: مراد یہ ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ مال خرچ کر کے اپنے پروردگار کی رضا حاصل کرنے کی طرف راستہ بنا لے تو اسے چاہیے کہ وہ یہ کام ضرور کرے اور بعض حضرات نے فرمایا: اس کی تقدیر یہ ہے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا' جس کی میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں مگر یہ کہ تم ایمان و اطاعت کے ذریعے میری دعوت کو اپنے پروردگار تک پہنچنے کا راستہ بنالو' سو یہی میری اجرت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھے اس پر ضرور اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

۵۸-﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ ﴾ اور آپ ہمیشہ زندہ رہنے والی ذات پر بھروسا رکھیے' جس پر کبھی موت نہیں آئے گی (یعنی) اے حبیب! آپ اس کو اپنا وکیل و کارساز بنالیں' جو کبھی نہیں مرے گا اور نہ آپ کو اس کے سپرد کرے گا جو خود ذلیل ہو کر مرے گا یعنی صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیجئے اور کفار کی شرارتوں سے بچنے کے لیے اسی کی طرف اپنا معاملہ سپرد کر دیجئے اور ایسے زندہ پر کبھی بھروسا نہ کیجئے جو مر جائے گا اور بعض صالحین نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ کسی عقل رکھنے والے شخص کے لیے صحیح نہیں کہ وہ اس کے بعد کسی مخلوق پر بھروسا رکھے اور ''توکل'' یہ ہے کہ تمام معاملات میں صرف اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد ہو ﴿ وَسَبِّحْ ﴾ اور آپ اللہ تعالیٰ کو اس سے منزہ و مبرا اور پاک بیان کیجئے کہ جس نے اس پر بھروسا کر رکھا ہے' وہ اسے اپنے کسی غیر کے سپرد کر دے گا (ایسا ہرگز نہیں ہوگا) ﴿ بِحَمْدِهٖ ﴾ اس کی حمد و ثناء کے ساتھ' اسی کی

توفیق سے جو حمد و ثناء کو واجب کرتی ہے یا "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" کہتے رہیے یا آپ اس کو ایسی حمد و ثناء کے ساتھ تمام عیبوں سے پاک و مبرا بیان کیجئے جو اس کی حمد و ثناء آپ بیان کرتے رہتے ہیں ﴿وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر رہنے کے لیے اکیلا کافی ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام حالات و احوال سے پوری طرح خبردار ہے اور ان کے اعمال پر جزاء دینے کے لیے کافی ہے۔

۵۹۔ ﴿اِلَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھے دن میں پیدا فرمایا یعنی ان کی مقدار کی مدت میں اسی قدر مدت صرف ہوئی کیونکہ اس وقت نہ رات تھی اور نہ دن تھا اور حضرت مجاہد سے منقول ہے کہ ان کی تخلیق کا پہلا دن اتوار تھا اور آخری دن جمعۃ المبارک کا دن تھا اور اگرچہ اللہ تعالیٰ ان کو ایک لحہ میں پیدا کرنے پر پوری طرح قادر تھا لیکن اس نے ان کو چھ دن میں صرف اس لیے پیدا فرمایا کہ اس کے بندوں کو یہ تعلیم دی جائے کہ وہ اپنے کاموں میں جلدی نہ کریں بلکہ نرمی اور ثابت قدمی سے آرام کے ساتھ اپنے کام سرانجام دیا کریں ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ﴾ پھر اس نے اپنی شان کے لائق عرش پر استوا فرمایا وہ رحمٰن ہے یعنی وہی رحمٰن ہے [اصل میں "هُوَ الرَّحْمٰنُ" ہے۔ "رحمٰن" مبتدا محذوف کی خبر ہے یا "استوٰی" میں ضمیر سے بدل ہے یا پھر "اَلَّذِيْ خَلَقَ" مبتدا ہے اور "اَلرَّحْمٰنُ" اس کی خبر ہے] ﴿فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا﴾ پس اس کے متعلق کسی باخبر سے پوچھیے [ابن کثیر کی اور علی کسائی کی قراءت میں ہمزہ کے بغیر "فَسَلْ" ہے اور "بِـهٖ"، "سَلْ" کا صلہ ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ" (المعارج:١) "آنے والے عذاب کے بارے میں سائل نے سوال کیا"۔ جیسا کہ "عَنْ" (درج ذیل) ارشاد میں اس کا صلہ ہو رہا ہے "ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ" (التکاثر:٨) "پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا"۔ "فَسْاَلْ بِهٖ" تمہارے اس قول کی طرح ہے کہ "اِهْتَمَّ بِـهٖ، وَاشْتَغَلَ بِهٖ" اور "سَاَلَ عَنْهُ" تمہارے اس قول "بَحَثَ عَنْهُ وافتش عنه" کی طرح ہے یا "خَبِيْرًا" کا صلہ ہے اور "خَبِيْرًا"، "سَلْ" کا مفعول ہے] یعنی اس کے بارے میں ایسے آدمی سے پوچھیے جو اللہ تعالیٰ کا عارف ہو وہ آپ کو اس کی رحمت کے بارے میں بتائے گا یا ایسے آدمی سے پوچھیے جو اس کی رحمت سے باخبر ہو اور "رحمٰن" اللہ تعالیٰ کے ان ناموں میں سے ایک نام ہے جن کا سابق کتب میں ذکر کیا گیا ہے لیکن قریشِ مکہ اس نام سے واقف نہیں تھے سو اس لیے آپ سے کہا گیا کہ آپ اس نام کے متعلق اہل کتاب میں سے ایسے شخص سے پوچھیے جو آپ کو بتا سکے تا کہ آپ اس کو اس نام کا تعارف کرا سکیں جو اس کا انکار کرتا ہو اور اسی وجہ سے قریشِ مکہ کہا کرتے تھے: ہم یمامہ کے رحمٰن کے سوا کسی رحمٰن کو نہیں جانتے ان کی مراد مسیلمہ کذاب تھا جس کو رحمان الیمامہ کہا جاتا تھا۔

٦٠۔ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا یعنی جب سیّدِ عالم حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام مشرکین سے فرماتے کہ ﴿اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ﴾ تم رحمٰن کو سجدہ کرو (یعنی) اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھو اور اسی کے لیے عاجزی و انکساری اختیار کرو ﴿قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ﴾ تو وہ کہتے: رحمٰن کیا چیز ہے؟ یعنی ہم رحمٰن کو نہیں جانتے تو اسے سجدہ کیسے کریں پس یہ سوال مسمّٰی بہ کے بارے میں ہے کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اس نام سے نہیں جانتے تھے اور حرف "مَا" کے ساتھ مجہول کے بارے میں سوال تھا یا اس کے معنی کے متعلق تھا کیونکہ رحمٰن ان کے کلام میں مستعمل نہیں تھا جس طرح "رحیم"، "راحم" اور "رحوم" مستعمل تھے ﴿اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا﴾ کیا ہم اس کے لیے سجدہ کریں جس کے لیے سجدہ کرنے کا آپ ہمیں حکم دیتے ہیں یا یہ کہ اے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! ہم اسے جانے بغیر صرف آپ کے حکم کی وجہ سے سجدہ کریں [علی کسائی اور حمزہ کی

قراءت میں "یَأمُرُنَا" ہے] گویا ان میں سے بعض نے اپنے بعض ساتھیوں سے کہا کہ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کے لیے ہمیں (سرورِ کونین حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حکم دیتے ہیں یا وہ ہمیں رحمٰن نام کی ذات کو سجدہ کرنے کا حکم دیتے ہیں حالانکہ ہم نہیں جانتے وہ کون ہے اور دراصل انہوں نے عناد سے کام لیا کیونکہ اہل لغت کے نزدیک اس کا معنی ہے: بے انتہا رحمت فرمانے والا' جس کے بعد رحمت کی انتہا نہیں' اس لیے کہ ["فعلان" مبالغہ کے صیغوں میں سے ہے] جب کوئی انتہائی پیاسا ہو تو "رَجُلٌ عَطْشَانٌ" کہا جاتا ہے ﴿وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا﴾ اور ارشادِ باری تعالیٰ: "اُسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ" (رحمٰن کو سجدہ کرو) نے ان میں نفرت اور ایمان سے دوری کو بڑھا دیا۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾ وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَ الَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا ﴿۶۴﴾ وَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖۗ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۶۶﴾

بہت بڑی برکت والا ہے وہ (خدا) جس نے آسمان میں (بارہ) برج بنائے اور اس میں چراغ اور روشنی دینے والا چاند بنایا O اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا' اس شخص کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہو یا شکر گزار بننا چاہتا ہو O اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: سلام ہو O اور جو اپنے رب تعالیٰ کے لیے رات سجدے اور قیام کرتے ہوئے گزار دیتے ہیں O اور وہ جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہم سے دوزخ کے عذاب کو پھیر دے' بے شک اس کا عذاب لازم ہے O بے شک وہ بُرا ٹھکانا ہے اور بُری قیام گاہ ہے O

رحمان کی شان اور عباد الرحمان کی پہچان

۶۱- ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا﴾ بہت برکت والا ہے وہ (خدا) جس نے آسمان میں (بارہ) برج بنائے اور یہی سات کواکبِ سیارہ کی منزلیں ہیں اور ہر ستارے کے لیے دو گھر ہیں جن میں اس کا حال قوی ہوتا ہے اور سورج کے لیے ایک گھر ہے اور چاند کے لیے بھی ایک گھر ہے' لیکن حمل اور عقرب دونوں مریخ کے گھر ہیں اور ثور اور میزان زُھرہ کے دو گھر ہیں اور جوزاء اور سنبلہ دونوں عطارد کے گھر ہیں اور سرطان قمر کا گھر ہے اور اسد شمس کا گھر ہے اور قوس اور حوت دونوں مشتری کے گھر ہیں اور جدی اور دلو دونوں زُحل کے گھر ہیں اور یہ بروج چار طبیعتوں پر تقسیم کیے گئے ہیں اور ان طبیعتوں میں سے ہر ایک کو تین تین برج ملتے ہیں' چنانچہ حمل اور اسد اور قوس تینوں ناریہ ہیں اور ثور اور سنبلہ اور جدی تینوں اُرضیہ ہیں اور جوزاء اور میزان اور دلو تینوں ہوائیہ ہیں اور سرطان اور عقرب اور حوت تینوں مائیہ (آبی) ہیں۔ ان کے نام بروج اس لیے رکھے گئے کہ بروج کا معنی بلند و بالا محلات ہیں کیونکہ یہ بروج کواکبِ سیارہ کے لیے اس طرح منازل و مراکز ہیں' جس طرح رہائشیوں کے لیے ان کی رہائش گاہیں منازل ہوتی ہیں اور "بروج" "تبرّج" سے مشتق ہے' جس کا معنی

ظہور ہے اور حضرت حسن' قتادہ اور مجاہد نے فرمایا کہ بروج بڑے ستاروں کا نام ہے' ان کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ﴿ وَّجَعَلَ فِيهَا سِرٰجًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس آسمان میں ایک چراغ یعنی سورج بنایا' روشنی دینے کی وجہ سے سورج کو چراغ کہا گیا ہے [حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں "سُرُجًا" ہے یعنی ستارے] ﴿ وَّقَمَرًا مُّنِيرًا ﴾ اور ایک روشنی دینے والا چاند بنایا (یعنی) رات کو روشن کرنے والا چاند بنایا۔

٦٢- ﴿ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً ﴾ اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا [" فِعلة" کے وزن پر ہے" خلف" سے ماخوذ ہے جیسے" ركبة"،" ركب" سے ماخوذ ہے اور یہ وہ حالت ہے جس پر رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں' ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے پیچھے آتا ہے] اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو خلیفہ بنایا ہے' اس لیے ان میں سے ہر ایک دوسرے کے گزر جانے کے بعد اس کے پیچھے آتا ہے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں سے ہر ایک کو اپنے دوسرے کا خلیفہ اور جانشین بنایا کہ اگر ایک میں کوئی ورد' وظیفہ اور کوئی عمل رہ جائے تو دوسرے میں ادا کر لیں ﴿ لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ ﴾ اس شخص کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہو' وہ ان دونوں کی تسخیر میں غور و فکر کرے اور ان دونوں کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے میں اور ادل بدل ہونے میں سوچ و بچار کرے تو وہ ضرور ان دونوں کی تدبیر و تسخیر کرنے والے خالق و مالک کو پہچان لے گا [حمزہ اور خلف کی قراءت میں "يَذْكُرَ" ہے] یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا چاہتا ہو یا بھولی چیز کو یاد کرنا چاہتا ہو تا کہ پھر اس کی قضا کرے ﴿ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴾ یا وہ شکر گزار بننا چاہتا ہو یعنی وہ رات اور دن میں اس نعمت پر اپنے پروردگار کا شکر ادا کرنا چاہتا ہو۔

٦٣- ﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا ﴾ اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر پرسکون ہو کر نرمی سے چلتے ہیں۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں (کافروں) کے اوصاف بیان فرمائے اور اس کے بعد اب ان آیات میں اپنے اولیائے کرام کے اوصاف حسنہ بیان فرمائے اور "عباد" کی رحمٰن کی طرف اضافت و نسبت تخصیص کے لیے ہے اور ان بندوں کی شرافت و فضیلت اور بزرگی کا اظہار کرنے کے لیے ہے یعنی رحمٰن کے بندے بڑے بڑے نرم خو اور آرام سے چلنے والے ہوتے ہیں اور "هون" کا معنی ہے: نرم اور ملائم یعنی رحمٰن کے بندے بڑے بڑے پرسکون' وقار اور تواضع کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں' اکڑ کر تکبر و غرور اور اترا کر نہیں چلتے' سو وہ اپنے قدموں کو زمین پر نہیں مارتے اور نہ وہ شیخی سے اترا کر اپنے جوتے زمین پر مار کر کھڑ کھڑاتے ہیں اور اس لیے بعض علمائے اسلام نے بازار میں سوار ہو کر چلنے کو ناپسند کیا ہے اور نیز اس ارشاد کی بناء پر کہ "وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ" (الفرقان:۲۰) "اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بازار میں پیدل چلتے ہیں" ["عِبَادُ الرَّحْمٰنِ" مبتدا ہے اور "الَّذِينَ يَمْشُونَ" اس کی خبر ہے یا پھر "أُولٰئِكَ يُجْزَوْنَ" خبر ہے اور "الَّذِينَ يَمْشُونَ" اور ان کے مابعد صفت ہے اور "هَوْنًا" حال ہے یا "مشي" کی صفت ہے] ﴿ وَّإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُونَ ﴾ اور جب ان سے جاہل لوگ بات کرتے ہیں یعنی جب ان سے نادان و بے وقوف لوگ کوئی ایسی بات کرتے ہیں جو نامناسب و ناپسندیدہ ہوتی ہے تو ﴿ قَالُوا سَلٰمًا ﴾ اللہ تعالیٰ کے یہ بندے کہتے ہیں: سلام ہو (یعنی) بندگانِ خدا سلامتی کی بات کہتے ہیں' جس میں وہ ایذا اور تکلیف اور گناہ سے سلامت و محفوظ رہتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ ہم تم سے سلامتی چاہتے ہیں اور ہم تم سے متارکت (کنارہ کشی) کرتے ہیں اور ہم تم سے جاہلانہ رویہ اختیار (کر کے جھگڑا) نہیں کرتے' پس "سلام" کو تسلیم کے قائم مقام کیا گیا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ قتال کی آیت مبارکہ نے اس کو منسوخ کر دیا ہے اور اب اس کی ضرورت نہیں رہی' البتہ جاہلوں اور بے وقوفوں سے چشم پوشی سے کام لینا شرعاً اور اخلاقاً مستحسن ہے' یہ بندگانِ رحمان کے دن کا وصف بیان ہوا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے رات کے

وصف کو بیان کرنے کے لیے ارشاد فرمایا:

٦٤- ﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا﴾ اور وہ جو اپنے پروردگار کی خاطر رات سجدوں اور قیاموں میں گزار دیتے ہیں۔ "بیتوتۃ" ظلول کی نقیض ہے اور اس کا معنی ہے: رات گزارنا نیند ہو یا نہ ہو اور علمائے اسلام نے فرمایا کہ جس نے رات کی نماز میں قرآن مجید کا کچھ حصہ تلاوت کیا ہو اگرچہ تھوڑا سا حصہ تلاوت کیا ہو تو بے شک اس نے رات سجدہ اور قیام میں گزاری اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نمازِ مغرب کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھنے والا اور نماز عشاء کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھنے والا رات سجدہ میں اور قیام میں گزارنے والوں میں شامل ہے اور اس آیت مبارکہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات بھر عبادت کرنے والوں کی یا رات کے اکثر حصے میں عبادت کرنے والوں کی توصیف وتعریف بیان فرمائی ہے۔[1]

٦٥- ﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا﴾ اور وہ جو عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے دوزخ کا عذاب پھیر دے، بے شک اس کا عذاب پائیدار ہے (یعنی) ہلاک کرنے والا لازم ہے اور اسی سے "غریم" ماخوذ ہے اور "غریم" بہ معنی قرض خواہ ہے کیونکہ یہ مقروض سے قرض کا مطالبہ کرنے کے لیے اس کے ساتھ لازم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے سجدے اور قیام کرتے ہوئے شب بیداری کے ساتھ اپنے نیک بندوں

[1] کیونکہ رات کی عبادت میں مشقت ومحنت بہت زیادہ ہوتی ہے اور یہ عبادت اخلاص کے قریب ترین اور ریاء و دکھاوے سے دور ہوتی ہے اور پرسکون رات کی وجہ سے دل اور زبان میں خوب یکسانیت پائی جاتی ہے، اس لیے قرآن وسنت میں اس عبادت کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے، یہاں چند احادیث کے بیان پر اکتفاء کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو عمل کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے۔

(۱) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَةُ الْقُرْاٰنِ وَاَصْحَابُ اللَّيْلِ" میری امت کے افضل و بہترین لوگ قرآن پڑھنے والے اور رات کو عبادت کرنے والے ہیں۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْمَفْرُوْضَةِ صَلٰوةٌ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ" فرض نماز کے بعد سب سے اعلیٰ نماز نصف رات کے وقت نماز پڑھنا ہے۔

(۳) حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم رات کی عبادت اپنے اوپر لازم کر لو کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ ہے اور یہ تمہارے پروردگار کے قرب کا ذریعہ ہے اور برائیوں کو مٹانے والی اور گناہوں سے روکنے والی عبادت ہے۔

(۴) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے، ایک وہ آدمی جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھتا ہے، دوسرے وہ نمازی حضرات جب وہ نماز میں صفیں باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں، تیسرے وہ مجاہدین جو دشمن کے مقابلے میں لڑنے کے لیے جب صفیں باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جس نے عشاء کی نماز کے بعد دو رکعت نماز نفل یا اس سے زیادہ پڑھے، وہ رات بھر عبادت کرنے والوں میں داخل ہے۔

(۶) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے عشاء کی نماز باجماعت ادا کی، وہ نصف شب عبادت کرنے والے کی طرح ہے اور جس نے فجر کی نماز باجماعت ادا کی، وہ پوری رات عبادت کرنے والے کی طرح ہے۔ (ماخوذ از تفسیر مظہری جلد ۷ ص ۴۶-۴۷، مطبوعہ مکتبہ ندوۃ المصنفین، دہلی)

کی توصیف بیان فرمائی' پھر اس کے بعد ان کی اس دعا کا صرف یہ بتانے کے لیے ذکر فرمایا ہے کہ بے شک یہ نیک حضرات عبادت و ریاضت میں اپنی پوری کوشش صرف کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے' نہایت عاجزی اختیار کرنے والے اور اپنے آپ سے دوزخ کا عذاب دور کرانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے آہ و زاری کرنے والے اور گڑگڑانے والے ہیں۔

٦٦- ﴿ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴾ بے شک وہ یعنی بے شک دوزخ بہت بُرا ٹھکانا ہے اور بہت بُری قیام گاہ ہے [''سَآءَتْ''، ''بِئْسَت'' کے حکم میں ہے اور اس میں مبہم ضمیر ہے جس کی تفسیر ''مستقرًّا'' کر رہا ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ ''هِیَ'' ضمیر ہے اور یہ ضمیر وہ ہے جو جملہ کا رابطہ ''اِنَّ'' کے اسم کے ساتھ قائم رکھتی ہے اور اس کو ''اِنَّ'' کی خبر قرار دیا گیا ہے' اس کا معنی یہ ہے: ''سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا هِیَ'' دوزخ بُرا ٹھکانا ہے اور بُری قیام گاہ ہے وہ' یا یہ معنی ''احزنت'' ہے اور اس میں ''اِنَّ'' کے اسم کی ضمیر ہے اور ''مستقرًّا'' حال ہے یا تمیز ہے اور یہ صحیح ہے کہ یہ دونوں تعلیلیں متداخل اور مترادف تعلیلیں ہوں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے ہوں اور ان کے قول کی حکایت ہو]۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾ وَالَّذِيْنَ
لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا
يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ
فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ
حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ
مَتَابًا ﴿٧١﴾

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا خرچ کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور وہ (خرچ) اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے O اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ اس جان کو ناحق قتل کرتے ہیں جس کا مارنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں' اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ گناہ کی سزا پائے گا O قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ذلیل و خوار ہو گا O مگر جو توبہ کر لے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو یہی لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے تبدیل کر دے گا' اور اللہ تعالیٰ بہت بڑا بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O اور جس نے (سچے دل سے) توبہ کر لی اور نیک عمل کرنے لگا تو بے شک وہی اللہ تعالیٰ کی طرف کما حقہ رجوع رکھتا ہے O

٦٧- ﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا ﴾ اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو بے جا خرچ نہیں کرتے اور نہ وہ خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ مزے لینے کے لیے کھانا نہیں کھاتے (بلکہ بھوک مٹانے اور عبادت کی قوت حاصل کرنے کے لیے کھاتے ہیں) اور وہ لوگ شیخی مارنے اور تکبر کرنے کے لیے لباس نہیں پہنتے اور حضرت

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ وہ لوگ گناہوں کے کاموں میں اپنا مال خرچ نہیں کرتے' پس حکم شرعی سے تجاوز کر کے خرچ کرنا اسراف (فضول خرچی) ہے' ضرورت سے بڑھ کر خرچ کرنا اسراف نہیں ہے' چنانچہ کسی شخص نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ'' لَا خَيْرَ فِي الْاِسْرَافِ ''فضول خرچی کرنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے' تو اس شخص نے جواب میں کہا کہ بھلائی کے کاموں میں مال خرچ کرنا کوئی فضول خرچی نہیں ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:'' مَنْ مَّنَعَ حَقًّا فَقَدْ قَتَرَ' وَمَنْ اَعْطٰى فِيْ غَيْرِ حَقٍّ فَقَدْ اَسْرَفَ ''جس نے حق کی جگہ اپنا مال خرچ کرنے سے روک لیا تو اس نے یقیناً بخل سے کام لیا اور جس نے ناحق جگہ میں خرچ کرنے کے لیے اپنا مال عطا کیا تو اس نے فضول خرچی کی اور حد سے تجاوز کیا ﴿وَلَمْ يَقْتُرُوْا﴾ اور وہ (خرچ کرنے میں) تنگی نہیں کرتے۔'' قتر ''،'' اقتار ''اور'' تقتیر ''تینوں کا معنی ہے: تنگی کرنا' کنجوسی اور بخل سے کام لینا اور یہ'' اِسْرَاف '' کی نقیض (متضاد) ہے [کوفی قراء کے نزدیک'' تَا ''مضموم (باب'' نَصَرَ يَنْصُرُ '' سے) ہے اور ابن عامر شامی اور نافع مدنی کی قراءت میں'' یَا ''مضموم اور'' تَا '' مکسور (باب افعال) ہے اور ابن کثیر مکی اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں'' یَا ''مفتوح اور'' تَا '' مکسور (باب'' ضَرَبَ يَضْرِبُ '') ہے] ﴿وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ اور وہ اس کے درمیان میں برابر کی حد پر تھا' یعنی ان کا مال خرچ کرنا اسراف و فضول خرچی اور تنگی و کنجوسی کے درمیان اعتدال پر تھا اور ان دونوں کے درمیان برابر کی حد پر تھا' پس'' قَوام '' کا معنی ہے کہ دو چیزوں کے درمیان برابر کرنا [اور یہ دونوں منصوبات یعنی'' بَيْنَ ذٰلِكَ ''اور'' قَوَامًا ''،'' کَانَ '' کی خبریں ہیں] اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی ایک صفت اعتدال بیان فرمائی ہے' جو زیادتی اور کمی کے درمیان کی صفت ہے اور جو غلو اور انتہاء پسندی کے درمیان اعتدال و میانہ روی کی راہ ہے اور اسی کی مثل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا گیا ہے' ارشادِ باری تعالیٰ ہے:'' وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ '' (الاسراء:۲۹)'' اور آپ اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ باندھ کر نہ رکھیے اور نہ اس کو پورا کھول دیجئے''۔ اور عبدالملک بن مروان نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے ان کے خرچ کے بارے میں سوال کیا اور یہ ان دنوں کی بات ہے جب عبدالملک نے اپنی بیٹی کی شادی حضرت عمر بن عبدالعزیز سے کر دی تھی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جواب میں فرمایا کہ میں دو برائیوں (فضول خرچی اور کنجوسی) کے درمیان بھلائی (اعتدال) کے ساتھ خرچ کرتا ہوں' چنانچہ عبد الملک بن مروان سمجھ گیا کہ حضرت عمر کی مراد وہی ہے جو اس آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے اور بعض مفسرینِ کرام نے بیان فرمایا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں جو میانہ روی اور اعتدال کی خوبی بیان کی گئی ہے' یہ خوبی حضور سرورِ عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے صحابۂ کرام علیہم الرضوان میں خصوصی طور پر موجود تھی اور وہی اوّلین مصداق ہیں کیونکہ یہ حضرات مزہ لینے اور لذت حاصل کرنے کے لیے کھانا نہیں کھاتے تھے اور نہ حسن و جمال کے اظہار اور زیب و زینت کے لیے لباس پہنتے تھے بلکہ یہ حضرات تو صرف بھوک مٹانے کے لیے کھانا کھاتے تھے اور ستر پوشی کرنے' اور شرمگاہوں کو چھپانے کے لیے اور سردی اور گرمی سے بچنے کے لیے لباس پہنا کرتے تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اسراف کے لیے اسی قدر کافی ہے کہ جس چیز کی آدمی کا دل خواہش نہ کرتا ہو وہ اسے کھا لے۔

۶۸- ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے ﴿وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ اور وہ اس جان کو قتل نہیں کرتے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے جس کا قتل کرنا حرام قرار دیا ہے [اصل میں'' حَرَّمَهَا اللّٰهُ ''یعنی'' حَرَّمَ قَتْلَهَا '' ہے] ﴿اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ مگر حق کے ساتھ (یعنی) قصاص میں یا سنگساری میں یا مرتد ہو جانے کی صورت میں یا

مشرک ہونے کی صورت میں یا زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش میں [یہ قتل محذوف کے متعلق ہے یا ''لایقتلون'' کے متعلق ہے] ﴿وَلَا يَزْنُوْنَ﴾ اور وہ زنا نہیں کرتے' اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں سے ان بڑے گناہوں کی نفی کر کے ان کے دشمنوں قریشِ مکہ اور ان کے علاوہ دیگر کفار پر تعریض و تشنیع اور طنز کیا ہے' جو ان گناہوں کے مرتکب ہوتے تھے ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ﴾ اور جو شخص یہ کام یعنی مذکورہ بالا گناہوں کا ارتکاب کرے گا ﴿يَلْقَ اَثَامًا﴾ وہ گناہ کی سزا پائے گا (مضاف محذوف ہے' اصل میں) ''جزآء الاثم'' گناہ کی سزا ہے۔

۶۹۔ ﴿يُّضٰعَفْ﴾ بڑھایا جائے گا۔ [یہ ''یَلْقَ'' سے بدل ہے کیونکہ دونوں کا ایک معنی ہے' اس لیے کہ عذاب کا بڑھانا ہی گناہ کی سزا ہے' جیسا کہ شاعر کا قول ہے کہ ؎

مَتٰی تَاْتِنَا تُلْمِمْ فِیْ دِیَارِنَا　　تَجِدْ حَطَبًا جَزْلًا وَنَارًا تَاَجُّجَا

''جب تو ہمارے پاس آئے گا تو ہمارے گھروں میں ہمارے پاس آ کر ٹھہرنا کہ تو ہمارے پاس بہت لکڑیاں اور بہت زیادہ آگ کو پائے گا''۔

پس ''تلمم'' کے آخر میں جزم اس لیے ہے کہ یہ ''تاتینا'' کا ہم معنی ہے کیونکہ ''اتیان'' ہی ''المام'' ہے۔ ابن کثیر مکی' یزید اور یعقوب کی قراءت میں ''یُضَعَّفْ'' (عین مشدد اور ''فا'' مجزوم باب تفعیل) ہے جب کہ ابن عامر شامی کی قراءت میں ''یُضَعَّفُ'' (عین مشدد اور ''فا'' مرفوع باب تفعیل) ہے' ابوبکر کوفی کی قراءت میں ''یُضَاعَفُ'' (باب مفاعلہ) ہے' یہ ماقبل سے الگ ہے یا پھر ماقبل سے حال ہے اور معنی یہ ہے: ''یُضَاعَفُ''] ﴿لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن اس کے لیے عذاب بڑھایا جائے گا یعنی آخرت میں انہیں ہمیشہ سارا زمانہ عذاب پر عذاب دیا جاتا رہے گا اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ جب مشرک شرک کے ساتھ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے تو ڈبل گناہ کرتا ہے' ایک شرک دوسرا گناہ' اس لیے اسے سزا ڈبل دی جائے گی۔ شرک پر بھی اور گناہ کے ارتکاب پر بھی' دونوں کی وجہ سے اسے عذاب پر عذاب دیا جائے گا تو گویا سزا جرم کے زیادہ ہونے کی وجہ سے زیادہ دی جائے گی ﴿وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا﴾ اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتا رہے گا [''یَخْلُدْ'' کا جازم وہی ہے جو ''یضاعف'' ''معطوف علیہ'' ہے ''فیه'' میں ضمیر عذاب کی طرف لوٹتی ہے یعنی ''فِی العذاب'' وہ عذاب میں رہے گا اور ابن کثیر مکی اور امام حفص کی قراءت میں ''فِیْهٖ'' میں ''ھا'' کو اشباع کر کے پڑھا جاتا ہے یعنی ''فِیْهٖ'' میں ''ہ'' کے کسرہ کو یائے مدہ کے ساتھ کھینچ کر پڑھا جائے گا اور امام حفص نے وعید میں مبالغہ کرنے کے لیے اس کلمہ کے ساتھ اشباع کو خاص کیا ہے اور اہل عرب مبالغہ کے لیے کلمہ کو دراز کر کے پڑھتے ہیں' اس کے باوجود کہ ہائے کنایہ میں اصل اشباع ہے ''مهانا'' حال ہے اور بہ معنی ''ذَلِیْلًا'' ہے]۔

۷۰۔ ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ﴾ مگر جو شخص شرک سے توبہ کر لے [اور یہ جنس سے استثناء ہے اور محلاً منصوب ہے] ﴿وَاٰمَنَ﴾ اور وہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے ﴿وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾ اور وہ اپنی توبہ کے بعد نیک عمل کرنا شروع کر دے ﴿فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ﴾ سو یہی لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں تبدیل کر دے گا یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو برائیوں کے بعد نیکیوں کی توفیق عطا فرمائے گا یا توبہ کے بعد ان کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ مٹا دے گا اور ان کی جگہ ایمان و اطاعت کی نیکیوں کو ثبت فرما دے گا اور اس سے یہ مراد نہیں کہ ان کی برائیوں کو بعینھا نیکیاں بنا ڈالے گا بلکہ اس سے وہی مراد ہے جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے [برجمی کے نزدیک ''یُبْدِلُ'' مخفف ہے] ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے' وہ برائیوں کو مٹا دے گا ﴿رَّحِيْمًا﴾ بے حد مہربان ہے' وہ ان کی برائیوں کو نیکیوں کے ساتھ

بدل دے گا۔

۷۱- ﴿وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا﴾ اور جس شخص نے توبہ کی اور نیک عمل کیے تو بے شک وہی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھتا ہے' جیسا رجوع رکھنے کا حق ہے یعنی جس نے توبہ کی اور اپنی توبہ کو نیک عمل کے ذریعہ ثابت کیا تو بے شک وہی اللہ تعالیٰ کی طرف تائب ہے' ایسی توبہ ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے جو گناہوں کو مٹانے والی ہے اور ثواب حاصل کرانے والی ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَإِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا
بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ
أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا ﴿۷۴﴾ أُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ
بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا
بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

اور وہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب وہ لغو چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو اپنی عزت بچا کر گزر جاتے ہیں ○ اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں ان کے پروردگار کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے ○ اور وہ لوگ جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور تو ہمیں پرہیزگاروں کے لیے امام و پیشوا بنا دے ○ یہی لوگ ہیں جنہیں عالی شان بالا خانے انعام میں دیئے جائیں گے' اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا اور اس میں ان کا دعا اور سلام کے ساتھ استقبال کیا جائے گا ○ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کا ٹھکانا اور قیام کرنے کا مقام بہت اچھا ہے ○ اے محبوب! فرما دیجئے کہ میرا پروردگار تمہاری کیا پروا کرے گا اگر تم اس کی عبادت نہیں کرو گے' پس بے شک تم نے جھٹلایا تو عنقریب اس کا عذاب (تمہیں) لازم ہو گا ○

۷۲- ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ﴾ اور وہ لوگ جھوٹ نہیں بولتے اور ''زُوْرٌ'' بہ معنی ''کذب'' یعنی جھوٹ کے معنی میں ہے یعنی یہ نیک لوگ خطا کاروں کی مجالس سے اور جھوٹوں کی محافل سے نفرت کرتے ہیں' پس یہ لوگ شر اور اہل شر کے ساتھ ملوث ہونے سے بچنے کے لیے ان مجالس و محافل کے قریب بھی نہیں جاتے کیونکہ باطل کا مشاہدہ کرنا' اس میں شرکت کے مترادف ہے اور اسی طرح دیکھنے والوں کا حال ہے' جب تک اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی' وہ لوگ گناہ کرنے والوں کے ساتھ گناہوں میں شریک ہیں کیونکہ ان کا حاضر ہونا اور ان کو دیکھنا رضامندی کی دلیل ہے اور اس میں اضافہ کے پائے جانے کا سبب ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مواعظ میں لکھا ہے کہ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اے لوگو! تم بُروں اور بُروں کی مجالس سے بچو' یا یہ معنی ہے کہ ''لَا يَشْهَدُوْنَ شَهَادَةَ الزُّوْرِ'' کہ وہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ [یہاں مضاف محذوف ہے] اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہاں باطل کی مجالس مراد ہیں اور حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہ نیک بندے کھیل تماشا اور گانے وغیرہ کی جگہ میں حاضر نہیں ہوتے ﴿وَإِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ﴾ اور جب وہ لغو' فحش اور بے حیائی کے پاس سے گزرتے ہیں اور ہر وہ کام جو بے کار و بے ہودہ ہو اور جس کا چھوڑنا

ضروری ہو وہ لغو ہے اور معنی یہ ہے کہ جب یہ نیک بندگانِ خدا لغو اور بے ہودہ کام کرنے والوں اور اس میں مشغول ہونے والوں کے پاس سے اتفاقیہ گزرتے ہیں تو ﴿ مَرُّوْا كِرَامًا ﴾ باعزت طریقے سے گزر جاتے ہیں (یعنی) منہ پھیرتے ہوئے اور اپنے آپ کو ملوث ہونے سے بچاتے ہوئے باعزت طریقے سے گزر جاتے ہیں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ'' (القصص:۵۵)'' اور جب وہ بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں''۔ اور حضرت محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب شریر لوگ شرمگاہوں کا ذکر کرتے ہیں تو نیک بندے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔

۷۳- ﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ ﴾ اور وہ لوگ کہ جب انہیں ان کے پروردگار کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے یعنی جب ان پر قرآن مجید پڑھا جاتا ہے یا انہیں قرآن مجید کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو ﴿ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴾ وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر گر نہیں پڑتے۔ اس میں گرنے کی نفی نہیں ہے بلکہ اس کا اثبات ہے اور نفی صرف بہرے اور اندھے ہونے کی ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ ''لَا يَلْقَانِيْ زَيْدٌ مُسْلِمًا'' کہ زید مجھ سے سلام کرتے ہوئے ملاقات نہیں کرتا۔ اس میں سلام کی نفی ہے ملاقات کی نفی نہیں ہے یعنی جب بندگانِ خدا کو آیاتِ قرآنی کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں' محفوظ رکھنے والے کانوں کے ساتھ سنتے ہیں' حفاظت کرنے والی آنکھوں سے دیکھتے ہیں' جب بھی انہیں کوئی حکم دیا جائے یا انہیں کسی چیز سے منع کیا جائے تو منافقوں اور کافروں کی طرح نہیں ہیں' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا'' (مریم:۵۸)'' اور کچھ ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت عطا کی اور اپنے لیے چن لیا' جب ان پر رحمٰن کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے ہیں''۔

۷۴- ﴿ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا ﴾ اور وہ لوگ عرض کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں عطا فرما' ہماری بیویوں سے [اس میں حرف ''مِنْ'' بیانیہ ہے] گویا کہا گیا ہے کہ ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما' پھر ٹھنڈک کو بیان کیا گیا اور اس کی اس قول سے تفسیر کی گئی کہ ﴿ مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا ﴾ ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے' اور اس کا معنی یہ ہے کہ ''اَنْ يَّجْعَلَهُمُ اللّٰهُ لَهُمْ'' ﴿ قُرَّةَ اَعْيُنٍ ﴾ کہ اللہ تعالیٰ ان بیوی بچوں کو ان حضرات کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے اور یہ ان کے اس قول سے ہے: ''رَاَيْتُ مِنْكَ اَسَدًا اَیْ اَنْتَ اَسَدٌ'' میں نے تجھ سے شیر کو دیکھا ہے یعنی تم شیر ہو [یا حرف ''مِن'' ابتدا کے لیے ہے] اس معنی کی بناء پر کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان کی طرف سے نیک عمل اور اطاعت کے ذریعے ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرما۔ [امام حفص کے علاوہ اہل کوفہ اور ابوعمرو کی قراءت میں ''ذریّتنا'' (مفرد) ہے' جنس مراد لینے کی بناء پر اور دوسرے قراء کے نزدیک ''ذریّاتنا'' اور ''قرۃ'' کو نکرہ لانے کی خاطر ''اعین'' کو نکرہ لایا گیا ہے کیونکہ مضاف کو نکرہ بنانے کے لیے کوئی راستہ نہیں' ماسوا مضاف الیہ کے نکرہ لانے کے' گویا کہا کہ ہمیں ان سے سرور و فرحت عطا فرما اور ''عیون'' کی بجائے جمع قلت کے وزن پر ''اعین'' صرف اس لیے لایا گیا ہے کہ اس سے ''اعین المتقین'' یعنی پرہیزگاروں کی آنکھیں مراد ہیں جب کہ فقط ان کی آنکھیں باقی تمام لوگوں کی ''عیون'' یعنی آنکھوں کی نسبت قلیل و تھوڑی ہیں] اور معنی یہ ہے کہ نیک بندوں نے اپنے رب تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ انہیں ایسی بیویاں اور ایسی اولاد عطا فرمائے' جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اعمالِ صالحہ بجالانے والے ہوں' جن کے مقام و مرتبہ سے انہیں خوشی حاصل ہو اور ان کے سبب سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک مؤمن کی آنکھوں کے لیے اس سے زیادہ ٹھنڈک نہیں ہوتی کہ وہ

دیکھے کہ اس کی بیوی اور اس کی اولاد اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزار اور نیک ہوں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ لڑکے تھے' جب ان کو والد دیکھتے تو یہ علوم شرعیہ کی کتابت کر رہے ہوتے ﴿وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا﴾ اور ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا بنا دے ''اَیْ اَئِمَّـةً یَقْتَدُوْنَ بِنَا فِی الدِّیْنِ'' (امام کی بجائے ائمہ جمع ہے) یعنی ہم سب کو پیشوا بنا دے تاکہ دوسرے لوگ دین کے معاملہ میں ہماری پیروی کریں [لیکن واحد پر اس لیے اکتفا کیا گیا ہے کہ یہ جنس پر دلالت کرتا ہے اور التباس نہیں ہے] یا یہ معنی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو پیشوا اور رہبر بنا دے اور بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ احکام دین کے نفاذ کے لیے اور لوگوں کو ان احکام پر عمل پیرا کرانے کے لیے امارت و حکومت کی طلب کرنا اور اس میں رغبت رکھنا نیک لوگوں پر واجب ہے۔

٧٥- ﴿اُولٰٓئِكَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ﴾ یہی خوش نصیب لوگ ہیں جنہیں جنت میں بالا خانے انعام میں عطا کیے جائیں گے۔ ''ای الغرفات'' (واحد کی بجائے جمع مراد ہے) یعنی بہت سے بالا خانے انعام میں عطا کیے جائیں گے اور یہ جنت میں سب سے اونچی اور بلند و بالا منازل ہوں گی [اور اس کو واحد اس لیے لایا گیا ہے کہ اس سے جنس مراد ہے اور جمع کی دلیل درج ذیل آیت مبارکہ ہے:] ''وھم فی الغرفات امنون'' (سبا:٣٧) ''اور وہ جنتی حضرات بالا خانوں میں امن وسکون کے ساتھ رہیں گے''۔ ﴿بِمَا صَبَرُوْا﴾ اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اطاعات وعبادات پر صبر کیا اور شہوات سے باز رہے اور کفار کی تکلیفوں پر اور ان کے ساتھ جہادوں میں صبر کیا اور فقر و غربت وغیرہ پر صبر کیا ﴿وَیُلَقَّوْنَ فِیْهَا تَحِیَّةً وَّسَلٰمًا﴾ اور جنت کے بالا خانوں میں دعا اور سلام سے ان کا استقبال کیا جائے گا۔ ''تحیـة'' کا معنی تعمیر و ترقی کی دعا کرنا اور ''سـلام'' کا معنی سلامتی کی دعا کرنا ہے یعنی فرشتے جنتیوں کو ترقی درجات کی دعا دیں گے اور ان کو سلامتی کی دعا دیں گے یا یہ کہ جنتی ایک دوسرے کو دعا و سلام کریں گے [حضرت حفص کے علاوہ اہل کوفہ کی قراءت میں ''یَلْقَوْنَ'' ہے]۔

٧٦- ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے [یہ ''یُجْزَوْنَ'' سے یا ''یُلَقَّوْنَ'' سے حال ہے] ﴿حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا﴾ وہ یعنی جنت کے بالا خانے ٹھہرنے اور قیام کرنے کے لیے بہترین محلات اور عالی شان منزلیں ہیں۔ ''مستقر'' کا معنی موضع قرار یعنی ٹھہرنے کی جگہ اور ''مقاما'' کا معنی قیام گاہ اور رہائش گاہ اور یہ ''سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا'' (الفرقان:٦٦) ''کفار کا ٹھکانا اور قیام گاہ بہت بُری ہے'' کے مقابلے میں بیان کیا گیا ہے۔

٧٧- ﴿قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ﴾ اے محبوب! فرما دیجئے کہ میرے پروردگار کو تمہاری کیا پروا ہے' اگر تم اس کی عبادت نہیں کرو گے [حرف ''مَـا'' استفہام کے معنی کو متضمن ہے اور محلاً منصوب ہے] اور اس کا معنی یہ ہے کہ میرا پروردگار تمہارے ساتھ کیا کرے گا اگر وہ تمہیں اسلام کی طرف دعوت نہیں دے گا یا یہ معنی ہے کہ میرا پروردگار تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا اگر تم اس کی عبادت نہیں کرو گے یعنی بے شک اس نے تمہیں اپنی عبادت کرنے کے لیے پیدا فرمایا ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ'' (الذاریات:٥٦) ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے''۔ یعنی تمہارے پروردگار کے نزدیک اعتبار تمہاری عبادت کا ہے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا' اگر تم اس کے ساتھ کسی معبود کی عبادت نہ کرو اور یہ اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد کی طرح ہے: ''مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ'' (النساء:١٤٧) ''اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر ادا کرو اور ایمان لاؤ''۔ ﴿فَقَدْ كَذَّبْتُمْ﴾ اے اہل مکہ! پس تم نے میرے رسول کو جھٹلا دیا ﴿فَسَوْفَ یَكُوْنُ لِزَامًا﴾ سو عنقریب عذاب لازمی ہوگا [''اَیْ ذَا لِزَامًا'' یعنی لازم ہوگا یا ''مُلَازِمًا'' ہے' لازم کے مصدر کو اسم فاعل کی جگہ رکھا گیا ہے]

ضحاک نے کہا: ''ما یعبا'' کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری مغفرت کی کیا پرواہ ہے اگر تم اس کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہ کرو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

سورۃ الشعراء مکی ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○ اس کی دو سو ستائیس آیات' گیارہ رکوع ہیں

طٰسٓمٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿۴﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ﴿۵﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۹﴾

طٰسٓمٓ ○ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ○ شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے اس بناء پر کہ وہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں ○ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی نشانی اتار دیں' پس ان کی گردنیں اس کے لیے جھک جائیں ○ اور ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت نہیں آتی مگر وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں ○ سو انہوں نے یقیناً جھٹلایا' پس عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آ جائیں گی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ○ کیا انہوں نے زمین کی طرف غور سے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں ہر قسم کے عمدہ نباتات کے کتنے جوڑے اُگائے ہیں ○ بے شک اس میں ضرور بڑی نشانی موجود ہے اور ان کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ○ اور بے شک آپ کا رب تعالیٰ البتہ بہت غالب' بے حد مہربان ہے ○

اللہ تعالیٰ کی قدرت' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیر خواہی اور کفار کی ہٹ دھرمی کا بیان

۱- ﴿طٰسٓمٓ﴾ [''طٰسٓمٓ'' ''طٰسٓ'' ''یٰسین'' اور ''حٰمٓ'' میں اعشیٰ' برجمی اور حفص کے علاوہ باقی اہل کوفہ کے نزدیک امالہ کیا جاتا ہے اور یزید اور حمزہ کی قراءت میں میم کے پاس نون کو ظاہر کر کے پڑھا جاتا ہے اور ان دونوں کے علاوہ قراء نون کو میم میں مدغم کر کے پڑھتے ہیں]۔

۲- ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ﴾ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں' جس کا معجزہ ہونا ظاہر اور واضح ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا صحیح ہے اور اس سے سورتیں یا قرآن مجید مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ یہ آیتیں اس روشن کتاب کی ہیں جو (عرب میں بولے جانے والے) حروف ہجاء سے مرکب ہے۔

۳- ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ﴾ شاید آپ اپنے آپ کو غم کی وجہ سے ہلاک کر دیں گے اور ''لَعَلَّ'' کا کلمہ خوف واندیشہ

کے اظہار کے لیے ہے یعنی اے محبوب! آپ اپنی جان پر شفقت و نرمی کیجئے کہ کہیں اپنی قوم (قریش مکہ) کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے غم و رنج اور حسرت و افسوس میں اپنے آپ کو ختم کر دیں ﴿ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴾ یہ کہ وہ ایمان لانے والے نہیں (یعنی) وہ ایمان نہیں لائیں گے یا ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے یا اس خوف سے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

٤- ﴿ اِنْ نَّشَاْ ﴾ اگر ہم ان کا ایمان چاہتے تو ﴿ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَةً ﴾ ہم ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی اتار دیتے' جو واضح طور پر رہنمائی کرتی ﴿ فَظَلَّتْ ﴾ پس ہو جاتیں ''اَیْ فَتَظِلُّ'' یعنی سوڑ ھلک جاتیں [کیونکہ شرط کی جزا میں ماضی کا لفظ مستقبل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے] جیسے تم کہو کہ ''اِنْ زُرْتَنِیْ اَکْرَمْتُکَ اَیْ اُکْرِمُکَ'' اگر تم میری ملاقات کے لیے آؤ گے تو میں تمہاری عزت کروں گا (یہاں فعل ماضی ''اَکْرَمْتُ'' بہ معنی ''اُکْرِمُ'' ہے) اسی طرح زجاج نے کہا ﴿ اَعْنَاقُهُمْ ﴾ ان کی گردنیں (یعنی) ان کے سر اور ان کی پیشانیاں جھک جاتیں یا ان کی جماعتیں کیونکہ انسانوں کی فوج کے لیے کہا جاتا ہے کہ ''جَآءَ عُنُقٌ مِنَ النَّاسِ'' لوگوں کی گردنیں (یعنی) ان کی فوج آ گئی ہے ﴿ لَهَا خٰضِعِیْنَ ﴾ اس کے لیے جھک جائیں گے (یعنی) مطیع و فرماں بردار ہو جائیں گے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ ہمارے اور بنو امیہ کے بارے میں نازل ہوئی' سو عنقریب ہمیں ان پر غلبہ و تسلط حاصل ہو جائے گا' پس ان کی گردنیں بڑی مشکل کے بعد ذلیل ہو کر جھک جائیں گی اور ان کو عزت و غلبہ کے بعد یہ ذلت پہنچے گی۔

٥- ﴿ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِکْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا کَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِیْنَ ﴾ اور ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت نہیں آتی مگر وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اپنی وحی کے ذریعے ان کے لیے کوئی نئی نصیحت اور یاد دہانی نہیں بھیجتا' مگر وہ نئے سرے سے اس سے روگردانی کر لیتے ہیں اور از سر نو اس کے ساتھ کفر اختیار کر لیتے ہیں۔

٦- ﴿ فَقَدْ کَذَّبُوْا ﴾ سو بے شک انہوں نے (حضور سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت) محمد مصطفےٰ ﷺ کو ان تمام تعلیمات سمیت جھٹلا دیا' جو کچھ آپ ان کے پاس لے کر تشریف لائے تھے ﴿ فَسَیَاْتِیْهِمْ ﴾ سو عنقریب ان کے پاس آن پہنچیں گی (یعنی) پس وہ عنقریب جان لیں گے ﴿ اَنْبٰٓؤُا مَا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ اس کی خبریں جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے' اور یہ ان کے لیے وعید (دھمکی و ڈراوا) ہے اور خوف زدہ کرنا ہے کہ بے شک عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا' جب انہیں بدر کے دن یا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا عذاب پہنچے گا کہ وہ کیا چیز ہے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور وہ قرآن مجید ہے اور عنقریب اس کی خبریں اور اس کے احوال ان کے پاس آ جائیں گے' جن کا ان پر خوف تھا۔

٧- ﴿ اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الْاَرْضِ کَمْ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ کَرِیْمٍ ﴾ اور کیا انہوں نے زمین کی طرف غور سے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں ہر قسم کے نباتات کے کتنے عمدہ اور بہترین جوڑے اُگائے ہیں۔ ''مِنْ کُلِّ زَوْجٍ'' سے نباتات کی تمام اقسام مراد ہیں اور ''کَرِیْم'' کا معنی محمود یعنی عمدہ اور بہترین' کثرت سے نفع دینے والا ہے' جس سے انسان اور چوپائے کھائیں' جیسے کریم آدمی وہ شخص ہوتا ہے جس کا نفع عام ہو اور کثرت کے کلمہ ''کَمْ'' اور احاطہ کے کلمہ ''کُلّ'' کے جمع کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ کلمہ ''کل'' تفصیل کے ساتھ تمام نباتات کے جوڑوں کے احاطہ کرنے پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے اور ''کَمْ'' کا کلمہ اس محیط کی کثرت پر دلالت کرتا ہے' یہ محیط بہت کثرت پر مشتمل ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر تنبیہ کی گئی ہے۔

٨'٩- ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً وَمَا کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾ بے شک اس میں البتہ نشانی موجود ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں' یعنی بے شک ان تمام اقسام کے نباتات کے اُگانے میں اس بات پر ضرور نشانی اور دلیل موجود

ہے کہ ان کا اُگانے والا مُردوں کے زندہ کرنے پر پوری طرح قادر ہے اور اللہ تعالیٰ یقیناً خوب جانتا ہے کہ ان میں اکثر لوگوں کے دلوں پر مہر لگادی گئی ہے' ان کے ایمان لانے کی امید نہیں کی جا سکتی ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ﴾ اور بے شک آپ کا پروردگار کفار سے انتقام لینے میں زبردست غالب ہے ﴿الرَّحِيْمُ﴾ ان میں سے ایمان لانے والوں کے لیے بے حد مہربان ہے [اور ''اٰيَةً'' کو واحد لایا گیا ہے حالانکہ کثیر نشانیوں کی خبریں دی گئی ہیں' یہ اس لیے کہ ''ذٰلِكَ'' اسم اشارہ سے ''اَنْۢبَتْنَا'' کے مصدر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یا پھر نباتات کے ان جوڑوں میں سے ہر ایک میں ایک نشانی مراد ہے خواہ کوئی نشانی ہو]۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ؕ ﴿۱۷﴾

اے محبوب! وہ وقت یاد کیجئے جب آپ کے پروردگار نے موسیٰ کو پکارا کہ تو ظالم قوم کے پاس جاO فرعون کی قوم کے پاس کیا' وہ ڈرتے نہیں ہیں O اس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے O اور میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی' سو ہارون کی طرف بھیج دیجئے O اور ان کا مجھ پر ایک الزام ہے' سو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے O فرمایا: ہرگز نہیں! پس تم دونوں ہماری نشانیوں کے ساتھ چلے جاؤ' بے شک ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں O سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ بے شک ہم تمام جہانوں کے پروردگار کے رسول ہیں O بات یہ ہے کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے O

بنی اسرائیل کو آزاد کرانے اور فرعون کو تبلیغ کرنے کے لیے حضرت موسیٰ کا بھیجا جانا

۱۰'۱۱- ﴿وَاِذْ﴾ اور جب [''اِذْ'' مفعول بہ ہے ''اَیْ اُذْكُرْ اِذْ''] یعنی (اے محبوب!) اس وقت کو یاد کیجئے جب ﴿نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ آپ کے رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارا کہ تم اپنی جانوں پر کفر کے سبب ظلم کرنے والی ظالم قوم کے پاس جاؤ' اور بنی اسرائیل کو غلام بنانے اور ان کی اولاد کو ذبح کرنے کی وجہ سے ان پر ظلم کی مہر لگا کر ظالم قوم فرمایا گیا [''اَنْ'' بہ معنی ''اَیْ'' ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے عطف بیان کے ساتھ ''اَلْقَوْمَ الظَّالِمِیْنَ'' پر عطف کر کے فرمایا:] ﴿قَوْمَ فِرْعَوْنَ﴾ فرعون کی قوم کے پاس جاؤ گویا یہ دونوں عبارتیں ایک مقصد کے بیان کے لیے ایک دوسرے کے بعد استعمال ہوئی ہیں ﴿اَلَا يَتَّقُوْنَ﴾ کیا وہ ڈرتے نہیں یعنی تم ان کے پاس جا کر انہیں کفر و شرک پر ڈانٹو' سو بے شک اب ان کے لیے وقت آ گیا ہے کہ وہ ڈر جائیں اور یہ کلمہ تحریک پیدا کرنے اور ترغیب دینے کا ہے [اور اس میں احتمال ہے کہ یہ ''اَلظَّالِمِیْنَ'' کی ضمیر سے حال ہو] یعنی فرعون کی قوم کے لوگ ظلم و ستم کرتے ہیں حالانکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے عذاب سے نہیں ڈرتے [پھر انکار کا ہمزہ حال پر داخل کر دیا گیا ہے]۔

۱۲'۱۳- ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک

میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں۔خوف وہ غم ہوتا ہے جو کسی انسان کو ایسے امر کی وجہ سے لاحق ہو جائے جو عنقریب واقع ہونے والا ہے ﴿ وَيَضِيقُ صَدْرِي ﴾ اوران کی طرف سے میری تکذیب کرنے اور مجھے جھٹلانے کی وجہ سے میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے[یہ جملہ مستأنفہ ہے یا''اَخَافُ'' پر معطوف ہے] ﴿ وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي ﴾ اور میری زبانی نہیں چلتی کیونکہ جب میں ظلم وستم اور ناممکن ومحال کام دیکھتا ہوں اور لڑائی جھگڑے کی باتیں سنتا ہوں تو مجھ پر غیرت ایمانی کا جوش بڑھ کر غالب آ جاتا ہے اور غصہ کے سبب روانگی سے زبان نہیں چلتی[یعقوب کی قراءت میں یہ دونوں''یضیق''اور''لا ینطلق''منصوب ہیں کہ یہ''یُکَذِّبُوْنَ'' پر معطوف ہیں' پس اس تقدیر پر خوف کا تعلق ان تینوں کے ساتھ ہے اور مرفوع کی تقدیر پر اکیلے تکذیب کے ساتھ تعلق ہوگا] ﴿ فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَارُونَ ﴾ یعنی اے اللہ! تو حضرت جبریل کو حضرت ہارون کے پاس بھیج اور تو اسے نبی بنا دے تاکہ رسالت کی تبلیغ پر میری مدد کرے اور حضرت ہارون علیہ السلام اس وقت مصر میں تھے جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر شام کی طرف بھیجا گیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے یہ درخواست حکم کی بجا آوری سے رکنے اور اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے نہیں تھی بلکہ تبلیغ رسالت کے لیے معاون و مددگار کی درخواست تھی اور حکم کی تعمیل وتنفیذ میں مددگار کی درخواست عذر پیش کرنے کی تمہید تھی اور قبول کرنے کے لیے تو مددگار کا طلب کرنا ہی کافی دلیل ہے' علت بازی کے لیے نہیں۔

١٤- ﴿ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنبٌ ﴾ اور ان کا مجھ پر ایک الزام ہے یعنی فرعونیوں کے خیال میں قبطی شخص کے میرے ہاتھ سے قتل ہو جانے کے سبب مجھ پر جرم کی سزا لازم ہے[یہاں مضاف محذوف ہے اصل''تبعة ذنب''ہے یعنی جرم کی سزا] یا پھر جرم کی سزا کو جرم قرار دیا گیا ہے جیسا کہ بُرائی کی سزا کو بُرائی کہا گیا ہے ﴿ فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ ﴾ سو مجھے ڈر لگتا ہے کہ وہ مجھے قبطی کے قصاص (بدلے) میں قتل کر دیں گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات علت بازی اور بہانہ سازی کے لیے نہیں کہی تھی بلکہ ایک متوقع مصیبت کے لیے دفاع کی طلب کی تھی اور ادائے رسالت سے پہلے ایک قتل کی وضاحت کی تھی اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کے کلمہ کے ساتھ خوف کے دفاع اور غلبہ کا وعدہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد میں حضرت موسیٰ کی دونوں حاجتوں کی قبولیت کو جمع فرما دیا' (چنانچہ ارشاد فرمایا:)

١٥- ﴿ قَالَ كَلَّا ۖ فَاذْهَبَا ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہرگز نہیں! پس تم دونوں جاؤ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کی مصیبتوں اور ایذاؤں سے دفاع کا اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلمۂ تنبیہ کے ساتھ ان کے خوف کو دور کرنے کا وعدہ فرما لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائی حضرت ہارون کے لیے رسالت کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی درخواست قبول کی اور ارشاد فرمایا:''فَاذْهَبَا''تم دونوں جاؤ یعنی میں نے ان کو بھی تمہارے ساتھ رسول بنا دیا ہے' سو تم دونوں جاؤ[اور''فَاذْهَبَا''کو اس فعل پر معطوف کیا گیا ہے جس پر''کَلَّا'' دلالت کر رہا ہے] گویا فرمایا گیا کہ اے موسیٰ! اپنے خیال سے باز آ جاؤ' سو اب تم اور تمہارا بھائی ہارون دونوں جاؤ ﴿ بِآيَاتِنَا ﴾ ہماری نشانیوں کے ساتھ اور وہ ید بیضاء اور عصا وغیرہ کے معجزات مراد ہیں[اور حرف''بَا''،''مع''کے معنی میں ہے] ﴿ إِنَّا مَعَكُم ﴾ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں یعنی مدد ونصرت کرنے کے لیے میں تمہارے ساتھ ہوں اور علم وقدرت اور قہر وغضب کے اعتبار سے میں اس کے ساتھ ہوں' جس کی طرف تم دونوں کو بھیجا گیا ہے ﴿ مُّسْتَمِعُونَ ﴾ ہم سننے والے ہیں' پس''اِسْتِمَاع''اس جگہ کانوں سے سننا کے معنی میں مستعمل نہیں ہو سکتا' جیسے کہا جاتا ہے کہ''اِسْتَمِعْ اِلٰی حَدِیْثِهٖ''کہ فلاں کی بات کی طرف کان لگا کر غور سے سنو' اور اس کو یہاں اس معنی پر محمول کرنا جائز نہیں ہے' پس اب اس کو صرف سننے کے معنی پر محمول کیا جائے گا

["مُسْتَمِعُوْنَ"، "اَنَّا" کی خبر ہے اور "مَعَکُمْ" ظرف لغو ہے یا یہ دونوں "اِنَّا" کی خبر ہیں]۔

۱۶- ﴿فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ بے شک ہم تمام جہانوں کے پروردگار کے رسول ہیں۔ [یہاں "رَسُوْل" کو تثنیہ ذکر نہیں کیا گیا جیسا اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد میں تثنیہ ذکر کیا گیا ہے' چنانچہ ارشاد ہے کہ "اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ" (طٰہٰ: ۴۷) اس لیے کہ "رَسُوْل" بہ معنی "مُرْسَل" بھی آتا ہے اور بہ معنی رسالت بھی آتا ہے' سو یہاں رسول بہ معنی مرسل ہے' اس لیے اس کو تثنیہ لانا ضروری نہیں ہے اور وہاں بہ معنی رسالت ہے اور رسالت کے ساتھ وصف میں واحد' تثنیہ اور جمع مساوی ہوتے ہیں یا اس لیے کہ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام دونوں ایک ہی شریعت پر متحد و متفق تھے] گویا وہ دونوں ایک رسول تھے یا پھر مراد یہ ہے کہ بے شک ہم میں سے ہر ایک پروردگارِ عالم کا رسول ہے۔

۱۷- ﴿اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا﴾ یہ کہ ہمارے ساتھ بھیج دے۔ "ان" بہ معنی "اَیْ اَرْسِل مَعَنَا" ہے یعنی ہمارے ساتھ بھیج دے کیونکہ "رسول"، "ارسال" (بھیجنے) کے معنی پر مشتمل ہوتا ہے اور اس میں قول کا معنی ہے ﴿بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ مراد یہ ہے کہ ان کو چھوڑ دے تاکہ وہ ہمارے ساتھ فلسطین چلے جائیں اور فلسطین ان دونوں کا مسکن تھا' چنانچہ یہ دونوں بھائی فرعون کے دروازے پر پہنچے لیکن ایک سال تک ان دونوں کو اجازت نہیں دی گئی' یہاں تک کہ ایک دن دربان نے فرعون سے کہا کہ یہاں دروازے پر ایک شخص آیا ہے' جو خیال کرتا ہے کہ وہ تمام جہانوں کے رب تعالیٰ کا رسول ہے۔ فرعون نے کہا: اسے آنے کی اجازت دے دو تاکہ ہم اس سے ہنسی مذاق کریں' چنانچہ ان دونوں نے فرعون تک رسالت کا پیغام پہنچایا تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان لیا اور اس موقع پر (درج ذیل گفتگو کی):

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾

فرعون نے کہا کہ کیا ہم نے اپنے ہاں تمہاری بچپن میں پرورش نہیں کی اور تم نے ہمارے درمیان اپنی عمر کے کئی سال گزارے O اور تم نے اپنا وہ کام کیا جو تم نے کیا اور تم ناشکروں میں سے ہو O آپ نے فرمایا: میں نے وہ کام اس وقت کیا تھا جب کہ میں اس کام (صرف ایک مکہ مارنے پر قتل ہو جانے) سے بے خبر لوگوں میں سے تھا O سو میں تمہارے پاس سے اسی وقت نکل گیا جب میں نے تم سے خوف محسوس کیا تو میرے پروردگار نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں سے بنا دیا O اور وہ احسان جس کا تو مجھ پر احسان جتا رہا ہے یہی ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے O

۱۸- ﴿قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا﴾ فرعون نے کہا: ہم نے اپنے ہاں تمہاری بچپن میں پرورش نہیں کی تھی۔ "فَاَتَيَا فِرْعَوْنَ فَقَالَا لَهٗ" پس وہ دونوں فرعون کے پاس پہنچے اور ان دونوں نے اس سے فرمایا' کو اختصار کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے' اور "وَلِيْد" کا معنی ہے: بچہ کیونکہ ولادت و پیدائش کے قریب یہی بچپن کا زمانہ ہوتا ہے یعنی کیا تم چھوٹے سے بچے

نہیں تھے کہ ہم نے تمہیں پالا پوسا' جوان کیا؟ ﴿ وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ﴾ اور تم نے ہمارے درمیان کتنے سال گزارے تھے۔ بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے پاس تیس سال گزارے تھے۔

١٩- ﴿ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ ﴾ اور تم نے اپنا وہ کام کیا' جو تم نے کیا یعنی قبطی شخص قتل کیا' سو فرعون نے تعریض کی کیونکہ ایک بادشاہ تھا ﴿ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴾ اور تم میری نعمت و احسان کی ناشکری کر کے ناشکری کرنے والوں میں سے ہو کیونکہ تم نے میرے باورچی کو قتل کیا یا یہ کہ تم ہمارے اسی دین پر تھے جسے اب تم کفر کہتے ہو اور فرعون کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ محض بہتان اور افتراء تھا' اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کفر سے معصوم تھے اور ان کے ساتھ اپنے عقیدہ کو چھپا کر زندگی گزارتے رہے۔

٢٠- ﴿ قَالَ فَعَلْتُهَا إِذًا ﴾ حضرت موسیٰ نے فرمایا: میں نے وہ کام اس وقت کیا تھا یعنی میں نے قبطی کو مکہ اس وقت مارا تھا ﴿ وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ ﴾ جب کہ میں اس بات سے بے خبر لوگوں میں سے تھا کہ یہ کام قتل تک جا پہنچے گا اور "ضال عن الشیئ" اس چیز کی معرفت سے دور آدمی کو کہا جاتا ہے (یعنی اس چیز سے ناواقف و بے خبر آدمی) یا "ضَالِّين" بہ معنی "نَاسِين" ہے یعنی اس وقت میں بھولنے والوں میں سے تھا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى" (البقرہ:٢٨٢) "یہ کہ ان دو میں سے ایک بھول جائے تو ان دونوں میں سے ایک کو دوسری یاد کرا دے"۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ذات سے کفر کے وصف کو دور کیا اور "كَافِرِين" کی جگہ "ضَالِّين" کو رکھا اور "اِذًا" اکٹھے جواب بھی ہے اور جزاء بھی اور یہ کلام فرعون کے لیے جواب بھی ہے اور اس کے احسان کی جزا بھی کیونکہ فرعون کے قول "وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ" کا معنی یہ ہے کہ بے شک تم نے جو کچھ کیا ہے یہی میرے احسان کا بدلا ہے تو حضرت موسیٰ نے اسے جواب دیتے ہوئے فرمایا: ہاں! میں نے وہ کام تجھے بدلا دینے کے لیے کیا تھا' آپ نے اس کی بات تسلیم کر لی کیونکہ اس کا احسان اسی کے لائق تھا کہ اس قسم کا بدلا دیا جائے۔

٢١- ﴿ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ ﴾ سو میں تم سے بھاگ کر مدین کی طرف چلا گیا ﴿ لَمَّا خِفْتُكُمْ ﴾ جب میں نے خطرہ محسوس کیا کہ تم مجھے قتل کر دو گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ خوف و خطرہ اس وقت محسوس کیا تھا جب آلِ فرعون کے ایک مؤمن نے آپ سے کہا تھا کہ "اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ" (القصص:٢٠) "بے شک سردار تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں تا کہ تمہیں قتل کر ڈالیں' سو آپ یہاں سے نکل جائیں' بے شک میں آپ کے خیرخواہوں میں سے ہوں" ﴿ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا ﴾ پس اب میرے پروردگار نے مجھے حکم یعنی نبوت و علم عطا فرما دیا ہے اور مجھ سے نادانی و بے خبری دور ہو گئی ہے ﴿ وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴾ اور میرے رب تعالیٰ نے مجھے رسولوں میں سے بنا دیا ہے (یعنی) رسولوں کی جماعت میں سے بنا دیا۔

٢٢- ﴿ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴾ اور یہ احسان ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرعون کے تربیت والے احسان کو مکرر ذکر کیا گیا ہے' اس لیے حضرت موسیٰ نے اسے اس کی جڑ سے باطل کر دیا اور اس کو احسان ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ تو ایک عذاب تھا' اس لیے حضرت موسیٰ نے بیان فرمایا کہ ان پر فرعون کے احسان کی حقیقت بنی اسرائیل کو غلام بنا کر رکھنا ہے کیونکہ بنی اسرائیل کو غلام بنانا اور فرعونیوں کا ان کے بیٹوں کو ذبح کرنے کا قصد کرنا ہی اصل سبب ہے' فرعون کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پہنچنے کا اور اس کے پاس تربیت حاصل کرنے کا اور اگر فرعون بنی اسرائیل کو چھوڑ دیتا تو حضرت موسیٰ کی تربیت ان کے ماں باپ

کرتے تو گویا فرعون کا حضرت موسیٰ پر احسان ان کی قوم کو غلام بنانا اور انہیں ان کے ماں باپ کی گود سے نکالنا ہے اور ''تعبیدھم'' کا معنی ہے: بنی اسرائیل کو ذلیل کرنا اور انہیں غلام بنانا[''تَمُنُّهَا'' اور ''عَبَّدْتَّ'' میں ضمیر کو واحد لایا گیا ہے جب کہ ''مِنكُمْ'' اور ''خِفْتُكُمْ'' میں جمع لایا گیا ہے] کیونکہ خوف اور فرار صرف اکیلے فرعون سے نہیں تھا بلکہ فرعون اور قتل کا مشورہ دینے والے سرداروں سے تھا' جس کی دلیل یہ ارشاد ہے کہ ''اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ'' (القصص:۲۰) ''بے شک سردار تمہارے بارے میں مشورہ کررہے ہیں تاکہ وہ تمہیں قتل کردیں''۔ اور لیکن احسان تو صرف ایک شخص کا تھا اور اسی طرح غلام بنانا[اور ''تِلْكَ'' سے ایک مبہم اور بُری خصلت کی طرف اشارہ ہے اور اس کی وضاحت کے بغیر اس کا علم نہیں ہوسکتا اور ''اَنْ عَبَّدْتَّ'' محلاً مرفوع ہے اور ''تِلْكَ'' کا عطف بیان ہے] یعنی تیرا بنی اسرائیل کو غلام بنانا ہی وہ احسان ہے جس کا تو مجھے احسان جتا رہا ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۳۳﴾

فرعون نے کہا کہ تمام جہانوں کا رب کیا ہے O فرمایا: وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے' اگر تم یقین کرنے والے ہو O اس (فرعون) نے اپنے اردگرد والوں کو کہا کہ کیا تم سنتے نہیں ہو O فرمایا: تمہارا پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے O اس نے کہا: بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے O آپ نے فرمایا: وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا مالک ہے اگر تم عقل رکھتے ہو O اس نے کہا: اگر تم نے میرے بغیر کسی معبود کو اختیار کیا تو میں تمہیں ضرور قیدیوں میں سے بنادوں گا O فرمایا: اگرچہ میں تیرے پاس کوئی روشن چیز لے آؤں O اس نے کہا: سو تم اسے لے آؤ اگر تم سچوں میں سے ہو O پس آپ نے اپنا عصا ڈال دیا تو اچانک وہ ایک کھلم کھلا اژدھا بن گیا O اور آپ نے اپنا ہاتھ نکالا تو اچانک وہ دیکھنے والوں کے لیے سفید چمک دار بن گیا O

اللہ تعالیٰ کے متعلق فرعون کے سوال کا جواب اور معجزہ طلب کرنے پر معجزے کا اظہار

۲۳- ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ فرعون نے کہا کہ تمام جہانوں کا پروردگار کیا چیز ہے؟ یعنی تم دعویٰ کرتے ہو کہ بے شک تم پروردگارِ عالم کے رسول ہو تو اس کی تعریف کیا ہے؟ کس صفت کا مالک ہے؟ اس لیے کہ جب تم زید کی صفت کے بارے میں سوال کرنا چاہتے ہو تو کہتے ہو: ''مَا زَیْدٌ'' زید کیا چیز ہے؟ تمہارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ دراز قامت ہے یا چھوٹے

قدر والا ہے' آیا وہ فقیہ (ماہر علوم دینیہ) ہے یا طبیب ہے" "کشاف" وغیرہ نے یہی بیان کیا ہے۔

٢٤- ﴿قَالَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سوال کے مطابق اس کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا﴾ وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے یعنی جو کچھ ان دو جنسوں کے درمیان میں ہے سب کا پروردگار اور مالک ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ﴾ اگر تم یقین کرنے والے ہو یعنی اگر تم چیزوں کو دلیل سے پہچان لیتے ہو تو پھر ان چیزوں کی تخلیق ہی کافی اور وافی دلیل ہے' یا یہ معنی ہے: اگر تم سے اس ایقان کی امید کی جاتی ہے جو نظر صحیح تک پہنچاتا ہے تو تمہیں یہ جواب فائدہ دے گا' ورنہ کوئی فائدہ نہیں دے گا اور ایقان اس یقینی علم کو کہا جاتا ہے جو دلائل کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے اور اس لیے "اَللّٰهُ مُوْقِنٌ" نہیں کہا جاتا۔

٢٥- ﴿قَالَ﴾ اس نے کہا یعنی فرعون نے ﴿لِمَنْ حَوْلَهٗۤ﴾ اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے اپنی قوم کے سرداروں سے کہا اور وہ پانچ سو آدمی تھے جنہیں کنگن پہنائے جاتے تھے اور یہ لوگ بادشاہوں کے مخصوص ہوتے تھے ﴿اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ﴾ کیا تم سنتے نہیں ہو۔ فرعون نے یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب سے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے اپنی قوم سے کہی تھی کیونکہ وہ زمین و آسمان کو قدیم خیال کرتے تھے اور وہ لوگ ان دونوں کے پروردگار اور مالک و خالق کا انکار کرتے تھے' اس لیے حضرت موسیٰ کو ایسی چیز کے ساتھ استدلال کرنے کی ضرورت پیش آ گئی جس کے حادث ہونے اور فنا ہونے کا ان لوگوں نے مشاہدہ کیا ہو' چنانچہ آپ نے ایسا ہی ایک استدلال پیش کیا۔

٢٦- ﴿قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ حضرت موسیٰ نے فرمایا: وہ تمہارا پروردگار ہے' تمہارے پہلے باپ دادا کا پروردگار ہے یعنی وہی اللہ تعالیٰ تمہارا خالق و مالک ہے اور تمہارے باپ دادا کا خالق و مالک ہے' پس اگر اپنے غیر کے ذریعے استدلال نہیں کر سکتے تو تم اپنے آپ سے استدلال کرو اور یہ جو "وَرَبُّ اٰبَآىٕكُمْ" فرمایا ہے تو وہ اس لیے کہ فرعون اپنے زمانہ کے لوگوں پر اپنی ربوبیّت کا دعویٰ دار تھا' ان سے پہلے لوگوں پر ربوبیّت کا دعویٰ دار نہیں تھا۔

٢٧- ﴿قَالَ﴾ یعنی فرعون نے کہا: ﴿اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ﴾ بے شک یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے کیونکہ وہ گمان کرتا ہے کہ میرے سوا ایک اور معبود موجود ہے اور فرعون اپنے علاوہ الوہیّت و معبود ہونے کا انکار کرتا تھا۔

٢٨- ﴿قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وہ مشرق و مغرب کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' سب کا پروردگار ہے' سو تم اگر اس کے ساتھ استدلال کرو گے جو میں کہتا ہوں تو تم اپنے پروردگار کو پہچان لو گے' اور یہ ہے رہنمائی کی غرض و غایت کیونکہ حضرت موسیٰ نے پہلے عام دلیل پیش کی کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے' پھر عام میں سے ان کی اپنی جانوں اور ان کے آباء و اجداد کو بیان کے لیے مخصوص فرمالیا کیونکہ عقل مند کے لیے سب سے غور و فکر کے قریب اس کی اپنی جان ہے اور جس سے وہ پیدا ہوا ہے وہ ہے اور وہ احوال ہیں جن کا وہ اپنی پیدائش کے وقت سے لے کر اپنی وفات تک مشاہدہ کرتا رہا ہے' پھر آپ نے صرف مشرق و مغرب کو مخصوص کر لیا کیونکہ ان دو سمتوں میں سے ایک سے سورج طلوع ہوتا ہے اور دوسری میں غروب ہوتا ہے اور یہ نظام سال کے تمام موسموں میں اعتدال کے ساتھ منظم تدبیر اور معین حساب پر چلتا رہتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جن چیزوں کے ساتھ استدلال کیا ہے' یہ ان سب سے زیادہ ظاہر اور واضح ہے اور اس کے ظہور کے سبب حضرت ابراہیم خلیل الرحمان علیہ السلام نے نمرود بن کنعان کے سامنے مارنے اور زندہ کرنے کے استدلال سے منتقل ہو کر

اسی طلوع وغروب کے نظام سے استدلال کیا (اور فرمایا: اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے تو تُو مغرب سے لا کر دکھا' تو نمرود لاجواب ہو گیا) اور بعض مفسرین کرام نے بیان کیا ہے کہ فرعون نے اپنے سوال کی حقیقت سے جاہل ہونے کی بناء پر ماہیّت کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا تھا' لیکن جب حضرت موسیٰ نے حقیقی جواب دیا تو فرعون سمجھا کہ حضرت موسیٰ نے جواب سے انحراف کیا ہے کیونکہ اس نے ماہیّت کے متعلق سوال کیا ہے جب کہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت اور اس کی صنعت کے آثار سے جواب دیا' اس لیے اس نے حضرت موسیٰ کے جواب پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے اپنے درباریوں سے کہا: ''اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ'' کیا تم سنتے نہیں ہو؟ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ اپنے پہلے قول کی مثل صفاتی جواب دیا تو فرعون نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ حضرت موسیٰ نے جواب سے انحراف کیا ہے' مجنون و دیوانہ قرار دے دیا لیکن حضرت موسیٰ تیسری مرتبہ اپنے پہلے کلام کی مثل کی طرف لوٹے اور وضاحت بیان کی کہ فرد حقیقی کا تعارف و معرفت اور اس کی پہچان صرف صفات کے ذریعے ہو سکتی ہے اور اس کی ماہیّت کے متعلق سوال محال و ناممکن ہے اور اسی کی طرف اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی ''اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ'' اگر تم عقل رکھتے ہو یعنی اگر تمہارے لیے عقل ہے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس طریقہ کے بغیر ناممکن ہے' پھر جب فرعون حیران ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت اور اس کی صنعت کے آثار کے ظہور کا دفاع نہ کر سکا تو

۲۹۔ ﴿قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ﴾ اس نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا ﴿لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ﴾ تو میں ضرور تمہیں قیدیوں میں داخل کر دوں گا۔ یعنی میں تجھے ان قیدیوں میں داخل کر دوں گا' جن کا حال تمہیں معلوم ہے اور فرعون کی عادت تھی کہ وہ جس کو قید کرنا چاہتا تو اسے پکڑ لیتا اور اسے اکیلا زمین کی گہرائی میں جانے والے گہرے گڑھے میں پھینک دیتا' جس میں وہ شخص نہ کچھ سن سکتا اور نہ کچھ دیکھ سکتا اور یہ سزا قتل کرنے سے زیادہ سخت تھی اور اگر ''لَاَسْجُنَنَّكَ'' کہا جاتا تو یہ معنی ادا نہ ہوتا اگرچہ مختصر ہو جاتا۔

۳۰۔ ﴿قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اور کیا اگرچہ میں تیرے پاس روشن چیز لے کر آ جاؤں [واوَ حال کی ہے' اس پر استفہام کا ہمزہ داخل کیا گیا ہے] یعنی کیا تو میرے ساتھ یہی کرے گا اگرچہ میں تیرے پاس ایک روشن چیز یعنی معجزہ لے آؤں۔

۳۱۔ ﴿قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ فرعون نے کہا کہ پس تم وہ معجزہ لے آؤ جو تمہاری صداقت و حقانیت کو بیان کر دے اگر تم سچوں میں سے ہو کہ بے شک تمہارے پاس ایک واضح اور روشن معجزہ ہے [اور شرط کا جواب مقدر ہے یعنی ''فاحضروہ''] سو تم اسے حاضر کرو۔

۳۲۔ ﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ﴾ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک ڈال دیا تو اچانک وہ ایک کھلم کھلا اژدھا بن گیا' جس کا اژدھا ہونا بالکل ظاہر اور واضح تھا۔ کوئی چیز اژدھے کے مشابہ نہیں تھی جیسا کہ جادو اور شعبدہ بازی کے ذریعے چیزیں دکھائی جاتی ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ یہ اژدھا آسمان کی طرف ایک میل بلند ہو گیا تھا' پھر فرعون کی طرف جھکا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا: اے موسیٰ! آپ جو چاہتے ہیں مجھے حکم دیں' اور فرعون کہنے لگا: میں آپ کو اس ذاتِ اقدس کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ اسے واپس پکڑ لیں' چنانچہ آپ نے اسے پکڑ لیا تو وہ دوبارہ عصا بن گیا۔

۳۳۔ ﴿وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ﴾ اور حضرت موسیٰ نے اپنا ہاتھ نکالا تو اچانک وہ دیکھنے والوں کے

لیے سفید چمک دار ہو گیا۔ اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ ہاتھ کی سفیدی ایسی چیز تھی' جس پر ناظرین کی نظریں جمع ہو جاتی تھیں کیونکہ یہ نورانی سفیدی خلاف عادت نکلتی تھی اور یہ سفیدی نورانی تھی۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ فرعون نے جب پہلا معجزہ دیکھا تو کہنے لگا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی اور معجزہ ہے؟ چنانچہ حضرت موسیٰ نے اپنا ہاتھ نکالا اور فرعون سے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ فرعون نے کہا: یہ تمہارا ہاتھ' تو حضرت موسیٰ نے اسے اپنی بغل میں داخل کیا' پھر جب اسے نکالا تو اس سے نورانی شعاعیں ہر طرف پھیل رہی تھیں' قریب تھا کہ آنکھیں چندھیا جاتیں اور اُفق بند ہو جاتے۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

فرعون نے اپنے اردگرد درباریوں سے کہا: بے شک یہ بہت بڑے علم والا جادوگر ہےO چاہتا ہے کہ وہ تمہیں اپنے جادو کے زور پر تمہاری سرزمین سے نکال دے' سو تم کیا مشورہ دیتے ہوO انہوں نے کہا: اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دے دے اور شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیج دےO کہ وہ تیرے پاس ہر بڑے علم والے ماہر جادوگر کو لے آئیںO پھر ایک دن معین کر کے مقررہ وقت پر سب جادوگروں کو جمع کیا گیاO اور لوگوں سے کہا گیا کہ کیا تم بھی جمع ہونے والے ہوO شاید ہم جادوگروں کی پیروی اختیار کر لیں اگر وہ غالب آ گئےO پھر جب جادوگر آ گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ کیا ہمیں ضرور انعام ملے گا اگر ہم غالب آ گئےO فرعون نے کہا: ہاں! اور بے شک اس وقت تم میرے مقربین میں سے ہو جاؤ گےO موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم جو کچھ ڈالنے والے ہو ڈال دوO سو انہوں نے اپنی (تمام) رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں اور انہوں نے کہا: فرعون کی عزت کی قسم! ہم یقیناً ضرور غالب آنے والے ہیںO

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرعون کے جادوگروں کا مقابلہ

۳۴- ﴿قَالَ﴾ اس نے یعنی فرعون نے کہا: ﴿لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ﴾ اپنے اردگرد درباری سرداروں سے [''حَوْلَهٗ'' منصوب ہے دو نصبوں کے ساتھ' ایک نصب لفظ میں ہے اور اس کا عامل وہی ہے جو ظرف میں مقدر ہے اور دوسرا نصب محل میں ہے اور یہ نصب حال کی بناء پر ''اَیْ کَائِنِیْنَ حَوْلَهٗ'' اور اس کا عامل ''قَالَ'' ہے] ﴿اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ﴾ بے شک یہ جادو کے فن میں بہت بڑا علم رکھنے والا جادوگر ہے' پھر فرعون نے اپنی قوم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف گمراہ کرنے کے لیے کہا:

۳۵- ﴿ یُّرِیۡدُ اَنۡ یُّخۡرِجَکُمۡ مِّنۡ اَرۡضِکُمۡ بِسِحۡرِہٖ ٭ۖ فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ ﴾ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں اپنے جادو کے زور پر تمہاری زمین سے نکال دے' پس تم کیا مشورہ دیتے ہو' تم ان کو قید کرنے کا مشورہ دیتے ہو یا قتل کرنے کا [''فَمَاذَا'' مفعول بہ ہے' تمہارے اس قول ''اَمَرْتُکَ الْخَیْرَ'' سے ہے۔ ''تَاْمُرُوْنَ'' ''مؤامرۃ'' سے ماخوذ ہے یا ''امر'' سے مشتق ہے وہ جو نہی کی ضد ہے] جب فرعون نے دو عظیم الشان معجزے دیکھے تو حیران و پریشان ہو گیا اور خدائی دعویٰ کا بھوت اتر گیا اور ربوبیت کی کبریائی و بڑائی اس کے کندھوں سے اتر گئی اور خوف کے مارے اس کی رگیں کانپنے لگیں اور وہ اپنی اس قوم سے مشورہ مانگنے لگا' جس کو وہ اپنے گمان میں غلام سمجھتا تھا اور خود کو اس کا خدا سمجھتا تھا یا اس نے انہیں اپنا حکام بنالیا اور اپنے آپ کو محکوم بنالیا۔

۳۶- ﴿ قَالُوۡۤا اَرۡجِہۡ وَ اَخَاہُ ﴾ انہوں نے کہا: اسے اور اس کے بھائی کو ٹھہرا لے (یعنی) ان دونوں کے معاملے کو مؤخر کر دے اور فتنہ کے خوف سے بچنے کے لیے ان دونوں کے قتل کے معاملہ کو نہ اُبھار ﴿ وَ ابۡعَثۡ فِی الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِیۡنَ ﴾ اور شہروں میں جمع کرنے والی پولیس کو بھیج دے' وہ جادوگروں کو جمع کریں اور انہوں نے فرعون کے قول ''اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیۡمٌ'' کا اپنے (درج ذیل) قول کے ساتھ مقابلہ کیا:

۳۷- ﴿ یَاۡتُوۡکَ بِکُلِّ سَحَّارٍ عَلِیۡمٍ ﴾ وہ تیرے پاس ہر ایک بہت بڑے علم رکھنے والے ماہر جادوگر کو لے آئیں گے' سو وہ لوگ احاطہ کا کلمہ اور مبالغہ کا صیغہ اس لیے لائے تا کہ وہ اس کے اضطراب و پریشانی سے اس کو تسکین دیں۔

۳۸- ﴿ فَجُمِعَ السَّحَرَۃُ لِمِیۡقَاتِ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴾ پس مقررہ دن میں معین وقت پر جادوگروں کو جمع کر لیا گیا یعنی عید کے دن' اور میقات سے چاشت کا وقت مراد ہے کیونکہ یہی وہ وقت ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عید کے دن ان کے لیے مقرر فرمایا تھا' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''مَوۡعِدُکُمۡ یَوۡمُ الزِّیۡنَۃِ وَ اَنۡ یُّحۡشَرَ النَّاسُ ضُحًی'' (طٰہٰ:۵۹) ''تمہارا وعدہ عید کے دن کا ہے اور یہ کہ تمام لوگوں کو چاشت کے وقت جمع کیا جائے گا''۔ اور ''میقات'' وہ وقت ہے جو کسی کام کے لیے مقرر کیا گیا ہو یعنی جو کسی زمانہ (صبح' دوپہر اور شام) میں یا کسی جگہ میں مقرر کیا جائے اور اسی سے ''مَوَاقِیۡتُ الۡاِحۡرَام'' ماخوذ ہے (یعنی احرام باندھنے کی جگہیں)۔

۳۹- ﴿ وَّ قِیۡلَ لِلنَّاسِ ہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّجۡتَمِعُوۡنَ ﴾ اور لوگوں سے کہا گیا کہ کیا تم جمع ہونے والے ہو؟ یعنی تم جمع ہو جاؤ اور یہ سوال ان سے اجتماع میں تاخیر کرنے کی بنا پر پوچھا گیا ہے یعنی کیا تم جمع ہو جاؤ گے تاخیر تو نہیں کرو گے اور اس سے مراد ان کو جلدی جمع ہونے کی تاکید ہے۔

۴۰- ﴿ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَۃَ ﴾ شاید ہم جادوگروں کی پیروی اختیار کر لیں کہ ہم ان کے دین میں شامل ہو جائیں ﴿ اِنۡ کَانُوۡا ہُمُ الۡغٰلِبِیۡنَ ﴾ اگر وہ غالب آ گئے یعنی اگر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ان کے دین کے معاملے میں غلبہ حاصل کر لیا اور اصل میں ان کی غرض جادوگروں کی پیروی کرنا مقصود نہیں تھی بلکہ ان کی غرض صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی نہ کرنا تھی۔

۴۱- ﴿ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَۃُ قَالُوۡا لِفِرۡعَوۡنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا اِنۡ کُنَّا نَحۡنُ الۡغٰلِبِیۡنَ ﴾ پھر جب جادوگر آ گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا: کیا ہمیں انعام ضرور ملے گا اگر ہم غالب آ گئے۔

۴۲- ﴿ قَالَ نَعَمۡ ﴾ فرعون نے کہا: ہاں! [علی کسائی کی قراءت میں عین کے نیچے کسرہ ہے جب کہ عین کے لیے فتح اور کسرہ دونوں لغتیں جائز ہیں] ﴿ وَ اِنَّکُمۡ اِذًا لَّمِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ ﴾ اور بے شک اس وقت تم میرے مقربین میں سے ہو جاؤ گے

یعنی فرعون نے کہا کہ ہاں! تمہیں میری طرف سے انعام ضرور ملے گا اور تم اس کے ساتھ ساتھ میرے پاس عزت و مرتبہ اور عہدہ و منصب میں میرے مخصوص قریبی لوگوں میں سے ہو جاؤ گے' سو تم میرے دربار میں سب سے پہلے آؤ گے اور سب سے آخر میں جاؤ گے [اور جب ارشاد ''اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا'' شرط کی جزا کے معنی میں ہے کہ یہ شرط کی جزا پر دلالت کرتا ہے اور ارشاد ''وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ'' اس پر معطوف ہے اور ''اِذًا'' داخل کر کے اس کی جگہ میں مقرر کیا گیا جو جواب اور جزاء کا تقاضا کرتا ہے]۔

۴۳- ﴿قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم نے جادو میں سے جو کچھ ڈالنا ہے' ڈال دو' پس عنقریب تم اس کا انجام دیکھ لو گے۔

۴۴- ﴿فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ﴾ سو انہوں نے ستر ہزار رسیاں اور ستر ہزار لاٹھیاں ڈال دیں اور بعض نے کہا کہ بہتر ہزار رسیاں اور اسی طرح بہتر ہزار لاٹھیاں تھیں ﴿وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ اور انہوں نے کہا: فرعون کی عزت کی قسم! بے شک ہم ضرور غالب آئیں گے۔ جادوگروں نے فرعون کی عزت و قوم کی قسم کھائی اور یہ طریقہ جاہلیت کے زمانہ میں ایمان کا حصہ تھا۔

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝۴۵ فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝۴۶ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۷ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝۴۸ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۴۹ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝۵۰ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۵۱

ع ۳ / ۸

پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا تو وہ اچانک ان (کے جادو) کی مصنوعی چیزوں کو جلد از جلد نگلنے لگا ○ سو تمام جادوگر سجدہ میں گر گئے ○ انہوں نے کہا: ہم تمام جہانوں کے پروردگار پر ایمان لے آئے ○ موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ○ فرعون نے کہا: اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دیتا تم ان پر ایمان لے آئے' بے شک وہ تمہارا بڑا (استاد) ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا' پس عنقریب تم ضرور جان لو گے' میں ضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھوں اور دوسری طرف کے پاؤں کو کاٹ دوں گا اور میں ضرور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا ○ انہوں نے کہا: کوئی حرج نہیں' بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ○ بے شک ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو بخش دے گا' اس لیے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں ○

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غالب آنے اور جادوگروں کے ایمان لانے پر فرعون کی دھمکی

۴۵- ﴿فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ﴾ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک ڈالا تو وہ اچانک ان کی شعبدہ بازیوں کو نگلنے لگا (یعنی) وہ لوگ اپنے جادو کے زور پر چیز کی شکل و صورت اور اس کی حقیقت سے اسے پھیر دیتے اور اس کو جھوٹ موٹ ثابت کرتے' چنانچہ لوگوں کے ذہنوں میں یوں خیال گزرتا کہ ان کی رسیاں اور ان کی

لاٹھیاں سانپ ہیں جو یقیناً دوڑ رہے ہیں۔

۴۶۔﴿ فَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیْنَ ﴾ سو جادوگر سجدہ میں گر گئے۔ یہاں "خرور" (گرنے) کو "القاء" (ڈالنے) کے ساتھ صرف مشاکلت کے طور پر تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس سے اوپر مذکورہ بالا آیات میں "القائات" کا ذکر کیا گیا ہے' اس لیے یہاں بھی "فَاُلْقِیَ" کا ذکر کیا گیا ہے اور اس لیے بھی کہ وہ لوگ اس قدر تیزی کے ساتھ سجدوں میں گرے تھے کہ گویا انہیں ڈالا گیا ہے۔

۴۷۔﴿ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ انہوں نے کہا: ہم تمام جہانوں کے پالنے والے خدا پر ایمان لے آئے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ حضرات صبح کے وقت جادوگر اور کافر تھے اور شام کو مسلمان اور شہید تھے۔

۴۸۔﴿ رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ ﴾ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے پروردگار پر ہم ایمان لائے۔ [یہ "رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" کا عطف بیان ہے] کیونکہ فرعون خدائی دعویٰ کرتا تھا' سو انہوں نے فرعون کو ربوبیّت سے معزول کرنا چاہا' اس لیے انہوں نے "رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" کہا (یعنی ہم اس خدا پر ایمان لائے ہیں جو صرف مصر والوں کا نہیں بلکہ تمام جہانوں کا رب ہے) اور بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ جب فرعون نے ان سے "اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ" سنا تو کہنے لگا کہ تم نے یہ میرے بارے میں کہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: "رَبِّ مُوْسٰی وَھَارُوْنَ" ہم اس پروردگارِ عالم پر ایمان لائے ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا پروردگار ہے۔

۴۹۔﴿ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَہٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَکُمْ ۚ اِنَّہٗ لَکَبِیْرُکُمُ الَّذِیْ عَلَّمَکُمُ السِّحْرَ ﴾ فرعون نے کہا: تم ان پر ایمان لے آئے ہو' اس سے پہلے کہ میں تمہیں اس کی اجازت دیتا' بے شک وہ تمہارا بڑا استاد ہے' جس نے تمہیں جادو سکھا دیا اور تم نے ایک منصوبے اور ایک سازش پر اتفاق کر لیا ہے ﴿ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ سو تم نے جو کچھ کیا ہے اس کا وبال عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا' پھر وضاحت کی اور کہا: ﴿ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ مِّنْ خِلَافٍ ﴾ میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھوں اور دوسری طرف کے پاؤں کو ضرور کاٹ دوں گا' اس لیے کہ تم نے میری مخالفت کی ہے ﴿ وَّلَاُوصَلِّبَنَّکُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴾ اور میں تم سب کو ضرور سولی پر لٹکا دوں گا' گویا فرعون نے اس دھمکی کے ذریعے عوام کو ڈرایا تا کہ وہ ان کی پیروی کرتے ہوئے ایمان نہ لے آئیں۔

۵۰۔﴿ قَالُوْا لَا ضَیْرَ ﴾ انہوں نے کہا: کوئی حرج نہیں (یعنی) کوئی ضرر اور خطرہ نہیں [اور "لَا" کی خبر محذوف ہے "فِیْ ذَالِکَ اَوْ عَلَیْنَا" یعنی ہمیں اس میں کوئی خطرہ اور ڈر نہیں یا ہم پر کوئی ضرر وغیرہ نہیں ہے] ﴿ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴾ بے شک ہم اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

۵۱۔﴿ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَآ اَنْ کُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ بے شک ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو بخش دے گا' اس لیے کہ ہم شہید ہونے والوں میں سے پہلے مسلمان ہیں یا فرعون کی رعایا میں سے ہم پہلے مسلمان ہیں۔ ان کی مراد یہ تھی کہ اس صورت میں ہم پر کوئی نقصان نہیں بلکہ ہمارے لیے بہت بڑا نفع اور فائدہ ہے' اس لیے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر صبر کرنے پر ہمیں گناہوں کی مغفرت و بخشش حاصل ہو گی یا یہ معنی ہے کہ جس سے تو ہمیں ڈرا رہا ہے' اس میں ہم پر کوئی ضرر اور نقصان نہیں ہے کیونکہ موت کے اسباب میں سے کسی سبب کے ساتھ ہمیں اپنے خدا کی طرف لوٹ جانا ہے اور قتل ہونا اس کے اسباب میں سے آسان ترین سبب ہے اور امید افزا سبب ہے یا یہ کہ تیرے قتل کر دینے سے ہم پر کوئی نقصان نہیں ہو گا کیونکہ اگر تو ہمیں قتل کرے گا تو ہم اپنے رب تعالیٰ کے پاس لوٹ جائیں گے' جس میں

اس کی مغفرت و رحمت کی امید ہے' اس لیے کہ اس نے سب سے پہلے ہمیں ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے کر چلے جایئے' بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گا O سو فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیج دیا O بے شک یہ تھوڑی سی جماعت ہے O اور بے شک وہی ہمیں غصہ دلانے والے ہیں O اور بے شک ہم سب ہوشیار و مسلح ہیں O سو ہم نے انہیں باغوں اور چشموں O اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے باہر نکال دیا O اسی طرح ہوا' اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنا دیا O سو فرعونیوں نے سورج کے طلوع ہونے کے وقت ان کا پیچھا کیا O پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا: ہم پکڑے گئے O

حضرت موسیٰ کے ساتھ بنی اسرائیل کی ہجرت اور فرعون کے تعاقب کرنے اور غرق ہونے کا بیان

۵۲- ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ﴾ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں (یعنی) بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات چلے جایئے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنے بندے اس لیے فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے یعنی ان کو رات کے وقت لے جاؤ اور یہ ہجرت کا حکم جادوگروں کے ایمان لانے کے کئی سال بعد دیا گیا تھا [اہل حجاز کی قراءت میں ''ان اسر'' میں ہمزہ وصل کا ہے] ﴿اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ﴾ بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گا کہ فرعون اور اس کی قوم تمہارا پیچھا کریں گے۔ بنی اسرائیل کو رات کے وقت ہجرت کے حکم کی علت ان کے قدموں کے نشانات پر فرعون اور اس کے لشکر کے تعاقب کو قرار دیا گیا ہے یعنی بے شک میں نے تمہارے معاملے اور ان کے معاملے کی تدبیر کی بنیاد اس پر رکھی ہے کہ تم آگے چلو اور فرعونی تمہارا پیچھا کریں' یہاں تک کہ دریا کے راستے میں تمہارے داخل ہونے کی جگہ میں وہ بھی داخل ہو جائیں اور میں انہیں ہلاک کر دوں اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس رات فرعونیوں کے ہر گھر میں ایک ایک لڑکا فوت ہو گیا تھا' جس کی وجہ سے وہ لوگ ان کی تکفین و تدفین میں مشغول ہو گئے' یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر مصر سے روانہ ہو گئے اور مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل کے ہر چار گھروں کے رہنے والوں کو ایک گھر میں جمع کیجئے' پھر ایک بکری کا بچہ ذبح کیجئے اور اس کا خون تم اپنے دروازوں پر لگا دو اور میں فرشتوں کو حکم دوں گا کہ وہ اس گھر میں داخل نہیں ہوں گے' جس کے دروازے پر خون لگا ہو گا اور میں فرشتوں کو حکم دوں گا کہ وہ قبطیوں کے نوخیز لڑکوں کو قتل کر دیں اور تم بے خمیری آٹے کی روٹیاں تیار کر لو کیونکہ یہ تمہارے لیے جلدی تیار ہو جائیں گی' پھر تم میرے بندوں کو رات کے وقت لے کر چلے جاؤ' یہاں تک کہ دریا پر پہنچ کر رک جاؤ' سو وہاں میرا حکم تمہیں مل جائے گا۔

۵۳-﴿ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآىٕنِ حٰشِرِیْنَ ﴾ سوفرعون نے شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیجا کہ وہ تمام لوگوں کو سختی کے ساتھ جمع کریں' پھر جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرعون نے کہا:

۵۴-﴿ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ﴾ بے شک یہ (بنی اسرائیل) البتہ تھوڑی سی جماعت ہے' اور ''شِرْذِمَة'' تھوڑے اور چھوٹے گروہ کو کہتے ہیں۔ فرعون نے بنی اسرائیل کا ذکر ایسے لفظ کے ساتھ کیا جو قلت پر دلالت کرتا ہے' پھر اس کو ''قلیل'' (تھوڑا) کے ساتھ موصوف کیا' پھر ''قلیل'' کو جمع لایا' سو اس طرح ان کے ہر گروہ کو ''قلیل'' (یعنی تھوڑا) قرار دیا اور اس نے جمع سلامت کو اختیار کیا' جو قلت کے لیے استعمال ہوتی ہے یا پھر قلت سے ذلت مراد ہے' تعداد کی قلت مراد نہیں (مطلب یہ کہ بنی اسرائیل ذلیل جماعت ہے) یعنی ان کی قلت اور ذلت کی وجہ سے ان کی کوئی پروا نہیں اور ان کے غلبہ کی توقع بھی نہیں ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل چھ لاکھ ستر ہزار تھی' اس کے باوجود فرعون نے ان کو صرف اس لیے ''قلیل'' کہا کہ فرعون کے ساتھ اس سے کئی گنا زیادہ فوج تھی اور حضرت ضحاک نے بیان کیا کہ فرعون کی فوج ستر لاکھ تھی۔

۵۵-﴿ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآىٕظُوْنَ ﴾ اور بے شک وہ ہمیں غصہ دلانے والے ہیں۔ یعنی بے شک وہ لوگ ایسے کام کرتے ہیں' جن سے ہمارے دل جلتے ہیں اور ہمیں غصہ آ جاتا ہے اور ہمارے سینے تنگ ہو جاتے ہیں اور وہ ان کا ہمارے ملک مصر سے نکل کر چلے جانا' ہمارے زیورات اٹھا کر لے جانا اور ہمارے نوخیز لڑکوں کو قتل کرنا ہے۔

۵۶-﴿ وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم سب ہوشیار اور مسلح ہیں۔ ''حذر'' کا معنی بیدار و ہوشیار اور محتاط و چوکنا رہنا ہے اور ''حاذر'' وہ شخص ہوتا ہے جو اپنی احتیاط و ہوشیاری کو جدید و ماڈرن بناتا رہے اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ ''حاذر'' جنگی اُمور میں مہارت رکھنے والے اور ہتھیار پہننے والے مسلح شخص کو کہا جاتا ہے اور وہ یہ کام صرف دشمن سے بچنے کے لیے اور اپنی جان کی حفاظت کے لیے احتیاطاً کرتا ہے یعنی ہم ایسی قوم ہیں کہ ہماری عادت میں یہ شامل ہے کہ بیدار و ہوشیار اور محتاط و مسلح رہتے ہیں اور تمام معاملات میں احتیاط کو عمل میں لاتے ہیں' سو جب کوئی شخص ہم پر خروج و سرکشی کرتا ہے تو ہم فوراً اس کے فساد کو مٹانے کے لیے جلدی کرتے ہیں اور یہ ہیں وہ بہانے جو شہروں میں رہنے والوں کو جمع کرنے کے لیے ان کے سامنے پیش کیے گئے تا کہ فرعون کے بارے میں کسی قسم کی عاجزی و بے بسی اور سستی و کمزوری کا گمان نہ کیا جائے۔

۵۷-﴿ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴾ سو ہم نے ان فرعونیوں کو باغوں اور چشموں (یعنی) رواں دواں بہتی نہروں سے نکالا۔

۵۸-﴿ وَّكُنُوْزٍ ﴾ اور خزانوں سے (یعنی) ظاہری اموال سونا اور چاندی وغیرہ اور ان کا نام ''کنوز'' (خزانے) اس لیے رکھا کیونکہ فرعونی اس مال میں سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ نہیں کرتے تھے ﴿ وَّمَقَامٍ ﴾ اور رہائش گاہ اور مکان ﴿ كَرِیْمٍ ﴾ خوب صورت و خوش شکل اور سرسبز و شاداب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ اس سے منابر مراد ہیں۔

۵۹-﴿ كَذٰلِكَ ﴾ اسی طرح ہوا۔ [یہ نصب کا احتمال رکھتا ہے' اس بناء پر کہ یہ ''اَخْرَجْنَاهُمْ'' کا تشبیہی مصدر ہے' ای مثلك ذالك الاخراج الذی وصفنا'' یعنی ہم نے ان کو اسی طرح نکالا ہے' جس طرح ہم نے بیان کیا ہے اور یہ رفع کا احتمال بھی رکھتا ہے' اس بناء پر کہ مبتدا محذوف کی خبر ہو' ای الامر کذالك''] ﴿ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس کا وارث بنایا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان کیا کہ جب بنی اسرائیل کے لوگوں نے دریا کو

عبور کرلیا (اور فرعون بمع قوم ہلاک ہو گیا) تو وہ لوگ واپس مصر لوٹ آئے اور انہوں نے ان کے گھروں اور ان کے مالوں پر قبضہ کرلیا۔

۶۰۔ ﴿فَأَتْبَعُوهُم﴾ سو فرعونیوں نے ان کا تعاقب کیا اور وہ ان کے پاس پہنچ گئے [یزید کی قراءت میں ''تا'' مشدد ''فَاتَّبَعُوهُم'' ہے] ﴿مُّشْرِقِينَ﴾ [یہ حال ہے] یعنی وہ سورج کے روشن ہونے کے وقت داخل ہوئے اور یہ سورج کے طلوع ہونے کا وقت ہے یعنی فرعون کی قوم نے حضرت موسیٰ اور آپ کی قوم کو سورج طلوع ہونے کے وقت پالیا تھا۔

۶۱۔ ﴿فَلَمَّا تَرَاءَى الْجَمْعَانِ﴾ پس جب دو جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں یعنی دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئیں' اس حیثیت سے کہ ہر گروہ اپنے ساتھ کے گروہ کو دیکھنے لگا اور اس سے بنی اسرائیل اور قبطی قوم مراد ہے ﴿قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرَكُونَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا: بے شک ہم پکڑے گئے یعنی قریب ہے کہ ہمارے دشمن ہم کو پکڑ لیں جب کہ ہمارے سامنے دریا ہے۔

قَالَ كَلَّا ۖ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿۶۲﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ﴿۶۳﴾ وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ الْآخَرِينَ ﴿۶۴﴾ وَأَنجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ أَجْمَعِينَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ﴿۶۶﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۶۷﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۶۸﴾

موسیٰ نے فرمایا: ہرگز نہیں! بے شک میرے ساتھ میرا پروردگار ہے جو میری رہنمائی فرمائے گا O سو ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ اپنا عصا دریا پر ماریئے' پس وہ پھٹ گیا اور اس کا ہر حصہ بہت بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا O اور ہم نے دوسروں کو اسی جگہ کے نزدیک کر دیا O اور ہم نے موسیٰ کو اور ان کے تمام ساتھیوں کو نجات دے دی O پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا O بے شک اس میں البتہ عجیب ترین عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے O اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ غالب (اور) بے حد مہربان ہے O

۶۲۔ ﴿قَالَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے وعدے پر بھروسا کر کے فرمایا: ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! (یعنی) تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی سے باز آ جاؤ تو وہ تمہیں ہرگز نہیں پکڑ سکیں گے ﴿إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ﴾ بے شک میرے ساتھ میرا پروردگار ہے' وہ عنقریب میری رہنمائی فرمائے گا یعنی ان کے پکڑنے اور نقصان پہنچانے سے میرا پروردگار مجھے نجات کا راستہ بتا دے گا [امام حفص کی قراءت میں ''مَعِیَ'' میں ''یا'' مفتوح ہے (جب کہ دیگر قراء کے نزدیک ''یا'' ساکن ہے) اور یعقوب کی قراءت میں ''سیھدینی'' آخر میں ''یا'' کے ساتھ ہے]۔

۶۳۔ ﴿فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ﴾ پس ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ دریا پر اپنا عصا مارو یعنی بحر قلزم پر جس میں لوگ یمن سے مصر کی طرف بحری سفر کرتے ہیں یا دریائے نیل مراد ہے ﴿فَانفَلَقَ﴾ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا دریا پر مارا تو وہ پھٹ اور چر گیا اور بنی اسرائیل کے بارہ گروہوں کی تعداد کے مطابق بارہ راستے بن گئے ﴿فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ﴾ پس ہر ٹکڑا متفرق ہو گیا یعنی اس کا ہر حصہ الگ الگ ہو گیا ﴿كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ﴾

بڑے پہاڑ کی طرح جو آسمان میں بہت اونچا جا کر اپنے مقام پر ٹھہر جاتا ہے۔

٦٤۔﴿ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ﴾ اور ہم نے وہاں دوسروں کو نزدیک کر دیا' جب دریا پھٹ گیا تو ہم نے فرعون کی قوم کو نزدیک کر دیا یعنی ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے یا دریا کے قریب کر دیا۔

٦٥۔﴿ وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴾ اور ہم نے (حضرت) موسیٰ اور ان کے تمام ساتھیوں کو غرق سے نجات دے دی۔

٦٦۔﴿ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴾ پھر ہم نے دوسروں (یعنی) فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا اور اس آیت مبارکہ میں انسانی زندگیوں کی مدت میں ستاروں کی تاثیر کے قائلین کی اور اس کے علاوہ دیگر حوادث کے مؤثر ہونے کی تردید کی گئی ہے' کیونکہ وہ سب اکٹھے ہلاک ہوئے' حالانکہ سب کے ستارے مختلف ہوتے ہیں۔ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام بنی اسرائیل اور قومِ فرعون کے درمیان حائل ہو گئے اور وہ بنی اسرائیل سے کہتے تھے کہ تمہارا آخری آدمی تمہارے پہلے آدمی سے ملنے لگا ہے (لٰہذا جلدی سے دریا عبور کر جاؤ) اور وہ فرعون کی قوم قبطیوں کے سامنے آتا اور ان سے کہتا کہ ابھی ٹھہرو اور صبر کرو' تمہارا آخری تم تک پہنچ جائے' پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دریا تک پہنچ گئے تو حضرت یوشع نے حضرت موسیٰ سے کہا: آپ کو کہاں کا حکم ملا ہے؟ یہ دیکھیں آپ کے سامنے دریا ہے اور آپ کے پیچھے فرعون کی قوم ہے' حضرت موسیٰ نے فرمایا: یہیں تک کا حکم ملا ہے' چنانچہ حضرت یوشع علیہ السلام پانی میں داخل ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا پر اپنا عصا مارا (اور بارہ راستے بن گئے) تو سب لوگ داخل ہو گئے۔مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت یہ کلام پڑھا تھا: ''یَامَنْ کَانَ قَبْلَ کُلِّ شَیْئٍ وَالْمُکَوِّنُ لِکُلِّ شَیْئٍ وَالْکَائِنُ بَعْدَ کُلِّ شَیْئٍ'' اے وہ ذات جو ہر چیز سے پہلے ہے اور ہر چیز کو پیدا کرنے والی ہے اور ہر چیز کے بعد رہنے والی ہے!

٦٧۔﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ ﴾ بے شک اس میں یعنی ہم نے جو کچھ حضرت موسیٰ کے ساتھ اور فرعون کے ساتھ کیا ہے' اس میں ﴿ لَاٰیَةً ﴾ البتہ عجیب ترین عبرت ہے' جس کا وصف بیان نہیں کیا جا سکتا ﴿ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾ اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے یعنی دریا میں ڈوبنے والی فرعون کی قوم میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔مفسرین کرام نے بیان کیا کہ ان میں سے حضرت آسیہ اور آلِ فرعون کے مؤمن حضرت حزقیل اور حضرت مریم جس نے حضرت موسیٰ کو حضرت یوسف کی قبر مبارک کا پتا بتایا تھا' کے سوا کوئی شخص ایمان نہ لایا۔

٦٨۔﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ ﴾ اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہی اپنے دشمنوں سے انتقام لینے پر غالب ہے ﴿ الرَّحِیْمُ ﴾ اپنے دوستوں کو انعام دینے کے لیے بے حد مہربان ہے۔

وقف لازم

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِیْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا
فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِیْنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلْ یَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ یَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ یَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾
قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ
وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ

يَهْدِيْنِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿٧٩﴾ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿٨٠﴾

اور (اے محبوب!) آپ ان کو ابراہیم کا قصہ پڑھ کر سنایئےO جب انہوں نے اپنے باپ (چچا ابو) اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہوO انہوں نے کہا: ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں' سو ان کی عبادت پر جمے رہتے ہیںO فرمایا: کیا وہ تمہاری سنتے ہیں جب تم پکارتے ہوO یا وہ تمہیں نفع دیتے ہیں یا نقصان پہنچاتے ہیںO انہوں نے کہا: بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اس طرح کرتے ہوئے پایاO فرمایا: تو کیا تم نے غور سے دیکھا کہ تم کس کی عبادت کر رہے ہوO تم اور تمہارے پہلے باپ داداO سو وہ سب یقیناً میرے دشمن ہیں ماسوا تمام جہانوں کے پروردگار کےO جس نے مجھے پیدا کیا پس وہی میری رہنمائی فرماتا ہےO اور وہی ہے جو مجھے کھانا کھلاتا ہے اور مجھے پانی پلاتا ہےO اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہےO

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تبلیغی کارناموں پر مشتمل قصہ کا بیان

٦٩- ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ﴾ اور اے محبوب! آپ ان کو (یعنی) قریشِ مکہ کے مشرکین کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خبر پڑھ کر سنا دیجئے۔

٧٠- ﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ﴾ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ (یعنی چچا) اور اپنی قوم سے فرمایا: قوم سے حضرت ابراہیم کی قوم مراد ہے یا آزر کی قوم مراد ہے ﴿مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ تم کس کی عبادت کرتے ہو یعنی تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ وہ تمام لوگ بتوں کی عبادت کرتے ہیں لیکن آپ نے ان سے اس لیے سوال کیا تھا کہ وہ غور سے دیکھیں کہ وہ جن کی عبادت و پرستش کرتے ہیں' وہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں۔

٧١- ﴿قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا﴾ انہوں نے کہا: ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں [''اَصْنَامًا''، ''مَا تَعْبُدُوْنَ'' کا جواب ہے جس طرح ''وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ'' (البقرہ:٢١٩) میں ''اَلْعَفْوَ'' اور ''مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ'' (سباء:٢٣) میں ''اَلْحَقَّ'' جواب ہیں کیونکہ سوال معبود کے بارے میں ہے' عبادت کے بارے میں نہیں ہے اور انہوں نے جواب میں بتوں کی عبادت پر فخر و مباہات کا اظہار کرنے کے لیے ''نَعْبُدُ'' کو زیادہ کیا اور اس لیے انہوں نے ''نَعْبُدُ'' پر عطف کرتے ہوئے کہا:] ﴿فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ﴾ سو ہم ان کی عبادت و پرستش کرنے کے لیے سارا دن ان کے پاس ٹھہرے رہتے ہیں اور انہوں نے ''فَنَظَلُّ'' صرف اس لیے کہا کہ وہ لوگ صرف دن میں ان کی عبادت کرتے تھے رات کو نہیں یا اس کا معنی دوام ہے یعنی ہم ہمیشہ ان کی پرستش کرنے کے لیے ان کے پاس ٹھہرے رہتے ہیں۔

٧٢- ﴿قَالَ﴾ اس نے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ﴾ کیا وہ تمہاری پکار کو سنتے ہیں [اصل میں ''دُعَاءَ كُمْ'' ہے' حذف مضاف پر ''تَدْعُوْنَ'' دلالت کر رہا ہے] ﴿اِذْ تَدْعُوْنَ﴾ جب تم انہیں پکارتے ہو۔

٧٣- ﴿اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ﴾ یا وہ تمہیں کوئی نفع دیتے ہیں' اگر تم ان کی عبادت کرو ﴿اَوْ يَضُرُّوْنَ﴾ یا وہ نقصان پہنچاتے ہیں اگر تم ان کی عبادت کرنا چھوڑ دو۔

٧٤- ﴿قَالُوْا بَلْ﴾ انہوں نے کہا [''بل'' اضراب یعنی سابق کلام سے اعراض و انکار کے لیے ہے] یعنی بت نہ سنتے ہیں اور نہ نفع دیتے ہیں اور نہ کوئی نقصان پہنچاتے ہیں اور ہم ان میں سے کسی وجہ سے ان کی عبادت نہیں کرتے لیکن ﴿وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ﴾ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا کرتے پایا ہے' سو ہم نے ان کی پیروی اختیار کر لی۔

۷۶،۷۵- ﴿قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے غور سے دیکھا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو○ تم اور تمہارے پہلے آباء واجداد۔ ''اَلْاَقْدَمُوْنَ'' بہ معنی ''اَلْاَوَّلُوْنَ'' ہے۔

۷۷- ﴿فَاِنَّهُمْ﴾ پس وہ یعنی بت ﴿عَدُوٌّ لِّيْۤ﴾ میرے دشمن ہیں [''عدو'' اور ''صدیق'' دونوں واحد اور جمع کے معنی میں آتے ہیں] یعنی اگر میں بھی ان کی عبادت کرنا شروع کردوں تو وہ قیامت کے دن میرے دشمن ہو جائیں گے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا'' (مریم:۸۲) ''عنقریب وہ ان کی عبادت کے منکر ہو جائیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے''۔ اور فراء نے کہا کہ یہ مقلوب ہے یعنی میں خود ان کا دشمن ہوں اور ''لَكُمْ'' کی بجائے ''عَدُوٌّ لِّيْ'' کہنے میں زیادہ خیر خواہی ہے تاکہ یہ بات ان کے لیے دعوتِ توحید قبول کرنے کی طرف زیادہ رغبت کا باعث بن جائے اور اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام ''فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لَّكُمْ'' فرماتے تو پھر یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا ﴿اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ تمام جہانوں کے پروردگار کے ماسوا' کیونکہ رب تعالیٰ دشمنوں میں داخل نہیں ہے گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: لیکن پروردگارِ عالم میرا دشمن نہیں ہے [یہ استثناء منقطع ہے]۔

۷۸- ﴿الَّذِيْ خَلَقَنِيْ﴾ جس نے عدم سے وجود میں لانے کے لیے مجھے ایک محفوظ مقام میں پیدا فرمایا ﴿فَهُوَ يَهْدِيْنِ﴾ سو وہی دنیا کی کامیابیوں کے لیے اور دین کی مصلحتوں اور بھلائیوں کے لیے میری رہنمائی کرتا ہے اور سابق عنایات کے باوجود فعل مستقبل ''يَهْدِيْنِ'' میں ایک یہ احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے اہم' سب سے افضل' سب سے اتم اور سب سے مکمل نعمت کی طرف میری رہنمائی کرتا ہے یا جس نے اپنی خدمت واطاعت کے اسباب کے لیے پیدا فرمایا ہے پس وہی اپنی خلت وخالص دوستی کے آداب کی طرف میری رہنمائی کرتا ہے۔

۷۹- ﴿وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ﴾ اور وہی مجھے کھانا کھلاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھانا کھلانے کی نسبت نعمتوں کے عطا فرمانے والے مالک وخالق کی طرف کی' کیونکہ صرف اسباب کی طرف جھکنا جانوروں کی عادت ہے ﴿وَيَسْقِيْنِ﴾ اور وہ مجھے پلاتا ہے۔ حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے' جو مجھے اپنے طعام کے ذریعہ زندہ رکھتا ہے اور اپنے مشروب (پانی وغیرہ) کے سبب سے مجھے سیراب کرتا ہے۔

۸۰- ﴿وَاِذَا مَرِضْتُ﴾ اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں (تو وہی مجھے شفا دیتا ہے) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ''اَمْرَضَنِيْ'' نہیں فرمایا کہ جب وہ مجھے بیمار کرتا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شکر کی زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا ارادہ فرمایا (شکایت کی زبان سے نہیں)' سو اس لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی چیز کی نسبت نہیں فرمائی جو ضرر ونقصان کا تقاضا کرتی ہے اور حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ جب میں خلق کے مشاہدہ سے بیمار ہو جاتا ہوں ﴿فَهُوَ يَشْفِيْنِ﴾ تو وہ مجھے حق کے مشاہدہ سے شفا عطا فرماتا ہے اور حضرت امام جعفر الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب میں افعالِ بد کے مشاہدہ سے بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہ انعامات کے احسان کو منکشف کر کے مجھے شفا عطا فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْۤ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾
رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾

وَاجۡعَلۡنِیۡ مِنۡ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیۡمِ ﴿۸۵﴾

اور وہی مجھے موت دے گا' پھر مجھے زندہ کرے گاO اور وہی ہے جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ قیامت کے دن میری بھول کو معاف فرما دے گاO اے میرے پروردگار! مجھے حکم عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں سے ملا دےO اور آنے والی نسلوں میں میرا ذکرِ جمیل جاری فرماO اور مجھے نعمتوں والی جنت کا وارث بناO

۸۱۔﴿ وَالَّذِیۡ یُمِیۡتُنِیۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡنِ ﴾ اور وہی مجھے موت دے گا' پھر وہ مجھے زندہ کرے گا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ''اذا مِتُّ'' نہیں فرمایا کیونکہ مصیبت کی قید سے اور فنا کے گھر سے بقا کے باغ کی طرف رہائی پانا ملاقات کے وعدہ کے لیے ہے اور آپ نے زندہ کرنے کی بات میں ''ثُمَّ'' اس لیے داخل فرمایا کہ وہ فناء سے مؤخر ہے اور ہدایت اور شفاء میں ''فَا'' کو اس لیے داخل فرمایا کیونکہ ہدایت پیدائش کے بعد اور شفا بیماری کے بعد حاصل ہوتی ہیں' اکٹھے نہیں۔

۸۲۔﴿ وَالَّذِیۡۤ اَطۡمَعُ ﴾ اور میں اسی سے امید رکھتا ہوں۔ غلاموں کی امیدیں اپنے آقاؤں سے احسانات کے سبب وابستہ ہوتی ہیں' استحقاق کی بناء پر سوال نہیں کیا جاتا ﴿ اَنۡ یَّغۡفِرَ لِیۡ خَطِیۡٓــَٔتِیۡ ﴾ کہ وہ میری خطا کو بخش دے۔ بعض مفسرین کرام نے فرمایا: اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے (درج ذیل) قول ہیں: ''اِنِّیۡ سَقِیۡمٌ'' (الصافات:۸۹) ''بے شک میں بیمار ہوں''۔ ''بَلۡ فَعَلَهٗ کَبِیۡرُهُمۡ'' (الانبیاء:۶۳) ''بلکہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے''۔ ''هٰذَا رَبِّیۡ'' یہ میرا رب ہے' طلوع ہونے والے ستارے کے لیے کہا۔ ''هِیَ اُخۡتِیۡ'' یہ میری بہن ہے' اپنی بیوی حضرت سارہ کے لیے کہا' اور یہ صرف جائز اشارے کنایے ہیں اور یہ گناہ نہیں ہیں کہ ان پر مغفرت طلب کی جائے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی استغفار ان کی طرف سے اپنے رب تعالیٰ کے لیے تواضع اور عاجزی کے اظہار کے لیے ہوتی ہے اور اپنے کسرِ نفسی کے لیے ہوتی ہے اور مغفرت و بخشش کی طلب امتوں کی تعلیم کے لیے ہوتی ہے ﴿ یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴾ روزِ جزا۔

۸۳۔﴿ رَبِّ هَبۡ لِیۡ حُکۡمًا ﴾ اے میرے پروردگار! مجھے حکم عطا فرما (یعنی) حکمت و دانائی یا لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ یا نبوت عطا فرما کیونکہ نبی علیہ السلام صاحبِ حکمت اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے درمیان مبنی برحق فیصلہ کرنے والا ہوتا ہے ﴿ وَّاَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ ﴾ اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ یعنی مجھے انبیائے کرام علیہم السلام میں شامل رکھنا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَاِنَّهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ'' (البقرہ:۱۳۰) ''اور بے شک وہ آخرت میں ضرور نیکوں میں ہوں گے''۔

۸٤۔﴿ وَاجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ ﴾ اور میرے لیے سچ کی زبان اور اچھی تعریف کو آنے والی نسلوں میں جاری و ساری فرما یعنی میری حسنِ ثناء اور ذکرِ جمیل کو ان امتوں میں جاری کر دے' جو میرے بعد آئیں گی' چنانچہ آپ کو یہ شان عطا کی گئی اور ہر دین و مذہب والے آپ سے محبت و دوستی رکھتے ہیں اور آپ کی تعریف کرتے ہیں اور ''لسان'' کو قول کی جگہ اس لیے رکھا گیا کہ قول زبان ہی سے ادا ہوتا ہے۔

۸۵۔﴿ وَاجۡعَلۡنِیۡ مِنۡ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیۡمِ ﴾ اور نعمتوں سے بھرپور جنت کے وارثوں میں سے مجھے بنا دے یعنی اس میں باقی رہنے والوں میں سے بنا دے [''مِنۡ'' محذوف کے متعلق ''اَیۡ وَارِثًا مِّنۡ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیۡمِ'' یعنی مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے ایک وارث بنا دے]۔

وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۸٦﴾ وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِیْلَ لَهُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ یَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِیْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِیْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِیْهَا یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹٦﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾

اور میرے باپ (چچا ابوآزر) کو بخش دے بے شک وہ گمراہوں میں سے ہے O اور مجھے اس دن ذلیل نہ کرنا جس میں تمام لوگ اٹھائے جائیں گے O اس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ بیٹے O ماسوا اس کے جو سلامت دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوگا O اور جنت پرہیزگاروں کے لیے قریب کر دی جائے گی اور دوزخ گمراہوں کے لیے ظاہر کر دی جائے گی O اور ان سے کہا جائے گا: کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کرتے تھے O اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر' کیا وہ تمہاری مدد کریں گے یا بدلا لیں گے O پھر انہیں اور تمام گمراہوں کو دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیا جائے گا O اور شیطان کے تمام لشکر کو (بھی) O وہ کہیں گے حالانکہ وہ اس میں جھگڑتے ہوں گے O اللہ کی قسم! بے شک ہم ضرور کھلی گمراہی میں تھے O جب کہ ہم تمہیں تمام کائنات کے پروردگار کے ساتھ برابر قرار دیتے رہے O اور ہمیں گمراہ نہیں کیا مگر مجرموں نے O پس ہمارے لیے سفارش کرنے والوں میں سے کوئی نہیں ہے O اور نہ کوئی ہمدرد دوست ہے O

۸٦۔ ﴿وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ﴾ اور میرے باپ کو بخش دے[1] (یعنی) اس کو اسلام کی توفیق عطا فرما کر مغفرت و بخشش کا اہل بنا دے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آزر نے جدا ہونے کے دن اسلام قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا ﴿اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ﴾ بے شک وہ گمراہوں میں سے (یعنی) کافروں میں سے ہے۔

۸۷۔ ﴿وَلَا تُخْزِنِیْ﴾ اور مجھے رسوا نہ کرنا۔ ''اخزاء''، ''خزی'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ذلیل و رسوا ہونا ہے یا ''خزایة'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی شرم و حیا اور شرمندگی اٹھانا ہے اور یہ دعا بھی استغفار کی طرح (عجز و انکساری اور تواضع کے اظہار اور امت کی تعلیم کے لیے کی) ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ﴿یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ﴾ جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے [اس میں ضمیر ''عباد'' (یعنی بندوں) کے لیے ہے] کیونکہ معلوم ہے کہ اس دن تمام بندوں کو اٹھایا جائے گا یا ''ضآلین'' مراد ہیں اور یہ کہ باپ کے لیے استغفار کو اسی جملہ میں شامل کیا جائے یعنی مجھے اس دن ذلیل و رسوا نہ کرنا' جس دن گمراہوں اور میرے باپ کو ان میں اٹھایا جائے گا۔

۸۸۔ ﴿یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ﴾ اس دن مال نفع نہیں دے گا [یہ پہلے ''یوم'' سے بدل ہے] ﴿وَّلَا بَنُوْنَ﴾ اور نہ بیٹے

[1] حضرت ابراہیم کے والد مسلمان و موحد تھے' یہ دعا آزر کے لیے ہے جو کہ آپ کے چچا تھے' والد کا نام تارخ تھا۔ تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''دلائل النجات'' کا مطالعہ فرمائیں۔ غوثوی مہاروی

کسی کو نفع دیں گے۔

۸۹-﴿اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ﴾ مگر جو شخص کفر و نفاق سے سلامت دل لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گا اور کافر اور منافق کا دل بیمار ہوتا ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ''(البقرہ:۱۰) ''ان کے دلوں میں بیماری ہے'' یعنی بے شک جب مال نیکی کے کاموں میں خرچ کیا جائے اور اس کے بیٹے نیک ہوں تو وہ اس مال سے اور ان بیٹوں سے قیامت کے دن فائدہ اٹھائے گا اور سلامت دل والا ہو گا یا مال اور بیٹوں کو غنی کے معنی میں لیا جائے' گویا فرمایا کہ اس دن کسی غنی کو اس کا غنا نفع نہیں دے گا' ماسوا اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ کے حضور سلامت دل کے ساتھ آئے گا کیونکہ دین میں آدمی کا غنا اس کے دل کی سلامتی ہے' جیسا کہ دنیا میں آدمی کا غنا مال اور اولاد ہے [پس ''مَنْ'' کو ''ینفع'' کا مفعول قرار دیا گیا ہے] یعنی اس دن مال اور اولاد نفع نہیں دیں گے مگر اس آدمی کو نفع دیں گے جس نے اپنے دل کو اپنے مال کے ساتھ سلامت رکھا' اس حیثیت سے کہ اس نے اپنا مال اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خرچ کیا اور اس نے اپنے دل کو اپنے بیٹوں کے ساتھ بھی سلامت رکھا' اس حیثیت سے کہ اس نے اپنی اولاد کی دین میں رہنمائی کی اور ان کو احکام شریعت سکھلائے اور اس صورت میں یہ معنی بھی جائز ہے کہ مگر جو شخص مال اور اولاد کے فتنہ سے سلامت دل لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو گا' اس کو اس کا مال اور اولاد فائدہ دے گی اور بے شک رب جلیل نے حضرت ابراہیم خلیل کے استثناء کی تصویب و تصدیق فرمائی' یہ بھی حضرت ابراہیم کے احترام و اکرام کی دلیل ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے ''قلب سلیم'' کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وصف قرار دیا' جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِیْمَ○اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ○''(الصافات:۸۳-۸۴) ''اور بے شک البتہ حضرت ابراہیم اسی کے گروہ میں سے ہیں○ جب کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے پاس سلامت دل کے ساتھ حاضر ہوں گے○'' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کے ساتھ اپنے کلام کو کتنا حسین ترتیب کے ساتھ بیان فرمایا کیونکہ پہلے ان سے اس کے متعلق سوال کیا کہ وہ کس کی عبادت کرتے ہیں' یہ تقریری سوال تھا' معلومات کے حصول کے لیے نہیں' پھر حضرت ابراہیم ان کے بتوں پر متوجہ ہوئے اور ان کی پرستش کو باطل قرار دیا' اس لیے کہ وہ نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ کچھ سن سکتے ہیں اور آپ ان کے پہلے آباء و اجداد کی تقلید کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کو اس سے نکال دیا کہ اس کے باطل ہونے میں شبہ ہو سکے' چہ جائے کہ اس کو حجت بنایا جا سکے' پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی دشمنی کے مسئلہ کی صورت میں اپنی طرف نسبت کی' ان کی طرف نہیں کی یہاں تک کہ (''اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ'' کہہ کر) بتوں کے بجائے اللہ تعالیٰ کا ذکر شروع فرمایا اور اس کی شان کی عظمت بیان کی اور اپنی پیدائش سے لے کر اپنی وفات تک اس کی نعمتوں کا شمار کیا' جن کے ساتھ آخرت میں اس کی رحمت کی امید وابستہ ہو جاتی ہے' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعائیں مانگیں جس طرح مخلصین حضرات دعائیں مانگتے ہیں اور اس طرح عاجزی کا اظہار کیا اور گڑگڑائے' جس طرح بہت رجوع رکھنے والے اور بہت توبہ کرنے والے حضرات اپنی عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہیں اور گڑگڑاتے ہیں' پھر اس کو روزِ قیامت ثواب و عقابِ الٰہی کے ذکر کے ساتھ ملا دیا' نیز یہ ذکر کیا کہ اس روز مشرکین مجبور ہو کر اپنی اس گمراہی پر حسرت و ندامت اور افسوس کریں گے' جس میں مبتلا تھے اور دنیا میں واپس جانے کی تمنا کریں گے تاکہ وہاں جا کر ایمان لائیں اور اطاعت و فرماں برداری اختیار کریں۔

۹۰-﴿وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ اور جنت پرہیزگاروں کے قریب کر دی جائے گی۔ ''اُزْلِفَتْ'' بہ معنی ''قُرِّبَتْ'' ہے یعنی نیک بختوں اور پرہیزگاروں کے موقف کے درمیان جنت کو قریب کر دیا جائے گا' جس کو وہ حضرات دیکھیں۔

۹۱۔ ﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ﴾ اور دوزخ کو گمراہوں یعنی کافروں کے لیے ظاہر کر دیا جائے گا اور ''بُرِّزَتْ'' بہ معنی ''اُظْهِرَتْ'' ہے یعنی دوزخ کافروں کے لیے ظاہر کر دی جائے گی' یہاں تک کہ قریب ہوگا کہ اس کے شعلے ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیں۔

۹۲'۹۳۔ ﴿وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ﴾ اور ان سے کہا جائے گا: کہاں ہیں وہ معبود جن کی تم اللہ تعالیٰ کے ماسوا عبادت کرتے تھے' کیا وہ تمہاری مدد کریں گے یا وہ بدلا لیں گے۔ مشرکین کو قیامت کے دن شرک کرنے پر ڈانٹا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ تمہارے معبود کہاں ہیں؟ کیا وہ تمہاری مدد کر کے تمہیں نفع دیں گے یا کیا اپنی مدد کر کے اپنے آپ کو نفع پہنچائیں گے' اس لیے کہ وہ خود اور ان کے معبود دوزخ کی آگ کا ایندھن ہیں۔

۹٤۔ ﴿فَكُبْكِبُوْا﴾ پس انہیں سر کے بل اوندھا گرا دیا جائے گا یا انہیں ایک دوسرے کے اوپر اوندھے منہ پھینک دیا جائے گا ﴿فِيْهَا﴾ اس میں (یعنی) دوزخ میں ﴿هُمْ﴾ وہ یعنی معبودانِ باطلہ ﴿وَالْغٰوٗنَ﴾ اور تمام گمراہوں کو جو بتوں کی عبادت کرتے تھے' جن کے لیے دوزخ ظاہر کی گئی [اور ''كَبْكَبْ'' میں ''كَبّ'' کا تکرار ہے اور لفظ کا تکرار معنی کے تکرار کی دلیل ہوا کرتا ہے] گویا مشرکین بار بار سر کے بل اوندھے منہ الٹ پلٹ ہوتے ہوئے دوزخ میں گرتے چلے جائیں گے' یہاں تک کہ اس کی گہرائی میں پہنچ کر ٹھہر جائیں گے' ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

۹۵۔ ﴿وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ﴾ اور ابلیس کے تمام لشکر کو (یعنی) اس کے تمام شیطانوں کو یا انسانوں اور جنوں میں سے اس کی پیروی کرنے والے نافرمانوں کو اوندھے منہ سر کے بل دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔

۹٦۔ ﴿قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ﴾ وہ کہیں گے جب کہ وہ اس میں جھگڑتے ہوں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ بتوں کو گویائی کی توفیق عطا فرما دے تا کہ ان کا آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو کرنا اور جھگڑنا صحیح ہو جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ جھگڑا نافرمانوں اور شیطانوں کے درمیان جاری ہو۔

۹۷'۹۸۔ ﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک ہم ضرور کھلی گمراہی میں مبتلا تھے ○ کیونکہ اے بتو! ہم تمہیں عبادت میں تمام جہانوں کے پروردگار کے برابر اور مساوی قرار دیتے تھے۔

۹۹۔ ﴿وَمَا اَضَلَّنَا اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ﴾ اور ہمیں گمراہ نہیں کیا مگر مجرموں نے۔ یعنی ان کے سرداروں نے انہیں گمراہ کیا یا شیطان نے اور اس کے لشکر نے اور جس نے شرک جاری کیا۔

۱۰۰۔ ﴿فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ﴾ سو اب ہمارے لیے سفارش کرنے والے نہیں ہیں۔ جیسا کہ مسلمانوں کے لیے انبیائے کرام اور اولیائے عظام اور فرشتے سفارش کرنے والے موجود ہیں۔

۱۰۱۔ ﴿وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ﴾ اور نہ مہربان دوست' جیسا کہ ہم مسلمانوں کے لیے دوست دیکھ رہے ہیں کیونکہ آخرت میں صرف مسلمان ایک دوسرے کے دوست ہوں گے' لیکن رہے دوزخی تو ان میں باہمی عداوت و دشمنی ہوگی' جیسا کہ ارشاد ہے: ''اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ'' (الزخرف:٦٧) ''قیامت کے دن گہرے سچے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے ماسوا پرہیزگاروں کے'' یا یہ معنی ہے کہ ہمارے لیے ان میں سے سفارش کرنے والے نہیں رہے اور نہ مخلص دوست رہے' جن کو ہم اپنا سفارشی اور دوست شمار کرتے تھے کیونکہ مشرکین اپنے بتوں کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے اور انسانوں میں سے شیطان لوگ ان کے دوست تھے

[اور "حمیم"، "احتمام" سے ماخوذ ہے اور وہ "اھتمام" سے اور یہ وہ دوست ہوتا ہے کہ جو چیز تجھے غمگین کر دے وہ اسے بھی غمگین کر دے یا یہ "حامة" سے ماخوذ ہے بہ معنی "خاصه" اور یہ خاص دوست ہوتا ہے اور "شافع" کو جمع اور "صدیق" کو واحد لایا گیا ہے] کیونکہ عموماً عادۃً سفارشی بہ کثرت مل جاتے ہیں اور لیکن دوست اور وہ بھی سچا دوست، تجھ سے اس قدر محبت کرتا ہو کہ تیرا غم اس کو غمگین کر دے، بہت کم اور بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں اور ایک دانا سے دوست کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ یہ ایک ایسا سہانا نام ہے جس کا کوئی جامع معنی نہیں ہے [اور یہ بھی جائز ہے کہ "صدیق" سے جمع مراد ہو]۔

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ ع

سو اگر ہمیں واپس جانا ہوتا تو ہم مسلمانوں میں سے ہو جاتے O بے شک اس میں عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان والے نہیں تھے O اور بے شک آپ کا پروردگار ہی سب پر غالب (اور) بے حد مہربان ہے O

۱۰۲- ﴿فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ سو اگر ہمیں دوبارہ دنیا میں واپس بھیج دیا جاتا تو ہم مسلمانوں میں سے ہو جاتے ["لَو" کا جواب محذوف ہے اور وہ "لَفَعَلْنَا كَيْتَ وَكَيْتَ" ہے یا اس طرح کے کلام میں "لَو" تمنّی کے لیے ہوتا ہے گویا کہا گیا: "فَلَيْتَ لَنَا كَرَّةً" سو کاش! ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جاتا کیونکہ "لَو" اور "لَيْتَ" کے معنی میں مماثلت ہے]۔

۱۰۳- ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ بے شک جو خبریں اور واقعات ذکر کیے گئے ہیں، ان میں ﴿لَاٰيَةً﴾ ضرور نشانی ہے یعنی عبرت حاصل کرنے والے کے لیے البتہ عبرت ہے ﴿وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے اور البتہ ان میں سے ایک گروہ ایمان لایا۔

۱۰٤- ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ﴾ اور بے شک آپ کا پروردگار ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جھٹلانے والوں کو دوزخ کی آگ میں ڈال کر ضرور انتقام لینے والا ہے ﴿الرَّحِيْمُ﴾ ہر سلامت دل رکھنے والے مسلمان پر نعمتوں سے بھرپور جنت میں داخل کر کے بے حد مہربانی فرمانے والا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

(حضرت) نوح کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایاO جب کہ ان کے قومی بھائی نوح نے فرمایا کہ کیا تم (اللہ تعالیٰ سے) نہیں ڈرتےO بے شک میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوںO سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کروO اور میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت تو صرف تمام جہانوں کے پروردگار کے ذمۂ کرم پر ہےO پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کروO انہوں نے کہا کہ کیا ہم تجھ پر ایمان لے آئیں حالانکہ کمین لوگوں نے تیری پیروی اختیار کرلی ہےO فرمایا: اور مجھے کیا معلوم کہ وہ کون سے اعمال بجالاتے ہیںO ان کا حساب تو صرف میرے پروردگار کے ذمہ ہے اگر تم سمجھتے ہوO اور میں مسلمانوں کو نہیں دھتکاروں گاO

حضرت نوح علیہ السلام کے تبلیغی کارناموں کا تذکرہ

۱۰۵- ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا [''قوم'' کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے] اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام' حضرت آدم علیہ السلام کے زمانۂ مبارک میں پیدا ہوئے تھے اور ارشادِ باری تعالیٰ ''المرسلین'' سے مراد حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور اس ارشاد کی نظیر تمہارا یہ قول ہے کہ ''فُلَانٌ يَرْكَبُ الدَّوَآبَّ وَيَلْبَسُ الْبُرُوْدَ'' کہ فلاں آدمی سواری کے جانوروں پر سوار ہوتا اور دھاری دار کپڑے پہنتا ہے جب کہ اس کے پاس صرف ایک سواری کا جانور ہوتا ہے اور صرف ایک دھاری دار کپڑا ہوتا ہے' یا یہ کہ وہ تمام رسولوں کی بعثت کا انکار کرتے تھے' اس لیے ''مرسلین'' جمع لایا گیا اس لیے کہ جس نے ان میں سے کسی رسول کو جھٹلایا' اس نے یقیناً تمام رسولوں کو جھٹلایا کیونکہ ہر رسول لوگوں کو تمام رسولوں پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے اور اسی طرح اس سورت میں جتنے ''مرسلین'' ہیں سب کا یہی مطلب ہے۔

۱۰۶- ﴿إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ﴾ جب ان کے قومی بھائی حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا۔ یاد رہے کہ حضرت نوح ان کے نسبی بھائی نہیں دینی بھائی تھے ﴿أَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا تم خالقِ کائنات سے نہیں ڈرتے کہ تم بتوں کی عبادت کرنا چھوڑ دو۔

۱۰۷- ﴿إِنِّي لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ﴾ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں امانت داری میں اس طرح مشہور و معروف تھے' جس طرح قریش میں ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ صداقت و امانت داری میں مشہور و معروف تھے۔

۱۰۸- ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میں جس چیز کا تمہیں حکم دیتا ہوں' تم اس میں میری اطاعت کرو اور جس حق بات کی طرف میں تمہیں دعوت دیتا ہوں' اس کو مان لو۔

۱۰۹- ﴿وَمَآ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ﴾ اور میں تم سے اس تبلیغ کے کام پر کوئی اجرت و معاوضہ نہیں مانگتا ﴿إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ میری اجرت و مزدوری نہیں ہے مگر تمام جہانوں کے پروردگار کے ذمۂ کرم پر' اسی طرح میں اسی سے اپنی اجرت چاہتا ہوں [''إِنْ أَجْرِيَ'' میں حضرت نافع مدنی' ابن عامر شامی' ابوعمرو اور حضرت حفص کی قراءت میں ''یا'' پر فتح (یعنی زبر) ہے]۔

۱۱۰- ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ﴾ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اس کو دوبارہ اس لیے ذکر کیا گیا تاکہ ان کے دلوں میں یہ بات مضبوطی کے ساتھ جم جائے' نیز ان میں سے ہر ایک علیحدہ علت کے ساتھ وابستہ ہے' پس پہلے کی علت حضرت نوح کا ان کے درمیان امین ہونا ہے اور دوسرے کی علت حضرت نوح کا ان سے طمع و لالچ نہ رکھنا ہے' گویا

حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ جب تم نے میری رسالت و امانت داری کو پہچان لیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو' پھر جب تم نے پہچان لیا ہے کہ میں تبلیغ دین کے بدلے میں اجرت و معاوضہ نہیں لیتا اور اس سے احتراز کرتا ہوں تو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

۱۱۱- ﴿قَالُوٓا اَنُؤۡمِنُ لَکَ وَاتَّبَعَکَ الۡاَرۡذَلُوۡنَ﴾ انہوں نے کہا: کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں حالانکہ کم تر لوگوں نے تمہاری پیروی اختیار کی ہے [''وَاتَّبَعَکَ'' میں واؤ حال کے معنی میں ہے اور اس سے پہلے ''قد'' پوشیدہ ہے' اس کی دلیل حضرت یعقوب کی قراءت ''واتباعك'' ہے' جو ''تابع'' کی جمع ہے جیسے ''شاھد'' کی جمع ''اشھاد'' ہے یا ''تبع'' کی جمع ہے' جیسے ''بطل'' کی جمع ''ابطال'' ہے] اور ''اَرۡذَلُوۡنَ'' کا معنی ہے: کم عقل لوگ' ذلیل و خسیس لوگ اور کم تر و گھٹیا لوگ اور کافروں نے ان مسلمانوں کو کم تر و کمین اس لیے سمجھا کہ ان کا نسب گم نام تھا اور دنیا کے مال و دولت سے انہیں کم حصہ ملا تھا اور بعض لوگوں نے کہا کہ وہ مزدور پیشہ لوگوں سے تعلق رکھتے تھے حالانکہ پیشہ دیانت داری میں عیب پیدا نہیں کرتا' پھر اصل دولت و غنا تو دین کی دولت و غنا ہے اور اصل نسب تو تقویٰ و پرہیز گاری کا نسب ہے اور مؤمن کو رذیل و کم تر کہنا جائز نہیں ہے' اگر چہ وہ تمام لوگوں سے غریب ترین ہو اور نسب و خاندان میں ان سے کم تر ہو اور انبیائے کرام علیہم السلام کے پیروکار ہمیشہ اسی طرح غریب لوگ ہوتے ہیں۔

۱۱۲- ﴿قَالَ وَمَا عِلۡمِیۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴾ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اور مجھے کیا معلوم جن پیشوں کے وہ عمل کرتے ہیں' میں تو صرف ان سے ایمان کا مطالبہ کرتا ہوں (جو وہ قبول کر چکے ہیں)۔

۱۱۳- اور بعض حضرات نے فرمایا کہ کافروں نے مسلمانوں کو رذیل کہنے کے ساتھ ان کے ایمان میں طعن کیا اور انہوں نے کہا کہ بے شک جو لوگ تجھ پر ایمان لائے ہیں' ان کے دلوں میں وہ بات نہیں ہے جس کا وہ اظہار کرتے ہیں۔ حضرت نوح نے فرمایا کہ مجھ پر ان کے ظاہر پر اعتبار کرنا لازم ہے' ان کے باطن کی تفتیش و تحقیق کرنا لازم نہیں ہے ﴿اِنۡ حِسَابُہُمۡ اِلَّا عَلٰی رَبِّیۡ لَوۡ تَشۡعُرُوۡنَ﴾ ان کا حساب نہیں مگر میرے رب تعالیٰ پر' کاش! انہیں سمجھ آ جائے' بہر حال ان کے دلوں میں جو کچھ ہے' اس پر اللہ تعالیٰ ان سے حساب لے گا۔

۱۱۴- ﴿وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ اور میں مؤمنوں کو دھتکارنے والا نہیں ہوں' یعنی میری یہ شان نہیں کہ میں تمہارے ایمان لانے کے لالچ میں مسلمانوں کو دھتکار کر چھوڑ دوں اور میں تمہاری خواہشات کی پیروی کرنا شروع کر دوں (ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا)۔

اِنۡ اَنَا اِلَّا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَہِ یٰنُوۡحُ لَتَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمَرۡجُوۡمِیۡنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوۡمِیۡ کَذَّبُوۡنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافۡتَحۡ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَہُمۡ فَتۡحًا وَّنَجِّنِیۡ وَمَنۡ مَّعِیَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنۡجَیۡنٰہُ وَمَنۡ مَّعَہٗ فِی الۡفُلۡکِ الۡمَشۡحُوۡنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا بَعۡدُ الۡبٰقِیۡنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَمَا کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۲۲﴾

میں تو نہیں ہوں مگر کھلم کھلا ڈرانے والا ○ انہوں نے کہا: اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو تم ضرور سنگسار کر دیئے جاؤ گے ○ عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے ○ سو تو میرے اور ان کے درمیان خوب

فیصلہ فرما دے اور مجھے اور میرے ایمان دار ساتھیوں کو نجات عطا فرماO سو ہم نے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو بھری کشتی میں نجات عطا فرما دیO پھر ہم نے اس کے بعد باقیوں کو غرق کر دیاO بے شک اس میں البتہ عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان دار نہیں تھےO اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہی زبردست انتقام لینے والا' بے حد مہربان ہےO

۱۱۵- ﴿اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ میں تو نہیں ہوں مگر کھلم کھلا ڈرانے والا (یعنی) مجھ پر لازم نہیں مگر اس قدر کہ میں تمہیں کھلم کھلا ایسی صحیح برہان کے ذریعے ڈرانے والا ہوں جس کے ساتھ حق باطل سے ممتاز ہو جاتا ہے' پھر تم خود اپنے حال کو خوب جان لو گے۔

۱۱٦- ﴿قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ﴾ انہوں نے کہا: اے نوح! تم جو کچھ کہتے ہو اگر اس سے باز نہیں آ ؤ گے تو ﴿لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ﴾ ضرور تم سنگسار کر کے قتل کیے جانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

۱۱۷- ﴿قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ﴾ عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ جھٹلانے کی خبر دینے کے لیے نہیں کہا کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب و شہادت کا خوب جاننے والا ہے بلکہ حضرت نوح کا مقصد یہ تھا کہ اے میرے رب تعالیٰ! انہوں نے آپ کی وحی اور آپ کی رسالت کے بارے میں مجھے جھٹلا دیا ہے۔

۱۱۸- ﴿فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ فَتْحًا﴾ سو تو میرے اور ان کے درمیان واضح فیصلہ فرما دے اور ''فتاحة'' کا معنی حکومت و فیصلہ ہے اور ''فتاح'' کا معنی حاکم ہے کیونکہ وہ مشکل چیز کو کھول دیتا ہے جیسا کہ ''فیصل'' کہا جاتا ہے کیونکہ وہ جھگڑوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے ﴿وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور مجھے اور میرے ساتھی ایمان والوں کو ان کے عمل کے عذاب سے نجات عطا فرما [امام حفص کی قراءت میں ''مَعِیَ'' کی ''یا'' مفتوح ہے]۔

۱۱۹- ﴿فَاَنْجَیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ﴾ پس ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو کشتی میں نجات عطا فرمائی [''فُلْكْ'' بہ معنی ''سفینة'' یعنی کشتی کے لیے ہے اور اس کی جمع ''فَلَكٌ'' ہے' پس واحد ''قُفْلٌ'' کے وزن پر آتا ہے اور جمع ''اَسَدٌ'' کے وزن پر آتی ہے] ﴿الْمَشْحُوْنِ﴾ بھری ہوئی اور اسی سے ''شحنة البلد'' ہے یعنی جو آبادکاروں سے کافی بھرا ہوا شہر ہو۔

۱۲۰- ﴿ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ﴾ پھر ہم نے (حضرت) نوح اور ان کے ساتھ اہل ایمان کو نجات دینے کے بعد ان کی قوم میں سے باقیوں کو غرق کر دیا۔

۱۲۱- ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ بے شک اس میں البتہ عبرت کے لیے نشانی ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان دار نہیں تھے (صرف اسّی مسلمان تھے)۔

۱۲۲- ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ﴾ اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہ سب پر غالب ہے اور انکار کرنے والے نافرمانی پر اصرار کرنے والے کو ذلیل کر کے انتقام لینے والا ہے ﴿الرَّحِیْمُ﴾ بے حد مہربان ہے اور توحید کے ماننے والے اور اسلام کا اقرار کرنے والے کی اعانت کر کے انعام فرمانے والا ہے۔

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۲۵﴾
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۲٦﴾ وَمَاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۷﴾

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

عاد نے رسولوں کو جھٹلایاO جب ان سے ان کے قومی بھائی ھود نے فرمایا: کیا تم (اللہ تعالیٰ سے) نہیں ڈرتےO بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوںO سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کروO اور میں تم سے اس پر اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت نہیں مگر تمام جہانوں کے پروردگار کے ذمۂ کرم پرO کیا تم ہر اونچے مقام پر یادگار تعمیر کرتے ہو کہ (اس میں) تم کھیل تماشا کرتے ہوO اور تم مضبوط محلات بناتے ہو کہ شاید تم ہمیشہ رہو گےO اور جب تم (کسی کو) پکڑتے ہو تو سرکش ہو کر پکڑتے ہوO سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کروO اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس نے تمہاری ایسی چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہوO

حضرت ھود علیہ السلام کے تبلیغی کارناموں اور نافرمان قوم کے انجام کا بیان

۱۲۳- ﴿كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ﴾ عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔ عاد ایک قبیلہ تھا (جس کی رہنمائی کرنے کے لیے حضرت ھود علیہ السلام کو بھیجا گیا) اور اصل میں عاد ایک آدمی کا نام تھا اور وہ اس قبیلہ کا باپ تھا۔

۱۲۴- ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ جب ان سے ان کے بھائی حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم (اللہ تعالیٰ سے) نہیں ڈرتے؟ حضرت ھود علیہ السلام اپنی قوم کے نسب اور خاندان کے اعتبار سے قومی بھائی تھے' لیکن ان کے دینی اور اسلامی بھائی نہیں تھے (کیونکہ وہ کافر تھے)۔

۱۲۵'۱۲۶- ﴿اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ﴾ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوںO سو تم امانت دار رسول کے جھٹلانے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

۱۲۷- ﴿وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور میں اس (دعوتِ حق دینے) پر تم سے کوئی اجرت و معاوضہ نہیں مانگتا' میری اجرت نہیں مگر پروردگارِ عالم کے ذمۂ کرم پر۔

۱۲۸- ﴿اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً﴾ کیا تم ہر بلند و بالا جگہ پر کبوتروں کے اونچے اونچے برج و مینار بناتے ہو یا ایسے اونچے قلعے اور محل بناتے ہو' جو اپنی بلندی کی وجہ سے نشانِ راہ اور علامت نظر آتے ہیں ﴿تَعْبَثُوْنَ﴾ تم کھیل تماشا کرتے ہو۔

۱۲۹- ﴿وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ﴾ اور تم زمین کے نیچے پانی کے ذخیرے اور حوض بناتے ہو یا مضبوط و مستحکم محلات تعمیر کرتے ہو یا بڑے بڑے قلعے بناتے ہو ﴿لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ﴾ اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے (یعنی) تم دنیا میں ہمیشہ رہنے کی امید رکھتے ہو۔

۱۳۰- ﴿وَاِذَا بَطَشْتُمْ﴾ اور جب تم سزا دینے کی پکڑ کی طرح سختی سے پکڑتے ہو ﴿بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ﴾ تو تم سرکش حملہ آور کی طرح تلوار کے ساتھ قتل کرنے اور کوڑے کے ساتھ مارنے کے لیے پکڑتے ہو اور "جبار" وہ ہوتا ہے جو غصہ کی حالت میں قتل کر دے اور مارے۔

۱۳۱- ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ سو تم لوگوں کے پکڑنے اور گرفتار کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿وَاَطِيْعُوْنِ﴾ اور میں

تمہیں جس چیز کی طرف دعوت دیتا ہوں اس میں تم میری اطاعت کرو۔

۱۳۲-﴿وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور اس ذاتِ اقدس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں کے ساتھ مدد کی جنہیں تم بھی جانتے ہو (یعنی) جس نے جانوروں اور چوپایوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائی' پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر اپنی نعمتیں شمار کیں اور فرمایا:

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾
قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾
وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۗ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾

ع ۱۸ / ۱۱

اس نے جانوروں اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائی O اور باغات اور چشموں کے ساتھ (تمہاری مدد فرمائی) O بے شک میں تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں O انہوں نے کہا: ہم پر برابر ہے آیا آپ ہمیں نصیحت کریں یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں O بے شک یہ تو صرف پہلے لوگوں کی عادت ہے O اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا O سو انہوں نے اسے جھٹلا دیا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا' بے شک اس میں ضرور عبرت ہے' اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے O اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہی سب پر غالب ہے (اور) بے حد مہربان ہے O

۱۳۳-﴿اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے جانوروں اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے ساتھ بیٹوں کو ملا کر اس لیے ذکر فرمایا کہ بیٹے جانوروں کی حفاظت اور ان کی دیکھ بھال اور ان کی نگرانی کرنے کے لیے ماں باپ کی مدد کرتے ہیں۔

۱۳۴-﴿وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ﴾ اور باغات اور چشموں کے ساتھ مدد فرمائی۔

۱۳۵-﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ بے شک مجھے تم پر بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے' اگر تم نے میری نافرمانی کی۔

۱۳۶-﴿قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم پر برابر ہے' آیا تم نصیحت کرو یا نصیحت کرنے والوں سے نہ بنو یعنی ہم تمہاری بات اور تمہاری دعوت قبول نہیں کریں گے' تم نصیحت کرو یا خاموش رہو' اور ''ام لم تعظ'' نہیں کہا تا کہ آیات کا آخر باہم موافق رہے۔

۱۳۷-﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ یہ نہیں ہے مگر پہلے لوگوں کی عادت (یعنی) یہ اندازِ معاشرت جس پر ہم زندگی گزارتے ہیں اور پھر موت کا جام پیتے ہیں اور رہنے سہنے کے لیے مکانات بناتے ہیں' یہ سب چیزیں اور کچھ نہیں مگر پہلے لوگوں کی عادت اور ان کا طریقہ ہے یا جس دین پر ہم قائم ہیں' یہ نہیں ہے مگر پہلے لوگوں کا طریقہ [ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری' یزید اور علی کسائی کی قراءت میں ''خَلْقُ'' مفتوح اور لام ساکن ہے] یعنی تم جو کچھ لائے ہو یہ پہلے پیغمبروں کا طریقہ ہے اور تم سے پہلے بھی نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کو جھٹلایا گیا' جیسا کہ کافروں کا قول ہے: ''اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ'' (الانعام:

۲۵) ''یہ تو نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں''۔ یا ہماری فطرت پہلے لوگوں کی فطرت کی طرح ہے' جس طرح انہوں نے زندگی گزاری' اسی طرح ہم بھی زندگی گزار رہے ہیں' وہ بھی مر گئے اور ہم بھی مر جائیں گے۔

۱۳۸- ﴿ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴾ اور دنیا میں ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا اور نہ آخرت میں ہمیں اٹھایا جائے گا اور نہ ہمارا حساب و کتاب ہوگا۔

۱۳۹- ﴿ فَكَذَّبُوْهُ ﴾ سو انہوں نے اس کو یعنی حضرت ھود علیہ السلام کو جھٹلایا ﴿ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ﴾ پس ہم نے ان کو نہایت سخت گرجتی ہوئی آندھی کے ذریعے ہلاک کر دیا ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾ بے شک اس میں ضرور عبرت کی نشانی ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔

۱۴۰- ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴾ اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہی سب پر غالب (اور) بے حد مہربان ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِیْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا○ جب ان کے قومی بھائی صالح نے ان سے فرمایا: کیا تم (اللہ تعالیٰ سے) نہیں ڈرتے○ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں○ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو○ اور میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت تو نہیں مگر تمام کائنات کے پروردگار کے ذمۂ کرم پر○ کیا تمہیں یہاں کی نعمتوں میں امن و امان کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا○ باغات اور چشموں میں○ اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن کا شگوفہ نرم و نازک ہے○ اور تم بڑی عقل مندی سے گھر بنانے کے لیے پہاڑوں کو تراشتے ہو○ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو○ اور تم حد سے بڑھنے والوں کی اطاعت نہ کرو○ جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے○

حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کے منکرین کا انجام

۱۴۱ تا ۱۴۵- ﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ ○ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ○ وَمَاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ ثمود[1] نے رسولوں کو جھٹلایا○ جب ان کے قومی بھائی حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: کیا تم ڈرتے نہیں○ بے شک میں امانت دار رسول ہوں○ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لو○ اور میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت تو

[1] ثمود ایک قبیلہ کا نام ہے' جس کے جداعلیٰ کا نام ثمود تھا' اس کا نسب نامہ یوں ہے: ثمود بن عبید بن عوص بن عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ (روح البیان)

صرف پروردگار عالمیاں کے ذمہ کرم پر ہے O

١٤٦-﴿ اَتُتْرَكُوْنَ ﴾ کیا تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔[یہ ہمزہ استفہامِ انکاری ہے جو زجروتوبیخ کرنے کے لیے آیا ہے] (یعنی) انہیں دنیا کی نعمتوں میں ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینے کا انکار ہے ﴿ فِیْ مَا هٰهُنَا ﴾ اس جگہ میں (یعنی) دنیا کی بھرپور نعمتوں کی اس سرزمین میں جس میں ٹھہرے ہوئے ہیں ﴿ اٰمِنِیْنَ ﴾ عذاب اور زوال اور موت سے بہ حفاظت امن و امان کے ساتھ' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے (درج ذیل) ارشاد سے اس کی تفسیر وتشریح فرمائی:

١٤٧-﴿ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴾ باغات اور چشموں میں۔ یہ بھی اجمال ہے' پھر تفصیل آ رہی ہے۔

١٤٨-﴿ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ ﴾ اور کھیتوں اور کھجوروں میں۔[''نخل'' کو ''جنات'' پر معطوف کیا گیا ہے باوجودیکہ باغ از خود کھجوروں کو شامل ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ کھجور باقی درختوں پر فضیلت رکھتی ہے] ﴿ طَلْعُهَا ﴾ اس کا شگوفہ۔ کھجور سے جو نرم و نازک گابھا اور گچھا نکلتا ہے اسے ''طَلْعٌ'' کہا جاتا ہے' یہ تلوار کے پھل کی طرح ہوتا ہے ﴿ هَضِیْمٌ ﴾ نرم و نازک پختہ' گویا فرمایا: اور کھجوریں جن کا پھل تازہ پختہ میوہ بن چکا ہے۔

١٤٩-﴿ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا ﴾ اور تم پہاڑوں کو تراشتے ہوئے گھر بناتے ہو ﴿ فٰرِهِیْنَ ﴾ عقل مند' ماہر' خوش و خرم لوگ[شامی اور کوفی قراء کے نزدیک اسم فاعل کے وزن پر ''فا'' اور ''رَا'' کے درمیان الف کے ساتھ ''فَارِهِیْنَ'' بہ معنی ''حَاذِقِیْنَ'' ہے (یعنی ماہرین) یہ حال ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء کے ہاں الف کے بغیر ''فَرِهِیْنَ'' بہ معنی ''اشرین'' ہے (یعنی مغرور و متکبر لوگ) اور ''فراهة'' کا معنی چالاک و عقل مند اور ہوشیار و ہشاش بشاش اور خوشی سے اترانا اور اکڑنا ہے]۔

١٥٠-﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

١٥١-﴿ وَلَا تُطِیْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴾ اور تم حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات نہ مانو (یعنی) کافروں کی اطاعت نہ کرو یا ان نو افراد کی اطاعت نہ کرو' جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی تھیں۔ یہاں ''امر'' کو مجاز حکمی کی بناء پر مطاع قرار دیا گیا اور اس سے ''امر'' مراد ہے (کیونکہ اطاعت ''امر'' یعنی حکم دینے کی کی جاتی ہے) اور ہر وہ جملہ جس میں عقل کے اعتبار سے حکم اپنے موضوع و محل سے خارج کر دیا گیا ہو' وہاں تاویل بیان کی جائے گی' جیسے عرب کا قول ہے: ''اَنْبَتَ الرَّبِیْعُ الْبَقْلَ'' کہ موسم بہار نے سبزہ اُگا دیا (حالانکہ سبزہ اُگانے والا اللہ تعالیٰ ہے)۔

١٥٢-﴿ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ﴾ جو زمین میں کفر و شرک اور ظلم و ستم کے ذریعے فساد پھیلاتے ہیں ﴿ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ﴾ اور وہ ایمان اور عدل و انصاف سے اصلاح نہیں کرتے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا فساد اصلاح سے بالکل خالی ہے' اس کے ساتھ صلاح و درستگی نہیں ہے جیسا کہ بعض فسادیوں کا حال ہوتا ہے' جن میں اصلاح کی صلاحیت فساد کی حالت کے ساتھ مخلوط ہوتی ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿١٥٣﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿١٥٤﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِیْنَ ﴿١٥٧﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِیْ

﴿ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾﴾ ع ۱۹/۱۲

انہوں نے کہا: بے شک تم صرف جادو کیے گئے لوگوں میں سے ہوO تم نہیں ہو مگر ہمارے جیسے بشر' سوتم کوئی معجزہ لاؤ اگر تم سچوں میں سے ہوO اس نے فرمایا: یہ ایک اونٹنی ہے' اس کے لیے پانی پینے کی ایک باری ہے اور تمہارے لیے پانی پینے کا ایک دن معین ہےO اور تم اس کو بُرائی کے ساتھ ہاتھ مت لگاؤ ورنہ ایک بہت بڑے دن کا عذاب تمہیں پکڑ لے گاO سو انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں' پس وہ صبح کے وقت پشیمان ہوئےO تو انہیں عذاب نے پکڑ لیا' بے شک اس میں البتہ عبرت کی ایک نشانی ہے اور ان میں بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں تھےO اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہ سب پر غالب (اور) بے حد مہربان ہےO

۱۵۳- ﴿قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ﴾ انہوں نے کہا: بے شک تم جادو کیے گئے لوگوں میں سے ہو۔ "مسحر" وہ شخص ہوتا ہے جس پر کثرت سے جادو کیا جائے یہاں تک کہ وہ اس کی عقل پر غالب آ جائے اور بعض نے کہا کہ یہ "سَحْرٌ" سے مشتق ہے' بہ معنی پھیپھڑا اور وہ بشر ہے۔

۱۵٤- ﴿مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚۖ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ تم تو نہیں ہو مگر ہماری طرح بشر' سو تم کوئی معجزہ لاؤ اگر تم رسالت کے دعویٰ میں سچے ہو۔

۱۵۵- ﴿قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ﴾ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: یہ ایک اونٹنی ہے' ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے' سو اس دن تم اسے پانی سے روک کر تنگ نہ کرنا ﴿وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ اور تمہارے لیے پانی پینے کا ایک دن مقرر ہے اور اس دن میں وہ اونٹنی تمہیں تنگ نہیں کرے گی۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ دس ماہ کی حاملہ اونٹنی اس پتھر سے نمودار ہو اور وہ پہاڑ سے نکلتے ہی ایک بچہ جن دے' چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام بیٹھ گئے اور سوچنے لگے' اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ دو رکعت نماز نفل ادا کیجئے اور اپنے رب تعالیٰ سے اونٹنی کے لیے درخواست کیجئے' چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا تو پہاڑ سے صحیح سلامت دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکل آئی اور آتے ہی ایک بچے کو جنم دیا' جو جسمانی ساخت و مقدار میں اس اونٹنی کے برابر تھا اور اس کے سینے کا حصہ ساٹھ ہاتھ لمبا تھا اور وہ اونٹنی اپنے پانی پینے کے دن ان کا تمام پانی پی جاتی تھی اور جس دن لوگوں اور ان کے جانوروں کے پانی پینے کی باری ہوتی' اس دن وہ پانی نہیں پیتی تھی اور یہ کسی معاملہ پر قوم کے متفق ہونے کے جواز کی دلیل ہے کیونکہ یہ مذکورہ بالا ارشاد طے شدہ معاملہ پر متفق ہونے کی دلیل ہے۔

۱۵٦- ﴿وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ﴾ اور تم اسے بُرائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگاؤ (یعنی) نہ اسے مارو اور نہ اس کی کونچیں کاٹو اور اس کے علاوہ کوئی اور تکلیف وغیرہ نہ پہنچاؤ ﴿فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ سو ورنہ تمہیں بہت بڑے دن کا عذاب پکڑ لے گا۔ دن کو بڑا اس میں عذاب اترنے کی وجہ سے کہا گیا ہے اور دن کو عذاب کے ساتھ موصوف کرنا عذاب کے وصف سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ جب دن اس کے سبب بڑا ہے تو عذاب کا ملنا کتنا بڑا سخت ہوگا۔

۱۵۷- ﴿فَعَقَرُوْهَا﴾ سو انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ اس اونٹنی کی کونچیں قدار نام کے ایک شخص نے کاٹی تھیں' لیکن اس پر تمام کفار راضی تھے' اس لیے ان سب کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ کونچیں کاٹنے والے شخص نے کہا تھا کہ جب تک تم سب راضی نہیں ہو جاتے' میں اس کی کونچیں نہیں کاٹوں گا' چنانچہ وہ لوگ

عورت کے پاس اس کی پردہ گاہ میں گئے اور کہنے لگے: کیا تم راضی ہو؟ اس نے کہا: ہاں! میں راضی ہوں اور اسی طرح ان کے بچے بھی راضی تھے ﴿فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِیْنَ﴾ پھر وہ لوگ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے پر اپنے اوپر عذاب آ جانے کے خوف سے بہت پشیمان ہوئے مگر یہ ندامت و پچھتاوا توبہ کے لیے نہیں تھا یا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ اس وقت پشیمان ہوئے' جب یہ ندامت مفید نہیں رہی تھی اور وہ عذاب کے دیکھ لینے کے وقت ہوئی یا اس اونٹنی کے بچے کو صحیح سلامت چھوڑ دینے پر انہیں پشیمانی ہوئی (نہ کہ اونٹنی کے مارنے پر)۔

۱۵۸- ﴿فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ﴾ پس انہیں عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا' جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ بے شک اس میں البتہ نشانی ہے' اور ان میں بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔

۱۵۹- ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ﴾ اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہی سب پر غالب' بے حد مہربان ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ اِلْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ ﴿۱۶۷﴾

لوط علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا O جب ان سے ان کے قومی بھائی لوط نے فرمایا: کیا تم نہیں ڈرتے O بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O اور میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت تو نہیں مگر پروردگارِ عالم کے ذمۂ کرم پر O کیا تم تمام جہان والوں میں سے صرف مَردوں سے بُرائی کرتے ہو؟ O اور تم اپنی بیویوں کو چھوڑ دیتے ہو جو تمہارے پروردگار نے (صرف) تمہارے لیے پیدا فرمائی ہیں' بلکہ تم حد سے بڑھ جانے والے ہو O انہوں نے کہا: اے لوط! البتہ اگر تم باز نہ آئے تو تم ضرور نکالے گئے لوگوں میں سے ہو جاؤ گے O

حضرت لوط علیہ السلام کی تبلیغ کے بعد منکرین کے بدانجام کا بیان

۱۶۰ تا ۱۶۵- ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ اِلْمُرْسَلِیْنَ O اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ O اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ O فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ O وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ O﴾ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا O جب ان سے ان کے قومی بھائی حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم ڈرتے نہیں ہو O بے شک میں امانت دار رسول ہوں O سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O اور میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت نہیں مگر پروردگارِ عالم کے ذمۂ کرم پر O کیا تمام جہانوں والوں میں سے صرف تم مَردوں سے بدفعلی کرتے ہو؟ ''عالمین'' سے انسان مراد ہیں یعنی عورتوں کی کثرت کے باوجود تم انسانوں میں سے صرف مردوں

سے بدفعلی کرتے ہو یا یہ معنی ہے کہ کیا تم ہی لوگ اپنوں کے علاوہ جہان والوں میں سے مردوں کے ساتھ بُرا کام کرتے ہو؟ یعنی صرف تمہیں لوگ اس بے حیائی کے کام کے ساتھ مخصوص ہو اور اس بناء پر "عالمین" سے ہر وہ حیوان مراد ہوگا جس سے جماع ہو سکتا ہو۔

۱۶۶- ﴿وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ﴾ اور تم اپنی بیویوں کو چھوڑ دیتے ہو' جو تمہارے پروردگار نے تمہارے لیے پیدا کی ہیں["من" بیانیہ ہے' جو تخلیق کے بیان کے لیے آیا ہے یا یہ تبعیض کا ہے]اور مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا ایک مخصوص مباح عضو تمہارے لیے پیدا کر دیا (پس تم اسی کو استعمال کرو) اور دراصل وہ لوگ اپنی عورتوں کے ساتھ بھی اسی طرح بدفعلی کرتے تھے' جس طرح وہ مردوں کے ساتھ بدفعلی کرتے تھے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بیویوں اور لونڈیوں کے ساتھ لواطت (یعنی عورتوں کے مقامِ فضلہ کو استعمال) کرنا حرام کر دیا گیا ہے اور جس شخص نے اس کو جائز قرار دیا' اس نے بہت بڑی غلطی کی ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ﴾ بلکہ تم حد سے بڑھ جانے والے لوگ ہو" عادی" کا معنی ہے: ظلم و ستم کرنے میں زیادتی کرنے والا اور اس میں حد سے تجاوز کرنے والا یعنی تم لوگ اس بات کے مستحق ہو کہ تمہیں ظلم و زیادتی کی صفت کے ساتھ موصوف کیا جائے' کیونکہ تم نے اس طرح کے بہت بڑے بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

۱۶۷- ﴿قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ﴾ انہوں نے کہا: اے لوط! اگر تم ہمیں منع کرنے سے اور ہمارے اس کام (بدفعلی) کی بُرائی اور قباحت بیان کرنے سے باز نہ آئے تو ﴿لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ﴾ البتہ تم ضرور نکال دیئے گئے لوگوں میں سے ہو جاؤ گے (یعنی تمہیں یہاں سے ملک بدر کر دیا جائے گا) تم اس جماعت میں شامل ہو جاؤ گے جس کو ہم نے اپنے سامنے نکال دیا اور ہم نے اسے اپنے ملک سے باہر پھینک دیا اور شاید وہ لوگ ان کو نکال دیتے تھے جو ان کے بُرے حال پر احتجاج کرتے اور مخالف ہو جاتے۔

قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾

فرمایا: بے شک میں تمہارے (اس بُرے) عمل سے بیزار ہوں O اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے گھر والوں کو اس عمل سے نجات عطا فرما جو وہ لوگ کر رہے ہیں O سو ہم نے اسے اور اس کے تمام گھر والوں کو نجات عطا کی O ماسوا ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں تھی O پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا O اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش برسا دی' سو بہت بُری بارش ڈرائے جانے والوں پر برسائی گئی O بے شک اس میں عبرت کی ایک نشانی ہے اور ان میں بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے O اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہ سب پر غالب ہے' بے حد مہربان ہے O

۱۶۸- ﴿قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ﴾ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: بے شک میں تمہارے (اس بُرے) عمل سے سخت بیزار لوگوں میں سے ہوں۔[یہ "قالٍ" کہنے سے زیادہ بلیغ ہے' جیسے تمہارا قول "فُلَانٌ مِنَ الْعُلَمَآءِ" زیادہ بلیغ

ہے' تمہارے قول "فُلَانٌ عَالِمٌ" سے کیونکہ تم پہلے قول میں اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ فلاں آدمی علماء کے ساتھ علم میں شریک ہے]اور "قلی" کا معنی ہے: سخت ترین بغض وغصہ گویا بغض دل کو اور جگر کو جلا دیتا ہے اور اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ بدفعلی بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام کا بغض دین کے لیے تھا۔

۱۶۹-﴿رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ﴾ اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے عمل کی سزا سے نجات عطا فرما۔

۱۷۰-﴿فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ﴾ پس ہم نے اسے اور اس کے تمام گھر والوں کو نجات عطا فرما دی یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو۔

۱۷۱-﴿اِلَّا عَجُوْزًا﴾ سوائے ایک بڑھیا کے۔ یہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تھی اور یہ اپنی قوم کے بُرے عمل سے راضی تھی اور گناہ پر راضی گناہ گار کے حکم میں ہوتا ہے[سوٗ "اھل" سے کافرہ کا استثناء جب کہ وہ مسلمان تھے محض اس اسم میں اشتراک کی وجہ سے کیا گیا' اگر چہ وہ ایمان میں ان کے ساتھ شریک نہیں تھی] ﴿فِي الْغٰبِرِيْنَ﴾ ["عجوزًا" کی صفت ہے]یعنی عذاب میں باقی رہنے والی کیونکہ وہ اس عذاب سے نجات نہیں پا سکی تھی اور لغت میں "غابر" کا معنی باقی ہے گویا فرمایا گیا کہ سوائے ایک بڑھیا کے جو باقی رہ جانے والوں میں سے ہے یعنی اس کا نام پیچھے باقی رہنے والوں میں تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا کیونکہ مسلمانوں کی نجات کے وقت اس کا باقی رہنا اس کی صفت نہیں تھا۔

۱۷۲-﴿ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ﴾ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا اور ان کی تدمیر (ہلاکت) سے مراد ان کے شہر کو الٹ کر کے ان کو تباہ کر دینا ہے۔

۱۷۳-﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا﴾ اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسا دی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے ایک گروہ پر آسمان سے پتھر برسائے تھے اور ان کو تباہ و برباد کر دیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو شہر سمیت الٹ کر کے ہلاک پر خوش نہ ہوا یہاں تک کہ اس کے فوراً بعد ان پر پتھروں کی بارش برسا دی ﴿فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ﴾ سو بہت بُری بارش برسی' ان لوگوں پر جنہیں ڈرایا گیا تھا اور "المنذرین" سے مخصوص قوم مراد نہیں بلکہ کافروں کی جنس مراد ہے["فساء" کا فاعل "مطر المنذرین" ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ "مطرھم" ہے]۔

۱۷۵'۱۷۴-﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ بے شک اس میں البتہ عبرت کی نشانی ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے ۝ اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہی غالب (اور) بے حد مہربان ہے۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَاۤ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

وَّ الۡجِبِلَّةَ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۸۴﴾

اُیکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایا O جب ان سے شعیب نے فرمایا: کیا تم ڈرتے نہیں O بے شک میں امانت دار رسول ہوں O سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O اور میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت صرف پروردگارِ عالم کے ذمۂ کرم پر ہے O اور تم ناپ پورا کیا کرو اور کم ناپ کر دینے والوں میں سے نہ ہو جاؤ O اور تم سیدھے ترازو سے تولا کرو O اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو اور فسادی بن کر زمین میں فساد نہ پھیلاؤ O اور تم اس سے ڈرو جس نے تمہیں اور بہت سی پہلی مخلوق کو پیدا کیا O

حضرت شعیب علیہ السلام کی تبلیغ کے باوجود نافرمانی کرنے پر اُیکہ والوں پر عذاب

۱۷۶- ﴿كَذَّبَ اَصۡحٰبُ لۡـئَیۡكَةِ﴾ [ہمزہ اور جر کے ساتھ ہے' یہ جنگل کا نام ہے' جس میں کثرت سے درخت ہوں۔ علامہ خلیل نحوی سے "لَیکة" (لام کے ساتھ) منقول ہے' اہل حجاز اور ابن عامر شامی کی قراءت میں بھی ہمزہ کی بجائے لام کے ساتھ "لیکہ" ہے اور اسی طرح سورۂ صٓ میں ہے' یہ ایک شہر کا نام ہے] اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اُیکہ والے وہی مدین کے رہنے والے ہیں کیونکہ انہوں نے جنگل میں پناہ لی تھی' جب ان پر سخت ترین گرمی کا عذاب آیا تھا' لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ اُیکہ والے مدین والوں کے علاوہ قوم ہے اور یہ لوگ ایک جنگل میں ایک بَن کے پاس جا کر ٹھہرے تھے' ان کے درختوں میں اکثریت گوگل کے درختوں کی تھی۔ ان کے غیر اہل مدین ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہاں ان کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے "اَخُوۡهُمۡ شُعَیۡبٌ" نہیں فرمایا کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام ان کے نسب سے نہیں تھے بلکہ وہ مدین والوں کے نسب سے تھے' چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت شعیب مدین کے بھائی تھے' جو ان کی طرف اور اُیکہ والوں کی طرف بھیجے گئے تھے ﴿الۡمُرۡسَلِیۡنَ﴾ اُیکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔

۱۷۷ تا ۱۸۱- ﴿اِذۡ قَالَ لَهُمۡ شُعَیۡبٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ۚ﴿﴾ اِنِّیۡ لَكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ۙ﴿﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ۚ﴿﴾ وَ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿﴾ اَوۡفُوا الۡكَیۡلَ وَ لَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُخۡسِرِیۡنَ ۚ﴿﴾﴾ جب ان سے حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم ڈرتے نہیں O بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O اور میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا' میری اجرت تو صرف پروردگارِ عالم کے ذمۂ کرم پر ہے O تم ناپ پورا کیا کرو (یعنی) مکمل ناپ کیا کرو اور تم کم کر کے چیزیں دینے والوں میں سے نہ ہو جاؤ O اور تم لوگوں کے حقوق کم نہ کیا کرو' پس پورا پورا ناپنا چاہیے اور یہی مامور بہ (اسی کا حکم دیا گیا) ہے اور کم کر کے نہیں ناپنا چاہیے اور یہی منہی عنہ (یعنی اسی سے منع کیا گیا) ہے اور ایک زائد ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے بارے میں شریعت میں خاموشی اختیار کی گئی ہے' پس اس کا ترک کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو کر لے تو بہتر ہے اور اگر اس کو نہ کرے تو اس پر کوئی ملامت نہیں۔

۱۸۲- ﴿وَ زِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ﴾ اور تم صحیح اور سیدھی ترازو کے ساتھ تولا کرو اور "قسطاس" کا معنی ہے: میزان یعنی ترازو یا کانٹا (یعنی تولنے کا بہت بڑا آلہ یا بڑا ترازو) اور اگر یہ "قسط" سے مشتق ہو تو اس کا معنی ہے: برابر کرنا اور انصاف کرنا [اور اس کے عین کلمہ کو مکرر قرار دیا جائے تو اس کا وزن "فعلاس" ہے ورنہ یہ رباعی ہے اور ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی اہل کوفہ کے قراء کی قراءت میں قاف مکسور ہے]۔

۱۸۳- ﴿وَ لَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَهُمۡ﴾ اور تم لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دو (یعنی) ان کے درہموں اور

دیناروں کو اطراف سے کاٹ کر ان میں کمی نہ کرو' جب تم کسی کا حق کم کر کے اس کو دو گے تو کہا جائے گا: ''بَخَسْتَهٗ حَقَّهٗ'' کہ تم نے اس کا حق کم کر کے اس کو دیا ﴿ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴾ اور تم زمین میں فساد پھیلانے والے نہ بن جاؤ اور تم اس میں حد سے بڑھ کر فساد نہ پھیلاؤ اور یہ جیسے قتل و غارت کرنا اور ڈاکہ زنی کرنا' کھیتوں کو برباد کرنا اور وہ لوگ یہی کام کرتے تھے' سو اس لیے اس سے انہیں منع کیا گیا' جب کوئی سخت فساد پھیلاتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''عَثَا فِي الْاَرْضِ'' کہ اس نے زمین میں فساد پھیلایا اور لغت میں ''عَثَا'' کی بجائے ''عَثٰی فِي الْاَرْضِ'' بھی کہا جاتا ہے۔

۱۸۴۔﴿ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ اور تم اس سے ڈرو جس نے تمہیں اور پہلی مخلوق کو پیدا کیا [اور ''الجبلة'' کا ضمیر ''کُمْ'' پر عطف ہے] یعنی تم اس خدا سے ڈرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے بہت سی مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ ''الاولین'' بہ معنی ''ماضین'' ہے یعنی گزشتہ مخلوق۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾

ع ۱۰ / ۱۶ / ۱۴

انہوں نے کہا: بے شک تم صرف انہیں لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہے O اور تم نہیں ہو مگر ہماری طرح ایک بشر اور بے شک ہم تجھے ضرور جھوٹوں میں سے خیال کرتے ہیں O سو تم ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا دو اگر تم سچوں میں سے ہو O فرمایا: میرا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ تم عمل کرتے ہو O سو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا' پس انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے آ پکڑا' بے شک وہ بہت بڑے دن کا عذاب تھا O بے شک اس میں عبرت ہے' اور ان میں بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے O اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہ سب پر غالب (اور) بے حد مہربان ہے O

۱۸۶'۱۸۵۔﴿ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ O وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ﴾ انہوں نے کہا: بے شک تم صرف جادو کیے گئے لوگوں میں سے ہو O اور تم نہیں ہو' مگر ہمارے جیسے بشر۔ [یہاں واؤ اس لیے داخل کی گئی ہے تاکہ یہ دو معنوں کا فائدہ دے] اور وہ دونوں ان کے نزدیک رسالت و نبوت کے منافی تھے' ایک جادو زدہ ہونا اور دوسرا بشر ہونا' اور اس واؤ کو ثمود کے قصہ میں چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ وہاں ایک متحدہ معنی کا فائدہ دے اور وہ حضرت صالح کا جادو زدہ ہونا ہے' پھر اسی معنی کو مستحکم و مضبوط کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ حضرت صالح علیہ السلام ان جیسے بشر ہیں ﴿ وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ اور بے شک ہم تمہیں جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں [اس میں حرف ''اِنْ'' ثقیلہ سے خفیفہ ہے اور لام ''اِنْ'' خفیفہ اور نافیہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے داخل کیا گیا ہے اور دونوں کو ظن کے فعل پر جدا کر کے داخل کیا گیا ہے اور اس کا دوسرا مفعول ہے کیونکہ ان دونوں کی اصل یہ ہے کہ وہ دونوں مبتدا اور خبر پر الگ الگ داخل ہوتے ہیں' جیسے ''اِنَّ زَيْدًا لَمُنْطَلِقٌ'' پھر جب ''کان'' اور ''ظننت'' مبتدا اور خبر کی جنس کے باب سے ہیں تو ان کو دو بابوں میں ذکر کیا گیا' چنانچہ کہا گیا کہ ''اِنْ كَانَ زَيْدٌ لَمُنْطَلِقًا وَاِنْ ظَنَنْتُهٗ لَمُنْطَلِقًا'']۔

۱۸۷- ﴿فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا﴾ سوتم ہم پر کوئی ٹکڑا گرادو [''کِسَفًا'' (کاف کے نیچے زیر اور سین پر زبر) امام حفص کی قراءت ہے (جب کہ دوسرے قراء کی قراءت میں ''کِسْفًا'' کاف کے نیچے زیر اور سین ساکن ہے[1]) اور یہ دونوں ''کِسْفَة'' کی جمع ہیں اور اس کا معنی ٹکڑا ہے] ﴿مِّنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان سے یعنی بادل یا سائبان ﴿إِن كُنتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ﴾ اگر تم سچوں میں سے ہو یعنی اگر تم واقعی سچے ہو کہ تم نبی ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا دے یعنی آسمان سے عذاب کا ٹکڑا گرا دے۔

۱۸۸- ﴿قَالَ رَبِّيٓ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: میرا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ تم عمل کرتے ہو یعنی بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو بہت خوب جانتا ہے اور ان پر جس عذاب کے تم مستحق ہوا سے بھی وہ خوب جانتا ہے اور اگر وہ تمہیں آسمان سے ٹکڑا گرا کر عذاب دینا چاہے گا تو وہ کر گزرے گا (اسے کوئی روک نہیں سکتا) اور اگر وہ کوئی دوسرا عذاب دینا چاہے گا تو وہ مختار ہے' حکم اور ارادہ اسی کا پورا ہوگا [اہل حجاز اور ابوعمرو کی قراءت میں ''رَبِّيَ'' ''یا'' مفتوح کے ساتھ (یعنی ''یا'' پر زبر ہے) اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ''یا'' ساکن ہے]۔

۱۸۹- ﴿فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ﴾ سوانہوں نے اسے جھٹلا دیا تو ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا' یہ سائبان ایک بادل تھا' جو سایا دار بن کر ان پر سایا فگن ہوا تھا۔ اس سے پہلے ان لوگوں پر ہوا رُک گئی' جس سے گرمی کی شدت بڑھ گئی اور سات دن متواتر سخت ترین گرمی کے عذاب میں وہ لوگ گرفتار رہے' پھر سایا دار بادل آنے پر گرمی سے بچنے کے لیے اس کے نیچے پناہ کے لیے سب جمع ہو گئے تو ان پر آگ برسا دی گئی' سو وہ سب اس میں جل کر مر گئے ﴿إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ بے شک وہ ایک بڑے دن کا عذاب تھا۔

۱۹۱'۱۹۰- ﴿إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ○ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ بے شک اس میں البتہ عبرت ہے اور ان میں بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے ○ اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہی سب پر غالب ہے (اور) نہایت رحم فرمانے والا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ہر قصے کے شروع میں اور اس کے آخر میں جو چیزیں دوہرائی ہیں ان کو اس لیے مکرر ذکر فرمایا کہ ان کے معانی دلوں میں پختہ ہو جائیں تا کہ وعظ و نصیحت میں اور زجر و توبیخ میں زیادہ بلیغ ہو جائیں اور اس لیے بھی کہ اس میں ہر قصہ مستقل نازل کیا گیا ہے اور اس میں اسی طرح عبرت حاصل ہوتی ہے' جس طرح اس کے علاوہ دوسرے قصہ میں عبرت حاصل ہوتی ہے' پس اس سورت کا ہر قصہ اس لائق ہے کہ اسے کھول کر بیان کیا جائے' جس طرح اس کے ساتھی قصہ کو بیان کیا گیا ہے اور اس کو اسی پر ختم کیا جائے' جس پر اس کا سابقہ قصہ ختم ہوا۔

وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿۱۹۵﴾ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۹۶﴾ أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمٰٓؤُا بَنِيٓ إِسْرٰٓءِيلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَأَهُ عَلَيْهِم مَّا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿۲۰۱﴾

[1] یہ قراءت حمزہ' علی کسائی' ابن کثیر کی' نافع مدنی' ابن عامر شامی' ابوعمرو' عاصم' شعبہ' خلف اور یعقوب کی ہے۔

(معجم القراءات القرآنیہ ج ۴ ص ۳۲۶)

فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور بے شک یہ قرآن تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہےO اس کو روح الامین لے کر نازل ہواO آپ کے دل مبارک پر تا کہ آپ ڈرسنانے والوں میں سے ہو جائیںO صاف عربی زبان میںO اور بے شک اس کا ذکر پہلی کتابوں میں (بھی) کیا گیا ہےO اور کیا یہ ان کے لیے نشانی نہ تھی کہ بنی اسرائیل کے علماء اسے جان لیتےO اور اگر ہم اسے کسی عجمی آدمی پر نازل کر دیتے' پھر وہ اسے ان پر پڑھتا تو وہ لوگ اس پر ایمان نہ لاتےO اسی طرح ہم نے اسے مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیاO وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیںO سو وہ ان پر اچانک آ جائے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہو گیO پھر وہ کہیں گے: کیا ہمیں مہلت دی جائے گی؟O تو کیا وہ ہمارے عذاب کو جلدی چاہتے ہیںO

قرآن مجید کے نزول کی شان اور منکرین کے انجام کا بیان

۱۹۲- ﴿وَاِنَّهٗ﴾ اور بے شک وہ یعنی یہ قرآن مجید ﴿لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ البتہ پروردگارِ عالم کا نازل کیا ہوا ہے (یعنی) اسی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

۱۹۳- ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ﴾ اس کو روح الامین یعنی حضرت جبریل علیہ السلام لے کر نازل ہوئے' کیونکہ وہ وحی پر امانت دار ہیں' جس میں دلوں کی زندگی ہے [''نَزَلَ'' مخفف ہے اور ''اَلرُّوْحُ الْاَمِيْنُ'' اس کا فاعل ہے اور یہ اہل حجاز' ابو عمر و' زید اور حفص کی قراءت ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ''نَزَّلَ'' مشدد ہے اور ''اَلرُّوْحَ الْاَمِيْنَ'' منصوب ہے اور اللہ تعالیٰ ''نَزَّلَ'' کا فاعل ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن مجید کے ساتھ نازل کیا ہے اور دونوں قراءتوں پر حرف ''با'' تعدیہ کے لیے ہے]۔

۱۹۴- ﴿عَلٰى قَلْبِكَ﴾ آپ کے دل مبارک پر یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید آپ کو حفظ کرا دیا اور اسے آپ کے ذہن میں سمجھا دیا اور اس کو آپ کے قلب اطہر مبارک میں اس قدر مضبوطی کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ اب کبھی نہیں بھولے گا جیسا کہ خود ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى'' (الاعلیٰ:٦) ''بے شک ہم آپ کو پڑھائیں گے' پس آپ کبھی نہیں بھولیں گے'' ﴿لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ﴾ تا کہ آپ ڈر سنانے والوں میں سے ہو جائیں۔

۱۹۵- ﴿بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ﴾ عربی زبان میں (یعنی) قریش اور جرہم کی لغت میں ﴿مُّبِيْنٍ﴾ صاف اور واضح اور فصیح جو ان چیزوں کی تصحیح کرنے والی ہے تا کہ ان مقدس لوگوں میں سے ہو جائیں جنہوں نے (کفار کو) عربی زبان میں ڈر سنایا اور وہ حضرات ہود' صالح' شعیب اور اسماعیل علیہم السلام ہیں یا پھر ''نزل'' کے متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تا کہ (اے محبوب!) آپ اس کے ذریعے (کفارِ مکہ کو) ڈرائیں کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو عجمی زبان میں نازل کرتا تو یہ لوگ اس کتاب سے بالکل دور ہو جاتے اور وہ البتہ یہ کہتے کہ ہم اس کتاب کو کیا کریں' جس کو ہم سمجھ نہیں سکتے' پس اس کے ساتھ ڈرانا مشکل و متعذر ہو جاتا اور اسی وجہ سے اس کو عربی زبان میں نازل کیا گیا' جو آپ کی اور آپ کی قوم کی زبان ہے۔ اس کو آپ کے قلب اطہر پر نازل کیا گیا تا کہ آپ خود اس کو سمجھیں اور اپنی قوم کو سمجھائیں اور اگر یہ عجمی زبان میں ہوتا تو آپ کے کان پر نازل ہوتا' آپ کے دل پر نازل نہ ہوتا' اس لیے کہ آپ حروف کی آواز تو سن لیتے' اس کے معانی کو نہ سمجھ سکتے اور نہ اس کو حفظ کر سکتے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی چند لغات (زبانوں) کا جاننے والا ہوتا ہے' پھر جب وہ

اپنی لغت (زبان) میں کلام کرتا ہے تو اس کا دل صرف اس کلام کے معانی کی طرف ہوتا ہے اور اگر دوسری زبان میں گفتگو کرتا ہے تو پہلے اس کی نظر اس زبان کے الفاظ کی طرف ہوتی ہے' پھر اس کے معانی میں ہوتی ہے' اگر چہ وہ آدمی اس لغت کا ماہر ہی کیوں نہ ہو' پس یہ تقریر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن مجید کو آپ کے دل مبارک پر عربی زبان میں نازل فرمایا۔

۱۹۶- ﴿وَاِنَّهٗ﴾ اور بے شک وہ (یعنی) اور بے شک یہ قرآن مجید ﴿لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ﴾ پہلی کتابوں میں مذکور ہے یعنی اس کا ذکر پہلی تمام آسمانی کتابوں میں مشہور و معروف اور ثابت ہو چکا ہے اور بعض اہل علم نے کہا کہ بے شک اس کے معانی ان کتب میں مذکور ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کا جب کسی غیر عربی زبان میں ترجمہ کیا جائے تو بھی وہ قرآن ہی ہوتا ہے' پس یہ دلیل ہے کہ نماز میں قرآن مجید کو فارسی زبان میں پڑھنا جائز ہے[1]

۱۹۷- ﴿اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ﴾ اور کیا ان کے لیے یہ علامت نہیں تھی کہ وہ اسے یعنی قرآن مجید کو جان لیتے کیونکہ اس کا ذکر تورات شریف میں موجود تھا [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''تَكُنْ'' ہے ''اٰیَةٌ'' اس کا اسم ہے اور اس کی خبر ''اَنْ یَّعْلَمَهٗ'' ہے اور بعض نے کہا کہ ''تَكُنْ'' میں ضمیر قصہ کی ہے اور ''اٰیَةٌ'' خبر مقدم ہے اور مبتدا ''اَنْ یَّعْلَمَهٗ'' ہے اور یہ جملہ ''كَانَ'' (یَكُنْ) کی خبر ہے اور بعض نے کہا کہ ''کان'' تامہ ہے اور ''ایة'' اس کا فاعل ہے اور ''اَنْ یَعْلَمَهٗ'' اس سے بدل ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی اور کیا ان کے لیے یہ علامت وغیرہ نہیں تھی کہ یاد دہانی ہو جاتی اور ''ایة'' اس بنا پر منصوب ہے کہ یہ اس کی خبر ہے اور ''اَنْ یَّعْلَمَهٗ'' اس کا اسم ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ عِلْمُ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ '' (اٰیَةً) اور کیا ان کے لیے بنی اسرائیل کے عالموں کا علم علامت نہیں تھا] ﴿عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ بنی اسرائیل کے علماء جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام وغیرہ' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ '(القصص:۵۳)'' اور جب ان پر قرآن کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں' بے شک یہ ہمارے رب تعالیٰ کی طرف سے حق ہے' بے شک ہم اس سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے''۔ اور مصحف عثمانی میں ''عُلَمٰٓؤا'' میں الف سے پہلے واؤ لکھا گیا ہے۔

۱۹۸- ﴿وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰی بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ﴾ اور اگر ہم اس قرآن کو کسی عجمی آدمی پر نازل کر دیتے [''اعجم'' کی جمع ہے] اور عجمی وہ آدمی ہوتا ہے جو صاف کھول کر بات بیان نہ کر سکتا ہو (یا جو عربی نہ بول سکتا ہو) اور اسی طرح ''اعجمی'' ہے' مگر اس میں یاءِ نسبت کی زیادہ ہونے کی وجہ سے تاکید زیادہ ہے اور جب کوئی شخص ان اہل عرب کی زبان کے علاوہ کسی زبان میں بات کرتا ہے' جس کی بات کو یہ لوگ نہیں سمجھتے تو اسے اعجم اور اعجمی کہتے ہیں اور اس کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں جو صاف بات نہ کرتا ہو اور رواں بیان نہ کر سکتا ہو اور عجمی عجم کی جنس سے ہے' عربی بول سکتا ہو یا نہ بول سکتا ہو اور حضرت حسن نے ''اَعْجَمِیِّیْنَ'' پڑھا ہے [اور بعض نے کہا کہ ''اَعْجَمِیْنَ'' بھی ''اَعْجَمِیِّیْنَ'' کا مخفف ہے جیسے

---

[1] اسی بناء پر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نماز میں خشوع و خضوع کی خاطر اس کے جواز کے لیے فارسی زبان میں قرآن پڑھنا جائز قرار دیا تھا کیونکہ قرآن مجید کے عربی الفاظ نماز میں لازمی رکن نہیں (بلکہ مطلق قراءت نماز کا لازمی رکن ہے) لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بعد میں اپنے اس قول سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ عربی کے علاوہ فارسی وغیرہ میں قرآن مجید کی قراءت جائز نہیں جیسا کہ صاحبین اور اکثر ائمۂ دین کا قول ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ (تفسیر مظہری جلد ۷ ص ۸۴ 'مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی) نوٹ: مزید تفصیل ''تفسیر روح المعانی'' میں اسی آیت مبارکہ کے تحت ملاحظہ فرمائیں' نیز اُردو دان حضرات یہی تفصیل ''تفسیر تبیان القرآن'' جلد ۸ ص ۹۴۴' مطبوعہ فرید بک سٹال' اردو بازار' لاہور میں ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی مہاروی

کہتے ہیں: ''اَشْعَرُوْنَ'' یعنی ''اَشْعَرِیُّوْنَ'' حذف یائے نسبت کے ساتھ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کی جمع سلامت کے وزن پر جمع نہیں آ سکتی کیونکہ اس کا مؤنث ''عجماء'' ہے]۔

۱۹۹۔﴿ فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴾ پھر وہ عجمی آدمی یہ قرآن ان کو پڑھ کر سناتا تو وہ اس پر ایمان نہ لاتے' اور معنی یہ ہے کہ بے شک ہم نے یہ قرآن عربی مرد پر فصیح و بلیغ عربی زبان میں نازل کیا' سو انہوں نے اس کو سمجھا اور اس کی فصاحت کو پہچان لیا اور اچھی طرح جان لیا کہ یہ یقیناً معجزہ ہے اور اس کے ساتھ اہل کتاب کے علماء کا اتفاق اس سے پہلے شامل ہو چکا ہے کہ اس قرآن مجید کے نزول اور اس کی صفات کی بشارت ان کی کتابوں میں مذکور ہے اور وہ کتابیں اس قرآن مجید کے معانی و قصص کو متضمن ہیں' جس سے یہ بات صحیح ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور یہ محض قصے کہانیاں نہیں' جیسا کہ انہوں نے گمان کیا اور اس پر ایمان نہیں لائے اور انہوں نے اسے کبھی شعر کہہ دیا اور کبھی جادو کہہ دیا اور انہوں نے کہا کہ یہ (حضرت سرورِ کائنات باعث ایجادِ کائنات) محمد (مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا گھڑا ہوا ہے اور اگر ہم اس قرآن مجید کو کسی عجمی آدمی پر نازل کر دیتے' جو عربی زبان اچھی طرح نہیں بول سکتا' چہ جائے کہ وہ اس کی مثل بنا کر لانے پر قادر ہو' پھر وہ ان پر یہ کتاب اسی طرح بہ طورِ معجزہ پڑھ کر سناتا تو وہ اس کے ساتھ کفر اختیار کر لیتے جیسا کہ انہوں نے اب تک کفر اختیار کیا ہوا ہے اور وہ اپنے انکار پر عذر پیش کرتے (کہ ہم عربی ہیں یہ عجمی ہیں) اور اس کو بھی جادوگر کہہ دیتے' پھر اللہ تعالیٰ نے (درج ذیل) ارشاد فرمایا:

۲۰۰۔﴿ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴾ یعنی اسی طرح ہم نے مجرموں کے دلوں میں تکذیب و جھٹلانے کی عادت کو یا کفر کرنے کی عادت کو داخل کر دیا ہے اور ارشاد ''مَا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ'' کا یہی معنی ہے اور ''مُجْرِمِیْنَ'' سے وہ کفار مراد ہیں جن کے متعلق کفر اختیار کرنا اور اس پر اصرار کرنا اللہ تعالیٰ کے علم میں آ چکا ہے یعنی اس کفر و اصرار کی طرح ہم نے ان کے دلوں میں تکذیب کو داخل کر دیا ہے اور ہم نے اسے ان کے دلوں میں پختہ کر دیا ہے' لہٰذا اب ان کے ساتھ کیسے کیا جائے اور ان کے معاملہ کی کیا تدبیر کی جائے' سو اب اس بات کا امکان نہیں رہا کہ وہ لوگ جس کفر و تکذیب پر اصرار کر کے اَڑ گئے ہیں' اس سے بدل جائیں یعنی جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ لَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ'' (الانعام:۷) ''اور اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کوئی کتاب نازل کر دیتے اور وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے تو البتہ کافر یہی کہتے کہ یہ تو نہیں مگر کھلا ہوا جادو''۔ اور یہ معتزلہ (گمراہ فرقہ) کے خلاف ہماری مضبوط دلیل ہے کہ بندوں کے تمام افعال نیک ہوں یا بد' سب کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

۲۰۱۔﴿ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾ وہ لوگ اس پر یعنی قرآن مجید پر ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ ارشاد (''سَلَكْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ'') کی توضیح و تلخیص کے قائم مقام ہے کیونکہ یہ کلام اس لیے چلایا گیا ہے کہ ان کے دلوں میں اس قرآن مجید کا انکار اور اس کی تکذیب کا ہونا ثابت کیا جائے' یہاں تک کہ وہ عذاب کو دیکھ لیں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ کلام حال ہو یعنی ہم نے اس قرآن کی تکذیب کو ان کے دلوں میں داخل کر دیا ہے' دراں حالیکہ وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے ﴿ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴾ یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں گے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ موت کے وقت عذاب کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر لیں گے اور اس وقت کا ایمان ''ایمان یاس'' (ناامیدی کا ایمان) ہوگا جو انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

۲۰۲۔﴿ فَیَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴾ سو وہ عذاب ان پر اچانک آن پہنچے گا اور انہیں اس کے آنے کی خبر بھی نہیں ہو سکے گی۔

۲۰۳- ﴿فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُونَ﴾ پس وہ کہیں گے: کیا ہمیں مہلت دی جائے گی (یعنی) وہ لوگ ایک لمحہ کی مہلت مانگیں لیکن انہیں کوئی جواب نہیں دیا جائے گا [''فَيَقُولُوا'' اور ''فَيَاْتِيَهُم'' دونوں ''يَرَوْا'' پر معطوف ہیں]۔

۲۰۴- ﴿اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ﴾ تو کیا وہ ہمارے عذاب کے ساتھ جلدی چاہتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں کفار کو زجر و توبیخ کی گئی اور ان کو دھمکایا گیا اور ان کے (درج ذیل) قول کا ان پر انکار کیا گیا ہے: ''وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ'' (الانفال: ۳۲) ''اور جب انہوں نے کہا: اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے یا ہمیں دردناک عذاب دے''۔ اور حضرت یحییٰ بن معاذ نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ سخت غافل وہ شخص ہے جو اپنی زندگی پر مغرور ہے اور اپنے مفادات سے خوش ہوتا ہے اور اپنی خواہشات میں سکون حاصل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾

مع

تو کیا تم نے غور کیا کہ اگر ہم ان کو کئی سال عیش و عشرت سے لطف اندوز ہونے دیتے ○ پھر ان پر وہ عذاب آ جاتا جس کا ان کو وعدہ دیا جاتا رہا ○ تو ان کو وہ عیش و عشرت نہ بچا سکتی جس سے ان کو لطف اندوز کیا جاتا رہا ○ اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے لیے ڈر سنانے والے بھیجے گئے ○ نصیحت کرنے کے لیے اور ہم ظلم کرنے والے نہیں تھے ○ اور اس کو شیطان لے کر نازل نہیں ہوتے ○ اور نہ یہ ان کے لائق ہے اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں ○ بے شک وہ وحی سننے سے معزول کر دیئے گئے ہیں ○ سو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہ کرو ورنہ تم عذاب پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے ○

۲۰۵- ﴿اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ﴾ تو کیا تم نے غور کیا کہ اگر ہم ان کو کئی سال لطف اندوز ہونے دیں۔ بعض نے کہا: اس سے دنیا کی مدت کے سال مراد ہیں۔

۲۰۶- ﴿ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ﴾ پھر ان پر وہ عذاب آ جائے' جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا رہا۔

۲۰۷- ﴿مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ﴾ تو انہیں وہ عیش و عشرت نہیں بچا سکے گا' جس سے وہ ان سالوں میں لطف اندوز کیے جاتے رہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا عذاب کے لیے جلدی کرنا' ان کے اس اعتقاد پر ہے کہ نہ قیامت قائم ہو گی اور نہ انہیں عذاب ملے گا اور وہ عمر بھر ساری زندگی امن و سلامتی کے ساتھ گزاریں گے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ'' تو کیا وہ لوگ ہمارا عذاب جلدی چاہتے ہیں۔ یہ انہوں نے تکبر و غرور کرنے اور استہزاء و مذاق اڑانے اور طویل و لمبی آرزو پر بھروسا کر کے کہا تھا' پھر فرمایا کہ چلو اگر ہم تسلیم کر لیں کہ معاملہ ایسا ہو گا' جیسا ان کا عقیدہ ہے کہ وہ زندگی بھر عیش و عشرت میں رہیں گے اور ان کی عمریں دراز ہوں گی' لیکن جب اس کے بعد ان پر عذاب آئے گا تو اس وقت ماضی میں ان کی گزری ہوئی لمبی عمریں اور خوش حال زندگیاں ان کو فائدہ نہیں دیں گی اور حضرت میمون بن مہران سے

منقول ہے کہ انہوں نے طواف کعبہ کی جگہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی اور وہ ان کی ملاقات کے بہت آرزومند رہتے تھے' چنانچہ انہوں نے کہا کہ حضرت جی! آپ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں تو حضرت حسن نے صرف یہی آیت مبارکہ تلاوت کر کے سنائی اور فرمایا: میں نے نصیحت کر دی ہے اور میں نے بہت بڑی بلیغ نصیحت کی ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے دربار میں فیصلہ جات سنانے کے لیے بیٹھتے وقت یہی آیت مبارکہ پڑھا کرتے تھے۔

۲۰۸-﴿ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴾ اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک و برباد نہیں کیا' مگر پہلے اس کے لیے ڈرسنانے والے پیغمبر بھیجے گئے جو وہاں کے لوگوں کو ڈرسناتے تھے [اور اس آیت مبارکہ کے جملہ میں ''اِلَّا'' کے بعد واؤ داخل نہیں کی گئی جیسا کہ (درج ذیل آیت مبارکہ میں داخل کی گئی ہے یعنی) ''وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ'' (الحجر:۴) ''اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے لیے جانی پہچانی تحریر موجود تھی''۔ اس لیے کہ اصل میں واؤ نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ جملہ ''قریة'' کی صفت ہے اور جب زیادہ کی گئی تو موصوف کے ساتھ صفت کی تاکید کے لیے کی گئی ہے]۔

۲۰۹-﴿ ذِكْرٰى ﴾ نصیحت [یہ منصوب ہے اور بہ معنی ''تذکرةً'' ہے کیونکہ ''انذر'' اور ''اذکر'' دونوں متقارب ہیں' پس گویا ''مذکرون تذکرةً'' فرمایا گیا ہے کہ انہیں خوب نصیحت کی گئی اور انہیں (آخرت کی) خوب یاددہانی کرائی گئی یا ''منذرون'' کی ضمیر سے حال ہے یعنی انبیائے کرام علیہم السلام انہیں ڈرسناتے' دراں حالیکہ وہ انہیں نصیحت کرنے والے ہوتے تھے یا یہ مفعول لہ ہے یعنی انبیائے کرام انہیں نصیحت کرنے کے لیے ڈرسناتے تھے یا یہ مرفوع ہے' اس بناء پر کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے بہ معنی ''هٰذِهٖ ذِكْرٰى'' یہ نصیحت ہے اور جملہ معترضہ ہے یا یہ صفت ہے بہ معنی ''منذرون ذوو ذکریٰ'' ایسے ڈرسنانے والے ہیں جو نصیحت کرنے والے ہیں یا ''ذکریٰ''، ''اھلکنا'' کے متعلق ہے اور اس کا مفعول لہ ہے] اور معنی یہ ہے کہ ہم نے بستی والے ظالموں کو ہلاک نہیں کیا' مگر ان پر حجت لازم کرنے اور ان کی طرف ڈرسنانے والے پیغمبروں کے بھیجنے کے بعد ہلاک کیا تاکہ ان کو ہلاک کرنا ان کے علاوہ لوگوں کے لیے نصیحت اور عبرت بن جائے' پھر وہ لوگ ان کی طرح نافرمانی نہ کریں ﴿ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴾ اور ہم ظلم کرنے والے نہیں کہ ہم کسی غیر ظالم قوم کو ہلاک کر دیں۔

۲۱۰-اور جب مشرکوں نے کہا کہ (حضور سیّد عالم حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر شیاطین قرآن نازل کرتے ہیں تو ان کے ردّ میں یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی: ﴿ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴾ اور اس قرآن مجید کو شیاطین نے نازل نہیں کیا۔

۲۱۱-﴿ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴾ اور نہ ان کے لیے جائز ہے اور نہ وہ استطاعت رکھتے ہیں (یعنی) یہ کام ان کے لیے آسان نہیں اور نہ وہ اس پر قدرت و طاقت رکھتے ہیں۔

۲۱۲-﴿ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴾ بے شک انہیں سننے سے معزول کر دیا گیا ہے (یعنی) فرشتوں کی باتیں سن کر چرانے سے انہیں ستاروں کے ذریعے روک دیا گیا ہے۔

۲۱۳-﴿ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴾ سو آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود کی عبادت نہ کیجئے' ورنہ عذاب پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اس آیت مبارکہ میں اشارۃً دوسروں کو ڈرایا دھمکایا گیا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مزید اخلاص کو اپنانے اور توحید پر قائم و دائم رہنے کی ترغیب و تحریک دی گئی ہے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ﴿۲۲۲﴾ یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ع ۱۱ ۱۵

اور آپ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرائیں O اور آپ اپنے رحمت کے بازو ان مسلمانوں کے لیے جھکا دیجئے جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کر لی ہے O پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو فرما دیجئے کہ بے شک میں تمہارے اُن تمام اعمال سے بَری ہوں جو تم کرتے ہو O اور اس پر بھروسا کیجئے جو سب پر غالب ہے (اور) بے حد مہربان ہے O جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں O اور سجدہ گزاروں میں آپ کے پلٹنے کو O بے شک وہ سب کچھ سننے جاننے والا ہے O کیا میں تمہیں بتادوں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں O وہ ہر بڑے گناہ گار بہت جھوٹ بولنے والے پر اُترتے ہیں O وہ سنی سنائی باتیں (ان پر) ڈال دیتے ہیں اور ان میں زیادہ تر جھوٹے ہوتے ہیں O اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں O کیا آپ نے انہیں دیکھا نہیں کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں O اور بے شک وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے O ماسوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کیا اور انہوں نے بڑے مظالم سہنے کے بعد بدلا لے لیا اور عنقریب وہ لوگ جان لیں گے جنہوں نے ظلم کیا کہ وہ کون سی لوٹنے کی جگہ لوٹ کر جائیں گے O

۲۱۴- ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ اور اے محبوب! آپ اپنے سب سے زیادہ قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لیے مخصوص فرمایا تاکہ آپ پر یہ تہمت نہ لگائی جائے کہ آپ اپنے رشتہ داروں کو چھوڑ کر دوسروں کو ڈر سنانے لگ گئے ہیں کیونکہ انسان عموماً اپنے رشتہ داروں میں سستی کرتا ہے یا یہ کہ تاکہ لوگ جان لیں کہ حضور ان کو اللہ تعالیٰ سے نہیں چھڑا سکیں گے اور بے شک نجات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنے میں ہے اُن کی قرابت داری میں نہیں ہے اور جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صفا پہاڑ پر چڑھ گئے اور تمام قریبی رشتہ داروں کو یہ آواز بلند پکارا اور فرمایا: اے بنی عبد المطلب! اے بنی ہاشم! اے بنی عبد مناف! اے عباس' نبی کریم کے چچا جان! اے صفیہ' رسول اللہ کی پھوپھی جان! بے شک میں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہارے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا۔[1]

۲۱۵- ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ﴾ اور آپ اپنے بازو جھکا دیجئے (یعنی) نرمی کا رویہ اختیار کیجئے اور تواضع اختیار کیجئے اور اس کی اصل یہ ہے کہ جب پرندہ نیچے اترنا چاہتا ہے تو اپنے دونوں بازو سمیٹ لیتا ہے اور انہیں جھکا لیتا ہے اور جب

[1] رواہ احمد ج ۲ ص ۳۳۳' مسلم رقم الحدیث: ۲۰۴' الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۵' النسائی ج ۶ ص ۲۴۸

اُڑنے کے لیے اٹھنا چاہتا ہے تو اپنے بازو بلند کرتا ہے' پس اترتے وقت بازو کے جھکانے کو تواضع اور نرمی کے لیے مثال قرار دیا گیا ہے ﴿ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اپنے پیروکار مسلمانوں کے لیے اپنے رشتہ داروں میں سے اور دیگر لوگوں میں سے۔

۲۱۶۔﴿ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو فرما دیجئے کہ بے شک میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں یعنی آپ اپنی قوم کو ڈرایئے' پھر اگر وہ پیروی اختیار کر لیں اور آپ کے اطاعت گزار ہو جائیں تو آپ ان کے لیے رحمت ونرمی کے بازو جھکا دیجئے اور اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں اور آپ کی پیروی نہ کریں تو ان سے بیزاری کا اعلان کر دیجئے اور ان کے شرکیہ اعمال وغیرہ سے بیزاری کا اظہار کر دیجئے۔

۲۱۷۔﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴾ اور آپ اس ذاتِ اقدس پر بھروسا کیجئے جو سب پر غالب ہے۔ وہ اپنے غلبہ کی بناء پر آپ کے دشمنوں کو مغلوب ومقہور کر دے گا اور وہ بے حد مہربان ہے' وہ اپنی رحمت کی برکت سے ان کے خلاف آپ کی مدد کرے گا اور ان میں سے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں سے جو آپ کی نافرمانی کرے گا' اس کے شر سے آپ کی کفایت فرمائے گا اور ''توکل'' کا معنی یہ ہے کہ آدمی اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے جو اس کے کام کا مالک ہے اور اسے نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر ہے اور مفسرین کرام نے فرمایا کہ متوکل وہ شخص ہے کہ اگر اس کو کوئی کام غمگین کر دے تو وہ اسے اپنے آپ سے دفع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے اور حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: توکل یہ ہے کہ تم کلی طور پر اپنے پروردگار کی طرف متوجہ رہو اور اس کے ماسوا سے کلی طور پر اعراض کر لو' کیونکہ دنیا و آخرت میں تمہاری حاجت اسی کی طرف ہے [نافع مدنی اور ابن عامر شامی کی قراءت میں ''فقل'' پر یا ''فلا تدع'' پر عطف کر کے ''فتوکل'' پڑھا گیا ہے]۔

۲۱۸'۲۱۹۔﴿ الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴾ جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ نمازِ تہجد پڑھتے ہوئے قیام میں ہوتے ہیں ﴿ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ﴾ اور سجدہ گزاروں میں آپ کے پلٹنے کو یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو نمازیوں کے بارے میں چلنے پھرنے اور (ان کے گھروں کے پاس) گھومنے کو دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظرِ کرم کا حضور کے ساتھ لاحق رہنا' اپنے رسول کریم پر اس کے رحیم ومہربان ہونے کی وجہ سے ہے جو کہ رحمت کے اسباب میں سے ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی ذکر فرمایا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آدھی رات کو نمازِ تہجد کے لیے اُٹھ کر دورہ کرتے تھے اور اپنے صحابہ کرام میں نمازِ تہجد ادا کرنے والوں کے احوال کی جستجو میں دورہ فرمایا کرتے تا کہ آپ ان کے حالات سے آگاہ ہو جائیں اور ان کو محسوس ومعلوم بھی نہ ہو اور تا کہ آپ جان لیں کہ صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کی کیسے عبادت کرتے ہیں اور اپنی آخرت سنوارنے کے لیے کیسے اعمال بجالاتے ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت دیکھ رہا ہوتا ہے جب آپ لوگوں کو نماز باجماعت پڑھانے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور آپ کا سجدہ گزاروں میں پلٹنا اور دورہ فرمانا' یہ ہوتا ہے کہ آپ صحابہ کرام کے درمیان نماز باجماعت میں قیام سے رکوع کی طرف اور رکوع سے سجدہ کی طرف اور سجدہ سے قعود کی طرف ہر رکعت میں منتقل ہوتے رہتے ہیں[1]

---

[1] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو انبیائے کرام کی پشتوں میں ایک نبی سے دوسرے نبی کی طرف منتقل ہونے کو دیکھتا رہا ہے' یہاں تک کہ اس نے آپ کو اس آخری امت میں ظاہر فرما دیا۔
(تفسیر خازن جزء ۳ ص ۳۹۸' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور حضرت مقاتل سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال کیا کہ کیا آپ قرآن مجید میں نماز با جماعت کا ذکر پاتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: اس وقت میرے ذہن میں حاضر نہیں' پھر تھوڑی دیر میں آپ نے اسے یہی آیت مبارکہ پڑھ کر سنا دی۔

۲۲۰- ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ﴾ بے شک وہی سب کچھ سننے والا ہے جو کچھ تم کہتے ہو ﴿الْعَلِیْمُ﴾ وہ تمہاری نیتوں اور تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہے۔ اس پر عبادات کی مشقت اٹھانے والے کی معاونت و نگہبانی کرنا آسان ہے' اس لیے کہ اس نے اپنی رؤیت کی خبر دی ہے کیونکہ اس شخص پر کوئی مشقت نہیں رہتی' جو یہ جانتا ہو کہ وہ اپنے مولیٰ و آقا کی نگاہ کے سامنے عمل کر رہا ہے' جیسے یہ قول ہے کہ جو بوجھ اٹھانے والے میری وجہ سے بوجھ اٹھاتے ہیں' وہ میری نگاہ میں ہیں۔

۲۲۱- مشرکین نے کہا تھا کہ شیاطین (آسمانوں پر جا کر) باتیں سنتے ہیں اور وہی سنی سنائی باتیں (حضور سیّد عالم حضرت) محمد ﷺ پر نازل کرتے ہیں' ان کے جواب میں یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی: ﴿هَلْ اُنَبِّئُكُمْ﴾ یعنی اے مشرکو! کیا میں تمہیں بتاؤں کہ ﴿عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ﴾ شیاطین کس پر نازل ہوتے ہیں' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں بتایا اور فرمایا:

۲۲۲- ﴿تَنَزَّلُ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ﴾ ہر بہتان تراش' جھوٹ بولنے والے' گناہوں کا ارتکاب کرنے والے گناہ گار پر نازل ہوتے ہیں اور وہ کاہن ہیں' جھوٹی نبوت کے دعوے دار جیسے سطیح اور مسیلمہ کذاب وغیرہ ہیں اور جب کہ سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ جھوٹوں پر لعنت فرماتے ہیں اور ان کی مذمت و بُرائی بیان کرتے ہیں تو بھلا ان پر شیاطین کیونکر نازل ہو سکتے ہیں۔

۲۲۳- ﴿یُلْقُوْنَ السَّمْعَ﴾ وہ سنی ہوئی باتیں القاء کرتے ہیں۔ وہ شیاطین ہیں جو مار کر بھگائے جانے سے پہلے آسمانوں پر جایا کرتے اور وہاں کان لگا کر باتیں سنتے اور فرشتے قضا وقدر کی جو باتیں کرتے' ان میں سے کچھ باتیں یہ شیاطین چرا لیتے' جن کی وجہ سے بعض غیب کی باتوں پر مطلع اور آگاہ ہو جاتے تھے' پھر وہ وہی سنی ہوئی باتیں اپنے دوستوں کی طرف القاء کر دیتے تھے [''یُلْقُوْنَ'' حال ہے یعنی وہ سنی ہوئی باتیں القاء کرتے ہوئے نازل ہوتے ہیں یا یہ ''كُلِّ اَفَّاكٍ'' کی صفت ہے کیونکہ یہ جمع کے معنی میں ہے' پس یہ محلاً مجرور ہے یا یہ جملہ مستأنفہ ہے' اس کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہے' گویا کہا گیا کہ شیاطین جھوٹوں اور گناہ گاروں پر کیوں نازل ہوتے ہیں؟ تو جواب میں کہا گیا کہ وہ یہ اور یہ کام کرتے ہیں]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) قاضی ثناء اللہ مظہری لکھتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ سے یہ معنی مراد لیا جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرنے والے پاک مردوں کی پشتوں سے سجدہ گزار پاک عورتوں کے رحموں میں اور سجدہ گزار پاک عورتوں کے رحموں سے سجدہ گزار پاک مردوں کی پشتوں میں یعنی موحد مردوں اور موحدہ عورتوں میں منتقل ہوتے رہے' یہاں تک کہ یہ دلیل ہے کہ ''اِنَّ اٰبَآءَ النَّبِیِّ ﷺ كُلَّهُمْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ'' حضور نبی کریم کے تمام آباء واجداد مؤمنین تھے۔ (تفسیر مظہری جلد ۷ ص ۸۹' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی نیز تفسیر صاوی جزء ۳ ص ۱۷۲' مطبوعہ شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی' مصر)

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ جو شخص حضور کے والدین کے بارے میں ایمان کے برخلاف عقیدہ رکھتا ہے' مجھے اس کے کفر کا اندیشہ ہے کیونکہ اکثر بزرگ علمائے اہل سنت کا عقیدہ ان کے مؤمن ہونے کا ہے۔

(تفسیر روح المعانی جزء ۱۹ ص ۱۳۸' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور)

نوٹ: تفصیلی اور مدلل تحقیق فقیر کی کتاب ''دلائل النجات لاصول سید الکائنات'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ غوثوی مہاروی

﴿وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ﴾ اور وہ اپنے دوستوں کی طرف جو باتیں القاء کرتے ہیں' ان میں اکثر جھوٹ بولتے ہیں' اس لیے کہ شیاطین انہیں وہ باتیں بھی سناتے جو خود نہیں سنی ہوتی تھیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ شیاطین فرشتوں سے سنی ہوئی باتیں اپنے دوستوں کی طرف القاء کرتے تھے اور بعض نے کہا کہ جھوٹے لوگ سنی سنائی باتیں شیطانوں کی طرف القاء کر دیتے ہیں اور ان کی پوشیدہ سنی سنائی خود لے لیتے ہیں یا وہ شیطانوں سے سن کر لوگوں کی طرف ڈال دیتے ہیں اور اکثر بہتان تراش جھوٹ بولتے ہیں اور شیطانوں پر ان باتوں کا افتراء باندھتے ہیں' جو انہوں نے ان کی طرف القاء نہیں کی ہوتیں' سو ''افاك'' وہ شخص ہوتا ہے جو بہت زیادہ جھوٹ بولتا ہے اور یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ جھوٹ بولتے ہیں اور سچ کبھی نہیں بولتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ان بہت جھوٹ بولنے والے لوگوں سے سچ بولنا بہت کم واقع ہوتا ہے جب کہ وہ جنوں سے حکایت کرتے ہیں کیونکہ وہ اکثر جنوں پر بہتان تراشتے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ سب بہتان لگاتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ''وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' اور ''وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ'' اور ''هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ'' کو الگ الگ بیان فرمایا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان ایسی آیات بیان کر دیں' جو ان سے نہیں ہیں' پھر دوبارہ ان کی طرف رجوع فرمایا تو یہ بات ان آیات کے ساتھ شدت عنایت پر دلالت کرتی ہے' جیسا کہ جب تم کوئی بات بیان کرو اور تمہارے دل میں اس بات کا اہتمام ہو تو تم اس کا دوبارہ ذکر کرو گے اور اس کی طرف رجوع کیے بغیر نہیں رہ سکو گے۔

۲۲٤- اور یہ آیت کریمہ ان کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو اشعار پڑھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم بھی ایسا کہہ سکتے ہیں جیسا (حضور سید عالم) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں اور ان شعراء کی پیروی انہیں کی قوم کے گمراہ لوگ کرتے تھے' جو ان سے ان کے اشعار سنتے تھے ﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾ اور شاعروں کی گمراہ لوگ پیروی کرتے ہیں یعنی شعراء کی باطل اور جھوٹی باتوں' روگردانی کی تباہی اور حسب و نسب اور خاندانوں میں طعنہ زنی اور غیر مستحق کی مدح اور ان کی غیر مستحسن باتوں کی پیروی نہیں کرتے' مگر گمراہ یعنی احمق و بے وقوف لوگ یا قصہ گو یا شیاطین یا مشرکین۔ زجاج نے کہا: جب کوئی شاعر کسی ایسے شخص کی مدح و تعریف کرے' جو مستحق نہیں یا ایسے شخص کی ہجو اور مذمت بیان کرے جو اس سے بری ہو اور اس کی قوم اسے پسند کرے اور اس کی پیروی کرے تو وہ گمراہ ہے [نافع مدنی کی قراءت میں ''يَتْبَعُهُمْ'' (تا ساکن) ہے اور ''الشعرآء'' مبتدا ہے اور ''يَتْبَعُهُمُ الْغَاوٗنَ'' اس کی خبر ہے]۔

۲۲۵- ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک وہ لوگ کلام کی ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں یعنی وہ جھوٹ کے ہر فن میں باتیں کرتے پھرتے ہیں یا ہر قسم کی لغو اور باطل گفتگو میں بے ہودگیاں بکتے ہیں اور ''هائم'' کا معنی ہے: بغیر کسی مقصد کے منہ اٹھا کر چلنے پھرنے والا شخص اور یہ ان کے لیے ہر قسم کی باتوں میں اور بغیر سوچے سمجھے گفتگو کرنے میں حصہ لینے کی مثال ہے' یہاں تک کہ وہ سب لوگوں میں سے بزدل ترین آدمی کو ''عنترہ'' (بہادر و شجاع شخص) پر فضیلت دیتے ہیں اور لوگوں میں سے بخیل ترین آدمی کو حاتم پر ترجیح دیتے ہیں۔

۲۲٦- فرزدق شاعر نے بیان کیا کہ خلیفہ سلیمان بن عبد الملک نے جب اس کو یہ شعر کہتے سنا: (ترجمہ) ''ان عورتوں نے رات میرے پہلو میں گزاری جب کہ وہ بچھاڑ دی گئیں اور میں نے اس حال میں رات گزاری کہ میں مخصوص دروازوں کی سیل توڑتا رہا'' تو سلیمان نے کہا کہ (اے فرزدق!) تم پر حد (شرعی سزا) جاری کرنا واجب ہو گئی ہے' تو فرزدق نے جواب دیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے حد دور کر دی ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ﴾ اور بے شک وہ

(شعراء) جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں ہیں کیونکہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو جھوٹ بولنے اور وعدہ خلافی کرنے کے ساتھ موصوف کیا ہے۔

۲۲۷- پھر اللہ تعالیٰ نے نیک مسلمان شعراء کو (درج ذیل) ارشاد کے ذریعے مستثنیٰ (الگ) قرار دیا: ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ مگر جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' جیسے حضرت عبد اللہ بن رواحہ' حضرت حسان بن ثابت' حضرت کعب بن زہیر اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم ﴿وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد اور قرآن مجید کی تلاوت ان پر اشعار پڑھنے سے زیادہ غالب تھی اور جب وہ شعر کہتے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی توحید' اس کی حمد وثناء' حکمت و دانائی' وعظ و نصیحت' زہد و تقویٰ' ادب' رسولِ خدا کی مدح و نعت اور صحابہ کرام و بزرگانِ اُمت کی شان میں کہتے تھے اور اسی طرح کے اُمور میں شعر کہتے تھے' جن میں گناہ نہ ہوتا اور حضرت ابو یزید نے کہا: ذکر کثیر گنتی اور غفلت کے ساتھ نہیں ہوتا' بلکہ بے گنتی اور حضورِ قلب کے ساتھ ہوتا ہے ﴿وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا﴾ اور ظلم برداشت کرنے کے بعد بدلا لیا یعنی پہلے کفار کی طرف سے مسلمانوں کی ہجو اور مذمت کی گئی' اس کے بعد مسلمانوں نے ان کی ہجو اور مذمت بیان کر کے بدلا لے لیا یعنی مسلمان شاعروں نے رسول اللہ ﷺ اور دیگر مسلمانوں کی ہجو کا جواب دے کر ہجو کو انہیں پر لوٹا دیا اور حقیقت میں ہجو و مذمت کا حق دار وہی ہے' جس نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی اور آپ کی ہجو کی اور حضرت کعب بن مالک سے منقول ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم کفار کی ہجو و مذمت بیان کرو کیونکہ یہ ہجو ان پر تیروں کی مار سے زیادہ سخت ہوتی ہے[1] اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کرتے تھے: "قُلْ وَرُوْحُ الْقُدُسِ مَعَكَ" (اے حسان!) تم کفار کی ہجو میں کہو اور پاک روح (یعنی حضرت جبریل علیہ السلام) تمہارے ساتھ ہیں[2] اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا اختتام ایسے کلام کے ساتھ فرمایا' جو تدبر کرنے والوں کے جگر چھلنی کر دیتا ہے اور وہ یہ ایک ارشاد ہے کہ ﴿وَسَيَعْلَمُ﴾ اور عنقریب جان لیں گے اور اس میں زبردست وعید (دھمکی) ہے اور یہ ارشاد ہے کہ ﴿ظَلَمُوْٓا﴾ جنہوں نے ظلم کیا' اور اس کے اطلاق وعموم نے وعید کی مزید تاکید کر دی ہے اور یہ ارشاد ہے کہ ﴿اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ﴾ کون سی پلٹنے کی جگہ میں لوٹ کر جائیں گے' اور اس کے ابہام میں بھی زبردست وعید ہے' اور حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی تھی' جب ان سے خلافت کا عہد لیا تھا اور سابق بزرگانِ دین اسی کے ساتھ وعظ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابن عطاء نے فرمایا: عنقریب ہمارے (اسلامی) طریقے سے روگردانی کرنے والے جان لیں گے کہ انہوں نے ہم سے کیا کچھ کھویا ["ایّ"، "ینقلبون" کی وجہ سے مصدر کی بناء پر منصوب ہے "سَیَعْلَمُ" کے متعلق نہیں ہے کیونکہ استفہام کے اسماء میں ان کا ماقبل عمل نہیں کرتا "ای ینقلبون ایّ انقلاب" ہے۔ واللہ اعلم]۔

اٰیاتہا ۹۳ رکوعاتہا ۷	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	(۲۷) سورۃ النمل مکیۃ (۴۸)
اس کی ترانوے آیات' سات رکوع ہیں	اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○	سورۃ النمل مکی ہے

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝۱ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

[1] اخرجہ عبد الرزاق وابن سعد فی الطبقات' حاشیۃ الکشاف ج ۳ ص ۳۴۵

[2] رواہ البخاری فی کتاب بدء الخلق' باب: ۶' مسلم فی کتاب الفضائل' حدیث: ۱۵۳' احمد فی مسندہ ج ۴ ص ۲۸۶

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۳ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۵ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝۶

طٰس یہ قرآن اور بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں O مسلمانوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہیں O جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں O بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے اعمال ان کے لیے خوش نما بنا دیئے ہیں' سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں O یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بُرا عذاب ہے اور وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھائیں گے O اور بے شک آپ کو البتہ یہ قرآن سب سے بڑی حکمت و دانائی والے سب کچھ جاننے والے کی طرف سے تلقین کیا جاتا ہے O

قرآن مجید کی شان اور ایمان لانے اور نہ لانے والوں کا انجام

۱۔﴿ طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴾ یہ قرآن مجید اور بیان کرنے والی کتاب کی آیات ہیں یعنی بیان کرنے والی کتاب کی آیات ہیں اور ''تِلْكَ'' سے اس سورۃ کی آیاتِ مبارکہ کی طرف اشارہ ہے اور ''کتاب مبین'' سے لوحِ محفوظ مراد ہے اور اس کتاب (لوحِ محفوظ) کا بیان کرنا یہ ہے کہ جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب کچھ اس میں لکھ دیا گیا ہے' سو یہ لوحِ محفوظ نظر رکھنے والوں اور اس میں دیکھنے والوں کے لیے اس کو خوب بیان کرتی ہے یا ''کتاب مبین'' سے قرآن مجید مراد ہے اور اس کا بیان کرنا یہ ہے کہ اس میں جتنے علوم اور حکمتیں ودیعت کی گئی ہیں ان کو یقیناً بیان کرتا ہے [اور اس صورت میں اس کا قرآن پر عطف اس طرح ہوگا' جس طرح دو صفتوں میں سے کسی ایک کا دوسری صفت پر عطف ہوتا ہے' جیسے ''هٰذَا فِعْلُ السَّخِيِّ وَالْجَوَّادِ'' ہے اور ''کتاب'' کو نکرہ اس لیے لایا گیا ہے تا کہ اس کی تعظیم و تکریم میں اضافہ ہو جائے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ بے شک ''کتاب'' یہاں نکرہ اور سورۂ حجر میں معرفہ اور قرآن مجید کو یہاں معرفہ اور وہاں نکرہ صرف اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ قرآن اور کتاب اس کلامِ الٰہی کے دونوں اسم علم ہیں' جو حضور سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے اور یہ دونوں اس کے وصف بھی ہیں کیونکہ یہ کلام مبارک پڑھا بھی جاتا ہے اور لکھا بھی جاتا ہے' پس جہاں تعریف کے لفظ کے ساتھ آیا ہے وہ اسم علم ہے اور جہاں نکرہ کے لفظ کے ساتھ آیا ہے وہ وصف ہے]۔

۲۔﴿ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ مسلمانوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہیں [''ایات'' سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہیں ''ای هادية و مبشرة''] یعنی یہ آیات ہدایت دینے والی اور خوشخبری دینے والی ہیں اور اس میں عامل وہی ہے جو ''تِلْكَ'' میں اشارہ کے معنی کے لیے آتا ہے یا ''كِتَاب'' سے بدل ہونے یا اس کی صفت ہونے کی بناء پر محلاً مجرور ہیں یا ''هِيَ هُدًى وَّبُشْرٰى'' (یعنی ''هي'' ضمیر مبتدا ہے اور ''هُدًى وَّبُشْرٰى'' اس کی خبر) ہونے کی بناء پر یا ''ایات'' سے بدل ہونے کی بناء پر یا ''تِلْكَ'' کی خبر کے بعد دوسری خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہیں ''اَىْ تِلْكَ اٰيَاتٌ وَّهَادِيَةٌ مِّنَ الضَّلَالَةِ وَمُبَشِّرَةٌ بِالْجَنَّةِ'' یعنی یہ قرآن کی آیتیں ہیں اور گمراہی سے ہدایت دینے والی ہیں اور جنت کی خوشخبری سنانے والی ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ قرآنی آیات ہدایت تو تمام مخلوق کے لیے ہیں اور خوشخبری خاص مسلمانوں کے لیے ہیں]۔

۳۔﴿ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ﴾ جو نماز کو قائم کرتے ہیں (یعنی) وہ نماز کو اس کے فرائض و واجبات اور سنن کے

ساتھ پورے صحیح طریقے پر ہمیشہ ادا کرتے ہیں ﴿وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ اور وہ زکوٰۃ دیتے ہیں (یعنی) وہ اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ "يُؤْتُوْنَ" بہ معنیٰ "يُؤَدُّوْنَ" ہے ﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔[یہ موصول کے صلہ کا تتمہ ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ صلہ اس کے پاس پورا ہو گیا ہو اور یہ جملہ مستأنفہ ہو] گویا کہا گیا ہے: اور یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان دار ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں یعنی نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' یہی لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور اس پر دلیل یہ ہے کہ یہ جملہ اسمیہ ہے اور اس میں مبتدا کو مکرر ذکر کیا گیا ہے' جو "هُمْ" ہے یہاں تک کہ اس کا معنی یہ ہو گیا ہے کہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے جیسا یقین کا حق ہے مگر یہی لوگ جو ایمان اور نیک عمل کے جامع ہیں کیونکہ آخرت کا خوف انہیں مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرنے پر راغب کرتا ہے۔

٤- ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ﴾ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے' ہم نے ان میں شہوات کو پیدا کر کے ان کے اعمال ان کے لیے خوش نما بنا دیئے' یہاں تک کہ انہوں نے اپنے اعمال کو اچھا سمجھ لیا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا" (الفاطر: ۸) "تو کیا اس کا بُرا عمل اس کے لیے آراستہ کر دیا گیا ہے کہ اس نے اسے اچھا سمجھ لیا"۔ ﴿فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ پس وہ اپنی گمراہی میں بھٹکتے پھر رہے ہیں' جیسا کہ راہِ راست سے گمراہ ہو جانے والے کا حال ہوتا ہے۔

٥- ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ﴾ یہی لوگ ہیں جن کے لیے بُرا عذاب ہے' جیسے غزوۂ بدر کے دن قتل ہونا اور قید ہونا ہے' یہ بُرا عذاب ان سے صادر ہونے والے بُرے اعمال کا بدلا ہے ﴿وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ﴾ اور وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھائیں گے (یعنی) تمام لوگوں سے زیادہ سخت نقصان اٹھائیں گے کیونکہ اگر وہ ایمان لے آتے تو تمام سابقہ امتوں پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جاتے' پس انہوں نے اس نقصان کے ساتھ نجات اور ثوابِ الٰہی کا نقصان بھی اٹھایا۔

٦- ﴿وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ﴾ اور بے شک البتہ تمہیں قرآن مجید دیا جاتا ہے اور وہ تمہیں تلقین کیا جاتا ہے ﴿مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ﴾ کتنے بڑے حکمت والے اور کتنے بڑے علم والے کے پاس سے اور ان دونوں کے نکرہ ہونے کا یہی معنی ہے اور اللہ تعالیٰ اس آیت مبارکہ کے بعد جو واقعات و قصص بیان کرنا چاہتا ہے اور ان میں جو کچھ اس کی حکمت کے لطائف اور اس کے علم کے دقائق بیان ہوں گے' ان سب کے لیے یہ آیت مبارکہ تمہید ہے۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۞ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۙ۞ وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۞ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞

جب موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا: بے شک میں نے آگ دیکھی ہے' میں ابھی تمہارے پاس اس کی خبر لاتا ہوں یا میں

تمہارے پاس روشن انگارہ لاتا ہوں تا کہ تم تاپو O پھر جب وہ اس کے پاس آئے تو آواز دی گئی کہ جو آگ کی جگہ میں ہے اور جو اس کے اردگرد کی جگہ میں ہے وہ متبرک بنا دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ پاک ہے تمام جہانوں کا پروردگار ہے O اے موسیٰ! بے شک میں سب پر غالب بہت حکمت والا اللہ ہوں O اور تم اپنا عصا ڈال دو پھر جب انہوں نے اسے دیکھا کہ وہ متحرک ہو کر لہرا رہا ہے گویا وہ سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر واپس لوٹے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا (ہم نے فرمایا:) اے موسیٰ! مت ڈرو بے شک میرے پاس رسولوں کو خوف نہیں ہوتا O مگر جس نے حد سے تجاوز کیا پھر برائی کے بعد نیکی سے بدل ڈالا تو بے شک میں بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہوں O

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان اور فرعونیوں کے انجام کا تذکرہ

۷۔ ﴿اِذْ﴾ یہ ''اُذْکُرْ'' کی وجہ سے منصوب ہے (ترجمہ آگے آرہا ہے) گویا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کے علم کے آثار میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ لیجئے اور اس وقت کو یاد کیجئے جب ﴿قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا (یعنی) جس وقت آپ مدین سے مصر کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے اپنی بیوی سے اور ان سے فرمایا جو آپ کے ساتھ تھے کہ ﴿اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا﴾ بے شک میں نے آگ دیکھی ہے۔ ''اٰنَسْتُ'' بہ معنی ''اَبْصَرْتُ'' ہے ﴿سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ﴾ میں ابھی تمہارے پاس اس کی خبر لاتا ہوں (یعنی) راستے کا حال تلاش کر کے آتا ہوں کیونکہ آپ راستہ بھول چکے تھے ﴿اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ﴾ یا میں تمہارے پاس کوئی چنگاری لے آؤں یعنی سفید چمکتا ہوا شعلہ [اہل کوفہ کی قراءت میں ''بِشِهَابٍ'' تنوین کے ساتھ ہے] ﴿قَبَسٍ﴾ روشن آگ [یہ ''شِهَابٍ'' سے بدل ہے یا اس کی صفت ہے کوفیوں کے علاوہ کے نزدیک اضافت کے ساتھ ''بِشِهَابِ قَبَسٍ'' (''بَا'' کے نیچے تنوین نہیں) ہے کیونکہ آگ کبھی شعلہ زن ہوتی ہے اور کبھی شعلہ زن نہیں ہوتی] اور یہاں ''سَاٰتِیْكُمْ'' کے درمیان اور سورۂ قصص میں ''لَعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ'' کے درمیان تنافی نہیں ہے باوجودیکہ ان میں سے ایک امید کے معنی میں ہے اور دوسرا یقین کے لیے ہے اس لیے کہ امیدوار کی امید جب پکی ہو جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں عنقریب فلاں کام کروں گا اور عنقریب فلاں کام ہو جائے گا حالانکہ اس میں ناکامی کا ہونا بھی جائز ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے استقبال کی سین لا کر اپنی بیوی سے وعدہ فرمایا کہ آپ ان کے پاس خبر ضرور لائیں گے اگرچہ دیر ہو جائے گی یا مسافت دور کی تھی اور ''اَوْ'' اس لیے استعمال کیا کہ انہوں نے امید کی بنیاد اس بات پر رکھی کہ اگر وہ اپنی دونوں حاجتوں میں پوری طرح کامیاب نہ ہوئے تو کم از کم ان میں سے ایک تو ضرور حاصل ہو جائے گی یا تو راستے کی رہنمائی اور یا پھر آگ کی چنگاری اور انہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ آگ کے پاس اپنی دونوں حاجتیں مکمل طور پر حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور وہ دونوں دنیا کی عزت اور آخرت کی عزت کا حصول ہے اور ان دونوں سورتوں میں الفاظ مختلف ہیں اور قصہ ایک ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث کی روایت بالمعنی جائز ہے اور فارسی میں نماز جائز ہے[1] اور نکاح اور تزویج کے لفظ کے بغیر نکاح جائز ہے ﴿لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾ تا کہ تم اس سردی سے بچنے کے لیے آگ تاپو جو تمہیں پہنچی ہے [''تَصْطَلُوْنَ'' میں ''طَا'' باب افتعال کی ''تَا'' سے تبدیل ہوئی ہے صاد کی وجہ سے]۔

۸۔ ﴿فَلَمَّا جَآءَهَا﴾ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس آئے یعنی اس آگ کے پاس آئے جس کو انہوں نے دور سے دیکھا تھا ﴿نُوْدِیَ﴾ تو حضرت موسیٰ کو پکار کر آواز دی گئی ﴿اَنْۢ بُوْرِكَ﴾ کہ متبرک بنا دیا گیا ہے [اس میں

[1] مگر فتویٰ فارسی میں نماز کے ناجائز ہونے کا ہے جس کی مختصر وضاحت سورۃ الشعراء:۱۹۶ کی تفسیر کے حاشیہ میں کر دی گئی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

"اَنْ" ثقیلہ (مشدد) سے خفیفہ (نون ساکن) بنا دیا گیا ہے اس کی مقدر عبارت ہے: "نُوْدِیَ مُوْسٰی بِاَنَّہٗ بُوْرِكَ" حضرت موسیٰ کو آواز دی گئی کہ بابرکت بنا دیا گیا ہے۔ اس میں ضمیر شان کی ہے اور یہ بغیر عوض کے جائز ہے اور اگر چہ علامہ زمخشری نے اس کو منع کیا ہے اس لیے کہ "بُوْرِكَ" دعا ہے اور دعا بہت سے احکام میں اپنے غیر کے خلاف ہوتی ہے یا "اَنْ" مفسرہ ہے کیونکہ ندا میں قول کا معنی موجود ہے یعنی حضرت موسیٰ سے کہا گیا: "بُوْرِكَ" بابرکت بنا دیا گیا ہے یعنی مقدس و محترم بنا دیا گیا ہے یا اس میں خیر و برکت رکھ دی گئی ہے] ﴿مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ جو آگ میں ہے اور جو اس کے اردگرد ہے یعنی جو آگ کی جگہ میں ہیں اور وہ فرشتے ہیں اور جو اس کی جگہ کے اردگرد ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اس میں دینی معاملات کے ظہور پذیر ہونے کی وجہ سے اور وہ اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمانا ہے اور انہیں نبوت کی اطلاع دینا اور اس جگہ پر معجزات کا اظہار کرنا ہے ﴿وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ہر عیب سے خصوصاً انسان کے کلام کے مشابہ کلام کرنے اور آواز دینے سے پاک ہے۔ بے شک اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی ہر اس عیب سے پاکیزگی بیان کی ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے جیسے تشبیہ وغیرہ۔

۹۔ ﴿يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اے موسیٰ! بے شک شان یہ ہے کہ میں اللہ ہوں بہت غالب بڑا حکمت والا ہوں ["اِنَّہٗ" میں ضمیر شان کی ہے اور "اَنَا اللّٰہُ" مبتدا خبر ہیں اور "اَلْعَزِيْزُ الْحَكِيْم" دونوں خبر کی صفت ہیں یا یہ ضمیر اس کی طرف لوٹتی ہے جس پر ماقبل کا کلام دلالت کرتا ہے یعنی بے شک آپ سے کلام کرنے والا میں اللہ تعالیٰ ہوں بہت غالب بڑی حکمت والا ہوں اور "اَللّٰہُ" "اَنَا" کا بیان ہے اور "العزیز الحکیم" "مُبَیَّن" کی دو صفتیں ہیں] اور اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر جو معجزہ ظاہر کرنا چاہتا ہے اس کی یہ تمہید ہے۔

۱۰۔ ﴿وَاَلْقِ عَصَاكَ﴾ اور آپ اپنا عصا ڈال دیں تاکہ آپ کو اپنا معجزہ معلوم ہو جائے اور اپنے اس معجزہ سے مانوس ہو جائیں [اور یہ "بُوْرِكَ" پر معطوف ہے] اور معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکار کر آواز دی گئی کہ جو آگ کی جگہ ہے اور جو اس کے اردگرد کی جگہ ہے اسے بابرکت بنا دیا گیا ہے اور یہ کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجئے اور یہ دونوں (یعنی "اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّار" اور "وَاَلْقِ عَصَاكَ") "نُوْدِيَ" کی تفسیر ہیں پس اب معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ سے کہا گیا کہ جو آگ کی جگہ ہے اسے بابرکت بنا دیا گیا ہے اور حضرت موسیٰ سے کہا گیا کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجئے اور اس پر سورۃ القصص کا (درج ذیل) کلام پاک دلالت کرتا ہے جیسے فرمایا: "اَنْ يَّا مُوْسٰى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ" (القصص: ۳۰) "اے موسیٰ! بے شک میں اللہ ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے"۔ اس کے بعد حرف تفسیر (اَنْ) کے تکرار کے ساتھ فرمایا: "وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ" (القصص: ۳۱) "اور یہ کہ اپنا عصا ڈال دیجئے"۔ ﴿فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ﴾ پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھا تو وہ حرکت کرتے ہوئے لہرا رہا ہے ["تَهْتَزُّ" "رَاٰهَا" سے حال ہے] ﴿كَاَنَّهَا جَآنٌّ﴾ گویا وہ چھوٹا سانپ ہے [یہ "تَهْتَزُّ" سے حال ہے] ﴿وَلّٰى مُدْبِرًا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیٹھ پھیر کر واپس لوٹے یعنی حضرت موسیٰ نے اس سے منہ پھیر لیا اور سانپ کے حملہ کر دینے کے خوف سے اس کی طرف پشت کر کے واپس چل پڑے ﴿وَلَمْ يُعَقِّبْ﴾ اور مڑ کے نہ دیکھا یا واپس نہ لوٹے۔ "قَدْ عَقَّبَ فُلَانٌ" اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص لڑتے ہوئے پیٹھ پھیر کر واپس لوٹ آئے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکار کر آواز دی گئی کہ ﴿يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ اے موسیٰ! مت ڈرو بے شک میرے ہاں پیغمبر نہیں ڈرتے یعنی میرے پاس رسولانِ کرام اس وقت خوف نہیں کرتے جب میں ان سے مخاطب ہوتا ہوں یا میرے ہاں پیغمبر میرے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

۱۱-﴿ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ﴾ مگر جس نے ظلم کیا یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ جس نے ظلم کیا کیونکہ انبیائے کرام ظلم نہیں کرتے یا یہ معنی ہے کہ ان میں سے جس نے حد سے بڑھ کر بے محل کام کیا' جو پیغمبروں سے لغزش میں واقع ہو گیا' پس پیغمبر سے ایسا کام واقع ہو گیا' جس کی اسے اجازت نہیں دی گئی تھی اور یہ کام انہیں کاموں میں سے تھا' جو انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے جائز ہوتے جیسے حضرت آدم' حضرت یونس' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام سے تقصیر واقع ہوئی تھی ﴿ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ ﴾ پھر اس نے بُرائی کے بعد نیکی سے بدل دیا یعنی لغزش کے بعد توبہ کر لی ﴿ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ پس بے شک میں بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہوں کہ میں اس کی توبہ قبول کر لیتا ہوں اور اس کی لغزش کو بخش دیتا ہوں اور میں اس پر رحم و کرم کرتا ہوں' سو میں اس کی آرزو کو پورا کرتا ہوں اور گویا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات پر تعریض ہے جو انہوں نے قبطی کو قتل کرنے کے بعد عرض کیا تھا کہ ''رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَغَفَرَ لَهٗ'' (القصص:۱۶) ''اے میرے پروردگار! بے شک میں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے' پس آپ مجھے بخش دیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بخش دیا''۔

وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝۱۲ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۱۳ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ۝۱۴

ع ۱۴

اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کرو وہ سفید چمکتا ہوا بے عیب نکلے گا' نو معجزات کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کی طرف (تمہیں بھیجا جاتا ہے) بے شک وہ فاسق و نافرمان قوم تھے ○ سو جب ان کے پاس ہماری روشن آیات آئیں تو انہوں نے کہا کہ یہ کھلا جادو ہے ○ اور انہوں نے ظلم و تکبر کے سبب ان کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا ○

۱۲-﴿ وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ ﴾ اور آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کیجئے' یعنی اپنے کُرتے کے گریبان میں اپنا ہاتھ داخل کیجئے اور پھر اسے نکال لیجئے ﴿ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ ﴾ تو وہ چمکتا ہوا روشن نکلے گا اور سورج کی روشنی پر غالب آ جائے گا ﴿ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ﴾ برص وغیرہ کی بیماری سے بے عیب [''بَیْضَآءَ'' اور ''مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ'' دونوں ''تَخْرُجْ'' سے حال واقع ہو رہے ہیں] ﴿ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ ﴾ نو معجزات کے ساتھ [اور یہ مستقل الگ کلام ہے اور حرف ''فِیْ'' فعل محذوف کے ساتھ متعلق ہے ''اَیْ اِذْهَبْ فِیْ تِسْعِ اٰیَاتٍ''] یعنی نو معجزات کے ساتھ (فرعون اور اس کی قوم کی طرف) چلے جایئے یا یہ معنی ہے کہ اپنا عصا ڈال دیجئے اور اپنا ہاتھ اپنے کُرتے کے گریبان میں داخل کر لیجئے (یہ دونوں) نو معجزات میں شامل ہیں ﴿ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ﴾ فرعون اور اس کی قوم کی طرف [حرف ''اِلٰی'' محذوف کے ساتھ متعلق ہے ''اَیْ مُرْسَلًا اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ''] یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس قوم کی طرف بھیجا گیا ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴾ بے شک وہ لوگ نافرمان تھے (یعنی) اللہ تعالیٰ کے حکم سے نکلنے والے اور اس کے ساتھ کفر کرنے والے تھے۔

۱۳-﴿ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً ﴾ پھر جب ان کے پاس ہماری روشن نشانیاں آئیں یعنی ہمارے واضح اور روشن

معجزات جنہیں آنکھیں کھولنے والا بنایا گیا اور یہ حقیقت میں تامل کرنے والوں اور ان میں غور کی نگاہ سے دیکھنے والوں اور ان میں سوچ و بچار کرنے والوں کے لیے روشن و واضح معجزات ہیں یا انہیں ایسا واضح کر کے بھیجا گیا ہے کہ وہ گویا آنکھیں کھول دیتے ہیں اور ہدایت نظر آ جاتی ہے کیونکہ اندھا اور نابینا شخص ہدایت حاصل کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا تو وہ دوسروں کو کیسے ہدایت دے گا اور اسی سے ''کلمة عوراء'' ہے کیونکہ اچھا کلمہ رہنمائی کرتا اور بُرا کلمہ گمراہ کرتا ہے ﴿قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ انہوں نے کہا: یہ کھلا جادو ہے' غور و فکر کرنے والے کے لیے اس کا جادو ہونا ظاہر و عیاں ہے اور اس میں ''مُبْصِرَةً'' کے مقابلے میں ''مُبِيْن'' بولا گیا ہے۔

۱۴- ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا﴾ اور انہوں نے ان معجزات کا انکار کر دیا۔ بعض نے کہا کہ ''جُحُوْد'' کا معنی انکار ہے اور کبھی کسی چیز کا انکار اس سے جہالت کی بناء پر ہو جاتا ہے اور کبھی جان پہچان کے بعد محض ضد اور حسد کی بناء پر بھی انکار ہو جاتا ہے جیسا کہ ''شرح التاویلات'' میں ذکر کیا گیا ہے اور ''دیوان'' میں ذکر کیا گیا ہے کہ ''جَحَدَ حَقَّهٗ'' اور ''جَحَدَ بِحَقِّهٖ'' کا ایک معنی ہے ﴿وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ﴾ حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا [اس میں واؤ حال کے لیے اور اس کے بعد ''قَدْ'' مضمر ہے اور ''اِسْتِيْقَان''، ''اِيْقَان'' سے زیادہ بلیغ ہے] یعنی انہوں نے اپنی زبانوں کے ساتھ معجزات کا انکار کر دیا لیکن انہوں نے اپنے دلوں میں یقین کر لیا تھا ﴿ظُلْمًا﴾ ظلم سے' اور ان کے ظلم سے بڑھ کر کن کا ظلم بُرا ہوگا جنہیں دل میں یقین ہو کہ بے شک یہ معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں' پھر وہ ان کو کھلم کھلا جادو کہہ دیں [''ظُلْمًا''، ''جَحَدُوْا'' کی ضمیر سے حال ہے] ﴿وَّعُلُوًّا﴾ اور جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے' ان پر ایمان لانے سے تکبر و غرور اور بڑائی کی بناء پر (انہوں نے انکار کیا) ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ سو دیکھئے فسادیوں کا انجام کیسا ہوا' اور وہ یہ کہ یہاں دنیا میں ان کو غرق کیا گیا اور وہاں آخرت میں آگ کے عذاب میں جلائے جائیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا' اور دونوں نے کہا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے بہت سے ایمان دار بندوں پر ہمیں فضیلت عطا فرمائی O اور سلیمان داؤد کا وارث ہوا اور فرمایا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیوں کا علم عطا کیا گیا ہے اور ہمیں ہر چیز میں سے عطا کیا گیا ہے' بے شک یہ البتہ واضح فضیلت ہے O اور سلیمان کے لیے اس کے لشکر جنوں' انسانوں اور پرندوں میں سے جمع کیے گئے' پھر وہ ترتیب وار روکے جاتے ہیں O یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی پر آئے تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! تم اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ' تمہیں سلیمان اور اس کا لشکر روند نہ ڈالے اور انہیں معلوم نہ ہو O

حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کی علمی شان اور شکر گزاری کا بیان

۱۵- ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا ﴾ اور البتہ بے شک ہم نے دیا" اَیْ اَعْطَیْنَا "یعنی ہم نے عطا فرمایا ﴿ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ﴾ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو علم سے کچھ حصہ یا بہت بلند رتبہ علم عطا فرمایا اور اس علم سے دین کے احکام و شرائع کا علم اور حکم دینے اور فیصلہ جات کرنے کا علم مراد ہے ﴿ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور ان دونوں نے کہا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' جس نے اپنے بہت سے ایمان دار بندوں پر ہمیں فضیلت عطا فرمائی' اور یہ آیت مبارکہ ہمارے لیے ترکِ اصلح کے مسئلہ میں معتزلہ کے خلاف حجت ہے[1]

[اور یہاں عبارت محذوف ہے تا کہ واؤ کا عطف صحیح ہو جائے اور اگر محذوف مقدر نہ مانا جائے تو پھر "فا" آنا چاہیے تھا' جیسے یہ مقولہ ہے کہ "اَعْطَیْتُهٗ فَشَكَرَ" میں نے اسے کوئی نعمت عطا کی تو اس نے شکر ادا کیا' اور مقدر عبارت یہ ہے: "اٰتَیْنَاهُمَا عِلْمًا فَعَمِلَا بِهٖ وَعَلِمَاهُ وَعَرِفَا حَقَّ النِّعْمَةِ فِیْهِ"] ہم نے ان دونوں کو علم عطا فرمایا تو انہوں نے اس پر عمل کیا اور اس کی قدر جانی اور اس میں نعمت کا حق پہچانا" وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا "اور انہوں نے کہا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں فضیلت و بزرگی عطا فرمائی' اور جن بہت سے انسانوں پر انہیں فضیلت دی گئی ہے یہ وہ ہیں' جنہیں بالکل علم عطا نہیں کیا گیا یا پھر وہ لوگ مراد ہیں جنہیں علم تو دیا گیا ہے لیکن ان دونوں کے علم جیسا انہیں نہیں دیا گیا اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں پیغمبروں کو بہت سے لوگوں پر فضیلت و بزرگی دی گئی اور بہت سے حضرات (انبیاء و رسل) کو ان دونوں پر فضیلت و بزرگی دی گئی اور یہ آیت مبارکہ علم کی اور علماء کی فضیلت و بزرگی اور شرف و کمال کی دلیل ہے اور اہل علم کو راہبر و رہنما بنانے کی دلیل ہے اور بے شک علم کی نعمت بزرگ ترین اور عالی شان نعمتوں میں سے ہے اور بے شک جس کو علم کی دولت و نعمت عطا کی گئی' اسے اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندوں پر فضیلت و بزرگی عنایت کی گئی اور ان کو رسول اللہ ﷺ نے انبیائے کرام علیہم السلام کا اس لیے وارث قرار دیا ہے کہ یہ حضرات علم کے شرف و مرتبہ میں ان کے مقرب ہیں کیونکہ جس مقصد کے لیے انبیائے کرام کو بھیجا گیا ہے' اس کے نگران و مبلغ یہی علمائے کرام ہیں اور اس آیت مبارکہ میں اس بات کا ثبوت ہے کہ علمائے اسلام پر اس عظیم الشان نعمتِ علم کی وجہ سے واجب و لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے عطا کیے جانے پر حمد و ثناء بیان کیا کریں اور اس کا شکر ادا کیا کریں اور ہر عالم یہ اعتقاد رکھے کہ جس طرح اسے بہت سے لوگوں پر فضیلت عطا کی گئی ہے' اسی طرح اس پر کئی اہل علم حضرات کو فضیلت عطا کی گئی ہے اور اس کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمانِ عالی شان کس قدر بہترین رہنمائی کرتا ہے' آپ نے فرمایا: "كُلُّ النَّاسِ اَفْقَهُ مِنْ عُمَرَ" ہر انسان عمر سے زیادہ فقیہ (یعنی علم دین میں زیادہ ماہر) ہے۔

---

[1] اہل سنت کے نزدیک تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کے تحت داخل ہیں' اس لیے تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مراد ہوتے ہیں خواہ وہ افعالِ خیر ہوں یا افعالِ شر' کیونکہ تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: "وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ" (الصافات: ۹۶) "اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے"۔ اور کسی بھی چیز کی تخلیق سے پہلے اس کے لیے مشیت و ارادہ کا ہونا ضروری ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: "اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ" (یٰسٓ: ۸۲) "بے شک اس کا کام صرف یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو چاہتا ہے تو اس سے فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے"۔ لہٰذا تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مراد ہوتے ہیں' لیکن اسے پسند صرف نیک اعمال ہوتے ہیں جب کہ معتزلہ کے نزدیک صرف افعالِ خیر اللہ تعالیٰ کی مراد ہوتے ہیں حالانکہ ان کا یہ نظریہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ غوثوی مہاروی

۱۶۔ ﴿ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ ﴾ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے باقی تمام بیٹوں کی بجائے صرف حضرت سلیمان علیہ السلام نبوت و سلطنت میں ان کے وارث ہوئے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس (۱۹) بیٹے تھے۔ مفسرین کرام نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنے باپ کی طرح نبوت عطا کی گئی تو گویا آپ اپنے باپ کے نبوت میں وارث ہوئے کیونکہ نبوت مال و دولت کا وارث نہیں بناتی ﴿ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ ﴾ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔ یہ بات آپ نے اللہ تعالیٰ کی اس عالی شان نعمت کی تشہیر کے لیے اور اس کی عظمت کے اعتراف کے لیے اور اس معجزہ کا ذکر کر کے اس کی تصدیق کی طرف لوگوں کو بلانے کے لیے بیان فرمائی اور وہ معجزہ پرندوں کی بولیاں جاننا ہے اور ''منطق'' ہر وہ آواز ہے جو منہ سے نکالی جائے' خواہ مفرد ہو خواہ مرکب' مفید ہو خواہ غیر مفید' اور حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولیاں اس طرح جانتے تھے' جس طرح وہ ایک دوسرے کی بولی جانتے تھے۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ فاختہ نے (کسی تکلیف کی وجہ سے) چیخ ماری تو حضرت سلیمان نے بتایا کہ یہ کہہ رہی ہے کہ کاش! یہ مخلوق پیدا نہ کی جاتی اور مور نے چیخ ماری تو آپ نے فرمایا: یہ کہہ رہا ہے کہ جیسا تم کرو گے ویسا ہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا (یعنی جیسی کرنی ویسی بھرنی) اور ہدہد چیخا تو فرمایا: یہ کہتا ہے کہ اے گناہ گارو! اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش طلب کرو' اور خطاف (لمبے بازوؤں اور چھوٹے پاؤں والا سیاہ رنگ کا پرندہ جسے عصفور الجنۃ کہا جاتا ہے) چیخا تو فرمایا: یہ کہہ رہا ہے کہ میرے بلند و بالا پروردگار کی پاکی زمین و آسمان کے برابر ہے اور قمری چیخی تو آپ نے بتایا: یہ کہہ رہی ہے کہ میرا بلند و بالا پروردگار ہر عیب سے پاک ہے اور فرمایا کہ چیل کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز فنا ہو جائے گی اور جنگلی کبوتر کہتا ہے: ''مَنْ سَكَتَ سَلِمَ'' جو خاموش رہا وہ سلامت رہا' اور مرغ کہتا ہے: اے غافلو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور گدھ کہتی ہے: اے ابن آدم! جس طرح چاہے زندگی گزار لیکن آخر کار تیرا انجام موت ہے اور عقاب کہتا ہے کہ (برے) لوگوں سے دور رہنا اچھا ہے اور مینڈک کہتا ہے کہ میرا مقدس و پاک پروردگار ہر عیب سے منزہ اور بری ہے ﴿ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ اور ہمیں ہر چیز عطا کی گئی ہے' اس سے عطا کردہ چیزوں کی کثرت مراد ہے' جیسے کہا جاتا ہے کہ ''فُلَانٌ يَعْلَمُ كُلَّ شَيْءٍ'' کہ فلاں آدمی ہر چیز (یعنی بہت کچھ) جانتا ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ ''وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ'' (النمل: ۲۳)'' اور ملکہ بلقیس کو ہر چیز (یعنی بہت کچھ) دی گئی''۔ ﴿ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴾ بے شک یہ البتہ بہت بڑی واضح فضیلت و بزرگی ہے۔ یہ ارشاد بہ طور شکر وارد ہوا ہے جیسے حضور سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے: ''اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ'' کہ میں تمام اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اور یہ فخریہ نہیں[1] یعنی میں یہ بات بہ طورِ شکر کہہ رہا ہوں بہ طورِ فخر نہیں کہتا [واحد مطاع حکمران کے لیے نون ضمیر جمع تعظیم کے لیے آتی ہے] اور حضرت سلیمان علیہ السلام فرماں بردار رعایا کے بادشاہ تھے' سو آپ نے اپنے فرماں برداروں سے اپنی شان کے مطابق گفتگو فرمائی' جس شان پر متمکن تھے اور اس سے تکبر لازم نہیں آتا۔

۱۷۔ ﴿ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ ﴾ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جنوں' انسانوں اور پرندوں میں اس کے لشکر جمع کیے گئے اور ''حُشِرَ'' بہ معنی ''جُمِعَ'' ہے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی لشکر گاہ تین سو میل لمبی اور تین سو میل چوڑی تھی' جن میں سے پچھتر میل جنوں کے لیے اور پچھتر میل انسانوں کے لیے اور پچھتر میل پرندوں کے لیے اور پچھتر میل وحشی جانوروں کے لیے تھی اور لکڑیوں پر شیشوں کے تعمیر کردہ ایک ہزار گھر آپ کے لیے بنائے گئے تھے' جن میں تین سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں رہائش پذیر رہتیں اور جنوں نے آپ کے لیے سونے

[1] رواہ الحاکم ج ۱ ص ۳۰

اور ریشم سے ایک قالین تیار کیا تھا' جو تین میل لمبا اور تین میل چوڑا تھا اور سونے اور چاندی سے تیار کردہ آپ کا منبر اس قالین کے درمیان میں رکھا جاتا تھا' پھر آپ اس پر بیٹھتے تھے اور اس کے اردگرد چھ لاکھ سونے اور چاندی کی کرسیاں رکھی جاتی تھیں' پھر سونے کی کرسیوں پر نائبین (وزراء وغیرہم) بیٹھا کرتے اور چاندی کی کرسیوں پر علمائے کرام بیٹھا کرتے اور ان کے اردگرد انسان ہوتے اور انسانوں کے اردگرد جن ہوا کرتے اور جنوں کے اردگرد شیاطین ہوا کرتے تھے اور پرندے آپ پر اپنے پروں کے ساتھ سایا کرتے تھے تاکہ آپ پر سورج کی دھوپ نہ پڑے اور اس پورے لشکر کو قالین سمیت بادِ صبا اٹھا کر چلتی تھی' جو ایک ماہ کے برابر سفر کرتی رہتی تھی اور ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تیز ہوا کو حکم دیتے کہ وہ آپ کے تخت کو اٹھائے اور نرم ہوا کو حکم دیتے کہ وہ اس تخت کو فضا میں چلائے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی جب کہ آپ زمین و آسمان کے درمیان رواں دواں تھے کہ اے سلیمان! بے شک میں نے تیری سلطنت میں اضافہ کر دیا ہے اور اب کوئی شخص کوئی بات نہیں کرے گا' مگر ہوا اس کو آپ کے کانوں میں پہنچا دے گی' چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کا تخت فضا میں اُڑتا ہوا جا رہا تھا کہ آپ کا ایک کسان کے اوپر سے گزر ہوا' جو اس وقت کہنے لگا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد کو بہت بڑی بادشاہی عطا کی گئی ہے' کاش! مجھے بھی ایسی ہی بادشاہی عطا کی جاتی' چنانچہ ہوا نے کسان کی یہ بات آپ کے کانوں میں پہنچا دی تو آپ نیچے اُتر آئے اور کسان کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے فرمایا کہ میں تیرے پاس اس لیے چل کر آیا ہوں کہ تمہیں بتا دوں کہ تم ایسی آرزو نہ کیا کرو جس پر تمہیں اختیار نہیں' پھر فرمایا: تمہارا صرف ایک بار ''سُبْحَانَ اللّٰهِ'' کہنا جسے اللہ تعالیٰ قبول فرمالے' یہ اس بادشاہی سے تمہارے لیے بہتر ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد کو عطا کی گئی ہے ﴿فَهُمْ يُوزَعُونَ﴾ پھر انہیں اوّل سے لے کر آخر تک روک لیا جاتا ہے یعنی لشکر کے اگلے حصے کو روک لیا جاتا تاکہ لشکر کے دوسرے حصے ساتھ مل جائیں اور وہ سب جمع ہو جائیں اور یہ عمل لشکر کی بہت بڑی تعداد ہونے کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور ''وَزْعٌ'' کا معنی منع کرنا اور روکنا ہے اور اسی سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ جس قدر قرآن مجید (اپنے پڑھنے والے کے لیے دوزخ سے آڑ اور) روک بنے گا اس سے زیادہ بادشاہ کسی کے لیے روک نہیں بن سکتا۔

۱۸۔﴿حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ﴾ یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی کے پاس آ گئے یعنی وہ چلتے رہے یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی کے پاس پہنچے اور یہ وادی ملک شام میں تھی' جس میں چیونٹیوں کی کثرت تھی [حرف ''علٰی'' کے ساتھ اس لیے فعل کو متعدی کیا گیا ہے کہ یہ حضرات اوپر سے آ رہے تھے' پس حرف استعلا (بلندی) کے ساتھ فعل لایا گیا] ﴿قَالَتْ نَمْلَةٌ﴾ ایک لنگڑی چیونٹی نے کہا: جسے طاخیہ یا منذرہ کہا جاتا تھا' اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ کوفہ کے شہر میں گئے تو وہاں کے لوگ جوق در جوق ملاقات کے لیے آئے' چنانچہ حضرت قتادہ نے فرمایا: تم جو چاہو مجھ سے سوال پوچھ لو' تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو اس وقت نوجوان تھے' انہوں نے حضرت قتادہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی کے بارے میں سوال کیا کہ آیا وہ مذکر (نر) تھی یا مؤنث (مادہ) تھی؟ حضرت قتادہ خاموش ہو گئے تو حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا: وہ مؤنث (مادہ) تھی۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا؟ تو آپ نے فرمایا: قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''قَالَتْ نَمْلَةٌ'' اگر وہ چیونٹی مذکر ہوتی تو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ''قَالَ نَمْلَةٌ'' ارشاد فرماتا' اور بہرحال یہ اس لیے کہ ''نَمْلَة''، ''حَمَامَة'' کی طرح مذکر اور مؤنث دونوں پر بولی جاتی ہے' چنانچہ مذکر اور مؤنث کے درمیان کسی علامت سے فرق واضح کیا جاتا ہے جیسے اہل عرب کا قول ہے: ''حَمَامَةٌ ذَكَرٌ'' نر کبوتر

اور "حَمَامَةٌ اُنْثٰی" مادہ کبوتری نیز کبوتر کے لیے "ھُوَ" مذکر کی ضمیر اور کبوتری کے لیے "ھِیَ" مؤنث کی ضمیر استعمال کی جاتی ہے ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ﴾ اے چیونٹیو! تم اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ [اور اس چیونٹی نے فعل مؤنث "اُدْخُلْنَ" نہیں بولا کیونکہ اس نے اپنے آپ کو "قائلة" اور چیونٹیوں کو "مقول لھم" قرار دیا ہے جیسا کہ ذوی العقول میں ان کو مذکر کے قائم مقام قرار دے کر خطاب کیا جاتا ہے] ﴿ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ﴾ تمہیں حضرت سلیمان اور اس کا لشکر روند نہ ڈالیں یعنی وہ تمہیں ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دیں اور "حطم" کا معنی توڑنا ہے [اور یہ فعل نہی ہے اور یہ جملہ مستأنفہ (مستقل الگ جملہ) ہے] اور یہ بہ ظاہر تو حضرت سلیمان اور اس کے لشکر کے روندنے سے نہی (منع کرنا) ہے اور حقیقت میں ان کو گھروں سے باہر نکلنے اور راستوں میں ٹھہرنے سے نہی (منع کرنا) ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: "لَا اُرِیَنَّكَ هٰهُنَا" میں تمہیں یہاں نہ دیکھوں یعنی تم اس جگہ حاضر نہ رہو [اور بعض نے فرمایا: یہ امر کا جواب ہے حالانکہ یہ قول ضعیف و کمزور ہے' اس لیے کہ اسے نون تاکید رد کر دیتا ہے کیونکہ یہ شعر کی ضروریات میں سے ہے] بعض حضرات نے فرمایا کہ "لَا یَحْطِمَنَّكُمْ" سے حضرت سلیمان کا صرف لشکر مراد ہے لیکن ایسا کلام لایا گیا ہے جو سب سے زیادہ بلیغ ہے ﴿ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴾ اور وہ محسوس نہ کر سکیں اور وہ تمہاری جگہ کو نہ جان سکیں یعنی اگر انہوں نے تمہیں جان لیا تو پھر وہ یہ کام نہیں کریں گے۔ چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور آپ کے لشکر کی انصاف کے ساتھ تعریف کرتے ہوئے یہ بات چیونٹیوں سے معذرت کے طور پر کہی تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی یہ بات تین میل دور سے سن لی تھی۔

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾

سو سلیمان اس کی بات سے مسکرا کر ہنس دیئے اور کہا: اے میرے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں آپ کی ہر نعمت کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں اور یہ کہ میں نیک عمل کرتا رہوں' جس سے آپ راضی رہیں اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما O

۱۹- ﴿ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا ﴾ سو حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی بات سے ہنس کر مسکرائے اور چیونٹی کی ہوشیاری اور اپنی برادری کی چیونٹیوں کو نصیحت کرنے اور ان کی مصلحتوں کے لیے ان کی رہنمائی کرنے پر آپ نے تعجب کیا یا پھر حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے عدل و انصاف کے ظہور پر خوش ہوئے [اور "ضَاحِكًا" حال مؤکدہ ہے کیونکہ "تبسّم" بہ معنی "ضَحِكَ" ہے] اور انبیائے کرام علیہم السلام کا اکثر "ضحك" تبسم ہی ہوتا ہے۔ علامہ زجاج نے بھی اسی طرح فرمایا ہے ﴿ وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ ﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما (یعنی) مجھے الہام فرما اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ مجھے تمام چیزوں سے روک لے مگر اپنی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی توفیق سے نہ روک ﴿ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ ﴾ کہ میں آپ کی اس نعمت کا شکر ادا کروں' کہ آپ نے مجھے نبوت و سلطنت اور علم کی نعمت عطا فرمائی ﴿ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ ﴾ اور میرے والدین پر' کیونکہ والدین پر انعام فرمانا اولاد پر انعام فرمانا ہوتا ہے ﴿ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ ﴾ اور میں ایسے نیک عمل کرتا رہوں کہ میری بقیہ ساری زندگی میں آپ مجھ پر

راضی رہیں ﴿وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ﴾ اور مجھے اپنی رحمت سے داخل فرما یعنی مجھے جنت میں اپنی رحمت کے سبب داخل فرما' میرے نیک اعمال کے سبب نہیں کیونکہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوگا' جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے ﴿فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ اپنے نیک بندوں میں یعنی مجھے اپنے انبیاء و رسل کی جماعت میں داخل فرما یا اپنے نیک بندوں کے ساتھ مجھے (جنت میں) داخل فرما۔ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی آواز محسوس کی تھی' لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ لشکر ہوا میں محو پرواز ہے یا زمین پر پیدل رواں دواں ہے' پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی آواز سن کر ہوا کو حکم دیا تو وہ رک گئی تاکہ چیونٹیاں ڈر نہ جائیں یہاں تک کہ امن کے ساتھ اپنے گھروں میں داخل ہو جائیں' پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے مذکورہ بالا دعا مانگی تھی۔

وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَالِیَ لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ فَهُمْ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو طلب کر کے جائزہ لیا تو فرمایا: کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا' کیا وہ غائب ہو گیا ہےO البتہ میں اسے ضرور سخت سزا دوں گا یا میں اس کو ضرور ذبح کر ڈالوں گا یا وہ ضرور میرے پاس (غیر حاضری کی) کوئی واضح دلیل پیش کرےO سو وہ زیادہ دیر لیٹ نہ ہوا' پس اس نے (حاضر ہو کر) کہا کہ میں ایسی چیز دیکھ کر آیا ہوں جو آپ نے نہیں دیکھی اور میں آپ کے پاس سبا شہر کی ایک یقینی خبر لایا ہوںO بے شک میں نے ایک ایسی عورت کو دیکھا ہے جو ان پر بادشاہی کرتی ہے اور اسے ہر چیز میں سے حصہ عطا کیا گیا ہے اور اس کے لیے ایک بہت بڑا تخت ہےO میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ تعالیٰ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا ہے اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوش نما بنا دیا ہے' پس اس نے انہیں سیدھے راستے سے روک دیا ہے' سو وہ ہدایت نہیں پاتےO

ہدہد اور ملکہ بلقیس کا ذکر

۲۰- ﴿وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَالِیَ﴾ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو طلب کیا اور ہدہد کو نہ پایا تو فرمایا: کیا بات ہے اور ''تفقد'' کا معنی ہے: اپنے سے غائب چیز کو طلب کرنا [ابن کثیر مکی' علی کسائی اور عاصم کی قراءت میں ''مَالِیَ'' ''یا'' مفتوح کے ساتھ ہے جب کہ ان کے علاوہ کے ہاں ''مَالِیْ'' ''یا'' ساکن کے ساتھ ہے] ﴿لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ﴾ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا' کیا وہ غائب ہونے والوں میں سے ہو گیا ہے۔ [''اَمْ'' بہ معنیٰ ''بَلْ'' ہے] اور معنی یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو طلب کر کے پہچان کی تو ان میں ہدہد کو نہ پایا اور فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں ہدہد

کو نہیں دیکھ رہا' اس معنی پر کہ ہدہد حاضر تو ہو لیکن کسی پردے کے حائل ہونے کی وجہ سے آپ کو نظر نہ آیا ہو یا اس کے علاوہ کوئی وجہ ہو' پھر آپ پر ظاہر ہو گیا ہو کہ ہدہد غائب ہے تو آپ نے پہلے کلام سے اعراض فرما لیا اور فرمانے لگے کہ بلکہ وہ تو غائب ہے اور ایک روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے حج کر لیا تو یمن کی طرف تشریف لے گئے اور زوال کے وقت صنعاء میں پہنچے اور نیچے زمین پر اترے تا کہ نماز ظہر ادا کریں تو آپ نے وہاں پانی نہ پایا اور ہدہد آپ کو پانی بتایا کرتا تھا اور ہدہد پانی کو زمین کی گہرائی میں دیکھ لیا کرتا تھا جیسا کہ شیشے میں پانی دیکھا جاتا ہے اور ہدہد کی نشاندہی پر جنات زمین کھود کر پانی نکال لیتے تھے اور ایک روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سر مبارک پر سورج کی دھوپ کی ایک شعاع پڑی تو آپ نے اوپر دیکھا تو ہدہد کی جگہ خالی تھی اور آپ نے پرندوں کے نگران کو بلایا اور وہ گِدھ تھی اور آپ نے اس سے ہدہد کے بارے میں پوچھا تو اس سے ہدہد کے بارے میں معلوم نہ ہوا' پھر آپ نے پرندوں کے سردار سے فرمایا اور وہ شاہین تھا کہ ہدہد کو میرے پاس لاؤ' چنانچہ اس نے بلندی کی طرف پرواز کی تو اس نے ہدہد کو دیکھ لیا کہ وہ اچانک سامنے واپس آ رہا تھا اور شاہین نے اسے گرفتار کر کے لانا چاہا تو ہدہد نے اللہ تعالیٰ کی قسم دی تو شاہین نے اسے چھوڑ دیا اور ہدہد جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے قریب پہنچا تو اپنے سر کو جھکا لیا اور اپنے دونوں بازوؤں کو زمین پر گھسیٹتا ہوا عاجزی کے ساتھ حاضر خدمت ہو گیا اور عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے کھڑے ہونے کو یاد کیجئے' پس اس بات پر حضرت سلیمان پر لرزہ طاری ہو گیا اور آپ نے ہدہد کو معاف فرما دیا۔

۲۱- ﴿لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا﴾ البتہ میں اسے ضرور سخت سزا دوں گا کہ اس کے پروں کو نوچ کر اسے دھوپ میں ڈال دوں گا یا اس کو اس کے دوستوں اور پیاروں سے علیحدہ کر دوں گا یا اسے اس کے اپنے دوستوں کی خدمت پر لگا دوں گا یا اس کے دشمنوں کے ساتھ اسے قید کر دوں گا اور بعض حضرات سے منقول ہے کہ اس زمانہ میں قیدیوں کو دشمنوں کے ساتھ قید و بند میں تنگ کیا جاتا تھا یا اسے پنجرے میں بند کر دیا جائے گا یا اس کے پروں کو نوچ کر اسے چیونٹیوں کے سامنے پھینک دیا جائے گا تا کہ وہ اسے کھا جائیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہدہد کو سزا دینا جائز تھا کیونکہ انہوں نے ہدہد کو سزا دینے میں مصلحت دیکھی (تا کہ آئندہ بغیر اجازت غائب نہ ہو) جیسا کہ کھانے اور دیگر فوائد کی خاطر جانوروں اور پرندوں کو ذبح کیا جاتا ہے اور جب پرندوں کو ان کے لیے مسخر کر دیا گیا اور تسخیر بغیر ادب سکھانے کے مکمل نہیں ہو سکتی تو ان کے لیے پرندوں کو ادب سکھانا اور انہیں قانون و قاعدے کا پابند بنانا جائز ہو گیا۔ ﴿اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ﴾ یا میں اسے ضرور ذبح کر دوں گا یا وہ میرے پاس ضرور کوئی واضح دلیل پیش کرے گا' جس میں اس کے غائب رہنے پر کھلم کھلا معقول عذر پیش کیا جائے [''لَیَاْتِیَنِّیْ'' نون ثقیلہ کے ساتھ اس لیے لایا گیا ہے تا کہ یہ ''لَاُعَذِّبَنَّهٗ'' کے موافق ہو جائے اور اس سے نون وقایہ کو تخفیف کے لیے حذف کر دیا گیا ہے' ابن کثیر کی قراءت میں ''لَیَاْتِیَنَّنِیْ'' دونون کے ساتھ ہے' پہلا نون تاکید کے لیے ہے اور دوسرا وقایہ کا نون ہے] اور یہاں ایک اشکال ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین چیزوں میں سے کسی ایک پر قسم فرمائی ہے (ایک یہ کہ ہدہد کو سخت سزا دینا' دوسرا یہ کہ اسے ذبح کرنا اور تیسرا یہ کہ وہ کوئی واضح دلیل پیش کرے) ان میں سے پہلی دو چیزیں حضرت سلیمان کا اپنا فعل ہیں اور اس پر کوئی اعتراض نہیں اور لیکن تیسرا ہدہد کا فعل ہے اور اس پر اشکال ہے کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ واضح دلیل لے کر آئے گا اور اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ آپ کے کلام کا معنی یہ ہے کہ ان مذکورہ بالا اُمور میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری اور لازمی ہے یعنی اگر ہدہد واضح دلیل پیش کر دیتا ہے تو اسے نہ سخت سزا ہو گی اور نہ اسے ذبح کیا جائے گا اور اگر وہ کوئی واضح دلیل پیش نہ کر سکا تو ان دو اُمور میں سے ایک ضرور ہو گا (سخت

سزا ہوگی یا پھر ذبح کرنا ہوگا) اور اس کلام میں علم و درایت کا دعویٰ نہیں ہے۔

۲۲۔﴿ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴾ سو ہد ہد زیادہ دیر نہ ٹھہرا یعنی دراز زمانہ یا دور دراز زمانہ تک نہیں ٹھہرا تھا بلکہ حضرت سلیمان کے اسے گم پانے کے تھوڑی دیر بعد حاضر ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے ہد ہد کے ٹھہرنے کی مدت کو کم اور تھوڑی بیان کیا' جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہد ہد حضرت سلیمان کے خوف سے جلد از جلد پہنچ گیا تھا [عاصم' سہل اور یعقوب کی قراءت میں ''مَكَثَ'' میں کاف مفتوح ہے اور ان کے علاوہ کے نزدیک کاف مضموم ہے اور یہ دونوں لغتیں جائز ہیں] پھر جب ہد ہد واپس لوٹ کر آیا تو حضرت سلیمان نے اس سے اس کے غیر حاضر رہنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا: ﴿ فَقَالَ اَحَطْتُّ ﴾ پس اس نے کہا کہ میں نے ایک ایسی چیز کو اس کی تمام جہات سے جان لیا ہے ﴿ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ ﴾ جس کو آپ نے نہیں جانا۔ اللہ تعالیٰ نے ہد ہد کو الہام فرمایا تو اس نے حضرت سلیمان کو اس کلام کے ساتھ خطاب کیا' اس کے باوجود کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت اور علومِ کثیرہ کے ساتھ فضیلت عطا کی گئی' یہ دراصل ان کے لیے ان کے علم میں آزمائش تھی اور یہ رافضیوں کے اس قول کے باطل ہونے کی دلیل ہے کہ امامِ زمانہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہوتی اور نہ ان کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کوئی عالم ہوتا ہے ﴿ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ ﴾ اور میں آپ کے پاس شہر سبا سے حاضر ہوا ہوں [''سبا'' ابوعمرو کے نزدیک غیر منصرف ہے اور اس نے اس کو قبیلہ یا شہر کا نام قرار دیا ہے اور اس کے علاوہ دوسروں کے نزدیک تنوین کے ساتھ (منصرف) ہے' انہوں نے اس کو محلّہ کا نام یا جدّ اکبر کا نام قرار دیا ہے] ﴿ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴾ یقینی خبر کے ساتھ۔ ''نبا'' اس خبر کو کہا جاتا ہے جس کی شان بہت بلند ہو اور ''من سبا بنبا'' حسین ترین کلاموں میں سے ہے اور اسی کا نام بدیع (انوکھا اور نرالا کلام) رکھا جاتا ہے اور یہاں یہ کلام لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے حسین و جمیل اور انوکھا و نرالا ہے' کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر ''بنبا'' کی جگہ ''بخبر'' رکھا جاتا تو پھر بھی معنی صحیح رہتا اور جیسا کہ اب آیا ہے' زیادہ صحیح ہے کیونکہ ''نبا'' کے معنی میں اضافہ ہے جو مقتضائے حال کے مطابق ہے۔

۲۳۔﴿ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ ﴾ بے شک میں نے ایک عورت کو دیکھا جو ان پر حکمرانی و بادشاہی کرتی ہے۔ یہ بلقیس بنت شراحیل تھی اور اس کا باپ سرزمین یمن کا بادشاہ تھا اور اس کے ہاں اس بیٹی کے علاوہ کوئی اور اولاد نہیں تھی' اس لیے اس نے بہ طورِ وراثت بادشاہی کرنے کے لیے ملک کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا اور یہ اور اس کی قوم آتش پرست تھی' سورج کی عبادت کرتے تھے [اور ''تملکھم'' میں ''ھم'' ضمیر قوم کی تاویل پر ''سبا'' کی طرف لوٹتی ہے یا شہر والوں کی طرف لوٹتی ہے] یعنی بلقیس قوم سبا پر یا سبا شہر کے رہنے والوں پر بادشاہی کرتی تھی ﴿ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ اور اسے ہر چیز میں سے حصہ عطا کیا گیا (یعنی) دنیا کے اسباب میں سے جتنے اسباب اس کے شاہانہ حال کے مناسب و ضروری تھے' وہ سب اس کو عطا کیے گئے تھے [اور یہ ''قد'' مقدرہ کے ساتھ حال واقع ہو رہا ہے] ﴿ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴾ اور اس کے لیے ایک بہت بڑا تخت ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ تخت اسّی ہاتھ دراز اور اسّی ہاتھ چوڑا تھا اور فضا میں اس کی اونچائی اسّی ہاتھ تھی اور یہ سونے اور چاندی سے تیار کیا گیا تھا اور یہ مختلف جواہرات سے جڑا ہوا تھا اور اس کے پائے سرخ یاقوت اور سبز یاقوت اور زمرد اور موتی کے تھے اور اس پر سات کمرے بنے ہوئے تھے اور ہر کمرے کا دروازہ بند تھا اور بلقیس کا حال حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقابلے میں کم تر بتایا گیا ہے' لیکن اس کا تخت بڑا بتایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بلقیس کا حال حضرت سلیمان علیہ السلام سے کسی مصلحت کی بنا پر مخفی رکھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا مکان حضرت یعقوب علیہ السلام سے مخفی رکھا تھا۔

٢٤۔﴿ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ ﴾ اور میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ تعالیٰ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا ہے اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو آراستہ کر دیا ہے اور اس نے انہیں راہ سے یعنی توحید کی راہ سے روک دیا ہے ﴿ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴾ سو وہ لوگ حق کی طرف راہ نہیں پاتے' اور ممکن ہے کہ ہدہد کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے لیے سجدہ کے وجوب اور سورج کے لیے سجدہ کی حرمت کی ہدایت بہ طورِ الہام اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کے علاوہ دیگر پرندوں کو ایسے معارفِ لطیفہ کا الہام فرمایا' جن کی رہنمائی ذہین وفہیم اہل عقل حاصل نہیں کر سکتے۔

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا
تُعْلِنُوْنَ ﴿٢٥﴾ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۩ ﴿٢٦﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ
اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ
مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٣٠﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣١﴾

وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے' جو آسمانوں اور زمین میں پوشیدہ چیزوں کو باہر نکالتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو O اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ عظمت والے عرش کا مالک ہے O فرمایا: میں عنقریب دیکھوں گا آیا تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹوں میں سے ہو O میرا یہ خط لے جا' پس اسے ان کی طرف ڈال دے' پھر ان سے ہٹ جا اور دیکھ! وہ کیا جواب دیتے ہیں O اس عورت نے کہا: اے قوم کے سردارو! بے شک میرے پاس ایک بہترین خط ڈالا گیا O بے شک یہ سلیمان کی طرف سے ہے اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ کے نام سے (شروع ہوتا ہے) جو بہت رحم فرمانے والا بے حد مہربان ہے O کہ تم میرے خلاف سرکشی نہ کرو اور میرے پاس فرماں بردار ہو کر چلے آؤ O

٢٥۔﴿ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے [لام مشدد کے ساتھ "اَلَّا" ہے "اَیْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ لِئَلَّا يَسْجُدُوْا" یعنی پس شیطان نے ان کو توحید کی راہ سے اس لیے روک دیا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کریں' پھر حرف جار کو "اَنْ" کے ساتھ حذف کر دیا گیا ہے اور نون کو لام میں مدغم کر دیا گیا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ "لَا" زائدہ ہو اور معنی ہوگا: "فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ اِلٰى اَنْ يَّسْجُدُوْا" سو وہ سجدہ کرنے کی طرف راہ نہیں پاتے اور یزید اور علی کسائی کی قراءت میں تخفیف کے ساتھ ہے اور اس کی تقدیر ہوگی: "اَلَا يَا هٰؤُلَآءِ اسْجُدُوْا" خبردار! اے لوگو! اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو' پس اس صورت میں "اَلَا" تنبیہ کا ہے اور "يَا" حرفِ ندا ہے اور اس کا منادیٰ محذوف ہے اور جو لام کو مشدد کر کے "اَلَّا" پڑھتے ہیں وہ صرف "رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ" پر وقف کرتے ہیں اور جو لام مخفف کر کے "اَلَا" پڑھتے ہیں وہ "فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ" پر وقف کرتے ہیں' پھر "اَلَا يَا اسْجُدُوْا" سے ابتدا کرتے ہیں اور سجدہ تلاوت دونوں قراءتوں میں واجب ہے' بہ خلاف زجاج کے قول کے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ تشدید کی صورت میں سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے حالانکہ سجدہ کی جگہوں میں یا تو سجدہ کرنے کا حکم ہوتا

ہے یا پھر سجدہ کرنے والے کی تعریف ہوتی ہے یا پھر سجدہ ترک کرنے والے کی مذمت ہوتی ہے اور ان دونوں قراءتوں میں سے ایک میں سجدہ کرنے کا حکم ہے اور دوسری قراءت میں سجدہ ترک کرنے کی مذمت ہے] ﴿ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ جو آسمانوں اور زمین میں پوشیدہ چیزوں کو نکالتا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ آسمان کی پوشیدہ چیز سے بارش برسانا مراد ہے اور زمین کی پوشیدہ چیز سے سبزہ جات' پودے' درخت اور غلہ جات وغیرہ مراد ہیں ["مخبوء" کا نام مصدر "الخبء" کو دے دیا گیا ہے] ﴿ وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو [امام حفص اور قاری علی کسائی کی قراءت میں "تا" کے ساتھ "تخفون" اور "تعلنون" ہے[1]]۔

۲۶۔ ﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہی عظمت والے عرش کا مالک و پروردگار ہے' اور ہدہد کا اللہ تعالیٰ کے عرش کو "عظیم" کے ساتھ موصوف کرنا آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق کی نسبت سے اس کی تعظیم و بڑھائی بیان کرنے کے لیے ہے جب کہ اس کا بلقیس کے عرش کو "عظیم" کے ساتھ موصوف کرنا اس زمانہ کے بادشاہوں کے تختوں کی نسبت سے اس کی تعظیم و بڑھائی بیان کرنے کے لیے ہے اور یہاں تک ہدہد کا کلام ہے۔

۲۷۔ جب ہدہد اپنے کلام سے فارغ ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے ﴿ قَالَ سَنَنْظُرُ ﴾ فرمایا: ابھی ہم دیکھیں گے اور غور وفکر کریں گے [یہ فعل "نظر" سے مشتق ہے' جس کا معنی ہے: غور وفکر کرنا اور سوچ وبچار کرنا] ﴿ اَصَدَقْتَ ﴾ آیا تم نے جو خبر سنائی ہے اس میں تم نے سچ بولا ہے ﴿ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴾ یا تم جھوٹوں میں سے ہو۔ یہ "اَمْ كَذَبْتَ" سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ جب وہ جھوٹوں کی جماعت میں شامل ہو جانے کی وجہ سے جھوٹا مشہور ہو جائے گا تو وہ یقیناً جھوٹا ہی ہوگا اور جب وہ جھوٹا قرار پا جائے گا تو وہ جو خبر بھی سنائے گا' اس میں اس پر جھوٹ کا الزام لگ جائے گا' سو اس پر کوئی بھی اعتماد و یقین نہیں کرے گا' پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک خط لکھا' جس کی صورت یہ تھی کہ "مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ سُلَیْمَانَ بْنِ دَاوُدَ اِلٰی بَلْقِیْسَ مَلِكَةِ سَبَاٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ' اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی اَمَّا بَعْدُ فَلَا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ" 'اللہ تعالیٰ کے ایک بندے سلیمان بن داؤد (علیہما السلام) کی جانب سے شہر سبا کی ملکہ بلقیس کی طرف۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بہت مہربان' بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے' لیکن حمد کے بعد اے ملکہ بلقیس! سو تم مجھ پر سرکشی نہ کرو اور مسلمان ہو کر میرے پاس آ جاؤ' پھر آپ نے اس کو خوشبو سے معطر کر کے بند کیا اور اس پر اپنی انگوٹھی سے مہر لگائی اور ہدہد سے فرمایا:

۲۸۔ ﴿ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ﴾ یہ میرا خط لے جا اور ان کی طرف ڈال دے (یعنی) بلقیس اور اس کی قوم کی طرف ڈال دے کیونکہ ہدہد نے بلقیس کے ساتھ اس کی قوم کا ذکر کیا تھا' جیسا کہ ارشاد ہے: "وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ" (النمل: ۲۴) "میں نے اسے اور اس کی قوم کو پایا کہ وہ سورج کو سجدہ کرتے ہیں"۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے خط میں اسی وجہ سے جمع کے لفظ کے ساتھ اسے خطاب کیا [ابو عمرو' عاصم اور حمزہ کی قراءت میں "فالقه" میں "ها" کو تخفیف کرنے کے لیے ساکن پڑھا جاتا ہے اور یزید' قالون اور یعقوب کی قراءت میں "ها" کے نیچے باریک کسرہ پڑھا جاتا ہے تاکہ یائے محذوفہ پر دلالت کرے' ان کے علاوہ کی قراءت میں "یا" کو ثابت رکھ کر "فَاَلْقِهِیْ" پڑھا جاتا ہے] ﴿ ثُمَّ تَوَلَّ

[1] جب کہ حمزہ' ابن عامر شامی' ابو عمرو' ابن کثیر مکی اور نافع مدنی کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "یُخْفُوْنَ" اور "یُعْلِنُوْنَ" ہے۔ (معجم القراءات القرآنیۃ ج ۴ ص ۳۴۸)

﴿عَنْهُمْ﴾ پھر تو خط ڈال کر ان سے علیحدہ ہو کر نزدیک جگہ کی طرف ہٹ جا' اس طرح تو انہیں دیکھتا رہے اور وہ تجھے نہ دیکھ سکیں تا کہ وہ جو کچھ کہیں تو اسے سنتا رہے ﴿فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ﴾ پھر غور سے دیکھنا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں اور جواب دینے کے لیے ایک دوسرے سے کیا باتیں کرتے ہیں۔

۲۹۔ پھر ہدہد نے خط لے کر اپنی چونچ میں تھام لیا اور بلقیس کے محل میں اس کے پاس روشن دان میں سے اندر داخل ہو گیا اور خط اس کے سینے پر پھینک دیا اور وہ اس وقت سوری تھی اور خود ہدہد روشن دان میں چھپ کر بیٹھ گیا تو ملکہ بلقیس گھبرا کر بیدار ہوگئی یا ہدہد اس کے پاس اس وقت آیا جب کہ اس کا لشکر اس کے اردگرد موجود تھا' پس وہ لمحہ بھر کے لیے پھڑ پھڑایا' پھر اس کی گود میں خط ڈال دیا اور وہ پڑھی ہوئی تھی' جب اس نے مہر کو دیکھا تو ﴿قَالَتْ﴾ اس نے سر جھکا کر ڈرتے ہوئے اپنی قوم سے کہا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ﴾ اے قوم کے سردارو! بے شک میری طرف ایک مکرم و محترم خط پہنچایا گیا ہے' جس کا مضمون اور جو کچھ اس میں لکھا ہے بہت عمدہ ہے یا مہر شدہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''كَرَامَةُ الْكِتَابِ خَتْمُهٗ'' [1] خط کی عزت و بزرگی اس کی مہر ہے' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جس نے اپنے کسی بھائی کو خط لکھا اور اس پر مہر نہ لگائی تو اس نے اس کی توہین کی یا یہ کہ اس خط کا مضمون اور جو کچھ اس میں ہے' اس لیے عمدہ ہے کہ اس کو ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' کے ساتھ شروع کیا گیا ہے یا اس لیے کہ یہ خط ایک کریم اور معزز و محترم بادشاہ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔

۳۰۔ ﴿اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ بے شک یہ (حضرت) سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور بے شک یہ خط اللہ تعالیٰ کے نام سے ہے جو بہت مہربان' نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں اس شخص کا بیان ہے جس نے اس کی طرف خط بھیجا' گویا جب ملکہ بلقیس نے کہا کہ میری طرف ایک محترم و مکرم خط بھیجا گیا ہے تو اس سے پوچھا گیا کہ یہ خط کس کی طرف سے بھیجا گیا ہے اور وہ کون ہے؟ سو اس نے جواب میں کہا: بے شک یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے بھیجا گیا ہے اور اس طرح اس طرح ہے۔

۳۱۔ ﴿اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ﴾ اور یہ کہ تم مجھ پر بڑھائی نہ چاہو اور نہ تکبر کرو جیسا کہ بادشاہ کرتے ہیں [اصل میں ''اَنْ لَّا تَعْلُوْا'' ہے اس میں ''اَنْ'' مفسرہ ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا'' (ص:۶)'' اور ان کے سردار (یہ کہہ کر) چلے گئے کہ اس کے پاس سے چلے جاؤ''۔ یعنی ''امشوا'' چلے جاؤ] ﴿وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ﴾ اور تم مؤمن بن کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ یا میرے فرماں بردار ہو کر میرے پاس چلے آؤ' اور انبیائے کرام علیہم السلام کے خطوط اختصار و اجمال پر مبنی ہوتے ہیں۔

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۝ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ۝ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ

[1] ذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۹

يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

بلقیس نے کہا: اے سردارو! مجھے میرے معاملہ میں مشورہ دو میں کسی معاملہ میں کوئی یقینی فیصلہ نہیں کرتی یہاں تک کہ تم میرے پاس حاضر ہو O انہوں نے کہا: ہم بڑے طاقت ور اور سخت جنگ کرنے والے ہیں اور حکمرانی کا اختیار تیرے سپرد ہے' سو تو غور و فکر کر لے کہ کیا حکم دیتی ہے O اس نے کہا: بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور اس کے معزز باشندوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور وہ بھی اسی طرح کریں گے O اور بے شک میں ان کے پاس ایک تحفہ بھیجتی ہوں' پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لے کر واپس آتے ہیں O پھر جب وہ سلیمان کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم مال و دولت سے میری مدد کرتے ہو' سو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس سے بہت بہتر ہے جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے بلکہ تمہیں لوگ اپنے تحفہ پر خوش ہوتے ہو O تو ان کی طرف واپس چلا جا' سو ہم ان پر ایسا لشکر لے کر آئیں گے جس کا مقابلہ ان سے نہیں ہو سکے گا اور ہم انہیں ضرور ذلیل کر کے وہاں سے باہر نکال دیں گے اور وہ رسوا ہو کر رہ جائیں گے O

ملکۂ بلقیس کا تحائف بھیجنا اور حضرت سلیمان کا ان کو قبول نہ کرنا

۳۲- ﴿قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ﴾ بلقیس نے کہا: اے (قوم) کے سردارو! تم مجھے میرے اس معاملہ میں سوچ کر جواب دو (یعنی) تم مجھے اس معاملہ میں مشورہ دو جو مجھ پر آن پڑا ہے اور ''فتوٰی'' کا معنی ہے: کسی نئی آنے والی مشکل کا حل بتانا اور اس کا جواب دینا اور یہ ''فتآء'' سے مشتق ہے' جس کا معنی ہے: طاقت ور نوجوان اور نوعمر جوان اور یہاں ''فتوٰی'' سے مراد قوم کے سرداروں کا بہ طورِ مشورہ بلقیس کو اپنی رائے پیش کرنا ہے اور بلقیس کا مشورہ لینے کے لیے ان کی طرف رجوع کرنا ان کے دلوں کو خوش کرنے کے لیے تھا تا کہ وہ لوگ اس کی طرف مائل ہوں اور اس کے ساتھ مل کر شانہ بشانہ جنگ کرنے کے لیے کھڑے ہوں ﴿مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ﴾ میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتی اور نہ میں کوئی حکم نافذ کرتی ہوں' یہاں تک کہ تم میرے پاس موجود ہو اور مجھے مشورہ دو اور تم گواہی دو کہ بے شک یہ فیصلہ صحیح اور درست ہے یعنی میں کوئی یقینی فیصلہ نہیں کرتی مگر تمہاری موجودگی میں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بلقیس کو مشورہ دینے والے تین سو تیرہ آدمی تھے اور ان میں سے ہر ایک آدمی دس دس ہزار آدمی پر سردار مقرر تھا [نون مکسور ہے اور فتح غلط ہے کیونکہ رفع کی جگہ مفتوح ہوتا ہے اور یہ نصب کی جگہ ہے اور اس کی اصل ''تشھدوننی'' ہے' پھر پہلے نون کو نصب کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے اور ''یا'' کو کسرہ کی دلالت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے اور یعقوب کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں ''یا'' کے ساتھ پڑھا جاتا ہے]۔

۳۳- ﴿قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ﴾ انہوں نے بلقیس کو جواب دیتے ہوئے کہا: ہم قوت و طاقت رکھنے

والے اور سخت جنگ کرنے والے لوگ ہیں اور قوت سے جسمانی اور ہتھیاروں کی قوت وطاقت مراد ہے اور "باس" سے شجاعت و بہادری اور جنگ و غارت گری اور جنگ میں مصیبتیں برداشت کرنی مراد ہیں ﴿وَالْاَمْرُ اِلَیْكِ فَانْظُرِیْ مَاذَا تَاْمُرِیْنَ﴾ اور معاملہ تیری طرف ہے سو تو غور وفکر کر اور سوچ کر دیکھ لے کہ تو کیا فیصلہ کرتی ہے اور کیا حکم نافذ کرتی ہے یعنی معاملہ سراسر تیرے سپرد ہے اور ہم تو تیرے حکم کے فرماں بردار و اطاعت گزار ہیں سو تو ہم پر حکم نافذ کر ہم تیرے حکم کی اطاعت کریں گے اور ہم کسی صورت میں تیرے حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گے گویا انہوں نے ملکۂ بلقیس کو جنگ کرنے کا مشورہ دیا یا انہوں نے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا کہ ہم تو جنگجو لوگوں میں سے ہیں ہم صرف رائے اور مشورہ دینے والوں میں سے نہیں ہیں اور تو خود صاحب رائے اور صاحب تدبیر ملکہ ہے پس تو سوچ کر دیکھ لے کہ کیا حکم دیتی ہے؟ ہم تیری رائے کی پیروی کریں گے پھر بلقیس نے ان کی طرف سے جنگ کی طرف رغبت محسوس کی تو وہ مصالحت کی طرف مائل ہو گئی اور اس نے جواب کو ترتیب دی چنانچہ اس نے پہلے ان کی ذکر کردہ باتوں کو کمزور قرار دیا اور اس میں ان کو ان کی غلطی سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:

۳۴- ﴿قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا﴾ بلقیس نے کہا: بے شک بادشاہوں کی عادت یہ ہے کہ جب وہ زبردستی اور غلبہ حاصل کر کے کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں اور اس کو اجاڑ کر ویران کر دیتے ہیں ﴿وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً﴾ اور وہاں کے معزز و محترم باشندوں کو ذلیل و خوار کر دیتے ہیں اور وہاں کے بزرگوں کی توہین کر کے رسوا کر دیتے ہیں اور انہیں قتل کیا جاتا ہے اور زندہ بچ جانے والوں کو قیدی بنالیا جاتا ہے بہرحال ملکۂ بلقیس نے ان لوگوں کے سامنے جنگ کی تباہ کاری کی مذمت کا تذکرہ کیا پھر کہا: ﴿وَكَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ﴾ اور وہ اسی طرح کرتے ہیں۔ ملکۂ بلقیس کا مقصد یہ تھا کہ بادشاہوں کی یہ دائمی عادت چلی آرہی ہے جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی اس لیے یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے کیونکہ ملکۂ بلقیس نے قدیمی بادشاہ کے گھر میں پرورش پائی تھی سو اس نے اس قسم کی باتیں سن رکھی تھیں اور اس نے یہ سب کچھ دیکھ لیا تھا پھر اس نے اس کے بعد تحفہ کا ذکر کیا اور اس نے یہ رائے صحیح نہیں سوچی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلقیس کے قول کی تصدیق و تائید ہے اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرنے والوں نے اس آیت مبارکہ سے حجت پکڑی ہے اور جس نے کسی مباح و جائز چیز کو حرام قرار دیا تو اس نے یقیناً کفر کیا پھر جب اس نے اپنے لیے قرآن سے تحریف کے طور پر حجت پکڑی تو اس نے بلاشبہ دو کفر جمع کر لیے۔

۳۵- ﴿وَاِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ﴾ اور بے شک میں ان کی طرف تحفے بھیجنے والی ہوں یعنی میں ان کے پاس تحفے دے کر قاصد بھیجنے والی ہوں ﴿فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ سو میں دیکھتی ہوں اور انتظار کرتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لے کر واپس لوٹتے ہیں تحفہ کے قبول ہونے کا یا مسترد ہونے کا کیونکہ وہ بادشاہوں کی عادت سے واقف تھی اور وہ ان کے نزدیک تحائف کے بہترین مواقع کو جانتی تھی پس وہ اگر بادشاہ ہوئے تو تحائف کو ضرور قبول کر لیں گے اور قاصد واپس آجائیں گے اور اگر وہ نبی ہوئے تو تحائف کو مسترد کر دیں گے اور وہ اس وقت تک ہم سے راضی نہیں ہوں گے جب تک ہم ان کے دین کی پیروی اختیار نہیں کر لیں گے پھر اس نے پانچ سو غلام بھیجے جن کو لونڈیوں کا لباس پہنایا گیا اور انہیں زیورات سے آراستہ کیا گیا ایسے گھوڑوں پر سوار کیا گیا جو ریشم کے کپڑوں سے آراستہ کیے گئے تھے اور لگاموں اور زینوں کو سونے اور جواہرات سے مرصع کیا گیا تھا اور اس نے پانچ سو لونڈیوں کو غلاموں کے لباس پہنا کر گھوڑیوں پر سوار کر کے بھیجا اور ہدیہ کے طور پر ایک ہزار سونے اور چاندی کی اینٹیں بھیجیں اور موتیوں اور جواہرات سے جڑا ہوا ایک تاج بھیجا اور قیمتی موتیوں سے بھرے ہوئے متعدد ڈبے بھیجے اور ٹیڑھے سوراخ والے مہرے بھیجے اور اس نے قاصدوں کا ایک وفد بھیجا جن پر منذر بن عمرو

کو امیر مقرر کیا' جس کی دلیل (درج ذیل) یہ ارشاد ہے: "بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ" اور اس نے ایک خط لکھا' جس میں تمام تحائف وہدایا کی تفصیل درج کی اور اس میں اس نے کہا کہ اے سلیمان! اگر آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں تو لونڈیوں اور غلاموں کے درمیان امتیاز کیجئے اور بتایئے ڈبوں میں کیا ہے اور موتیوں میں بالکل سیدھے سوراخ نکالیے اور مہروں میں دھاگا ڈالیے' پھر اس نے امیرِ وفد منذر بن عمرو سے کہا کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام تجھے غضب کی نگاہ سے دیکھیں تو سمجھ لینا کہ وہ صرف بادشاہ ہیں' سوان کی نگاہِ غضب تجھے نقصان نہیں دے گی اور اگر تو اسے ہشاش بشاش اور خوش وخرم دیکھ لے تو سمجھ جانا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں' پھر ہد ہد پہنچ گیا اور اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی ساری خبر سنا دی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں کو حکم دیا تو انہوں نے سونے اور چاندی کی اینٹیں تیار کیں اور آپ کے سامنے میدان میں ان سونے اور چاندی کی اینٹوں کا فرش بنا دیا' جس کی لمبائی ایک میل تھی اور انہوں نے اس میدان کے اردگرد سونے اور چاندی کی دیوار بنا دی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ خشکی اور دریائی خوب صورت جانور جمع کر کے میدان کے دائیں اور اس کے بائیں باندھ دیئے جائیں اور جنوں کی اولاد کو حکم دیا اور وہ بہت بڑی مخلوق ہے کہ دائیں بائیں کھڑے ہو جائیں' پھر آپ اپنے تخت پر تشریف لا کر بیٹھ گئے اور بہت کرسیاں اس کے اردگرد بچھائی گئیں اور کئی میل تک جنوں کی صفیں بنائی گئیں اور کئی میل انسانوں کی صفیں تھیں اور درندوں اور پرندوں اور حشرات الارض کی صفیں بھی اسی طرح تھیں' پھر جب بلقیس کا وفد قریب پہنچا اور انہوں نے جانوروں کو دیکھا کہ سونے کی اینٹوں پر گوبر کر رہے ہیں تو انہوں نے اپنے ساتھ لائے ہوئے تحائف کو زمین پر پھینک دیا اور جب وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس کھڑے ہوئے تو حضرت سلیمان نے ان کی طرف خوشی سے دیکھا تو انہوں نے ملکہ کا خط پیش کیا اور آپ نے پڑھ کر فرمایا: ڈبے کہاں ہیں' پھر آپ نے دیمک کو حکم دیا تو اس نے ایک بال لیا اور موتی میں سوراخ کیا' پھر اپنے منہ میں سفید دھاگا پکڑا اور موتی میں داخل کر دیا' پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے پانی منگایا' چنانچہ لونڈیاں پہلے پانی ایک ہاتھ میں لیتیں اور دوسرے میں رکھ دیتیں' پھر اپنے چہروں پر ڈالتیں جب کہ غلام جیسے پانی لیتے اپنے چہروں پر ڈال لیتے (اس طرح آپ نے پہچان لیا کہ مردانہ لباس میں لونڈیاں ہیں اور زنانہ لباس میں غلام ہیں) پھر آپ نے بلقیس کے تمام تحائف واپس کر دیئے اور منذر بن عمرو سے فرمایا کہ یہ سب کچھ لے کر واپس چلے جاؤ۔

٣٦- ﴿فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ﴾ پھر جب ملکۂ بلقیس کا قاصد امیرِ وفد منذر بن عمرو حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں پہنچا تو ﴿قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ﴾ آپ نے فرمایا: کیا تم لوگ مال و دولت کے ذریعے میری مدد کرنا چاہتے ہو [ابن کثیر مکی اور سہل کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں دونوں کے ساتھ "یا" کو ثابت رکھ کر "اَتُمِدُّوْنَنِيَ" پڑھا جاتا ہے جب کہ نافع مدنی اور ابو عمرو بصری نے حالت وصل میں ان کی موافقت کی ہے اور حمزہ اور یعقوب کی قراءت میں وقف اور وصل دونوں حالتوں میں ایک نون مشدد کے ساتھ یائے متکلم کو ثابت رکھ کر "اَتُمِدُّوْنِّيْ" پڑھا جاتا ہے اور باقی قراء کی قراءت میں دونوں حالتوں میں "یا" کو حذف کر کے دونوں کے ساتھ "اَتُمِدُّوْنَنِ" پڑھا جاتا ہے] اور اس میں قاصدوں کو خطاب کیا گیا ہے ﴿فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ﴾ سو جو کچھ مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے (یعنی) نبوت اور بادشاہی اور دیگر انعامات (جیسے جنوں اور شیطانوں اور درندوں' پرندوں اور ہواؤں کا آپ کے تابع فرمان ہونا وغیرہ وغیرہ) یہ سب کچھ اس سے بہت بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دنیا کے حقیر مال و متاع دیئے ہیں [امام حفص اور نافع مدنی اور ابو عمرو کی قراءت میں "یا" مفتوح ہے] ﴿بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ﴾ بلکہ تم اپنے تحفہ پر خوش ہوتے ہو۔ "هدیه" "مهدی" کے معنی میں ہے جیسے "عطیه" "معطی" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے' پس اسے "مهدی" اور "مهدیٰ له" کی طرف مضاف کیا

جاتا ہے' جیسے تم کہو: ''هٰذِهٖ هَدِيَّةُ فُلَانٍ'' یہ فلاں آدمی کا تحفہ ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ تحفہ ہے جس کو فلاں آدمی نے بھیجا ہے یا (معنی ہے) کہ یہ تحفہ فلاں آدمی کی طرف بھیجا گیا ہے اور معنی یہ ہے کہ جو کچھ میرے پاس ہے' وہ اس سے بہت بہتر ہے جو تمہارے پاس ہے اور یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا دین عطا فرمایا ہے' جس میں بہت بڑا حصہ ہے اور بہت بڑی دولت ہے اور دنیا میں سے مجھے اس قدر عطا فرمایا ہے جس پر مزید اضافہ کی ضرورت نہیں ہے تو بھلا میرے جیسا آدمی تمہاری مالی امداد پر کیونکر راضی ہوگا؟ بلکہ تم ایسی قوم ہو جو حقیقت کو نہیں جانتے' البتہ تم دنیا کی ظاہری زندگی ہی کو سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہو' سو اس لیے تم مزید مال و دولت پر خوش ہوتے ہو اور اس لیے تمہیں تحائف دیئے جاتے ہیں تو تم خوش ہو جاتے ہو کیونکہ تمہاری ہمت کی پہنچ یہیں تک ہے' جب کہ میرا حال تمہارے حال کے برعکس ہے اور میں تمہاری کسی چیز پر راضی نہیں ہوں اور نہ مجھے خوشی ہوتی ہے ماسوا ایمان لانے اور مجوسیت کے ترک کرنے کے (یعنی اگر تم ایمان لاؤ اور مجوسیت ترک کر دو تو مجھے بے حد خوشی ہوگی) اور تمہارے قول ''وَاَتُمِدُّوْنَنِیْ بِمَالٍ وَاَنَا اَغْنٰی عَنْکَ'' کیا تو مال سے میری مدد کرنا چاہتا ہے حالانکہ میں تجھ سے زیادہ مال دار ہوں' تمہارے ''فَا'' کے قول ''فَاَنَا اَغْنٰی عَنْکَ'' سو میں تجھ سے زیادہ غنی و مال دار ہوں' میں یہ فرق ہے کہ جب میں نے واؤ کے ساتھ کہا تو میں نے اپنے مخاطب کو اپنے زیادہ مال دار ہونے کا عالم قرار دیا حالانکہ وہ اس کے باوجود میری مالی مدد کرنا چاہتا ہے اور جب میں نے ''فَا'' کے ساتھ کہا تو میں نے اس کو ان لوگوں میں سے قرار دیا' جن پر میرا حال مخفی و پوشیدہ ہے' سو اب میں اسے خبر سنا رہا ہوں کہ مجھے اس کی مالی امداد کی احتیاج نہیں گویا میں اس سے کہتا ہوں کہ جو کچھ تو کرنا چاہتا ہے' میں اس سے تجھ پر انکار کرتا ہوں کیونکہ میں اس سے زیادہ مال دار ہوں اور اسی کے مطابق ''فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ'' کا فرمان وارد ہوا ہے اور حرف ''بَلْ'' کے ذریعے اعراض کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کی امداد سے انکار کیا اور اس انکار کی علت بیان کی تو اس سے اعراض کر کے اس سبب کو بیان کرنے کی طرف متوجہ ہوئے' جس نے ان لوگوں کو امداد کرنے پر راغب کیا اور وہ سبب یہ تھا کہ وہ لوگ خوشنودی اور رضامندی کا حقیقی سبب نہیں جانتے تھے' وہ صرف یہ جانتے تھے کہ کسی شخص کی خوشنودی اور اس کی رضا دنیا کے مال و دولت کو تحائف کی صورت میں پیش کر کے حاصل کی جاسکتی ہے' اس کے سوا وہ کچھ نہیں جانتے تھے۔

۳۷۔ ﴿اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ﴾ تم ان کی طرف (یعنی) ملکہ بلقیس اور اس کی قوم کی طرف واپس لوٹ جاؤ۔ یہ خطاب قاصدوں کے سربراہ کو ہے یا ہد ہد کو ہے جسے دوسرے خط کا حامل بنا کر ان کی طرف واپس بھیجا گیا تھا ﴿فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا﴾ پس ہم ان کے پاس ایسا لشکر لے کر آئیں گے کہ ان کو اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں اور ''قبل'' کی حقیقت مقابلہ کرنا اور جنگ کے لیے آمنا سامنا کرنا ہے یعنی وہ لوگ اسلامی لشکر کے مقابلہ کی قدرت و طاقت نہیں رکھتے ﴿وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ اور ہم ان کو وہاں سبا شہر سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ رسوا ہو کر رہ جائیں گے اور ''ذلت'' کا معنی ہے کہ ان سے عزت و احترام اور ان کا ملک ان سے چھن جائے اور ''صغار'' کا معنی ہے کہ ان کو قید کر کے غلام بنا لیا جائے گا۔

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ

الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۫ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَ مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ ﴿۴۰﴾

سلیمان نے فرمایا: اے درباریو! تم میں کون ہے جو اس کا شاہی تخت میرے پاس لے آئے اس سے پہلے کہ وہ فرماں بردار بن کر میرے پاس آ ئیں O جنوں میں سے ایک خبیث و سرکش جن نے کہا: میں اسے آپ کے پاس لے کر آ تا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی مجلس برخاست فرمائیں اور بے شک میں اس پر ضرور طاقت رکھنے والا امانت دار ہوں O جس کے پاس کتاب کا علم تھا' اس نے کہا: میں اس کو آپ کی آ نکھ جھپکنے سے پہلے آپ کے پاس لے آ تا ہوں' پس جب سلیمان نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو فرمایا: یہ میرے رب کریم کا فضل و کرم ہے تا کہ وہ میرا امتحان لے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جس نے شکر کیا تو بے شک وہ صرف اپنی ذات کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو بے شک میرا پروردگار تو بہت بے نیاز' بڑا اکرم نواز ہے O

حضرت سلیمان کے تختِ بلقیس منگوانے پر ولی کی کرامت کا ثبوت

۳۸- پھر جب بلقیس کے قاصد تحائف و ہدایا لے کر واپس اس کے پاس پہنچے اور اسے سارا قصہ بیان کیا تو اس نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے' پھر اس نے اپنا شاہی تخت ساتوں کمروں کے اندر چھپا دیا اور دروازے بند کر دیئے اور اسے محافظوں کے سپرد کر دیا کہ وہ اس کی حفاظت کریں اور اس نے حضرت سلیمان کے پاس قاصد بھیج دیئے کہ بے شک میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہی ہوں تا کہ میں غور و فکر کر کے دیکھوں کہ آپ کس دین کی دعوت دیتے ہیں اور بلقیس نے حضرت سلیمان کے پاس بارہ ہزار بادشاہ بھیجے جنہیں ''قَیل'' (قاف پر زبر کے ساتھ) کہا جاتا تھا اور ہر ''قَیل'' کے ماتحت کئی ہزار رعایا تھے' پھر جب بلقیس حضرت سلیمان کی قیام گاہ سے تین میل کے فاصلے پر پہنچ گئی تو ﴿قَالَ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ﴾ حضرت سلیمان نے فرمایا: اے میرے درباریو! تم میں کون ہے جو بلقیس کا شاہی تخت میرے پاس لے آئے' اس سے پہلے کہ وہ میرے پاس فرماں بردار و مطیع ہو کر حاضر ہو جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ انہیں اپنے ہاتھ پر عجائبات جاری کرنے کے وہ مخصوص کمالات دکھا دیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخصوص فرمایا ہے' نیز اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت سے انہیں آگاہ کر دیں اور اپنی نبوت پر دلیل قائم کر دیں یا آپ نے چاہا کہ اس کا تخت شاہی اس کے مسلمان ہونے سے پہلے لے لیں کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ جب وہ اسلام قبول کرے گی تو پھر آپ کے لیے اس کا مال لینا حلال نہیں ہوگا مگر یہ بات محققین کے نزدیک قرین انصاف نہیں یا پھر آپ نے چاہا کہ اس کا تخت منگوا کر اس میں تغیر و تبدیل کر دیا جائے' پھر اس کی عقل کا امتحان لینے کے لیے دیکھا جائے کہ آیا وہ اس کو پہچان کر اپنا تخت ثابت کرتی ہے یا اس کا سرے سے انکار کر دیتی ہے۔

۳۹- ﴿قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ جنوں میں سے عفریت نے کہا اور یہ خبیث اور سرکش و طاقت ور جن تھا' جس کا نام ذکوان تھا ﴿اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ﴾ میں وہ تخت آپ کے احکام نافذ کرنے اور فیصلہ جات جاری کرنے کی کچہری برخاست کرنے سے پہلے لے آ ؤں گا ﴿وَ اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ﴾ اور بے شک میں اس کے اٹھانے پر خوب طاقت

رکھنے والا' بہت امانت دار ہوں۔ میں اسے ویسا ہی لاؤں گا جیسا وہ ہے' میں اس میں سے کوئی چیز نہیں چراؤں گا اور نہ میں اس میں کوئی ردّ و بدل کروں گا' حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: میں اس سے جلدی چاہتا ہوں۔

۴۰۔ ﴿قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ﴾ جس کے پاس کتاب کا علم تھا' اس نے کہا: وہ تخت میں آپ کے پاس لے آتا ہوں یعنی ایک فرشتے نے کہا' جو مقادیر کی کتابت کرنے پر مقرر تھا' اللہ تعالیٰ نے عفریت کی بات کے وقت اسے بھیج دیا تھا یا حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا اور اس صورت میں ''الکتاب'' سے لوحِ محفوظ مراد ہوگی یا حضرت خضر علیہ السلام نے کہا یا پھر حضرت آصف بن برخیا نے کہا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب تھے اور یہی آخری قول سب سے زیادہ صحیح ہے اور اسی پر جمہور مفسرین متفق ہیں[1]

اور اس کے پاس اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم تھا' جس کے ساتھ جب بھی دعا کی جاتی تو اللہ تعالیٰ وہ دعا قبول فرمالیتا اور وہ اسم

---

[1] میرے مشفق و مربی استاذی المکرم شیخ الحدیث والتفسیر اپنی مایہ ناز تفسیر ''تبیان القرآن'' جلد ہشتم ص ۲۹۱ پر تحریر فرماتے ہیں: اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ جس کے پاس کتاب کا علم تھا' وہ آصف بن برخیا تھے' جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے' ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۱۹۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ' علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ' حافظ ابن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ' علامہ ابراہیم بن عمر البقاعی متوفی ۸۲۵ھ' حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' علامہ محمد مصلح الدین القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ' علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ سلیمان الجمل المتوفی ۱۲۰۴ھ' علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۴۱ھ' علامہ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ' علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ' غیر مقلد مفسر صدیق بن حسن قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ' صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ' شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ' مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ کی یہی تحقیق ہے اور ان حضرات نے اسی کو صحیح قول قرار دیا ہے۔ ان کی کتب کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں: مدارک التنزیل علیٰ ہامش الخازن ج ۳ ص ۴۱۲' پشاور' البحر المحیط ج ۸ ص ۲۴۰' بیروت' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۰۰' بیروت' نظم الدرر ج ۵ ص ۴۲۷ دار الکتب العلمیہ' بیروت' جلالین ص ۳۸۰' بیروت' حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۶ ص ۳۹۸' بیروت' روح البیان ج ۶ ص ۴۴۸' بیروت' حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۳۱۵' حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۴ ص ۱۴۹۹' بیروت' فتح القدیر ج ۴ ص ۱۸۴' بیروت' روح المعانی جز ۱۹ ص ۳۰۲' فتح البیان ج ۵ ص ۱۳۷' بیروت' خزائن العرفان علی کنز الایمان ص ۶۰۸' کراچی' تفسیر عثمانی ص ۵۰۶' معارف القرآن ج ۶ ص ۵۸۵' کراچی۔ علاوہ ازیں قاضی ثناء اللہ پانی پتی ''تفسیر مظہری'' میں لکھتے ہیں: ''وقال اکثر المفسرین هو 'اصف بن برخیا'' اور اکثر مفسرین نے فرمایا کہ تخت بلقیس اٹھا کر لانے والے حضرت آصف بن برخیا ہیں۔ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۱۱۷' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی) علامہ اسماعیل حقی حنفی اس آیت مبارکہ کے تحت ''تفسیر روح البیان'' میں لکھتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں دو وجہوں سے ولی کی کرامت کا ثبوت ملتا ہے' ایک یہ کہ جب جن نے تخت لانے کا یوں دعویٰ کیا کہ میں مجلس برخواست ہونے سے پہلے وہ تخت لا دوں گا تو حضرت سلیمان نے فرمایا: مجھے اس سے بھی جلدی چاہیے' جب یہ کام جن کے لیے ممکن ہے تو پھر اولیاء اللہ کے لیے کیونکر ناممکن ہو سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ حضرت آصف بن برخیا تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر تھے اور وہ آپ کی امت کے ولی تھے' نبی نہیں تھے اور وہ آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت لے آئے' جیسا کہ قرآن مجید میں ثابت ہے' جس سے ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ کے لیے خرق عادت کام (کرامت) جائز ہے' البتہ قدریہ فرقہ اس کے خلاف ہے کیونکہ وہ کرامت کے منکر ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ یعنی یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اعظم ''یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ'' تھا یا پھر ''یَا اِلٰھَنَا وَاِلٰہَ کُلِّ شَیْءٍ اِلٰھًا وَّاحِدًا لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ'' تھا اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ حضرت آصف بن برخیا کے پاس الہامی طور پر غیبوں کے جاری ہونے کی جگہوں کا علم تھا [اور ''اٰتِیْکَ'' دونوں جگہوں میں دو احتمال رکھتا ہے' ایک یہ کہ یہ فعل مضارع واحد متکلم ہو اور دوسرا یہ کہ یہ اسم فاعل ہو] اور ارشادِ باری تعالیٰ: ''قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ'' کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی نگاہ اٹھا کر کسی چیز کی طرف دیکھئے' پھر آپ اپنی نگاہ واپس لوٹنے سے پہلے تخت بلقیس کو اپنے سامنے دیکھیں گے اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت آصف بن برخیا نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ جہاں تک دیکھ سکتے ہیں دیکھیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے یمن کی طرف دیکھا اور حضرت آصف نے دعا کی تو وہ تخت زمین میں گھس کر غائب ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے آنکھ جھپکنے سے پہلے حضرت سلیمان کی مجلس کے پاس ظاہر ہو گیا ﴿فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ﴾ پھر جب انہوں نے اسے اپنے پاس ٹھہرا ہوا دیکھا یعنی جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو اپنے پاس غیر متحرک ٹھہرا ہوا پرسکون رکھا ہوا دیکھا تو ﴿قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ﴾ فرمایا: یہ میرے رب تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہے یعنی آنکھ جھپکنے کی مدت میں اس تخت کے حاضر ہونے کی صورت میں میری مراد کا حاصل ہونا یہ محض میرے اوپر میرے رب کریم کا فضل وکرم اور اس کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے۔ میرا اس میں کوئی استحقاق نہیں ہے بلکہ یہ معاوضہ سے خالی اور غرض سے پاک فضل وکرم ہے ﴿لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے آزمائے اور میرا امتحان لے کہ آیا میں اس انعام پر شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں ﴿وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ﴾ اور جو شخص شکر ادا کرتا ہے تو وہ صرف اپنے فائدے ہی کے لیے کرتا ہے کیونکہ شکر کے ذریعے واجب کا بوجھ اتر جاتا ہے اور بندہ ناشکری کے عیب سے محفوظ ہو جاتا ہے اور شکر کے ذریعے بندہ مزید نعمتیں حاصل کر لیتا ہے اور موجود نعمت مستحکم ہو جاتی ہے' پس شکر موجودہ نعمت کے لیے قید ہے اور غیر موجود نعمت کے لیے شکار ہے اور جب کوئی گروہ یا جماعت خوش حال ہو جاتی ہے تو اپنی سرکشی وناشکری کی طرف لوٹ جاتی ہے' سو نعمت پر سرکشی کرنے والے کو شکر ادا کرنے کی دعوت دے اور آمادۂ شکر کو قرب کے کرم سے شکر ادا کرنے کے لیے قائم ودائم کر دے اور یقین رکھ کہ اللہ تعالیٰ کی پردہ داری عنقریب سمٹ جائے گی' جب تو اللہ تعالیٰ کے لیے عزت ووقار کی امید نہیں رکھے گا یعنی جب تو اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی نعمتوں پر شکر ادا نہیں کرے گا ﴿وَمَنْ كَفَرَ﴾ اور جو شخص نعمتِ الٰہی پر شکر ترک کرنے کا رویہ اختیار کر کے ناشکرا بنتا ہے ﴿فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ﴾ تو بے شک میرا پروردگار شکر سے بے نیاز ہے ﴿كَرِیْمٌ﴾ بہت مہربان ہے کہ اس شخص پر بھی انعام کرتا ہے' جو اس کی نعمت پر ناشکری کرتا ہے۔ علامہ واسطی نے کہا کہ ہماری طرف سے جو شکر ادا کیا جاتا ہے اس کا فائدہ بھی ہمیں ہی ہوتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اللہ کا فضل ہے کہ میرے رفیق (حضرت آصف بن برخیا) اس درجہ کو پہنچے' جن سے ایسی کرامات ظاہر ہونے لگیں اور چونکہ ولی کی خصوصاً صحابی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ اور اس کے اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے' اس لیے حضرت سلیمان پر بھی اس کی شکر گزاری عائد ہوئی۔ (تفسیر عثمانی حاشیہ نمبر ۸' ص ۴۹۲' دار التصنیف' کراچی) نیز علامہ پیر محمد کرم شاہ فاضل جامعہ ازہر' مصر لکھتے ہیں کہ اس آیت سے کراماتِ اولیاء کا ثبوت بھی ہو گیا اور یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک امتی ''الکتاب'' کے علم کی برکت سے ایسا کام کر سکتا ہے تو سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کا ولی جو ''الکتاب'' نہیں بلکہ ''الکتاب المبین'' کا عالم اور اس کے اسرار و رموز اور معارف پر آگاہ ہے' اس سے ایسے اُمور کا سرزد ہونا کیا مشکل ہے' وہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے اولیاء کاملین کی کرامات کا انکار کرتے ہیں' انہیں قرآن کریم کی اس آیت میں مکرر غور کرنا چاہیے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۴۴۵۔۴۴۶)

ہے (کہ ہماری نعمتوں میں اضافہ کیا جاتا ہے) اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی جاتی ہیں تو وہ بھی ہماری طرف پہنچتی ہیں اور یہ سب کچھ ہم پر اس کا بڑا فضل و احسان ہے۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِیْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۴۳﴾ قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۴﴾ ع

سلیمان نے فرمایا: اس کے تخت کی شکل وصورت تبدیل کر دو تا کہ ہم دیکھیں کہ آیا وہ پہچان لیتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہو جاتی ہے جو نہیں پہچان سکتے O پھر جب وہ آئی تو اسے کہا گیا کہ کیا تیرا شاہی تخت بھی اسی طرح ہے؟ اس نے کہا: گویا یہ وہی ہے اور ہمیں تو اس سے پہلے ہی علم دے دیا گیا تھا اور ہم تسلیم کر چکے ہیں O اور وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کی عبادت کرتی تھی اسی نے اس کو روکے رکھا بے شک وہ کافروں کی قوم میں سے تھی O اسے کہا گیا کہ تو اس محل میں داخل ہو جا' سو جب اس نے اسے دیکھا تو اسے پانی سے بھرا ہوا خیال کیا اور اس نے اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں' سلیمان نے فرمایا: بے شک یہ شیشوں سے تعمیر کیا ہوا صاف ستھرا محل ہے' اس نے کہا: اے میرے پروردگار! بے شک میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اور اب میں نے سلیمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے اسلام قبول کر لیا ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے O

٤١- ﴿قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کا تخت تبدیل کر دو یعنی اس کے اگلے حصہ کو پیچھے اور پچھلے حصہ کو آگے اور اس کے اوپر کے حصے کو نیچے اور اس کے نچلے حصے کو اوپر کر دو ﴿نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْٓ﴾ تا کہ ہم دیکھیں کہ آیا وہ تخت کو پہچان کر راہِ راست پر رہتی ہے یا جب اس سے اس تخت کے بارے میں سوال کیا جائے گا تو آیا صحیح جواب دیتی ہے ﴿اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ﴾ یا ان لوگوں میں سے ہو جاتی ہے جو نہیں پہچانتے۔

٤٢- ﴿فَلَمَّا جَآءَتْ قِیْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ﴾ پھر جب بلقیس آ گئی تو اسے کہا گیا کہ کیا تیرا تخت اسی طرح ہے؟ [''هَا'' تنبیہ کے لیے ہے اور کاف تشبیہ کے لیے ہے اور ''ذَا'' اسمِ اشارہ ہے] اور ''اَهٰكَذَا عَرْشُكِ'' نہیں فرمایا (یعنی کیا تیرا تخت یہی ہے) لیکن ''اَمِثْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ'' فرمایا (یعنی کیا تیرا تخت اسی طرح ہے) تا کہ اسے تلقین نہ ہو جائے ﴿قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ﴾ بلقیس نے کہا: گویا یہ وہی ہے' سو اس نے بہترین جواب دیا' پس اس نے نہ تو ''هو هو'' یہ وہی ہے کہا اور نہ ''لیس به'' کہ یہ وہ نہیں ہے کہا اور یہ اس کے عقل مند ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس نے دونوں احتمالوں میں سے کسی کو یقینی قرار نہیں دیا' یا پھر جب انہوں نے بلقیس پر ''اَهٰكَذَا عَرْشُكِ'' کہہ کر تشبیہ کا جملہ پیش کیا تو اس نے بھی ''كَاَنَّهٗ هُوَ'' کہہ کر تشبیہ کے جملے کے ساتھ جواب دیا' اس کے باوجود کہ اس نے جان لیا تھا کہ یہ اسی کا تخت ہے ﴿وَ اُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا﴾ اور ہمیں بلقیس

کی گفتگو سے معلوم ہو چکا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور آپ کی نبوت کی صحت پر اس معجزہ سے پہلے قاصدوں کی واپسی اور ہدہد کے معاملہ سے علم حاصل ہو چکا ہے یعنی ہمیں تخت حاضر کرنے سے پہلے یا اس حالت سے پہلے ﴿وَكُنَّا مُسْلِمِينَ﴾ اور ہم تجھے مان چکے ہیں اور ہم تیرے حکم کے فرماں بردار ہو چکے یا پھر یہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور آپ کی قوم کے سرداروں کا کلام ہے اور ان کے قول کو بلقیس کے کلام پر معطوف کیا گیا ہے یعنی ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرت کا اور اس کی طرف سے جو کچھ آ چکا ہے اس کی صحت کا علم بلقیس کے علم سے پہلے ہو چکا ہے یا یہ معنی ہے کہ بلقیس کے اسلام لانے اور اس کے مطیع وفرماں بردار ہو کر آنے کا علم اس کے آنے سے پہلے ہمیں عطا کر دیا گیا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی وانکساری اختیار کرنے والے توحید پرست مسلمان ہیں۔

٤٣- ﴿وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور اس کو اسی چیز (سورج پرستی) نے روکے رکھا' جس کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتی تھی۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے کلام کے ساتھ متصل ہے یعنی جو علم ہمیں عطا کیا گیا ہے' اس علم سے یا اسلام کی طرف آنے سے بلقیس کو سورج پرستی اور کفار کے اندر نشوونما پانے نے روکے رکھا' پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے کافروں کے درمیان اس کی نشوونما کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ﴾ بے شک وہ (بلقیس) کافروں کی قوم میں سے تھی یا پھر یہ حضرت سلیمان کے کلام سے الگ کلام شروع کیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَصَدَّهَا'' اور بلقیس کو اس سے پہلے راہِ راست سے اس کی اس گمراہی نے روکے رکھا جس میں وہ مبتلا تھی یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام کی توفیق دے کر اس کو سورج پرستی سے روک لیا یا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اسلام کی دعوت دے کر اس کو سورج پرستی سے روک لیا [یہاں حرفِ جار اور ایصال فعل محذوف ہے]۔

٤٤- ﴿قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ﴾ اسے کہا گیا کہ تو اس بلند وبالا خالص عمارت میں داخل ہو جا یعنی عالی شان محل میں یا گھر کے صحن میں داخل ہو جا ﴿فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً﴾ سو جب بلقیس نے اسے دیکھا تو اس نے اسے بہت بڑے پانی سے بھرا ہوا خیال کیا ﴿وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا﴾ اور اس نے کپڑا اٹھا کر اپنی دونوں پنڈلیوں کو کھول دیا [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ہمزہ کے ساتھ ''سَاْقَيْهَا'' ہے]۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے آنے سے پہلے حکم دیا کہ اس کے راستے میں سفید شیشے کا ایک محل تیار کیا جائے' چنانچہ حکم کے مطابق شیشے کا محل تیار کیا گیا' جس کے نیچے پانی کو جاری کیا گیا اور اس میں مشک وغیرہ خوشبو ڈالی گئی اور اس کے درمیان میں صدر مقام پر حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت رکھا گیا' جس پر آپ تشریف فرما ہوئے اور اس پر پرندے اور جنات اور انسانی کارندے بیٹھے اور حضرت سلیمان نے یہ اس لیے کیا تا کہ بلقیس کے دل و دماغ میں آپ کی حکمرانی اور نبوت کی عظمت وشان راسخ وثابت ہو جائے اور بعض علماء نے فرمایا کہ چونکہ بلقیس ایک جنیہ کی بیٹی تھی' اس لیے جنوں نے یہ بات ناپسند کی کہ حضرت سلیمان اس سے نکاح کریں اور ان کی یہ راز کی بات حضرت سلیمان تک پہنچ گئی تھی اور بعض علماء نے فرمایا کہ جنوں کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں آپ کے ہاں ایسی اولاد پیدا نہ ہو جائے جس میں جنوں اور انسانوں دونوں کی عقل وذہانت جمع ہو جائے اور وہ حضرت سلیمان کے ملک سے بڑھ کر سخت مضبوط ملک پر خروج کر لیں' چنانچہ انہوں نے حضرت سلیمان سے عرض کیا کہ بلقیس کی عقل میں کچھ خلل ہے اور اس کی پنڈلیاں اور پاؤں گدھے کے پاؤں کی طرح بالوں سے پُر ہیں' سو اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی عقل کا امتحان لینے کے لیے اس کے تخت میں تبدیلی کرائی اور شیشے کا محل تیار کرایا' تا کہ اس کی پنڈلیوں اور پاؤں کے بارے میں جان سکیں' چنانچہ بلقیس نے محل

میں داخل ہوتے وقت پانی خیال کر کے اپنی پنڈلیوں اور پاؤں سے کپڑا ہٹا لیا تو وہ سب سے زیادہ حسین ترین پنڈلیوں والی ثابت ہوئی اور اس کے سارے جسم کی طرح اس کی پنڈلیاں اور پاؤں سب سے زیادہ حسین پائے گئے' مگر چند بال تھے' بہر حال جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی نظر ان پر پڑی تو آپ نے شرم و حیا اور پردے کے باعث اپنی آنکھیں بند فرمالیں' پھر ﴿قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ﴾ حضرت سلیمان نے اس سے فرمایا کہ یہ سیدھا ہموار اور صاف ستھرا شیشے سے تیار کردہ ایک محل ہے اور اسی سے "امرد" ہے (صاف چہرہ والا بے ریش لڑکا) ﴿مِّنْ قَوَارِیْرَ﴾ شیشے سے (تعمیر کردہ محل ہے) اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے نکاح کرنا چاہا تو پنڈلیوں اور پاؤں پر بالوں کو ناپسند کیا' چنانچہ شیطانوں نے نورہ (بال صفا پوڈر) اسے استعمال کرایا' جس سے بال صاف ہو گئے' پھر حضرت سلیمان نے اس سے نکاح کر لیا اور اس سے خوب محبت فرمائی اور اس کو اس کے اپنے ملک کی حکمرانی پر برقرار رکھا اور معزول نہیں فرمایا اور آپ مہینے میں ایک دفعہ اس سے ملاقات کرنے کے لیے تشریف لے جاتے اور اس کے پاس تین دن قیام فرماتے اور اس سے آپ کی اولاد بھی ہوئی تھی ﴿قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ﴾ بلقیس نے کہا: اے میرے پروردگار! میں نے سورج کی عبادت کر کے اپنے آپ پر ظلم و زیادتی کی ہے ﴿وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اور اب میں نے حضرت سلیمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے اسلام قبول کر لیا ہے' جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ محققین نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے یہ حیلہ اختیار کیا ہوتا کہ ایک اجنبی اور پرائی عورت کی پنڈلیاں دیکھ سکیں' بلکہ اس قسم کی بات کہنا صحیح نہیں ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِیْقٰنِ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّیَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِی الْمَدِیْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَیِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِیِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور بے شک ہم نے ثمود کی طرف ان کے قومی بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' سو وہ اسی وقت دو فریق ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے ○ صالح علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! تم نیکی سے پہلے بُرائی میں جلدی کیوں کرتے ہو' تم اللہ تعالیٰ سے مغفرت کیوں نہیں مانگتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○ انہوں نے کہا: ہم نے تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے بُرا شگون لیا ہے' جناب صالح نے فرمایا کہ تمہارا بُرا شگون اللہ تعالیٰ کے پاس ہے بلکہ تم لوگ آزمائش میں ڈالے گئے ہو ○ اور شہر میں نو آدمی تھے جو زمین میں فساد پھیلایا کرتے اور وہ اصلاح نہیں چاہتے تھے ○ انہوں نے کہا: تم آپس میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاؤ کہ ہم اس (صالح علیہ السلام) پر اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے' پھر ہم اس کے وارث سے کہیں گے کہ ہم اس کے گھر والوں کی ہلاکت کے وقت حاضر نہیں تھے اور بے شک ہم سچے ہیں ○

حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت اور قوم ثمود کی تباہی کا بیان

۴۵۔﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا﴾ اور بے شک ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو نبوت عطا فرما کر بھیجا۔ حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کے نسبی اور خاندانی بھائی تھے کیونکہ قرابت داری اور رشتہ داری کی وجہ سے قوم ثمود سے تعلق رکھتے تھے [''صَالِحًا''،''اَخَاهُمْ'' سے بدل واقع ہو رہا ہے] ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا معنی یہ ہے کہ تم اسی اللہ تعالیٰ ہی کو واحد لاشریک معبود تسلیم کرو اور صرف اسی کی عبادت کرو اس کے سوا کسی دوسرے معبود کو نہ مانو [امام عاصم' قاری حمزہ اور ابوعمرو بصری کی قراءت میں وصل کی حالت میں نون مکسور پڑھا جائے گا اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ''اُعْبُدُوْا'' کی ''بَا'' مضموم کی اتباع میں نون کو مضموم پڑھا جائے گا] ﴿فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ﴾ سو اسی وقت وہ لوگ دو گروہ ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا پیغام سنایا تو اسی وقت وہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے' ایک گروہ آپ پر ایمان لایا اور ایک گروہ نے آپ کے ساتھ کفر کیا اور وہ آپس میں جھگڑنے لگے' چنانچہ ان میں سے ہر ایک گروہ کہتا کہ حق تو صرف میرے ساتھ ہے اور یہی بات اللہ تعالیٰ کے (درج ذیل) ارشاد میں بیان کی گئی ہے:

''قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ O قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ O'' (الاعراف:۷۵۔۷۶)

''اس کی قوم میں سے تکبر کرنے والے سرداروں نے ان کمزور لوگوں سے کہا جو ان میں سے ایمان لا چکے تھے کہ کیا تم یہ جانتے ہو کہ (حضرت) صالح اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے یقیناً رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں' انہوں نے کہا کہ انہیں جو کچھ دے کر بھیجا گیا ہے' اس پر ہم یقیناً ایمان رکھنے والے ہیں O تکبر کرنے والوں نے کہا: بے شک ہم اس کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں جس پر تم ایمان لائے ہو O'' اور کافروں کے گروہ نے یہ بھی کہا کہ ''يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ O'' (الاعراف:۷۷) ''اے صالح (علیہ السلام)! تم ہم سے جس چیز (عذاب) کا وعدہ کرتے ہو اسے لے آؤ' اگر تم واقعی رسولوں میں سے ہو O'' [''اِذَا'' مفاجاۃ کے لیے ہے اور ''هُمْ'' مبتدا ہے۔ ''فَرِيْقٰنِ'' اس کی خبر ہے اور ''يَخْتَصِمُوْنَ'' صفت ہے اور یہی ''اِذَا'' میں عامل ہے]۔

۴۶۔﴿قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ﴾ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! تم بُرائی کے لیے جلدی کیوں کرتے ہو؟ (یعنی) اس عذاب کے لیے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿قَبْلَ الْحَسَنَةِ﴾ نیکی سے پہلے (یعنی) توبہ کرنے سے پہلے ﴿لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ﴾ تم اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش طلب کیوں نہیں کرتے' (یعنی) تم اپنے اوپر عذاب نازل ہونے سے پہلے اپنے کفر سے توبہ کر کے اور ایمان لا کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش طلب کرو' [یہاں ''لَوْ لَا'' بہ معنی ''هَلَّا'' استعمال کیا گیا ہے] ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ تاکہ دعا کی قبولیت کے ساتھ تم پر رحم و کرم کیا جائے۔

۴۷۔﴿قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم نے تمہارے ساتھ بُرا شگون لیا ہے کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت کے وقت انہیں قحط میں مبتلا کر دیا گیا تھا' جس کا سبب ان کا آپ کو جھٹلانا تھا' سو انہوں نے اس قحط سالی کو آپ کی آمد کی طرف منسوب کر دیا [اور اصل میں ''تَطَيَّرْنَا'' ہے اور اس کو اس طرح بھی پڑھا گیا ہے' پھر ''تَا'' کو ''طَا'' میں مدغم کر دیا گیا اور ''طَا'' کے ساکن ہو جانے کی وجہ سے شروع میں الف متحرک زیادہ کیا گیا ہے] ﴿وَبِمَنْ مَّعَكَ﴾ اور آپ پر ایمان لانے

والے مؤمنوں کے ساتھ جو آپ کے ساتھی ہیں ﴿قَالَ طٰٓئِرُكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ﴾ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: تمہاری بدشگونی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یعنی تمہارا وہ سبب جس کی وجہ سے تمہاری بھلائی اور تمہاری بُرائی آتی ہے اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہ اس کی تقدیر اور اس کی قسمت ہے یا یہ کہ تمہارا عمل اللہ تعالیٰ کے پاس لکھ دیا گیا ہے سو اسی عمل کی وجہ سے تم پر جو کچھ نازل ہوا ہے وہ تمہارے لیے بہ طورِ سزا اور امتحان و آزمائش نازل ہوا ہے (تو گویا ''طائر'' بہ معنی عمل ہے) اور اسی میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ''وَ كُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِىۡ عُنُقِهٖ'' (الاسراء: ۱۳) ''اور ہم نے ہر انسان کے عمل کو اس کے گلے میں لگا رکھا ہے''۔ اور اس کا اصل واقعہ یہ ہے کہ عرب کے لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی مسافر پرندے کے پاس سے گزرتا تو اسے ڈراتا دھمکاتا' پھر اگر وہ پرندہ مسافر کی بائیں جانب سے دائیں جانب کی طرف اُڑتا ہوا گزر جاتا تو یہ مسافر اسے مبارک سفر خیال کرتا اور جب وہ پرندہ دائیں جانب سے بائیں جانب کی طرف اڑتا ہوا گزر جاتا تو مسافر اس کو بدشگونی تصور کرتا' پھر اہل عرب نے بہ طورِ استعارہ بھلائی اور بُرائی کو پرندہ کی طرف منسوب کر دیا جب کہ خیر و شر کا اصل سبب اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی تقسیم ہے یا بندے کا اپنا عمل ہے' جو رحمتِ الٰہی اور غضبِ الٰہی کا سبب ہوتا ہے ﴿بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ تُفۡتَنُوۡنَ﴾ بلکہ تم لوگ آزمائش میں ڈالے گئے ہو یا تمہیں تمہارے گناہوں کے سبب عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

۴۸۔ ﴿وَكَانَ فِى الۡمَدِيۡنَةِ تِسۡعَةُ رَهۡطٍ يُّفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا يُصۡلِحُوۡنَ﴾ اور شہر میں نو آدمی ایسے تھے' جو زمین میں فساد مچاتے اور اصلاح بالکل نہیں کرتے تھے۔ اس شہر سے ثمود کا شہر مراد ہے اور اس کا نام حجر ہے اور ابوداؤد سے منقول ہے کہ ان کا سردار قدار بن سالف تھا اور یہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کے معجزے سے پیدا ہونے والی اونٹنی کی ٹانگیں کاٹنے اور اسے ہلاک کرنے کے لیے کوشاں رہتے اور یہ اس قوم کے سرداروں کے بیٹے تھے' جن کا کام محض فساد پھیلانا تھا اور اصلاح کا کوئی کام نہیں کرتے تھے' جیسا کہ تم بعض فسادیوں کو دیکھو گے کہ ان سے اصلاح بہت کم واقع ہوتی ہے اور حضرت حسن نے بیان فرمایا کہ یہ دوسرے لوگوں پر ظلم کرتے تھے اور ظالموں کو ظلم کرنے سے نہیں روکتے تھے اور حضرت ابن عطاء نے بیان کیا کہ یہ دوسرے لوگوں کے عیبوں کو تلاش کرتے تھے اور ان کی پردہ پوشی نہیں کرتے تھے [''رھط'' لفظاً مفرد ہے مگر معنیً جمع ہے اور اس کا مفرد نہیں آتا' اس لیے اس کے ساتھ ''تِسۡعَةُ'' کی تمیز جائز ہے تو گویا وہ نو اشخاص تھے اور ''رَهۡط'' کا لفظ تین سے لے کر دس افراد تک بولا جاتا ہے]۔

۴۹۔ ﴿قَالُوۡا تَقَاسَمُوۡا بِاللّٰهِ﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا۔ [یہ ''قَدۡ'' مضمر کے ساتھ حال کی جگہ پر خبر واقع ہے ''اَىۡ قَالُوۡا مُتَقَاسِمِيۡنَ'' یعنی انہوں نے قسم کھاتے ہوئے کہا' یا پھر یہ امر ہے ''اَىۡ اَمَرَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا بِالۡقَسَمِ'' یعنی انہوں نے ایک دوسرے کو قسم کھانے کا حکم دیا] ﴿لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهۡلَهٗ﴾ ہم ضرور اسے اور اس کے گھر والوں کو رات کے وقت قتل کر دیں گے اور ''اھل'' سے حضرت صالح علیہ السلام کی اولاد اور آپ پر ایمان لانے والے آپ کے پیروکار مراد ہیں ﴿ثُمَّ لَنَقُوۡلَنَّ لِوَلِيِّهٖ﴾ پھر ہم اس کے وارث کو (یعنی) اس کے خون کے وارث کو کہیں گے [حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''لَتُبَيِّتُنَّهٗ'' کو نون کی بجائے ''تا'' کے ساتھ پڑھا جاتا ہے' اس صورت میں دوسری ''تا'' بھی مضموم پڑھی جاتی ہے' نیز ''ثُمَّ لَتَقُوۡلُنَّ'' میں نون کی بجائے ''تا'' کے ساتھ پڑھا جاتا ہے' اس صورت میں لام مضموم ہے] ﴿مَا شَهِدۡنَا مَهۡلِكَ اَهۡلِهٖ﴾ ہم اس کی ہلاکت کے وقت حاضر نہیں تھے' یہاں ''مَا شَهِدۡنَا'' بہ معنی ''مَا حَضَرۡنَا'' ہے (گویا ''شَهِدۡنَا'' ''شهود'' سے مشتق ہے) یعنی ہم حضرت صالح کے اہل و عیال کے درپے آزار نہیں ہوئے تو ہم خود ان کے درپے آزار کیسے ہو سکتے ہیں؟ یا یہ معنی ہے کہ ہم اس کی ہلاکت کی جگہ پر حاضر نہیں تھے تو ہم اس کی مدد کیسے کرتے [امام حفص کی قراءت میں ''مَهۡلِكَ'' میں لام مکسور

ہے جب کہ ابوبکر کوفی' حماد اور مفضل کی قراءت میں ''مَهْلَكَ'' میں لام مفتوح ہے اور یہ ''مَهْلَكٌ'' سے مشتق ہے سو پہلی قراءت کے مطابق اسم ظرف بہ معنی ہلاکت گاہ ہوگا اور دوسری قراءت کے مطابق مصدر بہ معنی ہلاکت ہوگا اور ان کے علاوہ کی قراءت میں ''مُهْلَكَ'' میں میم مضموم اور لام مفتوح ہے اور یہ ''اهلك'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہلاک کرنا یا ہلاک کرنے کی جگہ ہے] ﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ اور بے شک ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے' اس میں ہم ضرور سچے ہیں۔

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور انہوں نے ایک بہت بڑی سازش تیار کی اور ہم نے بھی ایک بہت بڑی خفیہ تدبیر فرمائی اور وہ (اس سے) بالکل بے خبر رہے ○ پس آپ غور سے دیکھیں کہ ان کی سازش کا انجام کیسا بھیانک ہوا کہ بے شک ہم نے ان کو اور ان کی ساری قوم کو تباہ کر ڈالا ○ سو ان کے گھر خالی گرے پڑے ہیں اس لیے کہ انہوں نے ظلم کیا' بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے جو علم رکھتے ہیں ○ اور ہم نے ایمان داروں اور پرہیزگاروں کو نجات دے دی ○

۵۰- ﴿وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور انہوں نے بہت بڑی سازش کی اور ہم نے بہت بڑا مدبرانہ خفیہ منصوبہ تیار کیا۔ قوم ثمود کا مکر تو یہ تھا کہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے گھر والوں کے قتل کی سازش تیار کی اور اسے مخفی رکھا (تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے) اور اللہ تعالیٰ کا مکر یعنی منصوبہ یہ تھا کہ انہیں ان کی بے خبری میں ہلاک کیا جائے اور اس منصوبہ کو مکر کرنے والے کے مکر کے ساتھ بہ طورِ استعارہ تشبیہ دی گئی ہے۔ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ شہر حجر کے ایک کنارہ پر ایک درے میں حضرت صالح علیہ السلام کی ایک مسجد تھی' جس میں آپ نماز پڑھا کرتے تھے (اور اونٹنی کی ہلاکت پر آپ نے قوم ثمود کو تین دن تک عذابِ الٰہی میں ہلاک ہو جانے کی خبر سنائی تھی) پس انہوں نے کہا کہ حضرت صالح علیہ السلام کا گمان ہے کہ تین دن تک ہم سے نجات پالیں گے' سو ہم خود تین دن سے پہلے انہیں اور ان کے گھر والوں کو ہلاک کر کے ان سے نجات حاصل کر لیتے ہیں' چنانچہ وہ نو آدمی اس درے میں جا پہنچے اور انہوں نے کہا کہ جب حضرت صالح علیہ السلام نماز پڑھنے کے لیے گھر سے نکل کر آئیں گے تو ہم انہیں قتل کر دیں گے' پھر ان کے گھر لوٹ جائیں گے اور ان کو قتل کر دیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ایک بہت بڑا پتھر بھیج دیا' جو درے کے دروازے پر آ گرا' انہوں نے نکلنے کی جلدی کی مگر وہ پتھر درے کے منہ پر چپک گیا اور وہ درے کے اندر بند ہو گئے اور ان کی قوم کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ لوگ کہاں گئے اور نہ ان کو معلوم ہو سکا کہ ان کی قوم کے ساتھ کیا کیا گیا؟ اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اپنی اپنی جگہ میں عذاب بھیج کر تباہ کر ڈالا اور حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات عطا فرما دی۔

۵۱- ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ﴾ (اے محبوب!) سو دیکھیے کہ ان کے مکر و فریب کا انجام کیا ہوا کہ بے شک ہم نے انہیں تباہ و برباد کر ڈالا [اہل کوفہ اور سہل کی قراءت میں الف مفتوح ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں الف (یعنی ہمزہ بہ صورتِ الف متحرک) مکسور ہے' اس بناء پر کہ یہ جملہ مستأنفہ (الگ مستقل جملہ) ہے اور الف مفتوح کی صورت میں یہ ''عَاقِبَةُ'' سے بدل ہونے کی بناء پر مرفوع ہوگا یا مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہوگا' جس کی مقدر

عبارت یوں ہوگی: ''وَهِيَ تَدْمِيرُهُمْ'' اور وہ انجام ان کی تباہی ہے یا پھر یہ ''اَنَّا'' کے معنی کی بناء پر منصوب ہوگا یا ''كَانَ'' کی خبر ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا ''اَيْ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمُ الدمار'' یعنی ان کے مکروفریب کا انجام ہلاکت وتباہی ہوا]

﴿وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ اور (ہم نے) ان کی ساری قوم کو ایک چنگاڑ کے ذریعے تباہ و برباد کر ڈالا۔

۵۲- ﴿فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً﴾ پس ان کے یہ گھر گر کر خالی پڑے ہوئے ہیں۔ ''خَاوِيَة'' کا معنی یہ ہے کہ ان کے مکانات منہدم ہو کر گرے پڑے ہیں' اس صورت میں یہ ''خوى النجم'' سے ماخوذ ہوگا اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے' جب ستارہ ٹوٹ کر گر پڑتا ہے یا ''خاوية'' کا معنی یہ ہے کہ ان کے مکانات اپنے باشندوں سے خالی پڑے ہیں اور اس صورت میں ''خاوية''، ''خواء'' سے ماخوذ ہوگا' جس کا معنی ہے: خالی ہونا [اور یہ حال واقع ہو رہا ہے' اس کا عامل ''تِلْكَ'' کا معنی ہے]

﴿بِمَا ظَلَمُوْا﴾ یہ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا تھا گویا ان کی تباہی کا سبب ان کا ظلم کرنا ہے

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ بے شک قوم ثمود کے ساتھ جو کچھ کیا گیا ہے' اس میں ایسی قوم کے لیے ضرور عبرت کی نشانی ہے جو ہماری قدرت کو جانتے ہیں اور نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

۵۳- ﴿وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات بخشی جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے

﴿وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ اور وہ حضرت صالح علیہ السلام کے احکام کے ترک سے پرہیز کرتے رہے اور یہ اہل ایمان حضرات چار ہزار تھے' جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ عذاب سے نجات حاصل کی تھی۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ؗ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ ءٰٓاللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

ع ۱۴ / ۱۹

اور لوط (علیہ السلام) کو ہم نے بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم بے حیائی کے پاس آتے ہو؟ حالانکہ تم دیکھتے ہو O کیا تم شہوت رانی کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر لڑکوں کے پاس آتے ہو؟ بلکہ تم لوگ جہالت وکم عقلی کا مظاہرہ کرتے ہو O سو اس کی قوم کا کوئی جواب نہیں تھا مگر یہی کہ انہوں نے کہا: لوط کی آل کو اپنی بستی سے نکال دو' بے شک یہ لوگ پاک باز بن کر رہنا چاہتے ہیں O سو ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو نجات دے دی ماسوا اس کی ایک بیوی کے' ہم نے اس کو پیچھے رہ جانے والوں میں مقدر کر دیا تھا O اور ہم نے ان پر پتھروں کی زوردار بارش برسا دی' پس ڈرائے جانے والوں کی بارش بہت بُری ثابت ہوئی O فرمایئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور سلام ہو اس کے ان بندوں پر جنہیں اس نے برگزیدہ بنایا' کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ لوگ شریک بناتے ہیں O

حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمان قوم کی تباہی کا بیان

۵۴- ﴿وَلُوْطًا﴾ ''اَیْ وَاذْكُرْ لُوْطًا'' یعنی (اے محبوب!) اور حضرت لوط علیہ السلام کو یاد کیجئے ﴿اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ﴾ جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا [اور ''اِذْ''، ''لُوْطًا'' سے بدل واقع ہو رہا ہے یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے قول کے وقت کو یاد کیجئے جس وقت آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ] ﴿اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ﴾ کیا تم بے حیائی کے پاس آتے ہو یعنی کیا تم لوگ شہوت رانی کے لیے لڑکوں کے پاس آتے ہو ﴿وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ﴾ اور تم دیکھتے بھی ہو (یعنی) تم جانتے ہو کہ یہ کام بے حیائی کا ہے' وہ شخص اس کی طرف ہرگز سبقت نہیں کر سکتا' جو دل کا بینا ہے یا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ یہ بے حیائی کا کام کرتے وقت ایک دوسرے کو دیکھتے تھے کیونکہ وہ لوگ اس قدر بے حیا ہو چکے تھے کہ وہ اپنی محافل و مجالس میں علانیہ کھلم کھلا اس بے حیائی کا ارتکاب کرتے تھے' وہ لوگ اس گناہ میں منہمک اور دیوانے ہو کر ایک دوسرے سے پردہ نہیں کرتے تھے' یا یہ معنی ہے کہ تم اپنے سے پہلے نافرمانوں اور گناہ گاروں کے آثار اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کی علامات دیکھتے ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے اس بے حیائی کی تصریح اور وضاحت بیان کی اور فرمایا:

۵۵- ﴿اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ﴾ کیا تم شہوت رانی کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر لڑکوں کے پاس آتے ہو یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو مردوں کے لیے پیدا فرمایا ہے اور مردوں کو مردوں کے لیے پیدا نہیں فرمایا اور نہ عورتوں کو عورتوں کے لیے پیدا فرمایا' پس یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے [کوفی اور شامی قراء کی قراءت میں دو ہمزوں کے ساتھ ''اَىِٕنَّكُمْ'' ہے] ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴾ بلکہ تم لوگ جہالت کا کام کرتے ہو کہ تم جاہلوں کے کام جیسا کام کرتے ہو' اس کے باوجود کہ تم جانتے ہو یہ بے حیائی کا کام ہے یا ''جهل'' سے سفاہت و کم عقلی اور بے حیائی و بے شرمی مراد ہے' جس پر وہ قائم تھے [اور ''بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ'' اور ''بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ'' میں غیبت اور خطاب جمع ہو گئے ہیں' پھر خطاب کو غیبت پر غالب کر دیا گیا ہے' اس لیے کہ یہ زیادہ قوی ہے کیونکہ اصل یہ ہے کہ کلام حاضرین کے درمیان ہو]۔

۵۶- ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْیَتِكُمْ﴾ سو اس کی قوم کا کوئی جواب نہیں تھا مگر یہی کہ انہوں نے کہا کہ لوط (علیہ السلام) کی آل کو اپنی بستی سے نکال دو یعنی حضرت لوط علیہ السلام کو اور ان کے پیروکاروں کو اپنی بستی سے باہر نکال دو [پس ''کان'' کی خبر ''جَوَابَ قَوْمِهٖ'' ہے اور اس کا اسم ''اَنْ قَالُوْا'' ہے] ﴿اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ﴾ بے شک وہ لوگ پاک باز بنتے ہیں اور گندے اور بُرے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں' سو اس لیے وہ اس ناپاک اور گندے عمل سے انکار کرتے ہیں اور ان کا انکار ہمیں غضب ناک کرتا ہے اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ انہوں نے یہ بات استہزاء اور مذاق اڑانے کے لیے کہی تھی' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ'' (ھود:۸۷) ''بے شک (اے شعیب علیہ السلام!) آپ تو بہت بردبار بڑے نیک چلن ہیں''۔

۵۷- ﴿فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ﴾ سو ہم نے لوط علیہ السلام کو اور ان کے گھر والوں کو اس عذاب سے نجات دے دی' جو قوم پر واقع ہونے والا تھا ﴿اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِیْنَ﴾ ماسوا ان کی بیوی کے' جس کا عذاب میں باقی رہنے والوں میں ہونا ہم نے مقدر کر دیا [''قدرناها'' حماد اور ابوبکر کوفی کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں مشدد ہے یعنی ہم نے اس کا عذاب میں باقی رہنے والوں میں ہونا مقدر کر دیا]۔

۵۸- ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا﴾ اور ہم نے ان پر پتھروں کی زوردار بارش برسا دی اور ہر پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا' جس پر اس پتھر نے گرنا تھا ﴿فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ﴾ ان ڈرائے جانے والوں پر بہت بُری بارش برسائی گئی' جنہوں

نے ڈراوے کو قبول نہیں کیا تھا۔

۵۹-﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى﴾ فرمایئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور سلام ہو اس کے ان بندوں پر جنہیں اس نے برگزیدہ بزرگ بنایا۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ مکرم و معظم حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو اپنی حمد وثناء بیان کرنے اور اپنے برگزیدہ بندوں پر سلام پڑھنے کا حکم دیا ہے' اس بنیاد پر کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی توحید اور ہر چیز پر اس کی قدرت کی رہنمائی کرنے والا بیان آ رہا ہے اور یہ کلام کرنے والے کے لیے تعلیم ہے کہ ہر ذیشان کام کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام پڑھنے سے تبرک حاصل کیا جائے اور ان دونوں کے توسل سے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کی جائے یا یہ حضرت لوط علیہ السلام سے خطاب ہے کہ وہ اپنی قوم میں سے کفار کی ہلاکت پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کریں اور اس کا شکر ادا کریں اور ان بندوں پر سلام پڑھیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ بنالیا اور ان کو کفار کی ہلاکت سے نجات بخشی اور انہیں ان کے گناہوں سے بچالیا ﴿ءٰٓاللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں' اور مشرکین جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے' ان میں تو بالکل خیر ومنفعت نہیں تھی' یہاں تک کہ ان کے درمیان اور تمام کائنات کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کے درمیان موازنہ کیا جائے۔ دراصل یہاں صرف مشرکین پر الزام دینا اور انہیں ڈرانا دھمکانا مقصود ہے اور یہ اس لیے کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی عبادت پر بتوں کی عبادت کو ترجیح دی تھی اور کوئی عقل مند شخص کسی چیز کو کسی دوسری چیز پر اس وقت تک ترجیح نہیں دیتا اور نہ اسے اختیار کرتا ہے جب تک اس میں زیادہ خیر ومنفعت نہیں پالیتا تو گویا مشرکین سے کہا گیا کہ اس کو جان لینے کے باوجود کہ جن بتوں کی عبادت کو انہوں نے ترجیح دی' ان میں ذرہ برابر بھی خیر و بھلائی اور منفعت نہیں ہے اور بلاشبہ انہوں نے ان کو زیادہ خیر و بھلائی کی بناء پر اختیار نہیں کیا بلکہ محض خواہشِ نفسانی کی بناء پر بے کار و بے فائدہ ان کی عبادت اختیار کر لی تا کہ انہیں بہت بڑی غلطی اور بہت بڑی جہالت پر تنبیہ کی جائے اور انہیں اس بدترین جہالت و غلطی سے آگاہ کیا جائے تا کہ وہ یہ جان لیں کہ کسی چیز کو ترجیح دینے اور اسے اختیار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں خیر و بھلائی اور منفعت سب سے زیادہ ہو' اور حضور سید عالم ﷺ جب یہ آیت مبارکہ تلاوت کرتے تو فرمایا کرتے: ''بَلِ اللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى وَاَجَلُّ وَاَكْرَمُ'' بلکہ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور سب سے زیادہ بزرگ و برتر اور مکرم و معظم ہے۔ [ابوعمرو بصری اور امام عاصم کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یُشْرِكُوْنَ'' (فعل مضارع غائب جمع مذکر) ہے]۔

الجزء ۲۰

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ؕ﴿۶۲﴾

بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہاری خاطر آسمان سے بارش کا پانی نازل کیا' پھر ہم نے اس کے ذریعے خوش نما باغات اگائے' تمہاری طاقت نہ تھی کہ تم ان کے درخت اگاتے' کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبودِ برحق ہے' بلکہ وہ لوگ راہِ حق سے ہٹے ہوئے ہیں O بھلا وہ کون ہے جس نے زمین کو ٹھکانا بنایا اور اس کے درمیان دریا بنا دیئے اور اسے برقرار رکھنے کے لیے اس پر مضبوط پہاڑ بنا دیئے اور اس نے دونوں سمندروں کے درمیان آڑ بنا دی' کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور برحق معبود ہے بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے O بھلا وہ کون ہے جو بے قرار کی دعا قبول کرتا ہے جب بھی وہ اسے پکارے اور وہی مصیبت کو دور کرتا ہے اور وہی تمہیں زمین کا وارث بناتا ہے' کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور برحق معبود ہے' تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو O

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ فوائد ومنافع اور اس کی قدرت کا بیان

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان خیرات وحسنات اور منافع وفوائد کو شمار کیا جو کہ اس کی رحمت ومہربانی اور اس کے فضل وکرم کی نشاندہی کرتے ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا:

۶۰- ﴿اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ﴾ بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا [اور ''اَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ'' میں ''اَمۡ'' کے درمیان اور ''اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ'' میں ''اَمۡ'' کے درمیان فرق ہے کہ وہ ''اَمۡ'' متصلہ ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان دونوں (اللہ تعالیٰ اور بتوں) میں سے کون بہتر ہے اور یہ ''اَمۡ'' منقطعہ ہے جو ''بَلۡ'' اور ہمزہ کے معنی میں ہے] جب گزشتہ آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بتاؤ! کیا اللہ تعالیٰ سب سے بہتر ہے یا مشرکین کے خود ساختہ معبود' تو اب اس آیت مبارکہ میں فرمایا: بلکہ کیا وہی سب سے بہتر ہے' جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ اس ارشاد میں ان کے لیے ثابت کر دیا گیا ہے کہ بے شک جو تمام جہانوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے' وہی ان بے جان مورتیوں (بتوں) سے بہتر ہے' جو بے چارے کسی چیز کے پیدا کرنے پر ہرگز قادر نہیں ہیں ﴿وَاَنۡزَلَ لَکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اور وہی تمہارے لیے آسمان سے بارش کا پانی نازل کرتا ہے ﴿فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهۡجَةٍ﴾ پھر ہم نے اس بارش کے پانی کے ذریعے حسین وجمیل' خوش نما پر رونق باغات اُگائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں سے کلام کو غیبت سے تکلم کی طرف پھیر دیا' ایک تو یہ تاکید کرنے کے لیے کہ یہ فعل اسی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرا یہ تنبیہ کرنے کے لیے کہ مختلف اقسام' مختلف رنگوں' ذائقوں اور مختلف شکلوں کے حسین وجمیل اور خوب صورت باغات کے ایک پانی سے پیدا کرنے پر ماسوا اس اکیلے خدا کے کوئی اور قادر نہیں ہے۔ ''بِهٖ'' کا مرجع ''الماء'' (پانی) ہے۔ ''حَدَآئِقَ'' کا معنی باغات ہے اور یہ ''حَدِیۡقَةٌ'' کی جمع ہے ''حَدِیۡقَةٌ'' اس باغ کو کہا جاتا ہے' جس کے اردگرد چاروں طرف دیوار سے گھیر لیا گیا ہو کیونکہ ''حَدِیۡقَةٌ'' کا ایک لغوی معنی احاطہ کرنا اور گھیرنا ہے' پھر ''ذات'' کی بجائے ''ذوات'' نہیں فرمایا کیونکہ ''حَدَائِق'' سے ایک جماعت مراد ہے' جیسے کہا جاتا ہے: ''اَلنِّسَآءُ ذَهَبَتۡ'' یعنی عورتوں کی ایک جماعت چلی گئی۔ ''بَهۡجَة'' کا معنی ہے: خوب صورت' خوش نما اور حسین وجمیل کیونکہ ہرے بھرے باغات کو دیکھنے والا خوش ہو جاتا ہے ﴿مَا کَانَ لَکُمۡ اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَهَا﴾ تمہارے لیے ممکن نہیں کہ تم ان باغات کے درختوں کو اُگا سکو اور ''کینونة'' کا معنی مناسب ولائق قدرت ہے' مطلب ومراد یہ ہے کہ باغات کے درختوں کو مناسب وموزوں اُگانا اور پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی کے لیے ممکن نہیں' بلکہ ایسا کرنا اس ذاتِ واحد لاشریک کے سوا

محال و ناممکن ہے ﴿ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ایسا ہے (ہرگز نہیں) یعنی اس کے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کو اس کے ساتھ ملایا جائے اور اس کا شریک ٹھہرایا جائے؟ ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ﴾ بلکہ یہ لوگ شرک کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیروں کو مساوی قرار دے کر شرک کرتے ہیں یا یہ معنی ہے کہ یہ لوگ حق سے روگردانی کرتے ہیں جو کہ وہی توحید ہے اور خطاب کے بعد ''بَلْ هُمْ'' ان کی رائے کے غلط قرار دینے میں سب سے زیادہ بلیغ ہے۔

۶۱- ﴿اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا﴾ بھلا وہ کون ہے جس نے زمین کو ٹھکانا بنایا۔ ''قرار'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہر چہار اطراف پھیلایا اور اس کو مساوی ہموار کیا تا کہ اس پر ٹھہرا جا سکے اور اس پر رہائش رکھی جا سکے [یہ اور اس کا مابعد ''اَمَّنْ خَلَقَ'' سے بدل ہے پس اس کا وہی حکم ہے جو اس کا حکم ہے] ﴿وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے زمین کے درمیان دریا جاری کر دیئے۔ [''خِلٰلَهَا'' اسم ظرف ہے ''اَیْ وَسْطَهَا'' یعنی اس کے درمیان اور یہ دوسرا مفعول ہے اور پہلا مفعول ''اَنْهٰرًا'' ہے اور ''بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ'' بھی اسی کی مانند ہے] ﴿وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو برقرار رکھنے کے لیے اس پر بھاری بھر کم مضبوط قائم رہنے والے پہاڑ بنا دیئے جو اس کو حرکت کرنے اور ہلنے سے روکتے ہیں ﴿وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے دونوں سمندروں (یعنی) میٹھے اور کھارے سمندروں کے درمیان آڑ (یعنی) رکاوٹ قائم کر دی تا کہ وہ دونوں آپس میں خلط ملط ہو کر باہم مل نہ جائیں ﴿ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور برحق معبود ہے؟ بلکہ ان میں اکثر لوگ توحید کو نہیں جانتے پس اس لیے وہ ایمان قبول نہیں کرتے۔

۶۲- ﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ﴾ بھلا وہ کون ہے جو بے قرار و محتاج کی دعا قبول کر لیتا ہے جب بھی وہ اسے پکارتا ہے۔ ''اضطرار'' باب افتعال ''ضرورة'' سے مشتق ہے اور یہ وہ حالت ہے جو کسی پناہ کی محتاج ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''اِضْطَرَّهٗ اِلٰی کَذَا'' اور اس کے اسم فاعل اور اسم مفعول کا ایک وزن ''مضطر'' ہے اور ''مضطر'' وہ شخص ہوتا ہے جس کو کسی بیماری یا غربت یا زمانہ کے حوادثات میں سے کوئی نازل ہونے والے حادثہ نے اللہ تعالیٰ کی طرف پناہ لینے اور عاجزی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہو یا ''مضطر'' وہ گناہ گار ہے جب وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش مانگتا ہے یا مظلوم ہے جب وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے یا ہر وہ شخص مراد ہے جو دعا کرنے کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر بلند کرتا ہے اور وہ اپنے دل میں توحید ہی کو بھلائی خیال کرتا ہے اور وہ اسی واحد لاشریک سے ڈر کر دعا مانگتا ہے ﴿وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾ اور وہی ہر قسم کے ضرر اور نقصان کو یا ظلم و ستم کو دور کرتا ہے ﴿وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہیں زمین کا وارث بناتا ہے یعنی زمین میں جانشین بناتا ہے اور وہ یہ ہے کہ زمین کے باشندوں کو فوت ہو جانے والوں کا وارث بناتا ہے کہ وہ زمین میں تصرف کریں پھر ان کے مرنے کے بعد آنے والے دوسرے لوگوں کو ان کا وارث بنا دیتا ہے اسی طرح ہر زمانہ میں ہوتا ہے کہ یکے بعد دیگرے وارث بنتے رہتے ہیں (اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری و ساری رہے گا) یا خلافت سے حکومت و اقتدار مراد ہے ﴿ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو [ابو عمرو کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ (فعل مضارع غائب) ہے اور امام حفص اور حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ذال کی تخفیف کے ساتھ ہے اور حرف ''ما'' زائدہ ہے یعنی تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو] [1]

---

[1] باقی قراء کی قراءت میں ذال مشدد کے ساتھ ''تَذَّکَّرُوْنَ'' ہے اور یہ قراءت نافع مدنی، ابن کثیر مکی، عاصم، ابو عمرو، ابن عامر شامی، شعبہ، ابن ذکوان، یعقوب اور ابو جعفر کی ہے۔ (معجم القراءات ج ۴ ص ۳۶۳)

أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِۦ ۗ أَءِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ تَعَٰلَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٣﴾ أَمَّنْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُۥ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ ۗ أَءِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَٰنَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٦٤﴾ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾ بَلِ ادَّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا ۖ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُونَ ﴿٦٦﴾

ع ۸

بھلا وہ کون ہے جو خشکی اور تری کے اندھیروں میں تمہیں راہ دکھاتا ہے اور وہ کون ہے جو اپنی رحمت کے آگے خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے' کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی برحق معبود ہے' اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے بہت بلند تر ہے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں O بھلا وہ کون ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے' پھر اس کو دوبارہ بنائے گا اور وہ کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق عطا کرتا ہے' کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے' (اے محبوب!) فرمایئے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو O (اے محبوب!) فرمایئے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ (اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر خود بخود) غیب کو نہیں جانتے ماسوا اللہ تعالیٰ کے' اور وہ نہیں جانتے کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا O بلکہ اِن کا علم آخرت کے بارے میں (دلائلِ ربانی کے بعد) مکمل ہوگیا' بلکہ وہ اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں' بلکہ وہ اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں O

۶۳- ﴿أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ بھلا وہ کون ہے جو خشکی اور تری کے اندھیروں میں رات کو ستاروں کے ذریعے اور دن کو زمین کے نشانات کے ذریعے تمہیں راہ دکھاتا ہے ﴿وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَٰحَ﴾ اور وہ کون ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے [ابن کثیر مکی' حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''الریاح'' کی بجائے ''الریح'' ہے] ﴿بُشْرًا﴾ خوشخبری دینے والی۔ یہ ''بشارۃ'' سے ماخوذ ہے اور اس کا ذکر (سورۃ الاعراف' آیت: ۵۷ میں) گزر چکا ہے ﴿بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِۦ﴾ اپنی رحمت کے آگے (یعنی) بارش کے آنے سے پہلے ﴿أَءِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ تَعَٰلَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے (بلکہ) اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے بہت بلند تر ہے' جن کو یہ مشرکین شریک ٹھہراتے ہیں۔

۶۴- ﴿أَمَّنْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُۥ﴾ بھلا وہ کون ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے' پھر دوبارہ اس کو بنائے گا' اور یہاں ان کے لیے ''ثُمَّ يُعِيدُهُ'' فرمایا گیا ہے حالانکہ وہ تو دوبارہ اٹھائے جانے اور دوبارہ زندگی کا انکار کرتے تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دوبارہ اٹھنے کی معرفت اور اقرار و اعتراف کے حصول پر ان کی قدرت و صلاحیت رکھنے کی بناء پر ان کا اعتراض زائل کر دیا گیا ہے (کہ جو پہلی بار پیدا کرتا ہے' پھر بھی وہی جسمانی زندگی عطا کر کے دوبارہ اٹھائے گا) سو اب ان کے انکار کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا ﴿وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ﴾ اور وہ کون ہے جو تمہیں آسمان سے یعنی بارش کے ذریعے اور زمین سے یعنی زمین کی پیداوار سے رزق عطا کرتا ہے ﴿أَءِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَٰنَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَٰدِقِينَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور سچا معبود ہے (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم شرک کرنے پر اپنی ٹھوس اور مضبوط دلیل پیش کرو' اگر تم اپنے اس

دعویٰ میں سچے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور برحق معبود ہے۔

۶۵۔ **قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ** (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں کوئی بھی غیب نہیں جانتے ' سوا اللہ تعالیٰ کے۔ ''غیب'' وہ ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور مخلوق اس پر مطلع نہ ہو اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا غیب کو کوئی نہیں جانتا' ہاں! البتہ اللہ تعالیٰ اس سے یقیناً بہت بلند ہے کہ وہ ان میں سے ہو جو آسمانوں میں اور زمین میں بستے ہیں[1] لیکن بنی تمیم کی لغت پر یہ جائز ہے کیونکہ وہ استثناء منقطع کو استثناء متصل کے حکم میں مقرر دیتے ہیں اور وہ مستثنیٰ منقطع پر نصب کو جائز قرار دیتے ہیں اور بدل مستثنیٰ منقطع میں اسی طرح ہوتا ہے' جس طرح مستثنیٰ متصل میں ہوتا ہے اور ''مَنْ'' ''یَعْلَمُ'' کا فاعل ہے اور ''الْغَیْبَ'' اس کا مفعول ہے اور اسم ''اللّٰہُ'' ''مَنْ'' سے بدل ہے[1] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جس نے یہ گمان کیا کہ جو کل ہونے والا ہے' اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جانتے ہیں' اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹا الزام لگایا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ**''۔

اور بعض مفسرین نے بیان کیا کہ یہ آیت مبارکہ مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی تھی' جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ

---

[1] واضح ہو کہ بعض آیات مبارکہ میں علم غیب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے اور مخلوق سے نفی کی گئی ہے۔ اسی طرح بعض احادیث مبارکہ میں حضور سید عالم ﷺ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے جب کہ بعض آیات مبارکہ اور بہت سی احادیث شریفہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے علم غیب ثابت کیا گیا ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وسعتِ علمی کے مخالفین ثبوت علم غیب کی آیات و احادیث سے صرف نظر کر کے عوام کو دھوکا دینے کے لیے صرف علم غیب کی نفی کی آیات و احادیث پیش کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علم غیب کی نفی کرتے ہیں (جیسا کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے کیا ہے' ملاحظہ ہو ''تفہیم القرآن'' ج ۳ ص ۵۹۷۔ ۵۹۸' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' ۱۹۸۳ء) جس کی وجہ سے عام تعلیم یافتہ طبقہ شانِ نبوت میں اس قسم کی متضاد ابحاث کو پڑھ کر اس کو علماء کی فرقہ پرستی اور ہٹ دھرمی قرار دے کر دین سے متنفر ہوتا جا رہا ہے' لہٰذا اس بات کی وضاحت بہت ضروری ہے تاکہ آیات و احادیث میں تضاد نہ رہے اور باہم آپس میں موافق و مطابق نظر آئیں' سو جن آیات و احادیثِ مبارکہ میں علم غیب کی نفی کی گئی ہے' ان سے قدیم' مستقل' غیر متناہی اور بلاواسطہ یعنی اللہ تعالیٰ کے بتلائے سکھائے بغیر ذاتی علم غیب کی نفی مراد ہے' چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مذکورہ روایت اور آیت میں بھی اسی علم غیب کی نفی کی گئی ہے اور جن آیات و احادیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے علم غیب کا ثبوت مہیا کیا گیا ہے' ان سے حادث' غیر مستقل' علوم الٰہیہ کے مقابلے میں متناہی اور بالواسطہ یعنی اللہ تعالیٰ کے بتانے سکھانے سے عطائی علم غیب کا ثبوت مراد ہے' چنانچہ مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ (یعنی سورۃ النمل' آیت:۶۵) کی تشریح کرتے ہوئے مسلکِ دیوبند کے مفسر علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: (تنبیہ) کل مغیبات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں' نہ کسی ایک غیب کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الٰہی کے ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ ہاں! بعض بندوں کو بعض غیوب پر باختیار خود مطلع کر دیتا ہے' جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا' یا غیب کی خبر دے دی لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن و سنت نے کسی جگہ ایسے شخص پر ''عَالِمُ الْغَیْبِ'' یا ''فُلَانٌ یَّعْلَمُ الْغَیْبَ'' کا اطلاق نہیں کیا بلکہ احادیث میں اس پر انکار کیا گیا ہے کیونکہ بہ ظاہر یہ الفاظ اختصاصِ علم الغیب بذات الباری کے خلاف موہم ہوتے ہیں' اس لیے علمائے محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندہ پر اطلاق کیے جائیں' گو لغۃً صحیح ہوں۔
(حاشیہ قرآن المعروف تفسیر عثمانی ص ۴۹۶' حاشیہ نمبر:۱' ادارہ دار التصنیف' کراچی) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے قیامت کے وقت کے متعلق سوال کیا تھا ﴿ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴾ اور یہ لوگ نہیں جانتے کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا۔ ''يَشْعُرُوْنَ'' بہ معنیٰ ''يَعْلَمُوْنَ'' ہے اور ''اَيَّانَ'' بہ معنیٰ ''مَتٰی'' ہے۔

٦٦۔ ﴿ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ ﴾ بلکہ ان کا علم اپنی انتہا کو پہنچ گیا اور مکمل ہو گیا۔ یہ ''ادركت الفاكهة'' سے لیا گیا ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب پھل پک کر مکمل تیار ہو جاتا ہے [ابن کثیر مکی' ابوعمرو بصری' یزید اور مفضل کی قراءت میں ہمزہ قطعی کے ساتھ (باب افعال سے) ہے جب کہ اعشٰی کی قراءت میں ''بل ادّرك'' (دال کے بعد الف نہیں) ہے اور ان کے علاوہ باقی قراء کے نزدیک ''بل ادّارك'' ہے اور اس کا معنی ہے: مستحکم ہو گیا اور اس کی اصل ''تَدَارَكَ'' ہے پھر ''تا'' کو دال میں مدغم کر دیا گیا اور شروع میں وصل کا الف زیادہ کیا گیا تا کہ اس کے ساتھ تکلم کیا جا سکے] ﴿ فِى الْاٰخِرَةِ ﴾ آخرت کے بارے میں یعنی آخرت کی شان اور اس کے معنی کے بارے میں اور مطلب یہ ہے کہ بے شک قیامت قائم ہو گی' اس کے بارے میں انہیں (کفارِ مکہ کو) علم کے استحکام اور اس کے مکمل اسباب حاصل ہو چکے اور قیامت کے وقوع کی معرفت اور پہچان کی پوری قوت انہیں حاصل ہو چکی حالانکہ اس کے باوجود وہ شک کرنے والے جاہل بنے ہوئے ہیں اور یہی مطلب ہے درج ذیل ارشادِ باری تعالیٰ کا ﴿ بَلْ هُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴾ بلکہ وہ لوگ اس کے متعلق شک میں مبتلا ہیں بلکہ وہ اس سے اندھے ہو چکے ہیں' اس آیت مبارکہ میں ان کے مختلف احوال اور ان کی جہالت کو تین مرتبہ ''بَلْ'' کے ساتھ مکرر بیان کیا گیا ہے' چنانچہ پہلے ان کا یہ وصف بیان کیا گیا کہ انہیں بعثت و قیامت کا شعور ہی نہیں ہے' پھر بیان کیا گیا کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ قیامت ہو گی' پھر بیان کیا گیا کہ وہ قیامت کے بارے میں شک وشبہ میں حیران وسرگرداں ہو چکے ہیں' سو وہ اس کو زائل نہیں کرتے حالانکہ زائل کرنے کی استطاعت ہے' پھر ان کا بدترین حال بیان کیا گیا اور وہ ان کا قیامت کی معرفت سے اندھا ہونا ہے اور آخرت کو ان کے اندھے پن کا مبداء ومنشا قرار دیا گیا ہے' اس لیے ''عَنْ'' کی بجائے ''مِنْ'' کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے کیونکہ آخرت اور جزا وسزا کے انکار ہی نے انہیں غور وفکر اور تدبر کرنے اور اس آیت مبارکہ کی درست توجیہ جاننے سے روکے رکھا اور مشرکین کی یہی صفت اور عادت ہے کہ وہ بعثت اور حشر ونشر کا انکار کرتے ہیں' اس کے باوجود کہ اس سے پہلے علم کے اسباب اور معرفت کی صلاحیت وقوت کے اسباب مستحکم ہو چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ علمِ غیب کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ مختص ہے' بندوں کو اس میں سے کچھ علم نہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا کہ بندے غیب نہیں جانتے تو یہ ان کے عجز کا بیان ہو گیا اور ان کے علم کی کمی کا اظہار ہو گیا تو اس کے ساتھ متصل یہ بھی ذکر کر دیا کہ ان کے نزدیک علم سے عجز زیادہ بلیغ ہے اور وہ یہ کہ یہ لوگ اس واقع ہونے والی چیز' جس کا واقع ہونا بہرحال ضروری اور لازمی ہے اور وہ ان کے اعمال کی جزاء وسزا کا وقت ہے' کہتے ہیں کہ وہ واقع نہیں ہو گی' اس کے باوجود کہ ان کے پاس اس کے ہونے کی معرفت کے اسباب اور اس کے ساتھ علم کے استحکام کے اسباب موجود ہیں اور یہ بھی جائز اور ممکن ہے کہ علم کے استحکام کے ساتھ اور اس کے مکمل ہونے کے ساتھ ان کا وصف بیان کرنا' ان کے ساتھ تحکم واستہزاء اور مذاق اڑانا مقصود ہو جیسا کہ تم کسی سب سے زیادہ جاہل آدمی سے کہو کہ تم کتنے بڑے عالم ہو جب کہ یہ صرف اس کا مذاق اڑانے کے لیے کہو اور یہ اس لیے کہ وہ لوگ قیامت کے علم تک پہنچنے کے لیے جو راستہ چلایا گیا اس کے اثبات سے اندھے بنے رہے اور شک وشبہ میں مبتلا ہو گئے'

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نوٹ: قرآن وسنت کے دلائل اور اقوالِ مفسرین کی تفصیل کے لیے اسی آیت کے تحت ملاحظہ فرمائیے' تفسیر ''تبیان القرآن'' جلد ۸ ص ۲۳۲۔۲۱۷' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور اور ''تفسیر ضیاء القرآن'' جلد ۳ ص ۴۶۱۔۴۵۶' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور' نیز جاء الحق جلد اوّل بحث علمِ غیب۔ غوثوی مہاروی

چہ جائے کہ وہ اس کے واقع ہونے کے وقت کو پہچان سکتے' جس کی معرفت کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ''ادرك'' بہ معنیٰ ''انتھٰی وفنٰی'' ہو (یعنی ان کا علم قیامت کے بارے میں ختم ہو گیا ہے اور فنا ہو گیا ہے) جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''ادرکت الثمرۃ'' پھل اپنی انتہاء کو پہنچ گیا کیونکہ یہ پھل اپنے پکنے کی انتہاء کے پاس پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اور حضرت حسن نے اس کی یہ تفسیر کی کہ ان کا علم آخرت کے بارے میں کمزور ہو گیا اور ''تَدَارَكَ بَنُوْ فُلَانٍ'' سے ''ادراك'' ماخوذ ہے' جب وہ ہلاکت کے پیچھے لگ جائیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾

اور کافروں نے کہا کہ کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم ضرور نکالے جائیں گے O بے شک یہی وعدہ ہم سے اور اس سے پہلے ہمارے باپ دادا سے بھی کیا گیا' یہ تو نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں O (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم زمین میں چلو پھرو اور غور سے دیکھو کہ گناہ گاروں کا انجام کیسا ہوا O اور آپ ان پر غمگین نہ ہو جائیں اور وہ جو مکر و فریب کرتے ہیں ان سے آپ تنگ دل نہ ہو جائیں O اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو O

کفارِ مکہ کے شکوک و شبہات اور قدرت و علم الٰہی کا بیان

۶۷- ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ﴾ اور کافروں نے کہا کہ کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مر کر مٹی ہو جائیں تو کیا ہم یقیناً دوبارہ زندہ کر کے اپنی قبروں سے ضرور نکالے جائیں گے [اور ''اِذَا'' اور ''ان'' کے شروع میں حرف استفہام عاصم' حمزہ اور خلف کی قراءت میں انکار کے بعد انکار اور نفی کے بعد نفی کے لیے ہے اور یہ ان کے کفر کے مؤکد و پکا ہونے کی دلیل ہے' جس میں مبالغہ کیا گیا ہے اور ''اِذَا'' کا عامل وہی ہے جس پر ''لَمُخْرَجُوْنَ'' دلالت کرتا ہے اور وہ ''نخرج'' ہے کیونکہ اسم فاعل اور اسم مفعول ہمزہ استفہام کے بعد یا ''اِنَّ'' یا لام ابتدا کے بعد اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتے تو جب یہ جمع ہو جائیں گے تو پھر کیسے عمل ہو سکے گا اور ''اِنَّا'' میں ضمیر کفارِ مکہ اور ان کے آباء و اجداد کے لیے ہے کیونکہ ان کا مٹی ہو جانا ان کو اور ان کے آباء و اجداد دونوں کو شامل ہے لیکن حکایت کو غائب پر غلبہ دے دیا گیا ہے۔ اور (وَاٰبَآؤُنَا) ''كُنَّا'' کی ضمیر پر معطوف ہے' اس لیے کہ مفعول تاکید کے قائم مقام ہوتا ہے]۔

۶۸- ﴿لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ﴾ بے شک یہ وعدہ یعنی مرنے کے بعد اٹھنے کا وعدہ ہم سے کیا گیا ہے ﴿وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ﴾ اور (سرورِ کائنات رحمت عالمیاں حضرت) محمد ﷺ سے پہلے ہمارے باپ دادا سے بھی یہ وعدہ کیا گیا تھا ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ یہ وعدہ تو نہیں مگر پہلے لوگوں کی من گھڑ باتیں اور ان کی جھوٹی کہانیاں [یہاں اس سورت میں ''ھٰذَا'' کو ''نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا'' پر مقدم ذکر کیا گیا ہے جب کہ سورۃ المؤمنون میں ''نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا'' کو ''ھٰذَا'' پر مقدم ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ اس بات پر دلالت کرے کہ یہاں خود بعثت (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے) کا ذکر مقصود ہے اور وہاں

سورۃ المؤمنون میں مبعوث (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے والے بندوں) کا ذکر مقصود ہے]۔

۶۹۔﴿قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم زمین پر چلو پھرو اور غور و فکر سے دیکھو کہ مجرموں اور گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کا کیسا بھیانک انجام ہوا۔ "عـاقبة" کا معنی ہے: کافروں کے معاملے کا آخر اور کافروں کو "مُجْرِمِیْن" ذکر کرنے میں مسلمانوں کو ترک جرائم پر خوشخبری دینا مقصود ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "فَدَمْدَمَ عَلَیْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا" (الشمس:۱۴) "سو ان کے پروردگار نے ان کے گناہ کے سبب ان پر ہلاکت ڈال دی' پھر انہیں ہلاک کر کے برابر کر دیا"۔ اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔ "مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا" (نوح:۲۵) "ان کافروں کو ان کے گناہوں کے سبب غرق کر دیا گیا"۔

۷۰۔﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ﴾ اور (اے محبوب!) آپ ان پر اس لیے غمگین نہ ہوں کہ انہوں نے آپ کی پیروی نہیں کی اور نہ انہوں نے اسلام قبول کیا کہ سلامت رہ جاتے ﴿وَلَا تَكُنْ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ﴾ اور آپ اس سے تنگ دل نہ ہوں' جو وہ لوگ آپ کے خلاف مکر و فریب کرتے ہیں اور بُری چالیں چلتے ہیں' سو اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کی سازشوں سے محفوظ و معصوم رکھے گا ["ضَاقَ الشَّیْءُ ضَیْقًا" ضاد پر فتح کی قراءت کی جاتی ہے' ماسوا ابن کثیر مکی کی قراءت کے کیونکہ اس کی قراءت میں ضاد کے نیچے کسرہ ہے]۔

۷۱۔﴿وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ یعنی عذاب کے آنے کا وعدہ کب پورا ہوگا ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ جھٹلانے والوں پر عذاب ضرور نازل ہوتا ہے۔

قُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَیَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَ مَا مِنْ غَآىٕبَةٍ فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۵﴾

(اے محبوب!) فرما دیجئے کہ جسے تم جلدی مانگ رہے ہو ممکن ہے اس کا کچھ حصہ تمہارے پیچھے آ لگا ہو○ اور بے شک آپ کا پروردگار لوگوں پر بہت فضل و کرم کرنے والا ہے' لیکن ان میں اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے○ اور بے شک آپ کا پروردگار ان چیزوں کو خوب جانتا ہے جن کو ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں○ اور آسمان و زمین میں غیب چیزوں میں سے کوئی ایسی نہیں مگر بیان کرنے والی ایک کتاب میں ہے○

۷۲۔﴿قُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ تَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ جس وعدہ کردہ عذاب کا تم جلدی آنے کا مطالبہ کر رہے ہو' ممکن ہے اس کا کچھ حصہ تمہارے پیچھے آ لگا ہو' سو ان سے جس بعض عذاب کے پیچھے آ لگنے کا کہا گیا ہے' اس سے بدر کے دن کا عذاب مراد ہے ["رَدِفَ لَكُمْ" میں لام کو تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا (کیونکہ اصل میں "رَدِفَكُمْ" ہونا چاہیے) جیسا کہ "وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" (البقرہ:۱۹۵) میں "با" کو زیادہ کیا گیا ہے یا وہ ایسے فعل کے معنی کو متضمن ہے جو لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جیسے "دَنَا لَكُمْ وَاَزِفَ لَكُمْ" وہ تمہارے قریب آ گیا اور وہ تمہارے نزدیک آ گیا ہے اور اس کا معنی ہے: "تَبِعَكُمْ وَلَحِقَكُمْ" وہ تمہارے پیچھے آ لگا ہے اور وہ تمہیں تمہارے پیچھے ملنے والا ہے اور جب بادشاہ "عَسٰى' لَعَلَّ" اور "سَوْفَ" کے ساتھ اپنا کوئی وعدہ یا وعید کرتے ہیں تو اس سے سچا اور یقینی

عمل مراد ہوتا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعید اسی طریقہ پر جاری ہوتے ہیں]۔

۷۳۔﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ ﴾ اور بے شک آپ کا پروردگار لوگوں پر بہت بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے کہ جلد عذاب کے مطالبے کے باوجود ان پر جلد عذاب نازل نہیں کرتا ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴾ اور ان میں اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے یعنی ان میں سے اکثر لوگ حقِ نعمت نہیں پہچانتے اور نہ شکر ادا کرتے ہیں بلکہ اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے عذاب کے جلد از جلد آنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

۷۴۔﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴾ اور بے شک آپ کا پروردگار وہ باتیں بھی جانتا ہے' جنہیں ان کے سینے چھپاتے ہیں اور وہ باتیں بھی جو وہ ظاہر کرتے ہیں' سو ان سے عذاب کو مؤخر کرنا اس لیے نہیں کہ ان کا حال اللہ تعالیٰ سے مخفی ہے بلکہ اس کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور ''تُكِنُّ'' بہ معنی ''تُخْفِيْ'' ہے پوشیدہ ہونا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کفارِ مکہ کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عداوت و دشمنی کو اور ان کی سازشوں کو خوب جانتا ہے جنہیں وہ چھپاتے ہیں' وہ بھی اور جنہیں وہ ظاہر کرتے ہیں وہ بھی' سب کچھ جانتا ہے اور وہ انہیں اس پر ضرور سزا دے گا' جس سزا کے وہ مستحق ہیں اور ''تَكُنُّ'' بھی پڑھا گیا ہے۔ ''كَنَنْتُ الشَّيْءَ وَاَكْنَنْتُهٗ'' اس وقت بولا جاتا ہے جب تم کسی چیز کو پوشیدہ کر لیتے ہو اور اسے تم چھپا لیتے ہو۔

۷۵۔﴿ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾ اور آسمان اور زمین میں کوئی ایسی غیب چیز نہیں مگر وہ بیان کرنے والی ایک کتاب میں ہے۔ جو چیز پوشیدہ اور چھپی ہوئی ہوا سے ''غَائِبَة'' اور ''خَافِيَة'' کہا جاتا ہے [اور ان دونوں میں حرف ''تَا'' ایسے ہے جیسے ''عَافِيَة'' اور ''عَاقِبَة'' میں ہے اور ان کی مثال ''رمِيَّة' ذبيحة'' اور ''نطيحة'' ہیں' اس بات میں کہ یہ سب اسماء ہیں' صفات نہیں ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ دونوں صفات ہوں اور ان دونوں میں حرف ''تَا'' مبالغہ کی ہو جیسے ''رواية''] گویا فرمایا کہ کوئی سخت ترین پوشیدہ چیز نہیں ہے مگر اسے اللہ تعالیٰ یقیناً جانتا ہے اور اس نے اس کا پورا احاطہ کر رکھا ہے اور اس کو لوحِ محفوظ میں ثبت فرما دیا ہے اور ''مُبِيْن'' کا معنی ظاہر اور واضح ہے' جس کو فرشتے دیکھتے ہیں۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر بہت سی وہ چیزیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں O اور بے شک وہ مسلمانوں کے لیے یقیناً ہدایت اور رحمت ہے O بے شک آپ کا پروردگار ان کے درمیان اپنے حکم کے ساتھ فیصلہ کرے گا' اور وہ بہت غالب (اور) خوب جاننے والا ہے O سو (اے محبوب!) آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیں' بے شک آپ واضح ترین

حق پر ہیںO بے شک آپ (دل کے) مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور آپ بہروں کو (اپنی) پکار نہیں سنا سکتے جب وہ پشت پھیر کر واپس جانے لگیںO اور آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (از خود) ہدایت دینے والے نہیں ہیں' آپ نہیں سنا سکتے مگر صرف انہیں لوگوں کو (سنا سکتے ہیں) جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں' سو وہی مسلمان ہیںO

قرآن و حاملِ قرآن کی حقانیت اور کفارِ مکہ کی محرومی کا بیان

۷۶- ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَكْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ﴾ بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر بہت سی وہ چیزیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ ''یَقُصُّ'' بہ معنی ''یُبَیِّنُ'' ہے' سوانہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا' پھر وہ بہت سے گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور بہت سی چیزوں میں ان کے درمیان اختلاف واقع ہو گیا' یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگ گئے اور انہوں نے جس میں اختلاف کیا اس کو بیان کرنے کے لیے قرآن مجید نازل کیا گیا' کاش! وہ لوگ انصاف سے کام لیتے اور وہ قرآن مجید کو تھام لیتے اور اسلام قبول کر لیتے' مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

۷۷- ﴿وَاِنَّهٗ﴾ اور بے شک وہ (یعنی) بے شک وہ قرآن ﴿لَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ البتہ مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے' ان میں سے جنہوں نے انصاف سے کام لیا اور ایمان لے آئے یعنی بنی اسرائیل میں سے یا ان میں سے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں سے۔

۷۸- ﴿اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ﴾ بے شک آپ کا پروردگار ان کے درمیان فیصلہ کرے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ قرآن مجید پر ایمان لانے والوں اور قرآن مجید کے ساتھ کفر کرنے والوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا ﴿بِحُكْمِهٖ﴾ اپنے حکم کے ساتھ یعنی اپنے عدل و انصاف کے ساتھ' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر فیصلہ عدل و انصاف کے ساتھ کرتا ہے' پس ''محکوم بہ'' کا نام ''حکم'' رکھ دیا گیا یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور اس پر اس کی قراءت دلیل ہے' جس نے ''بِحِكَمِهٖ'' پڑھا ہے' جو ''حکمة'' کی جمع ہے ﴿وَهُوَ الْعَزِیْزُ﴾ اور وہ سب پر غالب ہے' اس کا فیصلہ رد نہیں کیا جا سکتا ﴿الْعَلِیْمُ﴾ خوب جاننے والا ہے' اسے بھی جس کے حق میں فیصلہ کرتا ہے اور اسے بھی جس کے خلاف فیصلہ کرتا ہے یا وہ باطل پرستوں سے انتقام لینے میں بہت غالب ہے' وہ ان کے درمیان اور حق پرستوں کے درمیان فیصلے کو خوب جانتا ہے۔

۷۹- ﴿فَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ﴾ (اے محبوب!) سو آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیں۔ (اس آیتِ مبارکہ میں) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے اور دشمنانِ دین کی پروانہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ﴿اِنَّكَ عَلَی الْحَقِّ الْمُبِیْنِ﴾ بے شک آپ روشن حق پر ہیں' اور توکل و بھروسا کرنے کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ روشن حق پر ہیں اور وہ واضح ترین دین ہے' جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے اور اس میں اس بات کا بیان ہے کہ صاحبِ حق اس بات کا حق دار ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر اور اس کی مدد پر پورا بھروسا رکھے۔

۸۰'۸۱- ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَO وَمَاۤ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ﴾ بے شک آپ مُردہ دلوں کو نہیں سنا سکتے اور آپ حق سے بہروں کو اپنی پکار نہیں سنا سکتے جب وہ پیٹھ پھیر کر واپس جانے لگیں[1]O اور آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے از خود ہدایت نہیں دے سکتے۔ دراصل کفارِ مکہ حضور سے جو کچھ سنتے تھے' انہیں محفوظ نہیں رکھتے تھے (بلکہ ایک کان سے سنتے' دوسرے کان سے نکال دیتے) اور نہ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے (کہ ان

[1] سماعِ موتیٰ کی بحث سورۃ الروم: ۵۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔

پر ایمان نہیں لاتے تھے) تو اس لیے انہیں مُردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی' حالانکہ وہ جسمانی طور پر زندہ تھے' ان کے حواس بھی سلامت تھے اور انہیں بہروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی' جنہیں بلند آواز سے پکارا جاتا ہے تو وہ کچھ نہیں سن سکتے اور انہیں ایسے اندھوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی' جو راستے سے بھٹک چکے ہیں اور کوئی شخص ان کی یہ خامیاں ان سے دور نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی انہیں ہدایت یافتہ اور انکھیارا نہیں بنا سکتا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان بہروں کے حال کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ'' کیونکہ جب بہرا شخص پیٹھ پھیر کر پکارنے والے سے دور چلا جائے گا تو اس کی آواز سننے سے بھی دور ہو جائے گا [ابن کثیر مکی کی قراءت میں ''وَلَا یَسْمَعُ الصُّمُّ'' (باب افعال کی بجائے باب ''سَمِعَ یَسْمَعُ'' سے) ہے اور اسی طرح سورۃ الروم میں ہے اور حمزہ کی قراءت میں ''وَمَا اَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ'' ہے اور اسی طرح سورۃ الروم میں ہے] ﴿اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا﴾ آپ نہیں سنا سکتے مگر انہیں سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں یعنی آپ کا سنانا فائدہ نہیں دے گا مگر صرف انہیں لوگوں کو فائدہ دے گا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں کہ بے شک وہ اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں یعنی ان کی تصدیق و تائید کرتے ہیں ﴿فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ پس وہی مسلمان ہیں (اور وہی) مخلص ہیں' جیسا کہ ارشاد ہے: ''بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ'' (البقرہ:١١٢) ''بلکہ جس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے لیے جھکا لیا''۔ یعنی اس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور اسی کا مخلص بندہ بن گیا۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿٨٢﴾ وَیَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ یُّكَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿٨٣﴾ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰیٰتِیْ وَلَمْ تُحِیْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا یَنْطِقُوْنَ ﴿٨٥﴾ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّیْلَ لِیَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿٨٦﴾ وَیَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِیْنَ ﴿٨٧﴾

اور جب ان پر (علامات قیامت کی) بات واقع ہو جائے گی تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا' بے شک لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے ○ اور جس روز ہم ہر امت میں سے ایک ایسے گروہ کو اٹھائیں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتا ہے تو پھر انہیں اوّل سے آخر تک روک کر جمع کیا جائے گا ○ یہاں تک کہ وہ جب سب آ جائیں گے تو فرمائے گا: کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم نے علم کے ساتھ ان کا احاطہ نہیں کیا تھا یا تم کیا کام کرتے تھے ○ اور (جب) ان پر عذاب کی بات آ پڑے گی' اس سبب سے کہ انہوں نے ظلم کیا تو وہ بول نہیں سکیں گے ○ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے رات بنائی تا کہ وہ اس میں آرام کریں اور دن کو دکھلانے والا بنایا' بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں ○ اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو وہ گھبرا جائیں گے جو

آسمانوں میں رہنے والے ہیں اور جو زمین میں رہنے والے ہیں ماسوا اس کے جسے اللہ تعالیٰ نے چاہا' اور سب اس کے حضور میں عاجزی کے ساتھ حاضر ہوں گے O

قیامت کے منظر اور اس کے آخر میں حضور کے اعلانِ حق کا بیان

۸۲-﴿وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ﴾ اور جب ان پر بات واقع ہو جائے گی۔ ''قول'' کے معنی اور جو اس کے ساتھ ادا کیا گیا اسے قول کہا گیا ہے اور یہ وہ وعدہ ہے جو ان سے قیامت کے قیام اور عذاب کے نزول کا اور اس کے وقوع اور اس کے حصول کا کیا گیا تھا اور اس سے مراد قیامت کا قریب ہونا اور اس کی علامات کا ظاہر ہونا ہے اور اس وقت توبہ کرنا فائدہ نہیں دے گا ﴿أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ﴾ ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا' اس کا نام جساسہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اس کا طول ساٹھ ہاتھ ہوگا اور اس کو کوئی پکڑنے والا پکڑ نہیں سکے گا اور نہ کوئی بھاگنے والا اس سے بھاگ سکے گا اور اس کے چار پاؤں ہوں گے اور سارے جسم پر بال اور پَر ہوں گے' دو بازو ہوں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا بیل کے سر جیسا سر ہوگا اور خنزیر کی آنکھوں جیسی آنکھیں ہوں گی اور ہاتھی کے کان جیسے اس کے کان ہوں گے اور بارہ سنگا جیسے سینگ ہوں گے اور شتر مرغ جیسی گردن ہوگی اور شیر کا سینہ اور چیتے کا رنگ اور بلی جیسی کمر ہوگی اور دنبہ جیسی دم اور اونٹ جیسے پاؤں گے اور اس کے دو کندھوں کے درمیان بارہ ہاتھ کا فاصلہ ہوگا' صفا پہاڑ سے نکلے گا اور عربی زبان میں کلام کرے گا اور وہ کہے گا: ﴿أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ﴾ بے شک لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے یعنی میرے نکلنے پر لوگ یقین نہیں کرتے کیونکہ اس کا زمین سے نکلنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہوگا اور وہ کہے گا کہ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یا وہ دینِ اسلام کے ماسوا باقی تمام دینوں کو باطل کہے گا یا وہ بتائے گا کہ یہ مؤمن ہے اور یہ کافر ہے [اور اہل کوفہ اور سہل کی قراءت میں ''اَنَّ'' حرف جار محذوف ہونے کی وجہ سے الف مفتوح کے ساتھ ہے ''اَیْ تُكَلِّمُهُمْ بِاَنَّ'' ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں مکسور ہے[1] کیونکہ کلام بہ معنی قول ہے یا قول مضمر ہے ''اَیْ تَقُوْلُ الدَّآبَّةُ ذَالِكَ'' اور معنی ہوگا: ''بِاٰيَاتِ رَبِّنَا'' یا اس وقت یہ اللہ تعالیٰ کے قول کی حکایت ہوگی] پھر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے قائم ہونے کا ذکر فرمایا' چنانچہ فرمایا:

۸۳-﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا﴾ اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گروہ کو اٹھائیں گے [''مِنْ'' تبعیضیہ ہے] یعنی اور (اے محبوب!) اس روز کو یاد کیجئے جس روز ہم تمام امتوں میں سے ہر ایک امت سے ایک گروہ کو جمع کریں گے ﴿مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا﴾ جو ہماری ان آیات کو جھٹلاتے ہیں جو ہمارے پیغمبروں پر نازل کی گئی تھیں ﴿فَهُمْ يُوزَعُونَ﴾ پھر انہیں اوّل سے لے کر آخر تک سب کو روک لیا جائے گا' یہاں تک کہ سب جمع ہو جائیں گے' پھر انہیں حساب کے میدان میں لے جایا جائے گا اور یہ کثرتِ تعداد کی تعبیر کے لیے آتا ہے اور اسی طرح فوج کا لفظ بھی بڑی جماعت کی تعبیر کے لیے آتا ہے۔

۸۴-﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا﴾ یہاں تک کہ جب وہ سوال کا جواب دینے اور حساب و کتاب کے لیے موقف میں حاضر ہو جائیں گے تو ﴿قَالَ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو ڈانٹتے ہوئے ارشاد فرمائے گا: ﴿أَكَذَّبْتُمْ بِآيَاتِي﴾ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا' جو میرے رسولوں پر نازل کی گئی تھیں ﴿وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا﴾ اور تم نے علم سے ان کا احاطہ نہیں کیا' گویا ارشاد

[1] یہ کسرہ کی قراءت ابن عامر شامی' ابن کثیر مکی' ابوعمرو' خلف اور ابوجعفر کی ہے۔ (معجم القراءات القرآنیہ ج ۴ ص ۳۷۱)

فرمایا کہ کیا تم نے بغیر سوچے سمجھے سرسری رائے سے میری آیتوں کو جھٹلا دیا اور کیا تم نے غور و فکر نہیں کیا جو تمہیں ان کی کنہ اور حقیقت کا احاطہ کرنے والے علم تک پہنچا دیتا اور ان کی حقیقت یہ ہے کہ ان کی تصدیق کی جائے یا ان کی تکذیب کی جائے ﴿أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ یا تم کیا عمل کرتے تھے کیونکہ تم نے ان میں غور و فکر نہیں کیا' سو تم بے مقصد و بے کار پیدا نہیں کیے گئے (''اَمَّا ذَا'' اصل میں ''اَمْ مَاذَا'' تھا)۔

٨٥- ﴿وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ﴾ اور ان کے ظلم کے سبب ان پر (جب) عذاب آن پڑے گا تو وہ بول نہیں سکیں گے یعنی جس عذاب کا کفار سے وعدہ کیا گیا تھا' وہ انہیں ان کے ظلم کے سبب ڈھانپ لے گا اور ان کا ظلم اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانا تھا' پس عذاب انہیں معذرت کرنے اور بات چیت کرنے سے پھیر دے گا' جیسا کہ ارشاد ہے: ''هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ'' (المرسلات:٣٥) ''وہ اس دن نہیں بول سکیں گے''۔

٨٦- ﴿أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے رات کو بنایا تا کہ وہ اس میں آرام کریں اور دن کو روشن کرنے والا بنایا۔ [''مُبْصِرًا'' حال ہے] ''اَبْصَار'' کو دن کی صفت قرار دیا گیا حالانکہ وہ دن میں رہنے والے لوگوں کی صفت ہے اور تقابل میں معنی کی حیثیت کی رعایت کی گئی ہے کیونکہ ''مُبْصِرًا'' کا معنی یہ ہے کہ تا کہ لوگ کاروبار کرنے کے لیے دن کے اُجالے میں آنے جانے کے راستوں کو دیکھ سکیں ﴿إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں' جو ایمان دار ہیں' جو تصدیق کرتے ہیں اور عبرت حاصل کرتے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا صحیح ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا انہوں نے نہیں جانا کہ بے شک ہم نے رات اور دن کو دنیا میں لوگوں کے لیے ذریعۂ معاش بنایا تا کہ لوگ جان لیں کہ یہ مربوط نظام بے کار نہیں بنایا گیا بلکہ اس میں امتحان و آزمائش ہے اور اس وقت ضروری ہے کہ اچھائی پر ثواب اور بُرائی پر سزا ہو اور جب یہ دونوں اس دنیا میں نہیں تو پھر جزاء و سزا کے لیے دوسرے جہان کا ہونا ضروری ہوا۔

٨٧- ﴿وَيَوْمَ﴾ ''وَاذْكُرْ يَوْمَ'' اور اس دن کو یاد کیجئے جس دن ﴿يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ﴾ صور میں پھونکا جائے گا' اور یہ ''صور'' ایک سینگھ ہے (جسے نرسنگھا اور بگل وغیرہ کہا جاتا ہے) یا یہ ''صورة'' کی جمع ہے اور یہ ''صور'' پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں ﴿فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ تو وہ تمام گھبرا جائیں گے جو آسمانوں میں رہنے والے ہیں اور جو زمین میں رہنے والے ہیں' اور ''یفزع'' کی بجائے ''فزع'' (فعل ماضی) کو اس لیے اختیار کیا گیا ہے تا کہ یہ بتایا جائے کہ اس ''فزع و جزع'' کا تحقق اور اس کا ثبوت لازمی ہونا ہے اور لوگوں کی گھبراہٹ نفخۂ اُولیٰ کے وقت ہوگی جب لوگ بے ہوش کیے جائیں گے ﴿إِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا (یعنی) مگر اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے جس کے دل کو ثابت و قائم رکھے گا۔ مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ اس سے حضرات جبریل' میکائیل' اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام مراد ہیں اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ وہ شہدائے کرام ہیں اور بعض نے فرمایا کہ جنت کی حوریں' دوزخ کے خزانچی اور حاملینِ عرش مراد ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ان میں سے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ہیں کیونکہ وہ ایک دفعہ (دنیا میں) بے ہوش ہو چکے ہیں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ'' (الزمر:٦٨) ''اور صور میں پھونکا جائے گا تو وہ تمام بے ہوش ہو جائیں گے' جو آسمانوں میں اور زمین میں رہنے والے ہیں' مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا''۔ ﴿وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ﴾ اور تمام اس کے حضور میں عاجزی کرتے ہوئے حاضر ہوں گے [حمزہ' حفص اور خلف کی قراءت میں ''اَتَوْهُ'' ہے جب کہ

ان کے علاوہ کی قراءت ''اَتَوْہُ'' ہے اور اس کی اصل ''اٰتِیُوْہُ'' ہے اور ''دَاخِرِیْنَ'' حال ہے] یعنی عاجز و پست ہو کر حاضر ہوں گے اور ''اِتْیَان'' کا معنی ہے: ان کا موقف میں حاضر ہونا یا ان کا اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کرنا اور ان کا اس کے لیے اطاعت و فرماں برداری اختیار کرنا۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

اور (اے مخاطب!) تو اس دن پہاڑوں کو دیکھے گا تو ان کو اپنی جگہ جما ہوا خیال کرے گا حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے' یہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے' جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا' بے شک تم جو کچھ کرتے ہو وہ اس سے پورا خبردار ہےO جو شخص ایک نیکی لائے گا تو اس کے لیے اس سے بہتر جزا ہے اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے امن و امان میں ہوں گےO اور جو شخص بُرائی لائے گا تو ان کو اوندھے منہ دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا' تمہیں بدلا نہیں دیا جائے گا مگر انہیں کاموں کا جو تم کرتے تھےO

۸۸۔﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً﴾ اور (اے مخاطب!) تو پہاڑوں کو دیکھے گا تو تُو انہیں جما ہوا خیال کرے گا (یعنی) ٹھہرا ہوا حرکت سے رُکا ہوا گمان کرے گا۔ یہ ''جَمِدَ فِیْ مَکَانِہٖ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی چیز حرکت کرنے سے اپنی جگہ میں رک جائے [ابن عامر شامی' حمزہ' یزید اور عاصم کی قراءت میں سین پر زبر کے ساتھ ''تَحْسَبُهَا'' ہے جب کہ ان کے علاوہ باقی قراء کی قراءت میں سین کے نیچے زیر کے ساتھ ''تَحْسِبُهَا'' ہے اور یہ مخاطب سے حال ہے] ﴿وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ﴾ حالانکہ وہ بادلوں کی طرح تیز تیز چل رہے ہوں گے یعنی وہ اس طرح چلتے ہوں گے جس طرح بادل چلتے ہیں [اور یہ ''تَحْسَبُهَا'' کی ضمیرِ منصوب سے حال ہے] اور معنی یہ ہے کہ جب تم نفخہ (صور پھونکنے) کے وقت پہاڑوں کو دیکھو گے تو تم انہیں ان کی اونچائی کی وجہ سے یہ خیال کرو گے کہ وہ ایک جگہ میں جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ تیزی سے ان بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے' جن کو زوردار تیز ہوا' بڑا تیز چلاتی ہے اور اسی طرح کثیر تعداد میں بڑے بڑے اجسام جب حرکت کریں گے تو ان کی حرکت بہ ظاہر نظر نہیں آئے گی' جیسا کہ نابغہ نے ایک بڑے لشکر کی تعریف میں کہا:

بِاَرْعَنَ مِثْلَ الطَّوْدِ تَحْسَبُ اَنَّهُمْ　　وَقُوْفُ الْحَاجِ وَالرِّكَابُ تَهَمْلَجُ

''تم بہت بڑے پہاڑ کی طرح عالی شان لشکر کو خیال کرو گے کہ وہ رُک کر ٹھہرا ہوا ہے' حالانکہ سواریاں بڑی تیزی سے چل رہی ہیں''۔

﴿صُنْعَ اللّٰهِ﴾ [یہ مصدر ہے' اس میں وہی عمل کرتا ہے جس پر ''تَمُرُّ'' دلالت کرتا ہے] کیونکہ پہاڑوں کا بادلوں کی طرح تیزی سے چلنا اللہ تعالیٰ کی صنعت و کاریگری میں سے ہے' پس گویا فرمایا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے اور یہ اسی

کی کاریگری ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام مبارک اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اس سے پہلے اس کا ذکر نہیں کیا گیا ﴿الَّذِیۡۤ اَتۡقَنَ کُلَّ شَیۡءٍ﴾ جس نے ہر چیز کو پختہ بنایا یعنی اس نے اپنی مخلوق کو مستحکم بنایا ﴿اِنَّهٗ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَفۡعَلُوۡنَ﴾ بے شک وہ ان تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو [ابن کثیر مکی ابو عمرو بصری اور ابوبکر کوفی کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "یَفۡعَلُوۡنَ" ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں "تا" کے ساتھ "تَفۡعَلُوۡنَ" ہے] یعنی بے شک اللہ تعالیٰ وہ سب جانتا ہے جو کچھ بندے کرتے ہیں' پس ان کے اعمال کے مطابق انہیں بدلا دے گا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

۸۹۔ ﴿مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ﴾ جو شخص ایک نیکی لائے گا یعنی جمہور کے نزدیک "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہنا مراد ہے ﴿فَلَهٗ خَیۡرٌ مِّنۡهَا﴾ تو اس کے لیے اس سے بہتر جزا ہے یعنی اس نیکی کی وجہ سے جو ثواب حاصل ہوگا' وہ اس نیکی سے بہتر ہوگا اور وہ جنت ہے [اور اس بناء پر "خَیۡرٌ" بہ معنی "اَفۡضَل" نہیں ہوگا اور "مِنۡهَا" محلاً مرفوع "خَیۡر" کی صفت ہوگا] ﴿وَهُمۡ مِّنۡ فَزَعٍ یَّوۡمَئِذٍ اٰمِنُوۡنَ﴾ اور وہ اس دن گھبراہٹ سے محفوظ و مامون ہوں گے یعنی انتہائی سخت گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے اور وہ دوزخ کا ڈر ہوگا یا کسی قسم کی گھبراہٹ سے مامون ہوں گے' خواہ وہ تھوڑی سی ہو اور "یَوۡمَئِذٍ" سے قیامت کا دن مراد ہے [کوفیوں کی قراءت میں تنوین کے ساتھ "مِنۡ فَزَعٍ" ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء کی قراءت میں بغیر تنوین کے (اضافت کے) ساتھ "مِنۡ فَزَعِ" ہے اور "یَوۡمَئِذٍ" میں کوفیوں اور نافع مدنی کی قراءت میں میم مفتوح ہے جب کہ دیگر قراء کی قراءت میں ("فَزَعِ" کا مضاف الیہ ہونے کی بناء پر) "یَوۡمِئِذٍ" میں میم مکسور ہے اور "اٰمِنُوۡنَ" کا فعل ماضی "اَمِنَ" حرف جار کے ساتھ بھی متعدی ہوتا ہے اور بغیر حرف جار کے براہِ راست بھی متعدی ہوتا ہے' جیسے (درج ذیل) ارشاد ہے: "اَفَاَمِنُوۡا مَكۡرَ اللّٰهِ" (الاعراف:۹۹) "تو کیا وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے خفیہ منصوبے سے نڈر ہو گئے"]۔

۹۰۔ ﴿وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ﴾ اور جو شخص ایک برائی لائے گا۔ یہاں "سَیِّئَة" سے شرک مراد ہے ﴿فَكُبَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فِی النَّارِ﴾ تو انہیں اوندھے منہ دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا "كُبَّتۡ" بہ معنی "اُلۡقِیَتۡ" ہے' جب کسی شخص کو منہ کے بل گرا دیا جائے تو "كَبَبۡتَ الرَّجُلَ" کہا جاتا ہے یعنی انہیں سروں کے بل دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا یا پورے بدن کو صرف چہرے کے ساتھ اس طرح تعبیر کیا گیا ہے' جس طرح پورے بدن کو صرف سر اور گردن کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے یعنی انہیں دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا اور انہیں ڈالتے وقت جھڑکتے ہوئے کہا جائے گا: ﴿هَلۡ تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴾ تمہیں بدلا نہیں دیا جائے گا مگر انہیں اعمال پر جو تم دنیا میں کفر و شرک اور دوسرے گناہوں کی صورت میں کیا کرتے تھے۔

اِنَّمَاۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الۡبَلۡدَةِ الَّذِیۡ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیۡءٍ وَّاُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنۡ اَتۡلُوَا الۡقُرۡاٰنَ ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰی فَاِنَّمَا یَهۡتَدِیۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَقُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُنۡذِرِیۡنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ سَیُرِیۡكُمۡ اٰیٰتِهٖ فَتَعۡرِفُوۡنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۳﴾

ع ۱۱

بے شک مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر (مکہ مکرمہ) کے رب تعالیٰ کی عبادت کرتا رہوں' جس نے اسے حرم بنایا ہے اور ہر چیز اسی کے ملک میں ہے اور مجھے حکم دیا گیا کہ میں فرماں برداروں میں سے رہوںO اور یہ کہ میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہوں' سو جس نے ہدایت اختیار کی تو وہ یقیناً صرف اپنے فائدہ کے لیے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جس نے گمراہی اختیار کی تو (اے محبوب!) آپ فرما دیں کہ میں تو صرف ڈرانے والوں میں سے ہوںO اور (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' وہ عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا' سو تم انہیں پہچان لو گے اور (اے محبوب!) آپ کا پروردگار (اے لوگو!) تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہےO

۹۱۔﴿ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا ﴾ بے شک مجھے صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر مکہ مکرمہ کے رب تعالیٰ کی عبادت کروں' جس نے اس کو حرم قرار دیا (یعنی) اس کو امن والا حرم بنایا' جس میں پناہ لینے والے کو امان حاصل ہو جاتی ہے اور نہ اس کی گھاس کاٹی جاتی ہے اور نہ اس کی خاردار جھاڑیوں کو کاٹا جاتا ہے اور نہ اس کے شکار کو بھگایا جاتا ہے ﴿ وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ﴾ اور اس شہر سمیت ہر چیز اسی کے ملک میں ہے' پس دنیا و آخرت کا وہی مالک ہے ﴿ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ اور مجھے حکم دیا گیا کہ میں اس کے فرماں برداروں اور اطاعت گزاروں میں سے رہوں۔

۹۲۔﴿ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ﴾ اور یہ کہ میں قرآن مجید کی تلاوت کروں۔ یہ ''تلاوۃ'' سے ماخوذ ہے یا ''تَلُوٌّ'' سے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ'' (الاحزاب:۲) ''اور (اے محبوب!) آپ اس کی پیروی کیجئے جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم رسول کو حکم دیا کہ وہ کہہ دیں کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں عبادت کو اکیلے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کر دوں اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں جیسا کہ قریشِ مکہ نے کیا اور میں مذہب اسلام پر ثابت قدم رہنے والے موحدوں میں سے رہوں اور میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہوں تاکہ میں حلال و حرام اور ان چیزوں کو پہچان لوں' جن کا اسلام تقاضا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام شہروں میں سے صرف مکہ مکرمہ کی طرف اپنے نام کی اضافت و نسبت کر کے اس کو اس لیے مخصوص کیا کہ تمام شہروں میں سے یہ شہر اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب و پیارا ہے (محبوب کی ولادت گاہ جو ہوا) اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ شہر سب سے زیادہ محترم و معظم ہے اور اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''هٰذِهِ الْبَلْدَةِ'' یہ اشارہ اس کی تعظیم و تقریب بصر کے لیے ہے جو اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ یہی شہر اس کے نبی کریم کا وطن ہے اور اس کی وحی کا مرکز و مہبط ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ اقدس کا ایک یہ وصف بیان کیا کہ اس نے اس شہر کو حرم بنایا' جو اس شہر کی مخصوص صفت ہے اور ہر چیز کو اپنی ربوبیّت و بادشاہی کے تحت قرار دیا' جیسا کہ تابع اپنے متبوع کے تحت داخل ہوتا ہے۔ ﴿ فَمَنِ اهْتَدٰى ﴾ سو جس شخص نے ان تعلیمات میں میری پیروی کر کے ہدایت حاصل کر لی' جن کو میں نے اختیار کیا ہوا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کی توحید کو ماننا اور اس سے شریکوں کی نفی کرنا اور ملتِ حنیفیہ میں داخل ہونا اور جو میری طرف وحی نازل کی گئی' اس کی پیروی کرنا ﴿ فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ﴾ تو وہ صرف اپنے فائدے کے لیے ہدایت حاصل کرتا ہے کیونکہ اس کی ہدایت کا فائدہ اسی کی طرف لوٹے گا میری طرف نہیں ﴿ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴾ اور جس شخص نے گمراہی اختیار کر لی تو (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک میں تو صرف ڈرسنانے والوں میں سے ہوں یعنی جس شخص نے گمراہی کو اپنا لیا اور میری پیروی نہیں کی تو مجھ پر کوئی نقصان نہیں ہوگا اور میں تو صرف ڈرسنانے والا رسول ہوں (جیسا کہ ارشاد ہے:) ''وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ'' (النور:۵۴) ''اور رسول

کے ذمے صرف صاف پہنچا دینا ہے"۔

۹۳- ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا﴾ اور (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں عنقریب وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دے گا' سو تم انہیں پہچان لو گے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ اس نے آپ کو نبوت کی جو نعمت عطا کی ہے' اس پر آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کیا کریں' یہ وہ نعمت عظمیٰ ہے جس کا کوئی نعمت مقابلہ نہیں کر سکتی اور آپ دشمنانِ خدا کو ڈرائیں' دھمکائیں کہ عنقریب آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں ان کو دکھائیں گے' جن پر انہیں یقین حاصل ہو جائے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے چاند کا دو ٹکڑے ہونا' دھوئیں کا ظہور اور دنیا میں ان پر اللہ تعالیٰ کی جو ناراضگیاں نازل ہوں گی' مراد ہیں ﴿وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور (اے محبوب!) آپ کا رب تعالیٰ (اے لوگو!) تمہارے اعمال سے غافل نہیں [نافع مدنی' ابن عامر شامی' حفص اور یعقوب کی قراءت میں "تا" کے ساتھ "تَعْمَلُوْنَ" ہے اور خطاب اہلِ مکہ کو ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں "یا" کے ساتھ "یَعْمَلُوْنَ" ہے] یعنی ہر وہ عمل جس پر لوگ عمل کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے' اس سے غافل نہیں ہے' سو غفلت اور نسیان اس پر جائز نہیں ہیں۔

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اٰيَاتُهَا ۸۸ رُكُوْعَاتُهَا ۹
سورۃ القصص مکی ہے	اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ○	اس کی اٹھاسی آیات' نو رکوع ہیں

طٰسٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۳ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۴ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝۶

طٰسٓمّٓ ○ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ○ ہم آپ پر موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کی سچی خبر ان لوگوں کے لیے تلاوت کرتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں ○ بے شک فرعون زمین پر سرکش ہو گیا اور اس نے وہاں کے رہنے والوں کے کئی گروہ بنا دیئے' ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کرنے لگا' ان کے بیٹوں کو ذبح کرنے لگا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑنے لگا' بے شک وہ فسادیوں میں سے تھا ○ اور ہم یہ ارادہ رکھتے کہ ہم ان لوگوں پر احسان کریں' جو زمین میں کمزور سمجھے گئے اور ہم انہیں مقتدا بنائیں اور ہم انہیں وارث بنائیں ○ اور ہم انہیں ملک کی سرزمین پر اقتدار عطا کریں اور ہم فرعون اور ہامان کو اور ان میں سے ان دونوں کے لشکر کو وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ خوف زدہ رہا کرتے تھے ○

بنی اسرائیل پر فرعون کے مظالم اور اللہ تعالیٰ کے احسان کا بیان

۱-۲- ﴿طٰسٓمّٓ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ﴾ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ ''بان الشیء'' اور ''ابان'' کہا جاتا ہے دونوں کا ایک معنی ہے کہ چیز ظاہر ہوگئی اور یہ کہا جاتا ہے کہ ''اَبَنْتُهٗ'' میں نے ظاہر کر دیا' لہٰذا ''ابان'' لازم اور متعدی دونوں طرح آتا ہے یعنی یہ ایسی کتاب کی آیتیں ہیں جس کی خیر و برکت عیاں ہے یا جو حلال و حرام اور وعد و وعید اور اخلاص و توحید بیان کرنے والی ہے۔

۳- ﴿نَتْلُوْا عَلَيْكَ﴾ ہم آپ پر پڑھیں گے' یعنی حضرت جبریل علیہ السلام ہمارے حکم سے آپ کو پڑھ کر سنائیں گے ﴿مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی خبر یعنی ہم آپ کو ان دونوں کی بعض خبریں پڑھ کر سنائیں گے [یہ ''نَتْلُوْ'' کا مفعول ہے] ﴿بِالْحَقِّ﴾ یہ حال ہے یعنی برحق و سچی ﴿لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لاتے ہیں (یعنی) ان لوگوں کے لیے جن کے بارے میں پہلے سے ہمارے علم میں طے ہو چکا ہے کہ وہ ایمان دار ہیں کیونکہ تلاوت صرف انہیں ایمان دار لوگوں کو فائدہ دیتی ہے' ان کے علاوہ (بے ایمانوں) کو نہیں۔

٤- ﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ بے شک فرعون زمین میں سرکش ہو گیا تھا۔ یہ الگ مستقل کلام ہے اور مجمل کی تفسیر کی طرح ہے' گویا کہنے والے نے کہا کہ ان دونوں کی خبر کیسی ہے؟ تو ارشاد فرمایا: بے شک فرعون زمین میں یعنی اپنی مملکت کی سرزمینِ مصر میں سرکش ہو گیا تھا اور وہ ظلم و ستم ڈھانے میں حد سے بڑھ گیا تھا یا اس نے تکبر اختیار کر لیا اور اپنی ذات پر فخر کرنے لگا اور عبودیت کو بھلا کر (خدائی دعویٰ کر لیا تھا) ﴿وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا﴾ اور اس نے وہاں کے رہنے والوں کے کئی گروہ بنا دیئے' وہ لوگ انہیں کاموں کو کرنے کے لیے پھیل جاتے تھے' جن کو فرعون چاہتا اور وہ لوگ فرعون کے اطاعت گزار بن چکے تھے' چنانچہ ان میں سے کوئی شخص یہ اختیار نہیں رکھتا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنی گردن بلند کر سکے یا اس نے لوگوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا' کسی گروہ کو عزت دار بنا دیا تھا اور کسی دوسرے گروہ کو ذلیل و کمی بنا کر رکھا ہوا تھا' سو اس نے اپنی قبطی قوم کو عزت دار قرار دے دیا تھا اور اسرائیلیوں کو ذلیل و خوار بنا دیا تھا ﴿يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ﴾ وہ ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کرنے لگا اور وہ بنی اسرائیل تھے ﴿يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ﴾ وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا اور ان کی لڑکیوں کو چھوڑ دیتا یعنی فرعون بنی اسرائیل کی بیٹیوں کو خدمت کے لیے زندہ چھوڑ دیتا اور بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کرنے کا سبب یہ تھا کہ کسی کاہن نے فرعون سے کہا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا' جس کے ہاتھ پر تیرا ملک تجھ سے چھن جائے گا اور یہ فرعون کی حماقت کی دلیل ہے' کیونکہ اگر کاہن سچا تھا تو وہ ہو کر رہنا تھا' پھر بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے سے کوئی فائدہ نہیں اور اگر وہ جھوٹا تھا تو پھر قتل کا کیا فائدہ [اور ''يَسْتَضْعِفُ''، ''جَعَلَ'' کی ضمیر سے حال ہے یا ''شِيَعًا'' کی صفت ہے یا پھر یہ مستقل الگ کلام ہے اور ''يُذَبِّحُ''، ''يَسْتَضْعِفُ'' سے بدل ہے] ﴿اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ بے شک وہ اس سرزمین پر فساد پھیلانے والوں میں سے تھا۔ بے شک ظلم و ستم کرنا اور ناحق قتل کرنا صرف فسادیوں کا عمل ہے کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں' نہ کاہن کا سچا ہونا معلوم ہو سکے گا اور نہ اس کے جھوٹا ہونے کا علم ہو سکے گا۔

۵- ﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ اور ہم چاہتے ہیں کہ ہم ان لوگوں پر احسان کریں' جن کو سرزمینِ مصر میں کمزور کر دیا گیا (یعنی) ہم ان پر فضل و کرم کریں اور یہ اصلح کے مسئلہ میں ہماری دلیل ہے[1] [اور یہ جملہ

[1] اور یہ کہ بندوں کے افعال نیک ہوں خواہ بد ہوں' سب اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ پر موقوف ہیں' سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' یہ نہیں کہ نیک افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہو اور بد افعال کے خالق اس کے بندے ہوں' جیسا کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے' البتہ اللہ تعالیٰ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

''اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ '' پر معطوف ہے کیونکہ یہ ''نَبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ '' کے لیے تفسیر اور اس کے لیے قصاص کے وقوع میں نظیر ہے یا ''يَسْتَضْعِفُ '' سے حال ہے یعنی فرعون تو انہیں کمزور کرنے لگا جب کہ ہم نے چاہا کہ ان پر احسان اور فضل کریں' اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی پورا ہو کر رہتا ہے تو اسے بنی اسرائیل کی کمزوری کے ساتھ مقارن کر دیا گیا] ﴿وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً﴾ اور ہم انہیں پیشوا و قائد بنا دیں جن کی اُمورِ خیر میں اقتداء کی جائے یا ہم انہیں خیر و بھلائی کی طرف دعوت دینے والا بنا دیں یا ہم انہیں حکمران بنا دیں یا انہیں بادشاہ بنا دیں ﴿وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ اور ہم انہیں وارث بنا دیں گے یعنی وہ فرعون کے اور اس کی قوم کے اور ان کے ملک کے اور ان کی ہر چیز کے وارث ہوں گے۔

٦- ﴿وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ﴾ اور ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں۔ ''مَكَّنَ لَهٗ '' اس وقت بولا جاتا ہے' جب کسی شخص کے لیے ایسی جگہ مقرر دی جائے جس میں اسے پوری طرح قدرت و اختیار حاصل ہو' جس طرح چاہے استعمال کرے' اس پر بیٹھے خواہ اس پر سوئے اور اب ''تَمْكِيْن '' کا معنی یہ ہوا کہ ہم انہیں اس زمین یعنی سرزمین مصر اور شام میں ایسا اقتدار عطا کریں گے' جس میں ان کے ساتھ کوئی شریک اقتدار نہیں ہوگا' صرف انہیں اس پر مسلط کیا جائے گا اور انہیں کا حکم نافذ ہوگا ﴿وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ﴾ اور ہم فرعون' ہامان اور ان کے لشکر کو ان کی طرف سے یعنی بنی اسرائیل کی طرف سے وہی چیز دکھا دیں گے' جس سے وہ ڈرتے تھے۔ ''يَحْذَرُوْنَ '' ''حذر '' سے مشتق ہے اور ''حذر '' کا معنی ہے: نقصان دِہ اور ضرر رساں چیز سے اپنا بچاؤ کرنا [''نُرِىَ '' میں نون مضموم ہے اور فرعون اور اس کا مابعد مفعول کی بناء پر منصوب ہے (ترجمہ اسی کے مطابق ہے) اور ایک قراءت میں ''يَا '' کے ساتھ ''يَرٰى '' پڑھا گیا ہے' اس صورت میں ''فرعون '' اور اس کا مابعد فاعل کی بنا پر مرفوع ہوگا اور یہ قراءت حمزہ اور علی کسائی کی ہے' اب ترجمہ یہ ہوگا کہ ان کو بنی اسرائیل کی وہی چیز دکھا دی جائے جس سے انہیں ڈر لگا ہوا تھا کہ ان کا ملک چھن جائے گا اور انہیں بنی اسرائیل کے ایک بچہ کے ہاتھوں ہلاک کر دیا جائے گا اور ''يَرٰى '' اپنے ماقبل منصوب پر معطوف ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب بھی ہوسکتا ہے جیسے نون کی قراءت میں ہے یا الگ مستقل جملہ ہونے کی بناء پر مرفوع بھی ہوسکتا ہے اور ''مِنْهُمْ '' ''نَرٰى '' کے ساتھ متعلق ہے ''يَحْذَرُوْنَ '' کے ساتھ متعلق نہیں ہے کیونکہ صلہ اپنے موصول سے مقدم نہیں ہوسکتا]۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ
وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷﴾ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ
لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۸﴾ وَقَالَتِ امْرَاَتُ
فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ
لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِىْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کی رضا صرف نیک افعال میں ہے۔ غوثوی مہاروی

عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑩

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی ماں کی طرف الہام فرمایا کہ اسے دودھ پلاؤ' پھر جب اس کے بارے میں تجھے کوئی خطرہ لاحق ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور بالکل نہ ڈرنا اور نہ غم کرنا' بے شک ہم اسے تیرے پاس واپس لے آئیں گے اور ہم اسے رسولوں میں سے (ایک رسول) بنائیں گے O سو فرعون کے کارندوں نے اسے اٹھا لیا تاکہ وہ ان کا دشمن اور غم کا باعث ہو جائے' بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر خطا کار تھے O اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ (یہ بچہ) میرے لیے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے' اسے قتل نہ کرو' شاید وہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں اور وہ بے خبر تھے O موسیٰ (علیہ السلام) کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا بے شک قریب تھا کہ وہ اسے ظاہر کر دیتی اگر ہم نے اس کے دل کو مضبوط نہ کیا ہوتا تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے O

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت و تربیّت کا بیان

۷- ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى﴾ اور ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف خفیہ پیغام بھیجا' الہام کے ذریعے یا خواب کے ذریعے یا فرشتے کی خبر دینے کے ذریعے جیسا کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے ہوا تھا اور یہ رسالت کی وحی نہیں تھی' اس لیے کہ وہ رسول نہیں ﴿اَنْ اَرْضِعِيْهِ﴾ کہ تم اسے دودھ پلاؤ [''اَنْ'' بہ معنی ''اَیْ'' ہے یا ''اَنْ'' مصدریہ ہے] ﴿فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ﴾ پھر جب تمہیں اس کے متعلق خطرہ لاحق ہو جائے کہ پڑوسی اس کی آواز سن لیں اور اس کے متعلق چغلی کر کے شکایت کر دیں ﴿فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ﴾ تو تم اسے دریا میں ڈال دینا' بعض مفسرین نے بیان کیا کہ وہ مصر کا دریائے نیل ہے ﴿وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ﴾ اور تم اس کے ڈوبنے اور اس کے ضائع ہونے کا بالکل خوف نہ کرنا اور نہ اس کی جدائی پر غم کرنا ﴿اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ﴾ بے شک ہم اسے تمہارے پاس لطیف طریقہ سے واپس لے آئیں گے تاکہ تم اس کی تربیت کر سکو ﴿وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور ہم اسے رسولوں میں سے (رسول) بنائیں گے' اور اس آیت مبارکہ میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے اور دو چیزوں سے منع کیا گیا ہے اور دو خبریں سنائی گئی ہیں اور دو خوشخبریاں سنائی گئی ہیں اور خوف اور حزن میں یہ فرق ہے کہ خوف وہ غم ہوتا ہے جو آنے والے متوقع خطرناک معاملہ پر انسان کو لاحق ہوتا ہے (جیسے گناہوں پر عذابِ دوزخ کا غم) اور حزن وہ غم ہوتا ہے جو کسی گزشتہ افسوس ناک معاملہ پر انسان کو لاحق ہوتا ہے (جیسے ماضی کی کوتاہیوں پر غم) سو ان دونوں سے منع کیا گیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بخیر و عافیت والدہ کے پاس واپس لانے اور انہیں رسول مقرر کرنے کی خوشخبریاں سنائی گئیں۔

ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نوّے (۹۰) ہزار بچوں کو قتل کرا دیا تھا اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دردِ زہ شروع ہوا تو جو دائیاں بنی اسرائیل کی حاملہ عورتوں کی نگرانی پر مقرر تھیں' ان میں سے ایک دائی حضرت موسیٰ کی والدہ کی مخلص و محبت کرنے والی سہیلی تھی' جس کو انہوں نے بلا کر ساری حقیقت بتائی تو اس نے بڑی رازداری کے ساتھ ساری کارروائی پوری کی اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوتے ہی زمین پر تشریف لائے تو ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان جو نور نکلا' اس سے وہ دائی حیران و ششدر رہ گئی اور فوراً اس کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت موجزن ہو گئی' چنانچہ اس دائی نے کہا کہ میں تمہارے پاس صرف اس لیے آئی تھی کہ میں تمہارے اس بچے کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دوں گی اور جا کر فرعون کو بتا دوں گی لیکن میں نے اپنے دل

میں تمہارے اس بیٹے کی محبت اس قدر پالی ہے کہ اتنی محبت کسی کے لیے میں نے اپنے دل میں نہیں پائی' پس اب تم اسے حفاظت سے اپنے پاس رکھو' پھر جب یہ دائی باہر نکل کر چلی گئی تو فرعون کی جاسوس پولیس آ گئی تو آپ کی والدہ نے آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹا اور جلتے ہوئے تنور میں رکھ دیا' اسے معلوم ہی نہ ہو سکا کہ وہ کیا کر رہی ہے کیونکہ اس وقت شدتِ خوف کی وجہ سے اس کی عقل وخرد جواب دے گئی اور اسے کچھ ہوش نہ رہا کہ وہ کیا کر رہی ہے' بہر حال پولیس نے بہت تلاش کیا مگر کچھ نہ پایا تو وہ گھر سے باہر نکل گئے اور پریشانی کی وجہ سے حضرت موسیٰ کی والدہ کو معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کس جگہ ہیں' پھر جب تنور سے آپ کے رونے کی آواز انہوں نے سنی تو اس طرف دوڑ کر گئیں اور آپ کو صحیح سلامت اٹھا لیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تنور کی آگ کو حضرت موسیٰ پر ٹھنڈا اور سلامتی والا بنا دیا تھا' پھر جب فرعون نے بچوں کی تلاش میں اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف الہام فرمایا کہ اپنے بیٹے کو دریا میں ڈال دے' چنانچہ انہوں نے جو تین مہینے تک آپ کو دودھ پلا چکی تھیں' اس کے بعد اس الہام کی بناء پر اپنے بیٹے حضرت موسیٰ کو ایک محفوظ صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا۔

۸- ﴿فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ﴾ تو اسے فرعون کی آل نے اٹھا لیا۔ علامہ زجاج نے کہا کہ فرعون اہل فارس میں سے تھا اور اصطخر سے تعلق رکھتا تھا ﴿لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا﴾ تاکہ وہ ان کا دشمن ہو یعنی آخر کار انجام یہی ہوگا' یہ معنی نہیں کہ انہوں نے اسے اس لیے اٹھایا تھا کہ وہ ان کا دشمن بنے گا' جیسے مرنے والے کے لیے کہتے ہیں کہ اس کی والدہ اسے نہ جنتی حالانکہ والدہ نے اس لیے نہیں جنا کہ اس کا بیٹا مر جائے گا لیکن اس کا انجام کار یہی ہوا۔ زجاج نے اسی طرح کہا ہے اور اسی وجہ سے مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ لام عاقبت وصیر ورت کا ہے اور صاحبِ ''کشاف'' نے کہا کہ یہ لام بہ معنی ''کَیْ'' ہے' جس کا معنی تعلیل بیان کرنا ہے' جیسے تمہارا یہ قول ہے کہ ''جِئْتُكَ لِتُكْرِمَنِیْ'' میں تمہارے پاس آیا ہوں تاکہ تم میری عزت کرو' لیکن اس آیتِ کریمہ میں تعلیل کا معنی بہ طریق مجاز وارد ہوا ہے' یہ اس لیے کہ فرعونیوں کی طرف سے حضرت موسیٰ کے اٹھانے کے نتیجے کو اس سبب کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جس کی وجہ سے فاعل اپنا فعل سرانجام دیتا جیسا کہ قول میں عزت واحترام کو آنے کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے ﴿وَّحَزَنًا﴾ اور باعثِ غم ہو [حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''حُزْنًا'' میں ''حا'' پر زبر کی بجائے پیش ہے اور ''زا'' پر زبر کی بجائے جزم ہے یعنی ''حُزْنًا'' ہے اور یہ دو لغتیں ہیں جیسے ''عُدْمٌ'' اور ''عَدَمٌ'' ہے] ﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِیْنَ﴾ بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر خطا کار تھے' یعنی وہ لوگ گناہ گار تھے' سو اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی کہ انہوں نے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی اور وہی ان کی ہلاکت کے سبب بن گئے یا یہ معنی ہے کہ فرعونی ہر چیز میں خطا کار و گناہ گار تھے' لہٰذا ان کا اپنے دشمن کی پرورش کرنا' ان کی طرف سے کوئی انوکھی غلطی نہیں تھی۔

۹- ﴿وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَلَكَ﴾ اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ (یہ بچہ) میرے لیے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ مروی ہے کہ جب انہوں نے حضرت موسیٰ کا صندوق نکالا تو انہوں نے اسے کھولنے کی بہت کوشش کی' مگر وہ اس کو نہ کھول سکے' پھر انہوں نے اسے توڑنے کی کوشش کی لیکن اس سے بھی عاجز آ گئے' پھر آسیہ (فرعون کی بیوی) اس تابوت کے قریب آئی اور اس نے تابوت کے درمیان میں جھانک کر دیکھا تو اسے اندر سے نور نظر آیا تو اس نے اسے کھولنے کی کوشش کی تو اسے کھول لیا تو اچانک ایک بچہ مل گیا' جس کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور چمک رہا تھا' پس سب اس پر عاشق ہو گئے اور فرعون کی ایک بیٹی تھی' جو برص کی بیماری میں مبتلا تھی۔ جب اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا تو شفایاب ہو گئی۔ یہ دیکھ کر فرعون کی قوم کے سرکش کارندوں نے کہا: یہ وہی بچہ ہے جس سے ہم

خوف زدہ رہتے ہیں' لہٰذا ہمیں اس کو قتل کرنے کی اجازت دی جائے' چنانچہ فرعون نے اس کا ارادہ کیا تو آسیہ نے کہا: "قُرَّةُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ" یہ بچہ میرے لیے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے' تو فرعون نے جواب میں کہا: تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے لیے کوئی ٹھنڈک نہیں ہے اور حدیث شریف میں ہے: اگر فرعون اپنی بیوی آسیہ کی طرح حضرت موسیٰ کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دے دیتا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور ہدایت دے دیتا' جیسا کہ آسیہ کو ہدایت عطا کی[1]

اور یہ بر سبیل فرض ہے یعنی اگر آسیہ کی طرح اس کے دل پر مہر نہ لگی ہوتی تو وہ بھی اسی طرح کہتا' جس طرح آسیہ نے کہا اور وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا کر اسلام میں داخل ہو جاتا' جس طرح آسیہ ایمان لا کر مسلمان ہو گئی تھی ["قرة عين" مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی "هو قرة عين" اور "لِي" اور "لَكَ" دونوں "قرة" کی صفتیں ہیں] ﴿لَا تَقْتُلُوْهُ﴾ اس کو قتل نہ کرو۔ آسیہ نے فرعون کو بادشاہوں کے آداب کے مطابق جمع کے ساتھ مخاطب کیا یا پھر گمراہ و سرکش کارندوں کو مخاطب کیا ﴿عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ﴾ ممکن ہے کہ وہ ہمیں نفع پہنچائے کیونکہ اس میں برکت کی علامات اور نفع کے دلائل پائے جاتے ہیں اور یہ اس لیے کہا کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں کے درمیان نور کو دیکھا تھا اور اس نے برص کی لاعلاج بیمار بیٹی کو شفایاب ہوتے دیکھا تھا ﴿اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ یا ہم اسے بیٹا بنالیں یا ہم اس کو اپنا لے پالک بیٹا بنالیں کیونکہ یہ اس کا اہل ہے کہ بادشاہ کا بیٹا ہو ﴿وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ بے شعور لوگ تھے [یہ حال ہے اور اس کا ذوالحال "ال فرعون" ہے اور کلام کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: "فَالْتَقَطَهٗ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ كَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ" وہ لوگ حضرت موسیٰ کو اٹھانے میں اور اس سے نفع کی امید رکھنے اور اسے منہ بولا بیٹا بنانے میں یقیناً بہت بڑی غلطی پر تھے اور "اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ الخ" معطوف اور معطوف کے درمیان جملہ معترضہ واقع ہوا ہے' ان کے خطا کار ہونے کے معنی کی تاکید کرنے کے لیے اور یہ کلام اصحاب معانی و بیان کے نزدیک کس قدر حسن نظم پر مشتمل ہے]۔

۱۰۔ ﴿وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا﴾ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل عقل سے خالی ہو گیا کیونکہ جب انہوں نے سنا کہ حضرت موسیٰ فرعون کے ہاتھ میں پہنچ گئے تو شدتِ خوف و گھبراہٹ سے دہشت زدہ ہو گئیں اور اتنی زیادہ پریشان ہو گئیں کہ ہوش و خرد قائم نہ رہ سکے ﴿اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ﴾ بے شک قریب تھا کہ وہ اس کو ظاہر کر دیتیں۔ "بہ" کی ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے معاملہ اور ان کے قصہ کو ظاہر کر دیتیں اور بتا دیتیں کہ حضرت موسیٰ اسی کا بیٹا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ جب انہوں نے دیکھا کہ دریا کی موجیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صندوق کے ساتھ کھیلتے ہوئے اسے تیزی سے بہا کر لے جا رہی ہیں تو قریب تھا کہ چیخ پڑتیں اور کہہ دیتیں: اے میرے بیٹے! ہائے افسوس! اور بعض نے فرمایا: جب اس نے سنا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ کے تابوت کو پکڑ لیا ہے تو اسے اپنے بیٹے کے قتل ہو جانے میں کوئی شک و شبہہ نہ رہا تو اس وقت قریب تھا کہ باآوازِ بلند کہہ دیتیں: ہائے افسوس! اے میرے بیٹے! محض ان پر شفقت و محبت کی بناء پر ["اِنْ كَادَتْ" میں "اِنْ" ثقیلہ سے مخفف کیا گیا ہے "اَيْ اِنَّهَا كَادَتْ"] ﴿لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا﴾ اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کرتے۔ "رَبَطَ مَا عَلٰى قَلْبٍ" کا مطلب ہے: دل کو الہام کے ذریعے صبر کے ساتھ مضبوط کرنا ﴿لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے اور ہمارے وعدہ کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو جائیں اور وہ وعدہ یہ ہے کہ بے شک ہم حضرت موسیٰ کو دوبارہ تمہارے پاس واپس لائیں گے اور "لَوْ لَا" کا جواب محذوف ہے "اي لابدته" یعنی البتہ وہ اس کو ظاہر کر دیتی یا غم سے فارغ ہو جاتی' جب وہ یہ بات

[1] قال الحافظ: ہذا الطرف من الفتون الطویل' اخرجہ النسائی' حاشیۃ الکشاف ج ۳ ص ۳۹۴

سنتی کہ فرعون نے حضرت موسیٰ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا ہے‘ بے شک وہ یہ ظاہر کر دیتی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا بیٹا ہے کیونکہ یہ خوشخبری سن کر خوشی و مسرت کے سبب اپنے آپ پر ضبط نہ کر سکتی‘ اگر ہم اس کے دل کو مطمئن نہ کرتے اور اگر ہم اس کی گھبراہٹ و پریشانی کو جو اسے شدتِ فرحت و مسرت کی وجہ سے لاحق ہو گئی تھی‘ دور نہ کرتے اور اس کے دل کو سکون نہ پہنچاتے تا کہ وہ ان ایمان داروں میں سے ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر پورا بھروسا اور اعتماد رکھنے والے ہوتے ہیں‘ محض فرعون کے منہ بولا بیٹا بنانے سے نہیں۔ حضرت یوسف بن الحسین نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ کی والدہ کو دو چیزوں کا حکم دیا گیا‘ دو چیزوں سے منع کیا گیا اور دو چیزوں کی بشارت دی گئی‘ مگر ان تمام چیزوں نے اسے نفع نہیں دیا یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ اس کا متولی بنا اور اس کے دل کو مضبوط کیا اور اسے سکون پہنچایا۔

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ٘ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝۱۱ وَحَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤی اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝۱۲ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤی اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۱۳ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤی اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝۱۴

اور (حضرت موسیٰ کی ماں نے) اس کی بہن سے کہا کہ تو اس کے پیچھے پیچھے چلی جا‘ سو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور انہیں علم نہ ہوا O اور ہم نے اس سے پہلے اس پر دودھ پلانے والیوں کو حرام کر دیا‘ سو اس نے کہا کہ کیا میں ایسے گھر والوں پر تمہاری رہنمائی کروں جو تمہارے لیے اس کی تربیت کریں اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں O سو ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے اور تا کہ وہ جان لے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے O اور جب وہ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ گیا اور وہ توانا و مستحکم ہو گیا تو ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو صلہ دیتے ہیں O

۱۱- ﴿وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ﴾ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے اس کی بہن مریم سے کہا کہ تو حضرت موسیٰ کے بہتے ہوئے صندوق کے پیچھے پیچھے چلی جا تا کہ تجھے اس کی خبر کا علم ہو سکے ﴿فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ﴾ سو وہ ایک طرف ہو کر دور دور سے اسے دیکھتی رہتی [”عَنْ جُنُبٍ“ بہ معنی ”عَنْ بُعْدٍ“ ہے اور یہ ”بِهٖ“ کی ضمیر سے حال ہے یا پھر ”بَصُرَتْ“ کی پوشیدہ ضمیر سے حال ہے] ﴿وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ یہ نہ جان سکے کہ یہ لڑکی حضرت موسیٰ کی بہن ہے۔

۱۲- ﴿وَحَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ﴾ اور ہم نے اس پر دودھ پلانے والیوں کو حرام کر دیا۔ یہاں ”تحریم“ بہ معنی منع ہے‘ شریعت کی حرمت مراد نہیں ہے یعنی ہم نے حضرت موسیٰ کو منع کر دیا اور انہیں روک دیا کہ اپنی ماں کے دودھ کے علاوہ کسی عورت کا دودھ نہیں پینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی دودھ پلانے والی عورت کا دودھ نہیں پیتے تھے‘ یہاں تک کہ اس رویہ نے انہیں مغموم کر دیا [اور ”مَرَاضِعَ“، ”مُرْضِع“ کی جمع ہے اور یہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جو دودھ پلاتی ہو یا یہ ”مَرْضَع“ کی جمع ہے اور اس سے ظرف مکان دودھ کی جگہ یعنی پستان مراد ہے یا دودھ پلانا مراد ہے] ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ حضرت موسیٰ کی

بہن کے اس کے صندوق کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے سراغ لگانے سے پہلے دودھ حرام کر دیا گیا تھا یا یہ کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ کے پاس واپس لوٹانے سے پہلے غیر عورت کا دودھ پینا حرام کر دیا تھا ﴿ فَقَالَتْ ﴾ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ فرعون کے گھر میں داخل ہو کر دودھ پلانے والی دائیوں کے درمیان پہنچ گئی اور اس نے آپ کو دیکھا کہ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے ﴿ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ ﴾ کیا میں ایسے گھر والوں پر تمہاری رہنمائی و رہبری کروں جو ان کی یعنی حضرت موسیٰ کی کفالت و تربیت کریں ﴿ لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴾ تمہارے لیے اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں۔ ''نصح'' کا معنی ہے: فساد کی ملاوٹ سے پاک اور خالص عمل۔ مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے ''وَهُمْ لَهٗ نَاصِحُوْنَ'' کہا تو ہامان نے کہا: یہ لڑکی اس بچے کو جانتی ہے اور اس کے گھر والوں کو بھی جانتی ہے' لٰہذا اس کو پکڑ لو یہاں تک کہ وہ اس بچے کا پورا واقعہ بیان کرے' پس اس نے جواب میں کہا کہ میرا مطلب تو یہ ہے کہ وہ لوگ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں' پھر وہ اپنی ماں کے پاس چلی گئی اور اسے ان کے بارے میں بتایا اور اسے لے کر آ گئی اور اس وقت بچہ فرعون کے ہاتھوں میں تھا اور وہ اسے شفقت کی بناء پر بہلا رہا تھا جب کہ وہ دودھ کی طلب میں رو رہے تھے' پھر جب انہوں نے اپنی ماں کی خوشبو محسوس کی تو اس سے مانوس ہو گئے اور اس کی چھاتی سے چمٹ کر دودھ پینا شروع کر دیا' سو فرعون نے یہ حالت دیکھ کر ماں سے پوچھا کہ تم اس بچہ کی کیا ہو؟ کیونکہ اس بچہ نے تمہارے سوا کسی عورت کا دودھ نہیں پیا' حضرت موسیٰ کی والدہ نے فرمایا: بے شک میں پاک خوشبو اور پاک دودھ والی عورت ہوں' اس لیے ہر بچہ میرا دودھ قبول کر لیتا ہے تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی ماں کے سپرد کر دیا اور اس کا وظیفہ مقرر کر دیا اور وہ اپنے بیٹے کو لے کر اپنے گھر چلی گئیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے واپس کرنے کا اپنا وعدہ پورا کر دیا' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے نزدیک یہ بات ثابت ہو گئی اور اس کے علم میں مستحکم ہو گئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی ہوں گے اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ (درج ذیل) ارشاد فرمایا:

۱۳- ﴿ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا ﴾ سو ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس لوٹا دیا تا کہ اپنے بیٹے کے ساتھ قیام کرنے سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں ﴿ وَ لَا تَحْزَنَ ﴾ اور وہ اپنے بیٹے کی جدائی میں غم نہ کریں ﴿ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ اور تا کہ وہ جان لیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے یعنی تا کہ اس کا علم مشاہدہ سے ثابت ہو جائے' جس طرح کہ وہ خبر سے جانتی تھی [اور یہ ارشادِ باری تعالیٰ ''وَلَا تَحْزَنْ''، ''تَقِرَّ'' پر معطوف ہے] اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے لیے روزانہ ایک دینار فرعون سے لینا اس لیے جائز اور حلال تھا کہ یہ حربی کافر کا مال تھا' اپنے بیٹے کو دودھ پلانے کی اجرت نہیں تھی' جیسا کہ امام سدی نے فرمایا ﴿ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے کہ یہ حضرت کی والدہ کے علم میں شامل ہے یعنی تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ جان لیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے' لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے' سو وہ تو شک کرتے ہیں اور اس تعریض کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف سے پائی جانے والی کوتاہی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے جب حضرت موسیٰ کی فرعون کے پاس پہنچنے کی خبر سنی تو بہت سخت گھبرا گئیں (حالانکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر مطمئن رہنا چاہیے تھا)۔

۱۴- ﴿ وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ ﴾ اور جب وہ اپنی پوری جوانی کو پہنچ گئے (یعنی) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قوت و طاقت کی انتہا کو پہنچ گئے اور عقل تمام و مکمل ہو گئی [اور یہ ''شدة'' کی جمع ہے جیسا کہ سیبویہ کے نزدیک ''نعمة'' کی جمع ''انعم'' ہے] ﴿ وَ اسْتَوٰۤى ﴾ اور وہ توانا ہو گئے (یعنی) وہ معتدل ہو گئے اور ان کا استحکام پورا ہو گیا اور وہ چالیس سال کی عمر ہے اور

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر نبی چالیس سال پورے ہونے پر نبی بنا کر بھیجا جاتا ہے[ل] ﴿اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ ہم نے اسے حکم (یعنی) نبوت اور علم (یعنی) فقہ (دین کی سمجھ) عطا فرمائی یا دین و دنیا کی مصلحتوں کا علم عطا فرمایا ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو صلہ دیتے ہیں یعنی جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت کے ساتھ احسان کا سلوک کیا ہے اسی طرح ہم مؤمنوں کے ساتھ بھی احسان کا سلوک کریں گے۔ علامہ زجاج نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت کی عطا کو نیکی کرنے کا صلہ قرار دیا ہے کیونکہ یہ دونوں جنت میں پہنچاتے ہیں جو نیکوکاروں کا صلہ ہے اور

ل واضح رہے کہ خود صاحب "مدارک" نے سورۂ مریم: ۳۰ میں "وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا" "کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا ہے" کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کی گود میں بھی نبی تھے اور ماں کی گود میں حضرت عیسیٰ کا کلام کرنا ان کا معجزہ تھا (یعنی نبوت بچپن میں ہی مل چکی تھی' البتہ رسالت تیس سے پینتیس سال کے دوران ملی تھی) چنانچہ تفسیر "تبیان القرآن" میں لکھا ہے کہ اس (چالیس سال والی) روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے: مجھے یہ روایت نہیں ملی۔ (الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف ج ۳ ص ۳۹۷) علامہ احمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت عطا کی "وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا" (مریم: ۱۲) "اور ہم نے ان کو بچپن میں نبوت عطا کی"۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا اور چالیس کی عمر میں آسمانوں پر اٹھایا گیا' اس لیے چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کرنے یا مبعوث کیے جانے کا حکم تغلیبی ہے (یعنی یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے' اکثریہ ہے)۔ (عنایۃ القاضی ج ۷ ص ۲۸۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ) علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا کہ انبیاء کو مبعوث کرنے کے لیے چالیس سال کی عمر کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے' کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس سال کی عمر میں نبی بنایا گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اٹھارہ سال کی عمر میں (جب ان کو کنویں میں گرایا گیا تھا) نبی بنایا گیا تھا کیونکہ اس وقت ان پر یہ وحی کی گئی تھی: "وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ" (یوسف: ۱۵) "اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ (گھبراؤ نہیں) عنقریب تم ان کو ان کے اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو اس کی خبر بھی نہیں ہو گی"۔

جمہور علماء کے نزدیک یہ وحی نبوت تھی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بالغ ہونے سے پہلے نبوت دی گئی۔ (روح البیان ج ۶ ص ۴۹۸' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ) پھر اگلے صفحہ پر لکھا ہے: ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدائشی نبی ہیں بلکہ آپ کو پیدائش سے بھی پہلے نبی بنا دیا گیا تھا' حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: اس وقت حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۹' المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۳۰' سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ للالبانی رقم الحدیث: ۱۸۵۶) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم اپنی مٹی کے خمیر میں تھے اور میں عنقریب تم کو اپنی ابتداء کے متعلق بتاؤں گا' (میں) حضرت ابراہیم کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ نظارہ ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا' ان کے لیے ایک نور نکلا جس سے ان کے لیے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۲۶' مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۷' المعجم الکبیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۲۵۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۳۶۵' دلائل النبوت للبیہقی ج ۱ ص ۱۹' البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۹۰ طبع جدید) نوٹ: (ماخوذ از "تفسیر تبیان القرآن" جلد ہشتم ص ۷۸۳ تا ۷۸۵' فرید بک سٹال' لاہور)

دانا عالم وہ ہے' جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ'' (البقرہ: ۱۰۲) ''اور البتہ وہ بہت بُرا ہے جس کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو فروخت کر دیا کاش! وہ جانتے''۔ سو اللہ تعالیٰ نے انہیں جاہل قرار دیا ہے کیونکہ انہوں نے علم پر عمل نہیں کیا۔

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور وہ (حضرت موسیٰ) شہر میں اس وقت داخل ہوئے جب اس کے باشندے غافل تھے' سو انہوں نے اس میں دو مردوں کو لڑتے ہوئے پایا' یہ (ایک) ان کی قوم میں سے تھا اور یہ (دوسرا) ان کے دشمنوں میں سے تھا' سو جو آدمی اس قوم میں سے تھا اس نے اس سے اس کے خلاف مدد چاہی جو اس کے دشمنوں میں سے تھا تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کو مکا مارا' پس اس پر قضائے الٰہی جاری کر دی' فرمایا: یہ شیطان کے عمل سے ہے' بے شک وہ کھلم کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے O اس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک میں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے' سو تو مجھے بخش دے' پس اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا' بے شک وہ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O عرض کیا: اے میرے پروردگار! تو نے مجھ پر جو انعام فرمایا ہے اس کی وجہ سے اب میں مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا O

۱۵- ﴿وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ﴾ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں یعنی مصر کے شہر میں داخل ہوئے ﴿عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا﴾ اس وقت وہاں کے رہنے والے غفلت و بے خبری میں تھے [یہ ضمیرِ فاعل سے حال ہے] یعنی پوشیدہ طور پر چھپ کر شہر میں داخل ہوئے اور وہ مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت تھا' یا وہ قیلولہ کرنے کا وقت تھا یعنی دن میں دوپہر کے وقت داخل ہوئے' اس وقت لوگ سو رہے تھے اور بعض علماء نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہو گئے اور کامل عقل مند ہو گئے تو لوگوں کو حق بات کہنا شروع کر دی اور بُرائی سے روکنا اور اس سے نفرت کا اظہار شروع کر دیا تو لوگوں نے آپ کو ڈرایا دھمکایا' جس کی وجہ سے شہر میں اس وقت داخل ہوئے جب لوگ غافل ہو چکے تھے ﴿فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ﴾ سو حضرت موسیٰ نے اس شہر میں داخل ہوتے وقت دو مردوں کو آپس میں لڑتے ہوئے پایا' یہ ایک ان کی قوم میں سے تھا (یعنی) وہ بنی اسرائیل میں سے تھا' جو آپ کے دین پر آپ کی اتباع اور پیروی کرتے تھے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ شخص سامری تھا ﴿وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ﴾ اور یہ دوسرا شخص ان کے دشمنوں میں سے تھا (یعنی) دوسرا آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالفین قوم قبط سے تھا (جو فرعون کی قوم تھی) اور اس کا نام فاتون تھا اور بعض نے فرمایا کہ اگرچہ وہ دونوں لڑنے والے آدمی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ اقدس میں موجود نہیں تھے لیکن ان کے بارے میں ''هٰذَا وَهٰذَا'' صرف بہ طورِ حکایت بیان کیے گئے یعنی جب دیکھنے والا ان دونوں کی طرف دیکھے گا تو یہی کہے گا کہ یہ شخص حضرت موسیٰ کی قوم میں

سے ہے اور یہ شخص حضرت موسیٰ کے دشمنوں میں سے ہے ﴿ فَاسْتَغَاثَهُ ﴾ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی (یعنی) اس سے مدد طلب کی ﴿ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَى الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى ﴾ اس شخص نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا' اس شخص کے خلاف جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں میں سے تھا' سو حضرت موسیٰ نے اس کو گھونسا مارا (یعنی) انگلیوں کو اپنی ہتھیلی کے ساتھ ملا کر (مکا) مارا یا اپنی انگلیوں کے اطراف مارے ﴿ فَقَضٰى عَلَیْهِ ﴾ پس اس پر قضا جاری کردی اور اسے قتل کر دیا ﴿ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ﴾ حضرت موسیٰ نے فرمایا: یہ شیطان کے عمل سے ہے۔ ''هٰذَا'' سے اس قتل کی طرف اشارہ ہے جو بغیر ارادہ (محض سمجھانے کے لیے مکا مارنے سے) حاصل ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کافر کے قتل کو شیطان کے عمل میں سے قرار دیا اور اس کو اپنی جان پر ظلم و زیادتی قرار دیا اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش مانگی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ کو فرعونیوں میں امن حاصل تھا اور اس صورت میں کافر حربی کا قتل جائز نہیں تھا یا اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے قتل کی اجازت ملنے سے پہلے اس کو قتل کر دیا تھا اور حضرت ابن جریج سے منقول ہے کہ کسی نبی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کو قتل کر دے' جب تک اسے حکم نہ دیا جائے [1] ﴿ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ ﴾ بے شک وہ (شیطان) کھلم کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے' جس کی عداوت و دشمنی عیاں اور ظاہر ہے۔

١٦- ﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ﴾ حضرت موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک میں نے اپنی جان پر ایک ایسے فعل کے ساتھ زیادتی کی ہے' جس کے سبب قتل ہو گیا' اصل میں ''یَا رَبِّ'' ہے ﴿ فَاغْفِرْ لِیْ ﴾ پس تو میرے لیے میری خلافِ اولیٰ کوتاہی کو بخش دے ﴿ فَغَفَرَ لَهٗ ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی ظاہری تقصیر کو بخش دیا ﴿ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ ﴾ بے شک وہ تقصیرات کو بہت مٹانے والا اور انہیں بہت بخشنے والا ہے ﴿ الرَّحِیْمُ ﴾ ندامت و شرمندگی کو زائل کرنے کے لیے بے حد مہربان ہے۔

١٧- ﴿ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! چونکہ تو نے مجھ پر بہت بڑا انعام کیا ہے' سو اب میں مجرموں کا ہرگز مددگار نہیں بنوں گا (یعنی) کافروں کا مددگار نہیں بنوں گا۔ ''ظَهِیْرًا'' بہ معنی ''مُعِیْنًا'' (مددگار) ہے اور مجرمین سے کافرین مراد ہیں [اور ''بِمَا اَنْعَمْتَ عَلَیَّ'' قسم ہے' اس کا جواب محذوف ہے جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اُقْسِمُ بِاِنْعَامِكَ عَلَیَّ بِالْمَغْفِرَةِ لَاَتُوْبَنَّ'' مجھے تیرے اس انعام کی قسم جو تو نے میری مغفرت و بخشش فرما کر مجھ پر کیا ہے! میں ضرور توبہ کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع رکھتا ہوں]' سو اب میں مجرموں کی مدد نہیں کروں گا یا طلب رحمت ہے گویا حضرت موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! اس حق کے

---

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ کلام (یعنی ''هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ'') بہ طریقِ تواضع ہے کیونکہ آپ سے کوئی معصیت (جرم) سرزد نہیں ہوئی اور انبیاء معصوم ہیں' ان سے گناہ نہیں ہوتے۔ قبطی کا مارنا آپ کا دفعِ ظلم اور مظلوم کی امداد تھی' یہ کسی ملت میں بھی گناہ نہیں' پھر بھی اپنی طرف تقصیر کی نسبت کرنا اور استغفار کرنا' یہ مقربین کا دستور ہی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں تاخیر اولیٰ (اور بہتر) تھی' اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ترکِ اولیٰ کو ظلم و زیادتی فرمایا اور اس پر حق تعالیٰ سے مغفرت طلب کی۔ (خزائن العرفان ص ۶۵۴' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور) نیز علامہ خازن نے لکھا ہے کہ ''هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ'' میں اشارہ مقتول کے عمل کی طرف ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنے عمل کی طرف نہیں ہے یعنی قبطی کا بنی اسرائیل پر ظلم و زیادتی کرنا' یہ شیطان کا عمل ہے۔
(تفسیر خازن جزء ۳ ص ۴۲۷' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر)

ذریعے جو تو نے مغفرت و بخشش کی صورت میں مجھ پر انعام فرمایا' تو میری عصمت کی حفاظت فرما' سو اگر تو نے میری عصمت کی حفاظت کی تو میں مجرموں کا کبھی مددگار نہیں بنوں گا اور مجرموں کی مدد سے فرعون کی صحبت اور اس کے انتظامی اُمور میں شرکت اور اس کی جماعت میں شمولیت سے اضافہ کرنا مراد ہے کیونکہ آپ اس کی سواری کے ساتھ سوار ہوتے' جیسے بیٹا باپ کے ساتھ ہوتا ہے۔

فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآىِٕفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَاۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤى اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ﳓ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَ مَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾ وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰى٘ قَالَ یٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآىِٕفًا یَّتَرَقَّبُ٘ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۠ ﴿۲۱﴾

ع ۲ ۵

پھر موسیٰ (علیہ السلام) نے اس شہر میں ڈرتے (اور) انتظار کرتے ہوئے صبح کی' سو اچانک دیکھا کہ جس شخص نے گزشتہ کل اس سے فریاد کی تھی وہی اس سے فریاد کر رہا ہے' موسیٰ (علیہ السلام) نے اس سے فرمایا: بے شک تو صریح گمراہ ہےO سو جب آپ نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو مضبوطی سے پکڑ لیں جو ان دونوں کا دشمن ہے' تو اسرائیلی نے کہا: اے موسیٰ! کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح تم نے گزشتہ کل ایک شخص کو قتل کیا' تم تو نہیں چاہتے مگر یہ کہ تم زمین پر زبردست جابر بن جاؤ اور تم نہیں چاہتے کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو جاؤO اور ایک شخص شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا آیا' (اور) کہنے لگا: اے موسیٰ! بے شک درباری سردار تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں تاکہ تمہیں قتل کر دیں' سو تم یہاں سے نکل جاؤ بے شک میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوںO پس موسیٰ (علیہ السلام) اس شہر سے ڈرتے (اور) انتظار کرتے ہوئے نکلے' عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے ظالموں کی قوم سے نجات عطا فرماO

۱۸- ﴿فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآىِٕفًا﴾ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کے قتل ہو جانے کی وجہ سے اپنے بارے میں ڈرتے ہوئے صبح کی کہ کہیں انہیں گرفتار نہ کر لیا جائے ﴿یَّتَرَقَّبُ﴾ انتظار کرنے لگے یعنی ناپسندیدہ امر کا انتظار کرنے لگے اور وہ ان سے انتقام لینا ہے یا قتل کی خبر کا پھیل جانا یا یہ کہ ان کے بارے میں کیا کہا جا رہا ہے اور حضرت ابن عطاء نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوف و ڈر اپنی ذات کا تھا اور انتظار اپنے رب تعالیٰ کی نصرت و مدد کا تھا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے خوف زدہ ہونے میں کوئی حرج نہیں' بہ خلاف اس کے جو بعض لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے ڈرنا جائز نہیں [''یَتَرَقَّبُ''، ''اَصْبَحَ'' کے فاعل سے حال ہے] ﴿فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ﴾ پھر

اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ شخص جس نے گزشتہ کل آپ سے یعنی حضرت موسیٰ سے فریاد کی تھی، وہ چیختا ہوا آپ سے فریاد کر رہا ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک وہی اسرائیلی جس کو حضرت موسیٰ نے قبطی کے ظلم وستم سے نجات دلائی تھی، آج دوبارہ دوسرے قبطی کے مقابلے میں آپ سے فریاد کر رہا ہے [''اذا'' مفاجاتیہ ہے اور جو اس کے بعد ہے وہ مبتدا ہے] ﴿قَالَ لَهُ مُوْسٰی﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے یعنی اس اسرائیلی سے فرمایا ﴿اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ﴾ بے شک تو صریح گمراہ ہے یعنی رشد وہدایت سے بھٹکا ہوا کھلم کھلا گمراہ ہے کہ کل تو نے ایک آدمی سے جھگڑا کیا اور تیری وجہ سے وہ مجھ سے قتل ہو گیا اور تدبیر میں صاحب رشد وہدایت وہ ہوتا ہے جو کوئی ایسا کام نہ کرے جو اپنے آپ کو اور جو اس کی مدد کرنا چاہتا ہے اس کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دے۔

۱۹- ﴿فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا﴾ سو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ اس شخص کو یعنی قبطی کو پکڑ لیں جو وہ ان دونوں یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اسرائیلی کا دشمن تھا کیونکہ وہ ان دونوں کے دین کا پیروکار نہیں تھا اور اس لیے بھی کہ قبط قوم کے لوگ بنی اسرائیل کے دشمن تھے ﴿قَالَ﴾ اس نے کہا (یعنی) اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اور اسے یہ وہم ہو گیا تھا کہ حضرت موسیٰ اسی کو پکڑنا چاہتے ہیں، قبطی کو نہیں پکڑنا چاہتے کیونکہ حضرت موسیٰ نے اس سے فرمایا کہ بے شک تو کھلم کھلا گمراہ ہے ﴿یٰمُوْسٰٓی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ﴾ اے موسیٰ! کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح کہ تم نے کل ایک شخص یعنی قبطی کو قتل کیا تھا ﴿اِنْ تُرِیْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ﴾ تم تو نہیں چاہتے مگر یہ کہ تم زمین پر جابر بن جاؤ یعنی سرزمین مصر میں تم غضب کے ساتھ زبردست لڑاکے بن جاؤ [''اِنْ'' بہ معنی ''مَا'' نافیہ ہے] ﴿وَمَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ﴾ اور تم نہیں چاہتے کہ غصہ ضبط کر کے اصلاح کرنے والوں میں سے ہو جاؤ، اور قبطی کے قتل کی خبر گزشتہ کل سے لوگوں میں پھیل چکی تھی، لیکن اس کا قاتل مخفی تھا اور اس کا علم نہیں ہو سکا تھا، پھر جب اسرائیلی نے دوسرے قبطی کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا راز فاش کر دیا تو قبطی کو علم ہو گیا کہ مقتول قبطی کا قاتل حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، سو اس نے جا کر فرعون کو خبر سنا دی، پس انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔

۲۰- ﴿وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ﴾ اور ایک شخص شہر کے آخری کنارے سے آیا۔ یہ آدمی آل فرعون کا مؤمن تھا اور وہ فرعون کا چچازاد بھائی تھا ﴿یَسْعٰی﴾ وہ دوڑتا ہوا آیا [''یَسْعٰی''، ''رَجُلٌ'' کی صفت ہے یا پھر ''رَجُلٌ'' سے حال ہے کیونکہ ''مِنْ اَقْصَا المدینۃِ'' اس کا وصف ہے] ﴿قَالَ یٰمُوْسٰٓی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ﴾ اس شخص نے کہا: اے موسیٰ! بے شک درباری سردار تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں تاکہ وہ تمہیں قتل کر دیں یعنی وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو تمہیں قتل کرنے کا کہہ رہے ہیں یا یہ کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے تمہاری وجہ سے مشورہ کر رہے ہیں۔ ''الائتمار'' کا معنی ہے: باہمی مشورہ کرنا۔ کہا جاتا ہے کہ ''الرجلان یتاٰمران ویاتمران'' دو آدمی آپس میں ایک دوسرے سے مشورہ کر رہے ہیں کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک شخص اپنے ساتھی کو کسی چیز کا حکم دیتا ہے یا اس کو کسی کام کی طرف اشارہ کرتا ہے ﴿فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ﴾ سو آپ اس شہر سے باہر نکل جائیں بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں [''لَكَ'' بیان ہے اور ''نَاصِحِیْنَ'' کا صلہ نہیں ہے کیونکہ صلہ موصول سے مقدم نہیں ہوتا، گویا اس شخص نے کہا: ''اِنِّیْ مِنَ النَّاصِحِیْنَ'' پھر بیان کرنا چاہا تو کہا: ''لَكَ'' جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''سَقْیًا لَّكَ وَمَرْحَبًا لَّكَ'']۔

۲۱۔ ﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا﴾ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شہر سے ڈرتے ہوئے نکل پڑے ﴿یَّتَرَقَّبُ﴾ راستے میں اپنے تعاقب کا انتظار کرتے ہوئے یا یہ کہ کوئی شخص ان کے پیچھے سے آ کر ان کو قتل کر دے گا ﴿قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ حضرت موسیٰ نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے ظالموں کی قوم یعنی فرعون کی قوم سے نجات عطا فرما۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۠ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۣ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور جب موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو کہنے لگے کہ مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھے راستے پر چلائے گاO اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو اس نے اس پر لوگوں کا ایک گروہ پایا جو (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہا ہے اور ان کے پیچھے دو عورتوں کو (اپنی بکریاں) روکے ہوئے پایا' فرمایا: تمہارا کیا کام ہے' ان دونوں نے کہا کہ ہم پانی نہیں پلا سکتیں یہاں تک کہ چرواہے واپس چلے جائیں' اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیںO سو موسیٰ (علیہ السلام) نے ان دونوں کے لیے (بکریوں کو) پانی پلایا' پھر وہ سایا کی طرف پلٹ گئے اور عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک میں اس بھلائی کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف نازل کی ہےO سو ان دونوں میں سے ایک اس کے پاس شرم وحیا سے چلتی ہوئی آئی' کہنے لگی: بے شک میرا باپ بلاتا ہے تا کہ وہ تمہیں اس کی مزدوری دے جو تو نے ہمارے لیے (ہماری بکریوں کو) پانی پلایا ہے' پس جب وہ اس کے پاس آیا اور اسے اپنا سارا قصہ بیان کیا' تو اس نے فرمایا کہ خوف نہ کرو' تم نے ظالموں کی قوم سے نجات پالیO

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر سے مدین کی طرف ہجرت کرنے کا بیان

۲۲۔ ﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ﴾ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین کی طرف ہجرت کر جانے کے لیے مدین کی روانگی کی طرف متوجہ ہوئے اور "التوجه" کا معنی ہے: کسی چیز کی طرف قصداً منہ کر کے جانا اور مدین حضرت شعیب علیہ السلام کے شہر کا نام ہے اور اس شہر کا یہ نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحب زادے مدین کے نام پر رکھا گیا اور یہ شہر فرعون کی سلطنت میں شامل نہیں تھا اور مدین اور مصر کے درمیان پیدل آٹھ دن کی مسافت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے مدین کی طرف روانہ ہوئے تو انہیں راستہ کا کوئی پتا معلوم نہیں تھا' صرف اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی بناء پر سفر شروع کیا اور ﴿قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ فرمایا: قوی امید ہے کہ میرا رب تعالیٰ مجھے سیدھے راستہ پر چلائے گا یعنی راہِ مستقیم اور سب سے بڑی شارع عام پر چلائے گا'

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ آپ کے پاس آیا اور وہ آپ کو مدین لے گیا۔

۲۳-﴿ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ ﴾ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے پانی پر پہنچے اور مدین ان کے ایک کنویں کا نام بھی تھا' جس کے پانی سے وہ اپنے جانوروں کو سیراب کرتے تھے اور ''وَرَدَ'' بہ معنیٰ ''وَصَلَ'' ہے ﴿ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کنویں کے کنارے پر لوگوں کے ایک بہت بڑے مجمع کو پایا جو مختلف قبیلوں کے لوگ جمع تھے ﴿ يَسْقُوْنَ ﴾ وہ لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں ﴿ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ﴾ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس مجمع کی جگہ کے پیچھے نشیبی جگہ پر دو لڑکیوں کو پایا جو اپنی بکریوں کو پانی سے روکے ہوئے اپنی باری کا انتظار کر رہی ہیں کیونکہ پانی پر وہ لوگ قابض ہو چکے تھے' جو ان دونوں سے قوی تھے' اس لیے یہ دونوں ان کی موجودگی میں اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتی تھیں یا اس لیے اپنی بکریوں کو روکے ہوئے تھیں تا کہ ان دونوں کی بکریوں کے ساتھ ان لوگوں کی بکریاں خلط ملط نہ ہو جائیں اور ''الذود'' کا معنی ہے: روکنا اور ہٹانا یا دفع کرنا ﴿ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (دونوں لڑکیوں سے) فرمایا: تمہارا کیا کام اور تمہارا کیا معاملہ ہے اور حقیقت میں یہ ''ما مخطوبکما'' کے معنی میں ہے یعنی تمہارا مطلوب کیا ہے؟ اور اپنی بکریوں کو روکنے سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ پس ''مخطوب'' کا نام ''خطب'' رکھا گیا ہے ﴿ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ﴾ ان دو لڑکیوں نے کہا کہ ہم اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں' یہاں تک کہ چرواہے اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر ہٹا لے جائیں [ابن عامر شامی' یزید اور ابو عمر کی قراءت میں ''یَصْدُرُ'' (باب ''نَصَرَ یَنْصُرُ'' سے) ہے یعنی یہ چرواہے اپنے جانور واپس لے جائیں' سو ''رعاء'' ''راع'' کی جمع ہے' جیسے ''قائم'' کی جمع ''قیام'' ہے] ﴿ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ ﴾ اور ہمارے باپ بوڑھے ہو چکے ہیں' وہ بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتے ﴿ كَبِيْرٌ ﴾ بڑی شان والے ہیں یا بڑی عمر والے ہیں۔ وہ بکریوں کو چرا سکتے ہیں اور نہ انہیں پانی پلا سکتے ہیں' ان دو لڑکیوں نے بکریوں کو خود چرانے اور پانی پلانے کا انتظام کرنے کا عذر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔

۲٤-﴿ فَسَقٰى لَهُمَا ﴾ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فریاد کی فریاد سننے اور نیکی کے کام میں رغبت کے جذبہ کے تحت ان دونوں کے لیے ان کی بکریوں کو پانی پلایا۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کنویں سے لوگوں کو الگ کیا اور ان سے ڈول مانگا اور انہوں نے اپنا ڈول آپ کو دیا اور انہوں نے کہا: اس کے ساتھ پانی نکال کر بکریوں کو پلایئے' سو آپ نے صرف چالیس ڈول کھینچے اور ان کو حوض میں ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی' پھر اسی سے تمام بکریوں کو پانی پلا کر سیراب کیا [''یَسْقُوْنَ' تِذُوْدَانِ' لَا نَسْقِیْ'' اور ''فَسَقٰی'' چاروں افعال میں مفعول کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ مقصد اور غرض صرف فعل ہے مفعول نہیں] کیا تم دیکھتے نہیں کہ حضرت موسیٰ کو ان لڑکیوں پر اس لیے رحم آیا کہ وہ دور ایک طرف ہٹ کر انتظار کر رہی تھیں جب کہ دیگر لوگ پانی پلا رہے تھے' اس لیے ان پر رحم نہیں آیا کہ ان کی بکریوں کو روکا گیا ہے اور قوم کے اونٹوں کو پانی پلایا گیا اور اسی طرح ''لَا نَسْقِیْ'' اور ''فَسَقٰی'' میں مقصود پانی پلانا ہے نہ کہ وہ جانور جن کو پانی پلایا جاتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال اور ان لڑکیوں کے جواب میں مطابقت کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے بکریوں کو روکنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم باپردہ اور کمزور عورتیں ہیں' ہم مردوں کی مزاحمت کی طاقت وقدرت نہیں رکھتیں اور ہم ان کے ساتھ مل جل کر رہنے سے شرم وحیاء کرتی ہیں' اس لیے ہمارے لیے اس قدر تاخیر کرنا لازمی اور ضروری ہے کہ یہ لوگ فارغ ہو کر چلے جائیں اور حضرت شعیب علیہ السلام اپنی بیٹیوں پر جانوروں کو پانی پلانے کے لیے صرف اس لیے راضی تھے کہ یہ کام کرنا بذاتہٖ ممنوع نہیں' نیز دین اس سے منع نہیں کرتا لیکن رہی مروّت تو

اس میں لوگوں کی عادات مختلف ہیں اور اس میں عرب کے حالات عجم کے حالات کے برعکس ہیں اور اس میں دیہات اور گاؤں میں رہنے والوں کا طریقہ شہر میں رہنے والوں کے طریقہ سے جدا ہوتا ہے ﴿ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ﴾ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام (بکریوں کو پانی پلانے کے بعد) ایک سایا کی طرف پلٹے یعنی ببول کے درخت کے سایا میں لوٹ آئے اور اس عمل میں اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا میں بہ وقتِ ضرورت آرام حاصل کرنا جائز ہے' بہ خلاف اس کے جو بعض مشقت پسند لوگ کہتے ہیں اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر مشقت و بلا زیادہ دراز ہو گئی تو آپ نے شکایت کے ساتھ انس حاصل کیا کیونکہ اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں شکوہ کرنے میں کوئی نقص نہیں ﴿فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ﴾ پس حضرت موسیٰ نے عرض کی: اے میرے پروردگار! بے شک میں اس خیر و بھلائی کا ضرورت مند ہوں جو تو نے میری طرف نازل کی ہے' کسی قسم کی بھلائی ہو تھوڑی ہو یا زیادہ ہو' چھوٹی ہو یا بڑی ہو' کمزور و دبلی ہو یا طاقت ور و موٹی ہو [''فقیر'' کو لام کے ساتھ متعدی کیا گیا کیونکہ یہ سائل اور طالب کے معنی کو متضمن ہے] بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سات روز سے کھانا نہیں کھایا تھا' اس لیے اس کلام میں یہ احتمال بھی ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ اے اللہ! دارین کی بھلائی میں سے جو کچھ تو نے میری طرف نازل کیا ہے' اس کی وجہ سے اب میں دنیا کی نعمت (کھانے) کا ضرورت مند ہوں اور دارین کی بھلائی میں سے ایک فرعون سے نجات حاصل کرنا ہے کیونکہ آپ فرعون کے پاس شہزادے کی صورت میں ثروت و آسودگی میں تھے' آپ نے یہ بات اللہ تعالیٰ کے عالی شان عدل و انصاف پر راضی ہو کر کہی اور اس پر خوشی کا اظہار کرنے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے کہی اور حضرت ابن عطار حمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عبودیّت سے ربوبیّت کی طرف غور سے دیکھا تو نہایت خشوع و خضوع اور محتاجی و عاجزی کی زبان سے گفتگو فرمائی' اس لیے کہ آپ کے سر مخفی پر انوار ربوبیت کی بارش ہو گئی تھی۔

۲۵۔ ﴿فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ٘ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا﴾ پھر ان دو لڑکیوں میں سے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی آئی' کہنے لگی: بے شک میرا باپ تمہیں بلاتا ہے تاکہ وہ تمہیں اس کی مزدوری عطا کرے جو تم نے ہمارے لیے بکریوں کو پانی پلایا ہے [''عَلَى اسْتِحْیَآءٍ'' محلًّا حال ہے] یعنی وہ لڑکی شرماتی ہوئی آئی اور یہ وصف اس کی ذاتی و خاندانی شرافت اور اس کے کامل ایمان دار ہونے کی دلیل ہے' کیونکہ وہ حضرت موسیٰ کو ضیافت کی دعوت دینے کے لیے آئی تھی' اسے معلوم نہیں تھا کہ آیا آپ اس کی دعوت قبول کریں گے یا نہیں' سو اس لیے شرماتی ہوئی دوپٹے کے پلو سے چہرہ چھپا کر حاضر ہوئی اور ''مَا سَقَیْتَ'' میں ''مَا'' مصدریہ ہے یعنی تمہارے پانی پلانے کی اجرت۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ دو لڑکیاں لوگوں سے پہلے اپنے باپ کے پاس لوٹ گئیں اور ان کی بکریوں کے تھن اور کھیریاں دودھ سے بھری ہوئی تھیں تو حضرت شعیب علیہ السلام نے ان سے فرمایا: آج تم جلدی کیسے آ گئیں؟ انہوں نے کہا کہ آج ہم نے ایک نیک آدمی پایا' جس نے ہم پر رحم و کرم کیا اور ہماری بکریوں کو پانی پلا دیا تو حضرت شعیب نے ان دونوں میں سے ایک سے فرمایا کہ تم اس نیک آدمی کے پاس چلی جاؤ اور اس کو میرے پاس بلا کر لاؤ' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس لڑکی کے پیچھے چل پڑے' لیکن تیز ہوا نے اس لڑکی کے کپڑوں کو اس کے جسم کے ساتھ چپکا دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلتی آؤ اور مجھے راستہ بتاتی آؤ ﴿فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ﴾ سو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور انہیں اپنا سارا قصہ سنایا یعنی فرعون کے ساتھ اپنے احوال اور اپنا سارا قصہ بیان کیا [''القصص'' مصدر ہے' اس کے نام پر ''مقصوص'' (بیان کردہ قصہ) کا نام

رکھا گیا ہے] ﴿قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ سے فرمایا: اب تم بالکل نہ ڈرو تم نے ظالموں کی قوم سے نجات پالی ہے کیونکہ ہماری سرزمین پر فرعون کی حکومت نہیں ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلیل ہے کہ خبر واحد (ایک شخص کی خبر) پر عمل کرنا جائز ہے اگر چہ وہ غلام ہو یا عورت ہی ہو اور یہ کہ اجنبی عورت کے ساتھ احتیاط اور تقویٰ و پرہیزگاری سے چلنا جائز ہے' لیکن نیکی اور بھلائی کے کام پر اجرت لینا' تو بعض مفسرین نے فرمایا: بہ وقتِ حاجت وضرورت کوئی حرج نہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھا' اس بناء پر کہ ایک روایت میں ہے کہ جب لڑکی نے کہا: "لِیَجْزِیَكَ" تو آپ نے اس کو ناپسند کیا لیکن اس کی دعوت اس لیے قبول فرمائی کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام نہ ہو جائے کیونکہ قاصد کے لیے عزت و حرمت لازم ہے اور جب حضرت شعیب نے ان کے سامنے کھانا رکھا تو انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا' حضرت شعیب نے فرمایا: کیا آپ کو بھوک نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! بھوک ہے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ کھانا میرے پانی پلانے کا معاوضہ نہ ہو جائے کیونکہ ہم انبیاء کرام کے گھرانے والے ہیں' ہم اپنا دین دنیا کے عوض میں فروخت نہیں کرتے اور نہ ہم نیکی پر قیمت وصول کرتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: یہ ہماری عادت ہے کہ جو شخص بھی ہمارے پاس ٹھہرتا ہے' وہ ہمارے ساتھ کھانا کھاتا ہے۔

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ع

ان دونوں میں سے ایک نے کہا: اے میرے باپ! آپ انہیں اجرت پر ملازم رکھ لیں' بے شک آپ جس کو اجرت پر ملازم رکھنا چاہیں اس میں بہتر وہی ہے جو طاقتور امانت دار ہو O فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ اس شرط پر کر دوں کہ تم آٹھ سال تک میری مزدوری کرو' پھر اگر دس سال پورے کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہوگا' اور میں تم پر مشقت نہیں ڈالنا چاہتا' اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم مجھے عنقریب نیکوں میں سے پاؤ گے O موسیٰ نے کہا کہ یہ میرے درمیان اور آپ کے درمیان اقرار ہو گیا' میں ان دو مدتوں میں سے جو بھی پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی' اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ضامن ہے O

۲۶۔﴿قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ﴾ ان دو لڑکیوں میں سے ایک نے کہا: اے میرے ابا جان! آپ انہیں اجرت پر رکھ لیں (یعنی) آپ ان کو بکریاں چرانے کے لیے ملازم رکھ لیں۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ان دو لڑکیوں میں سے بڑی کا نام صفرآء اور چھوٹی کا نام صفیرآء تھا اور صفرآء ہی وہ لڑکی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لے گئی تھی اور اسی نے اپنے باپ سے مطالبہ کیا تھا کہ حضرت موسیٰ کو اجرت پر ملازم رکھ لیں اور اسی کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوا (بعض تفاسیر میں اس کا نام صفورآء ہے) ﴿اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ﴾ بے شک آپ جس کو مزدور

رکھنا چاہتے ہیں' اس میں بہترین مزدور طاقت ور امانت دار ہوتا ہے' چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تمہیں ان کی قوت و امانت داری کا علم کیسے ہوا؟ تو اس نے ذکر کیا کہ حضرت موسیٰ اکیلے کنویں سے پانی کے ڈول بھر کر کھینچتے رہے اور تمام بکریوں کو پانی سے سیراب کر دیا اور چلتے وقت انہوں نے مجھے اپنے پیچھے چلنے کا حکم دیا' اور ماضی کے لفظ کے ساتھ فعل کا لانا' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امانت داری اور قوت دونوں صفات متحقق ہو چکی ہیں اور صاحب زادی کا یہ کہنا ''اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ'' جامع کلام ہے کیونکہ جب یہ دونوں خصلتیں کفایت و امانت تمہارے کسی کام کے قائم رکھنے میں جمع ہو جائیں گی تو تمہارا دل فارغ ہو جائے گا اور تمہاری مراد پوری ہو جائے گی اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ''قوی'' سے اپنے دین میں مضبوط و طاقت ور اور ''امین'' سے اپنے اعضاء میں امانت دار مراد ہے اور بے شک مثال کے قائم مقام اس کلام کی وجہ سے تم اپنے اس قول ''اِسْتَاْجَرَہٗ لِقُوَّتِہٖ وَاَمَانَتِہٖ'' سے بے نیاز ہو گئے ہو اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ لوگوں میں تین آدمی سب سے زیادہ ذہین ہوئے' ایک حضرت شعیب کی صاحب زادی' جس نے ملازم کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتخاب کیا اور دوسرے عزیز مصر جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق کہا تھا: ''عَسٰۤی اَنْ یَّنْفَعَنَا'' (یوسف:۲۱) ''ممکن ہے کہ یہ یوسف ہمیں نفع پہنچائے'' اور تیسرے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں' جنہوں نے اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کے لیے منتخب فرمایا۔

۲۷۔﴿قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ﴾ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک سے تمہارا نکاح کر دوں اور میں تمہاری شادی کر دوں۔ ''ھَاتَیْنِ'' ارشاد دلالت کرتا ہے کہ ان دو بیٹیوں کے علاوہ بھی حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھی اور یہ حضرت شعیب کی طرف سے نکاح کا وعدہ تھا اور یہ نکاح کا عقد نہیں تھا کیونکہ اگر نکاح کا عقد ہوتا تو حضرت شعیب علیہ السلام (فعل ماضی کے ساتھ) ''قَدْ اَنْكَحْتُكَ'' فرماتے کہ بے شک میں نے تمہارا نکاح کر دیا ہے ﴿عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ﴾ اس شرط پر کہ تم میرے پاس مزدوری کرو گے (یعنی) تم میرے ملازم و اجیر بن کر کام کرو گے' یہ ''اَجَرْتُہٗ'' سے ماخوذ ہے' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کا مزدور و ملازم ہو جاتا ہے تو کہتا ہے: ''اَجَرْتُہٗ'' میں فلاں آدمی کا مزدور ہو گیا ہوں ﴿ثَمٰنِیَ حِجَجٍ﴾ آٹھ سال تک۔ [یہ ظرف ہے اور ''حِجَّۃٌ'' کا معنی سال ہے اور اس کی جمع ''حِجَجٌ'' ہے] اور بکریوں کے مقررہ مدت تک چرانے پر نکاح کرنا جائز ہے' اس پر سب کا اجماع اور اتفاق ہے کیونکہ یہ نکاح کا عمل قائم رکھنے کے باب سے ہے (اور اجرت معین ہے) سو اس میں کوئی اختلاف و اعتراض نہیں' البتہ اس کے برعکس بغیر اجرت کے تعین کے محض خدمت کرنے پر نکاح کرنا جائز نہیں ﴿فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا﴾ پس اگر تم دس پورے کر و یعنی دس سال تک مزدوری کا کام کرو ﴿فَمِنْ عِنْدِكَ﴾ تو یہ تمہاری طرف سے ہو گا یعنی یہ تمہاری طرف سے احسان و فضل ہو گا لیکن تم پر واجب و لازم نہیں ہو گا یا یہ معنی ہے کہ پورے دس سال تک مزدوری کرنا تمہاری طرف سے ہو گا اور میں اس مدت کو تم پر لازم نہیں کروں گا اور تم یہ کام کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے فضل و کرم اور احسان و عطیہ ہو گا ﴿وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ﴾ اور میں دونوں مدتوں کو واجب و لازم کر کے تم پر مشقت نہیں ڈالنا چاہتا اور اہل عرب کے قول ''شَقَقْتُ عَلَیْہِ وَشَقَّ عَلَیْہِ الْاَمْرُ'' کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ جب کوئی معاملہ بڑا مشکل ہو جائے گا گویا وہ معاملہ بہت دشوار محسوس ہونے لگے' جس کی وجہ سے آدمی خیال کرتا ہے کہ یہ معاملہ ڈبل دشوار ہو گیا ہے تو اس کے متعلق کبھی کہتا ہے: ''اُطِیْقُہٗ'' میں اس کو حل کرنے کی طاقت رکھتا ہوں اور کبھی کہتا ہے: ''لَا اُطِیْقُہٗ'' میں اس کی طاقت نہیں رکھتا ہوں ﴿سَتَجِدُنِیْۤ

﴿ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴾ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو عنقریب آپ مجھے حسن معاملہ میں نیک لوگوں میں سے پائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کی شرط سے یہ مراد ہے کہ انہوں نے نیک ہونے کا جو وعدہ کیا ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مدد پر بھروسا ہے' اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو وہ نیکی کا معاملہ کر سکیں گے اور اگر وہ نہیں چاہے گا تو وہ یہ کام نہیں کر سکیں گے۔

۲۸۔﴿ قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یہ معاہدہ میرے اور آپ کے درمیان مقرر ہو گیا [''ذَالِكَ'' مبتدا ہے اور یہ اس معاہدہ کی طرف اشارہ ہے جو حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا اور ''بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ'' اس کی خبر ہے] یعنی حضرت موسیٰ نے حضرت شعیب سے کہا کہ یہ مدت جو آپ نے کہی ہے اور اس کے بارے میں مجھ سے جو معاہدہ کیا ہے اور اس پر مجھ سے جو شرط بیان کی ہے' یہ معاہدہ ہم دونوں کے درمیان قائم ہو گیا' ہم میں سے کوئی اس کی خلاف ورزی نہیں کرے گا' نہ میں اس مدت کی خلاف ورزی کروں گا' جو شرط آپ نے مجھ پر مقرر کی ہے اور نہ آپ اس کی خلاف ورزی کریں گے' جو شرط آپ نے اپنے آپ پر مقرر کی ہے' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ﴾ میں دونوں مدتوں میں سے جو مدت پوری کروں گا تو مجھ پر زیادتی نہیں کی جائے گی یعنی دونوں مدتوں میں سے جو مدت میں پوری کروں گا وہ دس سال کی ہو خواہ آٹھ سال کی ہو تو مجھ سے اس سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ مبرد نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ دونوں مدتوں کو پورا کرنے کی صورت میں ان پر زیادتی نہیں کی جائے گی لیکن انہوں نے دونوں کو اس لیے جمع کر دیا تاکہ کم مدت کے پورا کرنے کو بھی پوری مدت کی طرح قرار دیا جائے اور جس طرح پوری مدت کو پورا کرنے پر زیادہ کا مطالبہ کرنا ظلم و زیادتی ہے' اسی طرح کم مدت کے پورا کرنے پر زیادہ کا مطالبہ کرنا بھی ظلم و زیادتی ہے [اور ''اَیَّ'' منصوب ہے ''قَضَیْتُ'' کی وجہ سے اور حرف ''مَا'' زائدہ ہے' صرف ''اَیَّ'' کی تاکید کے لیے بڑھایا گیا ہے اور یہ ''اَیَّ'' شرطیہ ہے اور اس کا جواب ''فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ'' ہے] ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴾ اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں' اس پر اللہ تعالیٰ گواہ اور ضامن ہے۔ [یہ ''وُكِّلَ اِلَیْهِ الْاَمْرُ'' سے ماخوذ ہے اور ''عَلَیَّ'' کے ساتھ اس لیے متعدی کیا گیا کہ یہ ''شاهد'' اور ''مقیت'' کی جگہ میں استعمال کیا گیا ہے]۔

ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس انبیائے کرام علیہم السلام کے بہت عصا ہائے مبارکہ موجود تھے' چنانچہ ایک رات حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ سے فرمایا کہ تم اس کمرے میں داخل ہو جاؤ اور ان میں سے ایک عصا پکڑ لاؤ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام وہ عصا مبارک پکڑ کر لائے' جسے حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اترتے وقت لائے تھے اور ہمیشہ سے انبیائے کرام علیہم السلام اس کے یکے بعد دیگرے وارث بنتے آئے' یہاں تک کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام تک پہنچا اور حضرت موسیٰ نے اسے چھوا اور چونکہ وہ کپڑوں میں لپٹا ہوا تھا تو آپ نے خیال کیا کہ اس کے علاوہ اٹھا لیں' چنانچہ سات دفعہ اٹھایا' ہر بار یہی عصا ہاتھ میں آ جاتا تو آپ نے جان لیا کہ اس کی بہت بڑی شان ہے' چنانچہ اسی کو اٹھا لیا اور جب صبح ہوئی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ جب بکریاں لے کر راستے کے چوک میں پہنچو گے تو اس کی دائیں جانب نہ جانا بے شک اس طرف اگرچہ گھاس بہت ہے' لیکن وہاں ایک اژدھا ہے' مجھے آپ کی جان اور بکریوں کا خطرہ ہے' چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں لے کر چوک پر پہنچے تو بکریاں بھاگ کر دائیں جانب کو چلی گئیں' آپ نے ان کو روکنے کی بہت کوشش کی لیکن نہ روک سکے' چنانچہ آپ بکریوں سمیت اژدھا کی جگہ پر پہنچ گئے اور وہاں بکریوں کے لیے بہترین گھاس تھی اور ایسا سبزہ کہیں نہیں تھا' سو آپ وہاں سو گئے تو اچانک اژدھا سامنے آ گیا تو آپ

کے عصا مبارک نے اس سے جنگ کرنی شروع کر دی' یہاں تک کہ اسے مار دیا اور خون آلود ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پہلو کے پاس لوٹ آیا' پھر جب حضرت موسیٰ نے بیدار ہو کر اسے خون آلود دیکھا اور اژدھا بھی مرا دیکھا تو اس پر خوش ہو گئے اور جب حضرت موسیٰ بکریوں کو لے کر واپس حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے بکریوں کے پیٹ کو غذا سے اور تھنوں کو دودھ سے بھرا ہوا پایا اور حضرت موسیٰ نے انہیں سارا واقعہ سنایا تو آپ خوش ہو گئے اور جان لیا کہ حضرت موسیٰ اور عصا کی بہت بڑی شان ہے اور حضرت شعیب نے فرمایا کہ اس سال بکریوں کے جتنے اُدرع اور درعا بچے پیدا ہوں گے وہ سب تمہارے ہوں گے (ادرع اور درعاوہ ہوتے ہیں جن کے سینے سفید اور رانیں سیاہ ہوں) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس معاہدہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خواب میں الہام فرمایا کہ اپنا یہ عصا مبارک بکریوں کے پانی پینے کی جگہ پر مارو' سو آپ نے ایسا ہی کیا' پھر بکریوں نے وہاں سے پانی پیا تو سب نے اُدرع اور درعا بچے جنے اور حضرت شعیب نے اپنی شرط پوری کی اور تمام بچے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملکیت میں دے دیئے۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًاۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾

پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت پوری کر دی اور اپنی اہلیہ کے ساتھ رات کو چل پڑے تو طور کی طرف سے ایک آگ دیکھی' (اور) اپنی گھر والی سے فرمایا: ٹھہرو بے شک میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا آگ کی کوئی چنگاری لاؤں تا کہ تم تاپو ○ سو جب وہ اس کے پاس پہنچے تو اسے زمین کے برکت والے ٹکڑے میں وادی کے دائیں جانب ایک درخت سے پکارا گیا کہ اے موسیٰ! بے شک میں اللہ تعالیٰ ہوں تمام جہانوں کا پروردگار ہوں ○ اور یہ کہ اپنا عصا ڈال دیں' سو جب اسے لہراتا ہوا دیکھا گویا وہ سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر واپس چل دیئے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا' (ہم نے کہا:) اے موسیٰ! آگے بڑھیے اور بالکل نہ ڈریئے' بے شک تم امن پانے والوں میں سے ہو ○

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدین سے مصر کی طرف واپسی کا بیان

۲۹- ﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ﴾ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معاہدہ کی مدت پوری کر دی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتیں پوری کر دی تھیں اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی دونوں لڑکیوں میں سے چھوٹی کی آپ سے شادی کر دی' اور یہ اس روایت کے خلاف ہے جو (پہلے آیت: ۲۶ کی تفسیر میں) گزر چکی ہے ﴿وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ﴾ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام رات کے وقت اپنی بیوی کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب محنت و مزدوری کی مدت پوری ہو گئی اور قربت و نزدیکی کے ایام نزدیک آ گئے اور نبوت کے انوار و برکات نمودار ہونے لگے تو آپ اپنی بیوی کو لے کر روانہ ہو گئے تا کہ وہ آپ کے ساتھ ان

لطائف واحسانات میں شریک ہو جائے جو رب تعالیٰ نے ان پر کیے ہیں ﴿ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور کی طرف سے آگ دیکھی تو آپ نے اپنی بیوی سے فرمایا: تم یہاں ٹھہرو' بے شک میں نے آگ دیکھی ہے تا کہ میں وہاں سے تمہارے پاس راستے کی کوئی خبر لاؤں کیونکہ وہ راستہ بھول چکے تھے ﴿ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴾ یا آگ کی کوئی چنگاری لے آؤں تا کہ تم اپنے ہاتھ تاپو اور آگ سے گرمی حاصل کرو۔

۳۰- ﴿ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ ﴾ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے قریب پہنچے تو انہیں وادی کی اس جانب سے پکارا گیا' جو حضرت موسیٰ کی دائیں طرف تھی ﴿ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ ﴾ زمین کے اس ٹکڑے سے جس کو اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کی وجہ سے بابرکت بنا دیا گیا ﴿ مِنَ الشَّجَرَةِ ﴾ عناب کے درخت سے یا عوسج کے درخت سے ﴿ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ یہ کہ اے موسیٰ! بے شک میں اللہ تعالیٰ ہوں تمام جہانوں کا پروردگار ہوں۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک ایسی آگ دیکھی تھی' جس نے انوار پر ان کی رہنمائی کی تھی کیونکہ انہوں نے آگ کی شکل میں نور کو دیکھا تھا' پھر جب اس کے قریب پہنچے تو قدسی انوار نے انہیں اپنی آغوش میں لپیٹ لیا اور انس ومحبت کے پردوں نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا اور انہیں بڑے پیارے اور لطیف ترین خطاب کے ساتھ پکارا گیا اور وہاں سے بہترین جواب سنایا گیا' سو اسی وجہ سے آپ معزز ومکرم کلیم اللہ بن گئے' آپ نے جو مانگا عطا کیا گیا اور جس چیز سے آپ خوف زدہ تھے اس سے امن عطا کیا گیا [''اَنْ یّٰمُوْسٰی'' میں ''اَنْ'' مفسرہ ہے یا ثقیلہ سے مخفف کیا گیا ہے اور ''جذوة'' میں تین لغات ہیں اور اسے ان تینوں لغات میں پڑھا گیا ہے' چنانچہ امام عاصم کی قراءت میں جیم پر زبر ہے اور حمزہ اور خلف کی قراءت میں جیم پر پیش ہے اور ان کے علاوہ کی قراءت میں جیم کے نیچے زیر ہے اور ''جَذْوَةٌ'' کا معنی ہے: سخت لکڑی' اس کے آخر میں آگ کی چنگاری ہو یا نہ ہو اور اس آیت مبارکہ میں پہلا ''مِنْ'' اور دوسرا ''مِنْ'' ابتدائے غایت کے لیے ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادی کی جانب سے درخت سے ندا آئی تھی اور ''مِنَ الشَّجَرَةِ'' بدل ہے ''مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ'' سے اور یہ بدل اشتمال ہے کیونکہ یہ درخت وادی کے کنارے پر اُگا ہوا تھا]۔

۳۱- ﴿ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ﴾ اصل میں ''وَنُوْدِیَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ'' ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکار کر کہا گیا کہ اپنا عصا ڈال دو' سو آپ نے اپنا عصا مبارک زمین پر ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ایک بہت بڑے سانپ کی جنس میں تبدیل کر دیا ﴿ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ ﴾ پس جب آپ نے اسے لہراتا ہوا متحرک دیکھا ﴿ كَاَنَّهَا جَآنٌّ ﴾ گویا وہ سانپ ہے (یعنی) وہ تیزی کے ساتھ دوڑنے میں باریک سانپ کی طرح ہے اور اپنی جسامت وقد کاٹھ میں بہت بڑا اژدھا ہے ﴿ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام (نے عصا کو سانپ کی شکل میں دیکھا تو) پشت پھیر کر واپس چل پڑے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا اور نہ واپس لوٹے' سو انہیں فرمایا گیا کہ ﴿ یٰمُوْسٰۤی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۟ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴾ اے موسیٰ! آگے بڑھیے اور بالکل نہ ڈریئے' بے شک آپ امن پانے والوں میں سے ہیں یعنی آپ کو اس سے مامون ومحفوظ بنا دیا گیا ہے کہ سانپ کی طرف سے آپ کو کوئی نقصان پہنچ سکے۔

اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡىِٕهٖ ؕ اِنَّهُمْ

كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ ۫ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚۛ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚۛ اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو وہ سفید چمکتا ہوا بے عیب باہر نکلے گا' اور تم خوف سے بچنے کے لیے اپنا بازو اپنے سینے پر رکھ لو' سو تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے یہ دو معجزے ہیں فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف' بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں ○ موسیٰ نے کہا: اے میرے پروردگار! بے شک میں نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کیا ہوا ہے' پس میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے ○ اور میرا بھائی ہارون وہ مجھ سے زبان میں زیادہ فصیح ہے' سو اسے میری مدد کے لیے میرے ساتھ رسول بنا دیجئے' وہ میری تصدیق کرے' بے شک میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے ○ فرمایا کہ عنقریب ہم تمہارے بازو کو تمہارے بھائی کے ساتھ مضبوط کر دیں گے اور ہم تم دونوں کو غلبہ عطا کریں گے' سو وہ تم دونوں تک ہماری آیتوں کی وجہ سے نہیں پہنچ سکیں گے' اور تم دونوں اور جو تمہارے پیروکار ہوں گے غالب رہو گے ○

۳۲- ﴿اُسْلُكْ يَدَكَ فِیْ جَيْبِكَ﴾ آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان (یعنی) اپنی قمیص کے گریبان میں داخل کیجئے۔ ''اُسْلُكْ'' بہ معنی ''اُدْخُلْ'' ہے ﴿تَخْرُجْ بَيْضَآءَ﴾ وہ سفید چمکتا ہوا نکلے گا' اس کی اس طرح شعاعیں ہوں گی جس طرح سورج کی شعاعیں ہوتی ہیں ﴿مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ﴾ برص کی بیماری کے عیب کے بغیر ﴿وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ﴾ اور آپ خوف سے بچنے کے لیے اپنا بازو اپنے سینے پر رکھ لیجئے اور اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیجئے' سانپ کی وجہ سے جو خوف آپ پر طاری ہے' وہ زائل ہو کر چلا جائے گا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ ہر خوف زدہ شخص جب اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھتا ہے تو اس کا خوف زائل ہو جاتا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ بازو کے ملانے کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عصا کو سانپ کی شکل میں تبدیل کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام گھبرا گئے اور اپنے ہاتھوں کو اس کی طرف پھیلا کر اس سے بچنے کی کوشش کرنے لگے' جیسا کہ کسی چیز سے ڈرنے والا کرتا ہے اور آپ سے کہا گیا ہے کہ بے شک آپ کا اپنے ہاتھوں کے ذریعے اس سے بچنا' اس میں دشمنوں کے نزدیک بزدلی اور ذلت و کمزوری ہے' پھر جب آپ نے اپنے عصا کو زمین پر پھینک دیا ہے تو جس طرح وہ سانپ بن گیا ہے تو آپ اس سے ڈرنے اور بچنے کی بجائے اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے داخل کیجئے' پھر اسے سفید چمکتا ہوا نکال لیجئے تاکہ دو چیزیں حاصل ہو جائیں: (۱) آپ پر لگنے والی بزدلی اور کمزوری سے اجتناب (۲) دوسرے معجزہ کا اظہار اور ''جَنَاح'' سے ہاتھ مراد ہے کیونکہ انسان کے لیے ہاتھ پرندوں کے پروں کے قائم مقام ہیں اور جب آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں بازو کے نیچے داخل کیا تو آپ نے اپنا ایک بازو دوسرے کے ساتھ سمیٹ لیا یا بازو کے سمیٹنے اور ملانے سے مراد یہ ہے کہ عصا کے سانپ کی شکل میں تبدیلی کے وقت اپنے آپ کو ثابت و قائم رکھنا اور اپنے نفس پر ضبط و کنٹرول رکھنا تاکہ نہ گھبراہٹ ہو اور نہ خوف پیدا ہو اور یہ پرندے کے فعل سے استعارہ ہے کیونکہ جب پرندہ ڈرتا ہے تو اپنے پَر پھیلا لیتا ہے اور انہیں کھلا چھوڑ دیتا ہے اور اگر اسے خوف نہیں

ہوتا تو اپنے پَر سمیٹ لیتا ہے اور ملا لیتا ہے اور ''مِنَ الرَّھْبِ'' کا معنیٰ ''مِنْ اَجْلِ الرَّھْبِ'' ہے (یعنی) خوف و ڈر کی وجہ سے یعنی جب سانپ کو دیکھتے وقت تم پر خوف طاری ہو جائے تو اپنے ہاتھ اپنے سینے سے ملا لو اور وہ خوف و ڈر جو انسان کو پہنچا ہے اُسے سینے کے ساتھ بازو یعنی ہاتھوں کے ملانے کے لیے حکم دینے کی علت و سبب قرار دیا گیا ہے اور ''وَاضْمُمْ اِلَیْکَ جَنَاحَکَ'' اور ''اُسْلُکْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ'' کا معنیٰ دونوں تفسیروں پر ایک ہے لیکن اغراض کے اختلاف کی وجہ سے عبارتیں مختلف ہیں کیونکہ ان دونوں میں سے ایک کی غرض سفید چمکتا ہوا ہاتھ کا نکلنا ہے اور دوسرے کی غرض خوف و ڈر کو چھپانا ہے اور سورۂ طٰہٰ میں ''وَاضْمُمْ یَدَکَ اِلٰی جَنَاحِکَ'' کا یہ معنیٰ ہے کہ تم اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کے نیچے داخل کرو ﴿فَذٰنِکَ بُرْھَانٰنِ مِنْ رَّبِّکَ﴾ سو یہ تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے دو روشن اور واضح حجتیں اور دلیلیں ہیں اور حجت کا نام ''بُرْھَان'' اس کے روشن اور واضح ہونے کی بناء پر رکھا گیا جیسا کہ عرب کے لوگ سفید گوری عورت کو ''بـرھـرھه'' کہتے ہیں [''ذانك'' تخفیف کی صورت میں ''ذَاکَ'' کا تثنیہ ہے اور ابن کثیر مکی اور ابوعمرو کی قراءت میں نون مشدد ہے اور یہ ''ذَالِکَ'' کا تثنیہ ہے اور دونوں میں سے ایک نون لازم محذوفہ کے عوض میں ہے اور اس سے ہاتھ اور عصا مراد ہے] ﴿اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ﴾ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف یعنی ہم نے آپ کو ان دو معجزوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ فاسق و نافرمان یعنی کافر ہیں۔

٣٣- ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بے شک میں نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کیا ہوا ہے' سو مجھے خطرہ ہے کہ وہ لوگ مجھے اس شخص کے عوض میں قتل کر دیں گے [قاری یعقوب کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ہے]۔

٣٤- ﴿وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً﴾ اور میرا بھائی ہارون ہے' وہ مجھ سے زیادہ رواں اور صاف بولتا ہے' سو اسے رسول بنا کر میری مدد کے لیے بھیج دیجئے [''معی'' میں امام حفص کی قراءت میں ''یا'' پر زبر ہے اور ''رِدْاً'' حال ہے یعنی مددگار۔ کہا جاتا ہے کہ ''رَدَاْتُہٗ'' بہ معنیٰ ''اَعَنْتُہٗ'' ہے کہ میں نے اس کی مدد کی اور نافع مدنی کی قراءت میں بغیر ہمزہ کے ہے] ﴿یُّصَدِّقُنِیْٓ﴾ وہ میری تصدیق و تائید کرے گا [عاصم اور حمزہ کی قراءت میں ''ردا'' کی صفت ہونے کی بناء پر مرفوع ہے ''اَیْ رِدْاً مُّصَدِّقًا لِّیْ'' یعنی ایسا مددگار جو میری تصدیق کرنے والا ہوگا اور ان کے علاوہ کے نزدیک جزم ہے' اس لیے کہ یہ ''اَرْسِلْهُ'' کا جواب ہے] اور تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ کفار کے ساتھ بحث و تمحیص اور جھگڑے کی صورت میں اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ضرورت ہوگی تو حضرت ہارون علیہ السلام حق کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کے لیے اور مخالفین کے شکوک و شبہات دور کرنے کے لیے ان کی مدد کریں گے' تاکہ ان کا دعویٰ ثابت ہو جائے یہ نہیں کہ ان سے صرف یہ کہیں کہ آپ نے سچ کہا۔ کیا تم اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتے کہ ''هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ'' وہ مجھ سے زیادہ واضح اور صاف زبان میں بولتے ہیں' سو انہیں رسول بنا کر میرے ساتھ بھیج دیجئے اور فصاحت و بلاغت کی فضیلت کا اظہار اس وقت ضروری ہوتا ہے' جب حجت و دلیل کو مضبوط بیان کرنا مقصود ہو' صرف ''صَدَقْتَ'' کہنا کافی نہیں ہوتا' لہٰذا اس میں ''سحبان'' (رواں بولنے والا) اور ''باقل'' (رُک رُک کر بولنے والا) دونوں اشخاص برابر ہیں ﴿اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ﴾ بے شک مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے [قاری یعقوب کی قراءت میں وصل اور وقف دونوں حالتوں میں ''یا'' کے ساتھ ''یُکَذِّبُوْنِیْ'' ہے]۔

٣٥- ﴿قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ﴾ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا کہ ہم عنقریب تمہارے بازو کو تمہارے

بھائی کے ساتھ مضبوط کر دیں گے (یعنی) ہم عنقریب تمہارے بھائی کے ذریعے تمہیں تقویت پہنچائیں گے کیونکہ ہاتھ بازو کی قوت سے بہت مضبوط ہو جاتا ہے اس لیے کہ ہاتھ کا دارومدار بازو پر ہوتا ہے اور مجموعہ ہاتھ کی قوت کے سبب معاملات کے نمٹانے میں قوی ہو جاتا ہے ﴿ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا ﴾ اور ہم تم دونوں کے لیے دشمنوں کے دلوں میں ہیبت و رعب اور غلبہ و تسلط مقرر کر دیں گے ﴿ فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ﴾ پس وہ لوگ ہماری آیتوں کے سبب تم تک نہیں پہنچ سکیں گے [''بِا''، ''یَصِلُوْنَ'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی وہ لوگ تمہاری طرف ہماری آیتوں کے سبب نہیں پہنچ سکیں گے اور یہاں کلام پورا ہو جاتا ہے یا پھر ''نَجْعَلُ'' کے متعلق ہے یعنی ہم تم دونوں کو اپنی آیتوں کے ذریعے دشمنوں پر مسلط و غالب کر دیں گے یا فعل محذوف کے متعلق ہے یعنی تم دونوں ہماری آیتوں کے ساتھ چلے جاؤ یا یہ ''غٰلِبُوْنَ'' کا بیان ہے صلہ نہیں یا یہ ''بِا'' قسم کی ہے اور اس کا جواب ''لَا یَصِلُوْنَ'' ہے جو اس پر مقدم ہے] ﴿ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴾ تم دونوں اور جو تمہارے پیروکار ہوں گے غالب رہو گے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾

پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) ان کے پاس ہماری واضح نشانیاں لے کر آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو نہیں مگر من گھڑت جادو اور ہم نے اسے اپنے پہلے باپ دادا میں نہیں سنا O اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میرا پروردگار اسے خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا اور جس کے لیے آخرت کا گھر ہے' بے شک ظالم نجات نہیں پائیں گے O اور فرعون نے کہا: اے درباریو! میں اپنے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود نہیں جانتا' سوائے ہامان! تو میرے لیے مٹی کی اینٹوں پر آگ جلا کر پکا' پھر تو میرے لیے ایک بلند محل بنا تاکہ میں (اس پر چڑھ کر) موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں' اور بے شک میں اسے جھوٹوں میں سے گمان کرتا ہوں O اور اس نے اور اس کے لشکر نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور انہوں نے گمان کیا کہ بے شک وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے O

توحید و رسالت کے انکار اور تکبر کرنے پر فرعونیوں کی ہلاکت کا بیان

۳۶- ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى ﴾ پھر جب موسیٰ علیہ السلام ہماری واضح آیتوں کے ساتھ ان کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو نہیں مگر گھڑا ہوا جادو' یعنی یہ وہ جادو ہے جسے تم خود اپنے عمل سے گھڑتے ہو' پھر تم اللہ تعالیٰ پر اس کا بہتان لگاتے ہو یا یہ ایسا جادو ہے جو افتراء کے ساتھ متصف ہے جیسے جادو کی باقی اقسام

ہوتی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزہ نہیں ہے ﴿ وَمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴾ اور ہم نے اسے اپنے پہلے باپ دادا میں نہیں سنا [''فِيْٓ اٰبَآئِنَا''، ''هٰذَا'' سے حال ہے یعنی ہم نے یہ نہیں سنا کہ ان کے زمانہ میں ہوا یعنی ہم سے بیان نہیں کیا گیا کہ یہ ان کے زمانہ میں تھا]۔

۳۷۔﴿ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میرا پروردگار اسے خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے اور جس کے لیے آخرت کا گھر ہے' بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے' یعنی میرا رب تعالیٰ اس کے حال کو تم سے زیادہ بہتر جانتا ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے عظیم ترین فلاح کا اہل بنایا کیونکہ اسے نبی بنایا اور اس کو ہدایت کے ساتھ بھیجا اور اس سے بہترین آخرت کا وعدہ فرمایا یعنی خود حضرت موسیٰ علیہ السلام' اور اگر ایسا ہوتا جیسا کہ تم اسے جادوگر' بہتان تراش گمان کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا اہل نہ بناتا کیونکہ وہ بے نیاز و بے پروا اور بڑا دانا ہے' وہ جھوٹوں کو نبی اور رسول بنا کر نہیں بھیجتا اور نہ وہ جادوگروں کو نبی بناتا ہے اور نہ اس کے پاس ظلم کرنے والے فلاح حاصل کر سکیں گے اور ''عَاقِبَةُ الدَّارِ'' سے بہترین انجام مراد ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ'' (الرعد:۲۲۔۲۳) ''انہیں کے لیے آخرت کا گھر ہے ۝ ہمیشہ رہنے والے باغات'' اور دنیا کے گھر اور اس کے انجام سے یہ مُراد ہے کہ بندے کا خاتمہ رحمت اور رضائے الٰہی پر ہو اور فرشتے مغفرت و بخشش کی بشارت کے ساتھ اس سے ملاقات کریں [ابن کثیر مکی کی قراءت میں بغیر واؤ کے ''قَالَ مُوْسٰى'' ہے اور یہ بہتر ہے کیونکہ یہ سوال و بحث کی جگہ ہے' جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا' جب انہوں نے اس قسم کی عظیم الشان آیات و معجزات کو جادو اور افترا قرار دیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے وہ بات کہی اور حضرت موسیٰ نے یہ بات کہی تاکہ غور و فکر کی نظر سے دیکھنے والا شخص ان دونوں قولوں کے درمیان موازنہ کر سکے اور ان دونوں میں سے ایک کے فساد کو اور دوسرے کی صحت کو دیکھ سکے اور اہل حجاز اور ابو عمرو کی قراءت میں ''رَبِّيَّ اَعْلَمُ'' میں ''یا'' پر زبر ہے اور حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ''وَمَنْ يَّكُوْنُ لَهٗ'' ہے]۔

۳۸۔﴿ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ﴾ اور فرعون نے کہا کہ اے درباریو! میں اپنے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں جانتا۔ دراصل فرعون کا اپنے علاوہ کسی معبود کے علم کی نفی سے مقصد اس کے وجود کی نفی کرنا ہے یعنی میرے علاوہ تمہارا اور کوئی معبود نہیں ہے یا یہ اپنے ظاہر پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ فرعون کو معلوم نہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور معبود ہے ﴿ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ ﴾ سوا ے ہامان! تو میرے لیے مٹی پر آگ جلا کر پکا یعنی مٹی سے کچی اینٹیں بنا کر آگ میں جلا اور انہیں پکی اینٹیں بنا اور فرعون نے براہِ راست ''اطبخ لی الآجرّ'' نہیں کہا کہ تو میرے لیے اینٹیں پکا کر پختہ بنا کیونکہ اس نے پہلے کچی مٹی (گارہ) سے اینٹیں بنانے کا عمل بتایا' سو اس نے اس عبارت کے ذریعے ہامان کو اینٹوں کی صنعت کی تعلیم دی اور اس لیے بھی کہ یہ زیادہ فصیح اور جابر و قاہر بادشاہوں کے کلام کے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ فرعون کا اپنے وزیر ہامان کو مٹی پکانے کا حکم دینا اور کلام کے درمیان اس کو نام سے بلانا فرعون کے بڑے ہونے اور جابر ہونے کی دلیل ہے ﴿ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ﴾ پس تو میرے لیے ایک بہت بلند و بالا محل بنا تاکہ میں اس پر چڑھ کر (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کے معبود کو جھانک کر دیکھوں ''اَطَّلِعُ'' بہ معنی ''اَصْعَدُ'' ہے کیونکہ ''طلوع'' اور ''اطلاع'' کا معنی ''صعود'' یعنی چڑھنا ہے اور فرعون نے یہ اس لیے کہا کہ اس نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان میں ہے جیسا کہ وہ خود مکان میں رہتا ہے ﴿ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ اور بے شک میں اسے جھوٹوں میں سے گمان کرتا ہوں یعنی میں

(حضرت) موسیٰ کو اس کے اس دعویٰ میں جھوٹا گمان کرتا ہوں کہ اس کا ایک برحق معبود ہے اور اسی نے اس کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے' سو فرعون کی دلیل کے اس کلام میں تضاد پایا جاتا ہے کیونکہ اس نے پہلے کہا: "مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ" میں تمہارے لیے اپنے علاوہ کسی معبود کو نہیں جانتا' پھر اس نے ہامان کے سامنے اپنی حاجت کو ظاہر کیا کہ بلند محل تیار کرو اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کر کے حضرت موسیٰ کے برحق معبود کو ثابت کر دیا اور بیانگ دہل بتا دیا کہ اسے حضرت موسیٰ کے جھوٹے ہونے پر یقین نہیں ہے اور گویا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا مبارک سے پناہ ڈھونڈنا چاہی تو اس پر سارا معاملہ خلط ملط ہو گیا اور شک وشبہ میں گرفتار ہو گیا اور کہہ دیا کہ "لَعَلِّيْ اَطَّلِعُ اِلٰى اِلٰهِ مُوْسٰى" شاید میں (محل کے مینار پر چڑھ کر) موسیٰ علیہ السلام کے معبود کو جھانک کر دیکھوں۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ہامان نے پچاس ہزار معمار و مستری اور مزدور وغیرہ کو جمع کیا اور اتنا بلند و بالا محل تیار کرایا کہ مخلوق میں سے کسی کی عمارت اس محل کی بلندی کو نہیں پہنچتی تھی' پھر حکمِ الٰہی پر حضرت جبریل علیہ السلام نے اس محل پر اپنا پَر مارا تو اس کے تین ٹکڑے کر دیئے اور ایک ٹکڑا فرعون کے لشکر پر گرا تو ہزاروں لوگ ہلاک ہو گئے اور ایک ٹکڑا دریا میں گرا اور ایک ٹکڑا مغرب میں مستریوں اور مزدوروں پر گرا' جن میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچا بلکہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

۳۹- ﴿وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ اور اس نے اور اس کے لشکر نے سرزمین مصر میں ناحق یعنی باطل کے ساتھ تکبر کیا اور وہ بڑے بن بیٹھے کیونکہ حق کے ساتھ "استکبار" صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور حقیقت میں وہی متکبر ہے یعنی وہ کبریائی کی شان میں بہت بلند ہے' جیسا کہ ہمارے رسول کریم نے اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے بیان کیا (کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:) کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے' پس جو شخص ان دونوں میں سے کوئی ایک مجھ سے چھیننا چاہے گا تو میں اسے دوزخ کی آگ میں ڈال دوں گا[1] اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر متکبر کا تکبر ناحق ہے ﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ﴾ اور انہوں نے گمان کیا کہ بے شک وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے [حمزہ' علی کسائی' خلف اور یعقوب کی قراءت میں "يَرْجِعُوْنَ" "یا" پر زبر اور جیم کے نیچے زیر (فعل مضارع معروف) ہے]۔

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾

پھر ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا' پھر ہم نے ان سب کو دریا میں پھینک دیا' سو دیکھئے ظالموں کا انجام کیسا ہوا ○ اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا وہ دوزخ کی آگ کی طرف بلاتے ہیں' اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی ○ اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی ہے' اور قیامت کے دن وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے ○

۴۰- ﴿فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ﴾ پھر ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا اور ہم نے ان کو دریا میں پھینک دیا۔ یہ عظیم الشان کلام اللہ تعالیٰ کی شان وشوکت کی عظمت و بڑھائی پر دلالت کرتا ہے اور اگر چہ فرعون کا لشکر بہت بڑا تھا لیکن اس کو تعداد کے لحاظ سے حقیر وقلیل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جیسے گری پڑی حقیر کنکریوں کو پکڑنے والا پکڑتا ہے اور

[1] رواہ ابوداؤد فی کتاب اللباس باب: ۲۵' ابن ماجہ فی کتاب الزہد باب: ۱۶' احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۳۷۶-۴۱۴

دریا میں پھینک دیتا ہے' ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کو اپنی گرفت میں لیا اور دریا میں پھینک دیا ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ سوائے محمد (ﷺ)! دیکھئے ظالموں کا انجام کیسا (بھیانک) ہوا' اور آپ اپنی قوم (قریشِ مکہ) کو ڈرائیے کیونکہ ان کے خلاف آپ کی ضرور مدد کی جائے گی۔

۴۱۔﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ﴾ اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا وہ (لوگوں کو) دوزخ کی آگ کی طرف بلاتے ہیں یعنی دوزخیوں والے عمل کرتے ہیں۔ حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے (کفر وغرور کے سبب) ہدایت کی توفیق اور تحقیق کے انوار چھین لیے' سو وہ اپنے نفوس کی تاریکیوں میں سرگرداں ہیں' صحیح راہ کی طرف رہنمائی نہیں پاتے اور یہ آیت مبارکہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بندوں کے تمام افعال کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾ اور قیامت کے دن عذاب سے چھٹکارا دینے کے لیے ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

۴۲۔﴿وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً﴾ اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگادی ہے (یعنی) ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر کے ان پر پھٹکار لازم کردی ہے' اور بعض مفسرین نے فرمایا: مطلب یہ ہے کہ ان کو ان کی ہلاکت کے بعد لوگوں کی لعنتیں پہنچتی رہیں گی ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ﴾ اور قیامت کے دن وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے کہ انہیں خیر و برکت اور رحمت سے دور پھینک دیا جائے گا یا انہیں ہلاک شدہ لوگوں میں سے کر دیا جائے گا یا انہیں چہروں کی سیاہی اور آنکھوں کی نیلاہٹ کے سبب بدشکل بنادیا جائے گا ["یَوْمَ" "مَقْبُوْحِيْنَ" کا ظرف ہے]۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو پہلے زمانوں کے لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد ایک ایسی کتاب عطا کی جو لوگوں کے لیے بصیرت افروز اور ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ۝ اور آپ (طور کی) مغربی جانب نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو پیغام پہنچانے کا حکم دیا اور نہ آپ حاضرین میں سے تھے ۝ لیکن ہم نے بہت سی قومیں پیدا کیں تو ان پر عمریں دراز ہو گئیں' اور نہ آپ اہل مدین میں مقیم تھے کہ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے' لیکن بے شک رسول بنا کر بھیجنے والے ہم ہی ہیں ۝ اور آپ طور کی جانب نہیں تھے جب ہم نے ندا فرمائی لیکن یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے رحمت ہے تاکہ آپ اس قوم کو ڈرسنائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرسنانے والا نہیں آیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ۝

حضرت موسیٰ کی تورات' حضور سیّد عالم کی رسالت اور بعثت رسل کی حکمت کا بیان

۴۳۔﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ﴾ اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک کتاب (یعنی) تورات شریف عطا فرمائی ﴿ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى ﴾ اس کے بعد کہ ہم نے پہلے زمانوں کے لوگوں کو ہلاک کر دیا' جیسے حضرت نوح' حضرت ھود' حضرت صالح اور حضرت لوط علیہم السلام کی قومیں ہلاک کی گئی تھیں ﴿ بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ ﴾ لوگوں کے لیے بصیرت افروز تھی [یہ ''الکتاب'' سے حال ہے] ''البصیرۃ'' کا معنی ہے: دل کا نور جس کے ذریعے رشد و ہدایت اور سعادت و نیک بختی کا مشاہدہ کیا جاتا ہے' جیسا کہ ''البصر'' آنکھ کے نور کو کہا جاتا ہے' جس کے ذریعے ظاہری اشیاء کو سر کی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہم نے اسے ایسی تورات عطا فرمائی ہے' جو دلوں کے لیے انوار ہے کیونکہ بنی اسرائیل کے دل اندھے تھے جو کچھ نہیں دیکھ سکتے تھے اور نہ وہ باطل کے مقابلے میں حق کو پہچان سکتے تھے ﴿ وَهُدًى ﴾ اور وہ سراسر رشد وہدایت تھی کیونکہ بنی اسرائیل گمراہی میں دیوانے ہو چکے تھے ﴿ وَّرَحْمَةً ﴾ اور وہ ان لوگوں کے لیے سراسر رحمت تھی جنہوں نے اس کی پیروی کی' کیونکہ جب انہوں نے اس پر عمل کیا تو وہ رحمت پانے تک پہنچ گئے ﴿ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

۴۴۔﴿ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ ﴾ اور اے (پیارے) محمد ﷺ! آپ پہاڑ کی مغربی جانب نہیں تھے اور یہ وہ جگہ ہے جو کوہِ طور کے غرب کی جانب میں واقع ہے اور اسی مقام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا میقات ہے ﴿ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ ﴾ جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو پیغام بھیجنے کا حکم دیا یعنی ہم نے ان سے کلام فرمایا' جیسے ارشاد ہے: ''وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا '(مریم:۵۲)'' ''اور ہم نے راز و نیاز کی باتیں کرنے کے لیے اسے اپنے قریب کر لیا'' ﴿ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾ اور آپ انہیں دیکھنے والوں میں سے نہ تھے (یعنی) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجنے کے وقت آپ ان دیکھنے والوں میں سے نہیں تھے جو اس وقت (بنی اسرائیل میں سے منتخب کردہ ستّر افراد) موجود تھے' یہاں تک کہ آپ بہ طورِ مشاہدہ اس معاملہ سے واقفیت حاصل کر لیتے' جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کے میقات میں جاری ہوا۔

۴۵۔﴿ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ﴾ لیکن ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سی قومیں پیدا فرمائیں' پھر ان پر زمانہ دراز ہو گیا یعنی ان کی عمریں لمبی ہو گئیں اور سلسلۂ نبوت رُک گیا اور قریب تھا کہ اسلامی تعلیمات اور اس کی خبریں اوجھل ہو جاتیں اور دینی علوم ختم ہو جاتے اور ان میں سے بہت سی چیزوں میں تحریف واقع ہو گئی' سو ہم نے ان تعلیمات و واقعات کو تازہ کرنے اور ان میں واقع تحریف کو بیان کرنے کے لیے آپ کو رسول بنا کر بھیجا اور ہم نے سابق انبیائے کرام علیہم السلام کے قصوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا علم آپ کو عطا فرمایا' گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جاری ہونے والی گفتگو اور ان پر جاری ہونے والی تعلیمات کے وقت آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے' لیکن ہم نے آپ کی طرف ان تمام باتوں کی وحی نازل فرمائی' پس اللہ تعالیٰ نے وحی کے اس سبب کا ذکر کیا جو سلسلۂ نبوت رُک جانے سے دراز ہو گیا اور اختصار کے ساتھ اس کے ذریعے مسبب کی رہنمائی فرمائی' سو یہ استدراک اپنے بعد آنے والے استدراکین کے مشابہ ہے ﴿ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ﴾ اور آپ مدین والوں میں مقیم نہیں تھے۔ ''ثاویا'' بہ معنی مقیم ہے اور اہل مدین سے حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ پر ایمان لانے والے مسلمان مراد ہیں ﴿ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ﴾ تا کہ آپ ان پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرتے (یعنی) آپ ان سے معلومات حاصل کرنے کے لیے ان پر ہماری آیتیں پڑھتے اور آیات سے وہ آیتیں مراد ہیں' جن میں حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی

قوم کے واقعات بیان کیے گئے [اور "تتلوا" محلاً منصوب خبر ثانی ہے یا پھر "ثاویا" کی ضمیر سے حال ہے] ﴿وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ﴾ لیکن ہم ہی رسولوں کو بھیجنے والے ہیں (یعنی) ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور ہم نے آپ سے ماضی کی تمام خبریں بیان کی ہیں اور ہم نے آپ کو گزشتہ تمام واقعات کا علم عطا فرمایا۔

۴۶- ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا﴾ اور آپ بنفس نفیس اس وقت طور کے کنارہ پر نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بہ آوازِ بلند پکارا کہ پوری قوت و ہمت کے ساتھ یہ کتاب (تورات) لے لو[1] ﴿وَلٰكِنْ﴾ لیکن ہم نے آپ کو تمام علوم سکھا دیئے ہیں اور ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے ﴿رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے پروردگار کی طرف سے مہربانی کرنے کے لیے ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنائیں جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا (یعنی) آپ کے درمیان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کا زمانہ جس میں کوئی نبی و رسول نہیں آیا اور یہ ساڑھے پانچ سو سال کا عرصہ ہے ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ
اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور اگر یہ نہ ہوتا کہ جب کبھی ان کو کوئی مصیبت پہنچی ان کے ان کرتوتوں کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تو کہتے: اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور ہم ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے O

---

[1] حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کرا' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابھی آپ ان سے ملاقات نہیں کر سکتے' ہاں! اگر آپ چاہتے ہیں تو میں ان کی امت کو آواز دیتا ہوں اور میں آپ کو اس کی آواز سنوا دیتا ہوں' حضرت موسیٰ نے کہا: مجھے منظور ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! تو انہوں نے اپنے آباء واجداد کی پشتوں میں سے جواب دیا' اور حضرت ابوزرعہ بن عمرو بن جریر علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پکار کر فرمایا: اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بے شک میں نے تمہاری دعا مانگنے سے پہلے قبول فرمالی ہے اور میں نے تمہارے سوال کرنے سے پہلے تمہیں عطا فرما دیا ہے' اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! تو انہوں نے باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں سے جواب دیا کہ ہم حاضر ہیں' اے اللہ! ہم حاضر ہیں' بے شک تمام تعریفیں اور تمام نعمتیں تیری ہیں اور ساری بادشاہی تیری ہے' تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے امت احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت کر چکی اور میرا عفو و درگزر اور معاف کرنا میرے عذاب سے سبقت کر چکا ہے' بے شک میں نے تمہارے سوال کرنے سے پہلے تمہیں عطا فرما دیا اور بے شک میں نے تمہاری دعا مانگنے سے پہلے تمہاری دعا قبول فرمالی ہے اور بے شک میں نے تمہارے گناہوں کے ارتکاب سے پہلے تمہیں بخش دیا' سو جو شخص قیامت کے دن اس گواہی پر قائم ہو کر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے خاص بندے اور میرے آخری رسول ہیں' تو وہ شخص جنت میں ضرور داخل ہوگا اور اگرچہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں گے۔

(تفسیر مظہری جلد ۷ ص ۱۶۸' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' ہند)

۴۷-﴿ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِیْبَھُمْ مُّصِیْبَةٌ ﴾ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جب کبھی ان (اہل مکہ) کو کوئی مصیبت (یعنی) سزا پہنچی ﴿ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ ﴾ اس کفر وشرک اور ظلم وستم کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور چونکہ زیادہ تر اعمال ہاتھوں کی قوت سے ادا کیے جاتے ہیں اس لیے اعمال کی نسبت ہاتھوں کی طرف کی گئی ہے اگر چہ کچھ اعمال دلوں کے ہوتے ہیں لیکن زیادہ کو کم پر غالب قرار دیا جاتا ہے ﴿ فَیَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ تو وہ عذاب کے وقت کہتے: اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تا کہ ہم آپ کی آیتوں کی پیروی کرتے اور ہم مسلمانوں میں سے ہو جاتے ۔ [پہلا ''لَوْلَا'' امتناعیہ ہے اور اس کا جواب محذوف ہے اور دوسرا ''لَوْلَا'' تحضیضیہ (ترغیب دینے کا) اور پہلا ''فَا'' (''فَیَقُوْلُوْا'' میں) عطف کے لیے ہے اور دوسرا ''فَا'' (''فَنَتَّبِعَ'' میں) ''لَوْ لَا'' کا جواب ہے کیونکہ یہ امر کے حکم میں ہے' کیونکہ امر فعل کا باعث ہے اور باعث اور محضض ایک ہی باب سے تعلق رکھتے ہیں اور ''فَا'' امر کے جواب میں داخل ہوتا ہے] اور معنی یہ ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جب کفارِ مکہ کو ان کے کفر وشرک اور دیگر گناہوں کے سبب سزا دی جاتی تو وہ ہم پر حجت بازی کرنے کے لیے کہتے: اے اللہ! ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تو ہم ان کی طرف رسول نہ بھیجتے یعنی ان کی طرف رسول کا بھیجنا صرف اس لیے ہے تا کہ ان پر حجت لازم کر دی جائے اور وہ کوئی حجت لازم نہ کر سکیں' جیسا کہ ارشاد ہے: ''لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ'' (النساء: ۱۶۵) ''تا کہ رسولوں کے بھیجنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت نہ ہو سکے''۔ [پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ معنی کس طرح قائم رہ سکتا ہے' حالانکہ عقوبت وسزا کو ہی رسول کے بھیجنے کا سبب قرار دیا گیا ہے' نہ کہ قول کو کیونکہ ''لَوْلَا'' امتناعیہ ارسال پر داخل ہے' قول پر داخل نہیں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل قول ہی مقصود ہے' اس لیے یہی ارسالِ رسول کا سبب ہے لیکن چونکہ عقوبت وسزا قول کی علت ہے اور قول کا وجود عقوبت کے وجود پر موقوف ہے' اس لیے عقوبت کو ارسال کا سبب قرار دیا گیا ہے اور اس پر ''لَوْلَا'' داخل کر دیا گیا ہے اور قول کو سبب کا معنی دینے والے حرف ''فَا'' کے ساتھ اس پر معطوف کیا گیا ہے اور اس کے معنی کی درج ذیل قول کے مطابق تاویل کی جائے گی: ''وَلَوْلَا قَوْلُھُمْ ھٰذَا اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَةٌ لَمَا اَرْسَلْنَا'' جب انہیں مصیبت پہنچتی تو اس وقت اگر ان کا یہ قول نہ ہوتا تو ہم رسول نہ بھیجتے]۔

فَلَمَّا جَآءَھُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِیَ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی ؕ اَوَلَمْ یَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰھَرَا ۚ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ھُوَ اَھْدٰی مِنْھُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا یَتَّبِعُوْنَ اَھْوَآءَھُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ ھَوٰىهُ بِغَیْرِ ھُدًی مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۰﴾

پھر جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آیا تو انہوں نے کہا کہ ایسا کیوں نہیں دیا گیا جیسا موسیٰ کو دیا گیا تھا' اور کیا

انہوں نے اس کے ساتھ کفر نہیں کیا تھا جو اس سے پہلے موسیٰ کو دیا گیا تھا' انہوں نے کہا تھا: یہ دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں' اور انہوں نے کہا کہ بے شک ہم ہر ایک کے منکر ہیں O فرما دیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی کتاب لاؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو O سو اگر وہ آپ کی بات نہ مانیں تو جان لیجئے کہ بے شک وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں' اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کی پیروی کی' بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا O

کفارِ مکہ اور قومِ موسیٰ علیہ السلام کی مذمت کا بیان

۴۸- ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا﴾ پھر ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا' یعنی قرآن مجید یا رسول عربی' جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والا ہے جو اوّل تا آخر معجزہ ہے ﴿قَالُوْا﴾ تو انہوں نے (یعنی) کفارِ مکہ نے کہا ﴿لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى﴾ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پوری کتاب ایک دفعہ نازل کر کے عطا کی گئی تھی' اسی طرح سیّد عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پورا قرآن مجید ایک دفعہ نازل کر کے عطا کیوں نہیں کیا گیا؟ یہاں ''لَوْلَا'' بہ معنی ''هَلَّا'' ہے ﴿اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ﴾ اور کیا انہوں نے قرآن مجید سے پہلے اس کا انکار نہیں کیا تھا' جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا یعنی ان کفارِ مکہ کے ہم جنس کفار (قبطیوں اور فرعونیوں) نے انکار کیا تھا اور ان کا مذہب بھی انہیں کے مذہب جیسا تھا اور وہ بھی اس طرح اپنے پیغمبر سے بغض و عناد رکھتے تھے' جس طرح یہ اپنے پیغمبر سے بغض و عناد رکھتے ہیں اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے کفار تھے ﴿قَالُوْا﴾ انہوں نے کہا (یعنی) قبطیوں اور فرعونیوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے بارے میں کہا تھا کہ ﴿سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا﴾ یہ دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ ''تَظَاهَرَا'' بہ معنی ''تَعَاوَنَا'' ہے [اہل کوفہ کی قراءت میں ''سِحْرَانِ'' ہے[1] یعنی ''ذَوَا سِحْرٍ'' جادو کرنے والے یا انہوں نے ''سحر'' (جادو) کے ساتھ ان دونوں کو متصف کرنے میں مبالغہ کرنے کے لیے ''سَحْرَيْنِ'' قرار دے دیا] ﴿وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ﴾ اور انہوں نے کہا: بے شک ہم ان دونوں میں سے ہر ایک کے منکر ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ جس طرح اہل مکہ نے حضور سیّد عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید کے ساتھ کفر کیا تھا' اسی طرح انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات شریف کے ساتھ بھی کفر کیا تھا اور انہوں نے حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں کے بارے میں کہا: ''سَاحِرَانِ تَظَاهَرَا'' کہ یہ دونوں جادوگر ہیں' ایک دوسرے کے مددگار ہیں' یا انہوں نے تورات شریف اور قرآن مجید دونوں کے بارے میں کہا: ''سِحْرَانِ تَظَاهَرَا'' کہ یہ دونوں کتابیں جادو ہیں' ایک دوسرے کی مددگار ہیں اور اہل مکہ نے یہ اس وقت کہا تھا جب انہوں نے ایک وفد یہودیوں کے سرداروں کے پاس مدینہ منورہ بھیجا تھا' جس نے وہاں جا کر یہود کے سرداروں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس وفد کو بتایا کہ ان کی کتاب تورات شریف میں حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت اور آپ کے فضائل و کمالات کا ذکر کیا گیا ہے' چنانچہ یہ وفد مکہ مکرمہ میں واپس قریش کے پاس لوٹ آیا اور اس نے ان کو یہود کی تمام باتیں بتائیں تو قریشِ مکہ نے اس وقت یہ کہا تھا: ''سَاحِرَانِ تَظَاهَرَا'' کہ یہ دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

۴۹- ﴿قُلْ فَأْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف

[1] جب کہ ابن عامر شامی' ابو عمرو بصری' ابن کثیر مکی' نافع مدنی' ابو جعفر' خلف' یعقوب اور حسن کی قراءت میں ''سَاحِرَانِ'' ہے۔
(معجم القراءات القرآنیۃ ج ۵ ص ۲۶)

سے کوئی کتاب لاؤ کہ وہ ان دونوں سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی ہے اور جو مجھ پر نازل کی گئی ہے زیادہ ہدایت دینے والی ہو ﴿اَتَّبِعْهُ﴾ تو میں اس کی پیروی کروں گا۔ یہ ''فَاْتُوْا'' کا جواب ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ دونوں جادوگر ہیں۔

۵۰۔ ﴿فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ﴾ پھر اگر وہ آپ کی بات نہ مانیں تو جان لیجئے کہ بے شک وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں (یعنی) اگر وہ تورات وقرآن سے زیادہ ہدایت دینے والی کتاب لانے کے لیے آپ کی دعوت قبول نہیں کرتے تو جان لیجئے کہ انہوں نے جادو کا صرف الزام لگایا ہے اور ان کے پاس اپنی خواہشات کی پیروی کے علاوہ کوئی مضبوط حجت اور کوئی مستحکم سند نہیں ہے ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ﴾ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا' جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے یعنی اس شخص سے بڑھ کر کوئی زیادہ گمراہ نہیں ہے جو دین کے معاملہ میں اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے [اور ''بغیر ھدی'' حال ہے یعنی بے یار ومددگار اور اس شخص کے درمیان اور اس کی خواہش کے درمیان جدائی ناممکن ہے] ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِى الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾

اور بے شک ہم ان کے لیے نصیحت کی بات مسلسل نازل کرتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں O جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی' وہ اس پر ایمان لاتے ہیں O اور جب ان پر قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائے بے شک وہ ہمارے رب تعالیٰ کی طرف سے حق ہے بے شک ہم اس سے پہلے ہی ماننے والے ہیں O یہی لوگ ہیں جنہیں دگنا ثواب عطا کیا جائے گا اس لیے کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ بُرائی کا نیکی کے ذریعے دفاع کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ انہیں دیا اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں O اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں' تم پر سلام ہو' ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے O

کفارِ مکہ کی نصیحت اور اہلِ کتاب میں سے اہلِ حق کی شان کا بیان

۵۱۔ ﴿وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ اور بے شک ہم ان کے لیے نصیحت کی بات مسلسل نازل کرتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ ''توصیل'' کا معنی ہے: بہت زیادہ بھیجنا اور بار بار مسلسل اور لگاتار بھیجنا یعنی بے شک قرآن مجید قریشِ مکہ کے پاس متواتر اور مسلسل ولگاتار آتا رہا' کبھی وعدوں اور وعیدوں کی صورت میں اور کبھی قصوں اور عبرتوں کی صورتوں میں اور کبھی نصیحتوں کی صورت میں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور فلاح ونجات پائیں۔

۵۲۔﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ ﴾ وہ لوگ جن کو ہم نے اس سے پہلے (یعنی) قرآن مجید سے پہلے کتاب عطا کی ﴿ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ﴾ وہ اس قرآن مجید پر ایمان لاتے ہیں' یہ آیت مبارکہ اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کے حق میں نازل کی گئی ہے ["اَلَّذِیْنَ" مبتدا ہے اور یہ اس کی خبر ہے]۔

۵۳۔﴿ وَ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ﴾ اور جب ان پر اس کی (یعنی) قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں بے شک وہ ہمارے پروردگار کی طرف سے حق ہے' بے شک ہم اس سے پہلے (یعنی) قرآن مجید کے نزول سے پہلے ماننے والے ہیں۔ دین اسلام پر ہم قائم رہنے والے ہیں۔ حضور نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہم ایمان لانے والے ہیں ["اِنَّا" بیان ہے "اٰمَنَّا" کا] کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ قریب زمانہ میں ایمان لائے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بہت پہلے ایمان لائے ہوں' بہرحال انہوں نے بتایا کہ ان کا قرآن مجید اور حاملِ قرآن مجید پر پہلے سے ہی ایمان ہے۔

۵۴۔﴿ اُولٰٓىٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا ﴾ یہی لوگ ہیں جن کو دو مرتبہ اجر و ثواب عطا کیا جائے گا کیونکہ انہوں نے بڑا صبر کیا (یعنی) تورات شریف پر ایمان رکھنے اور قرآن مجید پر ایمان رکھنے پر صبر کرنے کی وجہ سے یا قرآن مجید کے نازل ہونے سے پہلے قرآن مجید پر ایمان لانے اور قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد اس پر ایمان لانے پر صبر کرنے کی وجہ سے (انہیں دو دفعہ اجر و ثواب دیا جائے گا) یا مشرکین اور (ایمان نہ لانے والے) اہل کتاب کی تکالیف پہنچانے پر صبر کرنے کی وجہ سے ﴿ وَ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ ﴾ اور وہ نیکی کے ساتھ بُرائی کو دور کرتے ہیں اور وہ اطاعت و فرماں برداری کے ساتھ نافرمانی کا دفاع کرتے ہیں یا وہ حلم و بردباری کے ساتھ لوگوں کی ایذاؤں اور تکلیفوں کا دفاع کرتے ہیں ﴿ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴾ اور ہم نے جو رزق انہیں عطا کیا ہے' اس میں سے وہ (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں یعنی وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

۵۵۔﴿ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ ﴾ اور جب وہ مشرکین کی طرف سے باطل و بے ہودہ گفتگو اور ان کی طرف سے گالی گلوچ سنتے ہیں تو (ترکی بہ ترکی جواب دینے اور ان سے لڑنے جھگڑنے کی بجائے صبر کرتے ہوئے) اس سے منہ پھیر لیتے ہیں ﴿ وَ قَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ٘ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ٘ ﴾ اور وہ لغویات بکنے والوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں' تم پر سلام ہے (یعنی) تمہاری لغویات کا اسی طرح مقابلہ کرنے کی بجائے ہماری طرف سے تمہارے لیے امان ہے ﴿ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ ﴾ ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے (یعنی) ہم ان کے ساتھ ملنا جلنا اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور دوستی کرنا نہیں چاہتے۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ١ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ
بِالْمُهْتَدِیْنَ۝۵۶ وَ قَالُوْۤا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا١ؕ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ
لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجْبٰۤى اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا
یَعْلَمُوْنَ۝۵۷ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا١ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ

مِنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِیْلًا ؕ وَ كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿۵۸﴾ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى یَبْعَثَ فِیْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۚ وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِی الْقُرٰۤى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

بے شک آپ اس کو ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ چاہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے' اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے O اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو ہمیں اپنے ملک سے اُچک لیا جائے گا' اور کیا ہم نے ان کو امن والے حرم میں آباد نہیں کیا جس کی طرف ہمارے ہاں سے ہر چیز کے پھل بہ طورِ رزق لائے جاتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O اور ہم نے بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر دیں جو اپنی خوشحالی پر اتراتی تھیں' سو یہ ان کے مکانات ہیں کہ ان کے بعد ان میں سکونت نہیں کی گئی مگر بہت کم' اور ہم ہی وارث ہیں O اور آپ کا پروردگار بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں تھا یہاں تک کہ (پہلے) ان کے مرکز میں کسی رسول کو بھیجتا رہا جو ان پر ہماری آیتوں کو تلاوت کرتا' اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں تھے مگر جب کہ ان میں رہنے والے ظالم ہو گئے O

پیغمبر کا کام ہدایت پیش کرنا ہے لیکن ہدایت یافتہ بنانا اور ہدایت پیدا کرنا' اللہ تعالیٰ کا کام ہے

۵٦- ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾ بے شک آپ اس کو ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ چاہتے ہیں (یعنی) آپ ہر اس شخص کو اپنے آپ اسلام میں داخل نہیں کر سکتے جس کو آپ اپنی قوم میں سے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں سے اسلام میں داخل کرنا چاہتے ہوں ﴿وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے ہدایت عطا فرما دیتا ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ جس میں چاہتا ہے ہدایت پانے کا فعل پیدا کر دیتا ہے ﴿وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ﴾ اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت کو اختیار کرے گا اور کون اسے قبول کرے گا اور کون دلائل و آیات سے نصیحت حاصل کرے گا۔ علامہ زجاج نے کہا کہ تمام مفسرین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت مبارکہ جناب ابوطالب کے بارے میں نازل کی گئی ہے اور وہ اس طرح کہ ابوطالب نے اپنے قربِ موت کے وقت کہا: اے بنو ہاشم کی جماعت! تم (حضرت) محمد (مصطفیٰ ﷺ) کی تصدیق کرو اور ان پر ایمان لے آؤ تو نجات پا لو گے' یہ بات سن کر حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: اے چچا جان! دوسروں کو خیر و بھلائی اور خیر خواہی کا حکم دے رہے ہیں اور اپنے آپ کو چھوڑ رہے ہیں' ابوطالب نے کہا: اے بھتیجے! آپ کیا چاہتے ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میں تم سے یہ چاہتا ہوں کہ تم صدق دل سے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہو تا کہ میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس اس کلمہ کی گواہی دے سکوں۔ ابوطالب نے کہا: بے شک میں جانتا ہوں کہ آپ یقیناً سچے رسول ہیں' لیکن میں اس کو پسند نہیں کرتا ہوں کہ یہ کہا جائے کہ یہ موت کے وقت گھبرا گئے[1]

---

[1] علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں کہ ابوطالب کے اسلام کا مسئلہ اختلافی ہے اور یہ کہنا صحیح نہیں کہ تمام مسلمین یا تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت مبارکہ ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ شیعہ اور بہت سے مفسرین کا یہ مذہب ہے کہ ابوطالب مسلمان تھے اور ان کا دعویٰ ہے کہ اس پر ائمہ اہلِ بیت کا اجماع ہے اور ابوطالب کے اکثر قصائد اس کی گواہی دیتے ہیں اور جو اجماعِ مسلمین کا دعویٰ کرتے ہیں وہ شیعہ کے اختلاف کو معتبر نہیں مانتے اور نہ ان کی روایات پر اعتماد کرتے ہیں' پھر ابوطالب کے اسلام نہ لانے کے قول پر بھی ابوطالب کو بُرا نہیں کہنا چاہیے اور ان کے متعلق فضول کلام کے ساتھ بحث و گفتگو نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس سے علویوں کو تکلیف پہنچتی ہے بلکہ یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اس سے حضور نبی کریم ﷺ کو تکلیف پہنچتی ہو کیونکہ ان روایات کی بناء پر یہ آیت مبارکہ بیان کرتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابوطالب (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور اگر چہ اس آیت مبارکہ کا صیغہ اور لفظ عام ہے (لیکن مورد خاص ہے) اور یہ آیت مبارکہ معتزلہ کے خلاف حجت ہے' کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ہدایت کا معنی ہے: راہِ حق بیان کرنا اور یقیناً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام لوگوں کو راہِ حق بیان کر دی' لیکن کفار نے اپنے بُرے اختیار کی وجہ سے ہدایت حاصل نہیں کی' سو یہ آیت مبارکہ رہنمائی کرتی ہے کہ ہدایت راہِ حق بیان کرنے کے علاوہ اور چیز کا نام ہے اور وہ ہدایت کو پیدا کرنا اور ہدایت کی توفیق اور قدرت عطا کرنا ہے [1]۔

٥٧- ﴿وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا﴾ اور انہوں نے کہا: اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں گے تو ہمیں اپنے ملک سے اُچک لیا جائے گا اور کیا ہم نے ان کو امن والے حرم میں آباد نہیں کیا۔ قریشِ مکہ کے بعض لوگوں نے (حارث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر) کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ بے شک آپ حق پر ہیں لیکن اگر ہم نے آپ کی پیروی اختیار کر لی اور ہم آپ کی وجہ سے عرب کے مخالف ہو گئے تو ہمیں خوف ہے کہ عرب کے مشرکین ہمیں ہمارے ملک سے اُچک لیں گے' سو اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت قائم کر کے انہیں لاجواب و خاموش کرا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس حرم کے پاس آباد کیا جس کو بیت اللہ شریف کی حرمت کی وجہ سے جائے امن قرار دیا اور اس کی حرمت کی وجہ سے اس کے باشندوں کو امن عطا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سے محبت تھی اور صاحبِ عقل سے یہ بات مخفی نہیں کہ ایسے نازک موقع پر احتیاط ضروری ہے۔

(تفسیر روح المعانی جزء ٢٠ ص ٩٧' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور)

[1] اس وضاحت سے ایک اعتراض ختم ہو گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہدایت کی نفی کی گئی ہے کہ آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے جب کہ دوسری آیت مبارکہ میں ہدایت کو آپ کے لیے ثابت کیا گیا ہے' نیز آپ کی تشریف آوری کا مقصد بھی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت دینا ہے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" (الشوریٰ: ٥٢) "اور بے شک آپ ضرور سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں"۔

(١) اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جس آیت میں ہدایت کی نفی کی گئی ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ جس کو چاہیں اس میں ہدایت کو پیدا نہیں کر سکتے یعنی مطلق ہدایت کی نفی نہیں بلکہ تخلیقِ ہدایت کی نفی ہے کیونکہ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس میں ہدایت کو پیدا کر دیتا ہے (٢) اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جس آیت میں ہدایت کی نفی کی گئی ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ آپ جس کو چاہیں اس کو ہدایت کی قدرت و توفیق نہیں دے سکتے یعنی مطلق ہدایت کی نفی نہیں بلکہ قدرت اور توفیقِ ہدایت کی نفی ہے کیونکہ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے' وہ جس کو چاہتا ہے اس کو ہدایت کی قدرت و توفیق عطا فرما دیتا ہے (٣) تیسرا جواب یہ ہے کہ ہدایت کا فعل جب حرفِ لام یا "اِلٰی" کے بغیر براہِ راست متعدی ہوتا ہے تو اس وقت ہدایت کا معنی "ایصال الی المطلوب" یعنی منزلِ مقصود تک پہنچانا ہوتا ہے اور منفی ہدایت کی آیت میں یہی معنی مراد ہے کہ آپ جس کو چاہیں اسے منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکتے' یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور جب ہدایت کا فعل لام یا "اِلٰی" کے واسطے سے متعدی ہوتا ہے تو اس وقت ہدایت کا معنی "اراءۃ الطریق" یعنی راستہ دکھانا ہوتا ہے اور مثبت ہدایت کی آیت میں یہی معنی مراد ہے کہ بے شک آپ ضرور سیدھا راستہ دکھاتے ہیں (٤) چوتھا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام وعظ و تبلیغ کے ذریعے ہدایت دینا ہے' باقی کسی شخص میں ہدایت قبول کرنے کی تاثیر پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے یعنی آپ جس کو چاہیں ان میں ہدایت قبول کرنے کی تاثیر پیدا نہیں کر سکتے' البتہ آپ ہر ایک کو وعظ و تبلیغ کے ذریعے ہدایت یعنی سیدھا راستہ ضرور دکھاتے ہیں۔ غوثوی مہاروی

فرمایا اور ہر جانب سے اس کی طرف پھل لائے جاتے ہیں حالانکہ وہ کفار ہیں' پھر بھلا یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ عرب کے کافر لوگ انہیں اُچک کر لے جانے کے لیے ان کا تعاقب کریں گے اور وہ امن سے محروم ہو جائیں گے' جب کہ حرمت بیت اللہ شریف کے ساتھ دین اسلام کی حرمت بھی ان کے ساتھ ملا لی گئی ہے اور امن کی نسبت اہل حرم کے لیے حقیقی ہے اور حرم کے لیے مجازی ہے ﴿ یُجْبٰۤی اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ ہر چیز کے پھل اس کی طرف لائے جاتے ہیں یعنی ہر چیز کے میوہ جات اور ہر قسم کے پھل اس حرم شریف کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور اٹھا کر لائے جاتے ہیں اور اس میں جمع کیے جاتے ہیں اور ''کل شیی'' میں ''کل'' کا معنی کثرت ہے یعنی حرم میں کثرت سے پھل لائے جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ'' (النمل: ۲۳) ''اور اسے بہت سی چیزیں عطا کی گئی ہیں''۔ ﴿ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا ﴾ ہماری طرف سے انہیں رزق عطا کیا گیا [اور یہ مصدر ہے کیونکہ ''یُجْبٰی اِلَیْهِ'' بہ معنی ''یُرْزَقُ اِلَیْهِ'' ہے' اس حرم شریف کی طرف ہر قسم کے پھل بہ طورِ رزق عطا کیے جاتے ہیں یا مفعول لہ ہے یا یہ ''ثمرات'' سے حال ہے اگر ''رزق'' بہ معنی ''مرزوق'' ہے اس لیے کہ یہ اضافت کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ صفت کے ساتھ نکرہ مخصصہ سے منصوب ہوتا ہے] ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ یہ ''مِنْ لَّدُنَّا'' کے متعلق ہے یعنی ان میں سے تھوڑے لوگ اقرار کرتے ہیں کہ یہ رزق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ان میں سے بہت سے لوگ جاہل ہیں' اس کو نہیں جانتے اور اگر وہ جان لیتے کہ بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو یہ بھی ضرور جان لیتے کہ خوف اور امن اسی کی طرف سے ہے اور وہ اُچک لیے جانے سے خوف زدہ نہ ہوتے کیونکہ وہ حرم شریف کی وجہ سے امن پا چکے ہیں۔

۵۸- ﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا ﴾ اور بہت سی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں جو اپنی خوشحالی پر اترا گئیں۔ اس آیت مبارکہ میں اہل مکہ کو ان قوموں کے بُرے انجام سے ڈرایا گیا ہے' جن کا حال اہل مکہ کے حال کی طرح تھا' ان پر بھی اللہ تعالیٰ نے انعامات نازل کیے تھے' لیکن انہوں نے ان نعمتوں پر شکر ادا نہیں کیا تھا اور انہوں نے تکبر و غرور اور سرکشی کے ساتھ نعمتوں کا مقابلہ کیا تھا' سو اس لیے وہ ہلاک کر دیئے گئے [اور ''کَمْ'' ''اَهْلَكْنَا'' کی وجہ سے منصوب ہے اور ''مَعِیْشَتَهَا'' حرف جار محذوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے] ''بَطَرٌ'' کا معنی ہے: بُرے طریقہ سے دولت حاصل کرنا اور اس میں اللہ تعالیٰ کے حق کی حفاظت نہ کرنا (یعنی جس دولت کا حصول اور استعمال ناجائز طریقہ سے ہو) ﴿ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ ﴾ سو وہ ہیں ان کے تباہ شدہ مکانات و محلات جن کے اب صرف نشانات باقی رہ گئے ہیں' دورانِ سفر لوگ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں جیسے ثمود اور حضرت شعیب کی قومیں اور ان کے علاوہ دیگر قوموں کے ممالک و شہر برباد ہو گئے ﴿ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِیْلًا ﴾ ان کے بعد وہاں بہت کم لوگ ٹھہرے۔ ''تسکن'' ''سکنی'' سے ماخوذ ہے یعنی وہاں تباہ شدہ گرے پڑے مکانات میں صرف مسافر اور رہ گزر لوگ ایک دن یا چند گھنٹے ستانے کے لیے ٹھہرتے [''لم تسکن'' حال ہے اور اس کا عامل اسم اشارہ ''تلك'' ہے] ﴿ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ ﴾ اور ان رہائش گاہوں کے ہم وارث ہیں' جن کے باشندے ہلاک ہو گئے یعنی ان میں ہمارے علاوہ کوئی تصرف کا مالک نہیں ہے۔

۵۹- ﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى ﴾ اور آپ کا پروردگار ہر وقت بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا ﴿ حَتّٰى یَبْعَثَ فِیْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا ﴾ یہاں تک کہ (پہلے) ان کے مرکز میں رسول کو بھیجتا ہے تا کہ ان میں رہنے والوں پر حجت لازم ہو جائے اور معذرت و بہانہ ختم ہو جائے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں اور اس کی سابق تقدیر میں یہ کہیں نہیں ہے کہ وہ زمین پر بستیوں کو ہلاک کر دے گا بلکہ ہلاکت سے پہلے ان بستیوں کے مرکز میں یعنی مکہ مکرمہ میں عظیم الشان رسول یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو

بھیجے گا۔ مکہ مکرمہ تمام ممالک وشہروں اور بستیوں کا مرکز اس لیے ہے کہ اسی کے نیچے سے زمین کو ہر جانب (مشرق ومغرب اور شمال وجنوب) پھیلایا گیا تھا[حمزہ اور علی کسائی کی قراءت میں ہمزہ کے نیچے کسرہ یعنی زیر ہے یعنی اس بستی میں جو تمام بستیوں کی اصل اور سب سے بڑی مرکزی بستی ہے] ﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا﴾ وہ مبعوث رسول ان پر ہماری آیتیں یعنی قرآن مجید تلاوت کرے گا ﴿وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ﴾ اور ہم نے بستیوں کو ہلاک نہیں کیا تھا' مگر جب وہاں کے رہنے والے ظلم وستم کرنے لگ گئے تھے یعنی ہم نے ان کو انتقام لینے کے لیے ہلاک نہیں کیا بلکہ ان میں رہنے والے اپنے ظلم وستم کے سبب عذاب کے مستحق ہو گئے تھے اور وہ یہ کہ ان کی طرف عذر ختم کرنے کے لیے رسول بھیجنے کے بعد وہ لوگ اپنے کفر پر اصرار کرنے لگے' عناد وتکبر کیا اور سرکش ہو گئے۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٠﴾

ع ۶

اور تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے' سو وہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اس کی زینت ہے' اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ سب سے بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے' تو کیا تمہیں عقل نہیں ہے O

٦٠- ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا﴾ اور تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے' سو وہ دنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی زیب وزینت ہے اور دنیا کے اسباب میں تمہیں جو کچھ ملتا ہے وہ صرف چند روزہ' بہت ہی قلیل منافع اور عارضی سنگار ہے اور وہ فانی زندگی کی حیات تک کارآمد ہے ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا تم اتنی بات نہیں سمجھتے کہ باقی فانی سے بہتر ہے [ابوعمرو کی قراءت میں ''یا'' اور ''تا'' کے درمیان اختیار دیا گیا ہے خواہ ''یا'' کے ساتھ ''یعقلون'' پڑھا جائے خواہ ''تا'' کے ساتھ ''تعقلون'' پڑھا جائے جب کہ قراء نے صرف ''تا'' کے ساتھ ''تعقلون'' پڑھا ہے' اس کے علاوہ نہیں] حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا اور اس پر رہنے والے انسانوں کی تین قسمیں بنائیں: ایک مؤمن' دوسرا منافق اور تیسرا کافر' سو مؤمن تو دنیا میں آخرت کے لیے زادِ راہ تیار کرتا ہے اور منافق دنیا میں زیب وزینت اور اس کا سنگار حاصل کرتا ہے اور کافر دنیا کی متاع سے لطف اندوز ہوتا ہے اور دنیاوی فوائد حاصل کرتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کو (درج ذیل) ارشاد کے ساتھ مستحکم ومضبوط کیا ہے:

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۫ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ

فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَىِٕذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿٦٧﴾

تو کیا وہ شخص جس کو ہم نے اچھا وعدہ دیا' سو وہ اسے ضرور حاصل کرے گا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیا کی زندگی کا سامان دیا ہے' پھر وہ (دوزخ کے عذاب کے لیے) حاضر کیے جانے والے لوگوں میں سے ہو گا O اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں پکارے گا اور فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک جنہیں تم (میرا شریک) گمان کرتے تھے O جن پر (عذاب کی) بات ثابت ہو چکی' وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم نے گمراہ کیا' ہم نے انہیں اسی طرح گمراہ کیا جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے' ہم تیری بارگاہ میں بیزاری کا اعلان کرتے ہیں' وہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے O انہیں کہا جائے گا کہ تم اپنے شریکوں کو پکارو' پس وہ انہیں پکاریں گے تو وہ ان کو کوئی جواب نہیں دیں گے اور وہ عذاب کو دیکھیں گے' کاش! وہ ہدایت پر ہوتے O اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں پکارے گا اور فرمائے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا O سو اس دن ان سے ساری خبریں پوشیدہ ہو جائیں گی' پس وہ ایک دوسرے سے سوال نہیں کر سکیں گے O سو لیکن جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو بے شک وہ کامیاب لوگوں میں سے ہو جائے گا O

قیامت کے دن مشرکین کی رسوائی کا بیان

٦١- ﴿اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا﴾ تو کیا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہوا ہے یعنی جنت کا وعدہ' پس اس سے زیادہ اچھی چیز کوئی نہیں کیونکہ یہ ہمیشہ رہنے والی ہے اور اسی وجہ سے جنت کا نام ''حُسْنٰی'' رکھا گیا ہے ﴿فَهُوَ لَاقِيْهِ﴾ پس وہ شخص اسے ضرور پائے گا یعنی اسے دیکھے گا اور اسے حاصل کرے گا اور وہ اس میں پہنچے گا ﴿كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ﴾ اس شخص کی طرح کیونکر ہو سکتا ہے جس کو ہم نے صرف دنیا کی زندگی کے سامان سے فائدہ پہنچایا ہے' پھر وہ قیامت کے دن حاضر کیے جانے والے لوگوں میں سے ہو گا (یعنی) ان لوگوں میں سے ہو گا جن کو دوزخ کی آگ میں حاضر کیا جائے گا اور اس کی مثال یہ ارشاد ہے: ''فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ'' (الصافات:١٢٧) ''سو انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اس لیے وہ یقیناً دوزخ میں حاضر کیے جائیں گے''۔

شانِ نزول: یہ آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں اور ابوجہل علیہ اللعنۃ کے خلاف نازل ہوئی یا حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں اور ابوجہل کے خلاف نازل ہوئی یا پھر مؤمن کے حق میں اور کافر کے خلاف نازل ہوئی اور پہلے ''فا'' کا معنی یہ ہے کہ جب دنیاوی زندگی کے ساز و سامان کے درمیان اور جو انعاماتِ اخروی اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں' ان کے درمیان فرق کا ذکر کیا گیا تو اس کے بعد ارشاد فرمایا گیا: ''اَفَمَنْ وَّعَدْنَاهُ الخ'' یعنی اس واضح فرق کے بعد بھی کیا دنیاداروں اور آخرت کے متوالوں کے درمیان برابری ہو سکتی ہے؟ (ہرگز نہیں!) [اور دوسرا ''فا'' سبب کے لیے ہے کیونکہ جنت کی ملاقات وعدہ کا مسبب ہے اور حرف ''ثُمَّ'' دنیا کے فوائد سے لطف اندوز ہونے کے حال سے دوزخ میں حاضر کیے جانے کے حال کی تاخیر بیان کرنے کے لیے ہے' قاری علی کسائی کی قراءت میں ''ثُمَّ هْوَ'' (''ھا'' ساکن) ہے جیسا کہ ''عضد'' میں کہا گیا ہے (کہ ''عضد'' میں ضاد ساکن اور مرفوع دونوں طرح پڑھا جاتا ہے) منفصل کو متصل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے]۔

٦٢- ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ﴾ اور جس دن وہ انہیں پکارے گا (یعنی) اللہ تعالیٰ کفار کو پکارے گا اور یہ انہیں ڈانٹنے اور

دھمکانے کی پکار ہوگی [اور یہ ''یوم القیامۃ'' پر معطوف ہے یا ''اذکر'' محذوف کی وجہ سے منصوب ہے] ﴿ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ ﴾ سو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ بات کفار کے گمان کی بناء پر فرمائے گا ﴿ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴾ جن کو تم میرا شریک گمان کرتے تھے [''تزعمون'' کے دونوں مفعول محذوف ہیں جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ''كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَهُمْ شُرَكَآءِیْ'' اور یہ بھی جائز ہے کہ دونوں مفعولوں کا حذف باب ''ظَنَنْتُ'' میں جائز ہو اور کسی ایک پر اکتفا جائز نہ ہو]۔

٦٣- ﴿ قَالَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ ﴾ ان لوگوں نے کہا: جن پر عذابِ دوزخ کی بات ثابت ہو چکی ہے یعنی شیطانوں نے کہا یا کافروں کے گمراہ سرداروں نے کہا اور ''حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ'' کا معنی ہے کہ بات کا مقتضاء ان پر واجب اور ثابت ہو چکا ہے اور وہ یہ ارشاد ہے: ''لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ'' (السجدہ: ۱۳) ''میں ضرور بہ ضرور دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا''۔ ﴿ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَغْوَیْنَا ﴾ اے ہمارے رب! یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا یعنی ہم نے انہیں شرک کی طرف دعوت دی اور ہم نے ان کے لیے سرکشی و بغاوت وغیرہ کو خوشنما بنا کر پیش کیا [''هٰٓؤُلَآءِ'' مبتدا ہے ''اَلَّذِیْنَ اَغْوَیْنَا'' اس کی خبر ہے اور موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے یعنی اصل میں ''اَغْوَیْنَاهُمْ'' ہے] ﴿ اَغْوَیْنٰهُمْ كَمَا غَوَیْنَا ﴾ ہم نے انہیں اسی طرح گمراہ کیا' جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے [کاف محذوف مصدر کی صفت ہے' جس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اَغْوَیْنَاهُمْ فَغَوَوْا غَیًّا مِثْلَ مَا غَوَیْنَا''] ان کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم اپنے اختیار سے گمراہ ہوئے' سو وہ بھی اسی طرح اپنے اختیار سے گمراہ ہوئے کیونکہ ہمارا ان کو گمراہ کرنا ان کے سوا کچھ نہیں تھا کہ ہم نے وسوسہ ڈالا اور بت پرستی و سرکشی کو سنوار کے پیش کیا' سو اب ہماری گمراہی اور ان کی گمراہی کے درمیان کوئی فرق نہیں رہا اور اگرچہ ہمارا ان کو گمراہ کرنا ان کے کفر کا سبب بنا لیکن اس کے مقابلے میں ان کے لیے ایمان کی طرف اللہ تعالیٰ کی دعوت بھی تھی' جس میں عقلی دلائل رکھے گئے اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا اور ان کی طرف کتابیں نازل کی گئیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل کلام کی طرح ہے: ''وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ الخ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ'' (ابراہیم: ۲۲) تک ہے'' اور شیطان تب کہے گا: جب فیصلہ ہو چکے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ فرمایا تھا اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا' سو میں نے جھوٹ بولا تھا اور میرا تم پر کچھ قابو نہیں تھا مگر یہ کہ میں نے تم کو دعوت دی اور تم نے میری بات قبول کر لی' سو اب تم مجھے ملامت نہ کرو اور تم اپنے آپ کو ملامت کرو''۔ ﴿ تَبَرَّاْنَآ اِلَیْكَ ﴾ ہم تیرے حضور میں ان سے اور انہوں نے جو کچھ کفر و شرک اختیار کیا تھا' اس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں ﴿ مَا كَانُوْٓا اِیَّانَا یَعْبُدُوْنَ ﴾ وہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اپنی خواہشات کی عبادت کرتے تھے اور اپنی شہوات کی اطاعت کرتے تھے [اور دونوں جملے حرف عطف سے اس لیے خالی ہیں کہ یہ دونوں پہلے جملے کے معنی کی تاکید و تقریر کے لیے ہیں]۔

٦٤- ﴿ وَقِیْلَ ﴾ اور مشرکین سے کہا جائے گا: ﴿ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ﴾ کہ تم اپنے شریکوں کو بلاؤ یعنی بتوں کو بلاؤ جنہیں تم خدا کا شریک گمان کرتے تھے تاکہ وہ تمہیں عذاب سے چھڑائیں ﴿ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا یَهْتَدُوْنَ ﴾ سو وہ ان کو بلائیں گے' پس وہ ان کو جواب نہیں دیں گے اور وہ عذاب دیکھیں گے' کاش! وہ ہدایت پا لیتے [اور ''لَوْ'' کا جواب محذوف ہے] یعنی اگر وہ ہدایت کو پا لیتے تو عذاب کو ہرگز نہ دیکھتے۔

٦٥- ﴿ وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِیْنَ ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکارے گا اور فرمائے گا کہ تم نے ان رسولوں کو کیا جواب دیا تھا' جنہیں تمہاری طرف بھیجا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے وہ کلام بیان کیا جس کے ذریعے ان کو

ڈانٹا ہے کہ انہوں نے اس کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرایا' پھر وہ کلام ذکر کیا جو ڈانٹ کے وقت شیاطین یا کافروں کے سردار بولیں گے کیونکہ جب انہیں معبودانِ باطلہ کی عبادت پر ڈانٹا جائے گا تو وہ معذرت کریں گے اور کہیں گے کہ شیطانوں نے انہیں گمراہ کیا تھا' پھر ایسا کلام بیان کیا جو دشمنوں کی مصیبتوں پر خوش ہونے کے مشابہ ہے کیونکہ جب کفار قیامت کے دن اپنے معبودوں کو فریادرسی کے لیے پکاریں گے' مگر وہ اپنے عجز کی بناء پر نہ ان کی مدد کرسکیں گے اور نہ ان کو کوئی جواب دیں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے بھیجنے اور تمام معذرتیں اور علتیں زائل کر کے ان پر حجت قائم کر دی' جس کے سبب قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ تم نے میرے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟ تو وہ مغلوب ہو جائیں گے اور کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔

۶۶- ﴿فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَىِٕذٍ﴾ سو اس دن ان سے تمام خبریں اندھی ہو جائیں گی (یعنی) تمام دلائل یا خبریں ان سے مخفی اور پوشیدہ ہو جائیں گی اور بعض نے کہا کہ ان سے جواب پوشیدہ ہو جائے گا' پس وہ نہیں جان سکیں گے کہ وہ کیا جواب دیں کیونکہ ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا ﴿فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ سو وہ معذرت اور حجت کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال و جواب نہیں کرسکیں گے' محض اس امید پر کہ شاید دوسرے کے پاس کوئی عذر یا حجت ہو کیونکہ جواب دینے سے عاجز ہونے میں وہ سب برابر ہوں گے۔

۶۷- ﴿فَاَمَّا مَنْ تَابَ﴾ سو لیکن جس نے کفر و شرک سے توبہ کر لی ﴿وَاٰمَنَ﴾ اور وہ اپنے پروردگار پر اور جو کچھ اس کی طرف سے آیا' اس پر ایمان لایا ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ﴾ اور اس نے نیک عمل کیے تو وہ یقیناً کامیاب ہونے والے لوگوں میں سے ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کے پاس نجات و فلاح حاصل کر لے گا اور لفظ ''عَسٰی'' معزز و کریم کی طرف سے تحقیق و یقین کے معنی کے لیے ہوتا ہے اور اس آیت مبارکہ میں اسلام پر قائم رہنے والے مسلمانوں کے لیے خوشخبری ہے اور ایمان لانے اور دین اسلام اختیار کرنے پر کافروں کے لیے ترغیب ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۶۸
وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝۶۹ وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ
فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۷۰ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ
عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا
تَسْمَعُوْنَ ۝۷۱ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ
اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝۷۲

اور آپ کا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہی برگزیدہ کرتا ہے ان (مشرکین) کو کوئی اختیار نہیں' اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور برتر ہے جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں O اور آپ کا پروردگار وہ سب کچھ جانتا ہے جو ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں O اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے' تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں دنیا

میں اور آخرت میں اور اسی کے لیے حکم ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O فرمائیے کہ کیا تم نے دیکھا کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر قیامت کے دن تک ہمیشہ رات ہی کو رکھتا تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون سا معبود ہے جو تم پر روشنی لے آئے' تو کیا تم سنتے نہیں ہو O فرمائیے: کیا تم نے دیکھا کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر قیامت کے دن تک دن ہی کو رکھتا تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون سا معبود ہے جو تم پر رات کو لے آئے جس میں تم آرام کرتے ہو' تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو O

اللہ تعالیٰ کی قدرت واختیار اور کفار کی رسوائی کا بیان

۶۸- اور یہ آیت کریمہ ولید بن مغیرہ کے قول کے جواب میں نازل ہوئی تھی' جب اس نے کہا کہ "لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ" (الزخرف:۳۱) "یہ قرآن دو بستیوں (مکہ وطائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا"۔ یعنی بڑے آدمی سے وہ خود اپنے آپ کو یا ابومسعود کو مراد لیتا تھا ﴿وَرَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ﴾ اور آپ کا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' اور یہ آیت مبارکہ افعال کے مخلوقِ الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہے ﴿وَیَخْتَارُ﴾ "اَیْ (وَرَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ) رَبُّكَ (یَخْتَارُ) مَا یَشَآءُ" یعنی آپ کا رب تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور آپ کا رب تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسے برگزیدہ بنالیتا ہے [اور "وَیَخْتَارُ" پر وقف کیا جاتا ہے] ﴿مَا كَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ﴾ ان کے لیے کوئی اختیار نہیں ہے یعنی مشرکین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے مقابلے میں کسی کو منتخب کر لیں اور اللہ تعالیٰ نے جس کو برگزیدہ (یعنی نبی) بنایا اس کے مقابلے میں کسی اور کو برگزیدہ بنالیں اور اللہ تعالیٰ کے اختیار پر انہیں کچھ اختیار نہیں ہے اور ہاں! البتہ اللہ تعالیٰ کو ان پر پورا اختیار ہے [اور "ما كان لهم الخيرة" میں حرف عطف داخل نہیں کیا گیا' اس لیے کہ یہ "ويختار" کا بیان ہے] کیونکہ معنی یہ ہے کہ کسی کو برگزیدہ بنانے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور وہ اپنے افعال میں حکمتوں کی وجوہات کو خوب زیادہ جانتا ہے اور اس کی مخلوق میں سے کسی کے لیے جائز ہی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار پر اپنا اختیار استعمال کرے اور جس نے "وَیَخْتَارُ" پر وقف کی بجائے وصل کے ساتھ پڑھا اور معنی یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ جس کو برگزیدہ بناتا ہے اس میں ان کو بھی اختیار حاصل ہے تو اس نے بہت بعید کا معنی کیا بلکہ حرفِ "مَا" تو مخلوق کے انتخاب کی نفی اور خالق کے انتخاب کے ثبوت کے لیے ہے اور جس نے یہ کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے صرف اس کا انتخاب کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر اور مفید ہے تو یہ شخص اعتزال (گمراہ فرقہ معتزلہ) کی طرف مائل ہے اور "اَلْخِیَرَةُ" "تَخَیُّرٌ" سے ماخوذ ہے' یہ مصدر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور وہ "تَخَیُّر" ہے' برگزیدہ بنانا اور یہ بہ معنی "مُتَخَیَّرٌ" بھی استعمال ہوتا ہے' جیسے کہا جاتا ہے: "مُحَمَّدٌ خِیَرَةُ اللّٰهِ مِنْ خَلْقِهٖ" کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے برگزیدہ ہیں ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ اس شرک سے پاک اور بلند و برتر ہے جو مشرکین کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین کے شریک ٹھہرانے سے بری ہے اور وہ اس بات سے منزّہ اور پاک ہے کہ کسی کو اس کی ذاتِ اقدس پر اختیار ہو۔

۶۹- ﴿وَرَبُّكَ یَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ﴾ اور آپ کا پروردگار وہ سب جانتا ہے جو ان کے سینے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عداوت ودشمنی اور حسد کو چھپاتے ہیں۔ "تُكِنُّ" بہ معنی "تُضْمِرُ" ہے ﴿وَمَا یُعْلِنُوْنَ﴾ اور وہ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ آپ کے بارے میں برملا طعن وتشنیع اور زبان درازی کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نبوت کے لیے ان کے مقابلے میں کسی اور کو کیوں نہیں منتخب کیا گیا۔

۷۰- ﴿وَهُوَ اللّٰهُ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو "اِلٰه" ہونے کا اکیلا مستحق ہے' وہی اس کے ساتھ مخصوص ہے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا

ھُوَ﴾ اس کے سوا نہ کوئی ''اِلٰہ'' ہے اور نہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق ہے' یہ اس کے لیے تقریر و تاکید ہے جیسے کہا جاتا ہے:
''اَلْکَعْبَۃُ قِبْلَۃٌ لَا قِبْلَۃَ اِلَّا ھُوَ'' یعنی کعبہ شریف ہی قبلہ ہے اس کے سوا کوئی قبلہ نہیں ﴿لَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ﴾ دنیا میں اور آخرت میں تمام محامد اس کے لیے ہیں' یہ جنتیوں کے اس قول کی طرح ہے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ'' (الفاطر: ۳۴) ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے رنج و غم دور کر دیا''۔ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَہٗ'' (الزمر: ۷۴) ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا''۔ ''وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' (الزمر: ۷۵) ''اور تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے''۔ اور وہاں (یعنی جنت میں) حمد و ثناء صرف روحانی لذت اور ذوق و شوق کے طور پر کی جائے گی' مکلف ہونے پر نہیں ﴿وَلَہُ الْحُکْمُ﴾ اور بندوں کے درمیان صرف اسی کا حکم نافذ ہے اور اسی کا فیصلہ جاری ہے ﴿وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور تم مرنے کے بعد اٹھنے اور حشر و نشر برپا ہونے پر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے [قاری یعقوب کی قراءت میں ''تا'' مفتوح اور جیم مکسور (فعل مضارع معروف ''تَرْجِعُوْنَ'') ہے]۔

۷۱- ﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِضِیَآءٍ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر رات کو ہمیشہ قیامت کے دن تک رکھتا تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون سا ایسا معبود ہے جو تمہارے پاس روشنی لے آتا [''سَرْمَدًا''' ''جَعَلَ'' کا دوسرا مفعول ہے] یعنی ہمیشہ' یہ ''سرد'' سے ماخوذ ہے' اس کا معنی ہے: مسلسل' پے در پے اور لگاتار اور عرب کا قول اسی سے ہے کہ ''اَلْاَشْھُرُ الْحُرُمُ ثَلَاثَۃٌ سُرُدٌ وَوَاحِدٌ فَرْدٌ'' حرمت والے تین مہینے مسلسل و لگاتار ہیں اور ایک مہینہ الگ ہے [اور اس میں میم زائد ہے اور اس کا وزن ''فعمل'' ہے] ﴿اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ﴾ تو کیا تم سنتے نہیں ہو اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم مجھے بتاؤ اس پر کون قادر ہے۔

۷۲- ﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ النَّھَارَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِلَیْلٍ تَسْکُنُوْنَ فِیْہِ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ دن کو تم پر قیامت تک ہمیشہ رکھتا تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون ایسا معبود ہے جو رات کو تمہارے پاس لے آئے' جس میں تم آرام کرتے ہو۔ جس طرح یہاں ''بِلَیْلٍ تَسْکُنُوْنَ فِیْہِ'' وہ رات جس میں تم آرام کرتے ہو ذکر کیا ہے' اسی طرح ''بِنَھَارٍ تَتَصَرَّفُوْنَ فِیْہِ'' کہ وہ دن جس میں تم تصرف و کاروبار کرتے ہو ذکر نہیں فرمایا بلکہ ''ضیاء'' کا ذکر فرمایا اور وہ سورج کی روشنی ہے' اس لیے کہ وہ منافع اور فوائد جو روشنی کے ساتھ متعلق ہیں' بہت زیادہ ہیں' کیونکہ معاش کے لیے صرف تصرف کافی نہیں ہے اور ''ظلام'' اس کی جگہ نہیں لے سکتا' اس لیے ''ضیاء'' کا ذکر کیا ﴿اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ تو کیا تم نہیں دیکھتے کیونکہ تمہارے علاوہ اشیاء تاریکی میں وہی منافع دیکھتی ہیں جو تم سکون میں نفع دیکھتے ہو۔

وَمِنْ رَّحْمَتِہٖ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَیَوْمَ یُنَادِیْھِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَکَآءِیَ الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ شَھِیْدًا فَقُلْنَا ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰہِ وَضَلَّ عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ ع

اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے دن اور رات بنائے تاکہ تم اس میں آرام کرو اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو○ اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں پکارے گا اور فرمائے گا: میرے شریک کہاں ہیں جن کو تم (میرا

شریک) گمان کرتے تھےO اور ہم ہر ایک امت میں سے ایک گواہ نکالیں گے' پھر ہم فرمائیں گے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو' سو وہ جان لیں گے کہ بے شک حق اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور ان سے وہ گم ہو جائیں گے جنہیں یہ لوگ گھڑا کرتے تھےO

۷۳- ﴿ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات اور دن کو مقرر فرمایا تا کہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو یعنی تا کہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں تم اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو پس یہ لف اور نشر کے باب سے ہے ﴿ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ اور تا کہ تم اللہ تعالیٰ کا اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرو' اور علامہ زجاج نے کہا کہ یہ بھی جائز ہے کہ اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہو کہ تم رات اور دن دونوں میں آرام بھی کرو اور ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کا فضل (رزقِ حلال) بھی تلاش کرو اور اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمانہ کو مقرر فرما دیا ہے رات ہو خواہ دن ہو تا کہ تم اس میں آرام بھی کرو اور اس میں اللہ تعالیٰ کا فضل بھی تلاش کرو۔

۷۴- ﴿ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکارے گا اور فرمائے گا: کہاں ہیں میرے شریک جن کو تم میرا شریک گمان کرتے تھے۔ مشرکین کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریکوں کے ٹھہرانے پر بار بار دھمکایا' ڈرایا اور ڈانٹا تا کہ یہ علانیہ ظاہر ہو جائے کہ اس کے ساتھ شریک بنانے سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو غضب ناک کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے' جس طرح اس کو ''واحد لاشریك'' ماننے سے بڑھ کر اس کو راضی کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔

۷۵- ﴿ وَنَزَعْنَا ﴾ یہ ''واخرجنا'' کے معنی میں ہے (یعنی) اور ہم نکالیں گے ﴿ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ﴾ ہر امت میں ایک گواہ یعنی اس امت کے نبی کو بہ طورِ گواہ پیش کریں گے کیونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام امتوں کے لیے ان پر گواہ ہیں جو (قیامت کے دن) ان کے متعلق گواہی دیں گے ﴿ فَقُلْنَا ﴾ سو ہم امتوں کے لیے فرمائیں گے: ﴿ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ﴾ تم شرک کرنے اور رسول کریم کی مخالفت کرنے پر اپنی کوئی دلیل پیش کرو ﴿ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ ﴾ سو وہ اس وقت جان لیں گے کہ بے شک حق (یعنی) توحید اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿ وَضَلَّ عَنْهُمْ ﴾ اور ان سے گم ہو جائے گا اور ان سے غائب ہو جائے گا۔ کسی چیز کے غائب ہونے کا مطلب ہے: اس کا ضائع ہو جانا ﴿ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾ جو کچھ وہ گھڑتے تھے' غیر اللہ کے لیے الوہیت اور ان کے لیے شفاعت کا من گھڑت عقیدہ رکھتے تھے۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ

الْمُجْرِمُوْنَ ۝

بے شک قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا' پھر اس نے ان (بنی اسرائیل) پر زیادتی کی' اور ہم نے اس کو خزانوں میں سے اس قدر دیا کہ بے شک اس کی کنجیاں ایک طاقت ور جماعت پر بھاری تھیں' جب اس کی قوم نے اس سے کہا: تو مت اترا بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا O اور اللہ تعالیٰ نے تجھے جو کچھ عطا کیا ہے' اس سے آخرت کا گھر طلب کر اور تو دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول اور تو احسان کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے اور تو زمین میں فساد کی خواہش نہ کر' بے شک اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا O اس نے کہا: بے شک یہ مال مجھے صرف علم کی وجہ سے دیا گیا جو میرے پاس ہے' اور کیا اسے معلوم نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کئی قومیں ہلاک کر دیں جو اس سے زیادہ طاقتور اور زیادہ مال جمع کرنے والی تھیں' اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا O

قارون کی بغاوت وسرکشی اور تباہی کا بیان

۷۶- ﴿ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى ﴾ بے شک قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا (یعنی) یہ اسرائیلی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا بیٹا تھا' سو قارون بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب تھا اور موسیٰ بن عمران بن قاہث بن لاوی بن یعقوب تھے اور قارون کو اس کے حسن و جمال کی بناء پر منور کہا جاتا تھا اور یہ بنی اسرائیل میں تورات شریف کو سب سے زیادہ پڑھنے والا شخص تھا لیکن یہ منافق ہو گیا تھا' جس طرح سامری منافق بن گیا تھا [''قارون'' عجمہ اور معرفہ ہونے کی بناء پر غیر منصرف ہے اور اگر فعول کے وزن ''قرنت الشیء'' سے ماخوذ ہو تو پھر یہ منصرف ہوگا] ﴿ فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ﴾ پھر اس نے ان پر ظلم و زیادتی کی۔ ''بَغٰی'' ''بَغْیٌ'' سے مشتق ہے' اس کا معنی ظلم و زیادتی کرنا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ فرعون نے قارون کو بنی اسرائیل پر حاکم مقرر کر دیا تھا' جس کی وجہ سے اس نے ان پر ظلم کیا تھا یا یہ ''بغی'' سے یہ معنی تکبر ہے کیونکہ قارون نے اپنے مال و دولت اور اپنی اولاد کی کثرت کی وجہ سے بنی اسرائیل پر تکبر و غرور کیا تھا یا وہ تکبر کی وجہ سے بنی اسرائیل کے کپڑوں سے ایک بالشت زیادہ کپڑے بنواتا تھا ﴿ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ ﴾ اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے عطا فرمائے کہ اس کی چابیاں یقیناً ایک جماعت پر بھاری تھیں اور قارون کے خزانوں کی چابیوں کو ساٹھ خچر اٹھاتے تھے' ہر خزانہ کی الگ چابی تھی اور کوئی چابی ایک انگلی سے بڑی نہیں ہوتی تھی اور یہ چابیاں (نیل گائے کے) چمڑے کی بنی ہوئی تھیں [''مَا'' بہ معنی ''الذی'' ہے اور ''اٰتَيْنَا'' کا مفعول ثانی ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے اور ''اِنَّ'' اور اس کا اسم ''مفاتحه'' اور اس کی خبر ''لتنوا بالعصبة اولی القوة'' یہ سب جملہ ہو کر ''الذی'' کا صلہ ہے اور اس لیے ''اِنَّ'' کا ہمزہ مکسور ہے اور ''مفاتح'' ''مِفْتَح'' میم مکسور کی جمع ہے اور یہ ہر وہ آلہ ہے جس کے ساتھ کسی چیز کو کھولا جائے یا ''مَفْتَح'' میم مفتوح کی جمع ہے اور یہ خزانہ کہلاتا ہے جب کہ صحیح یہ ہے کہ وہ چابیاں تھیں اور ''بالعصبة'' میں ''با'' تعدیہ ہے ''ناء به الحمل'' اس وقت بولا جاتا ہے جب بوجھ اس قدر بھاری ہو جائے کہ اٹھانے والے کو جھکا دے اور ''عصبة'' بڑی جماعت کو کہا جاتا ہے] ﴿ اُولِى الْقُوَّةِ ﴾ سخت قوت والے ﴿ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ ﴾ جب اس سے اس کی قوم یعنی مؤمنوں نے کہا اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ کہنے والے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے [''اِذْ'' ''لَتَنُوْٓاُ'' کی وجہ سے محلاً منصوب ہے]۔

﴿ لَا تَفْرَحْ ﴾ مت اترا (یعنی) تو اپنے مال و دولت کی کثرت پر مت اترا' اور تکبر و غرور نہ کر' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ

ہے کہ '' وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ '' (الحدید: ۲۳) '' اور تم اس پر نہ اتراؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمایا ہے'' ۔ اور دنیا پر نہیں اتراتا اور نہ اس پر فریفتہ ہو کر خوش ہوتا ہے مگر وہی شخص جو اس سے راضی ہو چکا ہوتا ہے اور اس پر مطمئن ہوتا ہے لیکن جس شخص کا دل آخرت کی طرف راغب ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ بے شک وہ عنقریب اسے چھوڑ دے گا تو وہ شخص اس پر نہیں اتراتا اور وہ اس پر تکبر و غرور نہیں کرتا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ مال و دولت پر اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۷۷- ﴿ وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تجھے جو کچھ مال و دولت اور خوشحالی و فراخی عطا کی ہے' اس سے آخرت کا گھر طلب کر اور وہ اس طرح کہ تو غریبوں' محتاجوں اور ضرورت مندوں پر صدقہ و خیرات کر اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہوئے ان کی مالی امداد کر اور نیکی و بھلائی کی راہوں میں اپنا مال خرچ کر ﴿ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا ﴾ اور تو دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول اور وہ یہ کہ تو دنیا سے اتنا لے جتنا تجھے کافی ہو اور تیری آخرت سنوار دے اور بعض اہل علم نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تو دنیا کے بدلے آخرت کو طلب کر کیونکہ دنیا سے مؤمن کا یہی حصہ ہے ﴿ وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ ﴾ اور تو اللہ تعالیٰ کے بندوں پر احسان کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے یا یہ کہ تو تمام مخلوق کے خالق کی رضا جوئی کے لیے شکر و اطاعت بجالانے کے ذریعے نیکی کر' جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کے ذریعے تجھ پر احسان کیا ہے ﴿ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ﴾ اور تو زمین میں ظلم و زیادتی اور بغاوت و سرکشی کے ذریعے فساد طلب نہ کر' بے شک اللہ تعالیٰ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۷۸- ﴿ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ ﴾ قارون نے کہا کہ بے شک یہ یعنی مال و دولت مجھے میرے علم کی بناء پر دیا گیا ہے' یہ وہ علم ہے جس کی وجہ سے مجھے لوگوں پر فضیلت و برتری دی گئی ہے اور اس سے تورات کا علم مراد ہے یا اس سے علم کیمیاء مراد ہے اور قارون قلعی اور تانبا کی مخصوص مقدار لیتا اور وہ ان دونوں سے سونا تیار کرتا تھا یا تجارت و زراعت کے کاروبار کے طریقوں کا علم مراد ہے۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جس نے خود پسندی کی نظر سے اپنے نفس کی طرف نہیں دیکھا وہ فلاح پا گیا اور نیک بخت و سعادت مند وہ شخص ہے جس کی نظر اس کے اپنے افعال اور اپنے اقوال سے پھیر دی گئی اور تمام افعال و اقوال میں اس پر اللہ تعالیٰ کے احسان کو دیکھنے کی راہ کھول دی گئی اور بد بخت وہ شخص ہے جس کی نگاہ میں اس کے افعال و اقوال اور اس کے احوال خوش نما اور آراستہ کر دیئے گئے' پھر وہ ان پر فخر و غرور کرنے لگا اور اس نے دعویٰ کیا کہ یہ سب اس کے نفس کے کارنامے ہیں تو اس کی بدبختی اسے ایک دن ہلاک کر دے گی' جیسا کہ قارون جب علم و فضل کا اپنے نفس کے لیے دعوے دار بن گیا تو اسے زمین میں دھنسا دیا گیا ﴿ اَوَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً ﴾ اور کیا اس نے یعنی قارون نے یہ نہیں جانا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں' جو اس سے زیادہ سخت طاقت ور تھیں' اور اس آیت مبارکہ میں قارون کے علم کا ثبوت ہے کہ وہ جانتا تھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے اس سے زیادہ طاقتور اور اس سے زیادہ مال دار کتنی قومیں ہلاک کر دیں کیونکہ اس نے یہ سب کچھ تورات شریف میں پڑھا ہوا تھا' گویا کہا گیا ہے کہ کیا اس کے پاس جو کچھ علم تھا اس نے اس میں سے یہ نہیں جانا تھا تاکہ اپنے مال و دولت کی کثرت سے اور اپنی قوت سے دھوکا نہ کھاتا یا اس سے اس کے علم کی نفی کی گئی ہے کیونکہ جب اس نے کہا کہ مجھے مال و دولت میرے علم کی بناء پر دیا گیا ہے تو جواب میں کہا گیا کہ کیا اس علم کی مثل اس کے پاس ہے جس کا اس نے دعویٰ کیا ہے اور اپنے نفس کو اس علم کے سبب ہر نعمت کا مستحق قرار دیا ہے اور وہ اس نافع اور مفید علم کو نہیں جان سکا' تاکہ اس

کے ذریعے اپنے نفس کو ہلاک ہونے والوں کی ہلاکت گاہ سے بچالیتا ﴿وَّاَكْثَرُ جَمْعًا﴾ اور ہلاک ہونے والی گزشتہ قومیں قارون سے مال و دولت میں زیادہ تھیں یا جماعت و تعداد میں زیادہ تھیں ﴿وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے بلکہ انہیں حساب کے بغیر دوزخ کی آگ میں داخل کر دیا جائے گا یا وہ خود سوال کے بغیر اعتراف و اقرار کر لیں گے یا انہیں ان کی علامات سے پہچان لیا جائے گا' پس اس لیے ان سے سوال نہیں کیا جائے گا یا اس لیے ان سے سوال نہیں کیا جائے گا کہ انہیں پہچان لیا جائے گا بلکہ انہیں زجر و توبیخ اور ڈرانے دھمکانے کے لیے سوال کیا جائے گا یا گزشتہ مجرموں کے گناہوں کے متعلق اس امت سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝۷۹ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝۸۰ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝۸۱

سو وہ اپنی پوری آرائش کے ساتھ بن سنور کر اپنی قوم کے سامنے نکلا' جو لوگ دنیا کی زندگی چاہتے تھے انہوں نے کہا: اے کاش! ہمارے لیے اسی طرح مال و متاع ہوتا جس طرح قارون کو دیا گیا ہے' بے شک البتہ وہ بہت بڑے نصیب والا ہے○ اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا انہوں نے کہا: تم پر افسوس اللہ تعالیٰ کا ثواب اس شخص کے لیے بہتر ہے جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے' اور وہ نہیں دیا جائے گا مگر صبر کرنے والوں کو○ پھر ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا' سو اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے لیے کوئی ایسا گروہ نہیں تھا جو اس کی مدد کرتا' اور نہ وہ بدلا لینے والوں میں سے تھا○

۷۹۔ ﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ﴾ سو وہ سرخ و زرد فاخرانہ لباس میں پوری سج دھج کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے نکلا اور بعض حضرات نے کہا کہ قارون ہفتہ کے دن شہبا نامی خچر پر سوار ہو کر فاخرانہ لباس میں اپنی قوم کے سامنے نکلا' اس پر دوشالہ ڈالا ہوا تھا اور وہ خچر پر سونے کی زین پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ چار ہزار کا لشکر تھا اور بعض نے کہا کہ ان پر اور ان کے گھوڑوں پر سرخ ریشم ڈالا ہوا تھا اور قارون کی دائیں جانب تین سو غلام تھے اور اس کی بائیں جانب تین سو گوری لونڈیاں تھیں' جن پر زیورات اور ریشم پڑے ہوئے تھے [''فِيْ زِيْنَتِهٖ''' ''خَرَجَ'' کے فاعل سے حال ہے یعنی قارون آراستہ ہو کر نکلا] ﴿قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ جو لوگ دنیا کی زندگی چاہتے تھے انہوں نے کہا۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ کہنے والے مسلمان تھے اور انہوں نے خوشحالی میں رغبت رکھنے کی بناء پر قارون جیسے مال دار ہونے کی تمنا کی تھی' جیسا کہ عام طور پر انسان کی عادت ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ وہ کفار تھے ﴿يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ قَارُوْنُ﴾ اے کاش! ہمارے لیے ایسا ہوتا جیسا قارون کو دیا گیا۔ یہ بات انہوں نے رشک کی بناء پر کہی تھی' حسد کی بناء پر نہیں اور رشک یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے ساتھی کے پاس نعمت دیکھ کر تمنا اور آرزو کرے کہ ساتھی کے پاس یہ نعمت قائم و دائم رہے اور اس کو بھی اس کی طرح نعمت مل جائے جب کہ حسد یہ ہے کہ حاسد آدمی یہ آرزو کرے کہ اس کے ساتھی کی نعمت اس سے چھن جائے اور وہ نعمت اس کو مل

جائے اور یہ (درج ذیل) ارشادِ باری تعالیٰ کی طرح ہے: ''وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ'' (النساء:۳۲) ''اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی''۔ اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کی گئی کہ کیا رشک نقصان دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! مگر جیسے خاردار درخت کو پتے نقصان دیتے ہیں ﴿اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾ بے شک وہ (قارون) بڑے نصیب والا ہے۔ ''حظ'' کا معنی نصیب' حصہ اور دولت ہے۔

۸۰- ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ﴾ اور جن لوگوں کو ثواب وعذاب اور دنیا کی فنا اور آخرت کی بقاء کا علم عطا کیا گیا تھا' انہوں نے قارون پر رشک کرنے والوں سے کہا: تم پر افسوس ہے۔ اصل میں ''وَيْلَكَ'' ہے اور یہ ہلاکت کی دعا کے لیے استعمال ہوتا ہے' پھر یہ ڈانٹنے' روکنے اور ناپسندیدہ کام کے ترک پر ترغیب دینے کے لیے استعمال کیا گیا۔ [''التبیان فی اعراب القرآن'' میں ہے کہ یہ محذوف فعل کا مفعول ہے ''اَیْ اَلْزَمَكُمُ اللّٰهُ وَيْلَكُمْ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر عذاب کو لازم کر دیا ہے] ﴿ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اللہ تعالیٰ کا اجر و ثواب اس شخص کے لیے بہتر ہے جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے ﴿وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ﴾ اور وہ (اجر و ثواب) نہیں دیا جائے گا مگر صبر کرنے والوں کو یعنی یہ کلمہ ''ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ'' تلقین نہیں کیا جائے گا مگر دنیا کی زیب و زینت اور خواہشاتِ نفسانی کے ترک کرنے پر اور اطاعات اور کثیر کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی قلیل تقسیم پر صبر کرنے والوں کو تلقین کیا جائے گا۔

۸۱- ﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ﴾ سو ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء اور تکلیف و دکھ دیتا رہتا تھا اور ہر وقت درپے آزار رہتا اور دونوں کی باہمی رشتہ داری کی بناء پر قارون حضرت موسیٰ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا' یہاں تک کہ زکوٰۃ دینے کا حکم نازل ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو ہر ہزار دینار میں سے ایک دینار اور ہر ہزار درہم میں سے ایک درہم ادا کرنے کا حکم دیا اور بس' لیکن اس نے اس قدر زکوٰۃ کو بھی بہت زیادہ خیال کیا' جس کی بناء پر اس کے نفس نے اسے بخل پر اُبھارا اور اس نے تمام بنی اسرائیل کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) تمہارے مالوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور تم سے زکوٰۃ کے ذریعے تمہارے مال لے لینا چاہتا ہے' تو انہوں نے کہا کہ تو ہمارا بڑا سرمایہ دار ہے' لہٰذا تو اس سلسلہ میں جو چاہتا ہے ہمیں حکم دے تو قارون نے کہا کہ ہم فلاں بدکارہ عورت کو رشوت دیں گے تاکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنے ساتھ بدکاری کی تہمت لگا دے' چنانچہ بنی اسرائیل نے اسے کھلی چھٹی دے دی اور اس نے بدکار عورت کو ایک ہزار دینار اور ایک سونے کی پرات پر تیار کر لیا یا اس سے فیصلہ کر لیا' پھر جب عید کا دن آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام خطبہ' وعظ سنانے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے بنی اسرائیل! سنو! جو شخص چوری کرے گا' ہم اس کے ہاتھ کاٹ دیں گے اور جو شخص کسی پر بہتان لگائے گا' ہم اس کو کوڑے ماریں گے اور جو شخص زنا کاری کرے گا اور وہ غیر شادی شدہ ہوا تو ہم اسے کوڑے ماریں گے اور اگر وہ شادی شدہ ہوا تو ہم اسے سنگسار کر دیں گے' قارون بول پڑا اور کہا: اگر آپ خود بھی ہوں؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا: اگر چہ میں خود ہی کیوں نہ ہوں (یہ حکم سب کے لیے ہے)' اس پر قارون نے کہا کہ بنی اسرائیل گمان کرتے ہیں کہ آپ نے فلاں بدکارہ عورت سے بدکاری کی ہے' چنانچہ اس عورت کو حاضر کیا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اس ذاتِ اقدس کی قسم دی جس نے دریا کو چیرا اور تورات شریف کو نازل کیا کہ تو سچ بتا' تو اس نے کہا کہ قارون نے اس شرط پر کچھ رقم کا لالچ دیا ہے کہ میں آپ پر اپنے ساتھ زنا کاری کی تہمت لگا دوں' یہ بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام شکرانے کا سجدہ کرتے ہوئے رو پڑے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: اے میرے پروردگار! اگر میں آپ کا رسول ہوں تو میری خاطر اس پر اپنا غضب نازل فرما' سو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

طرف وحی بھیجی کہ تم زمین کو جو چاہتے ہو حکم دے دو وہ تمہاری اطاعت و فرماں برداری کرے گی' چنانچہ حضرت موسیٰ نے فرمایا: اے بنی اسرائیل! بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے قارون کی طرف اسی طرح رسول بنا کر بھیجا ہے' جس طرح فرعون کی طرف بھیجا ہے' پس جو شخص قارون کے ساتھ رہنا چاہتا ہے وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہے اور جو شخص میرے ساتھ رہنا چاہتا ہے' وہ یہاں سے الگ ہو جائے' چنانچہ ماسوا دو آدمیوں کے باقی تمام لوگ وہاں سے الگ ہو گئے' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے زمین! تو ان کو اپنی گرفت میں پکڑ لے تو زمین نے ان کو گھٹنوں تک اپنے اندر گرفت میں لے لیا' پھر آپ نے فرمایا: اے زمین! ان کو پکڑ لے تو زمین نے نصف حصہ تک ان کو پکڑ لیا' آپ نے پھر فرمایا کہ ان کو مزید پکڑ لے تو زمین نے ان کو گردنوں تک اپنے اندر گرفت میں لے لیا اور قارون اور اس کے ساتھی گڑگڑا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آہ وزاری کرنے لگے اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسمیں دے کر رحم کی اپیل کرنے لگے' مگر حضرت موسیٰ نے شدتِ غضب کی وجہ سے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور حضرت موسیٰ نے زمین سے فرمایا: ان کو مزید گرفت میں لے لے تو زمین نے ان کو اپنے اندر مکمل طور پر دھنسا لیا اور ان کے اوپر برابر مل گئی' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ قارون اور اس کے ساتھیوں نے آپ سے کئی مرتبہ فریاد کی' لیکن آپ نے ان پر رحم نہیں فرمایا' سو مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! اگر وہ مجھ سے صرف ایک مرتبہ رحم کی بھیک مانگتے تو میں ان پر ضرور رحم کر دیتا' چنانچہ بنی اسرائیل کے بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو صرف اس لیے ہلاک کیا کہ آپ قارون کے مال کے وارث بن جائیں' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قارون کے گھر کو اور اس کے خزانوں کو زمین میں دھنسا دیا ﴿فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ سو اس کے پاس کوئی ایسی جماعت نہیں تھی' جو اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی مدد کرتی اور اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا لیتی ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ﴾ اور نہ وہ حضرت موسیٰ سے انتقام لینے والوں میں سے تھا یا وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے والوں میں سے نہیں تھا۔ کہا جاتا ہے: ''نَصَرَهٗ مِنْ عَدُوِّهٖ فَانْتَصَرَ'' یعنی فلاں شخص نے اس کی اس کے دشمن کے مقابلے میں مدد کی اور اس کو اس سے روک دیا تو وہ رُک گیا۔

وَاَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ یَقُوْلُوْنَ وَیْكَاَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ ۚ لَوْلَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَیْكَاَنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور جن لوگوں نے کل اس کے مرتبہ کی تمنا کی تھی وہ صبح کہنے لگے: تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے اس کا رزق) تنگ کر دیتا ہے' اگر اللہ تعالیٰ ہم پر احسان نہ فرماتا تو وہ ہمیں بھی دھنسا دیتا' افسوس کہ کفار فلاح نہیں پائیں گے O

۸۲- ﴿وَاَصْبَحَ﴾ اور وہ ہو گئے ﴿الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ﴾ جنہوں نے دنیا میں قارون کے مرتبہ کی تمنا اور آرزو کی تھی ﴿بِالْاَمْسِ﴾ زمانۂ قریب میں [یہ ''بالامس''، ''تمنّوا'' کا ظرف ہے اور اس سے گزشتہ کل کا دن مراد نہیں بلکہ استعارہ کے طور پر قریب وقت مراد ہے] ﴿یَقُوْلُوْنَ وَیْكَاَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ﴾ وہ کہنے لگے: تعجب ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے' رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا

ہے اس کا رزق) تنگ کر دیتا ہے [بصریوں کے نزدیک ''وَیْ'' تعجب کے لیے ہے اور ''کَاَنَّ'' سے الگ ہے لیکن سیبویہ نے کہا کہ یہ خطاء اور ندامت وحسرت پر تنبیہ کا کلمہ ہے' نادم اپنی ندامت ظاہر کرنے کے لیے اسے استعمال کرتا ہے] یعنی جب قوم اپنی خطاء اور اپنی تمنا کرنے اور اپنے قول ''یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ'' پر آگاہ ہوئی اور نادم ہوگئی تو اس نے کہا: ﴿لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بِنَا﴾ اگر اللہ تعالیٰ اس کو ہم سے پھیر کر ہم پر احسان نہ کرتا' جس کی ہم تمنا کرتے تھے تو وہ ہمیں دھنسا دیتا [امام حفص' یعقوب اور سہل کی قراءت میں ''خسا'' اور سین دونوں پر زبر ہے اور اس ''لَخَسَفَ'' میں ضمیر فاعل اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے] ﴿وَیْكَاَنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ افسوس ہے کہ کفار فلاح نہیں پائیں گے یعنی وہ نادم و پشیمان ہوئے' پھر انہوں نے کہا کہ گویا کفار نجات نہیں پائیں گے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزَی الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۸۵﴾

یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مقرر کرتے ہیں' جو زمین میں تکبر نہیں چاہتے اور نہ فساد' اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے O جو شخص نیکی لائے گا تو اس کے لیے اس سے بہتر ہوگا' اور جو شخص بُرائی لائے گا تو جن لوگوں نے بُرائیاں کی ہوں گی انہیں بدلا نہیں دیا جائے گا مگر جس قدر وہ عمل کرتے تھے O بے شک جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹنے کی جگہ ضرور واپس لائے گا' فرما دیجئے کہ میرا پروردگار اس کو خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا اور جو کھلی گمراہی میں ہے O

اعمال کی کیفیت پر جزاء وسزا کے مرتب ہونے کا بیان

۸۳- ﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ﴾ یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مقرر کرتے ہیں جو زمین میں تکبر وظلم نہیں کرتے اور نہ فساد پھیلاتے ہیں۔ ''عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ'' کا مطلب ابن جبیر کے نزدیک بغاوت وسرکشی ہے اور ضحاک کے نزدیک ظلم وزیادتی اور تکبر وغرور مراد ہے [''تِلْكَ'' سے اشارہ آخرت کے گھر کی تعظیم اور اس کی شان کی بڑھائی بیان کرنے کے لیے کیا گیا ہے یعنی آخرت کا وہ عظیم الشان گھر ہے جس کا ذکر تم سن چکے ہو اور اس کی تعریف اور شان کا بیان تمہارے پاس پہنچ چکا ہے اور یہ اسم اشارہ اپنی صفت ''الدار'' سے مل کر مبتدا ہے اور ''نَجْعَلُهَا'' خبر ہے] ﴿وَلَا فَسَادًا﴾ اور نہ وہ فساد پھیلاتے ہیں (یعنی) گناہوں پر عمل نہیں کرتے یا لوگوں کو قتل نہیں کرتے یا غیر اللہ (بتوں) کی عبادت کی طرف نہیں بلاتے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اپنے وعدہ کو علو اور فساد کے ترک کرنے پر موقوف نہیں فرمایا بلکہ ان دونوں کے ارادے اور دلوں کی رغبت کے ترک کرنے پر موقوف فرمایا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا' (ھود:۱۱۳)'' اور تم ان لوگوں کی طرف راغب نہ ہو جنہوں نے ظلم کیا''۔ یہاں بھی ظالم بننے پر

نہیں بلکہ محض ظالموں کی طرف راغب اور مائل ہونے پر وعید و عذاب کو موقوف فرمادیا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ بے شک جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے جوتے کا تسمہ اس کے ساتھی کے جوتے کے تسمہ سے بہتر ہو تو وہ بھی اس آیت کی رُو سے تکبر میں داخل ہے اور حضرت فضیل نے اس کو پڑھا' پھر فرمایا کہ یہاں سب آرزوئیں ختم ہو گئیں اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اس آیت کریمہ کو بار بار دہراتے رہے' یہاں تک کہ ان کی روح قبض کر لی گئی اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ درج ذیل دو آیات سے استدلال کی بناء پر فرعون اور قارون کی پیروی سے نفرت کا اظہار ہے' چنانچہ فرعون کے بارے میں ارشاد ہے کہ ''اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ'' (القصص:۴) ''بے شک فرعون نے سرزمین مصر میں تکبر کیا''۔ نیز قارون کے بارے میں ارشاد ہے: ''وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ'' (القصص:۷۷) ''اور تو زمین میں فساد طلب نہ کر''۔ ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

۸۴- ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا﴾ جو شخص ایک نیکی لائے گا تو اس کے لیے اس سے بہتر ہوگا۔ اس کی وضاحت سورۃ النمل (آیت:۸۹) میں گزر چکی ہے ﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزَی الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ اور جو شخص ایک بُرائی لائے گا تو جنہوں نے بُرائیاں کی ہوں گی انہیں بدلا نہیں دیا جائے گا مگر جس قدر وہ عمل کرتے تھے [اس کا معنی ''فلا یجزون'' ہے لیکن ''اَلَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ'' کو ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے] کیونکہ بُرے عمل کی دوبارہ ان کی طرف نسبت کرنے میں ان کے حال کی بُرائی میں اضافہ ظاہر کرنا اور سامعین کے دلوں میں بُرائی کی نفرت و بغض کو بڑھانا ہے۔ ''اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ'' کا معنی ''اِلَّا مِثْلَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ'' ہے' جس قدر وہ بُرے اعمال کرتے تھے' اسی قدر انہیں سزا ملے گی زیادہ نہیں ملے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و کرم ہے کہ بُرائی کا بدلا بُرائی کے برابر ہوگا لیکن نیکی کا بدلا دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھا دیا جائے گا۔

۸۵- ﴿اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ﴾ بے شک جس نے آپ پر قرآن مجید فرض کیا ہے (یعنی) بے شک جس نے آپ پر قرآن مجید کی تلاوت اور اس کی تبلیغ اور جو کچھ اس میں ہے' اس پر عمل کرنے کو واجب و لازم کیا ہے وہی ﴿لَرَآدُّكَ﴾ آپ کو موت کے بعد ضرور واپس لے آئے گا ﴿اِلٰی مَعَادٍ﴾ لوٹنے کی کسی جگہ میں (خواہ مقامِ محمود ہو یا جنت ہو) اور لوٹنے کی ایسی جگہ جو انسانوں میں سے آپ کے علاوہ کسی کے لیے نہیں ہے' اس لیے اس کو نکرہ ذکر کیا گیا یا اس سے مکہ مکرمہ مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ کے دن اللہ تعالیٰ آپ کو دوبارہ مکہ مکرمہ میں واپس لے آئے گا کیونکہ اس دن یہی مکہ مکرمہ آپ کے لوٹنے کی جگہ ہوگی' جس میں آپ کی شان ظاہر ہوگی اور اس دن یہی مکہ مکرمہ اپنے باشندوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ اور تسلط کے لیے اور اسلام کے غلبہ کے ظہور کے لیے آپ کا معتبر مرجع گاہ ہوگا اور اس دن شرک اور اہل شرک ذلیل و رسوا ہوں گے اور یہ سورت مکیہ ہے' لیکن یہ آیت مبارکہ نہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور نہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی' بلکہ دورانِ ہجرت جحفہ کے مقام پر جب آپ کو اپنے مولد اور اپنے آباء و اجداد کے مولد کا اشتیاق پیدا ہوا تو اس وقت مقام جحفہ میں آپ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم سے واپس مکہ مکرمہ میں دوبارہ لوٹ آنے کا وعدہ کر لیا تو اس کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ﴾ (اے محبوب!) مشرکین سے فرما دیجئے: ﴿رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی﴾ میرا پروردگار خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا ہے یعنی خود حضور کی ذاتِ اقدس مراد ہے جو ہدایت لے کر آئے اور انہیں کے لیے آخرت میں ہدایت کی تبلیغ پر اجر و ثواب ہوگا ﴿وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ اور جو کھلی گمراہی میں ہے یعنی وہ مشرکین کو بھی خوب جانتا ہے جو کھلی گمراہی میں ہیں اور وہ ان کے اس عذاب کو بھی خوب جانتا ہے جس کے وہ

آخرت میں لوٹنے کے بعد مستحق ہوں گے [''مَنْ'' پوشیدہ فعل کی وجہ سے محلاً منصوب ہے یعنی ''یَعْلَمُ'' کی وجہ سے]۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٨﴾

اور آپ یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ کے پروردگار کی رحمت کے بغیر آپ پر یہ کتاب نازل کی جائے گی' سو آپ کافروں کے مددگار نہ بنیں O اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات سے نہ روکیں اس کے بعد کہ وہ آپ پر نازل کی گئیں اور آپ اپنے پروردگار کی طرف (لوگوں کو) بلائیں اور آپ مشرکین میں سے نہ بنیں O اور آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہ کیجئے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے' حکم اسی کے لیے ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

۸۶- ﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ اور آپ اپنے پروردگار کی رحمت کے بغیر یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر یہ کتاب یعنی قرآن مجید نازل کیا جائے۔ ''یُلْقٰی'' بہ معنی ''یُوْحٰی'' ہے ''اَلْکِتَاب'' سے قرآن مجید مراد ہے اور ''اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ'' معنی پر محمول ہے یعنی یہ کتاب قرآن مجید محض آپ کے پروردگار کی رحمت سے آپ پر نازل کی گئی ہے یا ''اِلَّا'' بہ معنی ''لٰكِن'' ہے اور یہ استدراک کے لیے ہے یعنی لیکن آپ کے پروردگار کی طرف سے محض رحمت و کرم نوازی کرنے کے لیے آپ پر قرآن مجید نازل کیا گیا ہے۔ ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ سو آپ کافروں کے مددگار ہرگز نہ بنیں (یعنی) ان کے لیے ان کے دین پر مددگار نہ بنیں۔

۸۷- ﴿وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات سے نہ روک سکیں۔ یہ فعل جمع ہے یعنی یہ لوگ آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی قرآن مجید پر عمل کرنے سے نہ روک سکیں ﴿بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ﴾ اس کے بعد کہ آپ پر آیات مبارکہ نازل کی گئیں یعنی ان کے نزول کے وقت کے بعد [''اِذْ'' کی طرف اسمائے زمان مضاف ہوتے ہیں' جیسے کہا جاتا ہے: ''حِيْنَئِذٍ'' اور ''یَوْمَئِذٍ''] ﴿وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ﴾ اور آپ اپنے پروردگار کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف (لوگوں کو) بلایئے ﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور آپ شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔

۸۸- ﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ اور آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہ کیجئے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ خطاب بہ ظاہر نبی کریم ﷺ کو ہے لیکن اس سے آپ کا دین قبول کرنے والے مسلمان مراد ہیں اور اس لیے کہ عصمت نہی کو نہیں روکتی اور ''اٰخَرَ'' پر وقف کرنا ضروری اور لازمی ہے کیونکہ وصل کے ساتھ پڑھا جائے گا تو ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ''، ''اِلٰهًا اٰخَرَ'' کی صفت ہوگا اور اس صورت میں معنی فاسد ہو جائے گا ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ اس (اللہ تعالیٰ) کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ اس کی ذات اقدس کے ماسوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے یعنی مگر اس کے سوا' اور ''وَجْهٌ'' سے ذات بھی مراد لی جاتی ہے اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

فرمایا کہ اس سے علمائے دین کا علم مراد ہے جب کہ اس کے حصول میں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس اور اس کی رضا کا ارادہ کیا جائے ﴿لَهُ الْحُكْمُ﴾ اس کی مخلوق میں اسی کا فیصلہ نافذ ہے ﴿وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے [یعقوب کی قراءت میں ''تا'' مفتوح اور جیم مکسور ہے]۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

سورۃ العنکبوت مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے ۝ — اس کی انہتر آیات' سات رکوع ہیں

الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ۝ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ۝ مَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ وَ مَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَنَجْزِیَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

الم ۝ کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ انہیں اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ یہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا ۝ اور بے شک ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو خوب آزمایا تھا' سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ضرور ممتاز فرمائے گا جنہوں نے سچ بولا اور وہ جھوٹوں کو ضرور ظاہر فرمائے گا ۝ جو لوگ بُرائیاں کرتے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ ہم سے نکل جائیں گے' بہت بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ۝ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ سب کچھ سننے جاننے والا ہے ۝ اور جس شخص نے جہاد کیا تو بے شک وہ صرف اپنی ذات کے لیے جہاد کرتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے ۝ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو البتہ ہم ضرور ان سے ان کی بُرائیاں دور کر دیں گے اور ہم ضرور انہیں اس سے بہتر بدلا دیں گے جو وہ عمل کرتے تھے ۝

دنیا و آخرت میں کامیابی کے لیے مسلمانوں کو آزمائش سے گزارنے کا بیان

۱-۲ ﴿الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ﴾ کیا لوگوں نے گمان کر لیا ہے کہ انہیں اتنی بات کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔ [''حسبان'' کا معنی ہے کہ دو نقیضوں میں سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دینا جیسے ظن ہے' بہ خلاف شک کے کہ اس کی دونوں نقیضوں کے درمیان توقف ہوتا ہے اور علم یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک پر یقین ہو اور ان دونوں (''علم و حسبان'') کو مفردات کے معانی کے ساتھ معلق

کرنا صحیح نہیں ہے لیکن جملوں کے مضامین کے ساتھ درست ہے' لہٰذا اگر ''حَسِبْتُ زَیْدًا'' اور ''ظَنَنْتُ الْفَرَسَ'' کہا جائے گا تو اس کا مطلب کچھ نہیں ہوگا' یہاں تک کہ ''حَسِبْتُ زَیْدًا عَالِمًا'' اور ''ظَنَنْتُ الْفَرَسَ جَوَّادًا'' کہا جائے کیونکہ ''زَیْدٌ عَالِمٌ'' اور ''اَلْفَرَسُ جَوَّادٌ'' ایسا کلام ہے جو مضمون پر دلالت کرتا ہے' سو جب اس مضمون کے بارے میں خبر دینے کا ارادہ کیا جائے گا جو متکلم کے نزدیک بہ طور ظن (گمان) ثابت ہے بہ طور یقین نہیں تو پھر جملہ کے دو مفعولوں پر ''حسبان'' کو داخل کیا جائے گا تا کہ متکلم کی غرض پوری ہو جائے اور جو کلام مضمون پر دلالت کرتا ہے'' حسبان'' یہاں اسی کا تقاضا کرتا ہے اور وہ (''اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ'') ہے اور یہ اس لیے کہ اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''اَحَسِبُوْا تَرْکَھُمْ غَیْرَ مَفْتُوْنِیْنَ لِقَوْلِھِمْ اٰمَنَّا'' پس ترک ''حَسِبَ'' کے دو مفعولوں میں سے پہلا مفعول ہے اور ''لقولھم آمنا'' یہ خبر ہے لیکن رہا ''غیر مفتونین'' تو یہ ترک کا تتمہ ہے کیونکہ یہ ترک میں سے ہے جو بہ معنی تصییر ہے جیسا کہ عنترہ کا قول ہے: ''فَتَرَکْتُہٗ جَزَرَ السِّبَاعِ یَنُشْنَہٗ'' سو میں نے اس کو درندوں کی خوراک کے لیے چھوڑ دیا تا کہ وہ اس کی کھال ادھیڑ کر اس کا گوشت نوچ کر کھا جائیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ ''حسبان'' کے لانے سے پہلے تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ''تَرْکُھُمْ غَیْرَ مَفْتُوْنِیْنَ لِقَوْلِھِمْ اٰمَنَّا'' لام سے پہلے ''حَاصِلٌ'' اور ''مُسْتَقِرٌّ'' مقدر ماننے پر اور یہ ہمزہ استفہام زجر و توبیخ اور انتباہ کے لیے ہے] ''وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ'' میں ''فِتْنَۃٌ'' کا مطلب و معنی یہ ہے کہ اپنے وطنوں سے جدائی کی وجہ سے تکالیف و شدائد اور دشمنانِ دین سے جہاد کرنا اور دیگر مشقت بھری عبادات بجالانا اور نفسانی خواہشات ترک کرنا اور فقر و قحط اور جانی و مالی مختلف اقسام کے مصائب و آلام برداشت کرنا اور کفار کی ایذاؤں اور ان کی فریب کاریوں پر صبر کا امتحان دینا۔

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے ان لوگوں کی تسلی کے لیے نازل کی گئی جو مشرکین کی ایذاؤں اور تکلیفوں کی وجہ سے گھبرا کر بہت پریشان ہو گئے تھے یا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل کی گئی تھی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید پرستی میں کفارِ مکہ کی طرف سے سخت ترین تکلیفیں اور سزائیں دی جاتی تھیں۔

٣- ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا﴾ اور بے شک ہم نے امتحان لیا یعنی ہم نے آزمائش میں ڈالا' اور یہ ''اَحَسِبَ'' کے ساتھ متصل ہے یا ''لَا یُفْتَنُوْنَ'' کے ساتھ متصل ہے ﴿الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ﴾ ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے' مختلف آزمائشوں کے ساتھ آزمایا گیا' سو ان میں سے بعض وہ لوگ تھے' جن کے سروں پر آرے رکھ کر ان کو چیر دیا گیا اور ان کے جسموں کے دو دو ٹکڑے کر دیئے گئے' لیکن یہ سختیاں انہیں ان کے دین سے نہ پھیر سکیں اور ان میں سے بعض وہ لوگ تھے جن کے جسموں میں لوہے کی تیز دھار دار کنگھیاں چبھو کر ان کے جسموں کو پرزے پرزے کر دیا گیا لیکن یہ تکلیفیں انہیں ان کے دین سے نہ پھیر سکیں ﴿فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا﴾ سو اللہ تعالیٰ امتحان و آزمائش کے ذریعے ان لوگوں کو ضرور ممتاز کرے گا جو ایمان میں سچے نکلے ﴿وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ایمان میں جھوٹوں کو ضرور ظاہر کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے علم کا معنی یہ ہے کہ وہ ازل سے ہمیشہ ہر چیز کو جانتا ہے یہاں تک کہ اس کے وجود کے وقت وہ جانتا ہے کہ یہ چیز موجود ہے جیسا کہ اس کے وجود سے پہلے اسے جانتا تھا کہ یہ چیز موجود ہوگی اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں سے سچوں کو جھوٹوں سے ضرور ممتاز کرے گا۔ حضرت ابن عطا نے فرمایا کہ خوشحالی اور مصیبت کے اوقات میں بندے کا سچ اس کے جھوٹ سے ظاہر ہو جاتا ہے' سو جو شخص خوشحالی کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت کے دنوں میں صبر کرتا ہے تو وہ شخص سچوں میں سے ہے اور جو شخص خوشحالی کے دنوں میں اتراتا اور تکبر و غرور کرتا ہے اور مصیبت کے دنوں میں گھبرا کر جزع فزع کرتا ہے اور بے صبری کا

مظاہرہ کر کے شکوہ و شکایت کرتا ہے تو وہ شخص جھوٹوں میں سے ہے۔

٤۔﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ﴾ جو لوگ بُرے عمل کرتے ہیں یعنی کفر و شرک اور دیگر گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں' کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے ﴿ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ﴾ کہ وہ ہم سے سبقت کر جائیں گے یعنی ہماری گرفت سے بچ کر نکل جائیں گے' مقصد یہ ہے کہ بے شک سزا انہیں ہر حال میں ضرور ملے گی [اور '' ان '' کے صلہ کا مسند اور مسند الیہ پر مشتمل ہونا دو مفعولوں کے قائم مقام ہوتا ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: '' اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ '' (البقرہ: ۲۱۴) '' کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم (بغیر امتحان کے) جنت میں داخل ہو جاؤ گے ''۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ '' حَسِبَ '' بہ معنی '' قَدَّرَ '' ہو اور '' اَمْ '' منقطعہ ہو اور اس میں انتقال کا معنی ہو (یعنی '' اَمْ '' بہ معنی '' بَلْ '' ہے] اور مطلب یہ ہے کہ) بے شک یہ گمان پہلے گمان سے زیادہ باطل و لغو ہے' اس لیے کہ اس (پہلے) میں یہ فرض کر لیا گیا کہ ایمان لانے کی وجہ سے کوئی امتحان نہیں لیا جائے گا اور یہاں یہ گمان کر لیا گیا ہے کہ برائیوں اور گناہوں پر سزا نہیں ہوگی اور مفسرین کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ پہلی آیت مبارکہ مسلمانوں کے بارے میں نازل کی گئی ہے اور یہ آیت مبارکہ کافروں کے بارے میں نازل کی گئی ہے (کیونکہ ان کا گمان تھا کہ نہ قیامت قائم ہوگی اور نہ کفر و شرک اور گناہوں پر سزا ہوگی) ﴿ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴾ کتنا بُرا ہے جو یہ فیصلہ کرتے ہیں ['' مَا '' محلاً اس بناء پر مرفوع ہے کہ اس کا معنی ہے: '' سَآءَ الْحُكْمُ حُكْمُهُمْ '' کہ ان کا فیصلہ بہت بُرا فیصلہ ہے یا یہ اس بناء پر منصوب ہے کہ اس کا معنی ہے: '' سَآءَ حُكْمًا يَحْكُمُوْنَ '' اور مخصوص بالذم محذوف ہے '' اَیْ بِئْسَ حُكْمًا يَحْكُمُوْنَهٗ حُكْمُهُمْ هٰذَا '' یعنی بہت بُرا فیصلہ ہے جس کا یہ لوگ فیصلہ کرتے ہیں ان کا یہ فیصلہ]۔

٥۔﴿ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ ﴾ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے یعنی جو شخص اس کے ثواب کی امید رکھتا ہے یا اس کے حساب سے ڈرتا ہے' پس '' رجآء '' ان دونوں کا احتمال رکھتا ہے ﴿ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ﴾ تو بے شک ثواب و عذاب کے لیے اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وعدہ ضرور ہر حال میں آنے والا ہے' سو جو شخص اپنی اس امید کی تصدیق کرتا ہے اور اپنی آرزو کو ثابت کرنا چاہتا ہے وہ نیک عمل میں جلدی کرے ﴿ وَهُوَ السَّمِيْعُ ﴾ اور وہ ان تمام باتوں کو خوب سننے والا ہے' جو اس کے بندے بولتے رہتے ہیں ﴿ الْعَلِيْمُ ﴾ وہ ان تمام اعمال و افعال کو خوب جاننے والا ہے' جو اس کے بندے کرتے رہتے ہیں' سو اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ [علامہ زجاج نے کہا کہ '' مَنْ '' شرط کے لیے ہے اور ابتدا کی وجہ سے مرفوع ہے اور شرط کا جواب '' فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ '' ہے جیسے یہ قول ہے کہ '' اِنْ كَانَ زَيْدٌ فِي الدَّارِ فَقَدْ صَدَقَ الْوَعْدُ '' اگر زید گھر میں ہے تو وعدہ یقیناً سچا ہے]۔

٦۔﴿ وَمَنْ جَاهَدَ ﴾ اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کرنے پر صبر کر کے اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا یا شیطان کے ساتھ اس کے وسوسوں کو دور کرنے کے لیے جہاد کیا یا کفار کے ساتھ جہاد کیا ﴿ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ﴾ تو بلا شبہ وہ شخص صرف اپنی ذات کے لیے جہاد کرتا ہے کیونکہ اس جہاد کا فائدہ اور نفع اسی کی ذات کی طرف لوٹتا ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے اور اطاعت و عبادت اور ان کے مجاہدہ سے بے نیاز ہے' اسے کسی کی پروا نہیں ہے۔ بے شک اس نے صرف اپنے بندوں پر رحم و کرم کرنے کے لیے انہیں بھلائی کا حکم دیا اور بُرائی سے منع کیا۔

٧۔﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو البتہ ہم ضرور ان سے ان کی بُرائیاں دور کر دیں گے یعنی کفر و شرک کو ایمان کی وجہ سے اور گناہوں کو توبہ

کرنے کی وجہ سے مٹا دیا جائے گا ﴿ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ اور البتہ ہم ان کو اس سے بہتر بدلا دیں گے جو وہ عمل کرتے تھے یعنی ہم انہیں ان کے اعمال پر اسلام میں سب سے بہتر بدلا دیں گے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ﴿٩﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ ۖ وَلَئِن جَاءَ نَصْرٌ مِّن رَّبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۚ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ﴿١٠﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ﴿١١﴾

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور دے کر کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک ٹھہرائے جس کا تجھے کوئی علم نہیں ہے تو ان دونوں کی تو اطاعت نہ کر' تم سب نے میری ہی طرف واپس لوٹ کر آنا ہے' سو میں تمہیں وہ سب کچھ بتا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے O اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو البتہ ہم انہیں نیک لوگوں میں ضرور داخل کریں گے O اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں: ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے' پھر جب انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف دی گئی تو انہوں نے لوگوں کے فتنہ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے برابر قرار دے دیا' اور البتہ اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے کوئی مدد آ جائے تو وہ ضرور کہیں گے کہ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں' اور کیا اللہ تعالیٰ نہیں جانتا جو کچھ جہان بھر کے دلوں میں ہے O اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کرے گا جو ایمان لائے اور وہ ضرور منافقوں کو ظاہر کر کے رہے گا O

۸- ﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ﴾ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ خیر و بھلائی اور نیک سلوک کرنے کا حکم دیا اور ''وَصّٰی'' کا حکم اپنے معنی میں اور اپنے استعمال میں ''امر'' کے حکم کی طرح ہے' کہا جاتا ہے: ''وَصَّيْتُ زَيْدًا بِاَنْ يَّفْعَلَ خَيْرًا'' کہ میں نے زید کو وصیت کی (یعنی حکم دیا) کہ وہ نیک کام کرے جس طرح تم کہتے ہو: ''اَمَرْتُهٗ بِاَنْ يَّفْعَلَ خَيْرًا'' کہ میں نے اس کو حکم دیا کہ وہ بھلائی کا کام کرے اور اسی میں سے یہ ارشاد ہے کہ ''وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ'' (البقرہ: ۱۳۲) ''اور حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اس کی تاکید کی'' یعنی حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو کلمۂ توحید کی وصیت کی اور آپ نے ان کو اسی کلمۂ توحید پر قائم رہنے کا حکم دیا اور تمہارے قول ''وَصَّيْتُ زَيْدًا بِعَمْرٍو'' کا معنی ہے کہ میں نے زید کو عمرو کے خیال رکھنے اور اس کی رعایت کرنے کی وصیت کی ہے اور ''وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا'' کا معنی بھی یہی ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی وصیت کی یا اپنے والدین کے ساتھ خیر و بھلائی کرنے کی تاکید کی یعنی نیک کام یا وہ کام جو اپنی ذات میں اچھائی کی کثرت کے اعتبار سے خوب اچھا ہو' جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا'' (البقرہ: ۸۳) ''اور تم لوگوں سے اچھی بات کہو'' [اور یہ بھی جائز ہے کہ ''حُسْنًا'' کو تمہارے

قول: ''زیدًا'' کے باب سے قرار دیا جائے' یہ اس وقت بولو جب تم کسی مارنے والے کو دیکھو کہ وہ مارنے کے لیے تیار ہے تو تم ''اِضْرِبْ'' فعل امر کو پوشیدہ کر کے صرف کہہ دو: ''زَیْدًا'' یعنی ''اِضْرِبْ زَیْدًا'' زید کو مارو' سو اسی طرح ''حُسْنًا'' سے پہلے فعل پوشیدہ قرار دے کر ''حُسْنًا'' کو منصوب پڑھو یعنی تم اپنے ماں باپ دونوں کو خیر و بھلائی پہنچاؤ یا ان دونوں کے ساتھ نیک سلوک کرو کیونکہ ان دونوں کے لیے وصیت کرنا' نیک سلوک کرنے کی دلیل ہے' اس کا مابعد اس کے موافق ہوگا' گویا فرمایا کہ ہم نے انسان کو حکم فرما دیا ہے کہ ان دونوں کو خیر و بھلائی پہنچا اور شرک کے بارے میں ان کی اطاعت نہ کر' جب وہ دونوں تمہیں شرک پر مجبور کریں اور اس تفسیر کی بناء پر اگر ''بِوَالِدَیْہِ'' پر وقف کیا جائے اور ''حُسْنًا'' سے ابتداء کی جائے تو یہ وقف بہتر ہو گا اور پہلی تفسیر کی بناء پر قول کو پوشیدہ قرار دینا لازم و ضروری ہے' اس کا معنی ہوگا: ''وَقُلْنَا''] ﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ اور ہم نے فرمایا کہ اے انسان! اگر تجھ سے وہ دونوں جھگڑا کریں اور تجھ پر زور دے کر کوشش کریں تا کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک قرار دے دے' جس کے متعلق تجھے کوئی علم نہیں یعنی تجھے اس کے معبود ہونے کے بارے میں کچھ علم نہیں' اور علم کی نفی سے معلوم کی نفی مراد ہے' گویا فرمایا کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہرا دے' جس کا معبود ہونا صحیح نہیں ہے ﴿فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ پس تو ان دونوں کی اطاعت نہ کر اور اس معاملہ میں ان کی بات نہ مان کیونکہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ﴿اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ﴾ تم سب نے میری طرف لوٹ کر آنا ہے (یعنی) تم میں سے جو ایمان لایا ہے وہ بھی اور جس نے شرک کیا ہے' اس نے بھی میرے پاس آنا ہے ﴿فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ سو میں تمہیں وہ سب کچھ بتا دوں گا' جو تم اعمال کرتے تھے اور میں تمہیں بدلا دوں گا جیسا کہ بدلا دینے کا حق ہے اور مرجع اور وعید کا ذکر کر کے شرک پر ماں باپ کی پیروی کرنے سے ڈرایا گیا ہے اور دین کے معاملے میں ثابت قدمی اور استقامت اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

شانِ نزول: ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت مبارکہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی تھی کیونکہ جب انہوں نے کفر و شرک چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تو ان کی والدہ نے منت مانی کہ اس وقت تک نہ کچھ کھائے گی اور نہ کچھ پئے گی' جب تک اس کے یہ بیٹے حضرت سعد اسلام چھوڑ کر واپس کفر کی طرف نہیں لوٹ جاتے۔ حضرت سعد نے یہ بات سن کر حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی تو اس وقت یہ آیت مبارکہ اور سورۂ لقمان کی (آیت:۱۴) اور سورتِ احقاف کی (آیت:۱۵) نازل ہوئی تھیں۔

۹۔ ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے [یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر درج ذیل ہے:] ﴿لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ﴾ تو البتہ ہم ضرور ان کو نیک بندوں کی جماعت داخل کریں گے اور نیک ہونا مؤمنوں کی صفات میں سے اعلیٰ ترین صفت ہے اور یہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تمنا اور آرزو تھی' چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: ''وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصَّالِحِیْنَ'' (النمل:۱۹) ''اور آپ اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما''۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کیا کہ ''تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ'' (یوسف:۱۰۱) ''میرے پروردگار! مجھے مسلمان رکھ کر موت دے اور مجھے نیک بندوں میں شامل فرما''۔ یا مجھے نیک لوگوں کے مدخل میں شامل فرما اور وہ جنت ہے۔

۱۰۔ اور یہ آیت مبارکہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ﴾ اور لوگوں میں سے بعض وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لا چکے ہیں' پھر جب انہیں یعنی منافقین کو اللہ تعالیٰ

کی راہ میں تکلیفیں دی جاتی ہیں یعنی جب انہیں کفار کی طرف سے اذیتیں اور تکلیفیں دی جاتی ہیں تو ﴿ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ﴾ وہ لوگوں کے فتنہ (اذیت و تکلیف) کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے برابر قرار دیتے ہیں یعنی وہ کفار کی تکلیفوں سے اس طرح گھبراتے ہیں' جس طرح کوئی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے گھبرانا اور پریشان ہوتا ہے ﴿ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ﴾ اور البتہ اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے کوئی مدد آ جاتی ہے تو یہ لوگ ضرور کہتے ہیں کہ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں یعنی جب اللہ تعالیٰ مؤمنوں کی مدد کرتا ہے اور فتح و غلبہ عطا فرما کر انہیں اموالِ غنیمت عطا کرتا ہے تو پھر یہ لوگ اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں: بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں یعنی ہم تمہارے دین میں تمہارے پیروکار ہیں اور ہم دین پر اسی طرح ثابت قدم ہیں' جس طرح تم دین پر ثابت قدم ہو' لہٰذا غنیمت کے مالوں میں سے ہمارا حصہ ہمیں عطا کرو ﴿ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ اور کیا اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو خوب سے خوب تر نہیں جانتا' جو جہاں بھر کے دلوں میں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ جہان بھر کے دلوں کی تمام باتوں کو خوب جانتا ہے (یعنی) تمام جہان والوں میں سے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے' اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے اور منافقوں کے دلوں میں جو نفاق ہے' وہ بھی اور جو مؤمنوں کے دلوں میں اخلاص ہے وہ بھی اسی میں سے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے درج ذیل ارشاد میں مؤمنوں سے وعدہ فرمایا ہے اور منافقوں کو ڈرایا ہے:

۱۱- ﴿ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ اور البتہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کرے گا جو ایمان لائے اور وہ منافقوں کو بھی ضرور ظاہر کر دے گا یعنی ان دونوں کا حال اس کے پاس ظاہر و عیاں ہے' جو ان دونوں پر جزائے خیر اور سزا مرتب کرنے کا مالک ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع

اور کافروں نے مسلمانوں سے کہا: تم ہمارے راستے پر چلو اور ہم تمہارے گناہوں کو اٹھالیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ نہیں اٹھائیں گے' بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O اور البتہ وہ اپنے بوجھ ضرور اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھوں کو بھی اٹھائیں گے' اور قیامت کے دن ان سے ان چیزوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا جو وہ بہتان تراشی کرتے تھے O

۱۲- ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ﴾ اور کافروں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم ہماری راہ پر چلو اور ہم تمہارے گناہوں کو اٹھالیں گے۔ کفار نے مسلمانوں کو اپنے راستے پر چلنے کا حکم دیا اور یہ ان کا وہ راستہ ہے جس پر وہ اپنے دین کے معاملے میں قائم تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو ان کے گناہوں کو اٹھانے کا حکم دیا [سو اس لیے فعل امر کا فعل امر پر عطف کیا گیا] اور انہوں نے چاہا کہ یہ دونوں چیزیں اکٹھی حاصل ہو جائیں: (۱) یہ کہ تم ہماری راہ کی پیروی کرو (۲) اور یہ کہ ہم تمہارے گناہوں کو اٹھالیں گے' اور معنی اور مطلب یہ ہے کہ گناہوں کے اٹھانے کو پیروی کے ساتھ معلق کر دیا گیا ہے یعنی اگر تم ہماری راہ پر چلو گے تو ہم تمہارے گناہوں کو اٹھالیں گے اور یہ بات قریشِ مکہ کے سرداروں نے

کہی تھی اور ان میں سے جو شخص ایمان لے آتا اور مسلمان ہو جاتا تو یہ لوگ اس سے یہی بات کہتے کہ مرنے کے بعد نہ ہم زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور نہ تم اٹھائے جاؤ گے' پھر اگر ایسا ہو گیا تو ہم تمہارے گناہوں کو اپنے ذمہ اٹھالیں گے ﴿وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے یہ بات زبان سے تو کہہ دی لیکن ان کے دل اس کے خلاف ہیں جیسے جھوٹے لوگ جو کسی چیز کا وعدہ تو کر لیتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں اس وعدہ کے خلاف نیت ہوتی ہے۔

۱۳-﴿وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ﴾ اور وہ البتہ اپنے بوجھ ضرور اٹھائیں گے' یعنی اپنے نفسوں کے بوجھوں کو ضرور اٹھائیں گے۔ مطلب یہ کہ وہ اپنے کفر و شرک کے سبب اپنے گناہوں کے بوجھ خود اٹھائیں گے ﴿وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ﴾ اور وہ اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھوں کو بھی اٹھائیں یعنی وہ ان گناہوں کے علاوہ جن کے اٹھانے کے لیے مسلمانوں کے ضامن بنے تھے' دوسروں کے بوجھوں کو بھی اٹھائیں گے اور یہ ان لوگوں کے بوجھ ہوں گے جن کی گمراہی کا یہ سبب بنے تھے اور یہ اس طرح ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ'' (النحل:۲۵) ''تاکہ یہ لوگ قیامت کے دن اپنے گناہوں کے بوجھ بھی مکمل طور پر اٹھائیں اور ان لوگوں کے گناہوں کو بھی جن کو نادانی میں گمراہ کرتے رہے'' ﴿وَلَيُسْــَٔـلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ اور قیامت کے دن ان سے ان باتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا' جو وہ بہتان تراشیاں کرتے تھے (یعنی) وہ لوگ جو جھوٹی اور باطل باتیں گھڑتے تھے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ۭ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا' سو وہ اس میں پچاس سال کم ایک ہزار سال رہے' پھر انہیں طوفان نے پکڑ لیا اور وہ ظالم تھے ○ سو ہم نے اس کو اور کشتی والوں کو نجات دے دی اور ہم نے ان کو تمام جہان والوں کے لیے ایک نشانی بنا دیا ○ اور ابراہیم کو (ہم نے بھیجا) جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا: تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو' یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ○ بے شک تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف بتوں کی عبادت کرتے ہو اور تم جھوٹ گھڑتے ہو' بے شک تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہارے رزق کے کچھ مالک نہیں' سو تم اللہ تعالیٰ کے پاس رزق تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو' تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○

حضرت نوح وابراہیم علیہما السلام کے تبلیغی کارناموں اور قوموں کے ردِّعمل کا بیان

۱۴- ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ﴾ اور البتہ بے شک ہم نے (حضرت) نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف بھیجا' سو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار سال رہے (یعنی) حضرت نوح علیہ السلام کی کل عمر مبارک ایک ہزار پچاس سال تھی اور آپ کو چالیس سال مکمل ہونے پر منصبِ نبوت پر فائز کر کے قوم کی طرف مبعوث کیا گیا اور آپ اپنی قوم میں نوسو پچاس سال تبلیغ کرتے رہے اور طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے اور حضرت وہب نے بیان کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام چودہ سو سال زندہ رہے' پھر ان سے ملک الموت نے کہا: اے انبیائے کرام علیہم السلام میں سب سے زیادہ عمر پانے والے! آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ حضرت نوح نے فرمایا: جیسے ایک ایسا گھر جس کے دو دروازے ہیں' ایک دروازہ میں داخل ہوا ہوں اور دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا ہوں' اور اللہ تعالیٰ نے "تِسْعَةً وَّخَمْسِيْنَ سَنَةً" (ساڑھے نوسو سال) نہیں فرمایا کیونکہ اگر اس طرح کہا جاتا تو ممکن تھا کہ یہ وہم کیا جاتا کہ اس تعداد کا اطلاق ان کی اکثر مدت پر کیا گیا اور یہاں یہ وہم زائل ہو گیا ہے' پس گویا فرمایا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پورے کامل نوسو پچاس سال اپنی قوم میں تبلیغ کرتے رہے' مگر وہ مختصر ہے اور الفاظ کے اعتبار سے زیادہ پسندیدہ ہے اور فائدے سے بھرپور ہے اور اس لیے کہ یہ قصہ ان تکلیفوں کے ذکر کے لیے چلایا گیا ہے' جن کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی امت کی طرف سے مبتلا کیا گیا اور طویل زمانہ تک ان تکلیفوں پر صبر کرنے میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تسلی ہے' سو ہزار (الف) کے ذکر کرنے میں زیادہ تعظیم ہے اور غرض کے زیادہ قریب ہے اور پہلے تمیز کو "سنة" کے ساتھ پھر "عاما" کے ساتھ لایا گیا کیونکہ ایک کلام میں ایک لفظ کے تکرار سے علم بلاغت میں بچنا ضروری ہے ﴿ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ ﴾ پھر ان کو طوفان نے پکڑ لیا۔ طوفان وہ ہوتا ہے جو کثرت اور غلبہ کی بناء پر ہر طرف سے احاطہ کر لے اور گھیر لے' جیسے سیلاب کا پانی یا رات کی تاریکی یا ان دونوں کی طرح کوئی چیز ﴿ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴾ اور وہ کفر وشرک کے سبب اپنے نفسوں پر ظلم ڈھانے والے تھے۔

۱۵- ﴿ فَاَنْجَيْنٰهُ ﴾ سو ہم نے اسے یعنی حضرت نوح علیہ السلام کو طوفان سے نجات بخشی ﴿ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ ﴾ اور کشتی والوں کو اور وہ کل اٹھہتر (۷۸) افراد تھے اور ان میں نصف مرد حضرات تھے اور نصف خواتین تھیں' انہیں میں سے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سام' حام اور یافث اور ان کی بیویاں تھیں ﴿ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً ﴾ اور ہم نے اس کو یعنی کشتی کو یا اس حادثہ کو یا اس قصہ کو عبرت ونصیحت حاصل کرنے کے لیے ایک نشانی بنا دیا ﴿ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ تمام جہان والوں کے لیے تاکہ وہ اس سے عبرت ونصیحت حاصل کریں۔

۱۶- ﴿ وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ ﴾ اور (اے محبوب!) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یاد کیجئے جب اس نے فرمایا ["اِبْرَاهِيْمَ" "اُذْكُرْ" پوشیدہ کی وجہ سے منصوب ہے اور "اِذْ قَالَ" اس سے بدل اشتمال کے طور پر بدل بنایا گیا ہے کیونکہ اوقات اس پر مشتمل ہوتے ہیں جو کچھ ان میں وقوع پذیر ہوتا ہے یا "نُوْحًا" (العنکبوت: ۱۴) پر معطوف ہے یعنی "وَاَرْسَلْنَا اِبْرَاهِيْمَ" اور ہم نے حضرت ابراہیم کو بھیجا اور "اِذْ"، "اَرْسَلْنَا" کا ظرف ہے یعنی ہم نے حضرت ابراہیم کو اس وقت بھیجا جب وہ عمر اور علم میں اس معیار کو پہنچ گئے' جس کی بناء پر ان میں یہ صلاحیت واستعداد پیدا ہو گئی کہ آپ اپنی قوم کو وعظ ونصیحت کریں اور ان کو عبادت وتقویٰ کا حکم دیں اور حضرت امام ابراہیم نخعی اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے "وَاِبْرَاهِيْمُ" پیش کے ساتھ پڑھا ہے کہ اس کا معنی ہے:] (وَ) مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (اِبْرَاهِيْمُ اِذْ قَالَ) ﴿ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾

اور رسولوں میں سے ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں' جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو' یہ تمہارے لیے کفر و شرک سے بہتر ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جانتے ہو (یعنی) اگر تمہیں اس کا علم ہے جو تمہارے لیے بہتر ہے اور جو تمہارے لیے بُرا ہے۔

۱۷۔ ﴿اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا﴾ بے شک تم اللہ کے سوا صرف بتوں کی عبادت کرتے ہو۔ "اَوْثَانًا" بہ معنی "اَصْنَامًا" ہے ﴿وَّتَخْلُقُوْنَ﴾ اور تم جھوٹ بولتے ہو یا تم باتیں گھڑتے ہو' اور حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت سلمی رحمہما اللہ نے "وَتُخَلِّقُوْنَ" پڑھا ہے' یہ "خَلَّقَ" (باب تفعیل) سے ہے اور اس کا معنی ہے: بہت زیادہ باتیں بنانا یا بہت زیادہ باتیں گھڑنا ﴿اِفْكًا﴾ جھوٹ اور افتراء' اور اس کو "اَفِكًا" (ہمزہ پر زبر اور "فا" کے نیچے زیر) پڑھا گیا ہے جیسے "كَذِبٌ" اور "لَعِبٌ" ہے اور "اِفْكٌ" اس کا مخفف ہے جیسے "كِذْبٌ" اور "لِعْبٌ" اپنی اصل سے مخفف ہیں اور ان کا جھوٹ و افترا باندھنا یہی تھا کہ انہوں نے اپنے بتوں کو معبود اور اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیا تھا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا﴾ بے شک تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو' وہ تمہارے لیے رزق کے کچھ مالک نہیں ہیں (یعنی) وہ تمہیں رزق دینے کا کچھ اختیار اور قدرت نہیں رکھتے ﴿فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ﴾ سو تم سارا رزق اللہ تعالیٰ کے پاس طلب کرو کیونکہ وہی اکیلا رزق دینے والا ہے' اس کے علاوہ کوئی رزق نہیں دے سکتا ﴿وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور تم اسی کی عبادت کرو اور تم اسی کے لیے شکر ادا کرو' سو تم اس کی نعمتوں پر شکر ادا کر کے اور اس کی عبادت کر کے اس کی ملاقات کے لیے تیاری کرو [قاری یعقوب کی قراءت میں "تَا" مفتوح اور جیم مکسور کے ساتھ "تَرْجِعُوْنَ" (فعل مضارع معروف) ہے]۔

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ؗ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾

اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو بے شک تم سے پہلے بہت سی امتیں جھٹلا چکی ہیں' اور رسول کے ذمہ نہیں مگر واضح طور پر پہنچا دینا O اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پیدائش کی ابتداء کس طرح کی' پھر اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ پیدا کرے گا' بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے O (اے محبوب!) فرما دیجئے: تم زمین میں سیر و سیاحت کرو' پھر غور سے دیکھو کہ اس نے پیدائش کی ابتداء کس طرح کی' پھر اللہ تعالیٰ دوبارہ نئے سرے سے پیدا کرے گا' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے O وہ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس پر رحم کر دیتا ہے' اور تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے O اور تم (اللہ تعالیٰ

کو) نہ زمین میں عاجز کرنے والے ہو اور نہ آسمان میں اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار ہے O

١٨- ﴿وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو بے شک تم سے پہلے بہت سی امتیں جھٹلا چکی ہیں اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا یعنی اگر تم مجھے جھٹلاؤ گے تو تمہاری تکذیب (جھٹلانے) سے میرا کوئی نقصان نہیں ہوگا اور تم اپنی تکذیب سے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے کیونکہ مجھ سے پہلے بہت سے رسولوں کو ان کی امتوں نے جھٹلایا اور وہ پیغمبروں کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے بلکہ انہوں نے اپنا نقصان کیا کہ پیغمبروں کے جھٹلانے کے سبب ان پر عذاب نازل کیا گیا لیکن رہے رسول تو ان کا کام مکمل ہو گیا کہ انہوں نے احکامِ الٰہی کا پیغام صاف پہنچا دیا' جس کی وجہ سے شک زائل ہو گیا کیونکہ ان کا پیغام اللہ تعالیٰ کی آیاتِ مبارکہ اور اپنے معجزات سے مقترن و مؤید ہوتا ہے یعنی اگر تمہاری طرف سے مجھے جھٹلایا گیا تو میرے لیے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام میں نمونہ موجود ہے کہ انہیں بھی جھٹلایا گیا اور رسول کے ذمہ صرف پیغام الٰہی من وعن صاف صاف پہنچانا ہے اور بس اور اس پر یہ لازم نہیں کہ ہر حال میں اس کی تصدیق کی جائے اور اسے جھٹلایا نہ جائے اور یہ آیت اور اس کے بعد والی آیات ''فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖ'' تک دو احتمال رکھتی ہیں' ایک احتمال یہ ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مجموعۂ کلام میں سے ایک کلام یہ ہے جو آپ نے اپنی قوم کے سامنے بیان فرمایا اور آپ سے پہلے امتوں سے مراد حضرت شیث' حضرت ادریس اور حضرت نوح علیہم السلام وغیرہم کی قومیں مراد ہیں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ آیاتِ مبارکہ جملہ معترضہ کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے اوّل اور آخر کے درمیان میں قریشِ مکہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی ہیں' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ معترضہ جملوں کے لیے ضروری ہے کہ جس کلام کے درمیان میں حائل ہوا' اس کے ساتھ اتصال و ربط ہو' چنانچہ ''مَكَّةُ وَزَيْدٌ قَائِمٌ خَيْرُ بِلَادِ اللّٰهِ'' کہنا جائز نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ٹھیک ہے' یہاں بھی ربط اور تعلق موجود ہے' جس کا بیان یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کو لانے کا مقصد یہی ہے کہ کفارِ مکہ کی تکذیب کی وجہ سے پہنچنے والے غم اور دکھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور کیا جائے اور آپ کو تسلی و تشفی دی جائے کہ آپ کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف سے اسی طرح رنج و غم اور تکلیف میں مبتلا کیا گیا تھا' جس طرح آپ کو اپنی قوم کے شرک اور ان کی بتوں کی پرستش کی وجہ سے رنج و غم اور دکھ میں مبتلا کیا گیا ہے' سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام کے درمیان ارشاد فرمایا کہ ''وَاِنْ تُكَذِّبُوْا'' اس کا معنی یہ ہے کہ اے قریش کی جماعت! بے شک تم اگر (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جھٹلاؤ گے تو بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کی قوم جھٹلا چکی ہے اور ہر امت نے اپنے نبی کو جھٹلایا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ'' لازمی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امت کو بھی شامل ہے' اسی طرح جملہ معترضہ کا ربط و تعلق قائم ہو جاتا ہے' پھر باقی بعد میں آنے والی آیات اس کے توابع میں سے ہیں کیونکہ یہ تمام آیاتِ مبارکہ توحید اور اس کے دلائل بیان کرنے والی اور شرک کو مٹانے والی اور اس کی بنیادیں کمزور کرنے والی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی صفت اور اس کی بادشاہی کی صفت بیان کرنے والی اور اس کی حجت و برہان کو واضح کرنے والی ہیں۔

١٩- ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا﴾ اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا [امام حفص کے علاوہ باقی اہل کوفہ کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ''اَوَلَمْ تَرَوْا'' (اور کیا تم نے نہیں دیکھا) ہے] ﴿كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ﴾ اللہ تعالیٰ پیدائش کی ابتداء کس طرح کرتا ہے یعنی بے شک انہوں نے اسے دیکھا ہے اور انہوں نے اس کو جان لیا ہے ﴿ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ پھر اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ پیدا

کرے گا[اور یہ ''یُبْدِئُ'' پر معطوف نہیں کیونکہ رویت کا وقوع اس پر نہیں ہوا' اور اس میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد خلق کا دوبارہ اعادہ فرمائے گا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ''فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ'' (العنکبوت: ۲۰)'' سوتم غور سے دیکھو کہ اس (اللہ تعالیٰ) نے پیدائش کی ابتداء کس طرح کی' پھر اللہ تعالیٰ دوبارہ نئے سرے سے پیدا فرمائے گا''۔ میں ''نظر'' ''پیدائش کی ابتداء پر واقع ہوئی ہے'' ''انشاء'' پر نہیں بلکہ وہ پورے جملہ ''اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ الْخَلْقَ'' پر معطوف ہے] ﴿اِنَّ ذٰلِكَ﴾ بے شک یہ یعنی مرنے کے بعد خلق کا دوبارہ پیدا کرنا ﴿عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ اللہ تعالیٰ پر نہایت آسان ہے۔ ''یسیر'' بہ معنیٰ ''سَهْلٌ'' ہے۔

۲۰- ﴿قُلْ﴾ اے (پیارے) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! فرمادیجئے اور اگر یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام میں سے ہے تو اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ''وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِ اَنْ قُلْ'' اور ہم نے حضرت ابراہیم کی طرف خفیہ پیغام بھیجا کہ فرمادو: ﴿سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ﴾ تم زمین میں چلو پھرو اور غور سے دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے پیدائش کی ابتداء کس طرح کی' اس کے باوجود کہ مخلوق بہت زیادہ ہے اور ان کے احوال بھی مختلف ہیں تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی فطرت وقدرت کے عجائبات کو مشاہدہ کے ساتھ پہچان لو اور ''بَدَاَ'' اور ''اَبْدَا'' دونوں کا ایک معنی ہے ﴿ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ﴾ پھر اللہ تعالیٰ دوسری دفعہ پیدا فرمائے گا یعنی مرنے کے بعد اٹھائے گا[ابن کثیر مکی اور ابوعمرو کی قراءت میں ''النشاۃ'' میں شین کو فتح کی حرکت دینے کے بعد مدّ کے ساتھ پڑھا گیا ہے]اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تخلیقیں دو ہیں اور ان میں سے ہر ایک الگ تخلیق ہے یعنی ابتداء اور اختراع اور وہ یہ کہ عدم سے وجود میں لانا یعنی معدوم کو موجود کرنا اور نئی چیز بنانا مگر آخرت اور اعادہ یہ ہے کہ تخلیق کے بعد اسی طرح دوبارہ تخلیق کرنا اور پہلی تخلیق اس طرح نہیں ہوتی اور قیاس یہ ہے کہ یوں کہا جاتا: ''كَيْفَ بَدَاَ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ'' لیکن ''كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ'' صرف اس لیے کہا گیا کہ کفارِ مکہ کے ساتھ یہ کلام اعادہ میں ہو رہا ہے کیونکہ یہ بات ان کے نزدیک مسلّم اور ثابت ہے کہ تمام کائنات کی پہلی تخلیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اسی وجہ سے ان پر یہ حجت قائم کی جارہی ہے۔ پہلی تخلیق کی طرح مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ہی دوبارہ تخلیق کے ذریعے سب کو اٹھائے گا' یہی اعادہ ہے' پس جب اللہ تعالیٰ ابتداءً یعنی مرنے کے بعد دوسری تخلیق سے بھی عاجز نہیں ہے تو گویا فرمایا کہ پس یہ وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے ساری کائنات کی پہلی تخلیق کی اور وہی مرنے کے بعد دوبارہ تخلیق کر کے اٹھائے گا' سو اسی معنی پر تنبیہ کرنے کے لیے ''ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ'' فرما کر اپنا اسم ظاہر فرمایا اور اس کو مبتدا میں واقع کیا ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۲۱- ﴿يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ وہ جس کو چاہتا ہے ذلت ورسوائی کے ساتھ سزا دیتا ہے ﴿وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور وہ جس کو چاہتا ہے اس پر ہدایت کے ساتھ رحم فرماتا ہے یا وہ حرص کے ساتھ سزا دیتا ہے اور قناعت کے ساتھ رحم فرماتا ہے یا وہ بدخلقی اور اللہ تعالیٰ سے روگردانی اور بدعت کی پیروی کے ساتھ سزا دیتا ہے اور حسن خلق اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے اور سنت کی پیروی کرنے کے ساتھ رحم فرماتا ہے ﴿وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ﴾ اور تم اس کی طرف پلٹائے جاؤ گے (یعنی) تم اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

۲۲- ﴿وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾ اور تم اپنے پروردگار کو عاجز کرنے والے نہیں یعنی اگر تم بھاگ جاؤ تو تم اس کے حکم اور اس کے فیصلہ سے بچ نہیں سکو گے ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ وسیع وعریض زمین میں ﴿وَلَا فِي السَّمَآءِ﴾ اور نہ آسمان میں جو اس سے زیادہ کشادہ اور زیادہ فراخ ہے' اگر تم اس میں ہوتے ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا

تمہارا کوئی دوست نہیں جو تمہارے معاملات میں تعاون کرے ﴿وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ اور نہ کوئی مددگار ہے جو تمہیں میرے عذاب سے بچا سکے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٣﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٥﴾

اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کی ملاقات کا انکار کیا وہی میری رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں اور انہیں لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے O سو اس کی قوم کے پاس کوئی جواب نہیں تھا مگر یہ کہ انہوں نے کہا کہ اس کو قتل کر دو یا اس کو جلا دو' سو اللہ تعالیٰ نے اسے آگ سے نجات دے دی' بے شک اس میں ایمان دار قوم کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O اور اس (ابراہیم) نے فرمایا کہ بے شک تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف بتوں کو (معبود) بنا لیا' دنیا کی زندگی میں اپنی باہمی دوستی کی وجہ سے' پھر قیامت کے دن تم میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ کفر کرے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا' اور تم سب کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں O

٢٣- ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ﴾ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کی ملاقات کا انکار کیا اور اس کی وحدانیت کے دلائل کا اور اس کی کتابوں اور اس کے معجزات کا انکار کیا ﴿اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ﴾ یہی لوگ میری رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں (یعنی) یہی لوگ میری جنت سے محروم ہو چکے ہیں ﴿وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ انہیں لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

٢٤- ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ﴾ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دی تو اس کی قوم کا جواب نہیں تھا ﴿اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ﴾ مگر یہ کہ انہوں نے کہا: اس کو قتل کر دو یا اس کو آگ میں جلا دو (یعنی) انہوں نے ایک دوسرے سے کہا یا ان میں سے کسی ایک نے کہا اور باقی راضی تھے' سو اس لیے سب کہنے والوں کے حکم میں ہو گئے' پھر وہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جلانے پر متفق ہو گئے ﴿فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ﴾ جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگ سے نجات دے کر بچا لیا ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ جو کچھ نمرودیوں نے حضرت ابراہیم کو ہلاک کرنے کے لیے ان کے ساتھ کیا اور اس کے جواب میں ہم نے حضرت ابراہیم کو بچانے کے لیے ان کے ساتھ جو کچھ کیا' بے شک اس میں ﴿لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ ضرور ایمان دار قوم کے لیے نشانیاں ہیں۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا' اس دن آگ سے کوئی شخص نفع اور فائدہ نہیں اٹھا سکا تھا کیونکہ آگ کی تمام تر حرارت و گرمی اور جلانے کی صلاحیت زائل ہو گئی تھی اور آگ ٹھنڈی سلامتی والی بن گئی تھی۔

۲۵-﴿وَقَالَ﴾ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: ﴿اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ﴾ بے شک تم نے دنیا کی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ باہمی محبت کے سبب اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف بتوں کو معبود بنالیا ہے [امام حفص اور حمزہ کی قراءت میں ''بَيْنِكُمْ'' کی طرف مضاف ہونے کی بناء پر ''مَوَدَّةَ'' بغیر تنوین کے منصوب ہے اور نافع مدنی' ابن عامر شامی' حماد' یحییٰ اور خلف کی قراءت میں بغیر اضافت کے تنوین کے ساتھ منصوب (یعنی ''مَوَدَّةً'') ہے اور ابن کثیر مکی' ابوعمرو اور علی کسائی کی قراءت میں اضافت کے ساتھ مرفوع (یعنی ''مَوَدَّةُ بَيْنِكُمْ'') ہے اور شمونی اور برجمی کی قراءت میں بغیر اضافت کے تنوین کے ساتھ مرفوع (مَوَدَّةٌ) ہے' سو دونوں وجہوں پر نصب تعلیل کی وجہ سے ہے یعنی تاکہ تم بتوں کی پرستش و عبادت پر مجتمع اور متفق ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے باہمی محبت کرو اور ایک دوسرے سے باہمی تعلقات جوڑے رکھو' جیسا کہ لوگ مذہب پر متفق ہوتے ہیں' پس یہ ان کی باہمی محبت و دوستی کا سبب ہے اور یہ کہ یہ دوسرا مفعول ہے جیسے ''اِتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ'' (الفرقان: ۴۳) ''اس شخص نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا'' ۔ اور ''مَا'' کافہ ہے ''اَىْ اِتَّخَذْتُمُ الْاَوْثَانَ سَبَبَ الْمَوَدَّةِ بَيْنَكُمْ'' یعنی تم نے بتوں کو اپنے لیے باہمی محبت کا سبب بنالیا۔ اس صورت میں ''المودة'' کا مضاف سبب محذوف مقدر مانا جائے گا یا ''مَوَدَّةَ'' بہ معنی اسم مفعول ''مودودة'' ہے یعنی تم نے بتوں کو اپنے درمیان محبوب بنالیا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے: ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ'' (البقرہ: ۱۶۵) ''اور لوگوں میں سے بعض اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کے شریکوں سے اس طرح محبت کرتے ہیں' جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کی جاتی ہے'' ۔ اور رفع (پیش) کی صورت میں دو وجہیں ہیں: ایک یہ کہ ''اِنَّ'' کی خبر ہو اور ''مَا'' موصولہ ہو اور دوسرا یہ کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو یعنی اصل میں ''هِىَ مَوَدَّةُ بَيْنِكُمْ'' ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک بت تمہارے باہمی مشترکہ محبوب ہیں یا تمہاری باہمی محبت کا سبب ہیں اور جس نے ''مودة'' کو مضاف کیا ہے' اس نے ''بینکم'' کو اسم قرار دیا ہے ظرف نہیں' جیسے یہ ارشاد ہے: ''شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ'' (المائدہ: ۱۰۶) اور جس نے ''مودة'' پر تنوین پڑھی ہے ''بینکم'' کو منصوب پڑھا ہے تو اس نے ظرف کی بناء پر کیا ہے] ﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ﴾ پھر قیامت کے دن تم میں سے بعض دوسرے بعض کے ساتھ کفر کرے گا اور بت اپنے عبادت کرنے والوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے ﴿وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫﴾ اور تمہارے بعض ایک دوسرے پر لعنت کریں گے یعنی قیامت کے دن تمہارے درمیان ایک دوسرے پر لعنت کرنے کا باہمی معاملہ کھڑا ہو جائے گا' پھر پیروکار قیادت کرنے والے سرداروں اور لیڈروں پر لعنت بھیجیں گے ﴿وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ﴾ اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہے یعنی عابد و معبود اور تابع و متبوع سب کا ٹھکانا دوزخ ہے ﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ اور تمہارے لیے وہاں مددگاروں میں سے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّىْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّىْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ وَ
وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِىْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ
فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

وقف لازم

سو لوط (علیہ السلام) اس پر ایمان لائے اور اس نے فرمایا: بے شک میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں' بے شک وہ سب پر غالب ہے بڑی حکمت والا ہے O اور ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب (علیہما السلام) عطا فرمائے

اور ہم نے اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب مقرر کر دی اور ہم نے اس کو اس کا اجر وثواب دُنیا میں دے دیا' اور بے شک وہ آخرت میں ضرور نیک لوگوں میں سے ہوں گے O

۲۶-﴿فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ﴾ سو اس پر یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حضرت لوط علیہ السلام ایمان لے آئے اور یہ حضرت ابراہیم کی ہمشیرہ کے بیٹے (یعنی حضرت ابراہیم کے بھانجے) تھے اور حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سب سے پہلے ایمان لائے تھے' جب انہوں نے آگ کو دیکھا کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں جلایا ﴿وَقَالَ﴾ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ﴿اِنِّیْ مُهَاجِرٌ﴾ بے شک میں کوثی سے حران کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں اور یہ کوثی کوفہ کی نواحی بستی ہے' پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام حران سے فلسطین کی طرف ہجرت کر گئے اور یہ شام کا صحرائی علاقہ ہے اور اسی وجہ سے مفسرین کرام نے فرمایا کہ ہر پیغمبر کے لیے ایک ہجرت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے دو ہجرتیں ہیں اور حضرت ابراہیم کی اس ہجرت میں حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ آپ کے ساتھ شریک سفر تھے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے شادی کی ہوئی تھی ﴿اِلٰی رَبِّیْ﴾ اپنے پروردگار کی طرف (یعنی) میرا رب تعالیٰ مجھے جس جگہ کی ہجرت کا حکم دے گا' اسی جگہ میں ہجرت کر جاؤں گا ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ﴾ بے شک وہ سب پر غالب ہے' وہی مجھے میرے دشمنوں سے بچائے گا ﴿الْحَكِیْمُ﴾ وہ بہت بڑا حکمت والا ہے' وہ مجھے صرف اسی کا حکم دیتا ہے جس میں خیر و بھلائی ہوتی ہے۔

۲۷-﴿وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ﴾ اور ہم نے اسے اسحاق (یعنی) بیٹا عطا فرمایا ﴿وَیَعْقُوْبَ﴾ اور یعقوب بیٹے کا بیٹا (یعنی پوتا عطا فرمایا) اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ان کی شہرت کی وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا ﴿وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ﴾ اور ہم نے ان کی یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں نبوت کو رکھا ہے' پس بے شک وہ اس لیے جدّ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں ﴿وَالْكِتٰبَ﴾ اور کتاب رکھی' اور اس سے مطلق جنس کتاب مراد ہے یعنی تورات' انجیل' زبور اور قرآن مجید ﴿وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ﴾ اور ہم نے اسے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اجر وثواب عطا فرمایا (یعنی) اچھی تعریف اور قیامت تک ان پر درود شریف اور تمام مذاہب کا ان سے محبت کرنا یا ان کی ضیافت کا ان کی قبر کے پاس جاری رہنا اور یہ ان کے علاوہ کسی کے لیے نہیں ﴿فِی الدُّنْیَا﴾ دنیا میں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اجر وثواب عطا فرماتا ہے ﴿وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ اور بے شک وہ آخرت میں ضرور نیک لوگوں میں سے ہوں گے یعنی جنت والوں میں سے ہوں گے' یہی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ٘ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اَىٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ ۚ اِنَّ

ع ۳ ۱۵

اَهْلِهَا كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ فِیْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا ٭ لَنُنَجِّیَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ٭ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۳۲﴾

اور لوط علیہ السلام (کو یاد کیجئے) جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا: بے شک تم بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے یہ کام جہان بھر کے لوگوں میں سے کسی نے نہیں کیا O کیا تم ضرور مردوں کے پاس آتے ہو اور تم راہ زنی کرتے ہو اور تم اپنی مجلس میں بُری باتیں کرتے ہو؛ سو اس کی قوم کے پاس کوئی جواب نہیں تھا مگر یہ کہ انہوں نے کہا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آؤ اگر تم سچوں میں سے ہو O اس نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! فساد پھیلانے والی قوم کے خلاف میری مدد فرما O اور جب ہمارے فرشتے (حضرت) ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے تو انہوں نے کہا: بے شک ہم اس بستی کے رہنے والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں بے شک اس کے باشندے بڑے ظالم ہیں O اس نے فرمایا: بے شک اس میں لوط (علیہ السلام) ہیں انہوں نے کہا کہ ہم اس بستی میں رہنے والوں کو خوب جاننے والے ہیں ہم ضرور اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دے دیں گے سوائے اس کی بیوی کے وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے O

حضرت لوط علیہ السلام کی تبلیغ اور نافرمان قوم کی ہلاکت کا بیان

۲۸- ﴿ وَلُوْطًا ﴾ ''اَیْ وَاذْكُرْ لُوْطًا'' یعنی اور (اے محبوب! حضرت) لوط علیہ السلام کو یاد کیجئے ﴿ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ﴾ جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا: بے شک تم ضرور بے حیائی کا کام کرتے ہو (یعنی) قباحت و برائی میں حد سے بڑھ کر بُرا اور حیا سوز کام اور وہ ہے: لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کرنا ﴿ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ تم سے پہلے جہان بھر کے لوگوں میں سے کسی نے یہ کام نہیں کیا۔ یہ جملہ مستانفہ (الگ مستقل جملہ) ہے جو اس کام کی بے حیائی و قباحت کی تاکید کے لیے ہے گویا کہنے والے نے کہا کہ یہ بے حیائی کا کام کیونکر ہے؟ تو جواب میں کہا گیا کہ یہ اس لیے بے حیائی کا کام ہے کہ ان لوگوں سے پہلے دنیا بھر کے لوگوں میں سے کسی نے اس کام کی جرأت نہیں کی اور نہ کسی نے ایسا شرم ناک اقدام کیا۔ مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ قومِ لوط سے پہلے کبھی کسی مرد نے کسی مرد کے ساتھ جفتی (یعنی بدفعلی) نہیں کی۔

۲۹- ﴿ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ﴾ کیا تم مردوں کے ساتھ بدفعلی کرتے ہو اور تم لوگوں کا مال چھیننے اور انہیں قتل کرنے کے لیے راہ زنی کرتے ہو جیسا کہ شاہراہوں اور بڑی بڑی سڑکوں پر ڈاکہ زنی کا عمل کرنے والے ڈاکو کرتے ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ لوگ بدفعلی کرنے کے لیے بڑی سڑکوں پر راہ گیروں کا تعاقب کرتے تھے ﴿ وَ تَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ ﴾ اور تم اپنی مجلس میں بُری بات کرنے آتے ہو۔ مجلس کو ''نـــاد'' اس وقت کہا جاتا ہے جب تک اس میں بیٹھنے والے موجود رہتے ہیں اور ''منکر'' کا مطلب ہے کہ آواز سے گوز مارنا یعنی زور سے ہوا خارج کرنا جماع کی اور زنا کاری کی باتیں کرنا گالی دینا اور مذاق کرتے وقت بُری اور بے حیائی کی باتیں کرنا کنکریاں مارنا سرِعام گوند چبانا اور انگلیوں کو کھینچ کر آوازیں نکالنا اور لوگوں کے اجتماع میں سب کے سامنے مسواک کرنا ﴿ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴾ سو ان کی قوم کے پاس کوئی جواب نہیں تھا مگر یہ کہ انہوں نے کہا کہ تم اللہ تعالیٰ کا عذاب ہم پر لے آؤ اگر تم سچوں میں سے ہو اس وعدہ میں جو تم عذاب کے نازل ہونے کے بارے میں ہم سے کرتے ہو [ابن عامر شامی اور حفص کی قراءت میں ''اَئِنَّكُمْ'' ہے اور یہ مصحفِ عثمانی میں موجود ہے اور امام حفص کے علاوہ

باقی اہل کوفہ کی قراءت میں ہر ایک (یعنی "اَاِنّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ" اور "اَئِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ") دو ہمزوں کے ساتھ ہے اور ابوعمرو کی قراءت میں "آیِنَّکُمْ" ہمزہ مدہ اور یا مکسورہ کے ساتھ ہے اور قالون کے علاوہ ابن کثیر مکی نافع مدنی اور زید کے علاوہ سہل اور یعقوب کی قراءت میں "اَیِنَّکُمْ" ہمزہ مقصورہ اور "یا" مکسورہ کے ساتھ ہے]۔

۳۰۔﴿قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ حضرت لوط علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! فساد پھیلانے والی اس قوم پر عذاب نازل کر کے میری مدد فرما (یعنی) وہ لوگ جن گناہوں اور بے حیائی کے کاموں پر خود عمل پیرا تھے دوسرے لوگوں کو بھی انہیں بُرے کاموں پر ترغیب دے کر اور اُبھار کر فساد پھیلاتے تھے۔

۳۱۔﴿وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی﴾ اور جب ہمارے فرشتے (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کے پاس بیٹے اور پوتے یعنی حضرت اسحاق و یعقوب علیہما السلام کی ولادت کی خوشخبری لے کر آئے تو ﴿قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ﴾ انہوں نے کہا: بے شک ہم اس بستی کے رہنے والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں ["مہلکوا" کی اضافت تعریف کا فائدہ نہیں دیتی کیونکہ وہ استقبال کے معنی میں ہے] اور "قریة" سے سدوم کا شہر مراد ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ سدوم کے قاضی سے زیادہ ظالم تھی اور "هذه القرية" کے الفاظ نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ بستی یقیناً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام کے قریب تھی چنانچہ مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ یہ بستی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاقہ سے ایک دن اور ایک رات (پیدل چلنے کی) مسافت پر واقع تھی ﴿اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ﴾ بے شک اس کے رہنے والے بڑے ظالم تھے یعنی یہ ظلم ان کی طرف سے گزشتہ زمانہ میں مسلسل جاری رہا اور وہ اس پر اصرار کرتے تھے اور ان کے ظلم سے کفر و شرک اور مختلف اقسام کے گناہ مراد ہیں۔

۳۲۔﴿قَالَ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ﴿اِنَّ فِیْهَا لُوْطًا﴾ بے شک اس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام ہیں یعنی کیا تم اس کے بستی کے باشندوں کو ہلاک کر دو گے حالانکہ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو ظلم و ستم سے بَری اور پاک ہیں اور وہ حضرت لوط علیہ السلام ہیں (اور آپ پر ایمان لانے والے لوگ ہیں) ﴿قَالُوْا﴾ انہوں نے یعنی فرشتوں نے کہا: ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا﴾ ہم ان لوگوں کو آپ سے زیادہ جاننے والے ہیں جو بستی میں رہائش پذیر ہیں ﴿لَنُنَجِّیَنَّهٗ﴾ ہم اسے ضرور نجات دیں گے [عاصم کے علاوہ باقی اہل کوفہ اور یعقوب (نیز حمزہ اور علی کسائی) کی قراءت میں "لَنُنْجِیَنَّهٗ" (باب افعال سے) ہے] ﴿وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ﴾ اور اس کے گھر والوں کو (ہم نجات دیں گے) ماسوا اس کی ایک بیوی کے وہ عذاب میں باقی رہنے والوں میں سے ہے پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے فرشتوں کے چلے جانے کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کی طرف فرشتوں کے جانے کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓی اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰیَةًۢ بَیِّنَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور جب ہمارے فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو ان کا آنا اسے ناپسند لگا اور ان کی وجہ سے قوتِ بازو تنگ ہو گئی اور انہوں نے کہا کہ آپ بالکل خوف نہ کیجئے اور نہ غم کیجئے' بے شک ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو نجات دیں گے سوائے آپ کی بیوی کے وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہےO بے شک ہم اس بستی کے رہنے والوں پر آسمان سے ایک عذاب نازل کرنے والے ہیں اس لیے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھےO اور بے شک ہم نے اس بستی میں سے اس قوم کے لیے ایک واضح نشانی چھوڑ دی ہے جو عقل رکھتے ہیںO

۳۳۔﴿ وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ ﴾ اور جب ہمارے فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو ان کا آنا اسے ناگوار ہوا (یعنی) ان کا آنا آپ کو اچھا نہ لگا [''اَنْ'' صلہ کا ہے' جس کے ساتھ دو فعلوں کے پائے جانے کی تاکید کی جاتی ہے' ان دونوں میں سے ایک کی دوسرے پر ترتیب کے ساتھ' گویا وہ دونوں فعل زمانہ کے اعتبار سے ایک جزا میں پائے گئے] گویا فرمایا گیا کہ جیسے ہی حضرت لوط علیہ السلام کو ان کا آنا محسوس ہوا تو اس کے ساتھ ہی بغیر کسی وقفہ کے ان کی آمد ناگوار ہوئی' اس لیے کہ فرشتوں کی آمد سے انہیں اپنی قوم کے متعلق خوف دامن گیر ہوا کہ فرشتے ان کی نافرمان قوم کو گناہوں کے سبب پکڑ لیں گے [نافع مدنی' ابن عامر شامی اور علی کسائی کی قراءت میں ''سیئ بھم'' کی سین کے کسرہ کو ضمہ کی طرف اشمام کر کے پڑھا گیا ہے] ﴿ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا ﴾ اور ان کے حال اور ان کے کام کی تدبیر میں حضرت لوط کا بازو تنگ ہو گیا یعنی ان کی طاقت نہ رہی اور اہل لغت نے ''ذرع'' اور ''ذراع'' کی تنگی سے قوت و طاقت کا ختم ہو جانا مراد لیا ہے' جیسا کہ وہ لوگ ''رحب الذراع'' اس وقت بولتے ہیں جب وہ طاقت ور ہوتا ہے اور اس میں اصل یہ ہے کہ جب آدمی کا بازو دراز اور لمبا ہوتا ہے تو وہ آدمی اپنے ہاتھ سے وہ چیز پکڑ لیتا ہے' جس کو کوتاہ ہاتھ نہیں پکڑ سکتا اور اس کو عجز و قدرت دونوں کے لئے بیان کیا گیا ہے [اور یہ تمیز کی بناء پر منصوب ہے] ﴿ وَقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ ﴾ اور فرشتوں نے کہا کہ آپ بالکل خوف نہ کریں اور نہ غم کریں بے شک ہم آپ کو ضرور نجات دیں گے [حفص کے علاوہ ابن کثیر مکی اور اہل کوفہ کی قراءت میں جیم مشدد ہونے کی بجائے مخفف ہے] ﴿ وَاَهْلَكَ ﴾ اور آپ کے گھر والوں کو [کاف جر کے محل میں ہے' سو فعل محذوف کے سبب ''اَهْلَكَ'' کو منصوب پڑھا جاتا ہے] ''ای نُنَجِّیْ اَهْلَكَ'' یعنی ہم آپ کے گھر والوں کو نجات دیں گے ﴿ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴾ ماسوا آپ کی ایک بیوی کے' وہ عذاب میں باقی رہنے والوں میں سے ہے۔

۳۴۔﴿ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴾ بے شک ہم اس بستی کے رہنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں' اس کا سبب یہ ہے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے (یعنی) ان کے فسق و فجور اور ان کی نافرمانیاں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے نکل جانے کے سبب ان پر عذاب آنے والا ہے اور ''رجز'' بہ معنی عذاب ہے [ابن عامر شامی کی قراءت میں ''مُنَزِّلُوْنَ'' (میں نون مفتوح اور ''زا'' مشدد و مکسور باب تفعیل سے) ہے]۔

۳۵۔﴿ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰیَةًۢ بَیِّنَةً ﴾ اور بے شک ہم نے اس بستی سے ایک واضح نشانی چھوڑ دی اور وہ ان کے تباہ شدہ مکانات کے آثار و کھنڈرات ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس بستی کی تباہی کی نشانی اس کی سرزمین کی سطح پر سیاہ اور کالا پانی ہے ﴿ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴾ عقل مند قوم کے لیے (عبرت کی نشانی ہے) [''لقوم''، ''ترکنا'' کے متعلق ہے یا ''بینة'' کے متعلق ہے]۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٣٦﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٣٧﴾ وَعَادًا وَثَمُودَا وَقَد تَّبَيَّنَ لَكُم مِّن مَّسَاكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ﴿٣٨﴾

اور مدین کی طرف ان کے قومی بھائی شعیب کو (ہم نے بھیجا)' سو اس نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور آخرت کے دن کی امید رکھو اور تم زمین میں فسادی بن کر فساد نہ پھیلاؤ O پس انہوں نے اسے جھٹلایا تو انہیں زلزلہ نے آ پکڑا' سو وہ صبح اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے منہ پڑے رہ گئے O اور عاد اور ثمود کو (ہم نے ہلاک کیا) اور بے شک (یہ) تمہارے لیے ان کی بستیوں سے ظاہر ہو چکا ہے' اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوب صورت کر کے دکھایا اور انہیں سیدھی راہ سے روک دیا حالانکہ وہ دیکھنے بھالنے والے تھے O

مدین والوں' عاد و ثمود اور قارون و فرعون اور ہامان کی ہلاکت کا بیان

۳۶- ﴿وَإِلَىٰ مَدْيَنَ﴾ (اصل میں ہے:) "وَأَرْسَلْنَا إِلَىٰ مَدْيَنَ" ﴿أَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾ اور ہم نے مدین کی طرف ان کے قومی بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا ﴿فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ سو حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور آخرت کے دن کی امید رکھو (یعنی) تم وہ کام کرو جن کی وجہ سے تم آخرت میں ثواب کی امید رکھو یا یہ کہ تم آخرت کے دن (میں جواب دہی کی وجہ سے) ڈرتے رہو ﴿وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ﴾ اور تم زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو (یعنی) فساد چاہنے والے نہ بنو۔

۳۷- ﴿فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ سو انہوں نے اسے جھٹلا دیا تو انہیں زلزلہ نے پکڑ لیا (یعنی) شدید زلزلہ یا حضرت جبریل علیہ السلام کی زوردار خوفناک چیخ کیونکہ اس چیخ کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر لرزہ طاری ہو گیا تھا ﴿فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ﴾ سو وہ صبح کے وقت اپنے گھر میں (یعنی) اپنے ملک میں اور اپنی زمین میں یا "فِي دِيَارِهِمْ" ہے کہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے منہ مردہ پڑے ہوئے تھے' لیکن واحد (دار) پر اس لیے اکتفاء کیا گیا کہ یہاں التباس کا خطرہ نہیں ہے۔

۳۸- ﴿وَعَادًا وَثَمُودَا﴾ اور ہم نے عاد اور ثمود کو ہلاک کیا ["عَادًا" مضمر فعل (یعنی پوشیدہ فعل) "اَهْلَكْنَا" کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ "فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ" اس پر دلالت و رہنمائی کرتا ہے' اس لیے کہ یہ ہلاک کرنے کے معنی میں ہے اور امام حفص' حمزہ' سہل اور یعقوب کی قراءت میں "ثَمُوْدَ" (بغیر تنوین مفتوح ہے کیونکہ یہ قبیلہ کی تاویل میں غیر منصرف) ہے] ﴿وَقَد تَّبَيَّنَ لَكُم﴾ یعنی ان کی ہلاکت کا جو وصف بیان کیا گیا ہے' وہ تمہارے لیے ظاہر ہو چکا ہے ﴿مِّن مَّسَاكِنِهِمْ﴾ ان کی بستیوں اور ان کے مکانات کی طرف سے کیونکہ جب تم ان کے پاس سے گزرتے ہو تو انہیں تم دیکھتے ہو۔ دراصل اہل مکہ اپنے سفروں کے دوران ان کے پاس سے گزرتے تھے اور ان ہلاک شدہ بستیوں کے آثارِ قدیمہ دیکھتے تھے ﴿وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ﴾ اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال (یعنی) ان کے کفر و شرک اور گناہوں

کو اوران کی نافرمانیوں کو بھلا کر کے دکھایا ﴿فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ﴾ اور شیطان نے انہیں سیدھی راہ سے روک دیا' جس پر چلنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانا ہے ﴿وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ﴾ اور وہ دیکھنے بھالنے والے عقل مند لوگ تھے' وہ عبرت کی نگاہ سے دیکھنے پر قدرت رکھنے والے حق و باطل میں فرق کرنے والے تھے' لیکن انہوں نے کچھ نہیں کیا۔

وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ ﴿٣٩﴾ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ ۖ فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٠﴾

اور قارون اور فرعون اور ہامان کو (ہم نے ہلاک کیا)' اور بے شک ان کے پاس موسیٰ روشن دلیلیں لے کر آئے' سو انہوں نے زمین میں تکبر کیا اور وہ (ہماری گرفت سے) نکل کر بھاگ جانے والے نہیں تھے O سو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ پر پکڑ لیا' پس ہم نے ان میں سے کسی پر پتھر برسائے اور ان میں سے کسی کو ہولناک چنگھاڑ نے پکڑ لیا' اور ان میں سے کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا' اور ان میں سے کسی کو ہم نے غرق کر دیا' اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ ان پر ظلم و ستم کرے لیکن وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے O

۳۹۔ ﴿وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ﴾ اور قارون اور فرعون اور ہامان کو "اَیْ وَاَهْلَكْنَاهُمْ" یعنی اور ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا ﴿وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ﴾ اور بے شک ان کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام روشن اور واضح دلائل و معجزات لے کر آئے' لیکن انہوں نے زمین میں تکبر و غرور کیا اور وہ نکل کر جانے والے نہیں تھے (یعنی) بچنے والے نہیں تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم نے انہیں گھیر لیا اور اپنی گرفت میں لے لیا' سو وہ اس سے بچ نہ سکے۔

۴۰۔ ﴿فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ﴾ سو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کے سبب پکڑ لیا۔ اس میں اس شخص کی تردید کر دی گئی ہے' جس نے بغیر گناہ کے سزا کو جائز قرار دیا ﴿فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا﴾ سو ان میں سے کسی پر ہم نے پتھر برسائے' یہ ایک تیز اور سخت آندھی تھی جس میں کنکر اور پتھر تھے اور یہ قوم لوط پر برسائے گئے تھے ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ﴾ اور ان میں سے کسی کو ہولناک چنگھاڑ نے پکڑ لیا اور وہ مدین اور ثمود کے لوگ تھے ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ﴾ اور ان میں سے کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا یعنی قارون کو ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا﴾ اور ان میں سے بعض کو ہم نے غرق کر دیا یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو طوفان میں' فرعون علیہ اللعنۃ کو (لشکر سمیت دریا میں) غرق کر دیا ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں تھی کہ ان پر ظلم و ستم کرتا (یعنی) تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو بغیر گناہ کے سزا دیتا ﴿وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ اور لیکن وہ اپنی جانوں پر کفر و شرک اور سرکشی کی وجہ سے خود ظلم کرتے تھے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۚ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر (دوسروں کو) مالک بنالیا ہے ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے اس نے (جالے کا) گھر بنایا اور بے شک تمام گھروں سے کمزورترین گھر البتہ مکڑی کا گھر ہے' کاش! وہ جان لیتے O بے شک اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے جس چیز کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں' اور وہ سب پر غالب' بہت بڑا حکمت والا ہے O اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں' اور اس کو نہیں سمجھتے مگر علم والے O اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا' بے شک اس میں البتہ مؤمنوں کے لیے نشانی ہے O

کفار کے عقیدہ کی کمزوری کا بیان

۴۱- ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ﴾ ان کی مثال جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور مالک بنا لیے یعنی معبود بنا لیے' مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرایا' اس کی کمزوری اور بُرے اختیار میں مثال ﴿كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا﴾ مکڑی کی طرح ہے کہ اس نے ایک گھر بنایا یعنی اس بات میں مکڑی کی طرح ہے کہ وہ اپنے فائدے کے لیے گھر بناتی ہے لیکن اس کا یہ گھر نہ اس سے گرمی کو دور کرتا ہے اور نہ سردی کو دور کرتا ہے اور نہ وہ ان چیزوں سے بچاتا ہے جن سے دیگر گھر بچاتے ہیں' سو اسی طرح بتوں کا حال ہے کہ وہ اپنے پجاریوں کو نہ دنیا میں فائدہ دیتے ہیں اور نہ آخرت میں فائدہ دیں گے [حاتم نے ''اتخذت'' کو حال قرار دیا ہے] ﴿وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ﴾ اور بے شک تمام گھروں سے سب سے زیادہ کمزور مکڑی کا گھر ہے' کیونکہ اس کے گھر سے زیادہ کمزور کوئی گھر نہیں ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ تم اپنے گھروں کو مکڑی کے جالے سے پاک رکھو کیونکہ جالے کا چھوڑنا فقر و فاقہ پیدا کرتا ہے ﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ کاش! وہ جان لیتے کہ یہ مثال انہیں کی ہے کیونکہ ان کے دین کا معاملہ کمزوری کی انتہاء کو پہنچ چکا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار مومن کے مقابلے میں اس مشرک کی مثال جو بتوں کی عبادت کرتا ہے' مکڑی کی طرح ہے کہ وہ نہایت کمزور جالے کا گھر بناتی ہے' خاص کر اس آدمی کے مقابلے میں جو پکی اینٹوں اور چونے سے گھر بناتا ہے یا پتھروں سے اپنا گھر تراشتا ہے اور جیسے تم جب ایک ایک گھر تلاش کرو گے اور اس کا جائزہ لو گے تو تمام گھروں میں سب سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا گھر ملے گا' اسی طرح جب تم ایک ایک دین و مذہب کو تلاش کر کے اس کا جائزہ لو گے تو تمام ادیان و مذاہب میں سب سے زیادہ کمزورترین دین و مذہب بت پرستی کا ملے گا' کاش! وہ یہ بات جان لیتے' اور علامہ زجاج نے کہا: جماعت کے بارے میں آیت کی تقدیر یہ ہو گی: ''مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ'' جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر

اوروں کومعبود بنالیا ہے کاش! وہ یہ جان لیتے کہ ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے۔

۴۲۔﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اس چیز کو جانتا ہے جس کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں [اعشی اور برجمی کے علاوہ ابوعمرو بصری اور عاصم کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یَدْعُوْنَ'' ہے اور ''مَا'' بہ معنی ''اَلَّذِیْ'' ہے اور یہ ''یَعْلَمُ'' کا مفعول ہے اور ''یَدْعُوْنَ'' کا مفعول مضمر ہے ''اَیْ یَدْعُوْنَهٗ یَعْنِی یَعْبُدُوْنَهٗ'' یعنی جس کو وہ پکارتے ہیں اس کا معنی ہے کہ وہ جس کی عبادت کرتے ہیں (قرآن مجید میں اکثر جگہ ''یَدْعُوْنَ'' بہ معنی ''یَعْبُدُوْنَ'' ہوتا ہے) اور ''مِنْ شَيْءٍ'' میں حرف ''مِنْ'' بیانیہ ہے] ﴿ وَهُوَ الْعَزِيْزُ ﴾ اور وہی غالب ہے جس کا کوئی شریک نہیں ﴿ الْحَكِيْمُ ﴾ بہت بڑی حکمت والا ہے' سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا اور اس میں کفار کی جہالت کا بیان ہے' کیونکہ انہوں نے ایسے بے جان بتوں کی عبادت شروع کر دی جنہیں نہ کچھ علم ہے اور نہ کچھ اختیار ہے اور انہوں نے ہر چیز پر غلبہ رکھنے والے با اختیار قادر خدا کی عبادت ترک کر دی' جو سب سے بڑا دانا اور بہت حکمت والا ہے کہ کوئی کام بغیر حکمت و تدبیر کے نہیں کرتا۔

۴۳۔﴿ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ﴾ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں [''نَضْرِبُهَا'' بہ معنی ''نُبَيِّنُهَا'' ہے' ''الامثال''، ''تلك'' کی صفت ہے اور ''نَضْرِبُهَا'' خبر ہے] قریش مکہ کے بے وقوف و کم عقل اور جاہل لوگ کہا کرتے تھے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا رب تعالیٰ حقیر مکھی اور حقیر مکڑی کی مثال بیان کرتا ہے اور وہ اس قسم کی مثال پر ہنستے تھے اور مذاق اُڑاتے تھے' سو اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴾ اور اس مثال کو نہیں سمجھتے مگر علم والے' جو اللہ تعالیٰ کو اور اس کے اسماء کو اور اس کی صفات کو جانتے پہچانتے ہیں یعنی اس قسم کی مثال کی صحت کو اور اس کے حسن کو اور اس کے فائدے کو نہیں سمجھ سکتے مگر صرف علم والے سمجھتے ہیں کیونکہ مثالیں اور تشبیہات صرف پوشیدہ معانی کی راہیں ہوتی ہیں' یہاں تک کہ انہیں ظاہر کر دیتی ہیں اور ذہنوں میں ان معانی کی شکل و صورت لاتی ہیں' جیسا کہ اس تشبیہ نے مشرک کے حال اور موحد کے حال کے درمیان فرق کو واضح کر دیا' اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت مبارکہ کو تلاوت فرمایا اور فرمایا کہ عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو جانتا مانتا ہے اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے نیک عمل کرتا ہے اور اس کے غضب سے بچتا رہتا ہے اور یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ علم کو عقل پر فضیلت حاصل ہے۔

۴۴۔﴿ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ﴾ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا یعنی برحق پیدا کیا' ان دونوں کو باطل اور عبث پیدا نہیں کیا بلکہ حکمت کے مطابق پیدا کیا اور وہ یہ کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لیے سکونت گاہیں ہوں اور ان میں سے عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت کا باعث بنیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظمت پر دلیلیں بنیں' کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس لیے ارشاد فرمایا کہ ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ بے شک اس میں مؤمنوں کے لیے ضرور نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس جگہ خاص کر مؤمنوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ قدرت کی نشانیوں سے صرف یہی مسلمان فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا

الجزء ۲۱

تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۖۗ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰۤؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾

(اے محبوب!) کتاب میں سے جو کچھ وحی کے ذریعے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اس کی تلاوت کیجئے اور نماز قائم کیجئے' بے شک نماز بے حیائی اور بُرائی سے روکتی ہے' اور البتہ اللہ تعالیٰ کی یاد سب سے بڑی چیز ہے' اور اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو O اور تم اہلِ کتاب سے مناظرہ نہ کرو مگر ایسے طریقہ پر جو سب سے بہتر ہو' ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا اور تم کہہ دو کہ ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے اور (اس پر بھی) جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں O اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے' سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (ان میں سے بعض لوگ) اس پر ایمان لاتے ہیں' اور ان (اہلِ مکہ) میں سے بعض لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں' اور ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر کفار O اور آپ اس سے پہلے کوئی کتاب تلاوت نہیں کرتے تھے اور نہ آپ اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے ورنہ باطل پرست شک میں پڑ جاتے O

سیّد عالم ﷺ اور مسلمانوں کے لیے چند آداب کا بیان

۴۵- ﴿اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ اس کتاب میں سے وحی کے ذریعے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے' اس کی تلاوت کیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کی تلاوت کے ذریعہ آپ کو اس کا مزید قرب حاصل ہو جائے اور تاکہ آپ ان چیزوں سے آگاہ ہو جائیں جن کو بجالانے کا حکم دیا گیا ہے اور جن سے منع کیا گیا ہے ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ﴾ اور نماز قائم کیجئے یعنی نماز کو ہمیشہ قائم و دائم رکھنا ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ﴾ بے شک نماز بے حیائی سے روکتی ہے یعنی بدترین اور شرم ناک کام سے روکتی ہے جیسے زنا کاری وغیرہ مثلاً ﴿وَالْمُنْكَرِ﴾ اور بُرائی سے روکتی ہے' "منکر" ہر اس کام کو کہا جاتا ہے جس کو عقلِ سلیم اور شریعت اسلامی بُرائی قرار دیتے ہوں' بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ جو شخص نماز کی پوری رعایت کرتا ہے اسے یہ نماز یہاں تک لے جاتی ہے کہ ایک دن وہ تمام بُرائیوں کو چھوڑ دیتا ہے ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ فلاں آدمی دن کو نمازیں پڑھتا ہے اور رات کو چوری کرتا ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بے شک اس کی نماز اسے ضرور روک دے گی اور ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ انصار میں سے ایک نوجوان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ پانچوں نمازیں ادا کرتا تھا اور بُرائیوں میں سے کچھ نہیں چھوڑتا تھا' یعنی ہر برائی کا ارتکاب کرتا تھا' سو جب حضور سے اس کی صفت بیان کی گئی تو آپ نے فرمایا: بے شک اس کی نماز عنقریب اسے روک دے

گی' چنانچہ چند دنوں میں اس نے توبہ کر لی اور حضرت ابن عوف نے فرمایا کہ بے شک نماز بے حیائی اور بُرائی سے روکتی ہے یعنی جب تم نماز میں مشغول ہوتے ہو تو اس وقت تم نیکی اور فرماں برداری میں مصروف ہوتے ہو اور اس وقت تم یقیناً اپنے آپ کو بے حیائی اور بُرائی سے روک چکے ہوتے ہو' اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جس کو اس کی نماز نے بے حیائی اور بُرائی سے نہیں روکا اس کی نماز نماز نہیں ہے' بلکہ وہ اس پر وبال ہے ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ اور البتہ اللہ تعالیٰ کی یاد سب سے بڑی چیز ہے یعنی نماز باقی عبادات سے بڑی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ نے صرف ''ولذکر اللّٰہ'' اس لیے فرمایا تا کہ یہ ایک مستقل علّت ہو جائے گویا فرمایا کہ اور نماز سب سے بڑی چیز ہے' اس لیے کہ یہ نماز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ البتہ اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت کے ساتھ تمہارا ذکر کرنا' اس سے بہتر ہے کہ تم اس کی اطاعت وفرماں برداری کے ساتھ اس کا ذکر کرو اور حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا تمہیں یاد کرنا اس سے بہت بڑھ کر ہے کہ تم اسے یاد کرو کیونکہ اس کا ہمارا ذکر کرنا بغیر کسی علّت وغرض کے ہوتا ہے اور ہمارا ذکر الٰہی کرنا علّتوں اور آرزوؤں کے ساتھ مخلوط ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ اس کا ذکر باقی ہے فانی نہیں اور ہمارا ذکر فانی ہے باقی نہیں اور حضرت سلمان نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر چیز سے بڑا اور افضل ہے' اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتادوں جو تمہارے اعمال سے بہتر ہے اور وہ تمہارے بادشاہ کے پاس پاکیزہ ترین ہے اور تمہارے درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا ہے اور سونا چاندی صدقہ کرنے سے بہتر ہے اور تمہارا اپنے دشمنوں سے لڑنے اور ان کی گردنیں مارنے اور ان کا تمہاری گردنیں مارنے سے بہت بہتر ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کون سا عمل ہے؟ حضور نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا[1]

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم دنیا سے اس حال میں جدا ہو جاؤ کہ تمہاری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تروتازہ ہو[2]

یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی عظمت وفضیلت تمہارے افہام وعقول کی سوچ سے بہت بلند وبالا ہے' یا اللہ تعالیٰ کا ذکر اس سے بڑھ کر ہے کہ اس کے ساتھ کسی قسم کا کوئی گناہ باقی رہ جائے یا اللہ تعالیٰ کا ذکر بے حیائی اور بُرائی کے روکنے میں سب سے بڑھ کر مؤثر ہے ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہاری خیر وبھلائی اور عبادات واطاعت کو خوب جانتا ہے' سو وہ تمہیں بہترین اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

۴۶- ﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ اور تم اہل کتاب سے بحث ومناظرہ نہ کرو مگر اس طریقہ پر جو سب سے اچھا ہو (یعنی) سب سے اچھے رویہ اور اچھی عادت کے ساتھ بحث کرو اور وہ یہ کہ سختی کے مقابلہ میں نرمی اور غصہ کے مقابلہ میں ضبط وبرداشت اور غصہ کو پینے کا رویہ اختیار کیا کرو' جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ'' (المومنون: ۹۶) ''سب سے اچھی خصلت کے ساتھ بُرائی کو دفع کیجئے''۔ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم وستم کیا اور بغض وعناد اور ظلم وزیادتی میں حد سے بڑھ گئے اور انہوں نے کوئی نصیحت قبول نہیں کی اور ان کے معاملے میں نرمی نے کوئی فائدہ نہیں دیا' سو تم ان کے ساتھ سختی کا معاملہ کرو' اور بعض نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ سوائے ان

[1] رواہ ابن ماجہ فی کتاب الادب۔ باب: ۵۳' الموطأ فی کتاب مس القرآن۔ حدیث: ۲۴' احمد فی مسندہ ج ۶ ص ۴۴۷' الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۴

[2] رواہ ابن شاہین وابن النجار' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۳۹

لوگوں کے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اذیت و دکھ اور تکلیفیں دیں یا سوائے ان کے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کو ثابت کیا اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ باندھے ہوئے ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم ان اہل کتاب سے بحث نہ کرو جو مسلمانوں کے امن معاہدہ میں داخل ہیں اور جزیہ (ٹیکس) ادا کرتے ہیں' مگر ایسے طریقہ پر جو سب سے عمدہ اور بہتر ہو' سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ظلم کیا اور مسلمانوں کی امان و پناہ کو پھینک دیا اور جزیہ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو ان کے ساتھ تلوار سے مجادلہ ہوگا اور یہ آیت مبارکہ دین کے معاملہ میں کفار کے ساتھ مناظرہ کرنے کے جواز کی دلیل ہے اور یہ علم کلام کی تعلیم حاصل کرنے کی دلیل ہے' جس کے ذریعے دشمنانِ دین کے ساتھ مناظرہ ومجادلہ کیا جا سکے ﴿ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَاِلٰـھُنَا وَاِلٰـھُکُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾ اور تم (ان سے) کہو: ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو کچھ ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم مناظرہ ومباحثہ احسن وعمدہ طریقہ سے کرنے میں اس کے اطاعت گزار وفرماں بردار ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اہل کتاب تمہیں جو کچھ بیان کریں تم نہ اس کی تصدیق کرو اور نہ اس کو جھٹلاؤ بلکہ تم یہ کہہ دو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں' پس اگر وہ باطل وجھوٹ ہوا تو تم نے اس کی تصدیق نہیں کی اور اگر وہ حق وسچ ہوا تو تم نے اس کی تکذیب (جھٹلانا) نہیں کی [1]

۴۷- ﴿ وَکَذٰلِکَ ﴾ اور جس طرح وہ (سابقہ کتب) نازل کی گئیں' اسی طرح ﴿ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ ﴾ ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف نازل کی ہے یعنی ہم نے اس کو دیگر آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے کے لیے نازل کیا ہے یا ہم نے جس طرح آپ سے پہلے پیغمبروں پر کتابیں نازل کی تھیں' اسی طرح ہم نے یہ کتاب آپ پر نازل کی ہے ﴿ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾ سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (ان میں سے بعض) اس کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں اور وہ حضرت عبداللہ ابن سلام اور اس کے دیگر ساتھی ہیں جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ﴿ وَمِنْ ھٰٓؤُلَآءِ ﴾ اور ان میں سے یعنی اہل مکہ میں سے کچھ ﴿ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ ﴾ وہ لوگ بھی ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی' ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو اہلِ کتاب میں سے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارکہ سے پہلے گزر چکے (جیسے قس بن ساعدہ' بحیرا' نسطورا اور ورقہ بن نوفل وغیرہم) اور ''وَمِنْ ھٰـٓؤُلَاءِ'' سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں تھے ﴿ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الْکٰفِرُوْنَ ﴾ اور ہماری روشن اور واضح آیات جو شک وشبہ سے بالاتر ہیں کا انکار نہیں کرتے مگر کافر لوگ جو کفر میں غلو کرنے والے ہیں اور پختہ ارادہ کر کے اس پر قائم ودائم رہنے والے ہیں' جیسے کعب بن اشرف اور اس کے دیگر ساتھی۔

۴۸- ﴿ وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِکَ ﴾ اور آپ اس سے پہلے (یعنی) قرآن مجید کے نزول سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ آپ اپنے دائیں ہاتھ سے اس کو لکھتے تھے' یہاں دائیں ہاتھ کو اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ عموماً کتابت ولکھائی دائیں ہاتھ سے ہوتی ہے یعنی آپ کتابوں میں سے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ آپ کوئی کتاب لکھتے تھے ﴿ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴾ ورنہ اہل کتاب میں سے باطل پرست لوگ شک میں پڑ جاتے یعنی اگر اس میں سے کوئی چیز ہوتی کہ آپ لکھنا پڑھنا جانتے ہوتے تو اہل کتاب شک میں پڑ جاتے اور وہ کہتے کہ ہم نے اپنی کتب میں آخر الزمان نبی کی جو صفات پڑھی ہیں' ان میں ایک صفت یہ ہے کہ وہ اُمی ہوگا' وہ نہ کوئی کتاب پڑھتا ہوگا اور نہ وہ لکھتا ہوگا

[1] رواہ احمد ج ۴ ص ۱۳۶' ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۴

اوران میں یہ صفت نہیں ہے یا یہ معنی ہے کہ مشرکین مکہ شک میں پڑ جاتے اور کہتے کہ آپ شاید کسی کتاب سے پڑھ کر ہمیں سنا دیتے ہیں یا خود اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اوران کا ''مبطلون'' نام اس لیے رکھا گیا کہ انہوں نے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا تھا اور حضرت مجاہد اور حضرت شعبی رحمہما اللہ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے دنیا سے انتقال نہیں فرمایا' یہاں تک کہ آپ نے آخر عمر میں لکھنا پڑھنا شروع کر دیا (تا کہ پہلے آپ کے امی ہونے کا معجزہ ثابت ہو جائے اور آخر میں اُمی ہونے کے باوجود لکھنے پڑھنے کا معجزہ ثابت ہو جائے)۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾

ع ۵ / ۱

بلکہ یہ روشن آیتیں ان لوگوں کے سینوں میں (محفوظ) ہیں جنہیں علم عطا کیا گیا اور ہماری آیتوں کا ظالموں کے سوا کوئی انکار نہیں کرتا O انہوں نے کہا کہ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے کچھ نشانیاں کیوں نہیں اتاری گئیں' فرما دیجئے کہ بے شک نشانیاں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں' اور بے شک میں تو صرف کھلم کھلا ڈر سنانے والا ہوں O اور کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ بے شک ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے' بے شک اس میں اس قوم کے لیے جو ایمان رکھتی ہے البتہ رحمت اور نصیحت ہے O فرمائیے: میرے درمیان اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہی دینے کے لیے کافی ہے' وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے' اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا' یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں O

۴۹- ﴿بَلْ هُوَ﴾ بلکہ وہ یعنی قرآن مجید ﴿اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ روشن اور واضح آیتیں ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں' جنہیں علم عطا کیا گیا یعنی علمائے دین کے اور حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہیں اور یہ دونوں قرآن مجید کے خصائص میں سے ہیں' ایک قرآن مجید کی آیات کا واضح طور پر معجزہ ہونا اور دوسرا قرآن مجید کا سینوں میں محفوظ ہونا' بخلاف دیگر کتب کے کہ وہ معجزات نہیں ہیں اور نہ وہ زبانی پڑھی گئیں' بلکہ انہیں صرف مصاحف سے دیکھ کر پڑھا گیا ﴿وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ﴾ اور ہماری واضح آیتوں کا ظالموں کے سوا کوئی انکار نہیں کرتا' جو ظلم میں انتہائی غلو کرنے والے ہوتے ہیں۔

کفار کے غلط مطالبات اور ان کے بُرے انجام کا بیان

۵۰- ﴿وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ اور انہوں نے کہا کہ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے کچھ نشانیاں

(معجزات) کیوں نہیں نازل کی گئیں' دراصل کفار مکہ نے چاہا کہ جس طرح حضرت صالح علیہ السلام کے لیے اونٹنی کا معجزہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے عصا کا معجزہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مائدہ کا معجزہ عطا کیا گیا' اسی طرح کا معجزہ حضور نبی اکرم ﷺ کو کیوں نہیں عطا کیا گیا[1] [ابن کثیر مکی اور امام حفص کے علاوہ اہل کوفہ کی قراءت میں ''اٰیَةٌ'' (واحد) ہے] ﴿قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ بے شک نشانیاں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں' وہ جو چاہتا ہے نازل کرتا ہے' سو میں از خود (اللہ تعالیٰ کی اجازت و مرضی کے بغیر) معجزات پیش کرنے کا کچھ اختیار نہیں رکھتا ﴿وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ اور بے شک میں تو صرف واضح طور پر صاف ڈر سنانے والا ہوں' مجھے صرف ڈر سنانے کا مکلف کیا گیا ہے' جو میں نے تمہیں سنا دیا ہے اور مجھے جو آیات بینات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہیں' ان کے ذریعے میں نے تمہیں خدا تعالیٰ کے خوف سے آگاہ کر دیا ہے اور میرا یہ کام نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے فرمائش کروں کہ مجھ پر یہ معجزہ نازل کر دے اور یہ معجزہ مجھ پر نازل نہ کر' باوجودیکہ میں جانتا ہوں کہ آیات کا مقصد یہی ہے کہ ان کا مفہوم و مطلب تمہارے سامنے بیان کر دوں اور اس معاملہ میں تمام آیات ایک آیت کے حکم میں ہیں۔

۵۱- ﴿اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰى عَلَیْهِمْ﴾ اور کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب (قرآن مجید) نازل کی ہے' جو ان پر تلاوت کی جاتی ہے' یعنی کیا یہ قرآن مجید جو ایک واضح دلیل اور روشن نشانی ہے' انہیں باقی نشانیوں سے بے نیاز کرنے کے لیے کافی نہیں' اگر وہ واقعی حق کے طلب گار ہیں اور بغض و عناد رکھنے والے نہیں (کیونکہ) یہ وہ قرآن ہے جو ہر جگہ اور ہر زمانہ میں انہیں ہمیشہ پڑھ کر سنایا جاتا ہے' سو یہ معجزہ اور نشانی ان کے ساتھ ہمیشہ قائم و دائم رہے گی' کبھی زائل نہیں ہوگی' جیسا کہ ہر نشانی (معجزہ) واقع ہو جانے کے بعد زائل ہو جاتی ہے یا پھر وہ ایک جگہ میں ہوتی ہے تو دوسری جگہ میں نہیں ہوتی ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں یعنی اس نشانی (قرآن مجید) کی مثل میں جو زمانہ کے اختتام تک ہر جگہ اور ہر زمانہ میں موجود رہے گی ﴿لَرَحْمَةً﴾ ضرور رحمت اور نعمت عظیمہ ہے ﴿وَّذِكْرٰى﴾ اور پند و نصیحت ہے ﴿لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ ایسی قوم کے لیے جو ایمان رکھتی ہے' عناد رکھنے والی نہیں۔

۵۲- ﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ شَهِیْدًا﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان گواہی دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے' یعنی میں نے نبوت و رسالت کا اور اپنے اوپر قرآن مجید کے نازل ہونے کا جو دعویٰ کیا ہے' اس کی سچائی کی اور تمہارے جھٹلانے کی گواہی دینے والا اکیلا اللہ تعالیٰ کافی ہے ﴿یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہ خوب

---

[1] حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بے شمار معجزات عطا فرمائے' مثلاً پتھروں کا آپ کو سلام کرنا' حضور کے قدم مبارک لگنے پر کوہ ثبیر کا اپنی قسمت پر نازاں ہو کر وجد کرنا' اُحد پہاڑ کا حضور سے محبت کرنا اور استن حنانہ کا آپ کے فراق میں رونا اور آہیں بھرنا' درختوں کا آپ کو سلام کرنا اور نبوت کی گواہی دینا' حضور کی عطا کردہ لکڑی کا حضرت عکاشہ کے ہاتھ میں تلوار بن جانا اور حضور کا حضرت فاطمہ کے لیے جنت سے پکا پکایا کھانا منگوانا' حضور کی دعائے برکت سے حضرت ابوہریرہ کی تھوڑی سی کھجوروں کا کئی سال تک کھاتے رہنے کے باوجود ختم نہ ہونا' حضور کی دعائے برکت سے دورانِ سفر قلیل طعام کثیر ہو کر تمام قافلہ کے لیے پورا ہو جانا اور انگلیوں سے پانی کے چشموں کا جاری ہو جانا' نیز چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا' سورج کا واپس لوٹ آنا وغیرہم اور اگر کفار کے فرمائشی معجزات عطا کر دیئے جاتے' پھر بھی وہ ایمان نہ لاتے تو قانون کے مطابق ان پر عذاب کا آنا اور ان تمام کو ہلاک کرنا لازمی ہو جاتا' جب کہ رحمت عالمیاں کی موجودگی میں ان پر عذاب کا آنا اور تمام کو ہلاک کرنا حکمتِ الٰہی اور قرآن کی رو سے ناممکن تھا۔

جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' پس وہ میرے اور تمہارے معاملہ پر پوری طرح مطلع و آگاہ ہے اور وہ میرے حق ہونے کو اور تمہارے باطل ہونے کو خوب جاننے والا ہے ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ﴾ اور جو لوگ باطل پر (یعنی) یہودیت پر یا شرک پر یا شیطان پر ایمان لائے [1] ﴿وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں اور اپنے سودا میں گھاٹا پانے والے ہیں کیونکہ انہوں نے ایمان کے عوض میں کفر کو خرید لیا مگر یہ کلام انصاف کی جگہ پر وارد ہوا ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ'' (سبا: ۲۴) ''اور بے شک ہم یا تم البتہ ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں''۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور وہ آپ سے عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں' اور اگر مدت مقرر نہ ہوتی تو ان پر ضرور عذاب آ جاتا' اور وہ (عذاب) ان پر ضرور اچانک آئے گا اور وہ بے خبر ہوں گے ○ وہ آپ سے عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں' اور بے شک جہنم کافروں کو گھیرنے والی ہے ○ جس دن ان کو عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ڈھانپ لے گا اور ارشاد ہوگا کہ جو عمل تم کرتے تھے ان کا مزہ چکھو ○ اے میرے بندو جو ایمان لا چکے! بے شک میری زمین کشادہ اور فراخ ہے' سو تم میری عبادت کرو ○ ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے' پھر تم سب ہماری طرف واپس آ ؤ گے ○

شانِ نزول: ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے کہا: اے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! آپ کے حق میں کون گواہی دے گا کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں؟ تو ان کے جواب میں یہ آیت مبارکہ نازل کی گئی تھی:

۵۳- ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ﴾ اور وہ لوگ آپ سے عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں' کیونکہ انہوں نے کہا تھا: ''فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ'' (الانفال: ۳۲) ''سو آپ ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش

[1] خیال میں رہے کہ یہ ترجمہ مکتبہ رحمانیہ' اُردو بازار' لاہور کے مطبوعہ نسخہ کے مطابق ہے' جس میں ''بالیھودیۃ او بالشرك او بابلیس'' لکھا ہے' جب کہ اتفاق سے میں نے مدارک مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر اور مدارک مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی دیکھا تو اس میں (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ) ''مِنْكُمْ وَهُوَ مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' لکھا ہے (ترجمہ:) اور تم میں سے جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور باطل وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کی جائے۔

برسا دیں یا ہم پر دردناک عذاب بھیج دیں''۔ ﴿ وَلَوۡلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى ﴾ اور اگر ایک مدت مقرر نہ ہو چکی ہوتی' اور وہ قیامت کا دن ہے یا غزوۂ بدر کا دن ہے یا ان کے فنا ہونے کے لیے موت کا مقررہ وقت مراد ہے اور'' وَلَوْ لَا اَجَلٌ '' کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے اور اس کو لوحِ محفوظ میں بیان کر دیا ہے اور حکمتِ الٰہی اس مقررہ مدت تک عذاب کی تاخیر کا تقاضا کرتی ہے ﴿ لَّجَآءَهُمُ الۡعَذَابُ ﴾ البتہ ان پر جلد از جلد عذاب آ جاتا ﴿ وَلَيَاۡتِيَنَّهُمۡ بَغۡتَةً ﴾ اور البتہ مقررہ مدت میں ان پر ضرور اچانک عذاب آئے گا ﴿ وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴾ اور وہ عذاب کے آنے کے وقت سے بے خبر ہوں گے۔

٥٤- ﴿ يَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌ ۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ﴾ وہ آپ سے عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں اور بے شک دوزخ کافروں کو گھیرنے والی ہے یعنی دوزخ عنقریب انہیں گھیر لے گی۔

٥٥- ﴿ يَوۡمَ يَغۡشٰهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَمِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِهِمۡ ﴾ جس دن ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے انہیں عذاب ڈھانپ لے گا' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:'' لَهُمۡ مِّنۡ فَوۡقِهِمۡ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنۡ تَحۡتِهِمۡ ظُلَلٌ '' (الزمر:١٦)'' ان کے لیے اوپر بھی آگ کے پہاڑ ہوں گے اور ان کے نیچے بھی پہاڑ ہوں گے''[اور'' بالکافرین '' پر وقف نہیں کرنا چاہیے کیونکہ'' یوم '' کافروں کے لیے آگ کے احاطہ کا ظرف ہے] ﴿ وَيَقُوۡلُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا [اور نافع مدنی اور اہل کوفہ کی قراءت میں'' یا '' کے ساتھ ہے] ﴿ ذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴾ تم جو کچھ عمل کرتے تھے' اب ان کا مزہ چکھو یعنی تم اپنے اعمال کی جزا کا مزہ چکھو۔

مسلمانوں کے انعام اور کفار کی طرف سے قدرتِ الٰہی کے اعتراف کا بیان

٥٦- ﴿ يٰعِبَادِىَ ﴾ [عاصم کے علاوہ دیگر اہل کوفہ اور ابو عمرو بصری کی قراءت میں'' عبادی '' کی'' یا '' کو ساکن پڑھا جاتا ہے] اے میرے بندو! ﴿ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ اَرۡضِىۡ وَاسِعَةٌ ﴾ جو ایمان لا چکے ہو بے شک میری زمین وسیع اور کشادہ ہے یعنی جب مسلمان کے لیے اس ملک میں عبادت کرنا آسان نہ ہو' جس میں وہ رہائش پذیر ہے اور اس کے لیے اپنے دین کے معاملہ کو چلانا ممکن نہ ہو تو لازم ہے کہ وہ وہاں سے کسی ایسے ملک میں ہجرت کر جائے' جس میں اسے یہ قدرت و اختیار حاصل ہو کہ وہ دل جمعی کے ساتھ اسلام پر قائم رہ سکے اور اپنے دین پر صحیح طریقے سے عمل کر سکے اور زیادہ سے زیادہ عبادت کر سکے اور اس معاملہ میں ممالک و علاقہ جات آپس میں بہت مختلف ہیں' اور حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب کسی علاقہ کی سرزمین پر گناہوں' نافرمانیوں اور بدعات کا عام ظہور ہو جائے تو تم اس سرزمین سے کسی ایسی سرزمین کی طرف نکل جاؤ' جس کے رہنے والے مطیع و فرماں بردار ہوں' اور رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے' آپ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے دین کی حفاظت کی خاطر ایک سرزمین سے دوسری سرزمین کی طرف ہجرت کرے گا' خواہ زمین کی ایک بالشت کے برابر ہجرت کرے' اس پر جنت واجب ہو گئی[1] [ابن عامر شامی کی قراءت میں'' ارضی '' کی'' یا '' مفتوح ہے] ﴿ فَاِيَّاىَ فَاعۡبُدُوۡنِ ﴾ سو تم میری ہی عبادت کرو [یعقوب کی قراءت میں'' یا '' کے ساتھ ہے' جس کی تقدیرِ عبارت اس طرح ہے:'' (فَـاِيَّاىَ) فَاعۡبُدُوۡا (فَاعۡبُدُوۡنِىۡ) '' اور'' فاعبدون '' میں حرف'' فا '' اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ محذوف شرط کا جواب ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک میری زمین بہت کشادہ اور فراخ ہے' سو اگر تم ایک جگہ خلوص کے ساتھ میری عبادت نہیں کر سکتے تو اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ میں جا کر رہو اور وہاں خلوص کے ساتھ میری عبادت کرو' پھر شرط کو حذف کر دیا گیا اور اس کے حذف

1 قال الحافظ: اخرجه الثعلبی من مرسل الحسن' حاشیۃ الکشاف ج ۳ ص ۴۶۱

کرنے کے عوض میں مفعول کو مقدم کر دیا گیا کیونکہ اس کی تقدیم میں اختصاص اور اخلاص کا فائدہ حاصل ہو گیا] پھر اللہ تعالیٰ نے ہجرت کرنے والے کے دل میں شجاعت و بہادری کا جذبہ ابھارنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ

۵۷۔ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ہر جان دار موت کا مزہ چکھنے والا ہے یعنی موت کی کڑواہٹ اور اس کی تکلیف پانے والا ہے' جیسا کہ چکھنے والا شخص ذائقہ دار چیز کا مزہ پاتا ہے کیونکہ جب موت کا یقین ہو جاتا ہے تو اس پر اپنے وطن سے جدائی اختیار کرنا آسان ہو جاتا ہے ﴿ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ﴾ پھر تم مرنے کے بعد جزا اور سزا کے لیے ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے [یحییٰ کی قراءت میں ''یا'' کے ساتھ ''یرجعون'' ہے جب کہ یعقوب کی قراءت میں ''تا'' کے ساتھ ''ترجعون'' ہے]۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿٥٨﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٥٩﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٠﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٦١﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ہم ضرور انہیں جنت کے بالا خانوں میں ٹھہرائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' نیک عمل کرنے والوں کا اجر و ثواب بہت بہتر ہے O جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں O اور زمین پر چلنے والے کتنے ایسے جاندار ہیں جو اپنی روزی نہیں اٹھاتے' اللہ تعالیٰ ہی انہیں اور تمہیں روزی دیتا ہے' اور وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے O اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے ایک نظام کا پابند بنا دیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' سو وہ کہاں بہکے پھرتے ہیں O

۵۸۔ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' ہم انہیں ضرور جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے (یعنی) البتہ ہم ضرور انہیں جنت کے بالا خانوں میں مہمان نوازی کے لیے اتاریں گے (تو گویا ''لَنُبَوِّئَنَّهُمْ'' بہ معنی ''لَنُنْزِلَنَّهُمْ'' ہے) [عاصم کے علاوہ دیگر اہل کوفہ کی قراءت میں ''لَنُثْوِيَنَّهُمْ'' ہے اور یہ ''ثواء'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: ٹھہرانے کے لیے اتارنا' اور ''ثَوِيَ'' متعدی نہیں ہوتا' پھر جب ہمزہ کے اضافہ کے ساتھ اسے متعدی کیا جاتا ہے تو یہ ایک مفعول سے تجاوز نہیں کرتا اور اسے مؤمنوں کی ضمیر اور ''غرفًا'' کی طرف متعدی کرنے کی یا تو یہ وجہ ہے کہ اسے ''لَنُنْزِلَنَّهُمْ'' کا قائم مقام کیا گیا ہے یا ''لَنُوَيَنَّهُمْ'' کے قائم مقام کیا گیا ہے یا حرف جار کو حذف کر کے فعل کو مفعول کی طرف براہِ راست ایصال کیا گیا یا ظرفِ موقت کو ظرفِ مبہم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے] ﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ﴾ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ

اس میں ہمیشہ رہیں گے' نیک عمل کرنے والوں کا اجر وثواب بہت اچھا ہے۔

۵۹-﴿الَّذِیْنَ صَبَرُوْا﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے وطنوں سے جدا ہونے پر اور مشرکین کی تکلیفوں پر اور مصائب وآلام اور مشقتوں پر اور عبادات واطاعات پر اور گناہوں اور نافرمانیوں سے بچنے پر صبر کیا [اور ''العاملین'' پر وقف کیا جائے گا' اس بناء پر کہ ''الذین صبروا'' مبتدا محذوف کی خبر ہے' اصل میں ''هُمُ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا'' ہے لیکن وقف کی بجائے وصل کرنا زیادہ بہتر ہے تاکہ ''اَلَّذِیْنَ صَبَرُوْا'' ''اَلْعَامِلِیْنَ'' کی صفت ہو جائے] ﴿وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ﴾ اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں اور وہ تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہیں کسی اور پر نہیں۔

۶۰-اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کرنے والے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا تو وہ لوگ فقر و فاقہ اور تنگ دستی سے ڈر گئے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ﴿وَكَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا﴾ اور بہت سے جان دار ایسے ہیں جو اپنا رزق نہیں اٹھاتے (یعنی) وہ اپنا رزق نہیں اٹھا سکتے کیونکہ وہ اپنا رزق اٹھانے سے کمزور ہیں اور ''دابة'' ہر اس جاندار کو کہا جاتا ہے' جو زمین کی سطح پر چلتا ہو' خواہ وہ عاقل ہو یا غیر عاقل ہو [ابن کثیر مکی کی قراءت میں مد اور ہمزہ کے ساتھ ''کائن'' ہے] ﴿اَللّٰهُ یَرْزُقُهَا وَاِیَّاكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ ہی انہیں اور تمہیں رزق عطا فرماتا ہے' یعنی ان کمزور جانداروں کو صرف اللہ تعالیٰ رزق عطا فرماتا ہے اور اے طاقتورو! تمہیں بھی صرف وہی اللہ تعالیٰ رزق عطا فرماتا ہے اور اگرچہ تم اپنے رزق اٹھانے اور اسے کمانے کی طاقت رکھتے ہو' کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں قدرت وطاقت نہ دیتا اور تمہارے لیے کسب کے اسباب مقدر نہ کرتا تو تم ان کمزور جانداروں سے زیادہ کمزور و عاجز ہو جاتے' جو اپنا رزق نہیں اٹھا سکتے اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ''لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا'' کا مطلب ہے کہ وہ اپنے رزق کو ذخیرہ نہیں کرتے بلکہ جب وہ صبح اٹھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں رزق عطا فرماتا ہے اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ انسان' چیونٹی اور چوہے کے علاوہ کوئی جاندار اپنی روزی ذخیرہ نہیں کرتا ﴿وَهُوَ السَّمِیْعُ﴾ اور وہ تمہاری اس بات کو خوب سننے والا ہے کہ ہمیں فقر و فاقہ اور تنگ دستی کا ڈر ہے ﴿الْعَلِیْمُ﴾ وہ خوب جاننے والا ہے' جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔

۶۱-﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور کس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا یعنی اگر آپ ان مشرکین سے سوال کریں کہ اتنے بڑے اور وسیع و عریض اور کشادہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور وہ کون ہے جس نے سورج اور چاند کو مطیع و تابع فرمان کر دیا ﴿لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ﴾ البتہ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے' سو وہ کہاں بھٹکتے پھر رہے ہیں' پس ان تمام چیزوں کے اقرار کرنے کے باوجود پھر وہ اللہ تعالیٰ کی توحید سے اعراض و روگردانی کیوں کر رہے ہیں۔

اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۶۲﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ
اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ

وقف لازم

وَإِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے (چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمان سے (بارش کا) پانی کس نے نازل کیا جس کے ذریعہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کر دیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے' (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں سمجھتے O اور یہ دنیا کی زندگی نہیں مگر صرف کھیل اور تماشا ہے' اور بے شک آخرت کا گھر ہی ہمیشہ کی زندگی ہے' کاش! وہ جان لیتے O

۶۲- ﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ﴾ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور اس کے لیے یعنی جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے' [پس ''له'' کی ضمیر ''لمن یشاء'' کی جگہ رکھی گئی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے وہ مبہم اور غیر معیّن ہے' اس لیے ضمیر بھی اس کی مثل مبہم ہے'' قدّر الرزق وقتّرہ'' ہم معنی ہیں' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب رزق تنگ کر دیا جاتا ہے] ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے' وہ سب کچھ جانتا ہے جو بندوں کے لیے مفید ہے اور جو ان کو نقصان دِہ ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بہت سے بندے ایسے ہیں کہ ان کا ایمان صرف مال و دولت میں صحیح سلامت رہتا ہے اور اگر میں ان کو تنگ دست وغریب کر دوں تو ان کا ایمان خراب ہو جائے اور میرے بہت سے بندے ایسے ہیں کہ ان کا ایمان صرف فقر وفاقہ اور غربت میں صحیح سلامت رہتا ہے اور اگر میں ان کو مال ودولت دے کر غنی کر دوں تو ان کا ایمان خراب ہو جائے[1]

۶۳- ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمان سے (بارش کا) پانی کس نے نازل کیا' پھر اس کے ذریعہ زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ فرمایا' البتہ وہ ضرور یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یعنی وہ لوگ اس کا اقرار واعتراف کرتے ہیں ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ تمام محامد وتعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں' اس لیے کہ اس نے آسمان سے بارش برسا کر مردہ وبنجر زمین کو زندہ فرما کر سبزہ زار بنا دیا' یا اس بناء پر کہ آپ نے بھی اسی طرح اقرار کیا' جس طرح انہوں نے اس کا اقرار واعتراف کیا' پھر اس اقرار نے آپ کو اللہ تعالیٰ کی توحید میں اور اس سے شریکوں کی نفی کرنے میں فائدہ پہنچایا اور آپ کا اقرار مشرکین کے اقرار کی طرح معطل و بے فائدہ نہیں رہا ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں سمجھتے اور اپنی عقلوں سے کام لے کر ان نشانیوں میں تدبر نہیں کرتے' جو ہم نے انہیں دکھائی ہیں اور نہ ان دلائل میں غور وفکر کرتے ہیں جو ہم نے ان پر قائم کیے ہیں یا وہ لوگ ان چیزوں کو نہیں سمجھتے جو آپ الحمد للہ کہہ کر مراد لیتے ہیں۔

دنیا کے طالب کفار کی مذمت وناشکری کا بیان

۶۴- ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ﴾ اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے یعنی یہ دنیا اہل دنیا سے بہت جلد زائل ہو جانے اور دنیاداروں کے موت آنے پر دنیا کو چھوڑ دینے کی وجہ سے اس طرح ہے جس طرح بچے تھوڑی دیر کے لیے مل کر کھیلتے ہیں' پھر جلد ہی کھیل کود چھوڑ کر منتشر ہو جاتے ہیں اور اس آیت مبارکہ میں دنیا کی تحقیر وتذلیل

[1] رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس رقم الحدیث: ۸۰۹۸۔ ۸۱۰۰' من حدیث عمر وانس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

بیان کی گئی ہے اور اس کی تحقیر کیوں نہ کی جاتی جب کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں اور ''لھو'' ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے کوئی لذت و سرور حاصل کرتا ہے اور تھوڑی دیر کے لیے اس میں منہمک ہو کر غافل ہو جاتا ہے' پھر دنیا کا سرور ختم ہو جاتا ہے ﴿ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ ﴾ اور بے شک آخرت کا گھر ہی زندگی ہے یعنی اصل زندگی آخرت کا گھر ہے کیونکہ آخرت کی زندگی دائمی اور ہمیشہ کے لیے ہوگی' اس میں موت نہیں تو گویا اصل اور بالذات زندگی یہی ہے [اور ''حَیَوَان''، ''حَیَّ'' کا مصدر ہے اور قیاس کے مطابق ''حَیَیَان'' ہونا چاہیے مگر دوسری ''یَا'' کو واؤ سے بدل دیا گیا ہے اور ''لھی الحیاۃ'' نہیں کہا گیا کیونکہ ''فَعَلَان'' کے صیغہ میں حرکت و اضطراب کا معنی پایا جاتا ہے اور حیات میں حرکت ہے اور موت میں سکون ہے' پس ''حیـــاۃ'' کو ایسے وزن پر لانا جو حرکت کے معنی پر دلالت کرتا ہو ''حیـــاۃ'' کے معنی میں مبالغہ کرنے کے لیے ہے اور ''الـــحیـــوان'' پر وقف کیا جائے گا کیونکہ مقدر عبارت یوں ہے] ﴿ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴾ ''حَقِیْقَةَ الدَّارَیْنِ لَمَا اخْتَارُوا اللَّهْوَ الْفَانِیْ عَلَی الْحَیَوَانِ الْبَاقِیْ'' یعنی اگر مشرکین مکہ دنیا و آخرت کی حقیقت جان لیتے تو فانی و عارضی کھیل کود کو باقی اور دائمی زندگی پر ترجیح نہ دیتے [اور اگر وقف کی بجائے وصل کیا جائے تو ''حیاۃ'' کا وصف ان کے علم کی شرط پر معلق ہوگا حالانکہ ایسا نہیں ہے]۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ۬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِیَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ ۚۙ وَ لِیَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۶۸﴾ وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۶۹﴾ ع

پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں جب کہ وہ اپنے دین کو اسی کے لیے خالص کر لیتے ہیں' پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو اسی وقت وہ شرک کرنے لگ جاتے ہیں ○ تاکہ وہ ان تمام نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں عطا کی ہیں' اور تاکہ وہ چند روزہ نفع حاصل کر لیں' سو عنقریب وہ جان لیں گے ○ اور کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم شریف کو امن کی جگہ قرار دیا حالانکہ اس کے گرد و نواح سے لوگوں کو اچانک اغوا کر لیا جاتا ہے' تو کیا وہ لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں ○ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھے یا جب حق اس کے پاس آ جائے تو اس کو جھٹلا دے' کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ○ اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی' ہم انہیں ضرور اپنے راستے دکھلا دیں گے' اور بے شک اللہ تعالیٰ نیکوں کے

ساتھ ہے O

٦٥۔ ﴿ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ ﴾ پھر جب وہ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں [یہ محذوف کے ساتھ متصل ہے اور اس پر ان کا وہ وصف دلالت کرتا ہے' جو ان کے بارے میں بیان کیا گیا ہے اور ان کے حال کی وضاحت کی گئی ہے] اس کا معنی یہ ہے کہ مشرکین عرب کفر و شرک اور بغض و عناد کے ساتھ متصف ہونے کے باوجود جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو ﴿ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں جب کہ وہ اپنے دین کو اسی کے لیے خالص کر لیتے ہیں (یعنی) یہ لوگ ان مؤمنوں کی صورت میں ہو جاتے ہیں جو اپنا دین و ایمان اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ کشتیوں میں صرف اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے ﴿ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے اور حالتِ امن میں آ جاتے ہیں تو ﴿ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴾ اسی وقت وہ شرک کرنے لگ جاتے ہیں اور شرک کی حالت میں لوٹ جاتے ہیں۔

٦٦۔ ﴿ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ﴾ تاکہ وہ ان نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں عطا کی ہیں اور تاکہ عارضی منافع سے لطف اندوز ہو لیں۔ [بعض حضرات نے کہا کہ کسرہ کی قراءت کی صورت میں ''لِيَكْفُرُوْا'' اور ''وَلِيَتَمَتَّعُوْا'' میں لام ''کَیْ'' ہے' ''اَیْ کَیْ یَکْفُرُوْا وَ کَیْ یَتَمَتَّعُوْا'' یعنی تاکہ وہ ناشکری کریں اور تاکہ وہ لطف اندوز ہو لیں] اور معنی یہ ہے کہ یہ لوگ (خشکی پر آ جانے کے بعد) اپنے کفر و شرک کی طرف لوٹ آتے ہیں' تاکہ یہ لوگ اپنے شرک کی طرف لوٹ کر نجات پانے کی نعمت پر ناشکری کریں اور اس نجات کی وجہ سے عارضی دنیا کے فوائد سے صرف لذت و لطف اٹھائیں اور کچھ نہیں اور ان کا رویہ حقیقت میں مخلص مؤمنوں کے برعکس تھا کیونکہ مؤمنین تو اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر بجالاتے ہیں' جب انہیں نجات ملتی ہے اور یہ نجات کی نعمت کو عبادت و ریاضت اور اطاعت و فرماں برداری کے اضافہ کا ذریعہ بنا لیتے اور یہ حضرات عارضی منافع سے لطف و سرور حاصل کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتے [اور اس معنی پر ''يُشْرِكُوْنَ'' پر وقف نہیں کیا جائے گا اور جس نے ابن کثیر مکی' علی کسائی اور حمزہ کی قراءت ثابت کرنے کی وجہ سے لام امر قرار دیا ہے' اس کے نزدیک وقف کیا جائے گا اور اس صورت میں لام ساکن ہو گا] اور یہ امر ڈانٹنے کے طور پر ہو گا' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ'' (الکہف:۲۹) ''سو جو شخص چاہے پس ایمان لے آئے اور جو شخص چاہے پس وہ کفر اختیار کر لے''۔ اور اس کی تحقیق اصولِ فقہ ہے ﴿ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴾ سو وہ عنقریب اپنی ہلاکت کے وقت اپنی بُری سوچ کا انجام جان لیں گے۔

٦٧۔ ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا ﴾ اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا یعنی کیا اہل مکہ نے نہیں دیکھا کہ ﴿ اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا ﴾ بے شک ہم نے ان کے شہر کو حرم بنا کر ہر قسم کی ظلم و زیادتی سے سلامت و محفوظ بنا دیا ﴿ اٰمِنًا ﴾ امن و امان کی جگہ بنا دیا جس میں لوگ امن و سکون کے ساتھ داخل ہوتے ہیں ﴿ وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ﴾ حالانکہ لوگوں کو ان کے گرد و نواح سے اغواء کر لیا جاتا ہے اور انہیں اچانک قتل کرنے یا قیدی بنانے کے لیے اچک لیا جاتا ہے ﴿ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ تو کیا وہ لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں یعنی شیطان پر اور بتوں پر ایمان لاتے ہیں ﴿ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں یعنی حضرت سیّد عالم محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی نبوت و رسالت اور دین اسلام کی حقانیت کا انکار کرتے ہیں۔

٦٨۔ ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴾ اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو گا جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان تراشا ہے' اس بناء پر کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے شریک بنایا ہے ﴿ اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ ﴾ یا اس نے حق جھٹلایا ہے

(یعنی) حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی نبوت ورسالت کو اور کتاب کو جھٹلایا ہے ﴿لَمَّا جَآءَهٗ﴾ جب وہ اس کے پاس آیا یعنی جب انہوں نے آپ کے بارے میں سنا تو انہوں نے دیر نہیں لگائی بلکہ فوراً آپ کی تکذیب کی اور جھٹلایا ﴿اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْكٰفِرِیْنَ﴾ کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانا نہیں۔ یہ دوزخ میں ان کے ٹھکانے کی تصدیق وتائید کرنا اور اس کے لیے ثبوت مہیا کرنا ہے [کیونکہ انکار کا ہمزہ جب نفی پر داخل ہوتا ہے تو مدخول منفی کی بجائے مثبت ہو جاتا ہے] یعنی کیا وہ دوزخ میں نہیں ٹھہریں گے حالانکہ انہوں نے اتنی بڑی تکذیب کی طرح اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشا اور انہوں نے اتنی بڑی تکذیب کی طرح حق کو جھٹلایا' یا یہ کہ کیا ان کے نزدیک یہ درست نہیں کہ دوزخ کافروں کا ٹھکانا ہے کیونکہ انہوں نے اتنی بڑی جراءت کی طرح جراءت کا مظاہرہ کیا اور ''لَنُبَوِّئَنَّهُمْ'' کے مقابلے میں ''المثوی'' کا ذکر ''ثا'' کی قراءت کی تائید کرتا ہے۔

راہِ حق کے طالب کے انعام کا بیان

۶۹- ﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا﴾ اور جن لوگوں نے مجاہدہ کیا۔ یہاں مجاہدہ کو مطلق بیان کیا گیا اور اس کو مفعول کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا تاکہ یہ ہر اس مجاہدہ کو شامل ہو جائے جس پر عمل کرنا واجب ولازم ہے' جیسے نفس کے ساتھ اور شیطان کے ساتھ اور دشمنانِ دین کے ساتھ مجاہدہ کرنا واجب ولازم ہے ﴿فِیْنَا﴾ ہمارے حق میں اور ہماری خاطر اور خالص ہماری رضا وخوشنودی کے لیے ﴿لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ البتہ ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھلائیں گے۔ حضرت ابوعمرو نے کہا کہ یعنی ہم خیر وبھلائی کی راہ کی طرف ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیں گے اور ہم انہیں خیر وبھلائی کی توفیق عنایت کریں گے اور دارانی نے کہا کہ اور جن لوگوں نے ان راہوں میں مجاہدہ کیا' جو ان کے علم میں تھیں تو ہم ضرور ان راہوں کی طرف ان کی رہنمائی کریں گے' جن کو وہ نہیں جانتے' چنانچہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے اسے ایسے علم کی توفیق عطا کی جاتی ہے' جس کا اسے پہلے علم نہیں ہوتا اور بعض نے کہا کہ بے شک ہم اپنی بے علمی کی وجہ سے جس چیز کو خیال کرتے ہیں کہ اس پر ہم عمل نہیں کر سکتے تو یہ صرف ہماری علمی کوتاہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اور جو لوگ علم کی طلب میں مجاہدہ کریں گے' ہم انہیں اس پر عمل کرنے کی ہدایت وتوفیق عطاء کریں گے اور حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ جو لوگ سنت کو قائم ودائم رکھنے میں جہاد کریں گے' ہم انہیں جنت کا راستہ دکھائیں گے۔ حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے کہ جو لوگ ہماری رضا وخوشنودی کے حصول میں مجاہدہ کریں گے' ہم انہیں رضوان کے محل تک پہنچنے کی رہنمائی کریں گے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جو لوگ ہماری اطاعت وفرماں برداری کرنے میں جدوجہد اور کوشش کریں گے' ہم انہیں اپنے اجر وثواب کے راستوں کی رہنمائی فرمائیں گے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے کہ جو لوگ توبہ کرنے میں کوشش کریں گے' ہم انہیں اخلاص کی راہوں کی طرف رہبری کریں گے' یا یہ معنی ہے کہ جو لوگ ہماری خدمت کے لیے جدوجہد کریں گے' ہم ان پر مناجات کی راہیں اور اپنے ساتھ انس ومحبت کی راہیں کھول دیں گے' یا جو لوگ ہماری رضا کے لیے متحیر ہو کر ہماری طلب میں جدوجہد کرتے ہیں' ہم انہیں اپنے قرب تک پہنچنے کی راہیں کھول دیتے ہیں ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ دنیا میں اعانت ومدد کرنے کے لیے اور آخرت میں مغفرت وبخشش کرنے اور اجر وثواب عطا کرنے کے لیے نیکوں کے ساتھ ہے۔

(آج بروز ہفتہ ۳۱ دسمبر ۲۰۰۵ء بوقت پانچ بجے شام' سورت عنکبوت کا ترجمہ اور ''تفسیر مدارک'' کے تفسیری حصہ کا ترجمہ اختتام پذیر ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک) (فقیر حافظ محمد واحد بخش غوثوی)